توفیق الباری

شرح

صحیح بخاری

www.KitaboSunnat.com

کتاب المغازی

• فتح الباری • فیض الباری • شرح تراجم
شاہ ولی اللہ کے تمام مباحث کا مکمل ترجمہ

مترجم
پروفیسر ڈاکٹر عبدالکبیر محسن

حسبِ حکم
شیخ الحدیث مولانا عبدالحلیم رحمہ اللہ

مکتبہ اسلامیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com
www.KitaboSunnat.com

توفیق الباری

شرح

صحیح بخاری

جلد پنجم

❁ فتح الباری ❁ فیض الباری ❁ شرحِ تراجم

شاہ ولی اللہ کے تمام مباحث کا مکمل ترجمہ

سند و متن سے متعلقہ تمام معلومات، طرق حدیث کا ذکر
دیگر کتب حدیث سے احادیثِ صحیح بخاری کا حوالہ اور تفصیل فقہی مسالک

مصنّف
پروفیسر ڈاکٹر عبدالکبیر محسن

حسبِ حکم
شیخ الحدیث مولانا عبدالحلیم رحمہ اللہ

مکتبہ اسلامیہ

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

244.1
ع ب د ش

ناشر .... محمد سرور عاصم

اشاعت .... مئی 2009ء

قیمت ....

ال[illegible]انیّة
۹۹ ۔ جے ماڈل ٹاؤن ۔ لاہور
نمبر ...18677...

ملنے کا پتہ

مکتبہ اسلامیہ

لاہور بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار فون: 042-7244973

فیصل آباد بیرون امین پور بازار
کوتوالی روڈ فون: 041-2631204

فہرس

مضمون .... صفحہ نمبر

60-کتاب أحادیث الأنبیاء (احادیثِ انبیاء)

1 باب خَلْقِ آدَمَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَذُرِّيَّتِهِ (حضرت آدم اوران کی ذریت کی تخلیق)................ ۱۱

2 باب الْأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُجَنَّدَةٌ (تمام روحیں اکٹھی تخلیق کی گئیں).. ۲۵

3 باب قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ) (حضرت نوح کا ذکر) ۲۶

3 باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى (إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ) (اس آیت کی تشریح).... ۲۷

4 باب (حضرت الیاس کا ذکر) ۳۱

5 باب ذِكْرِ إِدْرِيسَ عَلَيْهِ السَّلَامُ (حضرت ادریس کا ذکر)... ۳۳

6 باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى (وَإِلَى عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ) (حضرت ہود کا ذکر)............... ۳۶

7 باب قِصَّةِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ (یاجوج اور ماجوج کا قصہ).. ۳۹

8 باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى (وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً) (ابراہیم خلیل اللہ)............................... ۴۹

11باب قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ (وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ إِذْ دَخَلُوا عليه)
(حضرت ابراہیم کے ہاں آنیوالے مہمان فرشتوں کا ذکر) ۸۰

12 باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى (وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ) (ذکرِ اسماعیلؑ) ۸۴

13باب قِصَّةِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ (قصہ اسحاقؑ)... ۸۴

14 باب (أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ) (حضرت یعقوب کی جانکنی کا عالم)........................ ۸۴

15باب (حضرت لوط کا تذکرہ) ۸۵

16باب (فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَقَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ) (جب فرشتے حضرت لوط کے پاس آئے)............ ۸۷

17 باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى (وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا) (حضرت صالح کا ذکر) ۸۸

19باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى (لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ) (ذکرِ یوسفؑ) ۹۱

20 باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى (وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ) (ذکرِ حضرت ایوب)........... ۹۵

21 باب (حضرت موسیٰ کا تذکرہ) ۹۸

22 باب قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (حضرت موسیٰ وادیِ طور میں) ۹۹
23 باب (وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ) (آلِ فرعون کے ایک مردِ مومن کا حال) ۱۰۳
24 باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى (وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى) (حدیثِ موسیٰ) ۱۰۴
25 باب (حضرت موسیٰ کا چلہ) ۱۰۵
26 باب طُوفَانٍ مِنَ السَّيْلِ (طوفانِ نوح) ۱۰۷
27 باب حَدِيثِ الْخَضِرِ مَعَ مُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ (قصہِ موسیٰ وخضرؑ) ۱۰۷
28 باب (بلاعنوان) ۱۱۴
29 باب (يَعْكُفُونَ عَلَى أَصْنَامٍ لَهُمْ) (قومِ موسیٰ بتوں کی عبادت پہ ٹوٹ پڑی) ۱۱۷
30 باب (وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً) (گائے ذبح کرنے کا واقعہ) ۱۱۸
31 باب وَفَاةِ مُوسَى وَذِكْرُهُ بَعْدُ (حضرت موسیٰ کی وفات) ۱۱۹
32 باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى (وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ) (فرعون کی مومن بیوی) ۱۲۷
33 باب (إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى) (قارون کا قصہ) ۱۲۹
34 باب (وَإِلَى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا) (ذکرِ شعیبؑ) ۱۳۰
35 باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى (وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ) (حضرت یونس کا ذکر) ۱۳۲
36باب (وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ) (اصحابِ سبت کا واقعہ) ۱۳۴
37 باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى (وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا) (حضرت داوٗداور زبور) ۱۳۵
38 باب أَحَبُّ الصَّلَاةِ إِلَى اللّٰهِ صَلَاةُ دَاوُدَ (اللہ کو صلاۃِ داوٗد کی بہت پسند ہے) ۱۳۸
39 باب (وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ) (حضرت داوٗد کی چند صفات) ۱۳۸
40 باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى (وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ) (ذکرِ سلیمانؑ) ۱۴۰
41 باب قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالَى (وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ) (حکمتِ لقمانی) ۱۵۱
42 (وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلاً أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ) (ایک بستی والوں کا تذکرہ) ۱۵۲
43 باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى (حضرت زکریا پر اللہ کی رحمت کا ذکر) ۱۵۳
44 باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى (وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا) (حضرت مریم کا ذکر) ۱۵۵
45 باب (وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ)
(فرشتوں کا حضرت مریم سے تخاطب) ۱۵۶
46 باب قَوْلِهِ تَعَالَى (فرشتوں نے کہا اے مریم) ۱۵۸

47 باب قَوْلُهُ (اللہ تعالیٰ کی اہلِ کتاب کو ہدایت کہ غلو نہ کریں) ۱۶۰
48 باب (وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا) (ولادتِ عیسیٰ کا مرحلہ) ۱۶۳
49 باب نُزُولُ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عليهما السلام (حضرت عیسیٰ کا نزول) ۱۸۱
50 باب مَا ذُكِرَ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ (بنی اسرائیل کے بعض واقعات) ۱۸۶
51 باب حَدِيثُ أَبْرَصَ وَأَعْمَى وَأَقْرَعَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ (بنی اسرائیل کے ایک کوڑھی، ایک نابینا اور ایک گنجے کا واقعہ) ۱۹۵
52 باب (أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ) (اصحابِ کہف ورقیم) ۱۹۹
53 باب حَدِيثُ الْغَارِ (غار والوں کا قصہ) ۲۰۱

61- کتاب المناقب (فضائل ومناقب)

1 باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى (اس آیت کی تشریح میں) ۲۲۶
2 باب مَنَاقِبِ قُرَيْشٍ (مناقبِ قریش) ۲۳۶
3 باب نَزَلَ الْقُرْآنُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ (قرآن لغتِ قریش میں نازل ہوا ہے) ۲۴۲
4 باب نِسْبَةِ الْيَمَنِ إِلَى إِسْمَاعِيلَ (اہلِ یمن کی حضرت اسماعیل کی طرف نسبت) ۲۴۲
5 باب (بلا عنوان) ۲۴۴
6 باب ذِكْرِ أَسْلَمَ وَغِفَارَ وَمُزَيْنَةَ وَجُهَيْنَةَ وَأَشْجَعَ (اسلم وغیرہ بعض عرب قبائل کا ذکر) ۲۴۷
7 باب ذِكْرِ قَحْطَانَ (ذکرِ قحطان) ۲۵۰
8 باب مَا يُنْهَى مِنْ دَعْوَةِ الْجَاهِلِيَّةِ (دعوتِ جاہلیت سے ممانعت) ۲۵۲
9 باب قِصَّةُ خُزَاعَةَ (قصہ خزاعہ) ۲۵۳
10 باب قِصَّةِ إِسْلَامِ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ ؓ (حضرت ابوذر کے قبولِ اسلام کا قصہ) ۲۵۶
11 باب قِصَّةِ زَمْزَمَ (قصہ زمزم) ۲۵۶
12 باب قِصَّةِ زَمْزَمَ وَجَهْلِ الْعَرَبِ (جہلِ عرب) ۲۵۸
13 باب مَنِ انْتَسَبَ إِلَى آبَائِهِ فِي الْإِسْلَامِ وَالْجَاهِلِيَّةِ (اسلام اور جاہلیت کی نسبتیں) ۲۵۸
14 باب ابْنُ أُخْتِ الْقَوْمِ وَمَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ (بھانجا اور قوم کا مولیٰ انہی میں سے ہے) ۲۶۰
15 باب قِصَّةِ الْحَبَشِ (حبشیوں کا قصہ) ۲۶۱
16 باب مَنْ أَحَبَّ أَنْ لَا يُسَبَّ نَسَبُهُ (نسب کی حرمت سے محبت) ۲۶۱
17 باب مَا جَاءَ فِي أَسْمَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ (اسمائے نبوی) ۲۶۳

18 باب خَاتِمِ النَّبِيِّينَ (خاتم النبیین) ۲۶۸
19باب وَفَاةِ النَّبِيِّ ﷺ (وفاتِ نبوی) ۲۷۰
20 باب كُنْيَةِ النَّبِيِّ ﷺ (آنجناب کی کنیت) ۲۷۰
21 باب (بلاعنوان) ۲۷۱
22 باب خَاتِمِ النُّبُوَّةِ (مہرِ نبوت) ۲۷۲
23 باب صِفَةِ النَّبِيِّ ﷺ (نبی پاک کی صفات وعادات) ۲۷۵
24 باب كَانَ النَّبِيُّ ﷺ تَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ (آنجناب کا دل سوتے میں بیدار رہتا تھا) ۲۹۴
25 باب عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الْإِسْلَامِ (طلوعِ اسلام کے بعد ظہور پذیر معجزات) ۲۹۶
26 باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى (اس آیت کی تشریح میں) ۳۵۵
27 باب سُؤَالِ الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُرِيَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ آيَةً فَأَرَاهُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ (مشرکین کے مطالبہ پر معجزۂ شقِ قمر) ۳۵۶
28باب (بلاعنوان) ۳۵۷

62-فضائل أصحاب النبی ﷺ (فضائلِ صحابہ)

1 باب فَضَائِلِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ (فضائلِ صحابہ) ۳۶۳
2 باب مَنَاقِبِ الْمُهَاجِرِينَ وَفَضْلِهِمْ (مہاجرین کے فضائل ومناقب) ۳۶۹
3 باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ سُدُّوا الْأَبْوَابَ إِلَّا بَابَ أَبِي بَكْرٍ (آنجناب کا حکم کہ سوائے بابِ ابوبکر کے سب دروازے بند کردو) ۳۷۳
4 باب فَضْلِ أَبِي بَكْرٍ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ (نبی پاک کے بعد ابوبکر سب سے افضل ہیں) ۳۷۸
5 باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا (نبی پاک کا فرمان اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو) ۳۸۰
6 باب مَنَاقِبُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَبِي حَفْصٍ الْقُرَشِيِّ الْعَدَوِيِّ (مناقبِ عمر) ۴۱۱
7 باب مَنَاقِبُ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ أَبِي عَمْرٍو الْقُرَشِيِّ (مناقبِ عثمان) ۴۲۶
8 باب قِصَّةُ الْبَيْعَةِ وَالِاتِّفَاقُ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَؓ (شہادتِ عمر اور بیعتِ عثمان کا قصہ) ۴۳۵
جمہوریت کے موضوع پر مترجم کا ایک نوٹ ....
9 باب مَنَاقِبُ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ الْقُرَشِيِّ الْهَاشِمِيِّ أَبِي الْحَسَنِ (مناقبِ علیؓ) ۴۵۰
10 باب مَنَاقِبُ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ (حضرت جعفر بن ابی طالب کے فضائل) ۴۵۷
11باب ذِكْرُ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ (حضرت عباس کا ذکر) ۴۵۹
12باب مَنَاقِبُ قَرَابَةِ رَسُولِ اللّٰهِ وَمَنْقَبَةِ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ بِنْتِ النَّبِيِّ ﷺ

(آنجناب کے قرابتداروں کے اور حضرت فاطمہ کے فضائل ومناقب) ۴۶۰
13باب مَنَاقِبُ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ (حضرت زبیر کے فضائل) ۴۶۲
14باب ذِكْرِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ (حضرت طلحہ کا ذکر) ۴۶۵
15باب مَنَاقِبُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ الزُّهْرِيِّ (حضرت سعد بن ابی وقاص کے فضائل) ۴۶۶
16باب ذِكْرُ أَصْهَارِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم (آنجناب کے دامادوں کا ذکر) ۴۶۹
17 باب مَنَاقِبُ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ مَوْلَى النَّبِيِّ ﷺ (حضرت زید بن حارثہ کے فضائل) ۴۷۱
18باب ذِكْرُ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ (اسامہ بن زید کا ذکر) ۴۷۲
19 باب مَنَاقِبُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ (عبداللہ بن عمر کے مناقب) ۴۷۴
20 باب مَنَاقِبُ عَمَّارٍ وَحُذَيْفَةَؓ (حضرات عمار وحذیفہ کے فضائل) ۴۷۵
21 باب مَنَاقِبُ أَبِي عُبَيْدَةَؓ بْنِ الْجَرَّاحِ (حضرت ابوعبیدہ بن جراح کے فضائل) ۴۷۸
22 باب مَنَاقِبُ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِؓ (حسنینؓ کے مناقب) ۴۸۰
23 باب مَنَاقِبُ بِلاَلِ بْنِ رَبَاحٍ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ (مناقبِ حضرت بلال) ۴۸۵
24 باب ذِكْرُ ابْنِ عَبَّاسٍؓ (حضرت عباس کا تذکرہ) ۴۸۶
26 باب مَنَاقِبُ سَالِمٍ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ (سالم مولیٰ ابی حذیفہ کی فضیلت) ۴۸۸
27 باب مَنَاقِبُ عَبْدِ اللَّهِؓ بْنِ مَسْعُودٍ (مناقبِ عبداللہ بن مسعود) ۴۸۹
28 باب ذِكْرُ مُعَاوِيَةَؓ (حضرت معاویہ بن ابی سفیان کا تذکرہ) ۴۹۱
29 باب مَنَاقِبُ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلاَمُ (حضرت فاطمہ کے مناقب) ۴۹۳
30 باب فَضْلِ عَائِشَةَ (فضیلتِ حضرت عائشہؓ) ۴۹۴

63- كتاب مناقب الأنصار (فضائلِ انصار)

1باب مَنَاقِبُ الأَنْصَارِ (انصار کے فضائل ومناقب) ۴۹۹
2 باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَوْلاَ الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ مِنَ الأَنْصَارِ (آنجناب کا فرمان اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا) ۵۰۱
3 باب إِخَاءُ النَّبِيِّ ﷺ بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارِ (انصار ومہاجرین کے مابین مواخات) ۵۰۱
4 باب حُبُّ الأَنْصَارِ (انصار کی محبت) ۵۰۲
5باب قَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ لِلأَنْصَارِ أَنْتُمْ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ (آنجناب کا انصار سے کہنا کہ تم لوگ مجھے سب سے عزیز ہو) ۵۰۳
6 باب أَتْبَاعُ الأَنْصَارِ (اتباعِ انصار) ۵۰۴

8 باب قَوْلِ النَّبِیِّ ﷺ لِلْأَنْصَارِ اصْبِرُوا حَتّٰی تَلْقَوْنِی عَلَی الْحَوْضِ
(آنجناب کا انصار کو صبر کی وصیت حتی کہ وہ حوضِ کوثر پر آپ سے آن ملیں) ۵۰۷
9 باب دُعَاءُ النَّبِیِّ ﷺ اللهم أَصْلِحِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ (آنجناب کی دعا کہ اے اللہ انصار و مہاجرین کی اصلاحِ احوال فرما) .. ۵۰۸
10 باب (وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ) (اس آیت کی تفسیر میں) ۵۰۹
11 باب قَوْلُ النَّبِیِّ ﷺ اقْبَلُوا مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَتَجَاوَزُوا عَنْ مُسِيئِهِمْ
(آنجناب کی وصیت کہ انصار کے ساتھ ہمیشہ اچھا اور درگزر کا معاملہ کرنا) ۵۱۱
12 باب مَنَاقِبُ سَعْدٍؓ بْنِ مُعَاذٍ (مناقبِ سعد بن معاذ) ۵۱۳
13 باب مَنْقَبَةُ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ وَعَبَّادِ بْنِ بِشْرٍ (اسید اور عباد کی منقبت) ۵۱۷
14 باب مَنَاقِبُ مُعَاذِؓ بْنِ جَبَلٍ (معاذ بن جبل کی فضیلت) ۵۱۸
15 باب مَنْقَبَةُ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ (سعد بن عبادہ کی منقبت) ۵۱۸
16 باب مَنَاقِبُ أُبَیِّ بْنِ كَعْبٍؓ (ابی بن کعب کی فضیلت) ۵۱۹
17 باب مَنَاقِبُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ (مناقب زید بن ثابت) ۵۲۰
18 باب مَنَاقِبُ أَبِی طَلْحَةَؓ (حضرت ابوطلحہ کے مناقب) ۵۲۱
19 باب مَنَاقِبُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍؓ (عبداللہ بن سلام کے مناقب) ۵۲۲
20 باب تَزْوِيجُ النَّبِیِّ ﷺ خَدِيجَةَ وَفَضْلُهَا (آنجناب کی حضرت خدیجہ سے شادی اور ان کی فضیلت کا بیان) ۵۲۶
21 باب ذِكْرُ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِیِّؓ (حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کا ذکر) ۵۳۵
22 باب ذِكْرُ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ الْعَبْسِیِّؓ (حذیفہ بن یمان عبسی کا ذکر) ۵۳۶
23 باب ذِكْرُ هِنْدِ بِنْتِ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَؓ (ہند بنت عتبہ کا ذکر) ۵۳۶
24 باب حَدِيثُ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ (قصہ زید بن عمرو بن نفیل) ۵۳۷
26 باب أَيَّامِ الْجَاهِلِيَّةِ (دورِ جاہلیت کے بعض رسم و رواج) ۵۴۴
27 باب الْقَسَامَةُ فِی الْجَاهِلِيَّةِ (دورِ جاہلیت کی قسامت کا بیان) ۵۵۴
28 باب مَبْعَثِ النَّبِیِّ ﷺ (بعثتِ نبوی) ۵۶۴
29 باب مَا لَقِیَ النَّبِیُّ ﷺ وَأَصْحَابُهُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ بِمَكَّةَ (آنجناب اور صحابہ کرام نے اہلِ مکہ سے جو تکالیف برداشت کیں) .. ۵۶۷
30 باب إِسْلَامُ أَبِی بَكْرٍ الصِّدِّيقِؓ (حضرت ابوبکر کا قبولِ اسلام) ۵۷۴
31 باب إِسْلَامُ سَعْدٍؓ (حضرت سعد کا قبولِ اسلام) ۵۷۵
32 باب ذِكْرُ الْجِنِّ (جنوں کا تذکرہ) ۵۷۵

33 باب إِسْلاَمُ أَبِی ذَرٍّ (حضرت ابوذر کا قبولِ اسلام) ۵۷۸
34 باب إِسْلاَمُ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍؓ (حضرت سعید بن زید کا قبولِ اسلام) ۵۸۱
35 باب إِسْلاَمِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ (حضرت عمر کا قبولِ اسلام) ۵۸۲
36 باب انْشِقَاقِ الْقَمَرِ (معجزۂ شق قمر) ۵۸۸
37 باب هِجْرَةِ الْحَبَشَةِ (ہجرتِ حبشہ) ۵۹۳
38 باب مَوْتُ النَّجَاشِيِّ (حضرت نجاشی کی وفات کا تذکرہ) ۵۹۸
39 باب تَقَاسُمُ الْمُشْرِكِينَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ (نبی اکرم کے خلاف مشرکین کا عہد و پیمان) ۵۹۹
40 باب قِصَّةُ أَبِی طَالِبٍ (قصہِ ابوطالب) ۶۰۰
41 باب حَدِيثِ الإِسْرَاءِ (واقعہِ اسراء) ۶۰۴
42 باب الْمِعْرَاجِ (واقعہِ معراج) ۶۱۰
43 باب وُفُودُ الأَنْصَارِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِمَكَّةَ وَبَيْعَةُ الْعَقَبَةِ (مکہ میں انصار کی آمد اور بیعتِ عقبہ) ۶۳۲
44 باب تَزْوِيجُ النَّبِيِّ ﷺ عَائِشَةَ وَقُدُومُهَا الْمَدِينَةَ الخ (آنجناب کی حضرت عائشہ سے شادی، مدینہ آمد اور ان کی رخصتی کا حال) ۶۳۸
45 باب هِجْرَةُ النَّبِيِّ ﷺ وَأَصْحَابِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ (ہجرتِ مدینہ) ۶۴۱
46 باب مَقْدَمِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَصْحَابِهِ الْمَدِينَةَ (آنجناب اور صحابہ کرام کی مدینہ آمد) ۶۷۹
47 باب إِقَامَةِ الْمُهَاجِرِ بِمَكَّةَ بَعْدَ قَضَاءِ نُسُكِهِ (حج کی ادائیگی کے بعد مہاجر کا مکہ میں قیام) ۶۸۶
48 باب التَّارِيخِ مِنْ أَيْنَ أَرَّخُوا التَّارِيخَ (اسلامی تاریخ کا آغاز) ۶۸۷
49 باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ اللَّهُمَّ أَمْضِ لأَصْحَابِي هِجْرَتَهُمْ وَمَرْثِيَتِهِ لِمَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ
(نبی پاک کی دعا کہ اے اللہ میرے صحابہ کی ہجرت قائم رکھ اور مکہ میں فوت ہو جانے والے مہاجرین کیلئے آنجناب کا اظہارِ رنج) ۶۹۰
50 باب كَيْفَ آخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ أَصْحَابِهِ (نبی اکرم کا صحابہ کے مابین مواخات قائم کرنا) ۶۹۱
51 باب (بلاعنوان) ۶۹۳
52 باب إِتْيَانِ الْيَهُودِ النَّبِيَّ ﷺ حِينَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ (مدینہ کے یہودیوں کی آنجناب کے پاس آمد) ۶۹۵
53 باب إِسْلاَمُ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ (حضرت سلمان فارسی کا قبولِ اسلام) ۶۹۸

مُقَدِّمَۃ

الحمد لِلّٰہ والصلاۃ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ أجمعین

أما بعد :

متعدد احباب وقارئین نے استفسار کیا کہ آپ نے فتح الباری وغیرہ کی تلخیص کی ہے یا انکا ترجمہ کیا ؟

تو گزارش ہے کہ توفیق الباری اصل میں کوئی نئی شرحِ بخاری نہیں بلکہ ابن حجر کی فتح الباری اور شاہ انور شاہ کشمیری کی فیض الباری کا کلی ترجمہ ہے ساتھ میں کچھ معلومات ارشاد الساری سے بھی محصلہ ہیں اور شاہ ولی اللہ کی شرحِ تراجمِ بخاری بھی مکملاً ماخوذ ومتناوَل ہے، عموماً اہلِ علم مشتاق ومنتظر تھے کہ کوئی فتح الباری کا ترجمہ کردے اور جب انہیں اطلاع دی جاتی کہ توفیق الباری کے نام سے یہ کام ہو رہا ہے تو ٹائٹل میں مکتوب عبارت کی بناء پر ان کا جواب ہوتا: نہیں وہ ترجمہ نہیں بلکہ تلخیص ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بحمد اللہ فتح الباری کی تمام معلومات اس میں سموئی ہیں، کوئی چھوٹی بڑی بحث ایسی نہیں جس کی ترجمانی نہ کی گئی ہو، گویا توفیق الباری فتح الباری کی نسبت اس آیتِ قرآنی کی مصداق ہے:

﴿لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَۃً وَلَا کَبِیْرَۃً إِلَّآ أَحْصَاھَا﴾

لہذا ٹائیٹل کی عبارت میں مناسب تبدیلی کر دی گئی ہے۔

طالبِ دعا
ڈاکٹر عبد الکبیر محسن
بدھ ۲۴ / جمادی اولی ۱۴۳۰ھ
۲۰ / مئی ۲۰۰۹ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

60-کتاب أحادیث الأنبیاء (احادیثِ انبیاء)

کریمہ اور ابوعلی کی روایتِ صحیح بخاری میں یہی ہے۔ انبیاء کی تعداد کے بارہ میں حضرت ابوذر سے ایک مرفوع حدیث مروی ہے جس میں ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار مذکور ہے، رُسل ان میں سے تین سو تیرہ ہیں اسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے، انبیاء نبی کی جمع ہے ایک قول کے مطابق اصلاً ہمزہ کے ساتھ ہے جسے تسہیلاً ترک کیا گیا ایک قول ہے کہ ہمزہ کے ساتھ نبأ سے اور بدون ہمزہ نبوت سے ہے، جسکا اصل معنی رفعت ہے، نبوت ایک نعمت ہے اللہ تعالی جسے چاہے اس سے نوازے کوئی اپنی استعداد، علم اور کشف سے اسے حاصل نہیں کرسکتا اور نہ ہی اپنی استعدادِ ولایت سے اس کا مستحق بن سکتا ہے، نبوت کا حقیقی معنی شرعاً جسے اس کا حصول ہو، یہ نبی کے جسم کی طرف راجع نہیں اور نہ اس کی اعراض میں سے کسی عرض کیطرف بلکہ نہ نبی ہونے کی حیثیت سے اس کے علم کیطرف، اس کا مرجع اللہ تعالیٰ کا نبی کو اِعلام ہے کہ میں نے تجھے نبأ دی یا تجھے نبی بنایا، اس پر نبی کی موت سے یہ باطل نہ ہوگی جیسے اس کی نیند اور حالتِ غفلت میں بھی۔ (یعنی وہ ہمہ وقت صفتِ نبوت سے بہرہ ور ہیں)۔

1 باب خَلْقِ آدَمَ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَذُرِّيَّتِهِ (حضرت آدم اور ان کی ذریت کی تخلیق)

صَلْصَالٌ طِينٌ خُلِطَ بِرَمْلٍ فَصَلْصَلَ كَمَا يُصَلْصِلُ الْفَخَّارُ وَيُقَالُ مُنْتِنٌ يُرِيدُونَ بِهِ صَلَّ كَمَا يُقَالُ صَرَّ الْبَابُ وَصَرْصَرَ عِنْدَ الإِغْلاَقِ مِثْلُ كَبْكَبْتُهُ يَعْنِي كَبَبْتُهُ (فَمَرَّتْ بِهِ) اسْتَمَرَّ بِهَا الْحَمْلُ فَأَتَمَّتْهُ .(أَنْ لاَ تَسْجُدَ) أَنْ تَسْجُدَ

(صلصال) ایسا گارا جس میں ریت بھی ملی ہوئی ہو تو وہ ایسے بجنے لگے جس طرح پکی ہوئی مٹی بجتی ہے، ایک قول ہے کہ صلصال کے معنی بدبودار کے ہیں، اصلاً یہ لفظ صل ہے، جیسے (صر الباب) اور صَرصَرَ دونوں مستعمل ہیں، اسے بند کرتے ہوئے جو آواز پیدا ہوتی ہے، اسے کہا جاتا ہے۔ پھر جیسے کبکتہ کب سے مشتق ہے۔ (فمرت به) یعنی حمل جاری رہا اور اس نے اپنی مدت مکمل کی)۔

2باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلاَئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً)

(اس آیت کی تشریح)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ (لَمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ) إِلاَّ عَلَيْهَا حَافِظٌ (فِي كَبَدٍ) فِي شِدَّةِ خَلْقٍ .وَرِيَاشًا الْمَالُوَقَالَ غَيْرُهُ الرِّيَاشُ وَالرِّيشُ وَاحِدٌ، وَهُوَ مَا ظَهَرَ مِنَ اللِّبَاسِ(مَا تُمْنُونَالنُّطْفَةُ فِي أَرْحَامِ النِّسَائِوَقَالَ مُجَاهِدٌ (إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ) النُّطْفَةُ فِي الإِحْلِيلِ كُلُّ شَيْءٍ خَلَقَهُ فَهُوَ شَفْعٌ، السَّمَاءُ شَفْعٌ، وَالْوِتْرُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ (فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ) فِي أَحْسَنِ خَلْقٍ (أَسْفَلَ سَافِلِينَ) إِلاَّ مَنْ آمَنَ (خُسْرٍ) ضَلاَلٌ، ثُمَّ اسْتَثْنَى إِلاَّ مَنْ آمَنَ (لاَزِبٍ) لاَزِمٌ .(نُنْشِئَكُمْ) فِي أَيِّ خَلْقٍ نَشَاءُ

(نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ) نُعَظِّمُکَ .وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ (فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ) فَهُوَ قَوْلُهُ (رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا) (فَأَزَلَّهُمَا) فَاسْتَزَلَّهُمَاوَ (يَتَسَنَّهُ) يَتَغَيَّرُ آسِنٌ مُتَغَيِّرٌ وَالْمَسْنُونُ الْمُتَغَيِّرُ (حَمَإٍ) جَمْعُ حَمْأَةٍ وَهُوَ الطِّينُ الْمُتَغَيِّرُ (يَخْصِفَانِ) أَخْذُ الْخِصَافِ (مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ) يُؤَلِّفَانِ الْوَرَقَ وَيَخْصِفَانِ بَعْضَهُ إِلَى بَعْضٍ (سَوْآتُهُمَا) كِنَايَةٌ عَنْ فَرْجِهِمَا (وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ) هَا هُنَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، الْحِينُ عِنْدَ الْعَرَبِ مِنْ سَاعَةٍ إِلَى مَا لاَ يُحْصَى عَدَدُهُ .(قَبِيلُهُ) جِيلُهُ الَّذِي هُوَ مِنْهُمْ. اللہ کا فرمان: (ترجمہ) اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے کہ میں زمین میں نائب بنانا چاہتا ہوں۔ ابن عباس (لما عليها حافظ) میں لما بمعنی (إلا) قرار دیتے ہیں۔ (في كبد) یعنی شدتِ خلق۔ (وریاشا) یعنی مال، دوسرے کہتے ہیں ریاش اور ریش ہم معنی ہیں یعنی ظاہری لباس۔ (ما تُمنون) ارحامِ نساء میں مستقر نطفہ، مجاہد (إنه على رجعهِ لَقادِر) کی بابت کہتے ہیں کہ خدا منی کو پھر ذکر میں لوٹا سکتا ہے۔ ہر چیز جو مخلوق ہے، شفع (یعنی جوڑا) ہے، وتر فقط ذاتِ باری تعالی ہے۔ (في أحسن تقويم) ای احسن خلق۔ (أسفل سافلين) مگر وہ جو ایمان لائے۔ (خسر) ضلال، پھر ان لوگوں کا استثناء کیا جو ایمان لائے۔ (لازب) لازم۔ (ننشئكم) یعنی جس خلقت میں چاہیں تمہیں بنا ڈالیں۔ (نسبح بحمدك) ای نعظمک، ابو العالیہ کہتے ہیں (فتلقىٰ آدم من ربه كلمات) تو اس سے مراد انکا یہ قول تھا: (ربنا ظلمنا أنفسنا الخ)۔ (فأزلهما) یعنی ان کی گمراہی چاہی۔ (يتسنه) ای يتغير۔ (آسن) متغير۔ (المسنون) ای المتغير۔ (حمأ) حمأة کی جمع بدبودار کیچڑ۔ (يخصفان) یعنی آدم وحوا نے جنت کے درختوں کے پتے توڑنا شروع کئے، ایک پر ایک رکھ کر ستر کرنے لگے، (سوآتهما) شرمگاہوں سے کنایہ ہے۔ (ومتاع إلى حين) یعنی قیامت تک۔ عربوں کے ہاں حین ایک ساعت تا غیر محدد ساعات تک استعمال ہوتا ہے۔ (قبیلہ) اس کا گروہ جس سے وہ ہے)۔

¥□œ□ □'□□□ □ تحت امام بخاری نے کئی ایک آثار اور احادیث نقل کی ہیں، خِلقتِ آدم کے بارہ میں ترمذی، نسائی اور بزار کی تخریج کردہ ایک روایت جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا، میں ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت آدم کیلئے مٹی گوندھ کر ایک مدت اسے چھوڑے رکھا پھر جب وہ حمأ مسنون بن گئی تو اس سے ان کا ڈھانچہ بنایا جب ابلیس کا اس سے گزر ہوتا تو کہتا ضرور تجھے کسی امرِ عظیم کیلئے بنایا گیا ہے، آخر اللہ تعالی نے ان میں روح پھونکی تو سب سے پہلے ان کی بصر اور خیاشیم (یعنی نتھنے) کو زندگی ملی جس سے انہیں چھینک آئی جس پر الحمد للہ کہا بارگاہِ ایزدی سے جواب آیا: یرحمک اللہ۔ اس باب میں کئی دیگر مرفوع احادیث ہیں مثلا حضرت ابو موسی سے ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالی نے ان کا قالب بنانے کیلئے پوری زمین سے مٹی اکٹھی فرمائی اسی لئے بنی آدم علی قدر الأرض آئے ہیں، اسے ابو داؤد اور ترمذی نے نقل کیا ہے، ابن حبان نے صحیح قرار دیا۔ ایک روایتِ انس میں ہے حضرت آدم کا ڈھانچہ بنا کر ایک عرصہ چھوڑے رکھا تو ابلیس آ کر اس کے گرد گھومتا جب اسے اجوف پایا تو جانا کہ کچھ نہیں کر سکتا، اسے احمد اور مسلم نے نقل کیا ہے۔ آدم سریانی اسم ہے، اہلِ کتاب دال کے اشباع یعنی دال کے بعد الف کی آواز نکال کر پڑھتے ہیں، فاعال کے وزن پر، عجمہ اور علمیت کے سبب غیر منصرف ہے۔ ثعلبی لکھتے ہیں عبرانی میں تراب کو آدام کہتے ہیں اسی سے یہ نام رکھا گیا، دوسرا الف حذف کر دیا گیا۔ بعض اسے عربی لفظ قرار دیتے ہیں جوہری اور جوالیقی نے اسی پہ جزم کیا ہے، ایک قول ہے کہ یہ افعل کے وزن پر ہے، ادمۃ سے، بعض ادیم سے کہتے ہیں کیونکہ ادیم الأرض سے پیدا کئے گئے، یہ ابن عباس سے منقول ہے، اسکی توجیہہ کرتے ہوئے نحاۃ نے اسے مثلِ اعین قرار دیا اور وزن وعلمیت کی بنا پہ غیر منصرف کہا ہے، بعض کہتے ہیں یہ (أدمت بين الشيئين) سے ہے جب ان کے مابین خلط کیا جائے تو

پانی اور مٹی کے درمیان خلط کر کے ان کا مادہ تیار کیا گیا، جس سے یہ نام پڑا۔

(صلصال طين الخ) یہ تفسیر فراء سے منقول ہے، ابو عبیدہ لکھتے ہیں صلصال وہ یابس جسے آگ نے نہ چھوا ہو، اسے جب ہاتھ لگائیں تو بجتا ہے، اس آواز کو صلصلۃ کہتے ہیں، آگ میں پکا لینے سے اس پہ فخار کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے، کہتے ہیں ہر وہ چیز جس سے آواز پیدا ہو، صلصال کہلاتی ہے، طبری نے بسند صحیح قتادہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔

(ويقال منتن الخ) تفسیر بالمنتن طبری نے مجاہد سے نقل کی ہے، ابن عباس سے منتن کی تفسیر المسنون مروی ہے، بقیہ کلامِ بخاری ہے۔ (فمرت به الخ) یہ ابو عبیدہ کا قول ہے۔ (أن لاتسجد أن تسجد) یعنی لا زائدہ ہے، یہ ابو عبیدہ کی کلام سے ماخوذ ہے ان کی کلام میں مزید یہ بھی ہے کہ لا، حروفِ زوائد میں سے ہے، شاعر کا یہ قول بطورِ استشہاد پیش کیا ہے: (وتلحينني في اللهو أن لا أحبه وللهو داعٍ دائبٌ غير عافل)۔ ایک قول ہے کہ یہ آیت میں زائدہ نہیں بلکہ یہاں کچھ کلام محذوف ہے جو مقدراً یہ ہے: (ما منعك من السجود فحملك على أن لا تسجد)۔

(وقول الله عزوجل وإذقال ربك الخ) ابو علی بن شبویہ اور نسفی کے نسخوں میں یہ صدرِ ترجمہ میں ہے، یہی اولی ہے بعض نسخوں میں یہ علیحدہ باب کے بطور ہے، الخلیفہ سے مراد حضرت آدمؑ ہیں، اسے طبری نے ابن سابط کے طریق سے مرفوعاً نقل کیا ہے، کہتے ہیں الارض سے مراد مکہ ہے طبری نے ذکر کیا ہے کہ سدی نے اپنے مشائخ سے جو اس ضمن میں جو کلام نقل کی ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ وہ زمین پر اللہ کے نائب ہیں ایک دیگر سند سے ناقل ہیں کہ تمام بنی آدم مراد ہیں جو ایک دوسرے کی نیابت اور قائم مقامی کرتے ہیں اسلئے فرشتوں نے کہا تھا: (أَتَجعَلُ فِيهَا مَنْ يُفسِدُفِيهَا) [البقرة: ۳۰] ماوردی نے دو اقوال اور بھی ذکر کئے ہیں ایک یہ کہ وہ فرشتوں کے نائب ہیں دوسرا یہ کہ وہ جنوں کے نائب ہیں، یہ اس امر پر مبنی ہے کہ زمین پر ان سے قبل فرشتے یا جن آباد تھے (یعنی اگر زمین فرشتوں کا مسکن تھی تو بشر انکے قائم مقام بنے اور اگر جن آباد تھے تو اب ان کی بجائے اِنہیں نیابت وسیادت سونپی گئی) طبری ناقل ہیں کہ ابو عبیدہ نے دعوی کیا ہے کہ (وإذقال ربك الخ) میں (إذ) صلہ ہے، ان کی اس بات کا رد کیا گیا ہے، قرطبی لکھتے ہیں تمام مفسرین نے ان کا یہ قول رد کیا ہے حتی کہ زجاج اسے ان کی بڑی جسارت قرار دیتے ہیں۔

(لما عليها حافظ الح) اسے ابن ابی حاتم نے موصول کیا اور یہ اضافہ بھی ذکر کیا: (إلا عَلَيُهَا حَافظٌ مِن الملائكة)، ابو عبیدہ (إنْ كُلُّ نَفْسٍ لَمَّا عَلَيُها حَافِظ) کی بابت لکھتے ہیں کہ ما زائدہ ہے۔ (في كبد الخ) یہ ابن عباس کا قول ہے، تفسیر ابن عیینہ میں بسند صحیح منقول ہے آخر میں یہ عبارت بھی: (ثم ذكرمولده ونبات أسنانه) اسے حاکم نے بھی المستدرک میں تخریج کیا ہے، ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ کبد کا معنی شدت ہے، لبید کا شعر ہے: (يا عينُ هلا بكيت أربد إذ قمنا وقام الخصوم في كبد)۔

(و رياشا هو المال) یہ بھی قولِ ابن عباس ہے، ابن ابی حاتم نے موصول کیا ہے۔ (وقال غيره الخ) یہ ابو عبیدہ کا قول ہے، مزید لکھتے ہیں (أعطاني ريشه) کہا جاتا ہے ای (كسوته) کہتے ہیں ریائش بمعنی معاش ہے۔

(ماتُمنُونَ الخ) یہ فراء کا قول ہے، کہتے ہیں أمنیٰ اور مَنی، دونوں مستعمل ہیں مگر اول اکثر ہے، تمنون کا معنی ہوگا وہ

نطفہ جو تم ارحامِ نساء میں قذف کرتے ہو۔ (وقال مجاہد الخ) اسے فریابی نے ابن ابی نجیح عنہ کے طریق سے موصول کیا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس نطفہ کو جو احلیل سے صلب کی طرف آتا ہے لوٹانے پر قادر ہے، بقول ابن حجر یہ معنی بھی محتمل ہے، کہتے ہیں مجاہد کی تفسیرِ مذکور کے لئے یہ بات معکر ہے کہ بقیہ آیات اس امر پہ دال ہیں کہ ضمیر انسان کیلئے ہے اور اس کا یہ رجع روزِ قیامت ہوگا کیونکہ یہ آیت بھی ہے: (یوم تُبلَى السَرائر)۔

(كل شيء خلقه الخ) یہ بھی مجاہد کا قول ہے اسے فریابی اور طبری نے موصولا نقل کیا ہے اس کے الفاظ ہیں: (كلُّ خَلْقِ الله شفع) آگے زمین و آسمان، بر و بحر، جن وانس اور شمس وقمر کا ذکر کیا، کہتے ہیں وتر صرف ذات باری تعالی ہے، اس سے اشکال زائل ہو جاتا ہے جو امام بخاری کے ترجمہ میں صرف آسمان کا ذکر کرنے سے پیدا ہوسکتا تھا کہ آسمان تو سات ہیں تو مجاہد کی یہ مراد نہیں، ان کی مراد یہ ہے کہ ہر چیز جو اللہ نے تخلیق کی ہے، کا مقابل بھی موجود ہے تو آسمان کا مقابل زمین ہے، طبری نے مجاہد سے (وِمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ) [الذاريات: ۴۹] کی تفسیر میں کفر وایمان، شقاوت وسعادت، ہدایت وگمراہی اور لیل ونہار کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں، ابن عباس سے بطریق صحیح نقل کیا ہے کہ (الوتر يوم عرفة والشفع يوم الذبح) کہ عرفہ کا دن وتر ہے جبکہ یومِ ذبح شفع ہے، ایک روایت میں (أيام الذبح) ہے۔

(فی أحسن تقويم الخ) یہ تفسیرِ مجاہد ہے، فریابی نے نقل کی ہے۔ (خسر ضلال ثم الخ) یہ بھی مجاہد کی تفسیر ہے، فریابی ناقل ہیں (إن الإنسان لَفى خُسر) کی تفسیر میں یہ بات کہی تو (إلا مَن آمن) ذکر بالمعنی ہے وگرنہ آیت میں تو یہ ہے: (الا الذين آمنوا)۔ (لازب لازم) اس آیت کی تفسیر مراد ہے: (فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقاً أَمْ مَنْ خَلَقْنَا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِيْنٍ لازِب) [الصافات: ۱۱]، طبری نے مجاہد سے اس کا معنی (لازق) بھی نقل کیا ہے، ابن عباس سے ناقل ہیں کہ (من التراب والماء يصير طينا يلزق) تو لازم کے ساتھ اس کی تفسیر بالمعنیٰ ہے، یہ ابو عبیدہ کی کلام ہے نابغہ کا یہ شعر محلِ استشہاد ہے: (ولا يحسبون الشرٌ ضربةَ لازب) أی لازم۔

(ننشئكم الخ) اس آیت کی تفسیر مراد ہے: (وَنُنْشِئَكُمْ فِيْمَا لاتَعْلَمُوْنَ) [الواقعة: ۶۱]۔ (نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ الخ) مجاہد کی تفسیر ہے طبری وغیرہ ناقل ہیں۔ (وقال أبو العالية الخ) اسے طبری نے بسند حسن موصول کیا ہے، ایک اشکال کا اظہار کیا گیا ہے کہ ظاہرِ آیات تو یہ ہے کہ ان کلمات کی تلقی ہبوط سے قبل تھی کیونکہ اس کے بعد ہبوط کا ذکر کیا ہے: (قلنا اهبطوا الخ) اس کا جواب یہ ممکن ہے کہ (قُلْنَا اهْبِطُوا) کا یہ قول سابق للتلقی تھا، کیونکہ آیات میں کوئی صیغۂ ترتیب موجود نہیں (جس سے کہ کہا جا سکے کہ ہبوط کا حکم پہلے تھا یا بعد)۔

(وقال فأزلهما الخ) ابوذر کے نسخہ میں یہ عبارت اسی طرح ہے، اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ ابو العالیۃ کی کلام سے ہے لیکن ایسا نہیں، یہ ابو عبیدہ کی تفسیر ہے گویا اصل میں یوں تھا: (وقال غيره)، اصیلی کے نسخہ میں قال کے حذف کے ساتھ ہے اس سے معاملہ اور بھی مشکل ہوا۔ (فأزلهما) یعنی (دعاهما إلى الزلة) یعنی اپنی باتوں سے پھسلنے کی طرف مائل کیا (یعنی اِزلال کی نسبت شیطان کی طرف اس طرح سے ہے کہ وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے ان کی زلت کا سبب بنا) قصہ آدم کے اثناء میں (يَتَسَنَّه) يتغير کا

ایراد بطریق التبعیۃ للمسنون ہے کہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اس سے مشتق ہے، یہاں کرمانی تبصرہ کرتے ہیں کہ اس کا ذکر بالتبعیۃ للمسنون تکثیراً للفوائد نہیں بلکہ کتاب کا حجم بڑھانے کے لئے ہے اور (والله أعلم بمقصوده)۔ ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ شارح کیلئے مناسب نہیں کہ اصل مشروح پر اس قسم کا اعتراض کرے، اس میں شک نہیں کہ قرآن کے غرائب الفاظ کی شرح برائے افادہ ہے لہٰذا نفیِ تکثیرِ فوائد کا دعوی مردود ہے، لکھتے ہیں صحیح بخاری کا اصل موضوع اگرچہ صحیح احادیث کا ایراد وتخریج ہے لیکن مصنف کے صحابہ، تابعین اور فقہائے امصار کے آثار واقوال کے ایراد سے علماء یہ رائے رکھتے ہیں کہ بخاری کا مقصود یہ تھا کہ ان کی یہ کتاب روایت اور درایت کی جامع ہو اور غرائب الحدیث کی تشریح کرنا درایت کا حصہ ہے، ان کی عادت ہے کہ اگر حدیث میں کوئی ایسا لفظِ غریب مذکور ہے جسکا اصل مادۂ اشتقاق یا نظیر قرآن میں بھی ہے تو اس لفظِ قرآنی کو بھی تناول کرتے ہیں اس سے ان کا مقصد قرآن اور حدیث دونوں کی تفسیر ہے تو جب بدء الخلق اور احادیث الانبیاء میں وافر تعداد میں ایسی احادیث نہ ملیں جو ان کی شرط پر ہوتیں تو اس کمی کو قرآن کے غرائب الفاظ کی تفسیر سے دور کیا تو نفیِ فائدہ کا دعوی کیونکہ سائغ ہوسکتا ہے۔

(یخصفان الخ) یہ تفسیرِ ابوعبیدہ ہے، طبری مجاہد سے اس کی یہ تفسیر نقل کرتے ہیں کہ (یرقعان کھیئة الثوب) کپڑے کی مانند پتے اپنے جسم پر رکھنے لگے، عرب کہتے ہیں (خصفت النعل) یعنی اس کا ٹانکہ لگایا (آنجناب کی گھر میں مشغولیات کے بارہ میں ایک حدیث میں گزرا: وکان یخصف نعله)۔ (كناية عن فرجيهما) یہ بھی ابوعبیدہ کی کلام ہے۔ (إلى حين) ابوعبیدہ حین کی بابت لکھتے ہیں کہ یہ لمحۂ موجود سے غیرہ معینہ مدت تک کو کہتے ہیں اور یہاں الی یوم القیامۃ مراد ہے، طبری نے ابن عباس سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ (قبيله جيله) یہ بھی ابوعبیدہ کی تفسیر ہے، طبری مجاہد سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد جن وشیاطین ہیں۔ اس باب کے تحت گیارہ احادیث ذکر کی ہیں بعض نسخوں میں آخری حدیث سے قبل ایک باب کا اضافہ ہے۔

علامہ انور اس کے تحت رقمطراز ہیں کہ یومِ ابتدائے خلقِ عالم کی بابت لوگ باہم مختلف ہیں میرے نزدیک امرِ محقق یہ ہے کہ ہفتہ کے دن تخلیقِ کائنات کی ابتداء کی گئی جو جمعرات تک جاری رہی تو یہ چھ وہی دن ہیں جنکا ذکر اس آیت میں ہوا: (خلقَ السَّمٰوٰاتِ والأرْضَ فى سِتَّةِ أيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوىٰ عَلَى الْعَرْشِ) [هود: ۷] تو استواء علی العرش بروزِ جمعہ متحقق ہوا، اس دن کوئی تخلیقی کام نہ کیا تو گویا یہ یومِ تعطیل تھا، مخلوق کیلئے یہ روزِ عید ہے، توراۃ میں ہے کہ حضرت موسیٰ جمعہ کے دن وعظ ونصیحت کا کام کیا کرتے تھے اس سے معلوم پڑتا ہے کہ یہودیوں کا معروف یوم سبت دراصل یوم جمعہ تھا اب پتہ نہیں تحریف کب اور کیسے واقع ہوئی، حاشیۂ فیض میں مولانا بدر عالم لکھتے ہیں میرے ایک اور مذکرہ میں تحریر ہے کہ یہود کو جب علم ہوا کہ تخلیقِ کائنات چھ ایام میں ہوئی ہے اور جناب آدم جمعہ کے دن پیدا کئے گئے تو انہوں نے اسے جمعہ متصلہ پر محمول کیا تو جمعہ کا دن ان کے ہاں یومِ فراغ وتعطیل نہ تھا لہٰذا اس مقصد کیلئے اگلا (یعنی ہفتہ کا) دن متعین کرلیا، لیکن ہماری تحقیق یہ ہے کہ جناب آدم کی تخلیق اس جمعرات کے بعد والے روزِ جمعہ نہیں بلکہ کسی اور جمعہ کو ہوئی (یعنی تخلیقِ کائنات تو تخلیقِ آدم سے ہزاروں برس پیشتر ہوئی ہے) لہٰذا وہ یوم جمعہ یوم تعطیل ہی تھا۔

نصاری کی رائے یہ بنی کہ فضیلت اس دن میں ہے جس میں تخلیق کائنات کی ابتداء ہوئی جبکہ یہود کے ہاں تعطیل یوم سبت تھی تو اس سے انہوں نے قرار دیا کہ اتوار کا دن وہ دن ہے جب ابتدائے تخلیق ہوئی انہوں نے اسے اپنے لئے عید بنالیا، اس امر کی دلیل کہ

یوم سبت یوم جمعہ ہوا کرتا تھا، انجیل میں یہ ذکر ہے کہ جناب عیسیٰؑ اپنی قبر میں تین دن رہے، ہفتہ کی رات اور اس سے اگلی دو راتیں، پھر اتوار کی صبح اٹھا لئے گئے تو میں (سید انور) کہتا ہوں کہ یہ اس امر پر دلالت کناں ہے کہ سبت دراصل جمعہ تھا وگرنہ حساب مستقیم نہیں ٹھہرتا کیونکہ اگر وہ اتوار کی صبح اٹھائے گئے ہیں اور اس سے قبل تین راتیں قبر میں مکوث کیا ہے تو تیسری رات جمعہ کی رات ہی بنتی ہے (یعنی قمری حساب سے، اس میں رات اپنے دن سے پیشتر ہوتی ہے، انگریزی تقویم کی رو سے دن پہلے اور رات بعد میں ہوتی ہے) لکھتے ہیں تورات میں یہ بھی ہے کہ بنی اسرائیل ساتویں دن کی تعظیم کیا کرتے تھے کہ وہ خاتم الانبیاء کا دن ہے اور یہ بھی وارد ہے کہ حضرت موسیٰؑ انہیں اسی دن وعظ کیا کرتے تھے پھر یہ سبات سے مشتق ہے جو عبرانی زبان میں بمعنی استراحت ہے تو جمعہ کے دن کا یہ نام اس لئے پڑا کہ اللہ نے اس دن کوئی تخلیق نہیں فرمائی، یہ نہیں مراد کہ اسے لغوب (یعنی تھکاوٹ) لاحق ہوگئی تھی۔ والعیاذ باللہ۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سبت کا اعداد میں معنی ساتواں بنتا ہے تو اس میں بھی کوئی بُعد نہیں کہ سبت اور سبعۃ کے الفاظ باہم متقارب ہیں، فارسی میں ہفت کا لفظ بمعنی سبت بھی متقارب ہے تو ان سب قرائن سے اشارت ملتی ہے کہ سبت سے مراد یوم جمعہ تھا پھر علم نہیں کب تحریف ہوئی۔

علامہ متنِ فیض میں مزید رقمطراز ہیں کہ یہ چھ ایام اصل میں تیرے رب کے ہاں چھ ہزار ہیں: (وإنّ یوماً عِند رَبك كألفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّون) [الم السجدة: ۵]، تخلیقِ آدم اگرچہ بروز جمعہ ہے لیکن اس جمعرات کے بعد والا جمعہ نہیں مراد کیونکہ اس میں تو اللہ تعالیٰ مستوی علی العرش ہوا تھا، انہیں کسی اور جمعہ کے دن پیدا فرمایا، اسی لئے قرآن خلقِ عالَم کے ساتھ ان کی تخلیق کا ذکر نہیں کرتا بلکہ خلقِ کائنات کے بعد استواء کا ذکر کرتا ہے تاکہ باور ہو کہ اس کے بعد (کائنات کے ضمن میں) کوئی اور تخلیق نہیں فرمائی تھی، دمیری نے حیاۃ الحیوان میں سبکی سے نقل کیا ہے کہ جناب آدم اسی متصل جمعہ والے دن پیدا کئے گئے لیکن میری تحقیق وہی ہے جو بیان کی اسی لئے آنجناب کی نسبت کہا گیا ہے کہ آپ (نبی السابعة من سبعة آلاف) ہیں، پھر استواء علی العرش نہایتِ عالم الاجسام کے بیان کیلئے تھا، عرش کے اوپر سوائے حضرۃ الربوبیۃ کے کوئی اور نہیں وہ اس شان کے ساتھ مستوی ہے جو اس کے لائق ہے، سب عالَمِ امکان اس کے تحت ہے، صاحب یواقیت نے یہی ذکر کیا ہے، (أسفل سافلین) کے تحت لکھتے ہیں اس کا مصداقِ اول جو علمائے شریعت نے ذکر کیا ہے (یعنی انسان کا بڑھاپا) اس کا دوسرا مصداق وہ جو شیخِ اکبر نے ذکر کیا کہ یہ جہنم کا حیز (یعنی مکان) ہے جس میں اب ہم رہ رہے ہیں، (سَوءٰ اتھما) کی نسبت سے لکھتے ہیں کہ جناب آدمؑ و حواؑ نے قبل ازیں اپنی شرمگاہ نہیں دیکھی تھی جب اچانک لباس اترا تو جانا کہ ان کے جسم میں ایک ایسی شیء ہے جس کا ستر لازمی اور اس کا کھلا رکھنا قبیح ہے تو سوءہ کا یہ منکشف ہونا انہیں برا لگا۔

(أن لاتسجد الخ) کی بابت لکھتے ہیں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ (لا) زائدہ ہے میں اس کا ترجمہ یوں کرتا ہوں: ''تجھے کس نے منع کیا ہے کہ سجدہ نہیں کرتا'' اس معنی پر لا کو زائدہ قرار دینے کی ضرورت نہیں، یہ (ما منعك) کے ابہام کے بعد بیان کیلئے ہے اس کی نظیر ایک اور آیت کا یہ جملہ ہے: (فَغَشِيَهُم مِنَ اليَمِّ مَاغَشِيَهُمْ) یہ قولہ (مَامَنعَكَ) کا مفعول نہیں، میں (لا أُقسم بِهٰذا الْبَلَد) میں بھی لا کو زائدہ قرار نہیں دیتا، یہ ماقبل کی نفی کیلئے ہے، قسم اس کے بعد ہے، (فلم یزل الخلق ینقص) کے تحت کہتے ہیں کہ ابن خلدون نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ ان کی عمارات کے حال سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ کسی زمانہ میں انسانوں کے قد ساٹھ

گز ہوتے تھے، ان کی عمارات ایسی ہی ہیں جو دور حاضرہ میں ہیں، میں اس پر کہتا ہوں سبحان اللہ ایک صحیح حدیث کے انکار کی جسارت کیونکر کی؟ حالانکہ قومِ عاد کی تاریخ میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ وہ ساٹھ گز لمبے تھے، اب بھی عہدِ انگریز اور ماقبل کے انسانوں کے مابین قد وقامت کا تفاوت موجود ہے پھر بدوی شہری لوگوں کا باہمی فرق ہوتا ہے، بدوی کا ڈیل ڈول شہری کی نسبت ضخیم وبسیط ہوتا ہے، حیوانات میں بھی یہی تفاوت مشاہدہ میں آیا ہے، چاہئے تو یہ تھا کہ حدیث کی روشنی میں اس بات کو دیکھا جاتا نہ کہ حدیث کو محرف کر دیا جاتا یا اس کی ایسی تاویل کی جائے جو مقصودِ شارع نہ ہو، کہتے ہیں یہ فرید وجدی جو دائرہ معارف کا مرتب ہے، تمام ایمان وخیر سے محروم شخص ہے، احادیث نقل کرتا ہے پھر ان سے تمسخر کرتا ہے، سَخِرَ اللهُ مِنه، انتھی۔

3326حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ وَطُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا، ثُمَّ قَالَ اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلَى أُولَئِكَ مِنَ الْمَلاَئِكَةِ، فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّونَكَ، تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ فَقَالَ السَّلاَمُ عَلَيْكُمْ فَقَالُوا السَّلاَمُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ فَزَادُوهُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ فَكُلُّ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ آدَمَ، فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ حَتَّى الآنَ .طرفه 6227

ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی پاک نے فرمایا اللہ تعالی نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور ان کا طول ساٹھ ہاتھ بنایا پھر فرمایا جاؤ ان فرشتوں کو سلام کہو اور ان کا جواب سنو، تو یہی تیرا اور تیری ذریت کا سلام وجواب ہوگا، وہ گئے اور کہا (السلام علیکم) تو انہوں نے جواب میں کہا: السلام علیک ورحمۃ اللہ گویا ورحمۃ اللہ کا اضافہ کیا، ہر شخص جو جنت میں جائیگا، آدم کی صورت پہ ہوگا، بعد ازاں قد چھوٹے ہوتے گئے۔

شیخِ بخاری مسندی ہیں۔ (علیٰ صورتہ) اس کی توضیح وتشریح کتاب العتق میں گزر چکی ہے، روایتِ ہٰذا سے وہاں ذکر کردہ اس رائے کی تائید ملتی ہے کہ (صورتہ) میں ضمیر جناب آدم کی طرف راجع ہے، مفہوم یہ بنا کہ اللہ نے انہیں ان کی اس ہیئت پر تخلیق کیا جو (بعدازاں) ان کی بنی، یہ نہیں کہ باقی بنی آدم کی طرح انہیں مختلف احوال ونشآت سے گزارا بلکہ یکدم ان کا قالب بنا کر اس میں روح پھونک دی پھر اس کے معا بعد حدیث کے الفاظ ہیں: (وطولہ ستون ذراعا)۔ (گویا یہی ان کی ابتدائی ہیئت تھی، یہ نہیں کہ پہلے ہماری طرح چھوٹے چھوٹے اعضاء والے بنائے گئے جو بتدریج بڑھتے گئے حتی کہ ساٹھ گز کے طول تک پہنچ گئے) تو اس میں بھی ضمیر انہی کی طرف راجع ہے۔

(ستون ذراعا) محتمل ہے کہ اس سے مراد وہ ذراع ہو جو ان لوگوں کے ہاں متعارف تھا جن سے مخاطب ہو کر یہ بات کہی، یہی اظہر ہے کیونکہ ہر ایک کا ذراع بقدر اس کے ربع کے ہوتا ہے اگر معہود ذراع مراد ہوتا تو ان کا ہاتھ ان کے طولِ جسد کی نسبت سے چھوٹا پڑتا۔ (فلما خلقہ قال اذھب الخ) اس کی شرح کتاب الاستئذان میں آئے گی۔ (فکل من یدخل الخ) یعنی ہر جنتی ان کی صفت پر ہوگا، اس سے دلالت ملی کہ جنت میں صفاتِ نقص مثلا کسی کا سیاہ رنگ والا ہونا وغیرہ منتفی ہو جائیں گی، باب (صفۃ الجنۃ) میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ عبدالرزاق کی الاستئذان میں آمدہ روایت میں یہاں بھی (وطولہ ستون ذراعا) کا اضافہ مذکور ہے،

یہاں واو کی موجودگی اس ممکنہ وہم کے ازالہ کیلئے ہے کہ (طولہ) آپ کے قول (علی صورتہ آدم) کی تفسیر ہے، اس پر (وطولہ) خاص بعد العام کے اسلوب سے ہے، احمد کی سعید بن مسیّب عن ابی ھریرہ کے حوالے سے مرفوع حدیث میں ہے کہ حضرت آدم کا طول ساٹھ ذراع اور عرض ساتھ ذراع تھا۔

عبدالرزاق نے جو ایک دیگر سند کے ساتھ مرفوعاً نقل کیا ہے کہ جب جناب آدم کا ھبوط ہوا تو ان کے پاؤں زمین پر تھے اور سر آسمان میں تو اللہ تعالی نے انہیں ساٹھ ذراع تک مُحط کر دیا تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ابتدائے خلقت میں مفرط الطّول تھے لیکن اس حدیث صحیح کا ظاہر یہ بتلاتا ہے کہ وہ ابتداء ہی ساٹھ ذراع لمبے تھے تو یہی معتمَد ہے، ابن ابی حاتم نے حسن سند کے ساتھ ابی بن کعب سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ اللہ تعالی نے جب حضرت آدم کو پیدا کیا، لمبے قد کے اور سر کے گھنے بالوں والے تھے گویا نخلہِ سحوق ہوں (یعنی مقامِ سحوق کے کھجور کے درخت)، (فلم یزل الخلق ینقص) یعنی ہر صدی کی خلق ماقبل کی صدی کی خلقت سے قد وقامت کے لحاظ سے کمتر ہوتی جاتی ہے حتی کہ اس آخری امت کے ظہور کے وقت نقص کا یہ عمل رک گیا، ابن تین لکھتے ہیں نقص کا یہ عمل اسطرح تھا جس طرح بڑھوتی کا عمل تدریجا ہوتا ہے ایک یا دو دن میں اس کا اندازہ نہیں ہوتا بلکہ کئی دنوں (بلکہ مہینوں) بعد اس کا تبیُّن ہوتا ہے، ابن حجر لکھتے ہیں اس ضمن میں باعثِ اشکال یہ امر ہے کہ امِم سابقہ کے آثار وعمارات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ان کا قد نہایت طویل ہوتا تھا، جو اس ترتیبِ سابق کا مقتضا ہے کیونکہ اس میں شک نہیں کہ ان کا زمانہ نہیایت قدیم تھا اور ان کے اور عہدِ آدم کے مابین اتنا عرصہ نہیں جو ان کے اور ہماری امت کے مابین ہے، کہتے ہیں ابھی تک مجھے اس اشکال کا کوئی حل نہیں سوجھا۔

علامہ انور حدیث کے الفاظ (ستون ذراعا فی السماء) کے تحت کہتے ہیں یعنی طول کے لحاظ سے محتمل ہے کہ مرادِ حدیث یہ ہو کہ جتنا طول جنت میں ان کا ہونا ہے اتنا انہیں عطا کیا گیا تھا، جب نازل ہوئے تو طول میں کمی کر دی گئی کیونکہ احکام بلدان واوطان کے تفاوت کے مدنظر متفاوِت ہو جاتے ہیں جیسے دن کے طول کی بابت کہا گیا ہے کہ تیرے رب کے ہاں وہ یہاں کے ہزار سال کے برابر ہے تو یہی معاملہ جنت میں ان کے قدوقامت کا ہو سکتا ہے، وہاں داخل ہو کر گویا وہ اپنے اصل قد وقامت کی طرف پلٹ آئیں گے۔

3327حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عُمَارَةَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ أَوَّلَ زُمْرَةٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ عَلَى أَشَدِّ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ إِضَاءَةً، لَا يَبُولُونَ وَلَا يَتَغَوَّطُونَ وَلَا يَتْفِلُونَ وَلَا يَمْتَخِطُونَ، أَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ، وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ، وَمَجَامِرُهُمُ الأَلُوَّةُ الأَنْجُوجُ عُودُ الطِّيبِ، وَأَزْوَاجُهُمُ الْحُورُ الْعِينُ، عَلَى خَلْقِ رَجُلٍ وَاحِدٍ عَلَى صُورَةِ أَبِيهِمْ آدَمَ، سِتُّونَ ذِرَاعًا فِي السَّمَاءِ .أطرافه 3245، 3246، 3254۔ (دیکھئے اسی کا سابقہ نمبر)

جریر سے ابن عبدالحمید، عمارہ سے ابن قعقاع اور ابوزرعہ سے مراد ہرم بن عمرو بن جریر بَجلی کوفی ہیں۔ باب (صفۃ الجنۃ)

میں گزر چکی ہے۔ (الألنجوج) وہ عود جو (برائے خوشبو) سلگائی جاتی ہے یہ یہاں الوۃ کی تفسیر کے بطور مذکور ہے اور (العود) تفسیر التفسیر ہے۔

3328حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِى سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ اللَّهَ لاَ يَسْتَحْيِى مِنَ الْحَقِّ، فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ الْغُسْلُ إِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ، إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ . فَضَحِكَتْ أُمُّ سَلَمَةَ، فَقَالَتْ تَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَبِمَا يُشْبِهُ الْوَلَدُ . أطرافه 130، 282، 6091، 6121

ام سلمہؓ کہتی ہیں ام سلیم نے آنجناب سے کہا اللہ حق کی بات کرنے سے حیا نہیں کرتا تو کیا عورت کا اگر احتلام ہو تو اس پر بھی غسل واجب ہے؟ فرمایا ہاں اگر پانی دیکھے، یہ سن کر ام سلمہ کو ہنسی آ گئی، کہنے لگیں بھلا عورت کو بھی احتلام آتا ہے ا آپ نے فرمایا تو پھر بچے میں ماں کی مشابہت کیونکر آتی ہے؟

یحیی سے مراد قطان ہیں، کتاب الطہارۃ میں اس کی بحث گزر چکی ہے یہاں غرضِ ترجمہ اس کا یہ جملہ ہے (فبم يشبه الولد)۔

3329حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلاَمٍ أَخْبَرَنَا الْفَزَارِىُّ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ بَلَغَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَلاَمٍ مَقْدَمُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْمَدِينَةَ، فَأَتَاهُ، فَقَالَ إِنِّى سَائِلُكَ عَنْ ثَلاَثٍ لاَ يَعْلَمُهُنَّ إِلاَّ نَبِىٌّ، (قَالَ مَا) أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَمَا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ وَمِنْ أَىِّ شَىْءٍ يَنْزِعُ الْوَلَدُ إِلَى أَبِيهِ وَمِنْ أَىِّ شَىْءٍ يَنْزِعُ إِلَى أَخْوَالِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَبَّرَنِى بِهِنَّ آنِفًا جِبْرِيلُ .قَالَ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ ذَاكَ عَدُوُّ الْيَهُودِ مِنَ الْمَلاَئِكَةِ .فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ .وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ حُوتٍ .وَأَمَّا الشَّبَهُ فِى الْوَلَدِ فَإِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَشِىَ الْمَرْأَةَ فَسَبَقَهَا مَاؤُهُ كَانَ الشَّبَهُ لَهُ، وَإِذَا سَبَقَ مَاؤُهَا كَانَ الشَّبَهُ لَهَا .قَالَ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ .ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الْيَهُودَ قَوْمٌ بُهُتٌ، إِنْ عَلِمُوا بِإِسْلاَمِى قَبْلَ أَنْ تَسْأَلَهُمْ بَهَتُونِى عِنْدَكَ، فَجَاءَتِ الْيَهُودُ وَدَخَلَ عَبْدُ اللَّهِ الْبَيْتَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَىُّ رَجُلٍ فِيكُمْ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلاَمٍ .قَالُوا أَعْلَمُنَا وَابْنُ أَعْلَمِنَا وَأَخْبَرُنَا وَابْنُ أَخْيَرِنَا .فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَفَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ عَبْدُ اللَّهِ .قَالُوا أَعَاذَهُ اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ .فَخَرَجَ عَبْدُ اللَّهِ إِلَيْهِمْ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ. فَقَالُوا شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا. وَوَقَعُوا فِيهِ. أطرافه 3911، 3938، 4480

حضرت انس کا بیان ہے عبد اللہ بن سلام کو جب آنجناب کی مدینہ آمد کی خبر ملی تو وہ آپ کے پاس آئے اور کہا میں آپ سے تین ایسے امور کی بابت پوچھنا چاہتا ہوں جنہیں نبی کے سوا کوئی اور نہیں جانتا، یہ کہ قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟ اور اہلِ جنت کا پہلا طعام کونسا ہوگا؟ اور کس وجہ سے بچہ (کئی دفعہ) اپنے ماموؤں سے مشابہ ہوتا ہے؟ کہتے ہیں نبی اکرم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا

ابھی ابھی مجھے جبریل نے ان سوالات کے جوابات کا علم دیا ہے، ابن سلام بولے یہ ہم یہودیوں کا دشمن فرشتہ ہے، آنجناب نے فرمایا قیامت کی اولین (بڑی نشانی یہ ہے کہ ایک آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کر دیگی، اہلِ جنت کا پہلا کھانا وہ ٹکڑا جو مچھلی کی کلیجی پر لگا ہوتا ہے (میرے خیال میں یہ اس بات کا ثبوت پیش کرنے کیلئے کہ اللہ کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں کیونکہ یہ ٹکڑا ایک لاشئ کی مانند ہے لیکن لاکھوں اہلِ جنت کی اولین ضیافت اس سے کی جائیگی، اللہ اعلم)۔ اور جہاں تک بچے کی مشابہت کا تعلق ہے تو بوقتِ جماع اگر مرد کی منی پہل کر جائے تو نومولود اس کی شکل کا اور عورت کی منی پہل کر جائے تو نومولود اس کی شکل پہ جاتا ہے، یہ سنکر وہ کہنے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں پھر عرض کی یا رسول اللہ یہود انتہا کے جھوٹے لوگ ہیں اگر آپکے ان سے (میری بابت) دریافت کرنے سے قبل انہیں میرے اسلام لانیکا علم ہوگیا تو مجھ پہ بہتان طرازی کرینگے۔ تو کچھ یہودی آئے، عبداللہ اس اثناء گھر کے اندر ان کی نظروں سے اوجھل ہوگئے، آپ نے ان سے پوچھا ابن سلام کیسا بندہ ہے؟ کہنے لگے ہمارے سب سے بڑے عالم ہیں اور سب سے بڑے عالم کے بیٹے اور سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے بیٹے ہیں، فرمایا اگر وہ اسلام قبول کرلیں؟ کہنے لگے اللہ اس سے انہیں بچائے، تب عبداللہ باہر نکل آئے اور کہا میں اللہ کی وحدانیت اور محمد کے رسولِ حق ہونیکی گواہی دیتا ہوں، اس پہ کہنے لگے سب سے برا اور سب سے برے کا بیٹا ہے اور ان کی بابت الزام تراشی میں پڑ گئے۔

فزاری کا نام مروان بن معاویہ ہے جو حمید طویل سے راوی ہیں، حضرت عبداللہ بن سلام کے واقعۂ اسلام کی بابت حدیث ہے، اتم سیاق کے ساتھ الھجرہ کے اوائل میں آئیگی، غرضِ ترجمہ سببِ مشابہت کا بیان ہے یہاں اس کی تعلیل بالسبق مذکور ہے (کہ اگر شوہر کا مادہ سبقت لے جائے تو بچہ اس کے مشابہ اور دوسری صورت میں ماں سے مشابہ ہوگا)، اسی امر کو مسلم کی حدیثِ ثوبان میں بالعلو تعبیر کیا گیا ہے، الھجرہ من دونوں کی تطبیق ذکر کی جائیگی۔ علامہ انور حدیث کے جملہ (فنار تحشر الناس) کے متعلق کہتے ہیں احادیث سے معلوم پڑتا ہے کہ قیامت قائم ہونے کے زمانہ میں خیر واصلاح شام کے ملک میں ہوگی، میں اسے سیدنا عیسیٰؑ کے زمانہ پر محمول قرار دیتا ہوں اس سے (پہلے بھی ذکر کیا) یہ بھی دلالت ملتی ہے کہ (اسلام کا) غلبۂ معہودہ بھی اسی سرزمین میں ہوگا جہاں نزول مسیح ہوگا نہ کہ (عام رائے کے برعکس) سارے کرہ ارضی پر، کہتے ہیں یہ رائے فقط تبادُرِ اوھام میں سے ہے (زيادة كبد حوت) کی بابت لکھتے ہیں سہیلی نے الروض الأنف میں لکھا ہے جنت کی یہ پہلی ضیافت نشأتِ دنیا کی انتہاء کی طرف اشارہ ہے کیونکہ دنیا یا تو بحری تھی یا بری، بری دنیا ایک بیل جبکہ بحری دنیا ایک مچھلی پر قائم ہے جب ان دونوں کو اس ضیافت میں استعمال کرلیا گیا تو گویا وہ دنیائے خاکی اب ختم ہوئی۔

> 3330حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ يَعْنِي لَوْلَا بَنُو إِسْرَائِيلَ لَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ، وَلَوْلَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ أُنْثَى زَوْجَهَا
>
> ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک نے فرمایا اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت نہ سڑا کرتا اور اگر حواء نہ ہوتی تو کوئی عورت شوہر سے دغا نہ کرتی۔

عبداللہ سے مراد ابن مبارک ہیں۔ (عن النبی ﷺ نحوہ) اس متنِ مذکور کا کوئی اور طریق سابق الذکر نہیں کہ اس کی طرف یہ ضمیر راجع ہو تو گویا یہ کہنا مراد ہے کہ جو سیاقِ حدیث ان کے شیخ نے تحدیث کیا وہ اس ذکر کردہ سیاق کے ہم معنی تھا یہ اس امر کی طرف

اشارہ ہے کہ یہ روایت اپنے حافظہ کی مدد سے تحریر کی اور اس کے بعض الفاظ کی بابت تردُد لاحق ہوا کہ آیا یہی شیخ نے استعمال کئے؟ لہٰذا یہ جملہ بھی لکھ دیا، اس کی تائید اس امر سے ملتی ہے کہ صغانی کے نسخہ میں نحوہ کے بعد (یعنی) بھی ہے، بقول ابن حجر یہ عبارت ابن مبارک عن معمر کے طریق میں صرف امام بخاری کے ہاں ہی دیکھی ہے، آگے ذکرِ موسی علیہ السلام میں عبد الرزاق عن معمر کے حوالے سے بھی یہی سیاق ہے مگر اس کے آخر میں (الدھر) کا اضافہ بھی ہے۔

(لولا بنواسرائیل لم یخنز الخ) معلوم کا صیغہ ہے، نون پر زیر اور زبر دونوں صحیح ہیں، بمعنی تغیُّر ونتن (یعنی باسی وبدبو دار ہو جانا) کہا گیا ہے اصلِ واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے لحمِ سلوی ذخیرہ کرنا شروع کیا جبکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا، بطور سزا یہ صورتحال پیدا ہوئی، یہ قرطبی نے ذکر کیا ہے بعض نے قتادہ کے حوالے سے یہ بیان کیا، الحلیہ میں ابونعیم وھب بن منبہ سے ناقل ہیں کہ بعض کتب میں (یہ قول قدسی) مذکور ہے اگر طعام کی نسبت خراب ہونا مقدر نہ کرتا تو اغنیاء کلیۃً اس سے فقراء کو محروم کر دیتے (یعنی کوئی صدقہ نہ کرنا)۔

(ولولا حواء الخ) بنی بشر کی والدہ ماجدہ، مد کے ساتھ یہ لفظ مضبوط ہے، کہا جاتا ہے یہ نام اس لئے پڑا کہ ہر حی کی ماں ہیں، ان کی صفتِ خِلقت کے بارہ میں ایک حدیث آرہی ہے۔ (لم تخن أنثى الخ) یہ اشارہ حضرت آدم وحواء کے جنت سے محروم اور زمین کی طرف مہبوط کر دئے جانے کا سبب بننے والے واقعہ کی طرف ہے جب منع کردہ درخت کو چکھ لیا اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ حضرت حواء نے اکل من الشجرۃ کو ان کے سامنے تزیین کیا، اسے خیانت سے اسلئے تعبیر کیا کہ انہوں نے ابلیس کی تزیین اور طلاقتِ لسانی سے متاثر ہو کر اس درخت کا پھل کھا لینے کا ارادہ کیا اور اپنے شوہر کو بھی اسی راہ پر لگایا، تو چونکہ بنات آدم انہی سے مشابہ بالولادت اور نزع العرق ہیں تو کوئی خاتون ہوگی جو (شوہر کو رجا لینے کی) اس عادت سے جو بالفعل بھی ہو سکتی ہے اور بالقول بھی، سالم ہو، یہاں خیانت سے مراد ارتکاب فحش نہیں۔ حاشا وکلا۔ لیکن جب ابلیس کے وسواس کا شکار بن کر اکلِ شجرہ کی طرف مائل ہوئیں اور شوہر کو بھی پیچھے لگا لیا تو یہ ان کی خیانت شمار کیگئی تو بعد میں ہر خاتون کی خیانت اس کے بحسب ہوتی ہے، اسکی نظیر یہ حدیث ہے (جحد آدم فجحدت ذریتہ) آدم نے جھگڑا کیا تو ان کی ذریت بھی جھگڑالو ثابت ہوئی۔

حدیث سے اشارہ ملا کہ یہ مرد کی فطرت وجبلت ہے کہ بیوی کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر کسی قصور کا مرتکب ہو جاتا ہے لہٰذا اگر کسی سے اس کا صدور ہو تو اس کے سبب زیادہ طعن وملامت نہ کرنا چاہئے کہ اس سے تو جدِ امجد اور جدہِ ماجدہ بھی محفوظ نہ رہ سکے البتہ یہ ہے کہ مسلسل اس کا شکار نہ بننا چاہئے بلکہ ضبطِ نفس اور مجاہدہِ ھَویٰ کی کوشش کرنا چاہئے۔

علامہ انور (لم یخنز اللحم) کے تحت لکھتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کسی سنتِ سیئۃ کا شروع واجراء کرنے والا ہوگا تو وہ جاری وساری رہتی ہے جیسے قابیل نے اولین قتل کا ارتکاب کیا جو قیامت تک جاری وساری ہوا، (خلقت من ضلع) کی بابت لکھتے ہیں مشہور یہ ہے کہ بائیں پسلی سے پیدا کی گئی ہے، ایک کتاب میں پڑھا کہ حضرت آدم بیدار ہوئے تو دیکھا کہ حضرت حواء ان کے بائیں جانب بیٹھی ہوئی ہیں، تو پسلی سے پیدا کی گئی کا یہ مفہوم ہے، کہتے ہیں یہ صرف ایک احتمال ہے کیونکہ دور حاضرہ کے لوگوں کی عادت ہے کہ ہر چیز کو اپنی عقل کے پیمانہ پر تولتے یں، کس قدر جاہل میں اگر اہل یورپ اپنے آلات کے ذریعہ تجربہ کر کے کوئی بات بتلا دیں

تو آمنا وصدقنا کہہ دیتے ہیں اوران کی باتوں میں ذرہ بھر شک نہیں کرتے جیسے انہوں نے نظریہ پیش کیا ہے کہ انسان پہلے بندر تھا یا جیسے ان کا یہ کہنا کہ دوسرے سیاروں میں بھی حیات موجود ہے، اور جو بات اصدق القائلین بتلاتے ہیں اس میں شک کرتے ہیں، اللہ سب کو راہ مستقیم دکھائے۔

3331حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَمُوسَى بْنُ حِزَامٍ قَالاَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ مَيْسَرَةَ الأَشْجَعِيِّ عَنْ أَبِى حَازِمٍ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَىْءٍ فِى الضِّلَعِ أَعْلاَهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ .طرفاه5184، 5186

ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا عورتوں کی بابت میری حسنِ سلوک کی وصیت کا ہمیشہ خیال رکھنا بے شک عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا سب سے ٹیڑھا حصہ اس کا بالائی حصہ ہے اگر اسے سیدھا کرنیکی کوشش کروگے تو اسے توڑ بیٹھوگے اور یونہی چھوڑے رکھا تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہیگی، پس ان سے حسنِ سلوک کرتے رہو۔

موسیٰ بن حزام ترمذ کے باشندے تھے، بلخ میں آن اترے نسائی وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے، عالم بالسنۃ اور زاہد تھے بخاری میں ان کا ذکر صرف اسی جگہ ہے، میسرہ جو ابن عمارہ اشجعی کوفی ہیں، کی صحیح بخاری میں دو احادیث ہیں، دوسری تفسیر آل عمران میں آئیگی۔

(استوصوا) کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: (تواصوا بِهن) باء للتعدیہ اور استفعال بمعنی اِفعال ہے جیسے استجابۃ بمعنی اجابۃ ہے۔ طیبی کی رائے ہے کہ سین للطلب ہے اور یہ برائے مبالغہ ہے یعنی اپنے آپ سے ان کے حق میں وصیت طلب کرو (یعنی اپنے آپکو آمادہ کرو کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک ہو اور اس کی وصیت بھی کرو) یا اس کا معنی یہ ہے دوسروں کو ترغیب دلاؤ، ان سے ان کے حق میں وصیت بالخیر کے خواہاں بنو، جیسے کوئی مریض کی عیادت کرے تو مستحب ہے کہ اسے وصیت پر آمادہ کرے اور خواتین کی بابت وصیت ان کے ضعف واحتیاج کے پیش نظر آکد ہے، بعض نے یہ معنی کیا کہ آنجناب فرماتے ہیں کہ ان کی بابت حسن سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو اور ان کے ساتھ رِفق سے پیش آؤ اور حسن معاشرت رکھو، بقول ابن حجر یہ آخری میری نظر میں اوجہ الأوجُہ (مذکورہ مفاھیم میں سے سب سے بہتر) ہے۔

(خلقت من ضلع) ضاد کی زیر کے ساتھ، لام پر زبر اور سکون، دونوں صحیح ہیں، ایک قول ہے کہ یہ اس امر کا شارہ ہے کہ حضرت حواء حضرت آدم کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں بعض نے چھوٹی پسلی بھی کہا ہے، اس روایت کو ابن اسحاق نے بھی نقل کیا ہے اس اضافہ کے ساتھ: (اليسرى قبل أن يدخل الجنة وجعل مكانه لحم) کہ بائیں پسلی سے، اور یہ دخولِ جنت سے قبل کی بات ہے اور ان کی جگہ گوشت سے پر کیگئی۔

(خلقت) کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح گٹھلی پر سے کھجور ہٹائی جاتی ہے، قرطبی لکھتے ہیں یہ معنی بھی محتمل ہے کہ عورت مبلغِ ضلع سے تخلیق کی گئی ہے تو وہ پسلی کی طرح ہے (یعنی ٹیڑھ پن میں، اسکی عادت وجبلت کی طرف اشارہ ہے، تو اس معنی کے لحاظ سے گویا یہ اسلوبِ کنایہ ہے)۔ مسلم کی اعرج عن ابی ھریرہ کے حوالے سے یہ جملہ بھی مزاد ہے: (لن تستقم لك على طريقة)۔

(وإن أعوج شیء الخ) کہا گیا ہے۔ أعلاه۔ سے اس طرف اشارہ ہے کہ عورت ذات میں سب سے زیادہ ٹیڑھ پن اس کی زبان میں ہے، اعوج کے لفظ کا استعمال افعل کا عیوب میں استعمال ہے، جو کہ شاذ ہے۔ اس تمہید کا مفہوم یہ ہے کہ عورت کی جبلت میں اعوجاج وکجروی ہے لہٰذا اسے اس کے ساتھ معاملات میں پیش نظر رکھا جانا چاہئے یا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تقویم (درستگی واصلاح) کو عموما قبول نہیں کرتی جیسے پسلی کا ٹیڑھ پن دور کرنا ناممکن ہے۔

(فإن ذهبت تقيمه الخ) کہا گیا ہے یہ طلاق کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی چاہے کہ اپنی بیوی کو مکمل طور پر اپنے ڈھب پر لے آئے یعنی اس کے اعوجاج کو دور کرے تو معاملہ علیحدگی پر منتج ہوسکتا ہے۔ مسلم کی اعرج سے روایت میں صراحت ہے: (وكسرها طلاقها) حدیثِ باب سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ ضلع مذکر ہے بعض نے مسلم کی روایت میں موجود مؤنث ضمائر کی بنیاد پر اسے مؤنث قرار دیا مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ وہاں ان ضمائر کا مرجع عورت ہے بعض کی رائے ہے کہ مذکر ومؤنث دونوں طرح مستعمل ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے بھی (النکاح) میں نقل کیا ہے۔

3332 حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّهُ إِلَيْهِ مَلَكًا بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ، فَيُكْتَبُ عَمَلُهُ وَأَجَلُهُ وَرِزْقُهُ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ، فَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُ النَّارَ. أطرافه 3208، 6594، 7454۔ (دیکھئے اسی کا سابقہ نمبر)

3333 حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللَّهَ وَكَّلَ فِي الرَّحِمِ مَلَكًا فَيَقُولُ يَا رَبِّ نُطْفَةٌ، يَا رَبِّ عَلَقَةٌ، يَا رَبِّ مُضْغَةٌ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْلُقَهَا قَالَ يَا رَبِّ، أَذَكَرٌ أَمْ يَا رَبِّ أُنْثَى يَا رَبِّ شَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ فَمَا الرِّزْقُ فَمَا الْأَجَلُ فَيُكْتَبُ كَذَلِكَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ

انسؓ نبی اکرم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالی نے ماں کے رحم میں ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے، وہ عرض کرتا ہے یارب اب نطفہ بن گیا یارب اب علقہ، اب مضغہ بنا پھر جب اس کی تخلیق کا وقت ہوتا ہے تو عرض کناں ہوتا ہے یارب مذکر یا مؤنث؟ بدبخت یا نیک بخت؟ کیا رزق ہوگا؟ کیا عمر پائیگا؟ تو (جو ہدایت ملتی ہے) اسی کے مطابق ماں کے پیٹ میں لکھ دیا جاتا ہے۔

ابوالنعمان کا نام محمد بن فضل سدوسی ہے، یہ بھی مباحث سمیت کتاب القدر میں آرہی ہے۔

3334حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ أَنَسٍ يَرْفَعُهُ أَنَّ اللَّهَ يَقُولُ لأَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا لَوْ أَنَّ لَكَ مَا فِي الأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ كُنْتَ تَفْتَدِي بِهِ قَالَ نَعَمْ .قَالَ فَقَدْ سَأَلْتُكَ مَا هُوَ أَهْوَنُ مِنْ هَذَا وَأَنْتَ فِي صُلْبِ آدَمَ أَنْ لاَ تُشْرِكَ بِي فَأَبَيْتَ إِلاَّ الشِّرْكَ .طرفاه6538، 6557

حضرت انس مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالی سب سے ہلکے عذابِ جہنم والے سے فرمائیگا اگر دنیا کا کوئی مال ومتاع تمہارے پاس ہوتا تو کیا اسے رہائی کے فدیہ میں دینا چاہتے؟ وہ کہے گا ہاں، ارشاد ہوگا میں نے تجھ سے اس سے بھی بہت معمولی چیز کا مطالبہ کیا تھا جب تو ابھی صلبِ آدم میں تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرانا مگر تم نے قبول نہ کیا۔

(یرفعه) اس لفظ کو محدثین (قال رسول اللهﷺ) کے قائم مقام کے طور سے استعمال کرتے ہیں۔ (یقول لأهون أهل النار الخ) کہا جاتا ہے یہ ابوطالب ہیں، اواخر الرقاق میں اس بارے مبسوط بحث آئیگی۔ عبداللہ سے مراد ابن مسعود ہیں، کتاب القدر میں اس کی مفصل شرح آئیگی، ترجمہِ ہذا سے مناسبت (ذریته) کے لفظ سے ہے۔

(وأنت فی صلب آدم) اس آیت کی طرف اشارہ ہے: (وإذأخذ ربُّكَ مِنْ بَنِيْ آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَتَهُمْ وَأشْهَدَهُمْ عَلىٰ أنْفُسِهِمْ) [الأعراف: ۱۷۲]۔ علامہ انور (وأنت فی صلب آدم) کے تحت لکھتے ہیں اس میں دلیل ہے کہ ذریتِ آدم کی، جبکہ وہ صلبِ آدم میں تھے، کی کوئی صورت تھی، فلاسفہ اس سے مادۂ منیہ مراد لیتے ہیں (لأنه أول من سن القتل) کے تحت کہتے ہیں یعنی قبل ازیں دنیا اس معصیت سے پاک تھی اس نے آغاز کیا لہٰذا بعد کے ہر جرم کا بوجھ اس پر ہی ہوگا۔

3335حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِﷺ لاَ تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلاَّ كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا، لأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ .طرفاه6867، 7321

عبداللہ راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا کوئی ابن آدم قتل نہیں کیا جاتا مگر آدم کے اولین بیٹے کو بھی اس کا گناہ ہوتا ہے کیونکہ اسی نے طریقہِ قتل ایجاد کیا تھا۔

راویِ حدیث عبداللہ بن مسعود ہیں۔ (لاتقتل نفس ظلما الخ) مفصل شرح القصاص میں آئیگی، قصہِ ھابیل وقابیل میں ان کی شرط پر کوئی حدیث نہ تھی لہٰذا اس روایت کو جس میں اس طرف اشارہ ہے، یہاں وارد کیا بہرحال قرآن میں اس بابت جو بیان ہوا اس میں کفایت ہے، قاتل کے نام کی بابت اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ وہ قابیل تھا، مقتول کا نام بعض نے قین ذکر کیا ہے بعض نے قاین بھی لکھا ہے سدی اپنی تفسیر میں اپنے مشائخ سے ناقل ہیں کہ قتل کا سبب یہ تھا کہ جناب آدمؑ اپنی ولد میں سے ہر بطن کے مذکر کی شادی دوسرے بطن کی مؤنث سے کیا کرتے تھے قابیل کی بہن ھابیل کی بہن سے زیادہ خوبصورت تھی تو قابیل کا ارادہ بنا کہ اپنی بہن سے شادی کرے حضرت آدم نے منع کیا، اسکے اصرار پر حکم دیا کہ (أن یُقَرِّبا قُربانا)۔ (یعنی بارگاہِ الٰہی میں کوئی چیز بطور قربانی پیش کریں) قابیل نے (حُزمة من زرع) (یعنی زراعت کی کسی جنس کا ایک ڈھیر) پیش کیا، جبکہ ہابیل نے ایک فربہ جذعہ پیش کیا آگ

نازل ہوئی اور ہابیل کی قربانی کو تناول کرگئی اور قابیل کی پیش کردہ قربانی کو چھوڑ دیا اس سے دونوں کے مابین عداوت وتلخی پیدا ہوگئی، یہی مشہور ہے۔

اسے مسلم نے (الحدود) ترمذی نے (العلم) نسائی نے (التفسیر) اور ابن ماجہ نے (الدیات) میں نقل کیا ہے۔

2 باب الْأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُجَنَّدَةٌ (تمام روحیں اکٹھی تخلیق کی گئیں)

اکثر روایاتِ صحیح بخاری میں یہ ترجمہ اسی طرح ثابت ہے، یہ (خلق آدم وذریته) سے ہی متعلق ہے، اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بنی نوع انسان جسم وروح کا مرکب ہیں۔ شاہ انور شاہ اس کے تحت رقمطراز ہیں کہ خلق ازواج مع اجساد میں اختلاف سے تم واقف ہو، ابن قیم نے یہی رائے اختیار کی ہے کہ دونوں کو بیک وقت پیدا کیا گیا، دوسروں کا خیال ہے کہ ارواح کی تخلیق اجساد سے قبل ہوئی ہے حدیث سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، اجساد کی تخلیق کے بعد اللہ تعالی دونوں کے مابین ایک تعلق پیدا کر دیتا ہے جسے نفخ کہتے ہیں، ابن قیم اس کی بھی تاویل کرتے اور کہتے ہیں یہ دراصل حالِ مستقبل ہے کہ وہ جنود مجندۃ تب بنے جب ارواح کو اجساد میں نفخ کیا گیا لیکن ہم سمجھے ہیں کہ یہ تناکر وتعارُف شروع میں ہی ظہور پذیر ہوا تھا، کہتے ہیں اگر اس بابت مجھے سلف کے عقیدہ کا پتہ چل جائے تو اسی کو اختیار کرونگا۔

3336قَالَ قَالَ اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ الْأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُجَنَّدَةٌ، فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ، وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ .وَقَالَ يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ بِهَذَا

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں نبی پاک سے سنا فرماتے تھے روحوں کے گروہ درگروہ تھے تو جنکا (اس وقت) باہمی تعارف ہوگیا ان کی دنیا میں باہمی الفت ہوئی اور جنہوں نے تناکر سے کام لیا وہ دنیا میں بھی یکجا نہ ہوسکیں۔

یحیی سے مراد انصاری ہیں، اسے امام بخاری نے الأدب المفرد میں عبداللہ بن صالح عن اللیث کے واسطہ سے موصول کیا ہے۔ (الأرواح جنود الخ) خطابی لکھتے ہیں محتمل ہے کہ یہ خیر وشر اور صلاح وفساد میں تشاکل کے مفہوم کی طرف اشارہ ہو کہ اچھا آدمی اپنے نظیر اور برا اپنے نظیر کی طرف مائل ہوتا ہے تو ارواح کا یہ تعارف بھی ان کی طبائع کے لحاظ سے ہوا جو بنی بشر کی جبلت ہیں جنکی جبلتِ خیر آپس میں ملی وہ متعارف ہوئے اور جنکی جبلت نے باہمی میل نہ کیا وہ متناکر ہوئے، یہ بھی محتمل ہے کہ مراد ابتدائے تخلیق کی خبر دینا ہو کہ مذکور ہے کہ ارواح اجساد سے قبل حیزِ وجود میں آئیں، وہ باہم ملتیں تو ایک دوسرے سے نفور کرتیں لیکن جب اجسام میں اتاری گئیں تو اول الامر ہی باہم متعارف ہوئیں تو دنیائے وجود میں ان کا باہمی تعارف یا تناکر اسی قدیمی تعارف وتناکر کی بنیاد پر ہے بعض کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ ارواح ابتدائے تخلیق میں دوقسم کی تھی، انکے باہمی تقابل کا مطلب یہ ہے کہ وہ اجساد جن میں ارواح رکھ دی گئیں، جب دنیا میں باہم ملتے ہیں تو ان مذکورہ دوقسم کے ردعمل کا مظاہرہ کرتے ہیں، ابن حجر کے بقول یہ امر اس تاویل کیلئے معکر نہیں (یعنی اس کے خلاف نہیں جاتا) کہ بعض متنافرین بسا اوقات مؤتلف بن جاتے ہیں کیونکہ یہ مبدا التلاقی پر محمول ہے (کہ ابتدائے ملاقات میں کیا ردعمل

تھا) کہ یہ بغیر سبب اصل خلقت سے متعلق ہے، ثانی الحال اس کی حیثیت مکتسب کی ہے جس کی وجہ کسی ایسے وصف کا ظہور پذیر ہو جانا جو ابتدائی تنافر کے بعد الفت وانسیت کا متقاضی ہوا ہو جیسے کافر مسلمان ہو یا کوئی حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرے (کئی دفعہ یہی معاملہ ہم انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ کبھی دو اشخاص ابتداء ایک دوسرے سے نفور وعدم پسندیدگی کا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں پھر کئی اسبابِ ائتلاف کی بنیاد پر باہم شیر وشکر ہو جاتے ہیں)۔

(جنود مجندة) یعنی اجناس مجنسة یا جموع مجمعة، ابن جوزی لکھتے ہیں حدیثِ ہذا سے مستفاد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی صاحبِ فضیلت یا صاحبِ صلاح کی نسبت اپنے دل میں نفرت محسوس کرے تو اسے چاہئے کہ اس کی وجہ تلاش کرے تاکہ اس وصفِ مذموم سے چھٹکارہ پاسکے (وكذلك القول في عكسه) اس کے عکس بھی یہی بات کہی جاسکتی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں ارواح اگرچہ اپنی ہیئتِ خلقت کے لحاظ سے باہم متجانس ہیں مگر اپنے میں موجود مختلف صفات وتنوعات کی وجہ سے باہم متمایز ہیں تو ایک ہی نوع (یعنی ایک طرح کے رجحان کی حامل) سے تعلق رکھنے والی ارواح کسی قدرِ مشترک کے سبب باہم شیر وشکر ہو جاتی ہیں اور جن کے مابین اقدار وصفات مفقود ہوں وہ ایک دوسری سے نفور کرتی ہیں، یہ مشاہدہ کی بات اور بدیہی حقیقت ہے کئی دفعہ ایک ہی نوع سے متعلقہ ارواح (اور اشخاص میں) کوئی باہم متآلف اور کوئی باہم متنافر ہوتے ہیں تو اس کی وجہ بھی کچھ وہ امور ہوتے ہیں جو ان کے درمیان اتفاق یا اس کے عدم کا سبب بنتے ہیں۔

اسے مسلم نے (الأدب) میں روایت کیا ہے۔

(وقال یحیی الخ) یعنی مصری (حدثنی یحیی بهذا) یعنی ماقبل کی طرح، اسے اسماعیلی نے سعید بن مریم عن یحیی کے حوالے سے موصول کیا ہے، مسندِ ابی یعلیٰ میں بھی موصول ہے، اس کے شروع میں عمرہ بنت عبدالرحمٰن کے حوالے سے ایک قصہ بھی منقول ہے کہتی ہیں مکہ میں ایک مزاحیہ باتیں کرنے والی خاتون تھیں، وہ مدینہ آئیں تو وہاں اپنی طبیعت وصفت کی حامل ایک خاتون کی مہمان بنی اس کی اطلاع حضرت عائشہ کو ہوئی تو کہنے لگیں میرے محبوب نے کیا ہی درست کہا تھا! میں نے آنجناب سے سنا تو پھر یہی حدیث بیان کی، فوائدِ ابی بکر بن زنبور میں بھی یہی واقعہ لیث کے طریق سے منقول ہے، اسماعیلی کہتے ہیں ابوصالح اور یحیی بن ایوب بخاری کی شرط پر نہیں، وہ صرف معرضِ استشہاد میں ان کا حوالہ دیتے ہیں تو یہ حدیث بغیر اسناد دو طرق سے نقل کی ہے، اس صنیع سے یہ اس سے بھی قوی بنی اگر سند کے ساتھ تخریج کرتے پھر صیغۂ جزم کے استعمال سے یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ حدیث ان کی شرط پر ہے حالانکہ ایسا نہیں، ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کہ متنِ حدیث کا ایک شاہد بھی ہے (یعنی اسی مفہوم کی حامل ایک روایت) جسے مسلم نے حضرت ابوہریرہ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

3 باب قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ (وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ) (حضرت نوح کا ذکر)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ (بَادِءَ الرَّأْيِ) مَا ظَهَرَ لَنَا (أَقْلِعِي) أَمْسِكِي (وَفَارَ التَّنُّورُ) نَبَعَ الْمَاءُ وَقَالَ عِكْرِمَةُ وَجْهُ الْأَرْضِ وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْجُودِيُّ جَبَلٌ بِالْجَزِيرَةِ. دَأْبٌ مِثْلُ حَالٍ. ابن عباس (بادی الرأی) کا معنی کرتے ہیں جو چیز ہمارے لئے

ظاہر ہو، (أقلعی) یعنی روک لے، (وفار التنور) یعنی پانی پھوٹ پڑا، عکرمہ کہتے ہیں (تنور سے مراد) سطحِ زمین ہے، مجاہد (الجودی) کے بارہ میں کہتے ہیں کہ جزیرہ کا ایک پہاڑ ہے (دأب) یعنی حال۔

3باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى (إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَکَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ)

(اس آیت کی تشریح)

إِلَى آخِرِ السُّورَةِ. (وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللّٰهِ) إِلَى قَوْلِهِ (مِنَ الْمُسْلِمِينَ" بیشک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈرائیں اس سے قبل کہ عذابِ الیم آ جائے، (دوسری آیت کا ترجمہ) اے نبی ان پر نوح کی خبر تلاوت فرمائیں جب اپنی قوم سے کہا اے قوم اگر میرا یہاں ٹھہرنا اور تبلیغ کرنا تمہیں گراں گزرتا ہے۔ إلى مسلمين۔ تک

ابوذر کے نسخہِ بخاری میں یہی آیت ہے، حفصی کے نسخہ میں سورۃ یونس کی آیات (وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ۔ الىٰ۔ من المسلمين) ہیں، باقی نسخوں میں (إنا أرسلنا نوحا إلى قومه) آخر سورۃ نوح تک ہے۔

حضرت نوح لَمَک بن مَتُّوشَلخ بن خَنُوخ کے بیٹے تھے، خنوخ کی بابت کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت ادریسؑ ہیں، ابن جریر نے ذکر کیا کہ حضرت نوح کی پیدائش حضرت آدم کی وفات کے ۶۲۱ برس بعد ہوئی تھی، تین سو پچاس برس کی عمر میں نبوت عطا کی گئی، اس بابت بعض دیگر اقوال بھی ہیں، طوفان کے بعد جناب نوحؑ تین سو پچاس برس زندہ رہے، ابن حبان نے اس حدیثِ ابی امامہ کو صحیح قرار دیا جس میں ہے ایک شخص نے نبی پاک سے پوچھا کیا حضرت آدم نبی تھے؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا پھر پوچھا ان کے اور حضرت نوح کے مابین کتنا عرصہ حائل ہے؟ فرمایا دس صدیاں۔ (بادی الرأی الخ) اسے ابن ابی حاتم نے موصول کیا ہے۔ (اقلعی الخ) یہ بھی۔ (و قال عكرمة وجه الأرض) اسے ابن جریر نے (وفار التنور) کی تفسیر میں موصول کیا ہے۔ (قال مجاهد الجودی الخ) یہ ابن ابی حاتم نے نقل کیا۔ (دأب حال) اسے فریابی نے مجاہد سے موصول کیا ہے۔ مصنف نے اس باب کے تحت پانچ احادیث نقل کی ہیں۔

3337 حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَالِمٌ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَؓ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي النَّاسِ فَأَثْنَى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَّالَ، فَقَالَ إِنِّي لَأُنْذِرُكُمُوهُ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا أَنْذَرَهُ قَوْمَهُ، لَقَدْ أَنْذَرَ نُوحٌ قَوْمَهُ، وَلَكِنِّي أَقُولُ لَكُمْ فِيهِ قَوْلاً لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ، تَعْلَمُونَ أَنَّهُ أَعْوَرُ، وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ

.أطرافه 3057، 3439، 4402، 6175، 7123، 7127، 7407۔ (جلد چہارم کتاب فرض الخمس میں مترجم ہے)۔

عبداللہ سے مراد ابن مبارک ہیں، کتاب الفتن میں اس کی مفصل شرح آئیگی یہاں محلِ ترجمہ (ولقد أنذر نوح قومه) ہے، حضرت نوح کو خاص بالذکر اسلئے کیا کہ سب سے پہلے انہی نے دجال کے فتنہ سے آگاہ کیا پھر سورۃ (الشوری: ۱۳) کی آیت (شَرَعَ

لَكُم مِنَ الدِينِ ما وَصّى بِهِ نُوحاً الخ) میں سب سے قبل انہی کا نام ذکر ہوا ہے۔

3338حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيمٍ حَدَّثَنَا شَيبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلاَ أُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا عَنِ الدَّجَّالِ مَا حَدَّثَ بِهِ نَبِيٌّ قَوْمَهُ إِنَّهُ أَعْوَرُ، وَإِنَّهُ يَجِيءُ مَعَهُ بِمِثَالِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَالَّتِي يَقُولُ إِنَّهَا الْجَنَّةُ هِيَ النَّارُ، وَإِنِّي أُنْذِرُكُمْ كَمَا أَنْذَرَ بِهِ نُوحٌ قَوْمَهُ

بقول ابو ہریرہ نبی پاک نے فرمایا تمہیں دجال کے بارہ میں وہ بات بتلاتا ہوں جو کسی نبی نے نہیں کہی، وہ یہ کہ وہ کانا ہے اور جب آئیگا اس کے ہمراہ جنت اور جہنم کی طرح کی چیز ہوگی، جس کی بابت کہے گا کہ جنت ہے وہ درحقیقت آگ اور جسے جہنم بتلائیگا وہ جنت ہوگی، میں حضرت نوح کی طرح تمہیں اس کے فتنہ سے ڈراتا ہوں۔

یحی سے مراد ابن ابی کثیر ہیں، سابقہ روایت کے ہم مفہوم ہے۔ اسے مسلم نے بھی (الفتن) میں نکالا ہے۔

3339حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَجِيءُ نُوحٌ وَأُمَّتُهُ فَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى هَلْ بَلَّغْتَ فَيَقُولُ نَعَمْ، أَيْ رَبِّ. فَيَقُولُ لأُمَّتِهِ هَلْ بَلَّغَكُمْ فَيَقُولُونَ لاَ، مَا جَاءَنَا مِنْ نَبِيٍّ. فَيَقُولُ لِنُوحٍ مَنْ يَشْهَدُ لَكَ فَيَقُولُ مُحَمَّدٌ ﷺ وَأُمَّتُهُ، فَنَشْهَدُ أَنَّهُ قَدْ بَلَّغَ، وَهُوَ قَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ (وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ) وَالْوَسَطُ الْعَدْلُ. طرفاه 4487، 7349

ابوسعید خدری راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا نوح اور ان کی امت آئے گی، تو اللہ تعالی پوچھینگے اے نوح کیا اپنی قوم کو میرا پیغام سنایا تھا؟ وہ کہینگے جی ہاں، اللہ ان کی امت سے پوچھے گا کیا انہوں نے تمہیں تبلیغ کی تھی؟ وہ کہینگے نہیں، ہمارے پاس تو کوئی نبی نہیں آیا، اللہ تعالی حضرت نوح سے پوچھے گا تمہارے لئے کون گواہی دیگا؟ وہ کہیں گے محمد اور ان کی امت، تو ہم گواہی دینگے کہ واقعی انہوں نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا تھا، اللہ تعالی کا یہ فرمان اسی طرف اشارہ کرتا ہے: (وكذلك جعلناكم أمة وسطاً الخ) [البقرة: ۱۴۳] وسط یعنی عدل۔

تفسیر سورۃ البقرۃ میں اس کی شرح آئیگی، سورۃ نوح کی تفسیر کے باب میں قومِ نوح کے بت پرست بننے کی وجہ بھی بیان کی جائے گی۔

3340حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا أَبُو حَيَّانَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي دَعْوَةٍ، فَرُفِعَ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ، وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ، فَنَهَسَ مِنْهَا نَهْسَةً وَقَالَ أَنَا سَيِّدُ الْقَوْمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، هَلْ تَدْرُونَ بِمَنْ يَجْمَعُ اللَّهُ الأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَيُبْصِرُهُمُ النَّاظِرُ وَيُسْمِعُهُمُ الدَّاعِي، وَتَدْنُو مِنْهُمُ الشَّمْسُ، فَيَقُولُ

بَعْضُ النَّاسِ أَلَا تَرَوْنَ إِلَى مَا أَنْتُمْ فِيهِ، إِلَى مَا بَلَغَكُمْ، أَلَا تَنْظُرُونَ إِلَى مَنْ يَشْفَعُ لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ أَبُوكُمْ آدَمُ، فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُونَ يَا آدَمُ أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ، خَلَقَكَ اللَّهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ، وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ، وَأَسْكَنَكَ الْجَنَّةَ، أَلَا تَشْفَعُ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ وَمَا بَلَغَنَا فَيَقُولُ رَبِّي غَضِبَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَا يَغْضَبُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَنَهَانِي عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُهُ، نَفْسِي نَفْسِي، اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اذْهَبُوا إِلَى نُوحٍ .فَيَأْتُونَ نُوحًا فَيَقُولُونَ يَا نُوحُ أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ، وَسَمَّاكَ اللَّهُ عَبْدًا شَكُورًا، أَمَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ أَلَا تَرَى إِلَى مَا بَلَغَنَا أَلَا تَشْفَعُ لَنَا إِلَى رَبِّكَ فَيَقُولُ رَبِّي غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَا يَغْضَبُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، نَفْسِي نَفْسِي، ائْتُوا النَّبِيَّ ﷺ فَيَأْتُونِي، فَأَسْجُدُ تَحْتَ الْعَرْشِ فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، وَسَلْ تُعْطَهُ .قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ لَا أَحْفَظُ سَائِرَهُ .طرفاه 3361، 4712

ابو ہریرہ کہتے ہیں ہم نبی اکرم کے ہمراہ ایک دعوت میں شریک تھے، آپکو دستی پیش کیگئی جو آپکو بہت مرغوب تھی آپ نے اس کا گوشت دانتوں سے نکال کر تناول کیا پھر فرمایا میں روزِ قیامت لوگوں کا سردار ہوں، کیا جانتے ہو اللہ سب اگلے پچھلوں کو اسطرح ایک ہی چٹیل میدان میں جمع کریگا کہ دیکھنے والا سب کو ایک ساتھ دیکھ سکے گا اور آواز دینے والے کی آواز سنی جا سکے گی اور سورج ان سے قریب آ جایگا، بعض لوگ کہینگے کیا دیکھتے نہیں تم کیسی صورتحال میں ہو اور مصیبت کس حد تک پہنچ چکی ہے؟ کیوں نہ ایسے شخص کو دیکھا جائے جو تمہارے رب کے ہاں سفارش کرے! کچھ لوگ مشورہ دینگے کہ تمہارے جدِ امجد حضرت آدم اس کام کیلئے موزوں ہیں چنانچہ ان کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے آدم اللہ نے آپکو اپنے ہاتھ سے بنایا، روح پھونکی پھر فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو جنت میں بسایا کیا آپ ہمارے لئے سفارش نہ کریں گے؟ دیکھتے نہیں کس پریشانی میں ہیں، وہ کہیں گے آج اللہ تعالی اتنا غضبناک ہے کہ قبل ازیں نہ اتنا کبھی ہوا اور نہ آئندہ ہوگا مجھے اس نے ایک درخت سے منع کیا تھا مگر مجھ سے کوتاہی ہوئی، آج تو بس نفسا نفسی ہے، کسی اور کو دیکھو، نوح کے پاس جاؤ، تو لوگ حضرت نوح کے پاس آئیں گے اور یوں عرضگزار ہوں گے کہ اے نوح اہلِ زمیں کی طرف آپ اولِ رسل ہیں اللہ نے آپکو عبدِ شکور کے لقب سے پکارا تھا کیا آپ ہماری حالت نہیں دیکھتے کیا اللہ کے ہاں ہمارے لئے سفارش نہ کریں گے؟ وہ جواب دیں گے آج اللہ کے غضب کی وہ کیفیت ہے جو کبھی نہ تھی اور نہ ہوگی، مجھے تو اپنے آپ کی پڑی ہے، ایسا کرو محمد ﷺ کے پاس جاؤ، تو وہ میرے پاس آئیں گے تو میں عرش تلے سجدہ میں گر پڑوں گا، آخر صدا آئے گی اے محمد! سر اٹھایئے سفارش کیجئے آپکی سفارش قبول کی جائیگی، مانگیے آپکو عطا کیا جائیگا، محمد بن عبید کہتے ہیں میں پوری حدیث یاد نہ رکھ سکا۔

ابو حیان کا نام یحی بن سعید بن حیان ہے۔ (الذراع) یعنی بکری کی دستی، الأطعمۃ میں اس کی صراحت ہے۔ (أنا سید الناس الخ) آپ دنیا میں بھی سردارِ انبیاء ہیں، روزِ قیامت کا حوالہ اسلئے دیا کہ وہاں آپ کی سیادت سب کے سامنے آشکارا ہو جائیگی کہ تمام مخلوق اور سب انبیاء وہاں آپ کے لوائے حمد تلے جمع ہوں گے اور اللہ تعالی آپ کو مقام محمود پر فائز کریگا جیسا کہ کتاب الرقاق

میں اس کی وضاحت وصراحت آئیگی، یہاں موضعِ ترجمہ (یانوح أنت أول الرسل) ہے، ان کے اول الرسل قرار دئے جانے میں حضرت آدمؑ اور ایک رائے کے مطابق حضرت ادریس کی وجہ سے اشکال کا اظہار کیا گیا ہے تو جواب یہ ہے کہ وہ نبی تھے اور حضرت نوح ایک شریعت کے ساتھ مبعوث کئے گئے تھے لہٰذا اس معنی میں وہ اولین رسول تھے، یہ بھی محتمل ہے کہ حضرت نوح کا اھلِ زمین کے لیے اول الرسل قرار دیا جانا اس اساس پر ہو کہ حضرت آدم کے زمانہ میں تو زمین پر (یعنی دوسرے حصوں میں) کوئی انسان آباد نہ تھے جنکی طرف حضرت آدم مبعوث ہوتے، اپنی اولاد کی طرف ان کی رسالت ایسے ہی تھی جیسے باپ تربیتِ اولاد کرتا ہے، یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت نوح کی رسالت اپنے اہلِ وطن کے ساتھ ساتھ دوسرے علاقوں میں بسنے والوں کیلئے بھی ہو۔

حضرت آدم کے زمانہ میں تو لوگ ایک ہی علاقہ میں آباد ہوں گے، بعض نے حضرت ادریس کی نسبت سے بھی اشکال ظاہر کیا ہے لیکن یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کہ اس میں تعدُدِ آراء ہے، ہمارے نبی اقدس کی عمومیتِ بعثت اور یہ آپ کا خاصہ ہونے کی بابت کتاب التیمم میں کچھ بحث گزری ہے۔ (وسماك الله عبداشكورا) سورۃ اسراء میں (إنه كان عبدأشكورا) کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسے مسلم نے (الإيمان) ترمذی نے (الأطعمة) اور (الزهد) نسائی نے (التفسير) اور ابن ماجہ نے (الأطعمة) میں روایت کیا ہے۔

3341 حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ نَصْرٍ أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَرَأَ (فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ) مِثْلَ قِرَاءَةِ الْعَامَّةِ

.أطرافه 3345، 3376، 4869، 4870، 4871، 4872، 4873، 4874 (یعنی اس آیت کو اسی طرح سے پڑھا جیسے عام لوگ قراءت کرتے ہیں)۔

سفیان سے مراد ثوری ہیں، سورۂ اقتربت کی تفسیر میں اس کی شرح بیان ہوگی۔ سید انور شاہ پہلی حدیث کے الفاظ (ثم ذكر الدجال) کے تحت رقمطراز ہیں کہ دجال کے ہمراہ صرف تخیلات ہوں گے حقائق سے جنکا کوئی واسطہ نہیں اسی لئے ثبات نہ ہوگا لوگ صرف انہیں دیکھ پائیں گے (یعنی ان سے متمتع نہ ہوسکینگے، (آگے اردو میں لکھتے ہیں) دجال کے ساتھ وہ کرشمہ ہوگا جیسا آجکل مداری راستہ میں دکھلاتا ہے اس میں پائیداری نہیں ہوتی، لکھتے ہیں شیخ مجدد احمد سرہندی نے ایک حکایت بیان کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان تخیلات کی بھی ایک حقیقت ہوتی ہے، کہتے ہیں ایک بادشاہ کے پاس ایک شخص آیا کہنے لگا میں ایک شعبدہ دکھلانا چاہتا ہوں، اس نے اجازت دی تو شعبدہ سے ایک باغ پیش کیا جسے سب نے دیکھا بادشاہ نے کسی سے سنا ہوا تھا کہ شعبدہ کی پیداوار ختم بھی شعبدہ باز کی کاروائی سے ہی ہوتی ہے، اس نے کسی کو اشارہ کیا کہ اس کی گردن اڑا دے، اس نے ایسا ہی کیا تو شعبدہ کا وہ باغ ایک حقیقت بنکر قائم وموجود رہا جس سے بادشاہ متمتع ہوا۔ کہتے ہیں لیکن اگر شیخ اس بادشاہ کا نام وزمانہ بھی ذکر کردیتے تو اسبارے تحقیقِ حال کی جاسکتی تھی اب احتمال ہے کہ انہوں نے بھی کسی سے اسے سنا ہوگا لہٰذا اسے مستند قرار نہیں دیا جاسکتا، شیخ اکبر نے فصوص میں تصریح کی ہے کہ انسان میں ایک ایسی قوت ہے جس کے زور سے خارج میں جو چاہے تخلیق کردے، آج اھلِ یورپ بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں، میں نے ایک

رسالہ بنام (بدیدہ ودانش) میں پڑھا ہے کہ ایک یورپی اپنے تخیل کے زور سے کسی مقام کی طرف چلا اور وہاں اِسے دیکھا بھی گیا جبکہ وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں، تو یہ اس کا تخیل تھا جو مُجسّد ہوا البتہ شیخ مجدد کی حکایت اس سے بھی مافوق ہے وہ تو اس مُخَیَّل کی بقاء پر دال ہے، تصورِ خیال اور اسکا تمثُّل ایسے امور سے ہیں جنکا انکار نہیں کیا جاسکتا، ابن خلدون نے بھی اس کا اقرار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں صورتِ تخیل کا خارج میں انزال تو ہوسکتا ہے مگر اس میں صرف کمیت ہی ہوگی مادہ نہ ہوگا۔

(وأنه يجيء معه تمثال الجنة والنار)۔ (روایت میں۔ بمثال الجنة۔ ہے، شائد فیض میں کتابت کی غلطی ہے) کی نسبت سے کہتے ہیں تمثال سے یہی مراد ہے جسکا سابقہ سطور میں ذکر کیا، یعنی شعبدہ بازوں کے تخیلات۔ فتوحات میں ہے کہ حضرت سلیمان ایک دفعہ نماز پڑھنے میں مشغول تھے کہ شیطان نے ایک جنتِ مُخَیَّلَہ ان کے سامنے پیش کی مگر وہ مطلقاً متوجہ نہ ہوئے، لکھا ہے کہ یہ جنت ایک عرصہ تک باقی رہی تو اس تمثال کی بابت یہ نہیں کہا جائے گا کہ جنت یا جہنم کے مشابہ ہوگی بلکہ اس پر جنت اور جہنم کا ہی اطلاق ہوگا، اور یہی میں نے کہا ہے کہ اللہ تعالی کے قول میں ضمیر کا مرجع مسیح علیہ السلام میں، شبہِ مسیح کو بھی مسیح کہا جائے گا، اس بارے مبسوط بحث گزر چکی ہے۔ (شائد، ولكن شُبِّهَ لَهُم۔ کی طرف اشارہ ہے)

(فالتي يقول إنها الجنة الخ) کی بابت کہتے ہیں محتمل ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ جو اس کی (مزعومہ) جنت میں داخل ہوگیا (یعنی اس کے لئے اسے رب مان لیا اور اس کی اطاعت کی) اس کا انجام جہنم ہے یا یہ کہ اس کی جنت میں جو داخل ہوگا وہ جل مرے گا (یعنی داخل ہوکر اسے پتہ چلے گا کہ یہ تو جہنم ہے)۔ اسے مسلم نے (الصلاۃ) ابوداؤد نے (الحروف) ترمذی نے (القراء ات) جبکہ نسائی نے (التفسیر) میں تخریج کیا ہے۔

4 باب (حضرت الیاس کا ذکر)

(وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ *إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ *أَتَدْعُونَ بَعْلاً وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ *اللَّهُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ *فَكَذَّبُوهُ فَإِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ *إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ *وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ) (4) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُذْكَرُ بِخَيْرٍ (سَلَامٌ عَلَى آلِ يَاسِينَ *إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ *إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ). يُذْكَرُ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ إِلْيَاسَ هُوَ إِدْرِيسُ. بے شک الیاس مرسَلین میں سے ہیں جب اپنی قوم سے کہا کیا تم بعل کی پوجا کرتے ہو؟ اور احسن الخالقین کو چھوڑتے ہو جو تمہارا اور تم سے پہلے لوگوں کا رب ہے لیکن انہوں نے انہیں جھٹلایا بے شک وہ (عذاب کیلئے) حاضر کئے جائینگے سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے، ہم نے بعد والوں کیلئے ان کا ذکرِ خیر چھوڑا ہے۔ ابن مسعود اور ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت الیاس ہی حضرت ادریس ہیں۔

ابوذر کے نسخہ میں باب کا لفظ ساقط ہے، امام بخاری نے یہ رجحان ظاہر کیا ہے کہ حضرت ادریس حضرت نوح کے اجداد میں سے نہیں، اسی لئے ان کے تذکرہ کے بعد ان کا ذکر کیا، اگلے باب میں اس بارے مفصل بحث ہوگی، الیاس ہمزہ قطعی کے ساتھ عبرانی زبان کا لفظ ہے، سورۃ الصافات کی ایک اور آیت: (سَلٰامٌ عَلىٰ إِلْيَاسِيْن) [۱۳۰] کو اکثر نے اسی الیاس کے آخر میں یاء اور نون

کے اضافہ سے پڑھا ہے، اہل مدینہ کی قراءت میں یہ (آل یاسین) ہے بعض اسکا یہ معنی کرتے تھے کہ آل محمد پر سلام ہو (یعنی سورۃ یٰس میں یٰس سے مراد آنحضرت کو قرار دیتے ہوئے) لیکن یہ بعید ہے، اس کی تائید اس امر سے بھی ملتی ہے کہ اس سورت میں اللہ نے انبیاء کا تذکرہ کیا اور آخر میں سب کی بابت یہ خبر دی کہ اس پر سلام ہو تو یہاں بھی اس سے قبل حضرت الیاس کا تذکرہ ہے تو وہی اس آیت میں مراد ہیں، اس کے آخر میں یاء اور سین کا اضافہ ایک لغت ہے جیسے ادریس کو ادراسین کہا گیا ہے۔

(قال ابن عباس الخ) اسے ابن جریر نے موصول کیا ہے۔ (ویذکر عن ابن مسعود الخ) ابن مسعود کا قول عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے موصول کیا ہے ساتھ میں یہ بھی کہ یعقوب اسرائیل ہیں، ابن عباس کا قول جریر نے اپنی تفسیر میں ضحاک عنہ کے حوالے سے نقل کیا مگر اس کی سند ضعیف ہے اسی لئے بخاری نے صیغۂ جزم استعمال نہیں کیا، ابوبکر بن العربی اس سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت ادریس حضرت نوح کے جد امجد نہیں وہ تو بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ہیں کیونکہ حضرت الیاس کے بارہ میں وارد ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل سے ہیں پھر واقعہ معراج میں ان کا ذکر کرتے ہوئے (مرحبا بالنبی الصالح والأخ الصالح) کے الفاظ استعمال ہوئے کہ اگر اجداد میں ہوتے تو حضرت ابراہیم کی طرح (الابن الصالح) کہتے، (کیونکہ اگر حضرت ادریس حضرت نوح کے جد امجد ہیں تو آنجناب کے بھی ہیں کہ حضرت نوح آپ کے اجداد میں سے ہیں) بقول ابن حجر یہ عمدہ استدلال ہے البتہ جواباً کہا جا سکتا ہے کہ ایسا تواضعاً کہا۔ ابن اسحاق نے اپنی کتاب سیرت میں آنجناب کا نسب نامہ ذکر کرتے ہوئے حضرت نوح کے بعد یہ عبارت لکھی ہے: (ابن لمك بن متوشلخ بن خنوخ وهو إدريس فيما يزعمون) اور اشارہ کیا کہ یہ اہل کتاب سے ماخوذ ہے، ادریس لفظ کی بابت اختلاف ہے کہا گیا کہ یہ عربی ہے، دراسۃ سے اس کا اشتقاق ہے، صحف کے کثرتِ درس کیوجہ سے یہ نام پڑا، بعض اسے سریانی قرار دیتے ہیں، حضرت ابوذر کی ایک طویل حدیث جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا، میں ہے کہ یہ سریانی ہے لیکن یہ اس لفظ کے عربی ہونے کیلئے مانع نہیں کیونکہ ثابت ہے کہ آپ کے دو نام تھے۔

علامہ انور (یذکر بخیر) کا ترجمہ: نیک نام کرتے ہیں، ابن مسعود اور ابن عباس کے ترجمہ میں شامل اس قول کی بابت لکھتے ہیں یہاں دو مقام (یعنی موضوع) ہیں، حضرت نوح اور حضرت ادریس کی باہمی ترتیب زمانی، تو کہا گیا ہے کہ حضرت ادریس حضرت نوح کے بعد تھے، اس کی رو سے وہ آنجناب کے اجداد میں سے نہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ان سے متقدم اور ان کے جد امجد ہیں تب یہ آنجناب کے بھی جد امجد بنتے ہیں امام بخاری کا میلان حضرت ادریس کے حضرت نوح سے تأخُر کی طرف ہے اسی لئے ان کا تذکرہ بعد میں لائے ہیں، البتہ اس میں باعثِ اشکال ابن عساکر کے نسخۂ بخاری میں موجود حضرت ادریس کے ذکر کے بعد یہ جملہ ہے: (وهو جد أبی نوح أو جد نوح) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ادریس حضرت نوح سے متقدم تھے لیکن تراجم میں ان کا ترجمہ، ترجمہ نوح کے بعد لانا ان کے اس میلان کا مُشعر ہے کہ وہ ان کے بعد تھے، تو یہ کہنا بھی محتمل ہے کہ مصنف نے ترتیب تراجم میں مشہور قول کو پیش نظر رکھا ہے، البتہ ذاتی رجحان یہ ظاہر کیا کہ وہ متقدم ہیں مگر یہ اس صورت میں کہ ابن عساکر کا نسخۂ بخاری مصنف کی جہت سے ثابت ہو، المغازی میں بھی یہی صنیع اختیار کیا۔ دوسرا موضوع بحث یہ ہے کہ الیاس وادریس ایک ہی نبی کے دو نام ہیں یا دونوں الگ الگ ہیں؟ جمہور کی رائے میں دونوں الگ الگ ہیں، حضرت ادریس جناب نوح سے قبل اور حضرت شیث کے بعد تھے جبکہ حضرت الیاس انبیائے

بنی اسرائیل میں سے ہیں، لہٰذا ابن مسعود کے قول کی تاویل کرنا ضروری ہے، کہا گیا ہے کہ ابن عباس کا یہ قول دراصل اس آیت کی دوسری قراءت (سلام علی إدراسین) کی تفسیر ہے اوران کا قول تھا کہ ادراس ہی ادریس ہیں تو یہ ان کا تسامُح ہے۔

ایک قول ہے کہ دونوں نام ایک دوسرے کے متبادل ہیں ایک کا دوسرے پر اطلاق ہو جاتا ہے تو ادریس نام تھا اور الیاس لقب، اسی طرح دوسرے نبی کا نام الیاس تھا اور لقب ادریس، دونوں اپنے اسمِ علم سے مشہور ہیں، ابن عباس نے لقب کا اعتبار کیا، شیخ اکبر فصوص میں رقمطراز ہیں کہ دونوں ایک ہی نبی کے دو نام تھے، رفع سے قبل ادریس نام تھا اور نبی تھے پھر واپسی پر رسول بنائے گئے اور الیاسین نام پڑا، تو وہ دونوں نشأت کے حامل، نبی واحد تھے جیسے حضرت عیسیٰؑ، گویا شیخ دونوں کو ایک سمجھتے ہیں مگر کئی مقامات پر اس کے معاکس رائے بھی دی ہے، مثلاً ایک جگہ ان چار انبیاء کا تذکرہ کیا ہے جنکی حیاتِ جاوید مشہور ہے یعنی حضرات ادریس، الیاس، عیسی، اور خضر علیہم السلام۔ بحر العلوم نے یہ تاویل کی ہے کہ عہدہ کے اعتبار سے دو شمار کئے گئے کیونکہ رفع سے قبل نبی تھے اور نزول کے بعد رسول بنائے گئے (لیکن پہلے حضرت ادریس کا نزول بعد الرفع تو ثابت کریں) شخصیت کے اعتبار سے ایک ہیں۔

بقول شاہ انور شیخ اکبر نے حدیث معراج میں حضرت ادریس کے آنجناب کو (الأخ الصالح) کہنے سے تمسک کیا ہے کہ اگر وہ آپ کے اجداد میں ہوتے تو (الابن الصالح) کہتے؟ بقولِ علامہ یہ استدلال غیر تام ہے کیونکہ بجز آدمؑ و ابراہیمؑ کسی اور نے آپ کو ابن کے لفظ سے مخاطب نہیں کیا تو یہ تنبیہاً و تعظیماً لأمرہ ہے حضرت آدم تو ابو البشر ہیں، انہیں تو ابن کا لفظ کہنا ہی تھا، رہے حضرت ابراہیم تو انہوں نے اپنی طرف سے اس نسبت کی اشاعت چاہی اور حدیث میں ہے آنجناب فرماتے ہیں کہ میں اپنے جدِ امجد ابراہیم کی دعا کا نتیجہ ہوں، دوسرے انبیاء نے اخوتِ عامہ کو مد نظر رکھا اور اخ کا لفظ استعمال کیا، تمام انبیاء علاتی بھائی ہیں، کہتے ہیں میرے لئے قطعیت کے ساتھ یہی متبین ہے کہ دونوں الگ الگ نبی ہیں، جس نے ایک قرار دیا اس نے اہل اسلام اور بنی اسرائیل کے ہاں حضرت ادریس کے رفع کی شہرت پیشِ نظر رکھی۔ الیاسین اور ادراسین کے معنی میں متعدد آراء موجود ہیں، کہا گیا کہ اس کا معنی ہے اتباعِ الیاس اور اتباعِ ادریس، (ان کے پیروکار) یاء و نون برائے جمع اور برائے نسبت الی مفرد ہے جیسے خبیون قبیلہِ خبیب کی طرف نسبت ہے، بعض نے الیاس کی ہی ایک لغت قرار دیا، حافظ نے مثل جبرین کہا جو جبرائیل میں ایک لغت ہے تو نون زائدہ ہے، جس نے اتباع کا معنی کیا لغت بھی اس کی تائید کرتی ہے، حدیثِ ہرقل میں ہے (عليك إثم الأريسيين) اس کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ اروس کے پیروکار جو ایک مذہب کا موجد تھا، ہرقل بھی انہی میں سے تھا لیکن حافظ اسے نہ سمجھ سکے اور نون کو زائدہ قرار دیا تو بظاہر الیاسین اور ادراسین اریسیین کی نظیر ہیں۔

5 باب ذِكْرِ إِدْرِيسَ عَلَيْهِ السَّلَامُ (حضرت ادریس کا ذکر)

وَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا) اور ہم نے انہیں ایک بلند جگہ پہ اٹھا لیا

باب کا لفظ نسخہ ابی ذر سے ساقط ہے صرف حفصی کے نسخہ میں (وهو جد الخ) کی عبارت ہے، بقول ابن حجر جملہ کا پہلا جزو

دوسرے سے اولی ہے شائد دوسرا مجازاً مطلق کیا ہے کیونکہ جد الأب ، جد ہی ہے، بعض نے ان کے جدِ نوحؑ ہونے پر اجماع کا دعوی کیا مگر یہ محلِ نظر ہے کیونکہ ابن عباس کا قول گزرا کہ الیاس ہی ادریس ہیں اور الیاس کو قرآن میں ذریتِ نوح میں ذکر کیا گیا ہے: (وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ ………وعيسى وإلياس) [الأنعام:۸۴-۸۵] تو یہ اس امر پر دال ہے کہ الیاس ذریتِ نوح میں سے ہیں، بعض نے (ذریته) کی ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیم کو قرار دیا لیکن اس سے فرق نہیں پڑتا، وہ بھی حضرت نوح کی ذریت سے ہیں، ابن اسحاق نے سیرت میں حضرت الیاس کا نسب نامہ یہ ذکر کیا ہے: (الياس بن نسي بن فنحاص بن عيزار بن هارون اخي موسى بن عمران) اللہ اعلم۔ وہب المبتدأ میں لکھتے ہیں حضرت الیاس بھی حضرت خضر کی طرح حیاتِ جاوید دئے گئے اور قیامت تک زندہ رہیں گے، حاکم نے مستدرک میں حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ حضرت الیاس آنحضرت سے ملنے آئے اکٹھے کھانا کھایا اور ان کا قد تین سو ذراع تھا اور وہ سال میں صرف ایک دفعہ کھانا تناول کرتے ہیں۔ ذہبی نے اسے یزید بلوی کے حالات میں ذکر کرکے اسے خبرِ باطل قرار دیا ہے۔

(ورفعنا ہ مکانا علیا) پھر اس کے تحت حدیثِ اِسراء ومعراج لائے ہیں جو اوائل کتاب الصلاۃ میں مشروحاً گزر چکی ہے، تو اس سے یہ اشارہ دے رہے ہیں کہ اس مکانِ علی سے مراد چوتھا آسمان ہے جہاں ان سے ملاقات ہوئی تھی، بعض نے اس اشکال کا اظہار کیا ہے کہ بعض دیگر انبیاء ان سے اوپر تھے پھر ان کے مقام کو مکان علی کیونکر قرار دیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کا امتیاز یہ ہے کہ انہیں زندہ حالت میں چوتھے آسمان پر اٹھا گیا، بقول ابن حجر یہ محلِ نظر ہے کیونکہ سیدنا عیسی بھی حالتِ حیات میں اٹھائے گئے ہیں پھر حضرت ادریس کا زندہ اٹھایا جانا کسی قوی حدیثِ مرفوع سے ثابت نہیں۔ طبری نے نقل کیا ہے کہ کعب (احبار مراد ہیں) نے ابن عباس سے آیت (وَرَفَعْنَاهُ مَكَاناً عَلِيّاً) کی بابت کہا کہ ایک مرتبہ حضرت ادریس نے اپنے ایک دوست فرشتہ سے کہا مجھے آسمان کی سیر کرادو، وہ اپنے پردں پر بٹھا کر اوپر لے گئے (اس کی تردید حدیثِ معراج سے ہوتی ہے کہ اس میں ہے کہ جب حضرت جبریل آنجناب ﷺ کو لئے آسمان کے دروازے تک پہنچے تو اس کے دربان نے پوچھا کیا انہیں آنے کی دعوت دی گئی ہے؟ اثبات پر دروازہ کھولا تو کیسے ممکن ہے کہ حضرت ادریس کو دوست فرشتہ بغیر اذنِ الٰہی اوپر لے گیا؟) جب چوتھے آسمان پر پہنچے تو وہاں موت کے فرشتے سے ملاقات ہوگئی، ان سے پوچھنے لگے ادریس کی کتنی عمر باقی ہے؟ وہ بولا وہ کہاں ہیں؟ بتلایا کہ میرے ساتھ ہیں، کہا عجیب معاملہ ہے مجھے حکم تھا کہ ادریس کی روح یہاں قبض کرنی ہے اور وہ لمحہ آن پہنچا تھا، میں سوچتا تھا وہ تو زمین پر ہیں کیسے ان کی روح قبض کرونگا؟ تو وہیں ان کا انتقال ہوگیا، اسی طرف اس آیت میں اشارہ ہے، تو یہ اسرائیلیات میں سے ہے اور اللہ ہی اس کی صحت کا عالم ہے۔ ابن قتیبہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ادریس کی عمر تین سو پچاس برس تھی، ابوذر کی ایک حدیثِ مرفوع جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا، میں ہے کہ وہ نبی ورسول تھے اور سب سے قبل انہی نے قلم کے ساتھ لکھا، ابن اسحاق نے ان کی کئی دیگر اولیات (یعنی جو کام سب سے قبل انہوں نے کئے) ذکر کی ہیں، ان میں لباس سینا بھی ہے۔

3342قَالَ عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ

حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ أَنَسٌ كَانَ أَبُو ذَرٍّ ؓ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ فُرِجَ سَقْفُ بَيْتِى وَأَنَا بِمَكَّةَ، فَنَزَلَ جِبْرِيلُ، فَفَرَجَ صَدْرِى، ثُمَّ غَسَلَهُ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَإِيمَانًا فَأَفْرَغَهَا فِى صَدْرِى، ثُمَّ أَطْبَقَهُ ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِى، فَعَرَجَ بِى إِلَى السَّمَاءِ، فَلَمَّا جَاءَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، قَالَ جِبْرِيلُ لِخَازِنِ السَّمَاءِ افْتَحْ .قَالَ مَنْ هَذَا قَالَ هَذَا جِبْرِيلُ .قَالَ مَعَكَ أَحَدٌ قَالَ مَعِى مُحَمَّدٌ قَالَ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ، فَافْتَحْ .فَلَمَّا عَلَوْنَا السَّمَاءَ إِذَا رَجُلٌ عَنْ يَمِينِهِ أَسْوِدَةٌ، وَعَنْ يَسَارِهِ أَسْوِدَةٌ، فَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِينِهِ ضَحِكَ، وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكَى فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِىِّ الصَّالِحِ وَالاِبْنِ الصَّالِحِقُلْتُ مَنْ هَذَا يَا جِبْرِيلُ قَالَ هَذَا آدَمُ، وَهَذِهِ الأَسْوِدَةُ عَنْ يَمِينِهِ، وَعَنْ شِمَالِهِ نَسَمُ بَنِيهِ، فَأَهْلُ الْيَمِينِ مِنْهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ، وَالأَسْوِدَةُ الَّتِى عَنْ شِمَالِهِ أَهْلُ النَّارِ، فَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِينِهِ ضَحِكَ، وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكَى، ثُمَّ عَرَجَ بِى جِبْرِيلُ، حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ الثَّانِيَةَ، فَقَالَ لِخَازِنِهَا افْتَحْ .فَقَالَ لَهُ خَازِنُهَا مِثْلَ مَا قَالَ الأَوَّلُ، فَفَتَحَ .قَالَ أَنَسٌ فَذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ فِى السَّمَوَاتِ إِدْرِيسَ وَمُوسَى وَعِيسَى وَإِبْرَاهِيمَ، وَلَمْ يُثْبِتْ لِى كَيْفَ مَنَازِلُهُمْ غَيْرَ أَنَّهُ قَدْ ذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ آدَمَ فِى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، وَإِبْرَاهِيمَ فِى السَّادِسَةِ .وَقَالَ أَنَسٌ فَلَمَّا مَرَّ جِبْرِيلُ بِإِدْرِيسَ .قَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِىِّ الصَّالِحِ وَالأَخِ الصَّالِحِ .فَقُلْتُ مَنْ هَذَا قَالَ هَذَا إِدْرِيسُ، ثُمَّ مَرَرْتُ بِمُوسَى فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِىِّ الصَّالِحِ وَالأَخِ الصَّالِحِقُلْتُ مَنْ هَذَا قَالَ هَذَا مُوسَىثُمَّ مَرَرْتُ بِعِيسَى، فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِىِّ الصَّالِحِ وَالأَخِ الصَّالِحِ .قُلْتُ مَنْ هَذَا قَالَ عِيسَى .ثُمَّ مَرَرْتُ بِإِبْرَاهِيمَ، فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِىِّ الصَّالِحِ وَالاِبْنِ الصَّالِحِ .قُلْتُ مَنْ هَذَا قَالَ هَذَا إِبْرَاهِيمُ .قَالَ وَأَخْبَرَنِى ابْنُ حَزْمٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا حَبَّةَ الأَنْصَارِىَّ كَانَا يَقُولاَنِ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ ثُمَّ عُرِجَ بِى حَتَّى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى أَسْمَعُ صَرِيفَ الأَقْلاَمِ .قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ فَفَرَضَ اللَّهُ عَلَىَّ خَمْسِينَ صَلاَةً، فَرَجَعْتُ بِذَلِكَ حَتَّى أَمُرَّ بِمُوسَى، فَقَالَ مُوسَى مَا الَّذِى فُرِضَ عَلَى أُمَّتِكَ قُلْتُ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسِينَ صَلاَةً .قَالَ فَرَاجِعْ رَبَّكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لاَ تُطِيقُ ذَلِكَ .فَرَجَعْتُ فَرَاجَعْتُ رَبِّى فَوَضَعَ شَطْرَهَا، فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى، فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ، فَذَكَرَ مِثْلَهُ، فَوَضَعَ شَطْرَهَا، فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى، فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لاَ تُطِيقُ ذَلِكَ، فَرَجَعْتُ فَرَاجَعْتُ رَبِّى فَقَالَ هِىَ خَمْسٌ، وَهْىَ خَمْسُونَ، لاَ يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَىَّ .فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى، فَقَالَ

رَاجِعْ رَبَّكَ .فَقُلْتُ قَدِ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّى، ثُمَّ انْطَلَقَ، حَتَّى أَتَى السِّدْرَةَ الْمُنْتَهَى، فَغَشِيَهَا أَلْوَانٌ لَا أَدْرِى مَا هِيَ، ثُمَّ أُدْخِلْتُ (الْجَنَّةَ) فَإِذَا فِيهَا جَنَابِذُ اللُّؤْلُؤِ وَإِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ.

طرفاه 349، 1636۔ 3207 (اس سے سابقہ نمبر پہ ترجمہ ہو چکا ہے)

عبداللہ سے مراد ابن مبارک ہیں، ابن حجر کہتے ہیں اکثر نسخ میں یہی صیغۂ تعلیق ہے البتہ ابو ذر سے ہماری روایتِ صحیح بخاری میں (حدثنا) ہے، اسے جوزقی نے محمد بن لیث عن عبداللہ بن عثمان یعنی عبدان کے واسطے سے موصول کیا ہے۔

6 باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (وَإِلَى عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ)

(حضرت ہود کا ذکر)

وَقَوْلِهِ (إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ) إِلَى قَوْلِهِ تَعَالَى (كَذَلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ) فِيهِ عَنْ عَطَاءٍ وَسُلَيْمَانَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَقَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ (وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ) شَدِيدَةٍ (عَاتِيَةٍ) قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَتَتْ عَلَى الْخُزَّانِ (سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا) مُتَتَابِعَةً (فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ) أُصُولُهَا (فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ) بَقِيَّةٍ . اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو (نبی بنا کر) بھیجا جنہوں نے کہا اے قوم اللہ کی ہی عبادت کرو۔ (دوسری آیت میں فرمایا) جب انہوں نے احقاف کے مقام پر اپنی قوم کو تبلیغ کی۔ المجرمین۔ تک۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: (ترجمہ) عاد کو تو ہم نے تیز اور تند آندھی کے ذریعہ ہلاک کیا۔ (عاتیۃ) ابن عیینہ کہتے ہیں یعنی وہ اپنے داروغہ فرشتوں کے قابو سے باہر ہوگئی۔ (أیام حسوما) یعنی پیدر پے۔ (أعجاز نخل) یعنی کھجوروں کے تنے۔ (باقیہ) یعنی بقیہ۔

حضرت ہود علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے: (ہود بن عبداللہ بن رباح بن جاور بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح) ان کا ہم قبیلہ ہونے کی وجہ سے اخ کا لفظ استعمال ہوا ہے، اخوتِ دینی مراد نہیں، یہی ان کا راجح نسب ہے، ابن ھشام یہ نسب لکھتے ہیں: (عابر بن ارفخشد بن سام بن نوح)

(بالأحقاف) یہ حقف کی جمع ہے، معوج من الرمل (یعنی ریت کے ٹیلے) کو کہتے ہیں، مراد مساکنِ عاد ہیں، عبد بن حمید نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ارضِ شجر و ما والاھا (یعنی اور آس پاس کے علاقے) میں رمل پر قیام پذیر تھے، ابن قتیبہ کے بیان کے مطابق وہ دو، دھناء، عالج، وبار اور عمان تا حضرموت رمل کے باسی تھے اور وہ تیرہ عدد قبائل تھے، نہایت سرسبز اور باغات سے بھرے علاقوں کے مالک تھے جب اللہ تعالی کی ناراضی ہوئی تو یہ سرسبز باغات مفاوز (یعنی صحراؤں) میں تبدیل ہو گئے۔

(فیہ عطاء الخ) جو کہ ابن ابی رباح ہیں، کی روایت بخاری کی بدء الخلق باب (ذکر الریح) میں گزر چکی ہے، سلیمان جو کہ ابن یسار ہیں، کی روایت تفسیر سورۃ الأحقاف میں آئیگی، باقی بحث وہیں ہوگی۔ (وقول اللہ) صرصر کی شدیدۃ کے ساتھ تفسیر، ابوعبیدہ کی ہے جو المجاز میں موجود ہے، ابن عیینہ کی تفسیر ان کی تفسیر سے ماخوذ ہے، طبرانی کے ہاں بابِ ہذا کی روایتِ ابن عباس کے ساتھ متصل

ہی یہ تفسیر، مذکور ہے وہاں مسلم اعور عن مجاہد عن ابن عباس کے طریق سے ہے، ابن مردویہ نے ایک دیگر طریق کے ساتھ مسلم اعور سے اس کی تخریج کی اور ساتھ یہ وضاحت بھی کی کہ یہ زیادت مجاہد کا اِدراج ہے، حضرت علی سے بھی موقوفاً یہی مروی ہے، اسے ابن ابی حاتم نے نقل کیا، قبیصہ بن ذؤیب جو کبار تابعین میں سے ہیں کے طریق سے بھی بسند صحیح یہی منقول ہے۔

(حسوما متتابعة) یہ ابوعبیدہ کی تفسیر ہے، سورۃ الحاقۃ کی آیت (سَبْعَ لَيَالٍ وثَمَانِيَةَ أيامٍ حُسُوماً) [۷] کی تفسیر کی ہے جبکہ خلیل اسے حسم سے بمعنی قطع قرار دیتے ہیں۔ (بقية الخ) یہ بھی تفسیرِ ابی عبیدہ ہے۔ (خاوية) کی بابت لکھتے ہیں یعنی ان کے تنے، ایک رائے میں یہ مادہ کھجور کے درخت ہیں، ان کے عظیم اجسام کی وجہ سے انہیں ان کے ساتھ تشبیہ دی۔ وہب بن منبہ کے بقول ان کے سرقبوں کی مانند تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کے سر کا طول بارہ گز ہوتا تھا۔ ابن کلبی کا بیان ہے کہ ان کے عام آدمی کی قد وقامت بھی ساٹھ ذراع ہوتی تھی، جب بادِ ہلاکت چلی تو وہ انہیں اٹھا اٹھا کر پٹختی تھی جس سے سر الگ ہو جاتا تھا اسی لئے (كأَنَّهُم أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَة) کے ساتھ تعبیر کیا، اعجازِ نخل وہ جو رؤس کے بغیر ہوں۔ سید انور اس باب کے تحت لکھتے ہیں کہ ہود علیہ السلام کو وسطِ عرب میں مبعوث نہیں کیا گیا، انہیں سمندر کی جانب حضر موت تا شام کے علاقوں میں رہنے والوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔

3343حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ نُصِرْتُ بِالصَّبَا، وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ .أطرافه 1035، 3205، 4105۔ (دیکھئے سابقہ نمبر)

(بالدبور) ہوا کے ساتھ ان کی ہلاکت کے بارہ میں ابن ابی حاتم نے ابن عمر اور طبرانی نے ابن عباس سے مرفوع روایتیں نقل کی ہیں جن میں ہے کہ اللہ تعالی نے عاد پر صرف انگوٹھی کی جگہ جتنی ہوا کھولی تھی اسی نے ان اہل بادیہ، ان کے مواشی اور مال واسباب کو زمین وآسمان کے درمیان تک اٹھالیا ان پر حاضرہ (یعنی شہروں والوں) کی نظر پڑی تو کہنے لگے: (هذا عارِضٌ مُمْطِرُنا) یعنی ان بادلوں سے ہم پر بارش برسے گی، تو انہیں ان پر گرادیا اور سب برباد وہلاک ہو گئے۔

3344قَالَ وَقَالَ ابْنُ كَثِيرٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ بَعَثَ عَلِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِذُهَيْبَةٍ فَقَسَمَهَا بَيْنَ الأَرْبَعَةِ الأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ الْحَنْظَلِيِّ ثُمَّ الْمُجَاشِعِيِّ، وَعُيَيْنَةَ بْنِ بَدْرٍ الْفَزَارِيِّ وَزَيْدٍ الطَّائِيِّ ثُمَّ أَحَدِ بَنِي نَبْهَانَ، وَعَلْقَمَةَ بْنِ عُلاَثَةَ الْعَامِرِيِّ ثُمَّ أَحَدِ بَنِي كِلاَبٍ فَغَضِبَتْ قُرَيْشٌ وَالأَنْصَارُ قَالُوا يُعْطِي صَنَادِيدَ أَهْلِ نَجْدٍ وَيَدَعُنَا .قَالَ إِنَّمَا أَتَأَلَّفُهُمْ فَأَقْبَلَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ مُشْرِفُ الْوَجْنَتَيْنِ، نَاتِءُ الْجَبِينِ، كَثُّ اللِّحْيَةِ، مَحْلُوقٌ فَقَالَ اتَّقِ اللَّهَ يَا مُحَمَّدُ فَقَالَ مَنْ يُطِعِ اللَّهَ إِذَا عَصَيْتُ، أَيَأْمَنُنِي اللَّهُ عَلَى أَهْلِ الأَرْضِ فَلاَ تَأْمَنُونِي فَسَأَلَهُ رَجُلٌ قَتْلَهُ أَحْسِبُهُ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ فَمَنَعَهُ، فَلَمَّا وَلَّى قَالَ إِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا أَوْ فِي عَقِبِ هَذَا قَوْمٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، لاَ يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يَقْتُلُونَ أَهْلَ الإِسْلاَمِ وَيَدَعُونَ أَهْلَ الأَوْثَانِ

لَئِنْ أَنَا أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ .أطرافه 3610، 4351، 4667، 5058، 6163، 6931، 6933، 7432، 7562

ابو سعید سے روایت ہے کہ حضرت علی نے نبی اکرم کے پاس کچھ سونا بھیجا آپ نے اسے چار افراد میں تقسیم کردیا: اقرع بن حابس، عیینہ بن بدر فزاری، زید طائی اور علقمہ بن علاثہ عامری۔ اس پر قریش وانصار ناراض ہوئے اور کہا نجد کے رؤساء کو تو دیا ہمیں نظرانداز کردیا، آپ نے فرمایا یہ اسلیئے تاکہ ان کی تالیفِ قلوب کروں، پھر ایک شخص دھنسی آنکھوں، ابھرے رخسار، اٹھی پیشانی، گھنی داڑھی والا اور سر منڈا ہوا تھا، سامنے آیا کہنے لگا اللہ سے ڈرو اے محمد! آپ نے فرمایا اگر میں ہی نے اللہ کی نافرمانی کی تو کون اس کی اطاعت کریگا؟ کیا اللہ نے تو مجھے اہلِ زمین کیلئے امین کہا ہے اور تم مجھے امین نہیں سمجھتے؟ ایک شخص نے اس کے قتل کی اجازت مانگی۔ میرا خیال ہے یہ حضرت خالد بن ولید تھے۔ مگر آپ نے منع کیا، جب وہ گستاخ واپس ہوا تو آپ نے فرمایا اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن تو پڑھینگے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا وہ دین سے اسطرح نکل جائینگے جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے، مسلمانوں کو قتل کرینگے اور بت پرستوں کو چھوڑیں رکھینگے اگر میں نے انہیں پایا تو ایسے انہیں قتل کرونگا جیسے قومِ عاد کی اللہ کے عذاب سے ہلاکت ہوئی۔

سفیان سے ثوری مراد ہیں جو اپنے والد سعید بن مسروق ثوری کوفی سے راوی ہیں۔ خوارج کے بارہ میں یہ حدیث ہے، تفسیر سورۃ براءۃ میں بجائے قال کے (حدثنا محمدبن کثیر) کہا ہے لیکن وہاں پورا سیاق نقل نہیں کیا، المغازی میں اسپر مفصل بحث آئیگی، غرضِ ترجمہ اس عبارت سے ہے: (لأقتلنّهم قتلَ عادٍ) یعنی ایسا قتلِ عام کہ کوئی باقی نہ رہے (یہ حضرات اسی کے مستحق تھے، اب اس شخص کو دیکھئے جس کی بابت آنجناب فرمارہے ہیں کہ اس کی نسل سے ایسے لوگ نکلیں گے! کیسے گستاخانہ انداز میں۔ یا محمد۔ کہہ رہا ہے، یہ ظاہری طور پر مسلمان تھا، کافر نہیں تھا، تمام کتبِ حدیث وسیرت وتاریخ کھنگال جایئے کوئی کلمہ گو آنجناب کو یا محمد سے مخاطب کرتا نہ ملیگا، بس آنجناب کی رحمۃ للعالمینی کے صدقہ خالدؓ کی تلوار سے بچ گیا، اسکی اولاد بعینہ اسی طرز عمل کا مظاہرہ کرتی رہی جس جانب اس حدیث میں اشارہ ہے کہ اہل اسلام کو قتل کرینگے اور اہل اوثان کو کچھ نہ کہیں گے، مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں دو اشخاص ان کے ہتھے چڑھ گئے، انہیں پکڑ کر اپنے مرکز لارہے تھے، راستہ میں ان دونوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا سوال وجواب کے وقت میں بولونگا تم کوئی بات نہ کرنا چنانچہ جب یہ مرحلہ آیا ان کے امیر نے دریافت کیا تم کون لوگ ہو؟ یہ بولا ہم مشرکین میں سے ہیں اور قرآن کہتا ہے: وإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ : کہ کوئی مشرک اگر طالبِ پناہ ہو تو دیجئے حتی کہ اللہ کا کلام سنے پھر بخیر وعافیت اسے اس کے گھر پہنچا دیجئے، تو لائیے ہمیں قرآن سنایئے پھر ہمارے گھر پہنچا دیجئے، خوارج بولے کیوں نہیں، ایک قاری صاحب سے کہا انہیں قرآن سناؤ، پھر آرام سے انہیں ان کے گھر پہنچانے کا بندوبست کیا وہاں پہنچ کر یہ شخص اپنے ساتھی سے کہنے لگا اگر ہم ان دشمنانِ عقل ودین سے کہتے کہ ہم مسلمان ہیں تو فوراً سے پیشتر ہماری گردنیں اڑا دیتے، جہاں تک آنجناب کو یا محمد کہنے والے اس شخص کی ظاہری شکل وصورت کا حدیث میں بیان کہ گھنی داڑھی اور سر کے بال بالکل صاف تھے یعنی ٹنڈ، تو اسبارے عرض ہے کہ میرے بچپن میں ہماری جماعت کے بزرگ علماء وخطباء میں، اسی طرح دینی مدارس میں، نہ جانے کیوں زبردستی ٹنڈ کروانے کا رواج تھا، ہماری جماعت کے ایک شاعر وعالم مولانا صمصام مرحوم بحری جہاز کے ذریعہ سفرحج پر روانہ

ہوئے تو جب ان کا جہاز سلطنت عمان کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ شہر کے رہائشی عام طور پر لمبی گھنی داڑھیوں اور محلوق سروں والے ہیں، ان کی بھی یہی ہیئت کذائی تھی مل کر بہت خوش ہوئے کہ برصغیر میں بھی ہمارے ہم مسلک رہتے ہیں! سلطنتِ عمان کے لوگوں کی بابت کہا جاتا ہے کہ خارجی مسلک واثرات کے حامل ہیں)۔ اس حدیث کو مسلم نے (الزكاة) ابو داؤد نے (السنة) اورنسائی نے (الزكاة، التفسير اور المحاربة) میں نقل کیا ہے۔

3345 حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ (فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ)

أطرافه 3341، 3376، 4869، 4870، 4871، 4872، 4873، 4874.

ابو اسحاق جو سبیعی ہیں، اپنے سے اس کے راوی کے دادا ہیں، راوی حدیث عبداللہ بن مسعود ہیں، التفسیر میں بھی آئیگی۔

7 باب قِصَّةِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ (یاجوج اور ماجوج کا قصہ)

وَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (قَالُوا يَاذَاالْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ) وَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا *إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا *فَاتَّبَعَ سَبَبًا) إِلَى قَوْلِهِ (ائْتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ) وَاحِدُهَا زُبْرَةٌ وَهِيَ الْقِطَعُ (حَتَّى إِذَا سَاوَى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ) يُقَالُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ الْجَبَلَيْنِ، وَالسُّدَّيْنِ الْجَبَلَيْنِ (خَرْجًا) أَجْرًا (قَالَ انْفُخُوا حَتَّى إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا) أَصْبُبْ عَلَيْهِ رَصَاصًا، وَيُقَالُ الْحَدِيدُ. وَيُقَالُ الصُّفْرُ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ النُّحَاسُ. (فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ) يَعْلُوهُ، اسْتَطَاعَ اسْتَفْعَلَ مِنْ أَطَعْتُ لَهُ فَلِذَلِكَ فُتِحَ أَسْطَاعَ يَسْطِيعُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اسْتَطَاعَ يَسْتَطِيعُ، (وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا *قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكًّا) أَلْزَقَهُ بِالْأَرْضِ، وَنَاقَةٌ دَكَّاءُ لَا سَنَامَ لَهَا وَالدَّكْدَاكُ مِنَ الْأَرْضِ مِثْلُهُ حَتَّى صَلُبَ مِنَ الْأَرْضِ وَتَلَبَّدَ (وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا *وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ) (حَتَّى إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ) قَالَ قَتَادَةُ حَدَبٍ أَكَمَةٍ. قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ رَأَيْتُ السَّدَّ مِثْلَ الْبُرْدِ الْمُحَبَّرِ قَالَ رَأَيْتَهُ ترجمہ: اللہ کا فرمان ہے (ترجمہ) اے ذوالقرنین بے شک یاجوج اور ماجوج ملک میں فساد برپا کئے ہوئے ہیں، دوسری آیت میں فرمایا اور یہ آپ سے ذوالقرنین کی بابت سوال کرتے ہیں، نیز فرمایا کہہ دو ان کا قصہ میں ابھی تمہیں سناتا ہوں، بے شک ہم نے اسے زمین کی حکومت عطا کی تھی اور ہر طرح کا ساز وسامان مہیا کیا تھا (فأتبع سببا) یعنی ایک راہ پہ چل نکلا، الی قولہ (آتوني زبر الحديد) اس کی واحد: زبرة ہے یعنی ٹکڑا۔ (بين الصدفين) ابن عباس سے اس کا یہ معنی منقول ہے: (جبلين) یعنی دو پہاڑ۔ سدین کا معنی بھی جبلین کرتے ہیں، خرجاً یعنی اجراً۔ (أفرغ عليه قطرا) یعنی پگھلا ہوا سیسہ ڈال دوں، قطر کا معنی بعض نے لوہا اور بعض نے تانبا کیا ہے، ابن عباس سے پیتل منقول ہے۔ (يظهروه) بمعنی یعلوہ، اوپر نہ چڑھ سکینگے، (جعله دكاء) یعنی اسے زمین بوس کر دیگا، (ناقة دكاء) جس کی کوہان نہ ہو، دکداک ایسی زمین کو کہا جاتا ہے جو ہموار اور ٹھوس ہو۔ (من كل حدب ينسلون) قتادہ کہتے ہیں حدب کا معنی اکمہ یعنی ٹیلہ کے ہیں، ایک شخص نے آنجناب سے کہا میں نے وہ سد دیکھا ہے، دھاری دار چادر کی مانند تھا، آپ نے یہ سنکر فرمایا ہاں واقعی اسی کو دیکھا ہے۔

امام بخاری کا حضرت ابراھیم سے قبل ذوالقرنین کے بارہ میں اس باب سے ان حضرات کا رد کرنا مقصود ہے جو ذوالقرنین سے مراد اسکندر یونانی قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کا زمانہ حضرت عیسی کے زمانہ سے قریب تھا اور حضرت ابراہیم ان سے دو ہزار برس پہلے تھے تو بظاہر اس اسکندر یونانی کو بھی اس کی وسیع سلطنت اور بہت سارے ممالک میں اس کی تگ وتاز اور غلبہ کی وجہ سے اس متقدم کے ساتھ تشبیہہ دیتے ہوئے ذوالقرنین کا لقب دیدیا گیا یا اس وجہ سے کہ اھل فارس کو شکست دے کر اپنی سلطنت کے ساتھ ساتھ اس کی عظیم سلطنت کا بھی انتظام سنبھال لیا تھا اس وجہ سے یہ لقب پڑا، تو قرآن میں جس ذوالقرنین کا تذکرہ آیا ہے وہ اس کا پیشرو ہے، دونوں کے مابین چار بنیادی فروق ہیں، ایک تو یہی جسکا بیان ہوا، اس کی تائید فاکہی کی عبید بن عمیر کے طریق سے جو کبار تابعین میں سے ہیں منقول اس اثر سے ملتی ہے کہ ذوالقرنین پیدل حج کرنے آئے یہاں حضرت ابراہیم سے ملاقات ہوئی، عطاء عن ابن عباس سے منقول ہے کہ ذوالقرنین مسجد حرام میں داخل ہوئے تو حضرت ابراہیم کے ساتھ ان کی سلام ودعا ہوئی اور مصافحہ کیا، کہا جاتا ہے مصافحہ کی ابتداء انہی سے ہوئی ہے۔ عثمان بن ساج سے منقول ہے کہ ذوالقرنین حضرت ابراہیم سے طالبِ دعا ہوئے وہ گویا ہوئے کیوں جبکہ آپ لوگوں نے میرا کنواں خراب کر دیا ہے؟ وہ بولے یہ میرے حکم سے نہیں ہوا کسی فوجی نے بلا اجازت اور بلا علم ایسا کر دیا ہے۔ ابن ھشام التیجان میں رقم طراز ہیں کہ حضرت ابراھیم نے ذوالقرنین کے پاس اپنا کوئی معاملہ تصفیہ کیلئے پیش کیا جنھوں نے نمٹا دیا، ابن ابی حاتم نے علی بن احمد سے نقل کیا ہے کہ ذوالقرنین مکہ آئے تو دیکھا کہ حضرت ابراھیم واسماعیل تعمیرِ کعبہ میں مصروف ہیں، استفسار پر انہوں نے جواب دیا ہم تو عبدان ماموران ہیں، پوچھا کون گواہ ہے؟ تو پانچ اکبش (یعنی مینڈھوں) نے گواہی دی، کہتے ہیں میرا خیال ہے ان اکبش مذکورہ سے مراد پتھر ہیں یہ بھی ممکن ہے مینڈھے ہی مراد ہوں تو یہ آثار ایک دوسرے کی تقویت کرتے اور ذوالقرنین کا قدم زمانہ کا اثبات کرتے ہیں، دوسرا بنیادی فرق رازی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے وہ یہ کہ ذوالقرنین تو نبی تھے جبکہ اسکندر یونانی کافر تھا اور اس کا معلم ارسطو بھی، وہ اسی کے زیر ہدایات کام کرتا تھا، آگے ذوالقرنین کی نبوت کی بحث آئے گی، تیسرا فرق یہ ہے کہ ذوالقرنین عربوں میں سے تھا، آگے اس کی تفصیل مذکور ہے اور عرب بالاتفاق سام بن نوح کی نسل ہیں جبکہ یونانی ارجح قول کے مطابق یافث بن نوح کی اولاد ہیں۔

اسکندر کو ذوالقرنین قرار دینے والوں کو شبہ طبری اور محمد بن ربیع جیزی کی کتاب (الصحابه الذین نزلوا بمصر) میں مذکور ابن لہیعہ کی ایک روایت کی بنا پر پڑا جس میں ہے کہ ایک شخص نے آنجناب سے ذوالقرنین کے بارہ میں سوال کیا آپ نے جوابا فرمایا وہ ایک رومی بادشاہ تھا جو مصر گیا اور وہاں اسکندریہ نامی شہر (جو آج بھی اسی نام سے ہے) آباد کیا، یہ روایت اگر صحیح ہوتی تو اس مسئلہ میں قاطع نزاع ہوتی لیکن ضعیف ہے۔ ذوالقرنین کے نبی ہونے میں تعددِ آراء ہے، عبداللہ بن عمرو بن عاص سے منقول ہے کہ وہ نبی تھے، ظاہرِ قرآن بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے، حاکم نے ابو ہریرہ سے مرفوعا روایت کیا ہے آنجناب نے فرمایا مجھے نہیں علم کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں؟ وھب کتاب المبتدا میں انہیں عبد صالح قرار دیتے ہیں۔ زبیر کتاب النسب میں ابو الطفیل سے اپنی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے ابن الکوا کو سنا کہ حضرت علی سے ذوالقرنین کی بابت سوال کیا، ان کا جواب تھا کہ وہ ایک شخص تھے جنھوں نے اللہ سے محبت کی اور اللہ نے ان سے کی اللہ نے انہیں ایک قوم کی طرف مبعوث کیا جنھوں نے ان کے قرن پر ضرب لگائی جو جان لیوا ثابت

ہوئی، لیکن اس سند کے ایک راوی عبدالعزیز بن عمران ضعیف ہیں، البتہ ابوطفیل کی متابعت موجود ہے جسے ابن عیینہ نے اپنی جامع میں ابن ابی حسین عن ابی طفیل کے حوالے سے تخریج کیا، اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ وہ اللہ کیلئے خیر خواہ تھے اللہ ان کا ناصح تھا، نہ نبی تھے اور نہ بادشاہ، اس کی سند صحیح ہے، بقول ابن حجر ہم نے حافظ ضیاء کی احادیث مختارہ میں اس کا ذکر سنا ہے اس مین ایک اشکال بھی ہے وہ یہ کہ ایک طرف تو انہیں غیر نبی قرار دے رہے ہیں پھر ساتھ میں یہ جملہ بھی ہے: (بعثه الله إلى قومه) کہ اللہ نے انہیں ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا، تو اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اس بعثت سے مراد غیر نبوی بعثت ہے، ثعلبی کہتے ہیں وہ ملائکہ میں سے تھے، حضرت عمر سے بھی یہی مروی ہے کہ ایک شخص کو سنا کہ کسی کو یا ذاالقرنین کہہ کر پکار رہا ہے، کہا تم فرشتوں کے نام سے پکارتے ہو؟

جاحظ اپنی کتاب الحیوان میں لکھتے ہیں کہ ان کی والدہ تو بنت حوا تھی، جبکہ والد فرشتہ تھے، باپ کا نام فیری اور والدہ کا نام غیری بتلایا گیا ہے، اکثر اہل علم کی رائے ہے کہ وہ ایک صاحب جبروت بادشاہ تھے، مشارالیہ حدیثِ علی سے اس کا اشارہ ملتا ہے آگے احوالِ خضر میں اس کا مزید بیان آئیگا، ذوالقرنین کی وجہِ تسمیہ میں بھی اختلاف ہے، ایک قول کے مطابق چونکہ مشرق اور مغرب تک پہنچے اس وجہ سے یہ نام پڑا، زبیر بن بکار نے زہری سے نقل کیا کہتے ہیں کہ مشرق اور مغرب میں قرنِ شمس تک پہنچے تھے، اس وجہ سے یہ نام پڑا، ایک تاویل یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ چونکہ ان کی بادشاہت مشرق اور مغرب تک پہنچی تھی اس وجہ سے یہ نام رکھا گیا، ایک رائے ہے کہ ان کے حقیقۃً دو سینگ تھے، بعض کہتے ہیں لمبے بال رکھے تھے جو دو مینڈھیوں کی طرح ہر وقت لہراتے رہتے تھے، اس وجہ سے یہ نام پڑا، ضفیرۃ (یعنی مینڈھی) کو قرن کے لفظ سے تعبیر کرنا عربی زبان میں ایک معروف امر ہے، بنتِ رسول حضرت زینب کے غسل وکفن کے ذکر میں ام عطیہ کی حدیث میں یہ جملہ گزرا ہے: (وضفرنا شعرها ثلاثة قرون) کہ ہم نے ان کے بالوں کی تین قرون (یعنی مینڈھیاں) بنادیں، بعض کے نزدیک ان کا تاج دو شاخہ تھا، بعض کہتے ہیں چونکہ طویل عمر پائی حتی کہ لوگوں کی دو نسلوں کو ختم ہوتے دیکھا، ایک قول ہے کہ چونکہ طلوع آفتاب کے وقت شیطان اپنے دو سینگوں سمیت اس جہت ہوتا ہے اور وہ وہاں پہنچے تھے، اس وجہ سے یہ نام پڑا، ایک قول ہے علم ظاہر و باطن دئے جانے کی وجہ سے یا فارس و روم کا بادشا ہونے کی وجہ سے یہ لقب پڑا، نام میں مختلف اقوال ہیں، زبیر کی کتاب النسب میں ابن عباس کے حوالے سے عبداللہ بن ضحاک منقول ہے لیکن اس کی سند نہایت ضعیف ہے، کعب احبار جزم کے ساتھ صعب ذکر کرتے تھے، یہ ابن ھشام نے التیجان میں ابن عباس سے بھی نقل کیا ہے۔ طبری نے اسکندروس بن فیلبوس لکھا، مسعودی نے فیلبس لکھا ہے، ابن اسحاق نے بقول ابن ھشام مرزبان بن مردویہ لکھا ہے انہوں نے اسکندر بھی ذکر کیا ہے اور انہی کی وجہ سے یہ نام مشہور علیٰ اَلسنۃ ہوگیا، عرب شعراء کے اشعار میں کثرت سے ذوالقرنین کا تذکرہ ہے اس سے اس امر کو تقویت ملتی ہے کہ وہ عربی الاصل تھا (ابن حجر نے اعشیٰ، قس بن ساعدہ اور نعمان بن بشیر جو صحابی بن صحابی ہیں، کے اشعار بطورِ استشہاد پیش کئے ہیں)۔ کہتے ہیں امرؤالقیس، اوس اور طرفۃ بن العبد کے اشعار میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، زبیر سفیان ثوری سے نقل کرتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ پوری دنیا پر ابھی تک چار افراد نے حکمرانی کی ہے، دو مؤمن تھے اور دو کافر، مومن یہ ہیں: حضرت سلیمانؑ اور ذوالقرنین، جبکہ کافر نمرود اور بخت نصر ہیں، اسے وکیع نے بھی اپنی تفسیر میں بواسطہ علاء بن عبدالکریم مجاہد سے بیان کیا ہے۔

(سببا طریقا) یہ المجاز لأبی عبیدہ سے ماخوذ ہے، ابن ابی شیبہ نے حضرت علی سے مرفوعا روایت بیان کی ہے کہ مشرق

ومغرب پہنچنا ان کیلئے اس لئے ممکن ہوا کہ بادل مسخر کردئے گئے تھے، نور ان کیلئے بچھا دیا گیا تھا اور اسباب (وسائل) ان پر عیاں کردئے گئے تھے۔ (زبرة وهی القطع) یہ بھی ابوعبیدہ کا قول ہے۔ (حتی إذا ساویٰ) اسے ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے (بین الصدفین) کی تفسیر میں نقل کیا ہے، ابوعبیدہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: (أن ما بین الناحیتین من الجبلین)۔

(والسدین) ابن ابی حاتم نے عقبہ بن عامر سے مرفوعا نقل کیا ہے کہ ذوالقرنین جب مطلعِ آفتاب تک پہنچے پھر اس کے بعد چلے حتی کہ السدین پہنچ گئے اور یہ دو نرم سطح والے پہاڑ تھے جہاں کوئی چیز ٹھہرتی نہ تھی تو وہاں دو سد بنا دیئے مگر اس کی سند میں ضعف ہے، سدین کی سین پر زبر اور پیش بقول کسائی دونوں صحیح ہیں، ابوعمرو بن علاء کہتے ہیں جو اللہ کی صنع میں سے ہو وہ پیش کے ساتھ اور جو انسان کی کارگزاری کا نتیجہ ہو، اسے زبر کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں زبر کے ساتھ مرئی سد اور پیش کے ساتھ مخفی سد ہوتا ہے۔ (خرجا أجراً) یہ ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ (آتونی أفرغ) پہلا اور دوسرا قول ابوعبیدہ نے نقل کیا ہے، یہ عبارت ذکر کی ہے: (أی أصب علیه حدیدا ذائبا وجعله قوم الرصاص) رصاص کی راء پر زبر اور زیر دونوں درست ہیں، تیسرا قول ابن ابی حاتم نے ضحاک کے طریق سے نقل کیا ہے، ابن عباس کا قول ابن ابی حاتم نے بواسطِ عکرمہ نقل کیا، سدی کے طریق سے (النحاس المذاب) کے الفاظ نقل کئے ہیں، وھب بن منبہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ لوہے اور پگھلائے ہوئے تانبے سے اس سد کو مشرف کیا پھر زرد نحاس سے پانی چڑھا دیا تو اس طرح ایک کئی رنگی چادر کی سی اس کی شکل بن گئی۔ (یعلوه) یہ ابوعبیدہ کا قول ہے، (ظهرت فوق الجبل) کہا جاتا ہے جب اس پر چڑھے۔ (اسطاع استفعل) یعنی اسطاع کی ہمزہِ مکسور اور یستطیع میں یائے مضموم کے ساتھ۔ (جعله دکاء الخ) ابوعبیدہ سورۃ الکهف کی آیت: (جَعَلَه دَكَّاءَ) ای جعله مدکوکا، اسے مُلزَق بالأرض کردیا جائے گا، (ناقة دکاء) کی اصطلاح مستعمل ہے، اس اونٹنی کیلئے جس کی کمر کوھان نہ ہونے کی وجہ سے ہموار ہو، عربی زبان میں فاعل اور مفعول کا موصوف بالمصدر کیا جانا موجود ہے۔

(وقال قتادة) اسے عبدالرزاق نے سورۃ الأنبیاء کی آیت: (حتىٰ إِذَا فُتِحَتْ يأْجُوجُ ومأْجُوجُ وهُمْ مِنْ كُلِ حَدَبٍ يَنْسِلُون) [۹۶] کی تفسیر میں نقل کیا ہے، یاجوج اور ماجوج یافث بن نوح کی نسل سے دو قبائل ہیں، ابن مردویہ اور حاکم نے حضرت حذیفہ سے مرفوعا نقل کی ہے کہ یاجوج بھی ایک امت ہے اور ماجوج بھی، ہر امت چار لاکھ افراد پر مشتمل ہے اور ہر فرد اپنی نسل میں ہزار افراد دیکھے بغیر نہیں مرتا، سبھی مسلح ہو کر نکلیں گے اور ہر چیز کا صفایا کردیں گے اپنے مُردوں کو بھی نہیں بخشتے، انہیں بھی کھا لیتے ہیں (یعنی آدم خور ہیں، عقل حیران ہے کہ دورِ حاضر کا انسان باوجود اپنی عظیم و نادر مہارت اور ٹیکنالوجی کے ان کے مسکن سے بے خبر ہے حالانکہ اس حدیثِ حذیفہ کی رو سے یہ اربوں کی تعداد میں ہیں)۔ کتاب الفتن میں ان کے بارہ میں مبسوط بحث ہوگی۔ نووی نے ایک حکایت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت آدم سوتے میں محتلم ہوئے اور ان کی منی مٹی میں جذب ہوگئی جس سے یاجوج و ماجوج کی نسل کا آغاز ہوا، تو یہ ایک خانہ ساز اور بے اصل حکایت ہے، بعض اہل کتاب سے منقول ہے۔

ابن ہشام التیجان میں رقمطراز ہیں کہ ان میں سے ایک گروہ ایمان لے آیا تھا جنہیں ذوالقرنین نے آرمیا (جو اس وقت سوویت یونین سے آزاد ہوا ایک ملک ہے) میں سد بناتے ہوئے ادھر ہی رکھ چھوڑا، ترکوں کا نام اسی وجہ سے ترک پڑا ہے۔

(وقال رجل للنبی) اسے ابن ابی عمر نے (سعید بن أبی عروبة عن قتادة عن رجل من أهل المدینة) کے حوالے سے موصول کیا ہے کہ اس نے آنجناب سے یہ بات کہی تھی آپ نے دریافت فرمایا تھا کس طرح کی وہ دیوار ہے؟ کہا (مثل البرد المُحَبر) یعنی رنگ برنگی چادر کی طرح، اس پر آپ نے فرمایا ہاں واقعی تم نے دیکھا ہے، اسے طبرانی نے (سعید بن بشیر عن قتادة عن رجلین عن أبی بکرة) کے طریق سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص آنجناب کے پاس آیا۔۔۔ الخ، ان کی وایت میں ایک زیادتِ منکرہ بھی ہے وہ یہ کہ آپ نے یہ سنکر فرمایا: (والذی نفسی بیده) میں نے بھی شب معراج اسے دیکھا، ایک اینٹ سونے اور ایک چاندی کی ہے، بزار نے بھی (یوسف بن أبی مریم حنفی عن أبی بکرة ورجل رأی السد) کے طریق سے مطولا روایت کیا ہے۔ مصنف نے اس کے تحت تین احادیث نقل کی ہیں۔

3346 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ زَيْنَبَ ابْنَةَ أَبِي سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ بِنْتِ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ جَحْشٍ رضی الله عنهن أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا فَزِعًا يَقُولُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هَذِهِ. وَحَلَّقَ بِإِصْبَعِهِ الإِبْهَامِ وَالَّتِي تَلِيهَا. قَالَتْ زَيْنَبُ ابْنَةُ جَحْشٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ قَالَ نَعَمْ، إِذَا كَثُرَ الْخُبْثُ. أطرافه 3598، 7059، 7135

حضرت زینب بنت جحش کہتی ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم سخت گھبراہٹ کے عالم میں ان کے پاس آئے، لا الہ الا اللہ کا ورد کر رہے تھے، فرمایا عربوں کیلئے ویل اس شر کی وجہ سے جو قریب آ چکا، آج یاجوج ماجوج کی دیوار میں اتنا شگاف پیدا ہو گیا ہے، یہ کہہ کر انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی کا حلقہ سا بنایا، زینب کہتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہم ہلاک کر دئے جائینگے جبکہ ہم میں نیک لوگ بھی موجود ہوں گے؟ فرمایا ہاں جب فسق و فجور عام ہو جائے۔

کتاب الفتن کے آخر میں اس پر مفصلا بات ہوگی۔

3347 حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فَتَحَ اللَّهُ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلَ هَذَا وَعَقَدَ بِيَدِهِ تِسْعِينَ. طرفه 7136

یہ بھی سابق روایت کی طرح لیکن بالاختصار ہے۔ اسے مسلم نے بھی تخریج کیا ہے۔

3348 حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الأَعْمَشِ حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى يَا آدَمُ. فَيَقُولُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ. فَيَقُولُ أَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ. قَالَ وَمَا بَعْثُ النَّارِ قَالَ مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَمِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ، فَعِنْدَهُ يَشِيبُ الصَّغِيرُ، وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا، وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى، وَمَا هُمْ بِسُكَارَى، وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ. قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَأَيُّنَا ذَلِكَ

الْوَاحِدُ قَالَ أَبْشِرُوا فَإِنَّ مِنْكُمْ رَجُلٌ، وَمِنْ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ أَلْفٌ .ثُمَّ قَالَ وَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهِ، إِنِّی أَرْجُو أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا فَقَالَ أَرْجُو أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ .فَكَبَّرْنَا فَقَالَ أَرْجُو أَنْ تَكُونُوا نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَافَقَالَ مَا أَنْتُمْ فِی النَّاسِ إِلَّا كَالشَّعَرَةِ السَّوْدَاءِ فِی جِلْدِ ثَوْرٍ أَبْيَضَ، أَوْ كَشَعَرَةٍ بَيْضَاءَ فِی جِلْدِ ثَوْرٍ أَسْوَدَ .أطرافه 4741،6530،7483

ابوسعید بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا اللہ تعالی فرمائیگا اے آدم! وہ کہیں گے لبیک وسعدیک یعنی میں حاضر ہوں، اور اس حاضری میں خوش ہوں اور تمام بھلائیاں تیرے ہی پاس ہیں، وہ کہے گا جہنمیوں کو ایک طرف کرلو، وہ عرض کرینگے جہنمی کتنے ہیں؟ جواب آئیگا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے، فرمایا یہ وہ وقت ہوگا جب بچے بوڑھے ہوجائینگے اور ہر حاملہ اپنا حمل گرادیگی اور لوگ ایک مدہوشی کی سی حالت میں ہوجائینگے حالانکہ کوئی مدہوشی نہ ہوگی لیکن اللہ کا عذاب بڑا ہی شدید ہوگا، لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ وہ ایک خوش قسمت کون ہوگا؟ فرمایا خوش ہوجاؤ وہ ایک (یعنی جنت کا مستحق) تم میں سے اور ہزار یاجوج وماجوج میں سے ہوں گے، پھر فرمایا مجھے امید ہے تم اہل جنت کے ایک تہائی ہوگے، راوی کہتے ہیں اس پر ہم نے اللہ اکبر کہا (یعنی نعرۂ تکبیر کہا) پھر فرمایا مجھے امید ہے تم اہل جنت کا نصف ہوگے، ہم نے اس پر بھی اللہ اکبر کہا تو آپ نے فرمایا تم میدان حشر میں تمام اہل زمین کی نسبت ایسے ہوگے جیسے سفید بیل کے جسم میں ایک سیاہ بال یا سیاہ بیل کے جسم میں ایک سفید بال ہو۔

ابواسامہ کا نام حماد بن اسامہ تھا، کتاب الرقاق کے اواخر میں مشروح بالتفصیل آرہی ہے، غرضِ ترجمہ ذکرِ یاجوج وماجوج اور ان کی کثرت کی طرف اشارہ ہے، یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ حضرت آدم کی ہی اولاد ہیں۔

علامہ انور شاہ (وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَيْنِ) کے تحت۔عدۃ فوائد۔احاطۂ تحریر میں لائے ہیں پہلا فائدہ کے عنوان سے کہتے ہیں بلاشبہ ذوالقرنین ایک مردِ صالح تھا، یا تو نبی تھا یا ولی، اللہ اعلم لیکن ظاہر امر یہ ہے کہ وہ اسکندر یونانی نہیں، رازی کی بھی یہی رائے ہے اور ابن حجر نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ارسطو اسکندر یونانی کا وزیر تھا اور اسے سجدہ کرتا تھا، اس نے سب سے پہلے جغرافیہ تدوین کیا اور اس میں سد کا ذکر کیا ہے البتہ ممکن ہے اس سد سے اس کی مراد سدِ ذی القرنین نہ ہو، پھر اسکندر ھذا کبھی طلوعِ آفتاب کی سرزمین (جو دورِ حاضر کے جغرافیہ دانوں کے نزدیک جاپان ومابعد ہے) نہیں گیا وہ سمرقند تک آیا ہے پھر دارا ایرانی کو شکست دی پھر (مصر میں) اسکندریہ فتح کیا یہاں سے دوبارہ کابل کی طرف آیا پھر آگے بڑھ کر راولپنڈی آیا حتی کہ ٹیکسلا میں فروکش ہوا یہاں اپنے نام کا سکہ بھی جاری کیا (کہا جاتا ہے کہ جہلم تک آیا اور دریائے جہلم کے کنارے بادشاہ ہندوستان جسکا نام کلیلۃ ودمنۃ میں فور لکھا ہے، کو شکست دی، ذکر کیا جاتا ہے کہ جہلم اس کے گھوڑے کا نام تھا) لکھتے ہیں پھر سندھ کی طرف آیا اور وہیں اس کا انتقال ہو گیا تو بہر حال وہ مطلعِ آفتاب کی طرف نہیں گیا لہٰذا یہ وہ نہیں جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے، کہتے ہیں مولانا عبدالحق دھلوی کی تفسیر کے آخر میں دنیا کا نقشہ اس باب میں مفید ہے، کہتے ہیں مطلع اور مغربِ آفتاب کی طرف اس کے سفر سے میں نے یہ استنباط کیا ہے کہ وہ ان علاقوں کا رہائشی نہ تھا۔

دوسرا فائدہ سدِ ذوالقرنین کی جگہ کی بابت ہے، رقمطراز ہیں کہ متعدد سد تاریخ میں مشہور ہیں، وہ جس کی تعمیر ذوالقرنین کے

ہاتھوں ہوئی، جانبِ شمال جبلِ قوقیا کے پاس ہے، وہ جو چین میں ہے (دیوارِ چین) جسکا طول تقریبا بارہ سو میل ہے وہ ایک دیگر سد ہے، اسے ذوالقرنین کا سد قرار دینا بعید عن صواب ہے، ایک سد یمن میں تھا جسے شداد نے تعمیر کیا تھا، حافظ نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ ایک صحابی نے سدِ ذوالقرنین کو دیکھا پھر واپسی پہ آنجناب کے سامنے: کالبرد المحبر کی طرح بتلایا، حافظ نے اسے سد ذوالقرنین قرار دیا ہے مگر یہ غلط ہے بلکہ یہ یمن کا ایک سد تھا، ذوالقرنین والا سد تو بخارا کے اس پار ہے، کہتے ہیں سد ذوالقرنین اب ڈھے چکا ہے قرآن میں کوئی ایسا وعدہ نہیں کہ وہ یاجوج و ماجوج کے خروج تک باقی رہیگا (یہ نقطہ نظر عام رائے کے برعکس ہے) ادر نہ یہ خبر ہے کہ وہ ان کے خروج سے مانع ہے، یہ صرف تبادُرِ اوھام سے ہے، قرآن کہتا ہے: (وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يومَئِذٍ يَمُوجُ بِبَعْضٍ- حتىٰ إذا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ) تو ان کا خروج متعدد مرتبہ ہونا ہے، قبل ازیں ہو بھی چکا ہے اور جیسا کہ قرآن میں مذکور ہوا زمین میں نہایت فساد و خرابی کا باعث بنے البتہ جس خروجِ موعود کا حوالہ قرآن نے دیا ہے وہ آخری زمانہ میں ہوگا اور یہ سابقہ کی نسبت زیادہ سخت ہوگا، قرآن میں مذکور نہیں کہ یہ خروج موعود سد کے اندکاک کے بعد ہوگا (لیکن حدیثِ باب سے یہ اشارہ ملتا ہے) بلکہ اس میں اس سد کے اندکاک کا مطلقاً ذکر ہے جہاں تک اس کے اندکاک کے فوری کے بعد ان کا خروج تو (فلا حرف فیہ)، تم دیکھتے نہیں آنجناب نے اپنی وفات، فتحِ بیت القدس اور فتحِ قسطنطیہ کو قیامت کی نشانیوں میں سے بتلایا ہے، تو کیا یہ تینوں باہم متصل ہیں؟ تو نص قرآنی میں بھی اسی طرح ہے ہاں اس میں یہ ذکر ہے کہ ان کا خروج بعد الاندکاک ہی ہوگا لیکن یہ کہنا کہ وہ ان کے خروج کے وقت ھی مُندَک ہوگی، قرآن میں نہیں۔

تیسرے فائدہ کے تحت یاجوج و ماجوج کی تحقیق کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ وہ یافث بن نوح کی نسل سے ہیں، لسانِ یورپ میں انہیں کاک میکاک کہا گیا ہے، مقدمہ ابن خلدون میں غوغ ماغوغ درج ہے، اہلِ بریطانیہ کو اس بات کا اقرار ہے کہ وہ ماجوج کی ذریت ہیں اسی طرح اہل جرمنی بھی اس بات کے مدعی ہیں، روسی یاجوج کی ذریت ہیں تو یہ سب اقوام انس میں سے ہیں تو ان کے خروج سے مراد انکا حملہ آور ہونا اور زمین میں فساد کا باعث بننا ہے اور یہ لامحالہ اپنے وقت پر ہونے والا ہے، سد ان کیلئے مانع نہیں، وہ تمام باقی اقوام پر حملہ آور ہوں گے اور سیدنا عیسیٰؑ کی بددعا سے ہلاک ہو جائینگے۔

مکاشفاتِ یوحنا میں بھی مذکور ہے کہ وہ جناب عیسیٰؑ کی بددعا کے نتیجہ میں ھلاک ہو جائیں گے، لکھتے ہیں ان امور میں سے کچھ کا ذکر اسلئے کیا ہے تاکہ علم ہو یہ ایسی معلومات نہیں جن پر عوام کے سامنے اترایا جائے، یہ اصحاب تاریخ کے ہاں معروف ہیں، یہ لعینِ قادیان ایسی باتوں کو بیان کرکے زعم کرتا ہے گویا وہ کوئی علم جدید پیش کر رہا ہے گویا یہ اس کی ایجاد ہوں لوگ قبل ازیں ان سے غافل تھے، ہم نے اپنے رسالہ عقیدۃ الإسلام میں اسبارے مبسوط بحث کی ہے، آگے رقمطراز ہیں کہ صرف ترمذی کی ایک روایت کے سیاق سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ سد خروجِ یاجوج و ماجوج کے آڑے ہے کیونکہ اس میں ہے وہ اسے روزانہ کھدیڑتے ہیں حتی کہ شام کو جب باقی کام اگلے دن کا کہہ کر واپس جاتے ہیں اور ان شاء اللہ نہیں پڑھتے، تو اگلے دن وہ سد پھر پورا ہو چکا ہوتا ہے، جب ان کے خروج کا موعد ہوگا تو شام کو واپس جاتے ہوئے ان شاء اللہ پڑھ بیٹھیں گے اور جب اگلے دن وہاں پہنچیں گے تو دیکھینگے کہ خلاف معمول کل کا کام برقرار ہے، یہ اس کے اندکاک کا وقت ہے تو یہ بخاری کی ایک روایت کے مخالف ہے جس میں ہے کہ نبی پاک کے زمانہ میں اس سد میں ایک

چھوٹا سا شگاف ڈال دیا تھا، ہم نے یہ ساری بحث اپنے رسالہ میں کی ہے، ابن کثیر اس حدیث کو معلول قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابوھریرہ کبھی اسے بطور مرفوع اور کبھی کعب احبار سے موقوفاً بیان کرتے تھے، وجدان بھی یہی کہتا ہے کہ یہ کعب کی بات ہے، اسی بحث کا تتمہ حیات عیسیٰ کے بارہ میں اپنی بحث میں کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ احادیث سے یہ بات متواتراً ثابت ہے کہ حضرت عیسی کا نزول ظہور دجال کے بعد ہوگا اور وہ اسے قتل کر کے اپنے آلۂ حرب پر اس کا خون دکھلائیں گے اس کے بعد یاجوج وماجوج کا خروج ہے جو آخر ان کی بددعا سے ہلاک ہوں گے، ملحدین نے ان احادیث کی بھی تحریف کی، میں نے اس بارہ میں ایک مقالہ حدیثیۃ تاریخیہ سپردِ قلم کیا ہے جس کی تفصیل کا یہ مقام متحمل نہیں، چند چیدہ باتیں پیش کردی ہیں، ذوالقرنین کے بارہ میں یہ ظاہر ہے کہ وہ اہل مشرق میں سے نہ تھا، کہا گیا ہے کہ وہ فغفور چینی ہے جو دیوارِ چین کا بانی ہے لیکن اگر یہ ذوالقرنین ہوتا تو قرآن نے جب اس کے مغرب الشّمس کی طرف سفر کا تذکرہ کیا ہے تو اندازِ بیان سے مترشح ہوتا ہے گویا وہاں سے اس کی واپسی وطن کی طرف واپسی تھی، نہ وہ اہل مغرب میں سے ہے لہٰذا وہ کسی اور سمت یا مشرق ومغرب کے درمیان کے لوگوں میں سے ہے تو راجح یہی ہے کہ نہ اذوائے یمن سے ہے، نہ کیقباد ہے جو ملوکِ عجم سے ہے اور نہ اسکندر بن فیلقوس ہے بلکہ کوئی اور نیک بادشاہ ہے جسکا نسب ان اوائل عرب سامیوں سے ملتا ہے جنہوں نے مصر پر حکمرانی کی، جیسے شداد بن عاد بن عوذ ابن ارم بن سام، اس کا بھتیجا سنان بن علوان بن عاد، ان کے بعد ریان بن دلید بن عمرو بن عملیق بن عولج بن عاد تھے، لکھتے ہیں ریان کے بعد فراعنہ پر عمالقہ کے لفظ کا اطلاق ہوا، یہ عملیق کی نسبت سے ہے نہ کہ عملیق بن لاوز بن ارم بن سام کی وجہ سے جو مکہ میں آباد ہوئے۔

صاحبِ ناسخ نے اس کا تذکرہ کیا اور سد کی تعمیر کا زمانہ ہبوطِ آدم کے 3460 برس بعد کا لکھا ہے، اس نے ذوالقرنین کا نام ونسب یہ ذکر کیا ہے: صعب بن روم بن یونان بن تارخ بن سام، لہٰذا یہ عادِ اولی میں سے تھا نہ کہ روم ویونان میں سے، یہ بھی ذکر کیا کہ کورش کیقباد نہیں بلکہ وہ ملوکِ کابل کے دوسرے طبقہ سے تھا، قرآن میں ذوالقرنین کے تین اسفار کا ذکر ہے، ایک مشرق، دوسرا مغرب کی طرف اور تیسرا کسی اور جہت، تو اس امر کا کوئی قرینہ موجود نہیں کہ یہ تیسرا جنوب کی جانب تھا بلکہ وہ جانبِ شمال تھا، وہاں جبل قوقایا میں اس کا سد ہے جسے آجکل طائی کہا جاتا ہے اور الیہ پہاڑی سلسلہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں، کئی اور بادشاہوں نے بھی اپنے دشمنوں سے محفوظ رہنے کی خاطر سد بنائے تھے، سب کے سب جانبِ شمال ہی ہیں، اگر یہ مشہور قول جسے مؤرخین نے مشہور کردیا اور حیاۃ الحیوان میں بھی اس کا ذکر ہے، ابن عبد البر کی کتاب الأمم کے حوالے سے کہ ماجوج جو یافث کی اولاد سے ہے، وہاں جا آباد ہوا پھر جوج بھی اس سے جاملا اور ماغوغ، جو لفظ ابن خلدون نے ذکر کیا، عبرانی کا لفظ ہے، یہی عربی میں ماجوج ہے جبکہ جوج، یاجوج ہے، تو ذوالقرنین نے ان کے ایک گروہ کے سد باب کیلئے سد بنایا تھا۔

ارسطو نے کتاب الحیوان میں سد اور یاجوج وماجوج کا ذکر کیا ہے اسی طرح بطلیموس نے بھی اپنے جغرافیا میں، بلکہ اولاً تعینِ سد اور تعیینِ ذی القرنین کا سوال یہود نے آنجناب سے کیا تھا، البحر میں ہے کہ ان کی عدد وصفات میں تعددِ آراء ہے اور اس بارے کوئی صحیح شیء وارد نہیں لیکن میں کہتا ہوں ان کی کثرتِ تعداد کے بارہ میں متعدد احادیث ہیں، اگر کہا جائے کہ سد اب مُندک ہو چکا ہے اور انکے خروج سے کوئی حسی مانع موجود نہیں ادر خروج کئی مرتبہ متحقق ہو چکا ہے! تو کہا جائے گا کہ اس سے خاص خردج مراد ہے جو سیدنا

عیسیٰؑ کے نزول کے بعد واقع ہوگا، یہ ابھی تک نہیں ہوا، تو ان میں سے بعض نے ابھی تک خروج نہیں کیا، یہ ان کے نزول کے بعد نکلیں گے، قرآن نے فقط اس سد سے ان کا خروج ذکر نہیں کیا، سورۃ الأنبیاء میں ہے: (حَتىٰ إذا فُتِحَتْ يأجوجُ ومأجُوجُ) تو یہاں سد کا ذکر ہی نہیں، اسی طرح دوسری آیت میں ہے: (وتَرَكْنا بَعضَهُمْ يَمُوجُ بِبَعْضٍ) یہاں بھی سد کا ذکر نہیں اور اس میں ایماء ہے کہ ان کا بعض بعض کے بالمقابل ہے، بعض سد کی جہت سے اور بعض کسی اور سمت میں خروج کرینگے، گویا اندکاکِ سد ان میں سے بعض کے خروج کی جگہ ہے، یوحنا انجیلی کے مکاشفات میں ان کے متعدد مرتبہ خروج کا تذکرہ ہے، الناسخ کی گیارھویں فصل میں سفرِ سنہذرین جس کی ان کے ہاں وہی حیثیت ہے جو ہمارے ہاں حدیث کی، لکھا ہے کہ خزائنِ روم میں عبرانی زبان میں لکھی ہوئی یہ بات موجود ہے کہ چار ہزار دوسو اور اکیانوے برس یہ عالم یتیماً باقی رہیگا اور اس میں حروبِ کوک و ماکوک ہونگی اور آگے کے باقی ایام، ایامِ ماشیخ ہیں اور یہ تاریخ۔ جو یہودیوں کی مؤرخ بہ ہے۔ خاتم الأنبیاء کا مولد مبارک ہے اور زمانہ آپ کے بعد یتیم رہے گا، کوئی اس کی رعایت (یعنی حفاظت) کرنے والا نہ ہوگا تو اس سے مراد ختمِ نبوت ہے پھر اس کے بعد یاجوج وماجوج کی جنگیں برپا ہونگی اور یہ وقت ہوگا نزولِ عیسیٰؑ کا، صاحب الناسخ نے الماشیخ کو خاتم الانبیاء پر محمول کیا ہے۔

ان کی کتاب حزقیل میں میں بھی یہی ہے، سد کا ذکر نہیں کیا تو سب یاجوج وماجوج مسدود نہیں کیۓ گئے، قرآن نے انکے اعم واخص، دونوں کا تذکرہ جمع کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے ذوالقرنین کی بابت سوال کیا تھا، نہ کہ فقط یاجوج وماجوج کی بابت (یعنی ان کا ذکر تو ضمناً آیا ہے) تو اولاً سد کے موجد کا ذکر کیا پھر دوسری جگہ (وتر كنا بعضهم يموج) تعمیم بالذکر کیا، تو یہ استمرارِ تجددی ہے حتی کہ ان کا خروجِ موعود ومخصوص نزولِ سیدنا عیسی کے ساتھ متصل ہے تو یہاں قرآن میں ان کا ذکر اعم مما هو في الحديث ہے، اسی طرح اس آیت میں بھی: (وهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُون) روح المعانی میں اور کتاب حزقیالؑ میں آخر الزمان ان کی آمد کا ذکر ہے، آخرِ جربیاء سے امم کثیرہ کے ہمراہ جن کی تعداد صرف اللہ کو معلوم ہے، زمین میں فساد برپا کرینگے اور بیت المقدس کا رخ کرینگے، جہاں سب کے سب بربادی وہلاکت کا شکار ہو جائیں گے۔ احادیث میں انکے شام کی طرف جانے کا بھی ذکر ہے تو یہ خروج متصل بالاندکاک نہیں البتہ اس کے متصل ان کا خروج علی الناس ہے وگرنہ (فتحت ياجوج) کی بجاۓ (فتح الردم) کہا ہوتا، تو مراد اس دفعہ کا ان کا خروج ہے، یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ذوالقرنین کا یہ کہنا: (قالَ هذا رَحْمَةٌ مِن رَبي فإذا جاءَ وَعْدُ رَبي جَعَلَه دَكَّاءَ و كانَ وَعْدُ رَبِّي حَقّاً) ، اسکی جانب سے ایک قول ہے یہ نہیں کہ وہ اسے قیامت کی اشراط میں سے قرار دیتے ہیں شائد ان کا تو انہیں علم بھی نہ ہو، تو اس وعد سے مراد وعدِ اندکاک ہے لہذا اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا فرمان (وتر كنا بعضهم يومئذ يموج الخ) استمرارِ تجددی کے بطور ہے۔

البتہ دوسری جگہ کا یہ فرمان: (حتى إذا فُتِحتْ يأجُوجُ) [الأنبياء:۹۶] یہ اشراطِ قیامت میں سے ہے لیکن اس میں سد کا کوئی ذکر نہیں، وہ سد جسے صحابی نے دیکھا جیسا کہ فتح الباری، الدر المنشور اور حیاۃ الحیوان میں مذکور ہے بظاہر یہ کوئی اور سد تھا اور اس کے پرے یاجوج وماجوج ہونے سے مراد اہلِ شرک کا ہونا ہے۔ جہاں تک یاجوج وماجوج کے سدِ ذی القرنین کو کھدیڑنے کی روایت ہے تو ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس کا مرفوع ہونا معلول قرار دیا اور لکھا ہے کہ شائد حضرت ابو ہریرہ نے کعب (احبار) سے یہ بات سنی ہوگی، ان سے بھی یہ منقول ہے، فتح میں ہے کہ عبد بن حمید نے اسے حضرت ابو ہریرہ سے موقوفاً روایت کیا ہے یا اس کی تاویل یہ ہوسکتی

ہے کہ اولا ایسا کیا کرتے تھے پھر یہ سلسلہ ترک کر دیا، خروجِ مخصوص کے وقت دوبارہ ایسا کرنا شروع کر دیں گے اگر چہ قبل ازیں بھی خروج کر چکے ہیں البتہ وہ خروج سیدنا عیسی کے خلاف ہوگا، حاصلِ بحث یہ ہے کہ وہ سد مندک ہو چکا ہو یا ابھی تک برقرار ہو، انکے خروج کیلئے مانع نہیں وہ پہاڑوں کے پیچھے کسی اور جانب سے ایسا کر سکتے ہیں، آجکل تو ایسے ذرائعِ سفر موجود ہیں کہ ایسا کرنا ممکن ہے تو خروجِ مخصوص اس کے ساتھ مرتبط نہیں، یہ کہنا بھی محتمل ہے کہ اس سد کا وہ حصہ جسے قرآن نے (بین الصدفین) کے ساتھ ذکر کیا، ابھی مندک نہ ہوا ہو اور اس کا مخفی ہونا مستبعد نہیں، روح المعانی میں (حتی إذا بلغ بين السَّدَّيْنِ) میں سین کی بابت دو قراءت ہیں ایک اس کی پیش اور دوسری اس کی زبر کے ساتھ، ابن ابی اسحاق کے بقول زبر کے ساتھ مصدر ہے اور مراد وہ جسے آنکھیں دیکھ سکیں جبکہ پیش کے ساتھ اسم ہے وہ جو نگاہوں سے مخفی ہو، لہٰذا معاملہ انتظار پر متوقف اور دائرعلی الإیمان ہے تو اس تقدیر پر وہ اگر چہ قبل ازیں خروج کر چکے ہیں مگر اس راستہ کے ذریعہ (یا اس جانب کے یاجوج و ماجوج نے) ابھی خروج نہیں کیا، تو سدِ ذی القرنین مندک ہو چکا ہو یا نہ ہوا ہو، اس ملحد (مرزا قادیانی) نے اس بنا پر جو کچھ لکھا ہے وہ اساساً اور رأساً منہدم ہوتا ہے جیسا کہ یہ بحث اس کے لئے فائدہ مند نہیں کہ اھل یورپ انہی میں سے ہیں یا نہیں، کہ انہوں نے اس سد کی جانب سے ابھی تک خروج نہیں کیا اگر چہ مطلقاً خروج کر چکے ہیں پھر یہ ملحد خود اپنی تحقیق کے ساتھ یاجوج کی ذریت سے ہے کیونکہ وہ مغل ہے، جغرافیہ دانوں کے ہاں یہ امر مسلَّم ہے کہ ابھی تک بعض پہاڑی سلسلوں، صحراؤں (خصوصا روس کا عظیم سرد صحراء سائبیریا) اور سمندری جزیروں کا حال ابھی تک منکشف نہیں ہو سکا انگریز جو کہ المانیوں میں سے ہیں اور وہ ماجوج کے بھائی جومر کی ذریت سے ہیں تو وہ ماجوج کی نسل نہیں، اس نے جو لکھا ہے کہ المان کوہ قاف اور اورال کے پہاڑی سلسلوں سے نکلے ہیں، اس باب میں مفید نہیں کیونکہ اورال کا پہاڑی سلسلہ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا ایک طویل سلسلہ ہے، ماجوج کی نسل یا وہ جنگی روک کیلئے سد بنایا گیا تھا اس سلسلہ کے مشرقی حصہ میں تھی۔

دائرہ المعارف میں مذکور ہے کہ جوج جومر سے ہیں اور وہ سکیثیین کا بادشاہ تھا تو یاجوج ماجوج کے اخوان ہوئے، یہود کے ہاں بھی یہی ہے جیسا کہ لقطۃ العجلان میں مذکور ہے تو خراصون (اٹکل پچو لگانے والے) کی باتوں سے بچو۔ سکیثیین بنی اسرائیل نہیں، ذریتِ یعقوب میں جس جوج کا ذکر ہے وہ کوئی اور شخص ہے اور جس جوج کا کتابِ حزقیل میں ماجوج کے ساتھ ذکر آیا وہ حضرت یعقوبؑ کی ذریت سے نہیں، اہل یورپ کی اصل تو آریانہ سے بتلائی جاتی ہے تو پھر وہ ماجوج سے کیونکر ہو سکتے ہیں وگرنہ تو ھنود بھی انہی میں سے ہونا قرار پائیں گے (کیونکہ ان کی اصل بھی آریانی ہے) الا یہ کہ کہا جائے کہ ان کے القاب بدل چکے ہیں، فتح الباری میں ایک حدیث نقل کی ہے، آنجناب نے فرمایا خوش ہو جاؤ، یاجوج و ماجوج میں سے ہزار اور تم میں سے ایک، قرطبی اس کی شرح میں لکھتے ہیں یعنی ہزار یاجوج و ماجوج میں سے اور ان سے جوان کی طرح یعنی اہل شرک ہیں اور (منکم) سے مراد صحابہ اور جوان کے مثل ہیں، کہتے ہیں یہ تاویل دراصل عمران بن حصین سے مستدرک حاکم میں منقول ہے، حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے ذہبی نے بھی تائید کی ہے اگر چہ فتح میں اس کا حوالہ نہیں دیا، ترمذی اور نسائی نے بھی التفسیر میں اسی طرح روایت کیا ہے، درمنثور میں بھی ابن عباس کے حوالے سے (یوماً يَجْعَلُ الْوِلْدانَ شِيْباً) کی تفسیر میں یہی منقول ہے۔

علامہ لکھتے ہیں یہ جو کچھ میں نے ذکر کیا، قرآن میں تاویل نہیں بلکہ تاریخ و تجربہ سے مزید معلومات کی تقدیم ہے، لفظ کو اس

کے موضوع سے خارج نہیں کیا لہٰذا فرق متسع نہیں کیونکہ جب تاریخ ذکر کرتی ہے کہ اس سد کی جہت سے خارج کچھ اقوام بھی یاجوج وماجوج کی نسل سے ہیں تو ہم کہتے ہیں اگر یہ ثابت ہے تو آیت سے یہ مترشح نہیں ہوتا کہ تمام یاجوج وماجوج کو سد کے پار دھکیل دیا گیا تھا، یہ صرف اس جہت کے یاجوج وماجوج کے دفعِ شر کیلئے بنایا گیا تھا تو دوسری جگہوں میں بھی انہی کی نسل کے افراد ہوسکتے ہیں البتہ آیات میں جن یاجوج وماجوج کے خروج کا ذکر ہے وہ ان سے متعلق نہیں، تو اگر ثابت ہو کہ سد مندک ہو چکا ہے یا یہ کہ کسی اور جانب سے وہ خروج کر چکے ہیں تو جس موجِ بعض کا قرآن میں ذکر ہے وہ مسلسل وجاری عمل ہے حتی کہ نزولِ سیدنا عیسی کے بعد یہ خروجِ خاص متحقِق ہوگا تب وہ اس سد کی جہت سے خروج کرینگے، یہ امر معلوم ہے کہ قرآن کا مقصد تمام تاریخ کا استیعاب کرنا نہیں اور نہ وہ سب وقائع کا احاطہ کرتا ہے، جو تاریخ کا اعتبار کرتا ہے وہ ان معلومات سے مستفید ہوسکتا ہے بایں طور کہ وہ ایک خارجی ذریعہ ہے۔ (وتَضَعُ كُلُّ ذاتِ حَمْلٍ حَمْلَها) کی بابت لکھتے ہیں کہا گیا ہے یہ حشر سے قبل ہوگا ایک قول فی الحشر کا بھی ہے، تب اس میں اشکال یہ ہے کہ دہاں تو کوئی حامل نہ ہوگا اور نہ کوئی مُرضع! ایک قول یہ ہے کہ یہ پہلے نفخہ کے وقت کی کیفیت بیان کی گئی ہے عرفاً یہ (فی الحشر) ہے کیونکہ پہلے نفخہ اور بعث کے مابین چالیس برس کا وقفہ ہے۔ انتہیٰ

8 باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً) (ابراہیم خلیل اللہ)

وَقَوْلِهِ (إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا) وَقَوْلِهِ (إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لأَوَّاهٌ حَلِيمٌ) وَقَالَ أَبُو مَيْسَرَةَ الرَّحِيمُ بِلِسَانِ الْحَبَشَةِ.

اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنا لیا، دوسری جگہ فرمایا بے شک ابراہیم بذاتِ خود ایک امت تھے اللہ کے مطیع وفرمانبردار، اور فرمایا بے شک ابراہیم نہایت نرم طبیعت والے اور بردبار تھے، ابو میسرہ کہتے ہیں اواہ بزبانِ حبشہ رحیم کے معنی میں ہے۔

شاملِ ترجمہ آیات کے ساتھ گویا اللہ تعالی کی ثناء وتعریف کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو حضرت ابراہیم کی بابت صادر کی، سریانی میں ابراہیم کا معنی ہے مشفق والد۔ خلیل، فعیل بمعنی فاعل ہے خلت سے مراد وہ محبت اور دوستی کے جذبات جو متخلل فی القلب یعنی اس کے خلال (یعنی اندر) رچ بس چکے ہوں، تو یہ حضرت ابراہیم کی نسبت اللہ تعالی کی محبت کے حوالے سے کہنا تو صحیح ہے جہاں تک اللہ تعالی کے حق میں یہی بات کہنا تو علی سبیل المقابلہ ہے، ایک قول ہے کہ خلت کی اصل استقصاء ہے، یہ نام اسلئے پڑا کہ وہ اللہ تعالی ہی کی خاطر دوستی اور دشمنی کرتے تھے، اللہ تعالی کی طرف سے ان کے ساتھ خلت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس کی نصرت وتائید انہیں حاصل تھی اس نے انہیں امام بنا دیا (یہاں فتح کے محشی جو ایک سعودی عالم ہیں، لکھتے ہیں کہ خلت جو محبت کا اعلی درجہ ہے، کا اللہ تعالی کی نسبت اطلاق صحیح ہے اس حقیقت پر جو اس کے لائق ہے، یہ اس کی نسبت صفتِ ثابتہ ہے، تشبیہ یا تمثیلِ مستلزم نہیں بلکہ سمع وبصر اور حیات جیسی دوسری صفات کی طرح اس کے لائق ہے، اللہ تعالی سے خلت کی نفی کرنا جہمیہ کا جعد سے نقل کردہ قول ہے، ابن قیم کے اشعار میں اسطرف اشارہ کیا گیا ہے) ایک قول یہ کہ یہ خَلت بمعنی حاجۃ سے مشتق ہے تو ہر طرف سے کٹ کر اور اپنی تمام حاجات وضروریات میں اسی کی طرف رجوع کے سبب انہیں خلیل کا لقب ملا۔ ابراھیم، ابنِ آزر ہیں جنکا نام ونسب یہ ہے: تارح بن تاجور بن شاروخ بن راغواء بن فالغ بن عبید، انہیں عابد بھی کہا گیا ہے، بن شالخ بن ارفخشند بن سام بن نوح ہے۔ جمہور اہل نسب اور اھل کتاب کا اس شجرۂ نسب پر اتفاق

ہے البتہ بعض الفاظ کے تلفُظ میں قدرے فرق ہے البتہ ابن حبان نے اپنی تاریخ میں اسے مختلف شجرۂ نسب ذکر کیا ہے مگر یہ شاذ ہے۔

(وقال أبو میسرة الرحیم الخ) أوّاہ کی بابت یہ بات کہہ رہے ہیں، اس اثر کو وکیع نے اپنی تفسیر میں موصول کیا ہے، ابن ابی حاتم نے ابن مسعود کے طریق سے بھی یہی معنی بیان کیا ہے لیکن (بلسان الحبشة) ذکر نہیں کیا۔ عبداللہ بن شداد جو کبار تابعین میں سے ہیں، کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص کے آنجناب سے اواہ کا معنی پوچھنے پر آپ نے فرمایا (الخاشع المتضرع فی الدعاء) یعنی نہایت گڑگڑا کر دعا کرنے والا، ابن عباس سے اواہ کا معنی (الموقن)، مجاہد کے طریق سے (الحفیظ) اور یہ کہ آدمی سے سرأ کوئی گناہ سرزد ہو تو سرأ توبہ کرے، منقول ہے ایک دیگر سند کے ساتھ مجاہد سے (المنیب الفقیه الموفق) منقول ہے، شعبی سے (المسبح) نقل کیا گیا ہے، کعب احبار سے منقول ہے کہ آگ کا ذکر ہونے پر (أوّاہ من عذاب النار) کہا کرتے تھے، ابوذر سے مروی ہے کہ ایک شخص اثنائے طواف اپنی دعا میں اوّہ اوّہ کہتا تھا، آنجناب نے سن کر فرمایا یہ اواہ ہے، اس کے رجال ثقات ہیں لیکن ایک راوی مبہم ہے، ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ اواہ تأوّہ سے فعال (یعنی مبالغہ کا صیغہ) ہے اور اسکا معنی ہے: (شفقاً ولزوماً لِطاعة ربه) یعنی رب سے ڈرتے رہنا اور اس کی اطاعت میں لگے رہنا، امام بخاری نے اس کے تحت بیس احادیث نقل فرمائی ہیں۔

3349حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلاً ثُمَّ قَرَأَ (كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ) وَأَوَّلُ مَنْ يُكْسَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ، وَإِنَّ أُنَاسًا مِنْ أَصْحَابِي يُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَأَقُولُ أُصَحَابِي أُصَحَابِي .فَيَقُولُ، إِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ .فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ (وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ) إِلَى قَوْلِهِ (الْحَكِيمُ) أطرافه 3447، 4625، 4626، 4740، 6524،6525،6526

ابن عباسؓ نبی پاک سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا بے شک تم حشر میں ننگے پاؤں، ننگے جسم اور بن ختنہ اٹھائے جاؤ گے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: (کما بدأنا أول خلق نعیده) الخ یعنی جیسے تمہیں پیدا کیا تھا اسی حالت میں بعثت ہوگی، اور روزِ قیامت سب سے پہلے حضرت ابراہیم کو لباس پہنایا جائیگا، فرمایا میری امت کے کچھ افراد بائیں جانب ہٹا دئے جائینگے تو میں کہونگا یہ تو میرے ساتھی ہیں؟ کہا جائیگا یہ آپکی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے تو میں وہی کہونگا جو اللہ کے ایک بندۂ صالح (یعنی حضرت عیسیٰؑ، وہ بھی یہی بات روزِ قیامت کہینگے مگر قرآن نے اپنے خاص اسلوب میں بصیغۂ ماضی اسے حکایت کیا ہے تبھی نبی پاک نے بھی یہی صیغہ استعمال کیا) نے کہے تھے: (وکنت علیهم شهیدا ما دمت فیهم) الحکیم، تک آیت تلاوت فرمائی، یعنی جب تک میں ان میں موجود رہا ان پہ گواہ تھا مگر جب تو نے مجھے فوت کرلیا تب تو ہی ان کا نگران تھا۔

سفیان سے مراد ثوری ہیں۔ (أول من یکسی الخ) مقصودِ ترجمہ ہے، بیہقی نے الأسماء میں ابن عباس سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم ہوں گے جنہیں جنت کا حُلہ پہنایا جائے گا اور عرش کے داہنی جانب کرسی پر بٹھایا جائے گا پھر میں

لایا جاؤنگا اور ایسا حلہ پہنایا جاؤنگا جو کہ (لا يقوم لها بشر) کہ کوئی بشر اس کا سزاوار نہ ہوگا۔ کہا جاتا ہے حضرت ابراہیم کی اس اولیت کی وجہ یہ ہے کہ انہیں آگ میں عریاں کر کے پھینکا گیا تھا، ایک قول ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شلوار زیبِ تن کی، تو اس خصوصیت سے ان کا آنجناب سے افضل ہونا لازم نہیں ہوتا کیونکہ مفضول کبھی کسی خاص شیء میں امتیاز کا حامل ہوسکتا ہے، یہ مطلقاً افضلیت کو مستلزم نہیں، یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ آنجناب اس میں شامل نہیں کیونکہ ایک قول کے مطابق متکلم خود اپنے عمومِ خطاب میں داخل نہیں ہوتا، اس کی مزید تفصیل الرقاق کے آخر میں آئیگی (یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ اولیت سے مراد افضلیت نہیں ہوتی) حضرت ابراہیم کی کئی اور اولیات بھی ہیں مثلاً وہ پہلے شخص ہیں جس نے میزبانی کی، پہلے شخص ہیں جس نے قصِ شارب (یعنی مونچھیں تراشیں) اور ختنہ کیا اور سب سے قبل بڑھاپا انہی نے دیکھا وغیرہ، ابن حجر لکھتے ہیں اس موضوع کو تفصیل کے ساتھ مع ادلہ اپنی کتاب (إقامة الدلائل على معرفة الأوائل) میں بیان کیا ہے، حدیثِ ھذا کی مفصل شرح کتاب الرقاق کے اواخر میں آئیگی۔

علامہ انور (أول من يكسى) کے تحت لکھتے ہیں یہ اسلئے کہ سب سے قبل انہیں ہی اللہ کی راہ میں کپڑوں سے مجرّد کیا گیا، جب کفار نے انہیں آگ میں ڈالا تھا تو اس کی جزا حشر میں یہ ملی اور یہ ایک جزوی فضیلت ہے (فأقول كما قال العبد) کے تحت کہتے ہیں کہ (فلما توفيتني) لفظ سے متنبّی قادیان کا حضرت عیسی کی وفات پہ تمسک صحیح نہیں کیونکہ یہ قول حشر میں صادر ہوگا، قرآن میں بصیغۂ ماضی حکایۃً بیان کیا گیا ہے (جیسے کئی اور مقامات میں مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کیلئے ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا کیونکہ ان کا تحقق یقینی ہے)۔ اسے مسلم نے (صفة القيامة اور التفسير) نسائی نے (الجنائز اور التفسير) میں نقل کیا ہے۔

3350حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ أَخْبَرَنِي أَخِي عَبْدُ الْحَمِيدِ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَلْقَى إِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ آزَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَعَلَى وَجْهِ آزَرَ قَتَرَةٌ وَغَبَرَةٌ، فَيَقُولُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ لاَ تَعْصِنِي فَيَقُولُ أَبُوهُ فَالْيَوْمَ لاَ أَعْصِيكَ .فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ يَا رَبِّ، إِنَّكَ وَعَدْتَنِي أَنْ لاَ تُخْزِيَنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ، فَأَيُّ خِزْيٍ أَخْزَى مِنْ أَبِي الأَبْعَدِ فَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى إِنِّي حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ، ثُمَّ يُقَالُ يَا إِبْرَاهِيمُ مَا تَحْتَ رِجْلَيْكَ فَيَنْظُرُ فَإِذَا هُوَ بِذِيخٍ مُلْتَطِخٍ، فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهِ فَيُلْقَى فِي النَّارِ

.طرفاه4768، 4769

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی اکرم نے فرمایا قیامت کے روز حضرت ابراہیم اپنے والد آزر سے ملینگے تو آزر کے چہرے پر سیاہی اور غبار ہوگا، ابراہیم ان سے کہینگے میں نے کہا نہ تھا میری مخالفت نہ کریں؟ وہ بولیگا آج تیری نافرمانی نہ کرونگا تو ابراہیم بارگاہِ ایزدی میں عرضگزار ہوں گے کہ اے رب تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ قیامت کے دن مجھے رسوا نہ کریگا! تو اس سے زیادہ رسوائی کیا ہوسکتی ہے کہ میرا والد تیری رحمت سے سب سے زیادہ دور ہے؟ تو اللہ تعالی فرمائیگا میں نے اپنی جنت کافروں پہ حرام کی ہوئی ہے پھر کہا جائیگا اے ابراہیم تمہارے قدموں کے نیچے کیا ہے؟ وہ دیکھینگے تو ایک ذبح کیا ہوا خون میں لتھڑا ہوا جانور وہاں پڑا ہوگا، پھر اس کی ٹانگیں پکڑ کر اسے جہنم میں پھینک دیا جائیگا۔

سعید سے مراد ابن ابی سعید مقبری ہیں، اسکی مفصل شرح تفسیر سورۃ الشعراء میں بیان کی جائیگی۔

3351 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو أَنَّ بُكَيْرًا حَدَّثَهُ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ الْبَيْتَ فَوَجَدَ فِيهِ صُورَةَ إِبْرَاهِيمَ وَصُورَةَ مَرْيَمَ فَقَالَ أَمَا لَهُمْ، فَقَدْ سَمِعُوا أَنَّ الْمَلاَئِكَةَ لاَ تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ، هَذَا إِبْرَاهِيمُ مُصَوَّرٌ فَمَا لَهُ يَسْتَقْسِمُ. أطرافه 398، 1601، 3352، 4288

ابن عباسؓ کہتے ہیں نبی پاک بیت اللہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ اس میں حضرت ابراہیم اور حضرت مریم کی تصویریں ہیں، فرمایا قریش کو کیا ہوا؟ حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ فرشتے ایسی جگہ میں نہیں جاتے جہاں تصویریں موجود ہوں، یہ حضرت ابراہیم کی تصویر اور وہ بھی پانسہ پھینکتے ہوئے؟

سند میں عمرو سے مراد ابن حارث مصری ہیں، دو اسناد سے کعبہ کے اندر تصاویر کی بابت حدیثِ ابن عباس لائے ہیں، الحج میں بھی منقول ہے، ازلام سے متعلقہ بحث تفسیر سورۃ المائدہ میں آئیگی۔

3352 حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا رَأَى الصُّوَرَ فِي الْبَيْتِ لَمْ يَدْخُلْ، حَتَّى أَمَرَ بِهَا فَمُحِيَتْ، وَرَأَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِمَا السَّلاَمُ بِأَيْدِيهِمَا الأَزْلاَمُ فَقَالَ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ، وَاللَّهِ إِنِ اسْتَقْسَمَا بِالأَزْلاَمِ قَطُّ. أطرافه 398، 1601، 3351، 4288

ابن عباس کا بیان ہے کہ نبی اکرم بیت اللہ میں تب تک داخل نہ ہوئے جب تک اس میں موجود تصاویر مٹا نہیں دی گئیں، آپ نے وہاں حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں دیکھیں، ان کے ہاتھوں میں پانسے کے تیر تھے فرمایا اللہ ان (یعنی کفارِ قریش) کو برباد کرے، انہوں نے کبھی پانسے کے تیر نہیں پھینکے۔

3353 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَنْ أَكْرَمُ النَّاسِ قَالَ أَتْقَاهُمْ فَقَالُوا لَيْسَ عَنْ هَذَا نَسْأَلُكَ قَالَ فَيُوسُفُ نَبِيُّ اللَّهِ ابْنُ نَبِيِّ اللَّهِ ابْنِ نَبِيِّ اللَّهِ ابْنِ خَلِيلِ اللَّهِ قَالُوا لَيْسَ عَنْ هَذَا نَسْأَلُكَ قَالَ فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُونَ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الإِسْلاَمِ إِذَا فَقُهُوا. قَالَ أَبُو أُسَامَةَ وَمُعْتَمِرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. أطرافه 3374، 3383، 3490، 4689

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم سے سوال کیا گیا اکرم الناس (یعنی سب سے معزز) کون ہے؟ فرمایا جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو، عرض کی گئی ہم اس کے متعلق نہیں پوچھ رہے، فرمایا پھر اکرم الناس یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں جو سب اللہ کے نبی تھے، کہا گیا ہم یہ بھی نہیں پوچھ رہے فرمایا اچھا عربوں کے خاندانوں کی بابت پوچھتے ہو! تو سنو جو

جاہلیت میں شرفاء (یعنی معزز) تھے وہ اسلام میں بھی شرفاء ہیں بشرطے کہ انہیں اسلام کی سمجھ بوجھ حاصل ہو۔

شیخ بخاری ابن مدینی ہیں جو یحیی قطان سے روایت کرتے ہیں، عبیداللہ سے مراد عمری ہیں، قصہ یعقوب میں اس کی مفصل شرح آئیگی۔ (وقال أبوأسامة الخ) یعنی ان دونوں نے اسناد میں یحیی قطان کی مخالفت کرتے ہوئے (عن أبيه) کا واسطہ ذکر نہیں کیا، ابواسامہ کی روایت بخاری نے قصہ یوسف اور معتمر کی انہی نے قصہ یعقوب میں موصول کی ہے۔

3354حَدَّثَنَا مُؤَمَّلٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا عَوْفٌ حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ حَدَّثَنَا سَمُرَةُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتِيَانِ، فَأَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ طَوِيلٍ، لاَ أَكَادُ أَرَى رَأْسَهُ طُولاً، وَإِنَّهُ إِبْرَاهِيمُ ﷺ .أطرافه 845،1143،1386،2085،2791،3236،4674،6096،7047

حضرت سمرہ راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا آج رات خواب میں میرے پاس دو فرشتے آئے پھر مجھے لے کر ایک طویل القامت بزرگ کے ہاں گئے جو اتنے لمبے تھے کہ مشکل سے ان کا سر دیکھ پایا، وہ ابراہیم تھے۔

شیخ بخاری اسماعیل بن علیہ سے راوی ہیں، یہ اپنے بعض مباحث کے ساتھ کتاب الجنائز میں گزر چکی ہے، یہاں اس کا ایک طرف نقل کیا ہے، کتاب التعبیر میں مفصل شرح آئیگی۔

3355حَدَّثَنِي بَيَانُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا النَّضْرُ أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ وَذَكَرُوا لَهُ الدَّجَّالَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ مَكْتُوبٌ كَافِرٌ أَوْ ك ف ر .قَالَ لَمْ أَسْمَعْهُ وَلَكِنَّهُ قَالَ أَمَّا إِبْرَاهِيمُ فَانْظُرُوا إِلَى صَاحِبِكُمْ، وَأَمَّا مُوسَى فَجَعْدٌ آدَمُ عَلَى جَمَلٍ أَحْمَرَ مَخْطُومٍ بِخُلْبَةٍ، كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ انْحَدَرَ فِي الْوَادِي .طرفاه1555،5913

کتاب الحج میں بھی گزر چکی ہے (توفیق جلد دوم ص:۴۷۱) اس کی شرح ذکر دجال میں ہوگی۔ (إلى صاحبكم) سے اپنی ذات کریمہ کی طرف اشارہ کیا، آپ ان سے نہایت مشابہ تھے۔

3356حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقُرَشِيُّ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اخْتَتَنَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ وَهُوَ ابْنُ ثَمَانِينَ سَنَةً بِالْقَدُّومِ .

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں نبی اکرم نے فرمایا حضرت ابراہیم نے اسی سال کی عمر میں بسولے کے ساتھ اپنا ختنہ کیا۔

(بالقدوم) اصیلی اور قابسی سے دالِ مشدد جبکہ باقیوں سے دالِ مخفف منقول ہے، بقول نووی مسلم کے رواۃ نے بلا اختلاف بغیر شد کے ھی روایت کیا ہے، یعقوب بن شیبہ نے تشدید کا اصلاً انکار کیا ہے، اس سے مراد میں تعددِ آراء ہے، کہا گیا ہے کہ یہ ایک جگہ کا نام ہے، ایک رائے ہے کہ نجار (یعنی بڑھئی) کے ایک آلہ کو کہتے ہیں اس پر یہ بلاشک دالِ مخفف کے ساتھ ہے، اول مفہوم پر دونوں طرح ہے، یہ اکثر کا قول ہے داؤدی نے اس کے برعکس کہا ہے، بعض نے اسے شام اور بعض نے سراۃ میں قرار دیا ہے، راجح یہ ہے کہ مراد آلہ ہے۔ ابویعلی نے علی بن رباح کے طریق سے نقل کیا کہ جب حضرت ابراہیم کو ختنہ کر لینے کا حکم ملا تو قدوم سے ختنہ کیا جس سے

بڑی تکلیف ہوئی تو اللہ نے وحی کی کہ ابراہیم تم نے بڑی جلدی کی، آلہ کی بابت ہمارے حکم کا انتظار نہ کیا! بولے اے اللہ میں نے براجانا کہ تعمیلِ حکم میں تاخیر کروں۔

اسے مسلم نے بھی (أحاديث الأنبياء) میں تخریج کیا ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ بِالْقَدُومِ .مُخَفَّفَةٌ .تَابَعَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ .تَابَعَهُ عَجْلاَنُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ .وَرَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ .طرفه 6298 (سابقہ ہے)

(وقال بالقدوم مخففة) یعنی انہوں نے اس اسناد مذکور کے ساتھ اسے روایت کرتے ہوئے دالِ مخفف کی صراحت کی ہے، اس سے اصیلی وقابسی کی تائید ہوتی ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں بعض نسخوں میں ابوالیمان کی یہ روایت روایتِ قتیبہ سے قبل ہے۔ (تابعہ عبدالرحمن) عبدالرحمٰن کی روایتِ متابعت مسدد نے اپنی مسند میں بشر بن مفضل عنہ کے حوالے سے، جبکہ عجلان کی روایت احمد نے یحیی قطان عن ابن عجلان سے موصول کی ہے، محمد بن عمرو کی روایت مسند ابی یعلی میں ہے، تو یہ تمام روایات اس امر پر متفق ہیں کہ وقتِ ختنہ حضرت ابراہیم کی عمر اسی برس تھی، مؤطا میں ابوھریرہ سے موقوفا اور ابن حبان کے ہاں مرفوعا ایک سو بیس برس مذکور ہے، تو بظاہر ان کے متن سے کچھ الفاظ ساقط ہوئے، یہ ان کی کل عمر ہے، ابوالشیخ کی کتاب العقیقۃ میں اوزاعی عن یحییٰ عن سعید بن المسیب موصولا مرفوعا اس کی مثل اور ساتھ میں یہ زیادت ہے کہ ختنہ کے بعد وہ اسی برس زندہ رہے، تو اس لحاظ سے ان کی عمر دو سو برس بنتی ہے، واللہ اعلم۔ بعض نے یہ تطبیق دی ہے کہ اول عدد ان کی مبدأ نبوت اور دوسرا عدد ان کی مولد کے حساب سے ہے۔

3357حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ تَلِيدٍ الرُّعَيْنِيُّ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيمُ إِلَّا ثَلاَثًا .أطرافه 2217، 2635، 3358، 5084، 6950۔ (ترجمہ اگلی حدیث کے ساتھ ہے)

3358حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ إِلَّا ثَلاَثَ كَذَبَاتٍ ثِنْتَيْنِ مِنْهُنَّ فِي ذَاتِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، قَوْلُهُ (إِنِّي سَقِيمٌ) وَقَوْلُهُ (بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا) ، وَقَالَ بَيْنَا هُوَ ذَاتَ يَوْمٍ وَسَارَةُ إِذْ أَتَى عَلَى جَبَّارٍ مِنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِيلَ لَهُ إِنَّ هَا هُنَا رَجُلاً مَعَهُ امْرَأَةٌ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ، فَسَأَلَهُ عَنْهَا .فَقَالَ مَنْ هَذِهِ قَالَ أُخْتِي، فَأَتَى سَارَةَ قَالَ يَا سَارَةُ، لَيْسَ عَلَى وَجْهِ الأَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِي وَغَيْرُكِ، وَإِنَّ هَذَا سَأَلَنِي، فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّكِ أُخْتِي فَلاَ تُكَذِّبِينِي .فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا، فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ ذَهَبَ يَتَنَاوَلُهَا بِيَدِهِ، فَأُخِذَ فَقَالَ ادْعِي اللَّهَ لِي وَلاَ أَضُرُّكِ .فَدَعَتِ اللَّهَ فَأُطْلِقَ، ثُمَّ تَنَاوَلَهَا الثَّانِيَةَ، فَأُخِذَ مِثْلَهَا أَوْ أَشَدَّ فَقَالَ ادْعِي اللَّهَ لِي

وَلَا أَضُرُّكِ .فَدَعَتْ فَأُطْلِقَ .فَدَعَا بَعْضَ حَجَبَتِهِ فَقَالَ إِنَّكُمْ لَمْ تَأْتُونِى بِإِنْسَانٍ، إِنَّمَا أَتَيْتُمُونِى بِشَيْطَانٍ .فَأَخْدَمَهَا هَاجَرَ فَأَتَتْهُ، وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّى، فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ مَهْيَا قَالَتْ رَدَّ اللَّهُ كَيْدَ الْكَافِرِ أَوِ الْفَاجِرِ فِى نَحْرِهِ، وَأَخْدَمَ هَاجَرَ .قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ تِلْكَ أُمُّكُمْ يَا بَنِى مَاءِ السَّمَاءِ .أطرافه 2217، 2635، 3357، 5084، 6950۔ (جلد سوم ص: ۴۱۳ میں ترجمہ ہو چکا ہے)

پہلے طریق کے شیخِ بخاری مشہور مصری محدث ہیں، ایوب سے سختیانی جبکہ محمد سے مراد ابن سیرین ہیں، ایوب سے دو طرق کے ساتھ نقل کیا ہے، سیاق حماد کا ہے، تصریح بالرفع یہاں ان کے طریق میں نہیں لیکن کتاب النکاح میں یہی روایت سلیمان بن حرب عن حماد الخ کے طریق سے نقل کی ہے وہاں مرفوع ہونا مصرَّح ہے، عبدالرزاق نے بھی معمر سے غیر مرفوع روایت کی ہے، اصل میں یہ حدیث مرفوع ہے جیسا کہ جریر بن حازم اور جیسا کہ نسائی، بزار اور ابن حبان کے ہاں ہشام بن حسان عن ابن سیرین کی روایت میں ہے، البیوع میں الاعرج کی ابوھریرہ سے روایت بھی مرفوعا تھی ابن سیرین غالب اوقات اپنی روایات کے مرفوع ہونے کی صراحت نہ کرتے تھے۔

(لم يكذب ابراهيم) ابوبقاء لکھتے ہیں جید یہ ہے کہ کذبات کی ذال پر زبر پڑھی جائے کیونکہ اس کا واحد کذبۃ ذالِ ساکن کے ساتھ ہے اور وہ اسم ہے نہ کہ صفت، کذب کذبۃ جیسے رکع رکعۃ، اگر یہ بجائے اسم کے صفت ہوتا تو پھر جمع میں بھی ذال پر سکون ہوتا۔ (إلا ثلاث) اس حصر پر مسلم کی حدیث ابی زرعۃ عن ابی ھریرہ وارد ہے جو شفاعت کے بارہ میں طویل حدیث ہے اس میں حضرت ابراہیم کے ضمن میں ہے: (وذكر كذباته) پھر دوسرے طریق کا سیاق نقل کیا جس کے آخر میں ہے: (وزاد فى قصة إبراهيم وذكر قوله فى الكوكب۔۔۔ هذا ربى وقوله لآلهتهم، بل فعله كبيرهم هذا وقوله إنى سقيم)۔ قرطبی کہتے ہیں ذکرِ کوکب مقتضی ہے کہ یہ (یعنی کذبات) چار ہوں، ابن سیرین کی اگلی روایت میں بھی ثلاث کے ساتھ حصر ہے، لہٰذا ذکرِ کوکب میں تاویل کی ضرورت ہے، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ بظاہر یہ بعض رواۃ کا وہم ہے کہ اس نے حضرت سارہ کی بجائے کوکب کا ذکر کیا ہے (گویا چار تب بنتے ہیں جب مسلم کی اس روایتِ مشار الیہ میں ذکرِ کوکب کے ساتھ ساتھ ذکرِ سارہؑ بھی ہوتا) طرق ذکرِ سارہ دون الکوکب پر متفق ہیں گویا ذکرِ کوکب کا ان کذبات میں شمار نہیں کیا گیا کیونکہ وہ تو حضرت ابراہیم کے عہدِ طفلی کی بات ہے جب وہ مکلَّف نہ تھے، ایک قول یہ ہے کہ ان کا ستارہ دیکھ کر (پھر اس کے بعد چاند وسورج دیکھ کر) یہ کہنا استفہامیہ انداز میں تھا اور اس کا مقصد توبیخ (یعنی ایسا عقیدہ رکھنے والوں پر تنقید) تھا، ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ کہنا بطورِ احتجاج تھا اس امر پر تنبیہ کیلئے کہ جو خود تغیُّر پذیر ہے وہ ربوبیت کے کیسے قابل ہو سکتا ہے؟ یہی اکثر کا قول ہے کہ انہوں نے یہ بات توبیخاً کہی تھی یا ان کے عقیدہ پر استہزاء کرتے ہوئے کہا تھا (افسوس عام خطباء اس تاویل سے نابلد ہیں اور وہ جناب ابراہیم کی بات مبنی بر حقیقت سمجھتے اور اسے تلاشِ حق کا نام دیتے ہیں، اس پر کئی سوال اٹھتے ہیں، ایک بزرگ اس قصہِ ابراہیمی سے استدلال کرتے ہوئے لکھ بیٹھے کہ انبیاء کا ایمان تدریجی ہے! عام ذہن یہ سوال اٹھا سکتا ہے کہ ستارہ دیکھ کر یہ بات کہی تو کیا اس وقت انہیں معلوم نہ تھا کہ ستارے اور چاند وسورج غروب بھی ہوتے ہیں؟ تو

ظاہر امر یہی ہے کہ یہ ان کی تبلیغ کا ایک انداز اور اسلوبِ توبیخ تھا) ابن حجر کہتے ہیں اسی لئے کوکب کی بابت ان کی یہ بات کذبات میں شمار نہیں کی گئی (وگرنہ یہی بات چاند پھر سورج کی بابت کہی تو اس طرح یہ چھ کذبات بنتے)۔

جہاں تک ان تین امورِ مذکورہ پر کذب کا اطلاق ہے تو یہ بایں طور کہ ایسی بات کہی جسے سامع کذب خیال کرسکتا ہے لیکن اگر وہ بھی تحقیق سے کام لے تو اس پر بھی عیاں ہوگا کہ یہ کذب نہیں کیونکہ یہ معاریض تھے جو صدق وکذب، دونوں کے محتمل ہو سکتے ہیں، کذبِ محض ثابت نہیں ہوتے، سورۃ الصافات میں قوم کی اپنے ساتھ جانے کی دعوت پر یہ کہنا: (إني سقيم) تو محتمل ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ میں بیمار پڑونگا، کثیر اوقات اسم فاعل معنائے مستقبل میں استعمال ہوتا ہے، یہ مراد بھی محتمل ہے کہ میں (بما قُدِّرَ علَيَّ مِن الموت) سقیم ہوں یا میں سقیم الحجۃ ہوں کہ تمہارے ساتھ نکلوں، نووی نے بعض سے نقل کیا ہے کہ اس وقت انہیں بخار آلیتا تھا۔ بقول ابن حجر یہ بعید ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ کذب نہ بنتا، نہ تصریحاً نہ تعریضاً (یہ تاویل بھی قوی ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ میں تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے آزردہ ہوں اسے سقیم کے ساتھ تعبیر کیا)۔

قرآن میں مذکور انکا قول: (بَلْ فَعَلَه كَبِيرُهُمْ) کی بابت قرطبی لکھتے ہیں ان کی یہ بات تمہید تھی اس تبلیغ کی جو وہ بعد ازاں کرنا چاہتے تھے کہ یہ معبود نہیں اور لوگوں کے اس اعتقاد کا رد کہ یہ نفع یا نقصان دے سکتے ہیں، اس استدلال میں شرطِ متصل متجوز ہے، تبھی فوراً بعد کہا: (فاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُون) [الأنبياء: ٦٣]۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں اس کا معنی ہے کہ اگر یہ بولتے ہیں تو بڑے نے یہ حرکت کی ہے گویا فعلِ کبیر ان کے نطق کے ساتھ مشروط تھا یا وہ اس کی طرف مسند کیا گیا کیونکہ وہ سبب تھا، کسائی سے منقول ہے کہ وہ (بل فعله) پر وقف کرتے تھے یعنی یہ فعل اس کا کیا ہے جس نے کیا ہے، پھر (كبيرهم هذا) جملہ مستأنفہ اور خبر مستقل ہے، پھر کہا (فاسألوهم)، ابن حجر اسے تکلف قرار دیتے ہیں۔ جہاں تک حضرت سارہ کے بارہ میں ان کے (أختي) کہنے کا تعلق ہے تو اپنی بات کی خود توضیح فرمائی کہ میری مراد اخوتِ ایمانی ہے، ابن عقیل لکھتے ہیں دلالتِ عقل جناب ابراہیم پر اطلاقِ کذب سے مانع ہے کیونکہ عقلی لحاظ سے یہ بات قطعی ہے کہ انبیاء سے کذب کا صدور نہیں ہوسکتا وگرنہ وحیِ الٰہی کی بابت ان کی باتیں موثوق نہ رہیں گی تو یہاں اسلئے ان امورِ ثلاثہ پر کذب کا اطلاق کیا کہ سامع کے لحاظ سے یہ بظاہر صورتِ کذب بنتی تھی، تو جناب ابراہیم کا انہیں کذب کہنا اس وجہ سے ہے کہ وہ اس وقت شدتِ خوف کے مقام میں ہوں گے وگرنہ تو ان مقاماتِ مذکورہ میں صریحا کذب بیانی بھی جائز ہے (کہ جہاں جان یا عقیدہ کا خوف لاحق ہو) بلکہ کئی دفعہ تو واجب ہوجاتا ہے تاکہ اخف الضررین کا تحمّل اور اعظمھما کا دفع ہو، ان کا انہیں کذب کہنا اس امر کا متقاضی نہیں کہ وہ مذموم ہیں، کذب اگرچہ قبیح ومخل ہے مگر کئی مواضع میں حسن ہے اور یہ انہیں میں سے تھے۔

(ثنتين منهن في ذات الله) ان دو کو اس کے ساتھ خاص کیا کیونکہ اگرچہ قصہِ سارۃ بھی فی ذات اللہ تھا مگر وہ ان کے ذاتی حظ ونفع کو بھی متضمن تھا بخلاف باقی دو کے کہ وہ خالصۃً (یعنی سو فیصد) فی ذات اللہ تھے، ہشام بن حسان کی روایت میں تینوں کذبات کو فی ذات اللہ قرار دیا گیا ہے، (كل ذلك في ذات الله)۔ احمد کی ابن عباس سے روایت میں بھی یہ جملہ ہے: (والله إن جادلَ بِهن إلا عن دين الله)۔

(بينما هو ذات يوم وسارة) مسلم کی روایت میں ہے (وواحدة في شأن سارة) حضرت سارہ نہایت حسین وجمیل

تھیں، اس جابر بادشاہ کا نام عمرو بن امرئ القیس بن سبأ تھا جو حاکمِ مصر تھا۔ سہیلی اور ابن ھشام نے التیجان میں اس کا نام صادوق لکھا ہے، ابن قتیبۃ اسے اردن کا حاکم بتلاتے ہیں، طبری نے سنان بن علوان ذکر کیا ہے کہا جاتا ہے وہ بادشاہِ عالم ضحاک کا بھائی تھا۔

(إن هذا رجل الخ) مستملی کے نسخہ میں (إنَّ ههنا رجلا) ہے، التیجان میں ہے یہ کہنے والا وہ شخص تھا جس سے حضرت ابراہیم نے گندم خریدی تھی تو اس نے بادشاہ کو جا چغلی کی، منجملہ باتوں کے یہ بھی کہا کہ اس خاتون کو آٹا پیستے دیکھا ہے یہی وجہ ہے کہ آخر میں بادشاہ نے انہیں ہاجر بخش دی کہ اس عالی القدر خاتون کیلئے درست نہیں کہ گھریلو کام کاج خود کرے۔

(من أحسن الناس) مسلم کی ثابت عن انس کے حوالے سے حدیثِ اسراء طویل میں ہے کہ حضرت یوسف کو دنیا کا آدھا حسن عطا ہوا تھا، ابو یعلی نے اسی سند کے ساتھ یہ اضافہ بھی نقل کیا کہ آدھا ان کی والدہ یعنی سارہ کو، حضرت سارہ کے والد کی بابت اختلاف ہے ایک قول ہے کہ ان کا نام ہاران تھا، ایک قول کے مطابق وہ حران کے حاکم تھے حضرت ابراہیم اولا اپنے وطن سے نکل کر اسی جانب آئے تھے جہاں حضرت سارہ کے ساتھ ان کی شادی ہوئی۔ بعض کہتے ہیں یہ ان کی بھتیجی تھیں اور ان کی شریعت میں بھتیجی سے نکاح جائز تھا، اسے ابن قتیبہ اور نقاش نے ذکر کر کے مستبعد قرار دیا ہے، ایک قول ہے کہ ان کی عمزاد تھیں۔

(فأرسل إليه) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولا حضرت ابراہیم سے اس بابت پوچھا گیا پھر انہوں نے انہیں آگاہ کیا تا کہ بادشاہ اگر بلائے تو اس کے پاس ان کی کہی بات کے الٹ نہ کہیں، ہشام بن حسان کی روایت میں کہ ان سے کہنے لگے یہ ایک ظالم بادشاہ ہے اگر میں نے تمہیں اپنی بیوی بتلایا تو تجھے مجھ سے چھین لے گا اگر وہ تجھ سے پوچھے تو کہنا بہن ہوں، اور تم اسلام میں میری بہن ہی ہو، تو جب اس کے علاقہ میں داخل ہوئے تو بادشاہ کے کسی اھل کی ان پر نظر پڑی تو اسے جا کر کہا اس مسافر کے ساتھ ایسی خاتون ہے جو صرف تیرے شایان شان ہے، تطبیق یہ دینا ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم کو قبل از وقت ہی اندازہ تھا کہ یہ معاملہ پیش آ سکتا ہے تو ازراہِ احتیاط حضرت سارہ سے یہ کہا، جب معاملہ پیش آیا تو دوبارہ انہیں یاددھانی کرائی۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ کس وجہ سے یہ بات کہی؟ تو کہا گیا ہے کہ اس بادشاہ کے دین میں تھا کہ صرف شادی شدہ خواتین سے تعرض کرتا تھا۔ ابن حجر کہتے ہیں یہاں تتمہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ حضرت ابراہیم نے اخف الضررین کا ارتکاب کر کے اعظم الضررین کو ٹالنے کی کوشش کی، انہیں اندازہ تھا کہ وہ ظالم حضرت سارہ کو ھتھیانے کا بدصورت اقدام کرے گا لیکن اسے یہ بتلایا جاتا کہ ابراہیم اس کے شوہر ہیں تو غیرت (رقابت کہنا زیادہ موزوں ہے) میں آ کر انہیں قتل یا قید کر سکتا یا کوئی اور نقصان پہنچا سکتا تہا، بھائی بتلانے میں یہ خدشہ نہ تھا کیونکہ اس صورت میں تو بھائی کو غیرت میں آ کر کوئی اقدام اٹھانا چاہئے، بادشاہ کو کیا پرواہ ہو سکتی تہی، ایک تعلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر ایسا نہ کہتے تو طلاق دینے پر مجبور کر سکتا تھا۔ ابن حجر کہتے ہیں جو تقریر میں نے مقرّر کی ہے، وہ وھب بن منبہ سے صریحا منقول ہے، عبد نے اپنی تفسیر میں اسے نقل کیا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ بادشاہ کے دین میں تھا کہ بھائی اپنی بہن کے معاملہ میں دوسروں سے زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کے ساتھ شادی کر لے تو انہیں خیال ہوا کہ یہ کہنے کی صورت میں بادشاہ ان سے تعرض نہ کریگا، اس کا یہ کہہ کر تعاقب کیا گیا ہے کہ پھر یوں کہتے کہ یہ میری بہن ہے اور میں اس کا شوہر ہوں، پھر یہ تاویل تب مفید ثابت ہوتی اگر بادشاہ ان کے ساتھ شادی کا خواہشمند ہوتا، وہ تو انہیں غصب کرنا چاہتا تھا۔ منذری حاشیۃ السنن میں بعض اھل کتاب سے ناقل ہیں کہ اگر حضرت ابراہیم اپنے آپ کو شوہر بتلاتے تو قتل کر دئے جاتے کیونکہ بادشاہ

شادی شدہ خاتون کے اگر قریب جاتا تھا تو اس کے شوہر کو قتل کروادیتا تھا تو ابراہیمؑ کی رائے تھی کہ (أختي) کہنے سے اگر وہ عادل ہے تو شادی کا پیغام بھیجے گا جسکا سدِ باب بعد میں کیا جاسکتا ہے (یعنی فوری مصیبت ٹالنے کیلئے بھائی بتلایا) اور اگر ظالم ہے تو وہ خود قتل کردئے جانے سے بچ جائینگے، ابن حجر کہتے ہیں یہ میری ذکر کردہ تقریر سے قریب ہے اور یہ ابن جوزی کی کتاب مشکل الصحیحین سے ماخوذ ہے، وہاں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے بعض اہل کتاب سے اس بابت پوچھا تھا جس نے یہ جواب دیا۔

(غيري وغيرك) اس میں اشکال یہ ہے کہ حضرت لوط بھی اہل ایمان میں سے تھے، جیسا کہ قرآن کہتا ہے: (فآمن له لوط) اس کا جواب یہ ممکن ہے کہ (الأرض) سے مراد وہ مُلک جہاں یہ واقعہ پیش آیا، وہاں حضرت لوط ان کے ہمراہ نہ تھے۔

(فلما دخلت عليه الخ) اکثر روایات میں یہی الفاظ ہیں، بعض میں (يناولها يده) ہے مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم نماز میں لگ گئے ابوزناد عن اعرج کی روایت میں ہے کہ ادھر حضرت سارہ بھی وضوء کر کے نماز میں مشغول ہوگئیں۔

(فغط) غین کی پیش کے ساتھ۔ (حتى ركض الخ) یعنی گویا کہ وہ مختنق ہوا (یعنی اس کا گلا گھٹنے لگا) حتی کہ مصروع (یعنی نیم بے ہوش) سا ہو کر گر پڑا، ایک قول ہے کہ غط خراٹوں کو کہا جاتا ہے، ابن تین کے مطابق بعض اصول میں غین کی زبر کے ساتھ مشکل ہے، صواب اس کا ضمہ ہے، یہ تاویل بھی ممکن ہے کہ کبھی معاقبہ بصورتِ صراع ہوا اور کبھی قبضِ ید کی صورت میں۔ (فدعت) اعرج کی مشارالیہ روایت میں ان کی دعا کے الفاظ مذکور ہیں: (اللهم إن كنت تعلم أني آمنت بك وبرسولك وأحصنتُ فرجي إلا علىٰ زوجي فلا تُسَلِّطْ عليَّ الكافرَ) یعنی اے اللہ تیرے علم میں ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنی شرمگاہ صرف شوہر کیلئے منکشف کی ہے تو مجھ پر اس کافر کو مسلط نہ کرنا، دعا میں (إن كنت) کے الفاظ حالانکہ قطعی طور پر وہ مقر تھیں کہ اللہ ان باتوں کا جاننے والا ہے، علی سبیل الفرض ھضماً لنفسھا استعمال کئے۔

(فقال ادعي الله الخ) مسلم میں ہے کہا اللہ سے دعا کرو کہ میرے ہاتھ کو صحیح کردے، تو انہوں نے دعا کی، ابوزناد کی مذکورہ روایت میں ہے کہ کہا اے اللہ اگر یہ مرگیا تو یہ لوگ کہیں گے میں نے اسے مارا ہے۔ (ثم تناولها الثانية) اعرج کی روایت میں ہے: (فقام إليها فقامت توضأ وتصلي)۔ (فدعا بعض حجبته) مسلم کی روایت میں ہے کہ اسی کو بلوایا جو انہیں لے کر آیا تھا۔

(إنك لم الخ) اعرج کی روایت میں ہے تم نے میری طرف نہیں بھیجا مگر کسی شیطان کو، اسے ابراہیم کو واپس کر آؤ، چونکہ وہ صرع (یعنی دورہ) کا شکار بنا تو اس مناسبت سے یہ کہا، شیطان سے مراد (المتمرِّد مِن الجن) یعنی سرکش جن ہے (عمومی خیال تھا اور ہے کہ اس قسم کے دورے جنوں کی وجہ سے پڑتے ہیں) خوارق قسم کے افعال وتصرفات کو جنوں کی کارستانی سمجھا جاتا تھا۔ (فأخدمها هاجر) یعنی ہبہ کردیا تا کہ ان کی خدمت کرے، مسلم کی روایت میں ہے کہ ساتھ ہی اپنے علاقہ سے نکال دئے جانیکا حکم دیا، وہاں (آجر) مذکور ہے، اعرج کی روایت میں بھی ہمز کے ساتھ ہے، جیم بہر صورت مفتوح ہے، یہ سریانی اسم ہے، کہا جاتا ہے کہ ان کے والد ملوکِ قبط میں سے تھے اور مصر کی بستی حَفن سے ان کا تعلق تھا، یعقوبی لکھتے ہیں یہ ایک شہر تھا بقول ابن حجر صعیدِ مصر کے علاقہ میں اشمونین کے بالمقابل اس کے کھنڈرات موجود ہیں اب یہ علاقہ کفر کہلاتا ہے۔ (مهيم) مستملی کے ہاں (مهيأ) ہے، ابن سکن کے نسخہ میں (مهين) ہے، کہا جاتا ہے سب سے قبل حضرت ابراہیم نے یہ لفظ بولا تھا، کیا خبر ہے؟ کے معنی میں۔

(ردالله الخ) یہ ایک محاورہ ہے جو عرب ایسے شخص کی بابت بولتے ہیں جو کسی امرِ باطل کا ارادہ کرے لیکن کر نہ سکے۔ (کبت) کی بابت کہا گیا ہے کہ اصلا (کبد) تھا یعنی غم اس کے جگر تک پہنچا پھر دال تاء سے مبدّل ہوگئی۔ (وأخدم) کا (کبت) پر معطوف ہونا بھی محتمل ہے اور یہ بھی کہ اخدم کا فاعل وہ کافر ہو تو اس لحاظ سے یہ جملہ مستأنفہ ہے۔

(بنی ماء السماء) چونکہ عربوں کی اکثریت مواقع القطر کی تلاش میں صحراؤں میں آتے جاتے تھے تا کہ اپنے اور مویشیوں کی سیرابی کا بندوبست کریں، اسلئے یہ خطاب دیا، اس سے ان حضرات کا تمسُّک ہے جو تمام عربوں کو حضرت اسماعیل کی نسل سے قرار دیتے ہیں، ایک قول ہے کہ ماء السماء سے ان کی مراد آبِ زمزم تھا، کیونکہ اللہ تعالی نے انہی حضرت ہاجر کی خاطر اس کا جریان کیا تھا، اسی پہ ان کی اور حضرت اسماعیل کی زندگی کا دارومدار تھا تو گویا عرب (مجازاً) اس کی اولاد ہوئے۔ ابن حبان اپنی صحیح میں لکھتے ہیں ہر عربی جو ولدِ اسماعیل سے ہے، ابنِ ماء السماء کہلاتا ہے کیونکہ ان کی پرورش آب زمزم سے ہوئی جو آسمان کا پانی تھا، بعض اس لقب کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ چونکہ ان کا نسب خالص ومفی ہے جیسے بارش کا پانی، یہ معنی کرنے پر تمام عربوں کا نسلِ اسماعیلی سے ہونے پر تمسک نہیں کیا جاسکتا، ایک قول ہے کہ ماء السماء سے مراد عامر بن عمرو بن عامر بن بقیا بن حارثہ بن غطریف ہے جو اوس وخزرج کا جدامجد تھا، اسے یہ لقب اسلئے دیا گیا کہ قحط کے دوران اپنے مال سے لوگوں کی اسی طرح مدد کی جیسے بارش کرتی ہے، اوائل المناقب میں اس بارے مزید بحث آئے گی۔

حدیث سے اسلامی اخوت کی مشروعیت ہوئی، اباحتِ معاریض، ظالم وغاصب کے سامنے انقیاد، ظالم بادشاہ کا تحفہ قبول کرنا، مشرک کا ہدیہ قبول کرنا بھی ثابت ہوا، یہ بھی کہ خلوص وصدقِ نیت کے ساتھ دعا کرنا قبولیت کا سبب ہے اور قبولیتِ دعا کیلئے کسی عملِ صالح کی ادائیگی مفید ہے، ابتلائے صالحین کا وقوع بھی ثابت ہوا اور اس کا نتیجہ ان کے رفع درجات کی صورت میں ملتا ہے، کہا جاتا ہے اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم کیلئے بادشاہ اور حضرت سارہ کا معاملہ کشف کر دیا تھا تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا، ابن ھشام نے التیجان میں اس کا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں دونوں کو بادشاہ کے محل میں لیجایا گیا پھر حضرت ابراہیم کو ایک طرف بٹھا کر یہ سب کاروائی شروع ہوئی، اللہ تعالی نے محل کو حضرت ابراہیم کیلئے شفاف قارورہ کی طرح کر دیا، وہ انہیں دیکھ بھی رہے تھے اور آوازیں بھی سن رہے تھے۔ حدیث سے یہ سبق بھی ملا کہ مصیبت کے اوقات میں انسان کو چاہئے کہ نماز میں لگ جائے، یہ بھی ظاہر ہوا کہ وضوء اس امت کے ساتھ خاص نہیں، سابقہ امم میں بھی مشروع تھا جیسا کہ اس واقعہ میں حضرت سارہ نے کیا، اس ضمن میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ وہ نبیہ نہیں (یعنی ان کا وضوء کرنا دین ابراہیمی میں اس کے مشروع ہونے پر دال نہیں پھر یہ بھی ظاہر نہیں کہ ان کا وضوء ہماری طرح کا وضو تھا؟)۔ اس حدیث کو مسلم نے بھی (الفضائل) میں روایت کیا ہے۔

3359 حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى أَوِ ابْنُ سَلاَمٍ عَنْهُ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أُمِّ شَرِيكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَمَرَ بِقَتْلِ الْوَزَغِ وَقَالَ كَانَ يَنْفُخُ عَلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ. طرفه 3307۔ (سابقہ نمبر پر مترجم ہے)

عبیداللہ بن موسی امام بخاری کے اکبر مشائخ میں سے ہیں، ان سے اس حدیث کے سماع کی بابت شک وتردد تھا اور یہ بات

متحقق تھی کہ ابن سلام سے اس کی سماعت کی ہے تو یہ اسلوب استعمال کیا ہے، کئی مقامات میں اس کی نظیر موجود ہے۔

(عن عبدالحمید بن جبیر) یہ ابن شیبہ بن عثمان حجبی ہیں، ابن جریج سے اوپر کے تمام راوی حجازی ہیں، اسماعیلی نے اسے یحیی اور ابوعاصم عن ابن جریج کے طریق سے (أخبرني عبدالحمید) کے لفظ کے ساتھ تخریج کیا ہے۔ (أم شریك) ابوعاصم کی مشارالیہ روایت میں (إحدى نساء بني عامر بن لؤی) ہے، اس کا متن یہ ہے کہ انہوں نے آنجناب سے وزغ مارڈالنے کی اجازت طلب کی، آپ نے اجازت دیدی، اگلی زیادت مذکور نہیں۔ بعض حکماء لکھتے ہیں کہ چھپکلی بری ہوتی ہے اور ایسی جگہ داخل نہیں ہوتی جہاں زعفران موجود ہو، وہ منہ کے ذریعہ لقح کرتی ہے اور انڈے دیتی ہے۔

(کان ینفخ) ابن ماجہ اور احمد کی حضرت عائشہ سے روایت میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم کو آگ میں پھینکا گیا، روئے زمین کے تمام چرند و پرند ماسوا وزغ کے اسے ان سے بجھانے کی کوشش کرتے رہے وہ الٹا شعلوں کو تیز کرنے کیلئے پھونکیں مارتی تھی۔

3360حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتِ (الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ) قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهُ قَالَ لَيْسَ كَمَا تَقُولُونَ (لَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ) بِشِرْكٍ، أَوَلَمْ تَسْمَعُوا إِلَى قَوْلِ لُقْمَانَ لِابْنِهِ (يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ) .أطرافه 32، 3428، 3429، 4629، 4776، 6918، 6937

عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی: (الذین آمنوا ولم یلبسوا إیمانهم بظلم الخ) تو ہم نے کہا یا رسول اللہ ہم میں کون ہوگا جس نے کبھی اپنی جان پہ ظلم نہ کیا ہوگا؟ فرمایا ایسا نہیں جو تم کہہ رہے ہو، آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے، کیا تم نے حضرت لقمان کا اپنے بیٹے کو مخاطب کرکے یہ قول نہیں سنا: (یٰبُنَیَّ لا تُشرِك بِاللّٰہ إنَّ الشِّرکَ لَظُلم عظیم)؟

کتاب الإیمان میں اس کی تفصیلی گزر چکی ہے، اسماعیلی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ ترجمۃ الباب سے غیر متعلق ہے کیونکہ حضرت ابراہیم کے قصہ سے کوئی مناسبت نہیں، ابن حجر لکھتے ہیں معاملہ ان پر مخفی ہوا کہ یہ قولِ ابراہیم کی ہی حکایت ہے کیونکہ اللہ تعالی نے کوکب، قمر اور شمس کی بابت ان کے قصہ کے بیان وسرد کے بعد ان کا اپنی قوم سے معاقبہ (یعنی مدلل جھگڑا) کا تذکرہ کیا ہے، انہوں نے اثنائے گفتگو کہا تھا: (و کیف أخافُ ماأشرَکتُم ولاتَخافُون أنکم أشرَکتُم بِاللّٰهِ مالَم یُنَزِّلْ به علیکم سُلطاناً فأيُّ الفَریقَینِ أحَقُّ بالأمْنِ) [الأنعام : ۱۸۱]۔ تو یہ سب کلام جناب ابراہیم کی ہے۔ (إن کنتم تعلمون) سے وہ اپنی قوم سے مخاطب ہیں اس کے بعد اللہ تعالی کی کلام ہے: (وتِلْكَ حُجَّتُنا آتَینٰاھا إبراهیم علیٰ قومِه) تو گویا اس کا ترجمہ ابراہیم سے تعلق ہے، حاکم نے مستدرک میں حضرت علی سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت پڑھی: (الذین آمنوا ولَم یَلْبِسُوا إیمانَھُم بِظُلْمٍ) تو فرمایا یہ ابراہیم اور ان کے ہمرائیوں کے بارہ میں نازل ہوئی (کیونکہ قصہ ابراہیم بیان کرکے آخر میں اسی رکوع کے آخر میں یہ آیت ہے)۔

3361حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ نَصْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ أَبِي حَيَّانَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا بِلَحْمٍ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ يَجْمَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ، فَيُسْمِعُهُمُ الدَّاعِي، وَيُنْفِذُهُمُ الْبَصَرُ، وَتَدْنُو الشَّمْسُ مِنْهُمْ فَذَكَرَ حَدِيثَ الشَّفَاعَةِ فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُونَ أَنْتَ نَبِيُّ اللَّهِ وَخَلِيلُهُ مِنَ الْأَرْضِ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ .فَيَقُولُ فَذَكَرَ كَذَبَاتِهِ نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى مُوسَى .تَابَعَهُ أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .طرفاه 3340، 4712۔ (دیکھئے اسی جلد میں سابقہ نمبر)

ابوحیان کا نام یحی بن سعید تیمی ہے، مستملی اور کئی دیگر کے نسخوں میں اس حدیث سے قبل (باب) ہے یعنی بلاعنوان، حموی اور کشمیہنی کے ہاں حدیثِ ہذا سے پہلے یہ عبارت ہے: (یزفون، النسلان فی المشی) سورۃ الصافات [۹۴] میں قصہ ابراہیمی کے ضمن میں ایک آیت میں ہے (فَأَقْبَلُوا إِلَيهِ يَزِفُّون)۔ مجاہد کہتے ہیں (الوزیف النسلان)، اسے طبری اور ابن ابی حاتم نے سدی کے طریق سے موصول کیا ہے ساتھ میں جناب ابراہیم کے ان اصنام کی قطع و برید اور بڑے کے سامنے کلہاڑا رکھ دینے اور پھر اس پاداش میں لوگوں کے ان کے لئے آگ دہکانے کا قصہ مفصلا ذکر کیا ہے۔

3362 حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَرْحَمُ اللَّهُ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ، لَوْلَا أَنَّهَا عَجِلَتْ لَكَانَ زَمْزَمُ عَيْنًا مَعِينًا .أطرافه 2368، 3363، 3364، 3365۔ (جلد سوم ص: ۵۶۸)

3363 قَالَ الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَمَّا كَثِيرُ بْنُ كَثِيرٍ فَحَدَّثَنِي قَالَ إِنِّي وَعُثْمَانَ بْنَ أَبِي سُلَيْمَانَ جُلُوسٌ مَعَ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، فَقَالَ مَا هَكَذَا حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ أَقْبَلَ إِبْرَاهِيمُ بِإِسْمَاعِيلَ وَأُمِّهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَهِيَ تُرْضِعُهُ، مَعَهَا شَنَّةٌ لَمْ يَرْفَعْهُ ثُمَّ جَاءَ بِهَا إِبْرَاهِيمُ وَبِابْنِهَا إِسْمَاعِيلَ .أطرافه 2368، 3362، 3364، 3365

3364 وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ وَكَثِيرِ بْنِ كَثِيرِ بْنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ أَبِي وَدَاعَةَ، يَزِيدُ أَحَدُهُمَا عَلَى الآخَرِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَوَّلَ مَا اتَّخَذَ النِّسَاءُ الْمِنْطَقَ مِنْ قِبَلِ أُمِّ إِسْمَاعِيلَ، اتَّخَذَتْ مِنْطَقًا لَتُعَفِّيَ أَثَرَهَا عَلَى سَارَةَ، ثُمَّ جَاءَ بِهَا إِبْرَاهِيمُ، وَبِابْنِهَا إِسْمَاعِيلَ وَهِيَ تُرْضِعُهُ حَتَّى وَضَعَهُمَا عِنْدَ الْبَيْتِ عِنْدَ دَوْحَةٍ، فَوْقَ زَمْزَمَ فِي أَعْلَى الْمَسْجِدِ، وَلَيْسَ بِمَكَّةَ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ، وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ، فَوَضَعَهُمَا هُنَالِكَ، وَ وَضَعَ عِنْدَهُمَا جِرَابًا فِيهِ تَمْرٌ وَسِقَاءً فِيهِ مَاءٌ، ثُمَّ قَفَّى إِبْرَاهِيمُ مُنْطَلِقًا فَتَبِعَتْهُ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ فَقَالَتْ يَا إِبْرَاهِيمُ أَيْنَ تَذْهَبُ وَتَتْرُكُنَا بِهَذَا

الْوَادِى الَّذِى لَيْسَ فِيهِ إِنْسٌ وَلاَ شَىْءٌ فَقَالَتْ لَهُ ذَلِكَ مِرَارًا، وَجَعَلَ لاَ يَلْتَفِتُ إِلَيْهَا فَقَالَتْ لَهُ آللَّهُ الَّذِى أَمَرَكَ بِهَذَا قَالَ نَعَمْ .قَالَتْ إِذًا لاَ يُضَيِّعُنَا .ثُمَّ رَجَعَتْ، فَانْطَلَقَ إِبْرَاهِيمُ حَتَّى إِذَا كَانَ عِنْدَ الثَّنِيَّةِ حَيْثُ لاَ يَرَوْنَهُ اسْتَقْبَلَ بِوَجْهِهِ الْبَيْتَ، ثُمَّ دَعَا بِهَؤُلاَءِ الْكَلِمَاتِ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، فَقَالَ (رَبَّنَا إِنِّى أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِى بِوَادٍ غَيْرِ ذِى زَرْعٍ) حَتَّى بَلَغَ (يَشْكُرُونَ) .وَجَعَلَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ تُرْضِعُ إِسْمَاعِيلَ، وَتَشْرَبُ مِنْ ذَلِكَ الْمَاءِ، حَتَّى إِذَا نَفِدَ مَا فِى السِّقَاءِ عَطِشَتْ وَعَطِشَ ابْنُهَا، وَجَعَلَتْ تَنْظُرُ إِلَيْهِ يَتَلَوَّى أَوْ قَالَ يَتَلَبَّطُ فَانْطَلَقَتْ كَرَاهِيَةَ أَنْ تَنْظُرَ إِلَيْهِ، فَوَجَدَتِ الصَّفَا أَقْرَبَ جَبَلٍ فِى الأَرْضِ يَلِيهَا، فَقَامَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَتِ الْوَادِىَ تَنْظُرُ هَلْ تَرَى أَحَدًا فَلَمْ تَرَ أَحَدًا، فَهَبَطَتْ مِنَ، الصَّفَا حَتَّى إِذَا بَلَغَتِ الْوَادِىَ رَفَعَتْ طَرَفَ دِرْعِهَا، ثُمَّ سَعَتْ سَعْىَ الإِنْسَانِ الْمَجْهُودِ، حَتَّى جَاوَزَتِ الْوَادِىَ، ثُمَّ أَتَتِ الْمَرْوَةَ، فَقَامَتْ عَلَيْهَا وَنَظَرَتْ هَلْ تَرَى أَحَدًا، فَلَمْ تَرَ أَحَدًا، فَفَعَلَتْ ذَلِكَ سَبْعَ مَرَّاتٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ فَذَلِكَ سَعْىُ النَّاسِ بَيْنَهُمَا .فَلَمَّا أَشْرَفَتْ عَلَى الْمَرْوَةِ سَمِعَتْ صَوْتًا، فَقَالَتْ صَهٍ .تُرِيدَ نَفْسَهَا، ثُمَّ تَسَمَّعَتْ، فَسَمِعَتْ أَيْضًا، فَقَالَتْ قَدْ أَسْمَعْتَ، إِنْ كَانَ عِنْدَكَ غِوَاثٌ .فَإِذَا هِىَ بِالْمَلَكِ، عِنْدَ مَوْضِعِ زَمْزَمَ، فَبَحَثَ بِعَقِبِهِ أَوْ قَالَ بِجَنَاحِهِ حَتَّى ظَهَرَ الْمَاءُ، فَجَعَلَتْ تُحَوِّضُهُ وَتَقُولُ بِيَدِهَا هَكَذَا، وَجَعَلَتْ تَغْرِفُ مِنَ الْمَاءِ فِى سِقَائِهَا، وَهُوَ يَفُورُ بَعْدَ مَا تَغْرِفُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ يَرْحَمُ اللَّهُ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ أَوْ قَالَ لَوْ لَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْنًا مَعِينًا .قَالَ فَشَرِبَتْ وَأَرْضَعَتْ وَلَدَهَا، فَقَالَ لَهَا الْمَلَكُ لاَ تَخَافُوا الضَّيْعَةَ، فَإِنَّ هَا هُنَا بَيْتَ اللَّهِ، يَبْنِى هَذَا الْغُلاَمُ، وَأَبُوهُ، وَإِنَّ اللَّهَ لاَ يُضِيعُ أَهْلَهُ .وَكَانَ الْبَيْتُ مُرْتَفِعًا مِنَ الأَرْضِ كَالرَّابِيَةِ، تَأْتِيهِ السُّيُولُ فَتَأْخُذُ عَنْ يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ، فَكَانَتْ كَذَلِكَ، حَتَّى مَرَّتْ بِهِمْ رُفْقَةٌ مِنْ جُرْهُمَ أَوْ أَهْلُ بَيْتٍ مِنْ جُرْهُمَ مُقْبِلِينَ مِنْ طَرِيقِ كَدَاءٍ فَنَزَلُوا فِى أَسْفَلِ مَكَّةَ، فَرَأَوْا طَائِرًا عَائِفًا .فَقَالُوا إِنَّ هَذَا الطَّائِرَ لَيَدُورُ عَلَى مَاءٍ، لَعَهْدُنَا بِهَذَا الْوَادِى وَمَا فِيهِ مَاءٌ، فَأَرْسَلُوا جَرِيًّا أَوْ جَرِيَّيْنِ، فَإِذَا هُمْ بِالْمَاءِ، فَرَجَعُوا فَأَخْبَرُوهُمْ بِالْمَاءِ، فَأَقْبَلُوا، قَالَ وَأُمُّ إِسْمَاعِيلَ عِنْدَ الْمَاءِ فَقَالُوا أَتَأْذَنِينَ لَنَا أَنْ نَنْزِلَ عِنْدَكِ فَقَالَتْ نَعَمْ، وَلَكِنْ لاَ حَقَّ لَكُمْ فِى الْمَاءِ .قَالُوا نَعَمْ .قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ فَأَلْفَى ذَلِكَ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ، وَهْىَ تُحِبُّ الإِنْسَ فَنَزَلُوا وَأَرْسَلُوا إِلَى أَهْلِيهِمْ، فَنَزَلُوا مَعَهُمْ حَتَّى إِذَا كَانَ

بِهَا أَهْلُ أَبْيَاتٍ مِنْهُمْ، وَشَبَّ الْغُلَامُ، وَتَعَلَّمَ الْعَرَبِيَّةَ مِنْهُمْ، وَأَنْفَسَهُمْ وَأَعْجَبَهُمْ حِينَ شَبَّ، فَلَمَّا أَدْرَكَ زَوَّجُوهُ امْرَأَةً مِنْهُمْ، وَمَاتَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ، فَجَاءَ إِبْرَاهِيمُ، بَعْدَ مَا تَزَوَّجَ إِسْمَاعِيلُ يُطَالِعُ تَرِكَتَهُ، فَلَمْ يَجِدْ إِسْمَاعِيلَ، فَسَأَلَ امْرَأَتَهُ عَنْهُ فَقَالَتْ خَرَجَ يَبْتَغِي لَنَا .ثُمَّ سَأَلَهَا عَنْ عَيْشِهِمْ وَهَيْئَتِهِمْ فَقَالَتْ نَحْنُ بِشَرٍّ، نَحْنُ فِي ضِيقٍ وَشِدَّةٍ .فَشَكَتْ إِلَيْهِ .قَالَ فَإِذَا جَاءَ زَوْجُكِ فَاقْرَئِي عَلَيْهِ السَّلَامَ، وَقُولِي لَهُ يُغَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِهِ .فَلَمَّا جَاءَ إِسْمَاعِيلُ، كَأَنَّهُ آنَسَ شَيْئًا، فَقَالَ هَلْ جَاءَكُمْ مِنْ أَحَدٍ قَالَتْ نَعَمْ، جَاءَنَا شَيْخٌ كَذَا وَكَذَا، فَسَأَلَنَا عَنْكَ فَأَخْبَرْتُهُ، وَسَأَلَنِي كَيْفَ عَيْشُنَا فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّا فِي جَهْدٍ وَشِدَّةٍ .قَالَ فَهَلْ أَوْصَاكِ بِشَيْءٍ قَالَتْ نَعَمْ، أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ السَّلَامَ، وَيَقُولُ غَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِكَ .قَالَ ذَاكِ أَبِي وَقَدْ أَمَرَنِي أَنْ أُفَارِقَكِ الْحَقِي بِأَهْلِكِ .فَطَلَّقَهَا، وَتَزَوَّجَ مِنْهُمْ أُخْرَى، فَلَبِثَ عَنْهُمْ إِبْرَاهِيمُ مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ أَتَاهُمْ بَعْدُ، فَلَمْ يَجِدْهُ، فَدَخَلَ عَلَى امْرَأَتِهِ، فَسَأَلَهَا عَنْهُ .فَقَالَتْ خَرَجَ يَبْتَغِي لَنَا .قَالَ كَيْفَ أَنْتُمْ وَسَأَلَهَا عَنْ عَيْشِهِمْ، وَهَيْئَتِهِمْ .فَقَالَتْ نَحْنُ بِخَيْرٍ وَسَعَةٍ .وَأَثْنَتْ عَلَى اللَّهِ .فَقَالَ مَا طَعَامُكُمْ قَالَتِ اللَّحْمُ .قَالَ فَمَا شَرَابُكُمْ قَالَتِ الْمَاءُ .فَقَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي اللَّحْمِ وَالْمَاءِ .قَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ يَوْمَئِذٍ حَبٌّ، وَلَوْ كَانَ لَهُمْ دَعَا لَهُمْ فِيهِ .قَالَ فَهُمَا لَا يَخْلُو عَلَيْهِمَا أَحَدٌ بِغَيْرِ مَكَّةَ إِلَّا لَمْ يُوَافِقَاهُ .قَالَ فَإِذَا جَاءَ زَوْجُكِ فَاقْرَئِي عَلَيْهِ السَّلَامَ، وَمُرِيهِ يُثْبِتُ عَتَبَةَ بَابِهِ، فَلَمَّا جَاءَ إِسْمَاعِيلُ قَالَ هَلْ أَتَاكُمْ مِنْ أَحَدٍ قَالَتْ نَعَمْ أَتَانَا شَيْخٌ حَسَنُ الْهَيْئَةِ، وَأَثْنَتْ عَلَيْهِ، فَسَأَلَنِي عَنْكَ فَأَخْبَرْتُهُ، فَسَأَلَنِي كَيْفَ عَيْشُنَا فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّا بِخَيْرٍ .قَالَ فَأَوْصَاكِ بِشَيْءٍ قَالَتْ نَعَمْ، هُوَ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ، وَيَأْمُرُكَ أَنْ تُثْبِتَ عَتَبَةَ بَابِكَ .قَالَ ذَاكِ أَبِي، وَأَنْتِ الْعَتَبَةُ، أَمَرَنِي أَنْ أُمْسِكَكِ .ثُمَّ لَبِثَ عَنْهُمْ مَا شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ جَاءَ بَعْدَ ذَلِكَ، وَإِسْمَاعِيلُ يَبْرِي نَبْلاً لَهُ تَحْتَ دَوْحَةٍ قَرِيبًا مِنْ زَمْزَمَ، فَلَمَّا رَآهُ قَامَ إِلَيْهِ، فَصَنَعَا كَمَا يَصْنَعُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ وَالْوَلَدُ بِالْوَالِدِ، ثُمَّ قَالَ يَا إِسْمَاعِيلُ، إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي بِأَمْرٍ .قَالَ فَاصْنَعْ مَا أَمَرَكَ رَبُّكَ .قَالَ وَتُعِينُنِي قَالَ وَأُعِينُكَ .قَالَ فَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أَبْنِيَ هَا هُنَا بَيْتًا .وَأَشَارَ إِلَى أَكَمَةٍ مُرْتَفِعَةٍ عَلَى مَا حَوْلَهَا .قَالَ فَعِنْدَ ذَلِكَ رَفَعَا الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ، فَجَعَلَ إِسْمَاعِيلُ يَأْتِي بِالْحِجَارَةِ، وَإِبْرَاهِيمُ يَبْنِي، حَتَّى إِذَا ارْتَفَعَ الْبِنَاءُ جَاءَ بِهَذَا الْحَجَرِ فَوَضَعَهُ لَهُ، فَقَامَ عَلَيْهِ وَهُوَ يَبْنِي، وَإِسْمَاعِيلُ يُنَاوِلُهُ الْحِجَارَةَ، وَهُمَا يَقُولَانِ (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ) .قَالَ

فَجَعَلاَ يَبْنِيَانِ حَتَّى يَدُورَا حَوْلَ الْبَيْتِ، وَهُمَا يَقُولاَنِ (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ) .أطرافه 2368، 3362، 3363، 3365

3365 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ عَنْ كَثِيرِ بْنِ كَثِيرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا كَانَ بَيْنَ إِبْرَاهِيمَ وَبَيْنَ أَهْلِهِ مَا كَانَ، خَرَجَ بِإِسْمَاعِيلَ وَأُمِّ إِسْمَاعِيلَ، وَمَعَهُمْ شَنَّةٌ فِيهَا مَاءٌ، فَجَعَلَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ تَشْرَبُ مِنَ الشَّنَّةِ فَيَدِرُّ لَبَنُهَا عَلَى صَبِيِّهَا حَتَّى قَدِمَ مَكَّةَ، فَوَضَعَهَا تَحْتَ دَوْحَةٍ، ثُمَّ رَجَعَ إِبْرَاهِيمُ إِلَى أَهْلِهِ، فَاتَّبَعَتْهُ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ، حَتَّى لَمَّا بَلَغُوا كَدَاءً نَادَتْهُ مِنْ وَرَائِهِ يَا إِبْرَاهِيمُ إِلَى مَنْ تَتْرُكُنَا قَالَ إِلَى اللَّهِ .

قَالَتْ رَضِيتُ بِاللَّهِ .قَالَ فَرَجَعَتْ فَجَعَلَتْ تَشْرَبُ مِنَ الشَّنَّةِ وَيَدِرُّ لَبَنُهَا عَلَى صَبِيِّهَا، حَتَّى لَمَّا فَنِيَ الْمَاءُ قَالَتْ لَوْ ذَهَبْتُ فَنَظَرْتُ لَعَلِّي أُحِسُّ أَحَدًا .قَالَ فَذَهَبَتْ فَصَعِدَتِ الصَّفَا فَنَظَرَتْ وَنَظَرَتْ هَلْ تُحِسُّ أَحَدًا فَلَمْ تُحِسَّ أَحَدًا، فَلَمَّا بَلَغَتِ الْوَادِيَ سَعَتْ وَأَتَتِ الْمَرْوَةَ فَفَعَلَتْ ذَلِكَ أَشْوَاطًا، ثُمَّ قَالَتْ لَوْ ذَهَبْتُ فَنَظَرْتُ مَا فَعَلَ تَعْنِي الصَّبِيَّ فَذَهَبَتْ فَنَظَرَتْ، فَإِذَا هُوَ عَلَى حَالِهِ كَأَنَّهُ يَنْشَغُ لِلْمَوْتِ، فَلَمْ تُقِرَّهَا نَفْسُهَا، فَقَالَتْ لَوْ ذَهَبْتُ فَنَظَرْتُ لَعَلِّي أُحِسُّ أَحَدًا، فَذَهَبَتْ فَصَعِدَتِ الصَّفَا فَنَظَرَتْ وَنَظَرَتْ فَلَمْ تُحِسَّ أَحَدًا، حَتَّى أَتَمَّتْ سَبْعًا، ثُمَّ قَالَتْ لَوْ ذَهَبْتُ فَنَظَرْتُ مَا فَعَلَ، فَإِذَا هِيَ بِصَوْتٍ فَقَالَتْ أَغِثْ إِنْ كَانَ عِنْدَكَ خَيْرٌ .فَإِذَا جِبْرِيلُ، قَالَ فَقَالَ بِعَقِبِهِ هَكَذَا، وَغَمَزَ عَقِبَهُ عَلَى الأَرْضِ، قَالَ فَانْبَثَقَ الْمَاءُ، فَدَهَشَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ فَجَعَلَتْ تَحْفِزُ .قَالَ فَقَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ لَوْ تَرَكَتْهُ كَانَ الْمَاءُ ظَاهِرًا .قَالَ فَجَعَلَتْ تَشْرَبُ مِنَ الْمَاءِ، وَيَدِرُّ لَبَنُهَا عَلَى صَبِيِّهَا قَالَ فَمَرَّ نَاسٌ مِنْ جُرْهُمَ بِبَطْنِ الْوَادِي، فَإِذَا هُمْ بِطَيْرٍ، كَأَنَّهُمْ أَنْكَرُوا ذَاكَ، وَقَالُوا مَا يَكُونُ الطَّيْرُ إِلاَّ عَلَى مَاءٍ .فَبَعَثُوا رَسُولَهُمْ، فَنَظَرَ فَإِذَا هُمْ بِالْمَاءِ، فَأَتَاهُمْ فَأَخْبَرَهُمْ فَأَتَوْا إِلَيْهَا، فَقَالُوا يَا أُمَّ إِسْمَاعِيلَ، أَتَأْذَنِينَ لَنَا أَنْ نَكُونَ مَعَكِ أَوْ نَسْكُنَ مَعَكِ فَبَلَغَ ابْنُهَا فَنَكَحَ فِيهِمُ امْرَأَةً، قَالَ ثُمَّ إِنَّهُ بَدَا لإِبْرَاهِيمَ فَقَالَ لأَهْلِهِ إِنِّي مُطَّلِعٌ تَرِكَتِي .قَالَ فَجَاءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ أَيْنَ إِسْمَاعِيلُ فَقَالَتِ امْرَأَتُهُ ذَهَبَ يَصِيدُ .قَالَ قُولِي لَهُ إِذَا جَاءَ غَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِكَ .فَلَمَّا جَاءَ أَخْبَرَتْهُ قَالَ أَنْتِ ذَاكِ فَاذْهَبِي إِلَى أَهْلِكِ .قَالَ ثُمَّ إِنَّهُ بَدَا لإِبْرَاهِيمَ فَقَالَ لأَهْلِهِ إِنِّي مُطَّلِعٌ تَرِكَتِي .قَالَ فَجَاءَ فَقَالَ أَيْنَ إِسْمَاعِيلُ فَقَالَتِ امْرَأَتُهُ ذَهَبَ يَصِيدُ، فَقَالَتْ أَلاَ تَنْزِلُ

فَتَطْعَمَ وَتَشْرَبَ فَقَالَ وَمَا طَعَامُكُمْ وَمَا شَرَابُكُمْ قَالَتْ طَعَامُنَا اللَّحْمُ، وَشَرَابُنَا الْمَاءُ. قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِى طَعَامِهِمْ وَشَرَابِهِمْ. قَالَ فَقَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ بَرَكَةٌ بِدَعْوَةِ إِبْرَاهِيمَ. قَالَ ثُمَّ إِنَّهُ بَدَا لإِبْرَاهِيمَ فَقَالَ لأَهْلِهِ إِنِّى مُطَّلِعٌ تَرِكَتِى. فَجَاءَ فَوَافَقَ إِسْمَاعِيلَ مِنْ وَرَاءِ زَمْزَمَ، يُصْلِحُ نَبْلاً لَهُ، فَقَالَ يَا إِسْمَاعِيلُ، إِنَّ رَبَّكَ أَمَرَنِى أَنْ أَبْنِىَ لَهُ بَيْتًا. قَالَ أَطِعْ رَبَّكَ. قَالَ إِنَّهُ قَدْ أَمَرَنِى أَنْ تُعِينَنِى عَلَيْهِ. قَالَ إِذًا أَفْعَلَ. أَوْ كَمَا قَالَ. قَالَ فَقَامَا فَجَعَلَ إِبْرَاهِيمُ يَبْنِى، وَإِسْمَاعِيلُ يُنَاوِلُهُ الْحِجَارَةَ، وَيَقُولاَنِ (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ) قَالَ حَتَّى ارْتَفَعَ الْبِنَاءُ وَضَعُفَ الشَّيْخُ عَلَى نَقْلِ الْحِجَارَةِ، فَقَامَ عَلَى حَجَرِ الْمَقَامِ، فَجَعَلَ يُنَاوِلُهُ الْحِجَارَةَ، وَيَقُولاَنِ (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ)

أطرافه 2368، 3362، 3363، 3364.

ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ عورتوں میں کمر کی پٹی باندھنے کا رواج ام اسماعیل حضرت ہاجرؑ سے چلا ہے سب سے پہلے انہی نے کمر پٹہ اسلئے باندھا تا کہ حضرت سارہؓ انہیں تلاش نہ کر سکیں (یعنی آگے لگ کر بھاگنے میں آسانی ہو) پھر انہیں اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل کو حضرت ابراہیم مکہ لے آئے وہ تب شیر خوار تھے دونوں کو ایک بڑے درخت کے پاس بٹھلا دیا جو اس جگہ تھا جہاں ابھی زمزم ہے کعبہ کی بلند جانب میں، مکہ میں ان دنوں کوئی انسان آباد نہ تھا کوئی پانی بھی نہ تھا ابراہیم نے انہیں وہیں چھوڑ دیا اور چمڑے کے ایک تھیلے میں کچھ کھجوریں اور پانی کی ایک مشک دیدی، اور خود وہ واپس روانہ ہوگئے والدۂ اسماعیل ان کے پیچھے بھاگیں اور کہا اے ابراہیم اس وادیِ بے آب وگیاہ میں جہاں کوئی آدمی اور کوئی چیز بھی موجود نہیں آپ ہمیں چھوڑ کر کہاں جاتے ہیں؟ کئی دفعہ یہ کہا مگر حضرت ابراہیم ان کی طرف مطلقاً نہ دیکھتے، آخر حضرت ہاجرہ نے کہا کیا اللہ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ وہ بولے ہاں اس پر بولیں پھر اللہ ہمیں ضائع نہ کریگا اور پلٹ آئیں، ابراہیم چلے جب مقامِ ثنیہ میں پہنچے جہاں ان کی نظروں سے اوجھل ہوئے تو ہاتھ اٹھا کر یوں دست بدعا ہوئے اے ہمارے رب میں نے اپنی ذریت کو ایسی وادی میں لا بسایا ہے جہاں کوئی چیز نہیں اگتی تیرے حرمت والے گھر کے پاس۔ یشکرون۔ تک، ادھر امِ اسماعیل انہیں دودھ پلانے لگیں اور خود وہ پانی پی لیتیں حتی کہ سارا پانی ختم ہوگیا اور وہ اور اسماعیل سخت پیاس کا شکار بنے حضرت اسماعیل مارے پیاس کے زمین پہ لوٹ پوٹ ہوتے وہ اس منظر کی تاب نہ لاکر ادھر سے ہٹ گئیں قریب ہی موجود پہاڑی صفا پر چڑھیں وادی میں دیکھا کوئی نظر نہ آیا پھر سامنے موجود دوسری پہاڑی مروہ پر جا چڑھیں وادی میں دیکھا کہ کوئی نظر آتا ہے؟ مگر کچھ نہ تھا، اسطرح کرتے کرتے سات چکر لگائے ابن عباس کہتے ہیں نبی پاک نے فرمایا تو حج کی یہ سعی یہیں سے شروع ہوئی ہے، آخری دفعہ مروہ پہ تھیں کہ ایک آواز سنائی دی اپنے کان لگائے اور آواز دی کہ میں نے کچھ سنا ہے اگر کوئی مدد کو موجود ہے تو سامنے آئے، کیا دیکھتی ہیں کہ حضرت اسماعیل کے پاس ایک فرشتہ کھڑا ہے جہاں آبِ زمزم ہے، اچانک پانی نمودار ہوا وہ اس کے گرد منڈھیر بنانے لگیں اور ہاتھ سے پانی برتن میں ڈالنے لگیں، بقول ابن عباس نبی پاک نے فرمایا اللہ امِ اسماعیل پر رحم کرے اگر زمزم کو ایسے ہی چھوڑ دیتیں تو وہ ایک بہتا ہوا چشمہ بن جاتا (یعنی ساری دنیا میں پھیل جاتا) فرمایا خود بھی پیا اور اپنے بیٹے کو بھی پلایا۔

فرشتہ نے ان سے کہا تم ضائع ہوجانے سے نہ ڈرنا یہاں بیت اللہ ہے (یعنی اس کی نیادیں جو حضرت آدمؑ نے تعمیر کیا تھا مگر اب

اس کی عمارت موجود نہ تھی) کہا اسے پھر سے یہ لڑکا اور اس کا والد تعمیر کرینگے اور اللہ اپنے بندوں کو ضائع نہیں فرماتا، بیت اللہ آس پاس کی جگہ سے قدرے بلند تھا سیلابی پانی اس کے ارد گرد سے بہہ جاتا، کافی دن گزرے کہ ادھر سے جرہم کا ایک قافلہ گزرا جو کداء کی جہت سے آ رہے تھے اسفلِ مکہ میں آ کر پڑاؤ ڈالا تو انہیں قریب ہی کچھ پرندے نظر آئے کہنے لگے یہ پرندہ تو پانی کے قریب ہی ہوتا ہے! مگر کبھی ہمیں تو اس وادی میں قبل ازیں پانی نہیں ملتا تھا، تحقیقِ حال کو ایک یا دو آدمی روانہ کئے انہوں نے واقعی پانی پایا تو واپس آ کر اہلِ قافلہ کو خبر دی اب سب لوگ یہاں آئے حضرت ہاجر اس وقت زمزم کے کنویں پہ بیٹھی ہوئی تھیں یہ بولے کیا آپ ہمیں اپنے پڑوس میں رہنے کی اجازت دیں گی؟ انہوں نے کہا ہاں لیکن اس شرط پہ کہ پانی کی ملکیت میرے پاس رہیگی، انہوں نے قبول کیا، ابن عباس کہتے ہیں نبی پاک نے بیان کیا اب امِ اسماعیل کو پڑوسی مل گئے اور ان کی وحشت بھی دور ہوئی، ان لوگوں نے اپنے اہل وعیال کو بھی یہاں بلا لیا اسطرح کئی گھرانے آباد ہوگئے، حضرت اسماعیل انہی میں پل کر جوان ہوئے اور ان سے عربی سیکھی جوان ہوکر سب کو عزیز ہوئے، انہوں نے اپنی ایک خاتون سے ان کی شادی کر دی، شادی کے بعد جب حضرت ابراہیم کا آنا ہوا تو اتفاقاً اسماعیل گھر پر نہ تھے وہ گھر والی سے گویا ہوئے کیسی گزران ہو رہی ہے؟ وہ بولی سخت تنگی کا عالم ہے، وہ بولے تمہارا شوہر جب آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہ اپنی دہلیز بدل لے، جب حضرت اسماعیل واپس آئے تو محسوس کیا کوئی آیا تھا پوچھا کون آیا تھا؟ کہا ایک بزرگ تھے جنہوں نے آپکی بابت پوچھا اور یہ باتیں کیں، کہا کیا کوئی پیغام بھی دیا؟ کہا ہاں کہ آپکو کہوں دہلیز بدل لو، کہنے لگے وہ میرے والد تھے انہوں نے حکم دیا ہے کہ تمہیں چھوڑ دوں، اب ایسا کرو کہ اپنے والدین کے ہاں چلی جاؤ، تو اسے طلاق دیدی اور ایک اور لڑکی سے شادی کر لی، پھر ایک دفعہ حضرت ابراہیم کا گزر ہوا تو اتفاقاً تب بھی اسماعیل گھر سے باہر تھے، انہوں نے بیوی سے حال احوال پوچھا اور یہ کہ کیسی گزران ہو رہی ہے؟ یہ بولیں اللہ کا شکر ہے ہم خیر وکشائش میں ہیں پوچھا تمہارا طعام کیا ہے؟ کہا گوشت، کہا اور مشروب؟ کہا پانی، تو یوں دعا دی اے اللہ ان کے لحم و ماء میں برکت عطا فرما، نبی پاک نے فرمایا ان دنوں وہاں کوئی اجناس نہ تھیں وگرنہ اس کی برکت کی بھی دعا کرتے۔

فرمایا (اسی دعا کی برکت ہے کہ) مکہ کے سوا کسی جگہ طویل عرصہ صرف گوشت اور پانی پر گزارا نہیں ہوتا، آخر میں پیغام دیا کہ جب تمہارے شوہر آئیں تو انہیں میرا سلام کہنا اور کہنا اپنی دہلیز کو ثابت رکھیں، جب حضرت اسماعیل کی واپسی ہوئی تو کسی مہمان کی آمد محسوس کی، پوچھا کوئی آیا تھا؟ کہا ہاں ایک بزرگ ایسے ایسے تھے، پوچھا کوئی پیغام؟ کہا جی یہ کہا کہ اپنی دہلیز ثابت رکھو، کہا وہ میرے والد حضرت ابراہیم تھے ان کا یہ پیغام تمہارے بارہ میں تھا کہ تمہیں نہ چھوڑوں، فرمایا پھر ایک مدت بعد ان کی آمد ہوئی تو دیکھا اسماعیل زمزم کے قریب ایک درخت کے سائے میں تیر بنا رہے ہیں، جب انہیں دیکھا تو کھڑے ہوئے اور جس طرح باپ بیٹے کی ملاقات ہوتی ہے، ایسا کیا پھر حضرت ابراہیم نے کہا اللہ نے مجھے ایک حکم دیا ہے، اسماعیل بولے جو حکم ملا ہے اسے ضرور پورا کریں، فرمایا اس کے پورا کرنے میں تم میری مدد کروگے؟ کہا ضرور، فرمایا حکم یہ ہے کہ اس جگہ اس کا گھر تعمیر کروں ایک اونچے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا کہ یہاں! نبی پاک نے فرمایا پھر کعبہ کی تعمیر شروع کر دی، اسماعیل پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور ابراہیم کعبہ کو بناتے جاتے دیواریں بلند ہوئیں تو اسماعیل یہ پتھر (یعنی مقامِ ابراہیم) لائے، اوپر کی تعمیر اس پر کھڑے ہوکر کی، ساتھ ساتھ یہ دعا کرتے جاتے: (ترجمہ) اے اللہ تو اسے قبول فرما۔ إنك أنت السميع العليم۔ تک، پھر جب تعمیر مکمل ہوئی تو اس کے گرد طواف کیا اور یہی دعا کہتے جاتے۔

قصہِ اسماعیل وزمزم کی بابت ابن عباس کی روایت کو تین طرق سے نقل کیا ہے، پہلے طریق میں جو (عن عبداللہ بن سعید بن

جبیر) ہے، ابن سکن اور اسماعیلی نے حجاج بن الشاعر عن وھب بن جریر کے حوالے سے (أبي بن كعب) بھی مُزاد کیا ہے، نسائی نے انہی شیخ بخاری احمد بن سعید کے واسطہ سے اس کی تخریج کرتے ہوئے عبداللہ بن سعید کا واسطہ اور (زيادة أبي بن كعب) کو ساقط کیا ہے، ان کی سند یہ ہے: (قال أحمد بن سعيد قال وهب وحدثنا حماد بن زيد عن أيوب عن عبدالله بن سعيد بن جبير عن أبيه) ابی بن کعب کا حوالہ ذکر نہیں کیا تو اس سے واضح ہوا کہ وہب بن جریر جب اسے (عن أبيه) سے روایت کرتے ہیں تو عبداللہ بن سعید کو نہیں، ابی بن کعب کو ذکر کرتے ہیں اور جب حماد بن زید سے اس کی روایت کرتے ہیں تو ابی کو نہیں، عبداللہ کو ذکر کرتے ہیں، نسائی کی روایت میں یہ بھی ہے، وہب کہتے ہیں میں نے سلام بن أبو مطیع کو یہ حدیث بیان کی تو شدید انکار کیا اور کہا تمہارے والد کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا وہ یوں کہا کرتے تھے: (عن أيوب عن سعيد بن جبير) تو کہنے لگے یہ غلط ہے دراصل یہ (أيوب عن عكرمة بن خالد) کے حوالے سے ہے۔

ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ بعید نہیں کہ ایوب کو یہ روایت متعدد طرق سے ملی ہو، اسماعیل بن علیہ جو کبار حفاظ میں سے ہیں وہ اس میں (عن أيوب نُبِّئتُ عن سعيد بن جبير عن ابن عباس) ذکر کرتے ہیں، ابی کا حوالہ نہیں دیتے، تو یہ بخاری کی مؤید ہے، اسماعیلی نے اسے اسماعیل سے دو طرق کے ساتھ نقل کیا ہے ایک تو یہی، دوسرا (عن أيوب عن عبدالله بن سعيد بن جبير) سے، معمر نے (أيوب عن سعيد بن جبير) کے حوالے سے بلاواسطہ روایت کیا ہے، اسماعیلی نے بخاری پر ایوب کے واسطہ سے اس کی روایت پر اعتراض کیا ہے کیونکہ اس میں اضطراب ہے، ظاہراً محسوس یہ ہوتا ہے کہ بخاری کا سیاقِ حدیث میں اعتماد معمر عن کثیر بن کثیر عن سعید کی روایت پر ہے اگرچہ اس کا اخراج ایوب کے ساتھ مقرون کر کے کیا جو سعید بن جبیر سے بلاواسطہ اور کبھی ان کے بیٹے عبداللہ کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں، تو یہ سب قدحِ ثقہ کو مستلزم نہیں بظاہر یہ غیر ضار اختلاف ہے کیونکہ ان میں کوئی راوی بھی غیر ثقہ نہیں تو اگر یہ عبداللہ بن سعید اور ابی بن کعب کے اثبات کے ساتھ ہے تب تو کوئی کلام نہیں اور اگر ان کے اسقاط کے ساتھ، تو ایوب کا سعید سے بھی سماع ثابت ہے، جہاں تک ابن عباس کا تعلق ہے تو اگر انہوں نے اس حدیث کا (براہ راست) نبی کریم سے سماع نہیں کیا تو اس کا درجہ مرسلِ صحابہ کا ہوگا، پھر بخاری نے صرف ان کی سند پر ہی اعتماد نہیں کیا۔ ابن حجر لکھتے ہیں بخاری کی طرف سے یہ دفاع اور اسماعیلی کے اعتراض کا رد قبل ازیں ابوعلی جیانی بھی اپنی کتاب تقیید المہمل میں کر چکے ہیں۔

(وقال الأنصاري الخ) اسی طرح مختصراً معلقاً لائے ہیں، ابونعیم نے المستخرج میں (فاروق الخطابي عن عبدالعزيز بن معاوية عن الأنصاري) کے حوالے سے موصول کیا ہے، انصاری سے مراد محمد بن عبداللہ ہیں، انہوں نے بھی مختصراً نقل کیا، عمر بن شبہ نے بھی کتابِ مکہ میں موصول کیا ہے، ان کی روایت میں عثمان کے ساتھ ساتھ عمر بن ابوسلیمان اور عثمان بن حبشی کا بھی ذکر ہے، ازرقی اور فاکہی نے اپنی اپنی سند سے ابن جریج سے اسی روایت میں سعید بن جبیر کے (ماهكذا حدثني ابن عباس) کہنے کا سبب بھی بتلایا ہے وہ یہ کہ راوی کہتے ہیں ہم کئی افراد (جن میں سے متعدد کے نام ذکر کیئے) رات کے وقت اعلی المسجد (یعنی مسجد کے بالا خانے) میں سعید بن جبیر کے ہمراہ تھے وہ کہنے لگے اس سے قبل کہ تم مجھے نہ دیکھ پاؤ، پوچھ لو جو پوچھنا ہے (یہ اسلئے کہ ظالم حجاج بن یوسف ان کے درپے قتل تھا، اس کی پولیس انہیں تلاش کر رہی تھی آخر پکڑ کر اس ظالم کے دربار میں لے گئے جس نے اپنے سامنے ذبح کرا دیا، انہوں نے

پیش گوئی کی کہ میں آخری شخص ہوں جو دربار میں تمہارے ہاتھوں قتل ہو رہا ہوں، میرے بعد اللہ تجھے کسی اور پر مسلط نہ کریگا، ایسا ہی ہوا) راوی کہتے ہیں یہ سن کر لوگوں نے کثرت سے سوال کئے ایک سوال یہ تھا کہ کیا مقامِ ابراہیم کے بارے میں سنی ہوئی یہ بات درست ہے کہ حضرت ابراہیم جب شام سے آئے تو بیوی کو یہ حلف دیکر آئے تھے کہ مکہ میں اترینگے نہیں تو (حانث ہونے سے بچانے کیلئے) ان کی بہو یعنی حضرت اسماعیل کی زوجہ محترمہ نے مقام (یعنی اس پتھر) کو لا پیش کیا تو اسی پہ قیام کیا، اس سے نیچے نہ اترے؟ (تا کہ سرزمین مکہ پر پاوں نہ رکھنے کا حلف پورا ہو) تو ان الفاظ کے ذریعہ اس کی نفی کی: (ولکن الخ) آگے ابن عباس سے جو سنا تھا بیان کر دیا۔

(أول ما اتخذالنساء المنطق الخ) منطق میم کی زیر اور طائے مفتوح کے ساتھ، وہ پٹی جس سے (کام کاج کے وقت جسم کا) وسط باندھ لیا جائے، ابن جریج کی روایت میں نطق ہے، یہ منطق کی جمع ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت سارہ نے اپنی باندی حضرت ہاجر حضرت ابراہیم کو ہبہ کر دی تھی جو حضرت اسماعیل کو جن کر ان کی رقابت وغیرت کا شکار بن گئیں، قسم اٹھائی کہ ان کے تین اعضاء کاٹ دیں گی، یہ سن کر وہ کمر میں پٹکا باندھے بھاگ کھڑی ہوئیں اور اپنے پیچھے کا کپڑا (ذیل) لٹکا لیا تا کہ قدموں کے آثار محو ہوں، کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے غصہ ٹھنڈا کیا اور کہا تم اپنی قسم بچانے کیلئے ان کے دونوں کانوں میں سوراخ کر دو (یہ الگ بات ہے کہ جب ایسا کیا تو انہوں نے ان سوراخوں میں سونے یا چاندی کی بالیاں ڈال لیں، جن سے ان کا حسن اور بڑھ گیا) اسماعیلی کے ہاں ابن علیہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ عرب عورتوں میں جرِ ذیول (یعنی پیچھے کپڑا لٹکا لینے) کی عادت یہیں سے شروع ہوئی، کہا جاتا ہے حضرت سارہ کے جذباتِ رقابت (جو اس وقت تک ماں نہ بننے کی وجہ سے احساس کمتری کا شکار تھیں) شدید ہوتے گئے (اللہ کی یہی مشیت تھی) مآل کار جناب ابراہیم حضرت ہاجرا اور شیر خوار اسماعیل کو مکہ چھوڑ آئے۔

(دومة) بڑا درخت ہے۔ (فوق الزمزم) السیرۃ النبویۃ میں اس کی مزید تشریح آئے گی۔

(فی أعلی المسجد) یعنی اس کی جگہ کیونکہ وہ اس وقت تک تعمیر نہ ہوئی تھی (فتبعتہ أم الخ) ابن جریج کی روایت میں ہے کہ مقامِ کداء میں جا لیا، عمر بن شبہ کی روایت میں ہے کہ تین مرتبہ پکارا، دو مرتبہ جواب میں خاموش رہے تیسری پکار پر جب انہوں نے کہا ایسا کرنے کا کس نے حکم دیا؟ تو فرمایا اللہ نے۔ (إذن لا الخ) ابن جریج کی روایت میں ہے کہ کہا: (فقالت حسبی) ابراہیم بن نافع کے ہاں یہ جملہ ہے: (رضیت باللہ)۔ (من طریق کداء) یہ وہی جگہ ہے جہاں سے آنجناب مکہ میں داخل ہوئے تھے (حج وداع کے موقع پر) معروف مقام ہے، الحج میں اس پر بات ہو چکی ہے۔

(حتی إذا نفد الخ) فاکہی کی ابوجہم سے روایت میں یہ بھی ہے کہ انکا دودھ بھی خشک ہو گیا، یہ بھی کہ حضرت اسماعیل کی عمر اس وقت دو برس تھی۔ (ثم استقبلت الوادی) عطاء بن سائب کی روایت میں ہے کہ وادی (یعنی صفا، مروہ کے درمیان کی جگہ) ان دنوں عمیق (یعنی گہری) تھی، ابوجہم کی روایت میں ہے کہ اللہ سے طلبِ نصرت کی دعا کرتی جاتی تھیں۔ (سبع مرات) انہی کی روایت میں ہے کہ یہ صفا و مروہ کی اولین سعی ہے، ابراہیم بن نافع کی روایت میں ہے ہر چکر کے بعد اسماعیل کو آ کر دیکھ لیتیں۔ (فقالت صہ) یعنی اپنے آپ سے کہا بمعنی اسکتی (یعنی چپ کرو)۔

(غواث) کہا جاتا ہے اصوات میں فعال کے وزن پر بس یہی ایک لفظ ہے جسکا اول حرف مفتوح ہے، ابن اثیر نے اس کا

مضموم ہونا بیان کیا ہے، ابن قرقول نے مکسور ہونا بھی نقل کیا ہے، جوابِ شرط محذوف ہے یعنی (فأغثني)۔ (بالملك) ابراہیم اور ابن جریج کی روایت میں ہے: (فإذا جبريل) ہے طبری کے ہاں حضرت علی سے بسند حسن منقول ہے کہ حضرت جبریل نے پوچھا تمہیں کس کے سپرد کیا ہے؟ کہا اللہ کے، کہنے لگے (وكلكما إلى كافٍ) یعنی ایسے کے حوالے کیا ہے جو کافی ہے۔ (أو قال بجناحه) راوی کا شک ہے، ابراہیم کی روایت میں بغیر شک کے (بعقبه) ہے، ابن جریج کی روایت میں (برجله) ہے حضرت علی کی روایت میں ہے کہ اپنی انگلی کے ساتھ زمین کریدی۔

(تحوضه) یعنی اسے حوض کی شکل دینے لگیں، ابراہیم کی روایت میں ہے: (فدهشت أم اسماعيل فجعلت تحفر) یعنی کھودنے لگیں (مراد گہرا کرنے لگیں)۔

(عينا معينا) یعنی پوری روئے زمین میں اس کا جریان ہو جاتا۔ معین، میمِ مفتوح کے ساتھ، اگر یہ (عانه) سے ہے تو یہ بروزن مفعل ہے، اس کی اصل (معيون) ہوگی، واؤ حذف کر دی گئی اور اگر یہ معین سے ہے یعنی (المبالغة في الطلب) تو یہ بروزنِ فعیل ہے، ابن جوزی لکھتے ہیں ظہورِ زمزم اللہ تعالی کی طرف سے ایک انعام ہے جو بغیر عملِ عامل تھا تو حضرت ہاجر کی اس کاروائی سے اس میں کسب بشر کی مداخلت ہوئی جس کے نتیجہ میں زمزم محدود ہو گیا۔ (لا تخافو الضيعة) یعنی ہلاکت، ابوجہم کی روایت میں ہے کہ یہ اندیشہ نہ کرنا کہ پانی کبھی ختم ہوگا۔ (وكان البيت مرتفعا) ابن ابی حاتم نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ طوفان (یعنی طوفانِ نوح) کے زمانہ میں بیت اللہ کو مرفوع کیا گیا، انبیاء حج کرنے یہاں آتے تھے، لیکن اس کی جگہ کا علم نہ تھا حتی کہ اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے عمارت کو بلند کیا، بیہقی الدلائل میں ایک دیگر طریق کے ساتھ ابن عمرو سے مرفوعا نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم کو حکم ہوا کہ بیت اللہ تعمیر کریں، انہوں نے تعمیر کی پھر حکم ملا کہ طواف کریں۔ عبدالرزاق نے بھی ابن جریج عن عطاء کے حوالے سے بھی یہ نقل کیا ہے، ایک قول ہے کہ ان سے قبل فرشتوں نے اس کی تعمیر مکمل کی تھی، وھب بن منبہ کہتے ہیں اولین تعمیر شیث بن آدم نے کی تھی، لیکن پہلی روایت اثبت ہے، کچھ مزید بحث آگے آتی ہے۔

(فكانت كذلك) یعنی اس طرح عمر گزرتی رہی، یہ اس امر کا اشعار ہے کہ آبِ زمزم انہیں بھوک و پیاس، دونوں سے کفایت کرتا تھا۔ (من جرهم) یہ ابن قحطان بن عامر بن شالخ بن آرفحشند بن سام بن نوح ہیں بعض نے ابن یقطن بھی لکھا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں جرہم اور اس کے بھائی قطورا وہ اولین اشخاص ہیں جنہوں نے تبلبُلِ السنہ (یعنی زبانیں ظہور پذیر ہونے) کے وقت عربی زبان میں تکلم کیا، جرہم کے سردار مضاض بن عمرو اور قطورا کے سردار سمیدع تھے، تمام پر جرہم کا اطلاق ہوتا ہے عطاء کی روایت میں ہے کہ وہ ان دنوں مکہ کے قریب ہی ایک وادی میں رہائش پذیر تھے، بعض کہتے ہیں کہ وہ اصلا عمالقہ میں سے تھے۔

(من طريق كداء فنزلوا في أسفل مكة) تمام روایات میں مد کے ساتھ ہی ہے اس میں اشکال یہ ہے کہ کداء تو اعلی مکہ کی ایک جگہ کا نام ہے، جو اسفلِ مکہ میں ہے وہ کدی کہلاتا ہے تو یہاں وہی لفظ ہونا چاہئے تھا (کیونکہ ساتھ میں یہ مذکور ہے کہ اسفلِ مکہ میں خیمہ لگائے) بقول ابن حجر اس میں وزن نہیں کیونکہ کیا مانع ہے کہ اعلی مکہ کے اسی کداء نامی مقام سے داخل ہوئے مگر قیام کیلئے مکہ کا نشیبی علاقہ اختیار کر لیا۔

(طائرا عائفا) ایک پرندہ جو پانی کی جگہوں کے آس پاس ھی رہتا ہے (فأرسلوا جريا) یعنی ایلچی، وکیل اور اجیر پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے، پس منظر یہ ہے کہ وہ اپنے مرسِل یا موکل کے مجریٰ پر چلتا ہے (یعنی اس کے دئے گئے ایجنڈا پر چلتا ہے) یا بسرعت حوائج کو مکمل کرنے پر یہ لفظ معرضِ استعمال میں ہوا۔ (جريا أو الخ) راوی کو شک ہے کہ تحقیقِ حال کیلئے ایک شخص کو بھیجا یا دو کو، ابراہیم کی روایت میں ہے: (فأرسلوا رسولا) لیکن اس میں امکان ہے کہ یہ بطور جنس استعمال کیا ہو، لہٰذا ایک سے زائد کو محتمل ہے کیونکہ آگے (فإذا هم بالماء) یعنی جمع کی ضمیر ہے ممکن مقصود بالا رسال کے اعتبار سے افراد ہو لیکن خادم وغیرہ کی تبعیت کے سبب جمع کی ضمیر استعمال ہوئی ہو۔

(تحب الأنس) ہمزہ کی پیش کے ساتھ، ضدِ وحشت، لیکن ہمزہ پر کسرہ بھی جائز ہے، أي (تحب جنسها)۔

(وتعلم العربية منهم) یہ اس امر کا اشارہ ہے کہ جناب ابراہیم اور حضرت ہاجر کی زبان عربی نہ تھی، حاکم کی ابن عباس سے روایت میں یہ صراحت سے ہے، اس کے الفاظ ہیں: (أول مَنْ نَطَقَ بِالعَرَبية اسماعيلُ) زبیر بن بکار النسب میں باسناد حسن حضرت علی سے نقل کرتے ہیں کہ اولین فرد جس کی زبان کو اللہ تعالی نے (مفتَّق بالعربية المبينة) کیا، حضرت اسماعیلؑ ہیں (یعنی فصیح عربی ان کی نوکِ زبان پر جاری فرمائی) تو اس روایت سے دونوں روایات میں باہم تطبیق ہو جاتی ہے کہ حضرت اسماعیل کی یہ اولیت، مطلقاً اولیت نہیں، بنی جرہم عربی بولتے تھے تبھی ان سے عربی سیکھی گویا بعد ازاں اس ابتدائی عربی کے بعد اللہ تعالی نے انہیں فصیح عربی ملہَم کی، اس کی تائید ابن ہشام کی الشرقی عن قطامی سے نقل کردہ اس عبارت سے ملتی ہے کہ حضرت اسماعیل کی عربی یعرب بن قحطان کی عربی سے فصیح تھی، یہ تطبیق بھی محتمل ہے کہ اس اولیت سے مراد حضرت ابراہیم کے خاندان میں سے وہ پہلے فرد ہیں جنہوں نے عربی بولی، ابن درید کتاب الوشاح میں لکھتے ہیں کہ سب سے قبل یعرب نے عربی بولی پھر حضرت اسمناعیل نے، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں اس سے اس رائے و دعوی کا رد ہوتا ہے کہ تمام عرب حضرت اسماعیل کی اولاد ہیں، اس کی مزید تفصیل السیر ۃ النبویۃ میں آئے گی۔

(و أنفسهم) فاء کی زبر کے ساتھ، نفاستہ سے صیغۂ اسم تفضیل ہے، یعنی (كَثُرَتْ رغبتُهم فيه)، اسماعیلی کے ہاں (أنسهم) ہے، اُنس سے، کرمانی نے یہ معنی کیا ہے کہ انہیں اپنا داماد بنانے کی انہیں رغبت تھی، ان کی نفاست کی وجہ سے، جبکہ ابن اثیر (أنفسهم) کو (تعلم العربية) پر معطوف قرار دیتے ہیں۔

(زوجوه امرأة الخ) ازرقی ابن اسحاق سے ان کا نام عمارہ بنت سعد بن اسامہ نقل کرتے ہیں، ابوجہم کی روایت میں بنتِ صدی مذکور ہے، سہیلی نے جدی بنت سعد ذکر کیا جبکہ عمر بن شبہ نے حبی بنت اسعد بن عملق۔

(فجاء ابراهيم) عطاء کی روایت میں ہے کہ ان کی (اس مرتبہ کی) آمد حضرت ہاجر کی وفات کے بعد ہوئی۔ (يطالع تركته) یعنی وہاں چھوڑنے کے بعد ان کے حال احوال کا تفقُد کرنے آئے، بعض نے (راء کی) سکون کے ساتھ مُشَکَّل کیا اور کہا ہے کہ زیر کے ساتھ بیضِ نعام (یعنی شتر مرغ کے انڈوں) کو کہتے ہیں، انہیں تریکہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ انڈے دینے کے بعد وہ (ایک مرتبہ) انہیں چھوڑ کر چلی جاتی ہے پھر واپس آکر بغیر پڑتال کئے کہ یہ اسی کے ہیں، ان پر بیٹھ جاتی ہے، درج ذیل شعر اسی طرف اشارہ کر رہا ہے: (كتاركةٍ بيضاءَ بِالعراء وحاضنةٍ بيضَ أخرىٰ صباحا)

ابن تین لکھتے ہیں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق ہیں کیونکہ ذبح کا حکم اس وقت ملا، بقول قرآن جب بچہ سعی کو پہنچا جبکہ روایتِ زیرِ نظر میں ہے کہ حضرت ابراہیم دوبارہ مکہ تب آئے جب حضرت اسماعیل کی شادی ہو چکی تھی تو اگر مذبوح حضرت اسماعیل ہوتے تو حدیث میں ان کے بلوغِ سَعْی کے زمانہ میں بھی جناب ابراہیم کی مکہ آمد کا ذکر ہوتا؟ تعاقب کیا گیا ہے کہ حدیث میں (اگرچہ اس زمانہ میں آمد کا ذکر نہیں لیکن) ان کے آنے کی نفی بھی نہیں (عقلی طور پر بھی یہ ناممکن ہے کہ دو سال کی عمر میں وادیٔ غیر زرع میں چھوڑ کر پھر اتنا عرصہ مڑ کر خبر ہی نہ لی)، ابن حجر لکھتے ہیں حدیثِ ابی جہم میں ہے کہ حضرت ابراہیم مہینہ میں ایک دفعہ صبحدم براق پر سوار مکہ آتے پھر دو پہر کو واپس شام پلٹ جاتے تھے، فاکہی نے باسناد حسن حضرت علی سے بھی یہی نقل کیا ہے، تو ان کی روشنی میں اس روایت میں جس آمد کا ذکر ہے وہ اس دفعہ کی آمد ہے (اسکی تائید اس امر سے بھی ملتی ہے کہ اگر انہیں چھوڑ جانے کے بعد یہ پہلی آمد ہوتی تو حضرت اسماعیل سے ملے بغیر ہرگز واپس نہ لوٹتے، وہ شکار پر گئے تھے شام تک واپس آنا ہی تھا تو اس سے یہ دلالت ملی کہ کثرت سے آیا جایا کرتے تھے)۔

(خرج يبتغي الخ) ابوجہم کی روایت میں ہے حضرت اسماعیل اپنے مویشی چرانے کیلئے جاتے تو تیر کمان بھی ہمراہ لے لیتے تا کہ اگر کوئی شکار مل جائے تو کر لیں۔

(جاء ناشيخ) عطاء کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: (كالمستخفة بشأنه) یعنی حقارت آمیز انداز میں تذکرہ کیا۔

(عتبة بابك) بیوی سے کنایہ ہے، کیونکہ دونوں میں کئی متشابہ صفات ہوتی ہیں، مثلاً دہلیز دروازے کی محافظ ہوتی ہے پھر وہ محلِ وَطء ہے (یعنی اسے روند کر ہی داخل ہوا جاتا ہے، تو جماع کیلئے بھی وطی کا لفظ مستعمل ہے) اس سے یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ اس کنایہ (ومحاورہ) کا استعمال موثر بطلاق ہوگا مثلاً کوئی اگر کہے میں نے دہلیز تبدیلی کر لی (یا دہلیز نکالی دی) اور نیت اسکی طلاق کی ہو تو اس کا وقوع سمجھا جائے گا۔ ابن حجر کہتے ہیں ہمارے شیخ امام بلقینی سے مجھے یہی بتلایا گیا ہے اور اس استدلال کا تمام (تکملہ) یہ ہے کہ سابقہ شریعتیں ہمارے لئے بھی قابل عمل ہیں سوائے ان باتوں کے جو ہماری شریعت نے تبدیل کر دیں تو یہاں آنجناب نے اس کا ذکر فرما کر اس کی نفی یا انکار نہیں کیا۔

(امرأة أخرى) واقدی پھر ان کی پیروی میں مسعودی پھر سہیلی نے ذکر کیا ہے کہ ان کا نام سلمہ بنت مہلھل بن سعد تھا، بعض نے عاتکہ کہا ہے بقول ابن حجر عمر بن شبہ کی کتابِ مکہ کے ایک قدیمی نسخہ میں بشامة بنت مہلھل دیکھا، جدة بنت حارث بھی مذکور ہے، ابن سعد نے ابن اسحاق سے رملہ بنت مضاض ذکر کیا ہے دارقطنی کی المختلف میں سيدة بنت مضاض مذکور ہے ابوجہم کی روایت میں صرف (بنت مضاض) ہے۔

(نحن بخير و سعة) ابوجہم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: (نحن في خير عيش بحمدا لله ونحن في لبن كثير ولحم كثير وماء طيب) یعنی اللہ کا شکر ہے اچھی گزران ہو رہی ہے دودھ، گوشت اور مصفاو پاک پانی کی فراوانی ہے۔ (فهما لا يخلو عليهما) کشمیہنی کے نسخہ میں (لا يخلوان) ہے، ابن قوطیہ لکھتے ہیں، کہا جاتا ہے (خلوت بالشيء واختليت) جب اس کے ساتھ کسی اور شیء کی ملاوٹ نہ کرے، (أخلى الرجل اللبن) جب دودھ کے سوا کچھ اور نہ پیا، ابوجہم کی روایت میں ہے کہ غیر مکہ

میں اگر کوئی انہی دو، گوشت اور پانی، پر اکتفا کرے تو ضرور پیٹ کی شکایت کریگا، ان کی اور روایتِ عطاء میں مزید یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم سے کہنے لگیں اتر آیئے اللہ آپ پر رحم کرے، کچھ کھا پی لیں، وہ کہنے لگے: (إنی لا أستطیع النزول) نہیں اتر سکتا، وہ بولیں آپ کا سر پراگندہ ہے کیوں نہ دھو دوں اور تیل لگا دوں؟ فرمایا کیوں نہیں اگر تم چاہو تو وہ مقام پر لے آئیں جو ان دنوں سفید مثلِ مہاۃ (مہاۃ کا لفظ نیل گائے، آفتاب اور بلور کیلئے مستعمَل ہے) تھا اور حضرت اسماعیل کے گھر میں موجود تھا تو دایاں پاؤں اس پر رکھا اور سر کی ایک جانب سواری پر بیٹھے بیٹھے ان کی طرف بڑھائی (سواری سے نہ اترے، اور ارض مکہ پہ پاوں نہ رکھنے کی وجہ ایک سابق الذکر روایت میں بیان ہو چکی ہے) اسے دھونے کے بعد پھر مقام کو سواری کے بائیں جانب کیا اس پر بایاں قدم رکھ کر سر کی دوسری جانب آگے کی، کہتے ہیں اسی کے نشان مقامِ ابراہیم پر موجود پتھر پر آج تک منقوش ہیں۔

(هل أتاكم من أحد) عطاء کی روایت میں ہے حضرت اسماعیل کو واپسی پر اپنے والد کی خوشبو محسوس ہوئی (اس سے بھی ثابت ہوا کہ آنا جانا ان کا معمول تھا)۔ (یثبت الخ) ابوجہم کی روایت میں مزید یہ بھی ہے: (فإنها صلاح المنزل)۔(أن أمسكك) ابوجہم کی روایت میں ہے کہ کہا تو پہلے بھی مجھے عزیز تھی اب اور بھی زیادہ ہوگئی ہو، تو ان سے ان کے دس لڑکے تولّد ہوئے، معمر کی روایت میں ہے ایک آدمی سے سنا کہ حضرت ابراہیم براق پر آیا جایا کرتے تھے، عمر بن شبہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے جدۃ بنت حارث کے حق میں دعائے برکت فرمائی۔ (یبری) نبل، تیر کی ابتدائی شکل، نصل و ریشہ (یعنی نوک و دم) لگنے سے پیشتر، حاکم کے ہاں ابراہیم بن نافع سے روایت میں ہے: (یصلح بیتا لہ) بظاہر یہ تصحیف ہے، بخاری میں مذکور، اس ضمن کی دوسری روایات کے موافق ہے۔

(فصنعا كَمَا الخ) یعنی معانقہ و مصافحہ اور تقبیلِ ید وغیرہ، معمر کی روایت میں ایک (مبہم) آدمی کے حوالے سے ہے کہ اتنا روئے کہ پرندوں نے بھی جواب دیا بقول ابن حجر اگر یہ ثابت ہے تو ایک لمبے عرصے بعد ملنے کی دلیل ہے۔(ولیس معهما یومئذ الخ) یعنی بیت اللہ کی تعمیر میں ان کے ساتھ کوئی اور شریک نہ تھا۔

(رفعا القواعد) احمد کی عبدالرزاق عن معمر عن ایوب عن سعید عن ابن عباس سے روایت میں ہے کہ جن قواعد کو ابراہیم نے مرفوع کیا یہ بیت اللہ کے قدیمی قواعد تھے، عطاء کے طریق سے مذکور ہے کہ حضرت آدم نے (ہبوط کے بعد) بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا تھا اے رب مجھے فرشتوں کی آوازیں سنائی نہیں دیتیں، اس پر ارشاد ہوا میرا گھر تعمیر کرو (ثم احفف به) پھر اسکا احاطہ کرو، جیسا کہ فرشتوں کو دیکھتے تھے میرے اس گھر میں جو آسمانوں میں ہے، عثمان و ابوجہم کی روایت میں ہے حضرت ابراہیم نے اسے اساسِ آدمؑ پر تعمیر کیا، بلندی میں نو اور عرض میں تیس گز کیا، ابوجہم کی روایت میں مزید یہ ہے کہ حجر کو بیت اللہ میں شامل کیا جبکہ قبل ازیں وہ حضرت اسماعیل کی غنم کیلئے زرب (اگر یہ زاء کی زبر کے ساتھ ہے تو اس کا معنی ہے: باڑے میں داخل ہونے کی جگہ اور اگر زیر کے ساتھ ہے تو اس کا معنی ہے: پانی بہنے کی جگہ، یہاں دونوں معانی محتمل ہو سکتے ہیں) تھا، چھت نہ ڈالی تھی، ایک دروازہ بنایا، دروازے کے پاس ایک گڑھا کھودا جو اسے ملنے والے ہدایا کو حفاظت سے رکھنے کی غرض سے تھا۔ طبری اور حاکم کی حدیثِ علی میں ہے کہ اثنائے تعمیر ان کے سروں پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ فگن رہتا تھا، اسی کے سایہ کے بقدر کعبہ کا طول اور عرض ہوا، قرآن کی آیت (وإذ بَوَّأنا لإبراهيم مكانَ البيت)

[الحج: ۲۶] کا یہی مفہوم ہے۔

(جاء بهذا الحجر) یعنی مقام ابراہیم، حدیثِ عثمان میں ہے اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام کیا، حضرت اسماعیل انہیں پتھر پکڑاتے تھے تعمیر سے فارغ ہوئے تو حضرت جبرائیل تشریف لائے اور مناسک کی تعلیم دی پھر مقام پر کھڑے ہو کر لوگوں کو صدائے عام دی، حضرت سارہ اور حضرت اسحاق نے بیت المقدس سے آکر حج بیت اللہ کیا تھا، حضرت ابراہیم اس کے بعد شام پلٹ گئے جہاں ان کا انتقال ہوا، ابوجہم کی روایت میں ہے حضرت اسماعیل وادی میں اترے تاکہ کسی موزوں پتھر کی تلاش کریں تو حضرت جبرائیل نے حجر اسود لا کر دیا جو طوفانِ نوح کے وقت آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تھا، حضرت اسماعیل واپس آئے تو پوچھا یہ کون لے کر آیا؟ فرمایا: (مَن لم يَكِلْني إليك ولا إلىٰ حَجرِك) یعنی جس نے مجھے تمہارا اور تمہارے پتھر کا محتاج نہیں کیا۔ ابن ابی حاتم کی سدی کے طریق سے روایت میں بھی یہی ہے اور یہ بھی کہ حجر اسود ہندوستان میں تھا اور تب یہ ثغامہ (ایک سفید رنگ کا بڑا پرندہ) کی طرح سفید تھا، حضرت علی کی روایت میں ہے کہ ہر روز ایک ردہ بنا لیا کرتے تھے، فاکہی اور ابن ابی حاتم کی عبداللہ بن عمرو سے روایت میں ہے کہ پانچ پہاڑوں سے پتھر اکٹھے کئے گئے جو یہ ہیں: حراء، ثبیر، لبنان، طور اور جبل خمر، بقول ابن ابی حاتم جبلِ خمر بیت المقدس کا ایک پہاڑ ہے، عبدالرزاق ابن جریج عن عطاء کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم نے بیت اللہ کی تعمیر ان پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے کی تھی: حراء، طور زیتا، طورِ سینا، جودی اور لبنان، اس کا رُبض (یعنی بنیاد) حراء سے تھا، محمد بن طلحہ تیمی کے طریق سے منقول ہے کہتے ہیں میں نے سنا کہ چھ پہاڑوں کے پتھروں سے اس کی تعمیر ہوئی تھی جو یہ ہیں: جبل ابوقبیس (یہ مکہ میں ہے) قدس کا ایک پہاڑ، ورقان کا پہاڑ اور رضوی (مدینہ کے قریب ایک پہاڑ ہے) اور احد۔

روایت کے تیسرے طریق میں ابو عامر عقدی اور ابراہیم بن نافع، مخزومی مکی ہیں۔

3366حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِي الأَرْضِ أَوَّلُ قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ .قَالَ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ الْمَسْجِدُ الأَقْصَى .قُلْتُ كَمْ كَانَ بَيْنَهُمَا قَالَ أَرْبَعُونَ سَنَةً، ثُمَّ أَيْنَمَا أَدْرَكَتْكَ الصَّلاَةُ بَعْدُ فَصَلِّهْ، فَإِنَّ الْفَضْلَ فِيهِ .طرفه3425

راوی کہتے ہیں حضرت ابو ذرؓ سے سنا کہتے تھے میں نے کہا یا رسول اللہ روئے زمین پہ سب سے قبل کون سی مسجد بنائی گئی؟ فرمایا مسجد حرام پوچھا پھر کون سی؟ فرمایا مسجدِ اقصیٰ میں نے کہا دونوں کے مابین کتنا عرصہ ہے؟ فرمایا چالیس سال، پھر جہاں بھی تو ہو اور نماز کا وقت ہو جائے تو وہیں ادا کر لو۔

عبدالواحد سے ابن زیاد جبکہ ابراہیم سے مراد بن یزید بن شریک ہیں، مسلم اور ابن خزیمہ کی ایک دیگر طریق کے ساتھ اعمش عن ابراہیم التیمی سے روایت میں ہے کہ میں راستہ میں اپنے والد کے ساتھ بیٹھا قرآن کا دور کر رہا تھا کہ آیتِ سجدہ آنے پر انہوں نے سجدہ تلاوت کیا، میں نے کہا آپ راستہ میں سجدہ کر رہے ہیں؟ کہا ہاں میں نے ابوذر سے سنا ہے، پھر یہ روایت بیان کی۔

(فی الأرض أول) لامِ مضموم کے ساتھ، بقول ابوالبقاء یہ ضمہ بناء ہے (یعنی بنی علی الضم ہے) کہ اضافت سے مقطوع

ہے مثل (قبل وبعد) ، مقدراً یہ ہے: (أول کل شیء) زبر بھی جائز ہے، مصروفاً وغیر مصروف۔

(ثم أی) تنوین کے ساتھ، اس کی نظیر ابن مسعود کی ایک سابق الذکر روایت (أی الأعمال أفضل) میں ہے، یہ حدیث اس آیت قرآنی کی تفسیر ہے: (إِنَّ أَوَّلَ بیتٍ وُضِعَ لِلناسِ لَلَّذِی بِبَکَّۃَ) [آل عمران: ۹۶] تو بیت سے مراد بیت العبادۃ ہوا، مطلق بیت نہیں۔ ابن راہویہ اور ابن ابی حاتم کی صحیح اسناد کے ساتھ تخریج کردہ حضرت علی سے ایک روایت میں صراحۃً مذکور ہے، اس کے الفاظ ہیں: (کانت البیوت قبله ولکنه کان أول بیت وُضع لعبادة الله) یعنی بیوت تو پہلے بھی تھے مگر اللہ کی عبادت کیلئے یہ پہلا گھر تھا۔

(المسجد الأقصی) یعنی مسجدِ بیت المقدس، کعبہ اور اس کے مابین بُعدِ مسافت کے سبب اقصٰی کا نام پڑا، ایک قول ہے کہ اَقذار وخبائث سے بُعد کی وجہ سے یہ نام پڑا۔ (أربعون سنة) ابن جوزی لکھتے ہیں اس میں اشکال ہے کیونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان جو مسجد اقصی کے بانی ہیں، کے مابین ہزار برس سے زائد کا عرصہ ہے، انہیں بانیِ مسجد اقصی قرار دینے میں مستند، نسائی کی ابن عمرو سے مرفوع روایت ہے جس میں ہے کہ حضرت سلیمان نے جب بیت المقدس کی تعمیر کی تو اللہ سے تین خلال کا سوال کیا، طبرانی کی رافع بن عمیرہ سے روایت ہے کہ حضرت داؤدؑ نے مسجد اقصی کی تعمیر کا آغاز کیا پھر اللہ نے وحی کی کہ اس کی تکمیل حضرت سلیمان کے ہاتھوں ہوگی، کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ حدیثِ باب میں اول بناء اور مسجد کے سنگ بنیاد رکھنے کی طرف اشارہ ہے، جناب ابراہیم کعبہ کے اولین بانی نہیں اور نہ حضرت سلیمان بیت المقدس کے اولین معمار ہیں، روایت موجود ہے کہ حضرت آدم نے اولاً کعبہ کی تعمیر کی تھی پھر ان کی اولاد اطراف واکناف میں منتشر ہوگئی تھی، تو ممکن وجائز ہے کہ ان میں سے کسی نے (تعمیر کعبہ کے چالیس برس بعد) وضعِ مسجد اقصی کیا ہو۔ قرطبی بھی اس کی تائید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ حدیث سے یہ دلالت نہیں ملتی کہ حضرت ابراہیم کعبہ کے اور حضرت سلیمان بیت المقدس کے اولین واضع ہیں بلکہ ان کا کام تجدید (یعنی از سرِ نو تعمیر) تھا، مؤسس کوئی اور ہے، ابن حجر کہتے ہیں ابن حبان نے اس حدیث کا ظاہری مفہوم اختیار کیا اور لکھا کہ اس سے ان حضرات کا رد ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ حضرات اسماعیل اور داؤد کے مابین ہزار برس کا عرصہ ہے کہتے ہیں کہ اگر ان کی بات تسلیم کی جائے تو اس کا مطلب یہ بنا کہ دونوں مذکورین کے مابین صرف چالیس برس حائل ہیں اور یہ عین محال اور کئی قرآنی نصوص کے مخالف ہے، حافظ ضیاء اور خطابی بھی ابن جوزی کی ذکر کردہ تاویل وتوجیہ سے متفق ہیں، خطابی کے بقول مسجد اقصی، ایلیا کی طرف بھی منسوب کی جاتی ہے البتہ اس امر کی تحقیق نہیں ہوسکی کہ انکی طرف کیونکر اس کی نسبت ہے؟۔

ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کہ کئی ایک نے لکھا ہے کہ مسجد اقصی کے اولین مؤسس حضرت آدم ہیں، ایک قول کے مطابق ملائکہ ہیں، بعض نے سام بن نوح لکھا ہے ایک قول حضرت یعقوب کا بھی ہے بہر حال ابن جوزی کی توجیہ اوجہ ہے، اس کی تائید کہ دونوں کے اولین مؤسس حضرت آدم ہیں، ابن ہشام کی التیجان میں ذکر کردہ اس روایت سے ہوتی ہے کہ جب حضرت آدم تعمیرِ کعبہ سے فارغ ہوئے تو اللہ نے انہیں بیت المقدس جانے اور مسجد اقصی کی تعمیر کا حکم دیا، ابن ابی حاتم معمر عن قتادہ کے حوالے سے ناقل ہیں کہ ہبوطِ آدم کے فوراً بعد خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم ملا تھا، انہوں نے اصواتِ ملائکہ اور ان کی تسبیحات نہ سننے کی شکایت کی تھی تو وحی آئی کہ میں نے مکہ میں

ایک بیت اتار دیا ہے جسکا اس طرح طواف ہوتا ہے جیسے میرے عرش کا تو وہ ہندوستان، جہاں ہبوط کے بعد اتارے گئے تھے سے چل کر مکہ پہنچے، کہا گیا ہے کہ کعبہ میں جب نماز پڑھی تو بیت المقدس جانے کا حکم آیا، وہاں پہنچ کر مسجد اقصی بنائی تا کہ ان کی بعض اولاد کا قبلہ بنے۔ ابن حجر لکھتے ہیں خطابی کا ایلیا کو کوئی انسان سمجھنا درست نہیں، وہ اسی شہرِ قدس کا نام تھا جس کی طرف یہ مسجد اقصی مضاف کی گئی ہے جیسے مسجد المدینہ یا مسجدِ مکہ کی تراکیب ہیں۔ (فصلہ) ہائے ساکنہ کے ساتھ، یہ ہائے السکت ہے نسخہ کشمیہنی میں یہ محذوف ہے۔

(فإن الفضل فیه) یعنی فعلِ صلاۃ (ادائیگی نماز) جب اس کا وقت ہو، ایک اور طریق کے ساتھ اعمش سے اسکے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے: (والأرض لك مسجد) یعنی نماز زمین کے کسی بھی حصہ میں ادا کرنا جائز ہے، جامع سفیان بن عیینہ میں بھی اعمش کے حوالے سے یہی ہے تو اس عموم کو دیگر روایات میں اماکن کے بارہ میں وارد نہی مخصص کرتی ہے۔ اسے مسلم، ابن ماجہ اور نسائی نے (الصلاۃ) میں نقل کیا ہے، نسائی نے (التفسیر) میں بھی ذکر کیا۔

3367 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ طَلَعَ لَهُ أُحُدٌ فَقَالَ هَذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ، اللَّهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وَإِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لاَبَتَيْهَا رَوَاهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

أطرافه 371، 610، 947، 2228، 2235، 2889، 2893، 2943، 2944، 2945، 2991، 3085، 3086، 3647، 4083، 4084، 4197، 4198، 4199، 4200، 4201، 4211، 4212، 4213، 5085، 5159، 5169، 5387، 5425، 5528، 5968، 6185، 6363، 6369، 7333.

حضرت انس کہتے ہیں نبی اکرم نے جبلِ احد کو دیکھ کر فرمایا یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے، پھر کہا اے اللہ ابراہیم نے مکہ کو حرمت والا قرار دیا تھا میں مدینہ کے ان دو پتھریلے علاقے کے درمیانی حصہ کو حرمت والا قرار دیتا ہوں۔

حضرت انس کی موصول اور حضرت عبداللہ بن زید کی معلق روایت حرمِ مدینہ اور جبل احد کے بارہ میں، اواخر الحج میں اس پر بحث گزر چکی ہے، معلق روایت وہاں پر موصولاً نقل کی تھی۔

3368 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ ابْنَ أَبِي بَكْرٍ أَخْبَرَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ عَنْ عَائِشَةَ ؓ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ أَلَمْ تَرَىْ أَنَّ قَوْمَكِ بَنَوُا الْكَعْبَةَ اقْتَصَرُوا عَنْ قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ. فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَلاَ تَرُدُّهَا عَلَى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ. فَقَالَ لَوْلاَ حِدْثَانُ قَوْمِكِ بِالْكُفْرِ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ لَئِنْ كَانَتْ عَائِشَةُ سَمِعَتْ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَا أُرَى أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ تَرَكَ اسْتِلاَمَ الرُّكْنَيْنِ اللَّذَيْنِ يَلِيَانِ الْحِجْرَ إِلاَّ أَنَّ الْبَيْتَ لَمْ يُتَمَّمْ عَلَى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ. وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ.

أطرافه 126، 1583، 1584، 1585، 1586، 4484، 7243

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں نبی پاک نے مجھے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ جب تمہاری قوم نے کعبہ کی تعمیر کی تو قواعدِ ابراہیمی کو چھوڑ دیا

تھا؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیوں نہ آپ انہی بنیادوں پر تعمیرِ نو فرمادیں؟ فرمایا اگر تمہاری قوم کا زمانۂ کفر قریب کا نہ ہوتا (کہ تازہ تازہ اسلام قبول کیا ہے) تو ایسا ہی کرتا۔ یہ سنکر عبداللہ بن عمر کہنے لگے اگر عائشہ نے یہی کہا ہے تو۔ شاید۔ اسی وجہ سے نبی پاک نے حطیم کی طرف والے دونوں رکنوں کا استلام چھوڑا، کہ اس طرف کا حصہ قواعدِ ابراہیم پہ تعمیر شدہ نہیں۔

یہ بھی کتاب الحج میں مشروح ہے۔ (وقال اسماعیل) یعنی اسماعیل بن ابی اویس نے بھی اس روایت کو امام مالک سے روایت کیا ہے، ان کی سند میں ابن ابی بکر کا نام مذکور ہے یعنی عبداللہ، حضرت ابوبکر دراصل عبداللہ کے دادا ہیں، والد کا نام محمد تھا (جو جناب صدیق اکبر کی وفات کے بعد پیدا ہوئے اور حضرت علی کی گود میں پرورش پائی کیونکہ صدیق اکبر کی بیوہ، اسماء بنت عمیس جو حضرت ابوبکر سے قبل حضرت جعفر طیار کی زوجہ تھیں، سے حضرت علی نے شادی کر لی، حضرت عثمان کے خلاف برپا ہونے والی بغاوت کے قائدین میں سے تھا، علی و معاویہ کی باہمی کشمکش میں حضرت علی کی صف کا نمایاں کردار تھا، انہوں نے حاکم مصر بنایا جہاں امیر معاویہ کی افواج کے ہاتھوں برے طریقہ سے قتل ہوا) اسماعیل کی روایت التفسیر میں موصول کی ہے وہاں (عبدالله بن محمد بن أبی بکر) مذکور ہے۔

3369حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ أَخْبَرَنِي أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ أَنَّهُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ .طرفه 6360

حضرت ابوحمید ساعدی روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے آنجناب سے پوچھا ہم آپ پہ درود وسلام میں کون سے الفاظ کہیں؟ فرمایا کہو: اللھم صل علیٰ محمد وعلی آل محمد کما صلیت الخ (یعنی درود ابراہیمی)۔

الدعوات میں اس کی شرح آئیگی، غرضِ ترجمہ (کما صلیت علی ابراہیم) ہے۔ سوائے ترمذی کے باقی سب نے (الصلاۃ) میں روایت کیا ہے۔

3370حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ وَمُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالاَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ حَدَّثَنَا أَبُو قُرَّةَ مُسْلِمُ بْنُ سَالِمٍ الْهَمْدَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عِيسَى سَمِعَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي لَيْلَى قَالَ لَقِيَنِي كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ فَقَالَ أَلاَ أُهْدِي لَكَ هَدِيَّةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْتُ بَلَى، فَأَهْدِهَا لِي .فَقَالَ سَأَلْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ الصَّلاَةُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ .قَالَ قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ، وَعَلَى آلِ

إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ .طرفاه 4797، 6357۔ (سابقہ ہے)

یہ بھی الدعوات میں مشروح ہوگی اواخر تفسیر الأحزاب میں بھی وارد کی ہے، مزی کو اطراف میں وہم لگا تو اس روایت کی بابت لکھ دیا کہ کتاب الصلاۃ میں مذکور ہے، بقول ابن حجر اس سے ہمارے شیخ ابن ملقن بھی غلط فہمی میں آ گئے، اس مقام پر لکھ دیا کہ اس کی شرح الصلاۃ میں گزر چکی ہے، گویا یہ غلط فہمی انہیں اپنے شیخ مغلطائی کیوجہ سے لگی ہے، ان کی بھی یہی صنیع ہے، یہ روایت کتاب الصلاۃ میں اصلاً موجود ہی نہیں۔ اسے تمام اصحابِ ستہ نے (الصلاۃ) میں نقل کیا ہے۔

3371 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنِ الْمِنْهَالِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَيَقُولُ إِنَّ أَبَاكُمَا كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ، أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ

ابن عباسؓ کہتے ہیں نبی پاک حسن اور حسین کو ان کلمات کے ساتھ دم کیا کرتے اور فرماتے کہ تمہارے باپ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ واسحاقؑ کو انہی الفاظ کے ساتھ دم کیا کرتے تھے: (ترجمہ) میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے ان کلمات تامہ کے ساتھ ہر شیطان سے اور زہریلے جانور سے اور ہر نقصان پہنچانے والی نظرِ بد سے۔

بقول ابن حجر التعویذ بکلمات اللہ التامۃ کے بارہ میں حدیثِ ابن عباس ہے۔ (حدثنا جریر) عثمان بن ابوشیبہ کے اس میں ایک اور شیخ ابوحفص بھی ہیں، اسماعیلی نے عمران بن موسی اور ابراہیم بن موسی کے حوالے سے تخریج کرتے ہوئے دونوں ذکر کئے ہیں، منصور سے مراد ابن معتمر جبکہ منہال سے مراد ابن عمرو ہیں، سعید بن جبیر تک تمام رواۃ کوفی ہیں، نسائی نے جریر عن الأعمش عن المنہال کے طریق سے اسکی تخریج کرتے ہوئے بجائے سعید کے عبداللہ بن حارث ذکر کیا ہے۔

(بكلمات الله) کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اس کی کلام علی الاطلاق ہے، ایک قول ہے کہ اس کے اقضیہ، ایک قول ہے وہ جسکا وعدہ کیا گیا اور جس کی بابت قرآن میں ہے: (وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بني إسرائيل) [الأعراف: ۱۳۷] اور اس سے مراد یہ قولہ تعالی ہے: (ونُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الأَرْضِ) [القصص : ۵] التامۃ سے مراد الکاملۃ، ایک قول ہے: النافعة يا الشافية، يا المباركة يا القاضية، جو جاری ومستمر ہیں کوئی شئ انہیں رد نہیں کرسکتی اور نہ ان میں کوئی نقص یا عیب داخل ہوسکتا ہے۔ خطابی لکھتے ہیں احمد اس حدیث سے قرآن کے غیر مخلوق ہونے پر استدلال کیا کرتے تھے، ان کی حجت یہ تھی کہ نبی پاک کسی مخلوق شیء سے استعاذۃ نہ کرتے تھے۔

(من كل شيطان) اس کے تحت شیاطین الإنس والجن، دونوں داخل ہیں۔ (وهامة) میم کی شد کے ساتھ، ہوام کا مفرد، أی (ذوات السموم) یعنی زہریلے، کہا گیا ہے ہر ایسی چیز جسکا زہر مار ڈالنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اگر ایسی زہریلی ہے جو جانی اِتلاف کا باعث نہیں بن سکتی تو اسے سوام کہا جاتا ہے، ایک رائے ہے کہ اس سے مراد ہر وہ شئ جس سے اندیشۂ ضرر ہو۔

(ومن كل عين لامة) خطابی لکھتے ہیں اس سے مراد ہر آفت ومصیبت جو انسان پر نازل ہوتی ہے، بقول ابوعبید

(أَلْمَمْتُ إلماما) سے ہے، لامۃ سے مراد (ذات لَم) ہے، ابن انباری کہتے ہیں کہ وقتا بعد وقتِ آتی ہیں، ہامۃ کی رعایت سے لامۃ کہا کہ یہ أخف علی اللسان ہے۔

علامہ انور حدیث کے الفاظ: (فيقول ابراهيم يارب إنك وعدتني الخ) کے تحت رقمطراز ہیں کہ نبی اکرم نے ان کلمات کا تلفُّظ اس قسم کے موضع کیلئے صرف علی طریق الاقتباس کیا ہے، اصل میں تو یہ عبارت قرآن میں محکی، اللہ تعالی کے سوال: (ءأنتَ قُلتَ لِلنَّاسِ) (حضرت عیسیٰ کو مخاطب کر کے یہ سوال ہوگا) کا جواب ہے، ہمارے نبی سے بھی اس بارے سوال ہوگا، یہ تب جب وہ اپنے بعض اصحاب (یعنی امت کے بعض افراد) کو دیکھیں گے کہ ان سے ذات الشمال پھیرے جارہے ہیں تو پکار کر کہینگے یہ تو میرے ساتھی ہیں؟ جواب ملے گا آپ نہیں جانتے آپ کے بعد انہوں نے کیا بدعات ایجاد کرڈالی تھیں تو ان کلمات کے ساتھ اعتذار کیا جوعلی طریق الاقتباس مکانِ قبول تک پہنچے تو جب سوال ہی ایک نہیں تو جواب ایک کیسے ہوسکتا ہے؟ لیکن چونکہ جواب تمام اطراف کو حاوی اور تمام آداب کو مراعی ہے تو اعتذار کیلئے اسی کا انتخاب کیا، پھر اپنی ذات سے نفیِ علم حضرۃ الربوبیۃ کے آداب میں سے ہے، فرشتوں نے بھی یہی جواب دیا: (قالُوا سُبحانَكَ لاعِلمَ لَنا إلا مَاعَلَّمْتَنا) رسولوں کو جب اللہ تعالی فرمائیگا: (يومَ يَجمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذا أُجِبْتُمْ قالو الا عِلمَ لَنا) اور یہ کذب نہیں بلکہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ عبد کا علم اللہ کے علم کے سامنے گویا متلاشی اور لاشیء ہے۔ ایک دفعہ حضرت موسی نے اعلیت کی نسبت اپنی طرف کرلی تھی جس کی پاداش میں حضرت خضر سے ملنے جانا پڑا، اور ہر مقام پر ان کے علم کی حقیقت کھل گئی، فرشتے بھی اولاً اس سے غفلت میں رہے جس کے سبب اِنباءِ اسماء میں مبتلا کئے گئے تو محشر ادعائے علم کی جگہ نہیں، وہاں تو موجود علم بھی کالعدم ہے، سب علم علامَ الغیوب کے پاس ہوگا تو یہ اجمالاً نفسِ علم کی نفی نہیں، تو حضرت ابراہیم نے اس وعدِ مذکور کو عموم پر محمول سمجھا۔

(فإذا هو بذيخ الخ) شیخ اکبر کہتے ہیں والدِ حضرت ابراہیم کا یہ مسخِ صورت اسلئے ہوگا تا کہ ان کے دل سے شفقت کے احساسات ختم ہوں۔ (أما هم فقدسمعوا الخ) اس میں دلیل ہے کہ یہ بات ان کے ہاں مشہور تھی، شائد سابقہ سماوی ادیان میں بھی یہی تھا۔

(اختتن ابراهيم) کی نسبت لکھتے ہیں جب بارگاہِ خداوندی میں تکلیف کی شکایت کی تو جواب آیا جلدی کیوں کی؟ میرے (اگلے) امر کا انتظار کیوں نہ کیا؟ تو انبیاء کرام کے اللہ تعالی کے ساتھ معاملات کی ایک اپنی ہی ڈگر اور حیثیت ہے کئی ایسے افعال ہیں اگر عوام میں سے کسی سے سرزد ہوں تو وہ معفو ہیں لیکن انبیاء کی نسبت کبھی اظہارِ عتاب ہوجاتا ہے کیونکہ ان سے کمالِ امتثال مطلوب ہے (ثم تناوله ثانيةً) کی نسبت کہتے ہیں یہ راوی کا تسامُح ہے وگرنہ اللہ کے دشمن کو اس تناول پر مقدرت نہ رہی تھی البتہ وہ ایسا چاہتا تھا تو اسے لفظِ اول کی مثل کے ساتھ ہی تعبیر کردیا۔

(أمر بقتل الوزغ) کے متعلق کہتے ہیں اس میں حیوانات کے انسانوں کی طرح خبیث وطیب میں منقسم ہونے کی دلیل ہے، مسلم کی روایت میں ایک ضرب کے ساتھ اسے ہلاک کرنے پر وعدہ مذکور ہے، حاشیہ میں اس وعدہ کی بابت روایت مسلم کے الفاظ ذکر کئے ہیں: (مائۃ حسنۃ)۔ (يرحم الله أم اسماعيل) ان کا قصہ یہ ہے کہ جب حضرت اسماعیل کو جنا تو حضرت سارہ ان

کی نسبت غیرت (یعنی رقابت) کا شکار ہوگئیں اور حضرت ابراہیم سے فرمائش کی کہ میں ان سے علیحدہ رہنا چاہتی ہوں تو وہ حضرت ہاجر کو بیت اللہ کے پاس چھوڑ آئے وہاں اس سمے کچھ بھی نہ تھا، نہ کوئی عمارت نہ پانی، وہاں جناب ابراہیم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی جسکا ذکر قرآن میں ہوا ہے، بخاری میں پورا واقعہ بیان کیا ہے، تاریخ دیارِ بکر میں ہے کہ رفع یدین سنتِ ابراہیمی ہے، شافعیہ نے اسے اپنے مذہب کا حصہ بنالیا جبکہ حنفیہ اسے صرف تکبیرِ تحریمی پر محمول کرتے ہیں، میرے نزدیک یہ خارج از نزاع ہے کیونکہ یہ رفع یدین تو موضعِ دعا میں ہے، انہوں نے اسے نماز کی طرف منتقل کر دیا تو یہ ایسی عجلت ہے جس کا کبھی وہ آدمی شکار ہو جاتا ہے جسے ظفر بالمقصود مل رہی ہو (عجیب بات کہہ دی ہے، شافعیہ یا وہ تمام جو رکعت کے تین مقامات پر رفع یدین کرتے ہیں ان کے مدنظر حضرت ابراہیم کا یہ فعل نہیں بلکہ صحیح روایات کی رو سے آنجناب کا فعل ہے)۔

فائدہ کے عنوان سے لکھتے ہیں مؤرخین کے ہاں مشہور ہے کہ تعمیرِ کعبہ کی ابتدا جناب اسماعیل کے زمانہ سے ہوئی، ترمذی کی ایک روایت سے جو وفدِ عاد سے متعلقہ ہے، مستفاد ہوتا ہے کہ یہ اجابتِ دعا کی جگہ تھی اسی لئے انہوں نے یہاں اپنا وفد بھیجا تا کہ (بارش کیلئے) دعا کرے، میں کہتا ہوں ممکن ہے کسی درمیانی عرصہ میں بیت اللہ کی یہ جگہ ویرانی کا شکار ہوئی ہو، پھر جناب اسماعیل کے زمانہ میں تجدیدِ تعمیر کی گئی، تاریخ میں عاد کے ان اسباط کا تذکرہ ہے جو مکہ میں داخل ہوئے اور جنکی حکومت ایران پر بھی تھی، ضحاک انہی میں سے ہے، ان کے زیرِ نگیں شام، مصر اور عراق بھی تھے (الحقی بأھلک) کے تحت لکھتے ہیں یہ الفاظ کنایات میں سے ہیں، ہمارے نزدیک یہ بوائن ہیں (یعنی ان سے طلاق ہو جاتی ہے) مبسوطاتِ فقہ میں ہے کہ ایک بائن بھی بدعی ہے تو جناب اسماعیل نے کیسے اس کے ساتھ طلاق دیدی؟ میرے ہاں جواب یہ ہے اور اسے میں نے المنتقی میں امام محمد سے منقول ایک مسئلہ سے مستفاد کیا ہے، کہ حالتِ حیض میں خلع جائز ہے حالانکہ خلع طلاقِ بائن ہے اور حالتِ حیض میں طلاق بدعی ہے تو اگر ایک جگہ ضرورت کے باعث جواز ثابت ہے تو دوسری جگہ بھی اس کا جواز اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے، میرے نزدیک یہ عدم توافق ہے اور عزم اس کے کلیۃً ترک پر ہے۔

(قلت کم کان بینھما قال أربعون سنة) کی بابت کہتے ہیں مسجدِ اقصی حضرت سلیمانؑ نے تعمیر کرائی تھی اگرچہ اس کی ابتداء جناب داود کے زمانہ میں ہو چکی تھی اور انکے اور حضرت ابراہیم کے مابین ایک لمبا عرصہ حائل ہے تو ابن قیم نے اس اشکال کا یہ جواب پسند کیا ہے کہ مسجد اقصی کی جگہ کی تعیین حضرت اسحاق نے کر دی تھی، انہوں نے یہاں (بطور نشانی) ایک وتد نصب کر دیا جیسا کہ توراۃ میں مذکور ہے تو یہ مذکورہ مدت اس حوالے سے ہے، قبلتین کی تحقیق کے حوالے سے ہماری بحث باب الإیمان میں گزر چکی ہے، ہمارے نقطہ نظر سے اقرب یہ ہے کہ دونوں حضرت ابراہیم کی بناء ہیں، میری رائے میں ذبیح دو ہیں، بیت المقدس میں حضرت اسحاق کی قربانی بھی پیش کی جبکہ مکہ میں جناب اسماعیل کی، تو بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کیلئے یہ دونوں مقامات قبلہ تھے لہٰذا دونوں قبلے ابراہیمی ہیں، ذبیح بھی دو ہیں اسی لئے آنجناب نے (أنا ابن الذبیحین) فرمایا تھا، ان دونوں کے مابین تقسیم یا تو باعتبارِ بلاد ہے یا باعتبارِ اقوام، اہل مدینہ بیت المقدس کی طرف اس لئے رخ کرتے تھے کہ وہ انہی میں شمار ہوتے تھے جنکا قبلہ قدس ہے، آنجناب نے بھی (مدینہ تشریف آوری کے بعد) سولہ یا سترہ ماہ تک اسی جانب رخ کیا تب قول بالنسخ کی ضرورت نہیں رہتی۔ (ثم أینما أدر کتك الخ) پہلے کہہ چکا ہوں کہ بنائے مساجد سے قبل صرف مراقبہِ اوقات کی اہمیت تھی لیکن اب انہی میں ادائیگیِ نماز مطلوب ہے، ہماری شریعت

میں زمان ومکان، دونوں مطلوب ہیں اگرچہ ان میں سے ایک دوسرے کی نسبت اقدم ہے (کما بارکت علی ابراہیم) اس میں ان فرشتوں کی کلام کی طرف اشارہ ہے جو جناب ابراہیم کے پاس بطور مہمان آتے تھے: (رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ) [هود: ۷۳]۔

(الكلمات التامة) اللہ تعالیٰ کے تمام کلمات تامہ ہیں، (الهامة) کہا گیا ہے کہ یہ مؤذیات ہیں، بعض نے ہامۃ میم مخفف کے ساتھ پڑھا ہے، اس سے مراد وہ حیوان جس کی خصوصیات میں سے ہے کہ جہاں بولے، ویرانی چھا جاتی ہے ایک قول ہے کہ مقتول کے سر سے ایک پرندہ نکلتا ہے جو کہتا رہتا ہے مجھے پلاؤ مجھے پلاؤ تا آنکہ اس کا قصاص لے لیا جائے، یہ سب ان کے معتقداتِ فاسدہ ہیں، (عين لامة) أي التي تُلِمُّ بك (آگے اردو میں لکھا ہے): جو بھٹکنے والی ہو۔

11باب قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ (وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ إِذْ دَخَلُوا عليه)

(حضرت ابراہیمؑ کے ہاں آنیوالے مہمان فرشتوں کا ذکر)

لا تَوْجَلْ :لا تَخَفْ. ﴿و إذ قال إبراهيم رب أرني كيف تحيِ الموتىٰ [البقرة: ۲۶۰]. اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ) اور انہیں ابراہیم کے پاس آنے والے مہمانوں کی بابت بتلائیں، دوسری جگہ فرمایا، ترجمہ: اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب دکھلا مجھے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کریگا؟ (ولكن ليطمئن قلبي) تک۔

(لا توجل لا تخف) اس باب میں اسی ایک کلمہ کی تفسیر پر اقتصار کیا، اسماعیل لکھتے ہیں دونوں آیتوں کو بلا کسی حدیث کے اس کے تحت نقل کیا ہے، تفسیرِ مذکور ابن ابی حاتم کے ہاں عکرمہ سے منقول ہے انہی نے سدی کے طریق سے حضرت ابراہیم کے ان مہمانوں کا قصہ تفصیل سے نقل کیا ہے، اس میں ہے کہ جب کھانا ان کے سامنے بڑھایا تو وہ کہنے لگے ہم تو قیمت دیکر ہی کھاتے ہیں حضرت ابراھیم بولے اس کی قیمت یہ ہے کہ آغاز میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ پڑھ دینا، یہ سنکر حضرت جبریل نے حضرت میکائیل کو دیکھ کر کہا بجا طور پر اللہ تعالیٰ نے انہیں مقامِ خلیلیت پر فائز کیا ہے، عثان بن محصن کے حوالے سے بیان کیا کہ چار فرشتے تھے، سابق الذکر یہی دو اور بقیہ دو حضرت اسرافیل اور رفائیل، نوح بن ابوشداد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے اپنے پروں سے اس بھنے ہوئے بچھڑے کو چھوا تو وہ زندہ ہو کر اندر اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔

(وإذ قال إبراهيم رب أرني الخ) ابوذر کے نسخہ میں یہ باب کے ساتھ ہی متصل ہے نسفی کے نسخہ میں یہ ترجمۃ الباب ساقط ہے تو ان کے ہاں حدیثِ ابی ہریرہ سابقہ باب کی آخری روایت ہے تو اس کے ساتھ اس کے تحت بیس روایات مکمل ہوتی ہیں۔

3372حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ نَحْنُ أَحَقُّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ (رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي) وَيَرْحَمُ اللَّهُ لُوطًا، لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ وَلَوْ لَبِثْتُ فِي

السِّجْنِ طُولَ مَا لَبِثَ يُوسُفُ لأَجَبْتُ الدَّاعِيَ .

أطرافه 3375، 3387، 4537، 4694، 6992

ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا ہم حضرت ابراہیم کی نسبت شک کے زیادہ حقدار ہیں جب انہوں نے اللہ سے کہا تھا کہ مجھے دکھلا کہ تو مُردوں کو کیونکر زندہ کریگا؟ فرمایا کیا تجھے یقین نہیں؟ کہا کیوں نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ اپنے آپکو مطمئن کروں! اور اللہ لوط پر رحم کرے کہ وہ رکنِ شدید کی پناہ چاہتے تھے اور اگر حضرت یوسف جتنا طویل عرصہ میں نے جیل میں گزارا ہوتا تو اس ایلچی کے ساتھ بادشاہ کے بلاوے پہ ضرور چلا جاتا۔

(عن أبي سلمة) طبری کی عمرو بن حارث عن یونس عن الزهری کے طریق سے بھی انہی دو کا ذکر ہے، یونس بن یزید نے بھی زہری سے روایت کرتے ہوئے یہی کہا لیکن مالک نے زہری سے (إن سعيد بن المسيب و أباعبيده أخبراه عن أبي هريرة) ذکر کیا ہے، ان کی یہ روایت آگے آرہی ہے ابوعوانہ کے ہاں ابواویس نے زہری سے مالک کی متابعت کی ہے، نسائی نے اسے ترجیح دی اور اس کی تخریج پہ اکتفاء کیا، امام بخاری نے دونوں طرق کو صحیح گردانتے ہوئے دونوں کی تخریج کی بقول ابن حجر یہی نظرِ صحیح ہے کیونکہ زہری صاحبِ حدیث ہیں اور وہ ان سب سے روایت میں معروف ہیں، تو ممکن ہے ان تینوں سے اسے اخذ کیا ہو پھر یہ مالک کی ان روایات میں سے ہے جو خارجِ مؤطا میں ہیں، مشہور یہ ہوا کہ جویریہ ان سے اس کی روایت میں منفرد ہیں، مگر یہ درست نہیں، سعید بن داؤد نے بھی مالک سے اس کی روایت کی ہے، یہ دارقطنی کی غرائب میں ہے۔

(نحن أحق بالشك الخ) بعض روایات میں شک کا لفظ ساقط ہے، سلف نے اس سے مراد میں اختلاف کیا ہے بعض نے ظاہری معنی پر محمول کیا اور کہا یہ قبل از نبوت تھا، طبری نے بھی ظاہر پر محمول کیا اور لکھا کہ اس کا سبب وسوسہِ شیطان مگر غیر مستقر ہے، ایمانِ ثابت کو متزلزل نہیں کرسکتا، اس تاویل میں ان کی استناد ان کی اور عبد کی، ابن ابی حاتم اور حاکم کی تخریج کردہ روایتِ ابن عباس سے ہے، جس میں وہ کہتے ہیں (أرجیٰ آيةٍ في القرآن: وإذ قال ابراهيم رَبِّ أرِنِيْ كيفَ الخ)۔ ابن عباس کہتے ہیں یہ وسوسہِ شیطان تھا لیکن اللہ تعالی ان کے جواب (بلیٰ) سے راضی ہوا، معمر عن قتادہ اور علی بن زید عن سعید بن میسّب کے طرق سے بھی ابن عباس سے یہی منقول ہے تو یہ ایک دوسرے کی باہم تقویت کرتے ہیں، عطاء بھی اسی طرف رجحان رکھتے ہیں۔ ابن ابی حاتم ابن جریج سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عطاء سے اس آیت کی بابت سوال کیا تو کہا حضرت ابراہیم کے دل میں وہ در آیا جو عموماً دلوں میں در آتا ہے (یعنی وسوسہ) تو یہ بات کہی۔ طبری قتادہ سے ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم جنگل میں جا رہے تھے کہ دیکھا ایک جانور کو کئی چرند و درند چیر پھاڑ رہے ہیں، ابن جریج کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ کہا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت ابراہیم نے ایک مردار گدھے کو دیکھا جسے چرند و درند کھا رہے تھے اس پر متعجب ہوئے اور کہا اے رب مجھے علم ہے تو اس کے اجزاء جمع کریگا لیکن دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ کس طرح ہوگا، طبری اور ابن ابی حاتم نے سدی سے یہ تاویل نقل کی ہے کہ جب ابراہیم مقامِ خلیلیت پہ فائز کئے گئے تو یہ خوشخبری لیکر حضرت عزرائیل ان کے پاس بھیجے گئے، وہاں مؤمن اور کافر کی روح قبض کرنے کی کیفیت کی بابت بات چل نکلی اس پر انہوں نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کی کہ اے اللہ مجھے دکھلا کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کریگا؟ تاکہ میں جان جاؤں کہ تیرا خلیل ہوں، ابن ابی حاتم نے ابوعوام عن ابی سعید کے طریق سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: (لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ بالخلة)۔ قیس بن مسلم عن سعید بن جبیر کے طریق

سے ہے(ليطمئن قلبي أني خليلك)۔ ضحاک عن ابن عباس سے منقول ہے: (لأعلم أنك تجيبني إذا دعوتُك) قاضی ابوبکر باقلانی بھی اسی تاویل کی طرف مائل ہیں، یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ جب نمرود نے کہا تھا: (ما ربك؟) تو جواب دیا تھا: (رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِ و يُمِيْت) تو بعد ازاں اللہ تعالیٰ سے درخواست گزار ہوئے کہ اِحیائے موتٰی کی کیفیت جاننا چاہتا ہوں تو یہ شک فی القدرت کا اظہار نہ تھا بس ایک اشتیاق تھا کہ اس بارے جان کر اطمینانِ قلبی حاصل کریں، اسے طبری نے ابن اسحاق سے نقل کیا ہے، ابن ابی حاتم نے حکم بن ابان عن عکرمہ کے طریق سے یہ معنی بیان کیا ہے تا کہ میرا دل مطمئن ہو کہ لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی احیائے موات پر قدرت تحقُق پذیر ہے، ایک قول ہے کہ اصل مقصد کہنے کا یہ تھا کہ مجھے بھی یہ قدرت عطا فرما تو تأدُّب فی السوال کا اسلوب اختیار کیا، ابن حصار لکھتے ہیں ان کا مقصد تھا کہ اللہ تعالیٰ (بطور مثال) ان کے ہاتھوں یہ کام کرائے اسی لئے ایسا ہی ہوا، ابن تین بعض مَن لاتحصیل عندہ (یعنی جو اتنے عالم نہیں) سے ناقل ہیں کہ (قلبی) سے ان کی مراد ایک ساتھی مردِ صالح تھا جس نے ان سے یہ جاننے کا تقاضہ کیا تھا، اس سے بھی ابعَد تفسیر صوفیہ کی ہے جو بقول قرطبی یہ ہے کہ دراصل یہ سوال دلوں کو زندہ کرنے سے متعلق تھا، بعض کہتے ہیں کہ ان کی مراد کثرتِ ادلہ سے طمانیتِ قلبی کا حصول تھا، بعض کہتے ہیں اصل مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سے بار بار ہم کلامی کا شرف حاصل ہو۔

سلف کے ہاں آنجناب کے فرمان: (نحن أحق بالشك الخ) کی مراد و تفسیر کی بابت بھی تعدُّدِ آراء ہے، ایک مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم یہ دیکھنے کے ابراہیم سے زیادہ مشتاق ہیں، ایک قول یہ ہے کہ جب ہمیں کوئی شک نہیں تو ابراہیم اولیٰ ہیں کہ (ان کی بابت کہا جائے کہ) انہیں کوئی شک لاحق نہ ہوا، یعنی اگر انبیاء کی طرف شک متطرِّف ہو سکتا ہوتا تو میں اَحق تھا کہ مجھے ہوتا، تو جب مجھے نہیں ہے تو انہیں بھی نہ تھا، دراصل یہ بات تواضعاً کہی تھی یا حضرت انس سے ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپکو یا خیر البریۃ کہہ کر مخاطَب کیا، آپ نے فرمایا: (ذاك ابراهيم)۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے کہا حضرت ابراہیم کو شک لاحق ہو گیا تھا جبکہ ہمارے نبی اس سے محفوظ ہیں، اس پر یہ فرمایا تو مقصود ان لوگوں کے اس خیال کی نفی ہے کہ حضرت ابراہیم کو شک لاحق ہو گیا تھا۔

ایک مفہوم یہ ذکر کیا گیا ہے کہ تم جسے شک سمجھ رہے ہیں (أنا أولیٰ به) یعنی یہ بات تو میں کہنے کا زیادہ حق دار ہوں کیونکہ یہ شک نہیں بلکہ مزید بیان کی طلب ہے (میرے خیال میں اس آخری تاویل کی رو سے اپنی ذات کریمہ کیلئے اولیٰ اس لئے کہا کہ آپ جانتے تھے کہ آپ کا مقام و مرتبہ اللہ کے ہاں حضرت ابراہیم سے زیادہ ہے تو اگر حضرت ابراہیم نے مقامِ خلیلیت پر فائز ہونے کے سبب۔ محاورہ کے مطابق۔ بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مذکورہ فرمائش کی ہے تو آپ کہہ رہے ہیں کہ میرا مقام تو ان سے بلند ہے تو میں زیادہ حقدار ہوں کہ اللہ سے اس قسم کی فرمائش کروں، اللہ اعلم)۔ بعض علمائے عربیت بیان کرتے ہیں کہ افعل کئی دفعہ دو چیزوں سے نفیِ معنی کیلئے مستعمل ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ: (أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ) [الدخان: ۳۷] میں ہے جسکا مفہوم ہے کہ دونوں میں خیر نہ تھی تو آپ کے اس جملہ کا مطلب ہو گا کہ ہم دونوں کو کوئی شک لاحق نہیں، ابن عطیہ لکھتے ہیں طبری نے اس آیت کے بارہ میں اپنی تفسیر میں لکھا کہ بعض حضرات کی رائے ہے کہ حضرت ابراہیم کو شک فی القدرت لاحق ہوا، اس بابت ابن عباس اور عطاء کے اثر ذکر کئے، ابن عطیہ کہتے ہیں میرے نزدیک ابن عباس کے قول کا مُحمل یہ ہے کہ (إنها أرجىٰ آية) کیونکہ اس میں اِدلال علی اللہ (ادلال لاڈ دکھلانے

اور اظہارِ بے تکلفی کو کہتے ہیں) اور دنیا میں سوالِ اِحیاء ہے جبکہ عطاء کے قول کہ ان کے دل میں وہ بعض در آیا جو لوگوں کے دلوں میں در آتا ہے، کا محمل طلبِ معاینہ ہے (یعنی یہ نہیں کہ اظہارِ شک کیا بلکہ اس شوق کا اظہار کیا کہ یہ کیفیتِ احیاء ملاحظہ کرنا چاہتے ہیں)، کہتے ہیں جہاں تک آنجناب کا فرمان ہے تو وہ نفیِ شک پر مبنی ہے اور شک سے مراد وہ خواطر جو غیر مستقر ہیں، اصطلاحی شک جس سے مراد کسی معاملہ میں تردُّد و توقُّف ہو، تو یہ حضرت خلیل سے منفی ہے کیونکہ کسی راسخ الایمان سے بھی اس کا صدور محال و بعید ہے چہ جائے کہ حضرت ابراھیم خلیل اللہ؟ پھر کیف کے ساتھ آیت میں سوال ہیئتِ اِحیاء کی بابت ہے نہ کہ نفسِ احیاء کی بابت (گویا شک تو تب ہوتا اگر نفسِ احیاء کی بابت سوال کرتے صرف اس احیاء کی کیفیت مشاہدہ کرنا چاہتے تھے) ابن جوزی لکھتے ہیں آنجناب حضرت ابراہیم سے احَق اسلئے ہوئے کہ آپ قوم کی طرف سے تکذیب و رَد اور امرِ بعثت سے انکار و تعجب کا مسلسل سامنا کر رہے تھے، تو آپکا مطلب یہ تھا کہ ان منکرینِ احیائے موتیٰ کے آپکے ساتھ معاملہ کے مدنظر اللہ کی آپکو عطاء کی گئی تفصیل کی معرفت کیلئے میں زیادہ حق رکھتا ہوں کہ ایسا سوال کروں۔

(أوَ لم تؤمن) استفہامِ تقریری ہے، اس کی توجیہہ یہ ہے کہ انہوں نے کیفیتِ احیاء کی معرفت کی طلب کی تو یہ تصدیق بالاِحیاء کا مُشعِر ہے۔ (بلیٰ الخ)۔ (یعنی احیائے موتیٰ کے اعتقاد سے انکار نہیں) مگر تاکہ زیادتِ سکون حاصل ہو، اس مشاہدہ کے ساتھ جو اعتقادِ قلب کے ساتھ مُنضَم ہو کہ تظاہُرِ ادلہ قلوب کیلئے زیادہ سکون کا باعث ہے، گویا کہنا یہ چاہتے ہیں کہ میں (احیائے موتیٰ کے عقیدہ کا) مصدِق تو ہوں لیکن مشاہدہ و معاینہ میں ایک لطفِ معنیٰ ہے، بقول عیاض تاکہ اس مشاہدہ سے انہیں علمِ اول (یعنی عقیدہِ بعث بعد الموت) کے ساتھ ساتھ علمِ ثانی (یعنی اس بعث کی کیفیت و ہیئت) بھی حاصل ہو، یہ بھی محتَمل ہے کہ زیادتِ یقین کیلئے یہ سوال کیا ہو، چونکہ علوم اپنی داخلی قوت میں باہم متفاوِت ہوتے ہیں تو آپکی مراد یہ تھی کہ علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی ہو۔

(و یرحم اللہ لوطا الخ) ترجمہ لوطؑ میں اس کی بحث ہوگی۔ (ولو لبثت الخ) یعنی حضرت یوسف کی طرح یہ اصرار نہ کرتا کہ پہلے میری براءت کا اظہار کیا جائے تو گویا انہیں موصوف بصبر بیان فرما رہے ہیں، آپکا یہ قول بھی تواضعاً ہے اور تواضع سے مرتبہ مُنحَط نہیں ہوتا بلکہ اور بلند ہو جاتا ہے، یہ رائے بھی ہے کہ اس قسم کے اقوال آپکے یہ جاننے سے قبل صادر ہوئے ہیں کہ آپ افضل الأولین والآخرین ہیں، اس بیان کا تکملہ قصہِ یوسفؑ میں ہوگا۔

علامہ انور (أو لَم تؤمن؟ الخ) کے تحت رقمطراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراھیم کو یہ کہنا مستشکل سمجھا گیا ہے، میں کہتا ہوں کلام کی کئی انواع ایسی ہیں جن سے نحاۃ نے تعرُض نہیں کیا، ان میں سے ایک وہ جس کیلئے محکی عنہ نہیں، نہ متکلِم کے نزدیک اور نہ مخاطَب کے، جیسے معاتبت، ملاطفت اور مطایبَت کی باتیں، مثلاً کوئی اپنے خادم سے کہے پتہ نہیں تجھے کیا ہے کہ ہر معاملہ میں میری نافرمانی کرتے ہو، حالانکہ اسے معلوم ہے کہ وہ اس کا مخلص و وفادار خادم ہے اور نہ ہی جملہ کا ظاہری مفہوم خادم کے ذہن میں ہوتا ہے تو عموماً برائے تہویل ایسی کلام کہی جاتی ہے (یعنی اسے وفاداری و اطاعت پر مزید پکا کرنے کی خاطر معاملہ کو گھمبیر بناتے ہوئے) تو یہ صرف بغرضِ تبکیت لفظی معارضہ ہے، کچھ اور نہیں اگر بلغاء کی کلام مدوّن کر لی جاتی تو بہت سارے اِشکالات ختم ہو جاتے، تو اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراھیم سے یہ کہنا بھی اسی قبیل سے ہے، اہل معانی نے اس قسم کی کلام کی بابت کچھ بحث کی ہے اسے جملہ خبریہ میں درج کرنا ممکن ہے مگر مقصود خبر نہیں بلکہ بلاغت کی اصطلاح کے مطابق، لازم فائدۃ الخبر ہے، تفتازانی نے المطول میں تصریح کی ہے کہ جملہ خبریہ کے (اِخبار کے علاوہ) کئی اور بھی فوائد ہیں مثلاً تحزُن اور تحَسُّر۔ اسے مسلم نے (الإیمان) اور ابن ماجہ نے (الفتن) میں نقل کیا ہے۔

12 باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ) (ذکرِ اسماعیلؑ)

کتاب الشھادات کے اواخر میں انہیں صادق الوعد کے لقب سے ذکر کرنے کی وجہ ذکر کی گئی تھی۔

3373حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ ؓ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى نَفَرٍ مِنْ أَسْلَمَ يَنْتَضِلُونَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ارْمُوا بَنِي إِسْمَاعِيلَ، فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا، وَأَنَا مَعَ بَنِي فُلاَنٍ قَالَ فَأَمْسَكَ أَحَدُ الْفَرِيقَيْنِ بِأَيْدِيهِمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا لَكُمْ لاَ تَرْمُونَ .فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ نَرْمِي وَأَنْتَ مَعَهُمْ قَالَ ارْمُوا وَأَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ طرفاه2899، 3507۔

کتاب الجھاد (توفیق جلد چہارم) میں اس کی شرح گزر چکی ہے۔ (مع ابن فلان) کشمیہنی کے نسخہ میں (بنی فلان) ہے، الجہاد کی روایت میں بھی یہی تھا، کہا گیا ہے کہ ابن کا لفظ صواب ہے کیونکہ حدیثِ ابی ہریرۃ میں ہے: (و أنامع ابن الأ درع)۔ الجہاد میں ان کا نام مذکور ہے۔

13باب قِصَّةِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمَا السَّلاَمُ (قصہِ اسحاقؑ)

فِيهِ ابْنُ عُمَرَ وَأَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

ابن اسحاق ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ہاجر کے حاملہ ہونے پہ حضرت سارہ رقابت کے جذبات کا شکار بنیں تو انہی دنوں انہیں بھی حضرت اسحاق کی بشارت ملی اور وہ امید سے ہوگئیں، ایک ہی وقت میں وضعِ حمل ہوا اور دونوں نے اکھٹے شیر خواری کا زمانہ گزارا۔ ابن حجر لکھتے ہیں بعض اہل کتاب سے منقول ہے کہ حضرت اسحاق حضرت اسماعیل کے تیرہ برس بعد پیدا ہوئے تھے، بقول ان کے اول اولیٰ ہے۔

(فيه ابن عمر وأبو هرير ة الخ) ابن عمر کی شائد اس روایت کی طرف اشارہ ہے جو آگے حضرت یوسف کے ذکر میں آرہی ہے جبکہ حدیثِ ابی ہریرہ اگلے باب میں مذکور ہے، ابن تین سے غرابت کا مظاہرہ ہوا جب لکھ بیٹھے کہ امام بخاری کو اس کی سند نہ مل سکی تو مرسلاً ذکر کر دیا، یہ ایسے شخص کی کلام ہے جو بخاری کے مقاصد کی فہم نہیں کر سکا کیونکہ ان کی یہ بات اس امر کو مستلزم ہے کہ بخاری نے اپنی کتاب میں ایسی روایات بھی نقل کی ہیں جن کی اسانید کا انہیں علم نہ تھا، جبکہ بخاری کی یہ عادت و منہج نہیں، کرمانی بھی اسی غلط فہمی کا شکار بنے، انہوں نے لکھا کہ ابو ہریرہ کی روایت اپنی شرط پر نہ ہونے کی وجہ سے موصولاً نہیں، مرسلاً ذکر کی ہے۔

14 باب (أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ) (حضرت یعقوب کی جانکنی کا عالم) إِلَى قَوْلِهِ (وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ)

3374حَدَّثَنَا إِسُحَاقُ بُنُ إِبُرَاهِيمَ سَمِعَ الُمُعُتَمِرَ عَنُ عُبَيُدِ اللَّهِ عَنُ سَعِيدِ بُنِ أَبِى سَعِيدٍ الُمَقُبُرِيِّ عَنُ أَبِى هُرَيُرَةَ ؓ قَالَ قِيلَ لِلنَّبِيِّ ﷺ مَنُ أَكُرَمُ النَّاسِ قَالَ أَكُرَمُهُمُ أَتُقَاهُمُ .قَالُوا يَا نَبِيَّ اللَّهِ، لَيُسَ عَنُ هَذَا نَسُأَلُكَ قَالَ فَأَكُرَمُ النَّاسِ يُوسُفُ نَبِيُّ اللَّهِ ابُنُ نَبِيِّ اللَّهِ ابُنِ نَبِيِّ اللَّهِ ابُنِ خَلِيلِ اللَّهِ .قَالُوا لَيُسَ عَنُ هَذَا نَسُأَلُكَ .قَالَ فَعَنُ مَعَادِنِ الُعَرَبِ تَسُأَلُونِى .قَالُوا نَعَمُ .قَالَ فَخِيَارُكُمُ فِى الُجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمُ فِى الإِسُلاَمِ إِذَا فَقِهُوا .أطرافه 3353، 3383، 4689،3490

(اسی جلد میں سابقہ نمبر دیکھئے)۔ ترجمہ کے ساتھ اس کی مناسبت حدیث کی آیتِ مذکورہ کے ساتھ موافقت کی جہت سے ہے کہ اس میں حضرت یوسف کا نسب نامہ مذکور ہے اور آیت اس مفہوم کو متضمن ہے کہ حضرت یعقوب بوقتِ وفات اپنی اولاد سے مخاطِب ہوئے اور ثبات علی الاِسلام کی نصیحت کی اور جواباً اولاد نے کہا کہ ہم آپکے اور آپکے آباء ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے اللہ ہی کی عبادت کرینگے اور حضرت یوسف بھی انہی حضرت یعقوب کے فرزند ہیں۔ (سمع المتعمر) ابن حجر کہتے ہیں اصل کلام (أنه سمع الخ) ہے، عموماً اسانید میں خطأً اسے محذوف کر دیا جاتا ہے جیسے (قال) کا بھی، کہتے ہیں لفظاً اسکا ثبوت ضروری ہے۔

(لیس عن هذا الخ) آنجناب کا پہلا جواب اعمالِ صالحہ کے شرف کی جہت سے تھا جبکہ دوسرا صالح نسب کے شرف کی جہت سے۔ (أ فعن معادن العرب) یعنی ان کے اصول (یعنی ان کی بنیاد اور اصل نسب) جن کی طرف وہ منسوب ہیں اور اس نسبت پہ متفاخر ہیں، انہیں معادن قرار دیا کیونکہ یہ متفاوت الاستعداد ہوتی ہیں یا ان کے اوعیۃ الشرف (اوعیہ، وعاء کی جمع یعنی ظرف اور برتن) ہونے کے سبب انہیں معادن سے تشبیہ دی کیونکہ وہ بھی اوعیۃ الجواھر ہیں۔

(فخیار کم الخ) محتمل ہے کہ خیر کی جمع مراد ہو یا اسم تفضیل، واحد میں خیر اور اَخیَر کہا جاتا ہے، تو افضل وہ جو شرف فی الجاہلیت اور شرفِ اسلام کا جامع ہو، جاہلیت میں ان کیلئے باعثِ شرف یہ تھا کہ وہ خصالِ محمودہ از قسم، نرمیِ طبع اور ان آباء و اجداد کی طرف انتساب میں افتخار جو اس کے ساتھ منصف تھے، پھر شرفِ اسلام یہ ہے کہ ان خصال کے ساتھ متصف ہوں جو شرعاً محمودہ ہیں، پھر مرتبہ و مقام میں بلندی دین میں تفقُہ کے لحاظ سے ہوتی ہے، اس کے بالمقابل وہ جو زمانۂ جاہلیت میں بھی مشروف تھے اور اسلام میں بھی آ کر مشروف رہے (یعنی تفقہ حاصل کر کے اپنے شرف میں اضافہ نہ کر سکے) تو یہ ادنیٰ ترین مرتبہ ہے، تیسری قسم ان اشخاص کی بنی جو جاہلیت میں تو مشروف تھے لیکن اسلام میں عالم وفقیہ ہونے کے سبب مشرَّف بنے اور چوتھی قسم ایسے افراد کی جو جاہلیت میں تو شریف تھے مگر اسلام میں داخل ہو کر مشروف رہے (یعنی دین کے علم وفقہ کے حصول کی سعی نہ کی)۔

15باب (حضرت لوط کا تذکرہ)

(وَلُوطًا إِذُ قَالَ لِقَوُمِهِ أَتَأْتُونَ الُفَاحِشَةَ وَأَنُتُمُ تُبُصِرُونَ *أَئِنَّكُمُ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهُوَةً مِنُ دُونِ النِّسَاءِ بَلُ أَنُتُمُ قَوُمٌ تَجُهَلُونَ *فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوُمِهِ إِلَّا أَنُ قَالُوا أَخُرِجُوا آلَ لُوطٍ مِنُ قَرُيَتِكُمُ إِنَّهُمُ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ *فَأَنُجَيُنَاهُ وَأَهُلَهُ

إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ *وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ). اللہ تعالی فرماتا ہے: (ترجمہ) اورلوط نے جب اپنی قوم سے کہا کیا تم دیکھتے بھالتے بے حیائی کو آتے ہو؟ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت بجھاتے ہو، تم تو بہت ہی جاہل ہو اس پر ان کی قوم کا یہی جواب تھا کہ آل لوط کو اپنی بستی سے نکال دو، یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں پس ہم نے اسے اور اس کے اہل کو ماسوا ان کی بیوی کے، نجات دی اس کی بابت ہمارا فیصلہ تھا کہ عذاب پانے والوں میں سے ہے پھر ان پر ہم نے پتھروں کی بارش برسائی پس ان ڈرائے ہوئے لوگوں پر یہ عذاب بڑا ہی سخت تھا۔

حضرت لوط کا نسب نامہ یہ ذکر کیا گیا ہے: لوط بن ھاران بن تارخ، حضرت ابراہیم کے بھتیجے تھے، الأعراف، ھود، الشعراء، النمل اور الصافات وغیرہ متعدد سورتوں میں ان کا قصہ مذکور ہے، حاصلِ قصہ یہ ہے کہ ان کی قوم نے مذکر سے وطی کی ابتداع کی، حضرت لوط نے انہیں توحید کی دعوت دی اور یہ کہ اس بے حیائی سے باز آجائیں لیکن وہ اس پر مصر و قائم رہے، کوئی ایک بھی ان پہ ایمان نہ لایا، ان کے مدائن سدوم کہلاتے تھے، شام کے ملک میں تھے، آخر اللہ تعالی نے جب ان کی ہلاکت کا فیصلہ کر لیا تو ان فرشتوں کو بھیجا جو اولاً حضرت ابراہیم کے مہمان بنے تھے پھر حضرت لوطؑ کے پاس آئے تو حضرت جبرئیل نے ان کے شہروں کو مقلوب کر دیا قبل ازیں حضرت لوط اپنے اہل بیت کے ساتھ وہاں سے نکل چکے تھے سوائے ان کی بیوی کے جو بوجہ عدم ایمان اس عذاب کا شکار بنی۔

3375حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَغْفِرُ اللَّهُ لِلُوطٍ إِنْ كَانَ لَيَأْوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ .طرفه 3372، 3387، 4537، 4694، 6992۔ (سابقہ نمبر)

شعیب سے مراد ابن ابی حمزہ ہیں۔ (ليأ وى إلى ر كن شديد) یعنی اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف، آنجناب ان کے اس قول کی طرف اشارہ فرماتے ہیں: (لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ) کہا جاتا ہے کہ ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو ان کا ہم نسب ہوتا کیونکہ وہ شامی جبکہ حضرت ابراہیم اور لوطؑ عراق سے ہجرت کر کے آئے تھے تو اسلئے آپ کی زبان سے نکلا کاش میرا بھی قبیلہ وعشیرہ یہاں ہوتا جو میری مدد کرتا، احمد کی محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ کے طریق سے روایت میں ہے کہ حضرت لوط نے کہا: (أو آوی الخ) آگے فرمایا: (فإنه كان يأوى إلى ر كن شديدو لكنه عنىٰ عشيرته فمابعث اللهُ نبياً إلا بِن ذروةِ بِن قومه) یعنی وہ ایک معزز قبیلہ کے ہی کے فرد تھے کیونکہ اللہ نے ہر نبی کو قوم کے اعلی ترین خاندان میں ہی پیدا کیا ہے، (ألم تر إلى قول شعيب : ولولا رَهطُكَ لَرَجَمْناكَ) [هود: ۹۱]۔ یعنی حضرت شعیب کو ان کی قوم نے کہا تھا اگر تمہارا اعلیٰ خاندان نہ ہوتا تو ہم تجھے مار ڈالتے۔

ایک قول کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ (لقد كان يأوى إلى ر كن شديد) سے مراد ان کا قبیلہ ہے لیکن وہ ان کی اِواء کرنے کی بجائے اللہ کی پناہ کے طالب تھے بقول ابن حجر اول اظہر ہے، بغوی کہتے ہیں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس فوری مصیبت کے سبب مندہش ہو کر یہ بات کہی اور باطن میں اللہ ہی کی طرف ملتجی تھے صرف ان مہمانوں (جن کی حقیقت سے اس وقت تک باخبر نہ تھے) کے سامنے اعتذاراً یہ بات کی، عشیرہ کو رکن کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ اس کا سہارا لیا جاتا ہے اسی طرح مشکل وقت میں اپنا قبیلہ بھی سہارا بنتا ہے۔

16باب (فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَقَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُنكَرُونَ)

(جب فرشتے حضرت لوط کے پاس آئے)

(بِرُكْنِهِ) بِمَنْ مَعَهُ لَأَنَّهُمْ قُوَّتُهُ (تَرْكَنُوا) تَمِيلُوا فَأَنْكَرَهُمْ وَنَكِرَهُمْ وَاسْتَنْكَرَهُمْ وَاحِدٌ (يُهْرَعُونَ) يُسْرِعُونَ، دَابِرٌ آخِرٌ .صَيْحَةٌ هَلَكَةٌ (لِلْمُتَوَسِّمِينَ) لِلنَّاظِرِينَ .(لَبِسَبِيلٍ) لَبِطَرِيقٍ. اللہ تعالی کا فرمان ہے:(ترجمہ) پس جب آل لوط کے ہاں بھیجے گئے (فرشتے) آئے تو وہ کہنے لگے تم اجنبی معلوم پڑتے ہو، (بر کنہ) یعنی جو ان کے ساتھ تھے جو ان کے لئے باعثِ قوت تھے (تر کنوا) یعنی مائل ہوجاؤ، أنکر، نکر اور استنکر، ہم معنی ہیں۔(یہرعون) یعنی سرعت سے آئے۔ (دابر) یعنی آخر(صیحة) یعنی ہلاکت۔(للمتوسمین) یعنی دیکھنے والوں کیلئے۔

(بر کنه الخ) یہ فراء کی تفسیر ہے،امام بخاری کا برکنہ کا لفظ اس قصہِ لوط میں ذکر کرنا بقول ابن حجر وہم ہے،یہ دراصل حضرت موسی وفرعون کے قصہ کے ضمن میں مذکور ہے،اسکا سبب یہ بنا کہ سورۃ الذاریات میں مذکور قصہِ حضرت لوط کے فوراً بعد حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا قصہ ذکر کیا،اس ضمن میں کہا: (وفی موسیٰ إذْ أرْسَلْنا إلیٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطانٍ مُبِینٍ فَتَوَلّیٰ بِرُکْنِہِ)۔ (میرے خیال میں یہ وہم نہیں بلکہ ان کا مقصود یہ تھا کہ۔ رکنہ۔ کی بابت فراء کی تفسیر نقل کریں، چونکہ قصہِ لوطؑ میں بھی یہ لفظ مستعمل تھا،تو یہ تفسیر اس سے بھی متعلقہ ہے تو گویا اصل مقصود۔بر کنہ۔ کا لفظ نہیں بلکہ اس کی بابت کی گئی فراء کی تفسیر ہے)۔

ابن حجر مزید لکھتے ہیں یا وہم نہیں بلکہ استطر اداً اس کا ذکر کیا کیونکہ قصہِ لوطؑ میں بھی رکن کا لفظ مستعمل ہے۔ (تر کنو تمیلوا) سورہِ ھود کی آیت: (ولا تَرْكَنُوا إلَى الذينَ ظَلَمُوا) [۱۱۳] کی تفسیر میں ابو عبیدہ کا قول ہے،ابن حجر لکھتے ہیں یہ آیت اصلاً قصہِ لوط سے متعلق ہے ہی نہیں،تو اب میرے لیے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ دراصل مادہِ رکن کی تشریح وتفسیر میں کئے گئے مختلف اقوال پیش کرنا مقصود ہے (اللہ ابن حجر پر رحم کرے پہلی کہی ہوئی بات کو بھی کتاب میں برقرار رکھا اور بعد میں ذہن میں آئی ہوئی اس توجیہہ کا بھی ذکر کر دیا، کئی دیگر مقامات میں بھی ان کا یہی صنیع رہا ہے،تو یہ ان کی امانت علمی پر دال ہے)۔

(فأنکرھم و نکرھم الخ) ابو عبید لکھتے ہیں نَکِرَ اور أنْکَرَ اور اسْتَنْکَرَ، ہم معنی ہیں، حضرت ابراہیم کا یہ انکار، انکارِ حضرت لوط سے مختلف ہے، ابراہیم نے ان کے کھانا نہ تناول کرنے کو امرِ مستنکَر سمجھا (یعنی ان کا یہ پرہیز برا لگا) جبکہ حضرت لوط کو ان کی یہ بے پرواہی کہ قوم بری نیت سے گھیرے میں لئے ہوئے ہے، بری لگی۔(یھرعون الخ) ابو عبید اس کی تفسیر میں (یستحثون) کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں، یعنی دوسروں کو بھی ادھر چلنے کا کہا۔

(دابر آخر) یہ بھی کلامِ ابی عبید ہے۔(صیحة ھلکة) اس آیت کی تفسیر ہے: (إنْ كانَتْ إلَّا صَيْحَةً واحِدَةً) [یس : ۲۹] بقول ابن حجر یہاں اس کا ذکر کرنے کی وجہ واضح نہیں، شائد قصہِ لوط کے ضمن کی آیات میں بھی صیحۃ کا لفظ مذکور ہے: (فأخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ) [الحجر: ۷۳]، (یقیناً یہی وجہ ہے)۔

(للمتوسِّمِین الخ) فراء المتفکرین کا لفظ اس کی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں،ابو عبیدہ (المتبصرین المتثبتین) کے ساتھ اس کی تفسیر کرتے ہیں۔(لبسبیل الخ) یہ ابو عبیدہ کی تفسیر ہے (إنھا) کی ضمیر قومِ لوط کے مدائن کی طرف راجع ہے۔

3376 حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ (فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ).

أطرافه 3341، 3345، 4869، 4870، 4871، 4872، 4873، 4874

یعنی نبی پاک نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

شیخ بخاری ابن غیلان ہیں، سفیان سے مراد ثوری ہیں جو ابواسحاق سبیعی سے راوی ہیں، اسکی مفصل شرح تفسیر سورۃ القمر میں آئیگی، ابن حجر یہاں تنبیہ کے عنوان سے وضاحت کرتے ہیں کہ مصنف نے اس باب کے بعد قصہ ثمود وحضرت صالح نقل کیا تھا لیکن میں نے اسے قصہ عاد وحضرت ھود کے بعد کر دیا ہے، کہتے ہیں یہاں اس کے ایراد کا سبب یہ تھا کہ جب سورۃ الحجر کے کئی الفاظ کی تفسیر وارد کی، قصہ لوط کے ضمن میں تو ان آیات کے آخر میں تھا: (ولقد كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِين) اصحاب حجر سے مراد قومِ ثمود ہے، درمیان میں مختصراً اصحابِ ایکہ کا ذکر ہے تو اس وجہ سے حضرت صالح سے متعلقہ ترجمۃ الباب یہاں لائے تھے لیکن میں نے مشار الیہ جگہ پر نقل کیا اور وہاں اعتذار بھی بیان کیا ہے۔

17 باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا) (حضرت صالح کا ذکر)

(كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ) مَوْضِعُ ثَمُودَ، وَأَمَّا (حَرْثٌ حِجْرٌ) حَرَامٌ، وَكُلُّ مَمْنُوعٍ فَهُوَ حِجْرٌ مَحْجُورٌ، وَالْحِجْرُ كُلُّ بِنَاءٍ بَنَيْتَهُ، وَمَا حَجَرْتَ عَلَيْهِ مِنَ الْأَرْضِ فَهُوَ حِجْرٌ وَمِنْهُ سُمِّيَ حَطِيمُ الْبَيْتِ حِجْرًا، كَأَنَّهُ مُشْتَقٌّ مِنْ مَحْطُومٍ، مِثْلُ قَتِيلٍ مِنْ مَقْتُولٍ وَيُقَالُ لِلْأُنْثَى مِنَ الْخَيْلِ الْحِجْرُ وَيُقَالُ لِلْعَقْلِ حِجْرٌ وَحِجًى وَأَمَّا حَجْرُ الْيَمَامَةِ فَهُوَ مَنْزِلٌ. اللہ کا فرمان، ترجمہ: اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو مبعوث کیا، دوسری آیت میں ہے کہ اصحابِ حجر نے تکذیب کی، حجر قومِ ثمود کا مسکن تھا، ہر حرام وممنوع شیٔ کو حجر کہتے ہیں، اسی سے (حجر محجور) ہے، یعنی عمارت اور جس زمین کو باڑ وغیرہ کے ساتھ گھیر دیا جائے، اسی سے حطیمِ کعبہ کو حجر کہا گیا گویا یہ محطوم (یعنی ٹوٹا ہوا) سے مشتق ہے، جیسے قتیل بمعنی مقتول ہے، گھوڑی کو بھی حجر کہا جاتا ہے، اسی طرح عقل کو حجر اور حجیٰ کہتے ہیں، حجر الیمامہ ایک جگہ کا نام ہے۔

حضرت صالحؑ کا نسب نامہ یہ ہے: (صالح بن عبید بن اسیف بن ماشخ بن عبید بن حاجر بن ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح)۔ مقامِ حجر جو ان کا مسکن تھا، تبوک وحجاز کے مابین ہے۔ (أما حرث حجر) یہ ابوعبیدہ کی تفسیر ہے، آیت (هذِهِ أنعامٌ وحَرث حجر) کی بابت۔ (وكل ممنوع الخ) یہ بھی انہی کا قول ہے، (ويقولون حجراً محجوراً) کی تفسیر میں ای (حراما محرما)۔ (والحجر كل بناء الخ) ابوعبیدہ کہتے ہیں حرام سے ہی اخذ کرتے ہوئے (حجر الكعبة) کا نام پڑا، دوسروں کے نزدیک حطیم نام اس لئے پڑا کہ بیت (کعبہ) سے وہ مُخرَج ومتروک ہوا، ایک رائے ہے کہ حطیم وہ حصہ ہے جو رکن وبابِ کعبہ کے درمیان ہے وہاں لوگوں کے ازدحام کی وجہ سے یہ نام دیا گیا (كأنه مشتق الخ) یہ اکثریت کی رائے پر مبنی ہے، ایک قول یہ ہے کہ عرب وہاں اپنے طواف والے لباس رکھ چھوڑتے تھے حتی کہ مرورِ ایام سے (تتحطم وتفسد) پھٹے پرانے ہوجاتے، یہ اس کی وجہِ تسمیہ ہے، آگے یہ ابن عباس کے حوالے سے بھی مذکور ہوگا، اس پر فعیل بمعنی فاعل ہے، ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ پہلے کعبہ کا حصہ تھا کسی

وجہ سے اس سے خارج کردیا گیا اس سے یہ نام پڑا تو اس معنی کے لحاظ سے یہ فعیل بمعنی مفعول ہے، مشتق کا یہاں استعمال بطور معروف اصطلاح کے نہیں۔

(ويقال للأنثى الخ) یہ بھی قولِ ابی عبیدہ ہے، قول اللہ تعالی (لِذِیْ حِجْر) [الفجر : ۵] کی تفسیر میں۔ (وأما حجر اليمامة الخ) اس کا ذکر استطر اداً کیا ہے وگرنہ یہ حاء کی زبر کے ساتھ ہے، یمامہ کا ایک قصبہ ہے جو حجاز اور یمن کے مابین ایک مشہور شہر ہے۔

اس بابت علامہ انور لکھتے ہیں کہ ثمود بقایا قومِ عاد تھے اسی لئے عاد الأولٰی اور عاد الثانیۃ کی اصطلاحیں ہیں، بالاتفاق ان کا زمانہ حضرت ابراھیم سے قبل کا ہے پھر علم نہیں امام بخاری نے کیوں ان کا ذکر حضرت ابراہیم کے بعد کیا۔

3377حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنَ زَمْعَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ .وَذَكَرَ الَّذِى عَقَرَ النَّاقَةَ قَالَ انْتَدَبَ لَهَا رَجُلٌ ذُو عِزٍّ وَمَنَعَةٍ فِي قُوَّةٍ كَأَبِي زَمْعَةَ .أطرافه 4942، 5204، 6042

عبداللہ بن زمعہ راوی ہیں کہ میں نے نبی پاک سے سنا۔ اس شخص کا ذکر کرتے ہوئے جس نے حضرت صالح کو بطور معجزہ دی گئی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تھیں۔ فرمایا اس کام کیلئے قوم کا ایک معزز اور زبردست آدمی، جیسے ابو زمعہ ہے۔ آگے آیا۔

سفیان سے مراد ابن عیینہ ہیں۔ (كأبي زمعة) یہ اسود بن عبدالمطلب ہیں، التفسیر میں اس کا بیان آئیگا جہاں یہ روایت مطولاً نقل کی گئی ہے، عبداللہ بن زمعۃ کی بخاری میں صرف یہی ایک روایت ہے جسے تین احادیث میں مفرق کر کے نقل کیا ہے، النکاح وغیرہ میں آئیگی، عاقرِ ناقہ کا نام قدار بن سالفہ تھا، ابن اسحاق نے المبتدأ اور بعض دیگر نے بھی، اونٹنی کے عقر کا یہ سبب ذکر کیا ہے کہ انہوں نے حضرت صالح سے یہ معجزہ طلب کیا تھا تو اللہ تعالی نے ان کی ذکر کردہ صفات سے متصف ایک اونٹنی چٹان سے نمودار کر دی جس کے نتیجہ میں کچھ لوگ ایمان بھی لے آئے اس امر پر سب ہی متفق تھے کہ اونٹنی کو چرنے پھرنے کی مکمل آزادی دیجائے اور اسے چھیڑا نہ جائے، ہوا یہ کہ اونٹنی ایک دن چھوڑ کر کنویں پر آتی اور اس دن کا سارا پانی پی لیتی انہین اس دن کی اپنی ضروریات کل تک موخر کرنا پڑتیں آخر اس کا قصہ تمام کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اس مہم کیلئے دو افراد کا تقرر کیا جن میں قدار مذکور تھا، عقر کرنے کا کام اسی نے انجام دیا، جب حضرت صالح کو اس کی خبر ملی تو انہیں بتلا دیا کہ اب تین دن بعد عذاب آجائے گا، تو ایسے ہی ہوا۔ احمد اور ابن ابی حاتم نے حضرت جابر سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اونٹنی اپنی باری کے دن کنویں کا تمام پانی پی جاتی لیکن وہ لوگ اس پانی کے بقدر ہی اس سے دودھ پاتے تھے، البتہ اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش ہیں جن کی غیر شامیوں سے روایت ضعیف ہے اور یہ انہی میں سے ہے۔

اسے مسلم نے (صفة النار) ترمذی اور نسائی نے (التفسير) جبکہ ابن ماجہ نے (النكاح) میں نقل کیا ہے۔

3378حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِسْكِينٍ أَبُو الْحَسَنِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ بْنِ حَيَّانَ أَبُو زَكَرِيَّاءَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمَّا نَزَلَ الْحِجْرَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ أَمَرَهُمْ أَنْ لَا يَشْرَبُوا مِنْ بِئْرِهَا، وَلَا يَسْتَقُوا مِنْهَا فَقَالُوا قَدْ عَجَنَّا مِنْهَا،

وَاسْتَقَيْنَا .فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَطْرَحُوا ذَلِكَ الْعَجِينَ وَيُهَرِيقُوا ذَلِكَ الْمَاءَ .وَيُرْوَى عَنْ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ وَأَبِى الشُّمُوسِ أَنَّ النَّبِىَّ ﷺ أَمَرَ بِإِلْقَاءِ الطَّعَامِ .وَقَالَ أَبُو ذَرٍّ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ مَنِ اعْتَجَنَ بِمَائِهِ .طرفه 3379

ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی پاک جب غزوۂ تبوک کو جاتے ہوئے مقامِ حجر سے گزرے تو لوگوں کا حکم دیا کہ اس کے کنویں سے پانی نہ لیں لوگوں نے کہا ہم نے اس کے پانی سے آٹا گوندھ لیا ہے؟ فرمایا اسے پھنک دو اور جو پانی لیا ہے اسے بہادو۔

سلیمان سے مراد ابن بلال ہیں۔ (ویروی عن سبرة) حدیثِ سبرة احمد اور طبرانی نے موصول کی ہے، ان کا بخاری میں صرف اسی جگہ ذکر ہے، ابو الشموس کی روایت بخاری نے الأدب المفرد میں موصول کی ہے، طبرانی اور ابن مندہ نے بھی سلیم بن مطیر عن ابیہ عنہ کے طریق سے تخریج کیا ہے۔ (وقال ابوذر الخ) اسے بزار نے عبداللہ بن قدامہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے اس میں اس وادی کے لئے ملعون کا لفظ استعمال کیا ہے، کہتے ہیں میں اس روایت کو صرف اسی طریق سے ہی جانتا ہوں۔

3379 حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّاسَ نَزَلُوا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَرْضَ ثَمُودَ الْحِجْرَ، فَاسْتَقَوْا مِنْ بِئْرِهَا، وَاعْتَجَنُوا بِهِ، فَأَمَرَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُهَرِيقُوا مَا اسْتَقَوْا مِنْ بِئْرِهَا، وَأَنْ يَعْلِفُوا الإِبِلَ الْعَجِينَ، وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَسْتَقُوا مِنَ الْبِئْرِ الَّتِى كَانَ تَرِدُهَا النَّاقَةُ .تَابَعَهُ أُسَامَةُ عَنْ نَافِعٍ .طرفه 3378۔ (سابقہ)

اس روایت میں سابقہ سے زیادت ہے یعنی اس کنویں کا ذکر جس سے اونٹنی پانی پیتی تھی، ابن حجر لکھتے ہیں ہمارے شیخ امام بلقینی سے سوال کیا گیا کہ کیسے پتہ چلا کہ یہ وہی کنواں ہے؟ کہا: (بالتواتر)۔ (یعنی سینہ بسینہ متواتر معلومات سے) کیونکہ اس ضمن میں اسلام کی شرط نہیں ہے ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں ظاہر امر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ بذریعہ وحی مطلع کئے گئے، شیخ کی مذکورہ کلام بعد والوں کے لئے اس کے علم پر محمول کی جائیگی، بیارِ ثمود پر قیاس کرتے ہوئے ان تمام اقوام کے کنووں اور چشموں سے استفادہ کو مکروہ کہا جا سکتا ہے جنہیں انکے کفر کے سبب اللہ تعالی نے عذاب دیا، اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی؟ پھر اگر تحریمی ہے تو آیا اس پانی سے تطہُر صحیح ہوگا (یعنی وضوء و غسل کرنا) اس ضمن کے اکثر مباحث کتاب الصلاۃ کے باب (الصلاۃ فی مواضع الخسف والعذاب) میں بیان ہو چکے ہیں۔ (تابعه أسامة) یعنی ابن زید لیثی، (عن نافع) یعنی نافع عن ابن عمر سے، بقول ابن حجر یہ طریق ہم نے حدیثِ حرملة عن ابن وہب سے موصولاً روایت کیا ہے۔ مسلم نے بھی اسے تخریج کیا ہے۔

3380 حَدَّثَنِى مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِىِّ قَالَ أَخْبَرَنِى سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِىَّ ﷺ لَمَّا مَرَّ بِالْحِجْرِ قَالَ لَا تَدْخُلُوا مَسَاكِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ، أَنْ يُصِيبَكُمْ مَا أَصَابَهُمْ .ثُمَّ تَقَنَّعَ بِرِدَائِهِ، وَهُوَ عَلَى الرَّحْلِ .أطرافه 433، 3381، 4419، 4420، 4702

ابن عمر سے مروی ہے کہ جب آنجناب کا مقامِ حجر سے گزر ہوا تو فرمایا ان ظالم لوگوں کے مساکن میں داخل نہ ہوں مگر روتے ہوئے کہ کہیں ان جیسا سلوک تمہارے ساتھ نہ ہو جائے پھر آپ نے چادر سے چہرہ مبارک ڈھانپ لیا اور سوار رہے۔

شیخِ بخاری جو کہ ابن مقاتل ہیں، عبداللہ بن مبارک سے راوی ہیں۔ (الذين ظلموا) کشمیہنی کے نسخہ میں (أنفسهم) بھی ہے، یہ سبب اگرچہ ثمود کی بابت وارد ہے لیکن ان سب اقوام کے مساکن مراد ہیں جو ان کی طرح ہیں۔ اسے نسائی نے بھی (التفسير) میں نقل کیا ہے۔

3381حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ حَدَّثَنَا وَهْبٌ حَدَّثَنَا أَبِي سَمِعْتُ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَدْخُلُوا مَسَاكِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ، أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَهُمْ۔ أطرافه 433، 3380، 4419، 4420، 4702۔ (ایضا)

شیخِ بخاری مسندی ہیں، علاوہ ازیں وہب بن جریر اور یونس بن یزید ایلی بھی سند کے رواۃ ہیں۔ (باكين) تمام نسخوں میں یہی ہے البتہ ابن تین مدعی ہیں کہ قابسی کی روایتِ صحیح بخاری میں (باكيين) ہے، وہ اسے غیر صحیح قرار دیتے ہیں کیونکہ یائے اولی مکسور فی الأصل ہے، کسرہ مثقل ہوا اور التقائے ساکنین کی وجہ سے ایک یاء حذف کر دی گئی۔ (أن يصيبكم) یعنی (خشية أن الخ) کوفیوں کے ہاں تقدیرِ کلام یہ ہے: (لئلا يصيبكم)، اول کی تائید احمد کی روایت سے ملتی ہے جس کی عبارت ہے: (إلا أن تكونوا۔ خشية أن) احمد اور حاکم نے باسنادِ حسن حضرت جابر سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ جب آنجناب کا مقام حجر سے گزر ہوا تو فرمایا تم آیات (معجزات) نہ مانگنا، قوم صالح نے اس کی طلب کی تھی تو اونٹنی عطا کی گئی تھی جو اس فج سے آتی اور اس فج سے جاتی تھی، وہ ایک دن آ کر پانی پیتی یہ اس دن اس کا دودھ دوھ لیتے آخر ایک دن اس کی کھونچیں کاٹ ڈالیں تو ایک خوفناک چیخ نے آلیا جس سے ادیمِ آسمان تلے ان کے تمام افراد ہلاک کر دئے گئے سوائے ایک شخص کے جو اس وقت حرم میں تھا یعنی ابو رغال، جب حرم سے باہر نکلا تو یہ بھی اپنی قوم کی طرح اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ عبدالرزاق نے معمر عن الزہری کے حوالے سے نقل کیا، کہتے ہیں ابو رغال ثقیف کا جدِ امجد ہے۔

آخرِ بحث ابن حجر تنبیہ کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ یہ باب بخاری کے اکثر نسخوں مین یہاں سے چند ابواب کے بعد ہے مگر اس کا یہاں ہونا ہی درست ہے، اس کی تائید ابوالولید باجی کے ابوذر ہروی سے اس منقولہ بیان سے ملتی ہے کہ بخاری کا اصل مسودہ غیر محبوک (یعنی غیر مجلد) اوراق تھے کئی دفعہ میں کوئی ورق اپنی جگہ سے ہٹا ہوا پاتا تو اسی کے مطابق کتابت کر لیتا اسی وجہ سے بعض تراجم کی ترتیب کی بابت اشکال لاحق ہوا ہے وگرنہ قرآن میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ ثمود عاد کے بعد ہیں جیسا کہ عاد قوم نوح کے بعد ہیں۔ اسے مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

19باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ) (ذکرِ یوسفؑ)

اللہ تعالی کا فرمان (ترجمہ) البتہ یوسف اور ان کے بھائیوں کے واقعہ میں سائلین کیلئے نشانیاں ہیں۔

برادرانِ یوسف کے نام یہ ہیں: رُوبیل، یہ سب سے بڑا تھا، شمعون، لاوی، یہوذا، دانی، نفتالی، کاد، اشیر، ایساجر، رایلون اور

13677

بنیامین۔ اور یہ اسباط ہیں، ان کی بابت اختلاف ہے کہ آیا یہ بھی انبیاء تھے؟ ایک قول ہے کہ ان میں کوئی نبی نہیں، ان سے مراد بنی اسرائیل کے بعض قبائل ہیں تو کثیر انبیاء ان میں سے ہوئے ہیں، امام بخاری نے اس کے تحت آٹھ احادیث ذکر کی ہیں۔

3383حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَكْرَمُ النَّاسِ قَالَ أَتْقَاهُمْ لِلَّهِ قَالُوا لَيْسَ عَنْ هَذَا نَسْأَلُكَ قَالَ فَأَكْرَمُ النَّاسِ يُوسُفُ نَبِيُّ اللَّهِ ابْنُ نَبِيِّ اللَّهِ ابْنِ نَبِيِّ اللَّهِ ابْنِ خَلِيلِ اللَّهِ قَالُوا لَيْسَ عَنْ هَذَا نَسْأَلُكَقَالَ فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُونِي النَّاسُ مَعَادِنُ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا .أطرافه 3353، 3374، 3490، 4689ـ3383م

حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِهَذَا

(اسی جلد میں سابقہ نمبر) اکرم الناس کے بارہ میں، یعنی اصل نسب کے اعتبار سے، حدیثِ ابی ہریرہ جسے عبید اللہ سے دو طرق سے لائے ہیں، دوسرے طریق میں عبدہ سے مراد ابن سلیمان ہیں، مستخرج ابی نعیم میں ہے کہ بخاری نے اسے عثمان بن ابی شیبہ عن عبدۃ سے تخریج کیا ہے (بظاہر یہ سہو ہے) بقول ابن حجر فاللہ اعلم۔

3384حَدَّثَنَا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا مُرِي أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ قَالَتْ إِنَّهُ رَجُلٌ أَسِيفٌ، مَتَى يَقُمْ مَقَامَكَ رَقَّ .فَعَادَ فَعَادَتْ، قَالَ شُعْبَةُ فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ .أطرافه 198، 664، 665، 679، 683، 687، 712، 713، 716، 2588، 3099، 4442، 4445، 5714، 7303

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک نے انہیں فرمایا ابو بکر کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، انہوں نے عرض کی وہ ایک نرم دل آدمی ہیں جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پہ رقت طاری ہو جائیگی (یعنی ان کی بجائے کسی اور کو یہ حکم دیں) مگر آپ نے دوبارہ یہی فرمایا انہوں نے پھر یہی بات کہی، شعبہ کہتے ہیں تیسری یا چوتھی دفعہ آپ نے (ڈانٹ کے انداز میں) فرمایا تم صواحبِ یوسف ہو، ابو بکر ہی کو حکم دو۔

ابواب الإمامۃ میں اس کی تفصیلی شرح گزر چکی، یہاں مختصراً ہے۔

3385حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ يَحْيَى الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِيهِ قَالَ مَرِضَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَتْ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ .فَقَالَ مِثْلَهُ فَقَالَتْ مِثْلَهُ .فَقَالَ مُرُوهُ فَإِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ فَأَمَّ أَبُو بَكْرٍ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ .فَقَالَ حُسَيْنٌ عَنْ زَائِدَةَ رَجُلٌ رَقِيقٌ .طرفه 678 (سابقہ ہے)

سابقہ روایت کے مضمون پر ہی مشتمل ہے، حضرت یوسف کا قصہ مفصلاً ایک مکمل سورت یعنی سورہِ یوسف میں بیان کیا گیا ہے،

اس میں کوئی اور قصہ ذکر نہیں کیا گیا۔ ابن حیان نے ابوسلمۃ عن ابی ھریرہ سے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ اللہ یوسفؑ پر رحم کرے اگر (أُذْكُرْنِي عندَ رَبِّكَ) نہ کہتے تو اتنے برس جیل میں نہ رہتے۔

3386حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِﷺ اللَّهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ، اللَّهُمَّ أَنْجِ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، اللَّهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ اللَّهُمَّ أَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ، اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ .أطرافه 797، 804، 1006، 2932، 4560، 4598، 6200، 6393، 6940

ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی اکرم نے دعا فرمائی اے اللہ عیاش بن ربیعہ، سلمہ بن ہشام اور ولید بن ولید کو (کفار کے پنجۂ استبداد سے) نجات عطا فرما، اے اللہ کمزور مومنوں کو بھی نجات دے اے اللہ قبیلہِ مضر کو اپنی سخت گرفت میں پکڑ لے اے اللہ ان پر ایسا قحط مسلط فرما جیسا حضرت یوسف کے زمانہ میں پڑا تھا۔

آنجناب نے یہ دعا قومہ میں کی تھی، کتاب الصلاۃ میں اس کی تشریح گزری ہے۔ (سنين كسني يوسف) یعنی وہ سات برس جنگی بابت قرآن میں ذکر ہوا کہ نہایت قحط کے تھے، کہا جاتا ہے اس بادشاہ کا نام جسے یہ خواب آیا تھا ریان بن ولید تھا جو لوز بن سام بن نوح کی ذریت میں سے تھا۔

3387حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ ابْنِ أَخِي جُوَيْرِيَةَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَأَبَا عُبَيْدٍ أَخْبَرَاهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِﷺ يَرْحَمُ اللَّهُ لُوطًا، لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ، وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ مَا لَبِثَ يُوسُفُ ثُمَّ أَتَانِي الدَّاعِي لَأَجَبْتُهُ۔ أطرافه 3372، 3375، 4537، 4694، 6992۔ (اسی جلد کے ترجمہِ ابراہیمؑ میں گزر چکی ہے)۔

3388حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ سَأَلْتُ أُمَّ رُومَانَ، وَهْيَ أُمُّ عَائِشَةَ، عَمَّا قِيلَ فِيهَا مَا قِيلَ قَالَتْ بَيْنَمَا أَنَا مَعَ عَائِشَةَ جَالِسَتَانِ، إِذْ وَلَجَتْ عَلَيْنَا امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، وَهْيَ تَقُولُ فَعَلَ اللَّهُ بِفُلَانٍ وَفَعَلَ .قَالَتْ فَقُلْتُ لِمَ قَالَتْ إِنَّهُ نَمَا ذِكْرَ الْحَدِيثِ .فَقَالَتْ عَائِشَةُ أَيُّ حَدِيثٍ فَأَخْبَرَتْهَا .قَالَتْ فَسَمِعَهُ أَبُو بَكْرٍ وَرَسُولُ اللَّهِﷺ قَالَتْ نَعَمْ .فَخَرَّتْ مَغْشِيًّا عَلَيْهَا، فَمَا أَفَاقَتْ إِلَّا وَعَلَيْهَا حُمَّى بِنَافِضٍ، فَجَاءَ النَّبِيُّﷺ فَقَالَ مَا لِهَذِهِ .قُلْتُ حُمَّى أَخَذَتْهَا مِنْ أَجْلِ حَدِيثٍ تُحُدِّثَ بِهِ، فَقَعَدَتْ فَقَالَتْ وَاللَّهِ لَئِنْ حَلَفْتُ لَا تُصَدِّقُونِي، وَلَئِنِ اعْتَذَرْتُ لَا تَعْذِرُونِي، فَمَثَلِي وَمَثَلُكُمْ كَمَثَلِ يَعْقُوبَ وَبَنِيهِ، فَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ .فَانْصَرَفَ النَّبِيُّﷺ

فَأَنْزَلَ اللَّهُ مَا أَنْزَلَ، فَأَخْبَرَهَا فَقَالَتْ بِحَمْدِ اللَّهِ لاَ بِحَمْدِ أَحَدٍ .أطرافه 4143، 4691، 4751

مسروق ام رومان یعنی حضرت عائشہ کی والدہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، کہتی ہیں میں اور عائشہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک انصاری خاتون یہ کہتے ہوئے داخل ہوئی اللہ فلاں کے ساتھ ایسا ایسا کرے، میں نے کہا کیوں؟ کہا (حضرت عائشہ پر دھرے) اس بہتان کی وجہ سے، عائشہ نے پوچھا کونسا بہتان؟ تو میں نے اسے خبر دی، کہنے لگی ابو بکر اور نبی پاک کو اس کا علم ہے؟ میں نے کہا ہاں، وہ بے ہوش کر گر پڑیں جب افاقہ ہوا تو سخت بخار کا شکار تھیں، نبی پاک آئے اور دریافت کیا اسے کیا ہوا؟ میں نے کہا اسے بہتان کے سبب بخار چڑھ گیا ہے، عائشہ بیٹھ گئیں اور بولیں اگر میں نے قسم اٹھائی تو آپ لوگوں کو یقین نہ آئیگا میری اور آپکی مثال یعقوب اور ان کے بیٹوں کی سی ہے، میں اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑتی ہوں، اس سارے قصہ میں اسی ہی کی مدد کی طالب ہوں، نبی پاک واپس ہوئے تو اللہ نے یہ آیات نازل کیں، اس پر حضرت عائشہ نے کہا اللہ ہی کی حمد بیان کرتی ہوں، کسی اور کی نہیں۔

سند میں شقیق یعنی ابو وائل بن سلمہ ہیں، واقعہِ افک کے بارہ میں والدہِ حضرت عائشہ حضرت ام رومان کی روایت، غرضِ ترجمہ اس جملہ سے ہے: (کمثل یعقوب وبنیه) تفسیر النور میں اسی واقعہ کے ذکر پر مشتمل روایتِ عائشہ میں ذکر آئیگا، کہتی ہیں: (التمست اسم یعقوب فلم أجده) یعنی اس موقع پر حضرت یعقوب کی مثال دینا چاہتی تھی مگر ان کا نام ذہن میں نہ آیا تو (أبا یوسف) کہہ دیا، روایتِ ہذا کی سند کی بابت بعض نے انقطاع کا دعوی کیا ہے، اس کا جواب کتاب المغازی میں غزوہ بنی مصطلق کے باب میں ذکر کیا ہے۔

3389 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِى عُرْوَةُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِىِّ ﷺ أَرَأَيْتِ قَوْلَهُ (حَتَّى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا) أَوْ كُذِبُوا .قَالَتْ بَلْ كَذَّبَهُمْ قَوْمُهُمْ فَقُلْتُ وَاللَّهِ لَقَدِ اسْتَيْقَنُوا أَنَّ قَوْمَهُمْ كَذَّبُوهُمْ وَمَا هُوَ بِالظَّنِّ .فَقَالَتْ يَا عُرَيَّةُ، لَقَدِ اسْتَيْقَنُوا بِذَلِكَقُلْتُ فَلَعَلَّهَا أَوْ كُذِبُوا .قَالَتْ مَعَاذَ اللَّهِ، لَمْ تَكُنِ الرُّسُلُ تَظُنُّ ذَلِكَ بِرَبِّهَا وَأَمَّا هَذِهِ الآيَةُ قَالَتْ هُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ الَّذِينَ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَصَدَّقُوهُمْ، وَطَالَ عَلَيْهِمُ الْبَلاَءُ، وَاسْتَأْخَرَ عَنْهُمُ النَّصْرُ حَتَّى إِذَا اسْتَيْأَسَتْ مِمَّنْ كَذَّبَهُمْ مِنْ قَوْمِهِمْ، وَظَنُّوا أَنَّ أَتْبَاعَهُمْ كَذَّبُوهُمْ جَاءَهُمْ نَصْرُ اللَّهِ .قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ (اسْتَيْأَسُوا) افْتَعَلُوا مِنْ يَئِسْتُ (مِنْهُ) مِنْ يُوسُفَ .(لاَ تَيْأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ) مَعْنَاهُ الرَّجَاءُ .أطرافه 4525، 4695، 4696

عروہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ سے آیت: (حتی اذا استیأس الرسل وظنوا أنهم قد كذبوا) کی بابت پوچھا کہ یہ کذّبوا ہے یا کذبوا؟ کہا بلکہ ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی، میں نے کہا انہیں تو یقین تھا کہ ان کی قوم نے تکذیب کی ہے پھر یہاں ظن کا لفظ کیوں استعمال کیا؟ کہنے لگیں ہاں انہیں یقین تھا میں نے کہا شائد یہ (کذبوا) ہے کہا معاذ اللہ رسل اللہ کے ساتھ ایسا گمان نہیں کر سکتے، کہا مراد یہ ہے کہ انبیاء کی پیروی کرنے والے لوگ جو ان پہ ایمان لائے اور ان کی تصدیق کی ان پر جب ایک طویل مدت تک آزمائش رہی اور اللہ کی مدد کے نزول میں تاخیر ہوئی اور انبیاء اپنی قوموں کے تکذیب کرنے والوں

سے نا امید ہوگئے (کہ اب یہ ایمان لانے والے نہیں) اور انہوں نے گمان کیا کہ ان پہ ایمان لا چکے لوگ بھی کہیں انہیں جھوٹا نہ خیال کرنے لگ جائیں تب اللہ کی مدد آن پہنچی۔ امام بخاری کہتے ہیں (استيأسوا) یئس سے باب استفعال ہے، اسی سے سورۂ یوسف میں ہے: (لا تيأسوا من روح الله) روح کا معنی ہے: رجاء یعنی امید۔

آیتِ مذکورہ کی تفسیر میں حضرت عائشہ کی روایت ہے، اسکی تفصیل شرح تفسیر سورۂ یوسف میں آئیگی۔ (استيأسُوا استفعلوا) بہت سی روایات میں (افتعلوا) ہے، لیکن یہ درست نہیں، ابن ابی حاتم نے تفسیر میں ابن اسحاق سے اس کی تفسیر میں منقول کیا ہے کہ جب انہیں حضرت یوسف سے یأس (یعنی نا امیدی) حاصل ہوا (معناه من الرجاء)۔ ابن ابی حاتم نے قتادۃ سے اس کی یہ تفسیر نقل کی ہے: (أي من رحمة الله)۔ ابن حجر تنبیہ کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت اس آیت کا سورۂ یوسف میں ہونا ہے جو اس آیت کے عموم میں داخل ہیں: (وما أرسَلنا قبلَكَ إلا رجالاً نُوحِي إلَيهِمْ) [يوسف: ۱۰۹] اور قید میں اس طویل مدت کا قیام پھر اس سے نجات گویا یاس و نا امیدی کے بعد اللہ کی نصرت کی آمد تھی کیونکہ قید کے ساتھی سے، جو رہائی پا رہا تھا۔ کہا کہ بادشاہ کے پاس میرا ذکر کرنا لیکن اسے سات برس تک یہ بات بھولی رہی، تو اس قسم کی صورتحال میں انسان عموما یاس کا شکار ہو جاتا ہے۔

3390 أَخْبَرَنِي عَبْدَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْكَرِيمُ ابْنُ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمِ السَّلاَمُ۔ طرفاه 3382، 4688۔ (سابقہ نمبر دیکھئے)

عبدہ سے مراد ابن عبد اللہ مروزی ہیں جبکہ عبد الصمد، ابن عبد الوارث اور عبد الرحمٰن، ابن عبد اللہ بن دینار ہیں۔ شرحِ حدیث اسی کتاب میں گزر چکی ہے۔

20 باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ)

(ذکرِ حضرت ایوب)

(ارْكُضْ) اضْرِبْ. (يَرْكُضُونَ) يَعْدُونَ. اور جب ایوب نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے رب مجھے بیماری نے آ گھیرا ہے اور تو ارحم الراحمین ہے، (ارکض) یعنی اضرب (پاؤں مار)۔ (یرکضون) یعنی (زور سے پاؤں مار مار کر) دوڑتے ہیں۔

حضرت ایوب کا نسب نامہ یہ ذکر کیا جاتا ہے: ایوب بن ساری بن رغوال بن عیصو بن اسحاق بن ابراہیم، بعض نے والد کا نام موص کہا ہے، ایک قول موص بن رزاح بن عیص اور ایک قول ایوب بن زراح بن موص بن عیصو ہے، بعض نے موص اور عیص کے مابین لیقرن ذکر کیا ہے۔ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ ان کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں اور ان کے والد ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت ابراہیم پر ایمان لائے تھے، اس پر ان کا زمانہ حضرت موسیٰ سے قبل کا ہے۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں صحیح یہ ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہیں اور ان کے نسب نامہ میں صرف والد کا نام امص ہی ثابت ہے۔ طبری کہتے ہیں وہ حضرت شعیب کے بعد تھے، ابن ابی خیثمہ حضرت سلیمان کے بعد کا بتلاتے ہیں، اور یہ کہ عیصو کی شادی اپنی عمزاد شمت بنت اسماعیل سے ہوئی تھی۔

(ارکض الخ) ابن جریر شعبہ عن قتادۃ سے نقل کرتے ہیں کہ پاؤں زمین پہ مارا تو دو چشمے پھوٹ پڑے، ایک سے غسل کیا اور دوسرے سے پیا۔ فراء قول اللہ تعالی (إذا هم منها يَرْكُضون) کی تفسیر میں یرکضون کا معنی (يهربون) کرتے ہیں، طبری نے مجاہد سے آیت (لا تركضو) [الأنبياء : ٣١] کی تفسیر میں (أى لا تفروا) نقل کیا ہے۔

3391حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ بَيْنَمَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا خَرَّ عَلَيْهِ رِجْلُ جَرَادٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَجَعَلَ يَحْثِي فِي ثَوْبِهِ، فَنَادَى رَبُّهُ يَا أَيُّوبُ، أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرَى قَالَ بَلَى يَا رَبِّ، وَلَكِنْ لاَ غِنَى لِي عَنْ بَرَكَتِكَ .طرفاه 279، 7493

ابو ہریرہؓ نبی پاک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ایوب غسل میں مصروف تھے کہ سونے کی ٹڈیاں ان پہ گرنے لگیں، وہ اپنے کپڑے میں انہیں جمع کرنا شروع ہوئے تو اللہ تعالی نے ندا دی اے ایوب کیا میں نے تمہیں اس (یعنی کپڑے میں جمع کرنے) سے مستغنی نہیں کر دیا؟ عرض کی کیوں نہیں یا اللہ مگر میں تیری برکت سے کیونکر مستغنی ہو سکتا ہوں۔

(بينا أيوب) بینا اصل میں (بين) ہے، اشباع بالفتحہ (یعنی زبر کو لمبا کر کے پڑھنا) کے سبب الف کی آواز پیدا ہوئی (تو اسے ظاہر کرنے کیلئے کتابت میں الف ظاہر کر دیا) یغتسل خبرِ مبتدا ہے، جملہ محلِ جر میں ہے، بین کے اس کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے عامل (خرَّ عليه) ہے یا وہ مقدر ہے، خرَّ اسکی تفسیر ہے۔ احمد اور ابن حبان کی بشیر بن نھیک عن ابی ھریرہ سے روایت میں یہ جملہ ہے: (لما عافى الله أيوبَ أمطرَ عليهِ جَراداً مِن ذَهبٍ) یعنی شفایابی کے بعد اللہ نے حضرت ایوب پر سونے کی مینڈکوں کی بارش برسائی تا کہ اس بے بہا مال کا عوض ہو جو ضائع ہوا تھا۔ (عريانا) کتاب الغسل میں اس بارے بحث گزر چکی۔ (رجل جراد) یعنی جماعتِ جراد، جراد اسم جمع ہے، اسکی واحد جرادۃ ہے جیسے تمر و تمرۃ۔ ابن سیدہ کے بقول مذکر کو جراد اور مؤنث کو جرادہ کہتے ہیں۔ (فناداه ربه) ممکن ہے بالواسطہ ہو یا بذریعہِ الہام، یہ بھی محتمل ہے کہ بغیر واسطہ کے اللہ تعالی کی آواز سماعت کی ہو۔ (لا غنى لى) قصر کے ساتھ بلا تنوین، خبرِ لا، (لى) ہے یا (عن بركتك) ، بشیر کی مشار الیہ روایت میں ہے: (ومَن يَشبعُ مِن رَحمتك) تیری رحمت سے کون سیر ہو سکتا ہے؟ یا (من فضلك) کہا، اس سے ظاہر ہوا کہ حلال وطیب کے استکثار کی حرص کرنا جائز ہے لیکن اس کے حق میں جسے وثوق و اعتماد ہو کہ شکر ادا کر سکے گا، اس جہت سے حاصل شدہ مال کو برکت سے تعبیر کرنا بھی ثابت ہوا۔ غنی شاکر کی فضیلت بھی آشکارا ہوئی، اس بارے مزید بحث الرقاق میں ہوگی۔ خطابی نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے کہ مال کو نثار (یعنی نچھاور کر کے تقسیم کرنا جیسے دیہات میں شادی بیاہ کے موقع پر کیا جاتا ہے) کرنے کا جواز ثابت ہوا، ابن تین اس پر تعاقبِ علمی کرتے ہیں کہ یہ حضرت ایوب کو اللہ نے خصوصیت دی پھر یہ نثار نہیں بنتا کیونکہ وہ تو لوگوں کی طرف سے ہوتا ہے، (یہ من جانب اللہ ہے) تو چونکہ وہ ایک قسم کی فضول خرچی ہے لہذا مکروہ ہے مگر ان کی اس بات کا رد یہ کہہ کر کیا گیا ہے کہ بشرطِ ثبوتِ خبر گویا یہ شارع کی طرف سے اذن ہے۔

آخرِ بحث ابن حجر تنبیہ کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ حضرت ایوب کے قصہ کی بابت امام بخاری کے پاس اپنی شرط کے مطابق کوئی روایت نہ تھی لہذا اس حدیث پر اکتفاء کیا جو ان کی شرط پہ ہے، اس سلسلہ میں صحیح ترین روایت ابن ابی حاتم، ابن جریج اور حاکم کی ہے جو نافع بن یزید عن عقیل عن الزھری عن انس کے طریق سے ہے، اس میں ہے کہ حضرت ایوب کی یہ ابتلاء تیرہ برس جاری رہی، سب

قریب وبعید نے ساتھ چھوڑ دیا سوائے دوانسانوں کے جوان کے اخوان میں سے تھے، وہ صبح وشام خبر گیری کیلئے آیا کرتے تھے، ایک دن ایک دوسرے سے کہنے لگا ضرور حضرت ایوب سے کوئی گناہِ عظیم سرزد ہوا ہے وگرنہ اب تک یہ ابتلاء منکشف ہو چکی ہوتی، دوسرے نے اس بات کا ذکر حضرت ایوب کے سامنے کر دیا، اس پر غمناک ہوئے اور قرآن میں مذکور دعا کی (بعدازاں کسی وقت) اپنی حاجت کیلئے نکلے، بیوی نے ہاتھ پکڑا ہوا تھا، آگے گئے، فارغ ہونے کے بعد بیوی نے آنے میں دیر کی اس اثناء وحی آئی کہ پاؤں زمین پہ مارو، مارا تو اس جگہ ایک چشمہ ابل پڑا جس سے غسلِ صحت کیا، بالکل بھلے چنگے ہو گئے، زوجہ آئیں تو پہچان نہ پائیں، پوچھنے لگیں یہاں (میرے بیمار شوہر) ایوب تھے؟ بتلایا کہ میں ہی ایوب ہوں۔ گھر میں دواندران (یعنی پڑولے) تھے ایک میں گندم اور دوسرے میں جو تھے، بحکمِ خدا ایک بادل آیا، گندم کے مخزن کو سونے اور جو کے مخزن کو چاندی سے بھر دیا، ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ غسل کے بعد جنت کا حلہ پہنایا گیا، بیوی آئیں تو پہچان نہ سکیں، پوچھا اے اللہ کے بندے ادھر ایک ابتلاء کا مارا شخص تھا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ بھیڑیے اسے لے گئے ہوں؟ کہنے لگے: (ويحك أنا هو) میں وہی ہوں۔ ضحاک عن ابن عباس سے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اللہ نے بیوی کا شباب بھی لوٹا دیا، اس کے بعد ان کے بطن سے چھبیس لڑکے پیدا ہوئے۔ وھب بن منبہ اور محمد بن اسحاق نے المبتدا میں ان کا تفصیلی قصہ ذکر کیا ہے، جسکا ماحصل یہ ہے کہ حوران مقام میں آباد تھے ایک جاگیر کے مالک اور کثیر مال واولاد والے تھے، آہستہ آہستہ سب کچھ چھن گیا وہ مسلسل صابر وشاکر رہے آخر میں خود کئی قسم کی بیماریوں میں مبتلا کر دیئے گئے حتی کہ اس سبب شہر سے باہر ڈال دیا گیا سوائے ایک بیوی کے سب نے خیر باد کہہ دیا آخر معاملہ یہاں تک پہنچا کہ وہ وفادار بیوی اجرت پہ گھروں کے کام کاج کرتی تھی، ایک مرحلہ ایسا آیا کہ لوگ ان سے بھی بچنے لگے کہ مبادا حضرت ایوب کی بیماری کے اثرات ان کے ذریعہ ان تک پہنچ جائیں تو ایک دن مجبوراً اپنے لمبے بالوں کی ایک چٹیا ایک مالدار گھرانہ کی ایک خاتون کو بیچ دی تا کہ کھانے کا سامان خرید سکیں جب کھانا لیکر آئیں تو حضرت ایوب نے قسم کھائی کہ اس وقت تک ہاتھ نہ لگائیں گے جب تک پتہ نہ چلے کہ یہ کھانا کیسے آیا جس پر اپنا سر دکھلایا یہ منظر دیکھ کر غم وحزن سِوا ہوا تب یہ دعاء کی: (رب أني مَسَّنِيَ الضُّرُّ وأنتَ أرْحَمُ الرَّاحِمِين) [(الأنبياء: ٣٨]۔ مجاہد سے نقل کیا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہیں جدری (یعنی چیچک اور پھوڑے پھنسیاں) کی بیماری لگی، حسن کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ابلیس ان کی بیوی سے کہنے لگا اگر ایوب کھانا کھاتے وقت بسم اللہ نہ پڑھیں تو یہ ابتلاء ختم ہو سکتی ہے، بیوی نے یہ بات ان کے گوش گزار کی اس پر غصہ میں آ کر قسم اٹھائی کہ بیوی کو سو ضرب لگائینگے (کہ شیطان کا یہ مطالبہ ان کے سامنے کیوں رکھا) تو اللہ نے قسم پورا کرنے کی راہ یہ سجھائی کہ ایک شاخ لیں جس میں سو سوراخ ہوں تو اس سے ایک ہی ضرب لگائیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابلیس ایک دفعہ بصورتِ طبیب آیا اور ان کی زوجہ سے کہنے لگا میں علاج کرتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ شفایاب ہونے پر یہ کہیں کہ تو نے مجھے شفا دی ہے، اس پر یہ ماجرا ہوا۔ طبری لکھتے ہیں کہ ان زوجہ محترمہ کا نام لیا بنت یعقوب تھا بعض نے رحمة بنت یوسف بن یعقوب کہا ہے، میشا بنت یوسف بھی کہا گیا ہے، ابن خالویہ کے بقول ام زید کنیت تھی۔

عرصہِ ابتلاء کی بابت اختلاف ہے ایک قول جیسا کہ گزرا تیرہ برس کا ہے، وھب سے تین برس، حسن اور قتادہ سے سات برس منقول ہے، ایک روایت میں ہے کہ بیوی نے کہا آپ اللہ سے دعا کیوں نہیں کرتے؟ کہا میں ستر برس صحیح وسالم رہا ہوں، اب اس سات برس کی ابتلاء پہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دوں؟ لیکن درست یہی ہے کہ عرصہِ ابتلاء تیرہ برس ہے، طبری کے مطابق کل ترانوے برس عمر

پائی، اس پر شفایابی کے بعد دس برس مزید زندہ رہے (لیکن اس کیلئے سابق الذکر یہ قول معکر ہے کہ شفایابی کے بعد چھبیس لڑکے ولڑکیاں تولد ہوئے)۔

21 باب (حضرت موسی کا تذکرہ)

(وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَى إِنَّهُ كَانَ مُخْلِصًا وَكَانَ رَسُولاً نَبِيًّا *وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا) كَلَّمَهُ (وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا) يُقَالُ لِلْوَاحِدِ وَلِلاِثْنَيْنِ وَالْجَمِيعِ نَجِيٌّ .وَيُقَالُ خَلَصُوا نَجِيًّا اعْتَزَلُوا نَجِيًّا وَالْجَمِيعُ أَنْجِيَةٌ يَتَنَاجَوْنَ. اللہ کا فرمان: (ترجمہ) اور کتاب میں موسی کا تذکرہ کیجئے وہ مخلص اور رسول و نبی تھے ہم نے اسے جانبِ طور سے ندا دی اور سرگوشی کرتے ہوئے قریب کیا۔ إِلَى قَوْلِهِ (مُسْرِفٌ كَذَّابٌ)۔ اور ذکر کرو کتاب میں حضرت موسی کا، وہ مخلص اور رسول و نبی تھے ہم نے انہیں کوہِ طور کی دائیں جانب سے ندا دی اور سرگوشی کیلئے قریب بلایا اور اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا دیا۔ نجی کا لفظ واحد، تثنیہ اور جمع، سب کیلئے استعمال ہوتا ہے، کہا جاتا ہے: (خلصوا نجیا) یعنی باہم سرگوشی کیلئے الگ ہوئے، جمع انجیہ بھی موجود ہے، (سورۃ المجادلۃ میں) یتناجون ہے۔

(للواحد الخ) کشمہینی کے نسخہ میں (والجمع) کا بھی اضافہ ہے۔ (ویقال خلصوا الخ) ابوعبیدہ قولہ تعالی: (خلصوا نجیّا) [یوسف: ۸۰] کی تفسیر میں یہ لکھتے ہیں، نجی کا لفظ واحد اور جمع کیلئے یکساں ہے، کبھی انجیہ بطورِ جمع مستعمل ہے، حضرت لبیدؓ کا ایک شعر ہے: (وشهدت أنجية الإفاقة عاليا كعبى و أرداف الملوك شهود)۔ حضرت موسی کا نسب نامہ یہ ذکر کیا جاتا ہے: موسی بن عمران بن لاہب بن عازر بن لاوی بن یعقوب، اس بابت کوئی اختلاف مذکور نہیں، سدی اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ حضرت موسی کے قصہ کی ابتداء یہ ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ آئی ہے جس نے سوائے بنی اسرائیل کے مصر کے تمام گھر جلا دئے، جب بیدار ہوا تو کاہنوں کو جمع کر کے تعبیر پوچھی، انہوں نے کہا بنی اسرائیل کے ہاں ایک لڑکا تولد ہوگا جس کے ہاتھوں مصر کی بربادی ہوگی اس پر فرعون نے ہر نومولود کو قتل کرنے کا حکم جاری کیا، جب حضرت موسی کی پیدائش ہوئی تو بحکمِ الٰہی کسی اچانک چھاپہ کے وقت ایک تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دینے کا اور رسی پاس رکھنے کا بندوبست کیا، ایک دن رسی پاس رکھنا بھول گئیں تو نیل کی لہروں پہ بہتا ہوا وہ تابوت فرعون کے محل کے دروازے پہ جا لگا، باندیوں نے اٹھا کر ملکہ کی خدمت میں پیش کیا، کھولا تو ایک حسین وجمیل بچہ موجود ہے، فرعون سے اس کی جان بخشی کرائی اور اپنے پاس رکھ لیا۔

3392 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ سَمِعْتُ عُرْوَةَ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ ؓ فَرَجَعَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى خَدِيجَةَ يَرْجُفُ فُؤَادُهُ، فَانْطَلَقَتْ بِهِ إِلَى وَرَقَةَ بْنِ نَوْفَلٍ، وَكَانَ رَجُلاً تَنَصَّرَ يَقْرَأُ الإِنْجِيلَ بِالْعَرَبِيَّةِ .فَقَالَ وَرَقَةُ مَاذَا تَرَى فَأَخْبَرَهُ .فَقَالَ وَرَقَةُ هَذَا النَّامُوسُ الَّذِي أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى مُوسَى، وَإِنْ أَدْرَكَنِي يَوْمُكَ أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا .النَّامُوسُ صَاحِبُ السِّرِّ الَّذِي يُطْلِعُهُ بِمَا يَسْتُرُهُ عَنْ غَيْرِهِ .أطرافه 3، 4953، 4955، 4956، 4957، 6982

حضرت عائشہ کا بیان ہے (پہلی وحی نازل ہونے کے بعد) نبی اکرم حضرت خدیجہ کے پاس واپس آئے تو آپکا دل کانپ رہا تھا وہ

آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو دینِ نصرانیت اختیار کئے ہوئے تھے، اور انجیل بزبانِ عربی پڑھتے تھے ورقہ نے دریافت کیا آپ نے کیا دیکھا ہے؟ آپ نے سارا قصہ سنایا وہ کہنے لگا یہ وہی ناموس ہے جو اللہ نے حضرت موسی پہ نازل کیا تھا اگر میں آپ کے زمانہ (بعثت) تک زندہ رہا تو آپکی پوری پوری مدد کرونگا، ناموس صاحبِ سر (یعنی رازداں) ایسے رازوں کا امین جو آدمی اوروں سے چھپاتا ہے۔

بدءالوحی میں منقول ایک حدیث کا ایک حصہ لائے ہیں، اس کی مفصل شرح گزر چکی ہے۔ (النا موس صاحب الخ) یہ قولِ مصنف ہے، پہلے ذکر گزرا کہ بعض نے اس لفظ کا اطلاق صرف صاحبِ سر بالخیر پر کیا ہے۔

22 باب قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ (حضرت موسی وادیِ طور میں)

(وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى *إِذْ رَأَى نَارًا) إِلَى قَوْلِهِ (بِالْوَادِي الْمُقَدَّسِ طُوًى) (آنَسْتُ) أَبْصَرْتُ (نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ) الآيَةَ .قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْمُقَدَّسُ الْمُبَارَكُ .طُوًى اسْمُ الْوَادِي (سِيرَتَهَا) حَالَتَهَا وَ (النُّهَى) التُّقَى (بِمَلْكِنَا) بِأَمْرِنَا .(هَوَى) شَقِيَ .(فَارِغًا) إِلَّا مِنْ ذِكْرِ مُوسَى .(رِدْءًا) كَيْ يُصَدِّقَنِي .وَيُقَالُ مُغِيثًا أَوْ مُعِينًا .يَبْطُشُ وَيَبْطِشُ .(يَأْتَمِرُونَ) يَتَشَاوَرُونَ .وَالْجِذْوَةُ قِطْعَةٌ غَلِيظَةٌ مِنَ الْخَشَبِ لَيْسَ فِيهَا لَهَبٌ .(سَنَشُدُّ) سَنُعِينُكَ كُلَّمَا عَزَّزْتَ شَيْئًا فَقَدْ جَعَلْتَ لَهُ عَضُدًا .وَقَالَ غَيْرُهُ كُلَّمَا لَمْ يَنْطِقْ بِحَرْفٍ أَوْ فِيهِ تَمْتَمَةٌ أَوْ فَأْفَأَةٌ فَهِيَ عُقْدَةٌ (أَزْرِي) ظَهْرِي (فَيُسْحِتَكُمْ) فَيُهْلِكَكُمْ .(الْمُثْلَى) تَأْنِيثُ الأَمْثَلِ، يَقُولُ بِدِينِكُمْ، يُقَالُ خُذِ الْمُثْلَى، خُذِ الأَمْثَلَ .(ثُمَّ ائْتُوا صَفًّا) يُقَالُ هَلْ أَتَيْتَ الصَّفَّ الْيَوْمَ يَعْنِي الْمُصَلَّى الَّذِي يُصَلَّى فِيهِ .(فَأَوْجَسَ) أَضْمَرَ خَوْفًا، فَذَهَبَتِ الْوَاوُ مِنْ (خِيفَةً) لِكَسْرَةِ الْخَاءِ .(فِي جُذُوعِ النَّخْلِ) عَلَى جُذُوعِ (خَطْبُكَ) بَالُكَ .(مِسَاسَ) مَصْدَرُ مَاسَّهُ مِسَاسًا .(لَنَنْسِفَنَّهُ) لَنُذْرِيَنَّهُ .الضَّحَاءُ الْحَرُّ .(قُصِّيهِ) اتَّبِعِي أَثَرَهُ، وَقَدْ يَكُونُ أَنْ تَقُصَّ الْكَلاَمَ (نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ) .(عَنْ جُنُبٍ) عَنْ بُعْدٍ وَعَنْ جَنَابَةٍ وَعَنِ اجْتِنَابٍ وَاحِدٌ .قَالَ مُجَاهِدٌ (عَلَى قَدَرٍ) مَوْعِدٌ (لاَ تَنِيَا) (لاَ تَضْعُفَا) (يَبَسًا) يَابِسًا (مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ) الْحُلِيُّ الَّذِي اسْتَعَارُوا مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ (فَقَذَفْتُهَا) أَلْقَيْتُهَا .(أَلْقَى) صَنَعَ .(فَنَسِيَ) مُوسَى هُمْ يَقُولُونَهُ أَخْطَأَ الرَّبَّ أَنْ لاَ يَرْجِعَ إِلَيْهِمْ قَوْلاً فِي الْعِجْلِ .

(ترجمہ) اور کیا تمہارے پاس حدیثِ موسی پہنچی ہے جب انہوں نے آگ دیکھی (طویٰ) تک، (آنست) دیکھا، طویٰ وادی کا نام ہے، (سیرتھا) یعنی حالتھا، (النھیٰ) یعنی التُّقیٰ، (بِملکنا) یعنی ہمارے حکم سے، (ھویٰ) یعنی بدبخت ہوا، (فارغا) یعنی سوائے موسی کے ذکر کے باقی ہر چیز سے خالی ہوگیا، (ردء ا) معاون ومددگار (یأتمرون) باہم مشورے کرنے لگے، الجذوۃ لکڑی کا ایک موٹا ٹکڑا جس میں شعلہ نہ ہو، (سنشد) ہم تمہاری مدد کرینگے کسی کی تقویت کی تو گویا اس کا بازو بنا، (عقدۃ) کی بابت بعض اہلِ علم کہتے ہیں جب کوئی بعض حروف کا تلفظ نہ کرسکتا ہو یا اس میں تتلاہٹ یا ہکلاہٹ ہو، (أزری) یعنی ظھری (یعنی میری پشت کو مضبوط کرے)۔ (فیسحتکم) یعنی تمہیں ہلاک کرے (المثلیٰ) امثل کی تانیث ہے، دونوں کا ایک جیسا استعمال ہے۔ (صفا) یعنی وہ جگہ جہاں نماز ادا کی جاتی ہے۔ (فأوجس) یعنی دل میں خوف محسوس کیا، خیفۃ سے واو خاء کے مکسور ہونیکی وجہ سے محذوف کردیگئی۔ (فی جذوع النخل) فی بمعنی علیٰ ہے، (خطبك) ای بالك (یعنی کیا حال ہے؟)۔ (مساس) ماس سے مصدر ہے۔ (لننسفنہ) یعنی اسے بکھیر دینگے۔ (الضحاء) ای الحر۔ (قُصّیہ) یعنی اس کے

پیچھے پیچھے جاؤ، کبھی اس کا معنی: بیان کرنا بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اس آیت میں ہے: (نحن نَقُصُّ علیك)۔ (عن جنب) یعنی دور سے، عن جنابۃ اور عن اجتناب ہم معنی ہیں۔ مجاہد (علی قدر) کا معنی علی موعد یعنی وعدہ کے مطابق ملاقات کا وقت، (لا تنیا) یعنی کمزور نہ پڑنا۔ (من زینۃ القوم) زیورات جو قومِ فرعون سے ادھار لئے تھے۔ (فنسی) اس کا فاعل حضرت موسی ہیں۔ بچھڑے کے بارہ میں جو کہا: (أن لا یرجع إلیھم قولاً) کا معنی ہے کہ وہ ان کی بات کا جواب نہ دے سکتا تھا۔

(آنست أبصرت) یہ تفسیرِ ابی عبیدہ ہے۔ (قال ابن عباس المقدس الخ) یہ اور مابعد صرف ابو ذر کی مستملی اور کشمیہنی سے صحیح بخاری کی روایت میں ہے، بعض رواۃِ صحیح نے اس کا بعض حصہ تفسیر سورہ طٰہ میں ذکر کیا ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں میں نے سارا متعلقہ مواد ترجمۂ ہذا میں جمع کر دیا ہے، ابن عباس کا یہ قول ابن ابی حاتم نے موصول کیا ہے انہوں نے اور طبری نے ابن عباس سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس کا نام طوی اس لئے پڑا کہ حضرت موسی نے رات کو اسے طے کیا تھا: (طواہ لیلاً)۔ طبری لکھتے ہیں اس پر معنی یہ ہوگا کہ اے موسی تم ایک وادیِ مقدس میں ہو جس تم نے طے کیا ہے، تو یہ مصدر ہے جسے اس کے غیر لفظ سے مُخرَج کیا گیا، سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ (طأ الأرض حافیاً)۔ مجاہد سے بھی یہی نقل کیا، عکرمۃ سے (طأ الوادی) منقول ہے، ابن عباس سے بھی ایک دیگر طریق کے ساتھ یہی نقل کیا۔

ابن ابی حاتم کی مبشر اور طبری کی حسن کے طریق سے روایت میں ہے کہ اسے اس وجہ سے طوی کہا گیا کہ دو مرتبہ مقدس بنی، یعنی اللہ تعالی نے دو مرتبہ پکارا: (إنك بِالوادِی المُقَدَّسِ)۔ جو اہل علم اسے اس زمین کا نام قرار دیتے ہیں وہ اس پر تنوین نہیں پڑھتے اور جو وادی کا نام قرار دیتے ہیں وہ اسے منصرف کے بطور پڑھتے ہیں، مصدر قرار دینے والے بمعنیٰ (نُودِیَ مرَّتین) بھی متصرف کہتے ہیں، کہا جاتا ہے: (نادَیتُه ثنیً وطُویً) یعنی اسے دو دفعہ پکارا۔

(سیرتھا حالتھا) اسے ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے سورۂ طٰہٰ [١٢] کی آیت (سَنُعیدُھا سِیرَتَھَا الأُولیٰ) کی تفسیر میں نقل کیا ہے، مجاہد اور قتادہ کے طریق سے (ھیئتھا) کا لفظ منقول ہے۔ (والنھیٰ التقی) اسے طبری نے ابن عباس سے اس آیت: (إِنَّ فی ذٰلِكَ لَآیاتٍ لِأُولِی النُّھیٰ) [طہٰ: ٨٢] کی تفسیر میں نقل کیا ہے، سعید عن قتادہ کے طریق سے (لأولی الورع) منقول ہے، بقول طبری کیونکہ اولی النھی ہی اہلِ تفکُر و اعتبار (یعنی عبرت پکڑنے کا مادہ رکھتے والے) ہیں۔

(بملکنا بأمرنا) اسے ابن ابی حاتم اور طبری نے آیت (ما أَخْلَفْنا مَوْعِدَكَ بِملْكِنا) [طہٰ : ٨٧] کی تفسیر میں ابن عباس سے نقل کیا ہے، سعید عن قتادہ کے طریق سے: (بطا قتنا) ابن زید کے حوالے سے: (بِھَوانا) منقول ہے، قراء کا ملکنا کی میم کی قراءت میں اختلاف ہے، تو اسے تینوں حرکات زبر، زیر اور پیش کے ساتھ پڑھا گیا ہے، یہ مذکورہ معانی انہی قراءات پر مخرَّج ہونا ممکن ہیں۔ (فارغاً إلا مِن ذِکر موسیٰ) اسے سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی نے تفسیرِ ابن عیینہ میں بطریق عکرمۃ عن ابن عباس (وأصبحَ فُؤادُ أُمِّ موسیٰ فارغاً) [القصص: ١٠] کی تفسیر میں نقل کیا ہے، طبری نے بھی یہی سعید بن جبیر عن ابن عباس کے حوالے سے نقل کیا، حسنِ بصری کے طریق سے نقل کیا ہے کہ دل اس عہد سے فارغ ہوگیا جو حضرت موسی کی واپسی کی بابت کیا تھا، ابو عبیدہ یہ معنی کرتے ہیں کہ غم سے فارغ ہوگیا، جب پتہ چلا کہ تابوت غرق نہیں ہوا، مگر اسے رد کرتے ہیں کہ یہ تمام اہلِ تاویل (یعنی مفسرین) کے اقوال کے مخالف ہے، ام موسیٰ کا نام بادونا تھا، بعض نے اباذخت اور بعض نے یوحاند کہا ہے۔

(ردء ا كي يصدقني) یہ ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے، مجاھد اور قتادہ کے حوالے سے (أي عونا) مذکور ہے۔ (و يقال مغيثا أو مُعينا) ابوعبیدہ اسی مذکورہ آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: (أي معينا)، کہا جاتا ہے: (أَرْدَأْتُ فلانا علىٰ عَدُوِّهِ) أي أكنفتُه وأعنتُه (یعنی دشمن کے خلاف اس کی مدد کی اور اس کیلئے پناہ گاہ بنا)۔ (يَبطش و يُبطش) یعنی طاء کی زبر اور پیش، دونوں درست ہیں، ابوعبیدہ سورۃ القصص کی آیت: (فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِى هُوَ عَدُوٌّ لَهُما) [:۹۱] کی تفسیر میں لکھتے ہیں، طائے مضمومۃ اور مکسورہ، دونوں لغت ہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں لیکن یہاں طاء کو مکسور پڑھنا مشہور قراءت ہے اور قولہ تعالیٰ (يومَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبرىٰ) [الدخان: ۱۶] میں ابن جعفر کی قراءت طاء کی پیش کے ساتھ ہے، حسن سے بھی یہی مروی ہے۔ (يأتمرون يتشاورون) یہ ابوعبیدہ کا قول ہے، ابن قتیبہ آیت: (وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُمْ بِالْمَعْرُوفِ) [الطلاق: ۶] کی تفسیر میں لکھتے ہیں: (أي يأمر بعضهم بعضا) یعنی ایک دوسرے کو حکم دینا۔ (والجذوة قطعةالخ) یہ (أو جَذْوَةٍ مِنَ النَّار) [القصص: ۹۲] کی تفسیر میں ابوعبیدہ کا قول ہے، جذوہ کی جیم پر بھی تینوں حرکات مستعمل ہیں۔

(سنشد سنعينك الخ) یہ بھی قولِ ابی عبیدہ ہے، آیت: (سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ) [القصص: ۵۳] کی تفسیر میں، (وقالَ غيره كلما لم ينطق الخ) یہ ابوعبیدہ کا قول ہے آیت: (وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِن لِسانِى) [طهٰ: ۷۲] کی تفسیر میں، طبری سدی کے طریق سے ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت موسی نے فرعون کی گود میں بیٹھے ہوئے اس کی داڑھی نوچ لی، اس پر غضبناک ہوا اور جلاد کو بلایا کہ اسے مار ڈالو، حضرت آسیہ نے کہا یہ تو ناسمجھ بچہ ہے، پھر ان کے سامنے یاقوت اور انگارہ رکھا اور کہنے لگیں اگر یاقوت کو پکڑ لیا تو بے شک ذبح کر ڈالنا لیکن اگر انگارے کو پکڑا تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ بچے تو ناسمجھ ہیں، (انہیں کیا پتہ کہ آپ اتنے بڑے فرعون ہیں) تو حضرت جبریل نے آکر ان کا ہاتھ انگارے کی طرف پھیر دیا، اسے اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لیا جس سے ان کی زبان تتلاہٹ کا شکار بن گئی، مجاہد اور ابن جبیر کے طریق سے بھی یہی منقول ہے، تَمتمہ کی تعریف یہ ہے کہ ان حروف کے تلفظ میں تتلانا جنکے اوپر دو نقطے ہوتے ہیں جبکہ فأفأ ۃ سے مراد فاء کے تلفظ میں تتلانا۔

(أزري ظهري) یہ بھی ابوعبیدہ کا قول ہے آیت: (اشدُدْبهِ أَزْرِى) [طهٰ: ۱۳] کی تفسیر میں (فَيُسْحِتَكُمُ الخ) اسے طبری نے ابن عباس سے موصول کیا ہے، ابوعبیدہ کے نزدیک بھی یہی ہے، کہتے ہیں: (سحته وأسْحتَه) یعنی ثلاثی اور رباعی ایک ہی معنی میں ہیں، طبری کہتے ہیں سحت أسحت کی نسبت کثیر الاستعال ہے، قتادہ کے طریق سے اس کی تفسیر میں (فيستأصلكم) نقل کیا ہے، مخاطب وہ جادوگر تھے جنہیں حضرت موسی کے مقابلہ کیلئے اکٹھا کیا تھا۔ (المثلىٰ تأنيث الخ) ابو عبیدہ آیت (بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلىٰ) [طهٰ: ۳۶] کی تفسیر میں یہ کہتے ہیں، مثلی سے مراد فضلیٰ (افضل کی مؤنث) ہے۔

(ثم ائتوا صفا) ابوعبیدہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یعنی (صفوفا) تو امام بخاری نے جو ذکر کیا وہ اس کا دوسرا مفہوم ہے۔ (فأوجس الخ) یعنی آیت: (فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً) طهٰ: ۴۶] میں (خيفة) بمعنی (خوفاً) ہے، یہ ابوعبیدہ کا قول ہے، کرمانی تبصرہ کرتے ہیں کہ اس جلیل القدر کتاب کے ایک لفظ کے بارہ میں اس قسم کی بات کرنا اس کے شایانِ شان نہیں، ابن حجر ان کی بات پر تبصرہ کرتے ہیں کہ شائد وہ اسے متاخرین علمائے صرف کی بات سمجھ بیٹھے حالانکہ یہ عربی زبان کے نمایاں اہل علم میں سے ایک، ابو عبیدہ معمر بن مثنی بصری کی ہے (یعنی اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو قرآن کی شان کے منافی ہو، یہ تو ایک لغوی توجیہہ و بحث ہے)۔

(في جذوع النخل الخ) یہ ابوعبیدہ کا قول ہے، اس شعر سے استشہاد کیا: (هم صلبوا العبدی فی جذ ع نخلةٍ) کہتے ہیں علیٰ کی جگہ فی اسلئے استعمال کیا ہے تا کہ ظرفیت میں شدتِ تمکُّن کی طرف اشارہ ہو۔ (خطبك بالك) ابوعبیدہ (قالَ فَمَا خَطْبُكَ) [طهٰ: ۹۵] کی تفسیر میں یہ کہتے ہیں۔ (مساس الخ) فراء آیت: (لا مساسَ) [طهٰ: ۹۷] کی بابت لکھتے ہیں: أی (لا أمَس ولا أمُس) مراد یہ ہے کہ حضرت موسی نے حکم دیا تھا کہ اب سامری سے نہ مواکلت کی جائے اور نہ مخالطت (یعنی اس کے ساتھ میل جول اور اکھٹے کھانا پینا نہ کیا جائے) اسے میم کی زبر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور یہ لغتِ فاشیہ ہے۔ اس سامری کا نام موسیٰ بن طفر ذکر کیا گیا ہے۔ ابوعبیدہ (مساس) کی بابت لکھتے ہیں اگر میم کی زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس لفظ پہ تنوین ہے اور تینوں حرکات جائز ہیں، یہاں منفیہ ہے لہٰذا بغیر تنوین کے اور میم کی زبر کے ساتھ پڑھا جائے گا، (یعنی لا نافیہ للجنس کی وجہ سے) کہتے ہیں جس نے اسے اسم قرار دیا ہے وہ سین پر زیر اور بلا تنوین پڑھتا ہے۔ (لننسفنه الخ) اسے طبری نے ابن عباس سے منقول کیا ہے۔ (الضحاء الحر) یہ قولِ ابوعبیدہ ہے، اسی آیت: (وأنَّكَ لا تَظْمَأُ فِيهَا ولا تَضْحىٰ) [طهٰ: ۱۱۹] کی تفسیر میں، طبری کے ہاں ابن عباس سے بھی اسی کی مانند منقول ہے، یہ کلام استطر اداً مذکور ہے وگرنہ قصۂ موسی سے اسکا تعلق نہیں۔ (قُصیه الخ) پہلی تفسیر مجاھد اور سدی وغیرھما کا قول ہے، ابن جریر نے نقل کیا ہے، ابوعبیدہ بھی یہی کہتے ہیں جب کہ دوسرا معنی مصنف کی جانب سے ہے، حضرت موسی کی اس بہن کا نام مریم تھا۔ (عن جنب الخ) یہ طبری نے مجاہد سے نقل کیا ہے، ابوعبیدہ سے منقول ہے: (عن بُعْد و تجنب) (یعنی دور سے اور بچ بچا کے)۔ حدیثِ قنوت طویل میں ابن عباس سے منقول ہے کہ جب یہ ہے کہ انسان کی نظر دور کسی چیز پہ ٹھہرے جبکہ وہ (یعنی جس چیز کا متلاشی ہے) اس کے پہلو میں ہے لیکن اسے پتہ ہی نہیں (گویا معنی یہ ہوا کہ رہو تو اسکے پاس پاس مگر اپنی نظر کسی اور دور کی چیز پہ جمائے رکھنا تا کہ یہ ظاہر نہ ہو کہ اس تابوت سے تمہارا کوئی تعلق ہے، یعنی ایک اجنبی کی طرح لیکن ساتھ ساتھ رہنا)۔

(قال مجاهد علی قدر الخ) اسے فریابی نے ان سے موصول کیا، طبری نے ابن عباس سے آیت: (عَلىٰ قَدَرٍ يا موسىٰ) [طه: ۴۰] کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ أی (علی میقات)۔

(لا تَنِيا الخ) یہ بھی فریابی نے مجاھد سے نقل کیا ہے، طبری ابن عباس سے (لا تُبْطِئا) نقل کرتے ہیں (یعنی تاخیر نہ کرنا)۔

(مكانا سُوىٰ الخ) یہ مجاھد سے فریابی کے ہاں منقول ہے، بقول ابی عبیدہ سین پر پیش اور زیر دونوں صحیح ہیں جیسے عُدیٰ وعِدیٰ، اور معنی ہے نصف یا وسط (يَبَسا الخ) یہ فریابی نے مجاھد سے موصول کیا ہے آیت: (فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقاً فِي الْبَحْرِ يَبَساً) [طهٰ: ۷۷] کی تفسیر میں ابوعبیدہ کے مطابق تینوں حروف متحرک ہیں، بعض نے باء کو ساکن کہا ہے۔

(شاة يبس أی يا بسة) کہا جاتا ہے جس میں دودھ نہ ہو۔ (مِن زينة القوم الخ) سورۂ طٰہٰ کی آیت: (ولٰكِنَّا حُمِّلْنَا مِنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ) [۸۷] کی تفسیر میں مجاھد کا قول ہے جسے فریابی نے موصول کیا ہے، قتادہ کے طریق سے منقول ہے کہ جب حضرت موسی تیس دن کیلئے قوم کو چھوڑ کر میقات کیلئے (کوہ طور پر) گئے اور وہاں دس اور راتوں کا اضافہ کر دیا گیا تو سامری نے لوگوں سے کہا کہ یہ سب ان زیورات کے سبب ہے جو تمہارے پاس ہیں (یعنی شائد وہ سمجھے کہ حضرت موسی کسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں کہ تیس دنوں بعد آنے کا کہہ گئے تھے اور ابھی تک واپس نہیں آئے) یہ زیورات آل فرعون سے عاریۃً لئے تھے جو واپس کئے بنا ساتھ لے آئے، یہ سن کر قوم نے سارے زیورات اس کے سامنے لا پھینکے جس نے انہیں ڈھال کر ایک گائے کی شکل بنا دی اس کے پاس

حضرت جبریل کے گھوڑے کے قدم کی جگہ سے اٹھائی ہوئی مٹھی بھر خاک تھی جسے ان زیورات کو ڈھالتے وقت بھٹی میں ڈالا تو یہ بنایا ہوا بچھڑا آواز بھی نکالتا تھا۔ (فقذفتها الخ) کشمیہنی کے نسخہ میں جمع کا صیغہ ہے، اسے بھی فریابی نے مجاھد سے نقل کیا ہے سورۂ طٰہٰ کی آیت: (فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِنْ أَثَرِ الرَّسولِ الخ) [طٰہٰ : ۷۸] کی تفسیر میں۔

(فنسى موسى الخ) یہ فریابی کے ہاں مجاھد سے موصول ہے، قتادہ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ (نسي موسى ربه) جبکہ سعید بن جبیر عن ابن عباس کے حوالے سے منقول ہے کہ نسی کا فاعل سامری ہے یعنی اس نے اپنا ایمان فراموش کر دیا۔ (أن لا يرجع الخ) اسے بھی فریابی نے مجاہد سے موصول کیا ہے، ابوعبیدہ کہتے ہیں بیش کے ساتھ قراءت میں بتقدیر (أنه) جبکہ عین کو منصوب قرار دینے والے (بأن) مقدر مانتے ہیں۔

ابن حجر تنبیہ کے عنوان سے لکھتے ہیں امام بخاری نے ان مذکورہ تفاسیر جو حضرت موسی کے خروج الی مدین، پھر وہاں سے مصر واپسی، فرعون کے ساتھ معاملات، غرقِ فرعون، طور کی طرف ان کا جانا اور پیچھے بنی اسرائیل کا بچھڑے کی عبادت میں لگ جانا، موضوعات سے متعلق ہیں، وارد کی ہیں گویا اس سلسلہ میں انہیں اپنی شرط پہ کوئی مرفوع روایت نہ مل سکی، اس ضمن میں اصح ترین روایت نسائی اور ابویعلی نے باسناد حسن ابن عباس سے نقل کی ہے جو ایک طویل روایت ہے، تقریبا تین صفحات پر مشتمل، گویا پوری تفسیرِ سورہ طٰہٰ ہے۔

3393 حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حَدَّثَهُمْ عَنْ لَيْلَةِ أُسْرِيَ بِهِ حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ الْخَامِسَةَ، فَإِذَا هَارُونُ قَالَ هَذَا هَارُونُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ. فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ. تَابَعَهُ ثَابِتٌ وَعَبَّادُ بْنُ أَبِي عَلِيٍّ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. أطرافه 3207، 3430، 3887۔ (اسی جلد میں پوری حدیث کا ترجمہ ہو چکا ہے، سابقہ نمبر دیکھیں)

حدیثِ اسراء کا ایک حصہ ہے جو بتمامہ السیرۃ النبویۃ میں آئیگی۔ (تابعه ثابت الخ) یعنی ان دو نے ذکرِ حضرت ہارون میں قتادہ عن انس کی متابعت کی ہے نہ کہ پوری حدیث میں، بلکہ اسناد میں بھی نہیں، ثابت کی روایت مسلم کے ہاں موصول ہے، حماد بن سلمہ عنہ کے طریق سے، اس میں مالک بن صعصعۃ مذکور نہیں، عباد بن ابوعلی بصری نے جنکا بخاری مین صرف اسی جگہ ذکر ہے، ثابت کی اس امر میں موافقت کی ہے کہ سند میں حضرت انس کے شیخ کا ذکر نہیں کیا، شریک بھی انس سے موافق ہیں، ان کی روایت السیرۃ میں آئیگی۔ اول کتاب الصلاۃ میں زہری نے (عن أنس عن أبي ذر) ذکر کیا تھا مگر ان کی حدیث میں حضرت ہارون کا اصلاً ذکر ہی نہ تھا۔

23 باب (وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ) (آلِ فرعون کے ایک مردِ مومن کا حال)

. یہ ترجمہ بلا حدیث ہے، نسفی کے نسخہ میں یہ مابعد باب کیساتھ مضموم ہے اور یہی متجہ (یعنی مناسب) ہے۔ اس رجل کے نام میں اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ یہ یوشع بن نون تھے، ابن تین نے اسی پہ جزم کیا ہے مگر یہ بعید ہے کیونکہ یوشع تو حضرت یوسف کی ذریت سے تھے، آلِ فرعون سے ان کا تعلق نہ تھا، ایک قول یہ ہے کہ: (آل فرعون) یکتم إیمانہ سے متعلق ہے (یعنی ان سے اپنا ایمان

چھپائے ہوئے تھے) لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ رجلِ مؤمن آلِ فرعون میں سے تھا۔ طبری نے ابن پر اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ اگر اس کی اپنی قوم کا نہ ہوتا تو فرعون ان کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دیتا، ثعلبی نے سدی اور مقاتل سے نقل کیا ہے کہ وہ فرعون کے عمزاد تھے بعض نے شمعان نام ذکر کیا ہے، دار قطنی المؤتلف میں لکھتے ہیں کہ شمعان کا لفظ صرف ان کے نام کے طور سے ہی سنا ہے (یعنی لغت میں کوئی اور استعمال موجود نہیں)۔ سہیلی نے بھی ان کی بات کو صحیح قرار دیا ہے۔ طبری کہتے ہیں جیزور نام تھا، حزقیل بھی مذکور ہے، وہب بن منبہ سے حربیال منقول ہے، ابن عباس حبیب اور عمزادِ فرعون بتلاتے ہیں، اسے عبد نے ان سے موصول کیا ہے، ابو قاسم مغربی ادب الخواص میں حضرت ابو ہریرہ کا حوالہ دیکر حوتکہ بن سود بن اسلم لکھتے ہیں۔

24 باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (وَهَلْ أَتَاکَ حَدِيثُ مُوسَى) (حدیثِ موسیؑ)

اسکے تحت تین احادیث لائے ہیں۔

3394حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِﷺ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ رَأَيْتُ مُوسَى وَإِذَا رَجُلٌ ضَرْبٌ رَجِلٌ، كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ، وَرَأَيْتُ عِيسَى، فَإِذَا هُوَ رَجُلٌ رَبْعَةٌ أَحْمَرُ كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيمَاسٍ، وَأَنَا أَشْبَهُ وَلَدِ إِبْرَاهِيمَﷺ بِهِ، ثُمَّ أُتِيتُ بِإِنَاءَيْنِ، فِي أَحَدِهِمَا لَبَنٌ، وَفِي الآخَرِ خَمْرٌ فَقَالَ اشْرَبْ أَيَّهُمَا شِئْتَ .فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ فَشَرِبْتُهُ فَقِيلَ أَخَذْتَ الْفِطْرَةَ، أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ .أطرافه 3437، 4709، 5576، 5603

□ ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں نے موسیؑ کو دیکھا ہلکے پھلکے ہیں گویا قبیلہ شنوءَہ کے فرد ہوں اور عیسیؑ کو دیکھا کہ میانہ قد، سرخ رنگ کے ہیں (اور اس طرح تروتازہ ہیں) گویا ابھی غسل خانہ سے باہر نکلے ہیں، فرمایا اور میں حضرت ابراہیمؑ سے بہت مشابہ ہوں، پھر میرے پاس دو برتن لائے گئے ایک میں دودھ اور دوسرے میں شراب بھری ہوئی تھے، کہا گیا ان میں سے جو چاہیں نوش فرمائیں میں نے دودھ والا برتن لیا اور پی گیا، کہا گیا آپ نے فطرت کو لیا ہے اگر شراب والا برتن پکڑتے تو آپ کی امت گمراہ ہوجاتی۔

(رجل) یعنی (دهين الشعر مسترسله) تیل لگے سیدھے بالوں والے، ابن سکیت کہتے ہیں: (شَعرٌ رجل) أی غير جعد۔ (جو جعد یعنی نہ ہوں)۔ (رجال شنوءة) یمن کا ایک قبیلہ تھا جو شنوءۃ یعنی عبد اللہ بن کعب بن عبد اللہ بن مالک بن نصر بن ازد کی طرف منسوب تھے، اپنے اہل خانہ کے ساتھ واقع اختلاف کے سبب یہ لقب پڑا (لِشنأن كان بينه و بن أهله) جیسے قرآن میں ہے: (لا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلىٰ أَنْ لا تَعْدِلُوا) [المائدة: ٨] اس طرف فردِ منسوب کو شنوئی کہا جائے گا۔ ابن قتیبہ کی رائے ہے کہ شنوءۃ بمعین تقزُّ ریعنی (تباعُد من الأدناس)۔ (یعنی پلیدیوں سے دوری اختیار کرنے کی وجہ سے) تو اس وجہ سے یہ لقب پڑا، داؤدی کے بقول ازد قبیلہ کے افراد طویل قامتی کے ساتھ معروف تھے۔ - (و رأيت عيسى الخ) اس پر ترجمہِ حضرت عیسیؑ میں بات ہوگی۔

(و أنا أشبه الخ) مسلم کی ابو زبیر کے طریق سے روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت جبرئیل کی دحیہ (ایک صحابی ہیں)

سے بڑی مشابہت پائی۔ (ثم أتيت بإناء ين) اس پر السیرۃ میں حدیثِ اسراء کے ضمن میں بحث ہوگی۔

اسے مسلم نے (الإيمان) اور ترمذی نے (التفسير) میں روایت کیا ہے۔

3395 حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْعَالِيَةِ حَدَّثَنَا ابْنُ عَمِّ نَبِيِّكُمْ يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى. وَنَسَبَهُ إِلَى أَبِيهِ. أطرافه 3413، 4630، 7539۔ 3396 وَذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ فَقَالَ مُوسَى آدَمُ طُوَالٌ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ. وَقَالَ عِيسَى جَعْدٌ مَرْبُوعٌ. وَذَكَرَ مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ، وَذَكَرَ الدَّجَّالَ. طرفه 3239

ابن عباس کہتے ہیں نبی اکرم نے فرمایا کسی کو جائز نہیں کہ کہے میں یونس بن متی سے بہتر ہوں، آنجناب نے شبِ معراج کا ذکر کیا اور فرمایا موسی گندمی رنگ کے طویل القامت شخص تھے گویا رجالِ شنوءہ میں سے ہوں حضرت عیسی کی بابت فرمایا کہ گھنگھریالے بال اور درمیانہ قد کے تھے، مالک داروغۂ جہنم کا بھی ذکر فرمایا اور دجال کا بھی۔

ابو العالیہ کا نام رُفیع تھا، یہ ریاحی ہیں، ایک اور راوی بھی ابو العالیہ کنیت کے ہیں، ان کی بھی ابن عباس سے روایت ہے ان کا نام زیاد بن فیروز تھا، برّاء تھے یعنی تیر بناتے تھے، ان کی تقصیر الصلاۃ میں ابن عباس سے ایک روایت گزری ہے۔ (لا ينبغي لعبد الخ) حضرت یونس کے ترجمہ میں اس بارے کلام ہوگی۔ (و ذكر النبي الخ) کشمیہنی کے نسخہ میں: (أسرىَ بي) ہے، اس حدیث کو اکثر رواۃ نے بطور دو حدیثوں کے نقل کیا ہے، ایک حضرت یونس سے متعلقہ اور دوسری حضرت موسی سے۔ (آدم طوال) ابن تین نے لکھا ہے کہ یہاں (جسیم) کا لفظ بھی ہے مگر ابن حجر کے بقول اس روایت کے کسی طریق میں یہ لفظ موجود نہیں۔

یہ مسلم نے بھی (أحاديث الأنبياء) اور ابو داود نے (السنة) میں نقل کی ہے۔

3397 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ السَّخْتِيَانِيُّ عَنِ ابْنِ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ وَجَدَهُمْ يَصُومُونَ يَوْمًا، يَعْنِي عَاشُورَاءَ، فَقَالُوا هَذَا يَوْمٌ عَظِيمٌ، وَهُوَ يَوْمٌ نَجَّى اللَّهُ فِيهِ مُوسَى، وَأَغْرَقَ آلَ فِرْعَوْنَ، فَصَامَ مُوسَى شُكْرًا لِلَّهِ. فَقَالَ أَنَا أَوْلَى بِمُوسَى مِنْهُمْ. فَصَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ. أطرافه 2004، 3943، 4680، 4737۔ (جلد سوم کتاب الصوم)

ابن مدینی سفیان بن عیینہ سے راوی ہیں، اسکی شرح کتاب الصیام میں گزر چکی ہے۔

25 باب (حضرت موسی کا چلہ)

قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (وَوَاعَدْنَا مُوسَى ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً وَقَالَ مُوسَى لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ *وَلَمَّا جَاءَ مُوسَى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ

أَرِنِی أَنْظُرْ إِلَيْکَ قَالَ لَنْ تَرَانِی) إِلَى قَوْلِهِ (وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ) يُقَالُ دَكَّهُ زَلْزَلَهُ (فَدُكَّتَا) فَدُكِكْنَ جَعَلَ الْجِبَالَ كَالْوَاحِدَةِ كَمَا قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ (أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا) وَلَمْ يَقُلْ كُنَّ. رَتْقًا مُلْتَصِقَتَيْنِ (أُشْرِبُوا) ثَوْبٌ مُشَرَّبٌ مَصْبُوغٌ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ (انْبَجَسَتْ) انْفَجَرَتْ (وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ) رَفَعْنَا. اللہ تعالی کا فرمان ہے: (ترجمہ) اور ہم نے موسی سے تیس راتوں کا وعدہ کیا پھر دس دن مزید بڑھادئے تو اسطرح اس کے رب کی میقات چالیس دن پوری ہوئی، اور موسی نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میری غیر موجودی میں میری قوم میں میرے قائمقام بنو، اور اصلاح کرنا اور مفسدین کی راہ کی پیروی نہ کرنا اور جب موسی ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور رب نے ان سے کلام کی تو عرض کی اے رب مجھے اپنا دیدار کرا، فرمایا تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا، (وأنا أول المسلمين) تک، (دکه) ای زَلزَلَه، (فدُكتا دكة واحدة) پہاڑوں کو ایک چیز قرار دیا اور دوسری زمیں ہوئی تو تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا جیسے ایک اور آیت میں سماوات اور ارض کی بابت فرمایا: (كانتا رتقاً)۔ (یعنی صیغۂ تثنیہ استعمال کیا) یہ نہیں کہا: (كُنَّ رتقاً)، رتقا کا معنی ہے: ملتصقين (یعنی ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے)۔ (أشربوا) اسی سے ثوب مُشرَّب کہا جاتا ہے یعنی مصبوغ (رنگا ہوا)۔ (انبجست) ای انفجرت، (وإذ نتقنا الجبل) یعنی اسے اٹھالیا۔

ابن حجر لکھتے ہین (وأتممناها بعشر) میں اس امر کا اشارہ ہے کہ موعدِ مذکور دو مرتبہ واقع ہو۔ (صعقا) بے ہوش کر۔ (يقال دكه الخ) حضرت موسیؑ کے قصہ میں تجلی کے ضمن میں قرآن میں مذکور ہے: (جَعَلَه دَكّاً) [الأعراف: ۳۴] ابوعبیدہ اس کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ زمین کے برابر کر دیا، مصدر ہے جو صفت بنا دیا گیا، ناقۃٌ دکاء کہا جاتا ہے جس کی کوہان نہ ہو گویا برابر کمر والی۔

(كانتا رتقاً الخ) اس کا استطر اداً ذکر کیا کیونکہ حضرت موسیٰ کے قصہ سے اس کا تعلق نہیں، ابوعبیدہ کہتے ہیں رتق وہ جس میں کوئی سوراخ نہ ہو پھر آسمان کو بارش اور زمین کو درختوں کے ساتھ مفتّق کیا (یعنی پھاڑا)۔ (أُشرِبوا الخ) یہ اشارہ کرتے ہیں کہ (معروف) شرب کا معنی مراد نہیں، بقول ابی عبیدہ یہ مجازِ حذف سے ہے أی (أشربوا في قلوبهم حُبُّ العجل) یعنی بچھڑے کی محبت سے ان کے دل شرابور ہوئے، جس نے یہ معنی کیا ہے کہ بچھڑے کو پگھلا کر پانی میں خلط کر کے انہیں پلایا گیا تو یہ کلامِ عرب میں غیر معروف ہے کیونکہ پانی یا کسی بھی مشروب کے بارہ میں یہ نہیں کہا جاتا کہ (أشرب فلان في قلبه)۔ (قال ابن عباس انبجست الخ) اسے ابن ابی حاتم نے موصول کیا ہے۔ (وإذ نتقنا الجبل الخ) ابن عباس کا قول ہے، ابن ابی حاتم نے موصول کیا ہے۔

3398 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِی سَعِيدٍؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ النَّاسُ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ، فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ، فَلاَ أَدْرِی أَفَاقَ قَبْلِی، أَمْ جُوزِیَ بِصَعْقَةِ الطُّورِ. أطرافه 2412، 4638، 6916، 6917، 7427۔ (جلد سوم کتاب الخصومات)

شیخِ بخاری بیکندی ہیں جو ابن عیینہ سے راوی ہیں، آگے اس کی شرح آ رہی ہے۔

3399 حَدَّثَنِی عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَوْلاَ بَنُو إِسْرَائِيلَ لَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ، وَلَوْلاَ حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ أُنْثَى زَوْجَهَا الدَّهْرَ

ترجمہِ حضرت آدمؑ میں مشروح ہو چکی ہے۔

26 باب طُوفَانٍ مِنَ السَّيْلِ (طوفانِ نوح)

يُقَالُ لِلْمَوْتِ الْكَثِيرِ طُوفَانٌ الْقُمَّلُ الْحُمْنَانُ يُشْبِهُ صِغَارَ الْحَلَمِ (حَقِيقٌ) حَقٌّ. (سُقِطَ) كُلُّ مَنْ نَدِمَ فَقَدْ سُقِطَ فِي يَدِهِ. طوفان سے مراد سیلاب کا طوفان، کثرت سے واقع ہونیوالی اموات کو طوفان کہا جاتا ہے، (القمل) اس چیچڑی کو کہتے ہیں جو چھوٹی جوں کے مشابہ ہوتی ہے (حقیق) بمعنی حق، (سقط) یعنی شرمندہ ہوا، اظہارِ ندامت کرنے والے کے بارہ میں یہ جملہ بولا جاتا ہے: (سقط فی یدہ)۔

نسفی کے نسخہ میں یہ پورا باب ساقط ہے۔ (طوفان الخ) بقول ابوعبیدہ طوفان کا لفظ سیل سے مجاز ہے، اس سے مراد وسیع پیمانہ پہ لگا تار ہونے والی موتیں۔ (القمل الخ) ابوعبیدہ کہتے ہیں عرب قُمَّل سے مراد حُمنان لیتے ہیں، اثرم جو ان سے راوی ہیں، کہتے ہیں حمنان بندروں کی ایک قسم ہے۔ ایک قول ہے کہ دب (یعنی ریچھ) مراد ہے۔ (حقیق الخ) ابوعبیدہ آیت (حَقِيقٌ علىٰ أنْ لا أقولَ الخ) [الأعراف : ١٠٥] کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس کا معنی ہے: (حقٌّ عليَّ) لیکن اس قراءت کے مطابق جس میں (علی) کو یائے مشدد کے ساتھ پڑھا گیا ہے، جو اسے کھڑی زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں ان کے ہاں اس کا معنی ہے: (حریص أو محق)۔

(سقط کل من ندم الخ) ابوعبیدہ قولہ تعالیٰ: (ولَمّا سُقِطَ فِيُ أيْدِيُهِمُ الخ) [الأعراف: ١٤٩] کی بابت لکھتے ہیں ہر عجز و ندامت کا اظہار کرنے والے کی نسبت یہ جملہ کہا جاتا ہے: (سقط فی یدہ)۔

27 باب حَدِيثِ الْخَضِرِ مَعَ مُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ (قصہِ موسیٰؑ وخضرؑ)

اسکے تحت ابن عباس کی روایت جو انہوں نے حضرت ابی بن کعب سے نقل کی ہے، دو طرق کے ساتھ لائے ہیں، پہلی تفسیر سورۃ الکہف مین اتم سیاق کے ساتھ آئیگی، وہیں اس کی باقی شرح کی جائیگی پھر حضرت ابو ہریرہ کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں خضر نام کی وجہِ تسمیہ ذکر کی ہے، عبدالرزاق نے اس سند کے ساتھ تخریج کر کے آخر میں یہ جملہ بھی اضافہ کیا ہے: (الفَرْو الحشیش الأبیض وما أشبهَه) یعنی سفید (خشک) گھاس وغیرہ کو فرو کہتے ہیں، عبداللہ بن احمد اپنے والد سے اسکی روایت کے بعد لکھتے ہیں میرا خیال ہے یہ تفسیر عبدالرزاق کی جانب سے ہے، عیاض بھی اسی (تشریح) پہ جزم کرتے ہیں، حربی کہتے ہیں وہ خشک گھاس کا قطعہ فروہ کہلاتا ہے جس میں کوئی پودا وغیرہ نہ ہو، ابن اعرابی کہتے ہیں وہ سفید زمین جس میں کوئی شجر و نبات نہ ہو، مجاہد سے منقول ہے کہ حضرت خضر جب نماز پڑھتے تو آس پاس کا ماحول سرسبز ہو جاتا۔ (یعنی یہ وجہِ تسمیہ ہے)۔

ان کے نام میں اختلاف کیا گیا ہے اسی طرح ان کے والد کے نام میں بھی، اس امر میں بھی کہ آیا نبی تھے یا نہیں؟۔ وھب بن منبہ کہتے ہیں ان کا نام بَلْیا تھا، دمیاطی کے نسخہ میں بجائے باء کے یاء ہے (یعنی یلیا)، بعض نے بالیا کہا ہے، ایک قول کے مطابق

الیاس تھا، عامر اور حضرون بھی منقول ہیں لیکن اول نام ھی اثبت ہے۔ نسب نامہ یہ ہے: ابن ملکان بن فالغ بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوحؑ۔ اسکی رِو سے ان کا زمانہ حضرت ابراہیم سے پہلے کا بنتا ہے کیونکہ یہ ان کے دادا کے عمزاد بنتے ہیں تو اس بارے ثعلبی نے دو اقوال نقل کیے ہیں۔ بقولِ وہب ان کی کنیت ابو العباس تھی، ابو حاتم بجستانی المعمّرین میں لکھتے ہیں حضرت خضر قابیل بن آدم کے بیٹے تھے، اسے ابو عبیدہ وغیرہ سے نقل کیا ہے، ابن اسحاق نے وہب سے ارمیاہ بن طیفاء نقل کیا ہے، ملکان بطور اسمِ والد اشہر ہے، سھیلی بعض اہل علم سے ناقل ہیں کہ وہ بنی آدم سے نہیں بلکہ ایک فرشتہ تھے، ابن ظفر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ بعض ان لوگوں کی ذریت سے تھے جو حضرت ابراہیم پر ایمان لائے تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ وہی ہیں جنکے بارہ میں قرآن کہتا ہے کہ ایک سو برس تک کیلئے اللہ نے موت دیدی پھر دوبارہ زندہ کیا تو اب تبھی فوت ہونگے جب صور پھونکا جائے گا۔ دارقطنی کی اسی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر بڑھا رکھی ہے حتی کہ وہ دجال کی تکذیب کرینگے۔ عبدالرزاق مصنَّف میں معمر کے حوالے سے اس شخص کا قصہ نقل کرتے ہیں جسے دجال قتل کریگا پھر زندہ کریگا، کہتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ خضر ہوگے، ابراہیم بن سفیان بھی یہی کہتے ہیں۔

ابن اسحاق المبتدا میں اپنے اصحاب سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم نے بوقتِ وفات طوفان کی بابت بتلایا تھا اور اپنے جسم کی حفاظت سے تدفین کرنے والے کے حق میں دعائے خیر کی تھی تو جب طوفان کی آمد ہوئی حضرت نوح نے اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور اس بابت بتلایا تو انہوں نے ان کی حفاظت کی، کہا جاتا ہے اس کام کے متولی حضرت خضر بنے تھے۔ خیثمہ بن سلیمان معمر کے طریق کے ساتھ جعفر صادق عن ابیہ سے نقل کرتے ہیں کہ ذوالقرنین کا ایک دوست فرشتہ تھا جس سے آبِ حیات کی بابت دریافت کیا جو بحرِ ظلمات کے اندر ایک چشمہ تھا تو وہ اس جانب چلا، خضر ان کے مقدمۃ الجیش میں تھے، انہیں یہ چشمہ مل گیا مگر ذوالقرنین اس سے محروم رہے، مکحول کعب احبار سے ناقل ہیں کہ چار انبیاء کرام اہل زمین کی امان کی خاطر زندہ ہیں، دو زمین میں ہیں یعنی حضرت الیاس اور حضرت خضر اور دو آسمان میں یعنی حضرت ادریس اور حضرت عیسی۔ ابن عطیہ بغوی اکثر اہل علم سے ان کا نبی ہونا نقل کرتے ہیں، اس امر میں اختلاف کیا گیا ہے کہ آیا رسول بھی تھے؟ ایک گروہ جس میں قشیری بھی ہیں، انہیں ولی مانتا ہے۔ طبری لکھتے ہیں کتابِ اول کے عامۃ علماء کے نزدیک یہ افریدون کے عہد میں تھے اور ذوالقرنین اکبر کے مقدمہ کے سردار تھے۔ نقاش نے بہت سی اخبار نقل کی ہیں جن سے ان کی بقائے حیات ثابت ہوتی ہے مگر بقول ابن عطیہ کوئی بھی خبر ثابت للحجت نہیں کیونکہ اگر زندہ ہوتے تو آنجناب کے زمانہ میں ظاہر ہو چکے ہوتے اور اس بارے کچھ ثابت نہیں، ثعلبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ تمام اقوال ان کے معمّر ہونے پہ متفق ہیں اور یہ بھی کہ آنکھوں سے اوجھل ہیں، کہا جاتا ہے کہ آخر الزمان جب قرآن اٹھا لیا جائے گا، ان کی موت واقع ہوگی۔ قرطبی رقم طراز ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ نبی ہیں اور آیت بھی اس پر دال ہے کیونکہ کوئی نبی غیرِ نبی سے تعلُّم اختیار نہیں کر سکتا اور یہ بھی کہ حکم بالباطن پر مطلع ہونا انبیاء ھی کا خاصہ ہے۔ ابن صلاح کہتے ہیں جمہور علماء کی رائے میں وہ زندہ ہیں، عامۃ الناس بھی ان کے ہمنوا ہیں البتہ بعض محدثین اس کا انکار کرتے ہیں۔ نووی ان کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صوفیہ اور اہلِ صلاح ان کے زندہ ہونے پر متفق ہیں، انہیں دیکھنے اور ان کے ساتھ ملاقات کرنے کی حکایات اتنی زیادہ ہیں کہ احاطۂ شمار سے باہر ہیں، جن حضرات نے اس پہ جزم کیا ہے کہ اب وہ موجود نہیں، ان میں امام بخاری، ابراہیم حربی، ابو جعفر بن المنادی، ابو یعلی بن فراء، ابو طاہر عبادی، ابوبکر بن العربی اور علماء کی ایک جماعت ہے، ان کی دلیل ابن عمر اور جابر وغیرہ کے حوالے سے مروی آنجناب کا اپنی آخر عمر میں کہا ہوا یہ فرمان ہے کہ آج سے سو برس بعد آج موجود کوئی فرد زندہ نہ ہو

گا، ابن عمر کے بقول آپ کی مراد اس صدی کا اختتام تھا جس میں آپ تھے (آخری فوت ہونے والے صحابی ابو الطفیل ہیں جو ۱۱۰ ہجری میں فوت ہوئے لہٰذا سو برس سے مراد وہی جو ظاہر حدیث سے ثابت ہوتا ہے یعنی ۱۱۱ ہجری تک)۔

حیاتِ خضر کے مثبتین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ آنجناب کے مذکورہ قول کے وقت وہ سطحِ سمندر میں تھے لہٰذا اس کا مصداق نہیں بنتے یا یہ مستثنیٰ ہیں جیسے بالاتفاق ابلیس اس سے مستثنیٰ ہے۔ منکرینِ حیات کی ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: (وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ) [الأنبياء :۳۴] کہ ہم نے آپ سے قبل کسی بشر کیلئے ہمیشہ رہنا مقدر نہیں کیا، اسی طرح ابن عباس سے مروی یہ حدیث کہ اللہ نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس سے وعدہ لیا کہ اگر اس کی حیات میں محمد مبعوث کر دئے جائیں تو وہ ان پر ایمان لائینگے اور ان کی ضرور مدد کریں گے، اور قطعاً ثابت نہیں کہ حضرت خضر آنجناب کے ہاں آئے ہوں اور غزوات میں شرکت کی ہو پھر یوم بدر آپ نے اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہا تھا کہ اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین پر کوئی تیرا نام لیوا نہ ہوگا، اگر خضر زندہ ہیں تو یہ نفی صحیح ثابت نہیں ہوتی، اسی طرح اس قصہ موسیٰ وخضر پر مشتمل روایت میں آپکا کہنا کہ کاش موسی صبر کرتے تا کہ کچھ مزید عجائب سے آگاہ ہو جاتے تو اگر خضر زندہ ہیں تو یہ تمنا حسن ثابت نہیں ہوتی (کیونکہ پھر تو آپ انہیں بلا کر مزید عجائب سے آگاہی حاصل کر سکتے تھے)۔

ایک ضعیف روایت جسے ابن عدی نے کثیر بن عبد اللہ عن عمرو بن عوف عن ابیہ عن جدہ کے حوالے سے نقل کیا، میں ہے کہ نبی پاک نے مسجد نبوی میں ایک کلام سنی تو حضرت انس سے فرمایا اس قائل کے پاس جاؤ اور کہو میرے لئے استغفار کریں، اس نے آگے سے جواب دیا کہ میری طرف سے کہو اللہ نے آپ کو انبیاء پر اس طرح فضیلت بخشی ہے جیسے رمضان کو باقی مہینوں پر، پھر پتہ چلا کہ یہ خضر تھے، لیکن اس کی سند ضعیف ہے اس طرح کی کئی اور روایات بھی ذکر کی ہیں مگر سب ضعیف الا سناد ہیں۔

کئی حضرات سے حضرت خضر کی ملاقات کے بارہ میں متعدد روایات ہیں، مثلاً احمد نے الزھد میں مسعر عن معن بن عبد الرحمٰن عن عون بن عبد اللہ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ فتنۂ ابن زبیر کے زمانہ میں ایک شخص مصر میں مہموم جا رہا تھا کہ ایک شخص ملا، پوچھا اتنے دکھی کیوں ہو؟ کہا دیکھتے نہیں لوگ کس آزمائش میں پڑے ہیں؟ کہا تم یہ دعا کرتے رہو: (الھم سَلِّمْنِی و سَلِّمْ مِنِّی) اے اللہ مجھے بھی سلامت رکھ اور مجھ سے بھی سلامت رکھ، مسعر کہتے ہیں لوگوں کا خیال ہے کہ یہ خضر تھے (ظاہر ہے پکی بات نہیں ظاہراً کوئی نیک شخص تھا جس نے انہیں غمزدہ پا کر ازرہِ نصیحت یہ بات کہی)۔ یعقوب بن سفیان اپنی تاریخ میں اور ابو عروبہ ریاح بن عبیدہ کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبد العزیز کے ہاتھوں میں ہاتھ دئے ایک شخص کو چلتے دیکھا، وہ چلا گیا تو ان سے پوچھا یہ کون تھا؟ کہا تم نے اسے دیکھ لیا؟ کہا جی ہاں، کہا لگتا ہے تم نیک آدمی ہو، وہ میرے بھائی خضر تھے، مجھے بشارت دی کہ میں عادل خلیفہ بنوں گا، بقول ابن حجر (لا بأس برجاله) یعنی اس سند کے راوی ٹھیک ہی ہیں، کہتے ہیں صرف یہی ایک سند جید ہے جس کی وساطت سے اس باب میں یہ ایک روایت ملتی ہے، اور یہ آنجناب کی مذکورہ حدیث کہ سو برس کے ختم ہوتے ہوتے آج روئے زمین پہ موجود ہر شخص (آنجناب نے۔ لا یبقیٰ مِمَّن ھُوَ الخ۔ کے الفاظ استعمال کئے ہیں تو اس حکم میں صرف انسان و جن ہی آتے ہیں کیونکہ باقی جانداروں کیلئے۔ ما۔ استعمال ہوتا ہے) مر جائیگا، کے معارض نہیں کیونکہ یہ واقعہ سو برس ختم ہونے سے پہلے کا ہے (عمر بن عبد العزیز: ۱۰۱ھ میں فوت ہوئے تھے)۔ ابن عساکر ابو زرعہ رازی کے حالات زندگی میں ان سے نقل کرتے ہیں کہ عالمِ شباب میں ایک شخص ملا جس نے امراء کے دروازوں کے پھیرے لگانے سے مجھے منع کیا پھر میرے بڑھاپے میں وہی شخص دوبارہ ملا اور یہی نصیحت کی، میں نے دیکھا کہ وہ بالکل

بھی نہیں تبدیل ہوا تھا، کہتے ہیں میں مڑا کہ ان سے مزید باتیں کروں اچانک وہ غائب تھے تو میرے دل میں خیال آیا کہ یہ خضر ہوں گے بقول ابن حجر اس کی سند صحیح ہے (مگر یہ پکی بات نہ ہوئی کہ وہ خضر تھے، ان کا ذاتی خیال ہے)۔

سید انور شاہ اس باب کے تحت رقمطراز ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ خضر سے مراد ارمیاہ علیہ السلام ہیں مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ وہ تو حضرت موسیٰ کے پانچ سو برس بعد ہوئے ہیں پھر ان کی وفات بھی ثابت ہے اور جناب خضر کی وفات کی بابت تردّد و تعددِ آراء ہے وگرنہ کہنا پڑے گا کہ ان سے ملنے والے موسی بنی اسرائیل والے نہیں، کوئی اور تھے یا حضرت موسیٰ سے جن خضر کی ملاقات ہوئی، وہ یہ نہیں کوئی اور تھے۔

3400 حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنِى أَبِى عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ أَخْبَرَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ تَمَارَى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسٍ الْفَزَارِىُّ فِى صَاحِبِ مُوسَى، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هُوَ خَضِرٌ، فَمَرَّ بِهِمَا أُبَىُّ بْنُ كَعْبٍ، فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ، فَقَالَ إِنِّى تَمَارَيْتُ أَنَا وَصَاحِبِى هَذَا فِى صَاحِبِ مُوسَى الَّذِى سَأَلَ السَّبِيلَ إِلَى لُقِيِّهِ، هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَذْكُرُ شَأْنَهُ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ بَيْنَمَا مُوسَى فِى مَلإٍ مِنْ بَنِى إِسْرَائِيلَ جَاءَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْكَ قَالَ لاَ .فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَى مُوسَى بَلَى عَبْدُنَا خَضِرٌ .فَسَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَيْهِ، فَجُعِلَ لَهُ الْحُوتُ آيَةً، وَقِيلَ لَهُ إِذَا فَقَدْتَ الْحُوتَ فَارْجِعْ، فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ .فَكَانَ يَتْبَعُ الْحُوتَ فِى الْبَحْرِ، فَقَالَ لِمُوسَى فَتَاهُ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ، فَإِنِّى نَسِيتُ الْحُوتَ، وَمَا أَنْسَانِيهِ إِلاَّ الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ .فَقَالَ مُوسَى ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ .فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا فَوَجَدَا خَضِرًا، فَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا الَّذِى قَصَّ اللَّهُ فِى كِتَابِهِ .أطرافه 74، 78، 122، 2267، 2728، 3278، 3401، 4725، 4726، 4727، 6672، 7478

3401 حَدَّثَنَا عَلِىُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ أَخْبَرَنِى سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لاِبْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ نَوْفًا الْبَكَالِىَّ يَزْعُمُ أَنَّ مُوسَى صَاحِبَ الْخَضِرِ لَيْسَ هُوَ مُوسَى بَنِى إِسْرَائِيلَ، إِنَّمَا هُوَ مُوسَى آخَرُ .فَقَالَ كَذَبَ عَدُوُّ اللَّهِ حَدَّثَنَا أُبَىُّ بْنُ كَعْبٍ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ أَنَّ مُوسَى قَامَ خَطِيبًا فِى بَنِى إِسْرَائِيلَ، فَسُئِلَ أَىُّ النَّاسِ أَعْلَمُ فَقَالَ أَنَا .فَعَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ .فَقَالَ لَهُ بَلَى، لِى عَبْدٌ بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ .قَالَ أَىْ رَبِّ وَمَنْ لِى بِهِ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ أَىْ رَبِّ وَكَيْفَ لِى بِهِ قَالَ تَأْخُذُ حُوتًا، فَتَجْعَلُهُ فِى مِكْتَلٍ، حَيْثُمَا فَقَدْتَ الْحُوتَ فَهْوَ ثَمَّ وَرُبَّمَا قَالَ فَهْوَ ثَمَّهْ وَأَخَذَ حُوتًا، فَجَعَلَهُ فِى مِكْتَلٍ، ثُمَّ انْطَلَقَ هُوَ وَفَتَاهُ يُوشَعُ بْنُ نُونٍ، حَتَّى أَتَيَا الصَّخْرَةَ، وَضَعَا رُءُوسَهُمَا فَرَقَدَ

مُوسَى، وَاضْطَرَبَ الْحُوتُ فَخَرَجَ فَسَقَطَ فِي الْبَحْرِ، فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا، فَأَمْسَكَ اللَّهُ عَنِ الْحُوتِ جِرْيَةَ الْمَاءِ، فَصَارَ مِثْلَ الطَّاقِ، فَقَالَ هَكَذَا مِثْلُ الطَّاقِ .فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ بَقِيَّةَ لَيْلَتِهِمَا وَيَوْمَهُمَا، حَتَّى إِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا .

وَلَمْ يَجِدْ مُوسَى النَّصَبَ حَتَّى جَاوَزَ حَيْثُ أَمَرَهُ اللَّهُ .قَالَ لَهُ فَتَاهُ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ، وَمَا أَنْسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ، وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا، فَكَانَ لِلْحُوتِ سَرَبًا وَلَهُمَا عَجَبًا .قَالَ لَهُ مُوسَى ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي، فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا، رَجَعَا يَقُصَّانِ آثَارَهُمَا حَتَّى انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ، فَإِذَا رَجُلٌ مُسَجًّى بِثَوْبٍ، فَسَلَّمَ مُوسَى، فَرَدَّ عَلَيْهِ .فَقَالَ وَأَنَّى بِأَرْضِكَ السَّلَامُ .قَالَ أَنَا مُوسَى .قَالَ مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ قَالَ نَعَمْ، أَتَيْتُكَ لِتُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رَشَدًا .قَالَ يَا مُوسَى إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ، عَلَّمَنِيهِ اللَّهُ لَا تَعْلَمُهُ وَأَنْتَ عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ عَلَّمَكَهُ اللَّهُ لَا أَعْلَمُهُ .قَالَ هَلْ أَتَّبِعُكَ قَالَ (إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا *وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَى مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا) إِلَى قَوْلِهِ (إِمْرًا) فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ، فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِينَةٌ، كَلَّمُوهُمْ أَنْ يَحْمِلُوهُمْ، فَعَرَفُوا الْخَضِرَ، فَحَمَلُوهُ بِغَيْرِ نَوْلٍ، فَلَمَّا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ جَاءَ عُصْفُورٌ، فَوَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ، فَنَقَرَ فِي الْبَحْرِ نَقْرَةً أَوْ نَقْرَتَيْنِ، قَالَ لَهُ الْخَضِرُ يَا مُوسَى، مَا نَقَصَ عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ إِلَّا مِثْلَ مَا نَقَصَ هَذَا الْعُصْفُورُ بِمِنْقَارِهِ مِنَ الْبَحْرِ .إِذْ أَخَذَ الْفَأْسَ فَنَزَعَ لَوْحًا، قَالَ فَلَمْ يَفْجَأْ مُوسَى إِلَّا وَقَدْ قَلَعَ لَوْحًا بِالْقَدُّومِ .فَقَالَ لَهُ مُوسَى مَا صَنَعْتَ قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوْلٍ، عَمَدْتَ إِلَى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا، لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا .قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا .قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا، فَكَانَتِ الْأُولَى مِنْ مُوسَى نِسْيَانًا .فَلَمَّا خَرَجَا مِنَ الْبَحْرِ مَرُّوا بِغُلَامٍ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ، فَأَخَذَ الْخَضِرُ بِرَأْسِهِ فَقَلَعَهُ بِيَدِهِ هَكَذَا وَأَوْمَأَ سُفْيَانُ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِهِ كَأَنَّهُ يَقْطِفُ شَيْئًا فَقَالَ لَهُ مُوسَى أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا .قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا .قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي، قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا .فَانْطَلَقَا حَتَّى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ مَائِلًا أَوْمَأَ بِيَدِهِ هَكَذَا وَأَشَارَ سُفْيَانُ

كَأَنَّهُ يَمْسَحُ شَيْئًا إِلَى فَوْقُ، فَلَمْ أَسْمَعْ سُفْيَانَ يَذْكُرُ مَائِلاً إِلَّا مَرَّةً قَالَ قَوْمٌ أَتَيْنَاهُمْ فَلَمْ يُطْعِمُونَا وَلَمْ يُضَيِّفُونَا عَمَدْتَ إِلَى حَائِطِهِمْ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا .قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ، سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا .قَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَدِدْنَا أَنَّ مُوسَى كَانَ صَبَرَ، فَقَصَّ اللَّهُ عَلَيْنَا مِنْ خَبَرِهِمَا .قَالَ سُفْيَانُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَرْحَمُ اللَّهُ مُوسَى، لَوْ كَانَ صَبَرَ يُقَصُّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا .وَقَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَالِحَةٍ غَصْبًا، وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا وَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ .ثُمَّ قَالَ لِي سُفْيَانُ سَمِعْتُهُ مِنْهُ مَرَّتَيْنِ وَحَفِظْتُهُ مِنْهُ .قِيلَ لِسُفْيَانَ حَفِظْتَهُ قَبْلَ أَنْ تَسْمَعَهُ مِنْ عَمْرٍو، أَوْ تَحَفَّظْتَهُ مِنْ إِنْسَانٍ فَقَالَ مِمَّنْ أَتَحَفَّظُهُ وَرَوَاهُ أَحَدٌ عَنْ عَمْرٍو غَيْرِي سَمِعْتُهُ مِنْهُ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا وَحَفِظْتُهُ مِنْهُ .أطرافه 74، 78، 122، 2267، 2728، 3278، 3400، 4725، 4726، 4727، 6672، 7478

راوی کہتے ہیں ابن عباس کا حر بن قیس فزاری سے صاحبِ موسیٰ کی بابت اختلاف ہوا اس اثناء حضرت ابی بن کعب کا وہاں سے گزر ہوا تو ابن عباس نے انہیں بلایا اور کہا میرا ان صاحب سے اس شخص کے بارہ میں جھگڑا چل رہا ہے جن سے ملاقات کی خاطر حضرت موسیٰ مجمع البحرین پہنچے تھے، کیا آپ نے نبی پاک سے اس بابت کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں میں نے آنجناب کو یہ کہتے سنا تھا کہ موسیٰ بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ کسی نے پوچھا کیا آپ اپنے سے بھی بڑے کسی عالم کو جانتے ہیں؟ وہ بولے نہیں، تو اللہ نے وحی کی کیوں نہیں، ہمارا بندہ خضر! تو حضرت موسی نے ان تک جانے کا راستہ پوچھا اس پر مچھلی بطور نشانی مقرر کر دیگئی، اور کہا گیا جہاں یہ گم ہو جائے وہیں ان سے ملاقات ہوگی تو وہ اس کی سمندر میں برابر نگرانی کرتے رہے، تو ان کے خادم نے کہا آپ نے دیکھا نہیں جب ہم اس چٹان کے پاس محوِ استراحت تھے تو میں مچھلی کے بارہ میں آپکو بتلانا بھول گیا (کہ وہ سمندر میں چلی گئی ہے) اور نہیں بھلایا مجھے مگر شیطان نے، وہ بولے یہی تو جگہ ہے جس کی تلاش میں ہم ہیں، تو اپنے نشانات کو دیکھتے ہوئے واپس ہوئے تو وہاں حضرت خضرؑ کو پایا، تو یہ ہے ان کا قصہ جو اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔

(حدیث نمبر: 3401 کا ترجمہ) راوی کہتے ہیں میں نے ابن عباس سے عرض کیا کہ نوفل بکالی کا کہنا ہے کہ موسی جنکی حضرت خضر سے ملاقات ہوئی، بنی اسرائیل والے موسی نہیں، کوئی اور ہیں، کہنے لگے اللہ کا دشمن جھوٹ کہتا ہے، ہمیں ابی بن کعب نے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو وعظ کہنے کھڑے ہوئے تو کسی نے پوچھا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ کہا میں ہوں، تو اللہ نے اظہارِ عتاب کیا کہ کیوں نہیں اللہ کی طرف علم کی نسبت کی تو وحی آئی کہ مجمع البحرین (یعنی جہاں دو سمندر باہم ملتے ہیں) کے پاس میرا ایک بندہ ہے وہ تجھ سے بھی بڑا عالم ہے، موسی نے عرض کی اے رب ان سے ملاقات کیسے ہو؟ حکم ہوا ایک مچھلی لو، اسے اپنے تھیلے میں ساتھ رکھو جہاں وہ گم ہو جائے وہیں وہ موجود ہوں گے، تو تھیلے میں مچھلی ڈال کر اپنے خادم حضرت یوشع کے ہمراہ چل نکلے، دورانِ سفر ایک چٹان کے زیرِ سایہ آرام کیا موسیٰ سو گئے تو مچھلی زندہ ہو کر سمندر میں راستہ بناتے ہوئے چلی گئی اللہ نے اس سے پانی کے بہاؤ کو روک لیا، وہ مثلِ طاق ہو گیا۔ اشارہ کر کے بتلایا۔ وہ بقیہ پورا دن اور رات چلتے گئے اگلی صبح اپنے خادم سے کہا ہمارا دوپہر کا کھانا لاؤ، ہمیں تو اس سفر میں بہت مشقت ملی ہے اور موسی کو مشقت کا احساس تبھی ہوا جب اس جگہ سے آگے

بڑھ گئے تھے جہاں کا اللہ نے وعدہ کیا تھا، تو نوجوان نے کہا دیکھئے جب ہم اس چٹان کے تلے آرام کر رہے تھے تو میں (بتلانا تو) بھول ہی گیا کہ مچھلی عجب انداز سے سمندر میں چلی گئی تھی اور مجھے نہیں بھلایا مگر شیطان نے، مچھلی کو (سمندر میں جانے کیلئے) ایک سرنگ سی ملی جوان کے لئے ایک عجیب بات تھی، موسی کہنے لگے اسی کی تو تلاش تھی تو انہی قدموں واپس ہوئے حتی کہ اسی چٹان کے پاس پہنچے وہاں ایک شخص کپڑا لپیٹے موجود تھا، انہیں سلام کہا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور بولے آپکی سرزمین میں ایسا سلام کہاں؟ بولے میں موسی ہوں، کہا بنی اسرائیل والے؟ کہا جی ہاں! میں اسلئے آیا ہوں کہ آپ مجھے رشد کا وہ علم سکھلائیں جو اللہ نے آپکو دیا ہے۔

وہ بولے بات یہ ہے کہ آپکے پاس کچھ ایسا علم ہے جو میرے پاس نہیں، اسی طرح کچھ ایسا علم مجھے عطا ہوا ہے جو آپکے پاس نہیں، موسی نے کہا تو کیا اپنے ساتھ رہنے کی اجازت ہے؟ کہا آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکیں گے، اور صبر ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ ایسے احوال دیکھیں گے جنکی حقیقت سے آپ واقف نہیں۔ إمرا۔ تک، بہرحال وہ اب ساحلِ سمندر پہ چلے، ایک سفینہ گزرا ان سے بات کی کہ انہیں بھی سوار کر لیں، انہوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا اور بغیر کرائے کے سوار کر لیا، اندر بیٹھ گئے، ناگاہ ایک چڑیا پر نظر پڑی جس نے سمندر میں چونچ مار کر ایک یا دو دفعہ پانی کی بوند لی، حضرت خضر کہنے لگے اے موسی میرے اور آپکے علم نے اللہ کے علم میں کچھ کمی نہیں کی مگر اتنی جو اس چڑیا کے سمندر میں چونچ مارنے سے ہوئی ہوگی، پھر اچانک کلہاڑا پکڑ کر کشتی سے ایک تختہ نکال لیا حضرت موسی نے جو توجہ کی تو وہ تختہ نکال چکے تھے وہ بولے یہ آپ نے کیا کیا؟ ان لوگوں نے تو بغیر کرایہ ہمیں کشتی میں بٹھا لیا آپ نے ان کی کشتی میں سوراخ کر دیا تا کہ وہ غرق ہو جائیں، آپ نے بہت ناگوار فعل کیا ہے خضر بولے کیا میں نے کہا نہ تھا کہ آپ میرے ہمراہ صبر نہ کر سکینگے؟ انہوں نے کہا میں تو بھول ہی گیا، میرا مواخذہ نہ کریں اور اس مسئلہ میں مجھ پہ سختی نہ کریں تو یہ پہلی بات موسیٰ سے بھول کر سرزد ہوئی، پھر اس کے بعد جب سمندری سفر ختم ہوا وہ باہر آئے تو دیکھا ایک لڑکا بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف ہے تو خضرؑ نے اپنے ہاتھ سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ سفیان نے اپنی انگلیوں سے یوں اشارہ کر کے بتلایا جیسے کوئی چیز توڑتے ہوں، یہ دیکھ کر حضرت موسی پھر بول اٹھے آپ نے ایک معصوم جان کو ضائع کر دیا؟ بغیر کسی بدلے کے، بلاشبہ آپ نے بری حرکت کی، حضرت خضر بولے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ صبر سے کام نہ لے سکیں گے؟ حضرت موسی نے کہا اگر اب کسی چیز کی بابت پوچھا تو بے شک مجھے مزید اپنے ساتھ نہ رکھیں، بلاشبہ آپ میری بابت حدِ عذر کو پہنچ چکے ہیں، پھر دونوں چلے حتی کہ ایک بستی والوں کے پاس آئے، ان سے میزبانی طلب کی مگر انہوں نے انکار کیا، اسی بستی میں ایک دیوار پائی جو گرا ہی چاہتی تھی۔ سفیان نے اوپر سے نیچے اشارہ کر کے بتلایا۔ موسی بولے ایسے لوگ جنہوں نے ہماری میزبانی سے انکار کیا آپ نے ان کی دیوار بنادی؟ چاہئے تو یہ تھا کہ اجرت مانگتے۔

خضر نے کہا بس یہ میرے اور آپکے درمیان فراق ہے، میں ان باتوں کی توجیہہ آپکو بتلاتا ہوں، جن پر آپ صبر نہ کر سکے، آنجناب نے فرمایا ہماری خواہش تھی کہ موسیٰ صبر سے کام لیتے تا کہ اللہ تعالی کئی اور واقعات بھی ہمارے لئے بیان فرماتا، راوی کہتے ہیں ابن عباس اس آیت کی یوں قراءت کرتے تھے: (وَكَانَ أمامَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ صَالِحَةٍ غَصْباً)۔ (یعنی بجائے۔ وراء ھم۔ کے۔ أمامھم اور۔ صالحة۔ کا لفظ مزید بھی، جو مشہور قراءت میں نہیں ہے، یعنی ادھر ایک بادشاہ تھا جو صحیح و سالم کشتی غصب کر لیتا تھا تبھی اس میں سوراخ کر دیا تا کہ اس کے پنجہ استبداد سے محفوظ رہ سکے) باقی واقعات کی تاویل وتوجیہہ یہ ہے کہ وہ جو

لڑکا تھا تو اس کے والدین نیک افراد تھے مگر (اللہ تعالی کے علم کے مطابق اس نے کافر بننا تھا، تو اگر ایسا نہ کرتے تو وہ اپنے والدین کو بھی کفر میں مبتلا کر ڈالتا)، سفیان نے بتلایا کہ انہوں نے اس کا دو دفعہ سماع کیا اور یاد کیا، ان سے پوچھا گیا کیا سننے سے قبل ہی اسے یاد کرلیا تھا؟ بولے کس سے یاد کرتا؟ کیا میرے سوا بھی کسی نے عمرو سے اسے روایت کیا ہے؟ میں نے ان سے دو یا تین مرتبہ اس کا سماع کیا ہے۔

3402حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَعِيدِ الْأَصْبَهَانِيُّ أَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّمَا سُمِّيَ الْخَضِرُ أَنَّهُ جَلَسَ عَلَى فَرْوَةٍ بَيْضَاءَ فَإِذَا هِيَ تَهْتَزُّ مِنْ خَلْفِهِ خَضْرَاءَ .تحفة14682

ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا خضر کا یہ نام اسلئے پڑا کہ وہ ایک سوکھی سڑی زمین پہ فروکش تھے جونہی وہاں سے اٹھے تو وہ سرسبز وشاداب ہو کر لہرا رہی تھی۔

28 باب (بلا عنوان)

ابوذر وغیرہ کے ہاں بلا عنوان ہے، ماقبل باب سے تعلق ظاہر ہے۔

3403حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَؓ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قِيلَ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ .فَبَدَّلُوا فَدَخَلُوا يَزْحَفُونَ عَلَى أَسْتَاهِهِمْ، وَقَالُوا حَبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ .طرفاه4479، 4641

ابو ہریرہ کہتے ہیں بی پاک نے فرمایا بنی اسرائیل کو حکم ملا کہ سجدہ کرتے ہوئے دروازہ سے داخل ہوں اور کہیں (حطة) کہ اے اللہ ہمیں معاف فرما، تو انہوں نے تبدیل کرلیا، چوتڑوں کے بل داخل ہوئے اور بجائے (حطة) کہنے کے (حبة فی شعرة) کہا (اسکا معنی ہے بالیوں میں خوب دانے ہوں)۔

اس کی تفصیلی شرح تفسیر الأعراف میں آئیگی۔ اسے مسلم نے اواخرِ صحیح اور ترمذی نے (التفسیر) میں نقل کیا ہے۔

3404حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنِ الْحَسَنِ وَمُحَمَّدٍ وَخِلَاسٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ مُوسَى كَانَ رَجُلًا حَيِيًّا سِتِّيرًا، لَا يُرَى مِنْ جِلْدِهِ شَيْءٌ، اسْتِحْيَاءً مِنْهُ، فَآذَاهُ مَنْ آذَاهُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَقَالُوا مَا يَسْتَتِرُ هَذَا التَّسَتُّرَ إِلَّا مِنْ عَيْبٍ بِجِلْدِهِ، إِمَّا بَرَصٌ وَإِمَّا أُدْرَةٌ وَإِمَّا آفَةٌ .وَإِنَّ اللَّهَ أَرَادَ أَنْ يُبَرِّئَهُ مِمَّا قَالُوا لِمُوسَى فَخَلَا يَوْمًا وَحْدَهُ فَوَضَعَ ثِيَابَهُ عَلَى الْحَجَرِ ثُمَّ اغْتَسَلَ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ إِلَى ثِيَابِهِ لِيَأْخُذَهَا، وَإِنَّ الْحَجَرَ عَدَا بِثَوْبِهِ، فَأَخَذَ مُوسَى عَصَاهُ وَطَلَبَ الْحَجَرَ، فَجَعَلَ يَقُولُ ثَوْبِي حَجَرُ، ثَوْبِي حَجَرُ، حَتَّى انْتَهَى إِلَى مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَرَأَوْهُ عُرْيَانًا أَحْسَنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ، وَأَبْرَأَهُ مِمَّا يَقُولُونَ، وَقَامَ الْحَجَرُ فَأَخَذَ ثَوْبَهُ فَلَبِسَهُ، وَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا بِعَصَاهُ،

فَوَاللَّهِ إِنَّ بِالْحَجَرِ لَنَدَبًا مِنْ أَثَرِ ضَرْبِهِ ثَلاَثًا أَوْ أَرْبَعًا أَوْ خَمْسًا، فَذَلِكَ قَوْلُهُ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا) .طرفاه 4799،378

ابو ہریرہ کہتے ہیں نبی اکرم نے فرمایا حضرت موسی بڑے شرم وحیا والے اور ستر کرنے والے آدمی تھے ان کی حیا کے سبب ان کے بدن کا کوئی حصہ بھی کوئی نہ دیکھ سکتا تھا، بنی اسرائیل کے جو لوگ ان کے درپے آزار رہتے تھے انہوں نے بات بنائی کہ یہ اسقدر پردہ اسلئے کرتے ہیں کہ یا تو ان کی جلد میں کوئی عیب ہے یا پھر برص کی مرض ہے یا ان کے خُصیتین بڑھے ہوئے ہیں یا کوئی اور بیماری ہے، اللہ تعالی نے ارادہ کیا کہ ان کے الزمات سے ان کی براءت دکھلائے تو ایک دن خلوت میں نہانے کیلئے اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھے فارغ ہو کر جب کپڑے لینے کیلئے ہاتھ آگے بڑھایا تو وہ بھاگ کھڑا ہوا حضرت موسی اپنا عصا لئے اس کے پیچھے پیچھے بھاگے، پکارتے جا رہے تھے اے پتھر میرے کپڑے اے پتھر میرے کپڑے، اسی حالات میں بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے ہاں جا پہنچے جنہوں نے انہیں عریان دیکھ لیا اور دیکھا کہ نہایت اچھی اور حسین حالت میں ہیں، تو اسطرح اللہ نے ان کی بات کا جھوٹ ظاہر کر دیا، یہاں پہنچ کر پتھر رک گیا تھا انہوں نے اپنے کپڑے لئے اور پتھر پہ لگا تار عصا برسانے لگے، اللہ کی قسم ان کی مار سے اس پہ تین یا چار یا پانچ نشان پڑے ہوئے تھے تو اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے: (یا أیها الذین آمنوا لا تکونوا الخ)۔

شیخِ بخاری اسحاق بن راہویہ ہیں۔ (کان رجلا حییا) حیاء سے بروزنِ فعیل، اسی وزن پر ستیر أستر سے ہے، اسے تائے مشدد کے ساتھ بھی بعض نے پڑھا ہے۔ سند میں عوف سے مراد اعرابی ہیں۔ (عن الحسن و محمد وخلاس) حسن سے بصری اور محمد سے ابن سیرین مراد ہیں، ابو ہریرہ سے ان کا سماع ثابت ہے اس حدیث کو امام احمد نے روح عن عوف کے طریق سے اکیلے ابن سیرین عن ابی هریرہ کے حوالے سے تخریج کیا ہے، خلاس سے مراد ابن عمر بصری ہیں، کہا جاتا ہے حضرت علی کی طرف سے پولیس کے سربراہ تھے، ترمذی اور نسائی کے ہاں بھی ان کی روایات ہیں، یحیٰ قطان جزم سے یہ بات کہتے تھے کہ انکی ابو ہریرہ سے روایات براہ راست نہیں بلکہ ان کے صحیفہ سے ہیں، ابو داؤد احمد سے نقل کرتے ہیں کہ ان کا ابو ہریرہ سے سماع ثابت نہیں، ابن ابی حاتم ابو زرعہ سے ناقل ہیں کہ یحیی قطان کہا کرتے تھے کہ حضرت علی سے بھی ان کی روایات ایک کتاب کے حوالے سے ہیں البتہ حضرات عمار، عائشہ اور ابن عباس سے سماع ثابت ہے، ابن حجر اس پر تبصرہ کرتے ہیں کہ اگر حضرت عمار سے (جو جنگ صفین میں شہید ہوئے) ان کا سماع ثابت ہے تو حضرت علی سے کیوں ممتنع ہے؟ جبکہ یہ ان کی طرف سے شرطہ کے سربراہ تھے، ابو حاتم کا قول ہے کہ کہا جاتا ہے ان کے ہاتھ حضرت علی کی ایک کتاب لگ گئی تھی (یعنی اس کتاب سے روایات تحدیث کرتے تھے البتہ واسطہ حضرت علی کا ذکر کرتے تھے) کہتے یہ حضرت علی سے روایت قوی نہیں، (یعنی اسی مذکورہ وجہ سے، اگر یہ درست ہے) صالح اپنے والد امام احمد سے بھی یہی رائے نقل کرتے ہیں، کہتے ہیں والد صاحب حضرت علی سے ان کی روایات سے بچا کرتے تھے، باقی ائمہ نے مطلقا انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں صحیح بخاری میں ان سے دو روایات ہیں، ایک یہ جو دو دیگر رواۃ کے ساتھ مقرون ہے، دوسری روایت الأیمان والنذور میں ہے، وہ بھی محمد بن سیرین عن ابی هریرہ کے ساتھ مقرون ہے، لکھتے ہیں حفاظ نقاد کی رائے میں حسن بصری کا حضرت ابو ہریرہ سے سماع ثابت نہیں، اس

قسم کی روایات جن میں وہ حضرت ابوھریرہ سے راوی ہیں، کو وہ وہم قرار دیتے ہیں۔ بخاری میں ابو ہریرہ سے ان کی تین روایات ہیں، دوسری بدءالخلق اور تیسری کتاب الإیمان میں ہے، تینوں میں وہ ابن سیرین کے ساتھ مقرون ہیں۔

(لا یری من جلده الخ) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی شریعت میں ایک دوسرے کے سامنے عریاں نہا لینا جائز تھا البتہ حضرت موسی استحیاءً کسی کے سامنے غسل نہ کرتے تھے۔ (وإما أدرة) مشہور روایت ہمزہ کی پیش اور دالِ ساکن کے ساتھ ہے، طبری نے اپنے بعض مشائخ سے دونوں کی زیر بھی نقل کی ہے لیکن پہلے اعراب کو راجح قرار دیا ہے۔ ابن مردویہ کی عثمان بن ہیثم عن عوف کے طریق سے روایت میں جزم کے ساتھ یہ الفاظ منقول ہیں کہ وہ انہیں آدر سمجھتے تھے۔ (فوضع ثيابه) کشمیہنی کے نسخہ میں ہے: (ثيابا) یعنی (ثيابا له) لیکن اول معروف ہے، بظاہر وہ عریاں ہو کر پانی میں اترے اس پر بخاری نے کتاب الغسل میں یہ عنوان باندھا تھا: (باب من اغتسل عريانا) اس کی توجیہہ وہاں ذکر ہو چکی ہے۔ ابن جوزی نے حسن بن ابوبکر نیشاپوری سے نقل کیا ہے کہ وہ چادر باندھے پانی میں اترے تھے (یعنی ننگے نہیں بلکہ لنگی کسے نہا رہے تھے) تو جب قوم کے سامنے پہنچے تو وہ چادر باندھے ہوئے تھے جو پانی سے بھیگ چکی تھی لیکن لوگوں کو تحقیق ہوگئی کہ آدر نہیں ہیں کیونکہ ادرۃ اگر ہوتی تو بھیگے کپڑے کے نیچے سے بھی دیکھی جا سکتی۔ ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں یہ اگرچہ محتمل ہے لیکن منقول اس کا مخالف ہے کیونکہ احمد کی حضرت انس سے اسی روایت میں ہے کہ حضرت موسی جب نہانے کی غرض سے پانی میں اترتے تو شرمگاہ اس وقت تک ننگی نہ کرتے جب تک پورے طور سے پانی کے اندر نہ ہو جاتے۔

(ثوبي حجر الخ) ثوبی کی یاء پر زبر ہے ای (أعطِني ثوبي) یا (رُدَّ ثوبي) ، حجر کی راء پر پیش ہے، علی حذف حرفِ نداء، الغسل کی روایت میں (يا حجر) تھا۔ (و أبرأه الخ) ابن مردویہ اور ابن خزیمہ کی روایتوں میں (وأعد له صورة) ہے، ردح بن عبادہ کی روایت میں: (فرأوه كأ حسن الرجال خلقاً فبرَّأه الله مماقالوا) کے الفاظ ہیں۔ (فو الله إن بالحجر ندباً) ہمام کی الغسل میں روایت سے وضاحت ہوئی تھی کہ یہ ابو ہریرہ کا قول تھا۔ (ثلاثا الخ) ہمام کی مذکورہ روایت میں (ستة أو سبعة) ہے، ابن مردویہ کی حبیب بن ابی سالم عن ابی ہریرہ سے جزم کے ساتھ چھ ضربات کا ذکر ہے۔ (فذلك قولُه تعالىٰ الخ) یہ ہمام کی روایت میں مذکور نہیں، حدیث سے ضرورت کے تحت ننگے چل لینے کا جواز ثابت ہوا، ابن جوزی لکھتے ہیں حضرت موسی چونکہ ایک خالی (اور آبادی سے دور کی) جگہ میں تھے وہ پتھر کے پیچھے ننگے اس بناء پر بھاگے کہ جلد اسے جا لینگے اور اس حالتِ عریانی میں کوئی انہیں دیکھ نہ پائے گا اب (چونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کی براءت مقصود تھی) وہاں کچھ لوگ موجود پائے جنھوں نے اس حالت میں انہیں دیکھ لیا جس طرح آدمی خواہ اپنی طرف سے کتنی کوشش کر کے کسی دریا کا وہ کنارہ ڈھونڈے جہاں کوئی نہ ہو مگر خدشہ ہوتا ہے کہ اچانک کوئی آ جائے گا، تو ان کا یہ ننگا بھاگنا اس خیال پر مبنی تھا کہ کوئی نہیں دیکھ رہا (یعنی اس سے ننگے چل پھر لینے کا جواز ثابت نہیں ہوتا)۔ اسی سے یہ اخذ بھی ممکن ہے کہ ضرورۃً کسی کی شرمگاہ دیکھی جا سکتی ہے (ابن حجر نے دو لفظ استعمال کئے ہی: مداواۃً یعنی علاج کی غرض سے، اور: براءۃً من عيب، یعنی کسی عیب سے براءت کے اظہار کیلئے)، مثلا خاوند بیوی میں سے کوئی دوسرے کے برص میں مبتلا ہونے کا ادعاء کرے تا کہ اس بہانے علیحدگی ہو تو تحقیقِ حال کیلئے عورۃ پر نظر ڈالی جا سکتی ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ انبیاء کرام خَلق و خُلق، ہر لحاظ سے درجۂ کمال پر فائز ہوتے ہیں جو کسی نبی کی طرف کوئی نقصِ خِلقت منسوب کرے تو یہ انہیں ایذاء دینے کے مترادف ہے، اس کے فاعل کا کافر ہونا محتمل ہے۔ حضرت موسی کا معجزہ بھی ظاہر ہوا، یہ بھی کہ آدمی (خواہ نبی ہو) پر بشری طبیعت غالب ہوتی ہے، اب وہ جانتے تھے کہ پتھر

نے یہ کام اللہ کے حکم سے ہی کیا ہوگا لیکن اس پر ضربات لگائیں۔ یہ بھی ظاہر ہوا کہ انبیائے کرام کو کیسے کیسے جُہّال سے واسطہ پڑا اور ان کی ایذاء رسانی پر وہ صبر سے کام لیتے رہے۔ آیتِ مذکورہ کے شانِ نزول کی بابت مسندِ احمد بن منیع میں اسنادِ حسن کے ساتھ، اور طحاوی و ابن مردویہ نے بھی حضرت علی سے ایک روایت نقل کی ہے، اس میں ہے کہ بنی اسرائیل نے ان پر حضرت ہارون کو قتل کر کے کہیں دفن کر دینے کا الزام لگایا تھا جو ان کے ہمراہ زیارت (یعنی کوہِ طور) پر گئے تھے اور وہیں فوت ہو گئے اور حضرت موسی نے انہیں دفن کر دیا، واپس آئے تو قوم کہنے لگی آپ نے کسی وجہ سے انہیں مار ڈالا ہے، تو اس سے اللہ تعالیٰ نے بری کیا، حضرت ہارون کے مردہ جسم نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں طبعی موت کا شکار ہوا ہوں۔ ابن حجر لکھتے ہیں: (وفی الإسناد ضعف) یعنی اسناد ضعیف ہے (لیکن قبل ازیں باسناد حسن کے الفاظ استعمال کئے ہیں تو شائد یہ احمد بن منیع کی روایت کی بابت ہیں اور یہ طحاوی اور ابن مردویہ کی روایت کی بابت؟)۔

3405 حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الأَعْمَشِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ قَسْمًا، فَقَالَ رَجُلٌ إِنَّ هَذِهِ لَقِسْمَةٌ مَا أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللَّهِ. فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ، فَغَضِبَ حَتَّى رَأَيْتُ الْغَضَبَ فِي وَجْهِهِ، ثُمَّ قَالَ يَرْحَمُ اللَّهُ مُوسَى قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هَذَا فَصَبَرَ. أطرافه 3150، 4335، 4336، 6059، 6100، 6291، 6336

اس روایت سے غرضِ ترجمہ حضرت موسی کا ذکر وحوالہ ہے، یہ فرض الخمس کے اواخر میں گزر چکی ہے۔

29 باب (يَعْكِفُونَ عَلَى أَصْنَامٍ لَهُمْ) (قومِ موسی بتوں کی عبادت پہ ٹوٹ پڑی)

(مُتَبَّرٌ) خُسْرَانٌ (وَلِيُتَبِّرُوا) يُدَمِّرُوا (مَا عَلَوْا) مَا غَلَبُوا (متبر) يعنى خسران. (وليتبروا) اى يدمروا (یعنی خراب کریں)۔ (ماعلوا) یعنی غالب آئیں۔

اس آیت کے جملہ: (إِنَّ هٰؤُلاءِ مُتَبَّرٌ مَاهُمْ فِيهِ) کے لفظ (متبر) کی تفسیر ذکر کی ہے، یہ دراصل تتبیر جس سے متبر مشتق ہے، کی تفسیر ہے۔ (و لِيَتَبَّرُوا) کا ذکر استطر اداً کیا ہے، یہ قتادہ کی تفسیر ہے جو طبری نے نقل کی ہے۔

3406 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ نَجْنِي الْكَبَاثَ، وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ عَلَيْكُمْ بِالأَسْوَدِ مِنْهُ، فَإِنَّهُ أَطْيَبُهُ قَالُوا أَكُنْتَ تَرْعَى الْغَنَمَ قَالَ وَهَلْ مِنْ نَبِيٍّ إِلاَّ وَقَدْ رَعَاهَا. طرفه 5453

جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں ہم نبی پاک کے ساتھ ایک سفر میں پیلو کا پھل توڑنے لگے آپ نے فرمایا ان میں جو سیاہ ہوں انہیں توڑنا، یہ اچھے ہوتے ہیں، لوگوں نے کہا کیا آپ نے ریوڑ چَراتے رہے ہیں؟ فرمایا کوئی نبی ایسا نہیں جس نے بکریاں نہ چَرائی ہوں۔

(الكباث) اراک (یعنی پیلو کے درخت) کا پھل، نووی نے اہل لغت سے نقل کیا ہے کہ پکے پھل کو کہا جاتا ہے، صحابہ کرام نے آپ کے مذکورہ بات کہنے پہ: (أَكُنْتَ تَرْعىٰ الخ) اس لئے کہا کہ عموماً ریوڑ چرانے والوں کو ان درختوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے اور انہیں ان کے پھلوں کی عمدگی اور نضج کا علم ہوتا ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت ظاہر نہیں، ہمارے شیخ ابن ملقن اپنے بعض مشائخ سے عدم مطابقت کا دعوی نقل کرتے ہیں، شیخ کا کہنا تھا بلکہ یہ تو بظاہر غنم کے رعاۃ میں دخولِ عیسیٰؑ کی دلیل ہے، ابن حجر کہتے ہیں نسخہ میں یہی لکھا ہے، شاید سبقتِ قلم ہے، موسی لکھنا چاہئے تھا، کہتے میں میرے ذہن میں آتا ہے کہ ترجمہ اور روایتِ باب کے درمیان خالی جگہ تھی جس میں اس ترجمہ کیلئے کوئی اور روایت اور روایتِ ہذا کیلئے کوئی ترجمہ قائم کرنا چاہتے تھے (تو اس کا موقع نہ مل سکا) یا عمومی اعتبار سے (یعنی و ھل من نبي الخ کے الفاظ مدنظر رکھتے ہوئے) حضرت موسی سے اسکو مناسبت ہے، ہمارے شیخ نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے اس حدیث کے بعض طرق میں مذکور ہے کہ حضرت موسی کو جب مبعوث کیا گیا وہ اس وقت راعیِ غنم تھے (حضرت شعیب کے ہاں مدین میں یہی کاک انجام دیتے تھے)، اسے نسائی نے التفسیر میں نقل کیا ہے۔

خالی جگہ والی توجیہہ کی اس امر سے بھی تائید ملتی ہے کہ نسفی کے نسخہ میں یہ باب بلا ترجمہ ہے اور اس کے تحت سابقہ باب کی حدیثِ جابر نقل کی ہے اور اس کا وہاں ذکر نہیں کیا۔ کرمانی نے بتکلف یہ وجہِ مناسبت بیان کی ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل بھی اولاً مستضعفین تھے پھر اللہ نے انہیں آل فرعون سے نجات دیکر عالمین پر فضلیت عطا کی اسی طرح انبیاء عموماً مستضعفین تھے بایں طور کہ بکریاں چراتے تھے پھر اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا، ائمہ نے لکھا ہے کہ انبیاء کرام کے بکریاں چرانے کی حکمت یہ تھی کہ اللہ تواضع پہ ان کی تربیت کرنا چاہتا تھا پھر تا کہ بکریاں چَرانے کے اس مشکل کام سے عہدہ برا ہو کر امم کی سیاست کی مشق ہو، اس بارے اوائل الا جارۃ میں بات کی تھی، کرمانی خطابی سے ناقل ہیں کہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو ابنائے دنیا اور مُترفین میں نہیں رکھا، اس کیلئے اہلِ تواضع کا انتخاب کیا جیسے ریوڑ چرانے والے اور اس قسم کے دیگر پیشوں والے ہوتے ہیں، ابن حجر کہتے ہیں یہ بھی دراصل متنِ حدیث کی مناسبت ہے نہ کہ ترجمۃ الباب کی، قطب حلبی نے یہ توجیہ خطابی سے نقل کر کے لکھا اس حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت تلاش کی جائے۔

اسے مسلم نے (الأطعمة) اور نسائی نے (الوليمة) میں روایت کیا ہے۔

30 باب (وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً)

(گائے ذبح کرنے کا واقعہ)

قَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ الْعَوَانُ النَّصَفُ بَيْنَ الْبِكْرِ وَالْهَرِمَةِ (فَاقِعٌ) صَافٍ (لاَ ذَلُولٌ) لَمْ يُذِلَّهَا الْعَمَلُ، (تُثِيرُ الأَرْضَ) لَيْسَتْ بِذَلُولٍ تُثِيرُ الأَرْضَ وَلاَ تَعْمَلُ فِي الْحَرْثِ (مُسَلَّمَةٌ) مِنَ الْعُيُوبِ (لاَ شِيَةَ) بَيَاضٌ (صَفْرَاءُ) إِنْ شِئْتَ سَوْدَاءُ وَيُقَالُ صَفْرَاءُ كَقَوْلِهِ (جِمَالاَتٌ صُفْرٌ) (فَادَّارَأْتُمْ) اخْتَلَفْتُمْ. اور جب کہا موسی نے اپنی قوم سے کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔ ابو العالیہ کہتے ہیں عوان کا معنی ہے درمیانی عمر کا، (فاقع) یعنی صاف رنگ کا۔ (لا ذلول) یعنی کام پہ نہیں لگایا گیا۔ (تثير الأرض) یعنی زمیں پہ ہل چلانے میں استعمال نہیں ہوا اور نہ کھتی باڑی کا کوئی اور کام کیا۔ (مسلمة) عیوب سے (لا شية) یعنی سفیدی۔ (صفراء) یعنی اسے سیاہ بھی کہا جا سکتا ہے اور سفید بھی جیسے اونٹوں کے بارہ میں قرآن میں ہے: (جمالت صفر)۔ (اسکا معنی کرینگے سیاہ اونٹ)۔ (فادَّارَأْتُم)

یعنی تم نے باہم اختلاف کیا۔

اس باب میں سوائے قصہِ ذبح البقرہ پر مشتمل آیات کے ان الفاظ کی ابوالعالیہ سے تفسیر نقل کرنے کے، کچھ اور نقل نہیں کیا، مکمل واقعہ آدم بن ایاس نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے، ابوجعفر رازی عن الربیع بن انس عن ابی العالیۃ کے طریق سے (إن الله يأمركم أن تذبحوا بقرةً) کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا ایک مالدار لیکن بے اولاد شخص تھا، اس کے ایک ہونے والے وارث نے جائیداد کے حصول کی خاطر اسے قتل کر دیا اور اس کی لاش گزر گاہ میں پھینک دی اور خود ہی حضرت موسی کے پاس آکر دہائی دینے لگا کہ میرا عزیز قتل ہو گیا اب آپ ہی اس کا قاتل تلاش کر سکتے ہیں، آپ نے منادی کرائی کہ جسے اس بارے کچھ علم ہو، بیان کرے، کسی کے پاس کچھ خبر نہ تھی، اللہ نے وحی اتاری کہ ان سے کہیں گائے ذبح کریں تو قرآن نے گائے کی معرفت و وصف کی بابت ان کے سوال اور حضرت موسی کے جواب ذکر کئے ہیں، کہتے ہیں اگر گائے ذبح کرنے کا حکم ملنے کے بعد کوئی سی گائے بھی ذبح کر ڈالتے تو مقصد پورا ہو جاتا لیکن جوں جوں سوال کرتے گئے معاملہ مشکل ہوتا گیا اگر (إن شاء الله لَمُهتَدُون) نہ کہا ہوتا تو کبھی ان نشانیوں والی گائے تک نہ پہنچ سکتے، کہتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ان صفات کی حامل گائے ایک بڑھیا کے پاس ملی جس نے (ان کی حاجت دیکھتے ہوئے) منہ مانگی قیمت طلب کی، آخر ذبح کرنیکا مرحلہ آیا اور مقتول کے جسم سے اسے مس کیا تو وہ جی اٹھا اور اپنے قاتل کا نام بتلا کر دوبارہ مر گیا، اور یہ وہی تھا جو حضرت موسیٰ کے پاس آکر دہائی دیتا تھا کہ قاتل تلاش کریں۔ (إن شئت الخ) یعنی اس کا ظاہری معنی کہ زرد رنگ کی ہے، بھی مراد لینا محتمل ہے اور یہ بھی کہ اس سے مراد سیاہ رنگ ہے جیسے (جمالات صُفر) میں، یہاں کہا گیا ہے کہ سیاہی مائل زرد رنگ کے اونٹ، حسن کی بابت منقول ہے کہ سیاہ رنگ ہی مراد لیتے تھے۔ بقول علامہ انور یعنی اس کا اطلاق صفراء اور سوداء، دونوں پر ہوتا ہے۔ (فَادَّارأتم) یعنی ایک دوسرے سے اختلاف کیا، ابوعبیدہ نے بھی یہی معنیٰ بیان کیا ہے، یہ تدارئٔ ای تدافع سے ہے (یعنی ایک دوسرے کی بات کا رد کرنا)۔

31 باب وَفَاةِ مُوسَى وَذِكْرُهُ بَعْدُ (حضرت موسیٰ کی وفات)

بعد، مبنی علی الضمہ ہے۔ علامہ انور لکھتے ہیں ترجمہ میں یہ جملہ حدیثِ باب میں موجود نبی پاک کے اس فرمان کی وجہ سے ذکر کیا ہے کہ (لو كنت ثمة الخ) لیکن آپ وہاں نہ تھے۔

3407 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ أُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فَلَمَّا جَاءَهُ صَكَّهُ فَرَجَعَ إِلَى رَبِّهِ، فَقَالَ أَرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ. قَالَ ارْجِعْ إِلَيْهِ، فَقُلْ لَهُ يَضَعُ يَدَهُ عَلَى مَتْنِ ثَوْرٍ، فَلَهُ بِمَا غَطَّتْ يَدُهُ بِكُلِّ شَعَرَةٍ سَنَةٌ قَالَ أَيْ رَبِّ، ثُمَّ مَاذَا قَالَ ثُمَّ الْمَوْتُ. قَالَ فَالْآنَ. قَالَ فَسَأَلَ اللَّهَ أَنْ يُدْنِيَهُ مِنَ الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ كُنْتُ ثَمَّ لَأَرَيْتُكُمْ قَبْرَهُ إِلَى جَانِبِ الطَّرِيقِ تَحْتَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ قَالَ

وَأَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ. طرفه 1339 (جلد دوم ص: ۲۳۷ میں ترجمہ موجود ہے)

حضرت موسی کا ملک الموت کے ساتھ پیش آیا واقعہ بیان کیا ہے، اولاً طاؤس کے طریق سے موقوفاً پھر ہمام کے مرفوع طریق کی طرف اشارہ کیا ہے، عبد الرزاق کے واسطہ سے یہی طریق مشہور ہے، طاؤس کی روایت بھی محمد بن یحیٰ نے ان سے مرفوعا بیان کی ہے، اسے اسماعیلی نے تخریج کیا۔ (صکه) یعنی ان کی آنکھوں پر مارا، احمد اور مسلم کے ہاں ہمام عن ابی ہریرہ سے روایت میں ہے کہ ملک الموت آ کر کہنے لگے: (أَجِبْ ربَّكَ) یعنی آپکا آخری وقت آ گیا ہے، رب کی پکار کا جواب دیجئے (یعنی مرنے کیلئے تیار ہو جایئے) بس یہ سننا تھا کہ تاک کر مکہ مارا۔ (فلطم الخ) جس نے آنکھ پھوڑ دی، احمد اور طبری کے ہاں عمار بن ابو عمار کی ابو ہریرہ سے روایت میں ہے کہ اس وقت تک ملک الموت سرعام (شائد آدمی کی شکل میں، اسی لئے حضرت موسی کا مکہ مارنا ممکن ہوا) آتے تھے تو جب حضرت موسی کے پاس آئے تو مکہ مار کر آنکھ پھوڑ دی۔ (لا یرید الموت) ہمام کی روایت میں مزید یہ ہے کہ انہوں نے تو میری آنکھ پھوڑ ڈالی تو اللہ نے ان کی آنکھ صحیح کر دی، عمار کی روایت میں ہے بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار ہوئے اگر تیرے ہاں ان کے مرتبہ و مقام کا علم نہ ہوتا تو میں بھی مزا چکھا دیتا: (لو لا کرامته علیك لَشقَقْتُ علیه)۔

(یضع یده) ابو یونس کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ان سے کہو اگر لمبا عرصہ جینا چاہتے ہو تو ہاتھ رکھو (علیٰ متن)، عمار کی روایت میں ہے: (علیٰ جِلدِ ثَور) بیل کی جلد پر۔ (ثم الموت) ابو یونس کی روایت میں ہے اے رب پھر ابھی سہی، عمار کی روایت میں ہے کہ پوچھا پھر اس کے بعد؟ کہا پھر مرنا ہوگا، کہنے لگے: (فالآ ن) پھر ابھی سہی۔ الآن ظرفِ زمان غیر متمکن ہے، اسم ہے ماضی اور مستقبل کے مابین فاصل کا (یعنی لمحۂ موجود)۔ (رمیة بحجر) الجنائز میں اس بابت توجیہہ ذکر ہو چکی ہے۔ (تحت الکثیب الأحمر) مستملی اور کشمیہنی کے نسخوں میں بجائے تحت کے (عند) کا لفظ ہے، ابن حبان کا دعویٰ ہے کہ حضرت موسی کی قبر مدین میں ہے جو مدینہ اور بیت المقدس کے درمیان تھا، حافظ الضیاء نے تعاقب کرتے ہوئے کہا ارضِ مدین نہ تو مدینہ کے اور نہ بیت المقدس سے قریب ہے، اریحاء شہر میں ایک سرخ ٹیلے کے پاس ایک قبر ہے اس کے بارہ میں مشہور ہے کہ یہ حضرت موسیٰؑ کی قبر ہے، عمار کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کے بعد لوگوں کو موت دینے کیلئے خفیہ آنا شروع کر دیا، اریحاء ارضِ مقدسہ (شام و فلسطین کی سرزمین) میں ہے (ارائیں برادری دعوی کرتی ہے کہ ان کے باپ دادا اریحاء سے آئے تھے، شائد اریحائی کہلاتے تھے جو آخر کار ارائیں بن گیا)۔ سدی اپنی تفسیر میں ناقل ہیں کہ حضرت موسی اور ان کے خادم حضرت یوشع ایک جگہ موجود تھے کہ سیاہ آندھی چل پڑی، یوشع سمجھے قیامت آ گئی وہ خوف کے مارے حضرت موسی سے چمٹ گئے کچھ دیر بعد ان کے ہاتھ میں حضرت موسی کی خالی قمیص رہ گئی، وہ خود مُنْسَل (یعنی اس سے نکل غائب) ہو چکے تھے، یوشع وہ قمیص لے آئے، وھب بن منبہ سے منقول ہے کہ فرشتوں نے ان کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ پڑھی اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس برس تھی۔

(قال و أخبرنا معمر الخ) اسی اسناد کے ساتھ موصول ہے، معلق قرار دینا وہم ہے، اسے احمد نے بھی عبد الرزاق عن معمر سے تخریج کیا ہے، مسلم نے بھی محمد بن رافع عن عبد الرزاق سے تخریج کیا۔ (نحوه) سے مراد معنی کے لحاظ سے اس جیسی نہ کہ الفاظ بھی یہی ہیں۔ ابن خزیمہ لکھتے ہیں بعض بدعتی اس حدیث کا انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں اگر حضرت موسی ملک الموت کو پہچان گئے تھے تو پھر ان

کا انہیں مکہ مارنا توہین ہے اور اگر پہچان نہیں پائے تھے تو پھر ان سے قصاص کیوں نہیں لیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ملک الموت کو اس وقت ان کی روح قبض کرنے نہیں بھیجا تھا (موت تو لحہ بھر بھی آگے یا پیچھے نہیں ہو سکتی) بطورِ آزمائش بھیجے گئے تھے، تھپڑ رسید کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دیکھا ایک آدمی بغیر اجازت گھر کے اندر چلا آتا ہے، ابھی علم نہ تھا کہ وہ ملک الموت ہیں اور شرع نے تو بلا اجازت گھر کے اندر تانک جھانک کرنے والے کی آنکھ پھوڑ دینے کی اجازت دی ہے، حضرات ابراھیم اور لوط کے پاس بھی فرشتے آدمیوں کی شکل میں آئے، وہ بھی ابتدا میں انہیں پہچان نہ سکے بالفرض حضرت موسی نے اگر پہچان بھی لیا تھا تو فرشتوں اور انسانوں کے درمیان قصاص کی مشروعیت کی بات یہ بدعتی کس بنیاد پر کہتا ہے؟، پھر آیا ملک الموت طالب قصاص ہوئے تھے؟ خطابی مزید اضافہ کرتے ہیں کہ حضرت موسی کے مزاج میں چونکہ حدت تھی لہذا اس درانہ وار گھسنے والے کو اپنی جانب سے مناسب سزا دی لیکن جب اللہ تعالی سے آنکھ صحیح کرا کے دوبارہ آئے تو اب جان لیا کہ یہ تو اللہ کی طرف سے فرستادہ تھے لہذا استسلام کی روش اختیار کی۔ نووی کہتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالی نے مکہ مارنے کی اجازت دی ہو تا کہ ملک کی آزمائش ہو۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ دراصل ان کیلئے ایک سزا تھی کیونکہ انبیاء کی ارواح قبض کرنے سے قبل انہیں حکم تھا کہ انہیں اللہ کی طرف اختیار دیں کہ مرنا چاہتے ہیں کہ نہیں، اور حضرت موسی کو یکدم خبر دی کہ میں آپکی روح قبض کرنا چاہتا ہوں اسی لئے دوبارہ جب اس اختیار کی بابت ہتلایا تو وہ مستسلِم ہو گئے۔

بعض مدعی ہیں کہ (فقأ عينه) سے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ مفہوم یہ ہے کہ ان کی دلیل رد کر دی (أبطَلَ حُجَّته) لیکن یہ حدیث میں موجود دوسرے الفاظ سے مردود ہے، مثلا (فرَدَّ اللهُ عينَه) پھر (لَطمَه و صَكَّه) سیاقِ کلام بھی اس پر دال ہے۔ ابن قتیبہ اس بابت رقمطراز ہیں کہ پھوڑی گئی یہ آنکھ حقیقی نہ تھی بلکہ تخیلی اور تمثیلی تھی، اس پر (ردَّ الله الخ) کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالی انہیں ان کی اصل خلقت میں لے آیا، کئی ظاہری معنی ہی مراد لیتے ہیں اور اللہ نے ان کی بشری آنکھ اس لئے واپس کی تا کہ پھر اکمل صورت میں جناب موسی کے پاس جائیں تا کہ ان کے سامنے واشگاف ہو کہ یہ من جانب اللہ آئے ہیں۔ ابن عقیل نے یہ توجیہہ بھی ممکن قرار دی ہے کہ حضرت موسی کو تھپڑ رسید کرنے کی اجازت اور ملک الموت کو صبر کرنے کی ہدایت ملی ہو جیسے قصۂ خضر میں انہیں حکم ملا تھا کہ صبر سے ان کی کاروائی دیکھتے رہیں۔ حدیثِ ہذا سے ثابت ہوا کہ فرشتہ انسان کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے، یہ کئی اور احادیث میں بھی وارد ہے (جیسے کئی دفعہ حضرت جبریلؑ دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آجاتے تھے، ایک دفعہ کسی اجنبی مسافر کی شکل میں آئے اور آنجناب کے گھٹنہ مبارک سے گھٹنہ ٹیک کر دین کی بابت چند سوال کئے) ارضِ مقدسہ میں تدفین کی (خواہش اور) فضیلت بھی ثابت ہوئی، اس بارے کتاب الجنائز میں بحث گزر چکی ہے۔

(فلك بكل شعرة سنة) سے استدلال کیا گیا ہے کہ قیامت ہونے میں ابھی بہت سال ہیں کیونکہ ہاتھ کے نیچے تو اتنے زیادہ بال (ہزاروں) آسکتے ہیں جو حضرت موسی اور آنجناب کے زمانۂ بعثت کی درمیانی مدت سے بھی دوگنا بلکہ اس سے بھی اکثر ہوں، یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ کسی کی عمر میں اضافہ ہونا ممکن ہے (یعنی یہ تقدیر کے منافی نہیں)۔ بعض مفسرین نے قرآنی آیت: (وما يُعَمَّرُ مِنْ مُعَمَّرٍ ولا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهِ إلا فِي كِتاب) [فاطر: ۱۱] کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ زیادت و نقص حقیقت میں ہے جبکہ جمہور کا اس میں موقف یہ ہے کہ (في عمره) کی ضمیر جنس کیلئے ہے نہ کہ عین (یعنی فرد) کیلئے، یہ ایسے بھی جیسے کہا جائے: (عندي ثوب و نصفه)۔ (میرے پاس ایک کپڑا اور اس کا نصف ہے، یعنی یہ نہیں مراد کہ اسی کپڑے کا نصف حصہ ہے) یعنی (نصف ثوب آخر)

دوسرے کسی کپڑے کا نصف، (گویا ضمیر کا استعمال کپڑے کی کیفیت اور طول وعرض بتلانے کیلئے ہے، زیادتِ عمر یا اس میں کمی کے موضوع میں یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ قضائے معلق کے طور سے یہ سب حسبِ تقدیر ہی ہے، مثلاً دعاء، صدقہ اور صلہ رحمی سے بلاؤں کا ٹلنا یا عمر میں اضافہ تقدیر سے ماوراء نہیں گویا حدیثِ نبوی کہ جو شخص چاہے کہ اس کی عمر بڑھادی جائے۔ أنْ یُمَدَّ له فی عمرہ۔ وہ صلہ رحمی کرے گا، مفہوم یہ ہوا کہ تقدیر میں لکھا ہے کہ اگر اس نے صلہ رحی کی تو اتنی عمر مثلاً اور نہ کی تو اتنی ہوگی اور اللہ تعالی نے اپنے علم کی رو سے یہ بھی لکھ رکھا ہے کہ صلہ رحمی کرے گا یا نہیں)۔

بعض نے (و ما یُنْقَصُ مِنْ عُمرہٖ) کا معنی یہ کیا ہے: أی (وما یَذْهَبُ مِنْ عُمرِہٖ) یعنی گزرنے والی عمر، گویا ہر گزرنے والا دن چونکہ اس دنیا میں اس کے قیام کی مدت کو کم کر رکھا ہے لہذا اسے نقص فی العمر سے تعبیر کیا گیا، تو سب کچھ اللہ تعالی کے احاطۂ علم میں ہے۔ حضرت موسیٰ کے اس واقعہ کی توجیہہ یہ ہے کہ ابھی ان کی عمر اتنی باقی تھی کہ جو معاملہ ملک الموت کے ساتھ پیش آیا، اس کی گنجائش نکلے تو اولاً انہیں قبضِ روح کا حکم ملا اور ساتھ ہی اللہ کے علم میں تھا کہ یہ اس واقعہ کے نتیجہ میں ملک الموت کی اس سے مراجعت کے بعد ہوگا، اگرچہ ممکن ہے کہ ملک الموت کی اس کی اطلاع نہ ہو۔

3408حَدَّثَنَا أَبُو الْیَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَیْبٌ عَنِ الزُّهْرِیِّ قَالَ أَخْبَرَنِی أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَسَعِیدُ بْنُ الْمُسَیَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِینَ وَرَجُلٌ مِنَ الْیَهُودِ .فَقَالَ الْمُسْلِمُ وَالَّذِی اصْطَفَى مُحَمَّدًا ﷺ عَلَى الْعَالَمِینَ .فِی قَسَمٍ یُقْسِمُ بِهِ .فَقَالَ الْیَهُودِیُّ وَالَّذِی اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْعَالَمِینَ .فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ عِنْدَ ذَلِكَ یَدَهُ، فَلَطَمَ الْیَهُودِیَّ، فَذَهَبَ الْیَهُودِیُّ إِلَى النَّبِیِّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ الَّذِی كَانَ مِنْ أَمْرِهِ وَأَمْرِ الْمُسْلِمِ فَقَالَ لَا تُخَیِّرُونِی عَلَى مُوسَى، فَإِنَّ النَّاسَ یَصْعَقُونَ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ یُفِیقُ، فَإِذَا مُوسَى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ، فَلَا أَدْرِی أَكَانَ فِیمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِی أَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللَّهُ .أطرافه 2411، 3414، 6517، 6518، 7428، 7472۔ (جلد سوم کتاب الخصومات)

(أخبرنی أبو سلمة الخ) شعبہ نے زہری سے یہی نقل کیا ہے، بخاری کی التوحید میں محمد بن ابی عتیق کی اس پر متابعت بھی ہے، ابراہیم بن سعد نے زہری سے اس کی روایت میں (أبو سلمه والأعرج) نقل کیا ہے، یہ الرقاق میں آئیگی۔ تو دونوں طرق سے زہری کے پاس یہ روایت ہے، امام بخاری نے التوحید میں دونوں کو ذکر کر کے ان کے ثابت ہونے کا اشارہ دیا ہے، ترمذی نے ابو سلمہ عن ابی ہریرہ، ابن ماجہ نے محمد بن عمرو عن ابی ہریرہ نقل گیا ہے، حضرت ابو سعید سے بھی یہ حدیث مروی ہے، الا شخاص میں بتمامہٖ مذکور ہے۔

(استب رجل الخ) عبداللہ بن فضل کی روایت میں اس کا سبب بھی مذکور ہے، (یہ آگے آرہی ہے) بقول ابن حجر اس یہودی کا نام معلوم نہیں ہوسکا، ابن بشکوال کا خیال ہے کہ فِنحاص تھا، اسے ابن اسحاق کی طرف منسوب کیا ہے مگر ابن اسحاق نے فنحاص کا ذکر اس واقعہ میں کیا جس میں حضرت ابو بکر نے تھپڑ مارا تھا، جو آیت (لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِینَ قالُوا إنَّ اللّٰهَ فَقِیرٌ وَ نَحْنُ

أغْنِیاءُ) [آل عمران : ۱۸۱] کا شانِ نزول بنا، اس قصہ میں جناب صدیق اکبر کے لاطم ہونے کی صراحت جامع سفیان بن عیینہ اور ابن ابی دنیا کی کتاب البعث میں عمرو بن دینار عن عطاء اور عن ابن جدعان عن سعید بن المسیب کے طریق سے روایت میں ہے، اس میں ہے کہ ایک صحابی اور ایک یہودی کے درمیان کسی مسئلہ میں تو تکار ہوئی، عمرو کہتے ہیں یہ ابوبکر صدیق تھے، تو یہودی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے موسی کو سب اہل عالم سے چن لیا (یعنی افضل بنایا) اس پر مسلم نے اسے تھپڑ رسید کیا۔

(فرفع المسلم الخ) تو یہ یہودی کے استعمال کردہ لفظ سے سمجھے کہ وہ نانہجار ہمارے نبی کو بھی مفضولین میں شمار کرتا ہے جبکہ اہل اسلام کی نظر میں محمد ﷺ سب سے افضل ہیں، حدیثِ ابوسعید میں صراحت ہے کہ مسلمان کہنے لگا: (أی خبیث علی محمد؟) اے خبیث، تم حضرت موسی کو حضرت محمد سے افضل کہتے ہو؟ تو اس کی عقوبت کے طور پر اسے تھپڑ مار دیا، ابراہیم کی روایت میں ہے کہ چہرے پر مارا جبکہ عبداللہ بن فضل کی روایت میں لاطم کو انصار میں سے ذکر کیا گیا ہے، حدیث ابوسعید میں بھی یہی ہے تو یہ عمرو کے سابقہ قول کہ وہ ابوبکر تھے، کی نسبت معکِر ہے الا یہ کہ انصار کا لفظ یہاں معنائے اعم کے اعتبار سے ہو تو اس لحاظ صدیقِ اکبر تو تمام انصارِ رسول کے سرخیل ہیں۔(فأخبره الذی الخ) ابراہیم بن سعد کی روایت میں مزید یہ ہے کہ نبی اکرم نے صحابی کو بلا کر تحقیقِ حال فرمائی تو انہوں نے واقعہ سے آگاہ کیا، ابن فضل کی روایت میں ہے یہودی اپنا مقدمہ لیکر خدمتِ نبوی میں پیش ہوا اور کہا اے ابو القاسم میں اہل ذمہ میں سے ہوں پھر کیا وجہ ہے کہ فلاں نے مجھے تھپڑ مارا؟ آپ غصہ میں آئے اور صحابی کو بلا کر تحقیق کی۔ (لا تخیرونی الخ) ابن فضل کی روایت میں ہے (لا تفضلو ابین أنبیاء الله)۔ (یعنی اس بحث میں نہ پڑا کرو کہ انبیاء میں سے فلاں، فلاں سے افضل ہے، یہ نہیں مراد کہ سب انبیاء برابر ہیں)۔

(فإن الناس یصعقون الخ) زھری سے کسی طریق میں محلِ افاقہ مذکور نہیں، عبداللہ بن فضل کی روایت میں ہے کہ نفخ فی الصور کے بعد سب جو آسمانوں اور جو زمین میں ہیں، مبتلائے صعقہ ہو جائینگے، إلامن شاء اللہ۔ پھر دوسرا نفخہ ہوگا تو آنجناب فرماتے ہیں میں پہلا شخص ہونگا جو ہوش میں آئیگا، ابن حجر لکھتے ہیں صعق سے مراد غشی کی وہ کیفیت جو کسی مہیب منظر کو دیکھ یا اسکی آواز سنکر طاری ہو جاتی ہے تو اس روایت سے ظاہر ہوا کہ روایتِ ہذا میں مذکور افاقہ نفخہِ ثانیہ کے بعد ہوگا، تحدیدِ زمن کے ضمن میں شعبہ عن ابی ہریرہ کی روایت میں اس سے بھی زیادہ صراحت ہے، اس میں ہے کہ میں نفخہِ اخیرہ کے بعد پہلا شخص ہونگا جو سر اٹھائے گا، حدیثِ ابی سعید میں جو ہے کہ روزِ قیامت لوگ صعقہ میں ہو جائینگے تو میں پہلا فرد ہونگا جو قبر سے باہر آئیگا، یہ کتاب الاشخاص میں ہے، دوسری جگہ ان کی مذکور روایت میں یہ لفظ ہیں: (فأكونُ أوَّلَ مَن يُفيق) تو اس میں اشکال سمجھا گیا ہے، ابن قیم اپنی کتاب الروح میں مزی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ راوی کا وہم ہے، درست وہی ہے جو الاشخاص کی روایت میں ہے کہ آنجناب قبر سے باہر سب سے قبل نکلینگے، اس میں حضرت موسی کا ذکر وحوالہ مذکور نہیں۔ تطبیق یہ ممکن ہے کہ نفخہِ اولی کے نتیجہ میں ہر زندہ و (پہلے سے) مردہ پر صعقہ طاری ہو جائے گا، اس سے مراد فزع کا وہ عالم ہے جسے اس آیت میں بیان کیا گیا ہے: (فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ و مَنْ فی الأرْضِ) [النمل:۸۷] تو موتی کیلئے صعق سے مراد، ان کا اپنی ہیئت وکیفیت میں اور زیادہ استغراق، جبکہ زندوں کیلئے صعقہ سے مراد ان کی موت کا واقع ہونا ہے پھر اس کے بعد نفخہِ بعث ہوگا جس کے نتیجہ میں سب ہوش میں آجائیں گے جو قبل ازیں مر کر مقبور تھا وہ قبر سے باہر نکل آئیگا اور جو نفخہِ اولی کے نتیجہ میں مرا ہے وہ اٹھ کھڑا ہوگا۔

حضرت موسی کی نسبت ثابت ہے کہ وہ مقبور ہیں، آنجناب نے شبِ معراج ان کی قبر دیکھی جو سرخ ٹیلہ کے پاس ہے، فرمایا قبر کے اندر نماز پڑھنے مشغول تھے، مسلم نے اسے ابوسعید اور ابو ہریرہ کی صعقہ کے ذکر پر مشتمل ان روایتوں کے بعد ذکر کیا ہے تو شائد اسی توجیہہ کی طرف اشارہ مقصود ہے جو ذکر کی گئی۔ اس امر میں اشکال سمجھا گیا ہے کہ موتی کی نسبت صعقہ کیا ہے، کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے ایسے حال میں ہیں کہ کچھ احساس نہیں، تو جواباً ایک قول تو یہ ہے کہ نفخہ کے نتیجہ میں طاری ہونے والی یہ کیفیت صرف اس وقت کے زندوں کیلئے ہے، پہلے مرے ہوئے لوگ آیت میں موجود استثناء (إلا مَن شاءَ اللّٰہُ) میں داخل ہیں، تو گویا اس کا معنی یہ ہوا کہ مگر وہ جو پہلے ہی سے مرے ہوئے ہیں، قرطبی اسی توجیہہ کی طرف مائل ہیں، ایک حدیث میں مذکور کہ حضرت موسی بھی اس استثناء میں شامل ہیں، اُس کے معارض نہیں کیونکہ انبیاء، اللہ کے ہاں اَحیاء ہیں اگرچہ اہل دنیا کی نسبت سے صورتِ اموات میں ہیں (یہاں محشی لکھتے ہیں یہ اطلاق مبہم ھے، درست یہ تصریح ہے کہ حیاتِ برزخی میں ہیں، دنیا کی اس حیات یا آخرت کی آمدہ حیات کی مانند نہیں لیکن اللہ ہی ان کی اس حیات کی حقیقت کو جانتا ہے، قبور میں ان کی حیات شہداء کی حیات سے اکمل ہے، کہتے ہیں حافظ ابن حجر نے فتح الباری جلد سابع کے کئی مقامات مثلاً حدیث نمبر ۳۶۴۹، حدیث نمبر ۳۸۸۷ اور حدیث نمبر ۴۰۴۲ پر بحث کے دوران ایسی بحث کی ہے جو اس ابہام کا ازالہ کرتی ہے، فجزاہ اللہ خیراً، انتھی)۔ ابن حجر لکھتے ہیں بلا شبہ انبیاء کا مقام و رتبہ شہداء سے افضل ہے اور ان کے صعقہ سے مستثنٰی ہونا ایک حدیث میں وارد ہے جسے ابن راہویہ اور ابویعلی نے زید بن اسلم عن ابیہ کے طریق سے روایت کیا ہے، عیاض لکھتے ہیں محتمل ہے کہ اس سے مراد وہ صعقۂ فزع ہو جو بعد از بعث ہوگا جب زمین و آسمان مُنشق ہوں گے، لیکن قرطبی تعاقب کرتے ہیں کہ اس امر کی تصریح موجود ہے کہ جب آنجناب قبر سے اٹھیں گے تو جناب موسی کو عرش کے نزدیک کھڑا پائینگے اور یہ نفخۂ بعث کے وقت ہوگا پھر آپکا قولِ صریح (إن الناس یصعقون فأصعق معھم) بھی اس کا رد کرتا ہے، کہتے ہیں یہ امر بھی اس کا مؤید ہے کہ آنجناب نے (أفاق) کا لفظ استعمال فرمایا ہے تو یہ غشی سے افاقہ کیلئے معبر ہے، موت کیلئے تو بعث کا لفظ ہے، کوہِ طور کے قصہ میں بھی (أفاق) کا لفظ مستعمل ہوا ہے کیونکہ بلا شبہ وہ موت نہ تھی (یعنی کوہ طور پر تجلی ڈالنے کے قصہ میں جب حضرت موسی کی بابت ارشاد ہوا: فَخَرَّ موسیٰ صَعِقاً، تو اس صعقہ کے بعد جب ہوش میں آئے تو اسے: فَلَمَّا أفاقَ، سے تعبیر کیا) لہذا اسے اس امر پر محمول کرنا صحیح ہوگا کہ اس صعقہ سے مراد میدانِ محشر میں لوگوں پر غشی طاری ہونا ہے۔ انتھیٰ ماقالہ القرطبی۔

(فأکون أول من الخ) صحیحین کی روایات اس ضمن میں اطلاقِ اولیت کی بابت مختلف نہیں، لیکن احمد اور نسائی کی ابراہیم بن سعد سے روایت میں ہے: (فأکون فی أول مَن یُفیق) یعنی میں ان لوگوں میں سے ہونگا جو سب سے پہلے ہوش میں آئینگے، احمد نے اسے ابوکامل سے اور نسائی نے یونس بن محمد عن ابراہیم کے طریق سے تخریج کیا ہے، اس سے پتہ چلا کہ دوسرے طرق سے اس روایت میں اطلاقِ اولیت اسی پر محمول ہے، اسی طرح اس باب میں تمام روایات مثلاً مسلم کی حدیثِ انس جس میں ہے: (أنا أول من تنشق عنہ الأرض) اور طبرانی کے ہاں عبداللہ بن سلام سے روایت، اسی پہ محمول ہیں۔ (فإذا موسی باطش الخ) مضبوطی سے کسی کو پکڑنا، ابوسعید کی روایت میں ہے کہ عرش کے ایک پائے (قائمۃ من قوائم العرش) کو پکڑے ہوئے ہوں گے۔ (فلا أدری الخ) یعنی اگر تو مجھ سے پہلے ہی ہوش میں آچکے تھے تو یہ ان کی ایک فضیلتِ ظاہری ہے لیکن اگر مبتلائے صعقہ ہوئے ہی نہیں تو یہ بھی ایک فضیلت ہے، ابوسعید کی روایت میں ہے کہ میں نہیں جانتا کہ صعقہ کا شکار بنے اور مجھ سے قبل ہوش میں آگئے یا اس صعقہ کے عوض جو

انہیں کوہ طور پر لاحق ہوا، اس صعقہ سے بچالئے گئے۔ ابن فضل کی روایت میں صراحت ہے، آنجناب کے اس روایت میں: (أو كان مِمَّنْ استثنى اللهُ) اورابوسعید وابن فضل کی روایتوں میں کوہِ طور کے صعقہ کے ذکر کی تطبیق یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مستثنیٰ کئے گئے، واؤدی نے غرابت کا مظاہرہ کرتے ہوئے (استثنىٰ الله) کا معنی کیا ہے: (أ ى جعله ثانيا) یعنی اسے دوسرا صعقہ شمار کرلیا، تو یہ ایک شنیع غلطی ہے۔ ابن ابو دنیا کی کتاب البعث میں مرسلِ حسن میں ہے: (أ كان ممن استثنى الله أن لا تصيبه النفخة أو بعث قبلي)۔

ابن قیم کتاب الروح میں مدعی ہیں کہ یہ بعض رواۃ کا وہم ہے اور محفوظ روایت میں یہ الفاظ ہیں: (أو جوزِىَ بصعقة الطور)، کہتے ہیں کیونکہ اللہ نے انہی لوگوں کو مستثنیٰ کیا ہے جو صعقۂ نفخہ سے ہی مر گئے تھے نہ کہ صعقۂ بعث سے، تو بعض رواۃ نے سمجھ لیا کہ یہ صعقۂ نفخہ ہے اور جناب موسی مستثنیات میں داخل ہیں، بقول ان کے یہ سیاقِ حدیث کے ساتھ ملتئم نہیں (یعنی اس کے مطابق نہیں) کیونکہ اقامت (یعنی مُردوں کا کھڑا ہونا) اِفاقۂ بعث کے وقت ہوگا، اس میں ترُدد مناسب نہیں، جہاں تک صعقۂ عامہ کا تعلق ہے یہ اس وقت ظہور پذیر ہوگا جب اللہ تعالیٰ سب کو فیصلہ کیلئے جمع کرے گا۔ اس وقت تمام خلق، اِلا من شاء اللہ۔ مبتلائے صعقہ ہو جائیگی تو اس صعقہ سے جناب موسی کی بابت ترُدد کا تعلق ہے، کہتے ہیں آنجناب کا قول: (فأكون أول من يفيق) اس پر دال ہے اور اس امر پر بھی کہ آپ بھی مصعوقین میں شامل ہونگے، کہتے ہیں اگر مراد صعقۂ اولیٰ ہوتا تو اس سے لازم آتا ہے کہ نبی پاک اپنے بارہ میں تو جزم سے فرمارہے ہیں کہ فوت ہوں گے اور جناب موسی کی بابت متردد ہیں کہ موت واقع ہوگی یا نہیں، اور امرِ واقع یہ ہے کہ جناب موسی موت کا شکار ہوئے ہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ صعقۂ مذکورہ صعقۂ فزع ہے نہ کہ صعقۂ موت۔ ابن مردویہ کے ہاں محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرہ کی روایت میں آنجناب کا یہ قول مذکور ہے کہ میں پہلا فرد ہونگا جس سے روزِ قیامت قبر منشق کی جائیگی، میں سر سے مٹی جھاڑونگا پھر عرش کا رخ کرونگا تو کیا دیکھونگا کہ جناب موسی اس کا پایہ پکڑے ہوئے ہوں گے تو نہیں جانوں گا کہ آیا مجھ سے قبل سر سے مٹی جھاڑلی یا صعقہ میں ہوئے ہی نہیں، بلکہ ان میں شامل ہیں جنہیں اللہ نے مستثنیٰ رکھا، تو اس روایت میں (أنفض التراب قبلي) کے الفاظ سے یہ احتمال بھی جائز ہے کہ اس معاملہ میں آنجناب کے ساتھ حضرت موسی اکٹھے ہوں یا یہ قبر سے خروج کا کنایہ ہے، بہرصورت حضرت موسی کی اس سے فضلیت (نہ کہ افضلیت) ظاہر ہوتی ہے۔

آخرِ بحث ابن حجر تکملہ کے عنوان سے رقم طراز ہیں کہ ابن جزم دعوی کرتے ہیں کہ قیامت کے دن چار نفخات ہوں گے، ایک نفخۂ اِمامت جس کے نتیجہ میں قیامِ قیامت کے لحہ میں موجود تمام زندے مرجائینگے، دوسرا نفخۂ اِحیاء، اسکے نتیجے میں مردے اٹھ کھڑے ہوں گے، قبریں کھل جائینگی اور سب حساب کیلئے جمع ہو جائینگے، تیسرا نفخۂ فزع وصعق جو ایک غشی جیسی حالت طاری کریگا، یہ کسی کی موت کا سبب نہیں بنے گا اور چوتھا اس حالتِ صعق وغشی سے افاقہ پر منتج ہوگا۔ ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ ان کے ذکر کردہ یہ چار نفخات واضح الأمر نہیں بلکہ صرف دو نفخوں کا ھی ذکر ہے، پہلے کے نتیجہ میں ہر زندہ مرجائے گا اور اللہ نے جنکا استثناء کیا ہے وہ حالتِ غشی میں چلے جائینگے پھر دوسرا نفخہ ہوگا جو انہیں افاقہ کی حالت میں لائے گا اور جو مر چکے ہیں انہیں زندہ کریگا، جہاں تک آنجناب کے تفضیل بین الأنبیاء سے نہی کا تعلق ہے تو اس بارے علماء کی رائے ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی اپنی رائے سے ایسا نہ کرے یا اس طرح سے تفضیل دینا کہ مفضول کی نقصِ شان ظاہر ہوتی ہو یا جس کے نتیجہ میں امن وامان اور خصومت ونزاع کا مسئلہ پیدا ہوتا ہو، یا مراد یہ کہ افضل کیلئے تمام

فضائل کا اثبات اور مفضول سے ہر فضیلت کا انتفاء ہوتا ہو، اسکی مثال ایسے ہے کہ کہا جائے امام مؤذن سے افضل ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مؤذن کیلئے کوئی فضیلت نہیں۔ بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ یہ نہی حقِ نبوت کی نسبت سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: (لا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ) [البقرة: ٢٨٥]، جہاں تک ذوات کا تعلق ہے ان کی ایک دوسرے سے افضلیت تو خود قرآن سے ثابت ہے: (تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلىٰ بَعْض)، حلیمی لکھتے ہیں تفضیل سے یہ نہی اہل کتاب کے ساتھ مجادلہ و مناظرہ کے معرضِ میں تھی کہ اس طرح دونوں فریق انبیاء کی توہین کے مرتکب ہو سکتے ہیں جس سے کفر لازم آئیگا، اس کی مزید تفصیل حضرت یونس کے ترجمہ میں بیان ہوگی۔

3409 حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى فَقَالَ لَهُ مُوسَى أَنْتَ آدَمُ الَّذِى أَخْرَجَتْكَ خَطِيئَتُكَ مِنَ الْجَنَّةِ .فَقَالَ لَهُ آدَمُ أَنْتَ مُوسَى الَّذِى اصْطَفَاكَ اللَّهُ بِرِسَالاَتِهِ وَبِكَلاَمِهِ، ثُمَّ تَلُومُنِى عَلَى أَمْرٍ قُدِّرَ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ .فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى مَرَّتَيْنِ .أطرافه 4736، 4738، 6614، 7515

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک نے بیان فرمایا حضرات آدم اور موسی نے باہم مناظرہ کیا، موسی کہنے لگے آپ وہی آدم ہیں نا جو غلطی کی پاداش میں جنت سے نکالے گئے؟ وہ بولے تم وہی موسی ہونا جسے اللہ نے رسالت اور ہمکلامی سے نوازا پھر تم مجھے ایسے معاملہ پر ملامت کرتے ہو میری تخلیق سے پہلے ہی میرے لئے مقدر کر دیا گیا تھا؟ آنجناب نے فرمایا اس مناظرہ میں حضرت آدم غالب آ گئے، دو مرتبہ یہ بات فرمائی۔

اس کی شرح کتاب القدر میں آئیگی یہاں غرضِ ترجمہ حضرت آدم کا جناب موسی کی بابت کہنا کہ اللہ نے انہیں نبوت کیلئے چنا ہے۔ اسے مسلم نے (القدر) میں نقل کیا ہے۔

3410 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حُصَيْنُ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ حُصَيْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا قَالَ عُرِضَتْ عَلَيَّ الأُمَمُ، وَرَأَيْتُ سَوَادًا كَثِيرًا سَدَّ الأُفُقَ فَقِيلَ هَذَا مُوسَى فِي قَوْمِهِ .أطرافه 5705، 5752، 6472، 6541

ابن عباسؓ راوی ہیں کہ ایک دن نبی پاک ہماری طرف آئے اور فرمایا تمام امتیں میرے سامنے لائیں گئیں میں نے ایک امت کو دیکھا کہ اتنی بڑی ہے کہ افق تک چھائی ہوئی ہے، بتلایا گیا یہ موسی اپنی قوم میں ہیں۔

عرض امم کے بارہ میں ابن عباس کی روایت، یہاں مختصراً ہے کتاب الرقاق میں بتمامہٖ مع شرح آئیگی، اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ امت محمدیہ کے بعد حضرت موسی کی امت کے افراد سب سے زیادہ ہیں۔ اسے مسلم نے (الإیمان) ترمذی نے (الزھد) اور نسائی نے (الطب) میں ذکر کیا ہے۔

32 باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلاً لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ) (فرعون کی مومن بیوی)

إِلَى قَوْلِهِ (وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ). اللہ تعالی کا فرمان (ترجمہ) اور اللہ نے مثال بیان کی فرعون کی بیوی کی، (وکانت من القانتین) تک۔

حضرت آسیہ، فرعون کی بیوی، بنت مزاحم ہیں، کہا جاتا ہے بنی اسرائیل میں سے تھیں اور حضرت موسی کی چچی تھیں، ایک قول ہے کہ عمالیق سے ہی تھیں بعض نے فرعون کی عم زاد کہا ہے، حضرت مریم کا ذکر آگے ایک مستقل ترجمہ میں آرہا ہے۔

3411 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيِّ عَنْ أَبِي مُوسَى ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَمَلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ، وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلاَّ آسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ، وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَإِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ. أطرافه 3433، 3769، 5418

ابوموسیٰؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم نے فرمایا مردوں میں سے تو بہت سے کامل ہوئے مگر عورتوں میں صرف آسیہ فرعون کی اہلیہ، اور مریم بنت عمران کامل ہوئیں اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسے ہے جیسے کھانوں میں ثرید۔

سند کے راوی عمرو کے والد مرہ ان کے شیخ مرہ ہمدانی سے الگ شخصیت ہیں، وہ مرۃ بن عبید اللہ بن طارق جُملی ہیں، صغار و عُباد تابعین میں سے ہیں، الأطعمہ کی ایک روایت میں عمرو بن مرۃ جملی کے بطور مذکور ہیں، ان کے شیخ مرہ، ابن شراحیل ہیں، مخضرم تابعی ہیں (یعنی جو آنجناب کے عہد میں پیدا ہوئے) انہیں مرۃ الطیب اور مرۃ الخیر بھی کہا جاتا ہے۔

(کمل) میم پر زبر اور پیش، دونوں پڑھے جاتے ہیں۔ (ولم یکمل من النساء الخ) اس حصر سے بعض نے یہ استنباط کیا ہے کہ یہ دونوں بھی نبوت عطا کی گئیں کیونکہ نوعِ انسانی میں اکمل ترین، انبیاء ہیں پھر اولیاء، صدیقین اور شہداء ہیں، اور اگر یہ غیر نبی ہیں تو بقول ان کے اس سے لازم آتا ہے کہ عورتوں میں کوئی ولیہ، صدیقہ یا شہیدہ نہیں اور فی الواقع ان صفات (یعنی ولایت، صدیقیت اور شہادت) کی حامل خواتین موجود ہیں، تو گویا آنجناب کی اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ عورتوں میں سوائے ان دو کے کوئی نبی نہیں ہوئی، اگر آپ کہتے کہ صفتِ صدیقیت، یا ولایت یا شہادت سوائے فلاں فلاں عورتوں کے کسی اور کیلئے نہیں تو یہ بات خلاف حقیقت ہوتی کیونکہ بے شمار خواتین ان صفات سے متصف ہیں لہذا اس کمال سے مراد مقامِ نبوت سے ہے البتہ یہ محتمل ہے کہ اس کمالِ مذکور سے مراد کمالِ غیر نبوت ہو، تب یہ دلیل نہیں بنے گی، واللہ اعلم۔ اس پر آپکی مراد ان خواتین سے ہے جو آپ کے زمانہ سے قبل تھیں، اپنے زمانہ (یا اپنی امت کی) خواتین میں سے سوائے حضرت عائشہ کے کسی کا تذکرہ نہیں کیا تو اس میں یہ تصریح نہیں کہ وہ علی الإطلاق افضل ہیں کیونکہ آپ نے انہیں ثرید سے تشبیہ دی اور اسکی فضیلت بوجہ سہولتِ اِساغت (یعنی آسانی سے ہضم ہونا) اور بوجہ تیسیرِ مؤونت (یعنی کم خرچ سے تیار ہو جانیوالا) ہے اور اس زمانہ میں عربوں کا اجلّ طعام تھا تو یہ سب خصال حضرت عائشہ کی مطلقا اور ہر جہت سے افضلیت پر دال نہیں، بہر حال ابن حجر لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ کئی ایک جہت سے مفضول بھی ہو سکتی ہیں۔

اس حدیث کے بعض طرق میں حضرت آسیہ اور مریم بنت عمران کے ساتھ ساتھ حضرت خدیجہ بنت خویلد (اولین أم المؤمنین) اور حضرت فاطمہ کا بھی ذکر ہے، اسے ابونعیم نے الحلیۃ میں حدیث کے راوی عمرو بن مرۃ کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے، تفسیر

ثعلبی میں عمرو بن مرزوق کے طریق سے بھی یہ مذکور ہے (اگر یہ زیادت ثابت ہے تو اس کمال سے کمالِ غیر نبوت مراد ہوتا بالجزم ثابت ہوا) ایک صحیح طریق سے ایسی عبارت ثابت ہے جسکا مقتضا یہ ہے کہ حضرت خدیجہ و فاطمہ دوسری خواتین سے افضل ہیں، یہ قصۂ مریم میں حضرت علی کے حوالے سے آئے گی، اس میں ہے: (خیرُ نسائِھا خدیجۃ) ، ایک اور روایت میں جسے ابن حبان، احمد، ابو یعلی اور ابو داؤد نے کتاب الزھد میں جبکہ حاکم نے بھی موسی بن عقبہ عن کریب عن ابن عباس کے طریق سے تخریج کیا ہے، اس کی عبارت ہے: (أفضل نساء أهل الجنة خديجة بنت خويلد و فاطمة بنت محمد و مريم بنت عمران و آسية امرأة فرعون)۔ طبرانی کی اوسط میں حضرت ابو ہریرہ سے اس کا ایک شاہد بھی مروی ہے، احمد کی حدیثِ ابو سعید مرفوع میں ہے: (فاطمة سيدة نساء أهل الجنة إلا ما كان من مريم بنت عمران) کہ فاطمہ سوائے حضرت مریم کے جنتی عورتوں کی سردار ہیں، اس کی سند حسن ہے، بشرطِ ثبوت یہ اس امر کی حجت ہے کہ آسیہ زوجۂ فرعون نبیہ نہیں، حضرت فاطمہ کے بارہ میں مزید تفصیل ان سے متعلقہ ترجمہ، کتاب المناقب میں آئیگی، الأطعمۃ میں ثرید سے متعلق ایک زیادت کا ذکر ہوگا، قرطبی لکھتے ہیں صحیح یہ ہے کہ حضرت مریم نبیۃ اللہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بواسطۂ ملک ان کی طرف وحی بھیجی لیکن حضرت آسیہ کی بابت کچھ ایسا مروی نہیں جس سے ان کے نبیہ ہونے کی دلیل ملتی ہو۔ کرمانی کہتے ہیں کمال کے لفظ سے نبوت ثابت نہیں ہو جاتی کیونکہ اصلاً یہ کسی باب میں تمام و تناہی پر بولا جاتا ہے تو مراد یہ ہے کہ عورتوں کے سلسلہ میں جو فضائل و کمالات ممکن ہیں ان کی انتہا کو پہنچ گئیں، بقول ان کے عورتوں میں عدم نبوت پر اجماع ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں اشعری سے منقول ہے کہ چھ عورتیں نبیہ ہیں، حواء، سارۃ، امِ موسی، ھاجر، آسیہ اور حضرت مریم، ان کے ہاں اس ضمن میں ضابطہ یہ ہے کہ جس کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی فرشتہ امر، نہی یا کسی ایسے معاملہ کی خبر لے آئے جو مستقبل سے متعلق ہو (بعض بزرگوں بلکہ بعض غیر مسلموں سے بھی ایسی باتیں منقول ہیں جو مستقبل بینی سے تعلق رکھتی ہیں، فرانس کی چودھویں صدی عیسوی کی ایک خاتون کی پیشین گوئیاں بہت مشہور ہیں جس میں دوسری جنگ عظیم اور نائن الیون کی پیشین گوئی ہے، اس بارے کہا کہ پرندے یورپ کی دو بلند عمارتوں سے ٹکرائیں گے جس کے نتیجہ میں ایک مہیب جنگ برپا ہو جائیگی، تو یہ سب مظاہرِ قدرت ہیں، نبوت سے ان کا کوئی تعلق نہیں، اگر اشعری کا ضابطہ مان لیا جائے تو گویا یہ بھی نبی ہیں) بقول ان کے ان چھ کی طرف فرشتہ کا مختلف امور کے ساتھ آنا ثابت ہے، ان میں سے بعض کی طرف ایحاء تو قرآن میں بھی مذکور ہے، ابن حزم الملل والنحل میں دعوی کرتے ہیں کہ عورتوں کی نبوت کا مسئلہ اور اس بابت بحث و جدل صرف ان کے زمانہ میں اندلس کے شہر قرطبہ میں پہلی مرتبہ کھڑا ہوا، قبل ازیں اس باب میں کوئی تنازع نہ تھا، انھوں نے تین آراء نقل کی ہیں، تیسری توقف اختیار کرنا ہے، لکھتے ہیں مانعین کی حجت یہ آیت ہے: (وَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا) [النحل: ۴۳] کہ ہم نے آپ سے قبل صرف مرد ہی بطورِ رسول بھیجے ہیں، لیکن کہتے ہیں یہ آیت دلیل نہیں بنتی کیونکہ کوئی ان کے رسول ہونے کا مدعی نہیں (رسول وہ جو صاحبِ شریعت ہو) وہ نبی ہونے کا کہتے ہیں، کہتے ہیں ثبوتِ نبوت میں اصرح ترین وہ جو قصۂ مریم میں وارد ہے، قصۂ امِ موسی میں بھی ایسی بات موجود ہے جو ان کے نبی ہونے کا (اشعری کے ضابطہ کے مطابق) ثبوت دیتی ہے مثلاً مجرد وحی سے جناب موسی کو جبکہ وہ شیر خوار تھے، ایک صندوق میں ڈال کر سپردِ دریا کر دیا (قرآن میں یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے، أوحينا۔ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، ظاہر ہے یہاں اس سے مراد اِلقاء والہام ہے، نہ کہ وہ وحی جو انبیاء کی طرف آتی تھی) کہتے ہیں قرآن نے حضرت مریم اور کئی انبیاء کا تذکرہ کر کے کہا: (أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ) [مریم: ۸۵] تو وہ

بھی اس کے عموم میں داخل ہوئیں، حضرت آسیہ کے منجملہ فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ وہ بادشاہت پر ایمان نہ لائیں اور اس پاداش میں قتل ہونے کو ترجیح دی۔

اسے مسلم نے (الفضائل) ترمذی اور ابن ماجہ نے (الأطعمة) نسائی نے (المناقب اور عشرة النساء) میں روایت کیا ہے۔

33 باب (إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى) (قارون کا قصہ)

(لَتَنُوء ُ) لَتُثْقِلُ .قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ (أُولِى الْقُوَّةِ) لاَ يَرْفَعُهَا الْعُصْبَةُ مِنَ الرِّجَالِ، يُقَالُ (الْفَرِحِينَ) الْمَرِحِينَ (وَيْكَأَنَّ اللَّهَ) مِثْلُ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ (يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاء ُ وَيَقْدِرُ) وَيُوَسِّعُ عَلَيْهِ وَيُضَيِّقُ . اللہ کا فرمان (ترجمہ) بے شک قارون قومِ موسی میں سے تھا۔ (لتنوء) ابن عباس اس کا معنی یہ کرتے ہیں کہ بھاری تھیں، انہیں ایک طاقتور جماعت بھی اٹھا نہ سکتی تھی۔ (الفرحین) یعنی اتراتے ہوئے (ویکأن الله الخ) اس آیت کی نظیر ہے: (ألم تر أن الله الخ)۔

یہ قاردن بن یصفد ین یصھر ہے، حضرت موسی کا عمزاد تھا بعض نے چچا کہا ہے لیکن اول اصح ہے، ابن ابی حاتم نے بسند صحیح ابن عباس سے یہی نقل کیا ہے۔ قتادہ، نخعی، سماک بن حرب اور عبداللہ بن حارث کا بھی یہی قول ہے۔ قرآن نے جس بغیِ قارون کا ذکر کیا ہے اس کی تفصیل میں تعددِ آراء ہے، ایک قول ہے کہ اس کا سبب حسد تھا، اس بات پر کہ موسی و ھارون کو اللہ نے نبوت و سیادت سے سرفراز کر دیا اور وہ (باوجود اپنی کثیر دولت کے) محروم رہا، بعض نے لکھا ہے کہ ایک طوائف کو تیار کیا کہ وہ برسرِ مجلس حضرت موسی کے اپنے ساتھ ملوث ہونے کا اعلان و دعوی کرے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ڈالا، اس نے اعتراف کیا کہ اس کیلئے قارون نے اسے تیار کیا تھا، بعض نے بغی سے مرادِ کبر لیا ہے وہ اپنے مال کی کثرت پر نازاں و مفتخر تھا، بعض کہتے ہیں وہی پہلا فرد ہے جس نے بوجہِ تکبر اپنے کپڑے لٹکائے (یعنی بزبان پنجابی: ڈب چھوڑے) حتی کہ ایک بالشت تک لٹکتے تھے۔ (لتنوء الخ) یہ ابن عباس کی تفسیر ہے، ابن ابی حاتم نے موصول کیا ہے۔ (لا یرفعها العصبة الخ) اس عصبہ کی تعداد میں مختلف اقوال ہیں مثلا دس، پندرہ، چالیس، بعض نے دس تا چالیس لکھا ہے۔ (الفرحین المرحین) یہ بھی ابن ابی حاتم کے ہاں ابن عباس سے منقول ہے۔ (ویکأن الخ) یہ ابوعبیدہ کا قول ہے، قطرب کی رائے ہے کہ (وی) کلمہِ تفجع ہے اور کاَن حرفِ تشبیہ، فراء اسے کلمہِ موصولہ قرار دیتے ہیں۔ (یبسط الخ) ابوعبید سورہِ سبا کی آیت: (قُلْ إِنَّ رَبِّى يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشاءُ) [۳۶:] کی بابت لکھتے ہیں کہ (یوسع و یکثر)، اس کا عکس (یقدر) ہے یعنی رزق کی تنگی۔ ابن حجر تنبیہ کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اس ترجمہ کے تحت اِنہیں تفسیری اقوال پر اکتفاء کیا اور یہ فقط مستملی اور کشمیہنی کے نسخوں میں ہیں۔ ابن ابی حاتم نے صحیح سند کے ساتھ ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ حضرت موسی نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالی کے احکامات سنائے جب زکات وصدقات کا تذکرہ کیا تو قارون پر یہ شاق گزرا بعض لوگوں سے مل کر سازش کی کہ چونکہ زنا کی سزا رجم بتلائی ہے تو حضرت موسی سے چھٹکارا پانے کیلئے ایک طوائف کو تیار کیا کہ جب حضرت موسی وعظ کرنے میں مصروف ہوں وہ آئے اور دعوی کرے کہ حضرت موسی نے اس سے۔ نعوذ باللہ۔ زنا کیا ہے تو اثنائے وعظ جب زنا اور رجم کا ذکر کیا تو سازشی کہنے لگے آیا اس سے کسی کو بھی استثناء حاصل نہیں؟ فرمایا ہاں، اس پر کہنے لگے آپ نے زنا کیا ہے، ان کی یہ بات انہیں بہت گراں لگی، بہت دکھ کیا، سازشیوں نے اس طوائف کو لا حاضر کیا، حضرت موسی اس سے مخاطب ہوئے کہ اس ذات کی قسم کھا کر کہو جس نے بنی

اسرائیل کیلئے سمندر پھاڑ کر جگہ دی کہ تم سچ بولو گی، تو اس نے اعتراف کر لیا کہ یہ ایک سازش ہے اس پر حضرت موسی روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑے تو اللہ نے وحی بھیجی کہ میں نے زمین کو حکم دیدیا ہے کہ تیرا کہا مانے اب ان سازشیوں کی بابت تم جو فیصلہ کرو، چنانچہ انہوں نے زمین کو حکم دیا کہ قارون سمیت ان سازشیوں کو اپنے اندر دھنسا دے تو ایسا ہی کیا۔

قارون کے بے پناہ مال و دولت کی بابت کہا جاتا ہے کہ اس کے خزانوں کی چابیاں جو چمڑے سے بنی ہوئی تھیں، چالیس خچروں پر لادی جاتی تھیں، تنیس میں اس کا محل تھا، کہا جاتا ہے، تنیس کے ایک حاکم عبدالعزیز حروری کو اسکے بعض خزانے ملے تھے، اس کے مرنے پر اس کا بیٹا علی اس کا جانشین بنا تو وہ اپنے ان دنیاوی جھمیلوں سے دور بھائی حسن سے کہنے لگا مجھ سے ایک لاکھ دینار لے لو، وہ کہنے لگا میں نے تو والد صاحبؒ کے ترکہ میں سے اس سے بہت زیادہ مال (جو میرے حصہ میں آتا تھا) نہیں لیا تو اس قلیل کو کیا کرونگا؟ بخاری نے ان حسن بن عبدالعزیز سے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔

34 باب (وَإِلَى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا) (ذکرِ شعیبؑ)

إِلَى أَهْلِ مَدْيَنَ، لأَنَّ مَدْيَنَ بَلَدٌ، وَمِثْلُهُ (وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ) وَاسْأَلِ (الْعِيرَ) يَعْنِى أَهْلَ الْقَرْيَةِ وَأَهْلَ الْعِيرِ (وَرَاءَكُمْ ظِهْرِيًّا) لَمْ يَلْتَفِتُوا إِلَيْهِ، يُقَالُ إِذَا لَمْ يَقْضِ حَاجَتَهُ ظَهَرْتَ حَاجَتِى وَجَعَلْتَنِى ظِهْرِيًّا قَالَ الظِّهْرِيُّ أَنْ تَأْخُذَ مَعَكَ دَابَّةً أَوْ وِعَاءً تَسْتَظْهِرُ بِهِ مَكَانَتُهُمْ وَمَكَانُهُمْ وَاحِدٌ (يَغْنَوْا) يَعِيشُوا (يَأْيَسُ) يَحْزَنُ (آسَى) أَحْزَنُ .وَقَالَ الْحَسَنُ (إِنَّكَ لأَنْتَ الْحَلِيمُ) يَسْتَهْزِئُونَ بِهِ وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَيْكَةُ الأَيْكَةُ (يَوْمِ الظُّلَّةِ) إِظْلاَلُ الْغَمَامِ الْعَذَابَ عَلَيْهِمْ. اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو مبعوث کیا۔ اہلِ مدین مراد ہیں کیونکہ مدین تو شہر کا نام ہے، جیسے دوسری آیت میں یوں کہا: (واسأل القرية) اور (واسأل العير) یعنی اہلِ قریہ اور اہلِ عیر، (وراء کم ظهريا) یعنی اس کی طرف التفات بھی نہ کیا، جب کوئی کسی کی ضرورت پوری نہ کرے تو کہا جاتا ہے: (ظهرت حاجتی) یا (جعلت حاجتی ظهريا) یعنی تم نے اسے پسِ پشت ڈال دیا، ظہری اس جانور یا ظرف کو کہتے ہیں جسے تو اپنے اظہارِ قوت وشوکت کی غرض سے ساتھ رکھے، (يغنوا) بمعنی یعیشوا ہے (یعنی رہیں)۔ (يأبس) کا معنی ہے: یحزن۔ حسن کہتے ہیں حضرت شعیب کو ان کی قوم: (إنك لأنت الحليم الرشيد) بطورِ مذاق کہتی تھی۔ (يوم الظلة) سے مراد عذاب کا ان پہ چھا جانا۔

انکا نسب نامہ یہ ہے: شعیب بن میکیل بن یشجر بن لاوی بن یعقوب، ابن اسحاق نے یہی ذکر کیا مگر یہ ثابت نہیں، بعض نے یہ لکھا: یشجر بن عنقا بن مدین بن ابراہیم، بعض نے شعیب بن صفور بن عنقا بن ثابت بن مدین کہا ہے۔ مدین ان بعض لوگوں میں شامل تھے جو حضرت ابراہیم پر ایمان لائے، ابن حبان کی ابوذر سے ایک طویل حدیث میں ہے کہ چار نبی عربوں میں سے آئے ہیں: ھود، صالح، شعیب اور حضرت محمد صلی اللہ علیہم اجمعین، تو اس لحاظ سے یہ عرب عاربہ میں سے ہیں، بعض نے بنی عنزہ بن اسد سے قرار دیا ہے طبرانی کی تخریج کردہ سلمہ بن سعید عنزی کی روایت میں ہے کہ وہ آنجناب کے ہاں آئے اور اپنا تعارف کرایا، اس پر آنجناب نے بنی عنزہ کے بارہ میں فرمایا: (رهط شعيب و أختانُ موسى) کہ حضرت شعیب کا قبیلہ اور حضرت موسی کے سسرالی رشتہ دار۔ لیکن اس کی سند میں متعدد مجہول راوی ہیں۔ (إلى مدين) یعنی إلى أهل مدين، مدین تو شہر کا نام ہے، اس کی نظیر یہ آیت ہے: (وَ اسْأَلِ الْقَرْيَةَ) اِ اسی طرح: (وَاسْأَلِ الْعِيْرَ) یعنی اہل قریہ اور اھل عیر (یعنی قافلہ والے)، یہ ابوعبیدہ کی تفسیر ہے۔ (وراء کم ظهريا

الخ) سورۂ ھود کی آیت نمبر: ۹۲ کی بابت یہ ابوعبیدہ کی تفسیر ہے۔ ایسے شخص کی نسبت، جو مطلب براری نہ کرے اور مطلقاً توجہ نہ دے، یہ کہا جاتا ہے: (ظهرت بحاجتی وجعلتَها ظهری أوخلف ظهرك) یعنی میں نے اپنی حاجت تجھے بتلائی لیکن تم نے پسِ پشت ڈال دیا۔ ایک شاعر کسی قبیلہ کی مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے: (وَجَدْنا بنیٰ البرصاء بِنْ وُلْدِ الظهر) یعنی نا قابل توجہ و ناقبل اعتناء لوگ۔ (مکانتهم الخ) قصہِ حضرت شعیب پر مشتمل آیات میں سے ایک میں ہے: (وَيَا قَوْمِ اعْمَلُوا علىٰ مَكانَتِكُمْ) [هود: ۹۳] اس کی تفسیر کر رہے ہیں، اصل میں یہ ابوعبیدہ کا قول ہے جو سورہ یٰس کی ایک آیت میں موجود اسی لفظ (مکانتهم) [یس : ٦٧] کی تفسیر میں کہا ہے۔ (یغنوا الخ) ابوعبیدہ کا یہ قول (كَأَنْ لَمْ يَغْنَوا فِيها) [هود :۹۵] کی تفسیر میں ہے، گھر کو مغنیٰ بھی کہا جاتا ہے، اس کی جمع مغانی ہے۔

(تأس تحزن الخ)، (فكيف آسىٰ) [الأعراف: ۹۳] کی بابت ابوعبیدہ کا یہ قول ہے، (تأس تحزن) دراصل سورۃ المائدۃ کی آیت رقم: ٦۲ (فلاتأ سَ علَى القَوْمِ الفاسِقِين) سے متعلقہ ہے، اس کا ذکر استطراداً کیا ہے۔ (وقال الحسن الخ) اسے ابن ابی حاتم نے حسن بصری سے موصول کیا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ ان کا یہ قول (کہ تو بڑا دانشمند ہے) مذاقاً تھا، مراد اس کا عکسی معنی تھا۔

(وقال مجاهد الخ) ان کا قول ابن ابی حاتم نے موصول کیا ہے، سورۃ الشعراء کی آیت (كَذَّبَ أَصْحابُ الأَيْكَةِ الْمُرْسَلِين) [:٦٧] کی تفسیر میں ہے، انہوں نے اسے (لئیکۃ) پڑھا ہے، یہ اہل مکہ کی قراءت ہے ابن کثیر وغیرہ کا بھی یہی اختیار ہے، اسی طرح (عذابُ یومِ الظُّلَّة) کی یہ تفسیر کی کہ عذاب ان پر سایہ فگن ہو گیا۔ ابن حجر آخرِ بحث بعنوانِ تنبیہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے اس باب کے تحت بھی انہی آثار کے نقل پہ اکتفاء کیا ہے اور یہ صرف مستملی اور کشمیہنی کے نسخوں میں ہے۔ اللہ تعالی نے حضرت شعیب کا ذکر سورۂ اعراف، ھود، شعراء اور عنکبوت وغیرہ میں کیا ہے، قتادہ سے منقول ہے کہ انہیں دو امتوں: اہل مدین اور اصحاب ایکہ کی طرف مبعوث کیا گیا تھا، اسے اس امر سے بھی ترجیح ملتی ہے کہ اصحاب مدین کے تذکرہ میں انہیں ان کے بھائی کے بطور موصوف کیا گیا جبکہ اصحابِ ایکہ کے ضمن میں یہ لفظ مستعمل نہیں ہوا، پھر اصحابِ مدین پر جس نوع کا عذاب آیا اسے (أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ) [الأعراف : ۹۱] اور (والصیحة) [هود: ۹۴] کے ساتھ تعبیر کیا گیا جبکہ اصحابِ ایکہ کے ضمن میں مذکور ہوا: (أَخَذَهُمْ عَذابُ يومِ الظُّلَّة) [الشعراء: ۱۸۹] یعنی سایہ کے دن کا عذاب، لیکن اس بابت جمہور کا موقف یہ ہے کہ اصحاب مدین ہی اصحابِ ایکہ ہیں، اہل ایکہ کے ضمن میں اخ کا لفظ استعمال نہ کرنے کی توجیہہ یہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ آغاز میں انہیں اصحابِ ایکہ کہا گیا (یعنی بَن کے رہنے والے، یہ ترجمہ شاہ عبد القادر کا ہے، لغت میں۔ اَیک، گھنے درخت کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ اپنے علاقہ کے ایک درخت کو مقدس سمجھتے ہوئے وہاں نذریں نیازیں چڑھاتے تھے اسی لئے مابعد حضرت شعیب کا ذکر کرتے ہوئے۔ اخ۔ کا لفظ استعمال نہیں کیا، سورۃ الشعراء کی آیت: كَذَّبَ أصحابُ الأيْكَةِ الْمُرْسَلِين، إِذْ قالَ لَهُمْ شُعيبُ الخ کی طرف اشارہ ہے) تو اب ذکرِ اخوت مناسب نہ تھا، نوعیت عذاب مختلف ہونے کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس کی وجہ معذَبین کا فرق ہو سکتا ہے، بعض کو عذابِ رجفہ اور بعض کو عذابِ صیحۃ نے آلیا، حق یہ ہے کہ وہ سب اس میں مبتلا ہوئے، انہیں شدید گرمی نے آلیا جس پر گھروں سے نکل آئے تو ایک بادل ان پر سایہ فگن ہوا، پھر سخت زلزلہ آیا اور فضائے بسیط کی طرف سے ایک زبردست چیخ اور گونج آئی، ایکہ کے بارہ میں مزید بحث

التفسیر میں آئیگی۔

علامہ انور اس کے تحت رقم طراز ہیں کہ تورات میں حضرت شعیب کا نام یثروب مذکور ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ کا نام یشوع یا ایشوع تھا، قرآن چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا تو عربوں کے ہاں معروف اسماء استعمال کئے، (لأن مدين بلد) کے تحت لکھتے ہیں حضرت ابراھیم کا ایک بیٹا مدیان نام کا تھا جن کی والدہ قنطوراء تھیں جن سے حضرت ھاجر کے بعد نکاح کیا پھر شہر کا نام یہی مقرر رہوا۔

35 باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ) (حضرت یونس کا ذکر) إِلَى قَوْلِهِ (فَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَى حِينٍ) (وَلاَ تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَى وَهُوَ مَكْظُومٌ) (كَظِيمٌ) وَهُوَ مَغْمُومٌ .

اور بے شک یونس مرسلین میں سے ہیں (وهو مليم) تک، مجاہد اس کا معنی مذنب (یعنی قصوروار) کرتے ہیں (المشحون) یعنی بھری ہوئی (بالعراء) یعنی سطحِ زمین پر (شجرة من يقطين) ہر وہ درخت جس کی جڑ نہیں ہوتی (یعنی جو بیل کی شکل میں ہوتا ہے مثلاً کدو، انگور وغیرہ)۔ (كظيم) اور (مكظوم) ہم معنی ہیں۔

یہ حضرت یونس بن متی ہیں، تفسیر عبد الرزاق میں ہے کہ متی ان کی والدہ کا نام تھا لیکن یہ باب کی حدیثِ ابن عباس سے مردود ہے، اس میں ہے (ونسبه إلى أبيه)۔ ابن حجر لکھتے ہیں کسی جگہ ان کا متصل نسب نامہ نہیں ملا، کہا جاتا ہے ان کا زمانہ فارس کی طوائف الملوکی کا زمانہ ہے۔ (قال مجاهد مذنب) یہ (وهوَ مُلِيم) کی تفسیر ہے، ابن جریر نے قرآن کی آیت (فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وهُوَ مُلِيم) [الصافات: ۱۴۲] کی تفسیر میں مجاھد سے نقل کیا ہے کہ یہ (آلام الرجل) سے ہے، جب ایسا کام کرے جس پر نشانۂ ملامت بنے۔ (والمشحون الموقر) اسے ابن ابی حاتم نے مجاھد سے موصول کیا ہے، کہتے ہیں: (المشحون المملوء) جبکہ سعید بن جبیر عن ابن عباس سے (الموقر) کا لفظ نقل کیا ہے۔ (بالعراء) ابوعبیدہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: (أي بوجه الأرض) یعنی سطحِ زمین پر، عرب کہتے ہیں: (نبذتُه بالعراء) أي بالأرض الفضاء (یعنی کھلی زمین، میدان پر) ایک شاعر کہتا ہے: (و نبذت بالبلد العراء ثيابى) عراء وہ قطعۂ ارضی جہاں کوئی شجر یا عمارت وغیرہ نہ ہو، فراء نے المکان الخالی کی ترکیب استعمال کی ہے۔

(من يقطين الخ) اسے عبد بن حمید نے مجاہد کے طریق سے موصول کیا، ساتھ میں یہ اضافہ بھی: (ليس لها ساق)۔ (یعنی جو چیزیں پودوں یا بیلوں وغیرہ پر لگتی ہیں)، ابوعبیدہ کا قول ہے ہر وہ چیز جو بغیر تنے کے قائم ہوتی ہے مثلا کدو، حنظل اور بطیخ وغیرہ۔ ایک حدیثِ مرفوع میں قرع کی بابت ذکر ہے کہ یہ میرے بھائی یونس کا درخت ہے۔ (كظيم: مغموم) قولِ ابوعبیدہ ہے، (إذْ نادىٰ وهُوَ كَظِيم) کی تفسیر میں [القلم: ۴۸] جبکہ ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے (مكظوم) یعنی (مغموم) نقل کیا ہے۔ علامہ انور (أو يَزِيدُون) کے ضمن میں لکھتے ہیں فراء کا قول ہے کہ او بمعنی بَلْ ہے، دوسروں کی رائے ہے کہ اللہ تعالی نے قصداً حرفِ استفہام ذکر کیا، حقیقتِ تعداد پر عدم اطلاع مراد ہے، ایک قول ہے کہ ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔

3412 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي الأَعْمَشُ . حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لاَ يَقُولَنَّ

أَحَدُكُمْ إِنِّي خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ .زَادَ مُسَدَّدٌ يُونُسَ بْنِ مَتَّى .طرفاه 4603، 4804

عبداللہ نبی پاک سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی یہ نہ کہے کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں۔

یحیی قطان سفیان ثوری سے راوی ہیں، راویِ حدیث عبد اللہ بن مسعود ہیں، اگلی روایت ابن عباس کے حوالے سے لائے ہیں۔ اسے نسائی نے بھی (التفسير) میں نقل کیا ہے۔

3413 حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ إِنِّي خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى وَنَسَبَهُ إِلَى أَبِيهِ .أطرافه 3395، 4630، 7539

3414 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ عَنِ اللَّيْثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْفَضْلِ عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ بَيْنَمَا يَهُودِيٌّ يَعْرِضُ سِلْعَتَهُ أُعْطِيَ بِهَا شَيْئًا كَرِهَهُ .فَقَالَ لاَ وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْبَشَرِ، فَسَمِعَهُ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ فَقَامَ، فَلَطَمَ وَجْهَهُ، وَقَالَ تَقُولُ وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْبَشَرِ، وَالنَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ أَظْهُرِنَا فَذَهَبَ إِلَيْهِ، فَقَالَ أَبَا الْقَاسِمِ، إِنَّ لِي ذِمَّةً وَعَهْدًا، فَمَا بَالُ فُلاَنٍ لَطَمَ وَجْهِي .فَقَالَ لِمَ لَطَمْتَ وَجْهَهُ .فَذَكَرَهُ، فَغَضِبَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى رُئِيَ فِي وَجْهِهِ، ثُمَّ قَالَ لاَ تُفَضِّلُوا بَيْنَ أَنْبِيَاءِ اللَّهِ، فَإِنَّهُ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ، فَيَصْعَقُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الأَرْضِ، إِلاَّ مَنْ شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ أُخْرَى، فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ بُعِثَ فَإِذَا مُوسَى آخِذٌ بِالْعَرْشِ، فَلاَ أَدْرِي أَحُوسِبَ بِصَعْقَتِهِ يَوْمَ الطُّورِ أَمْ بُعِثَ قَبْلِي .أطرافه 2411، 3408، 6517، 6518، 7428، 7472۔ (جلد سوم ص:۶۰۲)

3415 وَلاَ أَقُولُ إِنَّ أَحَدًا أَفْضَلُ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى .أطرافه 3416، 4604، 4631، 4805

3416 حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ سَمِعْتُ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لاَ يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى .أطرافه 3415، 4604، 4631، 4805

اس کی شرح قصہِ حضرت موسی کے اواخر میں گزر چکی ہے یہاں اس کے آخر میں حضرت یونس کا تذکرہ ہے، طبرانی کی عبداللہ بن جعفر سے روایت میں ہے کہ کسی نبی کیلئے روانہیں کہ وہ کہے میں یونس بن متی سے بہتر ہوں، انہی کی ابن عباس سے روایت میں ہے کسی کو جائز نہیں کہ کہے میں اللہ کے ہاں یونس سے بہتر ہوں، طحاوی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے ظلمات میں اللہ کی تسبیح بیان کی تو گویا یہ خیر یہ مذکورہ کی جہت کی طرف اشارہ ہے، پہلی روایت کا جملہ: (ونسبه إلى أبيه) ان حضرات کے قول کا رد ہے جو متی کو ان کی والدہ کا نام قرار دیتے ہیں، یہ المبتدا میں وہب بن منبہ سے منقول ہے، طبری اور ان کی پیروی میں ابن اثیر نے بھی الکامل میں ذکر

کیا مگر بخاری میں جو ہے، وہ اصح ہے۔ علماء کہتے ہیں آنجناب کا یہ ایک اندازِ تواضع ہے اگر یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اِعلام کے بعد فرمائی کہ آپ افضلِ کائنات ہیں اور اگر اس سے قبل کہی ہے تب کوئی اشکال نہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت یونس کا بطورِ خاص اسلئے ذکر کیا کہ کہیں کوئی ان کے واقعہ سے واقف شخص ان کی بابت تنقیصِ شان کے خیالات نہ رکھتا ہو، تو سدِ ذریعہ کے طور سے ان کے ذکرِ فضل میں مبالغہ کا اسلوب اختیار فرمایا۔ سدی نے اپنی تفسیر میں ابن مسعود وغیرہ سے مختلف اسانید کے ساتھ ان کا قصہ بیان کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ انہیں اہلِ نینویٰ جو موصل (عراق) میں ہے، کی طرف مبعوث کیا گیا، اہلِ شہر نے تکذیب کی آخر انہیں عذابِ خداوندی آنے کا موعد بتلا کر ناراضی کے عالم میں نکل آئے ادھر جب شہر والوں نے عذاب کے آثار دیکھے تو سب گڑگڑائے، گناہوں سے توبہ تائب ہوئے اور ایمان لے آئے جس پر اللہ تعالیٰ نے عذاب ٹال دیا۔

دوسری جانب حضرت یونس شہر سے چل کر دریا پہ آئے، ایک کشتی میں سوار ہوئے جو بیچ دریا بھنور میں پھنس گئی، کشتی والوں نے قرعہ اندازی کی (اس زمانہ کے رواج کے مطابق) کہ کسی ایک کو نذرِ دریا کر دیں، تین مرتبہ انہی کے نام کا قرعہ نکلا (جس پر دریا میں اتارے گئے اور) مچھلی نے نگل لیا، ابن ابی حاتم کی اسنادِ صحیح کے ساتھ ابن مسعود کی روایت میں بھی یہی ہے، یہ اضافہ بھی کہ عذاب کا بتلا کر وہ وہیں آس پاس رہے، صبح جب کوئی آثارِ عذاب نظر نہ آئے تو مغاضباً وہاں سے چل پڑے، شہر والوں کی شریعت میں تھا کہ جو جھوٹ بولے، قتل کر دیا جائے تو حضرت یونس بولے یہاں ایک آقا سے بھاگا ہوا غلام ہے اور جب تک اسے نہیں نکالا جاتا کشتی نہ چلیگی، اہل کشتی کہنے لگے اے اللہ کے نبی ہم آپ کو نہیں پھینک سکتے، کہتے ہیں قرعہ ڈالا، تینوں مرتبہ انہیں کا نام آیا آخر مچھلی کے پیٹ میں پہنچے جو انہیں لے کر تہِ دریا میں چلی گئی وہاں انہوں نے قرآن میں مذکور تسبیح کا وظیفہ کیا، بزار اور ابن جریر نے ابو ہریرہ سے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے، اس میں ہے کہ مچھلی کو حکم ملا اس کی کوئی ہڈی نہ ٹوٹنے پائے اور نہ اس کے جسم میں خراش تک آئے۔ جب تہ میں پہنچے تو تسبیح کا وِرد شروع کیا فرشتوں نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کی کہ بارالہا ہم نے کسی اجنبی جگہ سے آتی تسبیح کی کمزور سی آوازیں سنی ہیں، فرمایا یہ میرا بندہ یونس ہے، انہوں نے سفارش کی پھر مچھلی نے ساحل پر لا اگلا، ابن مسعود کہتے ہیں اس وقت ان کی حالت یہ تھی کہ پرندے کے بچے کی طرح بن چکے تھے جس پر کوئی ریش نہ ہو۔ ابن ابی حاتم سدی عن ابی مالک سے ناقل ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن گزارے، جعفر صادق سے سات دن منقول ہیں، قتادہ تین دن کہتے ہیں، شعبی سے نقل کیا جاتا ہے، کہ ضحیٰ کے وقت نگلا اور شام کو اگل دیا۔

36باب (وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِى كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِى السَّبْتِ)

(اصحابِ سبت کا واقعہ)

يَتَعَدَّوْنَ يُجَاوِزُونَ فِى السَّبْتِ (إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا) شَوَارِعَ إِلَى قَوْلِهِ (كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ) اور ان سے ان اہلِ قریہ کی بابت پوچھیں جو ساحلِ سمندر پہ آباد تھے، جب وہ ہفتہ کے دن سرکشی کرتے تھے، (قردة خاسئين) تک۔

جُمہور کہتے ہیں اس قریہ سے مراد ایلہ ہے جو مکہ سے مصر کے راستہ پر واقع ہے، ابن تین نے زہری سے نقل کیا ہے کہ طبریہ مراد ہے۔ (إذ يعدون الخ) ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر میں یہ دونوں لفظ ذکر کیے ہیں۔ (شُرَّعا الخ) یہ بھی قولِ ابی عبیدہ ہے۔ امام بخاری

نے اس کے تحت کوئی مسند حدیث نقل نہیں کی، عبدالرزاق نے اس بابت ابن عباس سے ایک روایت نقل کی ہے جس کی سند میں ایک مبہم راوی ہے، اسے مالک نے بھی یزید بن رومان سے معضلاً نقل کیا، قتادہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اصحاب السبت نے جو کہ اہلِ ایلہ تھے، جب مچھلی کے شکار کیلئے حیلہ سازی کی کہ ہفتہ کے دن جال نصب کر دئے اور ان میں پھنس گئیں مچھلیوں کو پکڑنے کا کام اتوار کے دن انجام دیا تو شہر کے کچھ لوگوں نے انہیں روکا اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ان روکنے والوں سے کہنے لگے ہمیں اور تمہیں ان سے کیا سروکار؟ انہیں ان کے حال پہ چھوڑ دو، تو ایک دن صبح بیدار ہوئے تو شہر میں ان معتدین کو نہ پایا، ایک آدمی کو تحقیقِ حال کیلئے سیڑھیوں پر چڑھایا تو انکشاف ہوا سب بندر بن چکے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے مجاھد عن ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ کچھ ہی دنوں بعد یہ سارے بندر ہلاک ہو گئے، ابن جریر عوفی عن ابن ابن عباس سے ناقل ہیں کہ جوان بندر اور شیوخ خنازیر بن گئے۔

37 باب قَوْلِ اللَّهِ تَعالَى (وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا) (حضرت داؤد اور زبور)

الزُّبُرُ الْكُتُبُ، وَاحِدُهَا زَبُورٌ، زَبَرْتُ كَتَبْتُ. (وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلاً يَا جِبَالُ أَوِّبِى مَعَهُ) قَالَ مُجَاهِدٌ سَبِّحِى مَعَهُ، (وَالطَّيْرَ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ *أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ) الدُّرُوعَ، (وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ) الْمَسَامِيرِ وَالْحَلَقِ، وَلاَ يُدِقَّ الْمِسْمَارَ فَيَتَسَلْسَلَ، وَلاَ يُعَظِّمْ فَيَفْصِمَ (وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ) اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔ (الزبر) اس کی واحد زبور ہے، زبرتُ بمعنی کتبتُ، (یا جبال أوّبی معه) بقول مجاہد: سبحی معہ (یعنی ان کے ساتھ مل کر اللہ کی تسبیح کریں) (أن اعمل سابغات) یعنی زرہ بکتر بناتے تھے۔ (وقدر فی السرد) بنانے میں ایک خاص انداز رکھ، یعنی زرہ کی کیلوں اور حلقے بنانے میں، نہ تو کیل اتنے باریک رکھ کہ ڈھیلی ہو جائیں اور نہ اتنی بڑیں کہ حلقے ٹوٹ جائیں (أفرغ) یعنی نازل فرما۔ (بسطةً) یعنی زیادةً وفضلاً۔

یہ حضرت داؤد بن ایشا بن عوبد بن باعر بن سلمون بن یارب بن رام بن حضردن بن فارص بن بھوذا بن یعقوب ہیں۔

(الزبر الخ) یہ قولِ ابوعبیدہ ہے، کسائی کہتے ہیں زبور بمعنی مزبور ہے یعنی مکتوب، زبور زاء کی پیش کے ساتھ بھی ایک قراءت ہے بقول ابن حجر یہ حمزہ کی قراءت میں ہے۔ (قال مجاھد سبحی معه) اسے فریابی نے موصول کیا ہے ضحاک سے منقول ہے کہ یہ حبشہ کی زبان میں ہے، قتادہ (أوّبی) کا معنی (سِیری) کرتے ہیں۔ (أنِ اعْمَلْ الخ) یہ بھی ابوعبیدہ کا قول ہے۔ (ولا ترق المسمار فیسلس) کشمیہنی کے ہاں یہی ہے جبکہ بقیہ کے نسخوں میں: (لاتدق) ہے، اسی طرح ان کے ہاں (فیتسلسل) اور (فیفضم) ہے، یسلس لامِ مفتوح کے ساتھ، کا معنی ہے کہ سوراخ سے رفق کے ساتھ نکل جائے یا متحرک ہو جائے اور عند الخروج نرم ہو جائے۔ دوسری روایتِ بخاری میں (فیتسلسل) کا معنی ہے (أی یصیر کا لسلسلة فی اللین) کہ نرماھٹ میں زنجیر کی طرح ہو، اول اوجہ ہے، اسے فریابی نے مجاہد سے سورہِ سبا کی آیت: (و قَدِّرْ فِي السَّرْدِ) کی تفسیر میں موصول کیا ہے، ابوعبیدہ ذکر کرتے ہیں کہ کہا جاتا ہے (درع مسردة) أی مستدیرة الحلق (گول حلقوں والی)۔

(أفرغ أنزل) یہ صرف کشمیہنی کے نسخہ میں ہے، ابن حجر کہتے ہیں اس سے کیا مراد ہے؟ سمجھ نہیں سکا، کہتے ہیں حضرت داؤد کے قصہ پر مشتمل سب آیات کا استقراء کیا ہے مگر یہ لفظ (أفرغ) نہیں ملا (جالوت کے ساتھ جنگ کے ضمن میں، جسکا ذکر دوسرے پارہ کے آخری رکوع میں ہے، یہ لفظ مستعمل ہے، حضرت داؤد اور باقی مجاہدوں نے دعا کی۔ رَبَّنا أفْرِغْ عَلَيْنا صبراً، تو اس کی تشریح کر

رہے ہیں، غلط فہمی میرے خیال میں اسلئے ہوئی کہ وہ اسے۔ جیسا کہ باب میں مذکور ہے، سورۂ کہف کا لفظ سمجھ بیٹھے، وہاں ذوالقرنین کے بنائے ہوئے سد کے ضمن میں ہے: أُفْرِغْ عليه قِطْرا)۔ (بسطةً: زيادة و فضلا) یہ قولِ ابی عبیدہ ہے، سورۃ البقرۃ کی آیت رقم: [۲۴۷] (وزادَه بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ) کی تفسیر میں، اسے استطر اداً نقل کیا ہے چونکہ قصۂ طالوت سے متعلقہ ہے جس کے آخر میں حضرت داود کا بھی ذکر ہے۔

علامہ انور (يا جبالُ أَوِّبي الخ) کے تحت لکھتے ہیں ابن ہشام کا قول ہے کہ میں نے قرآن میں مفعول معہ کی مثال نہیں پائی، تو میں کہتا ہوں اس کی تو بہت مثالیں ہیں، یہاں (والطَّيْرَ) بھی اسی قبیل سے ہے، الطہارۃ میں اس پر مبسوط بحث کی تھی۔

3417 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خُفِّفَ عَلَى دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ الْقُرْآنُ، فَكَانَ يَأْمُرُ بِدَوَابِّهِ فَتُسْرَجُ، فَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ قَبْلَ أَنْ تُسْرَجَ دَوَابُّهُ، وَلاَ يَأْكُلُ إِلاَّ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ. أطرافه 2073، 4713- 3417م رَوَاهُ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ صَفْوَانَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

ابو ہریرہؓ نبی پاک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت داؤد پر زبور کی قراءت بہت آسان کردی گئی تھی، سواریوں پہ زین کسنے کا حکم دیتے اور یہ عمل مکمل ہونے سے پہلے پہلے اس کی قراءت ختم کر لیتے، اور آپ صرف ہاتھوں کی کمائی کھاتے۔

(خفف على داؤد القرآن) کشمیہنی کے نسخہ میں (القراءة) ہے، کہا گیا ہے کہ قرآن سے مراد بھی قراءت ہے، اصلاً اس کا معنی ہے جمع کرنا، تو کسی چیز کے جمع کا مطلب ہے اس کی قراءت، کہا گیا ہے کہ اس سے مراد زبور ہے بعض نے تورات کہا ہے، کسی بھی نبی علیہ السلام کے ضمن میں قراءت کا لفظ اگر مستعمل ہے تو اس سے مراد اس نبی پر نازل کی گئی کتاب کی قراءت ہے، اسے قرآن کا نام دینے سے اس امر کے معجزہ ہونے کی طرف اشارہ ہے جیسے قرآن ایک معجزہ ہے، اس توجیہ کو صاحب المصابیح نے بیان کیا ہے مگر پہلی تاویل ہی اقرب ہے۔ زبور یا توراۃ کا تردد اسلئے ہوا کہ زبور میں صرف مواعظ ہی تھے جبکہ ان کیلئے احکام وہی تھے جو توراۃ میں تھے، قتادہ کہتے ہیں ہمارے ہاں کہا جاتا ہے کہ زبور میں ایک سو پچاس سورتیں تھی جو سب کی سب وعظ ونصیحت اور اللہ تعالی کی حمد وثناء کی باتوں پر مشتمل تھیں، حلال وحرام یا فرائض وحدود مذکور نہ تھے بلکہ اس ضمن میں توراۃ ان کا ماخذ تھی، اسے ابن حاتم وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نسبت ایسی برکت ڈالی تھی کہ زمانۂ یسیر میں عملِ کثیر بجالاتے تھے، نووی کہتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ چار ختم دن کو اور چار رات کو کر لیتے، بعض صوفیہ نے اس سلسلہ میں مبالغہ آمیز باتیں کہی ہیں (جو قرآن کے ختمات کے بارہ میں بھی کہی گئیں، قسطلانی کے حوالہ سے ان کا ذکر سابقہ کسی جلد میں گزرا ہے) کہتے ہیں: والعلم عند اللہ۔ (بدوابہ) موسی بن عقبہ کی آمدہ روایت میں (بدابتہ) یعنی صیغۂ مفرد ہے، التفسیر کی روایت میں بھی یہی ہے، اسے جنس پر محمول کیا جائے گا یا اس سے مراد وہ دابہ جو ان کی سواری کیلئے مختص تھی اور جمع سے مراد ان کے ساتھیوں کی سواریاں بھی۔ (فيقرأ الخ) موسی کی آمدہ روایت میں یہ الفاظ ہیں: (فلا تُسْرَجُ حتىٰ يقرأ القرآن) کہ زین کسی جانے سے پہلے پہلے ختمِ زبور کر لیتے۔

(ولا يأكل إلا الخ) اوائل کتاب البیوع میں اس بارے بحث گزر چکی ہے، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ (یعنی ہاتھ سے کمانا) افضل المکاسب ہے، اس سے اِجارت کی مشروعیت پر بھی استدلال کیا گیا ہے کیونکہ عملِ ید اس لحاظ سے عموم کا حامل ہے کہ چاہے

اپنا ہاتھ ہو چاہے کسی اور (یعنی مزدور وغیرہ) کا، یہاں بظاہر مراد ان کے اپنے ہاتھ سے کمائی وعمل ہے تو ان کا عملِ یدنسجِ دروع (یعنی زرہیں بنانا) تھا، اللہ تعالی نے لوہا ان کے لئے نرم ومسخر کر دیا تھا تو وہ بغیر اوزار کی مدد اور لمبے چوڑے کام کے، ہاتھ کی مدد سے اس سے زرہ بکتر بنا لیتے اور اس کی آمدنی سے گھر چلاتے حالانکہ دنیا کے چند بڑے بادشاہوں میں ان کا نام آتا ہے، ان کی بادشاہت کی بابت قرآن کہتا ہے: (و شَدَدْنا مُلْكَه) حدیثِ باب بھی اس پر دال ہے، مالداری کے باوجود جسکا اشارہ یہاں ان کے دواب کے تذکرہ سے ملتا ہے، محنت کی کمائی کے عادی تھے۔

(رواه موسى الخ) اسے امام بخاری نے کتاب خلق افعال العباد میں موصول کیا ہے۔ سید محمد انور کشمیری (خفف عن داؤد القرآن) کے تحت رقمطراز ہیں کہ یہ طیِّ زمان اور نشرِہ کا مسألہ ہے (یعنی کسی کیلئے زمانہ اور وقت سمیٹ لیا جانا یا اس میں خاص اس کے لئے توسیع کیا جانا) کہتے ہیں یہ شیخ اکبر کی استعمال کردہ اصطلاحات میں سے ہے، وہ اس کا اکثر استعمال کرتے ہیں لیکن کسی جگہ اس کی مفصلاً تشریح نہیں کی، ان کے علوم میں سے ہے کہ ہر باب کی ابتداء میں کچھ مسائل کی تقریر کرتے ہیں پھر اس موطن سے علومِ کثیرہ کا آخر الباب ذکر کرتے ہیں لیکن ان کی تقریر (یعنی ان کی تائید یا ان کی بابت مبسوط بحث) نہیں کرتے، انہی میں سے یہ مسئلہ بھی ہے۔

3418حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ أَخْبَرَهُ وَأَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍوؓ قَالَ أُخْبِرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنِّى أَقُولُ وَاللَّهِ لأَصُومَنَّ النَّهَارَ وَلأَقُومَنَّ اللَّيْلَ مَا عِشْتُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْتَ الَّذِى تَقُولُ وَاللَّهِ لأَصُومَنَّ النَّهَارَ وَلأَقُومَنَّ اللَّيْلَ مَا عِشْتُ قُلْتُ قَدْ قُلْتُهُ. قَالَ إِنَّكَ لاَ تَسْتَطِيعُ ذَلِكَ، فَصُمْ وَأَفْطِرْ، وَقُمْ وَنَمْ وَصُمْ مِنَ الشَّهْرِ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ فَإِنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، وَذَلِكَ مِثْلُ صِيَامِ الدَّهْرِ فَقُلْتُ إِنِّى أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَصُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمَيْنِ قَالَ قُلْتُ إِنِّى أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ. قَالَ فَصُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمًا وَذَلِكَ صِيَامُ دَاوُدَ وَهُوَ عَدْلُ الصِّيَامِ قُلْتُ إِنِّى أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لاَ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ. أطرافه 1131، 1152، 1153، 1974، 1975، 1976، 1977، 1978، 1979، 1980، 3419، 3420، 5052، 5053، 5054، 5199، 6134، 6277۔ (جلد دوم ص: ۴۰ اور ص: ۶۹ میں مترجم ہے)

3419حَدَّثَنَا خَلاَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ أَبِى ثَابِتٍ عَنْ أَبِى الْعَبَّاسِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلَمْ أُنَبَّأْ أَنَّكَ تَقُومُ اللَّيْلَ وَتَصُومُ. فَقُلْتُ نَعَمْ. فَقَالَ فَإِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذَلِكَ هَجَمَتِ الْعَيْنُ وَنَفِهَتِ النَّفْسُ، صُمْ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ، فَذَلِكَ صَوْمُ الدَّهْرِ أَوْ كَصَوْمِ الدَّهْرِ. قُلْتُ إِنِّى أَجِدُ بِى قَالَ مِسْعَرٌ يَعْنِى قُوَّةً. قَالَ فَصُمْ صَوْمَ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ وَكَانَ يَصُومُ يَوْمًا، وَيُفْطِرُ يَوْمًا، وَلاَ يَفِرُّ إِذَا لاَقَى أطرافه 1131، 1152، 1153، 1974، 1975، 1976، 1977، 1978، 1979، 1980،

6277،6134،5199،5054،5053،5052،3420،3418۔ (سابقہ ہے)

دونوں احادیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو کے قیامِ شب و روزوں کی بابت آنجناب کی انہیں ہدایت و مراجعت کا تذکرہ ہے، صلاۃ اللیل میں اس بارے مبسوط بحث گزر چکی ہے، یہاں غرضِ ترجمہ (صیام داؤد) ہے۔

38 باب أَحَبُّ الصَّلَاةِ إِلَى اللَّهِ صَلَاةُ دَاوُدَ (اللہ کو صلاۃِ داؤد کی بہت پسند ہے)

وَأَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللَّهِ صِيَامُ دَاوُدَ، كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ، وَيَنَامُ سُدُسَهُ، وَيَصُومُ يَوْمًا، وَيُفْطِرُ يَوْمًا .قَالَ عَلِيٌّ وَهُوَ قَوْلُ عَائِشَةَ مَا أَلْفَاهُ السَّحَرُ عِنْدِي إِلَّا نَائِمًا. اللہ کو سب سے پسندیدہ روزہ حضرت داؤد کا روزے رکھنا ہے، وہ نصف شب تک سوتے پھر اٹھ کر ثلث شب قیام کرتے پھر (باقی) سدس دوبارہ سوجاتے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے، علی کہتے ہیں حضرت عائشہ کا کہنا ہے کہ آنجناب میرے ہاں جب ہوتے سحر کے وقت آپ ہمیشہ سوئے ہوتے تھے۔

3420حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَوْسٍ الثَّقَفِيِّ سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللَّهِ صِيَامُ دَاوُدَ كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا وَأَحَبُّ الصَّلَاةِ إِلَى اللَّهِ صَلَاةُ دَاوُدَ، كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ سُدُسَهُ .أطرافه 1131، 1152، 1153، 1974، 1975، 1976، 1977، 1978، 1979، 1980،3418،3419،5052،5053،5054،5199،6134،6277۔ (ایضاً)

اس کے تحت بھی سابقہ باب کی حدیثِ عبداللہ بن عمرو نقل کی ہے۔ (قال علی الخ) مستملی اور کشمیہنی کے نسخوں میں یہی ہے، باقیوں کے ہاں یہ حدیث بھی سابقہ باب میں درج ہے، ان کے ہاں یہ قولِ علی مذکور نہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں ان علی کو کہیں منسوب نہیں پایا، میری رائے میں اس سے مراد علی ابن المدینی، شیخ بخاری ہیں، مراد حدیث میں مذکور جملہ: (وینام سُدسہ) کی وضاحت کرنا ہے، یعنی آخری سدس، گویا کہہ یہ رہے ہیں کہ یہ حدیثِ عائشہ (ما ألفاه السَّحرُ الخ) کے موافق ہے یعنی آنجناب کا بھی یہی طرزِ عمل تھا، ضمیر آنجناب کی طرف راجع ہے، سحر فاعل ہے، اس بابت قیام اللیل میں بحث گزر چکی ہے۔

39 باب (وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ) (حضرت داؤد کی چند صفات)

إِلَى قَوْلِهِ (وَفَصْلَ الْخِطَابِ) قَالَ مُجَاهِدٌ الْفَهْمُ فِي الْقَضَاءِ (وَلاَ تُشْطِطْ) لاَ تُسْرِفْ (وَاهْدِنَا إِلَى سَوَاءِ الصِّرَاطِ *إِنَّ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً) يُقَالُ لِلْمَرْأَةِ نَعْجَةٌ، وَيُقَالُ لَهَا أَيْضًا شَاةٌ، (وَلِي نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا) مِثْلُ (وَكَفَلَهَا زَكَرِيَّاءُ) ضَمَّهَا (وَعَزَّنِي) غَلَبَنِي، صَارَ أَعَزَّ مِنِّي، أَعْزَزْتُهُ جَعَلْتُهُ عَزِيزًا (فِي الْخِطَابِ) يُقَالُ الْمُحَاوَرَةُ (قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَى نِعَاجِهِ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْخُلَطَاءِ) الشُّرَكَاءِ (لَيَبْغِي) إِلَى قَوْلِهِ (أَنَّمَا فَتَنَّاهُ) .قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اخْتَبَرْنَاهُ .وَقَرَأَ عُمَرُ فَتَّنَّاهُ بِتَشْدِيدِ التَّاءِ (فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ) اور ذکر کرو ہمارے بندے داؤد کا جو بڑا زور آور تھا، بے شک وہ اللہ کی طرف رجوع کرنیوالا تھا، (فصل الخطاب) تک۔ مجاہد اس کا یہ معنی کرتے ہیں کہ قوتِ فیصلہ عطا کی تھی۔ (ولا تشطط) یعنی اسراف نہ کرو۔ (وتسعون نعجة) عورت کو نعجہ کہا جاتا ہے اسے (مجازاً) شاۃ بھی کہتے ہیں (أکفلنیها) مثل

(و كفلها زكريا) ہے، بمعنی ضَمَّها (یعنی دونوں جگہ ایک ہی معنی ہے)۔ (وعزَّنی) یعنی مجھ پہ غالب ہے۔ (فی الخطاب) یعنی گفتگو میں۔ (الخلطاء) یعنی شرکاء۔ (إنما فتناه) بقول ابن عباس ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالا۔

أيد بمعنی قوت ہے، حضرت داؤد غایت درجہ کے شجاع تھے، اواب کی تفسیر آگے آرہی ہے۔ (قال مجاهد الفهم الخ) یعنی (فصل الخطاب) سے مراد فہم فی قضاء (یعنی قوتِ فیصلہ) ہے، ابن ابی حاتم نے ابو بشر کے طریق سے مجاھد سے اس کی یہ تفسیر بھی نقل کی ہے کہ اس سے مراد (الحكمة الصواب) ہے (یعنی صائب حکمت و دانش)۔ لیث عن مجاہد کے طریق سے (إصابة القضاء و فهمه) منقول ہے، (یعنی درست فیصلے کرنا)۔ ابن جریج عن مجاھد سے (العدل فی الحكم) منقول ہے اور جو بھی حکم دیتے اسے نافذ کیا جاتا، شعبی اس سے مراد (أما بعد) لیتے ہیں، اس بارے ایک حدیثِ مسند بھی ہے جسے بلال بن أبی بردة عن أبيه عن جده (یعنی حضرت ابو موسی اشعری) کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اول شخص جس نے اما بعد کہا، حضرت داؤد ہیں اور یہ فصل الخطاب ہے، اسے ابن ابی حاتم نے تخریج کیا ہے۔ علامہ انور اسے ضعیف روایت قرار دیتے ہیں، ابن جریر نے شعبی سے بھی اسناد صحیح کے ساتھ یہی نقل کیا ہے، ابن ابی حاتم شریح سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد (الشهود والأيمان) ہیں، ابو عبدالرحمٰن سلمی کے طریق سے بھی یہی منقول ہے۔

(ولا تشطط الخ) یہاں یہی ہے، فراء کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے: (لا تَجر) ، ابن جریر قتادہ سے (أی لا تمل) اور سدی سے (لا تَخَفُ) نقل کرتے ہیں۔ (یقال للمراة الخ) ابو عبیدہ (و لِی نَعُجَةٌ واحدةٌ) کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی عورت۔ (فقال أكُفِلُنِيها الخ) ابو عبیدہ قولہ تعالی (أكفلينها و عَزَّنِیُ فِی الُخِطاب) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ قولہ تعالی: (و كفلها زكريا) [آل عمران: ۳۷] کی مانند ہے، أی ضَمَّها إليه (یعنی اپنے ساتھ ملا لیا) اور کہا جاتا ہے: (كفلتُ بِالنفس أو بالمال) یعنی اس کا ضامن بنا۔ (وعزنی غلبنی الخ) یہ بھی قولِ ابی عبیدہ ہے، طبری عوفی عن ابن عباس سے ناقل ہیں کہ (إنُ دَعَا و دَعَوُتُ كانَ أكثرَ مِنّی و إنُ بَطَشُتُ و بَطش كان أشدَّ مِنی) یعنی مجھ سے زیادہ تاثیر اور قوت والا ہے۔ قتادہ کے طریق سے منقول ہے کہ مجھے اپنے قہر و ظلم کا نشانہ بناتا ہے۔ (يقال المحاورة) سے مراد تفسیر (الخطاب) بالمحاورۃ ہے یعنی گفتگو اور فریقین کے مابین اگر جھگڑا ہو تو بات کرنے اور اپنا مقدمہ بطریقِ احسن پیش کرنے میں مجھ سے تیز ہے (فعزنی فی الخطاب) کی تفسیر بیان کر رہے ہیں۔ (فَتنَّاه قال ابن عباس الخ) ابن عباس کا قول ابن جریر اور ابن ابو حاتم نے موصول کیا ہے، حضرت عمر کی مذکورہ قراءت شواذ قراءات میں سے ہے، ابو عبیدہ نے مشہور قراءات میں اس کا ذکر نہیں کیا، ابو رجاء عطاردی اور حسن بصری سے بھی یہی منقول ہے کہ تائے مشدد سے پڑھتے تھے (مشہور قراءت میں تائے مخفف اور نونِ مشدد ہے)۔

علامہ انور شاہ (تسع و تسعون نعجة) کی بابت اظہارِ خیال کرتے ہیں کہ اس بابت بعض اہلِ تفسیر نے جو قصہ بیان کیا ہے وہ من گھڑت اور بے اصل ہے، اس بارے کوئی نقلِ اسلامی موجود نہیں، جو کچھ بھی نقل کیا جاتا ہے وہ سابقہ کتب کے حوالے سے ہے، مجھ پر تبیُّن ہوا ہے کہ اس باب میں مستدرک حاکم کی صحیح اسناد کے ساتھ روایت پر اکتفاء کیا جانا چاہئے، اس میں ہے کہ حضرت داؤدؑ کو جب اللہ تعالی نے حکم دیا کہ (اِعُمَلُوا آلَ داوُدَ شُکُرا) اے آل داود اللہ کا شکر بجا لائیے، تو انہوں نے اپنے ایام کی اس طرح سے تقسیم کی کہ ایک دن عبادت کیلئے، ایک دن فصلِ خصومات (یعنی لوگوں کے مسائل حل کرنے کیلئے) اور ایک دن گھر والوں کیلئے خاص کر

لیا، ایک عرصہ گزر گیا، انہیں اپنی یہ تقسیمِ کار خوش کن دکھائی دیتی اور اس پر نازاں تھے اور خیال کرتے تھے کہ کم ہی لوگ ہوں گے جنھوں نے اس طرح سے تنظیمِ کار کیا ہوگا، اس پر بارگاہِ ایزدی سے ان کی آزمائش کا فیصلہ ہوا اور انہیں بتلا بھی دیا گیا، وہ عرضگزار ہوئے کہ یا رب مجھے آزمائش کا دن بتلا دیا جائے، فرمایا نہیں، ایک دن دو فرشتے خدام کی نظروں سے بچ کر دیوار پھلانگ کر اندر آئے اور ایک فرضی مقدمہ پیش کیا وہی جسکا ذکر قرآن میں ہے، تو نعجہ سے مراد چاہے کچھ بھی ہو، بکری یا کچھ اور، تو اصل مقصد ان کی آزمائش تھا، وہ اس بات پر متعجب تھے کہ کیسے پہرے داروں کی نگاہوں سے چھپ کر اندر چلے آئے تو ابتلا یہی ہے گویا یہ سبق دینا مقصود تھا کہ آپ نے ایام کی یہ جو تقسیم کی ہے وہ موزوں اور مناسبِ حال نہیں، آپ حکمران ہیں تو لوگوں کو آپکی عبادت کے دن بھی آپ سے کام پڑ سکتا ہے تو کیا وہ فصلِ خصومات کے دن کا انتظار کریں؟۔

(فاستغفر ربه الخ) کے تحت لکھتے ہیں یہ حنفیہ کی دلیل ہے کہ رکوع سجودِ تلاوت کی نیابت کر سکتا ہے، رازی نے اپنی تفسیر میں اس استنباط کو مستحسن قرار دیا ہے لیکن شیخ ابن ہمام نے اعتراض کیا ہے کہ یہاں رکوع سے مراد سجدہ ہی ہے لہٰذا استدلال تام نہیں کیونکہ اعتبار معنی و مفہوم کا ہوتا ہے نہ کہ ظاہری الفاظ کا، تو میں کہتا ہوں بسا اوقات الفاظِ قرآن پر بھی احکام مبنی کئے جاتے ہیں، الفاظ مطروحہ نہیں لہٰذا سجدہ پر رکوع کا اطلاق متمم استدلال ہے۔

3421 حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ سَمِعْتُ الْعَوَّامَ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ أَسْجُدُ فِي (ص) فَقَرَأَ (وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ) حَتَّى أَتَى (فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ) فَقَالَ نَبِيُّكُمْ ﷺ مِمَّنْ أُمِرَ أَنْ يَقْتَدِيَ بِهِمْ .أطرافه 4632، 4806، 4807

مجاہد کہتے ہیں میں نے ابن عباس سے پوچھا کیا سورۂ ص میں سجدہ کروں؟ تو انہوں نے یہ آیت تلاوت کی: (فبهداهم اقتده) تک اور کہا تمہارے نبی ان لوگوں میں سے تھے جنہیں حکم ملا کہ انبیاء کی اقتدا کریں۔ (مراد یہ کہ یہاں حضرت داؤد کے سجدہ کرنے کا ذکر ہے تو ہمارے نبی پاک کو ان کی اقتداء کا حکم ملا ہے لہٰذا سجدہ کیا جائیگا)۔

3422 حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ لَيْسَ (ص) مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ، وَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَسْجُدُ فِيهَا .أطرافه 1069

ابن عباس ؓ کہتے ہیں سورۂ ص کا سجدہ ضروری سجدوں میں سے نہیں اور میں نے نبی پاک کو اس میں سجدہ کرتے بھی دیکھا ہے۔

40 باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ) (ذکرِ سلیمان ؑ)

الرَّاجِعُ الْمُنِيبُ، وَقَوْلُهُ (هَبْ لِي مُلْكًا لاَ يَنْبَغِي لأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي) وَقَوْلُهُ (وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَى مُلْكِ سُلَيْمَانَ) (وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ) أَذَبْنَا لَهُ عَيْنَ الْحَدِيدِ (وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ) إِلَى قَوْلِهِ (مِنْ مَحَارِيبَ) قَالَ مُجَاهِدٌ بُنْيَانٌ مَا دُونَ الْقُصُورِ (وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ) كَالْحِيَاضِ لِلإِبِلِ .وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَالْجَوْبَةِ مِنَ الأَرْضِ (وَقُدُورٍ رَاسِيَاتٍ) إِلَى قَوْلِهِ (الشَّكُورُ)، (فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلاَّ دَابَّةُ الأَرْضِ) الأَرَضَةُ (تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ) عَصَاهُ (فَلَمَّا خَرَّ) إِلَى قَوْلِهِ (الْمُهِينِ) (حُبَّ الْخَيْرِ

عَنْ ذِكْرِ رَبِّى) (فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالأَعْنَاقِ) يَمْسَحُ أَعْرَافَ الْخَيْلِ وَعَرَاقِيبَهَا الأَصْفَادُ الْوَثَاقُ .قَالَ مُجَاهِدٌ (الصَّافِنَاتُ) صَفَنَ الْفَرَسُ رَفَعَ إِحْدَى رِجْلَيْهِ حَتَّى تَكُونَ عَلَى طَرَفِ الْحَافِرِ .(الْجِيَادُ) السِّرَاعُ .(جَسَدًا) شَيْطَانًا .(رُخَاءً) طَيِّبَةً، (حَيْثُ أَصَابَ) حَيْثُ شَاءَ .(فَامْنُنْ) أَعْطِ .(بِغَيْرِ حِسَابٍ) بِغَيْرِ حَرَجٍ

اللہ تعالیٰ کا فرمان (ترجمہ) اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا فرمایا وہ اچھا بندہ تھا بے شک وہ رجوع کرنے والا تھا۔ اور اس کا قول: (حضرت سلیمان کی دعا) اور مجھ کو ایسی بادشاہت دے جو میرے بعد کسی کو نہ ملے، اور فرمایا: اور انہوں نے پیروی کی اس علم کی جو سلیمان کی حکومت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے۔ اور فرمایا: ادر سلیمان کیلئے ہوا کو تابع کر دیا اس کی صبح کا سفر ایک ماہ کے برابر اور شام کا سفر بھی ایک ماہ کے برابر تھا اور ہم نے اس کیلئے لوہے کا چشمہ چلا دیا۔ اور فرمایا: ادر ایسے جن جو اللہ کے حکم سے اس کے سامنے کام کرتے، (من محاریب) تک۔ مجاہد کا قول ہے محاریب سے مراد محلات کے علاوہ عمارتیں۔ اور تماثیل بناتے اور حوض جیسے اونٹوں کیلئے ہوتے ہیں اور زمیں میں جڑی دیگیں، اے آل داؤد اللہ کا شکر ادا کرو اور کم ہی بندے میرے شکر گزار ہوتے ہیں، پھر جب ہم نے اس کی موت کا فیصلہ کر لیا تو کسی چیز نے اس کی موت کا پتہ نہ دیا مگر زمین کے ایک کیڑے نے، یعنی دیمک جو ان کے عصا کو کھاتا رہا حتی کہ وہ گر پڑے۔ اور فرمایا: (سلیمان نے کہا) مال کی محبت میں اللہ کی یاد سے غافل ہوا، تو لگے گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے، (الأصفاد) یعنی زنجیریں، مجاہد کہتے ہیں الصافنات، صفن الفرس سے ماخوذ ہے جب گھوڑا ایک پاؤں اٹھا کر کھر کی نوک پہ کھڑا ہو، (الجیاد) یعنی تیز رفتار، (جسداً) شیطان۔ (رخاء) نرمی اور خوشی سے۔ (حیث أصاب) جہاں جانا چاہتے۔ (فامنن) أعطِ کے معنی میں ہے۔ (بغیر حساب) یعنی بغیر حرج۔

(الراجع المنیب) یہ اواب کی تفسیر ہے، ابن جریج مجاہد سے ناقل ہیں کہ اواب (الرجاع عن الذنوب) ہے (یعنی گناہوں سے رجوع کرنے والا)۔ قتادہ سے (المطیع) اور سدی سے (المسبح) منقول ہے۔ (مِن محاریب قال مجاهد الخ) اسے عبد بن حمید نے موصول کیا ہے جبکہ ابو عبیدہ کہتے ہیں یہ محراب کی جمع ہے، ہر گھر کے آگے کے حصہ کو کہا جاتا ہے، مسجد اور مصلیٰ (نماز گاہ) پر بھی اس کا اطلاق ہے۔ (وجفانٍ الخ) ابن عباس کا قول ابن ابی حاتم نے موصول کیا ہے، ابو عبیدہ کہتے ہیں جوابی جابیۃ کی جمع ہے، اس حوض کو کہتے ہیں جس میں پانی ذخیرہ کیا جائے۔ (مِنسأته عصاه) یہ ابن عباس کا قول ہے، اسے ابن ابی حاتم نے موصول کیا ہے۔ ابو عبیدہ لکھتے ہیں کہ یہ (نسأتُ) سے مفعلۃ ہے، لاٹھی کے ساتھ اونٹوں کو ہانکنا۔

(فطفق مسحا الخ) یہ بھی ابن عباس کا قول ہے، ابن جریر نے موصول کیا آخر میں یہ اضافہ بھی ہے: (حُبّاً لَها) یعنی محبت سے ہاتھ پھیرا، حسنؒ سے اس کی یہ تفسیر منقول ہے کہ کھونچیں اور گردنیں کاٹ دیں اور فرمایا کہیں دوبارہ رب کی عبادت سے غافل نہ کر دیں، ابو عبیدہ کہتے ہیں اسی سے کہا جاتا ہے: (مسح علاوته) جب گردن کاٹ دی جائے۔ ابن جریر لکھتے ہیں ابن عباس کا قول اقرب الی الصواب (یعنی درست) ہے۔ (الأصفاد الوثاق) ابن جریر سدی سے آیت: (مُقَرَّنِيْنَ فِي الأَصْفَادِ) کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں یعنی ہاتھوں کو گردن کے ساتھ زنجیروں سے باندھ دیا جائے، بقول ابو عبید اصفاد صفد کی جمع ہے، غطاء (یعنی ڈھانپنے کیلئے مستعمل کوئی چیز) کو بھی کہا جاتا ہے۔

(قال مجاهد الصافنات الخ) اسے فریابی نے موصول کیا ہے لیکن ان کی روایت میں بجائے (رجلیه) کے (یدیه) ہے، عیاض نے اسی کو درست قرار دیا ہے۔ ابو عبید کہتے ہیں صافن وہ جو دونوں بازوؤں کو اکھٹا کر لے اور ایک ٹانگ کے کھر کے اگلے

حصہ کو موڑ لے۔ (الجیاد السراع) اسے بھی فریابی نے مجاہد سے موصول کیا ہے، ابن جریر ابراہیم تیمی سے ناقل ہیں کہ یہ بیس گھوڑے تھے، ان کے پر بھی تھے۔ (جسدا شیطانا) فریابی مجاہد سے آیت: (أَلْقَیْنَا علیٰ کُرْسِیِّہٖ جَسَداً) کی بابت نقل کرتے ہیں کہ یہ جسد ایک شیطان تھا، جسے آصف کہتے تھے، حضرت سلیمان نے اس سے کہا تم لوگوں کو کیسے بتلائے فتنہ کرتے ہو؟ کہنے لگا ذرا اپنی انگشتری دیں ابھی بتلاتا ہوں چنانچہ دیدی، اس نے اسے سمندر میں پھینک دیا، (فساخَ مُلکہ) جس کے نتیجہ میں حضرت سلیمان کی ساری بادشاہت زائل ہوگئی اور ان کے تخت پر آصف بیٹھ گیا البتہ اللہ نے حضرت سلیمان کے حرم کو اس سے محفوظ رکھا، ان کی والدہ پہچان گئی کہ یہ سلیمان نہیں کوئی اور ہے، اس اثناء حضرت سلیمان اتنے مجبور ہوئے کہ کھانا مانگتے تھے، لوگوں کو بتلاتے کہ میں سلیمان ہوں لیکن وہ نہ مانتے تا آنکہ ایک گھر سے انہیں مچھلی عطا کی گئی جسے کاٹا تو اندر سے وہی انگشتری نکلی جسے پہننے کے بعد ان کی بادشاہت واپس مل گئی اور آصف بھاگ کر سمندر میں جا داخل ہوا۔ ابن جریر نے مجاہد سے ایک اور طریق سے بجائے آصف کے آصر نقل کیا ہے، ابن عباس سے اس جن کا نام صخر منقول ہے، سدی سے بھی یہی نقل کیا جاتا ہے، مشہور قول یہ ہے کہ آصف اس شخص کا نام تھا جس کے پاس علم من الکتاب تھا، (قالَ الَّذِی عِندَہ عِلمٌ مِنَ الْکِتاب الخ کی طرف اشارہ ہے)۔

(حیث أصاب الخ) اسے بھی فریابی نے موصول کیا ہے۔ (فَامْنُنْ الخ) یہ بھی فریابی نے مجاہد سے نقل کیا ہے، ابوعبیدہ (بغیر حساب) کا مفہوم ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں: (أی بغیر ثواب ولا جزاء) یا (بغیر مَنَّۃٍ ولا قلۃ) یعنی بغیر بدلے کی خواہش کئے یا بغیر کوئی احسان جتلائے۔

علامہ انور (فطفق مسحا الخ) کی نسبت لکھتے ہیں یعنی ان گھوڑوں کے چہروں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے، کہتے ہیں جو انہیں ذبح کر دینا بتلایا جاتا ہے، ضروری نہیں کہ اسے تسلیم کریں پھر اس میں اضاعتِ مال اور خواہ مخواہ ذبحِ حیوان ہے لہٰذا اولیٰ یہی ہے کہ قرآن کے لفظ پہ اقتصار کیا جائے، اس میں صرف مسح کا ذکر ہے اور بظاہر یہ ازرہِ شفقت تھا اور یہ گھوڑوں وغیرہ کے مالکوں کے ہاں عمومی عادت ہے کہ پیار سے پیشانی وغیرہ سہلاتے ہیں (فألقینا علی کرسیہ الخ) کے تحت رقمطراز ہیں کہ مصنف نے بلفظِ شیطان اس کی تفسیر کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے صحیح بخاری کے تفسیری اجزاء ابوعبیدہ کی تفسیر سے مدون کئے ہیں تو ان کی کتاب میں موجود مرجوح اقوال بھی اس ضمن میں نقل کر دئے البتہ اس کی یہ توجیہہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ باور کرانے کیلئے ان کے تخت پر اسے لا بٹھایا ہو کہ ان کے ہاتھ میں کوئی شئ نہیں جیسے حضرت داؤد کے محل میں ان متخاصمین کو داخل کیا تھا، اس کے علاوہ باقی جو قصہ بیان کیا جاتا ہے، وہ من گھڑت اور جھوٹ ہے بفرضِ تسلیم یہ ایک جسمِ مثالی تھا جو بطریقِ عارضی نظر آیا، شیخ اکبر لکھتے ہیں جسمِ ناسوتی کو جسم کہا جاتا ہے جبکہ جسد بدنِ مثالی پر بولا جاتا ہے تو شائد یہ کسی جن کا بدنِ مثالی تھا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

3423 حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ إِنَّ عِفْرِيتًا مِنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ الْبَارِحَةَ لِيَقْطَعَ عَلَیَّ صَلاَتِی، فَأَمْكَنَنِی اللَّهُ مِنْهُ، فَأَخَذْتُهُ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَرْبُطَهُ عَلَى سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِی الْمَسْجِدِ حَتَّى تَنْظُرُوا إِلَيْهِ كُلُّكُمْ فَذَكَرْتُ دَعْوَةَ أَخِی سُلَيْمَانَ رَبِّ هَبْ لِی مُلْكًا لاَ يَنْبَغِی لأَحَدٍ مِنْ

بَعْدِى .فَرَدَدْتُهُ خَاسِئًا .عِفْرِيتٌ مُتَمَرِّدٌ مِنْ إِنْسٍ أَوْ جَانٍّ، مِثْلُ زِبْنِيَةٍ جَمَاعَتُهَا الزَّبَانِيَةُ

.أطرافه 461، 1210، 3284، 4808

ابو ہریرہؓ نبی اکرم سے روایت کرتے ہیں کہ گزشتہ رات ایک سرکش جن میرے آڑے آیا تا کہ میری نماز قطع کرے اللہ نے مجھ اس پہ قدرت دی میں نے اسے قابو کرلیا اور چاہا کہ اسے مسجد کے ستون سے باندھ دوں تا کہ تم سب اسے دیکھو لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آ گئی کہ اے اللہ مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو بعد میں کسی کو عطا نہ ہو تو میں نے اسے واپس لوٹا دیا۔ عفریت سرکش جن وانس کو کہتے ہیں جیسے زبنیہ جس کی جمع زبانیہ ہے (ایک آیت میں ہے: سندع الزبانية)۔

(تفلت علی) یعنی مجھ پر فلتۃً (اچانك) حملہ آور ہوا۔ (البارحة) ای الزائلة، گزر چکی رات، زوال سے آخر نہار تک کے وقت کو زوال کہا جاتا ہے۔ (فذکرت دعوة الخ) یہ اس امر کا اشارہ ہے کہ حضرت سلیمان کی اس دعا کا خیال و رعایت کرتے ہوئے اس عفریت کو جانے دیا، احتمال ہے کہ حضرت سلیمان کی خصوصیت، جنوں کا۔ فی جمیع ما یریدہ۔ (یعنی تمام کاموں جن میں ان کا ارادہ بنے) استعمال ہو، نہ کہ فقط اس قدر میں، اس حدیث سے خطابی نے استدلال کیا ہے کہ حضرت سلیمان کے مصاحب جنوں کو حضرت سلیمان کے کام بجالاتے ہوئے، ان کی اصل اَشکال و ہیئت میں دیکھتے تھے، کہتے ہیں جہاں تک اللہ تعالی کے اس فرمان کا تعلق ہے: (إِنَّه يَراكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُه مِنْ حَيْثُ لا تَرَوْنَهُمْ) [الأعراف :۲۷] تو یہ بنی آدم کے اغلب و اکثر احوال پر محمول ہے، اس کا یہ کہہ کر تعاقب کیا گیا ہے کہ انس کی جن کو رؤیت کی نفی اس آیت سے قاطع نہیں بلکہ آیت کا ظاہر امکانِ رؤیت پر دال ہے، ہمارے انہیں دیکھنے کی نفی ان کی ہمیں دیکھنے کی حالت کے ساتھ مقیَد ہے، اس کے علاوہ حالتوں میں رؤیت کی نفی ثابت نہیں ہوتی، عموم بھی محتمل ہے اور اکثر علماء یہی سمجھے ہیں حتی کہ امام شافعی کا قول ہے جس نے جن دیکھنے کا دعوی کیا اس کی شہادت قبول نہ کی جائے، واللہ اعلم۔

(جماعته زبانية) زبانیہ اصل میں پولیس کو کہتے ہیں، زبن بمعنی دفع سے مشتق ہے، فرشتوں پر اس کا اطلاق ہوا ہے کیونکہ وہ کفار کو جہنم میں دھکیل دینگے، بعض نے اس کا واحد زبنی اور بعض نے زبانی بھی کہا ہے، بعض کہتے ہیں اس کے لفظ سے اس کا واحد موجود نہیں اور بعض نے زبنیت بروزنِ عفریت اس کا واحد قرار دیا ہے، کہا جاتا ہے عفریۃ ایک الگ مستقل لفظ ہے جو عفریت سے ماخوذ نہیں۔ امام بخاری کی (مثل زبنية) سے مراد یہ ہے کہ عفریت کی بابت یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ عفریۃ ہے، یہ ایک شاذ قراءت ہے جو حضرت ابو بکر صدیق، ابو رجاء عطاردی اور ابو السمال سے مروی ہے، ذو الرمۃ کا ایک شعر ہے: (كأنه كوكب في إثر عفرية مصوب في ظلام الليل منتصب)۔ جنوں کی بابت بحث بدء الخلق کے باب (صفۃ ابلیس وجنودہ) کے تحت بھی گزر چکی ہے۔ ابن عبد البر کہتے ہیں جنوں کے کئی مراتب ہیں، اصل جنی ہے، انسانوں سے مخالطت کرنیوالے جن، عامر کہلاتے ہیں ان میں سے جو بچوں سے تعرض کرتے ہیں (یعنی ان کے درپے آزار ہو جاتے ہیں، جسے فلاں پر سایہ ہو گیا، سے تعبیر کیا جاتا ہے) وہ ارواح کہلاتے ہیں، خبیث جن کو شیطان کہا جاتا ہے، اس سے بھی خبث میں بڑھا ہوا، مارِد کہلاتا ہے، عفریت اس سے بھی بڑا خبیث ہے۔ راغب کہتے ہیں عفریت کی اصل عِفرّ ہے جو تراب ہے اسی سے (رجل عفر) کہا جاتا ہے جب خباثت میں حد سے بڑھا ہوا ہو۔

3424 حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا مُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِى الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ لَأُطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى سَبْعِينَ امْرَأَةً

تَحْمِلُ كُلُّ امْرَأَةٍ فَارِسًا يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ .فَلَمْ يَقُلْ، وَلَمْ تَحْمِلْ شَيْئًا إِلَّا وَاحِدًا سَاقِطًا إِحْدَى شِقَّيْهِ .فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ قَالَهَا لَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ .قَالَ شُعَيْبٌ وَابْنُ أَبِي الزِّنَادِ تِسْعِينَ . وَهُوَ أَصَحُّ .أطرافه 2819، 5242، 6639، 6720، 7469

ابو ہریرہ کہتے ہیں نبی پاک نے فرمایا ایک رات حضرت سلیمان نے کہا آج رات میں اپنی ستر بیویوں سے ہمبستری کرونگا اور ہر بیوی ایک شہسوار جنے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کریگا، ان کے ایک ساتھی نے کہا اِن شاء اللہ پڑھ لیں مگر ایسا نہ ہوا تو ان میں سے فقط ایک ہی نے ایک بچہ جنا وہ بھی ادھورا، نبی پاک فرماتے ہیں اگر ان شاء اللہ کہہ لیتے تو (ان کی بات پوری ہوتی اور) سب راہِ خدا کے مجاہد بنتے، شعیب اور ابوزناد نے بجائے ستر کے نوے نقل کیا ہے یہی اصح ہے۔

سند میں مغیرہ بن عبد الرحمن حزامی ہیں، ایک اور راوی اسی نام ونسبت کے ہیں مگر وہ مخزومی ہیں، حزامی کے دادا کا نام عبد اللہ بن خالد بن حزام ہے جبکہ مخزومی کے دادا کا نام حارث بن عبد اللہ تھا۔ (لأ طوفن الليلة) حموی اور مستملی کے نسخوں میں (لأطيفن) ہے، دونوں لہجات موجود ہیں، کسی چیز کے گرد بالتکرار گھومنا، یہاں جماع سے کنایہ ہے، لام جوابِ قسم کا ہے اور لفظِ قسم یعنی (والله) محذوف ہے، آخرِ حدیث میں (لم يحنث) کا جملہ اس پر دال ہے کیونکہ حنث صرف قسم سے ہی ہوتا ہے اور قسم کیلئے مقسَم بہ کا ہونا ضروری ہے۔

(على سبعين امرأة) یہاں مغیرہ سے روایت میں یہی ہے، الأیمان والنذ ور میں شعیب کی روایت میں (تسعين) مذکور ہے، اس حدیث کے عقب میں اس کا ذکر بالترجیح موجود ہے، ابن ابی زناد نے بھی یہی عدد روایت کیا ہے، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ نے ابوزناد سے (سبعين) نقل کیا ہے، ان کی روایت کفارۃ الأیمان میں آئیگی لیکن مسلم نے ابن ابی عمر عن سفیان کے حوالے سے (سبعين) روایت کیا ہے، انہی کی ورقاء عن ابی الزناد سے روایت میں بھی یہی ہے اسی طرح مسند حمیدی میں سفیان سے روایت میں بھی یہی ہے، اسماعیلی، نسائی اور ابن حبان نے ہشام بن عروہ عن ابی الزناد سے (مائة امرأة) روایت کیا ہے، الأیمان والنذ ور میں طاؤس عن ابی ہریرہ سے روایت میں بھی یہی عدد ہے، احمد نے بواسطہ عبد الرزاق طاؤس سے (تسعين) نقل کیا ہے، مسلم نے عبد بن حمید عن عبد الرزاق سے (سبعين) نقل کیا ہے، التوحید میں ایوب عن ابن سیرین عن ابی ہریرہ سے روایت میں آئیگا کہ ان کی ساٹھ بیویاں تھیں، احمد اور ابوعوانہ نے ہشام عن ابن سیرین کے حوالے سے (مائة امرأة) روایت کیا ہے، ابن مردویہ کے ہاں عمران بن خالد عن ابن سیرین سے بھی یہی عدد منقول ہے۔

الجہاد میں جعفر بن ربیعہ عن الأعرج کے حوالے سے سو یا ننانوے مذکور ہے، تو ان مذکورہ روایات کے حوالے سے ساٹھ، ستر، نوے، ننادوے اور سو کے اعداد سامنے آتے ہیں، تطبیق اسطرح سے دیجا سکتی ہے کہ ساٹھ حرائر تھیں اور باقی باندیاں یا اس کا عکس، سبعون کا عدد کثرتِ تعداد کے اظہار کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، تسعون کا عدد الغائے کسر اور مائۃ کا عدد جبرِ کسر کرتے ہوئے کہہ دیا گیا ہے اسی لئے جعفر کی روایت میں تردد کے ساتھ ہے، بعض شراح کا یہ تطبیق دینا کہ ذکرِ قلیل میں کثیر کی نفی نہیں، وہ مفہومِ عدد سے ہے اور جمہور کے نزدیک حجت نہیں! تو یہ اس مقام میں کافی نہیں، اسلئے کہ کثیر کے نزدیک مفہومِ عدد معتبر ہے، وھب بن منبہ نے المبتدا میں ذکر کیا ہے

کہ حضرت سلیمان کے حرم میں ایک ہزار عورتیں تھیں، تین سو وہ جنکے ساتھ بعوضِ حقِ مہر نکاح تھا اور باقی سات سو باندیاں تھیں، حاکم نے بھی المستدرک میں محمد بن کعب سے بھی یہی منقول کیا ہے۔

(تحمل كل امرأة الخ) یہ تمنی للخیر کی سبیل پہ کہا، جزم وقطعیت کا اسلوب اسلئے استعمال کیا کہ ان پر رجاء غالب تھی کیونکہ مقصود خیر اور امرِ آخرت تھا نہ کہ دنیا کی کوئی غرض مطمحِ نظر تھی، بعض سلف کا یہ بھی کہنا ہے کہ آنجناب اس حدیث میں تمناؤں کا آفت ہونا بتلا رہے ہیں اور اِعراض عن التفویض پر متنبہ فرما رہے ہیں، کہتے ہیں اسی کی پاداش میں اِن شاء اللہ کہنا بھول گئے تا کہ اس بابت تقدیر میں جو لکھا تھا اسکا اِمضاء ہو۔ (فقال له صاحبه) معمر عن طاؤس کی آمدہ روایت کے الفاظ ہیں: (فقال له الملك) هشام بن جحیر کی روایت میں صاحب کا لفظ ہے اور اس کے بعد ہے: (قال سفيان يعني الملك) تو گویا یہ جملہ مرفوع حدیث کا حصہ نہیں بلکہ راوی کی ذاتی تفسیر ہے لیکن مسند حمیدی میں سفیان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: (فقال له صاحبه أو الملك) مسلم میں بھی یہی ہے، فی الجملہ اس میں اس قول کا رد ہے کہ یہ وہی ہیں جنکے بارہ میں قرآن نے کہا: (عنده علم من الكتاب)۔ قرطبی اس بارے لکھتے ہیں اگر وہ ان کے صاحب تھے تو اس سے مراد انسانوں یا جنوں میں سے ان کے کوئی وزیر ہوں گے اور اگر ملک ہیں تو وحی لانے والے فرشتہ ہوں گے، کہتے ہیں اس سے ان کا دل مراد لینا ابعد ہے۔ نووی لکھتے ہیں ملک مراد ہے اور یہی ظاہر ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں صاحبُہ اور الملک کے مابین منافاۃ نہیں البتہ صاحبُہ کا لفظ اَعم ہے اسلئے دوسرا احتمال پیدا ہوا لیکن جن روایات میں جزم کے ساتھ الملک ہے ان سے تعیینِ مراد ہوئی۔

(فلم يقل) عیاض کہتے ہیں دوسرے طریق میں وضاحت ہے کہ بھول گئے تھے بقول ابن حجر یہ ابن عیینہ کی روایت ہے، معمر کی روایت میں ہے: (ونسي أن يقول إن شاء الله) تو لم یقل یہ مراد نہیں کہ اللہ کی طرف اس معاملہ کی تفویض سے انکار کیا، بلکہ زبان سے کہنا یاد نہ رہا یعنی ان کے دل میں یہ تھا البتہ کسی معاملہ میں مشغولیت کے سب زبان سے کہنا یاد نہ رہا۔

(إلا واحد الخ) شعیب کی روایت میں ہے: (فلم يحمل منهن إلا امرأة واحدة جاء ت بشقِ رجل) کہ ان میں سے ایک خاتون ہی حاملہ ہوئیں اور انہوں نے بھی نامکمل بچہ جنا، هشام عن ابن سیرین کی روایت میں: (نصف إنسان) کا لفظ ہے، معمر کی روایت میں بھی یہی ہے، نقاش اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں یہی وہ ہے جسے ان کے پاس لا کر تخت پر رکھا گیا جس کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے: (فَأَلْقَيْنَا عَلىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَداً الخ)۔ ابن حجر کہتے ہیں قبل ازیں کئی ایک مفسرین کا قول گزرا کہ اس جسد سے مراد شیطان ہے اور یہی معتمد ہے، کہتے ہیں نقّاش صاحبِ مَنا کیر تھے۔ (لو قالها لجاهدوا الخ) شعیب کی روایت میں ہے (لو قال إن شاء الله) آخر میں ہے: (فرسانا أجمعون) طاؤس کی روایت میں ہے اگر اِن شاء اللہ کہہ دیتے تو حانث ہونے سے بچ جاتے (یعنی قسم نامکمل نہ رہتی) اور ان کی حاجت بھی بر آتی، معمر کے طریق میں ہے: (وكان أرجىٰ لحاجته) یعنی ان شاء اللہ کہہ دینا ان کے مطلب کی براری کیلئے زیادہ امید کا باعث بنتا، آنجناب کے حضرت سلیمان کے حق میں یہ کہنے سے ہر ان شاء اللہ کہنے والے کیلئے اس کا مقصد پورا ہونا لازم ثابت نہیں ہوتا بلکہ مراد یہ ہے کہ استثناء (یعنی ان شاء اللہ کہنا) میں رجوِ وقوع اور عدم اشتثناء میں عدم وقوع کا ڈر ہے۔

آنجناب ؐ کا جنابِ سلیمانؑ کی نسبت یہ فرمان کہ اگر ان شاء اللہ کہہ لیتے تو ان کا کہا پورا ہوتا، اِخبار بالغیب کی قبیل سے معلوم ہوتا ہے گویا یہ تقدیرِ معلق تھی اور آنجناب کو اسپر مطلع کیا گیا، یہی تاویل ہے حضرت موسی کے قصہِ خضر میں (سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ

صَابِراً) کہنے کی، حالانکہ پھر وہ اس پر پورا نہ اتر سکے تھے اور جناب خضر نے آخر میں کہا تھا: (ذٰلِكَ تَأْ وِیلُ مَالَمْ تَسْطِعْ عَلَیْهِ صَبْراً)۔ حدیث سے اشارہ ملا کہ کثیر مباح و ملاذ معاملات اچھی نیت وقصد کے سبب مستحَب بن جاتے ہیں فَعلِ خیر اور اس کے اسباب کے تہییہ وتعاطی کی فضیلت بھی ثابت ہوئی اور یہ بھی کہ قسم اٹھانے کے بعد ان شاء اللہ کہنے سے قسم کا حکم رفع ہو جاتا ہے (یعنی اب وہ قسم قسم نہ رہی)، اگر متصلا ان شاء اللہ کہا ہے تب تو اس پر اتفاقِ اہل علم ہے لیکن اگر درمیان میں کوئی دقفہ آ گیا تب اس بارے تعددِ آراء ہے، اس کی مزید تفصیل الأیمان والنذور میں بیان ہوگی۔ اس حدیث سے ان حضرات کا استدلال ہے جو کہتے ہیں اگر استثناء اور قسم کے درمیان تھوڑا سا وقفہ حائل ہو گیا ہے تو یہ ضار نہیں، حدیثِ ہذا سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر حضرت سلیمان ساتھی کے یاد دلانے پر ان شاء اللہ کہہ لیتے تو باوجود اس درمیانی کلام کے حائل ومتخلِل ہونے کے یہ مفید ثابت ہوتی اور ان کی قسم اللہ پوری کر دیتا، قرطبی نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ ممکن ہے ملک وصاحب نے اثنائے کلام ہی یہ بات کہی ہو۔ ابن حجر کہتے ہیں یہ احتمال ممکن الوقوع ہے، تب استدلالِ مذکور ساقط ہو جائے گا۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ ان شاء اللہ نوکِ زبان پہ جاری کرنا ہوگی، دل میں اس کی نیت کر لینا کافی نہیں، بعض مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ انبیاء کرام کی عظیم قوتِ رجولیت بھی ثابت ہوئی، آنجناب کے بارہ میں بھی منقول ہے کہ باوجود کثرتِ عبادت اور قلیل طعام کے (ظاہری کھانے پینے کی یہ کمی اللہ تعالی کی بارگاہ سے دور ہو جاتی تھی، حدیث میں ہے کہ اللہ مجھے کھلا پلا دیتا ہے) آپ جب ازواج مطہرات کے پاس جانے کا۔

ارادہ بناتے تو ایک ہی رات اور ایک ہی غسل سے سب سے جماع فرما لیتے، کتاب الغسل میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے (یہاں اس مقام پر مولانا مودودی مرحوم کو ٹھوکر لگ گئی، وہ جناب سلیمان کے اس قصہ کو پڑھ کر حساب کتاب میں پڑ گئے کہ اگر ایک بیوی کے پاس آدھ گھنٹہ بھی قیام کرتے تو سو بیویوں کے ساتھ اتنا وقت چاہیے، ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ اللہ کے ایک نبی کی بات ہو رہی ہے اور انبیاء واولیاء کیلئے اللہ تعالی کی جانب سے طیِّ زمان کر دیا جانا ایک عام مشاہدہ کی بات ہے یہاں انسانی دانش اور مروجہ پیمانے تو کام ہی نہیں دیتے یہ تو قدرت کے وہ اسرار ہیں جنکی کنہ وحقیقت کا ہمارے ذہن ادراک نہیں کر سکتے اور نہ ہم مکلف ہیں کہ ان کی تاویل وتوجیہہ کریں اور امکان ثابت کریں)۔

یہ بھی ثابت ہوا کہ ظنِ غالب اور امید کی بناء پر کسی چیز کی اِخبار اور مستقبل میں کسی امر کے واقع ہونے کی بابت بتلانا جائز ہے تو جناب سلیمان نے مذکورہ بات جزم کے ساتھ کہی حالانکہ اس بارے کوئی وحی نہ اتری تھی لیکن اس بابت قرطبی لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان کی نسبت یہ گمان نہ کیا جائے کہ قطعیت کے ساتھ اپنی طرف سے ایسی بات کہہ دی جو ذات باری تعالی سے متعلق ہے، یہ بات کہ ظنِ غالب کی بناء پر یہ کہا، وہی کہہ سکتا ہے جو انبیاء کے احوال اور اللہ تعالی کی نسبت ان کے ادب سے ناواقف ہے۔ ابن جوزی لکھتے ہیں اگر کہا جائے کہ حضرت سلیمان نے کیسے جانا کہ اس ایک رات کے جماع کے نتیجہ میں سو مجاھد پیدا ہوں گے؟ تو یہ وحی کے ذریعہ تو نہیں ہو سکتی کیونکہ پھر ایسا نہ ہوا تھا اور نہ ہی یہ بات کہا جانا مناسب ہے کہ یہ بات ان کی اپنی طرف سے تھی کیونکہ ارادہ ومشیت تو فقط اللہ ہی کی چلتی ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ تمنی علی اللہ اور اس سے طلب کا ایک انداز تھا اور رہا یہ اعتراض کہ پھر قسم کیوں کھائی؟ تو یہ اسی قسم کی قَسم ہے جو حضرت انس بن نضر نے کھائی تھی کہ واللہ اس کا دانت نہ توڑا جائے گا (ان کی بہن نے کسی لڑکی کا اگلا دانت توڑ دیا تھا، معاملہ آنجناب کی خدمت میں پیش ہوا اور آپ نے قصاصا ان کا وہی دانت توڑ دینے کا حکم فرمایا تو یہ بولے اللہ کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا،

آپ نے فرمایا اے انس یہ اللہ کی کتاب کا حکم ہے، اسی اثناء مضروبہ لڑکی کے وارث دیت قبول کرنے پر مان گئے اور یوں اللہ نے ان کی قسم پوری کر دی، اس پر آنجناب نے فرمایا کچھ لوگ جنکی ظاہری حالت ایسی امیرانہ نہیں لیکن اللہ کے ہاں مرتبہ و مقام یہ ہے کہ اگر قسم کھا کر کسی کام کے ہونے یا کرنے کا کہیں تو اللہ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے)۔

تو حضرت سلیمان کو بھی یہی توقع تھی کہ اللہ ان کی قسم پورا کریگا، یہ بھی محتمل ہے کہ جب اللہ تعالی نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی تھی کہ انہیں ایسی بادشاہت عنائت کرے جو بعد میں کسی کیلئے نہ ہو تو اپنی دانست میں اس تمنائے مذکور کو اس کا حصہ سمجھا ہو، لہٰذا جزم کے ساتھ یہ بات کہی، ابن حجر لکھتے ہیں، ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ممکن ہے اس امر کی وحی آئی ہو اور اس میں یہ مقیَّد باستثناء ہو مگر انہیں یہ یاد نہ رہا تو فُقدانِ شرط کی بنا پر اسکا وقوع نہ ہو سکا، حلف اسی وحی کی وجہ سے اٹھایا تھا، بعض نے اس حدیث کی بنا پر ظنِ غالب پر حلف اٹھانا جائز قرار دیا ہے لیکن یہ استدلال ابعد ہے، انبیاء کا سہو اور اس کا جواز بھی ثابت ہوا اور یہ ان کے علوِ منصب کے لیے قادِح نہیں۔ قسم میں مقسَم بہ (یعنی لفظِ قسم) کے اضمار کا جواز بھی ملا کیونکہ انہوں نے (لأطوفن) کہا تھا (جو بظاہر قسمیہ اسلوب نہیں لیکن) نبی پاک نے (لم یحنث) کا جملہ ارشاد فرمایا ہے جو اسلوبِ قسم کے ساتھ مختص ہے تو اس سے دلالت ملی کہ اسمِ اللہ یہاں مقدر تھا۔ اگر کوئی اس کے جواز کی رائے رکھتا ہے تو یہ حدیث اس کیلئے حجت ہے اور اس کی بناء اس امر پہ ہوگی کہ سابقہ شریعتوں کے احکام ہمارے لئے بھی حجت ہیں الا یہ کہ ہماری شریعت نے انہیں کالعدم کر دیا ہو، اگر اس کے عدمِ جواز پر اتفاق ہے تو پھر اس کی تاویل کرنا پڑے گی، جو یہ ہو سکتی ہے کہ اصلاً تلفظ باسم اللہ متحقق ہے لیکن روایت نہیں ہو سکا، یہ ممتنع نہیں۔

اس موقف کی بھی حجت ملتی ہے کہ حلف یا قسم اٹھانے میں لازم نہیں کہ مقسم بہ معین کی تصریح کی جائے، صرف میں حلف اٹھاتا یا میں قسم کھاتا ہوں، کہہ دینا بھی جائز ہے، یہ حنفیہ کا موقف ہے مالکیہ نے اسے نیت کے ساتھ مقید کیا ہے، بعض شافعیہ کے ہاں یہ قسم نہیں بنتی۔ لو اور لولا کا استعمال بھی جائز ثابت ہوا، اس بارے ایک مستقل باب آخرِ کتاب میں آئے گا۔ کسی مستقبح معاملہ میں لفظِ صریح کی بجائے کنایہ استعمال کرنے کا استحسان بھی ثابت ہوتا ہے تو حضرت سلیمان نے صراحۃ (لأجامع) کہنے کی بجائے (لأطوفن) کہا۔

3425 حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ أَوَّلُ قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ ثُمَّ الْمَسْجِدُ الأَقْصَى قُلْتُ كَمْ كَانَ بَيْنَهُمَا قَالَ أَرْبَعُونَ ثُمَّ قَالَ حَيْثُمَا أَدْرَكَتْكَ الصَّلاَةُ فَصَلِّ، وَالأَرْضُ لَكَ مَسْجِدٌ. طرفه 3366۔ (اسی جلد کا سابقہ نمبر دیکھیں)

سند میں ابراھیم تیمی اپنے والد یزید بن شریک سے راوی ہیں۔ (أدركتك الصلاة) یعنی نماز کا وقت ہو جائے، اس سے نمازوں کو ان کے اول اوقات میں ادا کرنے پر محافظت کا اشارہ ملا۔ ضمناً معرفتِ اوقات کی تلقین ہے، یہ بھی کہ اگر ادائے عبادت کیلئے افضل مکان (یعنی مساجد) میسر نہ ہو تو مامور بہ فرض کی ادائیگی متروک نہ کی جائے بلکہ مفضول جگہ ہی ادائیگی کر دی جائے کیونکہ گویا آنجناب حضرت ابو ذر کے اولین مسجد کی بابت سے سمجھے کہ وہ اس سے تخصیصِ نماز کرنا چاہ رہے ہیں تو وضاحت فرمائی کہ نماز کا اگر وقت ہو جائے تو المكان الأفضل کی طلب میں اسے متوقف نہ کیا جائے۔ امت محمدیہ کی فضیلت (اور سہولت) بھی ظاہر ہوئی کیونکہ سابقہ امم

کیلئے مشروع تھا کہ صرف جائے مخصوص میں ھی ادائیگی عبادات کریں، کتاب التیمم میں اس بارے بحث گزر چکی ہے۔

3426 حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَثَلِي وَمَثَلُ النَّاسِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا، فَجَعَلَ الْفَرَاشُ وَهَذِهِ الدَّوَابُّ تَقَعُ فِي النَّارِ۔ 3427 وَقَالَ كَانَتِ امْرَأَتَانِ مَعَهُمَا ابْنَاهُمَا جَاءَ الذِّئْبُ فَذَهَبَ بِابْنِ إِحْدَاهُمَا، فَقَالَتْ صَاحِبَتُهَا إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ .وَقَالَتِ الأُخْرَى إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ .فَتَحَاكَمَتَا إِلَى دَاوُدَ، فَقَضَى بِهِ لِلْكُبْرَى فَخَرَجَتَا عَلَى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ فَأَخْبَرَتَاهُ .فَقَالَ ائْتُونِي بِالسِّكِّينِ أَشُقُّهُ بَيْنَهُمَا .فَقَالَتِ الصُّغْرَى لاَ تَفْعَلْ يَرْحَمُكَ اللَّهُ، هُوَ ابْنُهَا .فَقَضَى بِهِ لِلصُّغْرَى .قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَاللَّهِ إِنْ سَمِعْتُ بِالسِّكِّينِ إِلاَّ يَوْمَئِذٍ، وَمَا كُنَّا نَقُولُ إِلاَّ الْمُدْيَةُ .طرفه 6769

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں نبی اکرم نے فرمایا میری اور لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر پروانے اور کیڑے آ کر اس میں گرنے لگے اور فرمایا دو عورتیں تھیں دونوں کے ہمراہ ان کے دو بچے بھی تھے کہ ایک بھیڑیا آ کر ایک بچے کو لے بھاگا ایک عورت نے کہا بھیڑیا تمہارے بچے کو لے گیا ہے دوسری نے کہا نہیں تمہارے بچے کو، معاملہ حضرت داؤد تک پہنچا انہوں نے بڑی کے حق میں فیصلہ دیدیا، بعد ازاں وہ حضرت سلیمان کے پاس آئیں تو انہوں نے حکم دیا کہ چھری لائی جائے پھر کہا اس بچہ کے دو حصے کر دئے جائیں اور دونوں کو ایک ایک حصہ دیدیا جائے اس پر چھوٹی کہنے لگی اللہ آپ پر رحم کرے بچہ اسی کو دیدو، اس پر حضرت سلیمان نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں میں سکین کا لفظ اسی دن سنا، ہم چھری کو مدیہ کہا کرتے تھے۔

عبد الرحمٰن سے مراد اعرج ہیں، طبرانی کے ہاں نسخۂ شعیب عن الأعرج میں بھی یہی ہے۔

(وقال كانت امرأتان الخ) یہاں اسی طرح وارد کیا ہے، ان کی مراد ایک دوسری حدیث ہے، اسے ترجمۂ حضرت سلیمان میں داخل کیا گویا اس سے ماقبل کا حصہ مذکور ہے، امام بخاری نے نسخۂ شعیب عن ابی الزناد کا سماع کیا ہے اس میں یہ دوسری سے مقدم ہے تو چونکہ اس اسنادِ مذکور کے ساتھ ہی اس حدیثِ طویل کے اس حصہ کا سماع کیا تو مناسب سمجھا کہ حدیث کی بعض عبارات اسی سند کے ساتھ ذکر کر دیں، کتاب الطھارۃ میں اسی صنیع کی نظیر گزر چکی ہے، وہاں حدیث (لا يبولن أحدكم في الماء الدائم) نقل کرنا مقصود تھا لیکن اس کی عبارت سے قبل ایک دیگر حدیث کا ایک حصہ: (نحن الآخرون السابقون) بیان کیا لیکن جب کتاب الجمعۃ میں یہی حدیث: (نحن الآخرون الخ) وارد کی تو اس کے ساتھ کچھ اور ذکر نہ کیا۔ کتاب الجھاد میں حدیث: (من أطاعني فقد أطاع الله) ذکر کی اور اس سے قبل: (نحن الآخرون السابقون) بھی ذکر کیا اسی طرح الدیات میں حدیث: (لو اطلع عليك رجل) سے قبل بھی اسی عبارت کو نقل کیا، یہ حدیثِ امراتین الفرائض میں بھی لائے ہیں مگر وہاں اس کے اول میں کوئی اور عبارت مذکور نہیں، تو امام بخاری نے اس اسلوب کو ہر جگہ مطّرِد نہیں کیا، جہاں ساتھ میں دوسری حدیث کا کچھ حصہ نقل کیا ہے وہاں ان کا اسلوب مبنی بر احتیاط ہے اور جہاں نہیں، وہاں اس صنیع کا جواز ظاہر کرنے کیلئے۔ مسلم کا اس قسم کے مقامات میں، جہاں ایک ہی اسناد سے متعدد روایات کا سماع کیا ہوتا ہے، رویہ یہ ہوتا ہے کہ ترجمہ سے متعلقہ روایت ہی ذکر کرتے ہیں مگر ساتھ میں یہ عبارت بھی کہ (فذكر

أحادیث منها کذا و کذا) کہ شیخ نے اس سند کے ساتھ کئی احادیث تحدیث کیں تھیں جن میں سے یہ بھی ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں اس بارے مسلم کی یہ صنیع نہایت حسن ہے۔ آخرِ بحث تنبیہ کے عنوان سے لکھتے ہیں حدیثِ اول کو صحیح بخاری میں صرف ایک جگہ بتمامہ نقل کیا ہے اور وہ ہے کتاب الرقاق کا باب: (الانتهاء من المعاصی) وہیں اس کی مفصل شرح آئیگی، حمیدی نے الجمع میں شعیب کے اسی طریق سے مکمل نقل کی ہے۔

(مثلی) یعنی انہیں دعوتِ اسلام دینے میں جوان کیلئے آگ سے نجات کا باعث ہے اور ان کی باطل پہ ڈٹے رہنے کی مثال: (کمثل رجل الخ) مراد تمثیلِ جملہ بالجملہ ہے نہ کہ تمثیلِ فرد بفرد۔ (فجعل الفراش) احمد اور مسلم کی ہمام عن ابی ھریرہ سے روایت میں یہ بھی ہے: (فلما أضاءت ما حوله) یعنی جب آس پاس روشنی ہوگئی، فراش کے بارہ میں المحکم میں ہے کہ اس کی واحد فراشۃ ہے، سورۃ القارعۃ میں اللہ تعالی نے میدانِ محشر میں لوگوں کو فراش مبثوث کے ساتھ تشبیہ دی ہے یعنی کثرت، انتشار اور اسراع الی الداعی میں۔

(و هذه الدواب) ابن حجر لکھتے ہیں ان دواب میں برغش اور بعوض (دونوں کا معنی مچھر ہے) ہیں، ایک حدیثِ جابر میں ہے: (فجعل الجنابذ والفراش) جنابذ جنبذ کی جمع ہے، معروف جنادب ہے جو جندب کی جمع ہے، اس کی دال پر ضمہ اور فتحہ دونوں پڑھے گئے ہیں اسی طرح جیم پر پیش اور زیر دونوں طرح پڑھا گیا ہے، یہ جراد کی طرح کی مخلوق ہے، رات کو بہت ٹراتے ہیں، کہا گیا ہے کہ جراد کو بھی جندب کہا جاتا ہے۔

(تقع فی النار) یہاں اسی طرح ہے، شعیب کے نسخہ میں اور اسی طرح ابونعیم کی المستخرج میں ہے: (وهذه الدواب التی تقع فی النار تقعن فیها)۔ نووی لکھتے ہیں مقصودِ حدیث یہ ہے کہ اسلام کے مخالفین کو پروانوں سے تشبیہ دی ہے جس طرح وہ آگ یا روشنی کے گرد کثرت سے جمع ہوتے ہیں اور اس میں متساقط ہوتے ہیں، اسی طرح یہ بھی نارِ آخرت میں متساقط ہونگے، وجہِ شبہ ہر دو کی ضعفِ تمیز، ہوائے نفس کی اتباع اور خود اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت ہے۔ ابوبکر ابن العربی اس بارے رقمطراز ہیں کہ یہ تشبیہ کثیر المعانی ہے، مقصود یہ ہے کہ یہ لوگ آگ کا باعث بننے والے افعال کی پیروی اپنی نظر میں بقصدِ منفعت اور اتباعِ شہوت کے سبب کرتے ہیں جیسے پروانے کوئی ہلاک ہونے کی غرض سے آگ کے گرد جمع نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنی دانست میں روشنی سے مستفید ہوتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ وہ دیکھ نہیں سکتے مگر یہ مستبعد ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ظلمت میں جب روشنی کو دیکھتے ہیں تو انہیں یوں لگتا ہے کہ وہاں ایک کوۃ (یعنی روشن دان) ہے جس سے روشنی پھوٹ رہی ہے تو اپنی دانست میں وہ اس کوۃ کا قصد کرتے ہیں لیکن وہاں جل جاتے ہیں اور انہیں کچھ خبر نہیں ہوتی۔ کہا جاتا ہے ان کی نظر کمزور ہے، وہ خیال کرتے ہیں کہ کسی تاریک جگہ پہ ہیں تو چراغ انہیں ایک کوۃ سا معلوم ہوتا ہے تو اپنے آپکو اس کی طرف کھینچتے ہیں شدتِ طیران سے اسے پار کر جاتے ہیں پھر لوٹ کر آتے ہیں اور اس سے ٹکرا کر جل مرتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ روشنی انہیں تکلیف دیتی ہے وہ اسے بجھانے کی کوشش میں اس سے ٹکراتے ہیں، یہ مغلطائی نے بعض اطباء کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ غزالی اس تمثیل کی یہ توجیہہ بیان کرتے ہیں کہ یہ دراصل ان کفار کی اِکباب علی شهوات (یعنی شہوات پر پل پڑنا) کی تصویر کشی ہے جیسے پروانے شمع یا آگ پر پل پڑتے ہیں لیکن انسان کا جہل ان سے زیادہ عبرت انگیز اور نتیجہ کے اعتبار سے بڑھ کر ہے، ان کی سزا تو ایک دفعہ جل جانے سے ختم ہو جاتی ہے مگر یہ ایک طویل مدت (اور بعض ہمیشہ کیلئے) آگ میں جلتے رہینگے۔

(و قال كانت امرأتان الخ) بخاری کے سیاقِ ہذا سے اس حصہ کے مرفوع ہونے کی صراحت موجود نہیں لیکن الفرائض میں ابوالیمان عن شعیب کے واسطہ سے مرفوع ہونے کی صراحت موجود ہے، طبرانی کے ہاں نسخہِ شعیب میں بھی مرفوع ہے اسی طرح نسائی میں بھی، ان کے سیاق کے الفاظ ہیں: (أنه سمع أباهريره يحدث به عن رسول الله ﷺ قال بينما امرأتان الخ) ابن حجر کہتے ہیں کسی طریق میں ان عورتوں یا ان کے بچوں کے نام مذکور نہیں۔

(فقضى به للكبرى الخ) کہا گیا ہے کہ یہ ان کی طرف سے فیصلہ نہیں بلکہ علی سبیل الفُتیا تھا اسی لئے حضرت سلیمان کیلئے سائغ ہوا کہ اسکا عدم قرار دیں اور نیا فیصلہ کریں، لیکن قرطبی متعاقب ہیں کہ یہ فیصلہ ہی تھا کیونکہ حدیث میں ہے کہ ان عورتوں نے ان کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا: (تحاكما) پھر یہ بھی کہ نبی کا فتوی فیصلہ ہی کی مانند ہوتا ہے اور دونوں کی تنفیذ لازم ہے۔ داؤدی لکھتے ہیں یہ دراصل حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کا باہمی مشورہ تھا تو انہیں لگا کہ حضرت سلیمان کی رائے صائب ہے تو اسے نافذ کر دیا۔ قرطبی لکھتے ہیں کہا جانا چاہئے کہ حضرت داؤد کے ہاں کبری کے حق میں فیصلہ دینے کی کوئی وجہِ ترجیح ظاہر ہوئی تھی کیونکہ دونوں کے پاس اپنے اپنے موقف کے حق میں کوئی بینہ نہ تھی تو اس وجہِ ترجیح کا بیان بوجہِ اختصار حدیث میں نہ آیا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا وجود ہی نہ تھا، ممکن ہے وہ وجہ یہ ہو کہ بچہ بڑی کے پاس تھا۔ (جیسے ہمارے ہاں دیوانی مقدمات میں قبضہ کی بہت اہمیت ہوتی ہے) اور چھوٹی کے پاس اپنے دعوی کے ثبوت میں کوئی بینہ نہ تھی لہٰذا قبضہ دیکھتے ہوئے بڑی کے حق میں فیصلہ دیدیا، کہتے ہیں یہ ایک اچھی اور قواعدِ شریعت کے مطابق تاویل ہے، سیاق میں اس کے مخالف کوئی عبارت نہیں۔

اگر کہا جائے کہ جناب سلیمان کیلئے ان کا یہ فیصلہ نقض کرنا کیونکر سائغ ہوا؟ تو جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس نقضِ حکم کا تعمّد نہیں کیا بلکہ ایک لطیف حیلہ اختیار کیا جس سے حقیقتِ حال واضح ہوگئی اور چھری کے ساتھ فی الحقیقت بچہ کے دو ٹکڑے کرنے کا ارادہ نہ تھا بلکہ فقط استکشافِ معاملہ کرنا چاہتے تھے جو چھوٹی کے صدق بیانی پر منتج ہوا، تو دراصل یہ تبدُّلِ احکام بتبدلِ اسباب کے باب سے ہے۔ ابن جوزی لکھتے ہیں دونوں نے اجتہاد سے کام لیا تو حضرت سلیمان کا استنباط اجتہاد کی ایک عمدہ مثال تھی، اس سے ثابت ہوا کہ وحی کے وقوعِ محتَمل کے باوجود انبیاء کرام کیلئے اجتہا کرنا سائغ ہے۔ فیصلوں میں استخراجِ حقوق کی غرض سے حِیَل کے استعمال کا بھی جواز ملا۔

(لا تفعل يرحمك الله) مسلم اور اسماعیلی کی ورقاء عن ابی زناد سے روایت میں ہے: (لا، يرحمك الله) قرطبی لکھتے ہیں اس روایت میں مناسب ہے کہ (لا) پر کچھ توقف کیا جائے تا کہ سامع کیلئے واضح ہو کہ مابعد عبارت اس سے جدا اور مستأنف ہے وگرنہ یہ دعا کی بجائے بد دعا معلوم ہوگی، وقفہ کرنے سے گویا اس نے کہا: (لا و يرحمك الله)۔ (اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اس قسم کی عبارات میں واو کا استعمال لازم نہیں، بلکہ تھوڑا سا توقف بھی واؤ کا متبادل ہو سکتا ہے)۔ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ ماں مستلحَق کی جا سکتی ہے، مالک اور شافعی کا مشہور موقف اس کی عدم صحت ہے، اس بارے مزید بحث کتاب الفرائض کے آخر میں آئیگی۔

(قال أبو هريره الخ) اسی سند کے ساتھ متصل ہے، مدیہ کی میم پر تینوں حرکات درست ہیں، سکین کا یہ نام اس لئے پڑا کہ وہ مدی حیات الحیوان کو قطع کر دیتی ہے۔ سکین مذکراً اور مؤنثاً، دونوں طرح مستعمل ہے، جاندار کی حرکت کو ساکن کر دینے سے یہ نام پڑا۔ علامہ انور لکھتے ہیں چونکہ ان کی نیت حقیقۃً دو ٹکڑے کرنا نہ تھا لہٰذا یہ کذب نہیں، ایک نوع من الکلام ہے جسکا مقصد تبیینِ حقیقت تھا۔ اسے نسائی نے بھی (القضاء) میں تخریج کیا ہے۔

41 باب قَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى (وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلَّهِ) (حکمتِ لقمانی)

إِلَى قَوْلِهِ (إِنَّ اللَّهَ لاَ يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ) (وَلاَ تُصَعِّرْ) الإِعْرَاضُ بِالْوَجْهِ. اللہ تعالی کا فرمان ہے: (ترجمہ) ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی کہ اللہ کا شکر ادا کرو، (كل مختار فخور) تک، (ولا تصعر) یعنی چہرہ پھیر لینا۔

حضرت لقمان کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے، کہا گیا ہے کہ حبشی تھے بعض نے نوبی کہا ہے، اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ آیا نبی تھے؟ سہیلی لکھتے ہیں اہلِ ایلہ کے نوبی تھے اور ان کے والد کا نام عنقا بن شیرون تھا، بعض نے ابن باعور بن ناجر بن آزر کیا ہے اس پر گویا حضرت ابراہیم کے بھائی کی اولاد سے ہیں۔ وہب المبتدا میں انہیں حضرت ایوب کا بھانجا بتلاتے ہیں، بعض نے ان کا خالہ زاد بھی لکھا ہے، ثوری اپنی تفسیر میں عکرمہ عن ابن عباس کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک حبشی غلام تھے پیشہ کے لحاظ سے نجار تھے، مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک تابعی خالد بن ثابت ربعی سے بھی یہی منقول ہے، طبری نے یحیٰی بن سعید انصاری عن سعید بن مسیّب کے طریق سے منقول کیا ہے کہ حضرت لقمان سُودانِ مصر میں سے ذو مشافر تھے، اللہ نے انہیں حکمت عطا کی، نبی نہ تھے، مستدرک میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس سے مروی ہے کہ لقمان حضرت داؤد کے ہاں تھے، وہ جب زرہ بکتر بناتے تو انہیں تعجب لاحق ہوا اور اس کا فائدہ واستعمال پوچھنا چاہا مگر حکمت کے بموجب سوال کرنا مناسب نہ سمجھا، اس سے دلالت ملی کہ حضرت داؤد کے معاصر تھے۔

ابن جوزی نے التلقیح میں ان کا تذکرہ حضرت ابراہیم کے بعد اور حضرات اسماعیل واسحاق سے قبل کیا ہے لیکن درست یہی ہے کہ وہ حضرت داؤد کے زمانہ میں تھے، طبری وغیرہ نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ وہ ان کے زمانہ میں قاضیِ بنی اسرائیل تھے، بعض لکھتے ہیں کہ ہزار برس عمر پائی، یہ ابن اسحاق سے منقول ہے مگر بعض کہتے ہیں وہ حضرت داؤد کے مبعوث کئے جانے سے قبل بنی اسرائیل کیلئے صاحبِ فتویٰ تھے۔ واقدی نے نہایت غرابت کا مظاہرہ کیا جب لکھا کہ وہ جناب عیسی اور ہمارے نبی کے درمیانی عرصہ میں تھے۔ شعبہ حکم عن مجاھد سے ناقل ہیں کہ ایک مردِ صالح تھے مگر نبی نہ تھے، اکثر کا یہی قول ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے اسرائیل کے واسطہ سے جابر جعفی عن عکرمہ سے ان کا نبی ہونا نقل کیا ہے لیکن جابر جعفی ضعیف ہیں، کہا جاتا ہے عکرمہ انہیں نبی قرار دینے میں متفرد ہیں، ابن ابی حاتم قتادہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہیں اختیار دیا گیا کہ حکمت ونبوت میں سے ایک کو چن لیں تو انہوں نے حکمت کو پسند کر لیا، اس بارے کسی نے پوچھا تو کہنے لگے میں نبوت کی بھاری ذمہ داریوں سے ڈر گیا کہ کہیں ان سے عہدہ برا ہونے میں کمزور نہ پڑ جاؤں، اس کی سند میں سعید بن بشیر ہیں جو ضعیف ہیں۔ سعید بن ابی عروبہ نے آیت: (وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ) [سورة لقمان: ١٢] کی تفسیر میں قتادہ سے نقل کیا ہے کہ اس حکمت سے مراد تفقُّہ فی الدین (دین کی فقہ یعنی سمجھ) ہے (حکمت بمعنی طب نہیں جو عامۃ الناس سمجھتے ہیں اور مجمع باز لقمان حکیم کے نسخوں کا حوالہ دیکر دوائیں بیچنے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں)۔ کتاب العلم کے شروع میں ابن عباس کی روایت: (اللهم علمه الحكمة) کی بحث کے اثناء میں حکمت سے مراد کی بابت بحث گزر چکی ہے۔ پیشہ کے لحاظ سے بعض نے درزی بھی لکھا ہے۔ (وإذْ قالَ لقمانُ لابْنِهِ) کی بابت سہیلی رقمطراز ہیں کہ ان کے اس بیٹے کا نام باران تھا، بعض نے انعم بعض نے شکور اور بعض نے بابلی لکھا ہے۔

(ولا تصعر الخ) یہ عکرمہ کی تفسیر ہے، طبری نے نقل کی ہے، انہی کے ابن عباس سے منقول قول میں اس کی یہ تفسیر ہے: (لا

تتكبر عليهم) ، طبری لکھتے ہیں صعر اصلاً ایک بیماری ہے جو اونٹوں کی گردن میں لگتی ہے جس سے وہ سر سے پھر جاتی ہیں تو متکبر آدمی کو ان سے تشبیہہ دی گئی ہے کیونکہ وہ بھی لوگوں سے پھرتا اور اعراض کرتا ہے (شائد اس بیماری کی وجہ سے اونٹوں کی گردن میں ایک ورم یا اکڑسی پیدا ہو جاتی ہوگی، متکبر شخص بھی اپنی گردن کو اکڑائے رکھتا ہے، اردو میں اسے یوں بھی تعبیر کیا جاتا ہے کہ فلاں کی گردن میں سریا فٹ ہو گیا ہے یعنی وہ اسے اکڑائے رہتا ہے) تصعر کا بابِ تفعیل سے پڑھنا عاصم، ابن کثیر اور ابو جعفر کی قراءت ہے، ابو عبیدہ اپنی کتاب القراءات میں ذکر کرتے ہیں کہ حسن بصری نے بھی ایسے ہی پڑھا ہے جبکہ باقی قراءات میں بابِ مفاعلہ میں سے کہا گیا ہے، ابو عبیدہ قرار دیتے ہیں کہ بابِ تفعیل سے پڑھنا مجھے زیادہ پسند ہے کیونکہ مفاعلہ میں دو کی شرکت ہوتی ہے اس لحاظ سے پہلی اشمل ہے، طبری لکھتے ہیں دونوں قراءات مشہور ہیں اور معنی بھی مناسبِ مقام ہے۔

3428حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتِ (الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ) قَالَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ أَيُّنَا لَمْ يَلْبِسْ إِيمَانَهُ بِظُلْمٍ فَنَزَلَتْ (لاَ تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ) .أطرافه 32، 3360، 3429، 4629، 4776، 6918، 6937۔ (ترجمہ اگلی روایت میں ہے)

3429حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتِ (الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ) شَقَّ ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيُّنَا لاَ يَظْلِمُ نَفْسَهُ قَالَ لَيْسَ ذَلِكَ، إِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ، أَلَمْ تَسْمَعُوا مَا قَالَ لُقْمَانُ لاِبْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ (يَا بُنَيَّ لاَ تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ) .أطرافه 32، 3360، 3428، 4629، 4776، 6918، 6937

عبد اللہ راوی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: (ترجمہ) وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں ظلم کی ملاوٹ نہیں کی، تو نبی اکرم کے صحابہ کہنے لگے ہم میں کون ہوگا جس سے کسی قسم کا کوئی ظلم سرزد نہ ہوتا ہوگا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو کہ شرک ظلمِ عظیم ہے۔

دو طریق سے ابن مسعود کی روایت اللہ تعالی کے اس فرمان: (اَلَّذِينَ آمَنُوا ولَمْ يَلْبِسُوا الخ) کی شانِ نزول کے بارہ میں نقل کی ہے، دوسرے طریق کے شیخِ بخاری اسحاق بن راہویہ ہیں، ابو نعیم نے المستخرج میں اسی پہ جزم کیا ہے، حدیث کی مفصل شرح تفسیر سورۃ الأنعام میں آئیگی۔

42(وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلاً أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ) (ایک بستی والوں کا تذکرہ)

الآيَةَ (فَعَزَّزْنَا) قَالَ مُجَاهِدٌ شَدَّدْنَا .وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ (طَائِرُكُمْ) مَصَائِبُكُمْ. اور بیان کر ان کے لئے مثال بستی والوں کی (فعززنا) مجاہد کہتے ہیں اس کا معنی ہے: شددنا، ابن عباس کہتے ہیں (طائرکم) یعنی مصائبکم، تمہارے مصائب۔

(قال مجاهد الخ) ان کا قول فریابی نے جبکہ ابن عباس کا قول ابن ابی حاتم نے موصول کیا ہے، اس قریہ سے مراد

انطاکیہ ہے جیسا کہ ابن اسحاق نے اور وھب بن منبہ نے المبتدا میں ذکر کیا شائد یہ موجودہ انطاکیہ کے پاس ہی موجود تھا کیونکہ اسے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی، تباہ و برباد کر دیا گیا تھا، موجودہ شہر میں اس کے آثار نہیں۔ اس کے تحت مصنف نے کوئی حدیثِ مرفوع نقل نہیں کی، طبرانی نے ابن عباس سے مرفوعا نقل کیا ہے کہ (السبق ثلاثہ)، یوشع حضرت موسیٰ کی نسبت، صاحبِ یٰس حضرت عیسیٰ اور حضرت علی ہمارے نبی پاک کی نسبت۔ لیکن اس کی اسناد میں حسین اشقر ہے جو ضعیف ہے اگر یہ ثابت ہے تو گویا یہ واقعہ سیدنا عیسیٰ کے زمانہ میں یا اس کے کچھ عرصہ بعد کا ہے، امام بخاری کی یہاں صنیع سے ان کا رجحان یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا زمانہ حضرت عیسیٰ سے قبل کا ہے۔ ابن اسحٰق المبتدا میں ابوطوالہ عن کعب احبار سے ناقل ہیں کہ صاحبِ یٰس کا نام حبیب نجار تھا، حبیب بن بشر عن عکرمہ عن ابن عباس سے منقول ہے کہ حبیب نجار تھے، سدی کہتے ہیں دھوبی تھے بعض نے اس کاف (یعنی موچی) کہا ہے، ابن اسحاق کہتے ہیں ان تینوں رسل کے اسماء: صادق، صدوق، اور شلوم تھے، جبکہ ابن جریج وھب بن سلیمان عن شعیب بن جبئی کے حوالے سے شمعون، یوحنا اور تیسرے کا نام بولص ذکر کرتے ہیں، قتادہ سے منقول ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ سے قبل کا واقعہ ہے۔ علامہ انور کہتے ہیں اس سے مراد حضرت عیسیٰ کے رسل یعنی ایلچی ہیں، یہ واقعہ زمانہ سیدنا عیسیٰ کے بعد کا ہے، بعض نے ان سے قبل کا بھی کہا ہے، کہتے ہیں نقولِ اسلامیہ میں حضرت عیسیٰ اور آنجناب کے درمیانی عرصہ میں کسی نبی کی بعثت کا ثبوت نہیں ملتا عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے حواریوں پر بھی رسل کا لفظ بولا ہے، وہ انہیں بھی ملہَم اور معصوم سمجھتے ہیں جہاں تک شیخِ اکبر کی اس رائے کا تعلق ہے کہ نبوت باقی تھی لیکن شریعت نہیں تو یہ ان کی ایک جدید اصطلاح ہے وہ کشف اور الہام پر بھی نبوت کے لفظ کا اطلاق کرتے ہیں، اپنے رسالہ خاتم النبین میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

43 باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَی (حضرت زکریاء پر اللہ کی رحمت کا ذکر)

(ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّکَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّاءَ *إِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا *قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا) إِلَى قَوْلِهِ (لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مِثْلاً .يُقَالُ رَضِيًّا مَرْضِيًّا عُتِيًّا عَصِيًّا يَعْتُو (قَالَ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلاَمٌ) إِلَى قَوْلِهِ (ثَلاَثَ لَيَالٍ سَوِيًّا) وَيُقَالُ صَحِيحًا، (فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَى إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا) (فَأَوْحَى) فَأَشَارَ (يَا يَحْيَى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ) إِلَى قَوْلِهِ (وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا) (حَفِيًّا) لَطِيفًا (عَاقِرًا) الذَّكَرُ وَالأُنْثَى سَوَاءٌ. اللہ تعالیٰ کا فرمان: (ترجمہ) یہ تیرے رب کے اپنے بندے زکریاء پہ رحمت کرنیکا ذکر ہے جب اس نے اپنے رب سے خفیۃً دعا کی کہ اے رب میری ہڈیاں کمزور ہوچکیں اور سر میں بڑھاپا پھیل چکا ہے، (من قبل سمیا) تک۔ ابن عباس کہتے ہیں (رضیا) مرضیا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (عتیا) عتا یعتو سے ہے بمعنی (عصیا) (یعنی نافرمان)۔ (ثلاث لیال سویا) یعنی صحیحا۔ (فأوحی إلیھم) بمعنی أشار۔ (حفیا) یعنی نرم خو۔ (عاقراً) مذکر و مؤنث دونوں کیلئے مستعمل ہے۔

زکریا کے تلفظ میں چار لغات ہیں: مد و قصر، حذفِ الف مع یائے مخفف و مشدد اور اس کا حذف۔ جوہری کہتے ہیں مد و قصر، دونوں صورتوں مین غیر منصرف ہے۔ (قال ابن عباس مثلا) اسے ابن ابی حاتم نے موصول کیا ہے (سمیا) کی تفسیر میں، سماک بن حرب عن عکرمۃ عن ابن عباس کے حوالے سے منقول ہے کہ ان سے قبل یحیی نام کا کوئی فرد نہ تھا، حاکم نے بھی اسے المستدرک میں تخریج کیا ہے۔ (مرضیا) اسے طبری نے نقل کیا ہے، کہتے ہیں (مرضیا ترضاہ أنت و عبادك) یعنی تیرے اور تیرے بندوں کے ہاں

مرضی (پسندیدہ) ہو۔ (عتيا عصيا الخ) یہاں صاد کے ساتھ ہی ہے لیکن درست سین کے ساتھ ہونا ہے، طبری باسناد صحیح ابن عباس سے ناقل ہیں، کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ آنجناب (عتيا) پڑھتے تھے یا (عسيا)۔ ابوعبیدہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں ہر مبالغہ آمیز، خواہ کفر میں ہو یا کبر و فساد میں، تو اس کی بابت (عتايعتو عتيا) کہا جائے گا۔ (ثلاث ليال الخ) یہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے جسے ابن ابی حاتم نے ان سے نقل کیا ہے، کہتے ہیں ان کی زبان محبوس کر لی گئی، توراۃ پڑھ سکتے تھے اور تسبیحات کے کلمات بھی مگر عام بول چال کی طاقت سلب کر لی گئی تھی۔

(فأوحى الخ) یہ محمد بن کعب مجاہد اور غیر واحد کا قول ہے، ابن ابو حاتم نے ان سے نقل کیا ہے۔ (حفيا لطيفا) یہ ابن عباس کا قول ہے، ابن ابی حاتم نے موصول کیا ہے، ابوعبیدہ (محتفيا) لکھتے ہیں، کہا جاتا ہے: (تحفيت بفلان) یعنی فلان کی طرف توجہ دی اور اس کا خیال رکھا۔ (عاقرا الخ) ابوعبیدہ کہتے ہیں عاقر وہ جو بچہ نہ جَن سکے، اسی طرح اس مرد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جس میں بچہ کی ولادت کا باعث بننے والے جرثومے نہ ہوں، عامر بن طفیل کا شعر ہے: (لَبِئْسَ الفتى إن كنتَ أعور عاقرا جبانا فما عذرى لدى كل محضر) یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں دونوں کیلئے یہی لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ ثعلبی لکھتے ہیں حضرت یحییٰ کی پیدائش کے وقت حضرت زکریا ایک سو بیس سال کی عمر کے تھے، ایک قول نوے، بانوے، اٹھانوے اور ننانوے کا بھی ہے۔ سید انور کشمیری (عتيا عصيا) کی بابت لکھتے ہیں صحیح بخاری کے نسخوں میں یہی ہے، اور یہ غلط تفسیر ہے۔

3430 حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ حَدَّثَهُمْ عَنْ لَيْلَةَ أُسْرِىَ ثُمَّ صَعِدَ حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ الثَّانِيَةَ فَاسْتَفْتَحَ، قِيلَ مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ. قِيلَ وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ فَلَمَّا خَلَصْتُ، فَإِذَا يَحْيَى وَعِيسَى وَهُمَا ابْنَا خَالَةٍ قَالَ هَذَا يَحْيَى وَعِيسَى فَسَلِّمْ عَلَيْهِمَا. فَسَلَّمْتُ فَرَدَّا ثُمَّ قَالاَ مَرْحَبًا بِالأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِىِّ الصَّالِحِ أطرافه 3207، 3393، 3887۔ (اسی جلد کا سابقہ نمبر)

حدیثِ اسراء و معراج کا ایک حصہ ہے، غرضِ ایراد حضرت یحییٰ کا ذکر ہے، حضرت زکریا کی نسبت ابن ادن ذکر کی گئی ہے، بعض نے ابن شبوی، ابن بارخیاء اور ابن ابو بارخیا ذکر کی ہے جبکہ مریم، بنت عمران بن ناشی ہیں، دونوں حضرت داؤد کی ذریت سے تھے، ام مریم کا نام حنۃ بنت فاقود تھا جبکہ ان کی بہن والدہِ یحیی کا نام ایشاع تھا۔ ابن اسحاق المبتدا میں ذکر کرتے ہیں کہ حنہ حضرت مریم کے ساتھ حاملہ تھیں کہ عمران کا انتقال ہو گیا، ابن ابی حاتم عبدالرحمٰن بن قاسم سے نقل کرتے ہیں وہ امام مالک سے کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحیی کا حمل ایک ہی وقت میں تھا تو ام یحیی نے مریم سے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے پیٹ میں موجود بچہ تمہارے پیٹ میں موجود بچہ کو سجدہ کر رہا ہے، مالک کہتے ہیں اس سے حضرت عیسیٰ کی حضرت یحیی سے افضلیت کا ثبوت ملتا ہے، ثعلبی کہتے ہیں حضرت یحیی کی پیدائش حضرت عیسی سے چھ ماہ پیشتر ہوئی۔

(وآتيناه الحكم صبيا) اس سے مراد میں اختلاف ہے، ایک تفسیر یہ کیگئی ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے جو انہیں نو برس

کی عمر میں عطا کیگئی، بعض نے اس سے بھی کم عمر لکھی ہے، حکم سے مراد فہم فی الدین ہے۔ ابن اسحاق رقمطراز ہیں کہ حضرت زکریا اور ان کے بیٹے بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے جو حضرت عیسی سے قبل مبعوث ہوئے، لکھتے ہیں انہوں نے ان کے قتل کا ارادہ بنایا تو ان سے بھاگ گئے، ایک درخت کے پاس سے گزرے تو وہ منفلق (یعنی بیچ سے پھٹنا) ہو گیا وہ اس کے اندر داخل ہو گئے شیطان نے ان کے کپڑے کا ایک کونہ (باہر ہی) پکڑ لیا تھا، اس سے ان کا سراغ لگا تو آرے سے درخت کاٹ دیا وہ بھی اس کے ساتھ ہی کٹ گئے جہاں تک حضرت یحیی کا معاملہ ہے وہ ایک عورت کے سبب قتل کر دئے گئے، اس خاتون سے بنی اسرائیل کا بادشاہ شادی کا خواہشمند تھا مگر وہ اس کی سوتیلی بیٹی تھی حضرت یحیی نے کہا یہ تیرے لئے حلال نہیں، وہ خاتون بھی اس شادی کی خواہش رکھتی تھی تو بادشاہ سے کہہ کر انہیں شہید کروادیا بقول ابن اسحاق یہ حضرت عیسیٰ کے آسمان پہ اٹھا لئے جانے سے قبل کا واقعہ ہے، حاکم نے اس قصہ کی اصل المستدرک میں ابن زبیر کے واسطہ سے نقل کی ہے، ابن عباس سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ حضرت یحیی کا خون فاتر (یعنی ابلتا) رہا حتی کہ بخت نصر (بادشاہ بابل) کے ہاتھوں ستر ہزار یہودی قتل ہوئے، تب ساکن ہو گیا۔

44 باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا)

(حضرت مریم کا ذکر)

(إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ) .(إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ) إِلَى قَوْلِهِ (يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ) .قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَآلُ عِمْرَانَ الْمُؤْمِنُونَ مِنْ آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَآلِ عِمْرَانَ، وَآلِ يَاسِينَ، وَآلِ مُحَمَّدٍ ﷺ يَقُولُ (إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ) وَهُمُ الْمُؤْمِنُونَ، وَيُقَالُ آلُ يَعْقُوبَ، أَهْلُ يَعْقُوبَ .فَإِذَا صَغَّرُوا (آلَ) ثُمَّ رَدُّوهُ إِلَى الأَصْلِ قَالُوا أُهَيْلٌ . اللہ تعالی کا فرمان (ترجمہ) اور کتاب میں مریم کا ذکر کر، جب وہ اپنے گھر والوں سے جدا ہو کر ایک مشرقی جانب کی ایک جگہ چلی گئیں، دوسری آیت میں فرمایا: جب فرشتوں نے کہا اے مریم بے شک اللہ تمہیں بشارت دیتا ہے اپنے کلمہ کی، ایک اور آیت میں یوں ارشاد ہوا: بے شک اللہ تعالی نے چن لیا آدم، نوح، آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو جہان والوں پر، (بغیر حساب) تک۔ ابن عباس آل ابراہیم اور آل عمران کی بابت کہتے ہیں ان کے گھرانوں کے مؤمن بندے مراد ہیں اللہ نے فرمایا: (إن أولى الناس بإبراهيم الخ) تو ان سے مراد بھی مؤمنین ہیں۔ آلِ یعقوب کہا جاتا ہے، آل اصل میں اہل تھا جب تصغیر کرنی مطلوب ہو تو اصل کی طرف لیجاتے ہیں تو اہیل کہا جاتا ہے۔

یہ ترجمہ حضرت مریم علیہا السلام کی بعض اخبار نقل کرنے کیلئے قائم کیا گیا ہے، مریم سریانی زبان میں خادمہ کو کہتے ہیں والدۂ حضرت عیسیٰ کا نام تأنیث اور علمیت کیوجہ غیر منصرف ہے، کہا جاتا ہے عربی زبان میں مریم وہ خاتون ہے جو کثرت سے مردوں کی زیارت کرتی ہو جیسے زیر اس مرد کو کہتے ہیں جو بکثرت عورتوں کی زیارت کرتا ہو، اس ادعاء کے حاملین رؤبہ کے اس شعر سے استشہاد لیتے ہیں: (قلتُ لِزير لم تصله مريم) ، اسے ابوحیان نے تفسیر سورۃ البقرہ میں ذکر کیا ہے، لیکن یہ محل نظر ہے۔

(قال ابن عباس الخ) آل کی بابت اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ اس کی اصل أهل ہے، ہاء کو ہمزہ میں بدل دیا گیا، اس کی دلیل یہ ہے کہ تصغیر میں ھاء ظاہر ہو جاتی ہے کیونکہ تصغیر میں اشیاء کی اصل ظاہر ہو جاتی ہے، یہ سیبویہ اور جمہور کا قول ہے، دوسرا قول یہ

ہے کہ اس کی اصل اول ہے، آلَ یؤولُ سے بمعنی رجع، کیونکہ انسان اپنے اہل کی طرف واپس آتا ہے، واؤ متحرک اور ماقبل مفتوح ہونیکی وجہ سے الف میں بدل گئی، ان کے ہاں اس کی تصغیر اویل ہے۔ علامہ انور (آل عمران علی العالمین) کے تحت رقمطراز ہیں کہ یہ عمران والدِ مریمؑ ہیں نہ کہ وہ عمران جو والدِ حضرت موسیٰ تھے۔

3431 حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ قَالَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ ؓ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَا مِنْ بَنِي آدَمَ مَوْلُودٌ إِلَّا يَمَسُّهُ الشَّيْطَانُ حِينَ يُولَدُ، فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ، غَيْرَ مَرْيَمَ وَابْنِهَا .ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ (وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ) .طرفاه 3286، 4548

(اسی جلد کا سابقہ نمبر)۔ (قال حدثنی سعید الخ) اکثر اصحابِ زہری نے یہ لکھا ہے، سدی نے یوں کہا: (عن الزہری عن أبی سلمہ عن أبی ہریرۃ) اسے طبری نے تخریج کیا ہے۔ (مامن نبی الخ) سعید بن مسیب عن اَبی ھریرہ کی باب (صفۃ إبلیس) میں گزری روایت میں اس مسّ مذکور کی تفصیل درج تھی کہ وہ اس کے پہلوؤں میں وقتِ پیدائش اپنی انگلی کے ساتھ ضرب لگاتا ہے حضرت عیسیٰ جب پیدا ہوئے تو یہی کرنے کیلئے آیا مگر دیکھا کہ ایک حجاب آڑے آ گیا ہے۔ قرطبی لکھتے ہیں یہ طعن ابتدائے تسلیط ہے تو حضرت مریم اور ان کے فرزند کو والدہ مریم کی دعا: (إنی أعیذ ھا بکَ و ذُرّیتَھا مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجیم) [آل عمران :٣٦] کی برکت سے محفوظ رکھا، حضرت عیسیٰ ہی ان کی واحد اولاد تھے۔

(فیستھل صارخا الخ) یعنی وقتِ پیدائش، عام مشاہدہ کے مطابق بچہ چیختا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اسے اس مسِ شیطان سے الم محسوس ہوتی ہے۔ (غیر مریم و ابنھا) باب صفۃ ابلیس میں صرف حضرت عیسیٰ کا ذکر تھا تو ممکن ہے یہاں دونوں کا ذکر مس کے حوالے سے اور وہاں صرف ان کا ذکر طعن کے حوالے سے ہو، یا محتمل ہے تب آنجناب کو وہی بتلایا گیا ہو، لیکن یہ بعید تاویل ہے کیونکہ حدیث واحد ہے، خلاس کی ابو ہریرہ سے اسی روایت میں ہے کہ ہر بنی آدم کو بوقتِ ولادت شیطان کے طعنہ کا شکار بننا پڑتا ہے سوائے مریم اور ان کے بیٹے کے، شیطان جب اس غرض کیلئے آیا تو ایک حجاب پایا، تو بظاہر بعض رواۃ نے زیادتِ حفظ کا ثبوت دیا ہے اور حافظ وثقہ راوی کی زیادت مقبول ہے، بعض کا یہ تاویل کرنا کہ یہ عطفِ تفسیری ہو سکتا ہے جیسے اس جملہ میں: (أعجبنی زیدٌ و کرمہ) تو یہ شدید تعسف (تکلف) ہے۔ (ثم یقول أبو ھریرۃ) یہ وضاحت ہے کیونکہ ابو صالح عن ابی ہریرہ کی روایت میں اِدراج ہے اور تلاوتِ آیت ابو ہریرہ پر موقوف ہے۔ مسلم نے بھی اسے تخریج کیا ہے۔

45 باب (وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ)

(فرشتوں کا حضرت مریم سے تخاطب)

(يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ) يُقَالُ يَكْفُلُ يَضُمُّ، كَفَلَهَا ضَمَّهَا، مُخَفَّفَةً

لَیسَ مِنْ كَفَالَةِ الدُّیُونِ وَشِبْهِهَا. اللہ تعالی کا فرمان: (ترجمہ) اور جب کہا فرشتوں نے اے مریم بے شک اللہ نے تجھے چن لیا اور پاک کیا اور چن لیا تجھے جہان کی عورتوں پر، اے مریم اپنے رب کی عبادت کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ، یہ سب غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپکی طرف وحی کرتے ہیں آپ وہاں موجود نہیں تھے جب وہ اپنی اقلام ڈال رہے تھے (قرعہ اندازی کی غرض سے) کہ کون مریم کی کفالت کریگا اور نہ ہی آپ وہاں تھے جب وہ جھگڑا کر رہے تھے۔ کفل بمعنی ضم ہے یعنی اپنے ساتھ ملا لینا، کفالتِ دیون سے اس کا تعلق نہیں (یعنی ضمانت دینا)۔

(مخففة) کے لفظ سے جمہور کی قراءت کی طرف اشارہ کیا ہے جبکہ کوفی (کفلها) کو فائے مشدد کے ساتھ پڑھتے ہیں ای (کفلها الله زکریا) یعنی اللہ نے مریم کی کفالت کا ذمہ دار حضرت زکریا کو بنایا، ان کی قراءت میں زکریا بغیر مد کے ہے البتہ ابوبکر بن عیاش مد کے ساتھ پڑھتے ہیں تو انہیں زکریاء کے ہمزہ پر زبر پڑھنا ہوگی (بطور مفعول)۔ ابوعبیدہ اس بابت لکھتے ہیں کہا جاتا ہے کہ فاء پر زبر اور زیر دونوں جائز ہیں بمعنی (یضم)، کسرِ فاء بعض تابعین کی قراءت ہے، ملائکہ کے حضرت مریم کو (إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاكِ الخ) کہنے سے استدلال کیا گیا ہے کہ وہ بھی نبیہ تھیں مگر یہ اس امر میں صریح نہیں، اس کی مزید تائید اس امر سے بھی ملتی ہے کہ سورۃ مریم میں ان کا تذکرہ انبیاء کے ساتھ آیا ہے اور صدیقہ کے ساتھ انہیں موصوف ذکر کرنا انکے نبیہ ہونے سے مانع نہیں کیونکہ حضرت یوسف کو بھی اس لقب سے متصفاً قرآن میں ذکر کیا گیا (لیکن دونوں جگہ فرق ہے، حضرت مریم کو اللہ تعالی نے صدیقہ کہا ہے جبکہ حضرت یوسف کو جب وہ قید خانہ میں تھے، ان کے قید کے سابقہ ساتھی نے آکر کہا تھا: یوسُفُ أَیُّها الصِّدیقُ الخ) بہرحال جیسا کہ گزرا، اشعری، ابن حزم اور قرطبی انہیں نبیہ مانتے ہیں بقول عیاض جمہور کی رائے اس کے برخلاف ہے۔ نووی الأذکار میں نقل کرتے ہیں کہ امام الحرمین نے ان کی عدم نبوت پر اجماع کا دعوی کیا ہے، حسن بصری کا قول ہے کہ نہ عورتوں اور نہ جنوں سے کوئی نبی بنایا گیا۔

3432 حَدَّثَنِی أَحْمَدُ بْنُ أَبِی رَجَاءٍ. حَدَّثَنَا النَّضْرُ عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِی أَبِی قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ جَعْفَرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَلِیًّا یَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُولُ خَیْرُ نِسَائِهَا مَرْیَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ، وَخَیْرُ نِسَائِهَا خَدِیجَةُ .طرفه 3815

حضرت علی سے روایت ہے کہ میں نے نبی پاک سے سنا فرماتے تھے مریم بنت عمران اپنے زمانہ کی سب سے بہتر خاتون تھیں اور خدیجہ اس امت کی سب سے بہتر خاتون ہیں۔

نضر سے مراد ابن شمیل جبکہ هشام سے مراد ابن عروہ ہیں، دارقطنی کہتے ہیں ہشام کے اصحاب نے یہی سند ذکر کی ہے مگر ابن جریج اور ابن اسحاق نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے (ہشام عن ابیہ عن عبداللہ بن الزبیر عن عبداللہ بن جعفر) کہا لیکن یہ درست نہیں۔

(خیر نساء ها مریم) یعنی اپنے زمانہ کی عورتوں سے، مطلقاً قرار دینا مراد نہیں کیونکہ یہ اس قول کی طرح ہے: (زید أفضل إخوته) کہ زید اپنے بھائیوں میں سب سے افضل ہے۔ نسائی نے ابن عباس کے حوالے سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں: (أفضل نساء أهل الجنة) اس پر معنی یہ ہوا کہ اہل جنت کی عورتوں میں سب سے افضل حضرت مریم ہیں، ایک روایت مین (خیر نساء العالمین) کی عبارت ہے، اس کی نظیر یہ آیت ہے: (وَاصْطَفَاكِ علیٰ نِساءِ الْعالَمِین) بظاہر یہ مطلقاً افضلیت ہے انہیں نبیہ ماننے والے یہی کہتے ہیں دوسروں کے ہاں یہ ان کے زمانہ کی عورتوں پر محمول ہے، نساء بنی اسرائیل یا حضرت عیسی کی امت کی

عورتیں ھی مراد ہونا محتمل ہے، یا (مِنْ) مضمَر ہے یعنی ان عورتوں میں سے ہیں جو باقیوں سے افضل ہیں مگر اس کا رد گزر چکی حدیثِ ابو موسی سے ہوتا ہے جس میں صیغۂ حصر کے ساتھ ہے کہ عورتوں میں سوائے ان کے اور حضرت آسیہ کے کوئی کامل نہیں ہوا۔

(وخير نسائها خديجة) یعنی اس امت محمدیہ کی عورتوں میں سے، قاضی ابن العربی کہتے ہیں اس حدیث کی رو سے یہ مطلقاً افضلیت ہے، قصۂ موسی میں مذکور حدیثِ ابو موسی سے ظاہر ہوا تھا کہ حضرت آسیہ اور حضرت مریم ماعدا عورتوں سے افضل ہیں، اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مریم آسیہ سے افضل ہیں جبکہ خدیجہ اس امت کی عورتوں میں سب سے افضل ہیں، گویا سابقہ حدیث میں اس امت عورتوں سے تعرض نہیں کیا تھا تو (ولم يكمل من النساء) سے مراد سابقہ امم کی عورتیں ہیں لیکن اگر اس کمال سے مراد کمالِ نبوت ہے تب اطلاق قرار پائیگا۔ نسائی کی بسند صحیح ابن عباس سے روایت میں ہے کہ نساءِ اہل جنت میں سب سے افضل خدیجہ، فاطمہ، مریم اور آسیہ ہیں، ترمذی کی صحیح سند کے ساتھ انس سے روایت میں بھی یہی ہے، حاکم کی حدیثِ حذیفہ میں ہے کہ آنجناب کے پاس ایک فرشتہ یہ بشارت لیکر آیا کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں، اس پر مزید بحث مناقب الصحابۃ میں حضرت خدیجہ کے ترجمہ میں آئیگی۔

46 باب قَوْلِهِ تَعَالَى (فرشتوں نے کہا اے مریم)

(إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ) إِلَى قَوْلِهِ (فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ) (يُبَشِّرُكِ) وَيَبْشُرُكِ وَاحِدٌ (وَجِيهًا) شَرِيفًا وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ الْمَسِيحُ الصِّدِّيقُ وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْكَهْلُ الْحَلِيمُ، وَالْأَكْمَهُ مَنْ يُبْصِرُ بِالنَّهَارِ وَلَا يُبْصِرُ بِاللَّيْلِ. وَقَالَ غَيْرُهُ مَنْ يُولَدُ أَعْمَى. اللہ تعالی کا فرمان: (ترجمہ) جب کہا فرشتوں نے اے مریم (فإنما يقول له كن فيكون) تک، (وجيها) یعنی شریفاً (معزز)۔ ابراہیم کہتے ہیں مسیح کا معنی صدیق ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ کھل بمعنی حلیم ہے، اور اکمہ وہ جو رات کو دیکھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، دوسروں کے نزدیک جو پیدائشی اندھا ہو۔

نسخۂ ابی ذر میں آیت کے شروع میں واؤ کا اضافہ ہے لیکن یہ غلط ہے یہاں واؤ موجود نہیں۔ (و يبشرك واحد) یحیی بن و ثاب، حمزہ اور کسائی نے بغیر شد (یعنی ثلاثی) سے پڑھا ہے۔ بشیر وہ جو کسی کو خوش کن خبر دے، کبھی مجازاً غیر خوش کن خبر دینے میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے، جیسے قرآن میں ہے: (فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ)۔ (وجيها الخ) یہ ابو عبیدہ کا قول ہے، وجیھا منصوب علی الحال ہے۔ (وقال ابراهيم الخ) اسے سفیان ثوری نے اپنی تفسیر میں موصول کیا ہے، یہ نخعی ہیں۔ طبری لکھتے ہیں ان کی بات کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انہیں چھوا اور ذنوب سے مطہَّر کر دیا تو یہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں یہ اس لفظِ مسیح کے برخلاف ہے جو دجال کیلئے استعمال ہوا، وہ فعیل بمعنی فاعل ہے، اسکا یہ لقب اسلئے کہ زمین کو مسح کریگا یعنی ملکوں ملکوں گھومے گا بعض نے یہ وجہ بیان کی کہ چونکہ ممسوح العین ہوگا (یعنی ایک آنکھ نہ ہوگی) تب یہ بمعنی مفعول ہی ہے، مسیح عیسی کے بارہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بھی کسی ایک جگہ قرار نہ کرتے تھے بلکہ (تبلیغ کیلئے) چلتے پھرتے رہتے تھے اسی سے یہ لقب پڑا، یہ توجیہ بھی ذکر کیگئی ہے کہ چونکہ بیماروں کو چھو کر تندرست کر دیتے تھے اس سے یہ لقب پڑا، بعض نے ان کا جمال اس کی وجہ بتلائی ہے، (مسحه الله) أي خلقة خلقا حسنا سے، اس سے عربوں کا محاورہ ہے: (بِهِ مَسحَةٌ مِن جمال)۔ داؤدی نے غرابت کا مظاہرہ کیا جب کہا اس وجہ سے کہ مُسوح (یعنی ٹاٹ کا لباس) پہنتے تھے۔

(وقال مجاهد الكهل الخ) اسے فریابی نے قولہ تعالی: (وَكَهْلاً وَمِنَ الصَّالِحِين) کی تفسیر میں نقل کیا ہے، ابوجعفر نحاس کہتے ہیں کہل بمعنی حلیم لغت میں معروف نہیں، کہل وہ جو چالیس برس کا ہو جائے، بعض نے بتیس اور بعض نے تینتیس بھی کہا ہے، بظاہر مجاہد نے یہ تفسیر باللازم کی ہے کیونکہ جو شخص کہل ہو جاتا ہے اغلبًا اس میں حلم و وقار آ جاتا ہے، اس بارے اہلِ عربیت کا اختلاف ہے کہ آیا (كهلا) وجيها پر معطوف ہے؟ یا وہ یکلم کی ضمیر سے حال ہے؟ یعنی وہ صغر سنی اور کبر سنی میں بھی، اس سے کلام کریگا، مجاہد کی تفسیر اس صورت میں لاگو ہے کہ معطوف قرار دیا جائے۔

(الأ كمه الخ) مجاہد کا قول فریابی نے موصول کیا ہے، یہ شاذ قول ہے، مجاہد اس میں متفرد ہیں، معروف یہ ہے کہ ایسے شخص کو اعشیٰ کہا جاتا ہے۔ (وقال غيره) یہ جمہور ہیں، ابوعبیدہ بھی اسی پہ جزم کرتے ہیں، طبری نے ابن عباس سے بھی یہی نقل کہا ہے، عبد بن حمید سعید عن قتادہ سے ناقل ہیں کہ ہم باہم بات کرتے تھے کہ اکمہ وہ جو مضموم العین پیدا ہوا، عکرمہ سے اکمہ ، اعمٰی منقول ہے، طبری نے سدی سے بھی یہی نقل کیا ہے، ابن عباس سے بھی یہی منقول ہے، طبری کہتے ہیں قتادہ کی تفسیر اشبہ ہے کیونکہ اس قسم کے مریض کا علاج ناممکن سمجھا جاتا تھا اور آیت جناب عیسی کے معجزات کے تذکرہ میں ہے تو اس قسم کے اندھے کا علاج کرنا ہی معجزہ ہے۔

3433حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ، كَمَلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ، وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلاَّ مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ .أطرافه 3411، 3769، 5418۔ (اسی کا سابقہ نمبر)

3434وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ نِسَاءُ قُرَيْشٍ خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الإِبِلَ، أَحْنَاهُ عَلَى طِفْلٍ، وَأَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ .يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ عَلَى إِثْرِ ذَلِكَ وَلَمْ تَرْكَبْ مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ بَعِيرًا قَطُّ .تَابَعَهُ ابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ وَإِسْحَاقُ الْكَلْبِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ .طرفاه 5082، 5365

ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے سنا فرماتے تھے کہ خواتینِ قریش اونٹوں پہ سوار ہونے والی عورتوں میں بہترین ہیں، اپنے بچوں پر نہایت شفیق اور شوہر کے مال واسباب کی نگرانی وحفاظت کرنے والی ہیں، ابو ہریرہ یہ بیان کر کے کہا کرتے تھے کہ مرین بنت عمران کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔

اسکی شرح ترجمۂ حضرت موسی میں گزر چکی ہے۔ (وقال ابن وهب الخ) اسے مسلم نے حرملة عن ابن وھب کے حوالے سے موصول کیا ہے، اسماعیل نے حسن بن سفیان عن حرملة الخ کے واسطہ سے تخریج کیا، بخاری کی کتاب النکاح میں ابن وھب ہی کے حوالے سے موصولاً آئیگی۔ قرطبی لکھتے ہیں خواتینِ قریش کی اس افضلیت کا تعلق صرف عرب کی عورتوں سے ہے کیونکہ وہی اصحاب الإبل ہیں، باقی شرح النکاح میں آئیگی۔ (أحناه) یعنی أشفقه، ثلاثی باب: حنیٰ یحنو اور یحنیٰ بھی اس معنی میں مستعمل ہے، حانیہ وہ خاتون جو اپنے شوہر کی وفات کے بعد اپنی اولاد کی کفالت و تربیت کا کام سنبھالے، ابن تین لکھتے ہیں وہ جو شوھر کی وفات کے بعد شادی بھی نہ

کرے، حسن بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ بیوہ صاحبِ اولاد جو شادی نہ کرے۔ ابن تین کے بقول بعض کتب میں أحنی نونِ مشدد ومنون کے ساتھ بھی ہے، کہتے ہیں شائد یہ حنان سے ماخوذ ہے بمعنی رحمت وشفقت، قیاس کے مطابق (أحنا هن) ہونا چاہئے مگر لسان العرب میں مفرد ضمیر کے ہمراہ ھی جاری ہے۔

(ولم تركب مريم الخ) اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت مریم مفضولات کے اس دائرہ میں نہیں آتیں کیونکہ وہ تو عرب خاتون نہیں، یہ صرف راکبات الابل سے متعلق ہے، حضرات خدیجہ، فاطمہ اور عائشہ کی بابت وارد فضیلت مطلقاً تمام خواتینِ عالَم کی بنسبت ہے لیکن جو ان کی نبوت کے قائل ہیں ان کے ہاں حضرت مریم سب سے افضل ہیں کیونکہ مقامِ نبوت سے برتر کوئی درجہِ فضیلت نہیں لیکن اگر ان کا نبیہ ہونا ثابت نہیں تو اس دائرہِ مفضولات سے انہیں خارج کرنے کیلئے کوئی دلیلِ خاص چاہئے تو اسی بابت حضرت ابو ہریرہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ چونکہ وہ اونٹ پر سوار ہونے والیوں میں سے نہیں لہٰذا وہ مُفضول نہ بنیں۔ بعض نے یہ اعتراض کیا ہے کہ گویا ابو ہریرہ سمجھ رہے ہیں کہ بعیر فقط ابل ہی سے ہوتا ہے؟ لیکن ایسا نہیں، اس لفظ کا اطلاق گدھے پر بھی ہوتا ہے، یہ ایک لغت ہے کواشی نے اس کا ذکر کیا ہے۔

(يقول أبوهريرة على أثر الخ) احمد اور ابو یعلی کی اسی روایت میں ان سے منقول ہے کہ نبی پاک کو علم تھا کہ حضرت مریم کبھی بعیر پر سوار نہیں ہوئیں، گویا حضرت ابو ہریرہ کی رائے میں حضرت مریم تمام خواتینِ جہان سے مطلقاً افضل ہیں۔ (تابعه ابن أخي الخ) یہ محمد بن عبداللہ بن مسلم ہیں، ان کی یہ روایتِ متابعت ابو احمد بن عدی نے الکامل میں دراوردی عنہ کے طریق سے موصول کی ہے جبکہ اسحاق کلبی کی روایت زہری نے زھریات میں یحیٰ بن صالح عنہ کے حوالے سے موصول کی ہے۔

47 باب قَوْلُهُ (اللہ تعالی کی اہلِ کتاب کو ہدایت کہ غلو نہ کریں)

(يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لاَ تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلاَ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلاَّ الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلاَ تَقُولُوا ثَلاَثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلاً) قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ (كَلِمَتُهُ) كُنْ فَكَانَ وَقَالَ غَيْرُهُ (وَرُوحٌ مِنْهُ) أَحْيَاهُ فَجَعَلَهُ رُوحًا (وَلاَ تَقُولُوا ثَلاَثَةٌ). اللہ تعالی کا فرمان: (ترجمہ) اے اہلِ کتاب اپنے دین میں غلو مت کرو، اور نہ کہو اللہ کی نسبت کوئی بات مگر جو حق ہو، بے شک مسیح عیسی بن مریم اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ تھے جو اس نے مریم پر القاء کیا اور روح تھے اس کی جانب سے، تمہیں ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسل پر اور یہ نہ کہو کہ تین الٰہ ہیں، باز آجاؤ یہی بہتر ہے تمہارے لئے، سوائے اس کے نہیں کہ اللہ ایک ہی ہے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو اسی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ بطورِ کارساز۔ ابو عبید کہتے ہیں (كلمته) سے مراد اللہ کا کلمہِ کُن ہے، بعض کا کہنا ہے کہ (وروح منه) سے مراد یہ کہ اسے زندہ کیا اور اس میں روح ڈالی۔

عیاض کہتے ہیں اصیلی کی روایتِ صحیح بخاری میں آیتِ ھذا کے شروع میں (قل) ہے، باقیوں کے ہاں یہ موجود نہیں اور اس کا عدم ھی درست ہے بقول ابن حجر اس آیت جو کہ سورۃ النساء کی ہے، میں (قل) نہیں البتہ سورۃ المائدہ کی شروع کے انہی الفاظ پر مشتمل آیت میں (قل) موجود ہے۔ (قال أبوعبيده كلمته كن الخ) تمام اصول میں یہی ہے، ان ابو عبیدہ سے مراد قاسم بن سلام ہیں لیکن اس قسم کی بات ابو عبیدہ معمر بن مثنی (جنکا بخاری اکثر تفسیرِ کلمات میں حوالہ دیتے ہیں) نے بھی کہی ہے، تفسیرِ عبدالرزاق معمر عن قتادہ

سے بھی یہی منقول ہے۔

(وقال غيره و روح الخ) یہ ابوعبیدہ کا قول ہے، اللہ تعالی کے اس فرمان کے بارہ میں: (و كلمةٌ أَلْقا ها إلىٰ مَرْيم) [النساء : ۱۷۱]۔ (ولا تقولواثلاثة) عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کی نفی ہے۔

3435حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَيْرُ بْنُ هَانِءٍ قَالَ حَدَّثَنِي جُنَادَةُ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ عَنْ عُبَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنَّ عِيسَى عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ وَكَلِمَتُهُ، أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ، وَرُوحٌ مِنْهُ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ، أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ عَلَى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ .قَالَ الْوَلِيدُ حَدَّثَنِي ابْنُ جَابِرٍ عَنْ عُمَيْرٍ عَنْ جُنَادَةَ وَزَادَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ، أَيَّهَا شَاءَ .

حضرت عبادہؓ راوی ہیں کہ آنجناب نے فرمایا جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اور بے شک عیسی اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اس کا کلمہ جسے مریم کی طرف القاء کیا اور اسکی طرف سے روح ہیں اور کہا کہ جنت حق ہے اور نار بھی حق ہے، اللہ نے داخلِ جنت کیا اعمال کے سبب۔ دوسرے طریق سے یہ زیادت ہے کہ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس سے چاہے۔

(وأن عيسى الخ) ابن مدینی کی اسماعیلی کے ہاں روایت میں: (وابن أمته) کے الفاظ بھی ہیں۔ قرطبی لکھتے ہیں اس سے عیسائیوں کی حضرت مریم اور حضرت عیسی کے معاملہ میں بدعقیدگی کی طرف اشارہ اور رد مقصود ہے، اس سے مستفاد یہ ہوا کہ کوئی عیسائی اگر اسلام قبول کرنا چاہے تو اسے تلقین کی جائے کہ حضرت عیسی اور حضرت مریم کی عبدیت کا اقرار کرے۔ نووی کہتے ہیں یہ حدیث عظیم الموقع اور عقائد پر مشتمل جامع ترین احادیث میں سے ہے، بعض نے لکھا کہ اس سے نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث کو خالص شرک قرار دینا مقصود ہے، اس طرح ان کی بابت: (ورسولُه) کہنا یہودیوں پر تعریض ہے جو ان کی رسالت کے منکر ہیں، ابن اُمتہ حضرت مریم کی نسبت کلمۂ تشریف ہے، حضرت عیسی کو روح کہنا اور اس ضمن میں (منہ) کے لفظ کا استعمال ایسے ہی ہے جیسے اس آیت میں (منه) کا استعمال: (وسَخَّرَ لَكُمْ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الأَرْضِ جَمِيعاً مِنْهُ) [الجاثية :۱۳] يعني (كائِنٌ منه) یعنی یہ سب اللہ تعالی کی اپنی قدرت وحکمت کے ساتھ ایجاد وتخلیق ہے۔

(و كلمته) میں اس امر کا اشارہ ہے کہ وہ بندوں پر اللہ کی ایک حجت ہیں انہیں بغیر باپ کے عدم سے وجود میں لایا، وقت سے پہلے انہیں قوت گویائی بخشی اور ان کے ہاتھ سے مُردوں کو زندہ کیا، بعض نے انہیں کلمہ کہنے کی یہ توجیہہ بیان کی ہے کہ انہیں کلمۂ کُن سے پیدا کیا تو چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کلام (یعنی کن) کی پیداوار ہیں تو اس کی طرف اضافت کی گئی جیسے سیف اللہ اور اسد اللہ کی تراکیب ہیں، ایک توجیہہ یہ ذکر کیگئی ہے کہ چونکہ عالمِ شیر خواری میں (إني عبدالله) کہا تھا، اس لئے ان پر کلمہ کے لفظ کا اطلاق کیا، جہاں تک انہیں روح کہنا ہے تو اس کی وجہ انہیں اِحیائے موتی کا معجزہ عطا کرنا ہے یا اس وجہ سے کہ وہ ایسے ذی روح ہیں جو کسی اور ذی روح کے جزء سے پیدا نہیں کئے گئے (یعنی ان کی روح بغیر والد کے واسطہ اور تدخُل کے ان کے قالب میں ڈالی گئی)۔

(قال الولید الخ) یہ ابن مسلم ہیں، ان کی یہ عبارت اسی اسناد کے ساتھ متصل ہے، مسلم نے اسے داؤد بن رشید عن الولید عن ابن جابر کے حوالے سے تخریج کیا ہے۔ (عن جنادة و زاد) یعنی حضرت عبادہ سے ہی سابقہ کی روایت کرتے ہوئے آخر میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے، مسلم نے بھی اس اضافہ سمیت نقل کی ہے، اسکے الفاظ ہیں: (أ دخله الله مِن أيِّ أبواب الجنة الثمانية شاءَ) تمام موحدین کے (آخر کار) دخولِ جنت کی بابت بحث کتاب الایمان میں گزر چکی ہے۔ (علی ما کان من العمل) کا مفہوم یہ ہوگا کہ صلاح وفساد کا کوئی بھی عمل کریں، لیکن اہلِ توحید آخر ضرور جنت میں داخل ہوں گے، یہ معنی بھی محتمل ہے کہ اہل جنت اپنے اپنے اعمال کے بموجب جنت کے اپنے اپنے درجہ میں داخل ہوں گے۔

(مِن أبواب الجنة الخ) یہ اس امر کو مقتضی ہے کہ ان ابوابِ جنت میں سے کسی بھی دروازے سے داخل ہونے کا اسے اختیار ہوگا لیکن یہ بدء الخلق کی حدیثِ ابو ہریرہ کے ظاہر کے خلاف ہے جسکا مقتضیٰ یہ ہے کہ ہر داخلِ جنت کیلئے ایک معین دروازہ ہوگا جس سے وہ داخل ہوگا، تطبیق یہ دیگئی ہے کہ وہ اصلاً مخیَّر ہی ہے لیکن اپنے لئے مختص دروازہ کو افضل خیال کرتے ہوئے اپنی خوشی سے۔ نہ کہ مجبوراً۔ اسی میں سے داخل ہوگا، کسی اور دروازے سے داخل ہونا، اس کیلئے ممنوع نہ ہوگا، ابن حجر اضافہ کرتے ہیں یہ بھی محتَمل ہے کہ (شاء) کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو، مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اسے توفیق عنائت کرتا ہے کہ ایسا عمل کرے جو اللہ کی رحمت سے یہ عمل کرنیوالوں کیلئے مُعَدّ دروازے سے داخلِ جنت ہو۔

ابن حجر آخرِ بحث تنبیہ کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ اکیلے اوزاعی کی روایت میں واقع ہے کہ آخرِ حدیث میں کہا (أدخله الله الجنة على ما كان عليه من العمل)، روایتِ ابن جابر میں انکے نقل کردہ اس جملہ کے بدلے: (من أبواب الجنة الثمانية أيها شاء) ہے۔ مسلم نے اپنی روایت میں اس کی تبیین کی ہے، انہوں نے اس حدیث کا ایک قطعہ صنابحی عن عبادہ کے طریق سے نقل کیا ہے وہ یہ کہ: (مَن شَهِدَ أن لا إلٰهَ إلا الله و أنَّ محمداً رسوله حَرَّمَ اللهُ عليه النارَ)، یہ الرقاق میں آمدہ روایتِ ابی ذر کی شرح میں ذکر کردہ اس توجیہ کی تائید کرتی ہے کہ بعض رواۃ نے حدیث کو مختصراً روایت کیا ہے اور ان احادیث کی شرح لکھنے والوں پر لازم ہے کہ تمام صحیح طرق کے سیاقات والفاظ جمع کر کے پھر اس طور شرح کریں کہ یہ ایک ہی حدیث ہے، اس ضمن میں اولیٰ یہی ہے کہ حدیث کی شرح وتفسیر حدیث ہی کے ذریعہ کیجائے۔

بیضاوی (علی ما کان من العمل) پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ یہ معتزلہ کے خلاف دو وجہ سے دلیل بنتی ہے ایک ان کا یہ دعوی کہ نافرمان مُخلّد فی النار ہے، تو اس کا اس میں رد ہوتا ہے، دوسرا ان کا یہ اعتقاد کہ جس نے توبہ نہ کی اس کا جہنم مین جانا واجب ہے کیونکہ (علی ما کان من العمل) حال ہے (أدخله الله الجنة) سے، اور عمل تب غیر حاصل ہے اور یہ غیر تائب مرنے والے کے حق میں متصوَّر نہیں کیا جا سکتا مگر جب اللہ تعالیٰ کسی قسم کی سزا سے پہلے اسے داخل جنت کریں! احادیثِ شفاعت سے جو ثابت ہے کہ بعض عصاۃ عذابِ جہنم بھگت کر پھر جنت جائینگے تو وہ اس کے عموم کیلئے مخصص ہے وگرنہ سبھی تحت الرجاء ہیں جیسا کہ سبھی تحت الخوف بھی ہیں، اہل سنت کے قول: (إنهم فی خطر المشيئة) کا یہی مفہوم ہے۔

علامہ انور شاہ (و كلمة ألقاها الخ) کے تحت کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ حضرت عیسی کا کلمہ وروح ہونا عقائدِ دین اور ان مسائل میں سے ہے جنکا تعلُّم امت کیلئے ضروری ہے، جہاں تک اس عقیدہ کے ایمانیات میں ہونے کا تعلق ہے تو یہ قرآن سے معلوم ہوا ہے۔

اسے مسلم نے (الإیمان) جبکہ نسائی نے (التفسیر اور الیوم و اللیلة) میں نقل کیا ہے۔

48 باب (وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا) (ولادتِ عیسیٰ کا مرحلہ)

نَبَذْنَاهُ أَلْقَيْنَاهُ . اعْتَزَلَتْ (شَرْقِيًّا) مِمَّا يَلِي الشَّرْقَ (فَأَجَاءَهَا) أَفْعَلْتُ مِنْ جِئْتُ، وَيُقَالُ أَلْجَأَهَا اضْطَرَّهَا . (تَسَّاقَطْ) تَسْقُطْ (قَصِيًّا) قَاصِيًا (فَرِيًّا) عَظِيمًا . قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ (نِسْيًا) لَمْ أَكُنْ شَيْئًا . وَقَالَ غَيْرُهُ النِّسْيُ الْحَقِيرُ . وَقَالَ أَبُو وَائِلٍ عَلِمَتْ مَرْيَمُ أَنَّ التَّقِيَّ ذُو نُهْيَةٍ حِينَ قَالَتْ (إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا)

3435 قَالَ وَكِيعٌ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ (سَرِيًّا) نَهَرٌ صَغِيرٌ بِالسُّرْيَانِيَّةِ

اللہ تعالی کا فرمان: اور ذکر کرو کتاب میں مریم کا جب اپنے گھر والوں سے الگ ہوئیں، دوسری آیت میں (فنبذناہ) کا معنی ألقیناہ یعنی ہم نے ڈال دیا، (فأجاء ھا) جاء سے بابِ افعال ہے، اور کہا جاتا ہے: (ألجأھا) یعنی اسے لاچار کر دیا۔ (فریا) یعنی عظیما، ابن عباس کا قول ہے کہ (نسیا) یعنی کوئی چیز نہ ہوتی، النسی حقیر چیز کو بھی کہتے ہیں، ابو وائل کہتے ہیں حضرت مرین جانتی تھیں کہ تقی وہی ہوتا جو عقلمند ہو جب انہوں نے کہا: (إن کنت تقیا)۔ براء سے منقول ہے کہ (سریا) سریانی میں چھوٹی نہر کو کہتے ہیں۔

یہ باب حضرت عیسی کی اَخبار بیان کرنے کی غرض سے باندھا گیا ہے سابقہ ابواب ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کے تذکرہ میں تھے، طبری نے سدی کے طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت مریم کو حیض آیا تو مسجد سے نکل کر محراب کی مشرقی جانب قیام کیا۔ (فنبذ ناہ الخ) اسے طبری نے ابن عباس سے موصول کیا ہے، ابوعبیدہ (فَانْتَبَذَتْ) [مریم : ۱۶] کی شرح میں لکھتے ہیں: (أی اعتزلتْ و تَنَحَّتْ) یعنی الگ اور ایک طرف ہو گئیں۔ (مکانا شرقیا) یعنی مشرق کی جہت میں، عربوں کے ہاں یہ مغربی جہت کے مکان سے بہتر ہے۔ (فأ جاء ھا الخ) ابوعبیدہ کہتے ہیں یہ جاء کے مزید سے ہے، بمعنی اَلْجَأَ، زمخشری کہتے ہیں یہ جاء سے منقول ہے لیکن نقل کے بعد اس کا استعمال اِلجاء کے معنی میں ہو گیا۔ (تساقط الخ) یہ بھی ابوعبیدہ کا قول ہے، تائے مضمومہ یعنی رباعی ہے، اس کا فاعل (النخلة) ہے، تاء کے ساتھ قراءت کی صورت میں، جن قراءات میں بجائے یاء کے تاء ہے تب اس کا فاعل جذع ہے۔ (قصیا قاصیا) یہ تفسیرِ مجاہد ہے، طبری نے اسے موصول کیا ہے، ابوعبیدہ اس کی تفسیر (بعیدا) کے لفظ سے کرتے ہیں۔ (فریا عظیما) یہ مجاہد کی تفسیر ہے، طبری نے ابن ابی نجیح عنہ کے طریق سے موصول کیا ہے، سعید عن قتادہ سے بھی یہی منقول ہے، ابوعبیدہ اس کی تفسیر (أ ی عجبا فائقا) کے ساتھ تفسیر کرتے ہیں۔

(قال ابن عباس نسیا الخ) اسے ابن جریر نے موصول کیا ہے، پوری عبارت یہ ہے: (أی لَم أُخْلَقُ ولم أ كُنْ شَیئا)۔ (وقال غیرہ الخ) یہ سدی ہیں، سعید عن قتادہ سے: (أی شیئا لا یُذکَر) منقول ہے۔ (وقال أبو وائل الخ) اسے عبد نے عاصم کے حوالے سے موصول کیا ہے، نہیة ای ذی عقل، اسے کسی شخص کا نام قرار دینا غرابت ہے۔ (وقال و کیع الخ) خلف نے الأطراف میں ذکر کیا ہے کہ بخاری نے اسے یحیٰ عن وکیع سے موصول کیا ہے اور یہ التفسیر میں ہے لیکن کسی بھی معروف نسخہ میں ایسا نہیں تو شاید حماد بن شاکر عن البخاری کے نسخہ صحیح میں ہو۔ (سریا نھرا) حدیثِ براء معلق کے حوالے سے موقوفا ہی نقل کیا ہے، حاکم نے

المستدرک میں بھی وارد کیا ہے ابن ابی حاتم نے ثوری اور طبری نے شعبہ کے طریق سے، دونوں ابو اسحاق سے، بھی یہی نقل کرتے ہیں، ابن مردویہ نے بھی آدم عن اسرائیل کے طریق سے یہی ذکر کیا مگر انہوں نے سریانی کا حوالہ نہیں دیا، ابو عبیدہ لکھتے ہیں عربی زبان میں بھی سری نہرِ صغیر کو کہا جاتا ہے، لبید بن ربیعہ کے اس شعر سے استشہاد کیا ہے: (فرمیٰ بها عرض السری فغادرا۔ مسجورة مُتجاوز أقلامها)۔ عرض، عین کی پیش کے ساتھ بمعنی ناصیہ ہے، حسن بصری سے منقول ہے کہ سری سے مراد حضرت عیسی ہیں مگر یہ شاذ قول ہے۔ ابن مردویہ اپنی تفسیر میں ابن عمر سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ سری، آیت میں جسکا ذکر ہے، ایک نہر تھی جسے حضرت مریم کی پیاس کے ازالہ کیلئے اللہ نے جاری کیا تھا۔ مصنف ے اس باب میں دس احادیث نقل کی ہیں۔

3436حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِي الْمَهْدِ إِلَّا ثَلَاثَةٌ عِيسَى، وَكَانَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ جُرَيْجٌ، كَانَ يُصَلِّي، فَجَاءَتْهُ أُمُّهُ فَدَعَتْهُ، فَقَالَ أُجِيبُهَا أَوْ أُصَلِّي .فَقَالَتِ اللَّهُمَّ لَا تُمِتْهُ حَتَّى تُرِيَهُ وُجُوهَ الْمُومِسَاتِ .وَكَانَ جُرَيْجٌ فِي صَوْمَعَتِهِ، فَتَعَرَّضَتْ لَهُ امْرَأَةٌ وَكَلَّمَتْهُ فَأَبَى، فَأَتَتْ رَاعِيًا، فَأَمْكَنَتْهُ مِنْ نَفْسِهَا فَوَلَدَتْ غُلَامًا، فَقَالَتْ مِنْ جُرَيْجٍ .فَأَتَوْهُ فَكَسَرُوا صَوْمَعَتَهُ، وَأَنْزَلُوهُ وَسَبُّوهُ، فَتَوَضَّأَ وَصَلَّى ثُمَّ أَتَى الْغُلَامَ فَقَالَ مَنْ أَبُوكَ يَا غُلَامُ قَالَ الرَّاعِي .قَالُوا نَبْنِي صَوْمَعَتَكَ مِنْ ذَهَبٍ .قَالَ لَا إِلَّا مِنْ طِينٍ .وَكَانَتِ امْرَأَةٌ تُرْضِعُ ابْنًا لَهَا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ رَاكِبٌ ذُو شَارَةٍ، فَقَالَتِ اللَّهُمَّ اجْعَلِ ابْنِي مِثْلَهُ .فَتَرَكَ ثَدْيَهَا، وَأَقْبَلَ عَلَى الرَّاكِبِ فَقَالَ اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْنِي مِثْلَهُ .ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى ثَدْيِهَا يَمَصُّهُ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَمَصُّ إِصْبَعَهُ ثُمَّ مُرَّ بِأَمَةٍ فَقَالَتِ اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلِ ابْنِي مِثْلَ هَذِهِ .فَتَرَكَ ثَدْيَهَا فَقَالَ اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِثْلَهَا .فَقَالَتْ لِمَ ذَاكَ فَقَالَ الرَّاكِبُ جَبَّارٌ مِنَ الْجَبَابِرَةِ، وَهَذِهِ الأَمَةُ يَقُولُونَ سَرَقْتِ زَنَيْتِ .وَلَمْ تَفْعَلْ .أطرافه 1206، 2482، 3466۔ (ترجمہ کیلئے جلد دوم ص: ۱۱۵، وہاں جریج کا قصہ مذکور ہوا، یہاں ایک اور قصہ بھی ہے جو یہ ہے)

ابو ہریرہ کہتے ہیں نبی پاک نے فرمایا اور بنی اسرائیل کی ایک عورت اپنے شیر خوار کو دودھ پلا رہی تھی کہ ایک خوش پوشاک شخص گزرا عورت نے کہا اے اللہ میرا بیٹا اس جیسا بنا دے، بچے نے دودھ پینا موقوف کیا اور بولا اے اللہ مجھے اس جیسا نہ بنانا، یہ کہہ کر پھر سے دودھ پینے لگا، ابو ہریرہ کہتے ہیں گویا میں نبی پاک کو دیکھ رہا ہوں جو یہ کہتے ہوئے اپنی انگلی مبارک چوسنے لگے، پھر اس کا گزر ایک لونڈی سے ہوا جسے دیکھ کر اس کی والدہ کہنے لگی یا اللہ میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنانا، یہ سن کر بچے نے دودھ چھوڑا اور کہا یا اللہ اسی جیسا بنا، وہ بولی ایسا کیوں کہا؟ بولا وہ سوار جبابرہ میں سے ایک جابر آدمی تھا اور یہ لونڈی جس کے بارہ میں لوگ کہہ رہے ہیں کہ چوری کی ہے زنا کیا ہے جبکہ اس نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔

ابن جریج کے قصہ پر مشتمل روایت جس میں تین ایسے بچوں کا تذکرہ ہے جو مہد میں ہی اللہ کے حکم ومشیت سے بول پڑے

ان میں پہلے حضرت عیسی ہیں، یہی اس حدیث کی غرضِ ایراد ہے۔ (إلا ثلاثة) قرطبی لکھتے ہیں یہ حصر محلِ نظر ہے الا یہ کہ کہا جائے آنجناب نے یہ بات اس وقت اپنے پاس موجود علم کی بنیاد پر فرمائی لیکن اس تاویل میں بُعد ہے، محتمل ہے ان تینوں مذکورین کا بول پڑنا مہد کے ساتھ مقید ہو جبکہ بعض دیگر صغیر السن جو بولے وہ غیر مہد میں تھے لیکن اس تاویل کیلئے یہ امر معکّر ہے کہ ابن قتیبہ کی روایت میں ہے جس بچہ کو اس کی والدہ نے اخدود میں پھینکا تھا (اور وہ بول پڑا تھا) اس کی عمر سات ماہ تھی اور حدیثِ ابی ہریرہ میں اس کا ذکر مقیَّد بالمہد ہے، اس میں نووی کی بات کا تعقّب بھی ہوتا ہے جو مدعی ہیں کہ اخدود والا یہ بچہ مہد میں نہ تھا (یعنی بڑی عمر کا تھا) ان کے قول کا سبب یہ ہے کہ احمد، بزار، ابن حبان اور حاکم کی حدیثِ ابن عباس میں ہے کہ مہد میں فقط چار بچے بولے ہیں، تو اس میں اس تیسرے کی بجائے جو روایتِ باب میں مذکور ہے، شاہدِ یوسف کا تذکرہ ہے اور اس شیر خوار بچہ کا جس نے اپنی والدہ ماشطہ بنت فرعون سے کہا تھا۔ جب فرعون نے اسے آگ میں ڈالنا چاہا، اے ماں صبر کرنا، کہ میں حق پر ہوں، حاکم نے ابو ہریرہ سے بھی اسی کی مانند روایت کیا ہے تو اس طرح سے پانچ بچے بنتے ہیں جو مہد میں بولے۔

شاہدِ حضرت یوسف کا ذکر عمران بن حصین کی روایت میں بھی ہے مگر وہ موقوف ہے، ابن ابی شیبہ نے ہلال بن یساف کی مرسل روایت حدیثِ ابن عباس کی مثل نقل کی ہے مگر اس میں ابن ماشطہ کا ذکر موجود نہیں، مسلم کی حضرت صہیب سے روایت میں ہے کہ جب اصحابِ اخدود کے واقعہ میں ایک عورت کو لایا گیا تاکہ اسے آگ میں ڈالا جائے، الا یہ کہ اپنا دین چھوڑ کر دوبارہ کفر اختیار کر لے، اس کے ہمراہ ایک دودھ پیتا بچہ بھی تھا، تو وہ خاتون پیچھے ہٹی، اس پر بچہ کہنے لگا اے ماں صبر کرو تم حق پہ ہو، ثعلبی کے بقول ضحاک اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت یحیٰ نے بھی مہد میں کلام کی تھی، بغوی اپنی تفسیر میں حضرت ابراہیم کے بارہ میں بھی یہی کہتے ہیں، سیرِ واقدی میں آنجناب کی بابت بھی یہی بات لکھی ہے، اسے ابن ابو حاتم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

(وكان في بني اسرائيل الخ) المظالم میں بھی ابن سیرین کے طریق سے ہی گزر چکی ہے، اسی طرح کتاب الصلاۃ میں اعرج کے حوالے سے، مسلم اور احمد کے یہاں ابو رافع، احمد کے ہاں ابو سلمہ کی ابو ہریرہ سے یہی روایت منقول ہے، عمران بن حصین کے حوالے سے بھی مروی ہے، ابو سلمۃ کی روایت میں ہے کہ جریج اولا ایک تاجر تھے کبھی فائدہ ہوتا اور کبھی نقصان، ایک دفعہ کہنے لگے اب ایسی تجارت اختیار کرتا ہوں جو اس دنیاوی تجارت سے بہتر ہے تو صومعہ (گرجا) بنا کر راہبانہ زندگی اختیار کر لی، اس سے ظاہر ہوا کہ سیدنا عیسی کے بعد کا واقعہ ہے (کیونکہ راہب انہی کی امت میں ہوئے ہیں) صومعۃ فوعلہ سے وزن پر، صمعت بمعنی (دققت) سے ماخوذ ہے چونکہ شکلی اعتبار سے ایسی مرتفع عمارت بناتے تھے جو اوپر سے تنگ ہو (ابھی تک یہی طرزِ تعمیر ہے)۔

(جاءته أمه) بقول ابن حجر کسی طریق میں اس کا نام مذکور نہیں پایا، عمران بن حصین کی روایت میں ہے کہ والدہ روزانہ ملنے آتی تھے وہ اوپر سے جھانک کر اس سے محوِ کلام ہوتے اس دن جب آئی تو نماز میں مصروف تھے (اس سے ثابت ہوا کہ عیسائیوں کے ہاں بھی نماز موجود ہے اگرچہ کسی کو پڑھتے نہیں دیکھا، مشہور مبلغ احمد دیدات انجیل کی بعض عبارات سے نماز ثابت کیا کرتے تھے)۔

(أو أصلي) المظالم کی روایت میں تھا کہ جواب دینے سے انکار کیا، احمد کی ابو رافع سے روایت میں ہے کہ والدہ نے نام لے کر پکارا کہ ادھر جھانکو میں تمہاری والدہ آئی ہوں۔ (أمي و صلاتي) کا معنی یہ ہے کہ ایک طرف والدہ کی پکار کا جواب اور دوسری طرف نماز جاری رکھنا ہے، ابو رافع کی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ لوٹ گئی دوبارہ پھر آئی تو ابھی مشغولِ نماز تھے، عمران بن حصین کی

روایت میں ہے تین مرتبہ آئی ہر مرتبہ تین تین دفعہ آواز دی، اسماعیلی کے ہاں اعرج کی روایت میں ہے کہ کہنے لگے (أوثر صلاتي علىٰ أمي) یعنی میں والدہ پر نماز کو ترجیح دونگا، تین مرتبہ کہا، بظاہر دل میں کہا مگر ممکن ہے ظاہری نطق ہی متحقق ہوا ہو اس طور کہ اثنائے نماز کلام ان کے ہاں مباح ہو جیسے ہمارے لئے بھی ابتدائے اسلام میں اباحت تھی، اواخر الصلاۃ میں یزید بن خوشب عن ابیہ کے حوالے سے مرفوع روایت میں ہے کہ اگر جریج عالم ہوتے تو جان پاتے کہ والدہ کی پکار کا جواب دینا نماز سے اولیٰ ہے۔

(حتى تريه الخ) ابورافع کی روایت میں ہے: (حتى تريه المومسة) مومسات کے علاوہ موامیس بھی جمع مستعمل ہے، زانیہ عورت کو کہتے ہیں، اعرج کی روایت میں ہے کہ یوں بد دعا دی، تم نے اپنا چہرہ میرے لئے مطلع کرنے سے انکار کیا ہے اللہ تب تک تجھے موت نہ دے جبتک شہر کی زانیہ عورتیں تیرا چہرہ نہ دیکھیں۔ (فتعرضت له الخ) احمد کی جریر بن حازم سے روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک دن کچھ لوگ جریج کی عبادت کی بابت باہم باتیں کر رہے تھے کہ ایک طوائف بولی تم اجازت دو تو میں اسے فتنہ میں ڈالوں؟ کہنے لگے ٹھیک ہے وہ اس کے گرجا میں آئی اور اپنا آپ پیش کیا، عمران کی روایت میں ہے کہ بستی کے سردار کی بیٹی تھی، اعرج کی روایت میں ہے کہ گرجا کے پاس بکریوں کا ریوڑ چرانے آیا کرتی تھی، احمد کی ابورافع سے روایت میں بھی یہی ہے، تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ جریج کی آزمائش کیلئے چرواہی کے بھیس میں آئی (اصلاً چرواہی ہونا بھی محتمل ہے یعنی سردار کی بیٹی ہونا اس امر کیلئے مانع نہ تھا کیونکہ ممکن ہے کوئی چھوٹی سی بستی اور اس کا سردار ہو)۔

(فولدت غلاما الخ) باقی ساری عبارت مقدر محذوف ہے، یعنی حاملہ ہوئی آخر وقت ہونے پر بچہ جنا جب لوگوں نے پوچھا یہ کس کا ہے تو جریج پر الزام دھر دیا، ابورافع کے ہاں یہ عبارت ہے: (فقيل ممن هذا؟) احمد کی روایت میں مزید یہ ہے کہ کہا وہ گرجے سے باہر آیا اور میرے ساتھ یہ کام کیا، ان کے ہاں زانی کو قتل کر دیا جاتا تھا، ابوسلمہ کی روایت میں ہے بادشاہ کو خبر دی گئی، اس نے جریج کو گرفتار کر کے اس کے پاس لانے کا حکم دیا۔

(فأتوه الخ) ابورافع کی روایت میں ہے اپنی کدالیں اور بیلچے وغیرہ ہمراہ لیکر گئے، اسے آواز دی جب بات نہ کی تو ایک طرف سے منہدم کرنا شروع کر دیا، حدیثِ عمران میں ہے انہیں تب علم ہوا جب کدالیں چلنے کی آوازیں سنیں تو پوچھا: (ویلکم ما لَكُمْ؟) تم برباد ہو جاؤ، کیا کر رہے ہو؟ جب کوئی جواب نہ دیا تو رسی سے لٹک کر نیچے اترے، (وسبوه) مسند احمد کی وھب عن ابن جریر سے روایت میں ہے کہ مارا بھی، جب سبب پوچھا تو کہا تم نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے، ابورافع کی روایت میں ہے جب لوگ پہنچے تو نماز میں مشغول تھے، آخر نیچے اترے تو انہوں نے گلے میں رسی ڈال کر شہر میں پھرایا، ابوسلمہ کی روایت میں ہے کہ بادشاہ نے کہا افسوس ہم تو تجھے بہت اچھا آدمی گردانتے تھے تم نے اسے حاملہ کر دیا، پھر اسے سولی دینے کا حکم دیا، اعرج کی روایت میں ہے جب شہر میں ذلت کے پاس پھرایا تو دورانِ گشت طوائفوں کے محلّہ سے گزر ہوا تو وہ نکل نظارہ کرنے لگیں اس پر جریج مسکرائے۔

(من أبوك يا غلام؟) وھب بن جریر کی روایت میں ہے انگلی سے اسے ٹھوکا دیا تو وہ بول پڑا کہ چرواہا میرا باپ ہے، بقول ابن حجر اس چرواھے کا نام معلوم نہ ہو سکا بعض نے صہیب ذکر کیا ہے، کتاب الصلاۃ کی روایت میں ہے کہ بچے کو (یا ابابوس) کہہ کر بلایا تھا، داؤدی اسے اس کا نام سمجھے مگر یہ صحیح نہیں، او بچے، کے معنی میں ہے، حدیثِ عمران میں ہے کہ ایک درخت سے ٹہنی کاٹی، اس سے بچے کو ٹھوکا دیا۔ وھب کی روایت میں ہے اس پر سبھی جریج کی طرف دوڑے اور اسے بوسے دینے شروع کئے، ابوسلمہ کی ردایت

میں ہے لوگوں نے اللہ کی تسبیح وثناء کے کلمات کہے۔ (إلا من طین) ابوسلمہ کی روایت میں ہے عزت سے اسے گرجا گھر واپس لیگئے پھر پوچھا آپ طوائفوں کو دیکھ کر مسکرائے کیوں تھے؟ تو اپنی والدہ کی بد دعا کا قصہ بیان کیا۔

حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نفلی نماز کے دروان اگر والدہ پکارے تو جواب دینا ضروری ہے کیونکہ والدہ کے ساتھ برّ اور اس کی پکار کا جواب دینا واجب ہے جبکہ نماز نفل ہے (اگر محسوس کرے کہ کوئی ایسا اہم گھمبیر معاملہ نہیں تو کھنکار کر یہ توجہ دلا دے کہ نماز میں مشغول ہے، لیکن اگر والدہ معذور یا بیمار ہے یا کوئی ایسا فوری توجہ طلب کام ہے تو نفلی نماز قطع کر کے والدہ کی پکار کا جواب دے، بلکہ اگر جان کا خطرہ ہے تو فرض نماز بھی توڑ سکتا ہے)۔ نووی وغیرہ کئی اہل علم لکھتے ہیں اس نے بد دعا اسلئے دی تھی کہ اس کے خیال میں جریج کیلئے ممکن تھا کہ نماز میں تخفیف کر کے اس کی پکار کا جواب دے (پھر ایک طریق میں جیسا کہ ذکر گزرا، تین مرتبہ وقفہ وقفہ سے آئی، جریج کی ابھی نماز ہی ختم نہ ہوئی تھی، تو بظاہر یہی قیاس کر کے کہ آج کسی وجہ سے والدہ سے بات نہیں کرنا چاہتا، بد دعا دی) ممکن ہے وہ اس امر سے ڈرے ہوں کہ کسی امرِ دنیا میں مشغول نہ کر دیں یا گرجا سے باہر آنے کا کہیں، نووی کہتے ہیں یہ آخری احتمال محلِ نظر ہے کیونکہ مذکور ہے کہ روزانہ آ کر جریج سے بات چیت کیا کرتی تھیں تو بظاہر یہی ہے کہ انہوں نماز میں انقطاعِ خشوع کے خدشہ کے پیش نظر تخفیف نہ کی۔

الصلاۃ کی ابن حوشب عن ابیہ سے روایت میں آنجناب کا یہ قول مذکور ہے کہ اگر جریج فقیہ ہوتے تو جان پاتے کہ اجابتِ والدہ عبادتِ رب سے اولیٰ ہے، ابن حجر لکھتے ہیں اسے اگر محمول علی العام کیا جائے تو نماز چاہے فرض ہو یا نفل، کاٹ کر والدہ کی پکار کا جواب دینا واجب قرار پائیگا، بقول رویانی شافعی کے مذہب میں ایک فتویٰ یہی ہے، نووی وبعض کہتے ہیں یہ اس امر پر محمول ہے کہ ان کی شریعت میں یہ جائز تھا، ابن حجر اسے محل نظر کہتے ہیں۔ شافعیہ کے ہاں اصح قول یہ ہے کہ اگر نماز نفلی ہے پھر والدہ کی پکار کا جواب دینا واجب ہے بشرطِ کہ نہ دینے سے اسے تاذّی حاصل ہو (یعنی کوئی نہایت مجبوری ہو) اور اگر فرض ہے اور بالخصوص وقت بھی اگر تنگ ہے تو اجابتِ والدہ واجب نہیں، امام الحرمین کے ہاں فرض نماز میں بھی جواب دینا ضروری ہے بشرطیکہ وقت تنگ نہ ہو، دوسروں نے مخالفت کی ہے کیونکہ جواب دینے کی صورت میں نئے سرے سے شروع کرنا لازم ہو جائے گا۔ مالکیہ کے نزدیک نفلی نمازوں میں جواب دینا جاری رکھنے سے افضل ہے، قاضی ابوالولید یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ صرف ماں کے ساتھ مختص ہے، مکحول بھی یہی کہتے ہیں محمد بن منکدر کے ایک مرسل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حدیث سے ثابت ہوا کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی پکار کا جواب دینا ایک عظیم القدر امر ہے اگرچہ اولاد معذور ہی کیوں نہ ہو (یعنی اسے کسی قسم کا کوئی عذر یا مجبوری لاحق ہو) یہ بھی ظاہر ہوا کہ اللہ کے ساتھ معاملات میں صادق، فتنوں کے نقصان سے محفوظ رہتا ہے۔ جریج کی قوتِ یقین اور صحتِ رجاء بھی ظاہر ہوئی کیونکہ اس نے اس امرِ مسلم کے باوجود کہ شیر خوار بچے نہیں بولتے اس بچہ کو مخاطب کیا، یہ بھی ظاہر ہوا کہ اگر دو معاملے باہم متعارض ہو جائیں تو ان میں جو اہم ہو، اسے کرے، یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کیلئے فتنوں سے مخارج پیدا فرمادیتا ہے (سورۃ الطلاق میں ہے: وَ مَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا) کئی دفعہ اس میں تاخیر ہوسکتی ہے اس سے مقصد ان کی تہذیب اور زیادتِ ثواب ہوتا ہے۔ اولیاء سے ظہورِ کرامات کا بھی ثبوت ملا، اور یہ بھی کہ کرامات کا ظہور ان کی اپنی طلب اور اختیار سے ہوسکتا ہے۔ ابن بطال کہتے ہیں محتمل ہے کہ جریج نبی ہوں، تبھی یہ معجزہ ظاہر ہوا۔ یہ بھی

ظاہر ہوا کہ کسی بحرانی معاملہ میں اللہ سے استعانت کی بہترین راہ نماز شروع کر دینا ہے۔ مالکیہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اگر کسی کے زنا کے نتیجہ میں بیٹی پیدا ہوگئی تو زانی کیلئے وہ محرم ہے، شافعیہ کا اس میں اختلاف ہے، ابن ماجشون مالکی بھی ان کے ہمنوا ہیں، وجہِ استدلال یہ ہے کہ جریج نے بچہ سے (مَنْ أبوك؟) کہا اور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے بچہ نے بھی (أبی الخ) کہہ کر جواب دیا تو یہ نسبت صحیح ٹھہری لہٰذا احکامِ ابوّت و بنوّت لاگو ہوں گے البتہ توارُث و ولاء (کہ زنا کی اولاد اس کی وارث نہیں بنے گی) دلیلِ شرعی سے خارج ہوئے، ماسوا اپنی اصل پہ قائم ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ بعض کے دعوی کے برعکس وضوء امت محمدیہ کا ہی خاصہ نہیں البتہ غرۃ و تحجیل انہیں کے ساتھ خاص ہے، حضرت سارہ کے ظالم بادشاہ کیساتھ قصہ میں بھی مذکور ہوا تھا کہ انہوں نے وضوء کیا۔

(وكانت امرأة) کان تامہ ہونے کی وجہ سے امرأۃ مرفوع ہے، اس واقعہ کے کسی کردار کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ (راكب) احمد کی خلاس عن ابی ہریرہ سے روایت میں (فارس متکبر) ہے۔ (ذو شارة) یعنی صاحبِ جمال و وقار، خلاس کی روایت میں (ذو شارة حسنة) ہے۔ (كأني أنظر) ایضاحِ خبر کی غرض سے بطورِ تمثیل بالفعل اسلوبِ مبالغہ ہے۔ (بأمَة) احمد کی وھب بن جریر سے روایت میں ہے کہ اسے لوگ مار رہے تھے۔ (الراكب جبار) اعرج کی روایت میں کافر کا لفظ ہے۔ (ولم تفعل) احمد کی روایت میں ہے کہ لوگ اس پر زنا کی تہمت لگا رہے تھے حالانکہ نہ کیا تھا، چوری کی تہمت دھر رہے تھے حالانکہ چوری نہ کی تھے، وہ آگے سے (حسبی الله) کہے جاتی تھی، خلاس کی روایت میں ہے کہ وہ حبشیہ یا زنجیہ تھی، اسی کھینچا تانی سے اس کی موت واقع ہوگئی۔

حدیث سے ثابت ہوا کہ اہلِ دنیا ظاہری نفوس کی چکا چوند سے متاثر ہو جاتے ہیں بخلاف اہل تحقیق کے کہ وہ باطنی حقیقت مدِ نظر رکھتے ہیں، قارون کے قصہ میں بھی یہی ہے کہ جب شان و شوکت کے ساتھ ایک مرتبہ نکلا تو ظاہر پرست کہنے لگے: (يا لَيتَ لَنا مِثلَ ما أوتِيَ قارون) لیکن اہل علم کہنے لگے: (وَيلَكُمْ، ثوابُ اللّٰهِ خَيرٌ) [القصص : ۷۹]۔

3437 حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ. حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ لَقِيتُ مُوسَى قَالَ فَنَعَتَهُ فَإِذَا رَجُلٌ حَسِبْتُهُ قَالَ مُضْطَرِبٌ رَجِلُ الرَّأْسِ، كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ قَالَ وَلَقِيتُ عِيسَى فَنَعَتَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ رَبْعَةٌ أَحْمَرُ كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيمَاسٍ يَعْنِي الْحَمَّامَ وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ، وَأَنَا أَشْبَهُ وَلَدِهِ بِهِ قَالَ وَأُتِيتُ بِإِنَاءيَنِ أَحَدُهُمَا لَبَنٌ وَالآخَرُ فِيهِ خَمْرٌ، فَقِيلَ لِي خُذْ أَيَّهُمَا شِئْتَ. فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ فَشَرِبْتُهُ، فَقِيلَ لِي هُدِيتَ الْفِطْرَةَ، أَوْ أَصَبْتَ الْفِطْرَةَ، أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ

أطرافه 3394، 4709، 5576، 5603.

(ترجمہِ حضرت موسیٰ۔ اسی جلد کے سابقہ نمبر۔ میں اسی طریق سے ذکر ہو چکی ہے) یہاں ایک اور سند بھی ذکر کی ہے اور اسی کا سیاق ہے وہاں کا سیاق ھشام بن یوسف کا تھا۔ (حسبته قال) حسبت کے قائل عبدالرزاق ہیں۔ (المضطرب) یعنی جو زیادہ لمبا نہ ہو، بعض نے الخفیف اللحم کہا (یعنی سمارٹ جسم والے) ہشام کی مذکورہ روایت میں (ضرب) تھا، جسکی تفسیر (نحیف) کے لفظ سے کی تھی۔

ابن تین کہتے ہیں یہ مابعد قول (إنه جسيم) کے منافی ہے، ان کی مراد اگلی روایت سے ہے، لیکن کہتے ہیں وہاں یہ جملہ دجال کی نسبت ہے۔ عیاض کہتے ہیں (ضرب) کے لفظ کی روایت (مضطرب) ذکر کرنے والوں کی روایت سے اصح ہے کیونکہ اس میں شک کا اظہار ہے، کہتے ہیں بعض روایات میں (جسيم) کا لفظ ہے جو اس کے منافی ہے الا یہ کہ جسیم سے مراد زیادت فی طول ہو۔ تیمی لکھتے ہیں شائد حدیث کے الفاظ باہم خلط ملط ہو گئے ہیں کیونکہ جسیم کا لفظ صفتِ دجال میں واقع ہوا ہے نہ کہ وصفِ سیدنا موسی میں، ابن حجر کہتے ہیں تعینِ مصیر یہ ہوا کہ عیاض نے وصفِ سیدنا موسی میں بھی جسیم کے لفظ کا استعمال جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ اس سے مراد زیادتِ طولِ قد ہو (یعنی جسم ہلکا پھلکا ہونے کے باوصف نسبۃً قدرے دراز تھا، یہ بھی امر واقع ہے کہ ہلکے پھلکے اجسام والوں کا قد طویل محسوس ہوتا ہے)۔ عیاض کے قول کی تائید مابعد روایت کے الفاظ (كأنه من رجال الزط) سے بھی ملتی ہے، وہ لمبے تھے لیکن موٹے نہ تھے، بدء الخلق کی حدیثِ اسراء میں حضرت موسی کی بابت یہ الفاظ مروی تھے: (رأيت موسى جعدا طوالا) داؤدی نے اسے مستنکر سمجھا اور کہا میں اسے محفوظ خیال نہیں کرتا کیونکہ جعد شخص موصوف بطوال نہیں کیا جاتا، تعاقب کیا گیا تھا کہ دونوں لفظ باہم متنافر نہیں۔

نووی کہتے ہیں حضرت موسی کی صفت میں جعودت سے مراد، جعودتِ جسم ہے یعنی اس کا اکتناز (گھٹا ہوا ہونا) اور اجتماع، جعودتِ شَعر مراد نہیں کیونکہ اس بابت ان کی صفت (رجل الشَعر) وارد ہوئی ہے۔ (ربعة) یعنی نہ زیادہ بڑا اور نہ زیادہ چھوٹا قد۔ (يعنى الحمام) یہ عبدالرزاق کی تفسیر ہے، ہشام کی روایت میں موجود نہیں لغت میں دیماس سرب (یعنی وحشی جانور کا سوراخ) کو کہتے ہیں کِن (بمعنی منزل اور گھر) پر بھی اطلاق ہوتا ہے، حمام جملہِ کن سے ہے، مراد ان کے رنگ کا صاف ہونا، چہرے کا بارونق ہونا اور جسم کا تروتازہ ہونا ہے گویا کہ ابھی موضعِ کن سے نکلے ہوں، ابن عمر کی روایت میں اس کے بعد (ينظف رأسه ماءً) بھی ہے (یعنی گویا سر سے پانی جھاڑ رہے ہیں) یہ بھی محتمل ہے کہ حقیقت مراد ہو، یا یہ بھی تروتازگی سے کنایہ ہو، اسکی تائید احمد و ابوداؤد کی عبدالرحمٰن بن آدم عن ابی ہریرہ سے روایت میں ہوتی ہے جس میں ہے: (يقطر رأسه ماء و إن يصبه بلل)۔

(وأتيت بإنائين) اس پر السیرۃ النبویۃ میں حدیثِ اسراء پر بحث کے ضمن میں بات ہوگی

3438 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ أَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ رَأَيْتُ عِيسَى وَمُوسَى وَإِبْرَاهِيمَ، فَأَمَّا عِيسَى فَأَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيضُ الصَّدْرِ، وَأَمَّا مُوسَى فَآدَمُ جَسِيمٌ سَبْطٌ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ الزُّطِّ۔

(حدیثِ معراج کا حصہ ہے جو اسی جلد میں مترجم ہے)۔

سند میں عثمان بن مغیرہ ثقفی ہیں، صغار تابعین میں سے ہیں، بخاری میں ان کی یہی ایک حدیث ہے۔ (عن ابن عمر) بخاری کے متداول تمام نسخوں میں یہی ہے، ابوذر اپنے نسخہ میں تعاقب کرتے ہیں کہ بخاری سے مسموعہ تمام روایتِ صحیح میں فربری کے واسطہ سے (مجاہد عن ابن عمر) ہے تو میں فیصلہ نہیں کر سکتا کہ غلطی کس نے کی ہے؟ امام بخاری نے یا فربری نے، کیونکہ محمد بن کثیر وغیرہ کے تمام طرق میں (مجاہد عن ابن عباس) ہے، مثلاً حنبل بن اسحاق عن محمد بن کثیر، عثمان بن سعید عنہ، اس طرح نصر بن علی عن ابی احمد الزبیری عن اسرائیل کے حوالے سے ان کی روایتِ متابعت میں بھی، یہی یحیٰ بن زکریا بن ابوزائدہ عن اسرائیل سے منقول ہے۔ ابونعیم نے المستخرج میں طبرانی عن احمد بن مسلم خزاعی عن محمد بن کثیر سے یہی نقل کیا ہے، کہتے ہیں بخاری نے محمد بن کثیر سے نقل کرتے ہوئے

(مجاہد عن ابن عمر) ذکر کیا ہے۔ ابن مندہ نے بھی کتاب الإیمان میں محمد بن ایوب بن ضریس وموسی بن سعید دندانی کلاھما عن محمد بن کثیر کے طریق سے بھی ابن عباس کہا ہے، پھر لکھتے ہیں کہ بخاری نے محمد بن کثیر عن ابن عمر کہا ہے، مگر درست ابن عباس ہے، الأطراف میں ابومسعود لکھتے ہیں لوگوں نے محمد بن کثیر سے اس کی روایت کرتے ہوئے ابن عباس ذکر کیا ہے جبکہ صحیح بخاری کے تمام نسخوں میں ابن عمر مذکور ہے لیکن یہ غلط ہے، کہتے ہیں تمام اصحابِ اسرائیل جن میں یحیی بن ابوزائدہ، اسحاق بن منصور، نضر بن شمیل اور آدم بن ابی إیاس وغیرہ ہیں، نے ابن عباس ہی کہا ہے۔

اسی طرح ابن عون نے بھی مجاہد سے اس کی روایت میں ابن عباس ہی ذکر کیا ہے، ابن عون کی روایت حضرت ابراہیم کے ترجمہ میں گزر چکی ہے لیکن حضرت عیسی کا ذکر موجود نہیں تھا، مسلم نے بھی شیخِ بخاری ہی کے واسطہ سے تخریج کی ہے ان کی روایت میں بھی ذکرِ عیسی موجود نہیں، محمد بن اسماعیل تیمی کہتے ہیں میرے ذہن میں خیال آتا ہے کہ یہ وہم غیر امام بخاری سے صادر ہوا ہے کیونکہ اسماعیلی نے اسے نصر بن علی عن ابی احمد کے حوالے سے تخریج کیا ہے اور وہاں ابن عباس ذکر کیا اور یہ تنبیہہ نہیں کی کہ امام بخاری نے وہم وغلطی سے بجائے ابن عباس کے ابن عمر ذکر کیا ہے، اگر غلطی امام بخاری کی ہوتی تو اسماعیلی اپنی عادت کے مطابق یہ تنبیہہ ذکر کرتے، راجح یہی ہے کہ یہ روایتِ ابن عباس سے مروی ہے نہ کہ ابن عمر سے، وہ تو حضرت عیسی کے سرخ ہونے کا قسم کھا کر انکار کرتے ہیں جبکہ مجاہد کی اس روایت میں ہے: (فأما عیسی فأحمر جعد) تو یہ اس روایت کے ابن عباس سے مروی ہونے کا مؤید ہے (تو بظاہر یہ وہم فربری ناقلِ صحیح بخاری کا ہے) اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ترجمہِ ابراہیمؑ میں ابن عون کی روایت میں مجاہد عن ابن عباس مذکور ہے)۔

(سبط) یہ سر کے بالوں کی صفت ذکر کی ہے۔ (من رجال الزط) سودان (یعنی کالے رنگ کے آدمیوں) کی جنس ہے، کہا گیا ہے کہ یہ ہندو تھے، وہ جسم کے نحیف ونزار ہونے کے ساتھ ساتھ طویل قامت رکھتے تھے (سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب عرب و ہند کے تعلقات میں زط کو جٹ کی تعریب قرار دیا ہے، علامہ انور بھی یہی لکھتے ہیں، چونکہ عربوں اور ہندوں میں بت پرستی ایک قدر مشترک تھی اور کعبہ کے اندر اور کئی دیگر مقامات میں بت موجود تھے لہٰذا عین ممکن ہے کہ ہندوؤں کی ایک معتد بہ تعداد ان بتوں کی زیارت کرنے جاتی ہو، حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی تو اپنی کتاب سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان میں صراحت سے لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کا بلادِ عرب کی طرف آنا جانا لگا رہتا تھا تا کہ وہاں موجود بتوں کی زیارت کے ساتھ ساتھ تجارتی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں، جنوں کے وصف میں مستعمل حضور کے مذکورہ الفاظ سے بھی اس امر کی تائید ملتی ہے کہ آپ نے مکہ میں انہیں دیکھا ہوگا تبھی یہ بات کہی)۔

3439 حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ حَدَّثَنَا مُوسَى عَنْ نَافِعٍ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ ذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا بَيْنَ ظَهْرَيِ النَّاسِ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ، فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ أَلاَ إِنَّ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ أَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُمْنَى، كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ. أطرافه 3057، 3337، 4402، 6175، 7123، 7127، 7407۔ (آگے ترجمہ موجود ہے)

3440 وَأَرَانِى اللَّيْلَةَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ فِى الْمَنَامِ، فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ كَأَحْسَنِ مَا يُرَى مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لِمَّتُهُ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ رَجِلُ الشَّعَرِ يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً وَاضِعًا يَدَيْهِ عَلَى مَنْكِبَىْ

رَجُلَيْنِ وَهُوَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَقُلْتُ مَنْ هَذَا فَقَالُوا هَذَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ رَأَيْتُ رَجُلاً وَرَاءَهُ جَعْدًا قَطَطًا أَعْوَرَ عَيْنِ الْيُمْنَى كَأَشْبَهِ مَنْ رَأَيْتُ بِابْنِ قَطَنٍ، وَاضِعًا يَدَيْهِ عَلَى مَنْكِبَيْ رَجُلٍ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَقُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوا الْمَسِيحُ الدَّجَّالُ .تَابَعَهُ عُبَيْدُ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ .أطرافه 3441، 5902، 6999، 7026، 7128

عبداللہ کہتے ہیں نبی پاک نے مسیحِ دجال کا تذکرہ کیا اور فرمایا بے شک اللہ اعور نہیں مگر دجال کی دائیں آنکھ کانی ہے گویا وہ اٹھا ہوا انگور ہو، نیز فرمایا اور میں نے خواب میں کعبہ کے پاس ایک گندمی رنگ کے آدمی کو دیکھا، گندمی رنگ کے حسین ترین افراد میں اس کا شمار ہوسکتا تھا اس کے سر کے بال شانوں تک لٹک رہے تھے سر سے (گویا) پانی ٹپکتا تھا دو آدمیوں کے شانوں پہ ہاتھ رکھے طوافِ کعبہ کر رہے تھے، میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا یہ مسیح بن مریم ہیں پھر ان کے پیچھے ایک سخت اور مڑے بالوں والے دائیں آنکھ سے کانے شخص کو دیکھا جو شکل میں ابن قطن سے بہت مشابہ تھا وہ بھی ایک شخص کے شانوں پہ ہاتھ رکھے طواف میں مصروف تھا، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا یہ مسیحِ دجال ہے۔

ذکرِ حضرت عیسی اور ذکرِ دجال میں ابن عمر کی روایت ہے جسے نافع کے طریق سے موصولاً اور معلقاً لائے ہیں، ایک دیگر طریق سالم کا ہے، موسی سے مراد ابن عقبہ ہیں۔

(بين ظهراني) یعنی لوگوں کے وسط میں بیٹھے ہوئے، مراد یہ کہ مستظہراً تھے نہ کہ مستخفیا، الف ونون کا تاکیداً اضافہ ہے یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک گروہ آنجناب کے آگے اور ایک گروہ پیچھے تھا یعنی دونوں جانب سے آپ کے گرد تھے، کثرتِ استعمال سے یہ لفظ اب مطلقاً اقامت کے معنی میں ہے شائد اسلئے بعض شراح نے اسے یہاں زائد سمجھا۔ (عنبة طافية) یعنی بارزة، طفا الشیءُ یطفا سے ہے، بغیر ہمزہ کے، جب ایک شئ دوسری سے عالی و بارز ہو، اس انگور سے تشبیہ دی جو عنقود سے الگ ہو، گویا وہ دوسروں سے نمایاں ہو جاتا ہے، اس بارے مزید تفصیل کتاب الفتن میں آئے گی۔ (أراني) صورتحال کی منظر کشی میں مبالغہ کے طور سے فعل مضارع استعمال کیا۔ (تضرب لمته) لام کی زیر کے ساتھ، سر کے بال جب شحمۃ الأذن سے متجاوز ہو جائیں اور کندھوں پر پڑنے لگیں، اگر کندھوں سے تجاوز کر جائیں تو جمہ اور اگر شحمۃ الأذن سے اوپر ہوں تو وفرہ کہلاتے ہیں۔ (رجل الشعر) جیم مکسور کے ساتھ یعنی تیل لگے اور کنگھی کئے ہوئے، مالک کی روایت میں ہے: (له لمة قد رَجلَها فهي تقطر ماء) پہلے ذکر ہوا کہ محتمل ہے کہ مراد یہ ہو کہ پانی جس سے بالوں کو سرخ کیا، کے قطرے گر رہے تھے یا یہ مزید نظافت و نضارت کا کنایہ ہے۔ سالم کی صفتِ عیسی میں (آدم سبط الشعر) کے الفاظ ذکر ہوئے، قبل ازیں جعد کا لفظ استعمال ہوا ہے جو سبط کی ضد ہے جس کی تطبیق یہ ممکن ہے کہ بال تو سبط ہیں جبکہ جعد بالوں کی نہیں بلکہ جسم کی صفت میں ہے، یہ اختلاف ان کے آدم یا احمر ہونے میں اختلاف کی نظیر ہے، عربوں کے نزدیک احمر اسے گردانا جاتا ہے جو شدید سفید مائل بسرخ رنگ کا ہو، جبکہ آدم سے مراد گندمی رنگ ہے، دونوں وصفوں کے مابین ایک تطبیق یہ دی جا سکتی ہے کہ اصل رنگ تو گندمی تھا مگر کسی عارضی سبب مثلاً تھکاوٹ وغیرہ کے سبب، (یا جب دھوپ میں نکلیں چونکہ تب چہرہ تمتما جاتا ہے) احمر نظر آتے، ابو ہریرہ نے آپکے احمر ہونے پر موافقت کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عمر کا انکار کسی ایسی شئ کا تھا جسے بعض نے یاد رکھا، تو داؤدی کا (آدم) کو اثبت قرار دینا حالانکہ ابن عباس اور ابو ہریرہ ابن عمر کی اس میں مخالفت کرتے ہیں، بغیر مستند کے ہے، عبدالرحمٰن بن

آدم عن ابی ہریرہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: (أنه مربوع إلى الحمرة و البياض)۔

(علی منكبی رجلين) دو آدمیوں کے کندھوں پہ ہاتھ رکھے ہوئے، بقول ابن حجر ان کے نام و پتہ معلوم نہ ہو سکے، مالک کی روایت میں (عواتق رجلين) کا لفظ ہے، یہ عاتق کی جمع ہے جو کندھے اور گردن کے درمیان کو کہتے ہیں (یعنی جہاں دونوں کا ملاپ ہوتا ہے)۔ (قطعاً) قاف اور طاء پر زبر مشہور ہے، پہلی طاء پر زیر بھی پڑھی گئی، مراد بالوں کا شدتِ جعودت، انسان کے متعدد اوصاف میں اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے ان میں سے کئی معرضِ ذم میں ہیں، مثلاً (جعد اليدين) اور (جعد الأصابع) یعنی بخیل، کو تاہ قد کے آدمی کو بھی یہ کہتے ہیں، بالوں میں اسکا استعمال مدح و ذم دونوں طریق سے ہے (یعنی بالوں کا گھنگھریلا ہونا کسی کو اچھا لگتا ہے اور کسی کو برا)۔

(بابن قطن) اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ (تابعه عبيد الله) یعنی ابن عمر المعروف بعمری، ان کی روایت احمد اور مسلم نے ابو اسامہ اور محمد بن بشر کے طریق سے صرف ذکرِ رجال میں (عنبة طافية) تک موصولاً نقل کی ہے مابعد حصہ ذکر نہیں کیا، اس سے پتہ چلا کہ امام بخاری متابعت کا لفظ اصلِ حدیث کی روایت و نقل میں استعمال کرتے ہیں نہ کہ سب تفصیل جو اس میں مذکور ہو۔ اسے مسلم نے (الإيمان اور الفتن) میں نقل کیا ہے۔

3441حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ قَالَ سَمِعْتُ إِبْرَاهِيمَ بْنَ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لاَ وَاللَّهِ مَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعِيسَى أَحْمَرُ وَلَكِنْ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ سَبْطُ الشَّعَرِ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ يَنْطِفُ رَأْسُهُ مَاءً أَوْ يُهَرَاقُ رَأْسُهُ مَاءً فَقُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوا ابْنُ مَرْيَمَ فَذَهَبْتُ أَلْتَفِتُ فَإِذَا رَجُلٌ أَحْمَرُ جَسِيمٌ جَعْدُ الرَّأْسِ أَعْوَرُ عَيْنِهِ الْيُمْنَى كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ قُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوا هَذَا الدَّجَّالُ وَأَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قَطَنٍ قَالَ الزُّهْرِيُّ رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ هَلَكَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ .أطرافه 3440،5902،6999،7026،7128

ابن عمر سے منقول ہے کہ کہا واللہ رسول اللہ نے حضرت عیسی کے بارہ میں یہ نہیں کہا کہ وہ سرخ ہیں البتہ یہ فرمایا کہ ایک دفعہ میں خواب میں طواف میں مصروف تھا کہ ایک گندمی رنگ کے لٹکے بالوں والا شخص طواف میں مصروف دکھائی دیا، آگے سابقہ مفہوم ہے۔ دجال کی بابت فرمایا پھر مجھے ایک اور شخص نظر آیا جو خوب موٹا، سرخ رنگ کا اور سر کے بال مڑے ہوئے تھے داہنی آنکھ سے کانا تھا۔ آگے سابقہ مفہوم ہے۔

شیخِ بخاری ازرقی ہیں ان کے دادا کا نام ولید بن عقبہ تھا بعض نے وہم کرتے ہوئے انہیں احمد قواس قرار دیا، اُنکے دادا عون تھے۔ (لا والله الخ) لعیسیٰ میں لام بمعنی (عن) ہے، اس کی نظیر یہ آیت ہے: (وقالَ الَّذِينَ كَفرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوُ كانَ خيراً ما سَبقُونا إليهِ) [الأحقاف : 11] اس انکارِ ابن عمر اور دوسرے راویوں کے اثبات کے مابین تطبیق بیان ہو چکی ہے، حدیث سے ظنِ غالب پر قسم اٹھا لینے کا ثبوت جواز ملا (کیونکہ وہ تو اپنی دانست میں درست بات پہ قسم اٹھا رہا ہے) ابن عمر کے خیال میں موصوف باحمر دجال تھا نہ کہ حضرت عیسی، انہیں خیال ہوا کہ چونکہ دونوں کا ایک مشترکہ وصف، مسیح بھی ہے شائد اس سے راوی کو غلطی لگی

کہ اس نے حضرت عیسی کو احمر روایت کر دیا جبکہ وہ دجال ہے۔ مسیح، حضرت عیسی کی نسبت سے وصفِ مدح جبکہ دجال کی نسبت سے وصفِ ذم ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ ابن عمر کے قسم اٹھانے کی وجہ یہ بھی تھی کہ چونکہ جزم کے ساتھ ان کی بابت آنجناب سے (آدم) لفظ سماعت کیا تھا (اور وہ بظاہر احمر کی ضد اور نقیض ہے) تو ان کیلئے قسم اٹھانا سائغ بنا۔

(بينا أنا نائم الخ) یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آنجناب کی یہ رؤیتِ انبیاء اس رؤیت سے مختلف و الگ ہے جسکا ذکر حدیثِ ابی ہریرہ میں ہوا، وہ شبِ معراج مین تھی اگرچہ معراج کی بابت بھی ایک قول یہ ہے کہ حالتِ منام میں تھا مگر یہ صحیح نہیں، عالم بیداری میں تھا۔ بعض کہتے ہیں دو یا اس سے بھی زائد مرتبہ معراج ہوا، اس بابت بحث اس کے مقام پہ آئیگی۔ عیاض لکھتے ہیں اس حدیث میں آنجناب کی جس رؤیتِ انبیاء کا ذکر ہے وہ اگر عالَمِ خواب میں تھی تب تو کوئی اشکال نہیں اگر یہ بیداری کی حالت میں ہے تب اس میں اشکال ہے، کتاب الحج میں اور آگے کتاب اللباس میں ابن عون عن مجاہد عن ابن عباس کے طریق سے اس روایت میں یہ زیادت بھی ہے: (و أما موسى فرجل آدم جعد على جمل أحمر مخطوم بخلبة، كأني أنظر إليه إذا انحدر في الوادي) یعنی گویا میں سرخ اونٹ پر سوار حضرت موسی کو اس وادی میں اترتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ بقول ابن حجر ان الفاظ سے اشکال میں اضافہ ہوا ہے، اس کے کئی اجوبہ ذکر کئے گئے ہیں، ایک یہ کہ انبیاء شہداء سے افضل ہیں مگر انہیں اللہ تعالی نے زندہ کہا ہے تو لازما انبیاء بھی اللہ کے ہاں زندہ ہوں گے اور اگر زندہ ہیں تو نماز و حج وغیرہ عبادات کی ادائیگی کرتے ہوں گے، جبتک یہ دنیا جو کہ دارِ تکلیف ہے، باقی ہے (یہ کہا جانا بھی ممکن ہے کہ یہ عبادت، عبادتِ تکلیف نہیں بلکہ عبادتِ شکرانہ ہے) دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آنجناب کیلئے ان کے بعض ان احوال کی منظر کشی کیگئی جو ان کی حالتِ حیات میں طاری ہوئے تھے، تو آپ کیلئے وہ ممثّل کئے گئے کہ کیسے نمازیں پڑھتے اور کیسے حج کرتے تھے، اسی لئے مسلم کے ہاں ابو العالیۃ عن ابن عباس کی روایت میں ہے: (كأني أنظر إلى موسى و كأني أنظر إلى يونس)۔ تیسرا جواب یہ کہ آپ نے یہ ساری باتیں وہ بیان فرمائیں جن سے بذریعۂ وحی آپکو آگاہ کیا گیا، اسی لئے حرفِ تشبیہ (كأني) استعمال فرمایا، اور جہاں یہ موجود نہیں وھاں انہیں روایات پر محمول سمجھا جائے گا جن میں مذکور ہے۔

بیہقی کی حیاتِ انبیاء فی القبور کے موضوع پر کتابِ لطیف ہے جس میں حضرت انس کی یہ روایت بھی نقل کی ہے: (الأنبياء أحياءٌ في قبورهم يصلون) کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نمازیں ادا کرتے ہیں، اسے یحیی بن ابو کثیر کے طریق سے روایت کیا ہے جو صحیح کے رجال میں سے ہیں، وہ مستلم بن سعید سے راوی ہیں، انہیں احمد و ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے، وہ حجاج اسود سے راوی ہیں جو ابن ابی زیاد بصری ہیں، احمد اور ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے یہ ثابت اور وہ حضرت انس سے روایت کنندہ ہیں، اسے ابو یعلی نے بھی اپنی مسند میں اسی طریق سے نقل کیا ہے، بزار نے بھی تخریج کیا لیکن انہوں نے وہم کا شکار بنتے ہوئے بجائے حجاج اسود کے حجاج صواف لکھ دیا۔ بیہقی نے حسن بن قتیبۃ عن المستلم کے طریق سے بھی تخریج کیا ہے، اسی طرح بزار اور ابن عدی نے بھی۔ حسن بن قتیبہ ضعیف ہیں، بیہقی نے محمد بن عبدالرحمٰن بن ابو لیلی جو یکے از فقہائے کوفہ ہیں، عن ثابت کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے اس کے الفاظ ہیں: (إن الأنبياء لا يُترَكون في قبورهم بعد أربعين ليلةً ولكنهم يصلون بين يدي الله حتى ينفخ في الصور) کہ انبیاء چالیس راتوں کے بعد قبروں میں نہیں چھوڑے جاتے بلکہ وہ اللہ کے حضور میں نمازوں میں لگے ہیں حتی کہ صور پھونکا جائے گا، لیکن محمد مذکور سیء الحفظ ہیں۔ غزالی پھر رافع نے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے جس میں آنجناب کا یہ قول ہے: (أنا أكرم علىٰ

ربی من أن یتر کنی فی قبری بعد ثلاث ولا أصلی له) تو اگر یہ ابن ابی لیلی کی اس روایت سے ماخوذ ہے تو یہ اخذِ جید نہیں، کیونکہ ان کی روایت تو قابلِ تاویل ہے جو بیہقی نے یہ ذکر کی کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو مفہوم یہ ہے کہ انہیں نہیں ترک کیا جاتا کہ نماز ادا کریں مگر یہ مقدار پھر وہ اللہ کے حضور میں نماز میں مشغول ہیں(أنهم لا یتر کون یصلون إلا هذا المقدار ثم یکونون مصلین بین یدی الله)۔

بیہقی لکھتے ہیں پہلی حدیث کا شاہد مسلم کی حماد بن سلمۃ عن ثابت عن انس کی حدیثِ مرفوع کا یہ جملہ ہے، آنجناب فرماتے ہیں کہ میرا گزر شب معراج موسیٰ سے ہوا جو سرخ ٹیلے کے پاس بنی اپنی قبر میں ادائیگی نماز میں مشغول تھے، اگر کوئی کہے کہ یہ حضرت موسی کے ساتھ خاص ہے تو ہم کہیں گے ہمیں مسلم کے ہاں حدیثِ ابی ہریرہ سے اس کا ایک شاہد ملا ہے جسے عبداللہ بن فضل عن ابی سلمۃ کے حوالے سے نقل کیا، اس میں ہے (لقد رأیتنی فی الحجر و قریش تسألنی عن مسرایَ) کہ میں حطیم میں بیٹھا تھا قریش میرے دعوائے معراج واسراء کے بارہ میں میں مختلف سوال کر رہے تھے، اس میں آگے یہ الفاظ ہیں، (و قد رأیتنی فی جماعة من الأنبیاء فإذا موسی قائم یصلی) کہ اپنے آپ کو انبیاء کی ایک جماعت میں دیکھا، پھر دیکھا کہ حضرت موسی کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، اس میں حضرت عیسی کے بارہ میں بھی یہی الفاظ ہیں کہ کھڑے نماز میں مشغول تھے، ان کے بارہ میں مزید فرمایا کہ عروہ بن مسعود سے بہت مشابہ نظر آئے، اسی طرح حضرت ابراہیم کی بابت بھی (قائم یصلی) کے الفاظ ہیں، پھر فرمایا: (فحانت الصلاة فأممتهم) کہ نماز کا وقت ہوا تو میں نے امامت کرائی، سعید بن میسّب عن ابی ہریرۃ کی روایت میں ہے کہ آپ کی ان سے بیت المقدس میں ملاقات ہوئی، وہیں امامت کرائی پھر بیت المقدس میں ہی ان کا اجتماع (یعنی جلسہ) ہوا۔

ابوذر اور مالک بن صعصعہ کی حدیثِ معراج میں ہے کہ آسمانوں میں ان سے ملاقات ہوئی تو اسے اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ نماز پڑھتے حضرت موسی کو ان کی قبر میں دیکھا پھر معراج ہوا تو آسمانوں پر ان سے اور کئی دیگر انبیاء سے جنکا ذکر آیا، سے ملاقات ہوئی پھر بیت المقدس میں انبیاء کا اجتماع ہوا، وہاں آپ کی امامت میں نماز ادا کیگئی، مختلف اوقات اور مختلف اماکن میں انبیاء کی نمازیں عقلی لحاظ سے بھی قرینِ قیاس ہیں، از روئے نقل بھی ثابت ہے تو یہ ان کی حیات کی دلیل ہے۔ انتھیٰ ما قالہ البیہقی۔ اس پر ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ نظری لحاظ سے بھی انبیاء کرام کی حیات فی القبور ثابت ہے کیونکہ شہداء کے بارہ میں قرآن کہتا ہے کہ رب کے ہاں زندہ ہیں تو انبیاء کرام بھی زندہ ہو سکتے ہیں، اس کے شواہد میں ابو داؤد کی ابو ہریرہ سے مروی یہ حدیثِ مرفوع بھی ہے کہ تمہارا مجھ پر درود پڑھنا، جہاں بھی تم ہو۔ مجھ تک پہنچ جاتا ہے، اس کی سند صحیح ہے، ابوالشیخ نے کتاب الثواب میں بسند جید یہ الفاظ روایت کئے ہیں: (مَن صلّی علیَّ عند قبری سمعته و مَنْ صلی علیَّ نائِیاً بُلِّغْتُه) کہ جس نے میری قبر کے پاس آ کر درود پڑھا اسے تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور کہیں درود کہا تو اسے مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے، ابو داؤد اور نسائی کی اوس بن اوس سے مرفوع حدیث جسے ابن خزیمہ وغیرہ نے صحیح قرار دیا، میں ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کہ یہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، صحابہ نے پوچھا حضور آپ تو فوت ہو چکے ہوں گے پھر کیسے آپ پر پیش کیا جائے گا؟

فرمایا اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے اجساد کو کھائے (یعنی مٹی کر دے)۔ اس میں ایک اشکال ایک دیگر طریق سے ابو داؤد کی نقل کردہ حدیثِ ابی ہریرہ مرفوع کی نسبت سے پیدا ہوتا ہے جس میں ہے کہ جب کوئی مجھ پر سلام کہے گا تو اللہ میری روح

لوٹا دیا کریگا کہ اس کے سلام کا جواب دوں، اس کے رواۃ ثقات ہیں۔

علماء نے اس کے متعدد جواب دئے ہیں، ایک یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دفن کرنے کے بعد اللہ نے آپ کے جسدِ اطہر میں روح لوٹا دی ہے یہ نہیں کہ ہر سلام کا جواب دینے کے بعد روح اپنے مستقر کی طرف لوٹ جاتی ہے پھر اگلے سلام کا جواب دینے کیلئے دوبارہ آجاتی ہے (ویسے بھی روضۂ رسول پر رات و دن ہمہ وقت درود و سلام پیش کرنے والوں کا ہجوم رہتا ہے) دوسرا جواب بعض نے یہ دیا ہے کہ ہم بار بار آنجناب کی روح مبارک کا منتزع کیا جانا تسلیم کرتے ہیں مگر یہ نزعِ موت نہیں (یعنی موت کے وقت روح قبض کئے جانے کی طرح نہیں، اس میں مشقت نہیں) تیسرا جواب یہ کہ روح سے مراد فرشتہ ہے جو لوگوں کے سلامات کا جواب دینے پر مقرر ہے، بعض نے یہ تاویل بھی کی ہے کہ آپ امورِ ملأ اعلیٰ میں مستغرق ہیں جب کوئی سلام کہتا ہے تو اس اعادہِ روح سے مراد آپکی توجہ کا اس طرف مبذول کیا جانا ہے تا کہ آپ سلام کا جواب دیں، ایک تاویل یہ کیگئی ہے کہ روح سے مراد نطق ہے، چوتھی تاویل کے ضمن میں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ درود و سلام تو زمین کے اطراف واکناف میں ہمہ وقت جاری وساری ہے، امورِ ملأ اعلی میں آپ کا استغراق اور پھر ان درود و سلامات کی تلقی کیلئے آپ کا اس استغراق کو چھوڑنا ایک کارِدارد عملِ مکرّر رہے تو پھر استغراق گویا کالعدم ہوا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عقل امورِ آخرت کا ادراک واحاطہ نہیں کرسکتی اور برزخ کے احوال بھی انہیں سے مشابہ ہیں۔ (ینطف أو الخ) راوی کو شک ہے کہ کون سا لفظ استعمال کیا، ینطف بمعنی یقطر ہے، اسی سے نطفہ ماخوذ ہے، بعض کے مطابق نطفۃ الماء الصافی کو کہا جاتا ہے۔

(أعور عینه الیمنی) یہ ترکیبِ اضافی ہے، اکثر کے ہاں عینہ مجرور ہے، اضافتِ موصوف الی صفت بنتی ہے جو کوفیوں کے نزدیک جائز ہے، بصری اس قسم کی تراکیب جہاں اضافت موصوف الیٰ صفت ہو، میں کوئی لفظ مقدر قرار دیتے ہیں، مثلاً یہاں (عین صفحة وجهه الیمنیٰ) کہتے ہیں۔ سہیلی کے نسخہ میں (عینه) پیش کے ساتھ مروی ہے گویا ان کے ہاں (أعور) پر وقف ہے اور آگے کا جملہ جو خبر ہے، عینہ سے شروع ہوتا ہے، لیکن یہ محلِ نظر ہے کیونکہ اس کی شکل یہ ہو جائیگی گویا یہ عبارت ہو: (عینه كأن عینه الخ)، اس کا مرفوع ہونا اس وجہ سے بھی مؤول ہوسکتا ہے کہ وہ اعور میں ضمیر سے جو راجع علیٰ موصوف ہے، بدل ہو، تو یہ بدلِ بعض من کل ہوگا۔ سہیلی لکھتے ہیں اس کا مرفوع بصفت ہونا جائز نہیں جیسا کہ صفتِ مشبہ بطور اسمِ فاعل مرفوع ہوتی ہے کیونکہ اعور کا لفظ صرف مذکر کی ہی صفت بن سکتا ہے (جبکہ۔ عین۔ کا لفظ مؤنث ہے) البتہ اس کا بطورِ مبتدا مرفوع ہونا جائز ہے، مابعد اس کی خبر بنے گی، (كأن عنبة طافية) اسمِ کأن ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جبکہ خبر محذوف ہے جس کی تقدیر (فی وجهه) ہوسکتی ہے۔ غیر کشمیہنی کے نسخوں میں: (كأن عینه الخ) ہے۔

(قال الزهری رجل الخ) ابن حجر لکھتے ہیں ابن قطن کا نام عبدالعزی بن قطن بن عمرو بن جندب بن سعید بن عائذ بن مالک بن مصطلق تھا، اس کی والدہ ہالہ بنت خویلد تھی۔ دمیاطی اسے ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ یہ اکثم بن ابوالجون کے بارہ میں بھی منقول ہے، یہ بھی کہ اس پر انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا اس کی مشابہت میرے لئے ضرر رساں ہے؟ فرمایا نہیں تم مسلمان ہو وہ کافر، اسے ابن سعد نے نقل کیا ہے، ابن حجر کہتے ہیں معروف یہ ہے کہ جس کے ساتھ آنجناب نے انہیں تشبیہ دی تھی وہ اکثم بن عمرو بن لحی جدِ خزاعہ ہیں نہ کہ دجال، احمد وغیرہ نے یہی ذکر کیا، اس سے یہ بھی دلالت ملی کہ دجال کی بابت آنجناب کا یہ فرمان کہ وہ مکہ مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا، کا تعلق اس کے زمانۂ خروج سے ہے، ماضی میں کبھی اس کے مکہ یا مدینہ میں داخل ہونے کی نفی نہیں ہے، واللہ اعلم۔ (گویا بظاہر

ابن حجر کے نزدیک دجال اس دنیا میں موجود ومخلوق ہے، لیکن نبی پاک کے اس خواب کی نسبت یہ بھی کہا جانا ممکن ہے کہ لازمی نہیں اس کی تعبیر یہ ہو کہ دجال نے طوافِ کعبہ کیا یا کریگا، کوئی دیگر تعبیر بھی محتمل ہوسکتی ہے)۔ یہ حدیث امام بخاری کے افراد میں سے ہے۔

3442 حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضى الله عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِابْنِ مَرْيَمَ، وَالأَنْبِيَاءُ أَوْلاَدُ عَلاَّتٍ، لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ .طرفاه 3443، 3443

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں نبی پاک نے فرمایا میں ابن مریم کا زیادہ حقدار ہوں اور انبیاء علاتی بھائیوں کی مانند ہیں میرے اور عیسی کے درمیان کوئی نبی نہیں۔

تین طرق سے حدیثِ ابی ہریرہ نقل کی ہے، دو طرق موصول اور ایک معلق ہے۔ (أولى الناس بابن مريم الخ) عبدالرحمٰن بن ابومریم عن ابی ہریرہ سے روایت میں: (في الدنيا والآخرة) کے الفاظ بھی ہیں، مفہوم یہ کہ ان سے قریب ترین (اور ان کے ساتھ ایک قریبی نسبت والے) کیونکہ انہی نے بشارت دی کہ ان کے بعد آپ خاتمِ انبیاء بنکر مبعوث ہوں گے، کرمانی لکھتے ہیں حدیثِ ہذا اور آیتِ قرانی: (إِنَّ أَولَى النَّاسِ بِإبراهِيمَ لِلَّذِينَ اتَّبَعُوه و هذا النَّبِيُّ) [آل عمران : ٦٨] کے مابین تطبیق یہ ہے کہ حدیث آنجناب کی صفتِ متبوعیت کو متناول ہے اور آیت میں آپ کا بحیثیتِ تابع تذکرہ ہے، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں مساقِ حدیث مساقِ آیت ہی کی طرح ہے لہٰذا اس تفرقہ پر کوئی دلیل نہیں اور حق یہ ہے کہ دونوں کے مابین کوئی تعارض ہی نہیں کہ کسی تاویل کی ضرورت پڑے جس طرح آب اولی الناس بابراہیم ہیں اسی طرح آپ اولی الناس بعیسیٰ ہیں (یعنی کسی ایک کے اولی الناس بہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اب آپ کسی اور کے اولی الناس بہ نہیں ہو سکتے) حضرت ابراہیم کے ساتھ آپ کی نسبت من جہۃ قوۃ الاقتداء بہ ہے جبکہ حضرت عیسی کے ساتھ اس جہت سے کہ آپ ان کے قریب العہد ہیں (اور آپکے اور ان کے مابین کوئی اور نبی نہیں آئے)۔

(والأ نبياء أولاد علات) عبدالرحمٰن کی مذکورہ روایت میں (إخوة لِعلات) کی ترکیب ہے، علات ضرائر (یعنی سوکنوں) کو کہتے ہیں، اصلاً یہ عَلَل سے ہے یعنی ایک بار شرب کے بعد پھر شرب کرنا، تو ایک بیوی کی موجودی میں ایک اور خاتون سے شادی کرنے والا گویا (عَلَّ منها)۔ (یعنی پھر سیرابی حاصل کی) اصطلاحاً ایک باپ کے مختلف امہات والے بیٹے علاتی کہلاتے ہیں، عبدالرحمٰن کی روایت میں صراحت سے ہے کہ (أمهاتهم شتىٰ و دينهم واحد)، سب کے دین کی اصل ایک ہے یعنی توحید، اگرچہ فروعِ شرائع اپنی اپنی ہیں بعض نے اس سے اختلافِ ازمنہ کی طرف اشارہ مراد لیا ہے۔

(ليس بيني الخ) یہ بات اپنے اولی الناس بہ ہونے کی دلیل کے طور سے فرمائی۔ عبدالرحمٰن بن آدم کی روایت میں (لأنه) بھی مستعمل ہے (یعنی اداۃِ علت)، اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جناب عیسی اور ہمارے نبی کے درمیانی عرصہ میں کوئی نبی مبعوث نہیں کیا گیا، بقول ابن حجر یہ محلِ نظر ہے کیونکہ ذکر گزرا ہے کہ سورۂ یٰس میں جن تین رسل کے ایک اہلِ قریہ کی طرف بعثت کا ذکر ہے وہ سیدنا عیسی کے اَتباع میں سے تھے، اور جرجیس وخالد بن سنان جو دو نبی تھے، کا زمانہ بھی حضرت عیسی کے بعد کا ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیثِ ہذا ان تمام اقوال و آراء (کہ یہ حضرات نبی تھے) کو ضعیف قرار دیتی ہے، یہ بلا تردُد صحیح (اور غیر محتاج للتاویل) ہے، دیگر اس کے منافی اقوال و آراء میں مقال ہے، یا مراد یہ ہے کہ حضرت عیسی کے بعد کوئی نبی مستقل شریعت لیکر نہیں آئے، بعد از

حضرت عیسی آنجناب کے زمانۂ بعثت تک جو بھی مبعوث ہوئے سب عیسوی شریعت کے تابع اور اس کی تقریر و تائید کرنیوالے تھے، ابن حجر کے بقول خالد بن سنان کی نبوت کی بابت حاکم کی المستدرک میں ابن عباس سے ایک روایت منقول ہے، اس کے طرق کو میں نے صحابہ کے بارہ میں اپنی کتاب (الإصابة فی تمییز الصحابة کی طرف اشارہ کر رہے ہیں) میں ان کے موضعِ ترجمہ میں جمع کیا ہے۔ یہ افرادِ امام میں سے ہے۔

3443حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا هِلاَلُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِى عَمْرَةَ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِى الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَالأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلاَّتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى، وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ .طرفاه 3442، 3443۔ 3443م وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ .طرفاه 3442، 3443

ابو ہریرہ راوی ہیں کہ نبی اکرم نے فرمایا میں ابن مریم کا زیادہ حقدار ہوں دنیا اور آخرت دونوں میں، اور انبیاء علاتی بھائیوں کی مانند ہیں جنکی مائیں مختلف ہوں لیکن دین واحد ہے۔

سابقہ روایت کے دو اور طریق ذکر کیے ہیں، ایک موصول اور (وقال ابراہیم الخ) کے حوالے سے معلق طریق۔

3444وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ رَأَى عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَجُلاً يَسْرِقُ، فَقَالَ لَهُ أَسَرَقْتَ قَالَ كَلاَّ وَاللَّهِ الَّذِى لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ .فَقَالَ عِيسَى آمَنْتُ بِاللَّهِ وَكَذَّبْتُ عَيْنِى

ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا حضرت عیسی کی نظر ایک چور پہ پڑی، کہنے لگے تو چوری کر رہا ہے؟ وہ بولا ہرگز نہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، حضرت عیسی بولے میں نے اللہ کے نام کے ساتھ کہی بات کو تسلیم کیا اور اپنی آنکھوں کو جھٹلاتا ہوں۔

اسے بھی دو طریق، ایک موصول اور ایک معلق، کے ساتھ لائے ہیں، ابراہیم کی یہ معلق روایت نسائی نے احمد بن حفص نیشاپوری عن ابیہ عنہ کے واسطہ سے موصول کی ہے، احمد بھی بخاری کے شیوخ میں سے ہیں۔ (و کذبت عینی) بعض نے یائے مشدد یعنی بصیغۂ تثنیہ اور بعض نے بصیغۂ مفرد روایت کیا ہے، مستملی کے نسخہ میں (کذبت) مخفف من الثلاثی اور عینی بطورِ فاعل ہے، مسلم کی روایت میں (و کذبت نفسی) ہے، ابن طہمان کی روایت میں (بصری) ہے، ابن تین لکھتے ہیں حضرت عیسی نے یہ بات اس حالف کی تصدیقِ مبالغ کرتے ہوئے فرمائی، جہاں تک آپ کے (و کذبت عینی) کا تعلق ہے تو اس سے حقیقتِ تکذیب کا رد نہیں ہوتا، آپکی مراد تھی کہ (فی غیر ھذا) میں اپنی آنکھ کا دیکھا مکذَّب قرار دیتا ہوں۔ ابن جوزی اس توجیہہ کو بعید قرار دیتے ہیں، کسی نے یہ توجیہہ بیان کی ہے کہ آپکی اس تصدیق و تکذیب سے مراد ظاہر الحکم تھا نہ کہ باطن الامر، وگرنہ مشاہدہ تو نہایت اعلی درجہ کا یقین ہے، آدمی اپنی آنکھوں دیکھے کو کیسے جھٹلا سکتا ہے۔

یہ بھی محتمل ہے کہ آپ نے اسے کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر اولاً چوری کا گمان کیا ہو مگر اس کے حلف اٹھانے پر کہ

ایسا قطعا ارادہ نہ تھا، اپنے اس گمان کی تکذیب کی (یعنی اسے اپنی غلط فہمی قرار دیا) ، قرطبی اس بابت لکھتے ہیں حضرت عیسی کا قول:(سرقت) اس کیے چور ہونے کی خبر جازم تھی کیونکہ آپ نے کسی چیز کو اسے اپنے قبضہ میں لیتے دیکھا مگر جب اس نے (کلا) کہہ کر پھر قسم اٹھا کر نفی کی تو آپ نے مذکورہ بات کہی، تو مراد یہ ہے کہ اس نے کوئی چیز تو ضرور اپنے قبضہ میں کی تھی جسے آپ نے چوری سمجھا مگر اس نے قسم کھا کر وضاحت کی کہ یہ اخذ چوری کے طریق سے نہیں، یعنی ممکن ہے اس نے اس کے مالک سے قبل ازیں اجازت لے رکھی ہو یا صرف چیز کو دیکھنے کی غرض سے پکڑا ہو، کہتے ہیں یہ بھی محتمل ہے کہ سرقت، دراصل سوالیہ جملہ ہو یعنی اس سے قبل حرفِ استفہام مقدر ہو (تو اردو میں اس کا ترجمہ یوں کرینگے: چوری کی ہے؟) اور یہ کثیر الاستعال والوقوع ہے، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ اس جملہ کا استفہامیہ ہونا بعید ہے کیونکہ حدیث کے شروع میں جزم کے ساتھ ہے کہ وہ شخص چوری کر رہا تھا: (کان یسرق)۔

ابن قیم اِغاثۃ اللھفان میں لکھتے ہیں حق یہ ہے کہ حضرت عیسی کے دل میں یہ بات تھی کہ اللہ تعالی کے نام کیساتھ کوئی شخص جھوٹا حلف نہیں اٹھا سکتا تو معاملہ اس حالف پر تہمت دھرنے اور تہمتِ بصر کے مابین دائر تھا تو اس کے بنامِ خدا حلف کا احترام کرتے ہوئے اپنی نظر کو جھٹلا دینا منظور کیا (یعنی گمان کیا کہ یہ نظر کا دھوکہ تھا) اس کی نظیر حضرت آدم کا شیطان کو سچا گمان کرنا جب اس نے بھی حلف بنام خدا اٹھایا کہ اس درخت کی بابت جس کے قریب جانے سے روکا ہے، درست کہہ رہا ہے، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ بھی تکلف میں قاضی عیاض کی تاویل سے کم نہیں اور یہ تشبیہِ مذکور غیر مطابق ہے۔ اس سے شبہ کی بنیاد پر درءِ حد پر بھی استدلال کیا گیا ہے، اسی طرح قاضی کے خود اپنی معلومات کی بنیاد پر فیصلہ کے منع ہونے پر بھی، شافعیہ کے ہاں سوائے حدود کے قضاء بالعلم جائز ہے اور حضرت عیسی کا یہ واقعہ حدود سے ہی متعلق ہے، اس کی مبسوط بحث کتاب الأحکام میں ہوگی۔ اسے مسلم نے بھی نقل کیا ہے۔

3445 حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يَقُولُ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ سَمِعَ عُمَرَ ؓ يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لاَ تُطْرُونِى كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ۔ أطرافه 2462، 3928، 4021، 6829، 6830، 7323۔

ابن عباس راوی ہیں کہ حضرت عمر نے منبر پر کہا کہ میں نے نبی پاک کو فرماتے سنا میری تعریف میں اسطرح کی مبالغہ آمیزی نہ کرنا جیسے نصاری نے ابن مریم کی بابت کیا، بے شک میں اس کا بندہ ہوں، یہی کہو کہ اللہ کا بندہ و رسول۔

سفیان سے مراد ابن عیینہ ہیں۔ (لا تطرونی) اطراء سے مراد مدح بالباطل یعنی مبالغہ آمیز تعریف و توصیف کرنا۔ (کما أطرت الخ) ان کیے ان کی بابت دعوائے الوہیت کی طرف اشارہ ہے، یہ حدیثِ سقیفہ کا حصہ ہے جسے امام بخاری نے مطولا کتاب المحاربین میں نقل کیا ہے، فیما مضیٰ بھی مختلف مقامات میں اس کے کئی اطراف نقل کئے ہیں۔

3446 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ أَخْبَرَنَا صَالِحُ بْنُ حَيٍّ أَنَّ رَجُلاً مِنْ أَهْلِ خُرَاسَانَ قَالَ لِلشَّعْبِيِّ .فَقَالَ الشَّعْبِيُّ أَخْبَرَنِى أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِى مُوسَى الأَشْعَرِيِّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَدَّبَ الرَّجُلُ أَمَتَهُ فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا، وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا، كَانَ لَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا آمَنَ بِعِيسَى ثُمَّ آمَنَ بِى، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَالْعَبْدُ إِذَا اتَّقَى رَبَّهُ

وَأَطَاعَ مَوَالِيَهُ، فَلَهُ أَجْرَانِ أطرافه 97، 2544، 2547، 2551، 3011، 5083

ابوموسی اشعری سے روایت ہے کہ نبی پاک نے فرمایا جب کوئی اپنی لونڈی کو اچھی تعلیم وتربیت دے پھر اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لے تو اس کے لئے دہرا اجر ہوگا اسی طرح جو عیسیٰؑ پہ ایمان لایا پھر مجھ پہ بھی اس کیلئے بھی دہرا اجر ہے اور غلام جب اللہ سے بھی ڈرے اور اپنے آقاؤں کی اطاعت کرے اس کے لئے بھی دہرا اجر ہے۔

عبداللہ سے مراد ابن مبارک ہیں۔ (قال للشعبی الخ) سوال محذوف ہے، حبان بن موسیٰ عن ابن مبارک کی روایت میں مذکور ہے وہ یہ کہ اسنے کہا ہمارے ہاں اپنی آزاد کردہ ام ولد سے شادی کرنے والے کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی حج کی قربانی کے اونٹ پر سواری کی ہے، اس پر شعبی نے یہ حدیث بیان کی، اسے اسماعیلی نے تخریج کیا ہے۔ (إذا أدب الرجل الخ) اس پر کتاب النکاح میں تفصیلی بحث ہوگی۔ (و إذ آمن الرجل الخ) اس کے مباحث کتاب العلم میں بیان ہو چکے ہیں، اس سے یہ اشارہ بھی ملا کہ حضرت عیسی اور ہمارے نبی علیہ السلام کے درمیانی عرصہ میں کوئی نبی نہیں آیا۔ (والعبد إذا اتقى الخ) اس کی بحث کتاب العتق میں گزری ہے۔

3447 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ النُّعْمَانِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تُحْشَرُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا، ثُمَّ قَرَأَ (كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ) فَأَوَّلُ مَنْ يُكْسَى إِبْرَاهِيمُ، ثُمَّ يُؤْخَذُ بِرِجَالٍ مِنْ أَصْحَابِي ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ فَأَقُولُ أَصْحَابِي فَيُقَالُ إِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ، فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ (وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ) إِلَى قَوْلِهِ (الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ) قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ ذُكِرَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَنْ قَبِيصَةَ قَالَ هُمُ الْمُرْتَدُّونَ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَى عَهْدِ أَبِي بَكْرٍ، فَقَاتَلَهُمْ أَبُو بَكْرٍ رضى الله عنه. أطرافه 3349، 4625، 4626، 4740، 6524، 6525، 6526۔ (اسی جلد کا سابقہ نمبر)

سفیان سے مراد ثوری ہیں۔ (إنكم محشورون الخ) کتاب الرقاق میں اس بارے بحث ہوگی۔ (ذكر عن أبی عبد الله) یعنی امام بخاری۔ (عن قبيصة) یہ ابن عقبہ ہیں، امام کے شیوخ میں سے ہیں یعنی انہوں نے حدیث کے الفاظ (من أصحابی) کو ماقبلِ ردة کے اعتبار پر محمول کیا تھا نہ کہ وہ جو اسی حالت پر مرے، بلا شبہ مرتد ہونے والے سے صحابی کا اسم سلب ہو جائے گا اور وہ اس شرف سے محروم سمجھا جائے گا، اسماعیلی نے یہ روایتِ مذکور ابراھیم بن موسیٰ عن اسحاق عن قبیصة عن سفیان ثوری کے طریق سے تخریج کی ہے۔

علامہ انور حدیث کے الفاظ: (ثم رأيت رجلا يطوف --- هذا المسيح الدجال) کی نسبت سے لکھتے ہیں کہ اس بدبخت کی نیت طواف کی نہ تھی لیکن چونکہ اس کی مہم جوئی بعد از ظہور یہ ہوگی کہ حضرت عیسی کے اقدامات پر پانی پھیرنے کی کوشش کرے تو

خواب میں آنجناب کو حضرت عیسی کے پیچھے پیچھے اس کا طواف کرنا اسی طرف اشارہ تھا، کہتے ہیں دل میں بات کھٹک سکتی ہے کہ بعض رواۃ نے اس کے طواف کو روایت میں ذکر نہیں کیا، بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے تو کچھ بُعد نہیں کہ اس کا ذکر بعض رواۃ کا وہم ہو۔ قاضی عیاض نے ذکر کیا ہے کہ مالک کی روایت میں طواف مذکور نہیں، آگے اس بارے مبسوط اظہار خیال کریں گے۔ (الأنبیاء أولاد علات الخ) کی بابت کہتے ہیں کہ یعنی وہ عقائد میں متحد ہیں اگرچہ فروع میں فرق ہے۔

(آمنت باللہ الخ) کی بابت لکھتے ہیں اگر تم کہو حضرت عیسیٰ نے اپنی آنکھوں دیکھی بات کو کیونکہ جھٹلایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کئی دفعہ ایک یقینی اور آنکھوں دیکھی کا منکر اس شد و مد اور حلف باللہ کے ساتھ انکار کرتا ہے کہ دیکھنے والے کے ذہن میں شک و تردد پیدا ہو جاتا ہے وہ سوچنے لگ جاتا ہے کہ شائد اسے دیکھنے میں کوئی غلطی لگی ہے اور نظر کثیر اوقات مغالطہ دے ہی جاتی ہے، متحرک کو ساکن اور ساکن کو متحرک دکھلا دیتی ہے تو یقیناً جب اس نے اللہ کے نام کے ساتھ حلف اٹھا کر جس کے ذکر سے اہل ایمان وتقوی کے جلود مقشعر ہو جاتی ہیں، چوری سے انکار کیا تو سیدنا عیسیٰ نے اسے اپنی آنکھوں کا مغالطہ قرار دے ڈالا،

(لا تطرونی کما الخ) کی نسبت سے رقمطراز ہیں کہ حدیث ہذا نے ان کی بابت قرآن کی طرح اسلوبِ مشدد استعمال نہیں کیا اور حضرت عیسی کی بابت ان کے دعوائے الٰہیت کو فقط اطراء سے تعبیر کیا کیونکہ اس میں امکانِ تاویل کی گنجائش موجود ہے کہ وہ وحدت الوجود وغیرہ کا ادعاء کریں لیکن دوسری کئی احادیث میں وہی قرآن والا سخت اسلوب مستعمل ہے۔ فائدہ کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ وحدت الوجود میں کوئی حرج نہیں یہ بعض صوفیاء کے ہاں ایک نظریہ ہے جس کے مطابق ان کا دعوی ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں وجودِ ذات باری تعالی متحقق ہے لہٰذا اس گروہ کے بعض صوفیاء نے جب انا الحق وغیرہ الفاظ کہے تو انہیں قابلِ تاویل سمجھا گیا کہ یہ دراصل اپنے وجود کے اندر پنہاں ذات باری تعالی کی شانِ اقدس کی بابت کہے، نہ کہ اپنے بارہ میں۔

شاہ انور کہتے ہیں ممکن ہے ایسا ہی ہو مگر اسے بابِ عقائد کہ جن پر ایمان لانا واجب ہے، میں سے بنا لینا جہل ہے کیونکہ غایت مافی الباب یہ ہے کہ یہ ایک شئ ہے جو مکاشفاتِ اولیاء سے متعلقہ ہے اور اس کا خلاف بھی ثابت ہے، ایمان صرف وحی کے ذریعہ نازل شدہ اشیاء پر ہی لایا جائے گا، (وإذا آمن بعیسی الخ) کے تحت رقمطراز ہیں کہ سوائے بخاری کے اس طریق کے بخاری کے تمام طرق میں (آمن بأهل الکتاب) کا جملہ ہے تو اس طریق میں صرف حضرت عیسی پر ایمان مذکور ہے، اسی وجہ سے بعض نے دہرے اجر کا مستحق انہی کو قرار دیا ہے جو آنجناب پر ایمان لانے سے قبل حضرت عیسی کے امتی تھے، یہود چونکہ ان پر ایمان نہ لائے تھے لہٰذا وہ دہرے اجر کے مستحق نہیں، انکا رد یہ کہہ کر کیا جائے گا کہ حدیث آیت سے ماخوذ ہے اور وہ حضرت عبداللہ بن سلام کے بارہ میں نازل ہوئی تھی، جو یہودی تھے تو اس قضیہِ حدیث سے ان کا اخراج کیونکر ممکن ہے جبکہ وہی موردِ نص ہے۔ کتاب العلم کی اس بحث میں ہم نے اس اشکال کا مبسوط جواب دیا تھا (هم المرتدون) کی بابت کہتے ہیں کہ اس سے مراد (هم المبتدعون) ہے، مرتدین کا لفظ تو سیاقِ حدیث میں مذکور ہو گیا کیونکہ جن لوگوں کو آنحضور کی معرفت تھی وہ فقط یہی تھے (اور یہ چونکہ مرتد تھے لہٰذا ان تمام لوگوں پر جو روز قیامت حوضِ کوثر سے ہٹا دیئے جائینگے، مرتدین کے لفظ کا اطلاق کیا) حاشیہ میں مولانا بدر علامہ عینی شارحِ بخاری کے حوالے سے لکھتے ابو عمر کا قول ذکر کرتے ہیں کہ حوضِ کوثر سے مطرود کئے جانیوالوں میں تمام بدعتی، گمراہ فرقے از قسم خوارج، رافضی اور تمام اہلِ اہواء ہیں، اسی طرح وہ ظالم بھی جو ظلم وتعدی میں حدیں پھلانگ گئے اور کبائر کے مرتکبین بھی۔ علامہ انور لکھتے ہیں مراد ہر وہ شخص جس نے دین کو

تبدیل کر دیا، اس طرف آنجناب کا فرمان: (سُحقا سحقاً لِمَنْ بَدَّلَ دینی) اشارہ کرتا ہے تو حوض سے ان کا دور کیا جانا اس وجہ سے کہ حوض شریعتِ اسلامیہ کا قیامت کے دن ممثّل (مظہر) ہوگا، پہلے کہہ چکا ہوں کہ قیامت کے دن اَعراض جواہر میں منقلب ہو جائینگے، پس شریعت حوض کی شکل میں متمثّل ہوگی تو جس نے دنیا میں اسے تبدیل کیا اور بدعتیں داخل کیں وہ حشر میں اس کے مظہر حوض سے دور ہٹا دیا جائے گا، بلکہ میں تو یہ بھی کہتا ہوں کہ لغت میں شریعت کا معنی ہی حوض ہے لہٰذا مناسبت بالاً ولیٰ ظاہر ہے۔

49 باب نُزُولُ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عليهما السلام (حضرت عیسیٰ کا نزول)

یعنی آخری زمانہ میں

3448 حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِى عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِﷺ وَالَّذِى نَفْسِى بِيَدِهِ، لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلاً، فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ، وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ، وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ، وَيَفِيضَ الْمَالُ حَتَّى لاَ يَقْبَلَهُ أَحَدٌ، حَتَّى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا. ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ وَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ (وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلاَّ لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا) .أطرافه 2222، 2476، 3449۔ (جلد سوم ص:۴۱۶)۔

شیخ بخاری ابن راہویہ ہیں، ابن حجر کہتے ہیں میں نے قطعیت و جزم کے ساتھ انہیں ابن راہویہ اسلئے قرار دیا ہے حالانکہ ابوعلی جیانی کے نزدیک اسحاق بن منصور ہونا بھی ممکن ہے، کہ یہاں وہ اپنے شیخ سے روایت کرتے ہوئے (أخبرنا) کا لفظ استعمال کر رہے ہیں اور استقراء سے معلوم ہوا ہے کہ اسحاق ابن راہویہ ہمیشہ یہی لفظ استعمال کرتے ہیں، حدثنا ذکر نہیں کرتے، ابونعیم نے بھی المستخرج میں یہ روایت مسندِ اسحاق بن راہویہ سے ہی نقل کی اور لکھا ہے کہ بخاری نے اسحاق سے تخریج کیا ہے۔ (حدثنا أبی) یعنی ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف۔ (والذی نفسی بیدہ) خبر میں یہ حلف مبالغۃً فی التاکید ہے۔ (فیکم) یعنی اس امت محمدیہ میں۔ (حکما) یعنی حکمران بن کر، مراد یہ کہ اس شریعتِ محمدیہ کی حکمرانی نافذ کریں گے، یعنی وہ کوئی نئی شریعت نافذ نہ کرینگے (گویا امت محمدیہ کا ایک فرد بنکر آئینگے) مسلم کے ہاں لیث عن ابن شہاب کی روایت میں: (حکما مقسطا) ہے انہی کی ابن عیینہ عن ابن شہاب سے روایت میں: (إماما مقسطا) ہے، مقسط عادل کے معنی میں ہے بخلاف قاسط کے، وہ بمعنی جائر و ظالم ہے۔ احمد کی حضرت ابوہریرہ سے روایت میں یہ بھی ہے کہ جب وہ آجائیں انہیں رسول اللہ کی جانب سے سلام کہنا، احمد کی حدیثِ عائشہ میں ہے کہ زمین پر چالیس برس رہینگے۔

(فیکسر الصلیب الخ) مراد یہ کہ صلیب جو نصاریٰ کے ہاں ایک شعار کی حیثیت رکھتی ہے، کو توڑ کر گویا عیسائیت کا ابطال کر دینگے، اس سے مستفاد کیا گیا ہے کہ خنزیر کا پالنا اور کھانا حرام ہے اور یہ کہ وہ نجس ہے کیونکہ کسی منتفع بہ شئ کا اِتلاف مشروع نہیں، اواخر البیوع میں اس بارے بحث گزری ہے۔ طبرانی کی اوسط میں ابوصالح عن ابی ہریرہ سے روایت میں: (والقرد) کا بھی اضافہ

ہے، اس کی سند ٹھیک ہی ہے، (لا بأس به) ، اس پر یہ استدلال صحیح نہیں ٹھہرتا کہ خنزیر نجسِ عین ہے کیونکہ بندر بالاتفاق نجس عین نہیں (یعنی اس کے جسم کو ہاتھ لگا دینے سے ہاتھ پلید نہ ہو جائے گا) یہ بھی مستفاد ہوا کہ تغییرِ منکرات کرنا چاہئے اور آلات الباطل توڑ دیے جائیں لیکن یہ کام حکمران کریں کیونکہ حضرت عیسی کی طرف ان افعال کو منسوب کیا گیا ہے جو بطور حکمران نازل ہوں گے۔ مسلم کی عطاء بن میناء عن ابی ہریرہ سے روایت میں ہے کہ ان کے آجانے سے (آہستہ آہستہ) کینہ، بغض اور حسد کا خاتمہ ہوگا (کیونکہ مرورِ ایام سے ان مکروہات کے اسباب ہی ختم ہو جائیں گے، سبھی ارب پتی بن جائینگے، فقر و فاقہ مٹ جائے گا لہٰذا حسد و بغض کی ضرورت ہی نہ رہے گی)۔

(و یضع الحرب) کشمیہنی کے نسخہ میں (الجزیة) ہے، مراد یہ کہ سبھی دائرۂ اسلام میں آجائینگے تو جنگوں اور جزیہ لینے کی ضرورت ہی نہ رہے گی، بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ لازمی نہیں کہ سب اہلِ دنیا مسلمان ہو جائیں، بلکہ مفہوم یہ ہے کہ اہل اسلام استغناء کے سبب خود ہی جزیہ معاف کر دینگے کہ اب اس کے مصارف ہی موجود نہیں لیکن نووی اس رائے کا رد کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ درست یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ اہلِ دنیا سے صرف اسلام کے متقاضی ہوں گے، ابن حجر تائید میں ذکر کرتے ہیں کہ احمد کے ہاں ایک دیگر طریق سے رولیتِ ابی ہریرہ میں ہے کہ (وتکون الدعوی واحدة) کہ ایک ہی دعوی ہوگا، نووی لکھتے ہیں حضرت عیسی کے وضعِ جزیہ حالانکہ وہ اس شریعتِ محمدیہ میں مشروع ہے، کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی مشروعیت حضرت عیسی کی آمد تک تھی تو گویا حضرت عیسی اس کے ناسخ نہ ہوئے بلکہ ہمارے نبی نے ہی ان کی آمد کے بعد اس حدیث میں اسے منسوخ قرار دیا ہے۔ ابن بطال اس بابت لکھتے ہیں کہ نزولِ عیسی سے قبل اس کا وجہِ جواز للحاجت الی المال ہے، ان کے نزول کے بعد چونکہ مال بکثرت ہوگا تو عدم حاجت کے سبب اب اس کی ضرورت نہ رہے گی۔

بعض مشائخ نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ نزولِ عیسی کے بعد اہلِ کتاب کی حیثیت اہلِ شرک و اوثان کی سی ہو جائیگی کیونکہ حضرت عیسی ان کے پاس موجود کتاب کا عدم صحیح ہونا واضح کر دینگے لہٰذا اب ان کا یہ دعوی کہ انجیل پر عمل پیرا ہیں، مردود ہوگا۔ (بلکہ اس امر کا ان سے مطالبہ و تقاضہ ہوگا کہ اسلام قبول کریں ورنہ جنگ کیلئے تیار ہو جائیں، بظاہر یہ معلوم پڑتا ہے کہ چونکہ عیسائی بھی حضرت عیسی کے نزول کے منتظر ہیں، جب انہیں مسلمانوں کے ہاں موجود پائیں گے اور ان کے ہاں اس بات کا دعویدار کہ وہ حضرت عیسی ہے کوئی شخص نہ آئیگا، تو آخر کار سب اسلام کے سایہ عاطفت میں آجائینگے اور شائد انہی کی بدولت اہل اسلام یہودیوں کو شکست دینے کے قابل ہوں گے وگرنہ مسلمانوں کی جو موجودہ صورتحال ہے۔ آگے الہ جانے کیا صورت بنے۔ ان کا اکیلے یہودیوں کو جو دجال کے زیرِ قیادت ہر طرف سے اُمڈتے آرہے ہوں گے، شکست دینا ممکن نہ ہوگا، ایک حدیث میں جو دجال کی نسبت آنجناب کا فرمان ہے کہ حضرت عیسی کی آمد کے بعد اس طرح پگھلنا شروع ہو جائے گا جیسے پانی میں نمک گھلتا ہے، تو اس سے مراد بھی شائد یہی ہو کہ اس کی مددگار عیسائی قوتیں اس کا ساتھ چھوڑ دیں گی، جیسا کہ قبل ازیں بھی اس بارے کچھ اظہار خیال کیا ہے۔ اللہ اعلم)

(ویفیض المال الخ) عطاء بن میناء کی روایت میں یہ بھی ہے کوئی، مال یعنی زکات وصدقات قبول کرنے والا نہ ملے گا، کثرتِ مال کی وجہ حضرت عیسی کا عادلانہ نظام اور شریعتِ مصطفوی کا نفاذ ہوگا جس کی برکات سے یہ صورتحال پیدا ہوگی، پھر یہ بھی کہ تمام لوگ سمجھ لینگے کہ قیامت کا اب قُرب ہے (کہ حضرت عیسی کا نزول ہو چکا ہے) لہٰذا مال کی طرف ان کی رغبت کم ہو جائیگی اور جب رغبت کم اور قناعت حاصل ہو تو کم مال بھی زیادہ لگتا ہے۔

(حتی تکون السجدہ الخ) یعنی اب اللہ کی طرف تقرّب کا ایک ہی وسیلہ میسر ہوگا اور وہ ہے بدنی عبادات، کیونکہ

صدقات کا تو کوئی مستحق نہ رہیگا، بعض نے یہ معنی کیا ہے کہ دنیا سے بے اعتنائی اور مال سے بے رغبتی کے سبب ایک سجدہ اس وقت کے لوگوں کو دنیا و مافیھا سے بہتر لگے گا۔ ابن مردویہ نے محمد بن ابی حفصہ عن الزہری کے طریق سے اسی حدیث میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں: (حتی تکون السجدة واحدة لِله رب العالمین) یعنی اب صرف اللہ ہی کو سجدہ کرنے والے لوگ ہوں گے (گویا ہر طرف اسلام ہی کا بول بالا ہوگا اور سبھی اہل دنیا مسلمان ہوں گے)۔

(ثم یقول أبو ہریرة الخ) یہ اسی اسناد کے ساتھ موصول ہے۔ ابن جوزی لکھتے ہیں حضرت ابو ہریرہ کے یہ آیت تلاوت کرنے کا منشأ یہ تھا کہ حدیث کے الفاظ: (حتی تکون السجدة الخ) کا مفہوم واضح کریں، وہ لوگوں کی صلاح اور ان کی شدتِ ایمان اور خیر کے افعال پر ان کے اِقبال وتوجہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ قرطبی کہتے ہیں حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ نماز تب صدقہ سے افضل ہوگی کیونکہ صدقات کو تو کوئی قبول کرنیوالا ہی نہ ملیگا (میرے خیال میں حضرت ابو ہریرہ نے پوری دنیا کا اسلام کے زیرِ نگیں آنا ممکن ثابت کرنے کیلئے یہ آیت تلاوت کی، یعنی یہ اس وجہ سے ہوگا کہ اس وقت کے تمام عیسائی انہیں مسلمانوں کے ہاں نازل اور ان کی قیادت سنبھالنا دیکھ کر مسلمان ہو جائینگے، بطورِ استشہاد یہ آیت پڑھی)۔

ابن حجر لکھتے ہیں (إن) بمعنی (ما) نافیہ ہے، یعنی ان کے نزول کے بعد تمام اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ان پر ایمان لے آئینگے گویا ابو ہریرہ کے نزدیک (لَیُؤمنن بہ) اسی طرح (قبل موتہ) میں ضمیر کا مرجع حضرت عیسی ہیں۔ ابن عباس نے بھی اسی پر جزم کیا ہے جیسا کہ ابن جریر نے اسنادِ صحیح کے ساتھ بواسطہِ سعید بن جبیر ان سے نقل کیا ہے، ابو رجاء عن الحسن کے حوالے سے بھی: (قبل موت عیسی) منقول ہے، کہتے ہیں واللہ وہ اس وقت زندہ ہیں، جب نازل ہوں گے سبھی مسلمان ہو جائینگے، اسے کثیر اہل علم سے نقل کیا ہے اور ابن جریر وغیرہ اسی کو راجح قرار دیتے ہیں۔ اہل تفسیر نے اس بابت کئی دیگر اقوال بھی نقل کئے ہیں مثلاً یہ کہ (بہ) کی ضمیر اللہ تعالی یا آنجناب کی طرف راجع ہے اور (موتہ) کی ضمیر کا مرجع کتابی ہے، ابن جریر من طریق عکرمہ ابن عباس سے ناقل ہیں کہ کوئی یہودی یا عیسائی نہ مرے گا حتی کہ حضرت عیسی پر ایمان نہ لے آئے، اس پر عکرمہ ان سے کہنے لگے اگر کوئی یہودی گر پڑے یا جل مرے یا اسے درندے کھا جائیں؟ (یعنی اچانک موت کا شکار بننے لگے تو؟) کہنے لگے نہیں مر سکتا حتی کہ اپنے لبوں کو حرکت میں لا کر حضرت عیسی پر ایمان کا اقرار نہ کر لے، لیکن اس کی اسناد میں خصیف ہے جو ضعیف ہے، اس موقف کے حاملین نے یہاں ابی بن کعب کی قراءت کو ترجیح دی ہے جو (قبل موتھم) پڑھا کرتے تھے۔ نووی کہتے ہیں اس پر آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ہر اہل کتاب جسے موت حاضر ہو، اس وقت تک نہیں مرتا حتی کہ حضرت عیسی پر ایمان نہ لائے اور ان کی اور حضرت مریم کی عبدیت کا اقرار نہ کر لے، اگرچہ اس حالت میں اس کا یہ اقرار اس کیلئے مفید نہیں ہوتا کیونکہ فرمان خداوندی ہے: (و لَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّآت حتیٰ إذا حَضَرَ أحدَھُمُ الْموتُ قالَ إنِّی تُبْتُ الآن) [النساء: ۱۸]۔

بقول نووی یہ مذہب اظہر ہے کیونکہ پہلے موقف کے مطابق صرف وہی اہل کتاب مراد ہیں جو زمانِ نزولِ عیسی میں ہوں گے، کہتے ہیں ظاہرِ قرآن ہر کتابی کو متناوِل ہے، علماء لکھتے ہیں نزولِ عیسی کی حکمت۔ کہ کسی اور نبی کو کیوں نہیں اتارا جائے گا؟ یہ ہے تا کہ یہودیوں کا رد ہو جنکا دعوی ہے کہ انہوں نے حضرت عیسی کو سولی پر چڑھا دیا تھا، تو اللہ ان کے ذریعہ ان کے کذب کی تبیین فرمائیگا اور ان کے ہاتھوں انہیں ہلاک فرمائے گا یا ان کے نزول کی وجہ ان کی دنوِ اجل ہے تا کہ زمین ان کا مدفن بنے کیونکہ مشتِ خاک کی مخلوق کا مدفن

لازم ہے کہ زمین میں ہی بنے۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے آنجناب اور ان کی امت کے احوال جان کر اللہ سے دعا کی تھی کہ آپ کا امتی بنا دے تو اللہ نے دعا قبول فرمائی اور آخری زمانہ میں ان کا نزول مقدر کیا تا کہ مجددِ اسلام ہوں (ظاہری وجہ انہی کے نزول کی یہ ہو سکتی ہے کہ وہ واحد نبی ہیں جو زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے، لہٰذا انہی کو پھر اس دنیا میں بھیجا جائے گا تا کہ تارِ زندگی وہیں سے پھر شروع ہو جہاں سے معطل ہوا تھا)۔

مسلم کی ایک روایتِ ابن عمر میں نزول کے بعد ان کی مدتِ اقامت سات برس مذکور ہے نعیم بن حماد کتاب الفتن میں ابن عباس سے انیس برس نقل کرتے ہیں اور یہ کہ شادی بھی کرینگے، ایک ایسی سند کے ساتھ جس میں ایک مبہم راوی ہے، ابو ہریرہ سے چالیس برس منقول ہے، احمد اور ابو داؤد نے صحیح اسناد کے ساتھ عبد الرحمٰن بن آدم عن ابی ہریرہ سے مرفوعا یہی عدد روایت کیا ہے، اس میں ہے کہ دو ممصر (یعنی رنگے ہوئے) کپڑوں میں ملبوس نازل ہوں گے، صلیب توڑ دینگے، خنزیر قتل کر دینگے، جزیہ کالعدم کر دینگے اور اسلام کی دعوت دینگے اور ان کے زمانے میں سوائے اسلام کے باقی تمام ادیان و مذاہب کا اللہ تعالیٰ خاتمہ کر دینگے، زمین میں ایسا امن ہوگا کہ شیر اونٹوں کے ہمراہ چرتے پھرینگے، بچے سانپوں سے کھیلتے پھریں گے اس کے آخر میں ہے پھر حضرت عیسیٰ فوت ہو جائینگے اور اہل اسلام ان کی نماز جنازہ پڑھینگے۔ احمد اور مسلم کی حنظلہ بن علی اسلمی عن ابی ہریرہ کے حوالے سے روایت میں آنجناب نے فرمایا ابن مریم فجِ روحاء نامی مقام پر حج وعمرہ کا تلبیہ پڑھیں گے۔

رفع سے قبل ان کی موت کی بابت اختلافِ آراء ہے، اس موضوع میں اصل قرآن کی یہ آیت ہے: (وإذقالَ اللّٰهُ یا عِیسیٰ إنِّی مُتَوَفِّیكَ و رَافِعُكَ إلَیَّ) [آل عمران: ۵۵] تو بعض نے اس کا ظاہری معنی مراد لیا ہے یعنی فوت ہو گئے پھر اللہ نے آسمانوں پر اٹھا لیا، اس کے قائلین کی رائے میں نزول کے بعد دوبارہ موت طاری ہوگی، ایک قول یہ ہے کہ متوفیک کا معنی ہے کہ زمین سے واپس لے لیا، (یعنی زندہ) اس پر نزول کے بعد والی موت پہلی ہوگی۔ رفع کے وقت ان کی عمر کی بابت اقوال ہیں، بعض نے تینتیس برس اور بعض نے ایک سو بیس برس لکھا ہے (علامہ انور کے حوالے سے اسی برس گزرا ہے)۔

علامہ انور (حکماً) کے تحت لکھتے ہیں حکومت کرنے کا ہر وہ شخص اہل ہے جو فریقین کیلئے مسلم ہو، حضرت عیسیٰ ایسے ہی ہیں کیونکہ وہ بنی اسرائیل میں سے نبی ہیں اور ہم آپ کی نبوت کے مؤمن ہیں، (فیکسر الصلیب) کی بابت کہتے ہیں چونکہ صلیب انہی کے نام سے جاری ہوئی لہٰذا وہی اس کے نقض کے احق ہیں، (و یضع الحرب) کی نسبت سے کہتے ہیں یہ نسخہِ مرجوحہ ہے، راجح وہ جو ہامش میں ہے یعنی: (و یضع الجزیة) اس ضمن میں بعض کام خود نبی اکرم کر دیا تھا اور یہ بوقتِ وفات آپکی وصیت تھی کہ یہود اور نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا، حضرت عیسیٰ نزول کے بعد یہی کرینگے کہ ان سے۔ جہاں کہیں ہوں گے۔ جزیہ قبول نہ کرینگے، (و إن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن به قبل موته) کے تحت کہتے ہیں ایک شاذ قراءت میں (موتهم) ہے، کہتے ہیں جاننا چاہیئے کہ شاذ قراءت کیلئے فقط صدق ہونا کافی ہے طلبِ نکات صرف قراءتِ متواترہ میں ہوتی ہے کیونکہ دونوں میں فرق صرف امورِ یسیرہ میں ہے جیسے غائب کی جگہ خطاب کے صیغے اور ضمائر، یا جمع کی جگہ افراد کی ضمائر، مسائل کا فرق کسی جگہ نہیں قرآن کا بعض اس کے بعض کا مصدق ہے پس قراءتِ شاذہ کا لفظ قراءتِ متواترہ کے تابع ہے لہٰذا نکات کا محتاج نہیں، تب کوئی حرج نہیں کہ (یہاں) اگر شاذہ میں ایمان سے مراد ایمان بالغیب ہو، اہلِ کتاب کے دونوں گروہ (یعنی یہود اور نصاریٰ) حضرت عیسیٰ کے نزول کے منتظر ہیں تو ان پہ ان کا

ایمان صحیح ہے، ایمان بالغیب کے معنی میں نہ کہ بمعنی العبرۃ بھما۔

3449 حَدَّثَنَا ابْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ الأَنْصَارِيِّ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ تَابَعَهُ عُقَيْلٌ وَالأَوْزَاعِيُّ. أطرافه 2222، 2476، 3448۔ (سابقہ)

(عن نافع مولى الخ) ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ نافع جو ابو محمد بن عیاش اقرع ہیں، دراصل قبیلہ غفار کی ایک عورت کے مولیٰ تھے ابو قتادہ کے مصاحِب ہونے کی وجہ سے انہی کی طرف نسبت سے مشہور ہو گئے بقول ابن حجر بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے ان کی یہی ایک روایت ہے۔ (تابعه عقيل الخ) یعنی یونس کی ابن شہاب سے متابعت، عقیل کی روایتِ متابعت ابن مندہ نے کتاب الایمان میں اور اوزاعی کی روایت ابن مندہ اعرابی نے اپنی معجم میں جبکہ بیہقی نے البعث میں تخریج کی ہے، مسلم نے اسے ابن ابی ذئب عن ابن شہاب سے روایت کرتے ہوئے: (وأمَّكُم منكم) کے الفاظ ذکر کئے ہیں ساتھ میں ابن ابو ذئب کا یہ قول بھی، جب راوی نے ان سے کہا کہ اوزاعی (و إمامكم منكم) روایت کرتے ہیں، تو کہا کیا تمہیں پتہ ہے کہ (ما أمكم منكم؟) راوی نے کہا بتلا یئے، کہا: (فأمكم بكتاب ربكم) یعنی مفہوم یہ ہے کہ تمہارے رب کی اس کتاب کے مطابق فریضہِ امامت و سیادت انجام دینگے۔ مسلم کی ابن اخی الزہری عن عمہ سے روایت میں یہ الفاظ ہیں: (كيف بِكُمْ إذا نَزَلَ فِيكُم ابنُ مريمَ فأمَّكُمْ) احمد کی قصہِ دجال کے بارہ میں حدیثِ جابر میں ہے کہ مسلمان اچانک حضرت عیسیٰ کو اپنے درمیان پائینگے تو عرضگزار ہوں گے اے روح اللہ آگے بڑھیے، وہ کہینگے تمہارا امام ہی آگے بڑھے اور امامت کرائے، ابن ماجہ کی دجال کی بابت ابو امام سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے کہ مسلمان اس وقت بیت المقدس میں ہوں گے، ان کا امام ایک مردِ صالح ہوگا (شائد امام مہدی) نماز پڑھانے کیلئے مصلائے امامت میں کھڑے ہوں گے کہ اچانک حضرت عیسیٰ ان کے کندھے پکڑ کر روکینگے اور فرمائینگے: (تقدَّمْ فإنَّها أقِيمَتْ لَكَ) آگے بڑھئے آپکے لئے یہ اقامت کہی گئی ہے۔

ابو الحسن خسعی ابدی مناقبِ شافعی میں اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اَخبار اس بابت متواتر ہیں کہ امام مہدی امتِ محمدیہ میں سے ہوں گے اور حضرت عیسیٰ ان کی اقتداء میں نماز ادا کرینگے (بظاہر اس سے مراد یہی نماز ہے بعد ازاں شائد وہ بحیثیت مسلمانوں کے حکمران کے، مصلائے امامت سنبھال لیں گے)۔ ابن حجر کہتے ہیں وہ دراصل ابن ماجہ کی تخریج کردہ ایک روایتِ ابن عباس کا رد کر رہے ہیں جس میں ہے کہ مہدی حضرت عیسیٰ ہی ہیں، ابو ذر ہروی لکھتے ہیں ہمیں جوزقی نے بعض متقدمین کے حوالے سے (و إمامكم منكم) کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ حکومت بالقرآن کرینگے، نہ کہ انجیل کا نفاذ ہوگا، ابن تین اس کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ یعنی شریعتِ محمدیہ روزِ قیامت تک متصل رہیگی اور ہر صدی میں اہلِ علم کا ایک گروہ رہیگا، یہ اور ماقبل کی عبارات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت عیسیٰ امام ہوں گے یا مقتدی؟ طیبی بھی یہی لکھتے ہیں۔ ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ اس پر مسلم کی روایت کے یہ الفاظ ان کی بیان کردہ تاویل کیلئے معکر ہیں کہ ان سے کہا جائے گا نماز پڑھائیں، وہ کہیں گے نہیں تمہارے بعض ہی بعض کے امراء ہیں، (تكرمةً لِهٰذه الأمة) اس امت کی تکریم کے پیشِ نظر۔ ابن جوزی لکھتے ہیں اگر حضرت عیسیٰ ان کے کہنے پر امامت کیلئے آگے بڑھ آتے تو یہ باعثِ اشکال ہوتا اور کوئی کہنے والا کہہ اٹھتا کہ آیا وہ نائبِ رسول کی حیثیت میں مصلائے امامت پر فائز ہیں یا ایک نئی شریعت

کے مبتدیٔ بنکر؟ تو مناسب سمجھا کہ اسی امت کے ایک فرد کی اقتداء میں نماز ادا فرمائیں تا کہ کسی کے دل میں اس قسم کا شبہ پیدا نہ ہو سکے اور آنجناب کا فرمان: (لا نبیَّ بعدی) اس شبہ کے غبار سے آلودہ نہ ہو۔ ابن حجر لکھتے ہیں حضرت عیسی کا اس امت کے ایک فرد کے پیچھے نماز ادا کرنا حالانکہ یہ آخر الزمان کا واقعہ اور قیامت کا قرب ہوگا، اس امر کی دلیل ہے کہ زمین کبھی بھی ایک قائم للّٰہ بحجۃ سے خالی نہیں ہوتی۔

علامہ انور حدیث کے الفاظ: (كيف أنتم إذا نزل ابن مريم فيكم و إمامكم منكم) کے تحت رقمطراز ہیں کہ اس میں واوٴ حالیہ ہے، اس سے متبادر الی الذہن امام مہدی آتے ہیں جبکہ حضرت عیسی حاکمِ عادل کی حیثیت سے ہوں گے، امام وہ نہ ہوں گے یہ کوئی اور ہوگا اور یہ ہم میں سے نہ کہ بنی اسرائیل میں سے، ہوں گے بخلاف سیدنا عیسی کے، مسلم کے بعض رواۃ اس میں مختلط ہوئے ہیں تو انہوں نے اس کا اطلاق حضرت عیسی پہ کر دیا، یوں نقل کیا: (و أمكم منكم) یعنی وہ اگرچہ بنی اسرائیل کے ہیں مگر تمہاری شرع کے تابع ہیں، میرے ہاں راجح لفظِ بخاری ہے یعنی: (و إمامكم منكم) واوِ حالیہ کے ساتھ اور اس سے مراد امام مہدی ہیں کیونکہ ابن ماجہ کے ہاں قوی اسناد کے ساتھ روایت میں ہے کہ آنجناب سے پوچھا گیا تب عرب کہاں ہوں گے؟ فرمایا وہ بیت المقدس میں لیکن قلیل ہوں گے اور ان کا امام ایک مردِ صالح ہوگا، وہ ایک مرتبہ نمازِ صبح کے وقت امامت کیلئے آگے بڑھینگے کہ نزولِ عیسی ہو جائیگا، وہ پیچھے ہٹیں گے تا کہ حضرت عیسی امامت کرائیں ...... الخ۔ تو یہ اس امر میں صریح ہے کہ امام کا لفظ یہاں مہدی کیلئے بولا ہے نہ کہ حضرت عیسی کیلئے تو روایات کی صراحت کے بعد اب اختلافِ رواۃ پہ دھیان نہ دیا جائے باقی سب رواۃ کا تصرف ہے کیونکہ اگر کسی حدیث کے الفاظ ایک صحابی کے ہاں مختلف ہوں تو وہی حدیث اگر کسی دیگر صحابی نے بھی روایت کی ہے تو اس کی طرف رجوع کیا جائیگا اس سے علی الأغلب معاملہ واضح ہو جاتا ہے، باقی رہی امامتِ صلات کی بات تو نزولِ عیسی کے بعد اول نماز کے امام تو مہدی ہی ہوں گے کیونکہ انہی کیلئے اقامت کہی گئی تھی بعد ازاں حضرت عیسی مصلائے امامت سنبھال لینگے۔

50 باب مَا ذُكِرَ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ (بنی اسرائیل کے بعض واقعات)

بنی اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کی ذریت، اسرائیل حضرت یعقوب کا لقب تھا، اس باب کے تحت بعض اعاجیب (عجیب واقعات) کا تذکرہ کر رہے ہیں جو ان کے زمانہ میں ہوئے، اس کے تحت (۳۴) احادیث نقل کی ہیں، پہلی روایت تین احادیث پر مشتمل ہے۔

3450 حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ قَالَ قَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَمْرٍو لِحُذَيْفَةَ أَلاَ تُحَدِّثُنَا مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنِّى سَمِعْتُهُ يَقُولُ إِنَّ مَعَ الدَّجَّالِ إِذَا خَرَجَ مَاءً وَنَارًا، فَأَمَّا الَّذِى يَرَى النَّاسُ أَنَّهَا النَّارُ فَمَاءٌ بَارِدٌ، وَأَمَّا الَّذِى يَرَى النَّاسُ أَنَّهُ مَاءٌ بَارِدٌ فَنَارٌ تُحْرِقُ، فَمَنْ أَدْرَكَ مِنْكُمْ فَلْيَقَعْ فِى الَّذِى يَرَى أَنَّهَا نَارٌ، فَإِنَّهُ عَذْبٌ بَارِدٌ. طرفه 7130۔ 3451 قَالَ حُذَيْفَةُ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ إِنَّ رَجُلاً كَانَ

فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَتَاهُ الْمَلَكُ لِيَقْبِضَ رُوحَهُ فَقِيلَ لَهُ هَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ قَالَ مَا أَعْلَمُ، قِيلَ لَهُ انْظُرْ .قَالَ مَا أَعْلَمُ شَيْئًا غَيْرَ أَنِّي كُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا وَأُجَازِيهِمْ، فَأُنْظِرُ الْمُوسِرَ، وَأَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ فَأَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ

أطرافه 2077، 2391

3452 فقَالَ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ إِنَّ رَجُلاً حَضَرَهُ الْمَوْتُ، فَلَمَّا يَئِسَ مِنَ الْحَيَاةِ أَوْصَى أَهْلَهُ إِذَا أَنَا مُتُّ فَاجْمَعُوا لِي حَطَبًا كَثِيرًا وَأَوْقِدُوا فِيهِ نَارًا حَتَّى إِذَا أَكَلَتْ لَحْمِي، وَخَلَصَتْ إِلَى عَظْمِي، فَامْتَحَشَتْ، فَخُذُوهَا فَاطْحَنُوهَا، ثُمَّ انْظُرُوا يَوْمًا رَاحًا فَاذْرُوهُ فِي الْيَمِّ .فَفَعَلُوا، فَجَمَعَهُ فَقَالَ لَهُ لِمَ فَعَلْتَ ذَلِكَ قَالَ مِنْ خَشْيَتِكَ .فَغَفَرَ اللَّهُ لَهُ .قَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَمْرٍو، وَأَنَا سَمِعْتُهُ يَقُولُ ذَاكَ، وَكَانَ نَبَّاشًا .طرفاه 3479، 6480

عقبہ بن عمرو نے حضرت حذیفہؓ سے کہا کیا آپ رسول اللہ سے سنی کچھ باتیں نہ سنائینگے؟ کہا آپ نے فرمایا کہ جب دجال نکلے گا اس کے ساتھ آگ اور پانی ہوگا جسے لوگ آگ دیکھینگے وہ دراصل ٹھنڈا پانی اور جسے وہ پانی دیکھینگے وہ دراصل جلانے والی آگ ہوگی تو جو کوئی اس کے ہتھے چڑ جائے وہ نظر آنیوالی آگ میں داخل ہو جائے پس بے شک وہ اسے ٹھنڈا اور شیریں پائیگا۔ حذیفہ کہتے ہیں اور میں نے آنجنابؐ سے سنا کہ پہلے زمانہ میں ایک آدمی کے پاس فرشتۂ موت آیا تا کہ اس کی روح قبض کرے تو (حساب کتاب کے وقت) اس سے پوچھا گیا کیا کوئی نیکی کی ہے؟ کہنے لگا میں اپنی کسی نیکی سے واقف نہیں کہا گیا سوچ لو، کہا میں اپنی کسی نیکی کو نہیں جانتا سوائے اس کے کہ میں تاجر آدمی تھا تو جو لوگ خوشحال ہوتے انہیں ادائیگی کیلئے مہلت دیا کرتا اور جو تنگ دست ہوتے انہیں معاف کر دیتا تھا، فرمایا اللہ نے اسے جنت میں داخل کر دیا۔ کہتے ہیں اور مزید یہ بھی سنا، فرمایا ایک شخص نے بوقتِ موت گھر والوں کو وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد بہت سا ایندھن اکٹھا کرنا اور آگ جلا کر مجھے اس میں پھینک دینا پھر جب دیکھو کہ میرا گوشت اچھی طرح جل چکا ہے تو ہڈیوں کو پیس کر کسی آندھی والے دن کا انتظار کرنا اور اس راکھ کو دریا میں اڑا دینا، چنانچہ اس کے گھر والوں نے ایسا ہی کیا اللہ تعالی نے اسے جمع کیا اور پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ وہ بولا تیری خشیت کی وجہ سے، تو اللہ نے اسے معاف فرما دیا، عقبہ کہتے ہیں میں نے سنا کہ وہ کفن چور تھا۔

بعض نسخوں میں بجائے موسی کے مسدد مذکور ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ ان کی روایت باب کے آخر میں آ رہی ہے، موسی کی یہ روایت معلقاً ہے، ابن حجر نے اس کا سبب ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: (مِن أجل كلمة اختلفا فيها على أبى عوانة)۔ (شائد ان کا اشارہ ربعی بن حراش کے الفاظ: قال عقبة بن عمرو لحذيفة الخ۔ کی طرف ہے کیونکہ یہ صراحۃً سماع پر دال نہیں)۔ عبد الملک سے مراد ابن عمیر جبکہ عقبہ بن عمر جو ابو مسعود انصاری ہیں المعروف بالبدری تھے۔ (إن مع الدجال الخ) اس حدیث پر مفصل بحث کتاب الفتن میں آئیگی، یہاں مرادِ ترجمہ اگلے قصہ سے ہے، جو بنی اسرائیل کے ایک شخص سے متعلقہ ہے جو لوگوں کے ساتھ تجارتی معاملات میں آسانی برتتا تھا، اسی طرح اس شخص کا قصہ جس نے مرنے کے بعد اپنے آپ کو جلا دینے کی وصیت کی، اس تاجر کا قصہ باب کے آخر میں حضرت ابو ہریرہ کے حوالے سے بھی لائے ہیں اس پر کتاب البیوع میں بحث گزر چکی ہے۔ (و أجازيهم)

أي أقاضيهم بمعنی لین دین، اسماعیلی کے ہاں (أجازفهم) ہے ایک اور روایت میں (أحارفهم) ہے، یہ لیکن یہ دونوں تصحیف ہیں۔ دوسرے شخص کا قصہ علیحدہ روایت کی صورت میں باب کے آخر میں آ رہا ہے، وہیں بات ہوگی۔ (قال عقبة بن عمرو أنا سمعته) سمعتہ میں ضمیر آنجناب کی طرف راجع ہے، بظاہر عقبہ نے آنجناب سے صرف آخری حدیث سنی لیکن شعبہ عن عبد الملک کی روایت سے متبین ہوتا ہے کہ تینوں احادیث کا سماع کیا کیونکہ الفتن میں حضرت حذیفہ کے حوالے سے تاجر کا قصہ نقل کیا ہے، اس کے آخر میں بھی ابو مسعود کا قول مذکور کیا ہے کہ (وأنا سمعته)، اسی طرح باب کے آخر میں دوسرے شخص کے واقعہ پر علیحدہ روایت کے آخر میں بھی یہی مذکور ہے۔ (و کان نباشا) بظاہر یہ ابو مسعود کا قول ہے لیکن ابن حبان نے ربعی عن حذیفہ کے طریق سے انہی کے حوالے سے یہ بھی روایت کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں: (توفی رجل کان نباشا) تو گویا حضرات حذیفہ اور ابو مسعود دونوں کے حوالے سے ہے، طبرانی کی اسی روایت میں ہے کہ حذیفہ وابو مسعود ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک نے کہا میں نے آنجناب سے سنا...... آگے یہی واقعہ بیان کیا۔

علامہ انور (و کان نباشا) کے تحت لکھتے ہیں راوی نے صدرِ حدیث میں دو اشخاص کے قصے ذکر کئے پھر یہ صفت بیان کی، اس سے وہم ہوتا ہے کہ دونوں شخص نباش تھے مگر ایسا نہیں، دوسرے قصہ والا شخص نباش تھا، (لئن قدر الله علی الخ) کے تحت رقمطراز ہیں، کہا گیا ہے کہ یہ قدرتِ خداوندی میں تردُد کا مؤذِن ہے جو کفر ہے، میں کہتا ہوں یہ الفاظ دو معانی کے محتمل ہیں ایک یہی اور یہ کفر ہے، دوسرا یہ کہ نفسِ قدرت میں کوئی شک نہیں البتہ اس کے اِجراء میں ہے، یعنی اللہ تعالی اگر چہ قادر ہے لیکن اگر مجھے اسی حال پر چھوڑے رکھا، جمع نہ کیا تو میرا یہ حیلہ کارگر رہیگا اور گویا میں نے نجات پالی لیکن اگر جمع کر لیا اور یوں اپنی تقدیر نافذ کر دی تو وہ مجھے عذاب دیگا، کہتے ہیں یہ مفہوم بیان کرنے میں کوئی اشکال نہین اور نہ یہ موجبِ کفر ہے، یہ کہنا کہ شائد تردد فی القدرت ان کے مذہب میں کفر نہ تھا بخلاف ہماری شریعت کے تو یہ خلافِ مسئلہ ہے، میرے نزدیک اس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ اگر میرا بہانہ کارگر ہو گیا تو فبھا ونعمت اور اگر قدرت......اور قدرت چلا ہی لی تو الخ۔ باقی تفصیل میری کتاب اِکفار الملحدین سے دیکھی جاسکتی ہے۔

3453و 3454حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ أَخْبَرَنِي مَعْمَرٌ وَيُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عَائِشَةَ وَابْنَ عَبَّاسٍ قَالاَ لَمَّا نَزَلَ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيصَةً عَلَى وَجْهِهِ، فَإِذَا اغْتَمَّ كَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهِ، فَقَالَ وَهُوَ كَذَلِكَ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ .يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوا .حدیث 3453أطرافه 435، 1330، 1390، 4441، 4443، 5815۔ حدیث 3454أطرافه 436، 4444، 5816

ام المؤمنین عائشہ اور حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ پہ حالتِ نزع طاری ہوئی آپ اپنی چادر مبارک بار بار چہرہِ اقدس پر ڈالتے پھر شدت بڑھ جاتی تو اسے ہٹا دیتے آپ نے اسی حالت میں فرمایا اللہ لعنت کرے یہود ونصاریٰ پہ کہ اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا، آپ ان کے فعل سے تحذیر فرما رہے تھے۔

عبد اللہ سے مراد ابن مبارک ہیں۔ (لما نزل) مجہول کا صیغہ ہے، نسخہِ ابی ذر میں صیغہِ معلوم کے ساتھ ہے تب اس کا فاعل

(الموت أو ملك الموت) مقدر ہوگا (المرض بھی فاعلِ مقدر مانا جا سکتا ہے)۔ بقول نووی مسلم کے اکثر رواۃ نے مجہول ہی نقل کیا ہے، ایک روایت میں (نزلت) ہے تب اس کا فاعلِ مقدر (المنية) یعنی موت ہوگا، یہاں یہ حدیث مختصراً ہے کتاب الصلاہ میں اتم سیاق کے ساتھ گزر چکی ہے، شرح المغازی میں بیان ہوگی، غرضِ ترجمہ یہود ونصاری کی مذمت کا بیان ہے جنھوں نے قبورِ انبیاء کو مساجد بنالیا۔

3455حَدَّثَنِى مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ فُرَاتٍ الْقَزَّازِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ قَالَ قَاعَدْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ خَمْسَ سِنِينَ، فَسَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِىٌّ خَلَفَهُ نَبِىٌّ، وَإِنَّهُ لاَ نَبِىَّ بَعْدِى، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ .قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ فُوا بِبَيْعَةِ الأَوَّلِ فَالأَوَّلِ، أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ، فَإِنَّ اللَّهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ

ابو حازم کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ کے ساتھ پانچ سال مجالست کی تو میں نے سنا کہتے تھے کہ نبی پاک نے فرمایا بنی اسرائیل کے انبیاء ہی ان کی سیاسی رہنمائی کا کام بھی انجام دیا کرتے تھے جب بھی کوئی نبی فوت ہوجاتا کوئی اور نبی بھیج دیا جاتا اور سن لو میرے بعد کوئی نبی نہیں تو میرے خلفاء ہوں گے اور وہ بہت ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا تو آپ ہمیں کیا ہدایت دیتے ہیں؟ فرمایا جس کی بیعت سب سے پہلے کرلی (پھر کوئی اور مدعیِ خلافت ہوا) تو اس کی بیعت پہ قائم رہنا، ان کا جو حق بنے اسے ادا کرو اللہ ان سے رعایا کے حقوق کی بابت حساب لیگا۔

فرات سے مراد ابن عبدالرحمٰن جبکہ ابو حازم سے مراد سلمان اشجعی ہیں۔ (تسوسهم الأنبياء) یعنی جب ان میں کسی بگاڑ یا خرابی کا ظہور ہوتا تو اللہ تعالی کسی نبی کو مبعوث فرما دیتا جو ان کے امر کی اقامت اور تورات میں کیگئی ان کی تحریف وتبدیل کا ازالہ کرتے (گویا دینی قیادت کے ساتھ دنیاوی قیادت وسیاست کی زمام کار بھی ان انبیاء کے ہاتھ میں تھی) اس میں یہ اشارہ ہے کہ لوگوں میں ہمہ وقت کسی قائم بالأمر کی موجودی ضروری ہے جو طریقِ حسنہ پر انہیں لگائے رکھے اور عدل کا بول بالا کرے۔ (فیکثرون) عیاض ذکر کرتے ہیں کہ بعض رواۃ نے (یکبرون) روایت کیا ہے مگر یہ تصحیف ہے۔ (فوا) وفٰی سے فعل امر ہے، مفہوم یہ کہ اگر ایک خلیفہ جس کی بیعت ہوچکی تھی، کے بعد کسی اور نے بھی دعوائے خلافت کر دیا تو پہلے کی بیعت صحیح ہے، اس کی وفاء لازم ہے، دوسرے کی بیعت (اور ادعاء) باطل ہے بقولِ نووی جمہور کے مطابق اسی شہر میں دوسرے کی بیعت متحقق ہوئی ہو یا کہیں اور، بہر صورت یہ بیعت باطل ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر کسی اور علاقہ یا شہر میں دعوائے خلافت کا یہ تحقق ہوا ہے وہ اس کے تحت نہیں آتا۔ بعض نے جھگڑے کی صورت میں قرعہ اندازی کا کہا ہے لیکن بقول نووی یہ دونوں قول فاسد ہیں۔ قرطبی لکھتے ہیں حدیث میں بس اتنا ہی ہے کہ پہلے کی بیعت کے ساتھ وفا کرو، دوسرے کی بیعت کی بابت آنجناب ساکت ہیں لیکن مسلم کی عرفجہ سے حدیث میں دوسرے کی بابت آپکا یہ فرمان مروی ہے: (فاضربوا عُنق الآخر) دوسرے کی گردن اڑادو۔

(أعطوهم حقهم) یعنی ان کا جو حق ہے، مراد سمع واطاعت۔ (ایک روایت میں ہے جب تک کوئی معصیت والا حکم نہ دیں) وہ ادا کرو، رہا ان کا معاملہ کہ (کس طریقہ سے زمامِ امور سنبھالی ہے، ادائیگی فرائض کرتے ہیں یا نہیں) اللہ پر چھوڑ دو، اس بارے تتمۃ الکلام کتاب الفتن میں ہوگی۔

علامہ انور (أعطوهم حقهم) کے تحت کہتے ہیں یہ دأبِ شریعت ہے کہ وہ اجتماعی معاملات میں ہر ایک کے مناسبِ حال تلقین کرتی ہے، امیر اگر ظالم ہے تو اس کے بارہ میں قولِ شدید مردی ہے کیونکہ اس کی ذمہ داری تھی کہ عدل کرتا اور ازالہِ جور کرتا، رعایا کا فرض ہے کہ ہر حر و برد میں اس کی اطاعت کریں (لیکن یہ اطاعت مقید ہے کہ اس کے اوامر کتاب وسنت کے خلاف نہ ہوں، جیسا کہ کئی احادیث میں مذکور ہے) آگے النکاح میں اس بارے مزید کلام ہوگی۔ خاصرة (یعنی ڈھاک پہ ہاتھ جما کر کھڑے ہونا) کے بارہ میں لکھتے ہیں یہ نماز کے دوران مکروہِ تحریمی ہے غیرِ نماز میں بھی قبیح ہے، ترمذی میں ہے کہ شیطان کو جب بارگاہ خداوندی سے مطرود کیا گیا تو اس کی یہی ہیئت تھی، (حد ثوا عن بني اسرائيل ولا حرج) کے تحت لکھتے ہیں اس میں حال مختلف ہے، ان سے منقولہ اخبار و معلومات میں جو ہماری شریعت کے موافق ہونگی ہم اس کی تصدیق بھی کریں گے اور عمل بھی لیکن اگر کوئی ایسی بات ہے جو ہماری شریعت سے متصادم ہے تو خواہ نقلاً صحیح بھی ہو، نہ اس کے مصدِق بنیں گے اور نہ عامل، ہم اجمالاً ایمان لائینگے اس پر جو اللہ کے ہاں حق ہے، یہی میرے نزدیک طرزِ عمل ہونا چاہئے ائمہ وفقہاء کے مابین اختلافی امور کے ضمن میں کہ اجمالا ایمان لائیں اس پر جو اللہ کے ہاں حقیقت ہے، یہی ابو مطیع بلخی سے الفقہ الأ کبر میں ان اختلافی مسائل کی بابت منقول ہے۔

(فإن الله سائلهم الخ) یہ سابق الذکر حدیثِ ابن عمر: (كلكم راع الخ) کی نظیر ہے اس کی شرح کتاب الأحکام میں آئیگی۔ حدیث سے ثابت ہوا کہ امر دین امورِ دنیا پر مقدم ہے کیونکہ آپ سلطان کے حقِ سمع واطاعت کی توفیہ کا ارشاد دے رہے ہیں کیونکہ اس میں اعلائے کلمۃ اللہ اور فتنہ وشر سے بچاؤ ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ اپنے حق کے مطالبہ میں تاخیر سے وہ ساقط نہ ہو جائے گا۔ اسے مسلم نے (المغازی) اور ابن ماجہ نے (الجهاد) میں نقل کیا ہے۔

3456 حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ، وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، حَتَّى لَوْ سَلَكُوا جُحْرَ ضَبٍّ لَسَلَكْتُمُوهُ. قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى قَالَ فَمَنْ. طرفه 7320

ابو سعیدؓ کہتے ہیں نبی اکرم نے فرمایا البتہ تم پوری طرح سابقہ لوگوں کے نقشِ قدم پر چلو گے حتی کہ اگر وہ گوہ کی بل میں بھی گھسے ہیں تو تم بھی اس میں گھسو گے، ہم نے پوچھا یہود اے اللہ کے رسول؟ فرمایا اور کون؟

ابو غسان سے مراد محمد بن مطرف ہے۔ (ضب) کہا گیا ہے کہ اسے خاص بالذکر اسلئے کیا کہ وہ قاضی البھائم کہلاتا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کے ذکر کی وجہ اس کے بل کا سخت تنگ وردی ہونا ہے تو یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ تم پچھلے لوگوں کے نقوشِ قدم پر چلو گے خواہ ان کے طور طریقے کتنے ردی ہوں یا تمہیں اس راہ میں کس قدر تنگی ومشقت برداشت کرنا پڑے۔ (فمن؟) استفہامِ انکاری ہے یعنی یہی مراد ہیں، اس پر باقی بحث کتاب الأحکام میں ہوگی۔

3457 حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوسَ، فَذَكَرُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى، فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ

يُوتِرَ الإِقَامَةَ .أطرافه 603، 605، 606، 607

حضرت انس کہتے ہیں لوگوں نے (اذان کی بابت مشورہ کرتے ہوئے) آگ جلانے اور ناقوس کا تذکرہ کیا اس پر کچھ نے کہا یہ تو یہود ونصاریٰ کا طریقہ ہے، (آخر) بلال کو حکم دیا کہ اذان میں کلمات دو مرتبہ اور اقامت میں ایک مرتبہ کہا کریں۔

خالد سے مراد حذاء ہیں، کتاب الصلاۃ میں اس کی شرح مع اَتم سیاق کے گزر چکی ہے۔

3458 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ ؓ كَانَتْ تَكْرَهُ أَنْ يَجْعَلَ (الْمُصَلِّى) يَدَهُ فِى خَاصِرَتِهِ وَتَقُولُ إِنَّ الْيَهُودَ تَفْعَلُهُ .تَابَعَهُ شُعْبَةُ عَنِ الأَعْمَشِ

حضرت عائشہؓ مکروہ سمجھتی تھیں کہ آدمی اثنائے نماز اپنی کوکھ پہ ہاتھ ٹکائے، کہا یہود یہ کرتے تھے۔

سفیان سے مراد ابن عیینہ ہیں۔ (كانت تكره الخ) کتاب الصلاۃ کے اواخر میں حدیثِ اَبی ہریرہ مرفوع کہ نبی اکرم نے اثنائے نماز خصر سے منع فرمایا، کے ضمن میں اس پر بحث گزر چکی ہے۔ (تابعه شعبة الخ) اسے ابن ابوشیبہ نے اپنے طریق سے موصول کیا ہے۔

3459 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؓ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّمَا أَجَلُكُمْ فِى أَجَلِ مَنْ خَلاَ مِنَ الأُمَمِ مَا بَيْنَ صَلاَةِ الْعَصْرِ إِلَى مَغْرِبِ الشَّمْسِ، وَإِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى كَرَجُلٍ اسْتَعْمَلَ عُمَّالاً فَقَالَ مَنْ يَعْمَلُ لِى إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ عَلَى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ فَعَمِلَتِ الْيَهُودُ إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ عَلَى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ، ثُمَّ قَالَ مَنْ يَعْمَلُ لِى مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلَى صَلاَةِ الْعَصْرِ عَلَى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ فَعَمِلَتِ النَّصَارَى مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلَى صَلاَةِ الْعَصْرِ، عَلَى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ، ثُمَّ قَالَ مَنْ يَعْمَلُ لِى مِنْ صَلاَةِ الْعَصْرِ إِلَى مَغْرِبِ الشَّمْسِ عَلَى قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ أَلاَ فَأَنْتُمُ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ مِنْ صَلاَةِ الْعَصْرِ إِلَى مَغْرِبِ الشَّمْسِ عَلَى قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، أَلاَ لَكُمُ الأَجْرُ مَرَّتَيْنِ، فَغَضِبَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى، فَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ عَمَلاً وَأَقَلُّ عَطَاءً، قَالَ اللَّهُ هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا قَالُوا لاَ .قَالَ فَإِنَّهُ فَضْلِى أُعْطِيهِ مَنْ شِئْتُ .أطرافه 557، 2268، 2269، 5021، 7467، 7533 (ترجمہ کیلئے جلد سوم ص: ۴۵۷)

کتاب الصلاۃ میں اس کی مفصل شرح بیان ہو چکی ہے۔

3460 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ ؓ يَقُولُ قَاتَلَ اللَّهُ فُلاَنًا، أَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ، حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ، فَجَمَّلُوهَا فَبَاعُوهَا .تَابَعَهُ جَابِرٌ وَأَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .طرفه 2223۔ (جلد

سوم ص: ۴۳۰)

سفیان سے مراد ابن عیینہ ہیں، یہاں بالاختصار نقل کیا ہے، کتاب البیوع میں مکمل سیاق کے ساتھ مع شرح ذکر ہو چکی ہے۔ (تابعه جابر الخ) ان کی متابعت اصلِ حدیث یعنی مردار کی چربی کے حرام ہونے کے ذکر میں ہے، قصہِ مذکورہ کی متابعت مراد نہیں، حدیثِ جابر مصنف نے کتاب البیوع کے آخر میں موصول کی ہے۔

علامہ انور (قاتل الله فلانا) کے تحت لکھتے ہیں اس شخص نے، جو حضرت سمرہ تھے جیسا کہ کتاب البیوع کے باب (لا یذاب شحم المیتة) کے تحت مکمل بحث گزری ہے، ایک کتابی سے بطورِ جزیہ شراب کی قیمت وصول کر لی اور اسے بیت المال میں جمع کرا دیا تھا، حدیث کے طرق میں ہے کہ انہوں نے اس کی بیع پر کسی کافر کو مقرر نہیں کیا کہ اس سے قیمت وصول کی ہو، لہٰذا یہ حنفیہ کے قول کی دلیل بنی کہ اگر مسلمان کسی کافر کے ذریعہ شراب کا کاروبار کریں تو صحیح ہے۔

3461 حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي كَبْشَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً، وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

عبد اللہ بن عمرو کہتے ہیں نبی پاک نے فرمایا مجھ سے جو سنو آگے پہنچا دو خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو! اور بنی اسرائیل کے واقعات بیان کر سکتے ہو، کوئی حرج نہیں اور جس نے جان بوجھ کر مجھ پہ جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

سند کے راوی ابو کبشہ سلولی کا تذکرہ کتاب الھبۃ کی ایک حدیث کے ضمن میں گزر چکا ہے، بخاری میں ان سے صرف یہی دو احادیث ہیں۔ (بلغوا عني و لو آية) معافی نہروانی کتاب الجلیس میں رقمطراز ہیں کہ لغت میں آیت تین معانی پر بولا جاتا ہے: علامتِ فاصلہ (یعنی فیصلہ کن نشانی)، اعجوبہِ حاصلہ (کوئی عجیب بات) اور کوئی بلیہِ نازلہ (اتر آنے والی مصیبت)، پہلے معنی کی مثال یہ آیت ہے (حضرت زکریاء کے قصہ میں): (آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا)، دوسرے کی مثال یہ آیت ہے: (إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً)، اور تیسرا معنی اس مثال میں موجود ہے: (جَعَلَ الأَمِيرُ فلاناً آيَةً)۔ یعنی حاکم نے فلاں کو نشان بنا دیا (جسے اردو محاورہ میں یوں کہا جاتا ہے: عبرت کا نشان بنا دیا یا نمونہِ عبرت)، تینوں معانی کا جامع یہ ہے کہ آیت اس کی دلالت، فصل اور اِبانت کے سبب کہا جاتا ہے، تو حدیث میں (ولو آية) کا مفہوم یہ بنا کہ ہر سامع جو کچھ بھی (یعنی وعظ و نصیحت کی کوئی بات ہو یا قرآن کی کوئی آیت، دوسرے لفظوں میں کتاب و سنت) سنے خواہ وہ قلیل مقدار میں ہی کیوں نہ ہو، آگے بیان کر دے تا کہ مجموعی لحاظ سے آنجناب پر نازل شدہ کل وحی، متلو و غیرِ متلو لوگوں تک پہنچ جائے۔

(وحدثوا عن بني إسرائيل الخ) قبل ازیں ان سے نقل و اخذ پر آنجناب کی جانب سے زجر صادر ہوئی تھی پھر اس بابت توسُّع کی راہ اختیار فرمائی اور ان سے تحدیثِ اَخبار کی اجازت مرحمت فرما رہے ہیں، گویا سابقہ زجر و نہی اسلامی احکام اور دینی قواعد کے استقرار سے قبل تھی تا کہ اندیشہِ التباس اور خوفِ فتنہ نہ ہو، پھر جب یہ خطرہ نہ رہا تو ان سے عبرت کے واقعات و قصص کے اخذ و نقل کی اجازت دی۔ بعض نے (لا حرج) کا معنی یہ کیا ہے کہ ان سے عجیب واقعات سن کر تمہیں تنگی نہ محسوس ہو کہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے، ان کی تاریخ میں اس قسم کے اعاجیب وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ ایک توجیہہ یہ کیگئی کہ لاحرج کے استعمال سے اس تحدیث کے عدم وجوب کی

طرف کیا ہے، چونکہ اولاً (حدثوا) فعلِ امر استعمال فرمایا جو مقتضیِ وجوب تھا پھر یہ ذکر کر کے باور کرایا کہ یہ امر برائے اباحت ہے تو ان سے ترکِ تحدیث میں کوئی حرج نہیں، مالک کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ ان سے جائز وحسن امور کے تحدث کا جواز ہے لیکن جن امور کا کذب معلوم ہو چکا ہو، وہ ان سے بیان نہیں کرنے چاہئیں۔ بعض نے یہ مراد بھی بیان کی ہے کہ ان سے تحدیث کرو جس صورت میں بھی بن پڑے، خواہ منقطعاً ہی کیوں نہ ہو، بخلاف اسلامی احکام کے کہ ان کی تحدیث میں اصل یہ ہے کہ سندِ متصل کے ذریعہ ہو کیونکہ یہ تو قریب العہد ہیں تو ان کی اَخبار کی سندِ متصل سے تحدیث چونکہ متعذر ہے لہٰذا بدونِ اتصال تحدیث کی اجازت دی۔ اس ضمن میں امام شافعی کہتے ہیں یہ امر معلوم ہے کہ آنجناب جھوٹی اَخبار ومعلومات کے تحدُث کی تو اجازت نہ دے سکتے تھے لہٰذا فقط ان معلومات واخبار کی تحدیث جائز ہے جنکا کذب تم نہ جانتے ہو، یہ آپ کے اس سلسلہ کے ایک اور فرمان کی نظیر ہے کہ جب اہل کتاب تمہیں کچھ بیان کریں تو نہ ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب، تو آپکی مراد ان اخبار کی جنکا صدق قطعی ہے، تحدیث کی نہ اجازت دے رہے اور نہ آپ منع فرما رہے ہیں۔

(ومن كذب على الخ) اس کی مفصل شرح کتاب العلم میں بیان ہو چکی ہے، علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آنجناب کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنا کبیرہ گناہ ہے حتی کہ شیخ ابو محمد جوینی تو ایسے شخص کو کافر قرار دیتے ہیں، قاضی ابوبکر ابن العربی کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے، بعض کرامیہ اور بعض زہاد نے جو یہ کہا کہ آنجناب کے نام سے ایسی احادیث بیان کرنا جن سے امرِ دین اور طریقہِ اہل سنت کی تقویت ہوتی ہو یا ترغیب وترہیب کے سلسلہ میں اپنی طرف سے کوئی حدیث گھڑ لینا، تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، تو یہ ان کا جہل ہے، اس ضمن میں ان کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ وعید تو آپ کے برخلاف جھوٹ گھڑنے والے کے حق میں ہے، ہم تو آپ کیلئے اپنی طرف سے باتیں بناتے ہیں (جیسے بریلوی نعت خواں حضرات کی نعتیں مبالغہ سے بھرپور ہوتی ہیں شائد ان کی دلیل بھی یہی ہے کہ حضور کی شان میں جو کچھ بھی کہیں، کم ہیں تو ان سے عرض کیا جاتا ہے کہ یہی تو اِطراء ہے جس سے آنجناب نے منع فرمایا تھا اللہ نے جو آپ کی شان بیان فرمائی ہے وہ کافی ہے، تو یہ ایک باطل دلیل ہے اس وعید کا مصداق ہر وہ جو آپ کا نام کر لے کر کوئی حدیث بیان کرے خواہ لہ ہو خواہ علیہ ہو، اسی طرح دیو بندی بھائی بھی فضائلِ اعمال کے نام سے بہت کچھ خانہ ساز باتیں بیان کرتے ہیں، الحمدللہ دین کامل ہے وہ اپنی تقویت کیلئے جھوٹی اور من گھڑت احادیث کا محتاج نہیں)۔ اسے ترمذی نے (العلم) میں نقل کیا ہے۔

3462حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى لاَ يَصْبُغُونَ، فَخَالِفُوهُمْ .طرفه5899

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں نبی اکرم نے فرمایا یہود اور نصاریٰ خضاب نہیں لگاتے تم ان کی مخالفت کرو۔

(فخالفوهم) یہ مشروعیتِ صبغ کا مقتضی ہے اس سے مراد داڑھی اور سر کے بالوں کا رنگنا ہے، ازالہِ شیب کے بارہ میں جو نہی وارد ہے وہ اس کے معارض نہیں کیونکہ صبغ ازالہِ شیب نہیں پھر اس سلسلہ میں ماذون صبغ غیرِ سواد کے ساتھ مقید ہے (یعنی بالوں کو سیاہ نہیں کرنا باقی جو رنگ بھی ہو)۔ مسلم کی حضرت جابر سے روایت میں ہے: (غَيِّرُوهُ و جَنِّبُوه السَّوادَ) اسے تبدیل کرو مگر اسے سیاہ کرنے سے بچاؤ۔ ابوداؤد کی ابن عباس سے مرفوع روایت جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا، میں ہے کہ آخری زمانہ میں ایسے لوگ ہوں

گے جو ہواصل الحمام (ایک قسم کا رنگ جو سرخ اور نیلے کے درمیان ہوتا ہے گویا نہایت سیاہ دکھائی دیتا ہے) کی مانند خضاب استعمال کیا کرینگے، ایسے لوگ جنت کی خوشبو تک نہ پائینگے، اس کی سند قوی ہے۔ البتہ اس کے رفع و وقف میں اختلاف ہے اگر اسے موقوف بھی مانا جائے تو ایسی بات اپنی رائے سے نہیں کہی جاسکتی لہٰذا حکماً مرفوع ہے اسی لئے نووی کا موقف ہے کہ بالوں کو سیاہ خضاب لگانا مکروہِ تحریمی ہے، حلیمی سے منقول ہے کہ یہ کراہت مردوں کیلئے ہے، عورتوں کیلئے سیاہ خضاب جائز ہے، مالک کہتے ہیں حناء اور کتم (یعنی وسمہ جس سے خضاب بناتے ہیں اور اس کی جڑ کو جوش دیکر روشنائی تیار کرتے ہیں) واسع ہے اور غیرِ سواد کے ساتھ خضاب کرنا مجھے زیادہ پسند ہے، اللہ کے راستے میں جہاد میں مشغول بالاتفاق سیاہ خضاب لگا سکتا ہے (تا کہ کافروں کو جوان نظر آئے)۔

اس حدیث میں مذکور صبغ کپڑوں یا ہاتھ پاؤں سے متعلق نہیں کیونکہ یہ تو یہود و نصاری بھی کرتے ہیں، شافعیہ نے تصریح کی ہے کہ مزعفر لباس پہننا مرد کیلئے حرام ہے، اسی طرح مرد کا اپنے پاؤں رنگنا بھی، البتہ بطورِ دواء کر سکتا ہے۔ (مثلاً کوئی اپنے پاؤں میں سخت گرمی محسوس کرتا ہے تو چونکہ مہندی کی تاثیر ٹھنڈی ہوتی ہے تو اسے تلووں میں لگایا جا سکتا ہے)۔ اسے نسائی نے بھی (الزينة) میں روایت کیا ہے۔

3463حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ قَالَ حَدَّثَنِي حَجَّاجٌ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْحَسَنِ حَدَّثَنَا جُنْدُبُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ، وَمَا نَسِينَا مُنْذُ حَدَّثَنَا، وَمَا نَخْشَى أَنْ يَكُونَ جُنْدُبٌ كَذَبَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ بِهِ جُرْحٌ، فَجَزِعَ فَأَخَذَ سِكِّينًا فَحَزَّ بِهَا يَدَهُ، فَمَا رَقَأَ الدَّمُ حَتَّى مَاتَ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى بَادَرَنِي عَبْدِي بِنَفْسِهِ، حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ .طرفه 1364۔ (جلد دوم ص:۴۶۲ میں مترجم ہے)

شیخِ بخاری ابن معمر ہیں ابن سکن نے فربری سے نسبت نقل کی ہے بعض نے ذہلی قرار دیا ہے، حجاج سے مراد ابن منہال جریر سے ابن حازم اور حسن سے مراد بصری ہیں۔ (فی هذا المسجد) یعنی بصرہ کی مسجد (أن يكون جندب الخ) اشارہ ہے کہ صحابہ عدول تھے اور ان میں سے کسی کی جانب سے یہ اندیشہ نہیں کہ آنجناب کی طرف وہ باتیں منسوب کرتے ہوں گے جو آپ نے نہیں فرمائیں۔ (به جرح) الجنائز کی روایت میں (جِراح) کا لفظ تھا، مسلم کی روایت میں ہے کہ ایک شخص کو پھوڑا نکلا: (خرجت به قرحة) ، گویا پہلے زخم تھا جو آخرِ پھوڑا بن گیا (یا پھوڑا بگڑ کر زخم و ناسور بن گیا)۔ (فجزع) یعنی اس کی تکلیف پر صبر نہ کر سکا۔ (فجز بها يده) سکین کا لفظ مذکر و مؤنث، دونوں طرح مستعمل ہے، مسلم کی روایت میں ہے جب تکلیف حد سے بڑھی تو اپنے ترکش سے تیر نکالا اور پھوڑے کو پھاڑ دیا، تو تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ اولاً تیر کے ساتھ اسے چھیلا، فائدہ نہ ہوا تو چھری کے ساتھ وہ جگہ ہی کاٹ دی۔ (بادرنی الخ) اس کی عجلت کی طرف اشارہ ہے، اس بارے بحث آئے گی۔

(حرمت عليه الجنة) یہ عقوبت کی تعلیل کے جاری مجریٰ ہے کہ اسنے جب استعجالِ موت کر کے اللہ تعالی کی نافرمانی اختیار کی تو باری تعالی نے یہ سزا اس کیلئے مناسب سمجھی، اس سے دلالت ملتی ہے کہ اس کا یہ جزع مذکور بغرضِ علاج نہیں بلکہ بقصدِ موت ہی تھا۔

(بادرنی بنفسه) میں اشکال خیال کیا گیا ہے کیونکہ اس کا عکسی مفہوم یہ بنتا ہے کہ اگر اس نے یہ کام نہ کیا ہوتا تو ابھی اس کی موت نہ آئی تھی اور وہ زندہ رہتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ مبادرت سے مراد موت کی بابت خود اس کا متسبِّب بننا ہے جو اپنے قصد و اختیار سے کیا (اور یہ بات ہر خودکشی کرنے والی کی نسبت کہی جا سکتی ہے) تو مبادرت کا یہ اطلاق ظاہری صورتِ موجود کے لحاظ سے ہے کیونکہ وہ تو اپنی اجل پر مطلع نہ تھا، اس نے بظاہر اپنے اختیار سے اپنی زندگی ختم کی اسی لئے اس عقوبت کا سزاوار ٹھہرا۔ قاضی ابوبکر لکھتے ہیں اللہ کی قضاء مطلق بھی ہوتی ہے اور کسی صفت کے ساتھ مقید بھی (یعنی قضائے معلق) تو مطلق تقدیر بلا صارف علی وجہٍ پر پوری ہوتی ہے، مقید علی الوجہین ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی کیلئے مقدر کیا گیا ہو کہ وہ بیس برس زندہ رہے گا، اگر خودکشی کی وگرنہ تیس سال زندہ رہیگا اور یہ مخلوق مثلاً فرشتۂ موت کے علم کی نسبت سے ہے، اللہ تعالیٰ کو تو علم ہے کہ وہ کیا کرے گا۔ (الدعاء یرد البلاء کی بابت اور صدقہ ردِ بلاء ہے کی بابت بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ قضائے معلق ہے، اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ فلاں پر یہ بلاء آئیگی لیکن اگر اس نے دعا کی یا صدقہ دیا تو ٹال دی جائیگی اور ساتھ ہی ذات باری تعالیٰ نے اپنے لامحدود علم سے یہ بھی لکھ رکھا ہے کہ وہ دعا یا صدقہ کریگا یا نہیں، تو مخلوق کو چونکہ یہ علم نہیں دیا لہٰذا ان کیلئے بظاہر ہر چیز اختیار سے ہے)۔ علامہ انور (بادَرنی عبدنی) کے تحت رقمطراز ہیں کہ موت تو بہرصورت آنی ہی تھی لیکن مبادرت کی۔

اسی طرح (حرمت علیه الجنة) میں یہ اشکال سمجھا گیا ہے کہ یہ گویا موحد کے خلود فی النار کو مقتضی ہے (یعنی اگر کسی موحد شخص نے خودکشی کر لی تو آیا وہ بھی ہمیشہ جنت سے محروم رہیگا؟) اس کے کئی جواب دئے گئے ہیں، ایک یہ کہ اس نے جب اس فعل کو حلال سمجھا تو اس کے سبب کافر ہو گیا۔ دوسرا یہ کہ وہ دراصل کافر ہی تھا، اس معصیت کے سبب زیادۃً علی کفرہ عقوبت کا حقدار ٹھہرا۔ تیسرا یہ کہ یہ حرمتِ جنت کسی خاص و معین وقت کی ہے مثلاً جب السابقون جنت میں داخل ہونگے یا اس وقت جب بعض گناہگار موحدین کو دوزخ میں عذاب دیا جا رہا ہوگا پھر وہ نکال دئے جائینگے۔ چوتھا یہ کہ اس سے مراد کوئی معین جنت مثلاً جنۃ الفردوس ہے۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ یہ بات علی سبیل التغلیظ والتخویف کہی ہے اس کا ظاہری مفہوم مراد نہیں۔ چھٹا یہ کہ تقدیرِ کلام یہ ہے کہ اگر میں چاہوں تو اس کیلئے جنت ہمیشہ حرام کردوں۔ ساتواں جواب نووی نے دیا ہے کہ ممکن ہے سابقہ شریعتوں میں ہو کہ کبائر کا ارتکاب کرنے والے کافر ہو جاتے ہیں۔

51 باب حَدِيثُ أَبْرَصَ وَأَعْمَى وَأَقْرَعَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ

(بنی اسرائیل کے ایک کوڑھی، ایک نابینا اور ایک گنجے کا واقعہ)

دراصل یہ سابقہ باب ہی کا تسلسل اور بارہویں حدیث ہے لیکن اس حدیث سے قبل یہ مذکورہ ترجمہ قائم کیا۔

3464 حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَجَاءٍ أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ

أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ ﵁ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ ثَلاَثَةً فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ أَبْرَصَ وَأَقْرَعَ وَأَعْمَى بَدَا لِلَّهِ أَنْ يَبْتَلِيَهُمْ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مَلَكًا، فَأَتَى الأَبْرَصَ .فَقَالَ أَيُّ شَىْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ لَوْنٌ حَسَنٌ وَجِلْدٌ حَسَنٌ، قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ .قَالَ فَمَسَحَهُ، فَذَهَبَ عَنْهُ، فَأُعْطِيَ لَوْنًا حَسَنًا وَجِلْدًا حَسَنًا .فَقَالَ أَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الإِبِلُ أَوْ قَالَ الْبَقَرُ هُوَ شَكَّ فِي ذَلِكَ، إِنَّ الأَبْرَصَ وَالأَقْرَعَ، قَالَ أَحَدُهُمَا الإِبِلُ، وَقَالَ الآخَرُ الْبَقَرُ فَأُعْطِيَ نَاقَةً عُشَرَاءَ .فَقَالَ يُبَارَكُ لَكَ فِيهَا .وَأَتَى الأَقْرَعَ فَقَالَ أَيُّ شَىْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ شَعَرٌ حَسَنٌ، وَيَذْهَبُ عَنِّي هَذَا، قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ .قَالَ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ، وَأُعْطِيَ شَعَرًا حَسَنًا .قَالَ فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْبَقَرُ .قَالَ فَأَعْطَاهُ بَقَرَةً حَامِلاً، وَقَالَ يُبَارَكُ لَكَ فِيهَا .وَأَتَى الأَعْمَى فَقَالَ أَيُّ شَىْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ يَرُدُّ اللَّهُ إِلَيَّ بَصَرِي، فَأُبْصِرُ بِهِ النَّاسَ .قَالَ فَمَسَحَهُ، فَرَدَّ اللَّهُ إِلَيْهِ بَصَرَهُ .قَالَ فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْغَنَمُ .فَأَعْطَاهُ شَاةً وَالِدًا، فَأُنْتِجَ هَذَانِ، وَوَلَّدَ هَذَا، فَكَانَ لِهَذَا وَادٍ مِنْ إِبِلٍ، وَلِهَذَا وَادٍ مِنْ بَقَرٍ، وَلِهَذَا وَادٍ مِنَ الْغَنَمِ .ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى الأَبْرَصَ فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِينٌ، تَقَطَّعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِي سَفَرِي، فَلاَ بَلاَغَ الْيَوْمَ إِلاَّ بِاللَّهِ ثُمَّ بِكَ، أَسْأَلُكَ بِالَّذِي أَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ وَالْمَالَ بَعِيرًا أَتَبَلَّغُ عَلَيْهِ فِي سَفَرِي فَقَالَ لَهُ إِنَّ الْحُقُوقَ كَثِيرَةٌ .فَقَالَ لَهُ كَأَنِّي أَعْرِفُكَ، أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ فَقِيرًا فَأَعْطَاكَ اللَّهُ فَقَالَ لَقَدْ وَرِثْتُ لِكَابِرٍ عَنْ كَابِرٍ فَقَالَ إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللَّهُ إِلَى مَا كُنْتَ، وَأَتَى الأَقْرَعَ فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ، فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِهَذَا، فَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَ مَا رَدَّ عَلَيْهِ هَذَا فَقَالَ إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللَّهُ إِلَى مَا كُنْتَ .وَأَتَى الأَعْمَى فِي صُورَتِهِ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِينٌ وَابْنُ سَبِيلٍ وَتَقَطَّعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِي سَفَرِي، فَلاَ بَلاَغَ الْيَوْمَ إِلاَّ بِاللَّهِ، ثُمَّ بِكَ أَسْأَلُكَ بِالَّذِي رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ شَاةً أَتَبَلَّغُ بِهَا فِي سَفَرِي .فَقَالَ قَدْ كُنْتُ أَعْمَى فَرَدَّ اللَّهُ بَصَرِي، وَفَقِيرًا فَقَدْ أَغْنَانِي، فَخُذْ مَا شِئْتَ، فَوَاللَّهِ لاَ أَجْهَدُكَ الْيَوْمَ بِشَىْءٍ أَخَذْتَهُ لِلَّهِ .فَقَالَ أَمْسِكْ مَالَكَ، فَإِنَّمَا ابْتُلِيتُمْ، فَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنْكَ وَسَخِطَ عَلَى صَاحِبَيْكَ .طرفه 6653

ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ انہوں نے رسولِ پاک سے سنا فرماتے تھے بنی اسرائیل میں ایک کوڑھی، ایک اندھا اور ایک گنجا تھا، اللہ نے چاہا کہ ان کا امتحان لیا جائے تو ایک فرشتہ ان کی طرف بھیجا، سب سے پہلے وہ ابرص کے پاس آیا اور کہا تمہیں سب سے زیادہ کونسی چیز پسند ہے؟ وہ بولا اچھا رنگ اور عمدہ جلد، کیونکہ لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں فرشتہ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کی سب تکلیف

رفع ہوگئی، اسے رنگ وروپ مل گیا پھر پوچھا کونسا مال تجھے زیادہ پسند ہے؟ بولا اونٹ یا کہا گائے، راوی کو شک ہے کہ کونسا کہا تھا، ابرص اور اندھے میں سے ایک نے اونٹ اور ایک نے گائے کا کہا تھا۔ تو اسے ایک حاملہ اونٹنی دیدی گئی پھر وہ گنجے کے پاس آیا اور کہا تیری سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟ اس نے کہا میرا گنجا پن ختم ہو اور اچھے اچھے بال اگ آئیں، فرشتہ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کی یہ شکایت ختم ہوگئی پھر پوچھا کونسا مال پسند ہے؟ بولا گائے، تو اسے حاملہ گائے دیدی گئی اور کہا اللہ تمہارے لئے اس میں برکت کرے، پھر فرشتہ اندھے کے پاس آیا اس سے بھی وہی بات کہی وہ بولا کہ میری نظر واپس مل جائے کہ لوگوں کو دیکھ سکوں! فرشتہ نے اس پہ ہاتھ پھیرا تو اللہ نے اس کی بینائی لوٹا دی، مال کا پوچھا تو اس نے ریوڑ لینا پسند کیا، اسے حاملہ بکری عطا کر دیگئی، آخر سب کے جانوروں نے بچے جنے اور ہر ایک کے پاس اتنے جانور ہوگئے کہ وادی بھر گئی پھر ایک دن فرشتہ ابرص کے پاس اس کی اسی پہلے والی شکل میں آیا اور کہا مسکین آدمی ہوں سفر میں ہوں، تمام اسباب وسامان ختم ہو چکا ہے اب سوائے اللہ کے کوئی سہارا نہیں پھر تجھ سے امید لیکر آیا ہوں، اس ذات کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جس نے تجھے حسین رنگ اور حسین جلد عطا کی اور مالدار بنایا کہ مجھے ایک اونٹ دیدو جس پہ اپنا سفر مکمل کرلوں وہ بولا کیا کروں بہت سے حقوق میرے ذمہ ہیں (یعنی تیری حاجت پوری نہیں کرسکتا)، وہ آدمی صورتِ فرشتہ کہنے لگا لگتا ہے میں تجھے پہچان رہا ہوں، کیا تو وہ ابرص تو نہیں جس سے لوگ نفرت کیا کرتے تھے؟ پھر فقیر تھے اللہ نے مالدار بنا دیا، اس نے کہا میں تو جدی پشتی مالدار آدمی ہوں، فرشتہ بولا اگر تم نے جھوٹ بولا ہے تو اللہ کرے تم پہلے کی طرح ہو جاؤ، پھر وہ گنجے کے پاس آیا، اس سے وہی بات کہی، اس نے بھی ابرص کا سا جواب دیا، فرشتہ نے اسے بھی کہا کہ اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تمہیں پھر ویسا ہی بنا دے، آخر میں وہ اندھے کے پاس آیا اور کہا مسکین اور مسافر آدمی ہوں سفر میں محتاج ہو چکا ہوں اب اللہ کے بعد آپ سے امید ہے کہ ایک بکری عنایت کریں جس سے سفری ضروریات پوری کرلوں، اس نے کہا میں ایک اندھا شخص تھا اللہ نے میری بینائی واپس کی پھر مجھے مالدار بنادیا آج تم جتنی چاہو بکریاں لے جاؤ میں ہرگز منع نہ کرونگا، اس پر فرشتہ بولا اپنا مال سنبھالو، یہ تو تمہاری آزمائش تھی، اللہ تجھ سے راضی ہوا اور تمہارے دونوں ساتھیوں پر ناراض۔

شیخِ بخاری کی نسبت سرماری ہے، سرمارہ بخارا کی ایک نواحی بستی تھی، زاہد ومجاہد اور امام بخاری کے اُقران (یعنی ہم عمروں) میں سے تھے، ۲۴۲ھ میں انتقال کیا، تحویل کے بعد والی سند کے شیخِ بخاری محمد کی بابت کہا گیا ہے کہ ذہلی ہیں بعض کی رائے میں خود بخاری مراد ہیں، اس کی تائید اس امر سے بھی ملتی ہے کہ عبداللہ بن رجاء ان کے شیوخ میں سے ہیں، کتاب اللقطۃ اور کئی اور مواضع میں ان سے روایت نقل کی ہے لیکن ابوذر ذہلی ہونا تجویز کرتے ہیں، خود انہوں نے جوزقی عن مکی عن الذہلی سے اس کی تخریج کی ہے، ابونعیم بھی قطعیت کے ساتھ ذہلی قرار دیتے ہیں، انہوں نے یہی سیاق موسیٰ بن عباس عن محمد بن یحیی (ذہلی) کے حوالے سے تخریج کیا ہے۔ کتاب التوحید میں ایک دیگر حدیث کی تخریج کے ضمن میں یہی دونوں سندیں ابو ہریرہ سمیت ذکر کی ہیں، بخاری میں اسحاق بن ابوطلحہ عن عبد الرحمٰن بن ابوسمرہ سے سوائے ان دو کے کوئی اور روایت نہیں، اسحاق بنَ عبداللہ سے مراد ابن ابوطلحہ ہیں (ابوطلحہ حضرت انس کے سوتیلے والد ہیں) مسلم اور اسماعیلی کے ہاں شیبان نے ھمام سے اس کی روایت میں صراحت کی ہے۔

(بدا لِلّٰہ) یعنی اللہ کے علم میں سابقاً تھا تو اب اس کے ظہور وقوع کا وقت آیا، یہاں بدا (خفی) کا عکس نہیں کہ اللہ کی نسبت محال ہے، مسلم نے شیبان کے حوالے سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: (أراد الله أن يبتليهم) تو شائد یہ تغایر تصرفِ رواۃ کا نتیجہ ہے، یہ

الفاظ محلِ نظر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہمیشہ سے قائم ہے (یعنی یہ نہیں کہ اب ارادہ بنا) تو معنی یہ ہے کہ اس کا اظہار اللہ کی مشیت کے مطابق اب ہوا، بعض نے أراد کا معنی (قضیٰ) کیا ہے۔ صاحب المطالع لکھتے ہیں ہم نے اپنے متقن اساتذہ سے ہمزہ کے ساتھ یعنی (بدأ) بمعنی (ابتدأ) ضبط کیا ہے، یعنی اللہ نے ان کی آزمائش شروع فرمائی، کہتے ہیں کثیر شیوخ نے بغیر ہمز بھی روایت کیا ہے مگر یہ خطا ہے، قبل ازیں خطابی نے بھی اسے خطا قرار دیا ہے لیکن ان کا کہنا درست نہیں، یہ بھی قابلِ توجیہہ ہے اولیٰ یہی ہے کہ اس کا معنی یہ کیا جائے کہ اللہ نے فیصلہ کیا کہ ان کی آزمائش کی جائے، وہ بدء جسکا تقاضہ حالتِ سابق کی تغییر ہوتا ہے، یہاں مراد نہیں۔ (قزرنی الناس) یعنی مجھے دیکھ کر مشمئز ہوتے ہیں (یعنی ناک منہ چڑھاتے ہیں) کرمانی نے (قذرونی الناس) لکھا ہے یہ (أكلوني البراغيث) کی لغت پر ہے (اس لغت کے مطابق فعل اگرچہ فاعل سے مقدم ہو لیکن فاعل اگر جمع ہے تو وہ بھی جمع کا صیغہ ہوگا)۔

(هو شك الخ) مسلم کی شیبان سے روایت میں یہ تصریح بھی ہے کہ یہ شک راوی حدیث اسحاق بن عبد اللہ کی طرف سے ہے۔ (ناقة عشراء) دس ماہ کے حمل والی اونٹنی، یہ نفیس ترین مال و اثاثہ سمجھا جاتا تھا۔ (يبارك الخ) صیغۂ مجہول، شیبان کے ہاں (بارك الله الخ) ہے۔ (فأنتج هذان) یعنی صاحبِ ابل اور صاحبِ بقر۔ (وولد هذا) یعنی صاحب الشاۃ، یہاں لام مشدد ہے، أنتج کا استعمال شاذ ہے، مشہور فی اللغت (نتج) ہے، (أنتجت الفرس) مسموع ہے، وضعِ ولادت کے معنی میں، صفت نتوج ہے۔ (أنتج هذا الخ) کی بابت کہتے ہیں لغتِ عرب میں أنتج کا لفظ بعض حیوانات اور ولد کا لفظ بعض حیوانات کے ساتھ مختص ہے۔ (أتى الأبرص في صورته) یعنی اس صورت میں جو اس ابرص کی تھی، گویا فرشتہ خود ابرص بنکر آیا تا کہ اقامتِ حجت میں یہ ابلَغ ہو۔ (رجل مسكين) شیبان کی روایت میں مزید (و ابن سبيل) بھی ہے۔

(الحبال في سفره) انقطاعِ اسباب سے کنایہ ہے، حبل کی جمع ہے بعض نے عقبات مراد لیا ہے (یعنی رکاوٹیں) بعض رواۃِ مسلم نے (الحيال) ذکر کیا ہے، حیلۃ کی جمع۔ بخاری کے بعض رواۃ نے (الجبال) کہا ہے لیکن یہ تصحیف ہے۔ ابن تین لکھتے ہیں فرشتہ نے (رجل مسكين) اسلئے کہا تا کہ اسے یاد دلائے کہ کبھی اس کی بھی یہی حالت تھی، یہ معاریض سے ہے، مخاطب کے تیقُّظ کی خاطر ایسا کیا۔ (أتبلغ عليه) کشمیہنی کے ہاں (به) ہے، بلغۃ یعنی کفایۃ، سے ماخوذ ہے یعنی جو مجھے منزل تک پہنچا دے۔ (فصيرك الله الخ) بد دعا میں مبالغہ کا اسلوب استعمال کرتے ہوئے فعل ماضی ذکر کیا۔

(لا أحمدك اليوم الخ) بخاری میں ھاء اور میم کے ساتھ ہی ہے بقول عیاض رواۃِ بخاری اس بابت متفق ہیں، بقول ابن حجر ایسا نہیں، کریمہ بنت احمر کے نسخۂ بخاری میں اور مسلم کی اکثر روایات میں: (لا أجهدك الخ) ہے، پہلے لفظ پر معنی یہ ہے کہ میرے مال سے جس بھی چیز کا تو محتاج ہے، اس میں سے کسی شئ کے ترک پر تیری تعریف نہ کرونگا، یہ شاعر کے اس قول کی نظیر ہے: (وليس علىٰ طُول الحياة تندم) أی فوت طول الحياة، جبکہ (لا أجهدك) کا معنی یہ ہوگا کہ میرے مال سے کوئی بھی چیز لینے پر تجھے ناگواری و مشقت کا نشانہ نہیں بناؤں گا، عیاض لکھتے ہیں بعض لوگوں کیلئے یہ معنی واضح نہیں تو انہوں نے کہا شائد یہ (لا أحدّك) ہے بغیر میم کے اور دالِ مشدد کے ساتھ، یعنی (لا أمنعك) کہتے ہیں یہ تکلّف ہے، بقول ابن حجر یہ بھی محتمل ہے کہ (اُحمدک) بابِ تفعیل سے ہو، بمعنی (لا أطلب منك الحمد) ہو، یعنی میں تجھ سے طالبِ تعریف نہیں۔ علامہ انور (فوالله لا أحمدك الخ) کا معنی یہ کرتے ہیں کہ اگر تم نے قلیل مال لیا تو اس پر تیری تعریف نہ کرونگا۔

(فقد رضی عنك) رضی اور آگے سخط دونوں مجہول کے صیغے ہیں، کرمانی کہتے ہیں اعمی کا مزاج باقی دو کی نست صحیح تھا کیونکہ برص اور گنجا پن مزاج کی خرابی اور طبیعت کے خلل کے سبب پیدا ہوتا ہے، اندھا پن کسی امرِ خارجی کے سبب ہوتا ہے (یا پیدائشی ہوتا ہے) اسلئے فرشتہ کے اس مردِ مسکین کی صورت میں آنے پر اس کا سلوک باقی کی نسبت اچھا رہا۔

حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی شخص کے ماضی کا تذکرہ ازرہِ وعظ وعبرت، کیا جا سکتا ہے اور یہ غیبت شمار نہ ہوگا شائد اسی سبب ان کے نام مذکور نہیں کئے گئے، آیا فرشتہ کی یہ بد دعا ان کے حق میں قبول ہوئی؟ اس بارے کسی جگہ کوئی تصریح نہین لیکن بظاہر ایسا ہی ہوا ہوگا۔ حدیث سے کفرانِ نعمت سے تحذیر بھی ملی اور رِفق باَضعفاء کی ترغیبَ بھی، بخل سے زجر بھی ثابت ہے کیونکہ یہ بخیل کو کذب بیانی کا مرتکِب اور اللہ تعالی کی نعمتوں کا جاحِد (منکر) بھی بنا دیتا ہے۔

52 باب (أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ) (اصحابِ کہف ورقیم)

الْكَهْفُ الْفَتْحُ فِي الْجَبَلِ، وَالرَّقِيمُ الْكِتَابُ .مَرْقُومٌ مَكْتُوبٌ مِنَ الرَّقْمِ (رَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ) أَلْهَمْنَاهُمْ صَبْرًا (شَطَطًا) إِفْرَاطًا، الْوَصِيدُ الْفِنَاءُ وَجَمْعُهُ وَصَائِدُ وَوُصُدٌ، وَيُقَالُ الْوَصِيدُ الْبَابُ (مُؤْصَدَةٌ) مُطْبَقَةٌ، آصَدَ الْبَابَ وَأَوْصَدَ (بَعَثْنَاهُمْ) أَحْيَيْنَاهُمْ (أَزْكَى) أَكْثَرُ رَيْعًا .فَضَرَبَ اللَّهُ عَلَى آذَانِهِمْ، فَنَامُوا (رَجْمًا بِالْغَيْبِ) لَمْ يَسْتَبِنْ .وَقَالَ مُجَاهِدٌ (تَقْرِضُهُمْ) تَتْرُكُهُمْ. اللہ تعالی کا فرمان: (ترجمہ) کیا تم نے سمجھا ہے کہ کہف اور اصحابِ رقیم ہماری عجیب نشانیوں میں سے ہیں۔ (الكهف) یعنی غار (الرقيم) یعنی کتاب (مرقوم) یعنی مکتوب، رقم سے ہے۔ (ربطنا علی قلوبهم) یعنی انہیں صبر کی توفیق دی۔ (شططا) یعنی افراطا۔ (الوصيد) یعنی صحن اس کی جمع وصائد اور وصد ہے دروازے کو بھی وصید کہتے ہیں۔ (مؤصدة) یعنی بند کیا ہوا، عرب کہتے ہیں: آصد الباب اور أوصد، دونوں کا معنی ہے بند کرنا۔ (بعثناهم) یعنی أحييناهم، ہم نے انہیں زندہ کیا۔ (أزکیٰ) یعنی پاکیزہ۔ (فضرب الله علی آذانهم) یعنی نیند طاری کردی۔ (رجماً بالغيب) یعنی بلا دلیل (اٹکل پچو)۔ مجاہد (تقرضهم) کا معنی کرتے ہیں: یعنی چھوڑ دیتا ہے۔

اسکے تحت اصحابِ کہف کے قصہ پر مشتمل آیات کے کچھ الفاظ کی تفسیر کے نقل پر اکتفاء کیا ہے۔ (الكهف الفتح الخ) یہ ضحاک کا قول ہے، ابن ابو حاتم نے نقل کیا ہے۔ اصحابِ کہف کے اس غار کے محلِ وقوع کی بابت اختلاف ہے، اخبارِ متضافرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بلادِ روم میں ہے، طبری نے ضعیف سند کے ساتھ ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ایلہ (فلسطین) کے قریب تھا بعض نے طرسوس کے قریب بتلایا ہے بعض نے ایلہ اور فلسطین کے کہیں درمیان ذکر کیا ہے۔ (آجکل مشہور یہ ہے کہ اردن کے ملک میں ایک معروف جگہ ہے یہاں کچھ تابوت بھی رکھے ہوئے ہیں، بعض دیکھنے والوں نے بتلایا کہ تابوت کے اوپر شیشہ لگا ہے جس میں دیکھنے سے پاؤں سے نظر آتے ہیں، اوکاڑہ کے مولانا رفیق مدنی حال مقیمِ برطانیہ بھی وہاں ہو آئے ہیں، انہی نے یہ معلومات فراہم کی ہیں، اللہ اعلم کہ یہ لاشیں انہی اصحابِ کہف کی ہیں یا حکومتِ اردن نے ایک شو بازی کا اہتمام کیا ہے)۔ ابن مردویہ نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اصحابِ کہف امام مہدی کے اعوان بنیں گے، اس کی سند ضعیف ہے بفرضِ ثبوت اس کا مطلب ہے کہ وہ ابھی اسی نیند کی حالت میں ہیں، موت واقع نہیں ہوئی۔ (والرقيم الخ) طبری نے علی بن أبو طلحة عن ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رقیم بمعنی کتاب ہے۔ (مرقوم: مكتوب) یہ ابو عبیدہ کا قول ہے، سورۃ المطففین کی آیت: (كتاب مرقوم) کی تفسیر میں ذکر کیا ہے، کئی دیگر اقوال

بھی منقول ہیں طبری نے سعید عن قتادة اور عطیہ عوفی کے طریق سے نقل کیا ہے کہ رقیم وہ وادی ہے جس میں کہف تھا (یعنی اصحاب کہف کا غار) ابو عبیدہ بھی یہی کہتے ہیں، انہیں کی بطریق ابن عباس عن کعب احبار منقول ہے کہ رقیم شہر کا نام تھا۔ ابن ابی حاتم انس بن مالک سے اور سعید بن جبیر سے ناقل ہیں کہ رقیم اصحابِ کہف کے کتے کا نام ہے، بعض نے اس غار کا نام بھی قرار دیا ہے، حدیثِ غار میں اس کی بحث آئیگی۔ تفسیر سورۃ الکہف میں ابن عباس کا قول ذکر ہوگا کہ رقیم رصاص کی ایک لوح تھی جس میں اصحاب کہف کے نام لکھے گئے جب وہ اچانک شہر سے لا پتہ ہو گئے تھے اور ان کے بارہ میں کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کدھر گئے، ایک قول یہ بھی ہے کہ لوحِ مذکور میں ان کا دستور لکھا تھا، بعض اہل علم کی رائے ہے کہ یہ ایک الگ قوم ہیں، اللہ تعالی نے ان کا قصہ قرآن میں ذکر نہیں فرمایا، ابن حجر اس کی نفی کرتے ہوئے قرار دیتے ہیں کہ قرآن کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصحابِ کہف ہی اصحابِ رقیم ہیں۔

(ألهمناهم صبرا) یہ ابو عبیدہ کا قول ہے (شططا الخ) ابو عبیدہ نے یہ بات (لَقَدْ قُلْنا إذاً شَطَطاً) [الكهف :۱۴] کی تفسیر میں لکھی ہے طبری نے قتادہ سے (كذبا) نقل کیا ہے۔

(الوصيد الفناء) یہ ابن عباس کا قول ہے، ابن ابو حاتم نے موصول کیا ہے، ابن جریر نے بھی سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے۔ (وجمعه و صا ئد الخ) ابو عبیدہ (وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيد) کی تفسیر میں لکھتے ہیں، یعنی دروازے پر اور (بفناء الباب) کیونکہ دروازہ بند کیا جاتا ہے۔ (يُوصد) کہا گیا ہے کہ وصید دہلیز کو بھی کہتے ہیں، کہا جاتا ہے: (أوصِدْ بابَكَ و آصِدْهُ) یعنی اس کی دہلیز بنواؤ، طبری ابو عمرو بن علاء سے ناقل ہیں کہ اہل یمن و تہامہ وصید جبکہ اہل نجد أصيد بولتے ہیں۔ (مؤصدة مطبقة) قولہ تعالی (نارٌ مُؤْصَدَة) [الهمزه : ۸] کی تفسیر میں کہتے ہیں، یہ استطراداً ذکر کیا ہے۔ (بعثنا هم الخ) یہ بھی ابو عبیدہ کا قول ہے۔ (أزكىٰ الخ) ابو عبیدہ کا یہ قول (أَيُّها أزْكىٰ طَعاما) [الكهف: ۱۹] کی تفسیر میں ہے، عبد الرزاق نے اپنی تفسیر میں معمر عن قتادہ کے حوالے سے: (خيرٌ طعاما) کہا ہے، طبری نے سعید بن جبیر سے (أحَلُّ) نقل کیا ہے اور اسے راجح قرار دیا ہے۔

(فضرب الله على الخ) یہ ابن عباس کا قول ہے آگے اس کے طریق کا ذکر ہوگا، بعض نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ ان کے کانوں تک باہر کا شور شرابہ نہ جانے دیا۔ (رجما بالغيب) کی تفسیر میں عبد الرزاق نے معمر عن قتادہ سے (قذفا بالظن) نقل کیا ہے، ابو عبیدہ سے منقول ہے کہ رجم وہ ظن جسے یقین کا ساتھ نہ نصیب ہو، ایک شعر میں یوں کہا گیا: (وما الحَرْبُ إلا ما عَلِمْتم و ذُقْتُم وما هُوَ عَنْها بِالحديث المُرَجَّمِ) (یہ زہیر بن ابو سُلمیٰ کا شعر ہے)۔

(وقال مجاهد تقرضهم الخ) التفسیر میں اس پر کلام آئیگی، آخرِ بحث ابن حجر تنبیہ کے عنوان سے رقمطراز ہیں کہ مصنف نے اس ترجمہ کے تحت کوئی مسند روایت نقل نہیں کی، عبد بن حمید نے بسند صحیح ابن عباس سے قصہِ اصحاب کہف مطولا لیکن غیر مرفوع نقل کیا ہے، اس کا ملخص یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباس حضرت معاویہ کے ہمراہ جہاد کیلئے نکلے تو ان کا گزر اس کہفِ مذکور سے ہوا، معاویہ کہنے لگے میں (غار کھول کر) ان کا کشفِ معاملہ کرنا چاہتا ہوں مگر ابن عباس نے منع کیا لیکن وہ نہ مانے اور ایک جماعت کو (غار کے اندر) بھیجا تو اللہ تعالی نے آندھی چلا دی جس نے انہیں باہر نکل آنے پر مجبور کر دیا تب ابن عباس نے بیان کیا کہ اصحاب کہف ایک ظالم بت پرست بادشاہ کی مملکت میں تھے اس پر ان نوجوانوں نے باہم عہد و میثاق کر کے غار کا رخ کیا ادھر سب کے اہل خانہ ان کی تلاش میں

لگ گئے بادشاہ کو بھی خبر دی اس نے ایک لوح میں ان کے نام لکھنے کا حکم دیا اور اسے خزانہ میں رکھوادیا، یہ نوجوان غار میں پناہ گزین ہو گئے اللہ نے ان پر نیند طاری کر دی پہلو بدلتے رہتے تھے وگرنہ ایک طرف پڑے پڑے زمین ان کے اجسام کھا جاتی پھر دن گزرے ایک اور بادشاہ کا دور آیا جس نے بت پرستی ختم کر کے وحدانیت کا بول بالا کیا، اس کے دور میں (قرآن کے مطابق تین سونو برس بعد) اللہ تعالی نے اصحابِ کہف کو بیدار کیا تو اپنے میں سے ایک نوجوان کو شہر بھیجا تا کہ ان کیلئے طعام لے آئے وہ شہر میں آیا تو نیا ماحول اور نئے لوگ دیکھے، کسی تنور والے کو وہ پرانہ سکہ دیا تو اس نے موجودہ کرنسی سے مختلف پا کر اسے کہا میں امیرِ شہر کو بتلاتا ہوں، یہ نوجوان بولا مجھے بادشاہ سے ڈراتے ہو جبکہ میرا باپ اس کا دہقان ہے اس نے نام پوچھا اس نے بتلایا لیکن وہ کہنے لگا اس نام کا تو کوئی دھقان نہیں، اب لوگ جمع ہو گئے اس کا معاملہ بادشاہ تک پہنچایا۔

وہ ساری کتھا سنکر کہنے لگا خزانہ میں ایک لوح میں کچھ نوجوانوں کے نام اور ان کا قصہِ گم شدگی درج ہے وہ لاؤ، چنانچہ لوح لائی گئی، اسکا اور اسکے ساتھیوں کے نام پوچھے تو یہ وہی نام تھے جو اس لوح میں درج تھے، لوگوں نے اللہ اکبر کہا اور سب اس غار کی طرف چلے، نوجوان آگے آگے ہوا تا کہ اس کے ساتھی ایک لشکر دیکھ کر گھبرانہ جائیں داخل ہوئے تو اللہ نے ان نوجوانوں کو ان سے پوشیدہ کرلیا، جان ہی نہ سکے کہ کہاں گئے؟ پھر اتفاقِ رائے سے اس جگہ ایک مسجد بنا دی گئی۔ ابن ابو حاتم شہر بن حوشب سے ناقل ہیں، کہتے ہیں میرا ایک دوست بڑا بلند ہمت تھا اس کا اس کہف سے گزر ہوا تو اندر جانے کا ارادہ بنایا اسے منع کیا گیا مگر وہ مصر رہا لیکن جب اندر سے واپس آیا تو اس کی آنکھیں سفید ہو چکی تھیں (یعنی اندھا ہو چکا تھا) اور بال بھی سفید ہو چکے تھے، عکرمہ سے منقول ہے کہ اس طویل نیند کا سبب یہ ہے کہ وہ اس بحث میں پڑے ہوئے تھے کہ اللہ تعالی (روزمحشر) صرف ردح کو اٹھائے گا یا جسم و روح دونوں کو، تو ان پر یہ طویل نیند طاری کر دی پھر انہیں اٹھایا جس پر جان گئے کہ جسم بھی روح کی طرح اٹھایا جائے گا، ابن عباس سے منقول ہے کہ پہلے بادشاہ کا نام دقیانوس تھا جبکہ نوجوانوں کے نام یہ ہیں: مکسلمینا، مخشلینا، تملیخا، مرطونس، کنشطونس، بیرونس اور دینموس۔ مجاھد سے منقول ہے کہ ان کے کتے کا نام قطمیر وا تھا، حسن سے قطمیر منقول ہے کئی اور نام بھی مذکور ہیں، مجاہد نے اس کا رنگ بھی بتلایا ہے کہ زرد تھا، انہی سے نقل کیا جاتا ہے کہ تملیخا کو پیسے دیکر شہر کھانا لانے بھیجا تھا۔ ابن اسحاق نے بھی المبتدا میں ان کا پورا واقعہ بیان کیا ہے، جس بادشاہ کے دور میں اٹھائے گئے اس کا نام وہ بتدرسیس ذکر کرتے ہیں، طبری نے عبداللہ بن عبید بن عمیر سے نقل کیا ہے کہ وہ شکاری کتا تھا، وھب سے منقول ہے کہ کھیتی باڑی کا کتا تھا، مقاتل کہتے ہیں یہ کتا ان کے بڑے کی ملکیت تھا اور کلبِ غنم تھا (یعنی ریوڑ کا نگہبان)۔

53 باب حَدِيثُ الْغَارِ (غار والوں کا قصہ)

قصہِ اصحابِ کہف کے بعد غار میں پھنس جانے والے تین اشخاص کے واقعہ پر مشتمل حدیث نقل کی ہے اس سے اس قول کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اصحابِ رقیم سے مراد یہ غار والے ہیں، یہ بزار اور طبرانی نے بسند حسن نعمان بن بشیر سے نقل کیا ہے، کہتے ہیں میں نے آنجناب سے سنا، الرقیم کا تذکرہ فرماتے ہوئے بیان کیا کہ تین افراد اثنائے سفر ایک غار میں پھنس گئے۔

علامہ انور اس بابت لکھتے ہیں کہ یہ باب ان ابواب کے دوران بظاہر غریب معلوم پڑتا ہے تو ماقبل و مابعد سے اس کے تعلق کی بابت کہا گیا ہے کہ سابقہ باب اصحاب رقیم کی بابت تھا تو یہ اس کی تفسیر وتشریح کے مترادف ہے، تحقیق یہ ہے کہ اصحابِ رقیم سے مراد یہی اصحابِ غار ہیں انہیں اصحاب رقیم اس وجہ سے کہا گیا کہ بادشاہ نے ایک کتاب لکھ کر وہاں رکھ چھوڑی تھی، ایک توجیہہ یہ ہے کہ یہ ماقبل کی تفسیر نہیں بلکہ ایک علیحدہ اور مستقل باب ہے جس میں بنی اسرائیل کے قصص میں سے ایک قصہ مذکور ہوا ہے (یعنی اصحاب رقیم سے اس کا تعلق نہیں البتہ ماذکرعن بنی اسرائیل کے عنوان سے جو اعاجیب کا تذکرہ کر رہے ہیں یہ بھی انہی میں سے ایک ہے)۔

3465 حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ خَلِيلٍ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؓ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ بَيْنَمَا ثَلاَثَةُ نَفَرٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ يَمْشُونَ إِذْ أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فَأَوَوْا إِلَى غَارٍ فَانْطَبَقَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ إِنَّهُ وَاللَّهِ يَا هَؤُلاَءِ لاَ يُنْجِيكُمْ إِلاَّ الصِّدْقُ فَلْيَدْعُ كُلُّ رَجُلٍ مِنْكُمْ بِمَا يَعْلَمُ أَنَّهُ قَدْ صَدَقَ فِيهِ فَقَالَ وَاحِدٌ مِنْهُمُ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ كَانَ لِي أَجِيرٌ عَمِلَ لِي عَلَى فَرَقٍ مِنْ أَرُزٍّ فَذَهَبَ وَتَرَكَهُ وَأَنِّي عَمَدْتُ إِلَى ذَلِكَ الْفَرَقِ فَزَرَعْتُهُ فَصَارَ مِنْ أَمْرِهِ أَنِّي اشْتَرَيْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَأَنَّهُ أَتَانِي يَطْلُبُ أَجْرَهُ فَقُلْتُ اعْمِدْ إِلَى تِلْكَ الْبَقَرِ فَسُقْهَا فَقَالَ لِي إِنَّمَا لِي عِنْدَكَ فَرَقٌ مِنْ أَرُزٍّ فَقُلْتُ لَهُ اعْمِدْ إِلَى تِلْكَ الْبَقَرِ فَإِنَّهَا مِنْ ذَلِكَ الْفَرَقِ، فَسَاقَهَا، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ مِنْ خَشْيَتِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا فَانْسَاحَتْ عَنْهُمُ الصَّخْرَةُ فَقَالَ الآخَرُ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ كَانَ لِي أَبَوَانِ شَيْخَانِ كَبِيرَانِ فَكُنْتُ آتِيهِمَا كُلَّ لَيْلَةٍ بِلَبَنِ غَنَمٍ لِي فَأَبْطَأْتُ عَلَيْهِمَا لَيْلَةً فَجِئْتُ وَقَدْ رَقَدَا وَأَهْلِي وَعِيَالِي يَتَضَاغَوْنَ مِنَ الْجُوعِ فَكُنْتُ لاَ أَسْقِيهِمْ حَتَّى يَشْرَبَ أَبَوَايَ، فَكَرِهْتُ أَنْ أُوقِظَهُمَا، وَكَرِهْتُ أَنْ أَدَعَهُمَا، فَيَسْتَكِنَّا لِشَرْبَتِهِمَا، فَلَمْ أَزَلْ أَنْتَظِرُ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ مِنْ خَشْيَتِكَ، فَفَرِّجْ عَنَّا. فَانْسَاحَتْ عَنْهُمُ الصَّخْرَةُ، حَتَّى نَظَرُوا إِلَى السَّمَاءِ. فَقَالَ الآخَرُ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ كَانَ لِي ابْنَةُ عَمٍّ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ، وَأَنِّي رَاوَدْتُهَا عَنْ نَفْسِهَا فَأَبَتْ إِلاَّ أَنْ آتِيَهَا بِمِائَةِ دِينَارٍ، فَطَلَبْتُهَا حَتَّى قَدَرْتُ، فَأَتَيْتُهَا بِهَا فَدَفَعْتُهَا إِلَيْهَا، فَأَمْكَنَتْنِي مِنْ نَفْسِهَا، فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا، فَقَالَتِ اتَّقِ اللَّهَ وَلاَ تَفُضَّ الْخَاتَمَ إِلاَّ بِحَقِّهِ. فَقُمْتُ وَتَرَكْتُ الْمِائَةَ دِينَارٍ، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ مِنْ خَشْيَتِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا. فَفَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُمْ فَخَرَجُوا. أطرافه 2215، 2272، 2333، 5974

ابن عمر راوی ہیں نبی اکرم نے بیان کیا کہ سابقہ زمانے کی بات ہے تین افراد کہیں جا رہے تھے کہ بارش نے آلیا وہ ایک غار میں پناہ گزین ہوئے تو اچانک اس کا منہ بند ہو گیا، ایک دوسرے سے کہنے لگے اب صرف سچ ہی اس مصیبت سے نجات دلا سکتا ہے

پس ہم میں سے ہر ایک اپنا وہ عمل بیان کرے جس کی بابت یقین ہے کہ اللہ ہی کیلئے کیا تھا تو ایک بولا اے اللہ تو جانتا ہے میں نے ایک مزدور سے ایک فرق (یعنی تین صاع) چاول اجرت طے کر کے مزدوری لی، لیکن وہ کام کے بعد کسی بات پہ ناراض ہو کر بغیر مزدوری لئے چلا گیا، میں نے مزدوری کے وہ چاول کاشت کئے اس سے اتنا کچھ حاصل ہوا کہ آخر اس کی پیداوار سے گائے بیل خرید لئے پھر ایک دن وہ اپنی مزدوری طلب کرتا ہوا آیا تو میں نے کہا یہ سب گائیں تمہاری ہیں، لے جاؤ، وہ بولا میری مزدوری تو ایک فرق چاول تھے میں نے کہا یہ سب گائیں اسی فرق سے ہیں تو وہ سب کو ہانکتا ہوا لے گیا، اگر تیرے علم کے مطابق میرا یہ فعل تیری خشیت کیوجہ سے تھا تو اسے ہم سے دور کر دے! تو چٹان ان سے کچھ کھسک گئی، دوسرا بولا اے اللہ تو جانتا ہے میرے بھوڑے والدین تھے میں ہر رات انہیں اپنی بکریوں کا دودھ لا کر پلایا کرتا تھا ایک رات مجھے کچھ تاخیر ہوگئی میں جب آیا تو وہ سو چکے تھے اور میرے اہل وعیال بھوک کیوجہ سے بلبلا رہے تھے مگر میری عادت تھی کہ انہیں والدین کے بعد ہی پلایا کرتا تھا تو اس رات میں نے انہیں جگانا مناسب نہ سمجھا اور یہ بھی اچھا نہ لگا کہ وہ نہ پئیں اور کمزور ہو جائیں تو ساری رات ان کے سرہانے انتظار کرتا رہا (کہ خود ہی جاگیں تو دودھ پیش کروں) حتی کہ صبح ہوگئی، اے اللہ اگر میرا یہ عمل تیرے علم کے مطابق تیری خشیت کے سبب تھا تو ہماری مشکل دور فرما، چٹان کچھ اور کھسک گئی۔ تیسرے نے کہا اے اللہ تو جانتا ہے میرے چچا کی ایک بیٹی مجھے نہایت محبوب تھی، میں نے اسے (بدکاری کیلئے) ورغلایا مگر اس نے انکار کیا ایک دن اس نے (مجبوری کے عالم میں) سو دینار کی شرط لگائی، میں نے کوشش کر کے یہ رقم مہیا کی پھر اسے بلایا اور وہ رقم اسے دیدی تو اس نے اپنا آپ میرے حوالے کیا میں جب اس سے قریب ہوا تو پکار اٹھی اللہ سے ڈر اور مہر کو بغیر حق کے مت توڑ، تو میں الگ ہوگیا اور سو دینار بھی چھوڑ دئے، اے اللہ اگر میرا یہ عمل تیری خشیت کی وجہ سے تھا تو اس مشکل کو دور فرما، تو اللہ نے اس مصیبت سے انہیں نجات عطا فرمائی۔

(بيتما ثلاثه الخ) ان میں سے کسی کا نام معلوم نہیں ہو سکا، طبرانی کی حدیثِ عقبہ بن عامر میں ہے کہ ان کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔ (يمشون) حدیثِ عقبہ اسی طرح ابن حبان اور بزار کی حدیثِ ابی ھریرہ میں ہے کہ اہل خانہ کیلئے طعام وشکار کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے۔ (فأووا الخ) الف کو ممدود و مقصور، دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، سالم عن ابیہ کی روایت میں ہے (حتى أووا المبيت إلىٰ غار) یعنی رات گزارنے کیلئے غار کی پناہ لی، مسلم کی اسی سند سے روایت میں یہ الفاظ ہیں: (حتى أواهم المبيت) یہی اشہر فی الاستعمال ہے، مبیت اس روایت میں منصوب علی المفعولیت ہے اس کی توجیہہ یہ ہے کہ دخولِ غار انکا اپنا فعل تھا تو نسبتِ اِداء ان کی طرف کرنا احسن ہے۔ (فانطبق عليهم) یعنی دروازہ، المزارعۃ میں موسی بن عقبہ کی ابو ہریرہ سے روایت میں ہے کہ ایک پہاڑی چٹان فمِ غار پر گر پڑی۔ (فانطبقت عليهم) الأدب کی روایت میں بھی یہی مذکور ہوگا، یہاں مفعول محذوف ہے اس کی تقدیر (نفسها أو المنفذ) ہے، طبرانی کی نعمان بن بشیر سے روایت میں ہے کہ ایک پتھر نے گر کر غار کا منہ بند کر دیا۔ (فليدع الخ) موسی کی روایتِ مشار الیہ میں ہے کہ اپنے ایسے اعمال کو دیکھو جنہیں فقط اللہ کی رضا کیلئے کیا ہو، کشمیہنی کے نسخہ میں ہے: (خالصةً ادعوالله بها)۔ البیوع میں تھا اب اپنے افضل عمل کا حوالہ دیکر دعا کرو، سالم کی روایت میں ہے اب راہِ نجات یہی ہے کہ اپنے صالح اعمال کا حوالہ دیکر دست بدعا ہوں، بزار کی حدیثِ علی میں (أحسن أعمالكم) اورحدیثِ ابی ھریرہ و انس میں (أوثق أعمالكم) مذکور ہے۔

(فقال اللهم الخ) ابوذر، نسفی اور ابو الوقت کے نسخوں میں یہی ہے، باقیوں کے ہاں (فقال واحد منهم) ہے۔

(اللهم إن كنت تعلم الخ) اس میں اشکال سمجھا گیا ہے کیونکہ مؤمن تو قطعاً اس امر پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالی سب کچھ جانتا ہے، جواب یہ ہے کہ یہ تردد اس کے اپنے عمل کی نسبت سے ہے کہ آیا یہ اللہ کے ہاں بھی ایسا ہی معتبر ہے جیسا میں سمجھتا ہوں؟ گویا وہ یہ کہہ رہا ہے یا اللہ اگر میرا یہ عمل تیری جناب میں مقبول ہے، اس تقریر سے ظاہر ہوا کہ یہاں (اللھم) بطورِ نداء ہے کیونکہ کبھی تحققِ جواب کے مفہوم میں بھی مستعمل ہوتا ہے مثلاً کوئی پوچھے: (ھل رأیت زیدا؟) تو وہ کہے (اللھم نعم) ندرتِ مستثنیٰ میں بھی اس کا استعمال موجود ہے مثلاً کسی چیز کا ذکر کر کے کہے: (اللھم إلا ---- الخ)۔

(من أرز) اس میں چھ لغات ہیں: الف کی زبر اور پیش مع رائے متحرک، الف کی پیش مع رائے ساکن، اسی طرح زاء کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ، المزارعۃ کی روایت میں گزرا کہ یہ دراصل ذرہ کا فرق تھا، فرق میں تین صاع ہوتے ہیں، وہاں ان دونوں روایتوں کی تطبیق بھی ذکر کیگئی، یہ بھی محتمل ہے کہ اس نے ایک سے زیادہ مزدوروں کو کام پہ لگایا ہو، کسی کو فرقِ ذرۃ اور کسی کو فرقِ ارز پر، اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ سالم کی روایت میں (أجراء) یعنی جمع کا لفظ ہے، اس میں ہے کہ سبھی اپنی مزدوری لیکر چلے گئے مگر ایک بوجہ ناراضی مزدوری لئے بنا چلا گیا، طبرانی کے ہاں عبداللہ بن ابی اوفی کی حدیث میں ہے کہ ہر مزدور کے ساتھ نصف درہم مزدوری طے کی، آخر میں ایک مزدور بولا میں نے دو آدمیوں کا کام کیا ہے لہذا پورا درہم لونگا، نہ ملنے پر نصف بھی نہ لیا، تو اس نصف درہم سے میں نے ذرہ خریدا، اس کی تطبیق یہ ہے کہ فرق ان دِنوں نصف درہم کا تھا۔

(فذھب و ترکہ) موسی کی روایت میں ہے، میں نے طے شدہ مزدوری دی مگر لینے سے انکار کیا اور چلا گیا، حدیثِ ابی ہریرہ میں ہے کہ نصف نہار تک کام کیا میں نے مزدوری دی مگر ناراض ہوا اور اسے لئے بنا چلا گیا، نعمان کی روایت میں اس کی مزید تفصیل ہے وہ یہ کہ کچھ مزدوروں کو اجرت و شرائط طے کر کے کام پر لگا دیا، ایک شخص مزدوری کی طلب میں دوپہر کے وقت آیا، اس کے ساتھ وہی اجرت طے کر کے اسے بھی کام پر لگا دیا کیونکہ اس نے سخت محنت سے دوسروں جتنا ہی کام کرنے کا وعدہ کیا، دوسرے مزدوروں میں سے ایک شخص (کام ختم ہونے کے بعد) کہنے لگا اسے بھی آپ ہمارے جتنی مزدوری دے رہے ہیں؟ میں نے کہا اے بندۂ خدا تمہارے ساتھ جو طے ہوا تھا اس میں کوئی کمی نہیں کی اب یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے جو چاہوں دوں؟ اس پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا، حدیثِ انس میں جو ہے کہ مزدوری لینے آیا، میں غصہ میں تھا تو اسے ڈانٹ پلائی جس پر وہ ناراض ہوا اور اپنی اجرت لئے بغیر چلا گیا، تو یہ اس کے منافی نہیں، تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ جب دوسرے مزدور کے بارہ میں اس نے بات کی تو اسے غصہ آ گیا اور کہا تمہیں اس سے کیا؟ یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے تم اپنی مزدوری، جو طے ہوئی ہے، لو اور جاؤ، اس پر اسے بھی غصہ آ گیا اور اجرت لئے بنا چلا گیا۔

(و إني عمدت الخ) موسی کی روایت میں ہے اس سے زراعت کی پھر اس کی آمدنی سے ایک گائے اور اس کا چرواہا خریدا، اس میں ہے کہ جب دوبارہ اپنی وہی مزدوری مانگنے آیا تو اس نے کہا یہ سب کچھ تمہارا ہے، کہنے لگا مجھ سے مذاق کرتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ ابوضمرہ کی روایت میں ہے: (فأخذھا) سالم کی روایت میں ہے (فثمّرتُ أجره الخ) میں نے اس کی اجرت کی رقم تجارت میں لگا دی اس سے کثیر اموال حاصل ہوئے، اس میں ہے کہ دوبارہ آنے پر کہا یہ جو تم اونٹ، گائے بکریاں اور غلام دیکھ رہے ہو سب کچھ تمہاری اس اجرت کا مرھونِ منت ہے، کشمیہنی کی روایت میں ہے کہ سب کچھ ہانکتا ہوا لے گیا، کچھ بھی نہ چھوڑا، تو اس سے پتہ

چلا کہ روایتِ نافع میں جو ہے: (واشتريت بقرا) تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ کچھ اور نہ خریدا (شائد یہ اس کی پہلی خریداری ہوگی اس کی اجرت سے آگے کا سارا مال اس کے بعد رفتہ رفتہ حاصل ہوا) ابن حجر کے بقول اغلب و اکثر مال چونکہ گائیں تھیں لہٰذا ان کے ذکر پر اختصار کیا۔ انس و ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کہ جمع کرتا رہا اور مزید تجارت کرتا رہا حتی کہ یہ سب مال جمع ہوا، (معلوم ہوتا ہے کافی عرصہ بعد دوبارہ آیا ہوگا) اس میں ہے کہ اے اللہ سب کچھ اسے دیدیا اگر چاہتا تو اس کی مزدوری ہی دیتا (حقیقۃً یہ بہت بڑا عمل ہے، دل پر ہاتھ رکھ کر بتلائیں کوئی بڑے سے بڑا زاہد و عالم یا پارسا ایسا کر سکتا تھا؟ زیادہ سے زیادہ یہ کرتے کہ اسے اس کی طلب کے مطابق مزدوری دیدیتے اور باقی کا ذکر تک نہ کرتے)۔ حدیثِ نعمان میں ہے کہ جب اس سے کہا یہ سب کچھ تمہارا ہے تو بولا زیادتی کرتے ہو اور اوپر سے مذاق کا نشانہ بھی بناتے ہو؟۔

(من خشيتك) موسی کی روایت میں ہے: (ابتغاء وجهك) طبرانی کی حدیثِ علی میں دونوں لفظ ہیں: (من مخافتک وابتغاء مرضاتک) نعمان کی روایت میں ہے: (رجاء رحمتك و مخافة عذابك)۔

(ففرج عنا) روایتِ موسی میں (فافرُج) ہے ثلاثی سے، بعض نے رائے مکسور اور الف پر زبر کے ساتھ یعنی رباعی سے ضبط کیا ہے، اس میں مزید یہ بھی ہے: (فرجةً نرى منها السماء) کہ اسے اتنا کھسکا دے کہ آسمان نظر آ سکے، تو سالم کی روایت میں جو مطلقاً ہے: (ففرج عنا ما نحن) اسے اسی مقید پر محمول کیا جائے گا، تو ایسا ہی ہوا۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ اتنا کھسک گیا کہ آسمان دیکھ سکیں۔ (فانساخت) یعنی انشقَّت (پھٹ گیا یعنی اس کا کچھ حصہ ادھڑ گیا)، خطابی نے اس لفظ کو غیر محفوظ سمجھا ہے کیونکہ انساخ کا معنی ہے غائب فی الأرض ہونا، البتہ (انصاخ) موجود ہے بمعنی (انشق)، کہتے ہیں درست (انساحت) ہے، ای (اتسعت) اسی سے (مساحة الدار) یعنی صحن ہے، انصاح بمعنی (تصدَّعَ) بھی موجود ہے۔ ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ خاء کی روایت صحیح ہے اور یہ انشقت کے ہم معنی ہے اگر اس کا اصل صاد ہے تو کئی دفعہ صاد سین میں تبدیل ہو جاتا ہے خصوصاً جب خاء کے ہمراہ ہو، جیسے صخر، اسے سخر بھی پڑھا جاتا ہے، حدیثِ سالم میں (فانفرجت شيئا) ہے، حدیثِ نعمان میں ہے: (فانصدع الجبل) لیکن ابھی اتنی گنجائش نہ تھی کہ باہر نکل سکتے، حدیثِ ابی هریرہ میں ہے کہ ثلث الحجر زائل ہو گیا۔

(أبوان) مراد والدین، تغلیباً یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، ابن ابی اوفی کی روایت میں صراحت سے والد اور والدہ کا ذکر ہے۔

(شيخان كبيران) ابو ضمرہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے، حدیثِ علی میں ہے کہ میرے سوا کوئی خادم یا مددگار نہ تھا جو ریوڑ چرا سکے یا گھر والوں کے کوئی کام کاج کرے، میں سارا دن ریوڑ چراتا اور رات کو واپس آتا۔

(عنهما ليلة) سالم کی روایت میں ہے ایک کام سے کہیں دور چلا گیا واپسی میں اتنی دیر ہوئی کہ وہ سو چکے تھے، مسلم کی روایت میں تفصیل ہے کہ ریوڑ کیلئے درختوں کی تلاش میں ایک دن دور نکل گیا، حدیثِ علی میں مذکور ہے کہ گھاس کی طلب میں دور جانا پڑا۔

(أهلي و أولادي) داؤدی کہتے ہیں اس سے اس کی مراد زوجہ، اولاد، رقیق اور دواب ہے لیکن ابن تین نے تعاقب کیا کہ دواب کا یہاں کوئی تک نہیں بنتا۔ ابن حجر کہتے ہیں داؤدی نے دراصل یہ بات سالم کی روایت کی نسبت سے کہی ہے، جس میں ہے: (لا أغبق قبلهما أهلا ولا مالا) تو ان کی شرح ان الفاظ کے لیے متجہ ہے، والدین پر اولاد کو مقدم نہ رکھتا تھا، تو دواب کا عدم تقدیم تو بابِ اولیٰ سے ہوا۔

(و کنت لا أسقی الخ) جہاں تک عدم ایقاظ کی بات ہے تو ظاہر ہے عام طور سے انسان کو برا لگتا ہے کہ اسے بے وقت جگایا جائے، حضرت علی کی روایت میں ہے کہ میں برتن لیکر ان کے سروں کے پاس بیٹھا رہا لیکن انہیں جگانا اور اسطرح ایذاء دینا برا لگا، حدیثِ انس میں ہے (کہ اس خیال سے) رات بھر بیٹھا رہا (کہ کہیں بھوک کی بے تابی) اگر بیدار کر دے تو کچھ مانگیں اور میں سویا ہوا ہونے کیوجہ سے طلب پوری نہ کر پاؤں۔

(من أحب الناس الخ) روایتِ سالم میں (من) کے بغیر ہے، وہ اسی پر محمول ہے۔ (بمائة دینار) سالم کی روایت میں ہے کہ ایک سو بیس دینار دئے، تطبیق یہ ہے کہ اس نے مانگے تو سو دینار تھے، بیس زائد اپنی مرضی سے دیدئے، حضرات علی، انس وابو ہریرہ اور ابن ابو اوفی کی روایتوں میں مقدارِ مال مبہم ہے، ان میں ہے: (مالا ضخما) بھاری مال دیا۔ سالم کی روایت میں یہ تفصیل ہے کہ ابتدا میں راضی نہ ہوتی تھی مگر ایک دفعہ سخت قحط و فاقہ کا شکار ہوئی تو مجبوری کے عالم میں راضی ہوئی اور اس مال کا مطالبہ کیا، روایتِ نافع کے ساتھ تطبیق یہ کی جائے گی کہ اولاً عفت کے سبب اس کی ناجائز خواہش تسلیم نہ کی اور دفاع کے طور سے اس بھاری مالیت کا سنا دیا (یعنی اس کا خیال تھا کہ سو دینار جو بھاری مال ہے، کا مطالبہ سن کر اپنی ناجائز خواہش سے باز آ جائے گا، اس نے یہ دینار دینا چاہے تو پھر بھی انکار کیا مگر بعد ازاں فقر و فاقہ لاحق ہونے پر آ گئی)۔

(ولا تفض) بمعنی لا تکسر، خاتم سے اپنی پاک دامنی کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ کنوارے پن کا بھی کنایہ ہے مگر حدیثِ نعمان سے دلالت ملتی ہے کہ شادی شادہ تھی (اسی لئے تو اس کے عمزاد نے اسے ورغلایا وگرنہ اس کے ساتھ شادی بھی کر سکتا تھا کیونکہ اس سے بہت محبت کرنے کا مدعی تھا)۔ ابوضمرہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: (ولا تفتح الخاتم)، طبرانی کی حدیثِ ابی ہریرہ میں (إلا بحقه) کا لفظ ہے یعنی حلال طریقہ سے، گویا شادی کر کے (اور یہ ظاہر ہے ممکن نہ تھا کہ پہلے سے شادی شدہ تھی)، حدیثِ نعمان میں ہے کہ رونے لگی، پوچھا کیوں روتی ہو؟ کہنے لگی میں مجور نہ ہوتی تو نہ مانتی، یہ سنکر میں نے کہا تو چلی جاؤ، نعمان کی ایک اور روایت میں ہے کہ اس سے قبل تین مرتبہ اس کے پاس آئی کہ اس فقر و فاقہ کے عالم میں اس کی کچھ مدد کر دے مگر ہر دفعہ وہ انکار کرتا رہا الا یہ کہ پہلے اس کی ناجائز خواہش پوری کرے، تیسری دفعہ میں وہ اپنے خاوند کی اجازت سے اس کی بات ماننے پر مجبور ہوئی، اس میں ہے کہ عین اس وقت کانپنے لگی، میں نے کہا کیا ہوا؟ بولی: (أخاف الله رب العالمین) اللہ رب العالمین کے خوف سے یہ کپکپی ہے، میں نے کہا تمہیں اس فقر و فاقہ مستی کے عالم میں بھی خوفِ خدا کا احساس ہے اور مجھے اپنی پر آسائش زندگی میں بھی اس کا ڈر نہیں؟ پھر اسے جانے دیا۔

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ دعاؤں میں اعمالِ صالحہ کا بطور ایک وسیلہ تقرب ذکر کرنا صحیح ہے، بعض فقہاء نے بالخصوص استسقاء میں اس کا استحباب مستنبط کیا ہے مگر محب طبری اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مقامِ استسقاء تو مقامِ تضرع ہے لہذا اس وقت افتقار اولیٰ ہے (یعنی اپنے آپ کو بالکل بے کس و حقیر بنا کر پیش کرنا)، اس غار والوں کے قصہ کا جواب یہ دیتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ان اعمال سے استشفاع نہیں کیا (یعنی انہیں بطورِ شفاعت پیش نہیں کیا) بلکہ اللہ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اگر یہ خالصۃً اس کی رضا جوئی کیلئے تھے اور انہیں شرف قبول حاصل ہے تو اس مشکل سے نجات عطا فرما (استشفاع ہی ہوا)۔ ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ ان کا جواب تسلیمِ سوال کو متضمن ہے مگر اس قید کے ساتھ، اور یہ حسن ہے، نووی نے اپنی کتاب الأذکار میں اس موضوع سے تعرض کیا ہے

چنانچہ باب (دعاء الإنسان وتو سله بصالح عمله إلى الله) کے تحت اسی حدیث کو ذکر کیا ہے، قاضی حسین استقاء میں اس توسُّل کے استحباب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں افتقارِ مطلق کا ترک ہے، کہتے ہیں لیکن نبی اکرم نے ان کی تعریف فرمائی ہے تو یہ ان کے فعل کے صائب ہونے پر دال ہے۔

سبکی کبیر لکھتے ہیں میرے لئے یہ ظاہر ہوا ہے کہ ضرورت کبھی مجبور کرتی ہے کہ اپنے بعض نیک اعمال کی جزاء دنیا ہی میں معجّل چاہے، یہ اسی قبیل سے ہے، کہتے ہیں پھر مجھ پر ظاہر ہوا کہ حدیث میں بالکلیہ رؤیتِ عمل مذکور و ثابت نہیں کیونکہ ہر ایک نے کہا تھا اے اللہ اگر تیرے علم کے مطابق یہ تیری رضا جوئی کی خاطر کیا تھا، تو گویا کسی نے یہ اعتقاد نہیں رکھا کہ اس کا عمل خالص ہے بلکہ یہ معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تو اگر یہ ان کا احسن عمل ہونے کے باوجود اس کے خالص ہونے کے بارہ میں جازم نہیں تھے تو باقی عام اعمال کی نسبت تو بالاولیٰ نہ تھے۔ اس سے مستفاد یہ ہوا کہ اس قسم کے احوال میں مناسب یہ ہے کہ انسان اپنی تقصیر کا معاملہ اللہ کو سونپ دے اور دعا کو اللہ کے علم پر معلّق رکھے کہ اگر تیرے علم کے مطابق یہ ایسا ہی ہے (یعنی خالص) جیسا میں خیال کرتا ہوں تو یہ دعا قبول فرما، تو اس طور سے اس کی دعا کی قبولیت کی امید کی جاسکتی ہے، کہتے ہیں شروع میں جو انہوں نے کہا: (ادعوا الله بصالح أعمالكم) یہ ان کے اپنے ظن وگمان کے مطابق تھا، پھر جب دعا شروع کی تو ہر ایک نے اپنا عمل ذکر کر کے اس کا خالص ہونے کا معاملہ اللہ کی طرف تفویض کیا۔

حدیث سے اخلاص فی العمل، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی خدمت اور بال بچوں پر انہیں فوقیت دینے اور اس راہ میں تحمّلِ مشقت کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے، اس شخص کے اپنے چھوٹے چھوٹے بھوکے بچوں کو یوں بلکتا اور بھوک سے بے تاب چھوڑے رکھنے میں اشکال سمجھا گیا ہے حالانکہ اس کے بس میں تھا کہ ان کی بھوک کا ازالہ کرتا؟ تو کہا گیا ہے کہ ان کی شریعت میں یہ امر جائز تھا کہ نفقۃ الأصل کو غیر ہم پر مقدم کیا جائے، بعض نے جواب دیا کہ ممکن ہے کہ آہ و بکا بوجہِ بھوک نہ ہو لیکن ابن حجر اسے مردود قرار دیتے ہیں، ایک جواب جسے وہ اولیٰ قرار دیتے ہیں یہ ہے کہ ان کی بھوک کا واجبی مداوا کر دیا گیا تھا مگر وہ زائد کے خواہاں تھے۔ عفت اور حرام کاری سے اجتناب وانکفاف کی فضیلت بھی عیاں ہوئی، یہ بھی کہ ترکِ معصیت سے اس کے مقدمات محو کر دئے جاتے ہیں اور توبہ ماقبل گناہوں کو زائل کر دیتی ہے۔ ادائے امانت کی فضیلت اور صالحین کی کرامت کا بھی اثبات ہوا۔ بیع الفضولی کے جواز پر بھی استدلال کیا گیا ہے، اس بارے کتاب البیوع میں بحث گزر چکی ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ امانت کے مال سے اگر تجارت کی تو حاصل شدہ منافع صاحبِ امانت کے ہوں گے، یہ احمد کا قول ہے خطابی کہتے ہیں اکثر نے ان کی مخالفت کی اور کہا ہے اگر مال ودیع (یعنی جس کے پاس امانت رکھوائی گئی) کے ذمہ میں بایں طور مترتب ہوا، اسی طرح مضارب کے بھی کہ اس نے بغیر اذنِ مالک کے تصرُف کیا ہے تو اسکے ذمہ ہے، اگر اس میں تجارت کی ہے تو نفع اسی (یعنی اصل مالک) کا ہوگا، ابو حنیفہ کہتے ہیں اس کے ذمہ غرامہ تو ہے (یعنی اگر ضائع ہو گیا تو اپنے پاس سے اب ادا کرے) لیکن نفع بھی اسی کا ہے البتہ وہ اسے (اپنے استعمال میں لانے کی بجائے) صدقہ کر دے (اگر صدقہ کے مستحقین میں شامل ہے تو اس کے لئے بھی اس سے انتفاع جائز ہوگا)، شافعی کے ہاں تفصیل ہے، اگر اپنی ذمہ داری سے خریداری کی پھر امانت کے پیسوں سے قیمت چکا دی تو اب سودا بھی اسی کا ہے اور نفع بھی، لیکن اگر امانت رکھی چیز کے بدلے خریداری کی (یعنی امانت پیسوں کی شکل میں نہ تھی) تو نفع مالک کا ہے، اس بارے اختلاف کی تفصیل کتاب البیوع میں بھی گزر چکی ہے۔

ابن حجر آخرِ بحث تنبیہ کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ شیخین (بخاری و مسلم) نے یہ حدیث صرف ابن عمر کے حوالے سے تخریج کی ہے، طبرانی نے اسے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس اور حسن سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے، ابو ہریرہ کی روایت ابن حبان نے بھی نقل کی ہے، ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں اور طبرانی نے الدعاء میں اس حدیث کے طرق کو جمع کیا ہے، تمام طرق اس امر پر متفق ہیں کہ ان تین قصوں کا تعلق مزدور، عورت اور والدین سے ہے مگر عقبہ بن عامر کی روایت میں مزدور کی بجائے یہ مذکور ہے، صاحبِ قصہ کہتا ہے کہ میں ریوڑ چَرا رہا تھا کہ اس اثناء نماز کا وقت ہو گیا، میں نماز کیلئے کھڑا ہوا تو اس دوران ایک بھیڑیا آ گیا لیکن میں نے نماز قطع کرنا برا سمجھا، تو اگر اس کی سند قوی ہے تو اسے تعددِ قصہ پر محمول کیا جا سکتا ہے، بعض طرق میں ان قصوں کے ذکر میں ترتیب کا فرق ہے مثلاً روایتِ باب میں مزدور پھر والدین پھر خاتون کا قصہ ہے لیکن موسی بن عقبہ کی روایت میں پہلے والدین پھر خاتون پھر مزدور کا قصہ مذکور ہے، سالم کی روایت بھی اس کے موافق ہے، حدیثِ ابی ہریرہ میں اولاً خاتون ثانیا والدین اور آخراً مزدور کا واقعہ مذکور ہے، انس کی حدیث میں والدین، مزدور پھر خاتون کا ذکر ہے جبکہ حدیثِ نعمان میں مزدور، خاتون پھر والدین کا تذکرہ ہے، ترتیب کا یہ فرق اس امر پر دلالت کناں ہے کہ بالمعنی روایت کرنا ان کے ہاں سائغ و شائع تھا اور اس قسم کی روایات میں تقدیم و تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ابن حجر کہتے ہیں میری نظر میں موسی بن عقبہ کی روایت میں جو ترتیب بیان ہوئی، ارجَح ہے کیونکہ سالم کا طریق جو اصح الطرق ہے، ان کے موافق ہے، کہتے ہیں یہ تو من حیث الإسناد ہے، جہاں تک من حیث المعنی کی بات ہے تو دیکھا جائے کہ کون سا شخص اپنے اصحاب کیلئے انفَع ثابت ہوا؟ تو وہ تیسرا ہے کہ اس کے بیانِ واقعہ اور اس کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں توسُل کے ساتھ ہی ان کیلئے باہر نکلنا ممکن ہو گیا (لیکن یہ تو وجہِ فضیلت نہ ہوئی، کیونکہ تین ہی افراد تھے، پہلے کے بیانِ واقعہ کے بعد مذکور ہے کہ پتھر نے ایک تہائی جگہ چھوڑ دی، ظاہراً دوسرے کی بات کے بعد وہ کچھ اور کھسک گیا ہو گا اور آخری فرد ہی باقی تھا تو اس کے بیانِ قصہ کے بعد پتھر نے باقی جگہ چھوڑنی ہی تھی! لہٰذا اس اعتبار سے تینوں باہم متساوی ہیں)۔ بہر حال ابن حجر قرار دیتے ہیں کہ تیسرا فی الحقیقت انفَع ثابت ہوا تو اس کا عمل بظاہر باقی دو کے عمل سے افضل تھا، کہتے ہیں یہ بات ان کے اعمال کا باہم موازنہ کرنے سے بھی ثابت ہوتی ہے، والدین کے قصہ والے کی فضیلت صرف اس کی ذات کی حد تک ہے، صاحبِ اجیر کا نفع متعدی تو ہے اور اس سے اس کا امانت دار ہونا بھی ثابت ہوا مگر صاحب المرأۃ ان دونوں سے افضل ہے کیونکہ یہ اس امر پر دال ہے کہ اس کے دل میں خشیتِ رب ہے اور اللہ نے ایسے بندوں کیلئے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے: (وَ أَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوىٰ) [النازعات: ۴۰-۴۱)، گناہ سے بچنے کے ساتھ ساتھ اس نے وہ ایک سو بیس دینار بھی خاتون کے پاس ہی رہنے دئے جو اس غرض کیلئے اسے دئے تھے، تو یہ نفعِ قاصر (یعنی جو اپنی ذات تک محدود تھا) کے ساتھ نفعِ متعدی بھی ہے (یعنی جسکا فائدہ دوسروں کو ہو) پھر یہ اس کی بنت عم تھی تو صلہ رحمی بھی متحقق ہوئی پھر یہ بھی مذکور ہوا کہ قحط سالی کے دن تھے تو اس کا یہ عمل مزید نافع بنا، اس طرح سے روایتِ عبید اللہ عن نافع راجح قرار پائیگی، حدیثِ انس میں بھی خاتون کا واقعہ آخری نمبر پر ہے۔

3466 حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ بَيْنَمَا امْرَأَةٌ تُرْضِعُ ابْنَهَا إِذْ مَرَّ بِهَا رَاكِبٌ وَهِيَ

تُرضِعُهُ، فَقَالَتِ اللَّهُمَّ لاَ تُمِتِ ابْنِی حَتَّی یَکُونَ مِثْلَ هَذَا .فَقَالَ اللَّهُمَّ لاَ تَجْعَلْنِی مِثْلَهُ .ثُمَّ رَجَعَ فِی الثَّدْیِ، وَمُرَّ بِامْرَأَةٍ تُجَرَّرُ وَیُلْعَبُ بِهَا فَقَالَتِ اللَّهُمَّ لاَ تَجْعَلِ ابْنِی مِثْلَهَا .فَقَالَ اللَّهُمَّ اجْعَلْنِی مِثْلَهَا .فَقَالَ أَمَّا الرَّاکِبُ فَإِنَّهُ کَافِرٌ، وَأَمَّا الْمَرْأَةُ فَإِنَّهُمْ یَقُولُونَ لَهَا تَزْنِی .وَتَقُولُ حَسْبِیَ اللَّهُ .وَیَقُولُونَ تَسْرِقُ .وَتَقُولُ حَسْبِیَ اللَّهُ .أطرافه 1206، 2482، 3436

ترجمہ حضرت عیسی میں یہ روایت گزر چکی ہے (اسی جلد کا سابقہ نمبر دیکھئے)۔

3467حَدَّثَنَا سَعِیدُ بْنُ تَلِیدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِی جَرِیرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ أَیُّوبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِیرِینَ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ بَیْنَمَا کَلْبٌ یُطِیفُ بِرَکِیَّةٍ کَادَ یَقْتُلُهُ الْعَطَشُ، إِذْ رَأَتْهُ بَغِیٌّ مِنْ بَغَایَا بَنِی إِسْرَائِیلَ، فَنَزَعَتْ مُوقَهَا فَسَقَتْهُ، فَغُفِرَ لَهَا بِهِ .طرفه 3321

ابو ہریرہ راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا ایک کتا مارے پیاس کے ایک کنویں کے گرد چکر لگا رہا تھا کہ بنی اسرائیل کی ایک طوائف کی اس پہ نظر پڑی، اس نے اسے پانی پلایا تو اسی وجہ سے اس کی مغفرت ہوگئی۔

(برکیة) کنواں یا تو مطویہ ہوتا ہے (یعنی اس کی اندرونی دیواریں بنی ہوئیں) یا غیر مطویہ، غیر مطویہ کو جُب اور قلیب کہا جاتا ہے، بَیر وہی کہلاتا ہے جو مطوِی ہو، بعض نے کہا ہے کہ رکیہ وہ کنواں جو مطوی ہونے سے قبل ہوتا ہے، مطوی ہونے کے بعد اسے طوی کہتے ہیں۔ (بغی) مراد زانیہ ہے، مطلقا باندی پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ (موقها) موزہ، بعض نے کہا وہ چیز جو موزے پر پہنی جاتی ہے، کتاب الشرب میں اس پر مفصل بحث گزر چکی ہے۔

3468حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حُمَیْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِیَةَ بْنَ أَبِی سُفْیَانَ، عَامَ حَجَّ عَلَی الْمِنْبَرِ، فَتَنَاوَلَ قُصَّةً مِنْ شَعَرٍ وَکَانَتْ فِی یَدَیْ حَرَسِیٍّ فَقَالَ یَا أَهْلَ الْمَدِینَةِ، أَیْنَ عُلَمَاؤُکُمْ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَنْهَی عَنْ مِثْلِ هَذِهِ، وَیَقُولُ إِنَّمَا هَلَکَتْ بَنُو إِسْرَائِیلَ حِینَ اتَّخَذَهَا نِسَاؤُهُمْ .أطرافه 3488، 5932، 5938

حمید بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں میں نے حضرت معاویہ کو اس برس جس میں حج کیا، منبر پر کہتے سنا اور اس وقت ان کے محافظ کے ہاتھ میں پیشانی کے بالوں کا ایک گچھا پکڑا ہوا تھا، اے اہلِ مدینہ کہاں ہیں تمہارے علماء؟ میں نے نبی پاک کو سنا اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا بنی اسرائیل پر بربادی اس وقت آئی جب ان کی عورتوں نے اسے اختیار کیا۔

(عام حج) باب کی آخری روایت میں سعید بن میبّب کے حوالے سے اسی روایت میں یہ بھی ذکر ہوگا کہ یہ ان کا آخری دورہِ مدینہ تھا (آخری حج بھی ہوا)، سن اکاون ہجری کا واقعہ ہے (ان کی وفات سن ساٹھ ہجری میں ہوئی)۔ (قصة) پیشانی کے بال۔ (أین علماؤ کم) اس سے اشارہ ملا کہ علماء یہ دور آتے آتے بہت کم رہ گئے تھے (اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ صحابہ کرام کی ایک کثیر تعداد عالمِ اسلام کے دوسرے شہروں میں بغرضِ تعلیم و تبلیغ آباد ہو چکی تھی اور ایک بڑی تعداد جوارِ رحمت کی طرف منتقل ہو چکی تھی)۔

بقول ابن حجر صحابہ کی غالب تعداد فوت ہو چکی تھی تو جہال یہ کام کرنا شروع ہو گئے تھے یا ممکن ہے وہ صحابہ کرام یا تابعین جو

مدینہ میں آباد تھے اس عمل کو حرام نہ سمجھتے ہوں بلکہ آنجناب کی اس مذکورہ نہی کو تنزیہی خیال کرتے ہوں، دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس زمانہ کے امراء وعمال بڑے مستبِدّ اور سخت تھے تو ممکن ہے اس وجہ سے اس کے خلاف بات نہ کی ہو کہ کہیں اسے اولی الأمر کی مخالفت نہ سمجھ لیا جائے (یہ لا حاصل بات ہے ایک تو اس وجہ سے کہ صحابہ کرام امراء کے استبداد کے خوف سے حق بات کہنے سے کب چوکتے تھے؟ دوسرا یہ کہ یہ کام امراء ہی نہ کرتے تھے، بلکہ امراء کا کرنا یا کون لوگ یہ کرتے تھے؟ مذکور ہی نہیں، تیسرا یہ کہ ممکن ہے مدینہ میں موجود صحابہ کرام وتابعین نے اس امر کی مخالفت کی ہو لیکن بعض لوگ باز نہ آئے ہوں) کہتے ہیں ممکن ہے یہ جمعہ کا خطبہ نہ ہو تو اس مجلس میں علماء موجود نہ ہوں (حضرت معاویہ کا أين علماؤكم کہنا ایک اسلوب زجر وتوبیخ کے طور سے ہوسکتا ہے، یہ نہیں کہ علماء موجود نہ تھے)۔

(إنما هلك الخ) یہ اس امر کا اِشعار ہے کہ ایسا کرنا ان پر حرام تھا باز نہ آنے پر یہی ان کی ہلاکت کا باعث بنا منجملہ کئی دیگر اسباب کے، کتاب اللباس میں اس بارے مفصل بحث آئے گی۔ اسے ابن ماجہ کے سوا تمام نے تخریج کیا ہے، مسلم نے (اللباس) ابو داؤد نے (الترجل) ترمذی نے (الاستئذان) اور نسائی نے (الزينة) میں۔

3469حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِى سَلَمَةَ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ إِنَّهُ قَدْ كَانَ فِيمَا مَضَى قَبْلَكُمْ مِنَ الأُمَمِ مُحَدَّثُونَ، وَإِنَّهُ إِنْ كَانَ فِى أُمَّتِى هَذِهِ مِنْهُمْ، فَإِنَّهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ. طرفه 3689

ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی اکرم نے فرمایا تم سے پہلی کی امتوں میں محدث تھے (یعنی وہ جن سے اللہ تعالی القاء، الہام یا فرشتوں کے ذریعے کلام کرتا تھا حالانکہ وہ نبی نہ تھے) ہوتے تھے اس امت میں ان میں سے اگر کوئی ہے تو وہ عمر بن خطاب ہیں۔

(محدثون) دال کی زبر کے ساتھ، اسکی شرح مناقبِ عمر میں آئیگی، یہ بھی مذکور ہوگا کہ یہ بنی اسرائیل میں ہوتے تھے۔ شاہ انور اس بابت کہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن سے اقوالِ صادقہ صادر ہوتے تھے لیکن ان کا مصدر، وحی نہیں تھا (بلکہ اِلہام والقاء تھا)۔

(وأنه إن كان الخ) طیالسی کی ابراہیم بن سعد سے روایت میں ہے: (إن كان فى أمتى أحد منهم) آنجناب نے علی سبیل التوقع یہ بات ارشاد فرمائی ہے گویا آپکو (اس وقت تک) قطعی علم نہ تھا کہ ایسا ہے، ابن حجر لکھتے ہیں بحمد اللہ آنجناب کی حضرت عمر کے بارہ میں یہ توقع پوری ہوئی اور نہ صرف وہ بلکہ آپ کی امت کی ایک کثیر تعداد اس صفت سے متصِف ہے۔ اسے نسائی نے (المناقب) میں روایت کیا ہے۔

3470حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِى عَدِىٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِى الصِّدِّيقِ النَّاجِىِّ عَنْ أَبِى سَعِيدٍؓ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ كَانَ فِى بَنِى إِسْرَائِيلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ إِنْسَانًا ثُمَّ خَرَجَ يَسْأَلُ، فَأَتَى رَاهِبًا فَسَأَلَهُ، فَقَالَ لَهُ هَلْ مِنْ تَوْبَةٍ قَالَ لَا. فَقَتَلَهُ، فَجَعَلَ يَسْأَلُ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ ائْتِ قَرْيَةَ كَذَا وَكَذَا. فَأَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَنَاءَ بِصَدْرِهِ نَحْوَهَا، فَاخْتَصَمَتْ فِيهِ مَلاَئِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلاَئِكَةُ الْعَذَابِ، فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَى هَذِهِ أَنْ تَقَرَّبِى

.وَأَوْحَى اللَّهُ إِلَى هَذِهِ أَنْ تَبَاعَدِي .وَقَالَ قِيسُوا مَا بَيْنَهُمَا .فَوُجِدَ إِلَى هَذِهِ أَقْرَبُ بِشِبْرٍ، فَغُفِرَ لَهُ

ابو سعیدؓ کی روایت ہے کہ نبی پاک نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے افراد قتل کئے تھے پھر ایک راہب سے پوچھا کیا توبہ کی گنجائش ہے؟ اس نے کہا نہیں، اس نے اسے بھی مار دیا پھر پتہ کیا تو ایک آدمی نے اسے بتلایا کہ فلاں بستی کا رخ کرو، ابھی راستہ میں تھا کہ موت نے آلیا وہ (مرتے مرتے بھی) اپنے سینے کے بل اس بستی کی طرف بڑھا تو اس کے بارہ میں رحمت اور عذاب کے فرشتوں نے جھگڑا کیا، اللہ نے اس بستی کو جسکا رخ تھا، حکم دیا کہ قریب آ جاؤ اور جس بستی سے چلا تھا اسے حکم دیا کہ دور ہو جاؤ پھر فرشتوں سے فرمایا زمین ماپ لو تو اس جگہ کے قریب پایا گیا جہاں کا رخ تھا لہٰذا معاف کر دیا گیا۔

ابو الصدیق کا نام بکر، والد کا نام عمرو یا قیس تھا، صحیح بخاری میں ان کے حوالے سے یہی ایک حدیث ہے۔ (في بني اسرائيل رجل) بقول ابن حجر نہ اس کے اور نہ اس قصہ میں مذکور کسی اور شخص کے نام سے واقف ہو سکا۔ مسلم کی ھشام عن قتادہ سے روایت میں ہے کہ ننانوے مرد و زن قتل کر کے (جب توبہ کا خیال دل میں جاگزین ہوا تو) روئے زمین سے سب سے بڑے عالم کا پتہ پوچھا، لوگوں نے ایک راہب کے پاس بھیجا (راہب کے ذکر سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد کا واقعہ ہے کیونکہ انہی کی امت میں راہب۔ یعنی پادری۔ ہوئے ہیں)

(له توبة) استفہام ہے مگر حرفِ استفہام محذوف ہے، یہ اسلوبِ تجرید یا التفات ہے۔

(ائت قرية الخ) مسلم کی روایت میں ہے اس پادری کا بھی خون کر کے پھر کسی اور عالم کی بابت استفسار کیا، اس بستی کا پتہ بتلایا گیا، مسلم میں یہ بھی ہے کہ وہاں کچھ اللہ والے نیک لوگ ہیں جو اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں، تم بھی ان میں جا شامل ہو اور اپنے وطن واپس نہ آنا کیونکہ یہ ارضِ سوء ہے (اس سے ثابت ہوا کہ زمینوں و علاقوں کی کچھ ایسی سری خصوصیات ہوتی ہیں جو وہاں کے رہائشیوں کی عادات و طبائع میں اثر انداز ہیں، مثلاً پنڈی کے نواحی علاقہ چونترہ کے بارہ میں ایک شخص نے بتلایا کہ قتل و غارت اور مقدمہ بازی اس کے باسیوں کی سرشت میں داخل ہے، اس کا ثبوت یوں ملا کہ زمانہ طالبعلمی کا یونیورسٹی کا ایک ساتھی ملا حال و احوال پوچھا تو منجملہ باتوں کے یہ بھی بتلایا کہ آج سپریم کورٹ میں کچھ جاننے والوں کا ایک مقدمہِ قتل زیر سماعت تھا، وہ سن کر آرہا ہوں پھر کہا تھانہ صادق آباد کا ایس ایچ او واقف ہے پھر اسے ملنے چلا گیا، گویا ثابت کر دیا کہ چونترہ والوں کے بارہ میں جو سنا، صحیح تھا)۔

ابن حجر لکھتے ہیں ان دو بستیوں کے نام طبرانی کی معجم کبیر میں عبد اللہ بن عمرو بن عاص کے حوالے سے اسی روایت میں مذکور ہیں، کہتے ہیں کہ نیک بستی کا نام حضرة اور اس کے سابقہ وطن کا نام کفرة تھا۔ (فناء بصدره) أي بَعُدَ، مفہوم یہ ہوا کہ اپنے آپکو اس کی طرف کھینچا، اس حدیث میں یہی لفظ معروف ہے، بعض نے (فنأیٰ) یعنی بغیر مد، روایت کیا ہے بروزن (سعیٰ) یہ بمعنی بَعُدَ ہے اس سے مفہوم یہ ہوگا کہ اس علاقہ سے دور ہوا جہاں سے نکلا تھا، ھشام عن قتادہ کی روایت سے کچھ یہ اِشعار ملتا ہے کہ یہ جملہ (فناءَ بصدره) حدیث میں مُدرَج ہے، اس میں ہے: (قال قتادة قال الحسن ذكر لنا أنه لما أتاه الموت ناءَ بصدره)۔

(فاختصمت الخ) ہشام کی روایت میں مزید یہ ہے کہ ملائکہِ رحمت نے کہا توبہ کی نیت کر کے دل سے اللہ کی طرف رجوع کر کے آیا ہے، جبکہ عذاب کے فرشتے بولے اس نے کبھی کوئی بھلائی کا کام نہیں کیا، اسی اثناء ایک فرشتہ آدمی کی صورت وہاں پہنچا، اسے فیصل بنالیا (بظاہر اسے آدمی ہی سمجھا) اس نے فیصلہ یہ دیا کہ دونوں بستیوں کی باہمی مسافت ماپ لو، جس طرف اس کی قربت ہو گی یہ اسی میں سے سمجھا جائے۔

(فأوحى الله إلى هذه الخ) یعنی اس بستی کو حکم دیا جہاں سے آ رہا تھا کہ وہ دور ہٹ جائے اور جس کی طرف اس کا قصد تھا، اسے قریب ہو جانے کا حکم دیا (گویا حقیقۃً اسی کے قریب تھا جہاں سے آ رہا تھا)۔ (أقرب بشبر الخ) معاذ عن شعبة سے روایت میں ہے: (فجُعل من أهلها) اس کے اہل میں سے بنا دیا گیا (یعنی وہ نیک اور تائب قسم کے لوگ تھے جیسا کہ ایک روایت میں ذکر ہوا تو انہی کے جیسا اس کا انجام بنا دیا گیا)، اس سے کبائر گناہ حتی کہ قتلِ اَنفس (پھر سو قتل) جیسے کبیرہ گناہ سے بھی توبہ کی مشروعیت ثابت ہوئی، اسے اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ اگر اللہ تعالی کسی قاتل کی توبہ قبول کریگا تو مقتول کے وارثوں کو راضی کروینے کا (یعنی یوم حشر) خود ہی کفیل ہو گا۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ مفتی سے جواب میں خطا ہو سکتی ہے، یہ گمان و دعوی کرنا غفلت ہے کہ اس نے آخری شخص کو اس لئے قتل کیا کہ اس نے بغیر علم کے فتوی دیا تھا، البتہ سیاق مقتضی ہے کہ وہ مسئلہِ زیرِ استفتاء سے لاعلم تھا، اس کا اسے قتل کرنا مایوسی کی شدت کی وجہ سے تھا (کہ جہاں اتنے مارے ہیں ایک اور سہی، بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ شخص کسی نفسیاتی عارضہ کا شکار تھا اور اسے خون بہانے میں لطف آتا تھا) چونکہ اسے بتلایا کہ اس کی نجات کی کوئی راہ نہیں تو مایوسی میں اسے بھی مار دیا، پھر ندامت کا شکار بنا اور توبہ کی راہ میں مزید پیش قدمی کرنے کی کوشش کی اور کسی اور ذی علم کی بابت مستفسِر ہوا جو اسے راہ سمجھائے، اس سے اس راہب کی قلتِ فطانت بھی عیاں ہوئی کیونکہ اس کا فرض بنتا تھا کہ ایک ایسے شخص کا سامنا، قتل کرنا جس کی عادت بن چکی ہے، تحرُّز اور احتیاط سے کرے اور بہتر ہوتا کہ معاریض استعمال کرتا (یعنی حکمت سے پیش آتا اور دوٹوک نفی کی بجائے گول مول بات کرتا) جبکہ اس بابت قطعی حکم و مسئلہ سے بھی واقف نہ تھا۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ بنی نوع انسان کے اعمال کی کتابت پر مامور فرشتے کبھی کسی انسان کی نسبت باہم اختلاف کا شکار ہو جاتے ہیں، تب کسی فیصل کے محتاج ہوتے ہیں، جو عموماً من جانب اللہ ہوتا ہو گا۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ جس سرزمین پر بندہ گناہوں میں ڈوبا رہتا ہے، اگر توبہ اور گناہوں سے خلاصی کا خواہاں ہے تو بہتر ہے اس علاقہ کو خیر آباد کہہ دے کیونکہ وہاں رہنے سے اسے اپنے کرتوت یاد آتے رہینگے یا وہاں اس کے گناہوں اور جرموں کے ساتھی و اعوان موجود ہیں (گویا توبہ کی بنیادی شرط یہ ہے کہ پہلے بری صحبت سے جان چھڑائے) اسی لئے آخری شخص نے اسے یہی وصیت کی تھی کہ وہ اپنے علاقے میں واپس نہ آئے کہ وہ ارضِ سُوء ہے۔

اس سے عالم کی عابد پر فضیلت بھی ظاہر ہوئی، پہلا شخص جس نے اسے مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں اور آگے دھکیل دیا، عالم سے زیادہ عابد تھا جس نے اس کے اس بھاری تعداد کے قتلوں کو ایسا گناہ و جرم خیال کیا کہ اس کی رائے میں اب توبہ کی گنجائش نہیں، دوسرے شخص پر عبادت کی نسبت علم غالب تھا چنانچہ اس نے درست رہنمائی کی اور اسے طریقِ نجات بتلایا۔ عیاض لکھتے ہیں ثابت ہوا کہ قاتل کیلئے بھی توبہ اسی طرح نفع مند ہے جیسے باقی گناہگاروں کیلئے، یہ اگرچہ سابقہ شریعت کی بات ہے اور سابقہ شرائع کے مسائل و احکام سے احتجاج و استدلال ایک مختلَف فیہ مسئلہ ہے لیکن یہ مسئلہ موضعِ اختلاف نہیں کیونکہ موضعِ اختلاف وہ مسائل و امور ہیں جن میں ہماری

شریعت کا حکم سابقہ احکام و مسائل کے موافق نہ ہو، اگر انہی کے موافق ہماری شریعت میں کوئی حکم وارد ہو تب بالاتفاق مشروع ہے، اب اس ضمن میں اللہ تعالی کا یہ فرمان وارد ہے: (إِنَّ اللّٰهَ لا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ۔۔۔۔ الخ) ایک حدیثِ عبادۃ بن صامت میں (ولا تَقْتُلُوا النَّفْسَ) وغیرہ منہیات کا ذکر کر کے فرمایا جس نے ان میں سے کسی جرم و گناہ کا ارتکاب کیا اب اس کا معاملہ مشیتِ ایزدی پر معلَق ہے، چاہے تو معاف فرما دے اور چاہے تو عذاب دے، اسے شیخین نے روایت کیا ہے، تو چونکہ اس امتِ محمدیہ کے معاملات سابقہ امم کی نسبت آسان بنائے ہیں لہٰذا اگر ان بڑے جرائم کی ان کیلئے توبہ مشروع تھی تو ہمارے لئے تو بالاَ ولیٰ ہے۔ قرآن پاک کی آیت کہ جس نے جان بوجھ کر کسی مؤمن کو قتل کیا اس کیلئے جہنم ہے، اس میں ہمیشہ رہے گا، کی بابت بحث التفسیر میں آئے گی، یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ بعض بنی آدم ایسے ہیں جو فرشتوں کے مابین فیصلہ و تحکیم کی اہلیت رکھتے ہیں، یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر فریقین کسی کو حَکم بنائیں اور اس کے فیصلہ پر اظہارِ رضامندی کر دیں تو اس کا فیصلہ جائز و قابلِ نفاذ ہوگا (یعنی ان فریقین کی نسبت سے)، اس بارے اگلی روایت کی بحث میں، منقول اختلاف کا ذکر ہوگا۔ یہ بھی ثبوت ملا کہ فیصل کے نزدیک اگر دلائل و بینات متساوی فی القوت ہیں تو وہ فیصلہ پر پہنچنے کیلئے قرائن کا سہارا لے۔

شاہ انور (فناءَ بصدره الخ) کے تحت لکھتے ہیں توبہ کا جزوِ اعظم اظہارِ ندامت ہے اگر کوئی زنا یا چوری جیسا جرم و گناہ ہے تو اس کی توبہ یہ ہے کہ ندامت کا اظہار کرے اور ساتھ ساتھ اس سے کنارہ کش بھی ہو جائے اگر مثلاً ترکِ نماز و روزہ جیسے قصور ہیں تو ان کی توبہ یہ ہے کہ عزم و ارادہ کے ساتھ ترکِ نماز و روزہ کا خاتمہ کرے، حدیث سے ثبوت ملتا ہے کہ ندامت کا اظہار اور ترکِ گناہ و معصیت کا عزم ہی توبہ ہے اگرچہ اس کے بعد اتنا وقت نہ ملے کہ کوئی نیک عمل کر سکے۔

اسے مسلم نے (التوبة) اور ابن ماجہ نے (الديات) میں نقل کیا ہے۔

3471 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلاَةَ الصُّبْحِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ بَيْنَا رَجُلٌ يَسُوقُ بَقَرَةً إِذْ رَكِبَهَا فَضَرَبَهَا فَقَالَتْ إِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهَذَا، إِنَّمَا خُلِقْنَا لِلْحَرْثِفَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللَّهِ بَقَرَةٌ تَكَلَّمُ فَقَالَ فَإِنِّى أُومِنُ بِهَذَا أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَمَا هُمَا ثَمَّ وَبَيْنَمَا رَجُلٌ فِي غَنَمِهِ إِذْ عَدَا الذِّئْبُ فَذَهَبَ مِنْهَا بِشَاةٍ، فَطَلَبَ حَتَّى كَأَنَّهُ اسْتَنْقَذَهَا مِنْهُ، فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ هَذَا اسْتَنْقَذْتَهَا مِنِّى فَمَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ، يَوْمَ لاَ رَاعِيَ لَهَا غَيْرِى .فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللَّهِ ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ .قَالَ فَإِنِّى أُومِنُ بِهَذَا أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ .وَمَا هُمَا ثَمَّ .أطرافه 2324، 3663، 3690۔ 3471م وَحَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِمِثْلِهِ۔ (ترجمہ کیلئے جلد سوم ص: ۵۲۴)

ابن مدینی سفیان بن عیینہ سے راوی ہیں، اعرج اور ابوسلمہ اَقران (یعنی ہم عمر اور ایک طبقہ کے راوی) ہیں، زہری نے براہ راست ابوسلمہ سے بھی اس کی روایت کی ہے، اس کی مفصل شرح المناقب میں آئیگی۔

(إنا لم نخلق لهذا) اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ جانوروں کو اسی کام میں استعمال کیا جائے جس میں وہ عادۃً وعرفاً مستعمل ہوتے ہیں یا اس گائے نے یہ بات اپنی جنس کی اکثر حالت واستعمال کے پیش نظر کہی ہوگی، حصر مراد نہیں کیونکہ بقول اس کے کہ وہ کھیتی باڑی کیلئے مخلوق ہیں، ذبح کی جاتیں اور کھائی جاتیں ہیں (دراصل یہاں کسی مسئلہ یا حکم کا بیان مقصود نہیں بلکہ سابقہ امم کے اعاجیب کے ضمن میں اس اعجوبۂ زیرِ نظر کا سرد و بیان ہے اور بس)۔ اس بابت کچھ بحث کتاب المزارعۃ میں گزر چکی ہے۔ (و أبو بکر و عمر) یہ اس امر پر محمول ہے کہ آپ انہیں قبل ازیں یہ قصہ سنا چکے تھے اور انہوں نے تصدیق کی تھی (لیکن بظاہر آپکی یہ بات ابوبکر وعمر پر ایک طرح کا اظہارِ اعتماد تھا، اسی اعتماد کو جناب صدیق اکبر نے شب معراج کی صبح سچا ثابت کیا تھا جب ابوجہل علی الصباح ان کے گھر پہنچا اور کہا اگر کوئی کہے کہ میں شب بھر میں بیت المقدس ہو آیا ہوں تو مان لو گے؟ کہا یہ بات تو ماننے کے قابل نہیں، کہنے لگا لو سنو پھر محمد ﷺ کہتے ہیں کہ میں نہ صرف بیت المقدس بلکہ آسمانوں سے بھی اوپر ہو آیا ہوں، کہا اگر وہ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک کہتے ہیں، تو اصلاً آپ کی یہ بات ان کی منقبت وفضیلت کے بیان کا ایک انداز تھا)۔ ابن حجر کہتے ہیں یہ بھی محتمل ہے کہ آپ ان کی عادت برمطلع تھے کہ اگر انہیں یہ بات سنائیں گے تو ماننے میں تردد نہ کرینگے بلکہ تصدیق وتسلیم کا مظاہرہ ہوگا۔ (و ما هما ثم) یہ راوی کی کلام ہے یعنی اس موقع پر ابوبکر وعمر مجلس میں موجود نہ تھے۔

(و بینا رجل الخ) اسی اسنادِ مذکور کے ساتھ سابقہ خبر پر معطوف ہے۔ (و حدثنا علی الخ) گویا اسے شیخ سے الگ سنا ہے، حاصل یہ کہ سفیان کی اس حدیث کی روایت میں دو اسناد ہیں، ایک أبوزناد عن الأعرج اور دوسری مسعر عن سعد بن ابراہیم، دونوں ابو سلمہ سے متعلق ہیں اور دونوں اسناد میں روایۃ القرین عن القرین ہے، اعرج بھی ابوسلمان کے اکثر شیوخ میں قرین ہیں، بالخصوص ابو ہریرہ سے سماع احادیث میں۔ ابوسلمہ عمر میں اعرج سے بڑے تھے، سفیان بن عیینہ مسعر کے قرین اور ان کے اکثر شیوخ میں ان کے ہم درس ہیں البتہ مسعر عمر میں ان سے بڑے تھے۔

3472 حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اشْتَرَى رَجُلٌ مِنْ رَجُلٍ عَقَارًا لَهُ، فَوَجَدَ الرَّجُلُ الَّذِي اشْتَرَى الْعَقَارَ فِي عَقَارِهِ جَرَّةً فِيهَا ذَهَبٌ، فَقَالَ لَهُ الَّذِي اشْتَرَى الْعَقَارَ خُذْ ذَهَبَكَ مِنِّي، إِنَّمَا اشْتَرَيْتُ مِنْكَ الأَرْضَ، وَلَمْ أَبْتَعْ مِنْكَ الذَّهَبَ. وَقَالَ الَّذِي لَهُ الأَرْضُ إِنَّمَا بِعْتُكَ الأَرْضَ وَمَا فِيهَا، فَتَحَاكَمَا إِلَى رَجُلٍ، فَقَالَ الَّذِي تَحَاكَمَا إِلَيْهِ أَلَكُمَا وَلَدٌ قَالَ أَحَدُهُمَا لِي غُلاَمٌ. وَقَالَ الآخَرُ لِي جَارِيَةٌ. قَالَ أَنْكِحُوا الْغُلاَمَ الْجَارِيَةَ، وَأَنْفِقُوا عَلَى أَنْفُسِهِمَا مِنْهُ، وَتَصَدَّقَا

ابو ہریرہ راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا ایک شخص نے کسی سے پلاٹ خریدا اسے اس میں (کھدائی کے دوران) سونے سے بھرا ایک گھڑا ملا وہ بیچنے والے سے کہنے لگا یہ تمہارا ہے اسے لے لو کیونکہ میں نے زمین لی تھی سونا نہیں، وہ بولا میں نے تو تجھے یہ زمین ان سب سمیت جو اس کے اندر ہیں، بیچ دیا تھا، ایک شخص کو اپنا حکم بنالیا اس نے ان سے پوچھا تمہاری کوئی اولاد ہے؟ ایک نے کہا میرا ایک لڑکا جبکہ دوسرے نے کہا میری ایک بیٹی ہے، اس نے کہا ان کی آپسمیں شادی کردو اور یہ سونا شادی کے اخراجات میں استعمال کرو اور صدقہ بھی کرو۔

(اشترى رجل الخ) ان میں سے کسی کا یا اس قصہ میں مذکور کسی اور شخص کا نام معلوم نہیں ہو سکا البتہ وھب بن منبہ کی المبتدا میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ دیا تھا جبکہ اسحاق بن بشر کی المبتدا میں ہے کہ ذوالقرنین نے یہ فیصلہ دیا تھا، بقول ابن حجر بخاری کی صنیع کہ اسے بنی اسرائیل کے ضمن میں ذکر کیا ہے، سے وھب کا قول راجح ثابت ہوتا ہے۔ (عقارا) لغت میں عقار گھر اور اثاثہ جات (جائیداد) پر بولا جاتا ہے بعض نے نخیل (یعنی کھجوروں کے باغات واشجار) کے ساتھ مختص کیا ہے، گھر کی متاعِ نفیس کو بھی عقار کہا جاتا ہے، عیاض کہتے ہیں عقار اصلِ مال کو کہتے ہیں، معروف یہ ہے کہ جو بھی ملکیت میں ہو، عقار کہلاتا ہے، یہاں مراد دار ہے، وھب کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔

(ولم أبتع الذهب) یہ اس امر میں صریح ہے کہ سودا خاص زمین کی بابت طے ہوا تھا، بائع کی رائے میں ضمناً جو کچھ اس زمین سے حاصل ہوا، سب اس میں شامل ہے مشتری کے اعتقاد میں ایسا نہیں، ہماری شریعت میں اس قسم کے معاملات میں حکم یہ ہے کہ مشتری کا قول معمول بہ ہوگا، یہ بھی محتمل ہے کہ صورتِ عقد میں ان کا باہمی اختلاف ہوا ہو کہ مشتری کہتا ہو کہ سودے میں یہ تصریح نہیں تھی کہ زمین سے متصلہ کوئی چیز بھی اس بیع میں شامل ہے اور بیچنے والے کی رائے ہو کہ اس امر کی تصریح تھی، اس صورتحال میں فیصلہ قَسم پہ ہوگا اور استردادِ مبیع کرینگے، یہ سب اس ظاہرِ لفظ پر مبنی ہے کہ مشتری کو وہاں سے سونے سے بھرا ایک مٹکا ملا تھا لیکن اسحاق بن بشر کی روایت میں ہے کہ مشتری نے کہا اس نے ایک گھر خریدا وہاں آباد ہوا تو ایک خزانہ ملا، بائع کو خبر دی تو اسنے کہا نہ میں نے اسے دفن کیا تھا اور نہ اس بابت کچھ جانتا ہوں (لہٰذا اس پر میرا کوئی استحقاق نہیں)، یہ بھی ذکر کیا کہ قاضی سے کہنے لگے اب یہ سرکاری ہوا، آپ اپنے اہلکار بھیج کر قبضہ میں لے لیں اور جیسے چاہیں تصرف کریں، اس پر اس مال کا حکم اس شریعت (محمدیہ) میں رکاز کے حکم کی طرح ہوگا، اگر پتہ چل جائے کہ یہ ماضی کا دفینہ ہے (اور مالک نامعلوم ہے) اگر پتہ چلے کہ کسی مسلمان کا ہے (لیکن فوری طور پر اسکا پتہ نہیں چل رہا) تو ہماری شریعت کے مطابق اس کی حیثیت لُقطہ کی سی ہوگی، اگر یہ پتہ نہ چل رہا ہو (کہ مالِ مسلم نامعلوم ہے یا کسی اور کا) تو وہ مالِ ضائع کے حکم میں ہے اور بیت المال میں رکھوایا جائے گا، تو شائد یہ ساری تفصیل ان کی شریعت میں نہ تھی۔ لہٰذا قاضی نے مذکورہ بالا فیصلہ دیا۔

(الذي له الأرض) یعنی بیچنے سے قبل جس کی تھی، احمد کی عبد الرزاق سے روایت میں اس کی صراحت موجود ہے، وہاں بائع کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مسلم کے نسخوں میں اس بابت اختلاف ہے، اکثر نے (الذي شرى الأرض) روایت کیا ہے، مراد (باع الأرض) ہے، جیسے احمد نے نقل کیا، بعض نے (اشترى) کا لفظ استعمال کیا ہے (دراصل شری کا لفظ خریدنا اور بیچنا دونوں معنی میں جبکہ اشتریٰ صرف خریدنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لہٰذا یہ لفظ باعثِ اشکال ہے) قرطبی نے اسے وہم قرار دیا ہے، کہتے ہیں اگر یہ ثابت ہے کہ (اشتریٰ) کا لفظ بھی (شریٰ) کی طرح اضداد میں سے ہے، تب ٹھیک ہے۔ (فتحا كما) سے اشارہ ملتا ہے کہ اس قضیہ میں کسی کو حَکم بنالیا لیکن اسحاق بن بشر کی ردایت میں یہ تصریح ہے کہ وہ باقاعدہ سرکاری قاضی کے پاس گئے تھے تو اگر یہ ثابت ہے تو اس میں ان حضرات کیلئے کوئی حجت نہیں جو فریقین کیلئے جائز قرار دیتے ہیں کہ کسی کو بھی حکم بنالیں اور اس کا فیصلہ قابلِ تنفیذ ہوگا، یہ مسئلہ اختلافی ہے، مالک نے اسے جائز قرار دیا ہے، شافعی اہلیت کی شرط عائد کرتے ہیں ادر یہ کہ حق وانصاف سے کام لے خواہ اس کا فیصلہ قاضیِ شہر کے فیصلہ سے متصادم ہی کیوں نہ ہو، ان کے نزدیک حدود اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ابوحنیفہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ قاضیِ شہر سے اس کا فیصلہ مختلف نہ ہو۔ قرطبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ بشرطے کہ سرکاری عدالت سے کسی کے حق میں فیصلہ نہ ہو چکا ہو، کہتے ہیں اس فیصلِ

مذکور نے یہ فیصلہ دیکران کے مابین صلح کرادی کہ اس کیلئے ظاہر ہوا ہے کہ مالِ مذکور مالِ ضائع کے حکم میں ہے اور اس کے وہی دونوں بوجہ اپنے ورع وتقوی اور حسنِ نیت کے، زیادہ حقدار ہیں تو اس نے مندرجہ بالا فیصلہ دیکران کی ذریت کی صلاح وطیب کی توقع کی۔ غزالی نے نصیحۃ الملوک میں لکھا ہے کہ ان کا معاملہ کسری، بقول علامہ انور نوشیرواں۔ کی عدالت میں پیش ہوا تھا اور اس نے یہ فیصلہ صادر کیا تھا تو اگر یہ ثابت ہے (لیکن امام بخاری کا بنی اسرائیل کے تحت اسے ذکر کرنا اس امر کا غماز ہے کہ کسری والی بات درست نہیں) تو اس سے تمام مذکورہ متعلقہ مباحث مرتفع ہو جاتے ہیں کیونکہ کافر کی تحکیم حجت نہیں بن سکتی۔ ابو ہریرہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام آنجناب سے یہ واقعہ سن کر اس بحث وتنازع میں پڑے کہ اِن دونوں میں سے زیادہ امانتدار کون سا ہے۔

(ألكما ولد؟) اسمِ جنس ہے یعنی ہر ایک کی الگ اولاد کی بابت استفسار کیا، واؤ کی پیش اور لامِ ساکن کے ساتھ پڑھنا بھی درست ہے بطور صیغۂ جمع، یعنی اولاد، واؤ پر زیر بھی صحیح ہے۔ (فقال أحدهما الخ) اسحاق بن بشر کی روایت میں ہے کہ مشتری نے یہ کہا تھا۔

(و أنفقوا على أنفسهما الخ) اِنکاح وانفاق میں، بصیغۂ جمع جبکہ نفسین اور تصدُق میں تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ ہے، اس میں سِرّ یہ ہے کہ زوجین تو مجوّزین تھے اور ان کی شادی ولیئین کے انتظام وانصرام سے مع دیگر گواہان کی موجودی ہی میں ممکن تھی، انفاق کے ضمن میں بھی وکیل یا گواہ کی ضرورت تھی لہٰذا جمع کا صیغہ استعمال ہوا، تثنیۂ نفسین سے یہ اشارہ ہے کہ یہ انفاق ان کے ساتھ مختص ہوگا۔ ابن بشر کی روایت میں اس کی صراحت ہے، اس میں ہے: (وجَهّزُوهما مِن هذا المال و ادْفَعا إليهما ما بَقِيَ يَعيشانِ بہٖ) یعنی شادی کے اخراجات دونوں طرف کے، بھی اس مال سے کرو اور باقی ماندہ بھی انہیں دیدو۔ تصدَّقا کے صیغۂ تثنیہ ہونے میں یہ دلالت ہے کہ تصدُق وہ بلا واسطہ کریں کہ یہی افضل ہے پھر یہ بھی کہ تبرُع غیر رشید اور خصوصا جس کی ملکیت بھی نہ ہو، کے ہاتھوں نہیں ہوسکتا، مسلم کی روایت یہ بھی ہے کہ اپنے اوپر بھی خرچ کرو لیکن اول اوجہ ہے۔ اسے مسلم نے بھی (القضاء) میں تخریج کیا ہے۔

3473 حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ وَعَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَسْأَلُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ مَاذَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الطَّاعُونِ فَقَالَ أُسَامَةُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الطَّاعُونُ رِجْسٌ أُرْسِلَ عَلَى طَائِفَةٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَوْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلاَ تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلاَ تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ. قَالَ أَبُو النَّضْرِ لاَ يُخْرِجُكُمْ إِلاَّ فِرَارًا مِنْهُ. طرفاه 5728، 6974

اسامہ بن زید کہتے ہیں نبی پاک نے طاعون کے بارہ میں فرمایا کہ یہ ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر واقع ہوا تھا جب سنو کہ کسی علاقہ میں طاعون کی وباء پھیل گئی ہے تو ادھر کا رخ نہ کرو لیکن تمہارے علاقہ میں اگر پھیل جائے تو وہاں سے بقصدِ فرار نکلو نہیں، ابونضر کہتے ہیں یعنی اگر کسی اور غرض سے جاتا ہے تو حرج نہیں۔

مفصل شرح الطب میں آئیگی، یہاں غرضِ ترجمہ (الطاعون رجز أرسل على بني اسرائيل) ہے، بعض طرق میں رجس بھی ہے مگر محفوظ زاء کے ساتھ ہے۔ قاضی اسے بھی موجّہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عقوبت پر بھی رجس بولا جاتا ہے، فارابی اور

جوھری نے لکھا ہے کہ رجس عذاب ہے۔ (فلا تخرجوا فراراً منہ قال أبو النضر الخ) مراد یہ ہے کہ پہلی عبارت محمد بن منکدر کی روایت میں ہے اور دوسری ابونضر کی روایت میں، ابن منکدر کی نقل کردہ عبارت میں کوئی اشکال نہیں ہے البتہ ابونضر کی نقل کردہ عبارت اگر (فراراً) نصب کے ساتھ پڑھا تو یہ باعثِ اشکال ہے، ایک جماعت نے اسے مرفوعا پڑھا ہے، تب کوئی اشکال نہیں۔ عیاض لکھتے ہیں مؤطا کے اکثر رواۃ نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے تو اس میں بیان ہے کہ تمہارے نکلنے کا سبب اگر فقط فرار ہو (یعنی تب ممنوع ہے) گویا کسی سفر و حاجت کیلئے نکلنا مباح ہے، اس کی دوسری روایت کے الفاظ: (فلا تخرجوا فراراً منہ) کے ساتھ بھی مطابقت ہے، کہتے ہیں بعض نے (إلا فراراً منہ) روایت کیا ہے۔ ابن عبدالبر بھی لکھتے ہیں کہ یہ دو طرح سے مروی ہے اور شائد یہ امام مالک کی طرف سے ہے، گویا نہی خروج سے ہے مگر وہ اس سے مستثنیٰ ہے جو صرف ازرہِ فرار ہو، لیکن یہ مفہوم ضدِ مقصود ہے کیونکہ منہی عنہ وہ خروج ہے جو بقصدِ فرار ہو (یعنی کسی اور مقصد سے طاعون زدہ شہر سے نکلنا منع نہیں جبکہ اس مذکورہ عبارت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ طاعون سے فرار کے لئے نکلنا تو جائز ہے مگر کسی دیگر مقصد کیلئے جائز نہیں، حالانکہ یہ مقصود نہیں)۔

کہتے ہیں بعض نے (إلا) کو استثناء سے حال ہونا بھی تجویز کیا ہے یعنی تم نہ نکلو اگر تمہارا یہ نکلنا کسی اور نیت سے نہیں سوائے فرار کے، عیاض یہ بھی لکھتے ہیں کہ مؤطا کے بعض رواۃ نے: (لا یخرجکم الإفرار) بھی روایت کیا ہے (یعنی إِفرار بطور مصدر أفرَّ یُفِرُّ سے) مگر یہ وہم ولحن ہے۔ صاحب المشارق کی اس ضمن میں بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جائز ہے کہ ہمزہ برائے تعدیہ ہو، کہا جاتا ہے: (أفرَّہ کذا من کذا) اسی سے آنجناب کا ایک موقع پر عدی بن حاتم سے یہ کہنا ہے: (إن کان لا یُفِرُّك مِن ھذا إلا ما تری)۔ معنی یہ ہوگا: (لا یُخرِجُکم إفرارہ إیاکم) یعنی طاعون تمہیں وہاں سے نکال باہر نہ کرتا ہو۔ قرطبی کہتے ہیں یہ الفاظ غلط روایت کئے گئے ہیں کیونکہ أفرّ نہیں کہا جاتا بلکہ (فرَّرَ) مستعمل ہے، لکھتے ہیں علماء کی ایک جماعت یہ رائے بھی رکھتی ہے کہ الا کا یہاں استعمال غلط ہے چنانچہ بعض نے اسے زائدہ قرار دے ڈالا جیسے کئی جگہ لا زیادہ کر دیا جاتا ہے (تب اس کا معنی شاملِ جملہ نہیں ہوتا)، بعض نے اس کی تخریج یوں کی ہے کہ یہ برائے ایجاب ہے بقول ان کے اقرب توجیہہ یہ ہے کہ زائد ہے، بقول کرمانی لیکن پہلے ثابت کیا جائے کہ کلامِ عرب میں اس کا زائدہ ہونا متداوِل ہے، انہوں نے دو اور جواب بھی دئے ہیں ایک یہ کہ راوی ابونضر نے اس جملہ کے ساتھ حدیث کی تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد حصر ہے، یعنی خروجِ منھی عنہ وہ ہے جو بقصدِ فرار ہو، ابن حجر اس جواب کو بعید قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کا مقتضا یہ ہے کہ ابونضر کی روایت تو ابن منکدر کی طرح ہے اور یہ جملہ ان کی طرف سے بقصدِ تفسیر حدیث میں زیادت ہے حالانکہ متبادِر اس کا خلاف ہے، ان کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اضافی جملہ بھی مرفوع ہے اور ابونضر کی روایت بھی ابن منکدر کی طرح ہے یعنی انہوں نے روایت اور اس کی تفسیر، دونوں مرفوعا روایت کئے ہیں۔

علامہ انور (الطاعون رجس الخ) کے تحت لکھتے ہیں اظہارِ توکل کے لیے طاعون زدہ شہر میں داخل ہونا مناسب نہیں لیکن اگر طاعون کی وباء پھیلنے سے قبل وہیں تھا تو اب طاعون کے بعد ازرہِ فرار وہاں سے نہ نکلے، ضرورت کے تحت جا بھی سکتا ہے اور باہر بھی آ سکتا ہے۔

اسے مسلم اور نسائی نے (الطب) جبکہ ترمذی نے (الجنائز) میں نقل کیا ہے۔

3474 حَدَّثَنَا مُوسَی بْنُ إِسْمَاعِیلَ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ أَبِی الْفُرَاتِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بُرَیْدَةَ

عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ عَنْ عَائِشَةَ ؓ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ الطَّاعُونِ، فَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ عَذَابٌ يَبْعَثُهُ اللَّهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ، وَأَنَّ اللَّهَ جَعَلَهُ رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِينَ، لَيْسَ مِنْ أَحَدٍ يَقَعُ الطَّاعُونُ فَيَمْكُثُ فِي بَلَدِهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا، يَعْلَمُ أَنَّهُ لاَ يُصِيبُهُ إِلاَّ مَا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ، إِلاَّ كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ شَهِيدٍ .طرفاه 5734، 6619

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں میں نے آنجناب سے طاعون کی بابت پوچھا تو فرمایا کہ یہ عذاب ہے اللہ جسے چاہے اس میں مبتلا کر دے، اور یہ مؤمنین کیلئے رحمت ہے (یعنی اگر کوئی مؤمن اس کی لپیٹ میں آ جائے تو اس کیلئے عذاب نہیں بلکہ رحمت ہے) اگر کسی کی بستی میں طاعون پھیل جائے اور وہ صبر کے ساتھ یہ اعتقاد رکھتے ہوئے وہیں رہے کہ وہی ہوگا جو اس کے مقدر میں ہے تو (اگر اس کی وجہ سے مر گیا) اللہ اسے اجرِ شہید سے نوازے گا۔

یہ بھی اس بابت ہے، الطب میں تفاصیل بیان ہونگی۔ نسائی بھی (الطب) میں اس کے مخرج ہیں۔

3475 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ ؓ أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ، فَقَالَ وَمَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالُوا وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلاَّ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، حِبُّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ .ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ، ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللَّهِ، لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ ابْنَةَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا .أطرافه 2648، 3732، 3733، 4304، 6787، 6788، 6800

راوی کہتے ہیں قریش کو ایک مخزومی خاتون کے معاملہ نے بڑی پریشانی میں ڈالا جس سے چوری سرزد ہوگئی تھی، کہ کون اس کی نبی پاک سے سفارش کرے (کہ حد نہ نافذ کیجائے) کہنے لگے اسامہ جو آپ کو بہت پیارے ہیں، کے سوا کون یہ جرات کر سکتا ہے؟ تو اسامہ نے آنجناب سے بات کی آپ نے فرمایا کیا تو اللہ کی حدود میں سے ایک حد کی بابت (معاف کرنے) کی بات کرتا ہے؟ پھر خطبہ کیلئے کھڑے ہوئے اور فرمایا تم سے پہلی اقوام اسی لئے ہلاک ہوئیں کہ اگر معزز (مثلاً) چوری کرتا تو اسے معاف کر دیتے لیکن اگر نچلے طبقہ کا کوئی فرد یہی کرتا تو اس پر حد لاگو کرتے اور بخدا اگر فاطمہ بنت محمد سے بھی چوری سرزد ہو جائے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں۔

اس مخزومی خاتون کے بارہ میں جس سے چوری کا جرم سرزد ہوا تھا، اس کی مفصل شرح کتاب الحدود میں آئیگی، یہاں محلِ ترجمہ: (إنما أهلك الخ) ہے، اس کے بعض طرق میں ہے: (إن بنى اسرائيل كانوا الخ) تو یہ مطابقِ ترجمہ ہے، اس بارے مبسوط بحث آگے آئیگی۔ اسے ترمذی کے سوا باقی سب نے (الحدود) میں روایت کیا ہے۔

3476 حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّزَّالَ بْنَ سَبْرَةَ الْهِلاَلِيَّ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ ؓ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلاً قَرَأَ، وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ خِلاَفَهَا

فَجِئْتُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ وَقَالَ كِلاَكُمَا مُحْسِنٌ، وَلاَ تَخْتَلِفُوا، فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوا فَهَلَكُوا .طرفاه 2410، 5062۔ (ترجمہ کیلئے جلد سوم ص:٦٠١)

عبداللہ سے ابن مسعود جبکہ شقیق سے مراد ابو وائل ہیں۔ (كأني أنظر الخ) ابن حجر کہتے ہیں اس نبی کے نام سے واقف نہیں ہو سکا محتمل ہے کہ وہ نوح علیہ السلام ہوں، ابن اسحاق المبتدا میں ذکر کرتے ہیں، ابن ابو حاتم نے بھی تفسیر الشعراء میں ابن اسحاق کے حوالے سے نقل کیا ہے، کہتے ہیں مجھے بعض ثقہ نے عبید بن عمیر لیثی کے حوالے سے بیان کیا، کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت نوح کی قوم بسا اوقات ان پر اتنا تشدد کرتی تھی کہ ان پر غشی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی جب افاقہ ہوتا تو کہتے: (اللهم اغفر لقومي فإنهم لا يعلمون) ابن حجر لکھتے ہیں اگر یہ صحۃً ثابت ہے تو ابتدائے نبوت کی بات ہوگی کیونکہ بعد میں تو ان سے مایوس ہو کر یہ دعا کی تھی: (رَبِّ لاتَذَرْ عَلَى الأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا) [نوح : ۲٦]۔ مسلم نے اس حدیث کی تخریج کے بعد لکھا ہے کہ خود آنجناب کا چہرہ احد کے دن لہولہان ہو گیا تھا جس پر آپ نے فرمایا تھا وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جنہوں نے اپنی نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل کی: (لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ) [آل عمران : ۱۲۸]، اسی لئے قرطبی کی رائے ہے کہ نبی پاک نے یہ بات اپنے بارہ میں کہی ہے، نووی کہتے ہیں سابقہ انبیاء میں سے کوئی ہیں اور ہمارے نبی کے ساتھ بھی اس قسم کا ماجرا یوم احد کو ہوا تھا۔ (وهو يمسح الدم عن وجهه) ، محتمل ہے کہ نبی پاک کے ساتھ جب یہ واقعہ پیش آیا اپنے صحابہ کرام کو بتلایا ہو کہ ایک سابقہ نبی کے ساتھ بھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا تھا کیونکہ احد کے دن آپکا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا تھا اور خون بہنے لگا تھا تو ممکن ہے صحابہ کرام کی دلجوئی کی خاطر یہ بیان فرمایا (شائد یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وهو يمسح الخ سے آخر تک کی عبارت آنجناب سے متعلق ہے، لیکن اگر یہ بات نہیں کہنا چاہتے، کیونکہ اس کی صراحت نہیں۔ تو بھی یہ محتمل ہے) لکھتے ہیں قرطبی نے بہر حال غرابت کا مظاہرہ کیا جب یہ کہا کہ حاکی اور محکی خود آنجناب ہیں، کہتے ہیں گویا آپ کو بذریعہ وحی بتلایا دیا گیا تھا کہ یہ سانحہ پیش آنے والا ہے (ان کی توجیہہ کے مطابق پھر یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ یہ ساری بات آپ نے وقوع سانحہ کے بعد کہی) لیکن اس نبی کا نام ذکر نہیں کیا گیا تھا، جب خود آپ کے ساتھ یہ پیش آیا تو آپ نے جانا کہ وہ تو خود آپ ہیں۔ ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ لیکن یہ بات اس تاویل کیلئے معکِر ہے (یعنی اس کے خلاف جاتی ہے) کہ امام بخاری نے اس کا ذکر بنی اسرائیل کے ترجمہ کے تحت کیا ہے لہٰذا انبیائے بنی اسرائیل میں کسی سے متعلق ہونا متعین ہے، صحیح ابن حبان میں سہل بن سعد سے مروی ہے کہ نبی اکرم نے فرمایا تھا: (اللهم اغفر لقومي فإنهم لا يعلمون) ، ابن حبان لکھتے ہیں اس دعا کا مقصد ان کفار کیلئے مطلق مغفرت نہیں بلکہ خاص احد کے دن کا جرم، جب انہوں نے نبی پاک کا چہرہ مبارک زخمی کر دیا تھا کیونکہ اگر مطلقاً ہوتی تو ظاہر ہے یہ مقبول ہے پھر تمام کفار اسلام لا چکے ہوتے گویا ان کے نزدیک آپ کی دعا کی نسبت یہ تصور جائز نہیں کہ مدعولہم کے بعض اس کی برکت سے محروم رہینگے، لیکن ان کا یہ موقف محلِ نظر ہے کیونکہ آپ نے ایک موقع پہ فرمایا تھا کہ میں نے اللہ تعالی سے تین دعائیں کی تھیں، دو قبول کر لیں اور ایک نہ کی، اس کا ذکر تفسیر سورۂ انعام میں آئیگا۔

ابن حجر کہتے ہیں پھر مسند احمد کی عاصم عن ابی وائل کے طریق سے ایک روایت ملی جس سے قرطبی کی مذکورہ تاویل ممنوع ٹھہرتی ہے، اس میں اس غزوہ کا تعیُن ہے جس میں آنجناب نے اس نبی کی بابت یہ قصہ بیان فرمایا تھا، اس میں ہے کہ آپ مقامِ جعرانہ میں

حنین کی غنائم تقسیم فرما رہے تھے لوگوں کا بہت رش تھا اس موقع پر آپ نے فرمایا اللہ نے اپنے ایک بندے کو کسی قوم کی طرف مبعوث کیا انہوں نے تکذیب کی اور انہیں زخمی کر ڈالا تو وہ اپنے چہرہ سے خون صاف کرتے جاتے اور کہتے تھے اے اللہ میری قوم کو معاف فرما کہ یہ لاعلم ہیں، (غنائمِ حنین کی تقسیم کے موقع پر ایک شخص۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔ نے گستاخانہ لب ولہجہ میں آپ سے مخاطب ہو کر کہا اے محمد اللہ سے ڈریئے اور انصاف سے تقسیم کیجئے شائد اس وقت آپ نے یہ قصہ بیان کیا ہو)، عبد اللہ کہتے ہیں گویا ابھی بھی وہ منظر میرے سامنے ہے کہ کس طرح نبی اکرم نے قصہ بیان کرتے ہوئے اپنی پیشانی سے صاف کیا (اس نبی کی تمثیل کرتے ہوئے کہ وہ اسطرح پیشانی سے خون صاف کرتے جاتے اور کہتے جاتے اے اللہ انہیں معاف فرما) تو اس سے قرطبی کی بات کا فساد (یعنی غیر موزونیت) ظاہر ہوئی۔

3477حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي شَقِيقٌ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَحْكِي نَبِيًّا مِنَ الأَنْبِيَاءِ ضَرَبَهُ قَوْمُهُ فَأَدْمَوْهُ، وَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ، وَيَقُولُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لاَ يَعْلَمُونَ .طرفه 6929

عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں گویا میں نبی اکرم کو دیکھ رہا ہوں کسی نبی کی حکایت بیان فرما رہے تھے جنہیں ان کی قوم نے تشدد کر کے لہولہان کر دیا تھا اور وہ اپنے چہرہ سے خون صاف کرتے جاتے اور کہتے اے اللہ میری قوم کو معاف فرما کہ یہ نہیں جانتے۔

اسے مسلم نے (المغازی) اور ابن ماجہ نے (الفتن) میں نقل کیا ہے۔

3478حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَبْدِ الْغَافِرِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ رَجُلاً كَانَ قَبْلَكُمْ رَغَسَهُ اللَّهُ مَالاً فَقَالَ لِبَنِيهِ لَمَّا حُضِرَ أَيَّ أَبٍ كُنْتُ لَكُمْ قَالُوا خَيْرَ أَبٍ .قَالَ فَإِنِّي لَمْ أَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ، فَإِذَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي ثُمَّ اسْحَقُونِي ثُمَّ ذَرُّونِي فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ .فَفَعَلُوا، فَجَمَعَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ، فَقَالَ مَا حَمَلَكَ قَالَ مَخَافَتُكَ .فَتَلَقَّاهُ بِرَحْمَتِهِ .طرفاه 6481، 7508- 3478 وَقَالَ مُعَاذٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَبْدِ الْغَافِرِ سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ (دیکھئے نمبر:۳۴۵۲)

اس شخص کے قصہ سے متعلق ہے جس نے اپنے مرنے کے بعد لاش کو جلا دینے پھر اس کی راکھ ہوا میں اڑا دینے کی وصیت کی، جو قبل ازیں ایک دیگر طریق کے ساتھ گزر چکا ہے۔

(عقبة بن عبد الغافر) آگے معلق روایت میں قتادہ کے عقبہ سے سماع کی تصریح ہے، یہ عقبہ مذکور ازدی بصری ہیں ان کی بخاری میں دو احادیث ہیں، دوسری الوکالۃ میں گزر چکی ہے، معاذ کا یہ طریق مسلم نے موصول کیا ہے۔

(فأ رغسه الله) یعنی کثرتِ مال عطا ہوا، کہا گیا ہے کہ رغس ہر شئ کی اصل کو کہتے ہیں، یعنی اسے اصل من المال عطا کیا، مسلم کی روایت میں (رأسه الله) ہے، (رأس المال سے)، ابن تین کہتے ہیں من جہت الروایت یہ غلط ہے اگر صحت ثابت ہو تو گویا یہ (راشہ) ہے، ریش اور ریاش بمعنی مال ہیں۔ ابن حجر لکھتے ہیں مسلم کی روایت کے لفظ کی توجیہہ بھی محتمل ہے کہ کہا جائے (رأسه) کا

معنی ہے: (جعله رأسا) اور یہ تشدیدِ ہمزہ کے ساتھ ہوگا اور (مالا) کا معنی ہوگا ای (بسبب المال) یعنی اپنی دولت کی وجہ سے رئیس بن گیا۔

3479حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ قَالَ قَالَ عُقْبَةُ لِحُذَيْفَةَ أَلاَ تُحَدِّثُنَا مَا سَمِعْتَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ .قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ إِنَّ رَجُلاً حَضَرَهُ الْمَوْتُ، لَمَّا أَيِسَ مِنَ الْحَيَاةِ، أَوْصَى أَهْلَهُ إِذَا مُتُّ فَاجْمَعُوا لِي حَطَبًا كَثِيرًا، ثُمَّ أَوْرُوا نَارًا حَتَّى إِذَا أَكَلَتْ لَحْمِي، وَخَلَصَتْ إِلَى عَظْمِي، فَخُذُوهَا فَاطْحَنُوهَا، فَذَرُّونِي فِي الْيَمِّ فِي يَوْمٍ حَارٍّ أَوْ رَاحٍ .فَجَمَعَهُ اللَّهُ، فَقَالَ لِمَ فَعَلْتَ قَالَ خَشْيَتَكَ .فَغَفَرَ لَهُ .قَالَ عُقْبَةُ وَأَنَا سَمِعْتُهُ يَقُولُ .حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ وَقَالَ فِي يَوْمٍ رَاحٍ .طرفاه 3452، 6480

سابقہ روایت کے مضمون پرھی مشتمل ہے۔ (قال عقبة لحذيفة) یہ عقبہ بن عمرو صحابی ہیں جنکی کنیت ابومسعود انصاری تھی، بدری ہیں (کچھ صفحات قبل ان کا تذکرہ ہوا ہے)۔ (حدثنا موسى الخ) یہ تبوذ کی ہیں، کشمیہنی کے نسخہ میں یہاں بجائے موسی کے (حدثنامسدد) ہے مگر ابوذر نے اکثر کی روایت کی تصویب کی ہے، ابونعیم نے بھی المستخرج میں اسی پہ جزم کیا ہے کہ یہ روایت موسی سے ہے، موسی اور مسدد، دونوں کا ابوعوانہ سے سماع ہے لیکن یہاں درست موسی ہے کیونکہ امام بخاری نے مسدد کا سیاق (سابقہ روایت میں) ذکرکر کے یہاں موسی کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے مسدد کی ایک لفظ میں مخالفت کی ہے، یعنی (في يوم راح) میں، مسدد نے راح کی بجائے (حار) نقل کیا ہے، موسی کا سیاق باب (ذكر بني اسرائيل) کی ابتداء میں گزر چکا ہے۔ (راحا) أى كثير الريح، جس دن آندھی چل رہی ہو، اس جگہ کو بھی راح کہتے ہیں جسے ریاح نے جلا کر رکھ دیا ہو۔ جوھری کہتے ہیں (يوم راح) أي شديد الريح، اور اگر طیب الرتح ہوتو (ريح) بتشدید الیاء بولا جاتا ہے۔ خطابی لکھتے ہیں (يوم راح أي ذو ريح) جیسے (رجل مال) کہا جاتا ہے ای ذو مال، جہاں تک روایتِ باب کا تعلق ہے وہ (في يوم حار) ہے، تخفیفِ راء کے ساتھ۔ ابن فارس اس بابت رقمطراز ہیں کہ (الحور ريح تحنّ كحنين الإبل) یعنی ایسی پر شور ہوا جیسے اونٹ بلبلا رہے ہوں۔

(حدثنا عبد الملك الخ) یہ ابن عمیر ہیں جو سابقہ روایت کی اسناد میں مذکور ہیں، مراد یہ ہے کہ عبدالملک نے اسنادِ مذکور کے ساتھ اسے سابقہ روایت کی مانند ہی روایت کیا ہے سوائے اس ایک لفظ (یعنی راح) کے، اس کا مقتضا یہ ہے کہ سابقہ روایت میں (راح) نقل کرنا خطا ہے جیسا کہ سرخسی کے نسخہ صحیح بخاری میں ابوالولید نے ابوعوانہ سے (في ريح عاصف) روایت کیا ہے، یہ بخاری کی کتاب الرقاق میں آئیگی۔

3480حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ كَانَ الرَّجُلُ يُدَايِنُ النَّاسَ، فَكَانَ يَقُولُ لِفَتَاهُ إِذَا أَتَيْتَ مُعْسِرًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ، لَعَلَّ اللَّهُ أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّاقَالَ فَلَقِيَ اللَّهَ

فَتَجَاوَزَ عَنْهُ .طرفه 2078۔ (جلد سوم ص:۲۸۲)

یہ کتاب البیوع میں مشروح ہو چکی ہے۔

3481حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُسْرِفُ عَلَى نَفْسِهِ، فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ قَالَ لِبَنِيهِ إِذَا أَنَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي ثُمَّ اطْحَنُونِي ثُمَّ ذَرُّونِي فِي الرِّيحِ، فَوَاللَّهِ لَئِنْ قَدَرَ عَلَيَّ رَبِّي لَيُعَذِّبَنِّي عَذَابًا مَا عَذَّبَهُ أَحَدًا .فَلَمَّا مَاتَ فُعِلَ بِهِ ذَلِكَ، فَأَمَرَ اللَّهُ الأَرْضَ، فَقَالَ اجْمَعِي مَا فِيكِ مِنْهُ .فَفَعَلَتْ فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ، فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ قَالَ يَا رَبِّ، خَشْيَتُكَ .فَغَفَرَ لَهُ .وَقَالَ غَيْرُهُ مَخَافَتُكَ يَا رَبِّ .طرفه 7506۔ (دیکھئے اسی جلد کی حدیث نمبر:۳۴۵۲)

سند میں ہشام سے مراد ابن یوسف ہیں۔ (كان رجل الخ) حدیثِ حذیفہ میں ذکر گزرا کہ وہ نباش تھا، الرقاق کی روایت میں مذکور ہوگا کہ اپنے کام سے انصاف نہ کرتا تھا یہ بھی کہ کبھی کوئی خیر کا کام نہ کیا تھا، اس بارے وہاں کچھ اختلاف کا بھی ذکر ہوگا۔ (ذرونی) راءِ مشدد کے ساتھ، کشمیہنی کے مسودہِ بخاری میں: (أذرونی) ہے، اول لفظ کا معنی ہے مجھے چھوڑ دینا، یہ (أذرتِ الریحُ الشیءَ) سے ہے یعنی ہوا میں کسی چیز کو اڑا دینا، یہ ابو ہریرہ کی روایت کے موافق ہے۔

(لئن قدر الله الخ) خطابی لکھتے ہیں اس میں اشکال سمجھا گیا ہے کہ کہا جا سکتا ہے اس کی مغفرت کیونکر ہوئی جبکہ یہ بعث اور احیائے موتی کا منکر تھا؟ جواب یہ ہے کہ وہ فی الحقیقت اس کا منکر نہ تھا بلکہ جہل کے سبب یہ خیال کیا کہ لاش کو ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دینے سے شائد بعث ممکن نہ ہو، لہٰذا عذاب سے بچ سکتا ہے اس کا ایمان تو اس کے اس اعتراف سے ظاہر ہے کہ یہ وصیت وہ اللہ کی خشیت کی وجہ سے کر رہا ہے۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں بعض صفات میں تو کئی مسلمانوں سے بھی غلطی صادر ہو سکتی ہے (یعنی بوجہ جہالت) تو اس وجہ سے وہ کافر نہ ہو جائیں گے۔ ابن جوزی رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صفتِ قدرت کے انکار سے بالاتفاق کفر لازم ہے (لیکن اس نے قدرت کا انکار نہیں کیا، جیسا کہ قبل ازیں توجیہہ گزری ہے)۔ بعض نے (قدر) یہاں بمعنی (ضیق) مراد لیا ہے، جیسے اس آیت میں ہے: (و مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُه)۔

(لعلي أضل الله) کا معنی یہ ہے (لعلي أفوته) یعنی شاید اس طرح اس کے دستِ قدرت سے بچ جاؤں، (ضَلَّ الشیء) إذا فاتَ و ذهبَ۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے: (لا يَضِلُّ رَبِّي ولا يَنْسىٰ) [طه: ۵۲] اس نے یہ بات شدتِ خوف و ندامت کے جذبہ کے تحت کہی جیسے ایک دوسرے شخص نے شدتِ وارفتگی میں اللہ سے مخاطب ہو کر کہہ دیا تھا تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں، یہ توجیہہ بھی ہو سکتی ہے کہ قدر دالِ مشدد کے ساتھ ہے، یعنی اگر اس نے مجھے عذاب دینا مقدر کر لیا تو ضرور معذَّب ہونگا، یہ احتمال بھی ہے کہ وہ مثبت للصانع تو تھا البتہ زمنِ فترہ (حضرت عیسیٰ اور آنجناب کے درمیان کا عرصہ) میں ہونے کے سبب شروطِ ایمان سے ناواقف تھا، اظہر الأقوال یہی ہے کہ اس نے یہ بات نہایت خوف و دہشت کے عالم میں کہی گویا خوف کی انتہاء سے اس کی عقل ماؤف ہو چکی تھی (اور کچھ سمجھ نہیں تھی کہ بقولِ شاعر: بک رہا ہوں جنوں میں کیا کچھ) جس کے کہے پر عموما مواخذہ نہیں کیا جاتا، أبعد الأقوال یہ

قول ہے کہ ان کی شریعت میں کافر کی مغفرت جائز تھی۔

(فأمر الله الخ) صحیح ابوعوانہ میں سلمان فارسی کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالی نے کلمۂ کن کہا وہ پلک جھپکنے میں آ حاضر ہوا، یہ سب، جیسا کہ ابن عقیل نے لکھا قیامت کے دن ہوگا۔ بعض کا یہ کہنا درست نہیں کہ یہ مخاطبت اس کی روح سے تھی (اور ہو چکی ہے) کیونکہ یہ بات (فجَمَعَه الله) کے مناسب وموافق نہیں کیونکہ تحریق وتفریق تو جسد سے ہی متعلق ہے بعث کے وقت اس کا جمع واعادہ ہوگا۔ (وقال غیره الخ) ان غیر سے مراد عبدالرزاق ہیں، معمر کی ان سے روایت میں یہ لفظ ہے۔ احمد نے بھی اسی لفظ کے ساتھ ان سے تخریج کی ہے، ابوسعید کی روایت کے آخر میں ہے: (فتلقاه رحمته)، کشمیہنی کے نسخہ میں (فتلفاه) ہے، ابن تین لکھتے ہیں تلقاہ تو واضح ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ وہ باء کے ساتھ متعدی ہوتا ہے، یہاں بغیر تعدیہ کے ہے، اس پر (رحمة) منصوب علی المفعولیت ہے، یہ بھی محتمل ہے کہ (ذکر الرحمۃ) مقدر ہو، تب یہ رفع کے ساتھ ہوگا، کہتے ہیں: (تلفاه) کی نسبت کوئی توجیہہ نہیں جانتا الا یہ کہ وہ اصلا (فتلفَّفه) ہو، بمعنی (غشّاه) یعنی اسے دامانِ رحمت نے ڈھانپ لیا، کہتے ہیں تین فاء کا اجتماع ہوا تو آخری کو الف میں تبدیل کر دیا گیا جیسے (دساها) میں ہوا۔ بقول ابن حجر اس توجیہہ کا تکلف مخفی نہیں، بظاہر یہ ثلاثی سے ہے اور اس بابت بھی وہی توجیہہ ہے جو (فتلقاه) کے بارہ میں ہے، حدیثِ سلمان میں یہ عبارت ہے: (مِمَّا تلافاه عندها أنْ غفر له)۔

3482حَدَّثَنِی عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ حَدَّثَنَا جُوَیْرِیَةُ بْنُ أَسْمَاءَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَؓ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِﷺ قَالَ عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِی هِرَّةٍ سَجَنَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ، فَدَخَلَتْ فِیهَا النَّارَ لَا هِیَ أَطْعَمَتْهَا وَلَا سَقَتْهَا إِذْ حَبَسَتْهَا، وَلَا هِیَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ .طرفاه 2365، 3318۔ (جلد سوم ص:۵٦٦)

عبداللہ بن عمر کی اس عورت کے ذکر پر مشتمل روایت جس نے بلی کو باندھے رکھا حتی کہ اس کی موت واقع ہوگئی، بقول ابن حجر اس کے نام سے واقف نہیں ہو سکا مگر پہلے ذکر گزرا ہے کہ وہ سوداء (کالی) حمیریہ اور بنی اسرائیل سے تھی۔ بدء الخلق کے آخر میں مشروحا گزر چکی ہے۔ مسلم نے بھی اسے (الحیوان) میں ذکر کیا ہے۔

3483حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ یُونُسَ عَنْ زُهَیْرٍ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ رِبْعِیِّ بْنِ حِرَاشٍ حَدَّثَنَا أَبُو مَسْعُودٍ عُقْبَةُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّﷺ إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ، إِذَا لَمْ تَسْتَحِی فَافْعَلْ مَا شِئْتَ .طرفاه 3484، 6120

3484حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ قَالَ سَمِعْتُ رِبْعِیَّ بْنَ حِرَاشٍ یُحَدِّثُ عَنْ أَبِی مَسْعُودٍ قَالَ النَّبِیُّﷺ إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ إِذَا لَمْ تَسْتَحِی فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ .طرفاه 3483، 6120

ابومسعود عقبہ راوی ہیں کہ نبی اکرم نے فرمایا لوگوں نے کلامِ نبوت میں یہ بھی پایا ہے کہ اگر حیا ہی نہ رہے تو جو چاہو کرو۔

(عن أبی مسعود) یہی محفوظ ہے، ابراھیم بن سعد نے منصور عن عبدالملک کے حوالے سے (عن ربعی بن حراش

عن حذيفة) نقل کیا ہے، دارقطنی نے اسے العلل میں نقل کر کے لکھا کہ ابو مالک نے بھی ربعی عن حذیفۃ کا حوالہ ذکر کیا ہے، بقول ابن حجر ان کی روایت مسند احمد میں ہے اور بعید نہیں کہ ربعی نے دونوں سے اس کا سماع کیا ہو۔ (إن مما أدرك الخ) الناس تمام طرق میں مرفوعاً ہے، (گریمر کی رو سے) منصوباً بھی جائز ہے (بطور مفعول)۔ (من کلام النبوة) یعنی یہ سنہری بات ان اقوال و ہدایات میں سے ہے جس پر تمام انبیاء کا اتفاق ہے یعنی یہ بات ہر نبی کو وحی کیگئی اور اسے منسوخ نہیں کیا گیا کیونکہ یہ ایسی بات ہے جو ہر زمان اور عقلِ انسانی کے مناسب و لائق ہے، ابو داؤد اور احمد کی روایتوں میں (النبوة الأولیٰ) ہے یعنی ہمارے نبی کی نبوت سے قبل کی نبوات۔

(فاصنع ما شئت) امر بمعنی خبر ہے، یا امر ہی ہے مگر برائے تہدید ہے یعنی اب جو چاہو کرو، اللہ تم سے نمٹے گا۔ یا اس کا معنی ہے کہ جو کچھ کرنا چاہتے ہو اس کی بابت سوچو، اگر کوئی عار والا کام نہیں تب تو کرو، وگرنہ چھوڑ دو، یا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ سے کسی شیٔ کی بابت حیا نہیں کرتے تو دین کے کسی معاملہ میں کیسے اللہ سے حیا آسکتی ہے، جو چاہو کرو اور مخلوقِ خدا کی فکر نہ کرو، یا یہ حیاء کی ترغیب اور اس کی فضیلت کی تنویہ ہے یعنی جب یہ ممکن نہیں کہ تمام کام کر سکو، لازماً کچھ کا ترک کرنا پڑتا ہے لیکن ان متروکہ میں سے حیاء کی صفت و عادت نہیں ہوتا چاہئے۔ یہ حدیث ابو داؤد نے (الأدب) جبکہ ابن ماجہ نے (الزھد) میں نقل کیا ہے۔

3485 حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَجُرُّ إِزَارَهُ مِنَ الْخُيَلاَءِ خُسِفَ بِهِ، فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الأَرْضِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. تَابَعَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ. طرفه 5790

ابن عمر کہتے ہیں نبی پاک نے فرمایا ایک شخص بوجہِ تکبر زمین پر اپنا تہہ بند گھسیٹتا ہوا جا رہا تھا کہ اسے زمین میں دھنسا دیا گیا اب وہ قیامت تک یوں ہی دھنستا رہیگا۔

اسکی شرح کتاب اللباس میں آئیگی، سند میں عبد اللہ سے مراد ابن مبارک ہیں، یونس سے عبد اللہ بن وہب نے بھی اسے روایت کیا ہے، ان کی روایت نسائی اور ابو عوانہ نے تخریج کی ہے۔ (تابعه عبد الرحمن الخ) یہ ابن مسافر ہیں۔ (عن الزهري) یعنی اسی اسناد کے ساتھ، یہ بخاری کی کتاب اللباس میں موصول ہے۔ اسے نسائی نے بھی (الزينة) میں روایت کیا ہے۔

3486 حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ نَحْنُ الآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، بَيْدَ كُلُّ أُمَّةٍ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَأُوتِينَا مِنْ بَعْدِهِمْ، فَهَذَا الْيَوْمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا، فَغَدًا لِلْيَهُودِ وَبَعْدَ غَدٍ لِلنَّصَارَى. أطرافه 238، 876، 896، 2956، 6624، 6887، 7036، 7495۔ 3487 عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمٌ يَغْسِلُ رَأْسَهُ وَجَسَدَهُ. طرفاه 897، 898

ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا ہم بعد میں آئے لیکن قیامت کے روز سابقین ہوں گے، بس یہ ہے کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب دیگئی اور ہمیں بعد میں، تو یہ (جمعہ کا) دن ہے جس کی بابت انہوں نے اختلاف کیا پس کل (یعنی بروزِ ہفتہ) یہود کیلئے اور پرسوں کا دن نصاریٰ کیلئے ہے۔

یوم جمعہ کی فضیلت میں، اس کی مفصل شرح کتاب الجمعۃ میں بیان ہو چکی ہے۔

3488حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ قَدِمَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِى سُفْيَانَ الْمَدِينَةَ آخِرَ قَدْمَةٍ قَدِمَهَا، فَخَطَبَنَا فَأَخْرَجَ كُبَّةً مِنْ شَعَرٍ فَقَالَ مَا كُنْتُ أُرَى أَنَّ أَحَدًا يَفْعَلُ هَذَا غَيْرَ الْيَهُودِ، وَإِنَّ النَّبِىَّ ﷺ سَمَّاهُ الزُّورَ يَعْنِى الْوِصَالَ فِى الشَّعَرِ .تَابَعَهُ غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ .أطرافه 3468، 5932، 5938

وصلِ شعر کے بارہ میں حضرت معاویہ کی یہ روایت اسی باب میں ایک دیگر سند کے حوالے سے ذکر ہو چکی ہے، اس کی شرح کی جگہ کی بابت بھی وہاں ذکر کیا گیا۔ (تابعه غندر الخ) اسے مسلم ونسائی نے اپنے اپنے طریق سے موصول کیا ہے، احمد اور ابن أبی شیبہ نے بھی غندر سے اس کی تخریج کی ہے۔

خاتمہ

احادیث الأنبیاء اور ذکرِ بنی اسرائیل کے یہ ابواب (209) مرفوع احادیث پر مشتمل ہیں۔ مکررات۔ اب تک کے صفحات میں۔ کی تعداد (127) ہے، معلقات (30) ہیں اور سب کے سب دوسرے مقامات دکتب میں موصول ہیں، سوائے (18) روایات کے باقی متفق علیہ ہیں۔ (86) آثارِ صحابہ وتابعین بھی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

61-کتاب المناقب (فضائل ومناقب)

1باب قَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى (اس آیت کی تشریح میں)

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ) (1) وَقَوْلُهُ (وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِى تَسَاء لُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا). وَمَا يُنْهَى عَنْ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ. الشُّعُوبُ النَّسَبُ الْبَعِيدُ، وَالْقَبَائِلُ دُونَ ذَلِکَ. باب قول الله (ترجمہ) اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے تخلیق کیا ہے اور تمہیں مختلف قومیں اور قبائل بنا دیا تا کہ باہم تعارف ہو بے شک اللہ کے ہاں تم میں سب سے معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔ اور فرمایا: اور اللہ سے ڈرو جسکا نام لیکر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور ناتا توڑنے سے ڈرو، بے شک اللہ تعالی تم پہ نگران ہے۔ اور دعوائے جاہلیت سے منع کیا گیا، شعوب سے مراد دور (یعنی اوپر) کا نسب، قبائل اس سے نیچے شاخیں ہیں۔

ابن حجر لکھتے ہیں صحیح بخاری کے نسخوں، جن پر مطلع ہوا۔ میں (باب المناقب) ہے اسطرح یہ کتاب احادیث الأنبیاء ہی میں شمار ہوگا لیکن صاحب الأطراف اور بعض شارحین نے اسے الگ سے بطورِ کتاب ذکر کیا ہے، کہتے ہیں اول صنیع اولیٰ ہے کیونکہ امام بخاری کے تصرُف سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ ان کا آنجناب سے متعلقہ امور، مبدا سے منتہیٰ تک، کے جمع کا قصد ہے تو مقدمہ کے طور پر نسب شریف سے متعلقہ آثار و روایات پیش کی ہیں، انساب سے متعلق عمومی چیزدں کا بھی تذکرہ کیا ہے اسی لئے قبائل کا بھی تذکرہ ہوا، دعوائے جاہلیت جسکا بیشتر حصہ فخر ومباہات پر مشتمل ہوتا تھا، سے نہی منقول کی، علاوہ ازیں آنجناب کے شمائل ومعجزات میں سے بعض کا بھی بیان کیا اس سے پھر فضائلِ صحابہ کی طرف منتقل ہوئے ساتھ ہی ہجرتِ حبشہ، واقعہِ معراج، مکہ میں اہل یثرب کی آمد اور آپ کو مدینہ تشریف آوری کی دعوت، اس کے بعد ترتیب کے ساتھ غزوات کا بیان اور آخر میں آنجناب کی وفات کا ذکر کیا ہے تو اس لحاظ سے یہ منجملہ کتابِ احادیث انبیاء سے ہے جسکا خاتمہ خاتم الأنبیاء کے تذکرہ پر کیا ہے۔

(وقول الله عزوجل يا أيها الناس الخ) اس آیت کے متضمّن کہ اللہ تعالی کے ہاں مناقب کا معیار تقوی ہے، کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان کی روایت کردہ حدیثِ ابن عمر میں یہی بات صراحۃً مذکور ہے، اس میں ہے کہ آپ نے خطبہِ حجۃ الوداع میں یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا اللہ تعالی نے تم سے جاہلیت کے عیب وفخر کی باتوں کو دور کر دیا ہے اب دو ہی قسم کے انسان ہیں: مؤمن وتقی، یہ اللہ کے ہاں عزت والے ہیں اور دوسرے جو فاجر وشقی ہیں، یہ اللہ کے ہاں ہیّن ہیں۔ احمد، حارث اور ابن ابی حاتم نے ابونضرہ کے طریق سے روایت کیا ہے کہ مجھے ایک ایسے شخص نے جو آنجناب کے حجۃ الوداع کے خطبہ کے سامعین میں سے تھا، خبر دی کہ آپ منی میں اونٹ پر سوار تھے، منجملہ باتوں کے یہ بھی فرمایا اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، سن لو کسی عربی کو عجمی پر یا کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر تقوی کے ساتھ، اللہ کے ہاں تم میں سے بہترین وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔

(لتعارفوا) یعنی تاکہ تم میں سے بعض بعض کو نسب سے پہچان لے کہ وہ فلاں بن فلاں ہے، اسے طبری نے مجاہد سے نقل کیا ہے۔ (واتقوا اللہ الذی الخ) ابن عباس کہتے ہیں یعنی ارحام سے ڈرو اور صلہ رحمی کرو، یہ ابن ابو حاتم نے ان سے نقل کیا ہے۔ ارحام رحم کی جمع ہے یعنی رشتہ دار، مشہور قراءت کے لحاظ سے (والأرحام) منصوب ہے، اسی کے مطابق یہ مذکورہ تفسیر ہے۔ حمزہ نے مجرور پڑھا ہے، اس کی توجیہہ میں تعددِ آراء ہے، کہا گیا ہے یہ (بہ) کی ضمیرِ مجرور پر معطوف ہے، بغیر حرفِ جار کے اعادہ کے اور یہ بعض نحاۃ کے نزدیک جائز ہے، بصری اس سے منع کرتے ہیں۔ ایک قول کے مطابق ابن مسعود نے اسے مرفوع پڑھا ہے بشرطِ ثبوت تب مبتدا ہوگا، خبر محذوف ہے جو مقدراً (مِمَّا یُتَّقَیٰ أَوْ مِما یُسْأَلُ بِہِ) ہے، اس آیت کے ذکر سے مقصد یہ اشارہ دینا ہے کہ معرفتِ انساب ایک ضرورت ہے کیونکہ صلہ رحمی کیلئے ضروری ہے کہ رشتہ داروں کو پہچانے۔ ابن حزم نے کتاب النسب کے مقدمہ میں ان حضرات کے رد میں ایک فصل قائم کی ہے جنکی رائے میں علم النسب ایک بیکار علم ہے اور اس سے جہل غیر ضارّ ہے، ثابت کیا ہے کہ اس کی بعض شقیں جاننا ہر ایک کیلئے ضروری ہے اور بعض جزئیات وشقیں جاننا تو فرضِ کفایہ ہے جبکہ بعض کا جاننا مستحَب ہے، لکھتے ہیں مثلاً یہ جاننا کہ محمد رسول اللہ ابن عبد اللہ الہاشمی ہیں، ضروری ہے، جس نے کہا وہ ہاشمی نہیں، کافر ہو جائے گا، پھر اپنے ان رشتہ داروں کا جاننا بھی ضروری ہے جن سے اس کی شادی حرام ہے اسی طرح ان ذوی قرابت کی معرفت جنکا اس کے ترکہ میں حصہ ہے پھر جنکے ساتھ حسنِ سلوک، تصدُق وغیرہ کا حکم ہے، اسی طرح امہات المومنین کی معرفت ضروری ہے کیونکہ وہ اہل ایمان کی مائیں ہیں جن سے نکاح حرام ہے، صحابہ کو جاننا ضروری ہے کہ ان کی محبت مطلوب ہے، انصار کو پہچانے کہ آنجناب نے ان سے حسن سلوک کی وصیت فرمائی ہے اور ان کی محبت ایمان اور ان سے بغض نفاق ہے، لکھتے ہیں پھر بعض فقہاء جزیہ کے باب میں اور استرقاق بین العرب والعجم (یعنی عرب وعجم کو جنگوں میں غلام بنالیا جانا) میں تفریق کرتے ہیں تو اس کیلئے بھی نسب کا جاننا ضروری ہے، کہتے ہیں حضرت عمر نے دیوان صرف قبائل پر فرض کیا تھا (یعنی ان کے نام رجسٹرڈ کئے تھے) اس کیلئے بھی علمِ نسب ضروری تھا، حضرات عثمان وعلی نے بھی اس میں ان کی پیروی کی تھی، آخر میں لکھتے ہیں یہ کہنے والوں کہ علم نسب ایسا علم ہے جو نافع نہیں اور اس سے جہالت ایسی جہالت ہے جو ضار نہیں، انصاف سے کام نہیں لیا۔

ابن حجر کہتے ہیں یہ مقولہ حدیثِ مرفوع بھی قرار دیا جاتا ہے مگر یہ ثابت نہیں، حضرت عمر کی طرف بھی اسے منسوب کیا گیا ہے لیکن یہ بھی پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچا البتہ اس کے برعکس مرفوع حدیث میں ہے: (تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِکُم مَا تَصِلُونَ بِہِ أَرحَامَکُم) یعنی اس حد تک انساب کی معرفت ضرور حاصل کرو کہ صلہ رحمی کے امرِ الٰہی پر عمل ممکن ہو، اسکے کئی طُرق ہیں جن سے قوی ثابت ہوتی ہے مثلاً طبرانی نے علاء بن خارجہ سے روایت کیا ہے، ابن حزم نے حضرت عمر سے ثقات رواۃ کے ساتھ روایت کیا ہے مگر سند میں انقطاع ہے۔ جس سے اس کی ذم منقول ہے، بظاہر اسے اس امر پر محمول کیا گیا جائے گا کہ اسی علم کا ہو کر رہ جائے حتی کہ اس سے اہم کام ترک کر دے۔ ابن حزم کی ذکر کردہ وجوہِ مذکورہ سے اس علم کا استحسان ظاہر ہوتا ہے اگر چہ ان کی ذکر کردہ بعض وجوہ علمِ نسب کے ساتھ مختص نہیں ہیں۔

(من دعوی الجاھلیہ) چند ابواب بعد اس پر بحث آرہی ہے۔ (والقبائل دون ذلک) یہ مجاہد کا قول ہے، اسے طبری نے نقل کیا۔ ابو عبیدہ نے شعب کی مثال کے طور پر مضر اور ربیعہ اور قبیلہ کی مثال کے بطور دوسری شاخوں کا ذکر کیا ہے (عرب کے تمام

قبائل یا مضر کی طرف منسوب ہیں یا ربیعہ کی طرف)۔

3489حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ الْكَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ .(وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ) قَالَ الشُّعُوبُ الْقَبَائِلُ الْعِظَامُ، وَالْقَبَائِلُ الْبُطُونُ

ابن عباس کہتے ہیں شعوب بڑے قبائل کو کہا جاتا ہے جبکہ قبائل کا لفظ ان کی شاخوں پر بولتے ہیں۔

ابوبکر سے مراد ابن عیاش کوفی ہیں، باقی رواۃ بھی کوفی ہیں، ابو حصین سے مراد عثمان بن عاصم ہیں۔ (الشعب القبائل الخ) یعنی قرآن میں مذکور قبائل کے لفظ سے مراد وہ جو اہل نسب کی اصطلاح میں بطون (شاخیں) کہلاتے ہیں، طبری نے خالد بن اسلم اور ابو کریب کلاھما عن ابی بکر بن عیاش کے حوالے سے اسی سند کے ساتھ یہی روایت تخریج کی ہے لیکن متن میں (الشعوب الجماع) ذکر کیا ہے یعنی جس کی طرف مختلف شاخیں جمع ہوتی ہیں۔ خلاد ابوبکر سے ناقل ہیں کہ قبائل مثلاً بنی تمیم (ودو نھاالأفخاذ) اور اس کے نیچے شاخیں ہیں۔ زبیر بن بکار نے کتاب النسب میں یہ تقسیم ذکر کی ہے: شعب پھر قبیلہ پھر عمارۃ پھر بطن پھر فخذ پھر فصیلہ۔ دوسرے ماہرینِ انساب نے شعب سے قبل جذم اور فصیلہ کے بعد عشیرہ بھی ذکر کیا ہے۔ بعض نے عشیرہ کے بعد اسرۃ پھر عترۃ کا اضافہ کیا ہے تو جذم کی مثال عدنان، شعب کی مثال مضر، قبیلہ کی مثال کنانہ، عمارۃ جیسے قریش پھر آگے کی مثالیں (یعنی گھرانوں کی شکل میں) واضح ہیں۔ علمائے نسب کی عبارات میں کئی الفاظ بطور مترادف مستعمل ہوئے ہیں مثلاً حی و بیت وعقیلۃ وارومۃ و جرثومۃ اور رھوا وغیرہ۔ ماہرِ نسب محمد بن اسعد المعروف بالحرانی نے ان سب اصطلاحات کو مرتب کیا اور ان کے اَرداف بھی۔ ابو اسحاق زجاج لکھتے ہیں عربوں کے ہاں قبائل اسی مفہوم میں ہیں جو بنی اسرائیل کی نسبت اسباط کا ہے۔ قبیلہ کا لغوی معنی جماعت ہے، قبائل الأ شجار یعنی ان کی ٹہنیاں، سے ماخوذ ہے یا قبائل الراس یعنی اس کے اعضاء سے، ان کے باہم مجتمع ہونے کے سبب یہ نام پڑا۔

3490حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ أَكْرَمُ النَّاسِ قَالَ أَتْقَاهُمْ .قَالُوا لَيْسَ عَنْ هَذَا نَسْأَلُكَ .قَالَ فَيُوسُفُ نَبِيُّ اللَّهِ .أطرافه 3353، 3374، 3383، 4689۔

(دیکھئے اسی جلد کا سابقہ نمبر)

یحی سے مراد قطان ہیں، یہاں بالا ختصار ہے، ترجمہِ حضرت یوسف میں گزر چکی ہے، حضرت یوسف کو اکرم الناس اسلئے قرار دیا کہ وہ ایک ہی نسل کے چوتھے نبی تھے (یعنی سلسلہِ نسب کی واحد مثال کہ جن سے آگے کے تین اجداد بھی انبیاء ہیں، یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ اکرمیت ظاہری اعتبار سے ہے یعنی دوسرے لفظوں میں شجرہِ نسب کے کریم ہونے کے اعتبار سے یعنی جزوی فضیلت) بقول ابن حجر ان کیلئے نسب میں شرف من وجہین مجتمع ہے۔

3491حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا كُلَيْبُ بْنُ وَائِلٍ قَالَ حَدَّثَتْنِي رَبِيبَةُ النَّبِيِّ ﷺ زَيْنَبُ ابْنَةُ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ قُلْتُ لَهَا أَرَأَيْتِ النَّبِيَّ ﷺ أَكَانَ مِنْ مُضَرَ قَالَتْ

فَمِمَّنْ كَانَ إِلَّا مِنْ مُضَرَ مِنْ بَنِي النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ .طرفه 3492۔ (ترجمہ اگلی روایت کے ساتھ ہے)

سند میں عبدالواحد سے مراد ابن زیاد ہیں۔ (حدثنا کلیب) یہی محفوظ ہے، عفان نے عبدالواحد سے (عن عاصم بن کلیب) نقل کیا ہے، اسے اسماعیلی نے تخریج کیا اور یہ عفان کی غلطی ہے، کلیب اوساط تابعین میں سے ہیں، اصلاً مدینہ کے تھے کوفہ میں جا آباد ہوئے سب کے نزدیک ثقہ ہیں البتہ ابوزرعہ نے بغیر کوئی وجہِ قدح ذکر کیے، ضعیف قرار دیا ہے بخاری میں ان کی یہی ایک روایت ہے۔ (ربیبۃ النبی) یعنی ام المؤمنین ام سلمہ کی بیٹی۔ (ممن کان) کشمیہنی کے نسخہ میں (فممن) ہے استفہام انکاری ہے۔ (مضر) یہ ابن نزار بن معد بن عدنان ہیں، آگے عدنان اور حضرت اسماعیل کا درمیانی نسب مختلف فیہ ہے، آگے بیان آئیگا۔ آنجناب کا نسب مبارک عدنان تک متفق ہے ابن سعد طبقات میں ہشام بن کلبی سے نقل کرتے ہیں، کہتے ہیں والد صاحب نے جبکہ میں ابھی لڑکپن کی عمر میں تھا، آنجناب کا یہ نسب نامہ سکھلایا: محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب اور وہ شیبۃ الحمد ہیں، ابن ہاشم، ان کا نام عمرو بن عبدمناف تھا اور عبد مناف کا نام مغیرۃ تھا، ابن قصی اور ان کا نام زید تھا، ابن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر۔ اور فہر میں تمام قریش آ کر مل جاتے ہیں، فہر سے اوپر قریشی نہیں بلکہ کنانی کہلاتے ہیں، ابن مالک بن نضر اور ان کا نام قیس تھا، ابن کنانۃ بن خزیمہ بن مدرکہ اور ان کا نام عمرو تھا، ابن الیاس بن مضر۔ طبرانی نے اسنادِ جید کے ساتھ حضرت عائشہ (جو خود ایک ماہرِ انساب تھیں) سے نقل کیا ہے کہ لوگوں کا نسب نامہ معد بن عدنان تک مستقیم ہے۔

مضر کی وجہِ تسمیہ کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ لبنِ ماضر یعنی حامض (دہی) نوش کرنے کا بہت شوقین تھا، اس سے یہ لقب پڑا، بقول ابن حجر یہ محلِ نظر ہے کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ اس صفت سے متصف ہونے سے قبل اس کا کوئی اور نام تھا البتہ یہ کہا جانا ممکن ہے کہ مضر نام کا اشتقاق یہ ہے مگر یہ لازم نہیں کہ اس میں صفت پائی جاتی ہو، مضر اول شخص ہے جس نے اونٹوں کیلئے حدی خوانی کی۔ ابن حبیب اپنی تاریخ میں ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ عدنان، ان کے والد اور بیٹے معد، اسی طرح ربیعہ، مضر، قیس، تمیم، اسد اور ضبہ ملتِ ابراہیمی پر تھے، زبیر بن بکار ایک دیگر طریق کے ساتھ ابن عباس سے ناقل ہیں کہ مضر اور ربیعہ کا اچھے الفاظ میں ذکر کیا کرو کہ وہ مسلمان تھے۔ ابن سعد نے مرسلِ عبداللہ بن خالد جسے وہ مرفوع قرار دیتے ہیں، سے روایت کیا کہ مضر کا برے الفاظ میں ذکر مت کرو، وہ مسلم تھے۔

(من بنی النضر بن کنانۃ) احمد اور ابن سعد نے اشعث بن قیس کندی سے نقل کیا، کہتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ ہمارا گمان ہے کہ آپ ہم۔ یعنی اہل یمن۔ میں سے ہیں، فرمایا ہم بنی نضر بن کنانہ ہیں۔ نضر تک قریش کے تمام انساب منتہی ہوتے ہیں، آمدہ باب میں مزید تفصیل آئیگی، کنانہ تک تمام اہل حجاز کے انساب منتہی ہوتے ہیں، مسلم نے حضرت واثلہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسماعیل سے کنانہ کو چن لیا اور کنانہ سے قریش کو مصطفیٰ کیا اور قریش سے بنی ہاشم اور بنی ہاشم سے مجھے (نبوت و خاتمیت کیلئے) چن لیا۔ ابن سعد کے مرسلِ ابی جعفر باقر میں ہے پھر بنی ہاشم کو قریش میں سے، بنی ہاشم میں سے بنی عبدالمطلب کو چن لیا۔

3492 حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا كُلَيْبٌ حَدَّثَتْنِي رَبِيبَةُ النَّبِيِّ ﷺ وَأَظُنُّهَا زَيْنَبَ قَالَتْ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُقَيَّرِ وَالْمُزَفَّتِ .وَقُلْتُ لَهَا

أَخْبِرِينِي النَّبِيُّ ﷺ مِمَّنْ كَانَ مِنْ مُضَرَ كَانَ قَالَتْ فَمِمَّنْ كَانَ إِلَّا مِنْ مُضَرَ، كَانَ مِنْ وَلَدِ النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ .طرفه 3491

حضرت زینب ربیبہِ رسول سے روایت ہے کہ نبی پاک نے دباء، حنتم، مقیر اور مزفت (ان کی تفصیل گزر چکی ہے) سے منع فرمایا، راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا بتلایئے کہ نبی اکرم کن میں سے تھے؟ کیا مضر سے تھے؟ کہا مضر کے سوا اور کن میں سے ہوتے؟ آپ مضر بن کنانہ کی اولاد میں سے ہیں۔

شیخِ بخاری ابن اسماعیل تبوذ کی ہیں۔ (و أظنها زینب) گویا اس کے قائل موسی ہیں کیونکہ سابقہ روایتِ قیس بن حفص میں جزم کے ساتھ ان کا حضرت زینب ہونا مذکور ہے، دونوں کے شیخ واحد ہیں، لیکن اسماعیلی نے حبان بن ہلال عن عبدالواحد کے حوالے سے اس کی تخریج کرتے ہوئے عبدالواحد سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: (لا أعلمها إلا زینب) اس سے مترشح ہوتا ہے کہ شک ان کے شیخ عبدالواحد کی طرف سے ہے شائد کبھی جزم اور کبھی شک کے ساتھ روایت کرتے ہوں گے۔ (عن الدباء) کتاب الأشربہ میں اس کی شرح آئیگی، یہاں پورا سیاق ذکر کرنا مناسب خیال کیا، بہرحال امام بخاری بسا اوقات صرف محلِ ترجمہ والا حصہ بھی نقل کرتے ہیں۔ (المقیر و المزفت) بقول ابوذر یہ یہاں خطا ہے، درست (النقیر) ہے، یہی واضح ہے کیونکہ مقیر اور مزفت ایک ہی چیز ہیں۔

3493 حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ عُمَارَةَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ تَجِدُونَ النَّاسَ مَعَادِنَ، خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا، وَتَجِدُونَ خَيْرَ النَّاسِ فِي هَذَا الشَّأْنِ أَشَدَّهُمْ لَهُ كَرَاهِيَةً .طرفاه 3496، 3588۔

3494 وَتَجِدُونَ شَرَّ النَّاسِ ذَا الْوَجْهَيْنِ، الَّذِي يَأْتِي هَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ، وَيَأْتِي هَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ .طرفاه 6058، 7179

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا تم انسانوں کو معادن (یعنی کانیں) کی مانند پاؤ گے، جو زمانہِ جاہلیت میں بھلائی والے تھے وہ اسلام میں بھی بھلائی والے ہوں گے بشرطِ کہ دین کی سمجھ حاصل کریں، اور حکومت کے لائق اسی کو پاؤ گے جو اسے بہت ناپسند کرنے والا ہوگا۔ اور سب سے برا شخص اسے پاؤ گے جو دو رخہ ہو، ان کے پاس اس منہ سے آئے اور ان کے پاس دوسرے منہ سے آئے (یعنی دوغلا ہو)۔

یہ روایت تین احادیث پر مشتمل ہے، شیخِ بخاری اسحاق ابن راہویہ ہیں جو جریر بن عبدالحمید سے راوی ہیں۔ (معادن) یعنی: اصولا مختلفۃ، یہ معدن کی جمع ہے زمین میں مستقر شیء (دھات) کو کہتے ہیں کبھی وہ نفیس ہوتی ہے جبکہ کئی اقسام خسیس ہیں (یعنی دھاتوں میں جہاں سونا، چاندی وغیرہ ہیں وہاں کوئلہ بھی ہے تو لوگ ان دھاتوں کی طرح ہیں، بعض نفیس الطبع اور بعض خسیس الطبع)۔ (خیارھم فی الجاھلیۃ الخ) وجہِ تشبیہ یہ ہے کہ دھاتیں جب زمین سے نکالی جاتی ہیں تو ان کی مختفی خصوصیات بھی عیاں ہو جاتی ہیں اور ان کی صفت متغیر نہیں ہوتی اسی طرح صفتِ شرف ہے جو فی ذاتھا متغیر نہیں ہوتی بلکہ جو زمانہ جاہلیت میں شریف الطبع والحسب تھا اور اہل جاہلیت کی نسبت سے راس تھا اگر وہ اسلام لے آئے تو اس کا یہ شرف چھن نہ جائے گا بلکہ ان اہل اسلام سے جو زمانہِ جاہلیت میں مشروف تھے، اشرف ہوگا، جہاں تک آپ کے اس قول کا تعلق ہے: (إذا فقھوا) تو اس میں اشارہ ہے کہ شرفِ اسلامی تفقُہ فی

الدین کے ساتھ تام ہوتا ہے، اس پر لوگوں کو چار اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: اول وہ جو جاہلیت میں شریف تھا، اسلام لایا اور تفقہ حاصل کیا، اس کے بالمقابل وہ جو مشروف فی الجاہلیت تھا اور اسلام بھی نہ لایا، دوسری قسم میں ایسا شخص جو شریف فی الجاہلیت تھا، اسلام لے آیا مگر تفقہ حاصل نہ کیا، اس کا بالمقابل وہ جو مشروف فی الجاہلیت تھا، اسلام قبول نہ کیا مگر صفتِ تفقہ سے موصوف ہے (یعنی عام معاملات میں سمجھ دار ہے) تیسری قسم میں وہ شخص جو شریف فی الجاہلیۃ تھا اور اسلام نہیں لایا، نہ تفقہ موجود ہے، اس کا بالمقابل وہ جو مشروف فی الجاہلیۃ تھا، اسلام لے آیا اور تفقہ بھی حاصل کیا، آخری قسم میں ایسا شخص جو شریف فی الجاہلیۃ اور متفقِہ ہے لیکن اسلام قبول نہیں کیا، اس کا بالمقابل وہ شخص جو مشروف تھا، اسلام لایا مگر تفقہ حاصل نہیں کیا، تو ان میں سے ارفع وہ جو جاہلیت میں صاحبِ شرف تھا پھر اسلام بھی لایا اور تفقہ بھی حاصل کیا، دوسرے نمبر پہ وہ جو مشروف تھا لیکن اسلام لایا اور تفقہ بھی حاصل کیا اس کے بعد اس کا درجہ ہے جو شریف فی الجاہلیت تھا، اسلام لایا مگر تفقہ حاصل نہ کیا، آخری درجہ اس شخص کا جو مشروف فی الجاہلیت ہے، اسلام قبول کیا مگر تفقہ نہیں۔ تو جو اسلام ہی نہ لایا وہ کسی حساب وشمار میں نہیں خواہ شریف فی الجاہلیت تھا یا مشروف، خواہ متفقہ ہے یا غیر متفقہ۔ خیار وشرف وغیرہ سے مراد وہ جو محاسنِ اخلاق مثلاً کرم، عفت اور حلم وغیرہ سے متصف ہو اور ان صفات کی منافی صفات مثلاً بخل، فجور اور ظلم وغیرہ سے بچا ہوا ہو۔ (فقهوا) کے قاف پر پیش اور زیر، دونوں جائز ہیں۔

(فی هذا الشأن) یعنی ولایت وامرۃ (خلافت وحکمرانی)۔ (أشدهم له کراهیة) یعنی عہدۂ امرۃ میں دخول اس میں موجود مشقت کے تحمّل کی جہت سے مکروہ ہے، متصف بالعقل والدِین کی طرف سے کسی قسم کے دنیاوی عہدہ ومنصب کی کراہت اسلئے مشتد ہوتی ہے کہ عمل بالعدل نہایت مشکل ہے اور لوگوں کو ظلم سے باز رکھنا بڑا پر از مشقت کام ہے اب چونکہ حکمرانوں وامراء سے اللہ کا مطالبہ یہ ہے کہ اس کے بندوں کے حقوق کا خیال رکھیں تو ایک دینی مزاج اور متقی شخص اس خیال سے اسے مکروہ سمجھتا ہے کہ کسی قسم کی کوتاہی کے سبب اللہ کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا تو مقامِ رب سے خائف کی خیریت کوئی امرِ مخفی نہیں (اشارہ ہے آیت: و أما مَن خَافَ مَقَامَ رَبِہٖ۔۔۔ الخ کی طرف)۔

آمدہ طریق میں جو یہ جملہ ہے: (وتجدون من خیر الناس أشد الناس کراهیة۔۔۔ الخ) تو یہ روایتِ ھذا کے اطلاق کی تقیید ہے اور اس سے پتہ چلا کہ اس سے مراد کون لوگ ہیں اور یہ کہ اس صفت سے متصف اشخاص مطلقاً خیر الناس نہیں ہیں۔ (حتی یقع فیه) کے تعینِ مفہوم میں اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص کسی سرکاری عہدہ کا حریص نہیں تو اگر بغیر اسکے طلب کئے اور اس کیلئے کوشش کئے کوئی ذمہ داری اسے سونپ دیگئی ہے تو اب اس کی کراہیت زائل ہو جاتی ہے، وہ دیکھتا ہے کہ (اسکے حسنِ نیت کی بنا پر) اسے اللہ تعالی کی معونت وتوفیق حاصل ہے اور خیال کرتا ہے کہ (خلقِ خدا کو فائدہ پہنچانے کے ساتھ ساتھ) اسکا دین وایمان بھی محفوظ ومامون ہے تو اسی سبب سلف صالح میں سے کئی (جب قسمت سے حکمران یا گورنر بنے) اس عہدہ کے استمرار کے خواہاں ہوئے حتی کہ اس کیلئے لڑائی کی نوبت پیش آئی تو وہ بھی کی (کیونکہ ان کا خیال تھا اگر وہ اس راہ سے ہٹتے ہیں تو نااہل لوگوں کے ہاتھ میں امت کے معاملات کی باگ آجائیگی اور وہ خرابی وفساد کا باعث بنیں گے، یہی جواب ان حضرات کو دیا جاسکتا ہے جو موجودہ طریقۂ انتخابات کو غیر شرعی سمجھتے ہوئے اس کے ذریعہ حصولِ اقتدار مکروہ قرار دیتے ہوئے اس سے احتراز کرتے ہیں اور یوں میدان امت کے فُجار وفساق کیلئے کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔ نظام بدلنے کیلئے دستیاب وسائل اور معمول بہ نظام کے تحت چلنا پڑے گا جب اتنا رسوخ

فی الاقتدار حاصل ہو جائے تو بے شک آپ نظام بھی تبدیل کریں اور طریقہ ہائے انتخاب بھی، نظام کی تبدیلی کیلئے فرشتے تو نہیں اتریں گے اور نہ اللہ کی سنت ہے کہ بیٹھے بٹھائے تغییرِ نظام کر دے۔ إِنَّ اللّٰهَ لا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ۔ ہمارے حضرت صاحب کی عادت تھی کہ اگر انتخاب جیت جاتے تو انہی خیالات کا اظہار کرتے جو اوپر تحریر کئے ہیں اور جب کبھی ہار جاتے تو اپنے ان کانوں سے سنا، فرماتے تھے: جمہوریت اور کفر کے مابین کوئی زیادہ فرق نہیں)۔ ابن حجر رقمطراز ہیں خلقِ خدا کی اسی منفعت اور بھلائی کا وسیلہ بنے رہنے کی خواہش کی بنا پر بعض سلف جب معزول کئے گئے تو اظہار ناگواری کیا۔ ایک معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر (کسی طور) اس میں واقع ہو جائے (یعنی زبردستی کوئی عہدہ حوالے کر دیا جائے جیسے عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ ہوا، انہیں کچھ علم نہ تھا کہ مرحوم خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اس بند لفافے میں ان کا نام لکھا ہے جس کی بابت وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد اعیانِ مملکت سے اس بند لفافہ میں مکتوب نام۔ جو بھی ہو۔ کی بیعتِ خلافت لی جائے، بعد از بیعت جب لفافہ کھول کر نام پکارا گیا تو دو آوازیں۔ إنا لِلّٰه...... راجعون۔ کی گونجیں، ایک آواز مرحوم خلیفہ کے بھائی هشام کی تھی جس نے تأسفاً وتحسُّراً إنا للہ پڑھا کہ مجھے کیوں نہیں بنایا گیا اور دوسری آواز عمر بن عبدالعزیز کی تھی جنہوں نے تحزُّناً إنا للہ پڑھی کہ او ہو مجھے کیوں بنا دیا گیا)۔

بعض نے کہا (حتی یقع فیہ) کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی عہدہ سونپ دیا جائے تو پھر اسے مکروہ نہ سمجھے (بلکہ خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار ہو اور اس کا عزم کر لے)۔ بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اغلباً جو شخص کسی معاملہ کا حریص ہوتا ہے اور اس کی تمنا ہوتی ہے کہ اسے مل جائے تو ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ اسے حسبِ مرام و مرا دمل جائے اور جس کی رغبت قلیل ہوتی ہے اس کے نہ چاہنے کے باوجود اس کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ (و تجدون شر الناس الخ) اس کی شرح کتاب الأدب میں آئیگی وہاں اسے علیحدہ ایک دیگر سند کے ساتھ تخریج کیا ہے۔ علامہ انور (وتجدون خیر الناس) کا یہ معنی کرتے ہیں یعنی جو اپنے کفر میں شدید تھا وہ اسلام میں بھی شدید ہوگا (و تجدون شر الناس الخ) کی بابت لکھتے ہیں یعنی ضعفاء الإیمان، اردو میں کہتے ہیں: یعنی کچے ایمان والے، کہتے ہیں یہ منافقین نہیں۔ اسے مسلم نے بھی (الفضائل) میں نقل کیا۔

3495 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ فِي هَذَا الشَّأْنِ مُسْلِمُهُمْ تَبَعٌ لِمُسْلِمِهِمْ وَكَافِرُهُمْ تَبَعٌ لِكَافِرِهِمْ

ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آنجناب نے فرمایا لوگ اس (خلافت کے) معاملہ میں قریش کے تابع ہیں، مسلمان، قریشی مسلمان اور کافر قریشی کافر کے تابع ہے۔ (آگے سابقہ روایت کا مفہوم ہے)۔

3496 وَالنَّاسُ مَعَادِنُ، خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الإِسْلاَمِ إِذَا فَقِهُوا، تَجِدُونَ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ أَشَدَّ النَّاسِ كَرَاهِيَةً لِهَذَا الشَّأْنِ حَتَّى يَقَعَ فِيهِ .طرفاه 3493، 3588 (سابقہ نمبر)

یہ روایت بھی تین احادیث پر مشتمل ہے، دو تو سابقہ روایت میں بھی شامل ہیں تیسری کا مضمون ہے: (الناس تبع لقریش)۔ بعض کی رائے میں یہ خبر بمعنی امر ہے، دوسری روایت کے الفاظ: (قدموا قریشا ولا تقدموھا) اس پر دال ہیں، اسے عبد الرزاق نے بسند صحیح نقل کیا ہے البتہ یہ مرسل ہے مگر اس کے شواھد موجود ہیں، دوسری رائے ہے کہ ظاہری عبارت کے موافق خبر ہی

ہے اور (الناس) سے مراد غیر قریشی عرب ہیں (یعنی آنجناب کوئی کلیہ یا ہدایت نہیں دے رہے کہ قریش کو ہی خلفاء بنایا جائے بلکہ اس زمانہ کے معاشرہ میں امرِ واقع کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ چونکہ وہ عربوں کے دینی و روحانی مرکز کعبہ کے متولی ہیں لہٰذا سب عرب انہیں اپنا فکری و روحانی رہنما مانتے ہیں)۔ ابن حجر لکھتے ہیں اس موضوع پر میری ایک تصنیف ہے: (لذة العيش بطرق الأئمة من قريش) اس مسئلہ کی وضاحت کے ساتھ اس کتاب کا خلاصہ بھی کتاب الأحکام میں زیر بحث آئیگا۔

عیاض لکھتے ہیں اس حدیث سے شافعیہ حضرت امام شافعی کی امامت اور دوسرے ائمہ وفقہاء پر ان کے تفوّق پر استدلال کرتے ہیں لیکن یہ دلیل نہیں بنتی کیونکہ اس سے خلفاء مراد ہیں۔ قرطبی تبصرہ کرتے ہیں یہ استدلال کرنے والے غافل ہونے کے ساتھ ساتھ اندھی تقلید کے مرتکب بھی ہیں۔ بقول ابن حجر ان دونوں کے تبصروں کا یہ کہہ کر تعاقب کیا گیا ہے کہ مستدِل کی مراد یہ ہے کہ قرشیت اسبابِ فضل وتقدم میں سے ہے جیسا کہ اس کے اسباب میں ورع وتقوی بھی ہے، پس خصالِ فضل میں مثلاً دو مستوی حضرات میں ایک متمیّز بالتقوی ہے تو وہ دوسرے پر مقدم ہوگا اسی طرح قرشیت کا معاملہ ہے لہٰذا دوسرے ائمہ وفقہاء اگر علم و دین میں امام شافعی کے مساوی ہیں تو یہ بوجہ قریشی ہونے کے ان سے متقدم ہیں لہٰذا استدلال ثابت ہے، آگے ابن حجر کے الفاظ ہیں: (ولعل الغفلة والعصبية صحبت القرطبي، فلِلّٰه الأمر) یعنی قرطبی نے جو مستدلین کو غفلت کے ساتھ متہم کیا ہے تو شائد وہ خود غفلت وعصبیت کا شکار ہوئے ہیں (اس سے مترشح ہوتا ہے کہ ابن حجر اس استدلال سے متفق ہیں)۔

(وكافرهم تبع لكافرهم) اس کا مصداق امرِ واقع تھا کیونکہ حرم کے متجاور و متولی ہونے کی وجہ سے عام عرب قریش کو بنظر تعظیم دیکھتے تھے اسی لئے آنجناب کی بعثت کے بعد ایک طویل عرصہ عام عرب قبولِ اسلام سے اسلئے متوقف رہے کہ دیکھیں ان کی قوم قریش اس بارے کیا موقف اختیار کرتی ہے؟ چنانچہ فتحِ مکہ کے بعد جب قریش اسلام لے آئے تو باقی عربوں نے بھی ان کی اتباع کی اور اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے (جیسا کہ سورۃ النصر میں اللہ تعالی نے یہی الفاظ استعمال فرمائے: و رَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا) آنجناب کی وفات کے بعد خلافت بھی قریش میں ہی جاری وساری ہوئی تو اس فرمان کی مصداقیت صاف آشکارا ہوئی۔ مسلم بھی اس کے (المغازی) اور (الفضائل) میں مخرِج ہیں۔

3497 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ (إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى) قَالَ فَقَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قُرْبَى مُحَمَّدٍ ﷺ. فَقَالَ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ بَطْنٌ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَّا وَلَهُ فِيهِ قَرَابَةٌ، فَنَزَلَتْ عَلَيْهِ إِلَّا أَنْ تَصِلُوا قَرَابَةً بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ.

طرفه 4818

ابن عباسؓ قرآنی آیت (اِلا المودة فی القربٰی) کی تفسیر میں کہتے ہیں یعنی محمد ﷺ کے اقرباء، کہتے ہیں قریش کی کوئی ایسی شاخ نہ تھی جس کے ساتھ نبی اکرم کی قرابتداری نہ ہو تو یہ آیت نازل ہوئی، یعنی میرا بجز اس کے تم سے کوئی مطالبہ نہیں کہ میری اور اپنی قرابت کا خیال کرو۔

سند میں یحی سے مراد قطان ہیں، ترجمہ سے مناسبت واضح اور اس جہت سے ہے کہ آنجناب کی قبیلہ قریش سے قرابتداری ہے اور یہ اس امر کو مستدعی ہے کہ معرفتِ نسب حاصل کی جائے تا کہ صلہ رحمی کا تحقُق ہو۔ عکرمہ کا قول ہے قریش زمانۂ جاہلیت میں بڑے صلہ

رحمی کرنے والے تھے لیکن جب آنجناب نے انہیں دعوتِ ایمان دی تو اپنی روشِ سابق کو بھلا بیٹھے اور آپ کے معاملہ میں قطع رحمی سے کام لیا جس پر آپ نے انہیں صلہ رحمی کی تلقین فرمائی۔ (المود ة فی القربی) کی تفسیر میں تعددِ آراء کا ذکر کتاب التفسیر میں ہوگا۔ (إلا أن تصلوا) التفسیر میں غندر یعنی محمد بن جعفر عن شعبۃ سے روایت کی عبارت ہے: (إلا کان له فیھم قرابة فقال إلا أن تصلوا الخ) یہ واضح ہے کیونکہ روایتِ باب کی عبارت سے توہُّم ہوسکتا ہے کہ (فنزلت فیه) کے بعد والی عبارت نازل ہوئی یعنی یہ قرآن کی آیت ہے حالانکہ ایسا نہیں بعض شراح نے یہی ظاہری مفہوم مراد لیا اور لکھا کہ یہ قرآن تھا جو تلاوۃً بعد ازاں منسوخ کر دیا گیا، بعض نے لکھا کہ چونکہ یہ عبارت آیتِ قرآنی کے معنی کو متضمِّن ہے لہٰذا مجازاً نزولَ کا لفظ اس کی بابت استعمال کیا جیسا کہ حضرت حسان کا مشہور شعر ہے: (وقال اللہ قد أرسلت عبداً یقول الحق لیس بهٖ خفاء) ان کی قول سے مراد بالمعنی قول ہے، دراصل (فنزلت) کی ضمیر کا مرجع آیتِ مذکورہ: (قُلْ لا أسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أجرًا إلا المَوَدَّةَ فِي الْقُرْبىٰ) [الشوری :۲۳] ہے جس کی بابت سوال ہوا اور حدیث کی عبارت: (إلا أن تصلوا) کلامِ ابن عباس ہے جو (إلا المودة فی القربی) کی تفسیر ہے، اس کی وضاحت اسماعیلی کی معاذ بن معاذ عن شعبۃ کے طریق سے روایت میں ملتی ہے، اس کا سیاق یوں ہے: (فقال ابن عباس إنه لم یکن بطنٌ مِن بطونِ قریش إلا للنبی ﷺ فیه قَرابةٌ فنزلَتْ : قُلْ لا أسأَلُكم علیه أجرا الخ إلا أن تصلوا قرابتی منکم) تو اس سے معلوم ہوا کہ مراد ذکر بعض الآیۃ بالمعنیٰ ہے، علی جہت التفسیر اور اس کا سبب سعید بن جبیر پر اس کے معنی کا مخفی ہونا تھا، التفسیر میں اس بابت مزید تفصیل آئیگی۔

علامہ انور (إلا المودة فی القربی) کے تحت لکھتے ہیں سعید اور ابن عباس کے باہمی مکالمہ کا حاصل یہ ہے کہ سعید نے اسے اس امر پر محمول قرار دیا کہ یہ آنجناب کے قرابتداروں کی مراعات کی تاکید ہے ابن عباس نے اس کا رد کرتے ہوئے کہا کہ آنجناب کی قرابتداری تو قریش کی تمام شاخوں سے ہے تو (مفہوم یہ ہے کہ) گویا آپ ان سے کہہ رہے ہیں کہ میں تم سے فقط یہ چاہتا ہوں کہ میری اس قرابت کا خیال کرو اور میری دعوت اسلام کو قبول کرو۔

3498 حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ أَبِی مَسْعُودٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مِنْ هَا هُنَا جَاءَتِ الْفِتَنُ نَحْوَ الْمَشْرِقِ، وَالْجَفَاءُ وَغِلَظُ الْقُلُوبِ فِی الْفَدَّادِينَ أَهْلِ الْوَبَرِ عِنْدَ أُصُولِ أَذْنَابِ الإِبِلِ، وَالْبَقَرِ فِی رَبِيعَةَ وَمُضَرَ. أطرافه 3302، 4387، 5303۔ (اسی جلد کا سابقہ نمبر)

شیخِ بخاری ابن مدینی ہیں جو سفیان بن عیینہ سے راوی ہیں، عبد الملک سے مراد ابن میسرہ ہیں، تفسیرِ حٰم عسق کی روایت میں نسبت مذکور ہے، وہیں اس کی مفصل شرح آئیگی۔ (یبلغ به النبیؐ) یہ اس کے مرفوع ہونے میں تو صریح ہے لیکن اس بارے صریح نہیں کہ آیا صحابی نے بذاتِ خود اس کا سماع کیا ہے۔ (من ھھنا) مدینہ سے مشرقی سمت بنتی ہے (جیسا کہ اس روایت کے سابقہ مقام پر تفصیل گزری)۔ (جاء ت الفتن) مستقبل کے فتنوں کا ذکر مقصود ہے مگر صیغۂ ماضی کا استعمال کیا ان کے تحققِ وقوع کا ذکرِ مبالغ فرماتے ہوئے۔ (والجفاء غلظ القلوب) قرطبی لکھتے ہیں یہ ایک ہی مسمیٰ کیلئے دو شیء ہیں جیسے حضرت یعقوب نے کہا تھا: (إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّیْ وَ حُزْنِیْ إِلَى اللّٰهِ) تو بث حزن کا مترادف ہے، یہ کہنا بھی محتمل ہے کہ جفاء سے مراد یہ ہے کہ دل وعظ ونصیحت کے

ساتھ نرم نہیں پڑتا اور نہ اس کے ذکر سے اس میں خشوع کی صفت پیدا ہوتی ہے اور غلظ سے مراد انکا عدم فہم ہے، بدء الخلق کی روایت میں جفاء کی بجائے (القسوۃ) تھا۔

(فی الفدادین) بدء الخلق میں اس کی تشریح گزر چکی ہے، کرمانی لکھتے ہیں اس حدیث اور آمدہ حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت اس جہت سے ہے کہ لوگ باعتبارِ صفات قبائل کی طرح ہیں اور ان میں سے جو اَتقٰی ہے وہ اکرم ہے، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں وہ دُور کی تادیل میں جاپڑے، ظاہرِ امر یہ ہے کہ حدیث میں ذکرِ ربیعہ ومضر کی جہت سے مناسبت ہے کیونکہ اکثر عرب انہی دو کی طرف منتسب ہیں اور وہ اہل مشرق میں سے اجلّ ہیں اور قریش جو آنجناب کا قبیلہ ہے وہ مضر کی ایک شاخ تھا، آمدہ حدیث میں اہلِ یمن کا تذکرہ ہے ان کے بارہ میں ایک مستقل باب کے تحت بھی ذکر آئیگا۔

3499 حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ ﷛ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ الْفَخْرُ وَالْخُيَلاَءُ فِي الْفَدَّادِينَ أَهْلِ الْوَبَرِ، وَالسَّكِينَةُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ، وَالإِيمَانُ يَمَانٍ، وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ .سُمِّيَتِ الْيَمَنَ لأَنَّهَا عَنْ يَمِينِ الْكَعْبَةِ، وَالشَّأْمَ عَنْ يَسَارِ الْكَعْبَةِ، وَالْمَشْأَمَةُ الْمَيْسَرَةُ، وَالْيَدُ الْيُسْرَى الشُّؤْمَى، وَالْجَانِبُ الأَيْسَرُ الأَشْأَمُ .أطرافه 3301، 4388، 4389، 4390(اس کا سابقہ نمبر)

(والإیمان یمان الخ) ظاہراً ایمان کو یمن کی طرف منسوب کیا کیونکہ یمان کی اصل یمنی ہے، یائے نسبت حذف کر کے اس کے بدلہ میں الف لایا گیا۔ (یمانیۃ) یائے مخفف کے ساتھ، ابن السید الاقتضاب میں ذکر کرتے ہیں کہ شد کے ساتھ بھی ایک لغت ہے، جوھری وغیرہ نے سیبویہ سے بھی یمانی میں بھی جوازِ تشدید نقل کیا اور بطور استشہاد یہ شعر پیش کیا ہے: (یمانِیّاً یظل یشد کیراً و ینفخ دائما لھب الشواظ)۔ الایمان یمانٍ کی تعیینِ مراد میں اختلاف ہے بعض کے ہاں اس سے مراد مکہ ہے کیونکہ ایمان کی ابتداء وہیں سے ہوئی اور وہ مدینہ سے دائیں جانب ہے گویا مدینہ کی نسبت یمانیہ ہے، بعض نے مکہ و مدینہ دونوں مراد لئے ہیں کیونکہ شام کی نسبت دونوں یمانی (یعنی دائیں جہت میں واقع) ہیں، اس رائے کی بناء اس امر پر ہے کہ یہ بات آنجناب نے مقام تبوک میں کہی تھی (جو شام کی سرحد پر ہے اور وہاں سے مدینہ اور مکہ داہنی جانب ہیں)۔ اس کی تائید مسلم کی حدیثِ جابر سے ملتی ہے جس میں یہ عبارت ہے: (الإیمان فی أھل الحجاز)۔ ایک قول ہے کہ اس سے مراد انصار ہیں جنکی اصل یمن ہے، ایمان کی نسبت ان کی طرف کی ہے کیونکہ وہی آنجناب کے لائے ہوئے دین کے مددگار بنے، یہ سارے اقوال ابوعبیدہ نے اپنی کتاب غریب الحدیث میں جمع کئے ہیں۔

ابن الصلاح ان کا تعاقبِ علمی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ کوئی مانع نہیں کہ اس کلام کا اس کے ظاہر پر اجراء کیا جائے اور مراد اھل یمن کی اھل مشرق پر تفضیل کا بیان ہو اسلئے کہ وہ اپنی مرضی و رغبت سے اسلام کی طرف مائل ہوئے تھے اور دوسری اقوام کے برعکس مسلمانوں کو اس ضمن میں کوئی خاص تردُد نہ کرنا پڑا تھا بخلاف اہل مشرق وغیرھم کے، اور جو کسی شئ سے متصف ہو اور اس کے قیام بہ میں قوت ہو تو ایمان میں ان کی کمالِ حالت بتلانے کیلئے اسے انہی کی طرف منسوب کر دیا اس سے ان کے غیر سے نفیِ ایمان لازم نہیں آتی۔

آنجناب کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ آپکی مراد یمن کے خاص افراد تھے جو آپ کے پاس مدینہ میں حاضر ہوئے (یعنی اشعری)، ملک یا علاقہ مراد نہیں کیونکہ صحیح میں اس حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں: (أتاکم أهلُ الیمن هم ألیَنُ قُلوبا و أرَقُّ أفئِدَةً، الإیمانُ یَمان الخ) لیکن اس امر میں بھی کوئی مانع نہیں کہ اجراء علی الظاھر کرتے ہوئے اھل یمن کو حقیقی وظاہری معنی پر محمول کیا جائے پھر ان میں سے مراد وہی تھے جو موجود تھے (یعنی اس زمانہ کے اھل یمن) نہ کہ بعد کے زمانوں کے یمنی کہ لفظ اس کا مقتضی نہیں، کہتے ہیں اور فقہ سے مراد دین کی فہم ہے اور حکمت سے مراد وہ علم جو معرفت باللہ پر مشتمل ہو۔ ابن حجر لکھتے ہیں حکیم ترمذی نے سب سے بعید بات کہی وہ یہ کہ اس سے مراد اویس قرنی ہیں، باب (ذکر قحطان) میں اس بابت کچھ مزید تفصیل آئیگی۔

(سمیت الیمن الخ) یہ ابو عبیدہ کا قول ہے جو تفسیر سورۃ الواقعہ میں منقول ہے، قطرب کہتے ہیں یمن کو اس کے مکہ سے داہنی جانب ہونے اور شام کو اس کے شُؤم (یعنی مکہ سے اس کے بائیں جانب یعنی جانبِ شمال ہونے) کی وجہ سے کہا گیا، ہمدانی الأنساب میں رقمطراز ہیں کہ عرب عاربہ جب وہاں سے کوچ کر گئے تو بنی قطن بن عامر نے تیامن کیا (یعنی دائیں طرف کے علاقوں کا رخ کیا): (فَتیا مَنُوا) جس پر عربوں نے کہا: (تَیامَنَتْ بنو قطن) اس سے یمن کا نام پڑا، دوسرے متشائم (یعنی بائیں طرف نکل گئے) ہوگئے تو شام کا نام پڑا۔ ایک رائے یہ ہے کہ بابل کی تہذیب کے زوال پر بعض نے کعبہ کی داہنی جانب کا رخ کیا، یہ یمنی کہلائے اور بعض نے اس کے بائیں سمت کا رخ کیا، یہ شامی کہلائے۔ ایک قول یہ ہے کہ یمن بن قحطان کے نام پر علاقہ کا نام پڑا جبکہ شام، سام بن نوح کے نام پر رکھا گیا، سام اصلاً شام ہے، معرب ہونے کے بعد سام کہلایا۔

(والمشأمة المیسرة) مراد یہ کہ دونوں ہم معنی ہیں، ابو عبیدہ سورۃ الواقعۃ کی آیت: (و أصحابُ الْمَشْأمَةِ مَا أصْحابُ الْمَشْأمَةِ) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: (أی اصحاب المیسرة)، یدِ یسریٰ (بائیں ہاتھ) کو (الشؤ می) بھی کہا جاتا ہے اسی طرح بائیں جانب کو الأشأم۔ کہا جاتا ہے کہ اصحاب المشأمة سے مراد اھلِ نار ہیں (یعنی مشأمة سے مراد جہنم ہے) کیونکہ اس کے مستحقین کا جب گزر ہوگا تو وہ ان کے بائیں جانب ہوگی اور یہ لقب ان کا اسلئے کہ اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

2-باب مَناقِبِ قُرَیْش (مناقبِ قریش)

قریش نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں، ابو عبیدہ نے اسی پہ جزم کیا ہے، اسے ابن سعد نے ابو بکر بن جہم سے بھی نقل کیا ہے ھشام بن کلبی عن ابیہ سے منقول ہے کہ سکان مکہ کا دعوی تھا کہ صرف وہی قریش ہیں نہ کہ وہ اولادِ نضر بھی جو مکہ میں رہائش پذیر نہیں! اس پر لوگوں نے آنجناب سے دریافت کیا کہ قریش کون ہیں؟ فرمایا: (مِنْ وُلد النضر بن کنانة) یعنی نضر بن کنانہ کی اولاد، ایک قول ہے کہ قریش فہر بن مالک بن نضر کی اولاد ہیں، یہ اکثر کا قول ہے، مصعب نے اسی پہ جزم کیا، کہتے ہیں جو فہر کی ذریت سے نہیں وہ قریشی نہیں، کہا جاتا ہے اولین شخص جو قریشی کہلایا، قصی بن کلاب ہے۔ ابن سعد نقل کرتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان نے محمد بن جبیر سے پوچھا قریش اس نام سے کب مشہور ہوئے؟ کہا جب تفرقہ کے بعد حرم میں جمع ہوئے، کہنے لگا میں نے یہ بات تو نہیں سنی البتہ اتنا سنا تھا کہ قصی سے قبل کوئی شخص قرشی نہ کہلاتا تھا وہ پہلا شخص ہے جسے قرشی کہا گیا۔ ابن سعد مقداد کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ جب قصی

نے خزاعہ کو حرم سے جلا وطن کر دیا تو قریش اس کی سیادت میں مجتمع ہوئے تو اسی تجمُّع کے سبب قریش کہلائے، تقرُّش بمعنی تجمع ہے، ایک قول ہے کہ تجار ہونے کی وجہ سے یہ نام پڑا کیونکہ ان کا جد اعلی ایک کپڑے میں لپٹا ہوا آیا تھا تو قریش کا نام دیا گیا۔ ابن دحیہ نے وجہِ تسمیہ اور اول شخص جو قرشی کہلایا، کی بابت تفصیل سے اختلاف کا حال نقل کیا ہے، زبیر بن بکار اپنے چچا مصعب سے ناقل ہیں کہ سب سے پہلا قریشی، قریش بن بدر بن مخلد بن نضر بن کنانہ ہے، جنگوں میں یہ بنی کنانہ کا دلیلِ راہ ہوا کرتا تھا اس کا والد مقامِ بدر کا والی تھا، مطرزی لکھتے ہیں قریش کا نام ایک سمندری جانور جو سمندر کے حیوانات کا سردار ہے، کے نام پر پڑا اس کی طرح قریش بھی لوگوں کے سردار تھے (ابن حجر نے اس بابت کچھ اشعار بھی نقل کئے ہیں) صاحب المحکم بھی یہی کہتے ہیں، ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کہ میں نے اہلِ بحر سے اس کا نام قِرش سنا ہے لیکن شعر میں قریش ہی ہے اور مجھے لگتا ہے کہ اسی قرش کی تصغیر ہے۔ بیہقی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ قرش ایک سمندری جانور ہے جو ہر چیز کو کھا لیتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام قریش اسلئے پڑا تھا کہ وہ (یقرش عن خلة الناس) لوگوں کی حاجات پوری کرتا تھا، تقریش بمعنی تفتیش ہے، بعض نے وجہ تسمیہ نیزہ بازی کا ماہر ہونا ذکر کیا ہے وقع الأسنة کو تقریش کہتے ہیں، کئی اور اقوال بھی مذکور ہیں۔

3500 حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ يُحَدِّثُ أَنَّهُ بَلَغَ مُعَاوِيَةَ وَهُوَ عِنْدَهُ فِي وَفْدٍ مِنْ قُرَيْشٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَيَكُونُ مَلِكٌ مِنْ قَحْطَانَ، فَغَضِبَ مُعَاوِيَةُ، فَقَامَ فَأَثْنَى عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ رِجَالاً مِنْكُمْ يَتَحَدَّثُونَ أَحَادِيثَ لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ، وَلاَ تُؤْثَرُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَأُولَئِكَ جُهَّالُكُمْ، فَإِيَّاكُمْ وَالأَمَانِيَّ الَّتِي تُضِلُّ أَهْلَهَا، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ هَذَا الأَمْرَ فِي قُرَيْشٍ، لاَ يُعَادِيهِمْ أَحَدٌ إِلاَّ كَبَّهُ اللَّهُ عَلَى وَجْهِهِ، مَا أَقَامُوا الدِّينَ .طرفه 7139

حضرت جبیر بن مطعم کہتے ہیں میں حضرت معاویہ کے پاس ایک وفد کے ہمراہ تھا کہ انہیں بتلایا گیا کہ عمرو بن عاص حدیث بیان کرتے ہیں کہ بنی قحطان میں سے ایک بادشاہ ہوگا، اس پر معاویہ ناراض ہوئے لوگوں کو خطاب کیلئے کھڑے ہوئے، حمد و ثناء کے بعد کہا اما بعد مجھے پتہ چلا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں موجود نہیں اور نہ نبی اکرم سے منقول ہیں، تو یہ حضرات جہال ہیں، ان کے ایسے خیالات سے بچتے رہو جو گمراہ کن ہیں پس بے شک میں نے نبی پاک سے سنا، فرماتے تھے کہ یہ معاملہ (یعنی سیادت وحکومت) قریش میں رہیگی جو بھی ان سے دشمنی کریگا اللہ اسے منہ کے بل کر دیگا، جب تک وہ دین کو قائم رکھینگے۔

(کان محمد بن جبیر الخ) الأحکام میں ان حضرات کے قول ورائے کا رد کیا جائے گا جو کہتے ہیں کہ زہری کا محمد مذکور سے سماع نہیں، وہاں اِن شاء اللہ اس بارے مبسوط بحث ہوگی۔ (من قحطان) یہ جماع الیمن ہیں، ابن حجر لکھتے ہیں حضرت معاویہ کا یہ انکار محلِ نظر ہے کیونکہ جس حدیث سے استدلال کیا وہ اقامتِ دین کے ساتھ مقید ہے تو محتمل ہے اس قحطانی بادشاہ کا خروج اس وقت ہو جب امرائے قریش اقامتِ دین کا فریضہ ترک کر دینگے، اب یہی صورتحال ہے۔ خلافت ہمیشہ قریش میں رہی اور لوگ بھی ان کے

اطاعت گزار رہے لیکن جب امرِ دین کے ساتھ استخفاف شروع کیا تو ان کا امر کمزور پڑا اور شان وشوکت قصہ پارینہ بنی حتی کہ اب بعض اَقطار میں فقط نام کے امراء ہی ہیں، عبداللہ بن عمرو کے اس قول کا مصداق آگے ایک حدیثِ ابی ہریرہ میں بھی ذکر ہوگا، نعیم بن حماد نے قوی سند کے ساتھ کتاب الفتن میں عمرو بن عقبہ بن اویس عن عبداللہ بن عمرو کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ذکرِ خلفاء کے بعد:(و رجل من قحطان) کہا تھا، ابن عباس سے بھی بسند جید روایت میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں:(ورجل من قحطان کلھم صالح) احمد اور طبرانی نے ذو مخمر حبشی سے مرفوعا روایت نقل کی ہے کہ قریش سے قبل حکومت حمیر میں تھی پھر ان کی طرف لوٹ جائیگی۔ ابن تین کہتے ہیں حضرت معاویہ کی تردید کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمرو نے اسے ظاہری معنی پر محمول کیا حالانکہ قحطانی کی حکومت ایک علاقۂ خاص میں ہوگی، نہ کہ تمام اقطارِ اسلامیہ پر، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ ان کی یہ توجیہہ ظاہرِ خبر سے بعید ہے۔

علامہ انور (سیکون ملك عن قحطان) کے تحت لکھتے ہیں کہ پہلے میرا خیال تھا کہ یہ ایک ظالم بادشاہ ہوگا کیونکہ اس کی نسبت یہ الفاظ مروی ہیں:(یسوق الناس بِعَصاہ) یعنی اپنے عصا کے ساتھ لوگوں کو ہانکے گا۔ لیکن اب ظاہر ہوا ہے کہ وہ ایک مردِ صالح ہوگا جسکا عہد حضرت عیسی کے بعد کا ہے، احادیث میں یہ ممدوحاً مذکور ہے، لہٰذا (یسوق) سے مراد نظمِ امور ہے، وھب بن منبہ کی کتاب المبتدا میں ہے کہ یہ اسلام کا آخری بادشاہ ہوگا، یمن سے تعلق ہوگا، حبشہ (یعنی موجودہ ایتھوپیا) کے کعبہ پر حملہ کا دفاع کریگا، یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ دوبارہ کعبہ کی تعمیر کرے گا یا نہیں، کہتے ہیں یہ جہجاہ غفاری نہیں، وہ ایک دوسرا اور مذموم شخص ہے، احادیث سے مستفاد ہے کہ آخری زمانہ میں دین ملکِ شام میں ہوگا جبکہ حجاز میں کفر پھیل جائے گا پھر یمن سے بھی ایمان خارج ہو جائے گا حتی کہ ایک وقت آئے گا کہ تمام کرہِ ارضی کفر کی لپیٹ میں چلا جائے گا اس صورتحال میں قیامت کا ظہور ہوگا (میرے خیال میں کفر نہیں بلکہ فسق و فجور ہوگا یعنی لوگ نام کے تو مسلمان ہی ہوں گے مگر کوئی ایک بھی صاحب عمل و کردار نہ ہوگا، اللہ اعلم)۔ (ما أقاموا الدین) کی بابت رقمطراز ہیں کہ عبداللہ بن عمرو نے جب امیر معاویہ کو بیان کیا کہ ایک دن قریش کے ہاتھ سے امرِ خلافت نکل جائے گا حتی کہ ایک قحطانی بادشاہ بنے گا تو اس پر معاویہ ناراض ہوئے اور آنجناب کے حوالے سے بیان کیا کہ خلافت ہمیشہ قریش میں رہیگی، علماء لکھتے ہیں حضرت معاویہ کا استدلال مذکورہ حدیث جسکا حوالہ دیا، سے تام نہیں ٹھہرتا کیونکہ خود اسی حدیث میں ہے کہ خلافت اس وقت تک قریش میں باقی رہیگی جب تک دین کو قائم رکھینگے تو یہ عبداللہ بن عمرو کے قول کی تائید ہے پھر ابن ماجہ کے ہاں صحیح سند کے ساتھ نزولِ حضرت عیسی کے بارہ میں ایک طویل روایت میں ہے کہ پھر زمین مسلمانوں سے ایسے بھر جائے گی جیسے برتن پانی سے بھرتا ہے، سب کا کلمہ ایک ہی ہوگا، صرف اللہ ہی کی عبادت کی جائے گی، جنگیں ختم ہو جائینگی اور قریش سے سیادت چھن جائیگی تو اس سے پتہ چلا کہ ان کے زمانہ میں حکمرانی قریش سے منتقل ہو جائیگی تو اس قحطانی کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ ان کا زمانہ قیادت قریش سے سلبِ قیادت کے بعد کا ہے۔

اسے نسائی بھی (التفسیر) میں نقل کیا ہے۔

3501حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبِى عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ لاَ يَزَالُ هَذَا الأَمْرُ فِى قُرَيْشٍ، مَا بَقِىَ مِنْهُمُ اثْنَانِ .طرفه 7140

ابن عمر راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا یہ معاملہ ہمیشہ قریش ہی میں رہیگا جب تک ان کے دو افراد بھی باقی ہوں گے۔

عاصم ابن عمر کے پڑپوتے ہیں۔ (سابقی منھم اثنان) کرمانی لکھتے ہیں ہمارے زمانہ میں تو قریش کے پاس زمامِ قیادت

نہیں پھر حدیث کیسے مطابقِ واقع ہو؟ جواب دیا گیا کہ بلادِ مغرب (یعنی عالَمِ عرب کے مغرب میں واقع ممالک مثلاً مراکش، تیونس، الجزائر اور اس زمانہ کا اندلس) میں ایک حکمران قرشی ہے، اسی طرح مصر کا بھی، تعاقباً کہا گیا کہ مغرب کا مذکورہ حکمران قریشی نہیں بلکہ حفصی ہے، جو تیونس کا حاکم ہے وہ ابوحفص کی طرف منسوب ہے جو عبدالمؤمن صاحب ابن تومرت کا غلام تھا جو چھٹی صدی کے شروع میں مہدی ہونے کا مدعی ہوا اور اس کے اَتباع اکثر بلادِ غرب پر غالب آگئے اور اپنی حکومت کو خلافت کا نام دیا، ابتداء یہ عبدالمؤمن اور اسکی ذریت تھی پھر خلافت اس سے منتقل ہو کر ابوحفص کی ذریت میں آگئی، عبدالمؤمن قریش میں سے نہ تھا، ابوحفص نے تو قرشی ہونے کا دعوی بھی نہ کیا تھا، یہ دعوی اس کی بعض اولاد نے کیا، جب وہ اقتدار کے مالک بنے اپنے آپکو ابوحفص حضرت عمر بن خطاب کی طرف منسوب کر دیا، اب ان کے ہاتھ میں صرف مغربِ ادنیٰ ہے، مغربِ اقصیٰ کے حکمران بنی احمر ہیں جو انصار کی طرف منسوب ہیں، مغربِ اوسط کے حکمران بنی مرین ہیں جو بربر ہیں، البتہ مصر کے حاکم کے بارے میں ان کی بات درست ہے لیکن وہ صرف نام کا حکمران ہے کوئی اختیار اس کے پاس نہیں، لہٰذا یہ خبر بمعنی امر ہے وگرنہ اکثر بلادِ اسلام ان کی حکمرانی سے نکل چکے ہیں، ظاہری معنی پر محمول کرنا بھی محتمل ہے کیونکہ اکثر اقطار میں حقیقی اختیارات کے مالک امراء اگرچہ غیر قرشی ہیں مگر اس امر کے معترف ہیں کہ خلافت قریش میں ہے لہٰذا امر سے مراد مجرد خلافت کا تسمیہ ہے نہ کہ استقلال بالاقتدار (یعنی خلفاء فقط وہی حکمران خانوادے کہلائے جو قریش تھے مثلاً بنی امیہ اور بنی عباس، غیر قرشی حکمران خلفاء کہلانے کے مدعی نہیں ہیں)۔ اسے مسلم نے بھی (المغازی) میں روایت کیا ہے۔

3502 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ مَشَيْتُ أَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَعْطَيْتَ بَنِي الْمُطَّلِبِ وَتَرَكْتَنَا وَإِنَّمَا نَحْنُ وَهُمْ مِنْكَ بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّمَا بَنُو هَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَاحِدٌ. طرفاه 3140، 4229۔ (ترجمہ کیلئے جلد چہارم کتاب فرض الخمس)

3503 وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي أَبُو الأَسْوَدِ مُحَمَّدٌ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ ذَهَبَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ مَعَ أُنَاسٍ مِنْ بَنِي زُهْرَةَ إِلَى عَائِشَةَ وَكَانَتْ أَرَقَّ شَيْءٍ لِقَرَابَتِهِمْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

.طرفاه 3505، 6073

راوی کہتے ہیں ابن زبیر (اپنی سفارش کیلئے) بنی زہرہ کے کچھ افراد کو لے کر حضرت عائشہ کے پاس گئے، وہ نبی پاک کے ساتھ ان کی قرابتداری کی وجہ سے ان پر بہت مہربان تھیں۔

(شیء واحد) حموی کے نسخہ میں بجائے شیء کے (سیٌّ) ہے، ابن تین لکھتے ہیں بعض روایات میں واحد کی بجائے (أحد) ہے، وہ اس میں اشکال قرار دیتے ہیں کیونکہ احد کا استعمال نفی میں ہوتا ہے جیسے (ماجاء نی أحد) اثبات میں یوں کہینگے: (جاء نی واحدٌ)۔ یہ حدیث مع مفصل شرح کے کتاب فرض الخمس میں گزر چکی ہے۔ (وقال اللیث الخ) ابواسعد محمد سے مراد ابن عبدالرحمٰن ہیں، یہ آگے عبداللہ بن یوسف کے حوالے سے آخری روایتِ باب کا حصہ ہے (وہیں ترجمہ ہوگا) ابن حجر کہتے ہیں تمام نسخوں میں اسے یوں ہی معلقاً پایا ہے، بنی زہرہ کی آنجناب کے ساتھ دو طرف سے قرابت ہے، ایک والدہ ماجدہ کی طرف سے، جو حضرت آمنہ بنت وھب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ ہیں، دوسری اسطرف سے کہ بنی زہرہ قصی بن کلاب بن مرہ کے بھائی

تھے جو آنجناب کے پردادا کے والد ہیں، جمیع اہل نسب کے ہاں مشہور یہ ہے کہ زہرہ مرد کا نام ہے، ابن قتیبہ نے شاذ طور پر خاتون کا نام قرار دیا ہے اور یہ کہ ان کی اولاد کی نسبت میں یہی نام غالب آ گیا مگر یہ امامِ اہلِ نسب ہشام بن کلبی کے قول سے مردود ہے جو لکھتے ہیں کہ زہرہ کا نام مغیرہ تھا لیکن اگر قتیبہ کا قول ثابت ہے تو زہرہ مغیرہ کی زوجہ کا نام ہوگا تو اولاد کی نسبت میں یہی نام غالب الاستعمال ہونے کی وجہ سے زہرہ والد کا نام سمجھ لیا گیا، زہرہ کی زاء بلا اختلاف مضموم ہے۔

3504حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَعْدٍ ح قَالَ يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ أَبِيهِ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ هُرْمُزَ الْأَعْرَجُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قُرَيْشٌ وَالْأَنْصَارُ وَجُهَيْنَةُ وَمُزَيْنَةُ وَأَسْلَمُ وَأَشْجَعُ وَغِفَارُ مَوَالِيَّ لَيْسَ لَهُمْ مَوْلًى، دُونَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ .طرفه 3512

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں نبی اکرم نے فرمایا قریش، انصار، جہینہ، مزینہ، اسلم، اشجع اور غفار میرے مددگار اور دوست ہیں اور ان کا بھی اللہ اور اس کے رسول کے سوا کوئی حمایتی نہیں۔

ح کے بعد والی سند میں یعقوب بن ابراہیم انہی سعد بن ابراہیم کے پوتے ہیں جو۔ ح۔ سے قبل کی سند میں سفیان ثوری کے شیخ ہیں، ابونعیم کا یہ طریق اسی متن کے ساتھ تین ابواب کے بعد آ رہا ہے، وہیں شرحِ حدیث ہوگی۔ طریقِ یعقوب کے بارہ میں ابو مسعود لکھتے ہیں کہ بخاری نے حدیثِ یعقوب کا متن حدیثِ ثوری پر محمول کیا ہے جبکہ یعقوب نے (عن أبيه عن صالح بن كيسان عن الأعرج) ذکر کیا جیسا کہ مسلم میں ہے اور ان کے الفاظ یوں ہیں: (غفار و أسلم و مزينة و من كان من جهينة خيرٌ عندالله مِن أسد و غطفان وطیء) تو اس کا حاصل یہ ہوا کہ روایتِ یعقوب روایتِ ثوری کے متن و اسناد کے لحاظ سے مخالف ہے، سند کا اختلاف تو یہ ہے کہ ثوری اسے سعد بن ابراہیم عن اعرج جبکہ یعقوب (عن أبيه عن صالح عن الأعرج) روایت کرتے ہیں، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ ابومسعود کا جزم کے ساتھ یہ کہنا (کہ بخاری حدیثِ یعقوب کو حدیثِ ثوری پر محمول کرتے ہیں) دراصل دونوں کی روایتیں اسناد اور متن کے لحاظ سے باہم متغایر ہیں، دونوں کو ابراہیم بن سعد نے روایت کیا ہے، ایک کی تخریج مسلم نے کی ہے وہ ان کے ہاں بواسطہ صالح عن اعرج ہے جبکہ دوسری جسے بخاری معلقاً لائے ہیں، (عن أبيه عن الأعرج) کے حوالے سے ہے، اگر ابومسعود کا کہا درست ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بخاری نے یہ عبارت: (حدثناأبی عن أبيه حدثنی الأعرج) نقل کرنے میں غلطی کی ہے، درست یہ کہنا ہے: (حدثنا أبی عن صالح عن الأعرج) بخاری کی طرف وہم منسوب کرنے کیلئے کوئی واضح اور قاطع بیان چاہیئے اور یہ کیونکر ممکن ہو، اس روایت کا کوئی اور مخرج تو اسماعیلی پر دشوار ہوا تو انہوں نے اسے بخاری ہی کے حوالے سے معلقاً ہی تخریج کیا اور کسی قسم کا تبصرہ بھی نہیں کیا، اس اسناد کے متن کا تتبّع کے باوجود نہ ملنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ فی نفس الأمر بھی موجود نہیں۔

3505حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو الْأَسْوَدِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ أَحَبَّ الْبَشَرِ إِلَى عَائِشَةَ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ،

وَكَانَ أَبَرَّ النَّاسِ بِهَا، وَكَانَتْ لاَ تُمْسِكُ شَيْئًا مِمَّا جَاءَهَا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ (إِلَّا) تَصَدَّقَتْ فَقَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَنْبَغِى أَنْ يُؤْخَذَ عَلَى يَدَيْهَا. فَقَالَتْ أَيُؤْخَذُ عَلَى يَدَىَّ عَلَىَّ نَذْرٌ إِنْ كَلَّمْتُهُ فَاسْتَشْفَعَ إِلَيْهَا بِرِجَالٍ مِنْ قُرَيْشٍ، وَبِأَخْوَالِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ خَاصَّةً فَامْتَنَعَتْ فَقَالَ لَهُ الزُّهْرِيُّونَ أَخْوَالُ النَّبِىِّ ﷺ مِنْهُمْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الأَسْوَدِ بْنِ عَبْدِ يَغُوثَ وَالْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ إِذَا اسْتَأْذَنَّا فَاقْتَحِمِ الْحِجَابَ. فَفَعَلَ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا بِعَشْرِ رِقَابٍ، فَأَعْتَقَتْهُمْ، ثُمَّ لَمْ تَزَلْ تُعْتِقُهُمْ حَتَّى بَلَغَتْ أَرْبَعِينَ. فَقَالَتْ وَدِدْتُ أَنِّى جَعَلْتُ حِينَ حَلَفْتُ عَمَلاً أَعْمَلُهُ فَأَفْرُغَ مِنْهُ. طرفاه 3503، 6073

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیرؓ نبی پاک اور حضرت ابو بکر کے بعد حضرت عائشہ کو محبوب ترین انسان تھے اور وہ بھی ان کے ساتھ سب سے بڑھ کر بھلائی کرتے تھے، حضرت عائشہ کی عادت تھی کہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا اللہ کی راہ میں دے دیتیں تو ابن زبیر نے کہا انہیں اس سے روکنا چاہیئے، جب حضرت عائشہ کو یہ بات پہنچی تو کہنے لگیں اب میرے ہاتھوں کو روکا جائیگا؟ مجھ پہ نذر ہے اگر میں نے اس سے کلام کی تو انہوں نے قریش کے کئی افراد اور نبی اکرم کے ننھیالی رشتہ داروں کو انہیں راضی کرنے کیلئے بھیجا مگر وہ نہ مانیں تو بعض زہری حضرات جن میں عبدالرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث اور مسور بن مخرمہ تھے، ان سے کہا جب ہم اجازت لیکر ان کے ہاں جائیں تو تم اندر گھس جانا، انہوں نے ایسا ہی کیا (تو آخر ان کی ناراضی ختم ہوئی) پھر ابن زبیر نے ان کی طرف دس غلام ولونڈی بھیجے جنہیں انہوں نے آزاد کر دیا پھر آپ برابر آزاد کرتی رہیں حتیٰ کہ چالیس گردنیں آزاد کر دیں اور کہا کاش میں نذر مانتے وقت کوئی خاص عمل بیان کر لیتی جسے انجام دیکر فارغ ہو جاتی۔

(كان عبدالله بن الزبير الخ) یہ حضرت عائشہ کے بھانجے تھے ان کے ہاں پلے بڑھے حتی کہ ان کی کنیت ان کے نام سے معروف ہوگئی۔ (لاتمسك الخ) یعنی جو مال بھی آتا، راہِ خدا خرچ کر دیتیں۔ (يوخذ على يديها) یعنی خرچ کرنے سے انہیں روک دیا جائے، کتاب الأدب میں یہی قصہ حضرت مسور بن مخرمہ کے حوالے سے اتم واوضح سیاق کے ساتھ آئیگا، وہیں شرح ہوگی۔

(وقالت و ددت الخ) اس سے نذرِ مجہول کے لازم الانعقاد ہونے پر استدلال کیا گیا ہے یہ مالکیہ کا قول ہے مگر ساتھ ہی کفارۂ قسم بھی واجب قرار دیتے ہیں، حضرت عائشہ کے قول کا ظاہر اور ان کی صنیع اس امر پر دال ہے کہ یہ کافی نہیں اور یہ کہ اسے اکثر ما یمکن پر محمول کیا جائے گا، یہ بھی محتمل ہے کہ انہوں نے تورُّعاً اتنے بھاری تعداد میں غلام آزاد کئے تا کہ براءتِ ذمہ کی بابت تیقُّن حاصل ہو، یہ کہنا بعید ہے کہ انہوں نے اس تمنا کا اظہار کیا ہے (یعنی اس مذکورہ عبارت میں) کہ وہ ہمیشہ یہ عمل۔ گردنیں آزاد کرنے کا۔ کرتی رہیں، اسی طرح بعض کا یہ کہنا بھی بعید ہے کہ اس تمنا کا اظہار ہے کہ کاش جلدی کفارہ ادا کر دیتیں اور اتنی مدت عبداللہ بن زبیر کو نہ چھوڑے رکھتیں، اول قول کے بُعد کی وجہ یہ ہے کہ سیاق میں اس قسم کی کوئی عبارت جسکا مقتضا انہیں عتق سے منع کرنا ہو، موجود نہیں تو جس امر سے مانع کا وجود ہی نہیں اس کی تمنا کا اظہار کیونکر کر سکتی تھیں؟ پھر یہ انہیں اس پر مقتدر ہونے سے مقید ہے نہ کہ انہیں عدم اقتدار کے باوجود لازم کرتا ہے۔ جہاں تک دوسرے قول کے بُعد کا تعلق ہے تو حدیث کے ایک دیگر طریق میں مذکور ہے کہ وہ اپنی نذر کو یاد کر کے رویا کرتی تھی حتی کہ آنسو ان کے خمار (چادر) کو تر کر دیتے تھے، آگے اس کا ذکر ہوگا، تو یہ اس امر پر دال ہے کہ انہیں شدت سے احساس

رہتا تھا کہ وہ شائد واجب الأداء کفارہ ادا نہیں کر سکیں۔ ابن تین نے ابن زبیر کے ایک جماعت کے ساتھ (حضرت عائشہ کی لاعلمی میں) ان کے ہاں پہنچ جانے اور ان کے حانث قرار دیۓ جانے کو مستشکل قرار دیا ہے، کہتے ہیں البتہ حنث اس صورت واقع کہا جا سکتا ہے جب انہوں نے جماعت کے سلام کا جواب دیا جبکہ ان میں ابن زبیر بھی تھے، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں وہ حدیثِ مسور مشار الیہ کے سیاق سے غافل ہیں جس میں ہے، حضرت عائشہ نے کہا (جب جماعت نے سفارش کی) میں نے نذر مانی ہوئی ہے اور نذر شدید ہے لیکن وہ مسلسل راضی کرتے رہے حتی کہ ابن زبیر سے کلام کی، کہتے ہیں اگر یہ صراحت نہ بھی ہوتی تو ابن تین کے سلام کے جواب والی بات کی تاویل ممکن ہے کہ ان کیلئے جائز تھا کہ نیت میں ابن زبیر کا اخراج کر کے باقیوں کے سلام کا جواب دیں (اور یہ بھی کہ انہیں علم ہی نہ تھا کہ آنے والوں میں ابن زبیر بھی ہیں)۔

3 باب نَزَلَ الْقُرْآنُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ (قرآن لغتِ قریش میں نازل ہوا ہے)

اسکے تحت حضرت عثمان کے کتابتِ مصاحف کی بابت روایتِ انس کا ایک طرف نقل کیا ہے، روایت کی تفصیلی شرح آگے فضائل القرآن میں آ رہی ہے، مناقبِ قریش سے اس کا تعلق واضح ہے۔

3506حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ عُثْمَانَ دَعَا زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ فَنَسَخُوهَا فِي الْمَصَاحِفِ، وَقَالَ عُثْمَانُ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّينَ الثَّلَاثَةِ إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِي شَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ، فَاكْتُبُوهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ، فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ .فَفَعَلُوا ذَلِكَ .طرفاه 4984، 4987

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن عاص اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو بلایا اور انہیں قرآن کی کتابت پر مقرر کیا اور تینوں قریشیوں کو ہدایت جاری کی کہ اگر آپ لوگوں کا زید کے ساتھ قرآن کے کسی لفظ کی بابت اختلاف ہو تو قریش کے لفظ پر کتابت کرنا کیونکہ یہ انہی کی لغت پر نازل ہوا ہے، چنانچہ ایسا ہی کیا۔

اسے ترمذی نے (التفسیر) اور نسائی نے (فضائل القرآن) میں تخریج کیا ہے۔

4 باب نِسْبَةِ الْيَمَنِ إِلَى إِسْمَاعِيلَ (اہلِ یمن کی حضرت اسماعیل کی طرف نسبت)

مِنْهُمْ أَسْلَمُ بْنُ أَفْصَى بْنِ حَارِثَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ مِنْ خُزَاعَةَ

مضر اور ربیعہ کی حضرت اسماعیل کی طرف نسبت متفق علیہ ہے جہاں تک اہل یمن ہیں تو ان کا قحطان تک نسب تو متفق علیہ ہے آگے کے نسب میں اختلافِ آراء ہے، اکثر کے نزدیک وہ ابن عابر بن شالخ بن ارفشخذ بن سام بن نوح ہیں، بعض نے انہیں حضرت ہود کی ذُلد سے قرار دیا ہے بعض نے انہیں ان کا بھتیجا کہا ہے، کہا جاتا ہے قحطان پہلا فرد ہے جس نے عربی زبان بولی اور وہ عرب متعربہ

کے جدِ امجد ہیں جبکہ حضرت اسماعیل عرب مستعربہ کے جدامجد ہیں، جہاں تک عرب عاربہ کا تعلق ہے وہ ان سے قبل تھے جیسے عاد، ثمود، طسم، جدیس اور علیق وغیرہم۔ بعض نے یہ بھی کہا کہ قحطان پہلا شخص تھا جس کیلئے (أبیت اللعن)۔ (عربوں کا جاہلیت کا سلام) اور (عِمْ صَباحا)۔ (یعنی صبح بخیر) کی تراکیب استعمال کی گئیں۔ زبیر بن بکار مدعی ہیں کہ قحطان حضرت اسماعیل کی ذریت سے ہیں، وہ ان کا نسب نامہ یہ بیان کرتے ہیں: قحطان بن ہمیسع بن تیم بن نبت بن اسماعیلؑ، یہ قصہِ حضرت ہاجرؑ میں ابو ہریرہ کے انصار سے مخاطب ہو کر یہ کہنے سے بھی مترشح ہے: (فتلك أمکم یا بنی ماء السماء)۔ ابن حجر کہتے ہیں میری نقد وتحقیق کے مطابق بھی یہی راجح ہے کیونکہ مشہور صحابہ وغیرہم کے آباء واجداد کی تعداد ان سے قحطان تک تقریبا اتنی ہی ہے جتنی مشہور صحابہ وغیرھم کے آباء واجداد کی عدنان تک ہے (یعنی جو عدنان کی نسل سے ہیں)، اگر قحطان حضرت ہود کے بیٹے یا بھتیجے ہوتے یا ان کا زمانہ ان سے قریبی ہوتا تو وہ عدنان کے دسویں دادا کے ہمعصر ہوتے کیونکہ مشہور قول یہ ہے کہ عدنان اور حضرت اسماعیل کے درمیان چار یا پانچ واسطے ہیں، بعض نے چالیس واسطے کہے ہیں مگر یہ قول اکثر کے نزدیک اَبعد وغریب ہے۔ بہر حال اسے نقل کرنے والے بھی کثیر ہیں اور ان حضرات کے نزدیک یہ راجح ہے جو معد بن عدنان کو بخت نصر کا ہمعصر قرار دیتے ہیں، مگر اس میں شدید اضطراب اور اختلافِ متفاوت ہے اسی لئے اکثر اہل نسب نے عدنان اور حضرت اسماعیل کا درمیانی نسب نامہ ذکر کرنے سے اعراض کیا ہے، اس بارے دس سے زائد اقوال ملتے ہیں۔ (آگے ابورؤبہ کی کتاب النسب کی مستقل فصل کے حوالے سے یہ اقوال ذکر کئے ہیں)۔

ابن حجر لکھتے ہیں اولیٰ نسب نامہ وہ جو حاکم اور طبرانی نے حدیثِ ام سلمہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے، جو یہ ہے: عدنان بن اد بن زید بن بری ابن اعراق الثری، اور اعراق الثری سے مراد حضرت اسماعیل ہیں، ان کا یہ کہنا ابراہیم بن منذر عن عبد اللہ بن عمر کے قول کے موافق ہے اور ان حضرات کے قول کے بھی جو قحطان کو حضرت اسماعیل کی اولاد سے بتلاتے ہیں کیونکہ اس طرح عدنان اور قحطان اور حضرت اسماعیل کے درمیانی واسطوں کی تعداد متقارِب بنتی ہے، اس قول پر معد بن عدنان حضرت موسی کے ہمعصر بنتے ہیں،۔ اس کی تائید اس امر سے بھی ملتی ہے کہ آنجناب اور عدنان کے مابین بیس واسطے ہیں جو آپ کے زمانہ اور عہدِ موسوی کے درمیانی عرصہ کیلئے مناسب ٹھہرتے ہیں، بعض نے انہیں حضرت عیسی کا ہمعصر قرار دیا ہے تو یہ قول ان بیس آباء کے وجود سے مستبعَد محسوس ہوتا ہے کیونکہ حضرت عیسی تو آنجناب سے صرف چھ سو برس پیشتر تھے۔

(منهم أسلم بنی أفصیٰ) یہ ازد میں سے ہیں جرجانی کے نسخہ میں (أفعی) ہے، یہ تصحیف ہے، رشاطی ازد کو قحطان کی ایک شاخ قرار دیتے ہیں ان میں سے کئی قبائل نکلے ہیں مثلاً انصار، خزاعہ، غسان، بارق، غامد اور عتیک وغیرہم۔ ازد کا نسب نامہ یہ ہے: ازد بن غوث بن نبت بن مالک بن زید بن کہلان بن سبأ بن یشجب بن یعرب بن قحطان۔ امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ حارث بن عمرو کا نسب یمن کے ساتھ متصل ہے، آنجناب نے بنی اسلم کو بنی اسماعیل کہہ کر مخاطب کیا ہے تو یہ اس امر پر دال ہے کہ یمنی بنی اسماعیل ہیں، لیکن یہ استدلال محلِ نظر ہے کیونکہ بنی اسلم کے بنی اسماعیل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قحطان کی طرف منتسب تمام قبائل بنی اسماعیل میں سے ہیں کیونکہ احتمال ہے کہ قبیلہ اسلم کی بابت بھی وہی اختلاف واقع ہوا ہو جو خزاعہ کی بابت ہوا، کہ آیا وہ بنی اسماعیل ہیں یا بنی قحطان؟ (یہ اس رائے پر کہ قحطان اولادِ حضرت اسماعیل میں سے نہیں)۔ ابن عبد البر نے قعقاع بن ابی حدرد کے طریق سے اسی روایت میں بنی اسلم کے ساتھ ساتھ خزاعہ کا بھی ذکر کیا ہے، تو آپ نے دونوں قبیلوں کے افراد کو مخاطب کر کے بنی اسماعیل فرمایا تھا تو ممکن ہے

خزاعہ کے وہاں موجود افراد زیادہ ہوں تو آپ نے علی سبیل التغلُّب سبھی کو بنی اسماعیل کہہ دیا، ایک ماہر نسب ھمدانی نے یہ توجیہ کی ہے کہ آپ کے بنی اسماعیل کہنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ آباء کی طرف سے بنی اسماعیل ہیں، امہات کی طرف سے بھی ہو سکتے ہیں (کیونکہ قحطانیت اور عدنانیت باہم رشتے ناتوں سے مخلوط ہو گئی تھی) تو قحطانی امہات کی جانب سے بنی اسماعیل ہیں، اس حدیث کے بقیہ مباحث کتاب الجھاد میں ذکر ہو چکے ہیں۔

سید انور اس کے تحت رقمطراز ہیں کہ حافظ کوئی دلیل اس امر کی پیش نہیں کر سکے ہیں کہ قبائلِ یمن بنی اسماعیل تھے۔(منهم أسلم الخ) کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ اسلم خزاعہ سے ہے، ان کے اسماعیلی ہونے کی بابت شدید اختلاف ہے معاملہ ابھی تک منقح نہیں ہو سکا، آنجناب کا انہیں بنی اسماعیل کہہ کر مخاطب کرنا ان کے اولادِ اسماعیل ہونے کی دلیلِ قاطع نہیں کیونکہ ممکن ہے ان کے حزب میں اسماعیل نامی کوئی شخص ہو جس کی وجہ سے بنی اسماعیل کہہ دیا، لکھتے ہیں مؤرخین کی رائے ہے کہ قحطان اور عدنان ہم عصر تھے بعض نے لکھا ہے کہ عدنان بخت نصر کے معاصر تھے، جب اس نے حملہ کیا تو عدنان عربوں کو لیکر اپنے بنی عم کی مدد کو پہنچے حتی کہ اسے شکست ہوئی اور عرب چھوڑنے پر مجبور ہوا، بالجملہ سب اھل یمن کو اسماعیلی قرار دینا خلاف واقع ہے اس بارے مؤرخین کا قول ہی درست ہے لہذا حدیث کی تاویل کرنا پڑے گی۔

3507 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ ؓ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى قَوْمٍ مِنْ أَسْلَمَ، يَتَنَاضَلُونَ بِالسُّوقِ، فَقَالَ ارْمُوا بَنِي إِسْمَاعِيلَ، فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا، وَأَنَا مَعَ بَنِي فُلاَنٍ .لأَحَدِ الْفَرِيقَيْنِ، فَأَمْسَكُوا بِأَيْدِيهِمْ فَقَالَ مَا لَهُمْ .قَالُوا وَكَيْفَ نَرْمِي وَ أَنْتَ مَعَ بَنِي فُلاَنٍ .قَالَ ارْمُوا وَأَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ .طرفاه 2899، 3373۔ (ترجمہ کیلئے دیکھئے جلد چہارم کتاب الجھاد)۔

5 باب (بلا عنوان)

یہ بلا ترجمہ اور سابقہ کے بمنزلہِ فصل ہے پہلی دونوں حدیثوں کا وجہِ تعلق ظاہر ہے یعنی والدِ حقیقی کے علاوہ کسی اور کی طرف ادعائے نسبت سے زجر و توبیخ، تو یمن کا چونکہ حضرت اسماعیل کی طرف نسب ثابت ہے تو انہیں کسی اور کی طرف منسوب کرنا مناسب نہیں، تیسری حدیث اصلِ باب سے متعلق ہے وہ یہ کہ قبیلہ عبد القیس مضری نہیں۔ جہاں تک حدیثِ رابع ہے تو اس کے بعض طرق کی طرف اشارہ مقصود ہے جس میں ذکرِ ربیعہ و مضر کی زیادت ہے۔

3508 حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْحُسَيْنِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يَعْمَرَ أَنَّ أَبَا الأَسْوَدِ الدِّيلِيَّ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِي ذَرٍّ ؓ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لَيْسَ مِنْ رَجُلٍ ادَّعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُهُ إِلاَّ كَفَرَ، وَمَنِ ادَّعَى قَوْمًا لَيْسَ لَهُ فِيهِمْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ .طرفه 6045

ابوذر راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا جس نے جان بوجھ کر اپنے آپکو اپنے اصل باپ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کیا تو اس نے کفر کیا اور جس نے اپنا نسب ایسی قوم سے ملایا جس سے اس کا تعلق نہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنا لے۔

سند میں حسین سے مراد ابن واقد معلم ہیں، مسلم میں اس کی صراحت ہے، سند میں تین تابعین ہیں۔ (لیس من رجل الخ) من زائدہ ہے، رجل کا لفظ تعبیر للغالب ہے وگرنہ عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ (کفر باللہ الخ) باللہ کا لفظ صرف ابوذر کے نسخۂ صحیح بخاری میں ہے، مسلم و اسماعیلی کی روایتوں میں صرف (کفر) ہے، یہی اولی ہے اگر یہ ثابت ہے تو مراد یہ کہ اس کی حرمت جاننے کے باوجود اسے حلال سمجھا، جبکہ مشہور روایت پر اس سے مراد کفرانِ نعمت ہوگا، یعنی ظاہری لفظ مراد نہیں، یہ بات تغلیظاً فرمائی ہے یا مراد یہ ہے کہ ایسا کرنے والے نے ایسا فعل کیا جو فعلِ اہل کفر سے مشابہ ہے، اس مسئلہ کی تقریر و بحث کتاب الإیمان میں گزر چکی ہے۔

(فلیتبوأ الخ) مسلم اور اسماعیلی کی روایتوں میں اس سے قبل (فلیس مِنَّا) بھی ہے وہ روایتِ بخاری کی دلالت سے اعم ہے، یہ یا تو دعا ہے یا خبر بمعنی امر، یعنی اگر اسے بدلہ ملا تو یہ اس کی جزا ہے، معاف بھی کیا جا سکتا ہے اگر توبہ کر لے تو یہ جزا ساقط ہے، کتاب الإیمان میں حدیث (مَن كَذَبَ عَلَيَّ الخ) کے ضمن میں اثنائے بحث یہ تقریر ذکر ہو چکی ہے، یہ ادعائے علم کے ساتھ مقید کیا گیا ہے تو دونوں حالتوں، اثباتاً اور نفیاً میں یہ تقیید ضروری ہے کیونکہ بوجہ لاعلمی ایسا کرنے والا اس حکم میں داخل نہیں۔ حدیثِ ھذا سے اس امر کا بھی جواز ملا کہ ارتکابِ معاصی پر زجراً کفر کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ مسلم کی روایت کے سیاق کی بنا پر یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہر قسم کا ناجائز دعوی کرنا حرام ہے خواہ مال، علم، تعلم، نسب، حال صلاح اور ولاء سے متعلق ہو، جسقدر غلط ادعاء سے مَفسدت مترتِب و حاصل ہوئی اسی قدر گناہ زیادہ ہوگا۔

اسے مسلم نے (الإیمان) میں نقل کیا ہے۔

3509 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا حَرِيزٌ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ النَّصْرِيُّ قَالَ سَمِعْتُ وَاثِلَةَ بْنَ الأَسْقَعِ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْفِرَى أَنْ يَدَّعِيَ الرَّجُلُ إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ، أَوْ يُرِيَ عَيْنَهُ مَا لَمْ تَرَ، أَوْ يَقُولُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَا لَمْ يَقُلْ

واثلہ بن اسقع راوی ہیں کہ نبی اکرم نے فرمایا بے شک سب سے بڑا بہتان اور جھوٹ یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے سوا کسی اور کو اپنا باپ کہے یا جھوٹا خواب بیان کرے یا رسول اللہ کی طرف وہ بات منسوب کرے جو آپ نے نہیں فرمائی۔

جریر سے مراد ابن عثمان جمعی ہیں جو صغار تابعین میں سے ہیں، یہ سند امام بخاری کی عوالی اسانید میں سے ہے (یعنی تابعی اوران کے مابین صرف ایک واسطہ ہے) عبد الواحد بھی تابعی صغیر ہیں، عمر بن عبد العزیز کے عہد میں طائف کے گورنر تھے پھر یزید بن عبد الملک کے عہد میں عاملِ مدینہ بنائے گئے، محمود السیرت تھے، ایک سو اور کچھ ہجری میں انتقال کیا بخاری میں ان سے یہی ایک روایت ہے، ان سے زید بن اسلم جو عمر میں ان سے بڑے تھے، نے بھی اسے روایت کیا مگر عبد الواحد اور واثلہ کے مابین عبد الوھاب بن بخت کا واسطہ ذکر کیا ہے، بقول ابن حجر اسے مستخرج ابن عبدان علی الصحیحین میں دیکھا ہے لیکن یہ ھشام بن سعد کے حوالے سے ہے اور ان میں مقال ہے، میرے نزدیک یہ یا تو مزید اتصالِ سند ہے یا احتمال ہے کہ قلب واقع ہو گیا، دراصل (زید بن اسلم عن عبد الوھاب عن عبد الواحد) ہوگا۔

(أعظم الفرا) فائے مکسور کے ساتھ، ممدوداً اور مقصوراً، دونوں طرح مستعمل ہے، فریۃ کی جمع ہے۔ (أو یری) یعنی جھوٹا دعوی کیا کہ خواب میں یہ دیکھا ہے (جیسے بعض لوگ مدعی ہوتے ہیں کہ حضور پاک کو دیکھا ہے، ہمارا ایک عزیز بھی اسی ادعاء کا حامل ہے مگر حالت یہ ہے کہ نماز پڑھتا ہے نہ روزہ رکھتا ہے)۔ ابن حبان اور حاکم کے ہاں ایک اور سند کے ساتھ واثلہ سے یہ الفاظ مروی ہیں: (أن يفترى الرجل على عينيه فيقول رأيت ولَمْ يَرَ فى المنام شيئا) کہ اپنی آنکھوں پر افتراء کرے اور کہے خواب دیکھا ہے حالانکہ کچھ نہیں دیکھا ہوتا۔

حدیثِ ھذا میں تین امور کی بابت جھوٹے ادعاء پر وعید کا بیان ہے، خواب دیکھنے کا غلط دعوی کرنا، غیر والد کی طرف نسبت کرنا (غیر خاندان کی طرف نسبت کرنا جو ایک عام طرز عمل ہے، بھی اسی میں شامل ہوا) اور آنجناب کی طرف سے موضوع احادیث بیان کرنا، اس تیسرے مضمون پر کتاب العلم میں سیر حاصل بحث ہو چکی ہے، خواب کے بارہ میں تفصیلی بحث کتاب التعبیر میں آئے گی، جھوٹی نسبت اس باب کا موضوعِ بحث ہے، خواب چونکہ وحی کا جزو ہے (چھیالیسواں جزو جیسا کہ ایک حدیث میں ہے) تو گویا جھوٹا خواب بیان کرنے والا اللہ تعالی پر افتراء کا مرتکِب ہے کیونکہ سچا خواب منجانب اللہ ہوتا ہے، تو جھوٹے خواب بیان کرنے والا گویا اس امر کا مدعی ہے کہ اللہ نے اسے دکھلایا ہے حالانکہ نہیں دکھلایا۔

3510 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَبِى جَمْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍؓ يَقُولُ قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا مِنْ هَذَا الْحَىِّ مِنْ رَبِيعَةَ قَدْ حَالَتْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ، فَلَسْنَا نَخْلُصُ إِلَيْكَ إِلاَّ فِى كُلِّ شَهْرٍ حَرَامٍ، فَلَوْ أَمَرْتَنَا بِأَمْرٍ، نَأْخُذُهُ عَنْكَ، وَنُبَلِّغُهُ مَنْ وَرَاءَ نَا .قَالَ آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ، الإِيمَانِ بِاللَّهِ شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَأَنْ تُؤَدُّوا إِلَى اللَّهِ خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ، وَالْحَنْتَمِ، وَالنَّقِيرِ، وَالْمُزَفَّتِ .أطرافه 53، 87، 523، 1398، 3095، 4368، 4369، 6176، 7266، 7556

ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ قبیلہِ عبدالقیس کا وفد آنجناب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہم ربیعہ اور آپ کے درمیان یہ کفارِ مضر حائل ہیں اور ہم آپکی خدمت میں فقط حرمت والے مہینوں ہی میں آ سکتے ہیں تو آپ ہمیں ایسے ضروری احکام بتلا دیجئے جن پہ عمل پیرا ہوں اور اپنی قوم کو بھی آگاہ کر دیں! تو نبی پاک نے فرمایا میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں، اللہ پر ایمان لانیکا حکم دیتا ہوں اور یہ گواہی دینے کا کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں اور نماز کے قائم کرنیکا، زکات ادا کرنیکا اور یہ کہ تم مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ اللہ کی راہ میں دو، اور تمہیں دباء، حنتم، نقیر اور مزفت سے روکتا ہوں۔

سند میں حماد سے مراد ابن زید بن درہم ہیں، وفدِ عبدالقیس کی آمد کے بارہ میں، اس کے مضامین کتاب الایمان میں مشروح ہو چکے ہیں۔ (عن أربعة) کشمیہنی کے نسخہ میں دونوں جگہ (أربع) ہے، عدد کا اگر ممیز مذکور نہ ہو تو مذکر و مؤنث دونوں طرح جائز ہے۔ اس حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اکثر عرب مضر اور ربیعہ کی طرف منتسب ہیں اور دونوں کی حضرت اسماعیل کی طرف نسبت ثابت وصحیح بالاتفاق ہے۔

3511 حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ ؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ أَلَا إِنَّ الْفِتْنَةَ هَا هُنَا يُشِيرُ إِلَى الْمَشْرِقِ مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ .أطرافه 3104، 3279، 5296، 7092، 7093

اسی کتاب میں گزری ہے (دیکھئے سابقہ نمبر، جلد چہارم کتاب فرض الخمس میں بھی مذکور ہے)، تفصیلی شرح کتاب الفتن میں آئیگی، ترجمہ کے ساتھ مطابقت ذکر مشرق کی جہت سے ہے اور وہ سب کے سب مضر و ربیعہ میں سے تھے، اس روایت کے بعض طرق میں (والإیمان یمان) بھی ہے تو اس سے (عربوں کے) اصولِ ثلاثہ کا ذکر مقصود ہوا (یعنی تمام عرب یا تو مضر اور ربیعہ سے متشعب قبائل سے ہیں یا اہلِ یمن میں سے) دو اصول تو بالاتفاق اسماعیلی ہیں، تیسرا اصل (یعنی یمن کا معاملہ) مختلف فیہ ہے۔

6 باب ذِكْرِ أَسْلَمَ وَغِفَارَ وَمُزَيْنَةَ وَجُهَيْنَةَ وَأَشْجَعَ (اسلم وغیرہ بعض عرب قبائل کا ذکر)

زمانہ جاہلیت میں یہ پانچ قبائل قوت و مرتبہ میں بنی عامر اور بنی تمیم وغیرہ سے کمتر تھے، ظہور اسلام پر یہ دوسروں کی نسبت بسرعت دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تو اس سبقیت کے سبب ان قبائلِ مذکورہ (جن سے کمتر سمجھے جاتے تھے) سے مرتبہ و شرف میں برتر ہو گئے۔ اسلم قبیلہ کا نسب نامہ تو سابقہ باب میں ذکر ہو چکا ہے، غِفار سے مراد بنی غفار بن مُلَیل بن ضمرۃ بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ ہیں، انہیں میں سے ابو ذر غفاری تھے جو قدیم الاسلام ہیں، ان کے بھائی انیس بھی، آگے ان کا ذکر آئے گا، ابو ذر قبول اسلام کے بعد (یہ مکہ کے دور کا واقعہ ہے) واپس ہوئے تو ان کے کثیر ہم قبیلہ افراد نے اسلام قبول کر لیا۔ مزینۃ، عمرو بن اد بن طابخۃ بن الیاس بن مضر کی زوجہ کا نام تھا، انکا نسب نامہ یوں ہے: مزینہ بنت کلب بن وبرۃ، عمرو کے دو بیٹوں اوس اور عثمان کی والدہ ہیں، انہی دو کی اولاد کو مزنی کہا گیا ہے، قدمائے صحابہ میں ان میں سے عبداللہ بن مغفل بن عبدنھم مزنی اور ان کے چچا خزاعی بن عبدنھم، ایاس بن ہلال اور ان کے بیٹے قرۃ بن ایاس ہیں، یہ قاضی ایاس بن معاویہ کے دادا تھے، کئی صحابہ بھی ان میں سے ہیں۔ جہینہ، بنی جھینۃ بن زید بن لیث بن سود بن اسلم بن الحاف بن قضاعہ ہیں، اس قبیلہ کے مشہور صحابہ میں سے عقبہ بن عامر وغیرہ ہیں، قضاعہ کی بابت اختلاف ہے اکثر کی رائے میں وہ حمیر میں سے ہیں تو ان کا نسب نامہ قحطان تک پہنچتا ہے، ایک قول ہے کہ وہ معد بن عدنان کی اولاد ہیں۔ جہاں تک اشجع کا تعلق ہے تو یہ بنی اشجع بن ریث بن غطفان بن سعد بن قیس ہیں، ان میں سے مشہور صحابی نعیم بن مسعود ہیں۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ یہ پانچ قبائل مضر سے ہیں، مزینہ، اشجع اور غفار تو بالاتفاق جبکہ اسلم اور جھینہ ایک قول کے مطابق، اس کی ترجیح اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ جنکا ذکر ان کے بالمقابل کیا گیا ہے یعنی تمیم، اسد، غطفان اور ہوازن، یہ سب کے سب بالاتفاق مضری قبائل ہیں۔ بنی اسد کی منازل ظاہرِ مکہ کے پاس تھیں حتی کہ ان کے اور خزاعہ کے مابین عداوت واقع ہو گئی، فضالہ بن عبادہ بن مرارۃ اسدی نے ہلال بن امیہ خزاعی کو قتل کر ڈالا تو بدلے میں خزاعہ نے فضالہ کو مار ڈالا جس کے نتیجہ میں دونوں قبیلوں میں لڑائی چھڑ گئی، بنی اسد اپنی منازل چھوڑ کر غطفان کے جا حلیف بن گئے، بنی اسد میں سے آل جحش بن ریاب باقیوں کے ہمراہ جانے کی بجائے بنی امیہ کے حلیف بنے، آل جحش کے اسلام قبول کر لینے اور ہجرت کرنے کے بعد اسی تعلق کے ناتے ابوسفیان نے ان کے گھر اپنے قبضہ میں

لے لئے، اس کا عمر بن شبہ نے اپنی کتاب مکۃ میں تذکرہ قلمبند کیا ہے۔

3512حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَعْدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ قُرَيْشٌ وَالأَنْصَارُ وَجُهَيْنَةُ وَمُزَيْنَةُ وَأَسْلَمُ وَغِفَارُ وَأَشْجَعُ مَوَالِيَّ، لَيْسَ لَهُمْ مَوْلًى دُونَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ .طرفه 3504

ابو ہریرہ کہتے ہیں نبی پاک نے فرمایا قریش، انصار، جہینہ، مزینہ، اسلم، غفار اور اشجع کے قبائل میرے موالی (یعنی دوست اور تعلق دار) ہیں، ان کے لئے اللہ ورسول کے سوا کوئی مولیٰ نہیں۔

سفیان سے مراد ثوری ہیں۔ (قريش والأ نصار) قریش کا ذکر گزر چکا، انصار کا آگے اوائل الھجر ۃ میں آرہا ہے، موالی یائے مشدد کے ساتھ یعنی (أنصاریٰ) میرے مددگار، یہاں یہی معنی مناسب ہے اگرچہ مولیٰ کے متعدد معانی ہیں۔ یائے مخفف کے ساتھ بھی مروی ہے تب مضاف محذوف ہے جس کی تقدیر یہ ہے ای (موالي الله ورسوله) حدیث کا جملہ (ليس لهم مولى إلاالله و رسوله) اس پر دال ہے، یہ ان قبائل کی فضیلتِ ظاہرہ ہے اس کا تعلق ان کے مؤمنین کیساتھ ہے، شرف اگر کسی شیء کے بعض کو محصّل ہو تو کل کیلئے ہی سمجھا جاتا ہے، بعض نے اس شرف کا سبب یہ ذکر کیا ہے کہ ان کے ساتھ جنگ ہونے سے قبل اپنی مرضی سے قبولِ اسلام کی طرف مبادرت کی تو یہ بفرضِ تسلیم محمول علی الغالب ہوگا، بعض کی رائے ہے کہ اس جملہ خبریہ سے مراد ان کے استرقاق (یعنی غلام بنالیا جانا) سے نہی ہے اور یہ کہ وہ تحت الرق نہیں آسکتے مگر یہ بعید ہے۔

3513حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ غُرَيْرٍ الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ صَالِحٍ حَدَّثَنَا نَافِعٌ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ عَلَى الْمِنْبَرِ غِفَارُ غَفَرَ اللَّهُ لَهَا، وَأَسْلَمُ سَالَمَهَا اللَّهُ، وَعُصَيَّةُ عَصَتِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

عبد اللہ بتلاتے ہیں کہ نبی اکرم نے منبر پر فرمایا قبیلہِ غفار کی اللہ نے مغفرت فرمائی اور قبیلہِ اسلم کو اللہ نے سلامتی دی جبکہ قبیلہِ عصیہ اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔

راویِ حدیث عبد اللہ بن عمر ہیں۔ (غفار غفر الخ) لفظِ خبر ہے مگر مراد دعا ہے، حقیقۃً خبر ہونا بھی محتمل ہے، دوسرا جملہ (عصية عصت الخ) اس کا مؤید ہے، عصیہ بنی سلیم کی ایک شاخ تھی جو عصیہ بن خُفاف بن امرئ القیس بن بُھثۃ بن سلیم کی طرف منسوب ہیں، آپ کے ان کے بارہ میں اس قول کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے عہد شکنی اور غدر کیا تھا جیسا کہ کتاب المغازی میں غزوہ بئر معونہ کے ضمن میں اس کا تذکرہ آئیگا، الاستسقاء میں اس کے متعدد طرق نقل ہو چکے ہیں۔ ابن تین لکھتے ہیں جاہلیت میں بنی غفار حُجاج کے قافلوں کو لوٹا کرتے تھے تو ان کے اسلام لانے کے بعد آنجناب کی اس دعا سے ان پر لگا وہ داغ محو ہو گیا۔ حدیثِ ھذا میں جناسِ اشتقاق کے عمدہ اور خالی از تکلف نمونہ ہائے کلام ہیں جو اپنی سہولت وانسجام کے باعث کانوں کو بھلے لگتے ہیں اور یہ اتفاقاتِ لطیفہ میں سے ہے۔ اسے مسلم نے (الفضائل) میں روایت کیا ہے۔

۔ 3514حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَسْلَمُ سَالَمَهَا اللَّهُ، وَغِفَارُ غَفَرَ اللَّهُ لَهَا

فرمایا اسلم کو اللہ سلامت رکھے اور غفار کی مغفرت فرمائے (انکے ناموں کی رعایت سے یہ دعا فرمائی)۔

شیخِ بخاری ابن سلام ہیں، مغلطائی کا بیان ہے کہ بعض نے ابن یحییٰ ذھلی بھی قرار دیا مگر یہ وہم ہے کیونکہ ذہلی کی عبدالوھاب ثقفی سے لقاء ثابت نہیں، درست یہی ہے کہ ابن سلام ہیں جیسا کہ ابن سکن کے نسخہ میں ایک اور حدیث کے ضمن میں صراحت ہے، ابن حوشب ہونا بھی محتمل ہے کیونکہ بخاری نے تفسیر (اقتربت) میں اور الإکراہ میں محمد بن عبداللہ بن حوشب عن عبداللہ الثقفی روایت نقل کی ہے، تو محمد بن یحییٰ قرار دینے سے یہ اولیٰ ہے، اسماعیلی اور ابویعلی نے اسے محمد بن المثنی عن عبدالوھاب کے طریق سے تخریج کیا ہے، وہ بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ بھی شیوخ بخاری میں سے ہیں، ایوب سے مراد سختیانی اور محمد سے ابن سیرین ہیں، اسماعیلی منیعیؔ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ عبدالوھاب ایوب سے اس کی روایت میں متفرد ہیں۔

اسے بھی مسلم نے (الفضائل) میں نقل کیا ہے۔

3515 حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ جُهَيْنَةُ وَمُزَيْنَةُ وَأَسْلَمُ وَغِفَارُ خَيْرًا مِنْ بَنِي تَمِيمٍ وَبَنِي أَسَدٍ، وَمِنْ بَنِي عَبْدِ اللَّهِ بْنِ غَطَفَانَ وَمِنْ بَنِي عَامِرِ بْنِ صَعْصَعَةَ. فَقَالَ رَجُلٌ خَابُوا وَخَسِرُوا. فَقَالَ هُمْ خَيْرٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ وَمِنْ بَنِي أَسَدٍ، وَمِنْ بَنِي عَبْدِ اللَّهِ بْنِ غَطَفَانَ، وَمِنْ بَنِي عَامِرِ بْنِ صَعْصَعَةَ. طرفاه 3516، 6635

ابوبکرہؓ راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا تمہیں کیا خبر کہ جہینہ، مزینہ، اسلم اور غفار بنی اسد اور بنی عبداللہ بن غطفان اور بنی عامر بن صعصعہ سے بہتر ہوں؟ تو ایک شخص بولا وہ تو تباہ و برباد ہوگئے تو فرمایا وہ بنی تمیم، اسد، بنی عبداللہ بن طفان اور بنی عامر بن بن صعصعہ سے بہتر ہیں۔

سفیان سے مراد ثوری ہیں۔ اسے مسلم نے (الفضائل) اور ترمذی نے (المناقب) میں نقل کیا ہے۔

3516 حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي يَعْقُوبَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ الأَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ إِنَّمَا بَايَعَكَ سُرَّاقُ الْحَجِيجِ مِنْ أَسْلَمَ وَغِفَارَ وَمُزَيْنَةَ وَأَحْسِبُهُ وَجُهَيْنَةَ ابْنُ أَبِي يَعْقُوبَ شَكَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ أَسْلَمُ وَغِفَارُ وَمُزَيْنَةُ وَأَحْسِبُهُ وَجُهَيْنَةُ خَيْرًا مِنْ بَنِي تَمِيمٍ وَبَنِي عَامِرٍ وَأَسَدٍ وَغَطَفَانَ، خَابُوا وَخَسِرُوا. قَالَ نَعَمْ. قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّهُمْ لَخَيْرٌ مِنْهُمْ. طرفاه 3515، 6635

ابوبکرہ کہتے ہیں اقرع بن حابس نے نبی اکرم سے کہا اسلم، غفار، مزینہ اور جہینہ کے ان لوگوں نے آپکی پیروی کی ہے جو حاجیوں

کا مال چرایا کرتے تھے! نبی پاک نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہو اگر یہ قبائل بنی عامر الخ سے بہتر ہوں؟ انہوں نے کہا تب تو وہ تباہ و برباد ہوئے، آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ ان سے بہتر ہیں۔

۔3516حدثنا سنيمان بن حرب عن حماد عن أيوب عن محمدعن أبى هريرةؓ قالَ أسلمُ و غفار وشیءٌ مِن مُزَينةَ و جُهينة أو قال شیءٌ مِن جهينة أو مزينة خيرٌ عِندَاللّٰهِ أو قال يومَ القيامة مِنُ أسدِ وتَمِيم و هَوازن و غطفان

بقول ابو ہریرہ نبی پاک نے فرمایا اسلم، غفار یا فرمایا جہینہ یا مزینہ کے کچھ افراد اللہ کے ہاں یا فرمایا روزِ قیامت اسد، تمیم، ہوازن اور غطفان سے بہتر ہیں۔

حماد سے ابن زید، ایوب سے سختیانی اور محمد سے مراد ابن سیرین ہیں، ان تین طرق سے ایک ہی حدیث نقل کی ہے، پہلے طریق میں (أرأيتم) سے اقرع بن حابس کو مخاطب کیا ہے جیسا کہ اگلی روایت میں تصریح ہے۔ (بنی تميم) یعنی ابن مُر بن اد بن طابخۃ بن اِلیاس بن مضر، ان کی کثیر شاخیں تھیں۔ (و بنی أسد) یہ بھی کثیر التعداد تھے، آنجناب کے اس قول کا مصداق آپ کی وفات کے بعد ظاہر ہوا جب یہ سب طلیحۃ بن خویلد مدعیِ نبوت کے ہمراہ مرتد ہو گئے جبکہ بنی تمیم ایک مدعیہ نبوت سجاح کو سچا مان کر مرتد ہوئے۔

(ومن عبدالله الخ) یعنی ابن سعد بن قیس عیلان بن مضر، عبداللہ بن غطفان کا جاہلیت میں نام عبدالعزی تھا، آنجناب نے بدل کر یہ رکھا ان کے بیٹے بنی محولہ کے لقب سے معروف ہیں۔ (ومن بنی عامر الخ) ہوازن کا نسب نامہ آمدہ حدیث میں مذکور ہوگا۔ (فقال رجل نعم) یہ اقرع ہیں، اگلی روایت میں صراحت ہے۔ (ابن أبى يعقوب شك) یہ شعبہ کا مقولہ ہے، سابقہ روایت سے مترشح ہوا ہے کہ اس شک کا روایت کے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (لأخير) أفعل کے وزن پر، یہ لغتِ قلیلہ ہے، مشہور (لخير) ہے، ترمذی کی روایت میں یہی لفظ ہے، سابقین الی الاسلام ہونا اس کا باعث تھا۔ (قال أسلم وغفار الخ) اس روایت میں یہی یعنی دوسرے (قال) کے حذفِ فاعل کے ساتھ ہے اور یہ ابن سیرین کی اصطلاح ہے جب وہ ابو ہریرہ سے قال کہہ کر روایت کرتے ہیں اور فاعل ذکر نہیں کرتے تو مراد نبی اکرم ہوتے ہیں، خطیب اور ان کے بعد ابن صلاح نے اس کی تبیین کی ہے۔ مسلم نے یہ روایت زہیر بن حرب عن ابن علیۃ عن ایوب کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں (قال رسول الخ) ہے، احمد نے بھی یہی معمر عن ایوب کے طریق سے نقل کیا ہے۔ (وشیء من مزينة الخ) سابقہ حدیثِ ابی بکر کے اطلاق کی اس میں تقیید ہے، اس طرح آپ کے قول (يوم القيامة) میں بھی، کیونکہ خیر و شر کا اعتبار قیامت کے روز ہی ظاہر ہوگا۔ (وہوازن و غطفان) غطفان کا ذکر حدیثِ ابی ہریرہ میں متقدم ہے، ہوازن جو حدیثِ ابی ہریرۃ میں بجائے عمار بن صعصعۃ کے مذکور ہیں، بنی عامر بنی ہوازن سے ہیں عکس صحیح نہیں، تو ذکرِ ہوازن ذکرِ بنی عامر سے اشمل ہے، قبائلِ ہوازن میں بنی عامر کے علاوہ بنی نصر بن معاویہ، بنی سعد بن بکر بن ہوازن اور ثقیف ہیں جو کہ قیس بن منبہ بن بکر بن ہوازن ہے، یہ سب ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس کی ذریت ہیں۔

7 باب ذِكرِ قَحطَانَ (ذکرِ قحطان)

قحطان کی بابت بحث گزر چکی کہ آیا اس کا نسب حضرت اسماعیل تک جا پہنچتا ہے یا نہیں؟ اہل یمن کے انساب قحطان تک پہنچتے

ہیں، حمیر، ہمدان اور کندہ وغیرھم۔ حضرت شاہ ولی اللہ (طویل وقفہ کے بعد) اس باب کے تحت رقمطراز ہیں کہ لوگ (کتاب المناقب میں) امام بخاری کے ان تراجم کے مطالب کی بابت حیران ہیں کہ ان کے کیا مقاصد ہیں، ان کے مقصد تک کوئی رہنمائی نہ پا سکا، اس عبدِ ضعیف کی سمجھ میں اس بابت یہ بات آئی ہے کہ یہ وہ موضوعات ہیں جنہیں ابن اسحاق نے اپنی کتابِ سیرت میں تفصیلاً ذکر کیا ہے امام بخاری کا مقصد ان میں سے ہر ایک کیلئے احادیثِ صحیحہ سے شاہد تلاش کرنا ہے، ابن اسحاق نے قصہِ یمن کھلے انداز میں پیش کیا، بخاری نے ایک صحیح حدیث نقل کی جس میں قحطان کا ذکر موجود ہے، انہوں نے حلف الفضول وغیرہ کئی باہمی معادات (شائد یہ معاہدات ہو) کا تذکرہ کیا، بخاری نے اس پر باب (ما ینھیٰ من دعوی الجاھلیه) کے تحت اشارہ کیا، انہوں نے مکہ پر تسلطِ خزاعہ کا بیان کیا، بخاری نے ایک حدیث بطورِ شاہد نقل کی جس میں عمرو بن لحی اور اس کے تسییبِ سوائب کا ذکر موجود ہے، ابن اسحاق نے حضرت عبد المطلب کے زمزم کی کھدائی کا قصہ بالتفصیل بیان کیا، امام بخاری نے اس کا شاہد پیش کیا وہ ہے باب اسلامِ ابی ذر کے تحت ان کے مکہ میں رہ کر کئی دن تک صرف زمزم پہ اکتفاء کرنا، تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ابتدائے بعثت میں زمزم موجود اور جاری وساری تھا، دارمی نے عربوں کے ایامِ جاہلیت کے قصوں کے ضمن میں ایک شخص کا قصہ نقل کیا ہے جسکا نبی پاک کے پاس تذکرہ ہوا کہ اس نے اپنے دو بیٹوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا، تو بخاری اس کیلئے شاہد کے بطور قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ہیں: (قَدْ خَسِرَ الَّذِینَ قَتَلُوا أولادَھُمْ سَفَھاً بِغَیْرِ عِلْمٍ)، ابن اسحاق نے آنجناب کا نسب نامہ شریف سیدنا اسماعیل تک ذکر کیا ہے اور امام مالک سے منقول ہے کہ وہ اس امر کو مکروہ قرار دیتے تھے کہ مافوق الاسلام نسب نامہ بیان کیا جائے، تو بخاری نے اس ضمن میں ابن اسحاق کی حمایت کی ہے، ابن اسحاق نے میلادِ نبوی کے حوالے سے قصہِ فیل اور حبشیوں کے یمن پر استیلاء کا ذکر کیا، امام بخاری کو جب اس حوالے سے اپنی شرط پر کوئی روایت نہ مل سکی تو بطورِ شاہد یہ قرآنی آیت پیش کی: (أ لَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِیلِ) حبشہ کی نسبت سے ایک حدیث نقل کی جس میں ان کا خطاب بنی ارفدہ مذکور ہے، تو یہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا، والعلم عند اللہ۔

3517 حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَخْرُجَ رَجُلٌ مِنْ قَحْطَانَ يَسُوقُ النَّاسَ بِعَصَاهُ. طرفه 7117

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں نبی اکرم نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی جب تک قحطان سے ایک آدمی نہ نکلا جو اپنے عصا کے زور سے لوگوں پہ حکومت کرے گا۔

سند میں ثور بن زید دیلی مدنی ہیں ان کے شیخ ابوالغیث کا نام سالم ہے۔ (رجل من قحطان) ابن حجر کہتے ہیں اس کے نام سے واقف نہ ہو سکا مگر قرطبی نے جائز قرار دیا ہے کہ اس سے مراد جہجاہ ہو، جسکا ذکر مسلم کی ایک دیگر طریق کے ساتھ روایتِ ابی ہریرہ میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے: (لاتذھب الأیام واللیالی حتی یملك رجل یقال له جھجاہ) کہ روز وشب ختم نہ ہوں گے حتی کہ جہجاہ نام کا ایک شخص بادشاہ نہ بنے، اسے حدیثِ قحطانی کے عقب میں نقل کیا ہے۔ (یسوق الناس بعصاہ) یہ حکمرانی سے کنایہ ہے، اسے راعی سے اور رعایا کو غنم سے تشبیہہ دی، یہ حدیث علاماتِ نبوت (یعنی دلائل نبوت) میں داخل اور آنجناب کی پیشین گوئیوں میں سے ہے اور یہ ابھی تک وقوع پذیر نہیں ہوئی۔

نعیم بن حماد نے الفتن میں ارطاۃ بن منذر جو تابعی شامی ہیں، سے نقل کیا ہے کہ قحطانی کا ظہور امام مہدی کے بعد ہوگا اور وہ انہی کی سیرت پر چلیں گے۔ عبدالرحمٰن بن قیس بن جابر صدفی عن ابیہ عن جدہ کے حوالے سے مرفوعا نقل کیا ہے کہ مہدی کے بعد قحطانی کا دور ہوگا اور قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا وہ ان سے کمتر نہ ہوں گے، یہ ضعیف الإسناد ہے اور سابقہ اثر تابعی سند کے لحاظ سے اس سے اصلح مگر موقوف ہے تو اگر یہ ثابت ہے تو یہ حضرت عیسی کے زمانہ میں ہوں گے کیونکہ ان کا جب نزول ہوگا۔ جیسا کہ ذکر گزرا۔ مہدی اھلِ اسلام کے امام ہوں گے، ارطاۃ کے اثر میں قحطانی کی مدتِ حکمرانی بیس برس مذکور ہے۔ اس امر میں اشکال سمجھا گیا ہے کہ امیرِ اھل اسلام تو حضرت عیسی ہوں گے تو قحطانی کے بارہ میں کیونکہ ذکر ہوا کہ (یسوق الناس بعصاہ)؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسی ہی انہیں بعض معاملات میں اختیارات تفویض کرینگے، اس کی مزید تفصیل کتاب الفتن میں آئیگی۔

8 باب مَا يُنْهَى مِنْ دَعْوَةِ الْجَاهِلِيَّةِ (دعوائے جاہلیت سے ممانعت)

ینھی صیغۂ مجہول ہے، دعوائے جاہلیت سے مراد لڑائی کے وقت اپنے حمائتیوں کو پکارنا، عرب ایسے مواقع پر (یا آل فلان) کی ندا بلند کرتے تھے تو قائل اگرچہ ظالم بھی ہوتا اس کے حلفاء اس کی مدد کو پہنچ جاتے، اسلام نے اس قسم کی پکار سے نہی کر دی، گویا امام بخاری حضرت جابر کی روایتِ باب کے بعض طرق میں وارد الفاظ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، چنانچہ اسحاق بن راھویہ اور محاملی نے الفوائد الإصبھانیۃ میں ابو الزبیر عن جابر سے روایت کیا ہے کہ (اقتتل غلام من المهاجرين و غلام من الأنصار) تو یہی حدیث ذکر کی، اس میں ہے کہ آنجناب نے دریافت فرمایا: (أ دعوى الجاهلية؟) لوگوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ، فرمایا تب ٹھیک ہے، آدمی کو اپنے بھائی کی مدد کرنا چاہئے، خواہ ظالم ہو یا مظلوم، اگر ظالم ہے تو اس کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے باز رکھے (تو اسطرح آنجناب نے اپنی تعلیمات سے اس جاہلی مقولہ: انصر أخاك ظالماً أو مظلوما، کہ اپنے بھائی کی مدد کو پہنچو خواہ ظالم ہو یا خواہ مظلوم، کا مدلول بدل دیا، آپ نے وضاحت فرمائی کہ ظالم بھائی کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم کرنے سے روکو) اس سے پتہ چلا کہ استغاثہ (یعنی مدد کیلئے پکار) حرام نہیں، حرام وہ نتیجہ ہے جو اس پکار کے نتیجہ میں مرتب ہوتا ہے، (اگر ہو)۔

3518 حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا ؓ يَقُولُ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ ثَابَ مَعَهُ نَاسٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ حَتَّى كَثُرُوا وَكَانَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلٌ لَعَّابٌ فَكَسَعَ أَنْصَارِيًّا، فَغَضِبَ الأَنْصَارِيُّ غَضَبًا شَدِيدًا، حَتَّى تَدَاعَوْا، وَقَالَ الأَنْصَارِيُّ يَا لَلأَنْصَارِ وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ يَا لَلْمُهَاجِرِينَ. فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ مَا بَالُ دَعْوَى أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ ثُمَّ قَالَ مَا شَأْنُهُمْ فَأُخْبِرَ بِكَسْعَةِ الْمُهَاجِرِيِّ الأَنْصَارِيَّ قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ دَعُوهَا فَإِنَّهَا خَبِيثَةٌ. وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ أَقَدْ تَدَاعَوْا عَلَيْنَا، لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الأَعَزُّ مِنْهَا الأَذَلَّ. فَقَالَ عُمَرُ أَلاَ نَقْتُلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا الْخَبِيثَ لِعَبْدِ اللَّهِ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لاَ يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّهُ كَانَ يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ. طرفاه 4905،

4907

حضرت جابر کہتے ہیں ہم آنجناب کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے اور ان دنوں مہاجرین بڑی تعداد میں آپ کے پاس جمع ہو گئے تھے ان میں ایک آدمی تھا جو بڑی دل لگی کرنے والا شخص تھا اس نے ایک انصاری کی سرین پر ضرب لگا دی اس پر انصاری کو غصہ آیا اس نے اے انصار کہہ کر اپنی قوم کو مدد کیلئے پکارا، مہاجر نے بھی اے مہاجرین کہہ کر انہیں مدد کیلئے پکارا آنجناب باہر نکلے اور فرمایا یہ جاہلیت کی پکار کیونکر؟ کیا بات ہے؟ آپ کو مہاجر کے انصاری کو ضرب لگانے کی بابت بتلایا گیا تو فرمایا ایسی خبیث پکار چھوڑو! عبداللہ بن ابی ابنِ سلول (رئیس المنافقین) بولا کیا ہمارے خلاف ایک دوسرے کو مدد کیلئے پکارا؟ مدینہ واپس ہونے دو ضرور عزت والا ذلت والے کو باہر نکال دیگا، اس پر حضرت عمر نے کہا کیوں نہ یا رسول اللہ اس خبیث کو قتل کر ڈالیں؟ فرمایا لوگ باتیں نہ کرنے لگ جائیں کہ محمد اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہے۔

شیخِ بخاری ابن سلام ہیں جیسا کہ ابونعیم اور ابوعلی جیانی نے جزم کیا ہے ابو ذر کے نسخہ میں نسبت مذکور ہے۔(غزونا) یہ غزوہ مریسیع کے موقع کا ذکر ہے۔ (لعاب) کہا جاتا ہے کہ حراب (یعنی اسلحہ) کے ساتھ حبشیوں کی طرح کھیلتا (یعنی مختلف مہارتیں دکھلاتا) تھا، یہ جہجاہ بن قیس غفاری تھے جنہیں حضرت عمر اجرت پر اپنے ہمراہ لاتے تھے جبکہ انصاری شخص کا نام سنان بن وبرہ تھا جو بنی سالم کا حلیف تھا۔ تفسیر سورۃ المنافقین میں اس کی تشریح آئیگی۔ (فکسع) یعنی اس کی پیٹھ پر دوہتڑ مارا۔ (تدعوا) اکثر کے ہاں واو ساکن کے ساتھ بطور صیغۂ جمع ہے، ابو ذر سے منقول بعض نسخوں میں واوِ مفتوح کے ساتھ ہے یعنی بطور صیغۂ تثنیہ، لیکن تثنیہ میں مشہور لغت (تداعیا) ہے، واو کو یاء میں بدل کر گویا ان نسخوں میں یہ اپنے اصل پر باقی رکھی گئی۔ (دعوھا الخ) ضمیر کا مرجع دعوائے جاہلیت ہے، بعض نے کسعۃ کہا ہے مگر اول معتمد ہے۔ (لعبد اللہ) لام بمعنی عن ہے، بقیہ شرحِ حدیث کتاب التفسیر میں ہوگی۔

3519حَدَّثَنِی ثَابِتُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ وَعَنْ سُفْیَانَ عَنْ زُبَیْدٍ عَنْ إِبْرَاهِیمَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ، وَشَقَّ الْجُیُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِیَّةِ .أطرافه 1294، 1297، 298(ترجمہ کیلئے جلد دوم ص:۱۹۲)

سفیان سے مراد ثوری ہیں۔(وعن سفیان عن زبید) یہ (حدثنا سفیان عن الأعمش) پر معطوف ہے، اسی سند کے ساتھ موصول ہے الجنائز میں یہ أبو نعیم عن سفیان عن زبید اور عبدالرحمٰن بن مہدی عن سفیان عن الأعمش کے حوالے سے گزر چکی ہے گویا ثابت نے سفیان سے دو شیوخ کے حوالے سے مفرقاً اس کا سماع کیا تو الگ الگ نقل کیا (وگرنہ اکھٹا ذکر کر دیتے)۔

9 باب قِصَّةُ خُزَاعَةَ (قصہِ خزاعہ)

3520حَدَّثَنِی إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِیمَ حَدَّثَنَا یَحْیَى بْنُ آدَمَ أَخْبَرَنَا إِسْرَائِیلُ عَنْ أَبِی حَصِینٍ عَنْ أَبِی صَالِحٍ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ عَمْرُو بْنُ لُحَیِّ بْنِ قَمَعَةَ بْنِ خِنْدِفَ أَبُو خُزَاعَةَ

3521حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ الْبَحِيرَةُ الَّتِي يُمْنَعُ دَرُّهَا لِلطَّوَاغِيتِ وَلاَ يَحْلُبُهَا أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ، وَالسَّائِبَةُ الَّتِي كَانُوا يُسَيِّبُونَهَا لآلِهَتِهِمْ فَلاَ يُحْمَلُ عَلَيْهَا شَيْءٌ ". قَالَ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرِ بْنِ لُحَيٍّ الْخُزَاعِيَّ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ، وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ

.طرفه 4623

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں نبی اکرم نے فرمایا عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف قبیلہ خزاعہ کا جدامجد ہے۔ سعید بن میسّب کا بیان ہے کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہوتی جس کے دودھ سے منع کر دیا جاتا کیونکہ وہ بتوں کیلئے وقف کر دی جاتی اور کوئی اسے دوھ نہ سکتا تھا اور سائبہ وہ اونٹنی جسے وہ اپنے معبودوں کے نام پہ چھوڑ دیتے ان پہ کوئی بوجھ نہ لاوا جاتا، کہتے ہیں ابو ہریرہ نے بیان کیا کہ نبی پاک نے فرمایا میں نے عمرو بن لحی خزاعی کو دیکھا کہ جہنم میں اپنی انتڑیاں کھینچتا پھرتا تھا یہ پہلا شخص ہے جس نے سائبہ کی رسم نکالی۔

خزاعہ کے نسب میں اختلاف موجود ہے مگر یہ امر متفق علیہ ہے کہ وہ عمرو بن لحی کی اولاد سے ہیں، وہ ابن حارثہ بن عمرو بن عامر بن ماء السماء ہے، اسلم کے تذکرہ میں اس کا نسب ذکر ہو چکا ہے، اسلم عمرو بن لحی کا چچا تھا، کہا جاتا ہے لحی کا نام ربیعہ تھا بعض رواۃ نے تصحیف سے عمرو بن یحیی ذکر کر دیا، حمیدی کی جمع میں یہ مذکور ہے۔ مسلم کی حدیثِ جابر میں ہے: (رأيت أبا ثمامة عمرو بن مالك) اس میں تغییر ہے مگر اس کا مزید فائدہ یہ ملا کہ عمرو کی کنیت سے آگاہی ہوئی خزاعہ کو بنی کعب بھی کہا جاتا تھا، اپنے جدامجد کعب بن عمرو بن لحی کی طرف نسبت کی رعایت سے۔ ابن کلبی لکھتے ہیں جب سیل عرم کے سبب اہل سبا متفرق ہو گئے تو بنی مازن نے غسان نامی ایک چشمہ پر قیام کیا، ان کے ہمراہ جو یہاں ٹھہرا۔ غسانی کہلایا، بنی عمرد بن لحی اپنی باقی قوم سے انخزاع (یعنی کٹ کر اور الگ ہو کر) کر کے مکہ کے قریب جا آباد ہوئے اس پر خزاعہ کا نام پڑا، اس بارے حضرت حسان کا شعر ہے: (ولَمَّانَزَلْنانزلنا بطنَ مرَتَخزَّعَتُ خزاعةُ مِنا في جموع کراکر)۔ حدیثِ باب میں مذکور ہے کہ یہ عمرو بن لحی بن قمعۃ بن خندف تھا، اسی سے خزاعہ کو مضر سے قرار دینے والوں کی تائید ہوتی ہے کیونکہ خندف اِلیاس بن مضر کی بیوی کا لقب تھا، اس کا نام لیلی بنت حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ ہے، خندفہ ہرولہ چال (یعنی تیز تیز چلنا) کو کہتے ہیں اس کی وجہ سے یہ لقب پڑا، اسکی اولاد بجائے الیاس کے اس کی طرف نسبت سے مشہور ہوئی کیونکہ جب الیاس کا انتقال ہوا تو اس نے سخت غم واندوہ کا مظاہرہ کیا حتی کہ گھر بار چھوڑ کر جنگلوں وصحراؤں کا رخ کیا اور وہیں انتقال ہوا تو جو بھی اس کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھتا پوچھتا یہ کون ہیں؟ جواب ملتا خندف کے بیٹے! تو یہی نسبت مشہور ہو گئی۔ بعض نے دونوں اقوال۔ کہ خزاعہ مضر سے ہیں اور دوسرا قول کہ وہ یمنی ہیں۔ کے مابین یہ تطبیق دی ہے کہ جب قمعہ کا انتقال ہوا تو اسکی حاملہ بیوی سے حارثہ بن عمرو نے شادی کر لی تھی جس کے ہاں بچہ جنا یعنی لحی، تو یہ اس کی طرف نسبت سے مشہور ہو گیا، اس پر یہ ولادۃً مضری اور علی التبنّی یمنی ہوا۔

ابن کلبی نے ذکر کیا ہے کہ عمرو بن لحی کے متولی کعبہ ومکہ بننے کا سبب یہ ہے کہ اس کی والدہ فھیرہ بنت عمرو بن حارث بن مضاض جرہمی ہے جنکے والد جرہم سے تعلق رکھنے والے آخری حاکمِ مکہ تھے تو ان کی وفات کے بعد ان کا نواسہ عمرو بن لحی نائب بنا تو اسطرح سے حاکمیت جرہم سے خزاعہ میں منتقل ہو گئی، اس مسئلہ میں دونوں قبائل میں جنگیں بھی برپا ہوئیں جو جرہم کے مکہ سے جلا وطن

ہونے پر منتج ہوئیں بعدازاں تین سو برس تک کعبہ کی تولیت انہی کے پاس رہی، ان کا آخری متولیِ کعبہ ابوغُبشان محرش بن حلیل تھا جو قصی بن کلاب کا ماموں تھا، اتنا سمجھ دار نہ تھا، قصی نے بأذ واد من الإبل (یعنی کئی ذود اونٹوں کے عوض، ذود پانچ اونٹوں کو کہتے ہیں) تولیت کعبہ اس سے خرید لی، بعض نے لکھا کہ شراب کے ایک مٹکے کے عوض۔ تو قصی نے متولی بننے کے بعد بنی فہر کی مختلف شاخوں کو اپنی زیرِ سیادت جمع کیا اور لڑ بھڑ کر خزاعہ کو مکہ سے نکال دیا، اسی بارہ میں شاعر کہتا ہے: (أبوكم قصى كان يُدعىٰ مجمِّعا بهٖ جَمع اللهُ القبائلَ مِن فهر)، قصی نے سقایہ اور رفادہ (یعنی حُجاج کی میزبانی) کی طرح ڈالی اور یہ کام قریش کے حوالے کیا بالخصوص منیٰ کے ایام میں کھانا تیار کرتا اور پانی کے حوض بنواتا، دارندوہ بھی اسی نے آباد کیا، پیش آمدہ معاملات میں یہیں جمع ہو کر مشورے کئے جاتے اور فیصلے ہوتے۔

(أبو خزاعة) یعنی وہ خزاعہ کا باپ ہے، ابونعیم کی اسرئیل سے اسی سند کے ساتھ روایت میں جو اسماعیلی نے نقل کی ہے، (خزاعة بن قمعة بن عمرو بن خندف) مذکور ہے تو اس میں کچھ ناموں کی تقدیم و تاخیر ہوگئی ہے، انہی کی ابواحمد زبیری عن اسرائیل سے روایت میں: (عمرو ابوخزاعة بن قمعة بن خندف) ہے، یہ اول کے موافق ہے مگر اس میں عمرو مذکور نہیں اور بایں طور کہ ابن قمعة پر وہی اعراب ہے جو عمرو پر ہے، نہ کہ ابوخزاعہ والا اعراب (پھر: بن قمعہ سے قبل الف کا اضافہ متصور ہوگا یعنی ابن قمعة عمرو کی صفت ہے نہ کہ ابو خزاعة کی) لیکن اصوب اول ہے، مسلم نے سہیل بن ابو صالح عن ابیہ کے حوالے سے اتم صورت میں نقل کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں: (رأيت عمرو بن لحى بن قمعة بن خندف يجرُّ فى النار لأنه أوَّلُ مَن غيرَ دينَ اسماعيل فنَصبَ الأوثان و سيَّبَ السائبةَ و بحرَالبحيرة و وصلَ الوصِيلة وحمَى الحامى) کہ میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا کہ نارِ جہنم میں گھسٹتا پھرتا ہے اسلئے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے دینِ اسماعیل کو تبدیل کیا تو بت نصب کئے سائبہ اور بحیرہ اونٹوں کی رسمِ بد ایجاد کی۔

ابن مردویہ کے ہاں سہیل بن ابی صالح عن ابیہ سے بھی یہی منقول ہے، حاکم کی محمد بن عمرو عن ابی سلمة عن ابی ھریرة کے حوالے سے بھی یہی مروی ہے مگر اس میں (عمرو بن قمعة) یعنی دادا کی طرف نسبت مذکور ہے۔ طبرانی نے ابن عباس سے مرفوعا یہ الفاظ روایت کئے ہیں: (أول مَن غَيَّرَ دين ابراهيم عمرو بن لحى بن قمعة بن خندف أبو خزاعة)۔ فاکہی نے عکرمہ کے طریق سے مرسلا نقل کیا ہے کہ حضرت مقداد نے پوچھا یا رسول اللہ (مَن عمرو بن لحى؟) فرمایا (أبو هؤلاء الحى من خزاعة)۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں عمرو نے عمالیقِ شام سے جو کہ بت پرست تھے، ایک بت تحفۃً لیا اور اسے لا کر مکہ میں نصب کر دیا، یہ ہبل تھا۔ جرہم کے زمانہ کا ایک فاجر شخص جسکا نام اساف تھا، نے نائلہ نامی ایک خاتون سے خانہ خدا کے اندر زنا کیا اس کی پاداش میں اللہ تعالی نے دونوں کو پتھر بنا دیا، انہیں عمرو بن لحی نے کعبہ کے گرد نصب کر دیا تھا تو ہر طواف کرنے والا ان سے تمسُّح کرتا تھا۔ ابن کلبی سے اس کا سبب یہ منقول ہے کہ عمرو کے تابع ایک جن تھا جسے ابوثمامہ کہا جاتا تھا، ایک رات اس کے پاس آیا، کہنے لگا: (أجِبْ أبا ثمامة) یعنی ابوثمامہ کی ندا کا جواب دو (یعنی اس کا کہا مانو)، یہ بولا: (لبَّيك مِن تهامة) تو کہنے لگا (ادخل بلا ملامة)، پھر کہا: (ائْتِ سِيفَ جدةَ تجدْ آلِهةً مُعدَّة فخُذْها ولا تَهَبْ وادْعُ إلىٰ عِبادتها تُجَبْ) کہ ساحلِ جدہ کا رخ کرو، وہاں تیار آلہہ (یعنی بت) ملیں گے انہیں لے آؤ، خوف نہ کھانا، پھر لوگوں کو ان کی پوجا

کی دعوت دو، وہ قبول کرینگے، تو اس نے ایسا کیا۔ ساحل پر حضرت نوح وادریس کے زمانہ کے بت پائے یعنی ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر، تو انہیں اٹھا کر مکہ لے آیا اور ان کی پوجا کی دعوت دی تو اس طرح سے عربوں میں آہستہ آہستہ بت پرستی پھیل گئی، تفسیر سورۂ نوح میں اس کی مزید تفاصیل ذکر ہونگی۔ یہ روایت امام بخاری کے افراد میں سے ہے۔

3521حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ الْبَحِيرَةُ الَّتِي يُمْنَعُ دَرُّهَا لِلطَّوَاغِيتِ وَلاَ يَحْلُبُهَا أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ، وَالسَّائِبَةُ الَّتِي كَانُوا يُسَيِّبُونَهَا لآلِهَتِهِمْ فَلاَ يُحْمَلُ عَلَيْهَا شَيْءٌ قَالَ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرِ بْنِ لُحَيٍّ الْخُزَاعِيَّ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ، وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ طرفه 4623۔ (سابقہ ہے)

(عمرو بن عامر الخزاعی الخ) احمد کی ابن مسعود کی حدیث میں بھی یہی الفاظ ہیں، اس کے شروع میں ہے: (أول مَن سيَّبَ السَّوائب و عبدالأصنام عمرو الخ) یہ ما تقدّم کے اس جہت سے بھی مغایر ہے کہ وہاں اس کی نسبت مضر کی طرف ہے کیونکہ عامر مذکور ابن ماء السماء بن سبأ ہے جو عمرو بن لحی کا جدِ جد ہے، ان حضرات کے نزدیک جو اسے یمن کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگرچہ جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا یہ انتساب مِن جہت تبنّی ہو سکتا ہے، وصیلہ اور سائبہ وغیرہما پر بحث تفسیر سورۃ المائدۃ میں آئے گی۔

10باب قِصَّةِ إِسْلاَمِ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ (حضرت ابوذر کے قبولِ اسلام کا قصہ)

11باب قِصَّةِ زَمْزَمَ (قصہِ زمزم)

یہ ترجمہ صرف ابوذر کے نسخہِ بخاری جو حموی وحدہ کی وساطت سے ہے، میں ہے باقیوں میں یہ ساقط ہے گویا اولی یہ ہے کہ یہ ترجمہ اسلام ابی بکر وسعد وغیرہما کے بعد مذکور ہوتا، اکثر کے ہاں یہاں قصہِ زمزم ہے قصہ ابی ذر کے ساتھ اس کا وجہِ تعلق روایت میں یہ ذکر کہ مکہ میں اثنائے قیام وہ آب زمزم پر اکتفاء کرتے رہے، مزید شرح اس کے مقام پر آئیگی۔

3522حَدَّثَنَا زَيْدٌ هُوَ ابْنُ أَخْزَمَ قَالَ أَبُو قُتَيْبَةَ سَلْمُ بْنُ قُتَيْبَةَ حَدَّثَنِي مُثَنَّى بْنُ سَعِيدٍ الْقَصِيرُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو جَمْرَةَ قَالَ لَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِإِسْلاَمِ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قُلْنَا بَلَى. قَالَ قَالَ أَبُو ذَرٍّ كُنْتُ رَجُلاً مِنْ غِفَارٍ، فَبَلَغَنَا أَنَّ رَجُلاً قَدْ خَرَجَ بِمَكَّةَ، يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، فَقُلْتُ لأَخِي انْطَلِقْ إِلَى هَذَا الرَّجُلِ كَلِّمْهُ وَأْتِنِي بِخَبَرِهِ. فَانْطَلَقَ فَلَقِيَهُ، ثُمَّ رَجَعَ فَقُلْتُ مَا عِنْدَكَ فَقَالَ وَاللَّهِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلاً يَأْمُرُ بِالْخَيْرِ وَيَنْهَى عَنِ الشَّرِّ. فَقُلْتُ لَهُ لَمْ تَشْفِنِي مِنَ الْخَبَرِ. فَأَخَذْتُ جِرَابًا وَعَصًا، ثُمَّ أَقْبَلْتُ إِلَى مَكَّةَ فَجَعَلْتُ لاَ أَعْرِفُهُ، وَأَكْرَهُ أَنْ أَسْأَلَ عَنْهُ، وَأَشْرَبُ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ وَأَكُونُ فِي الْمَسْجِدِ. قَالَ فَمَرَّ بِي عَلِيٌّ فَقَالَ كَأَنَّ الرَّجُلَ غَرِيبٌ. قَالَ قُلْتُ نَعَمْ. قَالَ فَانْطَلِقْ إِلَى الْمَنْزِلِ. قَالَ فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ لاَ يَسْأَلُنِي عَنْ شَيْءٍ

، وَلاَ أُخْبِرُهُ، فَلَمَّا أَصْبَحْتُ غَدَوْتُ إِلَى الْمَسْجِدِ لأَسْأَلَ عَنْهُ، وَلَيْسَ أَحَدٌ يُخْبِرُنِى عَنْهُ بِشَىْءٍ .قَالَ فَمَرَّ بِى عَلِىٌّ فَقَالَ أَمَا نَالَ لِلرَّجُلِ يَعْرِفُ مَنْزِلَهُ بَعْدُ قَالَ قُلْتُ لاَ .قَالَ انْطَلِقْ مَعِى .قَالَ فَقَالَ مَا أَمْرُكَ وَمَا أَقْدَمَكَ هَذِهِ الْبَلْدَةَ قَالَ قُلْتُ لَهُ إِنْ كَتَمْتَ عَلَىَّ أَخْبَرْتُكَ .قَالَ فَإِنِّى أَفْعَلُ .قَالَ قُلْتُ لَهُ بَلَغَنَا أَنَّهُ قَدْ خَرَجَ هَا هُنَا رَجُلٌ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِىٌّ، فَأَرْسَلْتُ أَخِى لِيُكَلِّمَهُ فَرَجَعَ وَلَمْ يَشْفِنِى مِنَ الْخَبَرِ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَلْقَاهُ .فَقَالَ لَهُ أَمَا إِنَّكَ قَدْ رَشَدْتَ، هَذَا وَجْهِى إِلَيْهِ، فَاتَّبِعْنِى، ادْخُلْ حَيْثُ أَدْخُلُ، فَإِنِّى إِنْ رَأَيْتُ أَحَدًا أَخَافُهُ عَلَيْكَ، قُمْتُ إِلَى الْحَائِطِ، كَأَنِّى أُصْلِحُ نَعْلِى، وَامْضِ أَنْتَ، فَمَضَى وَمَضَيْتُ مَعَهُ، حَتَّى دَخَلَ وَدَخَلْتُ مَعَهُ عَلَى النَّبِىِّ ﷺ فَقُلْتُ لَهُ اعْرِضْ عَلَىَّ الإِسْلاَمَ .فَعَرَضَهُ فَأَسْلَمْتُ مَكَانِى، فَقَالَ لِى يَا أَبَا ذَرٍّ اكْتُمْ هَذَا الأَمْرَ، وَارْجِعْ إِلَى بَلَدِكَ، فَإِذَا بَلَغَكَ ظُهُورُنَا فَأَقْبِلْ .فَقُلْتُ وَالَّذِى بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لأَصْرُخَنَّ بِهَا بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ .فَجَاءَ إِلَى الْمَسْجِدِ، وَقُرَيْشٌ فِيهِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، إِنِّى أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ .فَقَالُوا قُومُوا إِلَى هَذَا الصَّابِءِ .فَقَامُوا فَضُرِبْتُ لأَمُوتَ فَأَدْرَكَنِى الْعَبَّاسُ، فَأَكَبَّ عَلَىَّ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ وَيْلَكُمْ تَقْتُلُونَ رَجُلاً مِنْ غِفَارَ، وَمَتْجَرُكُمْ وَمَمَرُّكُمْ عَلَى غِفَارَ .فَأَقْلَعُوا عَنِّى، فَلَمَّا أَنْ أَصْبَحْتُ الْغَدَ رَجَعْتُ فَقُلْتُ مِثْلَ مَا قُلْتُ بِالأَمْسِ، فَقَالُوا قُومُوا إِلَى هَذَا الصَّابِءِ .فَصُنِعَ (بِى) مِثْلَ مَا صُنِعَ بِالأَمْسِ وَأَدْرَكَنِى الْعَبَّاسُ فَأَكَبَّ عَلَىَّ، وَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهِ بِالأَمْسِ .قَالَ فَكَانَ هَذَا أَوَّلَ إِسْلاَمِ أَبِى ذَرٍّ رَحِمَهُ اللَّهُ

ابن عباس کہتے ہیں جب حضرت ابوذر کو آنجناب کی بعثت کی خبر ملی تو اپنے بھائی سے کہا سوار ہو کر اس وادی مکہ کی طرف جاؤ اور اس شخص کی بابت معلومات لاؤ جو نبی ہونیکا مدعی ہے اور خبر لاؤ کہ کیا کہتے ہیں، تو ان کا بھائی مکہ آیا آنجناب کے بارہ میں اطلاع لے کر واپس ہوا اور ابوذر سے کہا میں نے سنا کہ وہ مکارمِ اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور ایسی کلام پیش کرتے ہیں جو شعر نہیں، وہ بولے مجھے پوری تشفی نہیں کرائی، تو زادِ راہ لیکر وہ خود مکہ آئے، مسجد حرام میں بیٹھ رہے نبی اکرم کے ملتمس رہے آپ کو پہنچانتے نہ تھے اور کسی سے پوچھنا بھی مناسب نہ سمجھا ایک رات وہ لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت علی نے انہیں دیکھا اور سمجھ گئے کہ اجنبی مسافر ہیں، وہ انہیں اپنے ساتھ گھر لے گئے صبح تک کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا، پھر اپنا مشکیزہ اور توشہ اٹھایا اور کعبہ میں آگئے یہ دن بھی ایسے ہی گزر گیا آنجناب سے ملاقات نہ ہو پائی، پھر علی کا ان سے گزر ہوا، بولے ابھی راہی کو اپنی منزل کا علم نہیں ہوا؟ وہ انہیں دوبارہ اپنے ہمراہ لے گئے کوئی ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھتا تھا حتی کہ جب تیسرا دن ہوا اور علی نے پھر یہی کام کیا (کہ اپنے ساتھ گھر لے گئے) تو ان سے کہا کیا اپنی آمد کا مقصد نہیں بتلاؤ گے؟ وہ بولے اگر مجھ سے پختہ وعدہ کرو کہ میری رہنمائی کرو گے تو بتلا دیتا ہوں؟ انہوں نے وعدہ کیا تو انہیں سب کچھ بتلایا وہ بولے بے شک وہ حق پر ہیں اور اللّٰہ کے سچے رسول

ہیں، صبح ہونے پہ میرے ساتھ چلنا اگر راستے میں کوئی ایسی بات دیکھوں کہ جس سے تم پہ خطرہ محسوس کروں تو میں پیشاب کرنے کے بہانے رک جاؤنگا تم چلتے رہنا پھر میرے پیچھے رہنا حتی کہ جہاں میں جاؤں وہاں داخل ہو جانا، تو وہ ان کے پیچھے پیچھے چلے حتی کہ رسول اللہ تک پہنچ گئے آپکی باتیں سنی اور اسلام قبول کرلیا، آنجناب نے ان سے فرمایا تم اپنی قوم کی طرف واپس پلٹ جاؤ جب سنو کہ ہمیں غلبہ عطا ہوا ہے تو آ جانا، ابوذر نے کہا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ان ان کے درمیان کلمۂ توحید کا اعلان کر کے رہونگا، چنانچہ وہ نکلے اور مسجد میں آ کر بآوازِ بلند اقرارِ توحید کیا اور کہا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، پھر کیا تھا لوگ ان پہ پل پڑے اور مار مار کر ادھ موا کر دیا حضرت عباس نے آ کر ان کے اوپر لیٹ کر ان کی جان بچائی اور کہا تمہارے لئے ویل ہو، کیا تمہیں معلوم نہیں یہ قبیلۂ غفار کا آدمی ہے جو تمہارے شام کی طرف تجارت کے راستے میں آباد ہیں؟ تو اسطرح ان کی جان چھڑائی۔ اگلے دن پھر یہی کیا وہ دوبارہ ان پہ پل پڑے تو پھر حضرت عباس نے ان کے اوپر اپنے آپکو ڈال کر ان کی جان بچائی۔

12 باب قِصَّةِ زَمْزَمَ وَجَهْلِ الْعَرَبِ (جہلِ عرب)

یہ نسخہ ابی ذر میں ہے باقی نسخوں میں باب (جهل العرب) ہے یہی اولی ہے کیونکہ حدیث باب میں زمزم کا تو تذکرہ ہی موجود نہیں۔

3523حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ أَسْلَمُ وَغِفَارُ وَشَيْءٌ مِنْ مُزَيْنَةَ وَجُهَيْنَةَ أَوْ قَالَ شَيْءٌ مِنْ جُهَيْنَةَ أَوْ مُزَيْنَةَ خَيْرٌ عِنْدَ اللَّهِ أَوْ قَالَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ أَسَدٍ وَتَمِيمٍ وَهَوَازِنَ وَغَطَفَانَ۔ طرفه 3512۔ (ترجمہ کیلئے اسی جلد میں سابقہ نمبر)

3524 حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ إِذَا سَرَّكَ أَنْ تَعْلَمَ جَهْلَ الْعَرَبِ فَاقْرَأْ مَا فَوْقَ الثَّلَاثِينَ وَمِائَةٍ فِي سُورَةِ الْأَنْعَامِ (قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ) إِلَى قَوْلِهِ (قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ)

ابن عباس نے کہا اگر تم عربوں کی جہالت سے واقف ہونا چاہتے ہو تو سورۂ انعام کی ایک سو تیس آیات کے بعد کی آیت تلاوت کرو، اللہ تعالی کا فرمان: (ترجمہ) یقینا وہ لوگ تباہ ہوئے جنہوں نے اپنی اولاد کو بوجہِ سفاہت و نادانی قتل کیا۔ (قد ضلوا وما كانوا مهتدين) تک۔

(قتلوا أولادهم) مراد اپنی بیٹیوں کو، باقی شرح کتاب التفسیر میں آئیگی، آیت کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت ابن عباس کے اس قول سے ماخوذ ہے: (إذا سرّك أن تعلم جهل العرب الخ)۔ یہ بھی مصنف کے افراد میں سے ہے۔

13 باب مَنِ انْتَسَبَ إِلَى آبَائِهِ فِي الْإِسْلَامِ وَالْجَاهِلِيَّةِ (اسلام اور جاہلیت کی نسبتیں)

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَأَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ إِنَّ الْكَرِيمَ ابْنَ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلِ اللَّهِ وَقَالَ الْبَرَاءُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

یعنی اس کا جواز، ان حضرات کی رائے کے علی الرغم جو اسے مطلقا مکروہ قرار دیتے ہیں محلِ کراہت تب ہے جب آباء و اجداد

کا تذکرہ برسبیلِ مفاخرت ومشاجرت ہو، احمد اور ابو یعلی نے بسند حسن ابو ریحانہ سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ جس نے اپنے نو آباء کا ذکر کیا اور اسکی غرض عزو کرامت ہے (یعنی اس کا اظہار) تو وہ انہی کے ساتھ جہنم میں دسواں ہوگا۔

(وقال ابن عمر و أبو هريرة الخ) دونوں کی علیحدہ علیحدہ حدیث احادیث الأنبیاء میں موصولا ذکر ہو چکی ہے ان سے وجہِ دلالت یہ ہے کہ آنجناب کا حضرت یوسف کے نسب نامہ کا تذکرہ کرنا کسی اور کیلئے کسی کے شجرۂ نسب کے ذکر کے جواز پر دلیل ہے تو اس طرح یہ ترجمہ کے رکنِ اول کے مطابق ہے۔ (وقال البراء الخ) یہ ایک حدیث کا حصہ ہے جو کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے، غزوہ حنین سے متعلقہ تھی وجہِ دلالت یہ ہوئی کہ آنجناب کا اپنے دادا عبد المطلب کی طرف انتساب مذکور ہے تو اس طرح یہ ترجمہ کے رکن ثانی کے مطابق ہوئی۔

3525 حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِی حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ (وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ) جَعَلَ النَّبِیُّ ﷺ يُنَادِی يَا بَنِی فِهْرٍ، يَا بَنِی عَدِیٍّ لِبُطُونِ قُرَيْشٍ۔ أطرافه 1394، 3526، 4770، 4801، 4971، 4972، 4973

3526 وَقَالَ لَنَا قَبِيصَةُ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِی ثَابِتٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ (وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ) جَعَلَ النَّبِیُّ ﷺ يَدْعُوهُمْ قَبَائِلَ قَبَائِلَ. أطرافه 1394، 3525، 4770، 4801، 4971، 4972، 4973

ابن عباس کہتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی: (و أنذر عشيرتك الأقربين) اور اپنے قریبی لوگوں کو تبلیغ کیجئے، تو نبی پاک نے پکار پکار کر کہا اے بنی فہر اے بنی عدی، قریش کی شاخوں کو ندا دی۔

سفیان سے مراد ثوری ہیں۔ (ببطون قريش) کشمیہنی کے نسخہ میں (لبطون) ہے آپ کا اپنے قریبی عشیرہ سے قبل ان قبائل کو نداء دینا اِنذارِ عشیرۃ کے تکرار کی غرض سے تھا اور پھر تمام قریش ہی آپکے عشیرۃ میں داخل ہیں اور اسلئے بھی کہ انذارِ عشیرۃ بالطبع واقع جبکہ ان کے غیر کا انذار بطریق اولیٰ متحقق ہے۔ (وقال لنا قبيصة الخ) یہ موصول ہے معلق نہیں، اسماعیلی نے ایک اور طریق کے ساتھ بھی قبیصہ سے موصول کیا ہے۔ (جعل النبی الخ) اس سے ماقبل عبارت نے اس کی تفسیر بیان کر دی ہے کہ آنجناب نے رؤوسِ قبائل مثلا یا بنی عدی، کا نام لیا، آمدہ حدیثِ ابی ہریرہ اس سے اوضح ہے جس میں ذکر ہے کہ طبقہ در طبقہ نداء دیتے ہوئے آخر میں (فرداً فرداً بھی) اپنی پھوپھی حضرت صفیہ اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہ کا نام لے کر تبلیغِ رسالت کیا، تفسیر سورۃ الشعراء میں اس کا مفصل حال بیان ہوگا، یہ واقعہ ابتدائے اسلام کا ہے اور ابن عباس حضرت انس کے مُدرِک نہیں کیونکہ وہ تو ہجرت سے تین برس قبل پیدا ہوئے تھے اور نہ ابوہریرہ کہ وہ مدینہ میں اسلام لائے تھے، ندائے حضرت فاطمہ کا ذکر اس امر کو مقتضی ہے کہ قصہِ مذکور متاخر ہے کیونکہ وہ تو صدر اسلام میں کم سن یا (زیادہ سے زیادہ) مراہق (یعنی قریب البلوغ) تھیں اور اگر حضرت ابوہریرہ قصہ کو حاضر تھے تو بھی مناسبِ ترجمہ نہیں کیونکہ وہ تو ایک مدت بعد جب آنجناب نے مدینہ ہجرت فرمائی وہاں آکر اسلام لائے تھے، بظاہر یہ معلوم پڑتا ہے کہ یہ انذار دو مرتبہ وقوع پذیر ہوا، ایک مرتبہ ابتدائے اسلام میں اور ابن عباس وابوھریرہ کا اسے روایت کرنا مراسیلِ صحابہ میں سے ہے، یہی موافقِ ترجمہ ہے اس جہت سے کہ

یہ مبدائے سیرت نبوی سے ہے، اس کی تائید اس امر سے بھی ملتی ہے کہ ابولہب بھی اس موقع پر حاضر تھا اور اس کی وفات ایامِ بدر میں ہوئی ہے اور ایک مرتبہ بعدازاں (مدینہ میں) ہوا ہوگا، اس موقع پر ابن عباس وابو ہریرہ بھی حاضر تھے۔

3527حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ أَخْبَرَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ يَا بَنِى عَبْدِ مَنَافٍ، اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ اللَّهِ، يَا بَنِى عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ اللَّهِ، يَا أُمَّ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ عَمَّةَ رَسُولِ اللَّهِ، يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ، اشْتَرِيَا أَنْفُسَكُمَا مِنَ اللَّهِ، لاَ أَمْلِكُ لَكُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، سَلاَنِى مِنْ مَالِى مَا شِئْتُمَا .طرفاه 2753، 4771۔ (جلد چہارم کی کتاب الوصایا میں ترجمہ موجود ہے)

14باب ابْنُ أُخْتِ الْقَوْمِ وَمَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ (بھانجا اور قوم کا مولیٰ انہی میں سے ہے)

یعنی فیما رجوع إلى المناظرة، تعاون اور اس قبیل کے کاموں میں، لیکن جہاں تک میراث کا تعلق ہے تو اس بابت اختلاف ہے جیسا کہ اس کی تفصیل کتاب الفرائض میں آئیگی۔

3528حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ ؓ قَالَ دَعَا النَّبِىُّ ﷺ الأَنْصَارَ فَقَالَ هَلْ فِيكُمْ أَحَدٌ مِنْ غَيْرِكُمْ قَالُوا لاَ إِلاَّ ابْنُ أُخْتٍ لَنَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ابْنُ أُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ .أطرافه 3146، 3147، 3778، 3793، 4331، 4332، 4333، 4334، 4337، 5860، 6762، 7441

انس کہتے ہیں نبی اکرم نے انصار کو بلایا اور دریافت فرمایا کیا کوئی ایسا بھی ہے جو تم میں سے نہیں؟ وہ بولے ہمارا بھانجا ہے، تو آپ نے فرمایا قوم کا بھانجا انہی میں سے ہے۔

(إلا ابن أخت لنا الخ) یہ نعمان بن مقرن مزنی تھے جیسا کہ احمد کی شعبہ عن معاویہ بن قرۃ کے طریق سے اسی روایتِ انس میں تصریح ہے ایک اور قصہ کے ضمن میں بھی یہ واقع ہے جسے طبرانی نے عتبہ بن غزوان سے روایت کیا کہ نبی پاک نے ایک دن قریش سے فرمایا: (هل فيكم من ليس منكم الخ) انہوں نے کہا نہیں مگر ہمارا بھانجا عتبہ بن غزوان (یعنی راوی حدیث)، وہاں بھی آپ کا یہی مقولہ مذکور ہے کہ (ابن أخت القوم منهم)۔ انہی کی حدیثِ عمرو بن عوف میں ہے کہ آنجناب اپنے گھر میں داخل ہوئے اور فرمایا: (ادخلوا عليَّ ولا يَدخل علي إلاقرشيٌّ) کہ میرے پاس آجاؤ اور صرف قرشی ہی آئیں، پھر پوچھا ساتھ کوئی اور ہے؟ کہا(معنا ابن الأخت والمولى) فرمایا حلیفِ قوم بھی انہی میں سے ہے اور مولی بھی، احمد نے موسی اور طبرانی نے ابوسعید کے حوالے سے بھی یہی روایت کیا ہے۔

آخر بحث تنبیہ کے عنوان سے ابن حجر رقمطراز ہیں کہ مصنف نے حدیث (مولى القوم منهم) اس باب کے تحت نقل نہیں کی حالانکہ ترجمہ میں اس کا ذکر موجود ہے تو بعض نے لکھا کہ اپنی شرط پر کوئی روایت نہیں مل سکی، مگر یہ محلِ نظر ہے کیونکہ الفرائض میں حضرت انس کی ایک روایت لائے ہیں جس کے الفاظ ہیں: (مولى القوم من أنفسهم) یہاں اس سے مراد معتق (یعنی آزاد کردہ

غلام) یا حلیف ہے، اعلیٰ سے ماخوذ مولی یہاں مرادنہیں، غزوہ حنین کے باب میں اس قول کا سبب مذکور ہوگا، بزار کی حدیثِ ابی ھریرہ میں ترجمہ کا مضمون مع ذکرِ مولی کے موجود ہے ساتھ میں یہ بھی: (وحليف القوم منهم)۔

15 باب قِصَّةِ الْحَبَشِ (حبشیوں کا قصہ)

وَقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ

ارفدہ ان کے جد امجد کا نام ہے، بعض کے مطابق ارفدہ کا معنی امت ہے، ابواب العیدین میں کچھ متعلقہ بحث گزر چکی ہے، حبش کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ حبش بن کوش بن حام بن نوح کی اولاد ہیں، یمن اور انکے ملک کے درمیان صرف سمندر حائل ہے قبل از اسلام یمن پر انکا قبضہ ہو گیا تھا، ابرہ جس نے خانہ کعبہ پر حملہ کیا، انہی میں سے تھا اس کے ساتھ ہاتھی بھی تھے، ابن اسحاق نے یہ پورا قصہ بیان کیا ہے، حاکم نے پھر بیہقی نے بھی ابن عباس کے حوالے سے اسے نقل کیا ہے۔

3529حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍؓ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِي أَيَّامِ مِنًى تُدَفِّفَانِ وَتَضْرِبَانِ، وَالنَّبِيُّ ﷺ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهِ، فَانْتَهَرَهُمَا أَبُو بَكْرٍ، فَكَشَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ وَجْهِهِ، فَقَالَ دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ، فَإِنَّهَا أَيَّامُ عِيدٍ، وَتِلْكَ الأَيَّامُ أَيَّامُ مِنًى .أطرافه 454، 455، 950، 988، 2906، 5190، 5236۔

3530وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَسْتُرُنِي، وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى الْحَبَشَةِ، وَهُمْ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ فَزَجَرَهُمْ (عُمَرُ) فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ دَعْهُمْ أَمْنًا بَنِي أَرْفِدَةَ .يَعْنِي مِنَ الأَمْنِ .أطرافه 949، 952، 987، 2907

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں ابو بکر ان کے ہاں آئے اس وقت ان کے پاس انصار کی دو لڑکیاں دف بجا رہی تھیں اور یہ ایامِ منیٰ تھے، نبی پاک ایک طرف کپڑا لپیٹے آرام فرما تھے، ابو بکر نے انہیں جھڑکا تو نبی پاک نے کپڑا اٹھایا اور فرمایا انہیں چھوڑ دو اے ابو بکر یہ ایامِ عید ہیں، یہ منی میں ٹھہرنے کے دن تھے۔ اور عائشہ نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ نبی پاک مجھ پہ پردہ کئے ہوئے ہیں جبکہ میں حبشیوں کو دیکھ رہی تھی جو مسجد میں (نیزہ بازی کا کھیل) کھیل رہے تھے، اتنے میں حضرت عمر آ گئے اور انہیں جھڑکا نبی پاک نے فرمایا چھوڑ دو اے عمر اور اے بنی ارفدہ تم بے فکر ہو کر کھیلو۔

صوفیہ کی ایک جماعت نے حدیثِ باب سے رقص اور آلاتِ مَلاہی (موسیقی) کے سماع و استعمال کے جواز پر استدلال کیا ہے لیکن جمہور اس بارے انہیں مطعون کرتے ہیں کہ ان کے اور یہاں اہلِ حبشہ کے مقصد میں فرق ہے، حبشہ کا اپنے حراب سے لعب تمرین علی الحرب کے بطور تھا (یعنی جنگی مشقیں) تو رقص فی اللہو کو اس پر قیاس کرنا درست نہیں (باقی بحث گزر چکی ہے)۔

16 باب مَنْ أَحَبَّ أَنْ لاَ يُسَبَّ نَسَبُهُ (نسب کی حرمت سے محبت)

یسب صیغہ مجہول ہے، نسب سے یہاں مراد انسان کی اصل ہے۔

3531 حَدَّثَنِی عُثْمَانُ بْنُ أَبِی شَیْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِیهِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتِ اسْتَأْذَنَ حَسَّانُ النَّبِیَّ ﷺ فِی هِجَاءِ الْمُشْرِكِینَ، قَالَ كَیْفَ بِنَسَبِی فَقَالَ حَسَّانُ لَأَسُلَّنَّكَ مِنْهُمْ كَمَا تُسَلُّ الشَّعَرَةُ مِنَ الْعَجِینِ .وَعَنْ أَبِیهِ قَالَ ذَهَبْتُ أَسُبُّ حَسَّانَ عِنْدَ عَائِشَةَ فَقَالَتْ لَا تَسُبُّهُ فَإِنَّهُ كَانَ یُنَافِحُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ .طرفاہ 4145، 6150

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں حضرت حسان نے نبی پاک سے مشرکوں کی ہجو کی اجازت طلب کی تو آپ نے دریافت فرمایا میں بھی تو انہی کے خاندان سے ہوں؟ وہ کہنے لگے میں آپکو اسطرح صاف نکال لونگا جیسے گھندھے آٹے سے بال نکالا جاتا ہے۔ عروہ کہتے ہیں میں حضرت عائشہ کے پاس حضرت حسان کو برا بھلا کہنے لگا تو مجھے روکا اور کہا وہ نبی اکرم کا (کافر شعراء کی ہجو سے) دفاع کیا کرتے تھے۔

عبدہ سے مراد ابن سلیمان جبکہ ہشام، ابن عروہ ہیں۔ (استأذن حسان الخ) یعنی ابن ثابت بن منذر بن عمرو بن حرام انصاری خزرجی، مسلم کی ابوسلمۃ عن عائشۃ کے حوالے سے روایت میں اس کا سبب بھی مذکور ہے وہ یہ کہ آنجناب نے خود مشرکین کی ہجو کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا ان کی ھجو کرو کہ یہ ان کیلئے رشقِ نبل (یعنی تیر لگنے) سے بھی اشد ہے، آپ نے اولا ابن رواحہ کو پیغام بھیجا (کہ ھجو کریں) انہوں نے کی مگر ان کے اشعار آپ کو پسند نہ آئے پھر کعب بن مالک سے کہا، انکے متعلقہ اشعار نے بھی آنجناب کے ذوق کی تسکین نہ کی پھر حضرت حسان کو پیغام بھجوایا، پیغام ملنے پر وہ بولے اب اس شیر کو پیغام بھجوایا ہے جو اپنی دم کے ساتھ مارتا ہے پھر اپنی زبان نکال کر حرکت دی اور کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں اپنی زبان کے ساتھ انہیں چمڑے کی طرح ادھیڑ کر رکھ دونگا: (لأفرینّهم فَرْیَ الأدیم) ، آپ نے فرمایا جلدی نہ کرنا۔ احمد کی کعب بن مالک سے روایت میں ہے کہ آنجناب نے ہمیں (یعنی مدینہ کے شعراء کو) حکم دیا کہ مشرکین کی ہجو کا جواب دیں، فرمایا مومن اپنی جان و مال، دونوں کے ساتھ جہاد کرتا ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہِ قدرت میں محمد کی جان ہے تم اپنے شعروں سے انہیں ایسے ہی مجروح کرو گے جیسے تیر کرتے ہیں۔ احمد اور بزار کی حدیثِ عمار بن یاسر میں ہے، کہتے ہیں جب مشرکوں کے شعراء نے ہماری ہجو کہی تو آنجناب نے ہمیں حکم دیا کہ ہم بھی ویسا ہی جواب دیں۔

(کیف بنسبی فیهم) یعنی میرا نسب نامہ بھی وہی ہے تو پھر کیسے ان کی ہجو ممکن ہو سکے گی، اس سے اشارہ ملتا ہے کہ اس زمانہ کہ ہجویات میں عام طور سے آباء واجداد کے منفی تذکرہ سے مطعون کرنے کا رواج تھا۔ (لأسلنك الخ) یعنی ایسی شعری مہارت کا مظاہرہ کرونگا کہ آپ پر کوئی زد نہ آنے پائیگی، ابوسلمہ کی مشار الیہ روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت حسان کو ہدایت دی کہ حضرت ابو بکر سے رابطہ کریں کہ وہ قریش کے نسب نامہ سے خوب واقف ہیں تا کہ میرا ذاتی نسب نامہ اس زد میں نہ آئے، حسان ان کے پاس گئے پھر واپسی پر رپورٹ پیش کی کہ آپ کا نسب نامہ خوب سمجھ چکا ہوں (اسے زد میں نہ آنے دونگا)۔

(کما تسل الشعرة الخ) یعنی جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے تو اس پر آٹے پر کوئی نشان واثر باقی نہیں رہتا اسی طرح آپکے خاندان پر زد نہیں پڑنے دونگا، پھر آٹے سے پورا بال نکل آتا ہے بخلاف پکی ہوئی روٹی کے کہ اس میں سے نکالتے ہوئے بسا اوقات بال ٹوٹ بھی جاتا ہے (تو اس طرح سے حضرت حسان نبوی توقعات پر نہ صرف پورا اترے بلکہ ان ہجویات

میں بیک وقت قریش کے مخالفینِ اسلام کی ہجو اور آنجناب سمیت قریش کے مسلمان ہو جانے والے افراد کی مدح کا ایسا حسین مرقع پیش کیا کہ واقعۃً ان کا دعوی: لأ سلنك الخ۔ سچ ثابت ہوا، ایسا کیوں نہ ہوتا آخر لسانِ نبوت کی بشارت کے مطابق انہیں جبریل امین کی روحانی مدد د تائید بھی حاصل تھی)۔

(و عن أبيه الخ) اسی اسنادِ مذکور کے ساتھ عروہ تک موصول ہے، معلق نہیں، اسے امام بخاری نے کتاب الأدب میں محمد بن سلام عن عبدۃ کے طریق سے اسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے اس میں (وعن ہشام عن أبيه) مذکور ہے اور اس میں یہ زیادت بھی ہے، الأدب المفرد میں بھی مخرَّج ہے۔ (کان ینافح) یعنی دفاع کرتے تھے بمعنی (یراسی) بھی مستعمل ہے، کشمیہنی ابو ذر سے روایتِ صحیح بخاری میں نقل کرتے ہیں کہ کہا جاتا ہے: (نفحت الدابة) جب اپنے کھر زمین پر مارے۔ (نفحه بالسيف) جب کچھ دوری سے تلوار کے ساتھ وار کرے، نفح کا اصل معنی ہوا: ضرب، عطاء کو اسی لئے نفح کہا جاتا ہے کہ معطی گویا سائل کو اس کے ساتھ ضرب لگاتا ہے۔ ابوسلمہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ نے مزید کہا میں نے نبی پاک سے سنا حضرت حسان سے کہتے تھے جب تک تم اللہ اور اس کے رسول کا دفاع کرو گے روح القدس تمہاری مدد کیلئے موجود ہوں گے (ظاہر ہے یہ مدد روحانی تھی، یہ نہیں کہ وہ حسان سے ہم کلام ہوتے ہوں گے بلکہ انہیں مختلف پیرایہِ اظہار اور اسالیبِ بیان اللہ کے حکم سے القاءٔ والہام کرتے ہوں گے، جس طرح غالب کا ایک مصرعہ ہے: آتے ہیں غیب سے مضامین خیال میں۔ حضرت جبریل کو تائید کیلئے اس لئے مقرر کیا گیا کہ وہی انبیاء پر کتب نازل کرنے اور اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچانے میں واسطہ تھے لہٰذا افصح الملائکۃ بنے دوسرے لفظوں میں آنجناب کے اس ارشاد کا مطلب یہ بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ تمہیں غیبی تائید حاصل ہوگی)۔

ابوسلمہ کی روایت میں حضرت عائشہ کا یہ مقولہ بھی مذکور ہے کہ میں نے آنجناب کو فرماتے سنا کہ حسان کی ہجو اہل مکہ شافی و مشفی ہے، شعر اور اس کے احکام کی بابت بحث کتاب الأدب میں آئیگی۔

17 باب مَا جَاءَ فِي أَسْمَاءِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ (اسمائے نبوی)

وَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (ما كانَ محمد أبا أحد مِنْ رِ جَالِكُمْ وَ لَكِنْ رسولَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيين) الآية، و قوله (مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ) وَقَوْلِهِ (مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ). اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (ترجمہ) نہیں ہیں محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اور فرمایا (ترجمہ) محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو آپ کے ساتھی ہیں......الخ۔ اور فرمایا: (ترجمہ) حضرت عیسی نے کہا میرے بعد ایک نبی آئیگا جسکا نام نامی احمد ہے۔ (قرآن میں چار مرتبہ محمد مذکور ہے، دو تو یہاں مذکور ہوئے باقی دو یہ ہیں: سورۂ محمد کی پہلی آیت میں اور سورۂ بقرۃ کی آیت: وما محمد إلا رسول)۔

ترجمہ میں یہ آیات شامل کر کے یہ اشارہ دیا ھے ہیں کہ محمد و احمد آپ کے اشہر

اسمائے مبارکہ ہیں، اشہر ترین محمد ہے جو کئی مرتبہ (چار مرتبہ) قرآن میں مکرر ہے۔ احمد، حکایۃً عن قول عیسی علیہ السلام مذکور ہے، محمد بابِ تفعیل سے برائے مبالغہ ہے جبکہ احمد من باب التفضیل ہے، ایک قول ہے کہ احمد نام کی وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ وہ علم منقول من صفت ہے جو کہ افعل تفضیل ہے، اسکا معنی ہے: (أحمد الحامدين) یعنی تمام تعریف کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر تعریف کرنے والے، اس

کا سبب جیسا کہ صحیح کی روایت میں مذکور ہے کہ مقامِ محمود میں ایسے ایسے حمدیہ کلمات آپ کے دل میں القاء کئے جائینگے جو قبل ازیں کسی زبان پر جاری نہیں ہوئے، ایک قول ہے کہ تمام انبیاء حمادون ہیں اور آپ احمد ہیں یعنی ان میں سب سے بڑھ کر اللہ کی حمد بیان کرنے والے، یا صفتِ حمد میں سب سے اعظم۔ محمد کا لفظ بھی صفت حمد سے منقول ہے، وہ بمعنی محمود ہے اور اس میں معنائے مبالغہ بھی ہے، امام بخاری نے التاریخ الصغیر میں علی بن زید سے نقل کیا کہ جناب ابو طالب کا شعر ہے: (و شَقَّ لَه مِن اسمہٖ لِیُجلّہ فذو العرش محمودٌ و ھذا محمَّد) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے مشتق لفظ آپ کا نام بنایا تا کہ آپ کا اجلال ہو، عرش والا محمود ہے اور یہ محمد ہیں۔ محمد وہ ہوتا ہے جس کی بار بار تعریف کی جائے، ممدوح کی طرح، اعشی اپنے کسی ممدوح کے بارہ میں کہتا ہے: (إليك أبيت اللعن كان وجيفها إلى الماجد القرم الجواد المحمد) یعنی جس کی بار بار تعریف ہو یا جس میں خصالِ محمودہ متکامل ہوں۔

عیاض کہتے ہیں نبی اکرم محمد بننے سے قبل احمد تھے، سابقہ کتب میں احمد ہی مذکور ہے جبکہ قرآن میں محمد ہے کیونکہ لوگوں کے آپ کی تعریف کرنے سے پیشتر آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اسی طرح آخرت میں آپ کی زبان اللہ تعالیٰ کی حمد سے رطب ہو گی اور ذاتِ باری تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول کریں گے جس پر لوگ آپ کی تعریف مین رطب اللسان ہوں گے، سورۃ الحمد، لوائے حمد اور مقامِ محمود کے ساتھ آپ مختص کئے گئے ہیں، اکل وشرب کے بعد حمد باری تعالیٰ آپ کیلئے مشروع کیا گیا، اسی طرح دعا اور سفر سے واپسی کے بعد بھی، آپ کی امت کا ایک نام حمادین بھی ہے تو اس طرح تمام معانی حمد اور اس کی انواع آپ کیلئے جمع کی گئی ہیں۔

3532حَدَّثَنِی إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنِی مَعْنٌ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِﷺ لِی خَمْسَةُ أَسْمَاءٍ أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِی الَّذِی يَمْحُو اللَّهُ بِیَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِی يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِی وَأَنَا الْعَاقِبُ .طرفه 4896

حضرت جبیر بن مطعم راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا میرے پانچ نام ہیں، میں محمد ہوں اور احمد ہوں اور ماحی ہوں جس کے ساتھ اللہ کفر کو مٹاتا ہے اور میں حاشر ہوں روزِ قیامت لوگ میرے بعد اٹھائیں جائینگے اور میں عاقب ہوں۔

(عن محمد بن جبیر الخ) معن بن عیسیٰ کے ہاں مالک کے واسطہ سے اسی طرح یعنی موصولاً ہے جبکہ اکثر نے مالک عن الزہری کے حوالے سے مرسلاً روایت کیا ہے، اسماعیلی کے ہاں جویریہ بن اسماء اور ابو عوانہ کے ہاں محمد بن مبارک اور عبداللہ بن نافع نے مالک سے روایت کرتے ہوئے معن کی موافقت کی ہے، دارقطنی نے الغرائب میں عن آخرین عن مالک سے اس کی تخریج کے بعد لکھا کہ اکثر اصحابِ مالک اسے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کہ غیرِ مالک سے اس روایت کا اتصال معروف ہے، مثلاً یونس بن یزید، عقیل اور معمر نے اسے موصولا روایت کیا ہے، ان کی روایت مسلم نے نقل کی ہے، مصنف کی التفسیر میں شعبہ کی یہی روایت بھی متصل ہے اسی طرح مسلم اور ترمذی کے ہاں ابن عیینہ کی بھی، یہ سب زہری سے اس کے راوی ہیں، جبیر بن مطعم سے ان کے ایک اور بیٹے نافع بھی اسے روایت کرتے ہیں، اس میں کچھ زیادت بھی ہے، اسے احمد اور ابن سعد نے تخریج کیا جبکہ حاکم نے صحیح قرار دیا ہے، امام بخاری کی التاریخ میں بھی منقول ہے۔ اس باب میں ابوموسی اشعری کی روایت بھی ہے یہ مسلم کے ہاں اور بخاری کی التاریخ میں ہے، حذیفہ بھی اس کے راوی ہیں، ان کی روایت بخاری نے التاریخ جبکہ ترمذی اور ابن سعد بھی نقل کی ہے، ابن عدی کے ہاں ابن

عباس اور اُبوالطفیل سے بھی مروی ہے ابن سعد نے مجاہد سے مرسلاً بھی نقل کیا ہے۔

(لی خمسة أسماء) ابن سعد کے ہاں نافع بن جبیر سے مروی ہے کہ وہ عبدالملک بن مروان کے یہاں گئے تو انہوں نے دریافت کیا کیا تم آنجناب کے وہ اسمائے مبارکہ بیان کر سکتے ہو جو جبیر بن مطعم ذکر کیا کرتے تھے؟ کہنے لگے ہاں! تو پانچ تو یہی اور چھٹا الخاتم ذکر کیا۔ بیہقی الدلائل میں ابن ابی حفصۃ عن الزہری کے حوالے سے محمد بن جبیر سے روایت میں (و أنا العاقب) بھی ذکر کرتے ہیں ساتھ میں یہ قول بھی: (قال یعنی الخاتم)۔ حدیثِ حذیفہ میں یہ اسماء مذکور ہیں: احمد، محمد، حاشر، مقفّی اور نبیِ رحمت۔ حدیثِ ابو موسی میں بھی یہ ہیں سوائے الحاشر کے۔ بعض کا دعوی ہے کہ تعدادآنجناب کے حوالے سے مذکور نہیں بلکہ یہ راوی نے بالمعنی ذکر کیا، مگر یہ دعوی محلِ نظر ہے کیونکہ حدیث میں صاف صراحت ہے کہ (إن لی خمسة أسماء)، بظاہر مراد یہ کہ یہ پانچ وہ اسماء ہیں جو مجھ سے قبل کسی اور کے نہ تھے یا مراد یہ کہ قبل ازیں معظَّم یا سابقہ امم میں مشہور نہ تھے، ارادۂ حصر نہیں۔

عیاض کہتے ہیں اللہ نے ان اسماء کو کسی کا نام ہونے سے بچائے رکھا البتہ ولادتِ نبوی سے کچھ پیشتر بعض عربوں نے اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھے کیونکہ کُہان واَحبار سے سن لیا تھا کہ اس زمانہ میں محمد نام کے ایک نبی مبعوث کئے جانے والے ہیں، کہتے ہیں یہ چھ افراد ہیں جن کا نام محمد زمانۂ قبل از اسلام میں ملتا ہے، سہیلی الروض میں لکھتے ہیں جاہلیت میں تین افراد محمد نام کے ملتے ہیں: محمد بن سفیان بن مجاشع، محمد بن احیحہ بن جلاح اور محمد بن حمران بن ربیعہ۔ ابن حجر کہتے ہیں سہیلی سے قبل یہ بات ابن خالویہ نے اپنی کتاب (لیس) میں لکھی ہے مگر یہ دعوائے حصر مردود ہے، کہتے ہیں حضور سے قبل محمد نام کے حامل اشخاص کے بارہ میں ایک رسالہ میں بیس افراد کا ذکر کیا گیا ہے البتہ بعض کے نام مکرر اور بعض کی بابت وہم کا اظہار کیا گیا ہے تو ان سے قطع نظر کر کے پندرہ ایسے افراد کا سراغ ملتا ہے جن کا نام محمد تھا، ان میں اشہر محمد بن عدی بن ربیعہ اور محمد بن تمیم تمیمی سعدی ہیں۔ بغوی، ابن سعد، ابن شاہین اور ابن سکن وغیرہم علاء بن فضل عن ابیہ عن جدہ سے ناقل ہیں وہ ابوسویۃ عن ابیہ خلیفۃ بن عبد منقری سے کہ میں نے محمد بن عدی سے پوچھا آپکے والد نے زمانۂ جاہلیت میں آپکا یہ نام کیونکر رکھا؟ کہنے لگے میں نے بھی ان سے یہی سوال کیا تھا تو بتلایا کہ بنی تمیم کے ہم چار افراد باقی تین سفیان بن مجاشع، یزید بن عمرو بن ربیعہ اور اسامہ بن مالک بن حبیب بن عنبر، شام میں ابن جفنہ غسانی سے ملاقات کیلئے گئے، دیر (ایک مقام کا نام) کے پاس ایک چشمہ پر ٹھہرے تو ایک دیرانی شخص (دیر یعنی گرجا کی طرف نسبت) ہمارے پاس آیا اور کہا ایک نبی کا زمانۂ بعثت قریب ہے تو اس کے علاقہ کی طرف جلدی کرو، ہم نے پوچھا اس کا نام کیا ہوگا؟ کہا محمد۔ ہم واپس ہو لئے، جلد ہی ہم سب کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی تو ہر ایک نے اپنے اپنے بیٹے کا محمد رکھا۔ ابن حجر رقم طراز ہیں کہ سیاقِ روایت سے معلوم پڑتا ہے کہ ان چاروں میں سے صرف محمد بن عدی کو شرفِ صحبت ملا، عبدان مروزی لکھتے ہیں محمد بن اصیحہ پہلے شخص ہیں جو دورِ جاہلیت میں محمد نام سے معروف ہوئے، بلاذری نے محمد بن عقبہ بن احیحہ کا ذکر کیا ہے تو معلوم نہیں کہ یہ وہی محمد بن احیحہ مذکور ہیں جو اس روایت میں اپنے داد کی طرف نسبت سے ذکر کئے گئے یا یہ کوئی دوسرا شخص ہے۔

ان میں محمد بن یحمد ازدی ہے جسکا ذکر مفجع بصری کی کتاب المعقد میں ہے، محمد بن خولی ہمدانی بھی ہے، اس کا ذکر ابن درید نے کیا ہے۔ ابو موسی کی الذیل میں ایک محمد بن حرماز مذکور ہے، مرزبانی نے محمد بن حمران کا ذکر کیا ہے امرؤ القیس کے ساتھ اس کا واقعہ مشہور ہے۔ ابن سعد نے محمد بن خزاعی کا ذکر کیا ہے، ابن اسحاق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ طمعاً فی النبوت اس کا یہ نام رکھا گیا، ان

میں ایک محمد بن عمرو بن مغفل ہیں جو شُبیب کے والد ہیں، شبیب صحابہ میں سے ہیں اور خود یہ جاہلیت میں انتقال کر گئے۔ ابو حاتم سجستانی نے کتاب المعمّرین میں محمد بن حارث بن حدیج کا تذکرہ کیا ہے حضرت عمر کے ساتھ ان کا ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے، ابن سعد نے محمد بن فقیمی اور محمد اسیدی کا بھی ذکر کیا ہے ابن حبیب نے ایک محمد بن براء بکری کا ذکر کیا ہے بلاذری نے براء کو برّ لکھا ہے، تو اس سے سہیلی کا ذکر کردہ حصر مردود ثابت ہوا، اسی طرح قاضی کا ذکرِ حصر بھی، انہوں نے ان محمدین میں محمد بن سلمہ کا ذکر کیا ہے مگر وہ صحابی ہیں اور آنجناب کی ولادت کے بعد پیدا ہوئے۔

(و أنا الماحی الخ) کہا گیا ہے کہ اس محوِ کفر سے مراد جزیرۂ عرب سے اس کا ازالہ واخراج ہے بقول ابن حجر یہ محلِ نظر ہے کیونکہ عقیل و معمر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: (یَمحُو بِی اللہُ الکَفَرَۃ) اس کا جواب یہ دیا گیا کہ کفر کا ازالہ، کفرۃ (یعنی کفار) کے ازالہ ومحو سے ہی ہوگا، جزیرۃ العرب کی قید اسلئے ذکر کیگئی کیونکہ باقی ممالک سے تو کفر محو نہیں ہوا، بعض کے مطابق یہ محمول علی الأغلب ہے یا یہ کہ اولین محوِ کفر آپ کے سبب (اور آپ کے ہاتھوں) ہوگا۔ (تا آنکہ آخر زمانہ میں حضرت عیسی کے ہاتھوں کلیۃً ختم کر دیا جائے گا کیونکہ وہ جزیہ قبول نہیں کرینگے لہذا یا جنگ ہوگی یا اسلام قبول کرنے کا مطالبہ)۔ رہا یہ ذکر کہ قیامت اَشرار الناس پر قائم ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسی کی وفات کے بعد بعض لوگ ممکن ہے، مرتد ہو جائیں (اسکی توجیہہ) یہ بھی ممکن ہے کہ لازم نہیں کہ وفاتِ سیدنا عیسی کے فورا بعد قیامِ قیامت ہو لہذا ممکن ہے کہ آنیوالی نسلیں راہِ ہدیت چھوڑ دیں دوسرا یہ بھی کہ (لاتقوم الساعة إلا علی شرار الناس) کا مطلب یہ نہیں کہ لازمی طور پر وہ کافر ہوں گے، یہ مراد ہونا بھی محتمل ہے کہ بدعمل ہوں، اور جس روایت میں یہ ذکر ہے کہ قیامت سے کچھ عرصہ قبل ایک ہوا چلے گی جس سے ہر مومن وفات پا جائے گا تو باقی صرف اشرار ہی رہ جائینگے تو اس سے بھی مراد مؤمنینِ عاملین محتمل ہیں۔

(و أنا الحاشر الخ) یعنی آنجناب باقی لوگوں سے قبل مُحشر ہوں گے دوسری روایت کے الفاظ اس معنی میں صریح ہیں: (یُحشَرُ النَّاسُ علیٰ عَقِبِی)۔ یہ بھی محتمل ہے کہ قدمی سے مراد (زمانی) ہو یعنی (وقت قیامی علی قدمی) یعنی میرے ظہور کے وقت کیونکہ آپ آخری نبی اور آپ کی امت آخر الأمم ہے اور آپکے ظہور کے بعد قیامت کی نشانیاں ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گی، یہ اس امر کا بھی اشارہ ہے کہ آپ کے بعد نہ کوئی اور نبی ہے اور نہ شریعت۔ ابن حجر لکھتے ہیں تفسیرِ مذکور اس لحاظ سے مستشکل ہے کہ اس سے تو آپ محشور ثابت ہوتے ہیں نہ کہ حاشر؟ جواب دیا گیا ہے کہ فعل کی فاعل کی طرف اسناد اضافت ہے اور اضافت کسی ادنی ملابست (یعنی تعلق) کے سبب بھی صحیح ثابت ہوتی ہے تو جب آپ آخری نبی اور آپ کی امت آخری امت ہے تو حشر آپ کی طرف مضاف کیا گیا کیونکہ آپ کے عقب میں واقع ہے، بعض نے قدم بمعنی سبب قرار دیا ہے، نافع بن جبیر کی روایت کے الفاظ (وأنا حاشر بعثت مع الساعة) سے اول معنی کی تائید ہوتی ہے، عقبی کی باء پر زیر بطور صیغۂ مفرد ہے بعض نے اسے مفتوح اور یائے مشدد کے ساتھ بطور صیغۂ تثنیہ پڑھا ہے۔

(و أنا العاقب) یونس کی زہری سے روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے: (الذی لیس بعدہ نبیٌّ وقد سمّاہُ اللہُ رؤوفاً رحیما)، بیہقی الدلائل میں لکھتے ہیں کہ (وقد سماہ الخ) زہری کا ادراج ہے ابن حجر اس کی تائید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ گویا اس سے سورۃ البراءۃ کی آخری آیت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں تو بظاہر یہ اِدراج ہی ہے لیکن ابن عیینہ کی ترمذی کے ہاں

روایت میں بجائے (بعده نبی) کے (بعدی نبی) ہے، نافع کی روایت میں ہے (إنه عقب الأنبياء) تو یہ رفع و وقف دونوں کو محتمل ہے، قرآن مجید میں آپ کے مذکور بالا تفاق اسماء مبارکہ میں سے الشاہد، المبشر، النذير، المبين، الداعی إلی الله اور السراج المنير ہیں، اس کے علاوہ المذكر، الرحمة، النعمة، الهادی، الشهيد، الأمين، المزمل اور المدثر مذکور ہیں، عبداللہ بن عمرو کی سابق الذکر حدیث میں (المتوكل) کا ذکر گزرا ہے، دیگر مشہور اسمائے نبوی میں المختار، المصطفیٰ، الشفيع، اور الصادق المصدوق وغیرہ ہیں، ابن دحیہ اسمائے نبوی کے موضوع پر اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں کہ بعض کا قول ہے آنجناب کے بھی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ کی طرح ننانوے نام ہیں، کہتے ہیں اگر کوئی باحث تلاش کرے تو تین سوتک پہنچ سکتے ہیں، اپنی تصنیفِ مذکور میں آنجناب کے اسمائے مبارکہ کا قرآن و احادیث میں اماکنِ ورود، ان کے معانی کی شرح اور ضبطِ الفاظ (یعنی اعراب) تفصیل سے تحریر کئے ہیں۔

ان کے ذکر کردہ اکثر اسماء وصفی ہیں ان میں سے کثیر علی سبیل التسمیہ وارد نہیں مثلا ان کے ذکر کردہ اسماء میں سے لبنہ بھی ہے جو آمدہ باب کی روایت میں محل کا ذکر کرتے ہوئے (إلا موضع لبنة) فرمایا تھا تو (تمثیلا) آپ نے فرمایا: (فكنت أنا اللبنة) (تو انہوں نے تکلف سے کام لیتے ہوئے اس لفظ کو بھی آپکے اسمائے مبارکہ میں شمار کیا)۔ ابن العربی شرحِ ترمذی میں لکھتے ہیں بعض صوفیہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھی ہزار نام ہیں اور آنجناب کے بھی، بعض نے لکھا کہ حدیث میں انہی پانچ اسماء پر اکتفاء کی وجہ وحکمت یہ ہے کہ یہ باقیوں سے اَشہر ہیں اور کتب قدیمہ اور امِم سالفہ میں یہی مذکور تھے۔ اسے مسلم نے بھی (الفضائل) میں تخریج کیا ہے۔

3533 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلَا تَعْجَبُونَ كَيْفَ يَصْرِفُ اللَّهُ عَنِّي شَتْمَ قُرَيْشٍ وَلَعْنَهُمْ يَشْتِمُونَ مُذَمَّمًا وَيَلْعَنُونَ مُذَمَّمًا وَأَنَا مُحَمَّدٌ

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں نبی پاک نے فرمایا کیا تم اس بات پہ تعجب نہیں کرتے کہ اللہ نے کیسے طریقے سے قریش کا سب وشتم دور کیا؟ وہ مذمم کو گالیاں دیتے اور اس کی ہجو کرتے ہیں جبکہ میں تو محمد ہوں۔

سفیان سے مراد ابن عیینہ ہیں۔ (ألا تعجبون) عبدالرحمٰن بن ابوالزناد کی عن ابیہ سے روایت میں جو بخاری کی التاریخ میں ہے، یہ الفاظ ہیں: (يا عباد الله انظروا) انہی کی محمد بن عجلان عن ابیہ عن ابی ھریرہ سے روایت میں ہے: (ألم تروا كيف) باقی سیاق ایک جیسا ہے۔ (يشتمون مذمما) کفارِ قریش بغض وکراہت کے مارے آپکا وہ نام نامی جو دال علی المدح ہے، سے آپکا تذکرہ نہ کرتے بلکہ اس کا متضاد استعمال کرتے، وہ چونکہ آپکا نام نہ تھا اور نہ آپ اس کے ساتھ معروف تھے تو ان کا استعمال کردہ لفظ مصروف اِلی غیرہٖ ہو جاتا (گویا یہ اللہ تعالیٰ کی تدبیرِ خاص تھی کہ ان کا وار نشانے پر نہ پڑتا، وہ مذمم کی بدخوئیوں میں مصروف رہتے اور اللہ نے محمدﷺ کا لفظ ان کی دست برد سے محفوظ کر ڈالا، اگر کوئی کسی کا اصل نام بول کر دشنام طرازی کا مظاہرہ کرے تو نفسیاتی لحاظ سے اسے اور اس کے متعلقین کو زیادہ دکھ ہوتا ہے لیکن اگر وہ اپنی جانب سے کوئی نام گھڑ کر گالیاں دیتا پھرے تو اس کا کوئی اثر نہیں لیتا، میرے خیال میں رسول اللہ نے اپنی اس بات سے صحابہ کرام کو غم وغصہ کی کیفیت سے نکالا جو اس امر سے دل برداشتہ تھے کہ کفار ان کے آقا ومولیٰ کی نسبت بدزبانی کا اظہار کرتے ہیں تو آپ نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ غصہ تو تب آتا اگر محمد کو بدزبانی کا نشانہ بناتے، وہ تو کسی مذمم کو کوس رہے

ہیں تو ہمیں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے)۔

ابن تین لکھتے ہیں اس حدیث سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جو تعریضاً اگر کسی نے تہمت دھری تو اس سے حدِ قذف ساقط کرتے ہیں، امام مالک اس میں ان سے مختلف ہیں، جواباً کہا گیا ہے کہ حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ اس وجہ سے ان کفار پر کوئی عقوبت لازم نہ تھی بلکہ امرِ واقعہ تو یہ ہے کہ اس پاداش میں اللہ تعالی کی ان پر پکڑ آئی اور وہ قتل وغیرہ ہوئے! بقول ابن حجر امرِ محقق یہ ہے کہ حدیث میں اس بارے کوئی حجت نہیں نہ اثباتا نہ نفیاً۔ نسائی نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ کسی نے اگر ایسے الفاظ استعمال کئے جو معنائے طلاق اور مطلق فرقت کے منافی ہیں اور ان کے ساتھ قصد طلاق کا کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی، مثلاً کسی نے اپنی بیوی سے کہا: (كُلِي) یعنی کھاؤ اور نیت طلاق کی کر لی تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ کسی طرح بھی اکل (یا اس قسم کے دیگر الفاظ) کو مفسّر بالطلاق نہیں کیا جا سکتا جیسے مذمم کے لفظ کو کسی بھی وجہ من الوجوہ سے محمد کا متبادِل نہیں قرار دیا جا سکتا۔

18 باب خَاتِمِ النَّبِيِّينَ (خاتم النبيين)

یعنی آنجناب کے اسمائے مبارکہ میں موجود لفظ خاتم سے مراد آپکا خاتم الأنبیاء ہونا ہے، قرآن میں مذکور کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، علاوہ ازیں التاریخ میں نقل کردہ حدیثِ عرباض بن ساریہ کی طرف، جس میں ہے: (إنى عبد الله وخاتم النبين وإنَّ آدم لَمُنجدِل فى طينتہ) اسے احمد نے بھی مخرج کیا اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

3534 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَان حَدَّثَنَا سَلِيمٌ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَثَلِي وَمَثَلُ الأَنْبِيَاءِ كَرَجُلٍ بَنَى دَارًا فَأَكْمَلَهَا وَأَحْسَنَهَا، إِلاَّ مَوْضِعَ لَبِنَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَدْخُلُونَهَا وَيَتَعَجَّبُونَ، وَيَقُولُونَ لَوْلاَ مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ

3535 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِى صَالِحٍ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَؓ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ، إِلاَّ مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ، وَيَقُولُونَ هَلاَّ وُضِعَتْ هَذِهِ اللَّبِنَةُ قَالَ فَأَنَا اللَّبِنَةُ، وَأَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّينَ

حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم نے فرمایا میری اور انبیاء کی مثال ایک آدمی کی سی ہے جس نے ایک گھر تعمیر کیا، اسے بہت خوبصورت اور مکمل بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی لوگ اس میں داخل ہوتے اور تعجب کرتے کہ بہت خوبصورت ہے اگر یہ خالی جگہ نہ ہوتی۔

اس کے تحت حضرات ابو ہریرہ و جابر کی روایت لائے ہیں دونوں ہم معنی ہیں مگر حدیثِ ابی ہریرہ سیاق کے لحاظ سے اتم ہے اسماعیلی کی عفان عن سلیم بن حیان کے طریق سے اسی روایتِ جابر کے آخر میں ہے: (فأنا موضع اللبنة جئت فختمت الأنبياء)۔ کہ میں ہوں وہ موضعِ لبنہ، خاتمِ انبیاء بن کر آیا ہوں۔

(مثلی و مثل الخ) (اجرائے تشبیہ کرتے ہوئے) کہا گیا ہے کہ مشبَّہ بہ ایک ہے جبکہ مشبہ جماعت (یعنی ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسل) تو تشبیہ کیسے صحیح (وتمام پذیر) ہو؟ جواب یہ ہے کہ آپ نے انبیاء کی ساری جماعت کو کرجلٍ واحد متصوَّر کیا کیونکہ مرادِ تشبیہ تبھی پوری ہو سکتی ہے اگر اعتبارِ کل کیا جائے اسی طرح گھر بھی تام نہیں ہو سکتا جب تک بنیان مجتمع نہ ہو، تشبیہِ تمثیلی ہونا بھی محتمل ہے جس میں مشبہ کے اوصاف میں سے کسی وصف کو مشبہ بہ کے احوال میں سے کسی مماثل حال کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے (یعنی مشبہ اور مشبہ بہ بجائے مفرد مذکور کرنے کے ایک حالت مرکّب مِن اشیاء کو دوسری حالت مرکّب مِن اشیاء سے تشبیہ دی جاتی ہے) تو یہاں گویا آپ نے انبیاء کی بعثت اور جن امور کے ساتھ مثلا لوگوں کا ارشاد، وہ مبعوث کئے گئے، کو ایک محل کے ساتھ تشبیہ دی جس کے قواعد (یعنی بنیادیں) مؤسَّس اور بنیان مرفوع ہے، صرف ایک موضع باقی ہے جس کی تعمیر سے یہ محل مکمل و متکامِل ہو جائے گا۔ ابن عربی لکھتے ہیں ایک اینٹ رکھنے کی جس جگہ کا ذکر آیا ہے وہ اس مذکورہ محل کی بنیاد میں ہے اگر اس ایک اینٹ کا وضع نہ ہو تو پورا محل ہی منقض ہو جاتا ہے، کہتے ہیں اسی سے تشبیہِ مذکور کی مراد پوری ہوتی ہے۔ ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں یہ اگر منقول ہے تو حسن ہے وگرنہ لازم نہیں، ہاں البتہ سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اینٹ کسی ایسی (اہم ونمایاں) جگہ کی ہے کہ اسے نہ رکھنے سے اس محل کا عدم کمال ظاہر ہوتا ہے (کیونکہ اس محل کو دیکھنے کیلئے آنے والے لوگ استفسار کرتے ہیں کہ یہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی؟ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ کسی نمایاں جگہ کی ہے)۔ مسلم کی ہمام سے روایت میں ہے: (إلا موضع لبنة من زاوية من زواياها)، تو اس سے ظاہر ہوا کہ یہ اینٹ مکمِّلہ ومحسِّنہ ہے اگر اس کا وضع نہ ہو تو نقص باقی رہیگا، حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ ہر نبی کی شریعت اس نبی اور ان کی امت کی نسبت سے کامل ہی ہے۔ تو مرادِ امت محمدیہ کو عطا کیگئی شریعت کی سابقہ امم کی شرائع کی نسبت اکملیت سے ہے۔

(موضع لبنة) بقول ابن حجر پکنے تک اینٹ لبنة کہلاتی ہے پھر اسے آجرہ کہا جاتا ہے، یہ مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے، أی (لولا موضع اللبنة يُوهِمُ النقص لكان البناءُ كاملا)، یہ محتمل ہے کہ لولا تحضیضیۃ ہو اور اس کا فعل محذوف ہو جس کی تقدیر یہ ہو سکتی ہے: (لولا أكمِلَ موضعُ اللبنة)۔ احمد کی ہمام سے روایت میں ہے: (ألا وضعت ههنا لبنةٌ فَيَتِمَّ بنيانك)۔ حدیث سے تقریبِ افہام کیلئے ضرب الامثال کا استعمال ثابت ہوا، نیز آنجناب کی افضلیت، ختم نبوت اور آپکی شریعت کی اکملیت بھی ثابت ہوئی۔

علامہ انور (إلا موضع لبنة) کے تحت لکھتے ہیں کہ حافظ اس اینٹ کو محلِ مذکور کی ایک ایسی جگہ گردانتے ہیں کہ اگر یہ نہ ہو تو پورا محل زمین بوس ہو جائے، میں کہتا ہوں اس کی اَلطف تقریر وہ جو انجیل میں ذکر ہوئی کہ معمار نے جب تعمیر شروع کی تو نرم پتھروں کو لگاتا جاتا اور ٹھوس (صلبہ) کو پھینک دیا آخر میں اس ٹھوس پتھر کو جسے پہلے تعمیر میں استعمال نہیں کیا، اٹھا کر ایک ناحیہِ بیت میں لگا دیا تو وہ پتھر جسے اولاً پھینک دیا تھا، آخراً وہی صدرِ بیت بنا، یہ تمثیل اشارہ کرتی ہے کہ اسماعیلؑ پہلے ایک طرف ڈال دئے گئے پھر وہی صدر بنے (صارَ هُوَ صدراً) یعنی مرکزی حیثیت پائی (مراد یہ کہ حضرت ابراہیم کے بعد تمام انبیاء حضرت اسحاق کی اولاد میں سے ہیں اور ان کے دوسرے بھائی حضرت اسماعیل جو خود تو نبی بنائے گئے مگر کوئی اور ان کی اولاد میں سے نہ بنا گویا وہ ایک طرف ڈال دئے گئے لیکن آخری افضل وخاتمِ انبیاء نبی یعنی آنجناب، حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے چنے گئے (تو اس لحاظ سے درمیان کا سارا خلا گویا آنجناب کی بعثت سے پر کر دیا گیا)۔ اسے نسائی نے بھی (التفسیر) میں ذکر کیا ہے۔

19باب وَفَاةِ النَّبِيِّ ﷺ (وفاتِ نبوی)

یہ ترجمہ نسخہِ ابی ذر میں اسی طرح واقع ہے جبکہ نسفی کی روایتِ صحیح بخاری سے ساقط ہے، اسماعیلی نے بھی ذکر نہیں کیا، اس کا یہاں ہونا محلِ نظر ہے کیونکہ اس کا محل اواخر کتاب المغازی ہے۔ جیسا کہ آئیگا۔ بظاہر امام بخاری کی حضرت عائشہ کی روایتِ باب کے نقل سے مراد فقط آنجناب کی عمر مبارک بتلانا ہے، آپ کے اسماء کے ضمن میں اسے وارد کرنا اس امر کا اشعار ہے کہ اھل کتاب کے ہاں منجملہ صفاتِ نبوی میں یہ بھی تھا کہ آپکی عمر تریسٹھ برس ہوگی، اس بارے اختلاف کا حال کتاب المغازی میں بیان ہوگا۔

3536حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تُوُفِّيَ وَهُوَ ابْنُ ثَلاَثٍ وَسِتِّينَ .وَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَأَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ مِثْلَهُ .طرفه 4466

حضرت عائشہ کہتی ہیں نبی پاک بعمر تریسٹھ سال، فوت ہوئے۔

(قال ابن شهاب الخ) یعنی جس طرح عروہ نے حضرت عائشہ سے روایت کیا، یہ قولِ ابن شہاب اسی سند کے ساتھ موصول ہے، اسماعیلی نے اسے موسی بن عقبہ عن ابن شہاب کے طریق سے دونوں اسناد کے ساتھ مفرقاً تخریج کیا ہے اور یہ مرسلِ سعید بن میسب سے ہے، یہ احتمال ہے کہ سعید نے بھی حضرت عائشہ سے اس کا سماع کیا ہو۔

20 باب كُنْيَةِ النَّبِيِّ ﷺ (آنجناب کی کنیت)

کنیت کنایہ سے ماخوذ ہے: (كنيت عن الأمر) کہا جاتا ہے جب کسی معاملہ کے متعلق صراحت سے ذکر نہ کیا جائے، عربوں کے ہاں کنیت رکھنے کا بہت رواج تھا حتی کہ بسا اوقات حقیقی نام مخفی اور غیر معروف ہو جاتے جیسے ابو طالب اور ابولہب وغیرہ (یہاں تک کہ عربی زبان میں حیوانات اور کئی جمادات کی بھی کنیتیں موجود ہیں)، بعض دفعہ ایک سے زائد کنیٰ رکھی جاتی تھیں، لفظِ علم کا اسم، کنیت اور لقب تینوں پر اطلاق ہوتا تھا، باہمی تغایر یہ ہے کہ لقب وہ جو مدح یا ذم کا مُشعِر ہو، کنیت وہ جو ابو یا امّ سے صادر ہو، باقی اسم ہے۔ آنجناب کی کنیت ابو القاسم تھی جو آپ کے بڑے بیٹے قاسم کے حوالے سے تھی، اس امر میں اختلاف ہے کہ قاسم ہجرت سے قبل فوت ہوئے یا بعد؟ مدینہ میں ام المومنین ماریہ سے ابراہیم متولِّد ہوئے ان کا کچھ تذکرہ الجنائز میں گزر چکا ہے، ایک حدیثِ انس میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل نے آپ کو یا ابا ابراہیم پکار کر سلام کہا تھا۔

3537حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ ؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِي السُّوقِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا أَبَا الْقَاسِمِ .فَالْتَفَتَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ سَمُّوا بِاسْمِي، وَلاَ تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي .أطرافه 2120، 2121

حضرت انس کی روایت ہے کہ نبی اکرم بازار میں تھے کہ ایک شخص نے یا ابا القاسم کہہ کر کسی کو پکارا، آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے

اور فرمایا میرا نام تو رکھ لیا کرو مگر کنیت (یعنی ابو القاسم) نہ رکھو۔

یہاں مختصراً ہے کتاب البیوع میں اتم سیاق کے ساتھ گزر چکی ہے۔

3538حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ جَابِرٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ تَسَمَّوْا بِاسْمِي، وَلاَ تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي .أطرافه 3114، 3115، 6186، 6187، 6189، 6196

حضرت جابر سے راوی سالم، ابن الجعد ہیں، کتاب الخمس میں اتم سیاق کے ساتھ گزر چکی ہے، ابن سکن کے نسخہ میں شعبہ کی بجائے سفیان مذکور ہے، جیانی کا میلان اکثر کی روایت کی طرف ہے کیونکہ مسلم نے اسے شعبۃ عن منصور کے طریق سے تخریج کیا ہے۔

3539حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ سَمُّوا بِاسْمِي، وَلاَ تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي .أطرافه 110، 6188، 6197، 6993

حضرت ابو ہریرہ نے (قال أبو القاسم) کے الفاظ سے حدیث بیان کی جو اس لحاظ سے طریف ہے کہ موضعِ حدیث بھی آنجناب کی کنیت کا بیان ہے، کتاب العلم میں یہی روایت (قال رسول الله) کے الفاظ سے گزری ہے۔ آنجناب کی کنیت اختیار کرنے میں اختلافِ آراء ہے، امام شافعی نے ظاہرِ حدیث سے استدلال کرتے ہوئے منع کیا ہے، ایک رائے ہے کہ یہ نہی عہدِ نبوی کے ساتھ مخص تھی، ایک قول ہے کہ اس شخص کی نسبت منع ہے جو محمد نام کا بھی حامل ہو، اس بارے مبسوط بحث کتاب الأدب میں آئیگی۔

21 باب (بلا عنوان)

اکثر کے ہاں یہ بلا ترجمہ ہے بعض کے ہاں سابقہ باب کے ساتھ منضم ہے مگر حدیثِ ھذا کی اس سے کوئی مناسبت ظاہر نہیں، ماقبل سے بمنزلہِ فصل ہونا بھی صالح نہیں بلکہ یہ اگلے باب کی حدیث کا حصہ ہے اور شائد بعض ناقلینِ صحیح بخاری کے تصرف کیوجہ سے اسطرح مذکور کر دیا گیا، ابن حجر کہتے ہیں ہمارے بعض مشائخ نے (ماقبل کے ساتھ مطابقت کے حوالے سے) یہ توجیہہ کی ہے کہ اگرچہ آنجناب نام و کنیت کے حامل تھے مگر (پاسِ حدِ ادب کے طور سے) آپ کو یا رسول اللہ کے الفاظ سے مخاطب کرنا چاہئے جیسے سائب کی خالہ نے کیا، مگر یہ توجیہہ پر از تکلف ہے۔

3540حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى عَنِ الْجُعَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ رَأَيْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ ابْنَ أَرْبَعٍ وَتِسْعِينَ جَلْدًا مُعْتَدِلاً فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ مَا مُتِّعْتُ بِهِ سَمْعِي وَبَصَرِي إِلاَّ بِدُعَاءِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، إِنَّ خَالَتِي ذَهَبَتْ بِي إِلَيْهِ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ ابْنَ أُخْتِي شَاكٍ فَادْعُ اللَّهَ .قَالَ فَدَعَا لِي .أطرافه 190، 3541، 5670، 6352

باب: راوی کہتے ہیں میں نے حضرت سائب بن یزید کو چورانوے سال کی عمر میں دیکھا کہ خاصے توانا اور معتدل ہیں، انہوں نے کہا مجھے یقین ہے کہ اپنے کانوں اور آنکھوں سے جو متمتع ہو رہا ہوں یہ رسولِ اکرم کی میرے حق میں کیگئی دعا کا نتیجہ ہے، میری

خالہ مجھے آپکی خدمت میں لائیں اور عرض کی کہ میرا یہ بھانجا بیمار ہے اس کے حق میں دعا کیجئے، تو میرے لئے نبی پاک نے دعا فرمائی۔

(ابن أربع و تسعین) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے سن ۹۲ ہجری کو پایا ہے کیونکہ آنجناب کی وفات کے وقت ان کی عمر آٹھ برس تھی تو اس سے واقدی کا قول کہ وہ سن ۹۱ میں فوت ہوئے، غلط ثابت ہوتا ہے، علاوہ ازیں ان کے اس قول کی توجیہہ ممکن ہے بعض نے ان کا سالِ وفات سن ۹۶ ہجری قرار دیا، یہی اشبہ ہے بقول ابن ابی داؤد یہ مدینہ میں ساکن آخری صحابی ہیں جو فوت ہوئے بعض نے محمود بن ربیع اور بعض نے محمود بن لبید کو قرار دیا کیونکہ ان کا سال وفات ۹۹ھ ہے۔

22 باب خَاتِمِ النُّبُوَّةِ (مہرِ نبوت)

یعنی جو آنجناب کی پشت پر کندھوں کے درمیان تھی، کی صفت و ہیئت کے بارہ میں، یہ آپ کی علاماتِ نبوت میں سے تھی جس سے اہل کتاب بھی واقف تھے، عیاض کا دعوی ہے کہ خاتمِ نبوت کا یہ نقش دو فرشتوں کے آپ کو شق کرنے کی وجہ سے تھا مگر نووی ان کی اس بات کا رد کرتے ہیں کیونکہ وہ شق تو آپکے سینہ مبارک اور پیٹ کا تھا۔ قرطبی بھی اس کی تائید کرتے ہیں، اس شق کا اثر ایک واضح خط کی شکل میں تھا جو سینہ مبارک سے مراقِ بطن تک تھا جیسا کہ صحیحین میں مذکور ہے، ایسا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ شق کمر کی جانب بھی ظاہر ہوا تھا اگر ایسا ہوا ہوتا تو وہ سینہ مبارک جیسا ہی نشان ہوتا۔ کہتے ہیں یہ عیاض جیسے امام کی غفلت ہے (جو مہر نبوت کو اس شق کا نتیجہ قرار دے بیٹھے) اور شائد یہ بات ان کی کتاب کے کسی کاتب نے (سہواً) ان کی طرف سے لکھ دی ہے۔ ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کہ عیاض کے مذکورہ قول کا مستند احمد و طبرانی وغیرہما کی حضرت عتبہ بن عبدالسلمی کی روایت ہے جس میں کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم سے پوچھا: (کیف کان بدء أمرك ؟) یعنی آپ کے اس معاملہ (نبوت) کی ابتداء کیسے ہوئی؟ فرمایا میں بنی سعد میں مدتِ رضاعت گزار رہا تھا کہ ایک مرتبہ دو فرشتوں نے میرا سینہ چاک کیا پھر (آخر میں) ایک نے دوسرے سے کہا اب سی دو، تو اس نے سیا اور مہرِ نبوت ثبت کر دی، تو چونکہ ثابت ہے کہ مہرِ نبوت آنجناب کے شانوں کے مابین تھی تو عیاض نے اس امر پر محمول کیا کہ شق جو کہ سینہ مبارک پر واقع ہوا تھا، جب سی دیا گیا حتی کہ التیام حاصل ہوا اور کندھوں کے مابین مہرِ نبوت ثبت ہوئی تو یہ اس شق کا اثر تھا جب کہ نووی ان کی اس بات سے یہ سمجھے کہ ان کا قول (بین کتفیه) شق سے متعلق ہے، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ وہ تو (بأثر الختم) سے متعلق ہے، اس کی تائید ابویعلی اور الدلائل میں ابونعیم کی نقل کردہ حدیثِ شداد بن اوس سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ جب فرشتہ نے آپکا دل باہر نکالا اور اسے دھویا تو اپنے ہاتھ میں پکڑی نور کی ایک مہر سے اس پر مہر ثبت کی جس سے وہ نور و حکمت سے ممتلئ ہو گیا تو محتمل ہے یہی نقش آپ کی کمر پر ظاہر ہوا ہو، پھر وہ بائیں شانہ کے پاس تھا اور اسی جانب دل ہوتا ہے۔

ابوِ داؤد طیالسی، حارث بن ابو اسامہ اور ابونعیم نے الدلائل میں حضرت عائشہ سے روایت نقل کی ہے کہ بعثت کے وقت حضرت جبریل اور حضرت میکائیل ظاہر ہوئے، آپ فرماتے ہیں مجھے گدی کے بل لٹا دیا پھر سینہ چاک کر کے دل باہر نکالا سونے کے ایک طست میں رکھ کر آبِ زمزم سے دھویا پھر اس کی جگہ میں رکھ کر چاک سی دیا پھر میری کمر پر مہر ثبت کی حتی کہ اس کا اثر میں نے اپنے دل میں محسوس کیا، پھر کہا (اقرأ) پڑھیئے، تو یہ قاضی عیاض کا مستند ہے لہٰذا ان کی بات غلط نہیں، ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقتِ

ولادت مہرِ نبوت منقوش نہ تھی، ابوفتح یعمری نے قیل کا لفظ استعمال کر کے ذکر کیا ہے کہ مہر نبوت پیدائش سے تھی تو اس سے اس کا رد ہوتا ہے، مغلطائی نے اسے یحیی بن عائذ سے نقل کیا ہے، احمد اور بیہقی کی الدلائل میں حضرت ابوذر سے بھی منقول ہے کہ (وجعَلَ خاتمَ النبوۃ بین کتفَیَّ کما ہوالآن) کہ پھر (فرشتہ نے) میرے کندھوں کے مابین مہر نبوت ثبت کردی جیسا کہ اب ہے۔ المغازی میں شداد بن اوس کے حوالے سے بھی یہی مذکور ہوگا، وہاں یہ الفاظ ہیں: (بین کتفیه و ثدیَیْهِ) یعنی شانوں اور پستانوں کے درمیان، اس سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ کے جسدِ اطہر کی دو حصوں میں مہر ثبت تھی (میرے خیال میں جسم کے دونوں جانب کا حوالہ دیکر مہر کے نشان کی جگہ کی صرف نشاندہی مقصود تھی اس کے ظہور کی اصل جگہ آپ کی پشت مبارک میں دونوں کندھوں کے درمیان کا حصہ ہے جیسا کہ متعدد روایات میں مذکور ہوا)۔

3541حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنِ الْجُعَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ قَالَ ذَهَبَتْ بِى خَالَتِى إِلَى رَسُولِ اللَّهِﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ ابْنَ أُخْتِى .وَقِعَ فَمَسَحَ رَأْسِى وَدَعَا لِى بِالْبَرَكَةِ، وَتَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوئِهِ، ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَنَظَرْتُ إِلَى خَاتَمٍ بَيْنَ كَتِفَيْهِ .قَالَ ابْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ الْحُجْلَةُ مِنْ حُجَلِ الْفَرَسِ الَّذِى بَيْنَ عَيْنَيْهِ .قَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ۔أطرافه 190، 3540، 5670، 6352

سائب کی سابقہ حدیث ہے، مزید یہ کہ نبی پاک نے میرے سر پہ ہاتھ پھیرا اور دعائے برکت فرمائی اس کے بعد آپ نے وضوء کیا تو میں نے آپکے وضوء کے بچے ہوئے پانی میں سے پیا پھر آپکے پیچھے جا کھڑا ہوا اور مہرِ نبوت کو آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان میں حجلہ کی مانند دیکھا۔ ابن عبیداللہ کہتے ہیں حجلہ گھوڑے کی اس سفیدی کو کہتے ہیں جو اس کی دونوں آنکھوں کے مابین ہوتی ہے۔ ابراہیم نے (مثل رز الحجلة) نقل کیا ہے۔

شیخ بخاری اپنی کنیت ابوثابت مدنی سے مشہور تھے، تمام رواۃ مدنی ہیں، حاتم کوفی الأصل تھے۔ (خالتی) بقول ابن حجر ان کے نام سے واقف نہ ہو سکا، ان کی والدہ کا نام عُلبہ بنت شریح تھا جو مخرمہ بن شریح کی بہن تھیں۔ (وقع) بمعنی وجع (یعنی تکلیف میں ہے) کتاب الطھارۃ کی روایت میں یہی لفظ تھا، ایک اور طریق سے اس روایت میں ہے کہ پاؤں میں تکلیف تھی۔ (ودعا لی بالبرکة) کتاب الأدب میں اس کی شرح بیان کی جائیگی۔ (بین کتفیه) مسلم کی عبداللہ بن سرجس سے روایت میں ہے کہ بائیں شانہ کی جہت میں تھی۔

(قال ابن عبید اللہ الحجلة الخ) ابن حجر لکھتے ہیں یہاں کچھ الفاظ ساقط ہوئے ہیں وگرنہ ان سے بعید ہے کہ حجلہ کی تشریح کریں جبکہ وہ سیاقِ حدیث میں مذکور ہی نہیں، ممکن ہے یہ ہو کہ مہرِ نبوت چونکہ زرِ حجلة کی مانند تھی تو اس مناسبت سے جملہ کی تفسیر بیان کی۔

جہاں تک ابراہیم بن حمزہ کی تعلیق کا تعلق ہے تو مراد یہ ہے کہ انہوں نے بھی اس حدیث کو اسی طرح نقل کیا ہے جیسے محمد بن عبیداللہ نے مگر اس لفظ میں مخالفت کی ہے، ان کی یہ روایت بتمامہ کتاب الطب میں آئے گی۔ ابن تین نے یہ دعوی کیا ہے کہ ابن عبیداللہ

کی روایت میں حجلہ حاء کی پیش اور جیمِ ساکن کے ساتھ جبکہ ابن حمزہ کی روایت میں ان دونوں حروف پر زبر ہے، ابن دحیہ نے بھی یہی ذکر کیا اس اضافہ کے ساتھ کہ ابن عبید اللہ کی روایت میں حاء پر پیش کے ساتھ ساتھ زیر بھی پڑھی گئی ہے، بعض نے دونوں کی روایتوں کا یہ باہمی فرق بیان کیا ہے کہ ابن عبید اللہ کے ہاں زاء، راء پر مقدَّم ہے جیسا کہ مشہور روایت بھی یہی ہے۔ جبکہ ابن حمزہ کے ہاں پہلے راء پھر زاء ہے یعنی (رزِ الحجلة) یہ: (ارتز الشیء) سے ماخوذ ہے جب وہ زمین میں داخل ہو، اسی سے (رزة) ہے، یہاں اس سے مراد بیضۃ ہے، کہا جاتا ہے: (ارتزت الجرادة) جب وہ انڈے دینے کے وقت اپنی دم زمین میں داخل کرتی ہے، تو اس طرح حجلہ سے مراد معروف پرندہ ہے، (یعنی چکور) سہیلی نے جزم کے ساتھ حجلہ سے مراد اس کلہ کو لیا ہے جو چارپائی پر معلق کیا جاتا ہے اور دلہن کیلئے اس کے ساتھ اسے مزین کیا جاتا ہے، اس پر زر محمول علی حقیقت ہے کیونکہ یہ ذاتِ ازرار وعریٰ (عروۃ کی جمع) ہوتا ہے، ابن عبید اللہ کا قول کہ یہ حجلِ فرس (یعنی سفیدی) سے ہے جو اس کے ماتھے پر ہوتی ہے، اس وجہ سے مستبعد سمجھا گیا ہے کہ تحجیل وہ سفیدی جو گھوڑے کی قوائم (یعنی پنڈلیوں) میں ہوتی ہے، چہرہ میں موجود سفیدی غُرَّۃ کہلاتی ہے، ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کہ بعض لوگ مجازاً چہرہ کی سفیدی پر بھی تحجیل کا اطلاق کر لیتے ہیں، گویا مراد یہ کہ زر کی مقدار میں ہوتی ہے وگرنہ غرہ کا تو زر نہیں ہوتا۔ ترمذی نے جزم کے ساتھ حجلہ سے مراد پرندہ قرار دیا ہے اور زر سے مراد اس کا انڈہ ہے، اس کی تقویت آمدہ ایک روایت کے الفاظ کہ وہ کبوتری کے انڈے کی مثل تھی، سے بھی ہوتی ہے۔

مہرِ نبوت کی صفت میں یہاں مذکور حدیث کے متقارب متعدد روایات ہیں، مثلاً مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ سے منقول ہے کہ (كأنه بيضةُ حَمامةٍ) یعنی کبوتری کے انڈے کی مانند، ابن حبان کے ہاں سماک بن حرب سے (كَبيضةِ نعامة) (شتر مرغ کا انڈہ) مروی ہے، عبد اللہ بن سرجس سے منقول ہے کہ میں نے مہر نبوت کو دیکھا (جمعاً عليه خِيلان) یعنی جمع ہوا گوشت جس میں تل تھے، ابن حبان کی ابن عمر سے روایت میں: (مثل البذقة من اللحم) منقول ہے (یعنی پکے ہوئے گوشت کی طرح)، ترمذی کی انہی سے روایت میں: (كبَضعةٍ ناشرةٍ مِن اللحم) ہے (یعنی تھوڑے سے ابھرے لوتھڑے کی مانند) یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ وہ محجم (یعنی جہاں سنگی لگائی گئی ہو) کے نشان کی طرح تھی یا سیاہ یا سبز شامۃ (شامہ کا ایک معنی تل بھی ہے، مراد سبز حصہ) کی طرح تھی یا یہ کہ اس پر محمد ﷺ لکھا ہوا تھا، یا یہ کہ اس میں یہ عبارت مکتوب تھی: (سِرْ فأنتَ المَنصُور) کہ چلیں کہ آپ مدد یافتہ ہیں، تو ان میں سے کچھ ثابت نہیں۔ حافظ قطب الدین نے شرح السیرۃ میں اس بارے مکمل تفصیل بیان کی ہے، مغلطائی نے بھی الزہر الباسم میں بغیر تبیین حال ان کی پیروی میں یہ روایات ذکر کر دیں۔ ابن حبان نے غفلت کا مظاہرہ کیا جب انہیں صحیح قرار دے ڈالا، حق وہی ہے جسکا میں نے بیان کیا۔

قرطبی رقمطراز ہیں کہ روایاتِ ثابتہ اس امر پر متفق ہیں کہ مہرِ نبوت سرخ ابھری ہوئی جگہ کی صورت میں بائیں شانہ مبارک کے پاس تھی، یہ جگہ کم از کم بیضہ حمامہ کے بقدر بیان کی گئی اور جس نے ذرا بڑا کر کے ذکر کیا اس نے ہتھیلی کے بقدر بیان کیا، علماء نے اس کا راز یہ ذکر کیا ہے کہ دل (دوسری جانب) اسی جہت ہوتا ہے، ایک خبرِ مقطوع میں وارد ہے کہ ایک شخص نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اس کے اندر کا شیطان اسے دکھلائے تو اس نے اپنے شیطان کو بائیں کندھے کے ابھار کے پاس دل کی سیدھ میں ایک مینڈک کی شکل میں دیکھا، مچھر کی طرح اس کی خرطوم (یعنی سونڈ) بھی تھی، اسے ابن عبد البر نے میمون عن عمر بن عبد العزیز سے ایک قوی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ صاحب الفائق نے بھی اپنی مصنف میں م ص ر کے تحت نقل کیا۔ ابو یعلی اور ابن عدی کے ہاں حضرت انس کے حوالے سے اس کا شاہدِ مرفوع بھی ہے اس کے الفاظ ہیں: (إن الشيطان واضعٌ خطمه علىٰ قلبِ ابن آدم) کہ شیطان نے ہر ابن

آدم کے دل پر اپنی سونڈ رکھی ہوئی ہے۔ ابن ابو داؤد نے کتاب الشریعۃ میں عروہ بن عویم کے طریق سے نقل کیا کہ حضرت عیسی بارگاہِ ایزدی میں عرضگزار ہوئے کہ ابن آدم کے جسم میں شیطان کی جگہ انہیں دکھلائی جائے تو کیا دکھلائے گئے کہ سانپ کی طرح تمرۂ قلب پر کنڈلی جمائے ایستادہ ہے، بندہ جب ذکر الٰہی کرتا ہے تو خنس (سکڑ) جاتا ہے اور جب غافل ہوتا ہے تو وَسواس پیدا کرتا ہے، آخرِ کتاب التفسیر میں اس کی تفصیلِ مزید آئیگی۔ سہیلی لکھتے ہیں مہر نبوت کا بائیں کندھے کے پاس منقوش ہونا اس امر کا غماز ہے کہ آنجناب وسوسہِ شیطانی سے محفوظ ومصون ہیں کیونکہ وہی شیطان کا مَدخل ہے۔

علامہ انور (قال ابن عبيد الله الحجلة الخ) کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ تفسیر وہم ہے کیونکہ حجلِ فرس اس کی آنکھوں کے مابین نہیں ہوتا، اسی طرح ان کا یہ قول بھی کہ صحیح یہ ہے کہ راء قبل از زاء ہے بلکہ اس کا عکس ہی صحیح ہے، یعنی (زر الحجلة)، مسند ابی داؤد طیالسی میں ہے کہ مہرِ نبوت ختمِ نبوت کی علامت تھی، مزید تفصیل کیلئے عقیدۃ الاسلام کی مراجعت کر لی جائے۔

23 باب صِفَةِ النَّبِيِّ ﷺ (نبی پاک کی صفات وعادات)

یعنی آنجناب کے خَلق وخُلق کے بارہ میں، اس کے تحت چوبیس احادیث لائے ہیں۔

3542 حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّى أَبُو بَكْرٍ ؓ الْعَصْرَ، ثُمَّ خَرَجَ يَمْشِي فَرَأَى الْحَسَنَ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ، فَحَمَلَهُ عَلَى عَاتِقِهِ وَقَالَ بِأَبِي شَبِيهٌ بِالنَّبِيِّ لاَ شَبِيهٌ بِعَلِيٍّ .وَعَلِيٌّ يَضْحَكُ .طرفه 3750

عقبہ بن حارث کہتے ہیں حضرت ابو بکر نے نمازِ عصر پڑھائی پھر باہر نکلے تو حسن کو بچوں کے ساتھ کھیلتا ہوا پایا انہیں اپنے کندھے پر اٹھالیا اور کہا میرا باپ تجھ پہ قربان! نبی پاک سے مشابہ ہو نہ کہ علی سے اور علی ہنس رہے تھے۔

(صلى أبو بكر الخ) اسماعیلی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ وفاتِ نبوی کے چند روز بعد کا ذکر ہے، حضرت علی بھی آپکے ہمراہ تھے۔ (بأبِي) یعنی (أفديه بأبي) اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ (وارتجز فقال وا بأبي شبيه بالنبی) یعنی رجز یہ مصرعہ نظم کیا اور یہ کہا۔ ابن حجر کہتے ہیں اسے رجز کہنا محلِ نظر ہے کیونکہ وزن پر پورا نہیں اترتا اصل میں یہ سجع ہے اس پر رجز کا اطلاق کیا، ممکن ہے بعض رواۃ کی طرف سے کوئی تغییر وتصحیف واقع ہوئی ہو، اصل میں یہ ہو: (وا بأبي وا بِأبي) اس پر مجزوء الرجز ہے لیکن دوسرے جملہ (شبيه بالنبی) کے شروع میں کوئی لفظ ہونا چاہئے (تب مجزوء الرجز کا وزن مُستقیم ہوگا، ایک مصرعہ میں دو مرتبہ مستفعلن مستفعلن کے وزن پر الفاظ ہونے چاہئیں) مثلاً (أنت شبيه الخ) تیسرا جملہ (وعلي يضحك) وزن کے مطابق ہے، اسماعیلی کی روایت میں (يبتسم) ہے، ان کی مسکراہٹ اس امر کی غماز تھی کہ وہ حضرت ابو بکر کی اس بات سے اظہارِ موافقت کرتے ہیں، اگلی روایت کے مطابق ابو جحیفہ بھی یہی رائے رکھتے ہیں، المناقب کی حدیثِ انس میں مذکور ہوگا کہ حضرت حسین آنجناب سے زیادہ مشابہ تھے، وہیں ان دونوں اقوال کی باہمی تطبیق ذکر کی جائیگی، حضرت حسن کی عمر اس وقت سات برس تھی، آنجناب سے سماع وروایت ثابت ہے۔

3543 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ ؓ قَالَ رَأَيْتُ

النَّبِيَّ ﷺ وَكَانَ الْحَسَنُ يُشْبِهُهُ .طرفه 3544

ترجمہ: ابو جحیفہ کہتے ہیں میں نے نبی پاک کو دیکھا ہے حضرت حسن آپ سے مشابہت رکھتے ہیں۔

اسے مسلم نے (صفة النبی) اور (الفضائل) ، ترمذی نے (الاستئذان) اور نسائی نے (المناقب) میں نقل کیا۔

3544 حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ ؓ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَكَانَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ يُشْبِهُهُ قُلْتُ لأَبِي جُحَيْفَةَ صِفْهُ لِي .قَالَ كَانَ أَبْيَضَ قَدْ شَمِطَ .وَأَمَرَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ بِثَلاَثَ عَشْرَةَ قَلُوصًا قَالَ فَقُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ قَبْلَ أَنْ نَقْبِضَهَا .طرفه 3543

راوی کہتے ہیں میں نے ابو جحیفہ سے کہا کہ نبی پاک کی شکل وصورت کا وصف بیان کریں، وہ بولے آپ سفید رو تھے، کچھ بال بھی سفید ہو گئے تھے اور آپ نے ہمیں تیرہ اونٹنیاں دینے کا حکم دیا مگر دئے جانے سے قبل ہی آپکا انتقال ہو گیا۔

حدیثِ ابی جحیفہ دو طریق سے نقل کی ہے، دونوں اسناد میں اسماعیل سے ابن ابی خالد جبکہ ابن فضیل سے مراد محمد بن فضیل ہیں۔ (قد شمط) یعنی آپکے بالوں کی سیاہی ان کے بیاض کی مخالط تھی (یعنی بال سیاہ وسفید تھے) ، اگلی روایت میں ذکر ہو گا کہ بالوں کی یہ سفیدی عنفقہ میں تھی اس سے اگلی روایتِ ابن بسر سے بھی تائید ملتی ہے، عنفقہ نچلے ہونٹ اور تھوڑی کے درمیانی حصہ کو کہتے ہیں خواہ یہاں بال ہوں یا نہ ہوں (اردو میں اسے بچہ داڑھی کہا جاتا ہے) اس حصہ کے بالوں پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے، مسلم کی روایتِ زہیر میں ابو اسحاق عن ابی جحیفہ کے حوالے سے ہے کہ انہوں نے اشارہ سے بتلایا کہ آنجناب کے اس حصہ کے بال سفید ہوئے تھے۔ (و أمر لنا) یعنی وہ اور ان کی قوم بنی سواءۃ بن عامر بن صعصعۃ کیلئے، چونکہ آپ آنے والے وفود کو انعام واکرام دیتے تھے اسی طریقہ پر ان کیلئے بھی عطاء کا حکم دیا۔

(قلوصاً) اونٹنی کو کہتے ہیں، بعض نے جوان اونٹنی کہا ہے۔ (فقبض النبی الخ) اس سے ظاہر ہوا کہ یہ وفاتِ نبوی کے قرب کا واقعہ ہے، ابو جحیفہ اور ان کی قوم کے کچھ افراد حجۃ الوداع میں بھی حاضر تھے جیسا کہ آمدہ ایک روایت سے مترشح ہے تو اس وع نبوی کا ایفاء حضرت ابو بکر کے ہاتھوں ہوا جیسا کہ ذکر گزرا کہ انہوں نے منادی کروائی تھی کہ آنجناب نے جن حضرات کو کچھ دینے کا وع فرمایا تھا وہ مجھ سے رابطہ کریں، اس کی صراحت اسماعیلی کی محمد بن فضیل کے حوالے سے اسی روایت میں موجود ہے، الھبۃ میں اس بارے بحث گزری ہے۔

3545 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ وَهْبٍ أَبِي جُحَيْفَةَ السُّوَائِيِّ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَرَأَيْتُ بَيَاضًا مِنْ تَحْتِ شَفَتِهِ السُّفْلَى الْعَنْفَقَةَ

ابو جحیفہ کہتے ہیں میں نے آنجناب کے نچلے ہونٹ کے نیچے ٹھوڑی کے کچھ بال سفید دیکھے۔

(عن وهب الخ) یہ ابو جحیفہ کا نام تھا وہ اپنی کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور تھے انہیں وھب اللہ اور وھب الخیر بھی کہا جاتا تھا۔

(العنفقة) الشفة سے بدل ہونے کی وجہ سے مکسور ہے، منصوب پڑھنا بھی درست ہے اس طور کہ (بیاضا) سے بدل ہو، اسماعیلی کی

عبیداللہ بن موسیٰ عن اسرائیل کے طریق سے اسی اسناد کے ساتھ روایت میں یہ عبارت ہے: (مِن تحت شفته السفلیٰ مثل موضع إصبع العنفقة) ، اس روایت میں اصبع تنوین کے ساتھ ہے، عنفقۃ کا وہی اعراب ہے جو قبل ازیں بیان ہوا، انہی کی شبابۃ بن سوار عن اسرائیل سے روایت میں ہے: (رأیت النبی ﷺ شابَت عنفقتُه)۔

3546حَدَّثَنَا عِصَامُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا حَرِيزُ بْنُ عُثْمَانَ أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ بُسْرٍ صَاحِبَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَرَأَيْتَ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ شَيْخًا قَالَ كَانَ فِي عَنْفَقَتِهِ شَعَرَاتٌ بِيضٌ

راوی کہتے ہیں میں نے نبی اکرم کے صحابی بسرؓ سے پوچھا آیا نبی پاک بوڑھے ہوگئے تھے؟ کہا آپ کی ٹھوڑی کے کچھ بال سفید ہوئے تھے۔

یہ امام بخاری کی ثلاثیات میں سے ہے، شیخ بخاری کی کنیت ابو اسحاق ہے، حمصی حضری ہیں، صحیح بخاری میں ان سے صرف یہی ایک روایت ہے، حریز صغار تابعین میں سے تھے۔ (أرأیت الخ) محتمل ہے کہ أرأیت بمعنی (أخبرنی) ہو، اور (النبی) اسمِ کان کے بطور مرفوع ہے، تقدیر کلام یوں ہے: (أخبرنی أکان النبی شیخا؟) یہ بھی ممکن ہے کہ أرأیت کو استفہامیہ قرار دیا جائے، تب (النبی) منصوب ہوگا۔ (کان شیخا) استفہامِ ثانی ہے، حرفِ استفہام محذوف ہے، اس کی تائید اسماعیلی کی ایک دیگر طریق کے ساتھ حریز بن عثمان سے روایت میں ملتی ہے، کہتے ہیں میں نے آنحضور کے صحابی عبداللہ بن بسر کو حمص میں دیکھا، لوگ ان سے پوچھ پاچھ رہے تھے (یعنی دینی مسائل) ، میں لڑکا سا تھا ان سے قریب ہوا اور پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ کو دیکھا ہے؟ کہنے لگے ہاں، پھر پوچھا کیا آپ بوڑھے تھے یا جوان؟ (یعنی جب آپ نے دیکھا) اس پر مسکرائے، ایک روایت میں ہے کہ پوچھا کیا رسول اللہ نے بال رنگے؟ کہنے لگے اے بھتیجے وہ اس عمر کو نہ پہنچے تھے۔

(کان فی عنفقته الخ) اسماعیلی کی روایت میں ہے: (إنما کانت شعراتٌ بیُضٌ وأشار إلی عنفقته) دو احادیث بعد حضرت انس کا یہ قول آئیگا کہ کن پٹیوں کے چند بال سفید ہوئے تھے، وہیں اس کی تطبیق بیان ہوگی۔ یہ روایت بخاری کی تیرھویں ثلاثی اور ان کے افراد میں سے ہے۔

3547حَدَّثَنِي ابْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ خَالِدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَصِفُ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ كَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ، لَيْسَ بِالطَّوِيلِ وَلاَ بِالْقَصِيرِ، أَزْهَرَ اللَّوْنِ لَيْسَ بِأَبْيَضَ أَمْهَقَ وَلاَ آدَمَ، لَيْسَ بِجَعْدٍ قَطَطٍ وَلاَ سَبْطٍ رَجِلٍ، أُنْزِلَ عَلَيْهِ وَهُوَ ابْنُ أَرْبَعِينَ، فَلَبِثَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ يُنْزَلُ عَلَيْهِ وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ، وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُونَ شَعَرَةً بَيْضَاءَ .قَالَ رَبِيعَةُ فَرَأَيْتُ شَعَرًا مِنْ شَعَرِهِ، فَإِذَا هُوَ أَحْمَرُ فَسَأَلْتُ فَقِيلَ احْمَرَّ مِنَ الطِّيبِ .طرفاه 3548، 5900

انس بن مالک نبی اکرم کی صفت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ درمیانہ قد کے تھے نہ تو بہت ہی طویل اور نہ کوتاہ قامت، رنگ کھلتا ہوا تھا، نہ تو خالی سفید اور گندمی، آپکے بال نہ تو مڑے ہوئے تھے اور نہ بالکل سیدھے لٹکتے ہوئے، پہلی وحی چالیس سال کی عمر میں نازل ہوئی، مکہ میں متواتر دس برس وحی کا نزول رہا اور مدینہ میں آپکا قیام دس سال رہا، بوقتِ وفات آپکی داڑھی

مبارک اور سر میں کل بیس بال سفید ہوئے تھے، ربیعہ کہتے ہیں میں نے آنجناب کا ایک روئے مبارک دیکھا جو سرخ رنگ تھا، میں پوچھا تو بتلایا گیا کہ یہ خوشبو لگی ہونے کی وجہ سے سرخ ہے۔

اسے مسلم نے (الفضائل)، ترمذی نے (المناقب) جبکہ نسائی نے (الزینة) میں تخریج کیا ہے۔

3548حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِى عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِﷺ لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ وَلاَ بِالْقَصِيرِ، وَلاَ بِالأَبْيَضِ الأَمْهَقِ، وَلَيْسَ بِالآدَمِ وَلَيْسَ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلاَ بِالسَّبْطِ، بَعَثَهُ اللَّهُ عَلَى رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً، فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ، وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ، فَتَوَفَّاهُ اللَّهُ، وَلَيْسَ فِى رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُونَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ .طرفاه 5347، 5900۔ (سابقہ ہے)

حدیثِ انس، ربیعہ بن ابوعبد الرحمٰن فروخ فقیہِ مدینہ جو ربیعۃ الرای کے لقب سے معروف تھے، کے حوالے سے ہے، دو طرق سے نقل کیا ہے، ایک خالد کے واسطہ سے، یہ ابن یزید جمحی مصری ہیں لیث بن سعد کے اَقران میں سے ہیں مگر ان سے قبل انتقال کیا انہوں نے بکثرت ان سے روایت کیا ہے۔ (کان ربعة) یعنی مربوعاً، تانیث باعتبارِ نفس ہے، کہا جاتا ہے: (رجل ربعةٌ وامرأة ربعةٌ)۔ حدیث میں ہی اس کی تفسیر مذکور ہے: (بالطویل البائن) یعنی اس قدر لمبے نہ تھے کہ یہ آپکی نمایاں صفت معلوم ہوتی، ذھلی کی الزھریات میں حضرت ابو ہریرہ کے حوالے سے روایت میں ہے کہ مربوع تھے مگر طویل قامتی کی طرف اَقرب تھے (ایسی قامت بہت جاذب نظر اور حسین ہوتی ہے)۔

(أزهر اللون) یعنی سفید جس میں سرخی کا بھی اختلاط ہو (سرخ و سفید) مسلم کی ایک دیگر سند کے ساتھ حدیثِ انس میں یہی صراحت موجود ہے، سعید بن منصور، طیالسی، ترمذی اور حاکم کی حضرت علی سے روایت میں ہے کہ آنجناب (أبيض مُشْرَب بِحُمرة) تھے (یہی سابقہ مفہوم ہے)، شمائل میں ھند بن ابو ھالہ کے حوالے سے بھی (أزهر اللون) مروی ہے۔

(و ليس بأبيض أمهق) اصول میں یہی مذکور ہے داؤدی کے ہاں مروزی کی تبع میں یہ عبارت منقول ہے: (أمهق ليس بأبيض)، داؤدی نے اس پر اعتراض کیا ہے، عیاض اسے وہم قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں اسی طرح بعض کا یہ روایت کرنا کہ (ليس بالأبيض ولا الأدم) درست نہیں، ابن حجر آخری جملہ کو نادرست قرار دینا (ليس بجيد) قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نہ تو بہت زیادہ سفید تھے (کیونکہ زیادہ سفیدی پرکشش نہیں ہوتی) اور نہ شدید الأدمۃ تھے بلکہ ایسی سفیدی کہ جس میں سرخی کا اختلاط تھا، عرب ایسے رنگ والے افراد پر اسمر کا لفظ بولتے ہیں اسی لئے احمد، بزار اور ابن مندہ کی اسنادِ صحیح کے ساتھ حضرت انس کی روایت جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے، میں آنجناب کی بابت اسمر کا لفظ مذکور ہے، محبّ طبری نے اس روایت کو بخاری کی روایتِ ھذا کیساتھ رد کیا حالانکہ جمع و تطبیق ممکن ہے، بیہقی نے دلائل میں حضرت انس سے آپ کی صفتِ مبارکہ کے بارہ میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں: (كان رسول الله أبيض بياضه إلى السمرة)۔ یزید رقاشی کی ابن عباس سے روایت میں آنجناب کے بارہ میں یہ عبارت ہے: (رجل بين رجلين جسمه ولحمه أحمر)، احمد کے ہاں حسن سند کے ساتھ یہ الفاظ ہیں: (أسمر إلى البياض)، تو ان مجموع روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سُمرہ سے مراد ایسی حُمرۃ (سرخاھٹ) جس میں بیاض کی مخالطت ہو، جہاں بیاض کا اثبات ہے وہاں مراد

وہ جس میں حمرہ کا اختلاط ہے اور جہاں اس کی نفی ہے وہاں ایسا بیاض جس میں حمرہ مختلط نہیں، عرب ایسے رنگ کو ناپسند کرتے اور اسے ابیض امہق کہتے تھے، اس سے متبین ہوا کہ مروزی کے نسخہ میں (أمہق لیس بأبیض) مقلوب ہے (دراصل۔ أبیض لیس بأمہق۔ تھا) اگرچہ ان الفاظ کی بھی توجیہہ ممکن ہے وہ یہ کہ امہق سے اخضر اللون یعنی جسکا بیاض، سمرۃ اور حمرۃ غایت درجہ کا نہ ہو، رؤبہ سے منقول ہے کہ مہق خُضرۃ الماء کو کہتے ہیں (ابن حجر کا عقیدہ تھا کہ صحیح سند کیساتھ مروی کسی بھی سیاقِ حدیث کورد کرنے سے بہتر ہے کہ اس کی تطبیق وتوجیہہ کی کوشش کر لی جائے اگر یہ کسی طرح بھی ممکن نہ ہوتب روایاتِ کثیرۃ میں وارد سیاق کوراجح قرار دیا جائے)۔

کہتے ہیں اگر مروزی کے نقل کردہ مذکورہ الفاظ ثابت ہیں تو یہ توجیہہ ہوسکتی ہے۔ حدیثِ ابوجحیفہ، مسلم کی حدیثِ ابی الطفیل اسی طرح طبرانی کی حدیثِ انس میں آپکی نسبت مطلقاً ابیض کا لفظ بھی مروی ہے، طبرانی کی روایتِ انس میں ہے: (ما أنسیٰ شِدۃَ بیاضِ وجھِہ مع شدۃِ سَوادِ شَعرِہ) کہ مجھے آپکے چہرۂ اقدس کا نہایت سفید رنگ اور آپکے بالوں کا نہایت سیاہ ہونا بھولتا ہی نہیں۔ کتاب الاستقاء میں ابوطالب کا یہ شعر ذکر ہوا تھا: (و أبیض یُستسقَی الغَمامُ بِوَجھِہ)، ابن اسحاق کی نقل کردہ حدیثِ حذیفہ میں ہے کہ میں آپکی مبارک پنڈلی کو دیکھنے لگا، لگتا تھا گویا کہ جمارہ (انگارہ) ہے، احمد کی عمرۂ جعرانہ کے ذکر میں محرشی کعبی کے حدیث میں ہے کہ میں نے آپکی کمر مبارک کو دیکھا: (سَبیکۃ فضۃ) گویا چاندی کی ڈھلی ہو، سعید بن مسیّب کہتے ہیں ابو ہریرہ کو آپکا ذکر کرتے ہوئے سنا کہتے تھے: (کان شدیدَ البیاض)، اسے یعقوب بن سفیان اور بزار نے قوی اسناد کیساتھ روایت کیا ہے، تطبیق وہی جو مذکور ہوئی، بیہقی لکھتے ہیں کہا جاتا ہے کہ آنجناب کے ظاہری اعضاء سرخ وسفید جبکہ وہ اعضاءِ مبارکہ جو عموما کپڑوں سے ڈھکے رہتے تھے، نہایت سفید تھے، ابن حجر کہتے ہیں یہی توجیہہ ابن ابی خیثمہ نے حضرت عائشہ کی آنجناب کی صفت کے بارہ میں حدیث ذکر کر کے بیان کی ہے۔

(لیس بجعد فقط الخ) جعودت سے مراد ایسے بال جو نہ متکسّر ہوں (یعنی گھنگھریالے) اور نہ مسترسل (یعنی بالکل سید ہے) ہوں، سبوطت اس کا متضاد ہے گویا ان دونوں کی درمیانی صفت کے حامل تھے، ترمذی اور ابن ابی خیثمہ کی حدیثِ علی مین بھی یہی الفاظ ہیں پھر یہ کہا: (کان جعدا رجلا) رجل کی جیم مکسور ہے بعض نے ساکن بھی پڑھا ہے أی (متسرح) یعنی ایسے بال گویا کنگھے سے سنوارے ہوں، یہ مرفوع علی الاستئناف ہے ای (ھو رجل)۔ اصیلی کے نسخہ میں بالخفض (یعنی زیر کے ساتھ) ہے مگر یہ وہم ہے کیونکہ تب یہ منفی پر معطوف ہوگا (جس سے خلافِ مقصود معنی پیدا ہوگا) انہوں نے یہ توجیہہ کی ہے کہ ازرہِ مجاورت زیر ہے (جسے اصطلاحا جرِ جوار کہا جاتا ہے) بعض روایات میں لام کی زبر اور جیمِ مشدد کے ساتھ بطور فعل ماضی ہے۔

(وھو ابن أربعین) مالک کی روایت میں ہے: (علی رأس أربعین) یعنی چالیسویں برس کے آغاز میں، یہ تب تام ہوگا اگر قرار دیا جائے کہ آپ کی بعثت اسی مہینہ میں ہوئی جس میں آپکی ولادت مبارکہ ہوئی تھی، جمہور کے ہاں مشہور یہ ہے کہ آپ ماہِ ربیع الاول میں پیدا ہوئے تھے اور بعثت ماہِ رمضان میں تھی، اس پر وقتِ بعثت آپ کی عمر یا تو ساڑھے چالیس برس یا ساڑھے اکتالیس برس بنتی ہے، جس نے چالیس کہا اس نے الغائے کسر یا جبر کیا، لیکن مسعودی اور ابن مسعودی کہتے ہیں کہ آپ شہر ربیع الاول میں مبعوث کیئے گئے اس پر پورے چالیس برس بنتے ہیں بعض نے چالیس اور دس دن، جعابی نے چالیس برس اور بیس دن کہا ہے، زبیر بن بکار لکھتے ہیں کہ آپ کی ولادت بھی ماہ رمضان میں ہوئی تھی مگر ان کا قول شاذ ہے، اگر یہ محفوظ ہے تب آپکی بعثت کی بابت مشہور قول کہ رمضان

میں ہوئی تھی کے ساتھ اسے منضم کرنے سے وقت بعثت آپکی عمر مبارک پورے چالیس سال بنتی ہے، اس بارے کئی اور اقوال بھی ہیں جنہیں شاذ قرار دیا گیا ہے، ان میں حاکم کا نقل کردہ یحیی بن سعید عن سعید بن میّب کا قول کہ پہلی وحی تینتالیس سال کی عمر میں آئی، واقدی نے بھی یہی کہا، بلاذری اور ابن ابی عاصم نے بھی ان کی پیروی کی۔

(فلبث بمكة عشر سنين الخ) اس کا مقتضا یہ ہے کہ آپکی عمر کل ساٹھ برس تھی جبکہ مسلم نے ایک دیگر طریق سے حضرت انس کی روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ آپ تریسٹھ برس جئے، یہ حدیث حضرت عائشہ کی سابق الذکر کے موافق ہے، جمہور کا یہی قول ہے، اسماعیلی کہتے ہیں دونوں میں سے ایک قول ہی درست ہے، بعض نے الغائے کسر کے ساتھ تطبیق دی ہے، اس بابت بقیہ بحث المغازی کے باب الوفاۃ میں ہوگی۔ (وليس فى رأسه الخ) یعنی ابھی بیس سے کم بال سفید ہوئے تھے، ابن راھویہ، ابن حبان اور بیہقی کی ابن عمر سے روایت میں بھی یہی مذکور ہے جبکہ ابن بسر کی روایت کا اقتضاء ہے کہ سفید بالوں کی تعداد دس سے زائد نہ تھی کیونکہ جمع قلت کا صیغہ استعمال کیا لیکن انہوں نے یہ دس سے کم بال عنفقہ کے ذکر کئے تھے تو حضرت انس اور ابن عمر کی روایتوں میں یہ زائد بال صدغ کے تھے جیسا کہ حدیثِ براء میں ہے، ابن سعد کے ہاں بسند صحیح حمید عن انس کے حوالے سے حدیث میں ہے کہ آپ کی داڑھی مبارک میں بیس بال بھی ابھی سفید نہ ہوئے تھے، انہی کی ثابت عن انس کے طریق سے سر اور داڑھی، دونوں کے حوالے سے سترہ یا اٹھارہ بالوں کا ذکر ہے، ابن ابوخیثمہ کی حمید عن انس سے روایت میں ہے کہ آنجناب کی داڑھی میں بوقتِ وفات بیس بال بھی سفید نہ تھے، حمید کہتے ہیں کل سترہ بال سفید تھے، مسند عبد بن حمید میں حماد عن ثابت عن انس کے حوالے سے سر و داڑھی دونوں کے حوالے سے چودہ بالوں کا ذکر ہے، ابن ماجہ کی ایک روایتِ انس میں سترہ یا بیس مذکور ہے، حاکم کی المستدرک میں عبداللہ بن محمد بن عقیل عن اُنس سے روایت میں گیارہ مذکور ہے، ھیثم بن زہیر کی روایت میں تیس کا ذکر ہے۔ (قال ربيعة) اسی سند کے ساتھ موصول ہے۔

(فسألت فقيل احمرَّ الخ) ابن حجر کہتے ہیں مسئول اور مجیب کا علم نہیں ہو سکا البتہ ابن عقیل کی مشار الیہ روایت میں ہے عمر بن عبد العزیز کہتے ہیں میں نے حضرت انس سے پوچھا کیا نبی اکرم نے کبھی خضاب استعمال کیا؟ کیونکہ میں نے آپ کا ایک سرخ بال دیکھا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ یہ سرخی اس خوشبو کیوجہ سے تھی جو آنجناب بالوں پر لگاتے تھے، تو ممکن ہے ربیعہ نے حضرت انس سے یہ بات پوچھی ہو، دارقطنی کی رجالِ مالک اور غرائبِ مالک میں حضرت ابو ہریرہ کے حوالے سے منقول ہے کہ آنجناب کی وفات کے بعد جب لوگوں کے پاس آپ کے کچھ بال تھے انہوں نے انہیں (تادیر باقی رکھنے کیلئے) خضاب لگا دیا۔ ابن حجر کہتے ہیں بفرض ثبوت اس سے حضرت ابو ہریرہ کا انکار مستقیم اور اس کا ماسوا قابلِ تاویل ثابت ہوتا ہے، اس پر کچھ باقی بات کتاب اللباس میں ہوگی۔

3549 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِى إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَأَحْسَنَهُ خَلْقًا، لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيرِ

حضرت براء کہتے ہیں نبی پاک خوبصورت ترین چہرہ والے اور حسین وجمیل قد وقامت والے تھے، قد نہ تو بہت لانبا تھا اور نہ کوتاہ۔

(و أحسنه خلقا) اکثر کے نزدیک خلق کی خاء پر زبر ہے، ابن تین نے پیش کے ساتھ ضبط کیا اور اس آیت سے استشہاد کیا ہے: (و إِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيم) [القلم : ۴]۔ اسماعیلی کی روایت میں شک کے ساتھ دونوں لفظ مذکور ہیں، اس کی تائید سابقہ

جملہ (أحسن الناس وجہا) سے ہوتی ہے کہ اس میں ظاہری جمال کی طرف اشارہ ہے تو زیرِ نظر میں معنوی جمال مراد ہونا زیادہ محتمل ہے، فرسِ ابی طلحہ کے بارہ میں حدیثِ انس جسے متعدد مقامات میں نقل کیا، میں آنجناب کے بارہ میں یہ الفاظ تھے: (کان أحسن الناس وأشجع الناس و أجود الناس) تو اس میں تینوں قویٰ کا جمع کیا: عقلی، غضبی اور شہوانی۔ پس شجاعت غضبی قوت پر دال ہے جبکہ جود وسخا شہوانی پر، حسن تابع ہے اعتدالِ مزاج کا جو صفائے نفس کو مستتبع ہے جس کے ساتھ جودتِ قریحہ قائم ہے جو دال علی العقل ہے، تو ان سب صفات کو احسنیت کے ساتھ متصف کیا۔ کتاب الجہاد اور الخمس میں حضرت جبیر بن مطعم کی روایت گزری اس میں آنجناب کی زبانی یہ عبارت مذکور تھی: (ثم لاتجدونی بخیلا ولا کذوبا ولا جبانا) تو عدم جبن کے ساتھ قوتِ غضبیہ کے کمال جو کہ شجاعت ہے، کی طرف اشارہ ہے، عدم کذب سے قوتِ عقلیہ جو کہ حکمت ہے، کے کمال کی طرف اشارہ اور عدم بخل سے قوتِ شہوانی جو کہ جود ہے، کے کمال کی طرف اشارہ ہے۔

(لیس بالطویل الخ) ربیعہ عن انس کی حدیث میں گزرا کہ آپ ربعۃ تھے، ابن ابی خیثمہ کی حدیثِ عائشہ میں مذکور ہے کہ کوئی لمبے سے لمبا آدمی بھی جب آنحضور کے ساتھ چلتا تو وہ آپ سے دیکھنے والوں کو چھوٹا نظر آتا اگر دو طویل قامت آدمی آپ کے دائیں بائیں چلتے تو آپ کا قد ان سے نکلتا محسوس ہوتا لیکن جب آپ سے ہٹ کر چلتے تو موازنہ میں انہیں لمبا قرار دیا جاتا (ابن جوزی نے بھی اپنی کتاب الوفاء بأحوال المصطفی میں یہی بات لکھی ہے، وہ اسے آپ کا معجزہ شمار کرتے ہیں، قرین قیاس بھی یہی ہے! آخر قدرت یہ کیسے چاہ سکتی تھی کہ ظاہری قد وقامت میں بھی کوئی آپ سے اونچا دکھائی دے کئی باعمل اہل علمِ دین میں بھی یہی مشاہدہ کیا ہے کہ جس محفل میں ہوں، جہاں کھڑے ہوں بڑے بڑے اور نمایاں معلوم ومحسوس پڑتے ہیں)۔

اسے مسلم نے (الفضائل) میں روایت کیا۔

3550 حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسًا هَلْ خَضَبَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ لَا، إِنَّمَا كَانَ شَيْءٌ فِي صُدْغَيْهِ .طرفاه 5894، 5895.

قتادہ کہتے ہیں میں حضرت انس سے پوچھا کیا نبی پاک نے خضاب استعمال کیا؟ کہا نہیں صرف آپکی کن پٹیوں میں کچھ بال سفید ہوئے تھے۔

(فی صدغیہ) آنکھ اور کان کے درمیانی حصہ کو صدغ کہتے ہیں (یعنی کن پٹی) سر کے وہ بال جو وہاں متدلّی ہوتے ہیں، بھی صدغ کہلاتے ہیں تو یہ سابقہ حدیث کہ وہ چند بال آپ کے نچلے ہونٹ کے نیچے تھے، کے مغایر ہے، تطبیق میں مسلم کی سعید عن قتادہ عن انس سے مروی حدیث پیش کیجائے گی جس میں سفیدی کے حوالے سے صدغین اور عنفقہ، دونوں کا ذکر ہے، یہ بھی کہ سر کے باقی حصوں میں بھی کوئی خال خال بال سفید تھا، تو ان مجموع روایات سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ عنفقہ میں موجود سفید بال باقی جگہوں کی نسبت زیادہ تھے (باقی جگہوں میں اکا دکا سفید بال ہونے کی وجہ سے نمایاں نہ تھے، (پھر ممکن ہے جنہوں نے صرف عنفقہ ذکر کیا ان کی نظر ہی صدغین وغیرہ پر نہ پڑی ہو)۔

حضرت انس کی مراد (لم یخضب الخ) کہنے سے یہ تھی کہ اتنے بال ہی سیفد نہ تھے کہ رنگنے کی ضرورت پیش آتی، محمد بن سیرین کے سوال کے جواب والی روایت میں یہی بات صراحت سے کہی، مسلم کی جابر بن سمرہ سے روایت میں ہے کہ جب تیل لگاتے تو

یہ بال بھی سفید نظر نہ آتے، حاکم اور اصحابِ سنن نے جو ابو رمثہ سے نقل کیا ہے کہ میں آنجناب کی خدمت میں حاضر ہوا آپ پر دو سبز چادریں تھیں اور آپکے بالوں پر بڑھاپا نمایاں تھا اور آپ نے سفید حصوں کو سرخ مہندی کے ساتھ رنگا ہوا تھا، اسی طرح ابن عمر کی روایت کہ میں نے آنجناب کو دیکھا کہ زرد رنگ کا خضاب لگایا ہوا ہے، یہ الحج وغیرہ میں ذکر ہو چکی ہے، ان کے اور حدیثِ انس کے مابین تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ حضرت انس کی نفی اس امر پر محمول ہے کہ سفیدی اسقدر نہ تھی کہ خضاب کی ضرورت پیش آتی اور اگر کبھی خضاب لگایا تو اتفاقا حضرت انس ملاحظہ نہ کر سکے، مثبتینِ خضاب کی روایات اس امر پر محمول ہونگی کہ کبھی کبھار آنجناب نے بیانِ جواز کے ارادہ سے خضاب استعمال فرمایا، اس پر ہمیشگی اختیار نہیں کی، حضرت عائشہ اور حضرت انس کی حدیث میں جو مذکور ہوا کہ (ماشانہ اللہُ بِبَیْضاء) کہ اللہ نے آپ کو سفید بالوں سے داغدار نہیں کیا، کہ ان چند غیر نمایاں بالوں سے جمالِ مصطفوی متغیر نہ ہوا تھا۔ احمد نے اس حدیثِ ابن عمر مذکور کی بنیاد پر حضرت انس کی نفیِ خضاب کا انکار کیا ہے جبکہ امام مالک حضرت انس کی نفی کی موافقت کرتے اور ابن عمر وغیرہ کی روایت کی یہ مذکورہ تاویل کرتے تھے۔ اسے نسائی نے بھی (الزینۃ) میں ذکر کیا ہے۔

3551 حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ مَرْبُوعًا، بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، لَهُ شَعَرٌ يَبْلُغُ شَحْمَةَ أُذُنِهِ، رَأَيْتُهُ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ، لَمْ أَرَ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ. قَالَ يُوسُفُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِيهِ إِلَى مَنْكِبَيْهِ. طرفاه 5848، 5901

براء بن عازب کہتے ہیں نبی اکرم درمیانہ قد کے تھے اور آپکا سینہ کشادہ تھا، بال کانوں کی لو تک پہنچے ہوئے تھے، میں نے ایک مرتبہ آپ کو ایک سرخ حلہ میں ملبوس دیکھا، اتنے حسین لگ رہے تھے کہ کوئی چیز اتنی حسین نہیں دیکھی۔

(بعيد ما بين المنكبين) یعنی کمر مبارک کا بالائی حصہ چوڑا تھا، ابن سعد کی حدیثِ ابی ہریرہ میں (رحب الصدر) مذکور ہے (یہی مفہوم ہے)۔ (له شعر الخ) کشمیہنی کے نسخہ میں (أذنيه) بصیغۂ تثنیہ ہے، اسماعیلی کی روایت میں (تكاد جمته تصيب شحمة أذنيه) کے الفاظ ہیں۔

(وقال يوسف بن أبى اسحاق الخ) یہ یوسف بن اسحاق بن ابو اسحاق سبیعی ہیں، یہاں دادا کی طرف نسبت مذکور ہے۔ (إلى منكبيه) یعنی اپنے دادا سے روایت کرتے ہوئے ان دو لفظوں کا اضافہ کیا ہے، یوسف کا یہ طریق مختصراً ایک حدیث قبل ذکر کیا ہے۔ ابن تین داؤدی کی پیروی میں لکھتے ہیں کہ یہاں (إلى منكبيه) کی ترکیب (يبلغ شحمة أذنيه) کے مغایر ہے، جواب دیا گیا ہے کہ آپ کے اکثر بال شحمۂ اذن تک ہی تھے باقی مسترسل جو ہیں وہی کندھے تک ہوتے تھے یا یہ دو حالتوں پر محمول ہے، اس کی نظیر مسلم کی قتادۃ عن انس کی روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: (كان بين أذنيه و عاتقه)، حمید کی ان سے روایت میں ہے: (إلى أنصاف أذنيه) یعنی کانوں کے درمیان تک، ترمذی کی ثابت عن انس سے روایت میں بھی یہی ہے، ابن سعد کی حماد عن ثابت عن انس سے روایت میں ہے کہ بال مبارک کانوں سے متجاوز نہ ہوتے تھے، تو اس کا محمل بھی وہی جو ذکر کیا گیا، یہ مختلف احوال پر محمول ہیں۔ ابو داؤد کی ھشام عن ابیہ عن عائشہ سے روایت میں ہے کہ آنجناب کے بال وفرہ سے زائد اور جمہ سے کم ہوتے تھے، ترمذی وغیرہ کی ہند بن ابو ہالہ کی صفۃ النبی کی بابت روایت میں ہے کہ جب وفرہ ہوتے تو شحمۂ اذن سے متجاوز نہ ہوتے، تو وفرہ کی اس قید سے سابقہ تطبیق کی

تائید ہوئی، ابوداؤد وترمذی نے ام ہانیٔ سے روایت کیا ہے کہ میں نے آنجناب کو دیکھا کہ بالوں کی چار مینڈھیاں ہیں، اسکے رجال ثقات ہیں۔ اسے مسلم نے (الفضائل)، ابوداؤد نے (اللباس)، ترمذی نے (الاستئذان اور الأدب) جبکہ نسائی نے (الزینة) میں نقل کیا ہے۔

3552 حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سُئِلَ الْبَرَاءُ أَكَانَ وَجْهُ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَ السَّيْفِ قَالَ لَا بَلْ مِثْلَ الْقَمَرِ

راوی کہتے ہیں حضرت براء سے پوچھا گیا کیا نبی پاک تلوار کی طرح تھے؟ فرمایا نہیں بلکہ چاند کی طرح۔

زہیر سے مراد ابن معاویہ جبکہ ابواسحاق سے مراد سبیعی ہیں۔ (مثل السیف الخ) گویا سائل کی مراد یہ تھی کہ کیا چہرۂ اقدس (حسین ہونے کے ساتھ ساتھ) طویل تھا؟ تو حضرت براء نے کہا نہیں بلکہ چاند کی طرح یعنی گول، یہ بھی محتمل ہے کہ سائل کی بات کا مفہوم یہ ہو کہ آیا لمعان وصقال (چمک دمک) میں مثلِ شمشیر تھا؟ تو براء کی بات کا مفہوم یہ ہوا کہ نہیں، اس سے بھی بڑھ کر، مثلِ قمر۔ دونوں باتیں بھی مقصود ہوسکتی ہیں، زہیر کی مذکورہ روایت میں سائل کے یہ الفاظ منقول ہیں: (أكان وجهُ رسولِ اللهِ ﷺ حديداً مِثلَ السيف؟) کیا چہرہ نبوی تلوار کی طرح ٹھوس تھا، اس سے مفہومِ اول کی تائید ہوتی ہے۔ مسلم کی حدیثِ جابر بن سمرہ میں ہے کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کیا رسول اللہ کا چہرہ تلوار کی طرح تھا؟ کہا نہیں بلکہ آفتاب اور ماہتاب کی مانند مستدیر (گول) تھا، تو (مستدیرا) کے لفظ سے دونوں صفتوں۔ حسن واستدارت۔ کا جمع کیا، کیونکہ مثلِ شمشیر کہنے میں احتمال ہے کہ چمک میں اور مستطیل ہونے میں اس جیسا سمجھا جائے تو مسئول نے بڑا بلیغ جواب دیا، جب متعارف یہ ہے کہ سورج کے ساتھ اغلباً اِشراق (یعنی چمک دمک) میں تشبیہ دی جاتی ہے اور چاند کے ساتھ ملاحت میں، تو ساتھ ہی (وکان مستدیرا) بھی کہہ دیا تاکہ دونوں صفتوں کا جمع ہو۔

احمد، ابن سعد اور ابن حبان کی حضرت ابوہریرہ سے روایت میں ہے، کہتے ہیں میں نے آنجناب سے بڑھ کر کوئی حسین چیز نہیں دیکھی، لگتا تھا سورج آپکی پیشانی میں محوِ حرکت ہے، طیبی کہتے ہیں سورج کے فلک میں جریان کو چہرہ نبوی میں جریانِ حسن سے تشبیہ دی گویا مبالغۂ تشبیہ کو معکوس کر دیا (یعنی عموماً چہرے کے حسن کو سورج سے تشبیہ دی جاتی ہے مگر انہوں نے بارادۂ مبالغہ اس کا عکس کیا)۔ کہتے ہیں یہ بھی محتمل ہے کہ باب تناہی التشبیہ سے ہو کہ آپ کے چہرہ مبارک کو سورج کا مقر ومکان ٹھہرایا، یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں یونس بن ابی یعفور عن ابی اِسحاق سبیعی کے حوالے سے ہمدان کی ایک خاتون سے نقل کیا ہے کہتی ہیں میں نے آنجناب کے ہمراہ حج کیا، کہتے ہیں میں نے کہا انہیں کسی چیز سے تشبیہ دو، کہا: (كالقمر ليلة البدر) ماہِ تمام کی مانند تھے، نہ ان سے قبل کوئی آپ جتنا حسین دیکھا نہ آپ کے بعد، ربیع بنت معوذ کا قول ہے: (لو رأيته لرأيتَ الشمس طالعة) اگر تم آپ کو دیکھتے تو خیال کرتے کہ سورج نکلا ہوا ہے، اسے طبرانی اور دارمی نے تخریج کیا ہے، یزید رقاشی کی ابن عباس سے روایت میں ہے کہ چہرۂ نبوی کے دوائر (یعنی گولائیاں ونقوش) حسین تھے، ریش مبارک نے یہاں سے یہاں تک کا حصہ بھرا ہوا تھا قریب تھا کہ سینہ مبارک بھر دیتی، ذہلی کی زہریات میں حضرت ابوہریرہ کے حوالے سے مروی ہے کہ (كان أسيل الخدين شديد سواد الشعر، أكحل العينين أهدب الأشفار) کہ آنجناب نہایت سیاہ بالوں والے، سرگین آنکھوں والے اور پتلے ہونٹوں والے تھے۔ ابوعبیدہ کی الغریب میں حضرت علی سے منقول ہے کہ آپ کے چہرہ مبارک میں تدویر (یعنی گولائی میں) تھا، ابوعبید اس کی شرح میں لکھتے ہیں اس کا

مفہوم یہ ہے کہ نہایت گول نہ تھا بلکہ (کان فیه سهولة) یعنی نیم گول، عربوں کے ہاں یہ نہایت اعلیٰ ہے۔

اسے ترمذی نے (المناقب) میں تخریج کیا ہے۔

3553حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مَنْصُورٍ أَبُو عَلِيٍّ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ الأَعْوَرُ بِالْمَصِّيصَةِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْهَاجِرَةِ إِلَى الْبَطْحَاءِ، فَتَوَضَّأَ ثُمَّ صَلَّى الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ، وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ، وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ .(قَالَ شُعْبَةُ) وَزَادَ فِيهِ عَوْنٌ عَنْ أَبِيهِ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ كَانَ يَمُرُّ مِنْ وَرَائِهَا الْمَرْأَةُ، وَقَامَ النَّاسُ فَجَعَلُوا يَأْخُذُونَ يَدَيْهِ، فَيَمْسَحُونَ بِهَا وُجُوهَهُمْ، قَالَ فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ، فَوَضَعْتُهَا عَلَى وَجْهِي فَإِذَا هِيَ أَبْرَدُ مِنَ الثَّلْجِ وَأَطْيَبُ رَائِحَةً مِنَ الْمِسْكِ .أطرافه 187، 376، 495، 499، 501، 633، 634، 3566، 5786، 5859

ابو جحیفہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی پاک دوپہر کے وقت بطحاء کی جانب نکلے، وضوء کیا اور ظہر کی دو رکعتیں پھر عصر کی دو رکعتیں ادا فرمائیں اور آپکے سامنے ایک چھوٹا نیزہ بطورِ سترہ تھا، عون کی اپنے والد سے اسی روایت میں مزید یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ آگے سے آنے جانیوالے گزر رہے تھے، پھر لوگ آنجناب کے مبارک ہاتھوں کو چھوتے اور اپنے چہروں کو لگاتے میں بھی آگے بڑھا اور آپکے ہاتھ کو تھاما تو اسے برف کی طرح ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار پایا۔

شیخِ بخاری مکنیٰ بأبو علی تھے بخاری نے صرف اسی ایک جگہ ان سے روایت نقل کی ہے۔ (قال شعبة الخ) اسی اسناد کے ساتھ متصل ہے۔ (وزاد فیه عون الخ) آخرِ باب ان کی یہ روایت ایک دیگر سند سے آتی ہے، اوائل کتاب الصلاۃ میں بھی متعلقہ حصہ گزر چکا ہے۔ (فإذا هی أبرد الخ) طبرانی کی قوی سند کے ساتھ جابر بن یزید بن اسود عن ابیہ سے روایت میں بھی اس کا مثل مذکور ہے، مسلم کی حدیثِ جابر بن سمرہ میں ایک اور حدیث کے اثناء میں ہے: (فمسح صدری فوجدت لیدہ برداً۔ أو ریحاً۔ کأنما أخرجها من جونة عطار) کہ میرے سینے پر ھاتھ رکھا (شائد ان کی بیمار پرس کے دوران، ایک شاعر کا نعت میں کیا حسین اور محبت بھرا تخیل ہے شاید اسی واقعہ سے اخذِ تخیل کیا ہو: دل درد سے بسمل کی طرح تڑپ رہا ہو اور ہاتھ سینے پہ تیرا شفقت سے دھرا ہو) تو میں نے دست مبارک کو ایسا ٹھنڈا پایا۔ یا کہا ایسا خوشبودار پایا گویا جونۂ عطار (یعنی عطر فروش کی ٹوکری) سے ابھی نکالا ہو، طبرانی اور بیہقی کی حدیثِ وائل بن حجر میں ہے کہ میں آنجناب سے مصافحہ کرتا تو ہاتھ سے دیر تلک ایسی خوشبو آتی رہتی جو کستوری سے زیادہ اطیَب ہوتی، احمد کی انہی سے ایک روایت میں ہے آنجناب کے پاس پانی کا ایک ڈول لایا گیا آپ نے کچھ پی کر پھر اس میں کلی فرمائی پھر اسے کنویں میں ڈالا گیا تو ہر جانب کستوری جیسی خوشبو مہک اٹھی، مسلم کی حضرت انس سے ایک روایت میں ام سلیم کے آنجناب کے پسینہ مبارک کو ایک شیشی میں جمع کرنے اور اسے بطورِ خوشبو استعمال کرنا مذکور ہے اور یہ کہ یہ تمام خوشبوؤں سے زیادہ خوشبودار تھا، ابو یعلی اور طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ سے ایک حدیث میں اس شخص کے قصہ میں جس نے اپنی بیٹی کے جہیز کیلئے آنجناب سے تعاون کی درخواست کی، بیان کیا ہے کہ اس وقت آپکے پاس کچھ نہ تھا تو آپ نے ایک شیشی منگوائی اس میں اپنا کچھ پسینہ ڈالا اور فرمایا اسے بطور خوشبو استعمال کراؤ، تو جب وہ یہ خوشبو لگاتی تمام اھل مدینہ کو اس کی خوشبو محسوس ہوتی حتی کہ اس کے گھر کا نام بیت المطیبین پڑ گیا، ابو یعلی اور

بزار نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ آنجناب جب مدینہ کی کسی راہ سے گزرتے تو وہاں سے کستوری کی مہک آیا کرتی تھی جس سے لوگ پہچان جاتے کہ رسول اللہ کا ادھر سے گزر ہوا ہے۔

3554حَدَّثَنَا عَبْدَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ، وَأَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ، حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ، وَكَانَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ، فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ فَلَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ .أطرافه 6، 1902، 3220، 4997۔ (جلد سوم ص: ٦٨ میں مترجم ہے)

کتاب الصیام میں مشروحا گزر چکی ہے، آپکے جود وسخا کا ذکر محلِ ترجمہ ہے۔

3555حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَؓ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا مَسْرُورًا تَبْرُقُ أَسَارِيرُ وَجْهِهِ، فَقَالَ أَلَمْ تَسْمَعِي مَا قَالَ الْمُدْلِجِيُّ لِزَيْدٍ وَأُسَامَةَ وَرَأَى أَقْدَامَهُمَا إِنَّ بَعْضَ هَذِهِ الأَقْدَامِ مِنْ بَعْضٍ .أطرافه 3731، 6770، 6771

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں نبی اکرم انتہائی خوشی کے عالم میں ان کے ہاں آئے چہرہ کے نقوش مارے خوشی کے چمک رہے تھے فرمایا کیا تم نے مدلجی کی بات نہیں سنی، اس کی زید اور اسامہ کے پاؤں پر نظر پڑی تو کہنے لگا یہ قدم ایک دوسرے میں سے ہیں۔

نسخہِ ابوذر میں شیخِ بخاری کی نسبت، ابن موسی مذکور ہے، قائف (یعنی قیافہ شناس) کے قصہ پر مشتمل اس حدیث پر مفصلاً بحث کتاب الفرائض میں آئیگی یہاں محلِ ترجمہ (تبرق أساريرُ وجهه) ہے اساریر سر کی جمع ہے، چہرہ و پیشانی کے خطوط کو کہتے ہیں۔ اسے مسلم نے بھی تخریج کیا ہے۔

3556حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَعْبٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ كَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ يُحَدِّثُ حِينَ تَخَلَّفَ عَنْ تَبُوكَ قَالَ فَلَمَّا سَلَّمْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ يَبْرُقُ وَجْهُهُ مِنَ السُّرُورِ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا سُرَّ اسْتَنَارَ وَجْهُهُ، حَتَّى كَأَنَّهُ قِطْعَةُ قَمَرٍ وَكُنَّا نَعْرِفُ ذَلِكَ مِنْهُ .أطرافه 2757، 2947، 2948، 2949، 2950، 3088، 3889، 3951، 4418، 4673، 4676، 4677، 4678، 6255، 6690، 7225۔ (جلد چہارم کتاب الوصایا میں ترجمہ موجود ہے)

حضرت کعب بن مالک کی روایت جوان کے قصہِ توبہ کا ایک حصہ ہے، المغازی میں بطولہ آئیگی وہیں اس کی شرح ہوگی۔ (استنار وجهه الخ) ابن حجر کہتے ہیں مراد چہرہ کا وہ حصہ جہاں خوشی ظاہر ہوتی ہے یعنی پیشانی اسی لئے چاند کا ٹکڑا کہا (یعنی سابقہ روایات کے برعکس پورا چاند نہیں کہا)، شائد آپکا چہرہ ڈھکا ہوا تھا تبھی قطعۃ قمر کہا، یہ بھی محتمل ہے کہ قطعۃ قمر سے مراد قمر ہی ہو (اس ساری شرح کی میرے خیال میں ضرورت نہ تھی اردو محاورہ میں بھی چاند یا چاند کا ٹکڑا، دونوں طرح مستعمل ہے)۔ طبرانی کی ایک حدیثِ جبیر

بن مطعم میں ہے کہ آنجناب نے اپنا رخِ انور ہماری جانب کیا تو یوں لگا چاند کا ایک ٹکڑا ہے، طبرانی کی اسی حدیثِ کعب کے بعض طرق میں (كأنه دارة القمر) ہے (یعنی چاند کا ہالہ)۔ اسے مسلم نے (التوبة اور الطلاق) اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

3557حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَمْرٍو عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ بَنِي آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا، حَتَّى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِي كُنْتُ فِيهِ

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنجناب نے فرمایا میں حضرت آدم سے لیکر برابر بہترین نسلوں میں رہا حتیٰ کہ وہ قرن آئی جس میں میری پیدائش ہوئی۔

سند میں عمرو بن ابو عمرو مولی المطلب ہیں، ابو عمرو کا نام میسرہ تھا۔ (قرنا قرنا) قرن سے (یہاں) مراد لوگوں کا طبقہ جو ایک زمانہ مین مجتمع ہوں (یعنی ہم عصر) بعض نے اس کی حد سو سال اور بعض نے ستر بیان کی ہے، حربی نے تعداد کی بابت مختلف اقوال نقل کئے ہیں جو بیس سے ایک سو بیس تک ہیں پھر سب کا تعقب و رد کرتے ہوئے لکھا کہ میری رائے میں قرن سے مراد ہر امت جس کے تمام افراد مرکھپ گئے، ایک بھی باقی نہ رہا ہو۔ قرنا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

(حتى كنت الخ) اسماعیلی کی روایت کے الفاظ ہیں: (حتى بعثت من القرن الذى كنت فيه)، مناقبِ صحابہ میں حضرت عمران بن حصین کی روایت آئیگی جس میں ہے: (خير الناس قرنى) وہیں مفصل بحث ہوگی۔ یہ حدیث بخاری کے افراد میں سے ہے۔

3558حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَسْدِلُ شَعَرَهُ، وَكَانَ الْمُشْرِكُونَ يَفْرُقُونَ رُءُوسَهُمْ فَكَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدِلُونَ رُءُوسَهُمْ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيهِ بِشَىْءٍ ثُمَّ فَرَقَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَأْسَهُ .طرفاه 3944، 5917

ابن عباسؓ کہتے ہیں نبی اکرم اپنے بال مبارک (پیشانی پہ) پڑے رہنے دیتے جبکہ مشرکوں کی عادت مانگ نکالنا تھی اور اہلِ کتاب بال آگے کی جانب چھوڑتے تھے، نبی پاک ان معاملات میں جن میں آپکو کوئی حکم نہ ملا ہوتا اہلِ کتاب کی موافقت فرماتے، بعد ازاں آپ نے مانگ نکالنا شروع کر دی۔

(أخبرنى عبيد الله الخ) ابن شہاب سے یہی مشہور ہے، ان کی اس میں ایک اور اسناد بھی ہے جسے حاکم نے مالک عن زیاد بن سعد عن انس کے طریق سے روایت کیا، اس میں ہے: (سدل رسول الله ناصيته ماشاء الله ثمّ فرّق بعدُ) اسے احمد نے بھی نقل کیا ہے اور لکھا کہ حماد بن زید مالک سے اس میں متفرد ہیں اور انہوں نے اس میں خطا کی ہے، درست: (عن عبيد الله بن عبد الله) ہے۔ ابن عبد البر کہتے ہیں اس میں درست مالک کی زہری سے مرسل روایت ہے جیسا کہ مؤطا میں ہے۔ (يسدل شعره) یاء کی زبر اور دالِ مکسور کے ساتھ، اس پر پیش بھی صحیح ہے، یعنی پیشانی کے بال (سامنے) جبہہ پر چھوڑے رکھتے، نووی لکھتے ہیں علماء اس

کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ پیشانی پر بال چھوڑ دیتے اور اتخاذ کالقُصۃ (یعنی گچھے کی شکل) کرتے۔

(ثم فرق بعد) فاء اور راء کی زبر کے ساتھ یعنی درمیان سے مانگ نکالنا، سامنے کی جانب بالوں سے کچھ نہ چھوڑنا، ابن اسحاق نے محمد بن جعفر عن عروۃ عن عائشۃ کے طریق سے روایت کیا، کہتی ہیں میں رسول اللہ کی درمیان سے مانگ نکالا کرتی تھی۔ ابو داؤد نے بھی اسے ان کے طریق سے تخریج کیا ہے، ہند بن ابو ہالہ کی آنجناب کی شکل وصورت کی بابت روایت میں ہے کہ اگر آپ کے پیشانی کی جانب کے بال (عقیقة) منفرق ہوتے تو درمیان سے مانگ نکالتے بصورتِ دیگر آپکے بال مبارک شحمۂ اذن سے متجاوز نہ ہوتے تھے۔ ابن قتیبہ غریب الحدیث میں لکھتے ہیں عقیقہ نومولود بچے کے پیدائشی بالوں کو کہتے ہیں بعداز حلق بالوں پر بھی مجازاً یہی لفظ بولا جاسکتا ہے۔

(إلا إذا انفرَقَ) اول حالت پر محمول ہے جیسا کہ ابن عباس کی روایت سے متبین ہوا۔ (فیما لم یؤمر الخ) یعنی ان امور میں جنکی شریعت محمدیہ مخالف نہ ہوتی کیونکہ آپکے زمانہ کے اہل کتاب سابقہ رسل کی شرائع کے بقایا کے متمسک تھے تو بت پرستوں کی نسبت آنجناب ان کی موافقت کرنا پسند فرماتے تھے، جب عُبادِ اوثان کی اغلبیت نے اسلام قبول کرلیا تو تب آپ نے اہل کتاب کی مخالفت پسند فرمائی، اس سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ سابقہ امورِ شرائع ہمارے لئے بھی مشروع ہیں سوائے ان امور کے کہ ہماری شریعت نے ماقبل کے احکام کا مخالف حکم دیا، اس کا یہ کہہ کر رد کیا گیا ہے کہ یہاں اھل کتاب کی موافقت کو پسند سے تعبیر کیا گیا ہے، اگر استدلالِ مذکور درست ہوتا تو اسے وجوب سے تعبیر کیا جاتا، بفرض تسلیم نفسِ حدیث میں مذکور ہے کہ آخراً اس سے رجوع فرمالیا تھا۔

علامہ انور یہاں فائدہ کے عنوان سے رقمطراز ہیں کہ آنجناب ایسے امور میں جن میں آپ کو کوئی حکم نہ ملا ہوتا، اھل کتاب کی موافقت کرنا پسند فرماتے اسی باب سے آپکا بیت المقدس کی جانب مدینہ میں اثنائے نماز رخ کرنا ہے یہ اسلئے نہ تھا کہ آپکو ان کی تالیفِ قلوب مقصود تھی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ایسے علاقہ میں آئے جہاں کے لوگوں کا قبلہ بیت المقدس تھا تو ان کے قبلہ کی پیروی کی کیونکہ سابقہ نبی کے قبلہ کا نسخ بلا نزولِ (وحی) شرعِ جدید ہے جو مؤذِن بالخلاف اور مورثِ شقاق ہے (یعنی خوامخواہ اختلاف و انشقاق کو ہوا دینا) پھر بذریعہ وحی آپ کعبہ کی طرف موجّہ کئے گئے تو ان کا قبلہ چھوڑ دیا، کہتے ہیں یہ میری اپنی توجیہہ ہے یعنی میں اس میں متفرِّد ہوں۔ اسے مسلم نے (الفضائل)، ابو داؤد نے (الترجل)، ترمذی نے (شمائل)، نسائی نے (الزینة) اور ابن ماجہ نے (اللباس) میں ذکر کیا ہے۔

3559 حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِی حَمْزَةَ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ أَبِی وَائِلٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ لَمْ يَكُنِ النَّبِیُّ ﷺ فَاحِشًا وَلاَ مُتَفَحِّشًا وَكَانَ يَقُولُ إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلاَقًا. أطرافه 3759، 6029، 6035

عبد اللہ بن عمرو کہتے ہین نبی پاک بدزبان اور فحش گو نہ تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

ابو حمزہ سے مراد سکری ہیں، سند کے سوائے طرفین کے تمام راوی کوفی ہیں، وہ بھی وہاں گئے تھے (یعنی شیخ بخاری اور راوی حدیث صحابی)۔ مسلم کی عثمان بن ابی شیبۃ عن جریر عن الأعمش کے طریق سے روایت میں ہے کہ عبد اللہ بن عمرو کے ہاں گئے جب وہ

حضرت معاویہ کے ہمراہ کوفہ آئے تھے تو وہ آنجناب کا تذکرہ کرنے لگے الخ۔

(فاحشا ولا متفحشا) یعنی ناطق بالفحش اور بدگوئی میں حد سے بڑھنے والے، متفحش سے مراد وہ شخص کہ بدگوئی جس کی عادت تو نہ ہو مگر بتکلف بدگوئی کرے، تفسیر سورۃ الفتح میں ابن عمرو کے ہی حوالے سے اس بابت اتم سیاق کے ساتھ روایت آئیگی، الأدب میں حضرت انس سے مروی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ سبّاب، فحّاش اور لعّان نہ تھے (یعنی گالیاں دینے، فحش گوئی کرنے اور لعنتیں بھیجنے والے)، ناراضی کے وقت زیادہ سے زیادہ یہ فرماتے اسے کیا ہے؟ اس کی پیشانی پہ خاک لگے۔ احمد کی حدیثِ عائشہ میں ہے کہ اگر کسی شخص کی بات بری لگتی (یعنی کسی پر غصہ آتا) تو یہ نہ کہتے: (مابال فلان يقول لكِنْ يقول مابال أقوام يقولون) کہ فلاں کو کیا ہے کہ ایسی باتیں کرتا ہے (حالانکہ یہ اگر کہتے تو یہ بھی نہایت نرمی کا اسلوب ہے) لیکن یوں کہتے لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں (گویا کسی کو نشانزد کر کے اس کی بابت ڈانٹ ڈپٹ کی کوئی بات نہ کرتے بلکہ عمومی انداز میں سمجھاتے تا کہ لوگوں کو معلوم ہی نہ ہو کہ کس کے بارہ میں بات کر رہے ہیں)۔

(إنَّ من خيار كم الخ) مسلم کی روایت میں (أحاسنكم) ہے، حُسنِ خلق یہ ہے کہ فضائل اختیار کئے جائیں اور رذائل کا ترک کیا جائے، احمد کی حدیثِ ابی ھریرہ مرفوع میں ہے: (إنما بُعِثتُ لأُتَمِم صالحَ الأخلاق)، بزار نے اسی طریق سے (مکارم) کا لفظ ذکر کیا ہے (یعنی میں اسلئے مبعوث کیا گیا ہوں کہ مکارمِ اخلاق۔ اچھی عادات و خصال۔ کی تکمیل کروں)، طبرانی کی اوسط میں ام المؤمنین صفیہ بنت حیی سے روایت میں ہے، کہتی ہیں میں نے آنجناب سے بڑھ کر کسی کو حسن خلق والا نہیں دیکھا، مسلم کی ام المؤمنین عائشہ سے روایت میں ہے: (كان خلقه القرآن يغضب لغضبه و يرضىٰ لِرضاه) کہ آپ قرآن کا چلتا پھرتا نمونہ تھے، ان باتوں پر اظہارِ غضب کرتے جن پر قرآن میں غضب مذکور ہے اور قرآن میں مذکور پسندیدہ باتوں پر خوشی کا اظہار فرماتے۔ علامہ انور فاحش کا معنی بدزبان اور متفحش کا معنی اردو میں یہ لکھتے ہیں: بزور بدزبانی کرنے والا۔ اسے مسلم نے (الفضائل) اور ترمذی نے (البر) میں نقل کیا ہے۔

3560 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ أَنَّهَا قَالَتْ مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا، مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا، فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ، وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِنَفْسِهِ، إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللَّهِ فَيَنْتَقِمَ لِلَّهِ بِهَا. أطرافه 6126، 6786، 6853

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ کو جب بھی دو چیزوں میں سے کسی ایک کے اختیار کا کہا گیا تو آپ نے ہمیشہ وہ چیز اختیار کی جو آپکو آسان لگی الا یہ کہ وہ گناہ کی بات ہو تب آپ اس سے نہایت دور ہٹنے والے بنتے۔ اور آپ نے کبھی ذاتی انتقام نہ لیا لیکن اگر اللہ کی کوئی حرمت پامال کی جاتی تو اللہ کیلئے بدلہ لیتے۔

(بين أمرين) یعنی امورِ دنیا میں سے، اگلا جملہ (مالم يكن إثما) اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ امورِ دین میں تو اثم نہیں ہو سکتا۔ (خير) کا فاعل مبہم رکھا ہے تا کہ اس بات سے اعم ہو کہ تخییر من جانب اللہ ہے یا اس کی مخلوق کی جانب سے، یعنی اگر دو میں سے اسہل معاملہ اختیار کرنے سے کسی اثم کا لزوم آتا ہو تب اشدّ اختیار کرتے، اوسط للطبرانی کی حدیثِ انس میں یہ الفاظ ہیں: (مالم

يکن لِلّٰهِ فِيه سخط) یعنی بشرطیکہ اسہل اختیار کرنے سے اللہ کی ناراضی لازم نہ آتی ہو۔ مخلوقین کی جانب سے تخییر تو واضح ہے البتہ اللہ کی طرف سے تخییر میں اشکال ہے کیونکہ وہ تو دو جائز امور ہی میں ہوسکتی ہے لیکن اسے اس امر پر محمول کرینگے کہ کسی معاملہ کو اختیار کرنا مُفضِی اِلی اِثم مراد ہے (یعنی مآل کار گناہ لازم آتا ہو) تب کوئی اشکال نہیں، مثلا بالفرض اللہ تعالی کی جانب سے اختیار دیا گیا کہ آپ کیلئے زمین کے خزانے کھول دئے جائیں، تو یہ فی نفسہٖ تو اثم نہیں لیکن مسبّبِ اثم ثابت ہوسکتا تھا کہ بوجہ ان کے ساتھ اشتغال کے مکمل طور سے متفرغ للعبادت نہ ہوسکیں، یا آپ پھر کفاف اختیار کرلیں (یعنی تنگدستی) تو آپ نے کفاف اختیار کیا، تو یہاں آپ نے گویا بجائے أسهل الأمرين (یعنی دنیا کی ناز ونعمت کے) اشد (یعنی فقر وفاقہ کی زندگی) اختیار کی، اس مثال میں اثم کا اندیشہِ وقوع امرِ نسبی ہے، مراد معنائے خطیہ نہیں کیونکہ آپ کیلئے تو عصمت ثابت ہے۔

(وما انتقم لنفسه) یعنی خاص اپنی ذات کیلئے کسی سے انتقام نہیں لیا، عقبہ بن ابی معیط، عبداللہ بن مغفل وغیرھما کے قتل کا جو حکم دیا تھا وہ اس مذکور کے منافی نہیں کیونکہ وہ آنجناب کی ایذاء رسانی کے ساتھ ساتھ انتہاکِ حرمات اللہ کے بھی مرتکب تھے، بعض نے اس قول کی یہ تشریح کی ہے کہ مراد یہ ہے کہ آپ نے کبھی انتقام نہیں لیا اگر ایذاء دئے گئے بغیر اس سبب کے جو مُخرِج اِلٰی کفر ہو جیسے اس اعرابی سے درگزر کیا جس نے آپ پر آواز بلند کی تھی اور ایک اور سے بھی جس نے آپکی چادر کے کناروں کو جکڑ کر کھینچا حتی آپکی گردن مبارک پر نشان پڑ گئے، داؤدی نے عدم انتقام کو مختص بالمال پر محمول کیا ہے جہاں تک عرض کا تعلق ہے تو آپ قصاص لیتے تھے جیسے آپ نے ان سب حاضرین کے منہ مین زبردستی دوا ڈالنے کا حکم دیا جنھوں نے منع کرنیکے باوجود آپ کے دھانِ مبارک میں دوا ڈال دی تھی (مرض الموت کا واقعہ ہے) کیونکہ انہوں نے سوچا کہ آپکا یہ منع کرنا بشری عادت کے بموجب ہے کہ مریض عموما کڑوی دوائیں لینے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے (تو صحابہ کرام نے آپکی محبت سے مغلوب ہوکر کہ آپکو آرام ملے آپکو غشی کے دوران دوا پلا دی)۔ حاکم نے معمر عن الزھری کے طریق سے اسی اسناد کے ساتھ اس روایت کو مطولا تخریج کیا ہے اس کے شروع میں ہے کہ آپ نے کبھی کسی مسلمان پر صریحاً لعنت نہیں بھیجی اور نہ ہاتھ سے کبھی کسی کو مارا سوائے فی سبیل اللہ کے (یعنی حدود کے نفاذ میں) اور نہ اپنی ذات کیلئے کبھی انتقام لیا الا یہ کہ اللہ کی حرمات کا انتہاک کیا جائے تب اللہ کی خاطر انتقام لیتے تھے، یہ سیاق سوائے اول حصہ کے مسلم نے بھی ھشام عن عروہ کے طریق سے نقل کیا ہے۔ اسے مسلم نے (الفضائل) اور ابوداؤد نے (الأدب) میں روایت کیا۔

3561 حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا مَسِسْتُ حَرِيرًا وَلَا دِيبَاجًا أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ النَّبِيِّ ﷺ، وَلَا شَمِمْتُ رِيحًا قَطُّ أَوْ عَرْفًا قَطُّ أَطْيَبَ مِنْ رِيحِ أَوْ عَرْفِ النَّبِيِّ ﷺ .طرفه 1141

انس کہتے ہیں نبی کریم کے ہاتھ سے نرم ونازک کسی ریشم واطلس کو میرے ہاتھ نے نہیں چھوا اور نہ آنجناب کے پسینے سے زیادہ خوشبودار کوئی خوشبو سونگھی۔

سند میں حماد بن زید ثابت بنانی سے راوی ہیں، مسلم نے یہی حدیث بالمعنی سلیمان بن مغیرۃ عن ثابت عن انس کے طریق سے نقل کی ہے۔ (ما مسست الخ) پہلی سین مکسور ہے، مفتوح پڑھنا بھی درست ہے، شممت میں بھی یہی اعراب ہے۔ (ولا ديباجا) یہ عطف الخاص علی العام کی قبیل سے ہے، کیونکہ دیباج بھی ریشم کی ایک قسم ہے، دال پر زیر ہے، زبر بھی محکی ہے بقول ابوعبیدہ زبر مولَّد

ہے یعنی عربی نہیں (فارسی کا لفظ ہے)۔

(ألين من كف رسول الخ) کہا گیا ہے کہ یہ کتاب اللباس کی حدیثِ انس میں مذکور الفاظ: (إنه ضخم اليدين) کے معارض ہے، ایک روایت میں (والقدمين) بھی ہے، ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: (شثن الكفين والقدمين) یعنی بھرے بھرے ہاتھ پاؤں والے تھے، ترمذی کی تخریج کردہ حدیثِ ہند بن ابو ہالہ میں بھی (شثن الخ) کے الفاظ ہیں، ترمذی، حاکم اور ابن ابوخیثمہ وغیرہم کی حدیثِ علی میں بھی یہی صفت مذکور ہے، ابن ابوخیثمہ کی حدیثِ عائشہ میں بھی یہی ہے، تطبیق یہ ہوگی کہ یہاں لیّن سے مراد جلد کی نرماہٹ ہے جبکہ ان مشار الیہا روایات میں جو غِلظ کا معنی مذکور ہے اس سے مراد ہڈیوں کی مضبوطی وقوت ہے تو مقصود نعومتِ بدن کے ساتھ ساتھ اس کی قوت بھی ہے (کیونکہ اگر صرف نرماہٹ قرار دیجائے تو یہ بجائے حسن کے، مردوں کی نسبت عیب ہے) یا اصل خِلقت کے اعتبار سے جب کسی کام میں مشغول نہ ہوں تو ہاتھ پاؤں بہت نرم و ملائم معلوم پڑتے تھے لیکن اگر کسی پُر مشقت کام میں مشغول ہوں (جیسے خندق کی کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان آڑے آئی بڑے بڑے طاقتور صحابہ اس پر کدال چلانے میں ناکام رہے آپ کو بتلایا گیا تو آپ نے کدال کی دو ضربوں سے اسے چکنا چور کر دیا) تو یہی نرم ولطیف اعضائے مبارکہ نہایت مضبوط اور قوی دکھائی دیتے تھے، کتاب اللباس میں اس بارے مزید تفصیل آئیگی، طبرانی اور بزار کی حدیثِ معاذ میں ہے کہ ایک سفر میں آنجناب کا ردیف تھا تو میں نے کسی شیء کو نہیں چھوا جو آپکے جسد مبارک سے زیادہ نرم ہو۔

(أو عرفا) یہ راوی کا شک ہے بعد کا جملہ (أطيب من ريح أو عرف) اس پر دال ہے، عرف ریحِ طیب کو کہتے ہیں بعض روایات میں (عرقاً) ہے اس پر (أو) برائے تنویع ہوگا مگر اول ہی معروف ہے، الصیام میں حمید عن انس کے حوالے سے روایت میں تھا: (مسكة ولا عنبرة أطيب رائحة من ريح رسول الله) عنبرۃ دو طرح سے ضبط کیا گیا ہے، ایک نونِ ساکن اور اسکے بعد باء کے ساتھ، دوسرا نونِ مکسور اور مابعد یاء کے ساتھ، اول معروف ہے، ثانی (یعنی عنیرۃ) ایسی خوشبو کو کہتے ہیں جو کئی خوشبوؤں کا مجموعہ و مرکب ہو جنہیں زعفران جمع رکھتا ہے، بعض نے زعفران ہی قرار دیا ہے، بیہقی کی روایت کے الفاظ ہیں: (ولا شممت مسكا ولا عنبرا ولا عبيرا)، دونوں کا ذکر کیا۔ (من ريح أو عرف) ریح مکسور بلا تنوین ہے کہ مضاف کے حکم میں ہے جیسے شاعر کا یہ شعر ہے: (بين ذراعَيْ وجبهةِ الأسد)۔ (معاصر عربی میں یہ کثیر الاستعمال ہے مثلا بجائے یہ لکھنے کے: بقلبِ أحمدو عينه، یوں بھی لکھا جاتا ہے: بقلبِ وعينِ أحمد)۔ مسلم کی روایت کے شروع میں یہ بھی ہے: (كان رسول الله ﷺ أزهر اللون كأن عرقه اللؤلؤ إذا مشى يتكفأ و ما مسست الخ) یعنی آپ کا پسینہ موتیوں جیسا اور جب چلتے تو (تکفأ کا لغوی معنی ہے: لڑکھڑانا، مراد یہ کہ ذرا آگے کو جھکے انداز میں چلتے)۔ یہ روایت بھی مصنف کے افراد سے ہے البتہ مسلم نے بالمعنی نقل کی ہے۔

3562 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي عُتْبَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا. طرفاه 6102، 6119

3562 حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى وَابْنُ مَهْدِيٍّ قَالاَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ مِثْلَهُ وَإِذَا كَرِهَ شَيْئًا عُرِفَ فِي وَجْهِهِ

ابوسعید خدری کہتے ہیں نبی پاک پردہ نشین کنواری سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ شعبہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپ کو کوئی

چیز ناپسند ہوتی تو آپ کے چہرہ مبارک سے اس کا پتہ چل جاتا۔

دوطرق سے حدیثِ ابی سعید لائے ہیں، یحی سے مراد قطان ہیں۔ (عن عبدالله بن أبی عتبة) مولی حضرت انس ہیں، قتادہ سے یہی محفوظ ہے طبرانی نے ایک دیگر طریق کے ساتھ شعبۃ عن قتادہ سے (عن أبی السوار العدوی عن عمران بن حصین) کے حوالے سے اسے تخریج کیا ہے۔ (فی خدرھا) یعنی پردہ وحجاب میں، یہ من باب التتمیم ہے کیونکہ خلوت میں کنواری کا مظاہرۂ شرم وحیا اور بھی زیادہ ہوتا ہے بظاہر کنواری کے پاس جب خلوت میں کوئی داخل ہو تو جو اس کی شرم وحیا کی کیفیت اس وقت ہوگی وہ بظاہر مرادِ تشبیہ ہے، آنجناب کی حیا کا یہ محلِ وجود غیر حدود اللہ میں ہے کیونکہ جیسا کہ کتاب الحدود میں آئیگا، اعترافِ زنا کرنے والے سے اس کے زنا کی بابت صراحت سے استفسار فرمایا (تاکہ معترف کسی غلط فہمی میں نہ مارا جائے)۔ بزار نے یہ روایت حضرت انس کے واسطہ سے تخریج کی ہے اس کے آخر میں ہے: (وكان يقول الحياء خيرٌ كُلُّه) ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آنجناب حجرات کے پیچھے جا کر غسل فرماتے اور کبھی کسی نے آپ کے جسدِ اطہر کا وہ حصہ نہیں دیکھا جسے ڈھانپے رکھنا ضروری ہے۔ (حدثنا محمد بن بشار الخ) تو انہوں نے اس طریق کے حوالے سے سند ومتن کے لحاظ سے اسی سابق الذکر کی طرح روایت کی ہے، اسے اسماعیلی نے ابوموسی محمد بن مثنی عن ابن مہدی کے حوالے سے مخرَّج کیا ہے۔ (وإذا كره الخ) یعنی ابن بشار نے مسدد کی رُوایت کے متن سے اس جملہ کو زائد نقل کیا ہے، محتمل ہے کہ یہ حصہ صرف عبدالرحمن بن مہدی کی روایت میں ہو یا یہ کہ یحیی کی روایت میں بھی ہو اور مسدد سے رہ گیا ہو، البتہ اسماعیلی نے مقدمی، ابوخیثمہ اور ابن خلاد عن یحیی بن سعید کے حوالے سے یہی روایت نقل کی ہے، اس میں یہ اضافہ موجود نہیں، جبکہ ابوموسی عن عبدالرحمن بن مہدی سے روایت کرتے ہوئے اسے بھی ذکر کیا ہے، مسلم نے بھی زہیر بن حرب وابوموسی اور احمد بن سنان کلھم عن ابن مہدی کے حوالے سے یہ حصہ بھی ذکر کیا ہے، انہوں نے یہی حدیث معاذ کے حوالے سے اور اسماعیلی نے علی بن جعد کے حوالے سے، دونوں شعبۃ سے روایت کرتے ہوئے، اسے بھی نقل کرتے ہیں، ابن حبان نے بھی عبداللہ بن مبارک عن شعبۃ کے حوالے سے اسی طرح نقل کیا۔

(عرفناه فی وجهه) میں سابق الذکر بات کہ آپ کسی شخص کی مواجہت (یعنی چہرہ مبارک اس کی طرف کرنا) آثارِ کراہت کے ساتھ نہ کرتے، کی تصحیح واتمام مقصود ہے کہ کسی چیز کو اگر برا سمجھتے تو چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا جس سے صحابہ کرام سمجھ جاتے کہ یہ بات بری لگی ہے (یعنی غصہ وکراہت کے آثار لئے چہرہ کسی کی جانب نہ کرتے کہ غصہ بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگ جائیں، بلکہ اسی ہیئت میں رہتے صرف یہ ہوتا کہ چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا)۔

اسے بھی مسلم نے (الفضائل) میں نقل کیا ہے۔

3563 حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ مَا عَابَ النَّبِيُّ ﷺ طَعَامًا قَطُّ، إِنِ اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ، وَإِلاَّ تَرَكَهُ. طرفه 5409

ابوہریرہ کہتے ہیں نبی اکرم نے کبھی کسی طعام میں عَیب جوئی نہیں کی، پسند ہوتا تو تناول فرما لیتے وگرنہ ترک کر دیتے۔

سند میں ابوحازم اشجعی ہیں ان کا نام سلمان تھا، ایک اور راوی ابوحازم سلمۃ بن دینار ہیں جو صاحبِ سہل بن سعد تھے۔ (ما عاب الخ) اسماعیلی کی غندر عن شعبہ سے روایت میں ہے: (ما رأیت رسول الله عاب الخ) یہ طعامِ مُباح پر محمول ہے جیسا کہ

اس کی تقریر کتاب الأطعمة میں آئے گی۔ نسائی کے سوا باقی سب نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔

3564 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ الأَسْدِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى نَرَى إِبْطَيْهِ قَالَ وَقَالَ ابْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا بَكْرٌ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ .طرفاه 390، 807

راوی کا بیان ہے کہ نبی پاک جب سجدہ کرتے تو اپنے بازوؤں کو کشادہ فرماتے حتیٰ کہ آپکی بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی۔

عبداللہ بن مالک ابن بحینۃ کی روایت ہے، مالک مجرور منون اور ابن بحینۃ میں ابن کا اعراب، ابن مالک کے ابن کا سا اعراب ہے کیونکہ بحینۃ عبداللہ کی (دادی نہیں بلکہ) والدہ ہیں، کتاب الصلاۃ میں یہ حدیث گزر چکی ہے اس طرح ان کا یہ قول بھی: (قال ابن بكيبر الخ) یہ یحیٰی بن عبداللہ بن بکیر ہیں۔ (حدثنا بكر) یعنی ابن مصر، اسی اسنادِ مذکور کے ساتھ متصل ہے۔ (بياض إبطيه) یعنی یحیی نے (بیاض) کا لفظ مزید نقل کیا ہے کیونکہ قتیبۃ کی روایت میں (حتى يرى إبطيه) ہے، بیاض ابطیہ کے مفہوم میں اختلاف ہے، کہا جاتا ہے کہ وھاں بال نہ تھے لہٰذا بغلوں کا بھی وہی رنگ تھا جو باقی جسم کا تھا، پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہاں بال اگے ہی نہ تھے، کچھ کی رائے میں بال اگے تو تھے مگر مسلسل صاف کئے رکھتے تھے۔ مسلم کی روایت کے الفاظ: (عفرة إبطيه) اس کے منافی نہیں کیونکہ عفرہ ایسے بیاض کو کہتے ہیں جو ناصع (یعنی اتنی نمایاں) نہ ہو، مغابن حصوں (یعنی وہ حصے جن کو ہوا نہیں لگتی، لفظی معنی پوشیدہ) کی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ انکا رنگ باقی جسم سے قدرے پھیکا ہوتا ہے۔

3565 حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ أَنَسًا ؓ حَدَّثَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ لاَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَىْءٍ مِنْ دُعَائِهِ، إِلاَّ فِي الاِسْتِسْقَاءِ، فَإِنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُرَى بَيَاضُ إِبْطَيْهِ .طرفاه 1031، 6341

انس کہتے ہیں نبی پاک سوائے دعائے استقاء کے کسی دعا میں ہاتھ اتنے اونچے نہ کرتے، اس میں آپ اتنے بلند کرتے کہ بغل مبارک کی سفیدی نظر آتی۔

استقاء میں رفع یدین کے بارہ میں یہ حدیثِ انس مشروحا گزر چکی ہے، بیاض ابطیہ کا ذکر غرضِ ترجمہ ہے، رفع یدین کے اس حصر سے مراد اس ذکر کردہ کیفیت و ہیئت کے مطابق انہیں بلند کرنا، مطلق رفع یدین کی نفی مقصود نہیں، وہ اس سے اگلی روایت میں بھی ثابت ہے۔ علامہ انور اس کے تحت لکھتے ہیں کہ مراسیلِ ابی داؤد کی روایت میں ہے: (لا يرفع كُل الرفع) تو اس سے اشکال مندفع ہو جاتا ہے، مبالغہ فی الرفع کی طرف ہی مابعد کی یہ عبارت: (فإنه كان يرفع يديه حتى يرى بياض إبطيه) اشارہ کرتی ہے، ابن عباس نے رفع یدین کے متعدد درجات (یعنی مختلف مواضع و مواقع میں انہیں کس حد تک اٹھایا جانا مذکور ہے) بیان کئے ہیں، ہمارے رسالہ کشف السرّ میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ (قال أبو موسى الخ) ان کی حدیث کا ایک حصہ معلقاً پیش کیا ہے، مکمل حدیث المناقب کے ترجمہِ ابی عامر اشعری میں نقل ہوگی، الوضوء میں بھی ایک حصہ معلقا لائے تھے۔

3566 حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ قَالَ

سَمِعْتُ عَوْنَ بْنَ أَبِي جُحَيْفَةَ ذَكَرَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ دُفِعْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ بِالْأَبْطَحِ فِي قُبَّةٍ كَانَ بِالْهَاجِرَةِ، خَرَجَ بِلَالٌ فَنَادَى بِالصَّلَاةِ، ثُمَّ دَخَلَ فَأَخْرَجَ فَضْلَ وَضُوءِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَوَقَعَ النَّاسُ عَلَيْهِ يَأْخُذُونَ مِنْهُ، ثُمَّ دَخَلَ فَأَخْرَجَ الْعَنَزَةَ، وَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ سَاقَيْهِ فَرَكَزَ الْعَنَزَةَ، ثُمَّ صَلَّى الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ، يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ الْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ .أطرافه 187، 376، 495، 499، 501، 633، 634، 3553، 5786، 5859

ابو جحیفہ کہتے ہیں میں آنجناب کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ اس وقت وادیٔ ابطح میں دوپہر کے وقت ایک خیمہ میں آرام فرما تھے، اتنے میں حضرت بلال نے اذانِ ظہر دی پھر وہ اندر آئے اور آپکے وضوء کا بچا ہوا پانی نکالا لوگ اسے حاصل کرنے کیلئے ٹوٹ پڑے، پھر ایک نیزہ نکالا پھر نبی اکرم نکلے گویا میں آپکی پنڈلیوں کی سفیدی دیکھ رہا ہوں، آپ نے نیزہ گاڑا اور دو رکعت ادا فرمائیں پھر لوگوں کو دو رکعت پڑھائیں، آپکے سامنے سے گدھا اور عورت وغیرہ گزر رہے تھے۔

شیخِ بخاری حسن بزار ہیں جو مابعد روایت کے بھی شیخ مؤلف ہیں بعض نے انہیں زعفرانی قرار دیا ہے جو یہاں اپنے دادا کی طرف منسوب مذکور ہیں، والد کا نام محمد تھا، بقول قسطلانی ان کے شیخ محمد بھی شیوخِ بخاری میں سے ہیں۔

(ذكر عن أبيه) شعبۃ عن عون کی روایت میں (سمعت أبي) ہے جیسا کہ اوائل الصلاۃ میں گزرا۔ (دفعت) بصیغۂ مجہول، یعنی اتفاقاً آمنا سامنا ہو گیا، ابطح سے مراد خارجِ مکہ وہ وادی جہاں منی سے واپسی پر حجاج پڑاؤ ڈالتے تھے۔ (وكان بالهاجرة) جملہ مستأنفہ یا حال ہے، اسی باب کے دسویں نمبر پر یہی حدیث ایک دیگر طریق سے گزری ہے، غرضِ ترجمہ (وبيص ساقيه) ہے، و بیص بریق کا ہم وزن ومعنی ہے۔

3567حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ الْبَزَّارُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ ؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُحَدِّثُ حَدِيثًا لَوْ عَدَّهُ الْعَادُّ لَأَحْصَاهُ .طرفه 3568- 3568وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّهُ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ أَلَا يُعْجِبُكَ أَبُو فُلَانٍ جَاءَ فَجَلَسَ إِلَى جَانِبِ حُجْرَتِي يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، يُسْمِعُنِي ذَلِكَ وَكُنْتُ أُسَبِّحُ فَقَامَ قَبْلَ أَنْ أَقْضِيَ سُبْحَتِي، وَلَوْ أَدْرَكْتُهُ لَرَدَدْتُ عَلَيْهِ، إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَسْرُدُ الْحَدِيثَ كَسَرْدِكُمْ .طرفه 3567

حضرت عائشہ کہتی ہیں نبی اکرم اس قدر ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے کہ اگر کوئی آپکے حروف گننا چاہتا تو گن سکتا۔ عروہ کہتے ہیں مجھے حضرت عائشہ نے کہا تمہیں فلاں سے تعجب نہیں ہوتا؟ وہ آئے اور نبی پاک کی احادیث بیان کرنا شروع کیں، مجھے سنانا مقصود تھا، میں اس وقت نوافل میں مصروف تھی وہ میرے فارغ ہونے سے قبل ہی چل دئے، وگرنہ میں انہیں بتلاتی کہ نبی پاک تمہاری طرح جلدی جلدی بات نہ کیا کرتے تھے۔

شیخِ بخاری بزار ہیں، زاء راء سے متقدم ہے، واسطی نزیلِ بغداد ہیں ائمہ حدیث میں سے ہیں، سفیان سے مراد ابن عیینہ ہیں، ثوری سے ان کی لقاء ثابت نہیں پھر ثوری نے زہری سے بلاواسطہ روایت نہیں کی۔ (لو عدّه العاد الخ) یعنی اگر کوئی گننے والا آنجناب

کی کلام کے کلمات یا مفردات یا حروف گننا چاہتا تو ایسا کر سکتا تھا، یعنی تفہیم کی خاطر آہستہ آہستہ مسائل بیان کرتے ہوئے بولتے، آمدہ حدیث بھی یہی ہے، رواۃ نے اس کے سیاق میں بسط واختصار کے اعتبار سے اختلاف کیا ہے (کسی نے بسطاً اور کسی نے اختصاراً نقل کی)۔ (قال اللیث الخ) اسے ذہلی نے الزہریات میں موصولاً نقل کیا ہے۔ (ألا یعجبك) اسے اِعجاب اور تعجیب دونوں باب سے پڑھا گیا ہے۔ (أبا فلان) اکثر نے یہی نقل کیا، عیاض لکھتے ہیں یہ منادیٰ بالکنیت ہے (یعنی عروہ کو مخاطب کر کے انہیں اس کنیت سے پکارا)، ابن حجر کہتے ہیں عیاض کی بات درست نہیں عروہ کو تخاطب کر کے (ألا یعجبك) کہا، ابا فلان سے مراد متعجب مِنہ ہیں (یعنی أبوہریرۃ)۔ حقِ سیاق یہ تھا کہ (أبو فلان) ہوتا کہ ماقبل فعل کا فاعل ہے لیکن یہ بھی ایک لغتِ قلیلہ ہے، آگے وجہِ تعجب کا ذکر ہے کہ (جاء وجلس الخ)۔ اصیلی اور کریمہ بنت احمر کے صحیح بخاری کے نسخوں میں (أبو فلان) ہے تب کوئی اشکال نہیں، مسلم اور ابوداؤد کی روایتوں سے ظاہر ہے کہ وہ ابو ہریرہ تھے، اسماعیلی کی ابن وھب سے روایت میں ہے: (ألا یعجبك من أبي ہریرۃ الخ) قابسی کے نسخہ میں (أتیٰ فلا ن) ہے، یہ تصحیف ہے، عیاض لکھتے ہیں اگر بعد میں (جاء) نہ ہوتا تو یہ روایت درست تھی بقول ابن حجر کیونکہ تب تکرار لازم ہے۔

(وکنت أسبح) یعنی نوافل کی ادائیگی میں مشغول تھی۔ (لَرددت علیه) یعنی انہیں تیز تیز بولنے پر ٹوکتی۔ (کسرد کم) اسماعیلی کی ابن مبارک عن یونس سے روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: (إنما کان حدیثُ رسولِ اللّٰہِ فصلا فہما تفہمه القلوب) کہ آنجناب کی گفتگو ٹھہراؤ والی اور دلوں میں اتر جانے والی ہوتی تھی۔ ابن حجر لکھتے ہیں ابو ہریرہ کی طرف سے کسی نے یہ عذر بیان کیا ہے کہ وہ واسع الروایت اور کثیر المحفوظ تھے تو احادیث نبوی بیان کرتے ہوئے ذرا تیزی کا مظاہرہ کرتے تھے (تا کہ کم وقت میں زیادہ سے زیادہ احادیث تحدیث کر کے تعلیم عام کریں)۔

24 باب كَانَ النَّبِيُّ ﷺ تَنَامُ عَيْنُهُ وَلاَ يَنَامُ قَلْبُهُ

(آنجناب کا دل سوتے میں بیدار رہتا تھا)

رَوَاهُ سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

کشمیہنی کے نسخہ میں (عیناہ) (تثنیہ کا صیغہ) ہے، (رواہ سعید الخ) اسے کتاب الاعتصام میں مطولا موصول کیا ہے۔

3569 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلاَةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ قَالَتْ مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلاَ غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَلاَ تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلاَ تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلاَثًا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ قَالَ تَنَامُ عَيْنِي وَلاَ يَنَامُ قَلْبِي. طرفاه 1147، 2013

یہ صلاۃ التطوع میں بھی گزر چکی ہے۔

3570حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يُحَدِّثُنَا عَنْ لَيْلَةِ أُسْرِيَ بِالنَّبِيِّ ﷺ مِنْ مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ جَاءَ ثَلاَثَةُ نَفَرٍ قَبْلَ أَنْ يُوحَى إِلَيْهِ، وَهُوَ نَائِمٌ فِي مَسْجِدِ الْحَرَامِ، فَقَالَ أَوَّلُهُمْ أَيُّهُمْ هُوَ فَقَالَ أَوْسَطُهُمْ هُوَ خَيْرُهُمْ وَقَالَ آخِرُهُمْ خُذُوا خَيْرَهُمْ .فَكَانَتْ تِلْكَ، فَلَمْ يَرَهُمْ حَتَّى جَاءُوا لَيْلَةً أُخْرَى، فِيمَا يَرَى قَلْبُهُ، وَالنَّبِيُّ ﷺ نَائِمَةٌ عَيْنَاهُ وَلاَ يَنَامُ قَلْبُهُ وَكَذَلِكَ الأَنْبِيَاءُ تَنَامُ أَعْيُنُهُمْ وَلاَ تَنَامُ قُلُوبُهُمْ، فَتَوَلاَّهُ جِبْرِيلُ ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ .أطرافه 4964، 5610، 6581، 7517

حضرت انس واقعۂ معراج بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی پاک کو کعبہ سے لیجایا گیا، آپ کے پاس تین افراد آئے، یہ نزولِ وحی سے قبل کی بات ہے، آپ کعبہ میں سوئے ہوئے تھے، ایک نے کہا وہ کون ہیں؟ جواب دیا درمیان والے اور وہ تینوں میں بہتر ہیں، اس رات اتنا ہی واقعہ پیش آیا پھر آپ نے انہیں نہیں دیکھا، پھر ایک اور رات آئے، آپ نے دل کی نگاہ سے دیکھا، اور نبی پاک کی آنکھ سوتی تھی اور دل نہیں سوتا تھا اسی طرح سابقہ انبیاء ہیں ان کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل نہیں سوتے تھے۔ پھر حضرت جبریل نے آپ کو ساتھ لیا اور آسمان کی طرف لے گئے۔

شیخِ بخاری اسماعیل بن ابو اویس ہیں۔ (حدثنی أخی) یہ ابو بکر عبدالحمید ہیں، سلیمان سے مراد ابن بلال ہیں۔ (جاء ثلاثة نفر) یہ فرشتے تھے بقول ابن حجر ان کے نام متحقق نہ کر سکا۔ (أیھم) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اس وقت دو یا زیادہ افراد کے درمیان سوئے ہوئے تھے بعض نے کہا ہے کہ اپنے چچا حضرت حمزہ اور چچازاد حضرت جعفر طیار کے درمیان تھے۔ (فکانت تلك) یعنی قصہ، یعنی اس رات بس یہی واقعہ ہوا۔ (حتی جاؤوا الخ) یعنی اس کے بعد۔ (فیما یری قلبه الخ) اوائل الطھارۃ میں عبید بن عمیر کا اسی جیسا قول گزر چکا ہے، ظاہر ہے اس قسم کی بات ذاتی رائے سے نہیں کہی جا سکتی، قضاعی مدعی ہیں کہ یہ صرف آنجناب کی ہی خصوصیت ہے لیکن یہ دونوں حدیثیں ان کار کرتی ہیں، آپکی اس خصوصیت کے بارہ میں کتاب التیمم میں حضرت عمران بن حصین کی صاحبة المزادتین کے واقعہ پر مشتمل روایت کے اثنائے بحث، کلام گزر چکی ہے۔

علامہ انور حدیثِ عائشہ کے الفاظ: (یصلی بأربع رکعات) کے تحت لکھتے ہیں کہ عددِ رکعات یعنی گیارہ کی بابت بات رمضان وغیرِ رمضان، دونوں سے متعلق ہے البتہ ایک ہی تشہد کے ساتھ چار رکعات کی بات صرف رمضان سے متعلق ہے (یعنی غیر رمضان میں عموماً دو دو کر کے ادا فرماتے تھے)۔ دوسری روایت کے الفاظ: (جاء ثلاثة نفر الخ) کے بارہ میں رقمطراز ہیں کہ حافظ نے اس میں دس علل نکالی ہیں ایک یہ کہ معراج تو نزولِ وحی کے بعد ہوئی تھی، اس کا جواب دیا گیا کہ اس رات صرف آمد ہوئی تھی پھر واپس چلے گئے (ابن حجر نے یہ بحث مؤخر کی ہے) لکھتے ہیں اس روایت میں (دنیٰ) کا فاعل اللہ تعالی کو ذکر کیا ہے، یہ حدیث کتاب التوحید میں بھی آئیگی، میرے نزدیک اس میں تقدیم و تاخیر کا صدور ہوا ہے۔ اسے مسلم نے (الإیمان) میں نقل کیا۔

25 بابُ عَلامَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الإِسْلَامِ (طلوعِ اسلام کے بعد ظہور پذیر معجزات)

امام بخاری نے بجائے معجزات یا کرامات کے علامات کا لفظ استعمال کیا ہے اسلئے کہ یہ معجزہ وکرامت سے اَعَم ہے (یعنی دونوں پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے) معجزہ اور کرامت کا باہمی فرق یہ ہے کہ معجزہ کا صدور علی طریق التحدّی ہوتا ہے بایں طور کہ آنجناب کسی تکذیب کرنے والے کو بطور تحدی (چیلنج) کہیں اگر ایسا کرلیا تو کیا مجھے نبی مان لو گے؟ یا مثلا کافر کہے میں آپکو سچا نبی نہیں مانوں گا حتی کہ آپ یہ کریں، اس ضمن میں شرط یہ ہے کہ متحدّیٰ بہ (یعنی جو کام کرنے کو کہا جائے) ایسا امر ہو جو بشری طاقت سے ماوراء ہو۔ دونوں (معجزہ وکرامت) قسم کی علامات کا متعدد مواطن میں آنجناب کیلئے ظہور ہوا ہے۔ معجزہ کی وجہِ تسمیہ موجودین کا اس کے معارضہ سے عاجز ہونا، ھاء اس میں برائے مبالغہ ہے یا یہ محذوف کی صفت ہے (یعنی آیةٌ معجزہ یا علامةٌ معجزة)، آنجناب کا سب سے اَشہر معجزہ قرآن ہے کیونکہ اس کے معارضہ کا سارے عرب کو چیلنج کیا گیا اور وہ فصحاء وبلغاء اور قادر الکلام تھے، کہ اس جیسی ایک سورت بھی بنا ڈالیں تو وہ باوجود اپنی شدتِ عداوت کے عاجز رہے حتی کہ بعض علماء لکھتے ہیں چونکہ قرآن کی سب سے چھوٹی سورت: (إنا اعطینک الکوثر) الخ ہے تو اس کے بقدر دوسری سورتوں سے قرآن کی طرح کلام کو وضع کرنا اس تحدی میں شامل ہے، اس حیثیت سے قرآن کے معجزات کی تعداد بہت زیادہ بنتی ہے (یعنی پورے قرآن سے سورۃ الکوثر کے بقدر آیت یا آیات علیحدہ علیحدہ معجزہ ہیں کیونکہ کفار کو چیلنج کیا گیا تھا کہ کسی بھی ایک سورت کی مثل سورت بنا کر پیش کریں تو سب سے چھوٹی سورت، الکوثر ہے تو یہ ایک معجزہ ہوا، اسطرح سے تمام قرآنی آیات میں سے سورۃ کوثر کے بقدر، بے شمار معجزے ہوئے)۔

اِعجازِ قرآنی کی وجوہ کثیر ہیں مثلا اسکا حسنِ تألیف، التئامِ کلمات (یعنی ایک مقام کے کلمات کا باہمی تجانُس وتماثُل) فصاحت، مقامِ ایجاز میں اسکا ایجازِ کلام اور اس کی بلاغت، اس کے ساتھ ساتھ اس کا حسنِ نظم، ندرتِ اسلوب اس کے قواعدِ شعر ونثر کے خلاف ہونے کے باوجود۔ پھر اس کا اِخبارِ مغیبات اور سابقہ امم کے احوال بیان کرنا جنکا علم صرف علمائے اہلِ کتاب کے پاس تھا اور ایسا نہیں ہوا کہ نبی اکرم نے کسی سے اخذ واستفادہ کیا ہو، پھر اس کی تلاوت کے سمے دلوں پر جو ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور قاری وسامع پر کسی قسم کا ملال (یعنی اکتاہٹ) نہیں ہوتا پھر متعلمین کیلئے اسے حفظ کرنا سہل اور تلاوت کرنیوالے کیلئے اس کی قراءت نہایت آسان ہے، اس کا انکار صرف جاھل ومعانِد ہی کرتا ہے اسی لئے ائمہ نے قرآن کو اللہ تعالی کا آنجناب کیلئے معظَّم معجزہ قرار دیا ہے۔

قرآن کا سب سے اظہر معجزہ استمرارِ اعجاز کے ساتھ اس کا اِبقاء (یعنی اس کی تحدی تا قیامِ قیامت قائم ہے)۔ باقی معجزات جن میں سے بعض کا ذکر ان روایاتِ باب میں ہے، میں سے کچھ کا وقوع بطریقِ تحدی ہوا اور کچھ بغیر سبقتِ تحدی آپکے صدق پر دلالات کیلئے ظاہر ہوئے تو یہ سب قطعی طور پر اس امر کا فائدہ دیتے ہیں کہ آنجناب سے کثیر تعداد میں خوارق العادات کا ظہور ہوا اور ان میں سے کثیر مشہور ومنتشر ہیں، رواۃ کی ایک کثیر تعداد نے انہیں روایت کیا ہے معجزات میں بحیثیتِ معجزہ کسی قسم کا شک اور قبول میں تردُّد ظاہر نہیں کیا گیا، اگر ہوا ہے تو وہ ضعفِ سند کے سبب ہوا ہے، مروی میں کسی نے طعن نہیں کیا۔ نووی اپنی شرحِ مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ معجزاتِ نبوی کی تعداد بارہ سو سے زائد ہے، بیہقی نے المدخل میں ایک ہزار ذکر کی ہے زاہدی حنفی بھی یہی لکھتے ہیں بعض نے تین ہزار کہا ہے ائمہ حدیث کی ایک جماعت جن میں ابونعیم اور بیہقی ہیں، نے معجزاتِ نبوی کو علیحدہ تصانیف میں جمع ونقل کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

(قرآنی معجزات کے ضمن میں میرے ذہن میں ایک معجزہ یہ ملہم ہوا ہے کہ ان فصیح وبلیغ آیات کا خاص نظم وترتیل سے ایسی

زبان پر اجراء وتلاوت جو ایک امی کی زبان تھی، آج ہم مصر وحجاز کے قاریوں کی تلاوتِ قرآن پر سر دھنتے ہیں، کیا سماں ہوتا ہوگا جب آنجناب اسے تلاوت کرتے ہوں گے، راتوں کو چھپ چھپ کر ابوجہل وابوسفیان ایسے ہی قرآن سننے نہ آتے تھے، اگر نفسِ قرآن میں اعجاز تھا تو اس کے پڑھنے والی آواز کا بھی اعجاز تھا، جو لوگ کھنچے چلے آتے تھے لہٰذا حضور کا قرآن پڑھنا بھی ایک معجزہ ہے، اس کا اشارہ سورۃ القیامۃ کی اس آیت سے بھی ملتا ہے: لا تُحَرِّكْ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِه إنَّ عَلَيْنَا جَمْعَه و قُرْآنَه فَإذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَه)۔

(فی الإسلام) یعنی بعثت سے شروع ہوکر، وہ نہیں جو قبل از نبوت صادر وظاہر ہوئے، قبل از نبوت کی علامات ومعجزات کو حاکم نے الإکلیل، ابوسعید نیشاپوری نے شرف المصطفی، ابونعیم اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں جمع کیا ہے، بخاری میں ان میں سے زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل اور سلمان فارسی کے ابتغائے دین کے ضمن میں اَسفار کے قصص مذکور ہیں، ایک قصہ بحیرا راہب کا بھی مشہور ہے جو سیرتِ ابن اسحاق میں بیان کیا، ابونعیم دلائل میں شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن عاص عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے ذکر کرتے ہیں کہ مرّ الظہران میں عیص نام کا ایک راہب تھا، اس میں ہے کہ عبد اللہ بن عبد المطلب (یعنی آنجناب کے والدِ محترم) کو آنجناب کی پیدائش کی رات ہی بتلا دیا گیا تھا کہ یہ نومولود اس امت کا نبی ہے، آپکی صفت کی بابت کئی اور اشیاء کا بھی ذکر کیا (تعجب ہے ابن حجر اس روایت کی بابت خاموش ہیں، آنجناب کے والد محترم تو جیسا کہ مشہور ہے ولادتِ نبوی سے قبل ہی انتقال کر چکے تھے)۔

طبرانی کی حضرت معاویہ بن ابوسفیان عن ابیہ سے روایت میں ہے کہ امیہ بن ابی الصلت (دور جاہلی کے بڑے شعراء میں اس کا شمار ہوتا ہے طائف میں رہائش پذیر تھا) نے انہیں کہا میں نے سابقہ کتب میں پڑھا ہے کہ ہمارے علاقہ میں ایک نبی مبعوث ہونیوالا ہے، خیال کرتا ہوں کہ وہ میں ہونگا پھر میرے لئے ظاہر ہوا ہے کہ وہ بنی عبد مناف سے ہوگا جب ان کے معاصر افراد کو ان صفات کی روشنی میں دیکھتا ہوں تو مجھے وہ عتبہ بن ربیعہ لگتا ہے لیکن اس کی عمر اب چالیس برس سے متجاوز ہو چکی ہے اور اس پر وحی نازل نہیں ہوئی تو وہ کوئی اور ہیں، ابوسفیان کہتے ہیں پھر جب آنجناب نے دعوائے نبوت کیا تو میں نے طائف جا کر امیہ کو بتلایا، وہ کہنے لگا وہ حق ہیں ان کی پیروی کرو، میں نے کہا تم کیوں نہیں مانتے؟ کہنے لگا ثقیف کی نسیات (یعنی خواتین) سے حیا آتی ہے میں ان سے کہتا رہا ہوں کہ وہ میں ہونگا اب ابن عبد مناف کے ایک نوجوان کا پیروکار بنوں!۔ ابن اسحاق نے سلمۃ بن سلامۃ بن وقش سے روایت کیا ہے اسے احمد نے بھی ابن اسحاق کے طریق سے تخریج کیا اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا، کہتے ہیں مدینہ میں ہمارا ایک یہودی پڑوسی تھا بعثت سے کچھ عرصہ قبل کی بات ہے کہ وہ ایک مرتبہ ہمارے ہاں آیا حشر اور جنت ودوزخ کا تذکرہ کرنے لگا، ہم نے کہا اس کی نشانی کیا ہے؟ کہا مکہ میں ایک نبی کا ظہور، لوگوں نے پوچھا یہ کب ہوگا؟ آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھا، اس وقت میں کم سن تھا پھر میری طرف دیکھ کر کہنے لگا اگر اس لڑکے نے اپنی (اوسط) عمر پوری پائی تو یہ انکا زمانہ پائے گا، کہتے ہیں پھر چند ماہ وسال ہی گزرے تھے کہ اللہ کے نبی آخر الزمان کی بعثت کا غلغلہ ہوا، وہ ابھی زندہ ہی تھا ہم تو ایمان لے آئے وہ مارے حسد وبغی کے کافر ہی رہا۔

یعقوب بن سفیان نے بسند حسن حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ مکہ میں ایک یہودی رہتا تھا آنجناب کی ولادت مبارکہ کی رات باہر نکلا اور قریش سے پوچھنے لگا کیا آج رات تمہارے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ جن سے پوچھا تھا وہ کہنے لگے ہمیں نہیں معلوم پھر خود ہی بولا کہ آج رات اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے، اس کے کندھوں کے درمیان علامت ہے وہ دو راتیں دودھ نہیں پئے گا کیونکہ ایک عفریت من الجن نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا ہوا ہے! وہ لوگ واپس ہوئے اور پوچھ پڑتال کی تو پتہ چلا عبد اللہ بن عبد المطلب کے گھر

آج ایک لڑکا تولّد ہوا ہے، یہودی کو بتلایا تو وہ ان کے ہمراہ والدہ رسول حضرت آمنہ کے ہاں آیا انہوں نے آنجناب کو ان کے سامنے کیا، یہودی آپ پر نظر پڑتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑا، پھر اٹھا اور بولا آہ آج نبوت بنی اسرائیل سے نکل گئی، اے معشرِ قریش یہ نومولود تم پر ایسا قابو پائے گا کہ مشرق ومغرب تک اس کی خبر پہنچے گی۔ ابن حجر لکھتے ہیں اس قسم کے متعدد قصص منقول ہیں جنکے بیان وشرح سے بات طویل ہو جائیگی۔

ولادت ﷺ کے بعد اور وقتِ ولادت ظاہر ہونے والی علاماتِ نبوت میں سے بعض طبرانی نے عثمان بن ابو العاص ثقفی عن امہ کے حوالے سے نقل کی ہیں، کہتی ہیں میں حضرت آمنہ کے پاس موجود تھی جب انہیں دردِ زہ شروع ہوا، کہتی ہیں مجھے ستارے اپنے قریب آتے محسوس ہوئے، لگتا تھا مجھ پر گر ہی پڑیں گے جب وضعِ حمل ہوا تو گھر اور محلّہ میں ایک نور سا پھیل گیا، اس روایت کی شاھد عرباض بن ساریہ کی روایت ہے کہتے ہیں میں نے نبی پاک سے سنا فرماتے تھے میں اللہ کا بندہ اور اس وقت سے خاتم النبین ہوں جبکہ ابھی آدم کی مٹی گوندھی گئی تھی، میں تمہیں اس بارے بتلاتا ہوں، میں اپنے باپ ابراھیم کی دعا اور بشارتِ عیسی اور اپنی والدہ کا خواب ہوں جو انہوں نے دیکھا اور انبیاء کی والدائیں ایسا خواب دیکھا کرتی تھیں، انہوں نے وضع حمل کے وقت خواب میں دیکھا کہ ایک نور کو جنا ہے جس سے شام کے محل جگمگا اٹھے ہیں، اسے احمد نے تخریج کیا اور ابن حبان وحاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ احمد کی حدیثِ ابوامامہ میں بھی یہی مذکور ہے۔ ابن اسحاق نے بھی ثور بن یزید عن خالد بن معدان عن بعض اصحاب رسول اللہ، کے حوالے سے یہی نقل کیا ہے، اس میں شام کے شہر بصریٰ کے محلات کا ذکر ہے۔

ان علاماتِ نبوت میں رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ کو بکثرت دودھ جاری ہونا، ان کی ایک نحیف ونزار بکری کے تھنوں میں بھر کر دودھ آنا، ان کے گدھے کا نہایت تیز چلنا، بکریوں میں پہلے کی نسبت زیادہ دودھ آنا، ان کے علاقے کا سرسبز وشاداب ہو جانا اور بسرعت نباتات کا بڑھنا پھر انہی کے ہاں اثنائے قیام دو فرشتوں کا آ کر سینہ مبارک چاک کرنا اور دل کی صفائی، آبِ زمزم سے دھونا وغیرہ مذکور ہیں۔ مخزوم بن ہانیٔ مخزومی اپنے والد جنکی عمر ایک سو پچاس برس ہوئی تھی، سے روایت کرتے ہیں کہ ولادت کی رات ایوانِ کسری کے چودہ کنگرے گر گئے تھے، فارسیوں کی آگ جو ہزار سال میں کبھی بجھی نہ تھی اچانک بجھ گئی، بحیرہ ساوہ ابل پڑا اور موبذان نے دیکھا کہ سرکش اونٹ خیلِ عراب کی قیادت کرتے ہوئے دریائے دجلہ کو عبور کر کے ان کے علاقہ میں پھیل گئے ہیں، صبح ہوئی تو ان سب واقعات کا سنکر کسری گھبرا گیا تو اپنی مملکت کے علماء کو بلایا جنھوں نے سطیح کی طرف پیغام بھیجا، یہ سارا قصہ ابن سکن وغیرہ نے معرفۃ الصحابہ میں نقل کیا ہے۔

اس ترجمہ کے تحت امام بخاری نے پچاس کے قریب احادیث نقل کی ہیں۔ علامہ انور لکھتے ہیں نبوت سے قبل انبیاء سے صادر ہونے والے خرقِ عادت واقعات اِرہاص کہلاتے ہیں اور جو بعثت کے بعد صادر ہوں انہیں معجزہ کہا گیا ہے، تو امام بخاری نے اس ترجمہ کے تحت ان ہر دو قسم کے واقعات کو علامات کے عنوان سے بیان کیا ہے۔

3571 حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا سَلْمُ بْنُ زَرِيرٍ سَمِعْتُ أَبَا رَجَاءٍ قَالَ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ أَنَّهُمْ كَانُوا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي مَسِيرٍ، فَأَدْلَجُوا لَيْلَتَهُمْ حَتَّى إِذَا كَانَ وَجْهُ الصُّبْحِ عَرَّسُوا فَغَلَبَتْهُمْ أَعْيُنُهُمْ حَتَّى ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ، فَكَانَ أَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ مِنْ مَنَامِهِ أَبُو

بَكْرٍ، وَكَانَ لَا يُوقَظُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ مَنَامِهِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، فَاسْتَيْقَظَ عُمَرُ فَقَعَدَ أَبُو بَكْرٍ عِنْدَ رَأْسِهِ فَجَعَلَ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ، حَتَّى اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ فَنَزَلَ وَصَلَّى بِنَا الْغَدَاةَ، فَاعْتَزَلَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّ مَعَنَا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ يَا فُلَانُ مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَنَا .قَالَ أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ .فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَيَمَّمَ بِالصَّعِيدِ، ثُمَّ صَلَّى وَجَعَلَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي رَكُوبٍ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَقَدْ عَطِشْنَا عَطَشًا شَدِيدًا فَبَيْنَمَا نَحْنُ نَسِيرُ إِذَا نَحْنُ بِامْرَأَةٍ سَادِلَةٍ رِجْلَيْهَا بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ فَقُلْنَا لَهَا أَيْنَ الْمَاءُ فَقَالَتْ إِنَّهُ لَا مَاءَ .فَقُلْنَا كَمْ بَيْنَ أَهْلِكِ وَبَيْنَ الْمَاءِ قَالَتْ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ .فَقُلْنَا انْطَلِقِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ .قَالَتْ وَمَا رَسُولُ اللَّهِ فَلَمْ نُمَلِّكْهَا مِنْ أَمْرِهَا حَتَّى اسْتَقْبَلْنَا بِهَا النَّبِيَّ ﷺ، فَحَدَّثَتْهُ بِمِثْلِ الَّذِي حَدَّثَتْنَا غَيْرَ أَنَّهَا حَدَّثَتْهُ أَنَّهَا مُؤْتِمَةٌ، فَأَمَرَ بِمَزَادَتَيْهَا فَمَسَحَ فِي الْعَزْلَاوَيْنِ، فَشَرِبْنَا عِطَاشًا أَرْبَعِينَ رَجُلًا حَتَّى رَوِينَا، فَمَلَأْنَا كُلَّ قِرْبَةٍ مَعَنَا وَإِدَاوَةٍ، غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ نَسْقِ بَعِيرًا وَهِيَ تَكَادُ تَنِضُّ مِنَ الْمِلْءِ، ثُمَّ قَالَ هَاتُوا مَا عِنْدَكُمْ .فَجُمِعَ لَهَا مِنَ الْكِسَرِ وَالتَّمْرِ، حَتَّى أَتَتْ أَهْلَهَا قَالَتْ لَقِيتُ أَسْحَرَ النَّاسِ، أَوْ هُوَ نَبِيٌّ كَمَا زَعَمُوا، فَهَدَى اللَّهُ ذَاكَ الصِّرْمَ بِتِلْكَ الْمَرْأَةِ فَأَسْلَمَتْ وَأَسْلَمُوا .طرفاه 344، 348

عمران بن حصین راوی ہیں کہ وہ نبی اکرم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے، رات بھر لوگ چلتے رہے جب صبح کا وقت قریب ہوا تو پڑاؤ ڈال لیا، سب پر ایسی نیند غالب ہوئی کہ دن چڑھے آنکھ کھلی سب سے قبل ابو بکر بیدار ہوئے آنجناب کو سوتے سے بیدار نہ کیا جاتا تھا حتی کہ خود ہی جاگیں، عمر بھی بیدار ہو چکے تھے آخر ابو بکر آپ کے سر مبارک کے پاس بیٹھ گئے اور بآوازِ بلند اللہ اکبر کہنے لگے اس پر آپ بیدار ہوئے (اور سوار ہو کر ذرا آگے کو چل دیئے، اترے اور ہمیں دو رکعت نماز فجر پڑھائی، ایک شخص جماعت سے الگ رہا آپ پھرے تو اس سے پوچھا کہ ہمارے ساتھ نماز کیوں ادا نہیں کی؟ وہ بولا یا رسول اللہ میں جنبی ہو گیا تھا، آپ نے حکم دیا کہ پاک مٹی سے تیمّم کر کے نماز پڑھ لے، پھر آنجناب نے چند سواروں کے ہمراہ مجھے آگے روانہ کیا، ہمیں سخت پیاس لگی ہوئی تھی ہم جا رہے تھے کہ ایک خاتون ملی جو دو مشکیزوں کے درمیان سواری پر پاؤں لٹکائے جا رہی تھی، ہم نے پوچھا پانی کہاں ہے؟ بولی یہاں کوئی پانی نہیں، پوچھا تمہارے اہل اور پانی کے مابین کتنا فاصلہ ہے؟ بولی ایک دن و رات کا سفر، ہم نے کہا نبی اکرم کے ہاں چلو! کہنے لگی رسول؟ یہ کیا ہیں؟ کہتے ہیں ہم اسے نبی پاک کے پاس لے آئے تو آپکو بھی (پانی کی بابت) وہی کچھ بتلایا جو ہمیں کہا تھا، یہ بھی کہا کہ وہ یتیم بچوں کی ماں ہے، نبی پاک نے حکم دیا کہ اس کے مشکیزے اتارے جائیں، آپ نے ان کے دہانوں پہ ہاتھ پھیرا (اللہ نے ایسی برکت کی کہ) ہم نے سیراب ہو کر پیا ہم چالیس افراد تھے، اپنی مشکیں اور برتن بھی بھر لئے ہاں البتہ اونٹوں کو نہ پلایا لیکن اس کے باوجود اس کے دونوں مشکیزے بھرے تھے گویا ابھی بہہ پڑیں گے، اس کے بعد نبی پاک نے حکم دیا کہ جو تمہارے پاس (فاضل) کھانے کا سامان ہے لے آؤ، چنانچہ اس عورت کیلئے ٹکڑے اور کھجوریں جمع کی گئیں پھر جب وہ اپنے قبیلہ کے ہاں پہنچی تو ان سے کہنے لگی آج میں سب سے بڑے جادوگر سے مل کر آئی ہوں یا پھر وہ رسول ہے جیسا کہ ان

کے اتباع کا خیال ہے، تو اللہ نے اس خاتون کے سبب ان گوٹھ والوں کو ہدایت دی تو اس سمیت سب اسلام لے آئے۔

کتاب التیمم میں یہ روایت مع شرح کے گزر چکی ہے۔ (فمسح بالعزلاوین) کشمیہنی کے نسخہ میں (فی العزلاوین) ہے، عزلاء کی تثنیہ، مشک کے منہ کو کہتے ہیں، عزالی جمع ہے۔ (أربعون رجلا) کشمیہنی کے نسخہ میں اربعین ہے اس کی اعرابی توجیہہ ظاہر ہے (یعنی حال)۔ علامہ انور اس کے تحت لکھتے ہیں یہ عدد ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ جنگ خندق کے موقع کا ذکر ہے مسلمانوں کی تعداد ۱۴۰۰ تھی سبھی پیاسے تھے (لیکن ظاہر ہے سبھی ایک ہی جگہ تو نہ تھے یہ خاص اس مورچہ کا ذکر کر رہے ہیں جہاں آنحضرت چالیس صحابہ کے ساتھ مورچہ بند تھے)۔

(تبض) باء کی زبر کے ساتھ، ضاد مشدد ہے بمعنی (تسیل)، عیاض نے بعض رواۃ سے (تبص) بصیص سے، بھی نقل کیا ہے بمعنی لمعان، لیکن یہاں یہ معنی مستبعد ہے، کیونکہ اس روایت میں ہے: (تبض من الملء)۔ ابن تین تبض کا معنی یہ ذکر کرتے ہیں کہ لبالب بھرے ہونے کیوجہ سے قریب تھیں کہ پھٹ جاتیں، کہا جاتا ہے (بضَّ الماء) أی نبع، پھوٹ پڑا، اسی طرح (بض العرق) بھی کہا جاتا ہے، کہتے ہیں کئی روایات میں (تنض) بھی مروی ہے، کئی میں (تَیصر) بھی منقول ہے، الشیخ ابوالحسن اس کا معنی (تنشق) کرتے ہیں اسی سے (صیر الباب) یعنی شقہ (دروازے کی درز) ہے، لیکن ابن تین یہ کہہ کر رد کرتے ہیں کہ صیر کا عین حرفِ علت ہے تو لازم تھا کہ (تصور) کہتے اور یہ کسی روایت میں نہیں، ابن حجر لکھتے ہیں ابوذر کی کشمیہنی سے صحیح بخاری کی روایت میں (تنصب) دیکھا ہے تو یہ (تبض) کے موافق ہے کہ اس کا معنی بھی (تسیل) ہے۔

3572حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِی عَدِیٍّ عَنْ سَعِیدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ أُتِیَ النَّبِیُّ ﷺ بِإِنَاءٍ وَهُوَ بِالزَّوْرَاءِ، فَوَضَعَ یَدَهُ فِی الإِنَاءِ، فَجَعَلَ الْمَاءُ یَنْبُعُ مِنْ بَیْنِ أَصَابِعِهِ، فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ. قَالَ قَتَادَةُ قُلْتُ لأَنَسٍ کَمْ کُنْتُمْ قَالَ ثَلاَثَمِائَةٍ، أَوْ زُهَاءَ ثَلاَثِمِائَةٍ. أطرافه 169، 195، 200، 3573، 3574، 3575

حضرت انس کا بیان ہے کہ نبی اکرم کے پاس جبکہ آپ زوراء جگہ پہ تھے، ایک برتن لایا گیا آپ نے اس میں دستِ مبارک رکھا تو آپکی انگلیوں کے درمیان سے پانی پھوٹنے لگا حتی کہ سب حاضرین نے وضوء کیا، قتادہ کہتے ہیں میں نے انس سے پوچھا آپ کتنے افراد تھے؟ کہا تقریبا تین سو۔ اسے مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

3573حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِی طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ أَنَّهُ قَالَ رَأَیْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَحَانَتْ صَلاَةُ الْعَصْرِ، فَالْتُمِسَ الْوَضُوءُ فَلَمْ یَجِدُوهُ فَأُتِیَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِوَضُوءٍ، فَوَضَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ یَدَهُ فِی ذَلِكَ الإِنَاءِ، فَأَمَرَ النَّاسَ أَنْ یَتَوَضَّئُوا مِنْهُ، فَرَأَیْتُ الْمَاءَ یَنْبُعُ مِنْ تَحْتِ أَصَابِعِهِ، فَتَوَضَّأَ النَّاسُ حَتَّى تَوَضَّئُوا مِنْ عِنْدِ آخِرِهِمْ. أطرافه 169، 195، 200، 3572، 3574، 3575 (ایضا، یہاں نماز عصر کا ذکر ہے)

3574حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُبَارَكٍ حَدَّثَنَا حَزْمٌ قَالَ سَمِعْتُ الْحَسَنَ قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسُ

بْنُ مَالِكٍؓ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ فِی بَعْضِ مَخَارِجِهِ وَمَعَهُ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَانْطَلَقُوا يَسِيرُونَ فَحَضَرَتِ الصَّلاَةُ فَلَمْ يَجِدُوا مَاءً يَتَوَضَّئُونَ، فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ يَسِيرٍ فَأَخَذَهُ النَّبِیُّ ﷺ فَتَوَضَّأَ، ثُمَّ مَدَّ أَصَابِعَهُ الأَرْبَعَ عَلَى الْقَدَحِ ثُمَّ قَالَ قُومُوا فَتَوَضَّئُوافَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ حَتَّى بَلَغُوا فِيمَا يُرِيدُونَ مِنَ الْوَضُوءِ وَكَانُوا سَبْعِينَ أَوْ نَحْوَهُ .أطرافه 169، 195، 200، 3572، 3573، 3575۔ (ایضاً)

3575حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُنِيرٍ سَمِعَ يَزِيدَ أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ حَضَرَتِ الصَّلاَةُ فَقَامَ مَنْ كَانَ قَرِيبَ الدَّارِ مِنَ الْمَسْجِدِ يَتَوَضَّأُ، وَبَقِیَ قَوْمٌ، فَأُتِیَ النَّبِیُّ ﷺ بِمِخْضَبٍ مِنْ حِجَارَةٍ فِيهِ مَاءٌ، فَوَضَعَ كَفَّهُ فَصَغُرَ الْمِخْضَبُ أَنْ يَبْسُطَ فِيهِ كَفَّهُ، فَضَمَّ أَصَابِعَهُ فَوَضَعَهَا فِی الْمِخْضَبِ فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ جَمِيعًاقُلْتُ كَمْ كَانُوا قَالَ ثَمَانُونَ رَجُلاً .أطرافه 169، 195، 200، 3572، 3573، 3574۔ (ایضاً، یہاں وضوء کرنے والوں کی تعداد اسی مذکور ہے)

آنجناب کی انگلیوں سے پانی پھوٹ پڑنے کے اس معجزہ کے ذکر پر مشتمل حدیثِ انس چار طرق سے وارد کی ہے، قتادہ، اسحاق بن عبداللہ بن ابوطلحہ، حسن بصری اور حمید کے حوالوں سے، الطہارۃ میں یہی روایت ثابت عن انس کے حوالے سے گزری تھی، تو بعض کی روایت میں بعض سے زیادت ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں مجموعِ روایات سے میرے لئے یہ ظاہر ہوا ہے کہ یہ مختلف واقعہ ہے کیونکہ حاضرین کی تعداد میں تغایر ہے اور یہ واضح مغایرت ہے، دونوں کی باہمی تطبیق بعید ہے، اسی طرح تعیینِ مقام میں بھی تغایر ہے، حسن کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سفر کا واقعہ ہے بخلاف روایتِ قتادہ کے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدینہ ہی کا واقعہ ہے، کئی دوسرے صحابہ کی روایات میں بھی اسی جیسا واقعہ مذکور ہے جو دیگر مقامات سے متعلق ہیں۔ عیاض لکھتے ہیں یہ قصہ ثقہ رواۃ نے عددِ کثیر اور جمِ غفیر کے واسطوں سے متصلا صحابہ سے روایت کیا ہے اور یہ مختلف مواطن سے تعلق رکھتا ہے کسی سے اس کے کسی راوی کا انکار منقول نہیں، تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ معجزہ قطعی الثبوت ہے۔ قرطبی لکھتے ہیں آنجناب کی انگلیوں سے پانی نکلنے کا واقعہ متعدد مرتبہ مختلف جگہوں میں ظہور پذیر ہوا اتنے کثیر طرق سے منقول ہے کہ قطعیت کا فائدہ دیتا ہے جو تواترِ معنوی سے مستفاد ہوتا ہے، کہتے ہیں آنجناب کے علاوہ کسی اور نبی سے اس معجزہ کا صدور وظہور نہیں سنا، اس معجزہ کے بارہ میں حدیثِ انس شیخین اور احمد وغیرھم کے ہاں پانچ طرق سے، جابر بن عبداللہ کی روایت چار طرق سے صحیح بخاری میں، ابن عباس کی احمد اور طبرانی کے ہاں دو طرق سے اسی طرح طبرانی کے ہاں ابن ابولیلی سے مروی ہے، کئی اور طریقوں سے بھی تکثیرِ ماء کا معجزہ ظہور پذیر ہوا تھا مثلا ہاتھ کے لمس سے، لعابِ دھن مبارک کنویں میں ڈالنے سے یا اپنی ترکش سے ایک تیر اس میں ڈالنے سے جیسا کہ صحیحین میں عمران بن حصین سے مروی ہے، بخاری اور احمد نے حضرت براء سے بھی نقل کیا، مسلم کے ہاں ابو قتادہ اور بیہقی کے ہاں حضرات انس اور زیاد بن حارث صدائی سے مروی ہے، قرنِ ثانی کے رواۃ کی ایک کثیر تعداد اس کی راوی ہے۔

ابن عبدالبر مزنی سے نقل کرتے ہیں کہ آنجناب کی انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا حضرت موسی کے پتھر سے عصا مار کر پانی

نکالنے کے معجزہ سے ابلَغ ہے کیونکہ پتھروں سے تو چشموں کا پھوٹنا اور جاری ہونا امرِ معہود ہے بخلاف لحم ودم سے پانی کے پھوٹنے سے۔

پہلے (یعنی محمد بن بشار کے) طریق میں سعید سے مراد ابن ابی عروبہ ہیں۔ (عن أنس) ابن حجر لکھتے ہیں اسے قتادہ کے طریق سے معنعَن ہی دیکھا ہے لیکن سیاق سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا سماع کیا ہے مثلا ان کا حضرت انس سے پوچھنا: (کم أنتم)، البتہ ابونعیم نے الدلائل میں مکی بن ابراھیم عن سعید کے حوالے سے قتادہ اور حضرت انس کے درمیان حسن بصری کا واسطہ ذکر کیا ہے، اگر یہ محفوظ ہے تو اس کا اقتضاء یہ ہے کہ صحیح کی یہ روایت منقطع ہے مگر ایسا نہیں کیونکہ مکی نے سعید سے ان کے اختلاط (یعنی حافظہ متغیر ہونے) کے بعد سماع کیا ہے (گویا سعید کو حسن کا واسطہ ذکر کرنے میں سہو لگا)۔

(وهو بالزوراء) مدینہ کے بازار کے پاس ایک معروف جگہ تھی، داؤدی کا خیال ہے کہ مینار کی طرح ایک سطحِ مرتفع تھی شاید انہوں نے یہ بات حضرت عثمان کے زوراء پر کھڑے ہو کر اذان دینے کے حکم سے اخذ کی ہے مگر یہ لازم نہیں کیونکہ امرِ واقع یہ ہے کہ جس جگہ پہ کھڑے ہو کر حضرت عثمان نے اذان دینے کا حکم دیا تھا وہ زوراء میں تھی، نہ کہ خود زوراء، ابونعیم کی شریک بن ابونمر عن انس سے روایت میں ہے کہ وہ یہ پانی حضرت ام سلمہ کے گھر سے لیکر آئے تھے پھر فارغ ہونیکے بعد انہیں واپس کر آئے اور ذرا بھی کم نہ ہوا تھا، ان کی عبید اللہ بن عمر عن ثابت عن انس سے روایت میں ہے کہ آنجناب قباء میں تھے تو ایک گھر سے ایک چھوٹا سا برتن لایا گیا، آمدہ حدیثِ جابر میں تصریح ہے کہ یہ سفر کا واقعہ ہے، مسلم کی حضرت جابر سے روایت میں کسی اور سفر کا بھی یہی معجزہ مذکور ہے، اس میں ہے کہ صرف ایک قطرہِ پانی میسر تھا، پورے قافلہ میں کسی کے پاس اس کے سوا کوئی اور پانی نہ تھا آپ نے اسے ایک بڑے برتن میں ڈالکر ہاتھ پھیلا کر اس میں رکھ دیا تو گویا چشمہ پھوٹ پڑا، تمام لوگوں کے سیراب ہونے کے بعد آپ نے ہاتھ مبارک اٹھالیا تو برتن کو پانی سے بھرا چھوڑا۔

(وزهاء ثلاثمائة) یعنی قدر ثلاثمائة، (زهوت الشیء) سے ماخوذ ہے، إذا حصرته (یعنی مقید ومحصور کرنا)۔ اسماعیلی کی خالد بن حارث عن سعید کے طریق سے جزم کے ساتھ بغیر زھاء کے لفظ کے (ثلاثمائة) ہے۔

علامہ انور (کم أنتم؟ قال ثلاثمائة) کے تحت لکھتے ہیں حضرت انس کی اگلی روایت میں ہے کہ آنجناب (فی بعض مخارجه) نکلے اور آپکے ہمراہ ستر افراد تھے تو حافظ نے اسے دو واقعے قرار دیا ہے، (فی بعض مخارجه) سے بظاہر سفر مراد ہے لیکن کوئی مانع نہیں اگر مدینہ کے اندر ہی کسی طرف جانا مراد ہو۔ عبدالرحمٰن بن مبارک کا طریق بخاری کے افراد میں سے ہے۔

3576 حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ عَطِشَ النَّاسُ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ، وَالنَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ فَتَوَضَّأَ فَجَهِشَ النَّاسُ نَحْوَهُ، فَقَالَ مَا لَكُمْ قَالُوا لَيْسَ عِنْدَنَا مَاءٌ نَتَوَضَّأُ وَلَا نَشْرَبُ إِلَّا مَا بَيْنَ يَدَيْكَ، فَوَضَعَ يَدَهُ فِي الرَّكْوَةِ فَجَعَلَ الْمَاءُ يَثُورُ بَيْنَ أَصَابِعِهِ كَأَمْثَالِ الْعُيُونِ فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا قُلْتُ كَمْ كُنْتُمْ قَالَ لَوْ كُنَّا مِائَةَ أَلْفٍ لَكَفَانَا كُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً

أطرافه 4152، 4153، 4154، 4840، 5639.

حضرت جابر بن عبداللہ راوی ہیں کہ حدیبیہ میں صحابہ کرام سخت پیاس کا شکار بنے، آنجناب کے سامنے ایک چھاگل تھی آپ نے وضوء کیا تو لوگ آپکی جانب اکٹھے ہوئے، پوچھا کیا معاملہ ہے؟ عرض کیا گیا کہ ہمارے پاس وضوء اور پینے کیلئے پانی نہیں، آپ نے اپنا ہاتھ چھاگل میں رکھا تو پانی انگلیوں کے درمیان سے چشموں کی طرح پھوٹنا شروع ہوا ہم نے پیا بھی اور وضوء بھی کیا، میں نے پوچھا آپ کتنے لوگ تھے؟ کہا اگر لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی کافی تھا، ہم پندرہ سو تھے۔

(عطش الناس الخ) اس طریق مین یہی مذکور ہے، الأشربۃ میں أعمش عن سالم کے طریق سے ہے کہ یہ تب کا واقعہ ہے جب نماز عصر کا وقت ہوا، اس پر مفصل بات غزوۃ الحدیبیۃ میں آئیگی۔ (روِینا) واوِ مکسور کے ساتھ، ریّ سے، سیراب ہونا۔ اسے مسلم نے (المغازی) اور نسائی نے (الطھارۃ اور التفسیر) میں نقل کیا ہے۔

3577 حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِى إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ ؓ قَالَ كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً، وَالْحُدَيْبِيَةُ بِئْرٌ فَنَزَحْنَاهَا حَتَّى لَمْ نَتْرُكْ فِيهَا قَطْرَةً، فَجَلَسَ النَّبِىُّ ﷺ عَلَى شَفِيرِ الْبِئْرِ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَمَضْمَضَ وَمَجَّ فِى الْبِئْرِ، فَمَكَثْنَا غَيْرَ بَعِيدٍ ثُمَّ اسْتَقَيْنَا حَتَّى رَوِينَا وَرَوَتْ أَوْ صَدَرَتْ رَكَائِبُنَا .طرفاه 4150، 4151

حضرت براء راوی ہیں کہ حدیبیہ میں ہم چودہ سو افراد تھے، حدیبیہ ایک کنواں تھا جس سے سارا پانی ہم نے نکال لیا حتی کہ اس میں ایک قطرہ تک نہ رہا، پھر نبی پاک اس کے کنارے پہ بیٹھے اور اس میں کلی ڈالی کچھ ہی دیر میں اتنا پانی پھوٹا کہ ہم سب سیراب ہوگئے اور ہماری سواریاں بھی۔

اس پر بھی مفصل شرح غزوۃ الحدیبیۃ میں آئیگی، وہیں اس کی اور سابقہ حدیثِ جابر کی باہمی تطبیق ذکر کیجائے گی۔ یہ بھی امام کے افراد میں سے ہے۔

3578 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِى طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ أَبُو طَلْحَةَ لأُمِّ سُلَيْمٍ لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ضَعِيفًا، أَعْرِفُ فِيهِ الْجُوعَ فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَىْءٍ. قَالَتْ نَعَمْ فَأَخْرَجَتْ أَقْرَاصًا مِنْ شَعِيرٍ ثُمَّ أَخْرَجَتْ خِمَارًا لَهَا فَلَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهِ ثُمَّ دَسَّتْهُ تَحْتَ يَدِى وَلاَثَتْنِى بِبَعْضِهِ ثُمَّ أَرْسَلَتْنِى إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ فَذَهَبْتُ بِهِ، فَوَجَدْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِى الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ النَّاسُ، فَقُمْتُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لِى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ آرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِطَعَامٍ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِمَنْ مَعَهُ قُومُوافَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ حَتَّى جِئْتُ أَبَا طَلْحَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ قَدْ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالنَّاسِ وَلَيْسَ عِنْدَنَا مَا نُطْعِمُهُمْ فَقَالَتِ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَانْطَلَقَ أَبُو طَلْحَةَ حَتَّى لَقِىَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَبُو طَلْحَةَ مَعَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هَلُمِّى يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا

عِندَكِ فَأَتَت بِذَلِكَ الْخُبزِ فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَفُتَّ، وَعَصَرَت أُمُّ سُلَيمٍ عُكَّةً فَأَدَمَتهُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِيهِ مَا شَاءَ اللَّهُ أَن يَقُولَ ثُمَّ قَالَ ائذَن لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُم فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا ثُمَّ قَالَ ائذَن لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُم، فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا ثُمَّ قَالَ ائذَن لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُم فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا ثُمَّ قَالَ ائذَن لِعَشَرَةٍ فَأَكَلَ القَومُ كُلُّهُم وَشَبِعُوا، وَالقَومُ سَبعُونَ أَو ثَمَانُونَ رَجُلاً. أطرافه 422، 5381، 5450، 6688

انس بن مالک کا بیان ہے کہ ایک دن ابوطلحہ نے ام سلیم سے کہا میں نے نبی پاک کی آواز کو بڑا کمزور سنا ہے میرا خیال ہے کہ بھوک کا شکار ہیں، کیا تیرے ہاں کھانے کو کچھ ہے؟ وہ بولیں ہاں، تو جو کی چند روٹیاں نکالیں پھر انہیں اپنی اوڑھنی میں لپیٹ کر میرے ہاتھ میں چھپایا اور چادر کا باقی حصہ میرے گرد لپیٹا اور مجھے حکم دیا کہ نبی اکرم کے پاس لے جاؤں، کہتے ہیں میں نے پایا کہ آپ مسجد میں تشریف فرما ہیں اور آپ کے ساتھ لوگ ہیں، میں کھڑا ہو گیا، آپ نے فرمایا کیا تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، فرمایا طعام کے ساتھ؟ کہا جی ہاں، آپ نے حاضرین سے فرمایا چلو، کہتے ہیں میں آگے آگے چل پڑا اور جا کر ابو طلحہ کو بتلایا، ابوطلحہ نے ام سلیم سے کہا نبی پاک تو لوگوں کے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں! اور ہمارے پاس اتنا کھانا نہیں جو سب کو کھلا سکیں؟ وہ بولیں اللہ اور رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، پھر ابوطلحہ نکلے اور نبی اکرم کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے آپ نے فرمایا لاؤ، اے ام سلیم تمہارے پاس کیا ہے؟ انہوں نے وہ روٹیاں پیش کیں آپ نے انہیں چورا بنانے کا حکم دیا پھر ام سلیم نے اس چورے پر کپی نچوڑ کر کچھ گھی ڈال دیا پھر نبی اکرم نے اس کھانے پر جو اللہ نے چاہا پڑھا پھر حکم دیا کہ دس افراد کو اندر بلا لو، وہ سیر ہو کر باہر نکلے تو دس اور کو بلا لیا اسی طرح دس دس کر کے کھاتے گئے حتی کہ سب سیر ہو گئے، ستر یا اسی افراد تھے۔

(قال أبو طلحة) یعنی زید بن سہل انصاری، ام سُلیم والدہِ حضرت انس کے شوہر (حضرت انس کے سوتیلے والد)، طرق اس حدیث کو مسندِ انس سے قرار دینے پر متفق ہیں، ان کے سوتیلے بھائی عبداللہ بن ابوطلحہ کی بھی اسپر موافقت ہے انہوں نے اپنے والد حضرت ابوطلحہ سے یہی روایت مطولا نقل کی ہے جسے ابویعلی نے حسن اسناد کے ساتھ تخریج کیا، اس کا اول حصہ حضرت ابوطلحہ کی زبانی ہے، کہتے ہیں میں مسجد میں داخل ہوا تو نبی پاک کے چہرہِ اقدس میں بھوک کے آثار دیکھے۔۔۔ الخ مسجد سے مراد وہ جگہ جسے جنگ خندق کے موقع پر محاذ پہ نمازوں کی ادائیگی کیلئے تیار کیا تھا۔

(أعرف فيه الجوع) اس سے عمل بالقرائن کا ثبوت ملا، احمد کی مبارک بن فضالہ عن بکر بن عبداللہ اور ثابت عن انس کے حوالے سے روایت میں ہے: (إن أباطلحه رأى رسول الله طاويا) کہ ابوطلحہ نے نبی پاک کو بھوک کی وجہ سے بے قرار دیکھا، ابو یعلی نے محمد بن سیرین عن انس سے روایت مین ذکر کیا ہے کہ ابوطلحہ کو خبر ملی کہ آنجناب کے ہاں کھانے کو کچھ نہیں تو بازار گئے اور مزدوری کی اجرت میں جو کا ایک صاع ملا، اسے گھر لا کر ام سلیم کے حوالے کیا۔۔۔۔۔ الخ۔ مسلم و ابویعلی کی عمرو بن عبداللہ بن ابوطلحہ جو حدیثِ باب کے حضرت انس سے راوی اسحاق کے بھائی ہیں، سے روایت میں ہے کہ ابوطلحہ نے آنجناب کو پایا کہ لیٹے ہوئے (بھوک کی شدت کے سبب) کروٹیں بدل رہے ہیں، مسلم کی یعقوب بن عبداللہ بن ابوطلحہ سے روایت میں حضرت انس سے مروی ہے کہ میں مسجد آیا تو دیکھا آنجناب صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما ہیں ادر پیٹ پر پٹی باندھ رکھی ہے، کسی سے اس کی وجہ پوچھی تو بتلایا کہ ایسا

بھوک کی وجہ سے کیا ہے، جس پر میں نے ابوطلحہ کو آنجناب کی اس حالت کی خبر دی وہ ام سلیم کے پاس آئے۔ ابونعیم کی محمد بن کعب عن انس سے روایت میں ہے کہ ابوطلحہ ام سلیم کے پاس آئے اور کہا ابھی نبی اکرم سے گزر ہوا جو اصحابِ صفہ کو سورۃ النساء پڑھا رہے تھے اور شکم مبارک پر بھوک کی وجہ سے پتھر باندھا ہوا تھا۔

(فأخرجت أقراصا الخ) احمد کی ابن سیرین عن انس سے روایت میں ہے: (عمدت أم سليم إلى نصف مُدّ مِنْ شعير فطحنته) بخاری کی اسی طریق اور ایک دیگر طریق سے روایتِ انس میں (مد مِن شعير) ہے، احمد و مسلم کی عبدالرحمٰن بن ابی لیلی عن انس سے روایت میں ہے کہ ابوطلحۃ ایک مدشعیر لیکر آئے اور ام سلیم سے کہا اس کا آٹا بنا کر کھانا تیار کر لیں۔ تو یہ سب تعدُّدِ قصہ پر محمول ہے، یہ توجیہہ بھی محتمل ہے کہ اصل مقدار ایک صاع تھی ام سلیم نے اس کا کچھ حصہ گھر والوں کیلئے مختص کیا اور باقی کا نبی اکرم کیلئے کھانا تیار کیا، ام سلیم کا ایک اور قصہ بھی احادیث میں مذکور ہے جب اسی زمانہ میں آنجناب نے حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ نکاح کیا تو انہوں نے اس موقع کیلئے کھانا تیار کیا، اس میں بھی دس دس افراد کا آنا اور کھانا تناول کرنا مذکور ہے، کتاب النکاح کے باب الولیمۃ میں اس کا بیان آئیگا، احمد کی ابن سیرین عن انس سے روایت میں روٹیوں کو گھی لگانے کا بھی ذکر ہے، یہ بخاری کی الأطعمۃ مین بھی آئیگی۔

(ولاثتني الخ) کہا جاتا ہے: (لاث العمامةَ علىٰ رأسه) یعنی سر پر پگڑی باندھنا، تو مفہوم یہ ہوا کہ کچھ روٹیاں مجھے باندھ کر دیں، بقول ابن حجر کچھ کو ان کے سر پر رکھا اور کچھ باندھ کر ان کی بغل میں دیں، بخاری کی الأطعمہ میں مالک کے حوالے سے اسی روایت میں ذکر ہوگا کہ کچھ روٹیاں میرے کپڑے اور کچھ چادر کے نیچے رکھیں۔

(آرسلك الخ) بظاہر آنجناب سمجھے کہ ابوطلحہ نے انہیں اپنے گھر بلایا ہے اسی لئے ہمرائیوں سے فرمایا اٹھ کھڑے ہوں جبکہ شروع کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوطلحہ و ام سلیم نے حضرت انس کے ہمراہ روٹیاں بھیجیں تو تطبیق یہ ہے کہ روٹیاں اس غرض سے حضرت انس کے ہمراہ بھیجیں تھیں کہ رسول اللہ تناول فرمالیں مگر جب حضرت انس نے آپکو جم غفیر میں پایا تو یہ کھانا وہیں دینا مناسب نہ سمجھا اور مناسب خیال کیا کہ آنجناب کو اپنے گھر آنے کا کہہ دیں لیکن آنجناب نے سبھی کو ساتھ چلنے کا فرمایا، ہوسکتا ہے ابوطلحہ و ام سلیم کی ہدایت پر ہی ایسا کیا ہو کہ اگر لوگوں کی کثرت ہو تو گھر آنے کا کہہ دینا وگرنہ یہ کھانا وہیں آپکے حوالے کر دینا، ابن حجر لکھتے ہیں میں نے اکثر روایات کا مقتضا یہی پایا ہے کہ ابوطلحہ نے ہی تلقین کی تھی کہ آنجناب کو گھر آنے کا کہنا، سعد بن سعید عن انس کی روایت کے الفاظ ہیں: (بعثني أبو طلحة إلى النبي ﷺ لأدعوه۔۔۔ الخ)۔ مبارک بن فضالہ کی روایت میں ہے کہ ام سلیم سے کہا آٹا گوندھ لو، ہوسکتا ہے ہم رسول اللہ کو دعوت دیں کہ ہمارے ہاں تشریف لاکر کھانا تناول فرمائیں۔ ابونعیم کی یعقوب عن انس کی روایت مین مزید صراحت ہے، کہتے ہیں مجھے ابوطلحہ نے کہا رسول اللہ کے پاس جاؤ اور آپکے قریب کھڑے رہنا جب آپ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچیں اور صحابہ آپکے پاس سے جا چکے ہوں تب کہنا کہ والد صاحب بلا رہے ہیں۔ احمد کی نضر بن انس عن ابیہ سے روایت میں ہے کہ ام سلیم نے مجھے کہا رسول اللہ سے کہنا اگر آپ ہمارے تشریف لاکر دوپہر کا کھانا تناول کرنا پسند کریں تو تشریف لے آئیں (گویا بصورت دیگر کا سوچ کر روٹیاں ان کے ساتھ بھی باندھ کر دیں)۔ محمد بن کعب کی روایت میں ہے کہ ابوطلحۃ کہنے لگے صرف آنجناب کو ہی دعوت دینا کسی اور کو بلا کر مجھے شرمندہ نہ کرا دینا (کیونکہ کھانا نہایت کم مقدار میں تھا)۔ (آرسلك) ہمزہ ممدود کے ساتھ اسلوبِ استفہام ہے، محمد بن کعب کی روایت میں ہے کہ سبھی اہل مجلس سے فرمایا چلو، اور وہ اسی افراد تھے، یعقوب کی روایت میں ہے پھر میرا ہاتھ پکڑ چل پڑے آگے جا کر میرا

ہاتھ چھوڑ دیا، کہتے ہیں میں ان سب کے ساتھ آنے کی وجہ سے (قلتِ طعام کا سوچ کر) حزین تھا۔

(فقالت الله و رسوله أعلم) گویا وہ سمجھ گئیں کہ آنجناب کا ایسا کرنا بلا وجہ نہیں، آج کوئی کرامت ظہور پذیر ہونے کو ہے اس سے ان کی ذہانت و فطانت ظاہر ہوتی ہے، متعدد طرق میں ہے کہ ابوطلحہ نے آگے بڑھ کر استقبال کرتے ہوئے آگاہ کیا کہ کھانا نہایت معمولی مقدار میں ہے۔ عمرو بن عبد اللہ کی روایت میں ہے اس پر آپ نے فرمایا اللہ اس میں برکت کریگا، عمرو بن یحیٰی مازنی کی روایت میں بھی یہی ہے، نضر کی روایت میں ہے انس کہتے ہیں میں سخت مندہش ام سلیم کے پاس آیا، ابن ابولیلی کی روایت میں ہے ابو طلحہ یہ سنکر کہنے لگے انس تم نے تو مجھے شرمندہ کرادیا، طبرانی کی اوسط میں ہے کہ کنکری اٹھا کر ماری۔

(هلمی یا أم الخ) ابو ذر کی کشمیھنی سے روایتِ بخاری میں یہی ہے، باقیوں کے ہاں (هلم) ہے، یہ حجازی لغت ہے ان کے ہاں هلم مذکر و مؤنث اور جمع کیلئے یکساں طور پر مستعمل ہے، اسی سے آیت میں ہے: (وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنا) [الأحزاب: ۱۸]۔

(وعصرت الخ) یعنی عکہ میں جو گھی تھا اسے بطورِ سالن نکال کر پیش کیا، عکہ چمڑے سے بنے گول برتن کو کہتے ہیں جس میں اغلبا گھی اور شہد محفوظ رکھا جاتا ہے، مبارک بن فضالہ کی روایت میں ہے کہ خود آپ نے دریافت فرمایا تھا کیا گھی ہے؟ ابوطلحہ کہنے لگے عکہ میں کچھ تھا تو، تو اسے لا کر نچوڑنے لگے (گویا نہایت معمولی مقدار میں تھا) آنجناب نے سباحہ انگلی مبارک پر مَل کر روٹیوں پر لگایا تو وہ پھول گئیں، فرمایا بسم اللہ کریں، مسلسل یہی کرتے رہے اور روٹیاں پھولتی رہیں۔

(يتميع) سعد بن سعید کی روایت میں ہے انہیں چھو کر دعائے برکت فرمائی، نضر کی روایت میں الفاظِ دعا بھی مذکور ہیں: (بسم الله اللهم أعظِمْ فِيها البركة) یعنی اے اللہ اس میں بڑی برکت ڈالدے۔ (وقال فيها ماشاء الله) کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا۔

(فأذن لهم) اس سے ظاہر ہوا کہ اولا اکیلے ابوطلحہ کے گھر میں ان کے ساتھ داخل ہوئے تھے، ابن ابی لیلی کی روایت میں صراحت سے ہے کہ دروازے کے پاس پہنچ کر ساتھیوں سے فرمایا بیٹھ جاؤ پھر خود آپ اندر چلے گئے، یعقوب کی روایت میں بجائے عشرہ کے ثمانیہ مذکور ہے، ان سب صحابہ کو کھانا کھلا کر پھر حضرات ابوطلحہ، انس اور ام سلیم کو بلایا اور ان کے ساتھ اکھٹے کھانا تناول کیا حتی کہ سب سیر ہوگئے، تو یہ تعددِ قصہ پر دال ہے، سوائے اس روایت کے باقی سب میں دس دس افراد کو کھانے کیلئے بلانے کا ذکر ہے۔ (فأكلوا) مبارک کی روایت میں ہے آپ نے دستِ مبارک قرص کے وسط میں رکھے رکھا اور فرمایا اللہ کا نام لے کر شروع کرو تو لوگوں نے برتن کے کناروں سے کھانا شروع کیا حتی کہ سب سیر ہو کر اٹھے، بکر بن عبد اللہ کی روایت میں ہے کہ فرمایا میری انگلیوں کے بیچ میں سے کھاتے رہو۔

(سبعون أو ثمانون الخ) اسی طرح شک کے ساتھ وارد ہے، دوسری روایات میں جزم کے ساتھ اسی افراد کا ذکر ہے، مبارک کی روایت میں: (بضعة و ثمانون) یعنی کچھ اوپر اسی افراد، مذکور ہے، ابن ابی لیلی کی روایت مین ہے اسی آدمیوں کو کھلا کر پھر خود اہل خانہ کے ہمراہ تناول فرمایا اور آخر میں کھانا بچ بھی رہا، احمد کے ہاں ان کی روایت میں (نیفٌ و ثمانون) مذکور ہے (نیف بھی بضعۃ کے ہم معنی ہے) تو ممکن ہے کسی نے الغائے کسر اور کسی نے جبرِ کسر کے ساتھ روایت کیا ہو۔ البتہ احمد کی محمد بن سیرین کی روایت میں ہے کہ چالیس افراد نے کھایا اور کھانا ویسے کا ویسا ہی تھا، تو یہ اس امر کا ثبوت و تائید ہے کہ اس قسم کے متعدد واقعات پیش آئے اور

ابن سیرین کی روایت میں جو واقعہ مذکور ہے وہ کوئی دوسرا ہے، مسلم کی عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابوطلحہ کی روایت میں ہے کہ بچا ہوا کھانا پڑوسیوں کو بھیج دیا۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے بچے ہوئے کھانے پر آنجناب نے پھر دعائے برکت کی وہ ایسا ہی ہوگیا جیسے شروع میں تھا۔ کتاب الصلاۃ کے ابواب المساجد کی اسی روایت میں کچھ مباحث ذکر ہو چکے ہیں۔

ابن حجر آخرِ بحث تکملہ کے عنوان سے لکھتے ہیں مجلسِ درس میں مجھ سے سوال ہوا کہ لوگوں کو دس دس کر کے کیوں بلایا؟ اس کا یہ جواب دیا کہ چونکہ کھانا قلیل مقدار میں اور ایک ہی قصعہ میں تھا، تو سب کا اکھٹے کھانا ممکن نہ تھا، کہنے والے نے کہا پھر سبھی اکھٹے اندر آجاتے اور کھانے کیلئے وہی بیٹھتے جنکا بیک وقت بیٹھنا ممکن تھا؟ اس سے یہ فائدہ ہوتا کہ سبھی اس معجزہ کا عیاناً مشاہدہ کرتے اور کسی کے دل میں یہ خیال نہ آتا (اگر آیا) کہ یہ نیا کھانا ہے، کہتے ہیں اس کا جواب یہ دیا کہ ممکن ہے گھر کی تنگی کی وجہ سے سب افراد کا بیک وقت اندر آنا ممکن نہ ہو۔

اسے مسلم نے (الأطعمة) ترمذی نے (المناقب) اور نسائی نے (الولیمة) میں نقل کیا۔

3579حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِیُّ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كُنَّا نَعُدُّ الآيَاتِ بَرَكَةً وَأَنْتُمْ تَعُدُّونَهَا تَخْوِيفًا، كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِی سَفَرٍ فَقَلَّ الْمَاءُ فَقَالَ اطْلُبُوا فَضْلَةً مِنْ مَاءٍ. فَجَاءُوا بِإِنَاءٍ فِيهِ مَاءٌ قَلِيلٌ، فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِی الإِنَاءِ، ثُمَّ قَالَ حَیَّ عَلَى الطَّهُورِ الْمُبَارَكِ، وَالْبَرَكَةُ مِنَ اللَّهِ فَلَقَدْ رَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَلَقَدْ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ

عبد اللہ کہا کرتے تھے کہ ہم ان آیات وعلامات کو برکت خیال کیا کرتے تھے اور تم انہیں تخویف کا وسیلہ خیال کرتے ہو؟ ہم ایک مرتبہ نبی پاک کے ہمراہ ایک سفر میں تھے کہ پانی کی قلت ہوگئی، آنجناب نے فرمایا (تھوڑا بہت) پانی تلاش کرو، تو ایک برتن جس میں تھوڑا سا پانی تھا، لایا گیا آپ نے اس میں دست مبارک رکھا اور فرمایا چلے آؤ اس برکت والے پانی کی طرف اور برکت تو اللہ ہی کی جانب سے ہے، تو میں نے دیکھا کہ پانی آپکی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ رہا تھا، کہتے ہیں ہم کھانا کھاتے ہوئے کھانے کے تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔

راویِ حدیث عبد اللہ بن مسعود ہیں۔ (نعد الآیات) یعنی امورِ خارقہ۔ (و أنتم تعدونها الخ) بظاہر ان کا یہ انکار لوگوں کے تمام خوارق کو تخویف پر محمول کرنے کا تھا کیونکہ تمام خوارق برکت نہیں ہوتے، تحقیق اس امر کو مقتضی ہے کہ بعض اللہ کی جانب سے برکت کو ظاہر کرتے ہیں جیسے آنجناب کا تکثیرِ طعام وآب کا معجزہ اور بعض مثلا چاند وسورج کا گرھن، اللہ کی جانب سے علامتِ تخویف ہوتے ہیں جیسا کہ آنجناب کا کسوفِ شمس وقمر کی بابت فرمان گزرا کہ (یخَوِّفُ بهما اللهُ عبادَه)، گویا ابن مسعود کے اس قول کے مخاطَبین اس قرآنی آیت کے ظاہر سے تمسک کرتے ہوئے سبھی آیات کو محمول علیٰ تخویف کرتے تھے: (و مَا نُرْسِلُ بِالآیاتِ إلا تَخْوِیفا) [بنی اسرائیل: ۵۹]۔ اسماعیلی کی ولید بن قاسم عن اسرائیل کے طریق سے اسی روایت کے شروع میں ہے کہ ابن مسعود نے گرھن کی بابت سنا تو کہا ہم اصحابِ محمد آیات کو برکت شمار کرتے تھے۔

(كنا مع رسول الله فى سفر) اشبہ ہے کہ یہ سفرِ حدیبیہ ہو کیونکہ اس میں بھی انگلیوں سے پانی پھوٹا تھا، تبوک میں بھی یہی ہوا۔ ابن حجر کہتے ہیں پھر بیہقی کی الدلائل میں پایا کہ جزم کے ساتھ اسے غزوہ حدیبیہ سے متعلق قرار دیتے ہیں لیکن کوئی ایسی روایت تخریج نہیں کی جس میں اس کی صراحت ہو، بعد ازاں ابونعیم کی الدلائل میں حدیثِ ہذا کے بعض طرق میں مذکور دیکھا کہ یہ غزوہ خیبر کے موقع کا ذکر ہے اس میں ہے کہ لوگوں کو سخت پیاس لگی، آنجناب نے مجھے حکم دیا کہ اے عبداللہ کہیں سے تھوڑا پانی لاؤ، کہتے ہیں میں ایک اِداوہ میں کچھ پانی لیکر آیا، اس سے یہ دلالت بھی ملی کہ یہ واقعہ سفر و حضر میں متکرر مرتبہ پیش آیا ہے۔

(فقال اطلبو الخ) الدلائل لأبی نعیم میں ابوضحیٰ عن ابن عباس کے حوالے سے ہے کہ آنجناب نے حضرت بلال سے کچھ پانی لانے کو کہا جنھوں نے تلاش کیا مگر نہ مل سکا پھر ایک شن جس میں کچھ پانی تھا، لائے، اسکے آخر میں ہے: (فجعل ابن مسعود يَشرب و يكثر) تو یہ اس امر کا مشعِر ہے کہ ابن عباس نے ابن مسعود سے یہ واقعہ اخذ و نقل کیا ہے اور واقعہ ایک ہے، محتمل ہے کہ بلال و ابن مسعود دونوں اکھٹے پانی کی تلاش میں گئے اور اداوہ لائے ہوں، شن بھی خشک اداوہ کو کہتے ہیں۔ (الطهور المبارك) طاء کی زبر کے ساتھ، مراد پانی، پیش بھی درست ہے تو مراد فعل ہوگا ای (تطَهَّرُوا)۔

(البركة من الله) البرکۃ مبتدا اور ترکیبِ جار مجرور اس کی خبر ہے، عمار بن زریق عن ابراھیم کے طریق سے اسی روایت میں ہے، ابن مسعود کہتے ہیں یہ سنکر میں جلدی جلدی یہ پانی اپنے پیٹ میں اتارنے لگا، حدیثِ ابن عباس میں ہے آنجناب نے کف اس میں پھیلائی تو آپکے دست مبارک کے نیچے سے چشمہ ابل پڑا۔

آنجناب کے ان واقعات میں کچھ پانی طلب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اگر ویسے ہی معجزۃً آپ کی دعا و برکت سے پانی میسر آجاتا تو کہیں کوئی یہ نہ خیال کرے کہ آپ ہی اس کے ایجاد کردہ ہیں، یہ بھی محتمل ہے کہ یہ اشارہ کرنا مقصود ہو کہ دنیا میں اللہ کی غالبًا عادت و سنت یہ ہے کہ اِجراء بالتوالُد کرے (پھر یہ بھی کہ برکت تبھی ہوتی ہے جب کوئی شئ موجود ہو، لاشیء سے ایجادِ شیء کو برکت کا نام نہیں دیا جائے گا، تو یہ معجزہ دراصل معجزۂ برکت و ازدیاد تھا)۔

(ولقد كنا نسمع الخ) یعنی عہد نبوی میں، اسماعیلی کی اسی روایت میں صراحت ہے، اس میں ہے کہ (كنا نأكل مع النبى ﷺ الطعام و نحن نسمع تسبيح الطعام) اس کا ایک شاھد بھی ہے جسے بیہقی نے الدلائل میں قیس بن ابو حازم کے حوالے سے نقل کیا، کہتے ہیں ابو درداء اور سلمان فارسی ایک دوسرے کو جب خط لکھتے تو (عموما) یہ لفظ بھی لکھتے (بآية الصحفة)، اسکی تفصیل یہ بیان کی کہ ایک مرتبہ وہ اکھٹے برتن میں کھانا کھا رہے تھے تو اس نے اور اس میں موجود طعام نے تسبیح شروع کی، عیاض جعفر بن محمد عن ابیہ سے ناقل ہیں کہ ایک دفعہ آنجناب بیمار ہوئے تو حضرت جبریل ایک طبق میں انگور و کھجوریں لیکر آئے آپ نے اس میں سے تناول کیا تو طبق نے تسبیح بیان کرنا شروع کی۔ ابن حجر لکھتے ہیں کنکریوں کی تسبیح کا معجزہ بھی مشہور ہے، حدیثِ ابوذر میں ہے آنجناب نے اپنے ہاتھ مبارک میں سات کنکریاں پکڑیں تو وہ تسبیح کرنا شروع ہوئیں پھر انہیں ابوبکر کے ہاتھ پھر عمر پھر عثمان کے ہاتھ میں دیا، انکے بھی ہاتھوں میں جا کر ان کی آوازِ تسبیح سنائی دی جاتی رہی، اسے بزار نے اور طبرانی نے اوسط میں ذکر کیا، طبرانی کی روایت میں ہے کہ تمام اہلِ حلقہ نے ان کی آوازِ تسبیح سنی۔

آخرِ بحث فائدہ کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ ابن حاجب نے بعض شیعہ سے نقل کیا ہے کہ انشقاقِ قمر، تسبیحِ حصی، حنینِ جذع

اور تسلیمِ غزالہ (یعنی ایک ہرن کا اپنے آپکو آنجناب کے حوالے کرنا) جیسے معجزات آحاداً روایت کئے گئے ہیں حالانکہ کثرتِ ناقلین متوفر تھا (یعنی ان کا مشاہدہ کرنے والے کثیر تعداد میں تھے اس کے باوجود اکا دکا صحابہ نے روایت کیا) اس کے باوجود ان کے رواۃ کو جھٹلایا نہیں گیا، (گویا یہ بات بطور طعن کے کہی گئی) انہوں نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ تواتراً بالقرآن ان کے آگے نقل و روایت سے اظہارِ استغناء کیا گیا، بعض نے آحاداً نقل ہونے کی تردید کی ہے، بفرضِ تسلیم یہ مجموعی روایات علمِ قطعی کا فائدہ دیتی ہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا۔ ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کہ اگر چہ ان علامات کا نقل و روایت علیٰ حدِّ سواء نہیں مگر سب کے سب لوگوں کے درمیان مشہور ہیں، حنینِ جذع اور شق القمر تو طرقِ کثیرہ سے مروی ہیں، تسبیحِ حصی کا یہ ایک طریق ہے اور اس میں ضعف ہے، تسلیمِ غزالہ کا کوئی طریق موجود ہی نہیں، نہ صحیح نہ ضعیف (یعنی ایسے ہی اس کی شہرت ہوگئی)۔ اسے ترمذی نے بھی (المناقب) میں ذکر کیا ہے۔

3580حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ قَالَ حَدَّثَنِي عَامِرٌ قَالَ حَدَّثَنِي جَابِرٌ أَنَّ أَبَاهُ تُوُفِّيَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ إِنَّ أَبِي تَرَكَ عَلَيْهِ دَيْنًا وَلَيْسَ عِنْدِي إِلَّا مَا يُخْرِجُ نَخْلُهُ، وَلَا يَبْلُغُ مَا يُخْرِجُ سِنِينَ مَا عَلَيْهِ، فَانْطَلِقْ مَعِي لِكَيْ لَا يُفْحِشَ عَلَيَّ الْغُرَمَاءُ .فَمَشَى حَوْلَ بَيْدَرٍ مِنْ بَيَادِرِ التَّمْرِ فَدَعَا ثَمَّ آخَرَ، ثُمَّ جَلَسَ عَلَيْهِ فَقَالَ انْزِعُوهُ فَأَوْفَاهُمُ الَّذِي لَهُمْ وَبَقِيَ مِثْلُ مَا أَعْطَاهُمْ .أطرافه 2127، 2395، 2396، 2405، 2601، 2709، 2781، 4053، 6250۔ (جلد سوم ص: ۳۳۰ میں ترجمہ موجود ہے)

حضرت جابر کے والد کے قرض کی بابت ان کی یہ روایت قبل ازیں متعدد مقامات میں مطولاً گزر چکی ہے، سند میں زکریا سے مراد ابن ابی زائدہ اور عامر سے مراد شعبی ہیں۔ (بیدر) فعل امر ہے یعنی کجھوروں کو بیادر (یعنی کھلیانوں) کی شکل میں ڈھیر کر دو، ہر بیدر میں ایک ہی قسم کی کجھوریں ہوں (ادائیگی قرض کا یہ معاملہ تفصیل سے توفیق جلد سوم میں بیان ہو چکا ہے) حضرات ابوبکر وعمر بھی آنجناب کے ہمراہ حضرت جابر کے باغ میں گئے تھے آنجناب کجھوروں کے ڈھیروں کے پاس سے گزرتے دعائے خیر و برکت فرماتے، پہلے ڈھیر پر بیٹھ کر دعا فرمائی پھر اپنی موجودی میں قرض خواہوں کو طلب کیا، ایک یہودی کے تیس وسق تھے اسے ادائیگی کر دی گئی پھر بھی ساری کجھوریں بچ رہیں، (تکثیرِ طعام کے اسی معجزہ کے پیش نظر باب ھذا میں پھر اسے نقل کیا ہے)۔

3581حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ أَصْحَابَ الصُّفَّةِ كَانُوا أُنَاسًا فُقَرَاءَ، وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَرَّةً مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ، وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ أَرْبَعَةٍ فَلْيَذْهَبْ بِخَامِسٍ أَوْ سَادِسٍ أَوْ كَمَا قَالَ، وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ جَاءَ بِثَلَاثَةٍ وَانْطَلَقَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَشَرَةٍ، وَأَبُو بَكْرٍ وَثَلَاثَةً، قَالَ فَهُوَ أَنَا وَأَبِي وَأُمِّي وَلَا أَدْرِي هَلْ قَالَ امْرَأَتِي وَخَادِمِي بَيْنَ بَيْتِنَا وَبَيْنَ بَيْتِ أَبِي بَكْرٍ، وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ تَعَشَّى عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ لَبِثَ حَتَّى صَلَّى الْعِشَاءَ، ثُمَّ رَجَعَ فَلَبِثَ حَتَّى تَعَشَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَجَاءَ بَعْدَ مَا مَضَى مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللَّهُ، قَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ مَا حَبَسَكَ عَنْ

أَضْيَافِكَ أَوْ ضَيْفِكَ .قَالَ أَوَ عَشَّيْتِهِمْ قَالَتْ أَبَوْا حَتَّى تَجِيءَ، قَدْ عَرَضُوا عَلَيْهِمْ فَغَلَبُوهُمْ، فَذَهَبْتُ فَاخْتَبَأْتُ، فَقَالَ يَا غُنْثَرُ .فَجَدَّعَ وَسَبَّ وَقَالَ كُلُوا وَقَالَ لاَ أَطْعَمُهُ أَبَدًا .قَالَ وَايْمُ اللَّهِ مَا كُنَّا نَأْخُذُ مِنَ اللُّقْمَةِ إِلاَّ رَبَا مِنْ أَسْفَلِهَا أَكْثَرُ مِنْهَا حَتَّى شَبِعُوا، وَصَارَتْ أَكْثَرَ مِمَّا كَانَتْ قَبْلُ، فَنَظَرَ أَبُو بَكْرٍ فَإِذَا شَيْءٌ أَوْ أَكْثَرُ قَالَ لاِمْرَأَتِهِ يَا أُخْتَ بَنِي فِرَاسٍ .قَالَتْ لاَ وَقُرَّةِ عَيْنِي لَهِيَ الآنَ أَكْثَرُ مِمَّا قَبْلُ بِثَلاَثِ مَرَّاتٍ .فَأَكَلَ مِنْهَا أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ إِنَّمَا كَانَ الشَّيْطَانُ يَعْنِي يَمِينَهُ ثُمَّ أَكَلَ مِنْهَا لُقْمَةً، ثُمَّ حَمَلَهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَصْبَحَتْ عِنْدَهُ .وَكَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ، فَمَضَى الأَجَلُ، فَتَفَرَّقْنَا اثْنَا عَشَرَ رَجُلاً مَعَ كُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ أُنَاسٌ .اللَّهُ أَعْلَمُ كَمْ مَعَ كُلِّ رَجُلٍ، غَيْرَ أَنَّهُ بَعَثَ مَعَهُمْ، قَالَ أَكَلُوا مِنْهَا أَجْمَعُونَ .أَوْ كَمَا قَالَ .أطرافه 602، 6140، 6141

عبد الرحمٰن بن ابوبکر بیان کرتے ہیں کہ اصحابِ صفہ غریب لوگ تھے، نبی پاک نے ایک دفعہ فرمایا جس کے پاس دو آدمیوں کا فالتو کھانا ہے وہ تیسرے کو بھی ساتھ لیجائے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہے وہ پانچ یا چھ کو ساتھ لیجائے، تو ابوبکر تین افراد کو اپنے ہاں لے آئے خود نبی پاک دس افراد کو اپنے ہمراہ لے گئے اور گھر میں میں تھا اور ابوبکر اور میری والدہ، راوی کہتے ہیں مجھے یاد نہیں کہ عبد الرحمٰن نے اپنی زوجہ اور نوکر کی موجودی کا بھی ذکر کیا جو ان کے اور ابوبکر کے گھر کا مشترکہ نوکر تھا، کہتے ہیں ابوبکر نے تو نبی اکرم کے ساتھ کھانا تناول کر لیا اور نمازِ عشاء تک وہیں ٹھہرے رہے، پھر رات کا ایک حصہ گزرنے پہ گھر واپس آئے، ان کی بیوی نے پوچھا آپکو مہمانوں سے کس امر نے روکے رکھا؟ وہ بولے انہوں نے ابھی کھانا نہیں کھایا؟ کہا انہوں نے آپکے بغیر کھانے سے انکار کیا حالانکہ انہیں کھانا پیش کیا گیا، عبد الرحمٰن کہتے ہیں میں تو (انکے غصہ کے ڈر سے) چھپ گیا انہوں نے خوب دانٹ ڈپٹ کی پھر مہمانوں سے کہا آپ لوگ کھانا تناول کریں اور اپنے بارے میں کہا کہ میں تو کبھی نہ کھاؤنگا، راوی کہتے ہیں جب ہم نے کھانا شروع کیا تو اللہ کی قسم جو لقمہ اٹھاتے تھے اس کے نیچے سے اس سے زیادہ اور نکل آتا تھا، حتی کہ سب سیر ہو گئے اور کھانا پہلے سے بھی زائد موجود تھا، ابوبکر نے جب ملاحظہ کیا کہ کھانا پہلے سے ہی زیادہ موجود ہے تو اپنی زوجہ سے کہا اے اختِ بنی فراس (یہ دیکھو کیا معاملہ ہے) وہ بولیں اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک یہ تو واقعی پہلے سے زائد ہے! تو ابوبکر نے اس میں سے کھایا (تاکہ اس برکت سے وہ بھی مستفید ہوں) اور قسم کی بابت کہا یہ شیطان کا وسوسہ تھا پھر اس سے ایک لقمہ اٹھایا پھر اسے آنجناب کی خدمت میں لے گئے صبح دم آنجناب نے بارہ افراد کی ماتحتی میں کہ ہر ایک کے تحت کچھ لوگ تھے ایک فوج روانہ فرمائی تو ان سب نے یہ کھانا کھایا۔

حضرت ابوبکر کے مہمانوں کے واقعہ پر مشتمل روایت، اس میں بھی طعامِ قلیل کے تکثیر کی کرامت مذکور ہے۔ (عن أبيه) یہ سلیمان بن طرخان ہیں جو صغار تابعین میں سے ہیں، ابوعثمان سے مراد نہدی ہیں۔ (إن أصحاب الصفة الخ) ان کا ذکر کتاب الرقاق میں آئیگا، صفہ مسجد نبوی کے پچھلے حصہ میں ایک سایہ دار جگہ تھی (آجکل مسجد نبوی کے ہال میں روضہ رسول کی پچھلی جانب باب جبریل کے ساتھ ایک چبوترہ سا ہے، مشہور ہے کہ یہ صفہ کی مذکورہ جگہ تھی) یہاں وہ غرباء فروکش تھے جنکا مدینہ میں کوئی ماویٰ یا اہل نہ تھا

(انہیں میں حضرت ابو ہریرہ تھے، دور حاضر کی اصطلاح میں کہہ سکتے ہیں کہ یہاں آنجناب کے اس اولین دارالعلوم کے پردیسی طلباء رہائش پذیر تھے جنکا قیام و طعام آنجناب کے ذمہ تھا جس کے اخراجات آنجناب اہل مدینہ کے تعاون سے پورے کرتے تھے، دینی مدارس اسی صفہ کی یادگار ہیں) ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی کوئی ان کا فرد شادی کر کے گھر بار والا ہو جاتا، کوئی فوت ہو جاتا اور کوئی دینی علم کی تحصیل کر کے وطن واپس لوٹ جاتا، ابونعیم نے حلیہ میں اصحاب صفہ کے اسماء ذکر کئے ہیں، سو سے زائد بنتے ہیں۔

(من كان عنده طعام الخ) یعنی ان اصحاب صفہ میں سے، مسلم کی روایت میں ہے: (فليذهب بثلاثة) بقول عیاض یہ غلط ہے، بخاری کا ذکرکردہ لفظ درست ہے کیونکہ بقیہ سیاق حدیث کے موافق ہے، قرطبی لکھتے ہیں اگر وہ (یعنی مسلم کا ذکرکردہ لفظ) ظاہرِ معنی پر محمول کیا جائے تو مفہوم خلافِ مقصود نکلتا ہے کیونکہ اگر وہ شخص جس کے پاس دو آدمیوں کا طعام ہے اگر مزید تین (جیسا کہ ظاہری لفظ کا مفہوم ہے) اشخاص کو ساتھ لے جائے تو گویا اسے پانچ افراد کی میزبانی کرنا پڑیگی تب تو وہ کھانا انہیں کفایت نہ کریگا (اصل مقصود کے بھی خلاف ہے جو یہ ہے کہ ایک ایک زائد فرد کو ساتھ لے جائے کیونکہ تین آدمیوں کا کھانا چار کو اور چار کا پانچ کو کافی ہوتا ہے) دوسری روایت کے یہ الفاظ بھی اس کے مؤید ہیں: (طعام الاثنين يكفي أربعة) یعنی جو کھانا دو کا پیٹ بھرنے کیلئے کافی ہے وہ چار کی بھوک کا توڑ کرسکتا ہے، نووی نے لفظِ مسلم کی یہ توجیہہ بیان کی ہے کہ تقدیر یہ ہے کہ جس کے پاس تین کا طعام ہے وہ خامس کو بھی ساتھ لیجائے (یعنی چوتھا تو وہ خود ہے، پانچویں کو ہمراہ کرلے، گویا مفہوم وہی ہوا جو بخاری کے سیاق کا ہے)۔

(ومن كان عنده طعام أربعة الخ) یعنی وہ پانچویں کو تو ضرور ساتھ لیجائے اگر چھٹے یا اس سے زائد کو ہمراہ نہیں لے جا سکتا، ابوالنعمان کی روایت میں ہے (وإن أربع فخامس أو سادس)۔ (أو) برائے تنویع یا برائے تخییر ہے جیسا کہ دوسری روایت میں ہے، (أو سادس) کا معنی یہ بھی محتمل ہے کہ اگر کھانا پانچ افراد کا ہے تو چھٹے کو بھی ہمراہ لیجائے، تب یہ عطفِ جملہ علی جملہ ہوگا، (و إن أربع فخامس) میں دو لفظ محذوف ہیں تقدیرِ کلام یوں ہے: (طعام أربع فليذهب بخامس) عاملِ جر کو حذف کر کے اس کا عمل برقرار رکھا، جیسے کہا جاتا ہے: (مررت برجل صالح و إن لا صالحٍ فطالحٍ) أى (إن لا أمرُّ بِصالحٍ فقدمررتُ بطالحٍ)۔ پیش پڑھنا بھی جائز ہے، علی حذفِ مضاف، اور مضاف الیہ کو اس کی جگہ قائم کر کے اور یہ اوجہ ہے، ابن مالک لکھتے ہیں یہ حدیث فعلین اور عاملیٔ جر جبکہ ان کا عمل باقی ہے، کے حذف کو متضمِن ہے، ان کے بعد اور فاء کے بعد، تقدیر یوں ہوگی: (مَنْ كان عنده طعامُ اثنين فلْيَذْهَبْ بِثالثٍ و إن قام بأربعةٍ فليذهَبْ بِخامس أوسادس)۔ یہ بات انہوں نے اس سیاق کی بابت کہی جو کتاب الصلاۃ میں گزرا ہے، سیاقِ ھذا یعنی (بخامس بسادس) کی تقدیرِ کلام یوں ہوگی: (أو إنْ قامَ بخمسةٍ فليذهَبْ بِسادِس)۔

(و إن أبابكر جاء الخ) ابو بکر کے حوالے سے مجیء کا لفظ استعمال کیا کیونکہ ان کا گھر مسجد سے خاصے فاصلہ پر تھا جبکہ آنجناب کیلئے قربِ دار کی وجہ سے لفظ (انطلق) استعمال کیا۔ بعدازاں قولہ (وأبوبكر ثلاثة) اکثر کے ہاں (ثلاثة) نصب کے ساتھ ہے، أى (أخذ ثلاثةً) تو قبل ازیں قولہ: (جاء أبو بكر بثلاثة) تکرار متصور نہ ہوگا کیونکہ ثانی جملہ بیان ہے ابتداء ان کے حصہ میں آنے والے مہمانوں کا اور اول جملہ بالفعل جتنے مہمانوں کو ساتھ لیکر آئے، کا بیان کرتا ہے۔ ثلاثۃ کو مرفوع قرار دینا ابعد ہے کہ اس کی تقدیر یہ ہو: (و أبو بكر أهله ثلاثةٌ) یعنی عدد أضيافه۔

اس سے دلالت ملی کہ ابو بکر کے ہاں چار اشخاص کا کھانا تھا اس کے باوجود پانچواں، چھٹا اور ساتواں ہمراہ لے لیا، ایک اضافی ساتھ لینے کی حکمت یہ ہوئی کہ خود آنجناب کے ہمراہ کھانا تناول کر لینے کی وجہ سے اولاً ان کے ساتھ شریکِ طعام نہ ہوئے تھے، کشمیہنی کے نسخہ میں (أبو بكر بثلاثة) ہے تب یہ (وانطلق النبي) پر معطوف ہے، مسلم کی روایت میں بھی یہی ہے لیکن اول اوجہ ہے۔ (قال فهو أنا الخ) قائل عبدالرحمٰن ہیں، (فهو) برائے شأن ہے (أنا) مبتدا اور اس کی خبر محذوف ہے سیاق اس پر دال ہے ای (في الدار)۔

(ولا أدري الخ) نسخۂ کشمیہنی میں (وخادم) ہے، (هل قال) کے قائل ابو عثمان نہدی ہیں۔ (بين بيتنا) یعنی دونوں گھرانوں (یعنی عبدالرحمٰن کا گھرانہ اور ان کے والد ابو بکر کا گھرانہ) کا مشترکہ خادم تھا، ان کی والدہ ام رومان ہیں جو اپنی کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور تھیں، ان کا نام زینب تھا بعض نے وعلة بنت عامر بن عویم کہا ہے ایک قول ہے کہ عمیرہ نام تھا، حارث بن غنم بن مالک بن کنانة کی ذریت سے تھیں، حضرت ابو بکر کے ساتھ شادی سے قبل حارث بن سخبرہ ازدی کی زوجہ تھیں جسکا مکہ میں انتقال ہو گیا، اس سے ایک بیٹا طفیل نامی تھا، حضرت ابو بکر سے شادی کی جن سے عبدالرحمٰن اور حضرت عائشہ متولِد ہوئے، قدیمة الاسلام ہیں حضرت عائشہ کے ہمراہ ہجرت کی، عبدالرحمٰن نے تاخیر سے اسلام قبول کیا اور ہجرت کی، غزوہ بدر میں کفار کی جانب سے لڑنے آئے تھے، ان کا زمانۂ اسلام صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے، سن سات یا آٹھ میں مدینہ وارد ہوئے ان کی زوجہ کا نام امیمہ بنت عدی بن قیس سہمیہ تھا، خادم کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

(و إن أبابكر تعشى عند النبي الخ) **الصلاۃ** کی روایت میں یہ الفاظ تھے: (ثم لبث حتى صُلِّيت العشاء) ایک روایت میں ہے: (حيث صليت ثم رجع) کرمانی نے یہ شرح لکھی ہے کہ یہ اس بات کا مشعر ہے کہ ابو بکر کا تعشی آنجناب کی طرف رجوع کے بعد تھا جبکہ متقدم الفاظ اس کا عکس مفہوم پیش کرتے ہیں، جواب یہ ہے کہ اول جملہ ابو بکر کے حال کا بیان ہے کہ اپنے گھر میں جب تھے کھانے کی حاجت محسوس نہ کی، دوسرا جملہ امرِ واقع کی ترتیب کے مطابق ہے، اول تعشى الصديق ہے جبکہ ثانی تعشى النبي ﷺ ہے، اول عشاء بفتح العین ہے، یعنی رات کا کھانا اور دوسرا بکسرِ عین ہے یعنی نمازِ عشاء، تو منجملہ احتمالات کے یہ بھی ہے کہ ابو بکر ان تینوں مہمانوں کو لیکر گھر آئے پھر نماز عشاء تک وہیں ٹھہرے پھر مسجد نبوی گئے اور وہیں عشاء ادا کی اور عَشاء تناول کیا لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ روایتِ باب کے صریح قول کہ آنجناب کے ہاں رات کا کھانا تناول کیا پھر واپس گھر روانہ ہوئے، کے مخالف ہے، روایتِ بخاری میں مذکور (ثم رجع) رواۃ کا متفق علیہ لفظ نہیں، آگے اس کا ذکر آئیگا۔ بظاہر اس (ثم رجع) کا مطلب ہے کہ گھر واپس ہو لئے اس مفہوم پر اگلا جملہ: (فلبث حتى تعشى رسول الله ﷺ فجاء بعد ما مضى الخ) تکرار ہے اور اس کا فائدہ اس امر کا اشارہ ہے کہ ان کا آنجناب کے ہاں ٹھہرنا اس وقت تک تھا کہ کھانا تناول کر لیں اور نماز عشاء ادا کر لیں، گھر واپسی اس وقت ہوئی جب رات کا ایک حصہ گزر چکا تھا کیونکہ آنجناب عشاء کی نماز مؤخراً ادا فرمایا کرتے تھے، اسماعیلی کے ہاں (ثم رجع) کی بجائے (ثم ركع) ہے یعنی پھر سنن ونوافل وغیرہ ادا کرتے رہے، اس پر تکرار فقط (فلبث حتى تعشى) کے جملہ میں ہے، اس کا فائدہ وہ جو ذکر ہوا۔ مسلم اور اسماعیلی کی روایتوں میں یہ بھی ہے (فلبث حتى نعس) نواس (یعنی اونگھ) سے اور یہ اوجَہ ہے، عیاض تو اسے ہی درست قرار دیتے ہیں، اس سے سوائے (لبث) کے تمام مواضع کا تکرار بھی منتفی ہو جاتا ہے جبکہ لبث کے تکرار کا سبب اس کے تعلق کی بابت اختلاف ہے، تو پہلے کہا: (لبث حتى صلى العشاء) پھر کہا: (لبث حتى نعس) حاصلِ کلام یہ بنا کہ ابو بکر نبی اکرم کے ہاں ٹھہرے رہے حتی کہ نماز عشاء ہوئی پھر وہیں ٹھہرے رہے حتی کہ نبی اکرم نے نیند محسوس فرمائی اور سونے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے تب ابو

بکر بھی واپس ہو لئے۔

ابواب الصلاۃ میں اسی روایت پر یہ ترجمہ قائم کیا تھا: (باب السمر مع الضيف والأهل) ابو داؤد کی جریری عن ابی عثمان وابی السلیل عن عبد الرحمٰن سے روایت میں ہے، کہتے ہیں ہمارے ہاں مہمان آئے (وكان أبو بكر يتحدث عن النبی ﷺ فقال لا أرجع إليك حتى تفرُغَ مِن ضيافة هؤلاء)۔ (بظاہر معنی یہ ہے عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ ابوبکر آنجناب کے ساتھ باتوں میں مشغول تھے، کہنے لگے میں اس وقت واپس آؤنگا جب تم ان مہمانوں کی میزبانی سے فارغ ہوگے، گویا انہیں کہہ رہے ہیں کہ میری واپسی میں تاخیر ہو جائے گی، تم حقِ میزبانی ادا کرنا، اسی لئے جب واپسی پر پتہ چلا کہ ابھی مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا گیا تو سخت ناراضی کا اظہار کیا، حضرت ابوبکر کا غصہ جو کبھی کبھار آتا تھا، بڑا مشہور تھا، متعلقین کو ہدایت دی ہوئی تھی کہ ایسے موقعوں پہ مجھ سے دور رہا کریں، اسی لئے عبد الرحمٰن انہیں دیکھتے ہی چھپ گئے)۔

الأدب کی روایت میں بھی یہی مفہوم ہے، اس میں ہے: (إن أبا بكر تضيَّفَ رَهْطا فقال لعبد الرحمن دونك أضيافك فإني منطلقٌ إلى النبی ﷺ فافرغ مِن قُراهم قبل أنْ أجیء)۔ (وہی معنی ہے جو ابو داؤد کی روایت کے حوالے سے بیان کیا) تو اس سے ظاہر ہوا کہ ابو بکر پہلے (مسجد نبوی سے) ان مہمانوں کو گھر لائے، گھر والوں کو ان کی میزبانی کی ہدایت کر کے خود واپس آنجناب کی طرف واپس چلے گئے۔

(أو ضيفك) راوی کو شک ہے کہ یہ لفظ بولا یا سابقہ، یہ اسمِ جنس ہے کیونکہ وہ تین تھے، ضیف کے لفظ کا لفظ ایک اور زائد، سب پر اطلاق ہوتا ہے، کرمانی کہتے ہیں یا مصدر ہے جو مثنی اور جمع کو متناوِل ہے بقول ابن حجر یہ واضح نہیں۔ (أوَ عشيتهم) نسخۂ کشمیہنی میں (أوما عشيتهم) ہے، ما نافیہ، ہمزہ برائے استفہام، واو عاطفہ ہے اور معطوف مقدر بعد ھمزہ ہے۔

(قد عرضوا) عین اور راء کی زبر کے ساتھ، فاعل محذوف ہے یعنی: (الخدم أو الأهل)، **الصلاۃ** کی روایت میں: (عُرِضُوا) تھا یعنی عراضة (ہدیہ) سے کھلائے گئے۔ عیاض لکھتے ہیں روایت میں رائے مخفف کے ساتھ ہے، ابن قرقول کی رائے میں قیاس رائے مشدد کو متقاضِی ہے، جوھری نے اسی پر جزم کیا ہے، کرمانی مخفف کی توجیہہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی انہیں کھانا پیش کیا گیا، تو جار محذوف کر کے فعل کو وصل کیا، یہ اسلوبِ قلب سے ہے جیسے: (عرضت الناقة على الحوض)، **الصلاۃ** میں یہ بھی تھا: (قد عرضنا عليهم فَامْتنعوا)۔ ابن تین بیان کرتے ہیں کہ بعض روایات میں (عرصوا) صاد کے ساتھ ہے کہتے ہیں اس کی معنوی توجیہہ نہیں کر سکتا، بقول ابن حجر بعض نے اس کی توجیہہ یہ کی ہے کہ یہ عرص بمعنی نَشِطَ سے ہے گویا انہوں نے کھانا کھلانے میں نشاط کا مظاہرہ کیا تھا (یعنی کسی غفلت کا مظاہرہ نہیں کیا) جریری کی روایت میں مکمل وضاحت ہے کہ عبد الرحمٰن کھانا لیکر آئے اور کہا آپ کھالیں وہ کہنے لگے گھر کا مالک کدھر ہے؟ وہ کہنے لگے آپ تناول کر لیں، کہا ہم تو ان کے آنے تک نہ کھائینگے، کہا کھالیں وگرنہ ہمیں ان کے غصہ کا سامنا کرنا پڑے گا، (لَنَلْقينَّ منه شرا) مگر انہوں نے انکار کیا، مسلم کی روایت میں ہے: (ألا تقبلوا عنَّا قُراكم) عیاض نے اکثر کے حوالے سے بتخفیف لام ضبط کیا ہے بطور لامِ ابتداء، اسپر قرطبی اعتراض کرتے ہیں کہ پھر فعل کا نون موجود ہونا چاہئے تھا کیونکہ اس کے حذف کا کوئی موجِب موجود نہیں، ابن ابی جعفر نے لامِ مشدد کے ساتھ قرار دیا ہے یہی موجَّہ ہے۔

(فاختبأت) یعنی حضرت ابوبکر کے غصہ و ناراضی کے خوف سے، جریری کی روایت میں ہے عبد الرحمٰن کہتے ہیں مجھے پتہ تھا

کہ مجھ پر تیزی دکھلائیں گے: (یحدُ عليَّ) تو جب آئے تو میں چھپ گیا، دو دفعہ پکارا، عبد الرحمٰن! لیکن میں خاموش رہا۔ (یا غنثر الخ) جریری کی روایت میں ہے کہ کہنے لگے تمہیں قسم لگے اگر میری آواز سن رہے ہو تو باہر نکل آؤ، کہتے ہیں اس پر میں سامنے آیا اور کہا واللہ میرا کوئی قصور نہیں ان مہمانوں سے پوچھ لیں، وہ بولے ہاں ان کا کوئی قصور نہیں یہ تو کھانا لیکر آئے تھے۔ (جدع وسب) یعنی جدع کی بددعا کی یعنی ناک یا کان کٹے (عرب غصہ میں یہ جملہ بولتے تھے) جریری کی روایت میں (جزع) کا لفظ ہے یعنی انہیں منسوب الی جزع (خوف) کیا، بعض کا کہنا ہے کہ یہ مجازعہ سے ہے بمعنی (خاصَمَ)۔ قرطبی لکھتے ہیں ابوبکر نے خیال کیا کہ عبد الرحمٰن نے آدابِ میزبانی میں تقصیر کا مظاہرہ کیا ہے جب تبیُّنِ حال ہوا تو (کلوا لا هنيئاً) کے جملہ سے (مہمانوں کی) تأدیب کی، (غنثر) کی غین مضموم، نون ساکن اور ثاء پر زبر نقل کی ہے، خطابی نے (عَنْتَر) نقل کیا ہے جو ایک مشہور جاہلی شاعر کا بھی نام تھا، ابوعمر ثعلب سے اس کا معنی ذباب (مکھی) نقل کرتے ہیں، آواز کی وجہ سے اسے یہ نام گیا تو اس کے ساتھ عبد الرحمٰن کو تشبیہ دی، روایتِ مشہور کے لفظ (یعنی غنثر) کا بعض نے (الثقيل الوخم) یعنی موٹا اور سست معنی کیا ہے، بعض نے جاہل، بعض نے سفیہ اور بعض نے لئیم کا معنی کیا ہے، غثر سے ماخوذ ہے نون زائد ہے، ایک قول ہے کہ نیلی مکھی کو کہتے ہیں تحقیراً اس کے ساتھ تشبیہ دی۔

(کلوا) **الصلاۃ** کی روایت میں اس کے ساتھ (لا هنيئا) بھی منقول ہے بطور بددعا کہا (گویا غصہ کی باقی کسر مہمانوں پر نکالی جنہوں نے خواہ مخواہ تکلف سے کام لیا بہر حال یہ ایک بزرگ کی شفقت بھری ڈانٹ تھی جسکا عام طور سے برا نہیں منایا جاتا) اس سے مستفاد ہوا کہ ایسے شخص پر جو انصاف سے نہ کام لے کوئی (ہلکی پھلکی) بددعا کی جاسکتی ہے، یہاں اس کی وجہ یہ تھی کہ ان مہمانوں نے خواہ مخواہ رب المنزل کی شرط لگائی حالانکہ انکا (جوان) بیٹا حاضرِ خدمت تھا، معلوم یہ پڑتا ہے کہ ان حضرات نے حضرت ابوبکر (جو ایک عظیم صحابی تھے اور ان کا مقام ومرتبہ کسی سے مخفی نہ تھا) کے ساتھ کھانا تناول کرنا اسلیئے پسند کیا تا کہ ان کی برکت حاصل ہو، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ جملہ انہوں نے مہمانوں کو نہیں بلکہ گھر والوں کو مخاطب کر کے کہا تھا، بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بددعا نہیں بلکہ ایک حقیقت کا اظہار تھا کہ اب اتنی تاخیر سے کھانے میں انہیں وہ ہنأ (تازگی) حاصل نہ ہو سکے گی جو وقت پر تناول کرنے سے ملتی (کیونکہ اس وقت کھانا بھی تازہ اور گرم تھا اب اس کی تازگی ختم ہو چکی ہے)۔

(وقال لا أطعمه أبدا) **الصلاۃ** اور مسلم کی روایت میں ساتھ (والله) بھی کہا، جریری کی روایت میں ہے اس پر مہمانوں میں سے ایک نے بھی قسم اٹھا کر کہا کہ ہم بھی نہ کھائینگے، ابوداؤد کی روایت میں ہے پوچھا کھانا کھانے سے کیوں انکار کیا؟ وہ بولے آپکے مقام ومرتبہ کے پیش نظر، پھر کھانا لایا گیا اور ابوبکر اپنی قسم فراموش کر کے شریکِ طعام ہوئے۔

(و أيم) جمہور کے نزدیک اس کا ہمزہ، ہمزۂ وصل ہے بعض کے مطابق قطعی ہونا بھی جائز ہے، یہ مبتدا اور اس کی خبر (قسمی) محذوف ہے، اصل میں (أيمن الله) ہے اس پر ہمزہ قطعی ہے مگر کثرتِ استعمال سے مخفف کیا گیا پھر وصلی قرار پایا، اس میں تین لغات منقول ہیں: أيمن الله، نونِ مثلَّث کے ساتھ (یعنی اس پر تینوں اعراب جائز ہیں) دوسری لغت (من الله) پہلے کا اختصار ہے اس کا نون بھی مثلث ہے سوم: (أيم الله)، (م الله) بھی مستعمل ہے، ہمزہ پر زیر بھی پڑھی گئی ہے، (أم الله) بھی موجود ومستعمل ہے۔ ابن مالک اس بارے لکھتے ہیں میم واو کا بدل نہیں اور نہ اس کا اصل من ہے، بعض کی رائے اس کے برخلاف ہے، اور نہ ایمن یمین کی جمع ہے، کوفیوں کا اس میں اختلاف ہے، باقی تفصیل کتاب الأیمان والنذور میں بیان ہوگی۔

(فإذا شيء الخ) تقدیرِ کلام یہ ہے: (فإذا هي شيء) یعنی جتنا کھانا (نوالہ) کوئی لیتا اتنا اور ظاہر ہو جاتا، الصلاۃ کی روایت میں تھا کہ برتن ویسے کا ویسا ہی بھرا تھا، مسلم اور اسماعیلی کی روایتوں میں بھی ہے۔ (يا أختَ بني فراس) اپنی زوجہ ام رومان سے مخاطب ہوئے، بنی فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ مراد ہیں، عرب کسی قبیلہ کی طرف منتسب فرد کو اخ یا اخت کے لفظ سے مخاطب کر لیتے تھے جیسے کتاب العلم کی ایک روایت میں گزرا: (ضمام أخو بني سعد بن بكر)۔ پہلے ذکر ہوا کہ حضرت ام رومان فراس کے بھائی حارث بن غنم کی نسل سے تھیں تو ممکن ہے یہاں حضرت ابوبکر نے بنی فراس کے زیادہ مشہور ہونے کی وجہ سے یہ نسبت ذکر کر دی، نسب میں اس قسم کی مثالیں موجود ہیں کہ دادا کے بھائی کی طرف منسوب کر دئے جاتے ہیں یا معنی یہ ہے کہ (يا أخت القوم المنتسبين إلى بني فراس) چونکہ فراس اور حارث بھائی تھے تو ان کی اولادیں باہم اخوۃ ہوئیں، عیاض ذکر کرتے ہیں کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ام رومان بنی حارث نہیں بلکہ بنی فراس میں سے تھیں، تب اس تاویلِ مذکور کی ضرورت نہیں البتہ ابن سعد کی کتاب میں انہیں بنی حارث کی طرف ہی منسوب ذکر کیا گیا ہے۔

(قالت لا و قرة عيني) قرۃ عین (لفظی مشہور ترجمہ: آنکھوں کی ٹھنڈک) انسان کی مسرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی (عينه قرَّتُ يعني سكنت) اس کی آنکھ اب اسے پا کر ساکن ہے، اس کی مراد بر آئی ہے اب وہ کسی اور طرف تانک جھانک نہیں کرتی گویا قرار سے ماخوذ ہے، بعض کے مطابق اس کا معنی ہے: (أنام الله عينك)، بعض کہتے ہیں یہ قرّ یعنی ٹھنڈک سے ماخوذ ہے یعنی (عينه بردة) اس حاصل ہونے والی خوشی کے سبب اس کی آنکھ اب ٹھنڈی ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ غم کے آنسو گرم ہوتے ہیں (اور شاید خوشی کے آنسو ٹھنڈے) اس کے معاکس یہ کہا جاتا ہے: (أسخنَ اللهُ عينه) یعنی اللہ اس کی آنکھ گرم کرے۔ ام رومان نے اس کرامت کے سبب حاصل ہونے والے سرور کی وجہ سے یہ کہا جو حضرت ابوبکر کے طفیل ظاہر ہوئی۔ داؤدی کا دعوی ہے کہ قرۃ عین سے مراد آنجناب ہیں یعنی آپکے نام کی قسم کھائی مگر اس میں بُعد ہے۔ لا، زائدہ ہے یا نافیہ علی حذف ہے جو مقدراً یہ ہو سکتا ہے: (لا شيءٌ غير ما أقول)۔

(أكثر مما قبل) مسلم کی روایت میں (منها) ہے، وہ اوجہ ہے اکثر کی راء پر تینوں اعراب ہیں۔ (إنما كان الشيطان) کچھ کلام محذوف ہے جس کی تقدیر یہ ہے: (الحامل على ذلك) ذلک سے اشارہ ان کی قسم کی طرف ہے (والله لا أطعمه)۔ مسلم اور اسماعیلی کے ہاں یہ عبارت ہے: (وإنما كان ذلك من الشيطان) یعنی قسم، یہ اوجہ ہے، بعض کا یہ قول بعید ہے کہ ضمیر فی قولہ (هذه اللقمة) کیلئے ہے یعنی وہ لقمہ جو کھایا ہے وہ قمع و ارغامِ شیطان کیلئے ہے کیونکہ اس نے انہیں آمادہ قسم کر کے ان کے اور مہمانوں کے مابین وحشت (تنفُّر) ڈالنے کی کوشش کی تو اب میں قسم توڑ کر اس کا یہ ارادہ خاک میں ملاتا ہوں یہ ظاہرِ سیاق جریری کے ذکر کردہ سیاق کے مخالف ہے۔

عیاض لکھتے ہیں سیاقِ ہذا میں خطأ اور تقدیم و تاخیر ہے، ان کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ جریری کا سیاق ہی صواب ہے، سلیمان تیمی کی یہ روایت اس امر کو مقتضی ہے کہ حضرت ابوبکر نے کھانا فقط اسلئے تناول کیا کہ دیکھا اللہ نے اس میں برکت ڈال دی ہے تو اس وجہ سے اپنی قسم کو توڑ کر حانث ہو گئے جبکہ روایتِ جریر مقتضی ہے کہ کھانے میں شریک ہونے کا باعث مہمانوں کی دلداری اور ان کے حلف کا پاس تھا کہ ان کے بغیر ہرگز نہ کھائینگے، بلا شبہ یہ اوجہ ہے مگر سلیمان کی روایت کی یہ توجیہہ بھی محتمل ہے کہ (فأكل منها أبو بكر) کو

(والله لا أطعمه) پر معطوف قرار دیا جائے نہ کہ برکتِ طعام کے ذکر پہ مشتمل جملہ پر، اس کی غایت یہ ہے کہ تیمی کی روایت میں مہمانوں کا قسم کھانا مذکور ہی نہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں پھر میرے لئے ظاہر ہوا کہ یہ (یعنی کچھ قصہ کا ترک) معتمر بن سلیمان کی طرف سے ہے نہ کہ ان کے والد کی طرف سے کیونکہ بخاری کی الأدب والی روایت جو ابن عدی عن سلیمان سے ہے، میں یہ عبارت ہے: (فحلفت المرأةُ لا تطعمه حتى تطعمون فقال أبو بكر كان هذه مِن الشيطان فدَعابالطعام فأكلَ وأكلُوا فجَعلُوا لا يَرُفَعون اللُّقمةَ إلا رَبا مِن أسفلها)۔ اسطرح سے جمع وتطبیق بھی ممکن ہے کہ ابوبکر نے تحلّیلِ یمین کیلئے کچھ کھا لیا ہو۔ پھر جب اس برکت کا مشاہدہ کیا تو لوٹ کر پورا ساتھ دیا تا کہ یہ برکت انہیں بھی حاصل ہو اور اپنی قسم کی بابت اعتذار کرتے ہوئے کہا: (إنما كان ذلك من الشيطان)۔

حاصل یہ کہ اللہ تعالی نے اس کرامت سے ابوبکر کو نوازا تو ان کے دل میں (اس سارے واقعہ کے باعث) جو حرج وضیق تھا، دور ہوا تو خوش خوش واپس ہوئے اور شیطان مدحوراً لوٹا۔ انہوں نے قسم توڑ کر مکارمِ اخلاق کا مظاہرہ کیا تا کہ اِکرامِ ضیف ہو۔ پھر مہمانوں کی قسم تڑوانے کی نسبت کہ کفارہ پر زیادہ قادر تھیں، اپنی قسم توڑ دی (قسم توڑنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس وقت تک غصہ کافور ہو چکا تھا)۔ مسلم کے ہاں جریری کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم کو یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا یا رسول اللہ (برُّوا وحنثتُ) کہ ان کی قسم پوری ہوئی جبکہ میں حانث ہوا، آپ نے فرمایا: (بل أنت أبرُّهُمْ و خيرُهم) یعنی بلکہ آپ ان سے نیک اور بہتر ہو، راوی کہتے ہیں: (ولم يبلغنى كفارة) کہ مجھے کفارہ کی بابت خبر نہیں پہنچی۔ یہ سب بخاری کی روایتِ جریری میں موجود نہیں گویا اس زیادت کو امام بخاری کے حذف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ روایت میں اِدراج ہے جسے ابو داؤد کی روایت نے واضح کیا، اس میں ہے مجھے بتلایا گیا کہ صبح ابو بکر آنجناب کی طرف گئے۔۔۔ الخ (یعنی آنجناب کے ساتھ مذکورہ مکالمہ حدیث مرفوع کا حصہ نہ ہونے کا امکان ہے لہٰذا امام بخاری نے اسے نقل نہیں کیا)۔

(ولم يبلغنى كفارة) سے استدلال کیا ہے کہ لجاج اور غضب میں اٹھائی گئی قسم کا کفارہ واجب نہیں مگر اس میں کوئی دلیل نہیں بنتی کیونکہ عدمِ ذکر سے عدمِ وجود لازم نہیں۔ یہ بھی محتمل ہے کہ یہ مشروعیتِ کفارہ سے قبل کا واقعہ ہو۔ نووی (ولم تبلغنى كفارة) کی شرح میں لکھتے ہیں یعنی حنث سے قبل کفارہ نہیں دیا، وجوبِ کفارہ تو ایک متفق علیہ معاملہ ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ممکن ہے حضرت ابوبکر نے دل میں کسی معین وقت یا صفتِ مخصوصہ کی نیت کی ہو یعنی مثلاً میں اب نہیں کھاؤنگا، یہ اس امر پر مبنی ہے آیا قسم دل میں قابلِ تقیید ہے یا نہیں؟ بہر حال یہ تاویل خالی از تکلف نہیں، حضرت ابوبکر کا قسمیہ جملہ یمینِ مؤکد ہے، لغو من الکلام یا سبقتِ لسانی ہونا محتمل نہیں۔

(ثم حملها الخ) ضمیر جفنہ کی طرف راجع ہے۔ (ففرَّقَنا اثنا الخ) یعنی بارہ فرقے بنا دیا۔ کرمانی بیان کرتے ہیں کہ بعض طرق میں (فقرينا) قری یعنی ضیافت سے ہے، ابن حجر کہتے ہیں میں اس روایت پر مطلع نہیں ہو سکا۔ (اثنا عشر الخ) بخاری میں اسی طرح ہے، مسلم کے ہاں (اثنى) ہے، یہی ظاہر ہے (کیونکہ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے) بخاری کی روایت اس لہجہ کے مطابق ہے جس میں تثنیہ کو تینوں اعرابی حالتوں میں الف کے ساتھ ھی پڑھا جاتا ہے، اسی سے یہ آیت ہے: (إنَّ هذانِ لَساحِرانِ الخ) [طه: ۶۳] (یعنی مشہور لغت کے مطابق ھذینِ ہونا چاہئے تھا) یہ احتمال ہے کہ (ففرقنا) مبنی پر مجہول ہو، تب (اثنا عشر) بطورِ مبتدا مرفوع ہوگا، (مع كل رجل الخ) اس کی خبر ہوگی۔

(الله أعلم الخ) یعنی یہ تو پتہ ہے کہ بارہ عریف بنائے لیکن ہر عریف کے زیرِ نگرانی کتنے افراد رکھے؟ اس کا علم نہیں کیونکہ ممکن ہے کسی فرقہ میں کم اور کسی میں زیادہ ہوں۔ (أو کما قال) یہ شک ابو عثمان کا لفظِ عبد الرحمٰن کی بابت ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ حضرت ابو بکر کے بھیجے ہوئے اس برتن سے پوری جماعت نے کھانا کھایا، اس سے ظاہر ہوا کہ تمامِ کرامت کا ظہور آنجناب کے ہاں ہوا، ابو بکر کے ہاں ادائلِ کرامت کا ظہور تھا، اسی کرامت کی انتہاء یہ ہوئی کہ پوری ایک جماعت کیلئے کافی ہوا۔ احمد، ترمذی اور نسائی نے جابر بن سمرہ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم کے پاس ایک قصعہِ ثرید لایا گیا، آپ نے تناول کیا اور حاضرین نے بھی، لوگ کھانا تناول کر کے اٹھتے گئے اور نئے آنیوالے کھاتے گئے، ظہر تک یہ سلسلہ جاری رہا، ایک شخص بولا کیا قصعہ میں کھانا ختم ہونے پر پھر ڈال دیا جاتا تھا؟ جابر کہنے لگے زمین پر سے تو کسی نے ایسا نہ کیا البتہ ہوسکتا ہے آسمان سے ایسا کیا گیا ہو، ابن حجر لکھتے ہیں ہمارے بعض شیوخ کا کہنا تھا ممکن ہے وہ یہی واقعہ ہو، اللہ اعلم۔

حدیث سے منجملہ مسائل کے یہ بھی ثابت ہوا کہ فقراء احتیاج کے وقت مواسات وتعاون کی طلب میں مساجد کا رخ کر سکتے ہیں (جیسے آجکل ہوتا ہے) بشرطیکہ اس میں اِلحاح و الحاف (یعنی اصرار سے اور طلب تعاون کیلئے لوگوں کے گلے پڑ جانا) اور نمازیوں کیلئے تشویش (یعنی ادائیگی نماز میں رکاوٹ) نہ ہو، اجتماعی مواسات (ہمدردی) بھی ثابت ہوئی، بطورِ تأدیب والد کا بیٹے کو گالم گلوچ کرنا بھی ثابت ہوا، ترکِ مباح پر جوازِ حلف بھی ثابت ہوا، اولیاء وصلحاء کے طعام سے تبرُّک بھی ثابت ہوا، ابو بکر اور ان کے اہل خانہ مہمانوں کے امتناع کے سبب مشوش اور مکدر الخاطر تھے، اللہ تعالی نے ان کے طعام میں برکت ڈال کر سارا ماحول یکسر تبدیل کر دیا، بقول ابن حجر کدر صفاء میں اور نکد سرور میں بدل گیا (حتی کہ اس برکت سے مسلمانوں کی ایک غالب تعداد مستفید ہوئی)۔

3582 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ وَعَنْ يُونُسَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ أَصَابَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ قَحْطٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِﷺ، فَبَيْنَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ جُمُعَةٍ إِذْ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكَتِ الْكُرَاعُ، هَلَكَتِ الشَّاءُ، فَادْعُ اللَّهَ يَسْقِينَا، فَمَدَّ يَدَيْهِ وَدَعَا. قَالَ أَنَسٌ وَإِنَّ السَّمَاءَ لَمِثْلُ الزُّجَاجَةِ فَهَاجَتْ رِيحٌ أَنْشَأَتْ سَحَابًا ثُمَّ اجْتَمَعَ، ثُمَّ أَرْسَلَتِ السَّمَاءُ عَزَالِيَهَا، فَخَرَجْنَا نَخُوضُ الْمَاءَ حَتَّى أَتَيْنَا مَنَازِلَنَا، فَلَمْ نَزَلْ نُمْطَرُ إِلَى الْجُمُعَةِ الأُخْرَى، فَقَامَ إِلَيْهِ ذَلِكَ الرَّجُلُ أَوْ غَيْرُهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، تَهَدَّمَتِ الْبُيُوتُ، فَادْعُ اللَّهَ يَحْبِسْهُ. فَتَبَسَّمَ ثُمَّ قَالَ حَوَالَيْنَا وَلاَ عَلَيْنَا فَنَظَرْتُ إِلَى السَّحَابِ تَصَدَّعَ حَوْلَ الْمَدِينَةِ كَأَنَّهُ إِكْلِيلٌ. أطرافه 932، 933، 1013، 1014، 1015، 1016، 1017، 1018، 1019، 1021، 1029، 1033، 6093، 6342

حضرت انس راوی ہیں کہ ایک دفعہ نبی پاک کے عہد میں اہلِ مدینہ کو قحط سالی نے آ گھیرا آپ خطبہِ جمعہ دینے میں مشغول تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ قحط کی وجہ سے گھوڑے اور بکریاں ہلاک ہو رہے ہیں آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ بارش برسائے، آپ نے ہاتھ پھیلائے اور دعا کی، انس کہتے ہیں آسمان اس وقت شیشے کی طرح صاف تھا اچانک ہوا چلی اور بادل گھر کر آئے پھر (اتنی بارش برسی) گویا آسمان نے اپنے دہانے کھول دئے ہوں، ہم بعد از جمعہ پانی میں چل کر گھر واپس پہنچے، اگلے

جمعہ تک مسلسل بارش ہوتی رہی، تب اسی آدمی نے یا کسی اور نے آنجناب کی توجہ اسطرف کراتے ہوئے کہا یا رسول اللہ گھر منہدم ہو رہے ہیں، اللہ سے دعا کریں کہ اب بارش کو روک لے، آپ مسکرائے اور دعا کی اے اللہ ہمارے اردگرد تو برسا لیکن اب ہمارے اوپر سے روک لے، انس کا بیان ہے میں نے دیکھا کہ بادل مدینہ کے گرد یوں بکھر رہے ہیں گویا وہ تاج ہو۔

اسکی شرح کتاب الاستقاء میں بیان ہو چکی ہے، یہاں دو طرق سے لائے ہیں۔(وعن يونس الخ) یہ (عن عبد العزيز بن صهيب) پر معطوف ہے مراد یہ کہ حماد نے حضرت انس سے بسند عالی اور بسند نازل اخذ کیا ہے کیونکہ ان کا ثابت سے بھی سماع ہے، یہاں ان سے ایک واسطہ کے ساتھ روایت کر رہے ہیں، بزار مدعی ہیں کہ حماد یونس بن عبید کے اس طریق میں متفرد ہیں۔ (فعرفنا) عِرافہ سے، مسلم کے ہاں رواۃ بھی اس میں باہم اختلاف کرتے ہیں کہ (فرقنا) کہا یا (عرفنا)۔ اسماعیلی کی روایت میں (فعرفنا) ہے۔ عریف کی وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ وہ امام کو لوگوں کے احوال سے آگاہ کرتا ہے، کرمانی کا خیال ہے کہ اس میں کچھ کلام محذوف ہے تقدیر یہ ہے کہ (رجعنا إلى المدينة فعرفنا) مگر یہ ضروری نہیں کیونکہ جائز ہے کہ یہ تعریف (یعنی عریف مقرر کرنا) اور ارسال، مدینہ رجوع سے قبل ہو۔

3582حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ وَعَنْ يُونُسَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ أَصَابَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ قَحْطٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِﷺ فَبَيْنَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ جُمُعَةٍ إِذْ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكَتِ الْكُرَاعُ، هَلَكَتِ الشَّاءُ فَادْعُ اللَّهَ يَسْقِينَا، فَمَدَّ يَدَيْهِ وَدَعَاقَالَ أَنَسٌ وَإِنَّ السَّمَاءَ لَمِثْلُ الزُّجَاجَةِ فَهَاجَتْ رِيحٌ أَنْشَأَتْ سَحَابًا ثُمَّ اجْتَمَعَ، ثُمَّ أَرْسَلَتِ السَّمَاءُ عَزَالِيَهَا، فَخَرَجْنَا نَخُوضُ الْمَاءَ حَتَّى أَتَيْنَا مَنَازِلَنَا، فَلَمْ نَزَلْ نُمْطَرُ إِلَى الْجُمُعَةِ الأُخْرَى، فَقَامَ إِلَيْهِ ذَلِكَ الرَّجُلُ أَوْ غَيْرُهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَهَدَّمَتِ الْبُيُوتُ، فَادْعُ اللَّهَ يَحْبِسُهُ .فَتَبَسَّمَ ثُمَّ قَالَ حَوَالَيْنَا وَلاَ عَلَيْنَا .فَنَظَرْتُ إِلَى السَّحَابِ تَصَدَّعَ حَوْلَ الْمَدِينَةِ كَأَنَّهُ إِكْلِيلٌ .أطرافه 932، 933، 1013، 1014، 1015، 1016، 1017، 1018، 1019، 1021، 1029، 1033، 6093، 6342۔ (سابقہ ہے)

(الكراع) کاف کی پیش کے ساتھ ہے، اصیلی سے کسرہ بھی نقل کیا گیا مگر اسے خطا قرار دیا گیا ہے، اس سے مراد گھوڑے ہیں بقیہ حیوانات پر بھی اس کا اطلاق ہو جاتا ہے، یہاں حقیقی معنی ہی مراد ہے کیونکہ بعد میں (غیرہ) اس پر معطوف ذکر کیا ہے۔

(فهاجت ريح الخ) بعض شراحِ بخاری نے لکھا کہ یہ محلِ نظر ہے کیونکہ (نشأ السحاب) کہا جاتا ہے اور اگر (أنشأ) استعمال کریں تو اللہ کا نام بطورِ فاعل ذکر کیا جاتا ہے جیسے قرآن میں ہے: (وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ) [الرعد : ۱۲] ابن حجر لکھتے ہیں انشاء کی ہوا کی طرف یہ نسبت مجازی ہے اصل میں تو ہر چیز ہی اللہ کے انشاء سے ہے، یہ اس آیت کی نظیر ہے: (أَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ) [الواقعہ:۶۴]۔ بدء الخلق میں ذکر ہوا تھا کہ ہوا مُلقح السحاب ہے۔ (عزالیها) عزلی کی تثنیہ ہے اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ (فقام إليه الخ) کتاب الاستقاء کی روایت میں مذکور تھا کہ یہ خارجہ بن حصن فزاری تھے، وہاں وضاحت تھی کہ اگلے جمعہ بھی وہی کھڑے ہوئے گویا حضرت انس کبھی جزم سے یہ بیان کرتے تھے اور کبھی تردد کا اظہار کرتے تھے۔ (تصدع) اصل

میں تصدع تھا، کشمیہنی کے نسخہ میں یہی ہے۔ (إکلیل) پٹی جو سر پر باندھی جاتی ہے اس کا اکثر استعمال جب وہ پٹی مکلّل بالجواھر ہو (یعنی اس میں جواہرات جڑے ہوں تاج کی طرح) بادشاہانِ فارس اسے سر پر رکھا کرتے تھے، کہا جاتا ہے اصلاً اس گوشت کو کہتے ہیں جو ناخن کے اردگرد ہوتا ہے پھر ہر محیط شئ پر اس کا اطلاق ہوا۔

3583حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ كَثِيرٍ أَبُو غَسَّانَ حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ وَاسْمُهُ عُمَرُ بْنُ الْعَلاَءِ أَخُو أَبِي عَمْرِو بْنِ الْعَلاَءِ قَالَ سَمِعْتُ نَافِعًا عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؓ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ إِلَى جِذْعٍ فَلَمَّا اتَّخَذَ الْمِنْبَرَ تَحَوَّلَ إِلَيْهِ، فَحَنَّ الْجِذْعُ فَأَتَاهُ فَمَسَحَ يَدَهُ عَلَيْهِ۔3583 وَقَالَ عَبْدُ الْحَمِيدِ أَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ أَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ الْعَلاَءِ عَنْ نَافِعٍ بِهَذَا. وَرَوَاهُ أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ أَبِي رَوَّادٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

ابن عمر کی روایت ہے کہ نبی پاک ایک کھجور کے تنے سے ٹیک لگائے خطبہ دیتے ہوتے تھے جب منبر تیار ہوا اور آپ اس پہ رونق افروز ہوئے تو تنے نے باریک آواز سے رونا شروع کیا آپ آئے اور اس پہ دستِ مبارک پھیرا۔

3584حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ ؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُومُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَى شَجَرَةٍ أَوْ نَخْلَةٍ، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الأَنْصَارِ أَوْ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلاَ نَجْعَلُ لَكَ مِنْبَرًا قَالَ إِنْ شِئْتُمْ. فَجَعَلُوا لَهُ مِنْبَرًا، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ دُفِعَ إِلَى الْمِنْبَرِ، فَصَاحَتِ النَّخْلَةُ صِيَاحَ الصَّبِيِّ، ثُمَّ نَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ فَضَمَّهُ إِلَيْهِ تَئِنُّ أَنِينَ الصَّبِيِّ، الَّذِي يُسَكَّنُ، قَالَ كَانَتْ تَبْكِي عَلَى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ عِنْدَهَا. أطرافه 449، 918، 2095، 3585

سابقہ مضمون ہے، مزید یہ کہ ایک انصاری صحابیہ نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم آپ کیلئے منبر نہ بنا دیں؟ فرمایا جو تم چاہو، تو انہوں نے منبر بنا دیا تو جب اس پہ خطبہِ جمعہ کیلئے تشریف فرما ہوئے تو وہ تنا بچے کی طرح ہچکیاں لیکر رونے لگا نبی اکرم اترے اور اسے گلے سے لگا لیا تو اس سے اس بچہ کی سی آواز سنائی دیتی تھی جسے لوری سے بہلایا جا رہا ہو، پھر آپ نے فرمایا یہ اس لئے رو رہا تھا کہ اب اس پہ اللہ کا وہ ذکر منقطع ہوا جو اس پہ کیا جاتا تھا۔

3585حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلاَلٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي حَفْصُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ ؓ يَقُولُ كَانَ الْمَسْجِدُ مَسْقُوفًا عَلَى جُذُوعٍ مِنْ نَخْلٍ فَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا خَطَبَ يَقُومُ إِلَى جِذْعٍ مِنْهَا، فَلَمَّا صُنِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ، وَكَانَ عَلَيْهِ فَسَمِعْنَا لِذَلِكَ الْجِذْعِ صَوْتًا كَصَوْتِ الْعِشَارِ، حَتَّى جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهَا فَسَكَنَتْ. أطرافه 449، 918، 2095، 3584۔ (ایضاً)

تینوں احادیث معجزہ حنینِ جذع کے ذکر پر مشتمل ہیں، ابن عمر کی روایت میں (حدثنا أبو حفص الخ) کی بابت ابن حجر

لکھتے ہیں ان کا نام صرف روایتِ بخاری ہی میں دیکھا ہے بظاہر یہ عبارت امام بخاری کی ہے، اسماعیلی نے اسے بندار عن یحیی بن کثیر کے طریق سے تخریج کرتے ہوئے (حدثنا أبو حفص بن العلاء) لکھا ہے، ابواحمد حاکم کو اس بارے تردد تھا تو الکنیٰ میں ان کے احوال ذکر کرتے ہوئے ان کی یہ روایت عبداللہ بن رجاء غدانی کے واسطہ سے ان کے قول (حدثنا أبو حفص بن العلاء) کے ساتھ نقل کی پھر اسے عثمان بن عمر عن معاذ بن العلاء کے طریق سے تخریج کیا پھر معتمر بن سلیمان کے حوالے سے، جنھوں نے یہ ذکر کیا (عن معاذ بن العلاء أبی غسان)، لکھتے ہیں بخاری نے بھی التاریخ میں یہی ذکر کیا ہے کہ معاذ بن علاء کی کنیت ابوغسان تھی، حاکم مزید لکھتے ہیں اب اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ دونوں (یعنی معاذ بن العلاء اور ابوحفص بن العلاء) دونوں بھائی تھے کہ ایک کا نام عمر اور دوسرے کا نام معاذ تھا اور دونوں نے اکھٹے نافع سے حدیث الجذع روایت کی یا ایک طریق غیر محفوظ ہے کیونکہ اولادِ علاء میں مشہور تو ابو عمرو صاحب القراءات، ابوسفیان اور معاذ ہیں۔ جہاں تک ابوحفص عمر ہیں تو میں نے ان کا نام صرف اسی روایتِ بخاری میں دیکھا ہے۔ ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کہ معاذ اور عمر کا ذکر بخاری کی صرف اسی جگہ ہے، ابوعمرو بن علاء اپنے بھائیوں میں سب سے مشہور واجلّ ہیں بصرہ کے امام القراءات تھے، ان کا بھی صرف اسی جگہ ذکر ہے ان کے نام میں بہت اختلاف کیا گیا ہے اظہر یہ ہے کہ کنیت ہی ان کا نام تھا، ان کے بھائی ابوسفیان بن علاء کی روایت ترمذی نے بھی نقل کی ہے۔

علامہ انور اسی موضوع پر خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ ابوعمرو راوی نہیں بلکہ بخاری کے اس راوی کے بھائی ہیں، ابوعمرو مذکور سیبویہ اور خلیل سے متقدم اور نحو کے امام تھے انہی سے میں نے خرجہ اور فرجہ کا فرق نقل کیا تھا، انہی نے ابوحنیفہ سے قتل بالمثقل کی بابت سوال کیا تھا تو امام نے یہ جواب دیا تھا: (و لو ضرب بأبا قبيس) (ابوقبیس مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے)۔

(فأتاه فمسح عليه) اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ اسے بازوؤں میں لیا جس پر اسے سکون آ گیا، فرمایا اگر یوں نہ کرتا تو ساکن نہ ہوتا، دارمی کی ابن عباس سے روایت میں ہے اگر ایسا نہ کرتا تو قیامت تک آہ وزاری کرتا رہتا، ابوعوانہ اور ابونعیم کی حدیثِ انس میں مزید یہ بھی ہے کہ پھر اسے دفن کرنے کا حکم دیا (تعجب ہے اس روایت کے ہوتے ہوئے بھی مسجد نبوی کے اندر ایک ستون پر لکھا ہے کہ اس کے اندر وہ تنا ہے جو آنخضرت کے غمِ فراق میں رویا تھا لوگ اسکو چومتے ہیں)۔ حضرت حسن کی حضرت انس سے روایت میں ہے کہ حسن بعدازاں یہ حدیث بیان کرتے تو یہ بھی کہتے اے گروہِ مسلمین ایک خشبہ کی آنجناب کے ساتھ وارفتگی کا یہ مظاہرہ ہے تم پر زیادہ حق ہے کہ اظہارِ شوق کرو، دارمی کی ابوسعید سے روایت میں ہے کہ گڑھا کھود کر اسے دفن کر دینے کا حکم دیا، ابونعیم کی حدیثِ سہل بن سعد میں ہے کہ لوگوں سے فرمایا تم اس خشبہ کے حنین سے متعجب نہیں ہوتے؟ جس پر لوگوں نے قریب آ کر اس کا حنین سماعت کیا اور خود بھی روئے، حدیثِ جابر کے پہلے طریق میں (إلى شجرة أو نخلة)، یہ راوی کا شک ہے، اسماعیلی نے وکیع عن عبدالواحد کے طریق سے بدون شک: (فقام إلى نخلة) نقل کیا ہے۔

(فقالت امرأة الخ) راوی کو شک ہے، اول معتمد ہے کتاب الجمعۃ میں اس کا بیان گزر چکا، وہاں ان کے نام کی بابت اختلاف کا ذکر کیا تھا، مفصل بحث بھی وہاں ہوئی۔

(وقال عبد الحميد الخ) بقول ابن حجر کسی کو نہیں دیکھا کہ رجالِ بخاری کے ضمن میں اس عبدالحمید کا تذکرہ کیا ہو، البتہ مزی اور ان کے تابعین نے جزم کے ساتھ انہیں عبد بن حمید قرار دیا ہے جو مشہور حافظ ہیں، کہتے ہیں پورا نام عبدالحمید تھا، تخفیفاً فقط عبد

کہلائے۔ ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ میں نے مسندِ عبد بن حمید اور ان کی تفسیر کی مراجعت کی مگر یہ حدیث ان میں نہیں پائی البتہ ان کے رفیق عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی نے اپنی مسند میں عثمان بن عمر سے اسی اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے۔ (ورواه أبو عاصم) یہ النبیل ہیں جو امام بخاری کے کبار شیوخ میں سے ہیں (عن ابن أبی رواد) یعنی عبدالعزیز، ابو رواد کا نام میمون تھا، اسے بیہقی نے موصول کیا ہے، ابو داؤد نے بھی مختصر نقل کیا ہے۔ (دفع) کشمیہنی کے نسخہ میں (رفع) ہے۔ (فضمه) یعنی جذع کو، کشمیہنی کے ہاں ضمیرِ مؤنث ہے تب مرجع خشبہ ہوگا۔

دوسرے طریق کے شیخِ بخاری اسماعیل بن ابو اویس ہیں، یحیی بن سعید سے مراد انصاری ہیں حفص ان کے اقران میں سے ہیں۔ (یقوم إلی جذع الخ) یعنی خطبہ دیتے وقت، اسماعیلی کی روایت میں اس کی صراحت ہے، اس کے الفاظ ہیں: (کان إذا خطب الخ)۔

(کصوت العشار) عشراء کی جمع ہے، الجمعہ کی روایت میں اس کی شرح گزر چکی ہے، عبد الواحد بن ایمن کی روایت میں ہے کہ بچہ کی طرح چیخا، نسائی کی الکبیر میں حضرت جابر کی روایت میں ہے: (کحنین الناقة الخَلُوج) یہ وہ اونٹنی جس سے اس کا بچہ چھن جائے، دارمی کی ان سے روایت میں: (کَخُوار الثور) ہے یعنی بیل کے ڈکرانے کی مانند، احمد، دارمی اور ابن ماجہ کی حدیثِ ابی بن کعب میں ہے: (خار الجذع حتی تصدَّعَ وانْشَقَّ)۔ ان کی روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ تنا انہوں نے لے لیا تھا، انہی کے پاس رہا حتی کہ بوسیدہ ہو کر رفات (یعنی برادہ) بن گیا۔ سابقہ ایک روایت میں جو اسے دفن کرنے کا امرِ نبوی مذکور تھا وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ ممکن ہے بعد ازاں صفائی وغیرہ کرتے ہوئے حضرت ابی نے نکال لیا ہو (یا ممکن ہے آنجناب سے اجازت لیکر اپنے قبضہ میں لیا ہو یعنی آپ نے ابتداء گڑھا کھود کر دفن کر دینے کا حکم دیا ہو پھر راوی نے آپ سے اجازت لے لی)۔ دارمی کی حدیثِ بریرہ میں ہے کہ نبی پاک نے تنے کو اختیار دیا کہ اسے اپنے دست مبارک سے دوبارہ زمین پر گاڑ دیں اور وہ پہلے کی طرح سرسبز وشاداب ہو جائے یا جنت میں اسے اگا دیا جائے، وہاں کی انہار سے سیراب ہو پھر اولیاء اللہ اس کے پھل سے محظوظ ہوں، آپ نے فرمایا اس نے دوسری تجویز قبول کر لی ہے۔

بیہقی لکھتے ہیں حنینِ جذع کا قصہ ان امورِ ظاہرہ سے ہے جنہیں خلف نے سلف سے نقل کیا ہے، بعض جزئیات کا اس ضمن میں ورود ونقل تکلف کی طرح ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کبھی اللہ تعالی جمادات میں بھی حیوان بلکہ اشرف حیوان (انسان) کی مانند قوتِ حس وادراک پیدا کر دیتا ہے، آیت (وَ إِنْ مِنْ شَیْءٍ إلا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ) [الإسراء : ۴۴] سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ابن ابی حاتم مناقب الشافعی میں اپنے والد عن عمرو بن سواد عن الشافعی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ نے حضرت محمد کو وہ معجزات عطا کئے جو کسی اور نبی کو نہیں دئے، میں نے کہا حضرت عیسی کو احیائے موتی کا معجزہ عطا ہوا، کہنے لگے حنینِ جذع کا معجزہ اس سے برتر ہے۔

3586 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِی عَدِیٍّ عَنْ شُعْبَةَ. حَدَّثَنِی بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَیْمَانَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ یُحَدِّثُ عَنْ حُذَیْفَةَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ؓ قَالَ أَیُّکُمْ یَحْفَظُ قَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِی الْفِتْنَةِ فَقَالَ حُذَیْفَةُ أَنَا أَحْفَظُ کَمَا قَالَ

.قَالَ هَاتِ إِنَّكَ لَجَرِیءٌ .قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِی أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَجَارِهِ تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْیُ عَنِ الْمُنْكَرِ .قَالَ لَیْسَتْ هَذِهِ، وَلَكِنِ الَّتِی تَمُوجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ .قَالَ یَا أَمِیرَ الْمُؤْمِنِینَ لَا بَأْسَ عَلَیْكَ مِنْهَا، إِنَّ بَیْنَكَ وَبَیْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا .قَالَ یُفْتَحُ الْبَابُ أَوْ یُكْسَرُ قَالَ لَا بَلْ یُكْسَرُ قَالَ ذَاكَ أَحْرَى أَنْ لَا یُغْلَقَ .قُلْنَا عَلِمَ الْبَابَ قَالَ نَعَمْ، كَمَا أَنَّ دُونَ غَدٍ اللَّیْلَةَ، إِنِّی حَدَّثْتُهُ حَدِیثًا لَیْسَ بِالْأَغَالِیطِ .فَهِبْنَا أَنْ نَسْأَلَهُ، وَأَمَرْنَا مَسْرُوقًا، فَسَأَلَهُ فَقَالَ مَنِ الْبَابُ قَالَ عُمَرُ .أطرافه 525، 1435، 1895، 7096

حضرت حذیفہ کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عمر نے پوچھا تم میں سے کسے نبی اکرم کا فتنہ کی بابت کہا گیا قول یاد ہے؟ میں نے کہا مجھے، کہا کیا ہے؟ کہا کہ نبی پاک نے فرمایا تھا انسان کا فتنہ اس کے اہل، مال اور جار میں ہوتا ہے جسکا اس کی نماز، صدقہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کفارہ بن جاتے ہیں، حضرت عمر کہنے لگے میں اس فتنہ کے بارہ میں نہیں پوچھتا، میں تو اس کی بابت پوچھتا ہوں جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوگا، حذیفہ نے کہا اے امیر المؤمنین آپکو اس سے کوئی فکر نہیں ہونا چاہئے آپ اور اس کے درمیان ایک بند دروازہ ہے، پوچھا وہ دروازہ کھولا جائیگا یا توڑا جائیگا؟ کہا توڑا جائیگا، بولے پھر تو وہ کبھی بند نہ ہو سکے گا، راوی کہتے ہیں ہم نے حضرت حذیفہ سے پوچھا کیا حضرت عمر جانتے تھے کہ دروازے سے کیا مراد ہے؟ کہا ہاں جیسے یہ جانتے تھے کہ رات کے بعد دن ہے، کہتے ہیں ہمیں ڈر لگا کہ دروازے کی بابت پوچھیں، مسروق سے کہا کہ وہ پوچھیں، انہوں نے پوچھا تو کہا اس سے مراد حضرت عمر تھے۔

دوسرے طریق میں محمد سے مراد ابن جعفر ہیں جنکا لقب غندر تھا، سلیمان سے مراد اعمش ہیں۔ اصلِ حدیث کی اُبو وائل سے روایت میں جامع بن شداد نے ان کی موافقت کی ہے اسے بخاری نے کتاب الصوم میں نقل کیا، شقیق کی حذیفہ سے روایت میں ربعی بن حراش موافق ہیں، ان کی روایت احمد اور مسلم نے تخریج کی ہے۔

(تکفرھا الصلاۃ والصدقۃ) **الصلاۃ** کی روایت میں (الصوم) کا لفظ بھی مذکور ہے بعض شراح نے لکھا محتمل ہے کہ یا تو نماز وغیرہ مذکورہ اعمال ان تمام مذکورہ فتنوں کے مکفِر ہوں یا یہ بابِ لف ونشر (مرتب) سے ہو کہ نماز مثلا فتنہ فی اہل کی مکفر، روزہ فتنہ فی الولد کا مکفر ہو۔ علیٰ ھذا القِیَس۔ اس فتنہ سے مراد ان مذکورہ بشری انواع کے ساتھ جو بسا اوقات (نزاع وشرکا) معاملہ پیش آتا ہے یا ان کی وجہ سے جو غفلت کا مظاہرہ ہو جاتا ہے یا ان کیلئے بعض اوقات جو واجبات وفرائض کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔ ابن ابی جمرہ نے مذکورات کے ساتھ وقوع فی المحرمات اور اِخلال بالواجب کی تکفیر میں اشکال سمجھا ہے کیونکہ طاعات اس کا اسقاط نہیں کرتیں اور اگر اسے وقوع فی المکرّوہ اور اِخلال بالمستحَب پر محمول کیا جائے تو تکفیر کے لفظ کا اطلاق مناسب نہیں ٹھہرتا، جواب یہ ہے کہ اول ہی مراد ہے اور تکفیرِ حرام وواجب سے ممتنع وہ ہے جو کبیرہ گناہ ہے، نزاع اسی میں ہے، صغائر کے مکفر ہونے میں تو کوئی اختلافِ آراء نہیں کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: (إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّآتِكُمْ) [النساء : ۳۱]، اس کی کچھ بحث کتاب الصلاہ میں گزر چکی ہے۔

الزین بن منیر لکھتے ہیں فتنہ بالأھل کا وقوع اس طرح ہوتا ہے کہ قسمت و ایثار میں مثلا ان کے ساتھ اولاد کے مقابلہ میں

ترجیحی سلوک کرے انہیں فوقیت دے یا اولاد کو ان پر فوقیت دے اور اس جہت سے کہ ان کے اپنے اوپر واجب الأداء حقوق کی ادائیگی میں تفریط کا مظاہرہ کرے، فتنۂ مال یہ ہے کہ اس میں مشغول ہو کر عبادات سے غافل ہو جائے یا حق اللہ کا اِخراج روک لے، فتنۂ اولاد یہ ہے کہ ان کی طرف بے جا میلان کا اظہار کرے اور ہر ایک پر انہیں ترجیح دے اور ان کی وجہ سے ظلم و تقصیر کا مرتکب بنے، فتنۂ جار یہ ہے کہ اس کے ساتھ حسد، مفاخرت اور مزاحمت کا معاملہ کرے، حقوقِ پڑوس سے غافل رہے، کہتے ہیں یہ چند مثالیں ہیں اسبابِ فتنہ کئی اور بھی ہو سکتے ہیں، جہاں تک نماز کے مکفِر ہونے کا تعلق ہے ان ذنوب کی نسبت جو اس کے ہمراہ ذکر کئے گئے ہیں تو اس سے نماز کی عظمت و قدر کا اظہار ہوتا ہے یہ نہیں مراد کہ دوسری حسنات میں صلاحیتِ تکفیر نہیں، پھر ممکن ہے کہ تکفیرِ مذکور حسناتِ مذکورہ کرتے ھی واقع ہو جاتا ہو، واقع بالموازنۃ (یعنی اعمال کے وزن کے وقت) ہونا بھی محتمل ہے، اول اظہر ہے۔ ابن ابی جمرہ لکھتے ہیں مرد کو خاص بالذکر کیا کیونکہ گھر بار میں اغلبًا اسی کا حکم چلتا ہے وگرنہ عورتیں بھی اس حکم میں مردوں کی شقائق (شریک) ہیں، پھر یہ اشارہ بھی مذکور ہے کہ تکفیر صرف انہی چار کے ساتھ مختص نہیں بلکہ ان کے ماسوا کی طرف توجہ دلائی ہے (یعنی یہ چار معرضِ مثال میں ذکر کئے گئے) فتنہ ہر وہ چیز جو بندے کو اللہ سے غافل کر دے، مکفرات بھی فقط یہ نہیں جو ذکر کی گئیں (انکا ذکر بھی بطور مثال ہے) ہر نیکی فی ذاتہٖ مکفِر ہے۔

(کموج البحر) شدتِ مخاصمت اور کثرتِ منازعت اور جو اس کے سبب مشاتمہ اور مقاتلہ وقوع پذیر ہوگا اسکے وسیع الإحاطہ ہونے کو سمندری موجوں سے تشبیہ دی۔

(لا بأس علیك الخ) ربعی کی حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ قلوب پر فتنے پیش کئے جاتے ہیں، جو دل ان کا انکار کرے اس میں ایک سفید نکتہ پیدا ہو جاتا ہے حتی کہ آخر کار (فتنوں سے مسلسل) بچنے والے کا دل صفاۃ (یعنی پتھر، بقول صاحبِ معجم پطرس کا لقب ہے) کی طرح سفید ہو جاتا ہے جسے کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور جو دل انہیں قبول کرے اس کے دل میں نکتۂ سوداء ظاہر ہوتا ہے، آخر کار کوز (یعنی کوزہ) کی طرح وہ دل سیاہ اور منکوس ہو جاتا ہے، تب کسی معروف کو نہیں پہچانتا اور نہ کسی منکر کا انکار کرتا ہے۔

(بابا مغلقا) یعنی آپکے زندہ ہوتے ہوئے ان فتنوں میں سے کوئی فتنہ ظہور یا وقوع پذیر نہیں ہو سکتا، ابن منیر لکھتے ہیں حضرت حذیفہ نے حفظِ سِر (راز کی حفاظت) پر حرص کی اور حضرت عمر کے سوال کا صراحۃً جواب نہ دیا، کنایہ کا اسلوب استعمال کیا گویا وہ اس قسم کے احوال میں (آنجناب کی طرف سے) ماذون تھے، نووی کہتے ہیں یہ بھی محتمل ہے کہ حذیفہ جانتے ہوں کہ حضرت عمر شہید ہوں گے مگر حضرت عمر کو صراحت سے یہ بتلانا مناسب نہ سمجھا کیونکہ عمر جانتے تھے کہ بابِ مغلق سے مراد وہ خود ہیں، تو ایسی عبارت لائے جس سے بغیر تصریح کئے حصولِ مقصود ہوا۔ ابن حجر کہتے ہیں ربعی کے ذکر کردہ الفاظ اس تاویل کیلئے معکِّر ہیں، آگے اس کا بیان ہوگا، لکھتے ہیں گویا حذیفہ نے فتنوں کی ایک گھر سے تمثیل بیان کی اور حضرت عمر کا وجود وحیات اس گھر کے بند دروازے کی مثل ہے، ان کی موت گویا اس بند دروازے کا کھل جانا ہے، فتنوں کا اس گھر سے باہر نکل آنا اور ہر سو پھیل جانا مراد ہے۔

(قال ذلك أحرى الخ) الصیام کی روایت میں تھا: (ذاك أجدر أن لا یغلق إلی یو م القیامة)۔ ابن بطال لکھتے ہیں ایسا اس لئے کہا کہ عموما صحیح و سالم دروازے ہی بند کرنا ممکن ہوتا ہے، جو ٹوٹ جائے تو مرمت کئے بغیر اسے بند کرنا ممکن نہیں ہوتا، یہ بھی محتمل ہے کہ کھولے جانے سے مراد طبعی موت اور دروازے کا توڑ دیا جانا قتل ہو، اسی لئے ربعی کی روایت میں ہے کہ جب حذیفہ نے کہا وہ دروازہ توڑا جائے گا تو حضرت عمر نے بڑی تشویش سے کہا: (کسرا لا أبا لك)، ربعی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر

کہنے لگے مجھے بیان کیا گیا ہے کہ دروازے سے مراد کوئی آدمی ہے جو قتل ہوگا یا طبعی موت مرے گا، چونکہ ان کے پاس بھی اس امت میں واقع ہونے والے فتنوں کی بابت کچھ معلومات تھیں، اس بارے مزید تفصیل کتاب الاعتصام میں آئے گی، ابوذر سے بھی حضرت حذیفہ کی روایت کے معنی ومفہوم پر مشتمل روایت منقول ہے، طبرانی نے ثقہ رجال کے ساتھ ان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا، وہ کہنے لگے اے فتنوں کے قفل میرا ہاتھ چھوڑ دیجئے، اس میں ہے کہ ابوذر نے لوگوں سے مخاطب ہو کر مزید کہا جب تک یہ (حضرت عمر) تم لوگوں میں موجود ہیں کوئی فتنہ نہیں آئے گا، بزار نے قدامہ بن مظعون عن اخیہ عثمان کے طریق سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر سے کہنے لگے: (يا غلق الفتنة) وہ بولے کیا کہہ رہے ہو؟ کہا ہم آنجناب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ گزرے، آنجناب فرمانے لگے یہ غلق الفتنۃ ہیں، جب تک یہ ہیں تمہارے اور فتنوں کے درمیان ایک بند دروازہ ہے۔

(قلنا علم الخ) جامع بن شداد کی روایت میں ہے ہم نے مسروق سے کہا ان سے پوچھیں کیا حضرت عمر کو علم تھا کہ دروازہ کون ہے؟ انہوں نے پوچھا تو جواب دیا ہاں علم تھا۔ (دون غد الخ) کیونکہ (قمری مہینوں کے مطابق) رات دن سے قبل ہوتی ہے۔ (أني حدثته) یہ بقیہ کلامِ حذیفہ ہے، اغالیط اغلوطۃ کی جمع ہے، مغالطہ ڈالنے والی بات (یعنی معمہ) یعنی میں نے اجتہاد ورائے سے یہ بات بیان نہیں کی تھی بلکہ آنجناب کی حدیثِ صدق ومحقق ذکر کی۔ ابن بطال کہتے ہیں حضرت عمر جانتے تھے کہ وہ دروازہ ہیں کیونکہ ایک مرتبہ وہ حضرات ابوبکر وعثمان کے ہمراہ آنجناب کے ساتھ جبلِ حراء پر تھے کہ وہ کانپنے اور ہلنے لگا، آپ نے فرمایا: (اثبت فإنما عليك نبي و صديق و شهيدان) کہ تھم جا، سوائے اس کے نہیں کہ تم پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید موجود ہیں، یا ممکن ہے حذیفہ کے قول (بل يكسر) سے سمجھے ہوں، ابن حجر کہتے ہیں بظاہر یہ علم ان کے پاس بذریعہِ نص تھا جیسا کہ عثمان بن مظعون اور ابوذر کے حوالے سے گزرا، شائد حذیفہ بھی اس موقع پر موجود تھے، بدء الخلق میں آنجناب کے ایک طویل خطبہ کے حوالے سے حضرت حذیفہ کا قول ذکر ہوا تھا کہ میں قیامت تک واقع ہونے والے ہر فتنہ سے واقف ہوں، یہ بھی کہ اس بابت صحابہ کی ایک جماعت نے ان کے ہمراہ نبی اکرم سے یہ باتیں سنی تھیں جو ان سے قبل فوت ہوگئے۔ اگر کہا جائے اگر حضرت عمر جانتے تھے تو ان سے پوچھا کیوں؟ اس کا جواب ہے کہ شدتِ خوف کے عالم میں یہ سوال کیا یا ممکن ہے کچھ بھول جانے کے خوف سے سوال کیا ہو (یا ممکن ہے یہ جاننا چاہتے ہوں کہ آیا حضرت حذیفہ بھی یہ بات جانتے ہیں یا نہیں)۔

(فهبنا) یہ کبار کے ساتھ ان کا حسنِ تأدب ہے۔ (و أمرنا مسروقا) ابن اجدع، کبار تابعین میں سے ہیں ابن مسعود اور حذیفہ جیسے کئی کبار صحابہ کے اخصاء تلامذہ میں سے تھے۔ (فقال من الباب؟) کرمانی لکھتے ہیں پہلے ان کا یہ قول گزرا: (إن بين الفتنة و بين عمر باباً) اب اس باب کو مفسَر بعمر کیونکر کیا؟ جواب یہ ہے کہ سابقہ قول تجوزاً تھا اور مراد فتنوں اور حیاتِ عمر کے مابین یا فتنوں اور ان کے بدن کے مابین ہے کیونکہ بدن غیرِ نفس ہے۔ آخرِ بحث ابن حجر تنبیہ کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ اس باب میں غالب احادیث مثلاً حضرت حذیفہ سے مروی یہ حدیث وھلم جرا، ان امورِ غیبیہ سے متعلق ہیں جو آنجناب کے بعد کے زمانہ کی بابت ہیں اور اسی طرح وقوع پذیر ہوئے جیسے آنجناب نے خبر دی تھی، کچھ عہدِ نبوی ہی میں واقع ہوئے۔

3587حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعَرُ وَحَتَّى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ

صِغَارَ الأَعْيُنِ حُمْرَ الْوُجُوهِ ذُلْفَ الأُنُوفِ كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ۔ (آگے ترجمہ کا تذکرہ آتا ہے)

3588. وَتَجِدُونَ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ أَشَدَّهُمْ كَرَاهِيَةً لِهَذَا الأَمْرِ حَتَّى يَقَعَ فِيهِ وَالنَّاسُ مَعَادِنُ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الإِسْلاَمِ. طرفاه 3493، 3496۔ (اس حصہ کا ترجمہ اسی جلد کے سابقہ نمبر پہ گزر چکا ہے)

3589 وَلَيَأْتِيَنَّ عَلَى أَحَدِكُمْ زَمَانٌ لأَنْ يَرَانِي أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَهُ مِثْلُ أَهْلِهِ وَمَالِهِ

ایک زمانہ آئیگا کہ تم میں سے کوئی اپنے سارے گھربار اور مال و دولت سے بڑھ کر مجھے دیکھ لینا پسند کریگا۔

حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت چار احادیث پر مشتمل ہے، ایک قتالِ ترک کے بارہ میں جسے دو طرق سے وارد کیا ہے (کتاب الجھاد توفیق الباری جلد رابع میں ایک باب بعنوان باب قتال الترک کے تحت یہ روایت ذکر ہو چکی ہے)۔ دوسری حدیث: (تجدون من خير الناس الخ) کی شرح اسی کتاب المناقب کے شروع میں گزر چکی ہے، تیسری: (الناس معادن) بھی اوائل المناقب میں مشروح ہو چکی ہے، چوتھی یہ ہے۔

(وليأتين على أحد كم زمان الخ) اس بابت عیاض رقمطراز ہیں کہ جمیع رواۃ کے ہاں (أحد كم) ہی واقع ہے صرف ابوزید مروزی نے بغداد میں پڑھے گئے نسخۂ بخاری میں (أحدهم) ذکر کیا ہے مگر (أحد كم) صواب ہے، مسلم نے بھی یہی نقل کیا ہے تو ان چاروں احادیث کا تعلق بھی علامات النبوۃ سے ہے کیونکہ ان میں اِخبار بالغیب ہے چنانچہ جیسے آپ نے بتلایا ویسے ہی ہوا خصوصاً آخری روایت، کہ آنجناب کی وفات کے بعد ہر صحابی کی خواہش تھی کہ رسول اکرم کو ایک دفعہ پھر دیکھ لیں خواہ اس کے عوض اہل و مال کا فقدان ہی کیوں نہ ہو، کہتے ہین ویسے تو ہم سب مسلمانوں کی ہی یہی خواہش و تمنا ہے مگر صحابہ کا حوالہ اسلئے دیا کہ وہ ہم سب سے زیادہ اللہ کے نبی کے مشتاق اور آپ کے جانثار تھے۔

3590 حَدَّثَنِي يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا خُوزًا وَكَرْمَانَ مِنَ الأَعَاجِمِ حُمْرَ الْوُجُوهِ فُطْسَ الأُنُوفِ صِغَارَ الأَعْيُنِ وُجُوهُهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ، نِعَالُهُمُ الشَّعَرُ. تَابَعَهُ غَيْرُهُ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ. أطرافه 2928، 2929، 3587، 3591۔ (ترجمہ کیلئے دیکھئے: جلد چہارم کتاب الجھاد)۔

شیخِ بخاری سے مراد یحی بن موسی الختن یا ابن جعفر بیکندی ہیں۔ اسے متعدد طرق سے نقل کیا ہے۔ (حتى تقاتلوا خوزا) عجم کی ایک قوم ہے، احمد لکھتے ہیں عبد الرزاق کو اس میں وہم لگا کہ خاء کی بجائے جیم سے روایت کر دیا۔ (و كرمان) مشہور لغت کاف کی زیر کے ساتھ ہے، زبر بھی مستعمل ہے، ابن سمعانی اسی کو درست کہتے ہیں مگر ساتھ ہی لکھا کہ زیر کے ساتھ مشتہر ہے، کرمانی (جو اسی علاقہ کے تھے) کہتے ہیں ہم اپنے علاقہ سے زیادہ واقف ہیں (یعنی ان کے نزدیک کسرِ کاف ہے)۔ ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کہ ابن جوالیقی نے بھی جزم کے ساتھ زبر لکھا ہے، ابو عبید بکری بھی اسے ہی قبول کرتے ہیں البتہ اصیلی اور عبدوس نے زیر پر جزم کیا ہے یاقوت اور صغانی نے ابن سمعانی کے قول کی پیروی کی لیکن زیر عوام کی طرف منسوب کیا ہے، نووی نے دونوں اعراب بیان کئے ہیں۔

سابقہ روایت میں تھا: (تقاتلون الترك) یہاں ایک اشکال سمجھ گیا ہے کیونکہ خوز اور کرمان ترکوں کے علاقے نہیں، خوز بلادِ اہواز میں سے ہے جو عراقِ عجم میں سے ہے (آجکل ایران میں ہے) بعض نے لکھا کہ خوز عجم کی ایک صنف ہے، کرمان بلادِ عجم ایران کا ایک مشہور علاقہ ہے خراسان اور بحر ہند کے درمیان۔ بعض نے (خور کرمان) روایت کیا ہے بطور ترکیب اضافی لیکن اس پر بھی سابقہ اشکال باقی ہے۔ یہ جواب بھی ممکن ہے کہ یہ حدیث، غیر حدیثِ قتالِ ترک ہے، دونوں کے مابین جامع یہ ہے کہ دو قوموں کے خروج کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔

علامہ انور اس بابت لکھتے ہیں کہ خوزستان اور کرمان ایران کے علاقے ہیں، جو حلیہ یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ ان دونوں علاقوں کے بسنے والوں پر پورا نہیں اترتا یعنی (فطس الأنوف) وغیرہ، یہ تو ترکوں کا حلیہ ہے اور یہ ترک نہیں اور نہ مغل ہیں تو پھر یہ کون ہیں؟ جہاں تک مغلوں کا تعلق ہے تو وہ یاجوج ماجوج کی ذریت ہیں بعض ترک بھی انہی کی نسل ہیں، حافظ نے اسے کسی راوی کا وہم قرار دیا کہ ترکوں کا حلیہ اہلِ خوز و کرمان کی بابت نقل کر دیا، بعض نے کہا ہے کہ ابتداء میں کچھ مغل خوز اور کرمان میں بھی آگئے اور وہاں سکونت اختیار کر لی تھی تو یہ مراد ہیں۔

(فطس الأنوف) فطس انفراش کو کہتے ہیں (یعنی چپٹے ناک والے)، سابقہ روایت میں (دلف الأنوف) تھا، یہ أدلفة کی جمع ہے یہ اشہر ہے، بعض نے چھوٹے ناک والے، معنی کیا ہے بعض کے نزدیک دلف استواء کو کہتے ہیں جو طرفِ انف میں ہو (یعنی آگے سے چوڑے ناک والے) کئی اور اقوال بھی ہیں جو کتاب الجہاد میں گزر چکے۔ (تابعه غيره عن عبد الرزاق) ابن حجر کے بقول جن اصول (نسخوں) کا میں نے مطالعہ کیا ان میں یہی ہے، اطراف میں مزی نے بھی یہی لکھا بعض میں (تابعه عبدة) ہے تو یہ تصحیف ہے، اسے امامان احمد اور اسحاق بن راھویہ نے اپنی اپنی مسند میں عبد الرزاق سے تخریج کیا ہے احمد نے اسے دو حدیثیں بنا کر پیش کیا، آخر میں فصل کرتے ذکر کیا: (وقال رسول الله ﷺ لا تقوم الساعة الخ)۔

3591 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قَالَ إِسْمَاعِيلُ أَخْبَرَنِي قَيْسٌ قَالَ أَتَيْنَا أَبَا هُرَيْرَةَ ؓ فَقَالَ صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ثَلَاثَ سِنِينَ لَمْ أَكُنْ فِي سِنِيَّ أَحْرَصَ عَلَى أَنْ أَعِيَ الْحَدِيثَ مِنِّي فِيهِنَّ سَمِعْتُهُ يَقُولُ وَقَالَ هَكَذَا بِيَدِهِ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعَرُ، وَهُوَ هَذَا الْبَارِزُ. وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً وَهُمْ أَهْلُ الْبَازَرِ. أطرافه 2928، 2929، 3587، 3590۔ (جلد چہارم کتاب الجہاد میں مترجم ہے)

ابن مدینی سفیان بن عیینہ سے راوی ہیں، اسماعیل سے ابن ابی خالد اور قیس سے مراد ابن ابو حازم ہیں۔ (أتينا أبا هريرة الخ) احمد کی سفیان عن اسماعیل عن قیس سے روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کوفہ میں آئے، ہمارے موالی اور ان میں قرابت تھی بقول سفیان یہ یعنی آلِ قیس بن ابی حازم، احمس کے موالی ہیں تو احمس کے ہاں اکھٹے ہوئے، قیس کہتے ہیں میرے والد نے کہا اے ابو ہریرہ یہ آپ کے ہم نسب آپکو سلام کہنے حاضر ہوئے ہیں اور تا کہ آپ انہیں کچھ احادیث سنائیں کہا: (مرحباً بهم وأهلاً) خوش آمدید پھر یہ حدیث ذکر کی۔

(ثلاث سنين) ایسے ہی مذکور ہے، اس میں کچھ تحفظ ہے کیونکہ ان کی آمد سن سات ہجری بمقام خیبر ہوئی تھی، غزوہ خیبر ماہِ

صفر میں ہوا اور آنجناب کی وفات سن ۱۱ ہجری ماہِ ربیع الأول میں ہوئی تو اس حساب سے چار سال سے کچھ زائد مدت بنتی ہے، حمید بن عبد الرحمٰن حمیری نے اسی کو جزم کے ساتھ بیان کیا، کہتے ہیں میں آنجناب کے ایک صحابی کا مصاحب بنا جنھوں نے حضرت ابو ہریرہ کی طرح چار برس آنحضرتﷺ کی صحبت میں گزارے، اسے احمد وغیرہ نے نقل کیا ہے، تو اس روایت میں حضرت ابو ہریرہ نے تین سال ذکر کر کے گویا صرف اسی مدت کا شمار کیا جس میں آنجناب کے ساتھ دن ورات کی معیت اختیار کی اور یہ خیبر سے واپسی کے بعد ہوا (پھر بھی تین سال تو نہ بنے) یا ان اوقات کو اس سے خارج کیا جو آنجناب کے مختلف اسفار میں گزرے مثلاً حدیبیہ، تبوک، حجۃ الوداع، عمرۃ القضاء اور مختلف غزوات کے اسفار (یعنی مدینہ میں حالت قیام کو پیش نظر رکھا) کیونکہ مدینہ میں ان کی ملازمتِ رسول اسفار میں ملازمتِ رسول کی مانند نہ تھی (پھر یہ بھی کہ حالت سفر میں آنجناب حالتِ حضر کی طرح تفصیل سے احادیث بیان نہ کرتے ہوں گے) یا تین برس کی مذکورہ مدت اس قیدِ حرص سے مقید ہے جس کا اپنے قول میں ذکر کیا یا حرص تو ہمہ وقت تھی مگر ان تین سالوں میں اقوی تھی۔

(وهو هذا البارز الخ) اول بارز سے ضبط رائے مفتوح کے ساتھ اور اس میں راء زاء سے مقدم ہے جبکہ دوسرے بازر میں زاء راء سے متقدم ہے، معروف اول ہے ابن سکن اور عبدوس کے ہاں زائے مکسور کے ساتھ اور یہ راء پر مقدم ہے، بعض نے راء پر زیر پڑھی ہے، قابسی کہتے ہیں اس کا معنی ہے (البا رزين لقتال أهل الإسلام) یعنی اہل اسلام سے قتال کے لئے بارز ہونے والے (یعنی باہر نکلنے والے)۔ (أي الظاهرين على براز من الأرض) میدان میں ظاہر ہونے والے۔ بعض نے لکھا ہے کہ ہر لڑنے والے کو عرب بارز کہہ کر پکارتے تھے ابن کثیر لکھتے ہیں سفیان کا قول مشہور فی الحدیث رائے مقدم کے ساتھ ہے، اس کا عکس تصحیف ہے گویا راوی پر مشتبہ ہوا، بارز (یہاں بازر ہونا چاہئے) ان کی لغت میں سوق (یعنی بازار) کو کہتے ہیں۔ اسماعیلی نے مروان بن معاویۃ وغیرہ عن اسماعیل کے طریق سے: (وهم هذا لبارز) نقل کیا ہے، ابو نعیم نے ابراہیم بن بشار عن سفیان کے حوالے سے (وهم هذا البازر يعني الأكراد) نقل کیا، (یعنی بازر سے مراد کرد ہیں)۔ بعض نے کہا کہ بارز سے مراد دیلم ہیں کیونکہ وہ سطحِ مرتفع پر رہنے والے لوگ تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ارضِ فارس ہے کیونکہ ان کے بعض فاء کو باء اور زاء کو سین میں بدل لیتے ہیں، کئی اور اقوال بھی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ بارز کرمان کے قریب ایک پہاڑی علاقہ ہے جہاں کرد آباد ہیں گویا انہیں ان کے علاقے کے نام سے ذکر کیا، بخاری کی روایت میں راء زاء پر مقدم ہے اور یہ اہل فارس ہیں۔

اس خبر کا مصداق ظاہر ہوا، صحابہ کے زمانہ میں یہ حدیث مشہور تھی: (اتركوا الترك ما تركوكم) یعنی جب تک ترک تمہیں چھوڑیں رکھیں تم بھی انہیں چھوڑے رکھنا، طبرانی نے اسے حضرت معاویہ کے حوالے سے مرفوعاً نقل کیا ہے، ابو یعلی ایک دیگر سند کے ساتھ معاویہ بن خدیج سے روایت کرتے ہیں کہ میں امیر معاویہ کے پاس تھا، ایک گورنر کا خط پہنچا جس میں اس نے لکھا کہ اس نے ترکوں پر حملہ کیا اور انہیں ہزیمت سے دو چار کر دیا ہے، معاویہ ناراض ہوئے اور جواب بھجوایا کہ تا حکمِ ثانی ان سے جنگ نہ کرنا کیونکہ میں نے نبی پاک سے سنا ہے، پھر یہی قول ذکر کیا۔ ابن حجر لکھتے ہیں خلافتِ بنی امیہ میں مسلمانوں اور ترکوں کا ٹکراؤ ہوا، مسلسل جنگوں کے بعد بکثرت ان کے قیدی لائے گئے اور بادشاہوں نے ان کی شدت وبأس (یعنی طاقت وشجاعت) کے سبب ان میں تنافس کیا حتی کہ (خلیفہ عباسی مامون الرشید کے بھائی جس نے اس کے بعد بارِ خلافت اٹھایا) معتصم کا اکثر لشکر انہیں پر مشتمل تھا (اسی باعث ان پر زوال آیا کہ جب دیکھا عباسیوں کی حکومت ان کی بدولت قائم ہے تو خودسر ہو گئے اور متوکل کے قتل کے بعد خلافت ان کے ہاتھ بازیچہ

اطفال بنکر رہ گئی)۔ لکھتے ہیں معتصم کے بیٹے متوکل پھر اس کی اولاد کو یک بعد دیگرے قتل کر کے اختیارات خود سنبھال لئے (بس اسماً خلیفہ عباسی کو باقی رکھا) حتی کہ دیلم ان پر غالب آئے، پھر بعد ازاں سامانی ملوک بھی ترکوں میں سے تھے جو بلادِ عجم کے حکمران بنے، پھر ان مما لک (یعنی افغانستان، ایران، بلادِ ماوراء النھر اور برصغیر پاک و ہند) کی حکمرانی آلِ سبکتگین پھر آل سلجوق کو ملی اور ان کی مملکت عراق، شام اور روم تک پھیل گئی، آل زنگی، آل ایوب (جن میں سلطان صلاح الدین ایوبی تھے) بھی انہی کے بقایا تھے، پانچویں صدی ہجری میں آل سلجوق کو غز نے شکستیں دیں اور عالم اسلام کو تباہ و برباد کیا پھر تا تاریوں کی شکل میں چنگیز خانی لشکر آئے جنہوں نے دنیا میں جنگوں کی آگ بھڑکائی تقریباً مشرق کے تمام مما لک ان کے پنجۂ استبداد و شر میں گرفتار ہوئے، انہی کے ہاتھوں (ہلاکو جو چنگیز خان کا پوتا تھا، کی زیرِ قیادت) بغداد کا سقوط ہوا اور سن ۶۵۶ھ میں آخری عباسی خلیفہ مستعصم قتل ہوا بعد ازاں گاہے بگاہے ان کے لشکر تک و تاز کیلئے آتے رہے آخری لشکرِ تا تار تیمور لنگ کی قیادت میں شام تک کا علاقہ تاراج کرتا ہوا آیا، روم و ہند میں بھی داخل ہوا تو اس طرح سے آنجناب کی یہ پیشین گوئی بھی پوری ہوئی کہ بنی قنطورا کے ہاتھوں سب سے پہلے میری امت کی بادشاہت چھنے گی، اس حدیث کو طبرانی نے حضرت معاویہ کے حوالے سے روایت کیا ہے، بنی قنطورا سے مراد ترک ہیں، کہا جاتا ہے قنطورا حضرت ابراہیمؑ کی لونڈی تھی جن سے ان کی اولاد ہوئی، ترک انہی کی نسل سے ہیں، ابن اثیر نے اسے ذکر کر کے مستبعد قرار دیا ہے لیکن ہمارے شیخ نے قاموس میں اس پر جزم کیا ہے۔

(أمتی) سے مراد (أمت النسب) ہیں نہ کہ (أمت الدعوة)۔ (یعنی اموی اور عباسی جو آنجناب کے ہم نسب یعنی قریش میں سے تھے، کی حکمرانی ان کے ہاتھوں سلب ہوگی) ابن حجر نے عرب مراد لیا ہے۔

علامہ انور (وھو ھذا البارز) کے تحت رقم طراز ہیں یعنی (باہر والے)، کہتے ہیں میں نے دیکھا ہے کہ ہر اہلِ بلدہ دوسروں کو بارز کہتے ہیں، عرب عجم کو اور وہ عربوں کو بارز کہتے ہیں، بعض نے اسے فارسی کا معرب قرار دیا ہے اگر ایسا ہے تو راء پر زبر پڑھنا چاہئے، ابن ماجہ کے ہاں یہی ہے۔ اسے مسلم نے بھی (الفتن) میں روایت کیا ہے۔

3592 حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ تُقَاتِلُونَ قَوْمًا يَنْتَعِلُونَ الشَّعَرَ وَتُقَاتِلُونَ قَوْمًا كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ .طرفه 2927۔ (سابقہ حوالہ)

حدیثِ ابی ہریرہ کے ہم مفہوم عمرو بن تغلب کی حدیث ہے یہ اس کا قوی شاہد ہے، کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے۔

3593 حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ ؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ تُقَاتِلُكُمُ الْيَهُودُ فَتُسَلَّطُونَ عَلَيْهِمْ ثُمَّ يَقُولُ الْحَجَرُ يَا مُسْلِمُ، هَذَا يَهُودِيٌّ وَرَائِي فَاقْتُلْهُ .طرفه 2925۔ (سابقہ حوالہ)

کتاب الجہاد میں باب (قتال الیھود) کے تحت ایک دیگر سند سے گزر چکی ہے۔ (فتسلطون علیھم) مسند احمد میں ایک اور طریق کے ساتھ سالم عن ابن عمر سے روایت میں ہے کہ دجال مدینہ کے باہر اترے گا پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس پر غلبہ دے گا۔ (فیقتلون شیعته) وہ اس کے گروہ کو قتل کر ڈالیں گے حتی اگر کوئی یہودی کسی حجر و شجر کے پیچھے چھپے گا تو وہ پکار کر کہے گا اے مسلمان

یہ میرے پیچھے یہودی ہے، آؤ اسے مار ڈالو، اس پر قتالِ یہود سے مراد وہ جو ظہورِ دجال کے موقع پر جنگ ہوگی اسی دوران حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا۔ ابوامامہ کی حدیث میں مفصلاً قصہ دجال مذکور ہے اس میں ہے کہ ستر ہزار مسلح یہودی اس کے ساتھ ہوں گے آخر حضرت عیسیٰ بابِ لد کے پاس اسے جالیں گے اور قتل کر ڈالیں گے۔

(سبحان اللہ ہمارے نبی کی پشین گوئیاں! ۱۹۶۶ء سے قبل کسی کو علم نہ تھا کہ باب لد جسکا لفظی ترجمہ: لد کا دروازہ، کیا ہے اور کہاں واقع ہے؟ اسی لئے فتح الباری سمیت تمام شروحِ کتب حدیث پر اس بابت مکمل خاموشی طاری ہے، اغلباً ۱۹۶۶ء میں اسرائیل نے اپنا ایک فوجی مستقر بنامِ لد تعمیر کرنا شرع کیا جس کے ساتھ ایک شہر بھی آج کل آباد ہے اور اس کا ائر پورٹ بھی ہے، باب لد سے مراد یہی ہوائی اڈہ ہے، اسے معاصر عربی میں مطار کہتے ہیں اب نبی اکرم تو مطار کا لفظ استعمال نہ کر سکتے تھے کہ عہدِ نبوی میں اس کا وجود ہی نہ تھا، آپ نے وہ لفظ استعمال فرمایا جو مدلولاً ہوائی اڈہ پر بولا جا سکتا ہے تو غالباً دجال راہِ فرار اختیار کرتا ہوا لد ائر پورٹ پہنچے گا اور شائد امریکہ بھاگنے کی فکر میں ہوگا کہ حضرت عیسیٰ دستِ قضا بن کر پہنچ جائیں گے اور آپکے ہاتھوں وہ کیفرِ کردار تک پہنچے گا، اس کے بعد فلسطین کے مظلوم مسلمان ہوں گے جو ایک سو برس سے ظلم وستم سہہ رہے ہیں اور ظالم یہودی ہوں گے جنکا قتل عام ہوگا اور غالباً اسی صورت حال کو آنجناب کے یہ الفاظ بیان کرتے ہیں کہ شجر وحجر پکار پکار کر کہیں گے یہ میرے پیچھے یہودی چھپا بیٹھا ہے اس کی قضا بن کر آ جاؤ)، اسے ابن ماجہ نے تخریج کیا ہے اصل حدیث ابو داؤد کے ہاں ہے، مسند احمد میں بسند حسن حضرت سمرہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں شجر وحجر کا بولنا حقیقی بھی ہو سکتا ہے یا مراد یہ کہ ایسا کرنا انہیں کچھ فائدہ نہ دیگا اس طرح یہ جملہ محمول علی المجاز ہے لیکن اول اولیٰ ہے۔

3594 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَغْزُونَ، فَيُقَالُ فِيكُمْ مَنْ صَحِبَ الرَّسُولَ ﷺ فَيَقُولُونَ نَعَمْ. فَيُفْتَحُ عَلَيْهِمْ، ثُمَّ يَغْزُونَ فَيُقَالُ لَهُمْ هَلْ فِيكُمْ مَنْ صَحِبَ مَنْ صَحِبَ الرَّسُولَ ﷺ فَيَقُولُونَ نَعَمْ. فَيُفْتَحُ لَهُمْ. طرفاه 2897، 3649۔ (جلد چہارم کتاب الجہاد میں مترجم ہے)۔

کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے۔

3595 حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْحَكَمِ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ أَخْبَرَنَا سَعْدٌ الطَّائِيُّ أَخْبَرَنَا مُحِلُّ بْنُ خَلِيفَةَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ بَيْنَا أَنَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ أَتَاهُ رَجُلٌ فَشَكَا إِلَيْهِ الْفَاقَةَ ثُمَّ أَتَاهُ آخَرُ فَشَكَا قَطْعَ السَّبِيلِ فَقَالَ يَا عَدِيُّ هَلْ رَأَيْتَ الْحِيرَةَ قُلْتُ لَمْ أَرَهَا وَقَدْ أُنْبِئْتُ عَنْهَا قَالَ فَإِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَرَيَنَّ الظَّعِينَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِيرَةِ حَتَّى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ قُلْتُ فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَ نَفْسِي فَأَيْنَ دُعَّارُ طَيِّئٍ الَّذِينَ قَدْ سَعَّرُوا الْبِلَادَ وَلَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتُفْتَحَنَّ كُنُوزُ كِسْرَى قُلْتُ كِسْرَى بْنِ هُرْمُزَ قَالَ كِسْرَى بْنِ هُرْمُزَ وَلَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَرَيَنَّ الرَّجُلَ يُخْرِجُ مِلْءَ كَفِّهِ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ يَطْلُبُ مَنْ يَقْبَلُهُ مِنْهُ، فَلَا يَجِدُ أَحَدًا يَقْبَلُهُ مِنْهُ، وَلَيَلْقَيَنَّ اللَّهَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ يَلْقَاهُ،

وَلَيُسَ بَيُنَهُ وَبَيُنَهُ تُرُجُمَانٌ يُتَرُجِمُ لَهُ فَيَقُولَنَّ أَلَمُ أَبُعَثُ إِلَيُكَ رَسُولاً فَيُبَلِّغَكَ فَيَقُولُ بَلَى .فَيَقُولُ أَلَمُ أُعُطِكَ مَالاً وَأُفُضِلُ عَلَيُكَ فَيَقُولُ بَلَى فَيَنُظُرُ عَنُ يَمِينِهِ فَلاَ يَرَى إِلَّا جَهَنَّمَ وَيَنُظُرُ عَنُ يَسَارِهِ فَلاَ يَرَى إِلَّا جَهَنَّمَ .قَالَ عَدِيٌّ سَمِعُتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ اتَّقُوا النَّارَ وَلَوُ بِشِقَّةِ تَمُرَةٍ، فَمَنُ لَمُ يَجِدُ شِقَّةَ تَمُرَةٍ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ .قَالَ عَدِيٌّ فَرَأَيُتُ الظَّعِينَةَ تَرُتَحِلُ مِنَ الُحِيرَةِ حَتَّى تَطُوفَ بِالُكَعُبَةِ، لاَ تَخَافُ إِلَّا اللَّهَ، وَكُنُتُ فِيمَنِ افُتَتَحَ كُنُوزَ كِسُرَى بُنِ هُرُمُزَ، وَلَئِنُ طَالَتُ بِكُمُ حَيَاةٌ لَتَرَوُنَّ مَا قَالَ النَّبِيُّ أَبُو الُقَاسِمِ ﷺ يُخُرِجُ مِلُءَ كَفِّهِ۔ أطرافه 1413، 1417، 6023، 6539، 6540، 6563، 7443، 7512۔ (ترجمہ جلد دوم ص: ۳۱۷ میں گزر چکا)

3595 حَدَّثَنِي عَبُدُ اللَّهِ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ أَخُبَرَنَا سَعُدَانُ بُنُ بِشُرٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُجَاهِدٍ حَدَّثَنَا مُحِلُّ بُنُ خَلِيفَةَ سَمِعُتُ عَدِيًّا كُنُتُ عِنُدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

عدی بن حاتم کی روایت دو طرق سے نقل کی ہے، دوسرے طریق کے شیخِ بخاری عبداللہ بن محمد مسندی ہیں، ابو عاصم بھی امام کے شیوخ میں سے ہیں۔ (أتاه رجل الخ) ان میں سے کسی کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ (الظعينة) ہودج میں سوار خاتون، اصلا ہودج کو کہتے ہیں۔ (الحيرة) ان عرب بادشاہوں کا پایہ تخت تھا جو آل فارس (ایران) کے باجگزار تھے ان دنوں ایاس بن قبیصہ طائی حکمران تھا جو نعمان بن منذر کے قتل کے بعد یدِ کسری کے تحت والی بنا تھا، اسی لئے عدیؓ نے (أين دعار طيء؟) کہا تھا۔ احمد کی شعبی عن عدی سے روایت میں ہے، کہتے ہیں میں نے کہا: (يا رسول الله فأين مقاتب طيء ورجالها؟) مقاتب مقتب کی جمع ہے لشکر کو کہتے ہیں فرسان (یعنی شہ سواروں) پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

(حتى تطوف الخ) احمد کی روایت میں یہ بھی ہے: (في غير جوار أحد) یعنی یکہ وتنہا۔ (دعار طيء) داعر کی جمع ہے، شاطر، خبیث اور مفسد کو کہتے ہیں جو ایلقی لکھتے ہیں عامۃ الناس ذاعر بولتے ہیں گویا وہ اسے معنائے فزع سے گردانتے ہیں، معروف دال کے ساتھ ہے، مراد قطاع طریق (یعنی راستے کے ڈاکو) ہیں، طیٔ ایک مشہور قبیلہ تھا (حاتم طائی اسی قبیلہ کا تھا جس کے بیٹے عدی اس حدیث کے راوی ہیں) عراق وحجاز کے مابین ان کا علاقہ تھا، ابن حجر کے بقول (بغير جواز)۔ (یعنی بغیر اجازت لئے، معاصر عربی میں پاسپورٹ کو جواز السفر کہا جاتا ہے) گزرنے والوں کو لوٹ لیا کرتے تھے اسی لئے عدی کو تعجب ہوا کہ حضور کہہ رہے ہیں یکہ وتنہا خاتون (بغير جواز) سفر کرے گی۔ (قد سعروا البلاد) نارِ فتنہ بھڑکا رکھا ہے یعنی زمین کو شر وفساد سے بھر رکھا ہے (استعار النار) سے ماخوذ ہے یعنی: (توقُّدها) جلانا۔

(فلا يجد أحدا الخ) کیونکہ فقر وغریبی کا خاتمہ ہو چکا ہوگا، کتاب الزکاۃ میں بعض کا قول گزرا کہ یہ حضرت عیسی کے زمانہ میں ہوگا، لیکن ممکن ہے عمر بن عبدالعزیز کے عہدِ خلافت کی طرف اشارہ ہو جب یہی صورت حال پیدا ہوئی تھی۔ بیہقی نے الدلائل میں اسی پر جزم کیا ہے عمر بن اسید سے نقل کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز تیس ماہ خلیفہ رہے واللہ ان کے فوت ہونے سے قبل صورت حال یہ بن گئی تھی کہ آدمی مالِ کثیر لیکر آتے اور کہتے اسے فقراء میں تقسیم کر دیں مگر اسے یہ مال واپس لے جانا پڑتا، کوشش کرنے پر بھی کوئی مستحق نہ ملتا، کہتے

ہیں (فقدأغنی عمر الناس) عمر نے سبھی کو مالدار بنادیا تھا۔ ابن حجر تائید میں لکھتے ہیں کہ بلاشبہ حدیث کے الفاظ: (لئن طالت بك حياة الخ) سے اسی احتمال کا رجحان ثابت ہوتا ہے (کیونکہ طبعی بات ہے کہ اب ہزاروں برس طویل عمر تو ہونہیں سکتی، کہ اس امر کا مشاہدہ زمانۂ نزولِ عیسیٰ میں کریں، اس امر سے بھی تائید ملتی ہے کہ پہلی دفعہ لئن طالت الخ فرما کر تنہا عورت کا حیرہ سے آکر تنہا حج کرنا ذکر فرمایا، دوسری دفعہ یہی الفاظ استعمال فرما کر کنوزِ کسری کے فتح کی بات کی تیسری دفعہ یہی الفاظ ادا فرما کر یہ بات کہی، گویا اگر عدی کی عمر اور زیادہ طویل ہوتی تو یقیناً اس تیسری پیشین گوئی کا بھی مشاہدہ کر لیتے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور ۹۹ھ تا ۱۰۲ھ میں پوری ہوئی)۔

(بشق تمرة) مستملی کے نسخہ میں دونوں جگہ (بشقة تمرة) ہے، اس پر کتاب الزکاۃ میں بحث گزر چکی ہے۔ (ولئن طالت الخ) یہ عدی کا مقولہ ہے، احمد کی مذکورہ روایت میں ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اس تیسری بات کا ضرور مشاہدہ کرو گے کیونکہ یہ نبی پاک نے فرمائی ہے۔ اس سے حجِ واجب میں عورت کے تنہا سفر کرنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے، یہ ساری بحث کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔

دوسرے طریق کے راوی سعدان بن بشر کا نام سعید اور لقب سعدان بتلایا گیا ہے بخاری میں انکی، ان کے شیخ کی اور ان کے شیخِ شیخ کی صرف یہی ایک حدیث ہے۔ (حدثنا أبو مجاهد) یہ سابقہ سند کے راوی سعد طائی ہیں اس طریق کا سیاق جو سابقہ طریق کے سیاق سے اخصر تھا، الزکاۃ میں گزر چکا ہے۔

3596 حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ شُرَحْبِيلَ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ يَزِيدَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمًا فَصَلَّى عَلَى أَهْلِ أُحُدٍ صَلاَتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ، ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ إِنِّي فَرَطُكُمْ وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ إِنِّي وَاللَّهِ لأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الآنَ وَإِنِّي قَدْ أُعْطِيتُ خَزَائِنَ مَفَاتِيحِ الأَرْضِ وَإِنِّي وَاللَّهِ مَا أَخَافُ بَعْدِي أَنْ تُشْرِكُوا وَلَكِنْ أَخَافُ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا .أطرافه 1344، 4042، 4085، 6426، 6590۔

راوی کہتے ہیں نبی پاک ایک دن نکلے اہلِ احد پر نمازِ جنازہ پڑھا پھر منبر کی طرف آئے اور (اثنائے کلام) فرمایا میں تمہارا میر ساماں اور تم پر گواہ ہوں، بخدا میں اس وقت اپنا حوضِ کوثر دیکھ رہا ہوں مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئیں ہیں اور میں اللہ کی قسم اپنے بعد تمہارے مشرک ہونے سے نہیں ڈرتا لیکن یہ فکر کرتا ہوں کہ تم دنیا داری میں پڑ جاؤ گے۔

راویِ حدیث عقبہ بن عامر جہنی ہیں، یزید سے مراد ابن حبیب جبکہ ابوالخیر کا نام مرثد بن عبداللہ تھا، تمام رواۃ بصری ہیں۔ (عن النبی ﷺ خرج یوما الخ) النبی کے بعد (أنه) محذوف ہے عموما کتابت میں حذف کر دیا جاتا ہے مگر بولنے میں اس کا استعمال ضروری ہے، کم ہی شراح نے اس طرف توجہ دلائی ہے اکثر نے لکھا کہ یہاں قال محذوف ہے مگر یہ درست نہیں، اس بارے النکت علی ابن الصلاح میں بحث ذکر کی ہے، غیرِ ابی ذر سے منقول نسخوں میں یہاں: (عن النبی ﷺ الخ) کی بجائے (إن النبی ﷺ) ہے۔

(فصلی علی أهل أحد) الجنائز میں اس پر مفصل بحث ہو چکی ہے۔ (ولکن أخاف الخ) ایسے ہی ہوا، فتوحات کے نتیجہ میں مال و دولت کی کثرت ہوئی مآل کار تحاسد و تقاتل کا وقوع و ظہور ہوا، تنافُس فی المال ایک مشاہد حقیقت ہے اس بارے کئی دیگر روایات بھی ہیں، بقیہ بحث کتاب الرقاق میں آئے گی۔ علامہ انور (ثم انصرف إلی المنبر) کے تحت لکھتے ہیں کہ شہدائے احد کیلئے

آنجناب کی دعا علی شاکلۃ الصلاۃ (یعنی نماز جنازہ کی طرز پر) نہ تھی کیونکہ روایت میں جس خروج کا ذکر ہے یہ میدان احد کی طرف نہ تھا بلکہ آپ مسجد ہی میں تھے اسی لئے دعا کے بعد منبر کی طرف انصراف کا ذکر ہے اور منبر تو مسجد میں ہی تھا۔

3597 حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ أُسَامَةَ ؓ قَالَ أَشْرَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى أُطُمٍ مِنَ الآطَامِ فَقَالَ هَلْ تَرَوْنَ مَا أَرَى إِنِّي أَرَى الْفِتَنَ تَقَعُ خِلاَلَ بُيُوتِكُمْ مَوَاقِعَ الْقَطْرِ .أطرافه 1878، 2467، 7060۔ (ترجمہ کیلئے دیکھئے: جلد سوم ص: ۳۸)

اس کی بعض شرح کتاب الحج جبکہ باقی کتاب الفتن میں آئے گی۔

3598 حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ زَيْنَبَ ابْنَةَ أَبِي سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ حَدَّثَتْهَا عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا فَزِعًا يَقُولُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هَذَا وَحَلَّقَ بِإِصْبَعِهِ وَبِالَّتِي تَلِيهَا، فَقَالَتْ زَيْنَبُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ قَالَ نَعَمْ، إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ .أطرافه 3346، 7059، 7135۔ (اسی جلد کا سابقہ نمبر)

اس بارے مفصل شرح بھی کتاب الفتن میں ہوگی۔

3599 وَعَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَتْنِي هِنْدُ بِنْتُ الْحَارِثِ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ قَالَتِ اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ، مَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ .أطرافه 115، 1126، 5844، 6218، 7069۔ (جلد دوم ص: ۳۵ میں ترجمہ موجود ہے)

یہاں مختصراً ہے الفتن میں مفصلاً نقل ہوگی۔ (وعن الزهری الخ) سابقہ سند یعنی (حدثنا أبو اليمان الخ) پر معطوف ہے بعض نے معلق کہا لیکن یہ وہم ہے، الفتن میں اسی سند کے ساتھ نقل کی ہے۔

3600 حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ الْمَاجِشُونِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ؓ قَالَ قَالَ لِي إِنِّي أَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَتَتَّخِذُهَا فَأَصْلِحْهَا وَأَصْلِحْ رُعَامَهَا فَإِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ تَكُونُ الْغَنَمُ فِيهِ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ، يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ أَوْ سَعَفَ الْجِبَالِ فِي مَوَاقِعِ الْقَطْرِ، يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ .أطرافه 19، 3300، 6495، 7088۔ (دیکھئے اس کا سابقہ نمبر)

اس پر بھی الفتن میں بحث ہوگی۔ (عن عبد الرحمن بن أبی صعصعة) ابوصعصعہ ان کے دادا تھے جنکا نام عبدالرحمٰن بن حارث ہے، والد کا نام عبداللہ تھا تو عبداللہ سے یہ روایت بیان کی ہے نہ کہ ابوصعصعہ سے، اس کی وضاحت کتاب الإیمان میں بھی گزری ہے۔ (شعف الجبال الخ) دونوں الفاظ میں عین ہے، پہلی میں شین اور دوسرے میں سین ہے، شین کے ساتھ اس کا معنی

ہے: (رؤوس الجبال) یعنی پہاڑوں کی چوٹیاں جبکہ سین کے ساتھ معنی ہے: (جرید النخل) یعنی کھجوروں کے درختوں کی چھالیں، صاحب المطالع میں اس میں وہم کی بات کی ہے مگر توجیہہ ممکن ہے وہ یہ کہ پہاڑوں کی چوٹیوں کو درختوں کی جرید سے تشبیہہ دی۔

(وأصلح رعامها) کی بابت لکھتے ہیں رعام ایک رطوبت ہے جو غنم کی ناک سے خارج ہوتی ہے کبھی یہ مرض کے سبب بھی ہوسکتی ہے۔ (وفیه دخن) کی بابت لکھتے ہیں یعنی اس میں واضح خیر نہ ہوگی۔

3601حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ الْأُوَيْسِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَاب عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سَتَكُونُ فِتَنٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي وَمَنْ يُشْرِفُ لَهَا تَسْتَشْرِفُهُ وَمَنْ وَجَدَ مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهِ .طرفاه 7081، 7082

ابو ہریرہ کہتے ہیں نبی پاک نے فرمایا فتنے وقوع پذیر ہونے والے ہیں، اس دور میں بیٹھا ہوا کھڑے ہوئے سے اور کھڑا ہوا چلنے والے سے اور وہ بھاگتے ہوئے سے بہتر ہوگا، جو اس میں جھانکے گا اچک لیا جائیگا جسے جہاں کوئی پناہ یا بچاؤ کی جگہ ملے وہاں پناہ حاصل کرلے۔

اسے مسلم نے بھی (الفتن) میں نقل کیا ہے۔

3602وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مُطِيعِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ نَوْفَلِ بْنِ مُعَاوِيَةَ، مِثْلَ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ هَذَا، إِلَّا أَنَّ أَبَا بَكْرٍ يَزِيدُ مِنَ الصَّلاَةِ صَلاَةٌ مَنْ فَاتَتْهُ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ

ایک راوی ابوبکر نے اسی روایت میں یہ جملہ بھی نقل کیا ہے کہ نمازوں میں ایک ایسی نماز ہے کہ جس کی وہ ضائع ہوگئی گویا اس کے اہل و مال ہلاک ہوئے۔

اسکی مفصل شرح بھی الفتن میں آئے گی۔ (وعن الزھری الخ) یہ معلق نہیں بلکہ سابقہ روایتِ ابی ہریرہ کی سند کے ساتھ ہی موصول ہے مسلم نے دونوں سند کے ساتھ اکٹھے نقل کیا صالح بن کیسان عن الزہری کے طریق سے اسکے متن کی شرح بھی الفتن میں آئے گی۔ (إلا أن أبابکر الخ) یعنی ابن عبدالرحمٰن شیخ زہری۔ (یزید من الصلاۃ الخ) محتمل ہے کہ ابوبکر نے اس زیادت کو مرسلاً نقل کیا ہو جیسا کہ یہ احتمال بھی ہے کہ اسی اسناد مذکور کے ساتھ منقول ہو، عبدالرحمٰن والی کوفہ عبداللہ بن مطیع کے بھائی تھے جو صحابہ میں شمار کئے جاتے ہیں عبدالرحمٰن تابعی ہیں، یہی صحیح ہے ابن مندہ اور ابن حبان نے انہیں بھی صحابی قرار دیا ہے، بخاری میں ان کی یہی ایک حدیث ہے، نوفل بن معاویہ صحابی ہیں قلیل الحدیث ہیں، عہد یزید تک زندہ رہے کہا جاتا ہے سو برس سے زائد عمر پائی ان کی بھی صحیح بخاری میں یہی ایک روایت ہے یہ اپنے سے راوی عبدالرحمٰن کے ماموں تھے، اس مذکورہ نماز سے مراد نمازِ عصر ہے نسائی نے یزید بن ابو حبیب عن عراک بن مالک عن نوفل کے حوالے سے یہ جملہ بھی زیادہ کیا ہے: (قال فقال ابن عمر سمعت رسول اللہ ﷺ ھی صلاۃ العصر) اس بارے المواقیت میں حضرت بریدہ کی حدیث مع شرح گزر چکی ہے، قولِ ابن عمر کی صحت کی وہ شاہد ہے بخاری نے

یہ زیادت استطراداً یہاں ذکر کی ہے کیونکہ اس حدیث میں موجود ہے جسے یہاں نقل کرنا مقصود تھا۔ اسے مسلم نے بھی تخریج کیا ہے۔

3603حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ سَتَكُونُ أَثَرَةٌ وَأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَاقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ تُؤَدُّونَ الْحَقَّ الَّذِي عَلَيْكُمْ وَتَسْأَلُونَ اللَّهَ الَّذِي لَكُمْ .طرفه 7052

ابن مسعود راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا عنقریب ایسا زمانہ آنیوالا ہے کہ اقرباء پروری ہوگی اور منکر امور ظہور پذیر ہوں گے، لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ تو آپ ہمیں کیا ہدایت فرماتے ہیں؟ فرمایا تم اپنے پہ عائد حقوق ادا کرتے رہنا اور اللہ سے اپنے حقوق کا سوال کرنا۔

اس پر بھی کتاب الفتن میں بحث آئے گی۔ اسے مسلم نے (المغازی) اور ترمذی نے (الفتن) میں نقل کیا ہے۔

3604حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُهْلِكُ النَّاسَ هَذَا الْحَيُّ مِنْ قُرَيْشٍ قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ لَوْ أَنَّ النَّاسَ اعْتَزَلُوهُمْ قَالَ مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ سَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ .طرفاه 3605، 7058

ابو ہریرہ کہتے ہیں نبی پاک نے فرمایا قریش کی یہ شاخ لوگوں کی ہلاکت کا سبب بنے گی لوگوں نے عرض کیا آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ فرمایا کاش لوگ ان سے الگ ہی رہیں۔

3605حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الأُمَوِيُّ عَنْ جَدِّهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ مَرْوَانَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ فَسَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ الصَّادِقَ الْمَصْدُوقَ يَقُولُ هَلاَكُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيْ غِلْمَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَقَالَ مَرْوَانُ غِلْمَةٌ .قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ إِنْ شِئْتَ أَنْ أُسَمِّيَهُمْ بَنِي فُلاَنٍ وَبَنِي فُلاَنٍ .طرفاه 3604، 7058

ابو ہریرہ کہتے ہیں میں نے صادق ومصدوقؐ سے سنا فرماتے تھے میری امت کی ہلاکت قریش کے چند نوجوانوں کے ہاتھوں ہوگی، یہ سن کر مروان نے کہا نوجوان؟ ابو ہریرہ نے کہا اگر چاہو تو ان کے نام بھی لے دوں؟ بنی فلان اور بنی فلان۔

یہ بھی الفتن میں مشروح ہوگی، پہلے طریق میں (قال محمود حدثنا ابو داؤد الخ) سے مراد ابوالتیاح کے ابوزرعہ بن عمرو سے سماع کی تصریح کرنا ہے، ابو داؤد مذکور طیالسی ہیں امام بخاری ان کا ذکر صرف استشہاداً ہی کرتے ہیں، محمود جو کہ ابن غیلان ہیں، ان کے مشہور مشائخ میں سے ہیں امام بخاری اسناد اول میں ابواسامہ کی نسبت ایک درجہ نازل ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے ان کے کثیر اصحاب سے سماع کیا ہے حتی کہ ان کے اس روایت میں شیخِ شیخ ابومعمر اسماعیل سے بھی، مسلم نے اسے ابوبکر بن ابی شیبہ اور اسماعیلی نے ابوبکر اور انکے بھائی عثمان بن ابی شیبہ عن ابی اسامۃ کے حوالے سے تخریج کیا ان دونوں سے بخاری نے کثیر روایات نقل کی ہیں گویا یہ روایت ان سے رہ گئی، روایتِ شعبہ کی نسبت بھی دو درجہ نازل ہوئے ہیں کیونکہ ان کے تلامذہ کی ایک جماعت سے ان کا سماع ہے، یہ

روایت غرائب حدیثِ شعبہ میں سے ہے۔ دوسرے طریق میں: (قال مروان: غلمة) کی بابت کرمانی لکھتے ہیں مروان نے غلمة سے اس کے دقوع کی بابت تعجب کا اظہار کیا تو ابو ہریرہ نے یہ مذکورہ جواب دیا، ابن حجران کی بات کارد کرتے ہوئے لکھتے ہیں گویا وہ کتاب الفتن کی روایت کے سیاق سے غافل رہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مروان نے یہ بات تعجباً نہیں کہی وہاں یہ عبارت ہے: (فقال مروان: لعنة الله عليهم غلمة) گویا تعجب ان غلمہ کے فعل سے تھا۔ علامہ انور (غلمة) سے مراد بنی امیہ قرار دیتے ہیں۔

3606 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ جَابِرٍ قَالَ حَدَّثَنِي بُسْرُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ الْحَضْرَمِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ يَقُولُ كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْخَيْرِ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي. فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَنَا اللَّهُ بِهَذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هَذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ قَالَ نَعَمْ وَفِيهِ دَخَنٌ قُلْتُ وَمَا دَخَنُهُ قَالَ قَوْمٌ يَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِي تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ قُلْتُ فَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ نَعَمْ دُعَاةٌ إِلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ، مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صِفْهُمْ لَنَا فَقَالَ هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا، وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا قُلْتُ فَمَا تَأْمُرُنِي إِنْ أَدْرَكَنِي ذَلِكَ قَالَ تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ قُلْتُ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ قَالَ فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا، وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ

طرفاه 3607، 7084.

حذیفہ بن یمان کہتے ہیں لوگ تو نبی پاک سے خیر کے امور کی بابت پوچھا کرتے تھے لیکن میں آپ سے امورِ شر کی بابت پوچھتا تھا تا کہ کہیں ان کی لپیٹ میں نہ آ جاؤں، تو ایک دفعہ پوچھا یا رسول اللہ ہم جاہلیت اور شر میں تھے اللہ نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی تو کیا اس خیر کے بعد پھر شر آ سکتا ہے؟ فرمایا ہاں، پھر پوچھا کیا اس شر کے بعد پھر خیر ہوگی؟ فرمایا ہاں مگر اس میں کچھ دھواں ہوگا، میں نے پوچھا اس سے کیا مراد؟ فرمایا ایسے لوگ ہوں گے جو میری سنت اور طریقہ کے سوا دوسرے طور وطریقے اختیار کرینگے، میں عرض کی کیا اس خیر کے بعد بھی شر آئیگا؟ فرمایا ہاں، جہنم کے دروزوں کی طرف بلانے والے ہوں گے، جو ان کی دعوت کا جواب دیگا اسے اس میں لا پھینکیں گے، میں پوچھا یا رسول اللہ ان کا وصف بیان فرمادیں! فرمایا وہ ہمارے ہی مذہب وقبیلہ سے ہوں گے اور ہماری ہی زبانیں بولتے ہوں گے، میں نے عرض کی اگر مجھے وہ زمانہ پالے تو میں کیا کروں؟ فرمایا مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے تابع رہنا میں نے کہا اگر ان کی کوئی جماعت ہو نہ امام؟ فرمایا تب ان سب فرق سے الگ رہنا خواہ اس کیلئے تمہیں کسی درخت کی جڑ چبانی پڑے حتی کہ موت آ جائے اور تمہاری یہی روش ہو۔

علامہ انور (دعاة إلى أبواب جهنم) کی نسبت لکھتے ہیں یعنی امراء خلافِ شرع امور کی طرف دعوت دینے والے ہوں گے۔ (تلزم جماعة المسلمين) کے تحت لکھتے ہیں یہیں سے اہل سنت والجماعت کی ترکیب ماخوذ ہے اس لئے حق اغلب طور پر مسلمانوں کی جماعت مین ہی ہوتا ہے، شہرستانی (یعنی الملل والنحل کے مصنف عبد الکریم شہرستانی) نے ایک روایت نقل کی ہے اس میں

(السنة والجماعة) دونوں لفظ اکٹھے موجود ہیں اس کی سند کا حال میں نہیں جانتا، اس جیسی روایات سے اصولی حجیتِ اجماع پر استدلال کرتے ہیں، میرے خیال میں یہ محلِ نظر ہے کیونکہ یہ احادیث اولی الأمر کی اطاعت کی ترغیب میں وارد ہیں تا کہ انقلابِ حکومت سے فتنے سر نہ اٹھائیں تو اسلئے سوادِ اعظم کی اتباع کی وصیت فرمائی یہ اجماعِ امت میں وارد نہیں، انہوں نے شائد اسکے حاصلِ کلام سے تمسک کیا ہے کہ لزوم مع الجماعت ہر حالت اور ہر شیء میں مطلوب ہے تو استدلال صحیح ہے، یہ بھی جاننا چاہئے کہ حدیث معظم جماعة المسلمین کے قابل اعتبار ہونے پر دال ہے اگر ایک دو یا تین نے بیعت کی ہو تب امامت ثابت نہ ہوگی حتی کہ اکثریت بیعت کر لے یا اہل حل وعقد بیعت کر چکے ہوں، اشعری سے اس کے خلاف منقول ہے، اسے صرف فتوحات میں دیکھا ہے۔

3607حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنِي قَيْسٌ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ تَعَلَّمَ أَصْحَابِي الْخَيْرَ وَتَعَلَّمْتُ الشَّرَّ .طرفاه 3606، 7084 (سابقہ میں موجود ہے)

حضرت حذیفہ کی اس حدیث کی مفصل شرح الفتن میں آئے گی، طریقِ ثانی میں مذکور جملہ: (تعلم أصحابي الخ) پہلے طریق کے سیاق کا ہی اختصار ہے، اسے اسماعیلی نے اسی سند کے ساتھ سابقہ سیاق کے ساتھ روایت کیا ہے البتہ (کان الناس) کی بجائے (کان أصحاب رسول الخ) ہے۔ اسے مسلم نے (الإمارة والجماعة) اور ابن ماجہ نے (الفتن) میں روایت کیا ہے۔

3608حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَقْتَتِلَ فِئَتَانِ دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ .أطرافه 85، 1036، 1412، 3609، 4635، 4636، 6037، 6506، 6935، 7061، 7115، 7121

ابو ہریرہ کہتے ہیں نبی پاک نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی حتی کہ (مسلمانوں کے) دو گروہ باہم برسرِ پیکار نہ ہوں اور دونوں کی دعوت ایک ہی ہوگی۔

اسے دو طرق سے لائے ہیں دوسری میں دجالوں کا ذکر ہے یہ اصل میں یہ ایک مستقل صحیفہِ ہمام سے مستقل حدیث ہے، احمد، مسلم اور ترمذی وغیرھم نے مفرداً تخریج کیا ہے۔ (فئتان) فئة کی تثنیہ یعنی جماعت، تو ان دو گروہوں سے مراد حضرات علی ومعاویہ کے گروہ ہیں جو صفین میں باہم برسرِ پیکار ہوئے۔ (دعواهما واحدة) یعنی دین، کیونکہ دونوں جماعتیں اہل اسلام پر مشتمل تھیں یا یہ مراد ہے کہ ہر ایک مدعی ہوگا کہ وہ حق پر ہے بقول ابن حجر یہ اس لئے کہ حضرت علی تب امامِ مسلمین اور باتفاق اہلِ سنت افضل ترین تھے اور اسلئے بھی کہ شہادتِ عثمان کے بعد اہلِ عقد وحل نے ان کی بیعت کر لی تھی صرف معاویہ اہل شام کے ساتھ بیعت سے متخلف رہے، بعد ازاں طلحہ وزبیر حضرت عائشہ کے ہمراہ عراق کی طرف چلے گئے اور لوگوں کو قاتلینِ عثمان کی طلب پر لگایا جنکی کثیر تعداد حضرت علی کے لشکر میں تھی حضرت علی ان کی طرف نکلے، انہوں نے بذریعہ مراسلت قاتلین عثمان کی حوالگی کا مطالبہ کیا حضرت علی نے انکار کیا کہ ولیِ دم (یعنی حضرت عثمان کا حقیقی وارث) دعوی قائم کرے اور بالفعل قتل کرنے میں شریک افراد کے خلاف ثبوت پیش کیا جائے، اس معاملہ کا بسط کتاب الفتن میں ہوگا۔

حضرت علی بعد ازاں اپنی افواج لیکر شام کی طرف چلے تا کہ انہیں دائرہِ اطاعت میں داخل ہونے کی دعوت دیں ادھر سے حضرت معاویہ اہل شام کا لشکر لے کر آئے صفین کے مقام پر آمنا سامنا ہوا جو شام وعراق کے درمیان ہے تو وہاں اس پیشین گوئی کے

عین مطابق زبردست جنگ ہوئی، حضرت علی غالب آنے کو تھے کہ معاملہ تحکیم پر ٹھہرا، پھر حضرت علی عراق واپس ہو لئے تو یہاں خوارج نے ان کے خلاف خروج کیا جنہیں نہروان کے مقام پر شکست دیکر کثیر تعداد کو قتل کیا، حضرت علی کی شہادت کے بعد حضرت حسن ان کے جانشین بنے وہ بھی افواج لیکر شام کی طرف روانہ ہوئے ادھر سے معاویہ بھی نکلے معاملہ آخر کار صلح پر منتج ہوا جیسا کہ آنحضرت نے خبر دی تھی کہ اللہ تعالی حسن کے ذریعہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کی صلح کرائے گا، یہ حدیثِ ابی بکرہ کتاب الفتن میں آرہی ہے، وہیں تفصیلی بحث کی جائے گی۔

3609حَدَّثَنِی عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَقْتَتِلَ فِئَتَانِ فَيَكُونَ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِيمَةٌ دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ وَلاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ قَرِيبًا مِنْ ثَلاَثِينَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ .أطرافه 85، 1036، 1412، 3608، 4635، 4636، 6037، 6506، 6935، 7061، 7115، 7121

ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم نے فرمایا قیامت تب تک قائم نہ ہوگی جب تک دو گروہ باہم لڑینگے اور بڑی خونریزی ہوگی، دونوں کی دعوت ایک ہوگی اور قیامت قائم نہ ہوگہ جب تک تیس کے قریب دجال وکذاب نہ ظاہر ہوں ہر ایک مدعی ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

(حتی یبعث الخ) بصیغۂ مجہول، یہ بعثت بمعنائے ارسال مقارن للنبوت نہیں بلکہ اللہ تعالی کے اس قول کی نظیر ہے: (إِنَّا أَرْسَلْنَاالشَّیاطِیْنَ عَلَی الْکَافِرِیْنَ)۔ (دجالون کذابون) دجل بمعنی تغطیہ وتمویہ (یعنی جھوٹی باتیں گھڑھنا اور حقائق کو مسخ کرنا) ہے، کذب پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اس پر (کذابون) بطورِ تاکید ہے۔ (قریبا من ثلاثین) اسی طرح منصوب واقع ہے نکرہِ موصوفہ سے بطورِ حال، احمد کی روایت میں (قریب) کا لفظ بھی ہے جو صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، مسلم کی جابر بن سمرہ سے روایت میں یہی تعداد جزم کے ساتھ بیان کی گئی ہے، اس کے الفاظ ہیں: (إن بین یدی الساعة ثلاثین کذابا دجالا کلھم یزعم أنه نبی)۔ ابو یعلی نے بسند حسن عبد اللہ بن زبیر سے ان میں سے بعض کے نام بھی نقل کئے ہیں مثلا مسیلمہ، اسود عنسی اور مختار، ابن حجر لکھتے ہیں اس حدیث کا مصداق آنجناب کی زندگی کے آخری سال میں ہی ظاہر ہوا جب یمامہ میں مسیلمہ اور یمن میں اسود عنسی نے ادعائے نبوت کیا پھر عہدِ صدیقی میں بنی اسد بن خزیمہ میں طلحہ بن خویلد اور بنی تمیم مین سجاح تیمیہ کا ظہور ہوا، اس کے بارہ میں شبیب بن ربعی جو اسکا مؤدب (معلم) تھا، کہتا ہے: (أضحَتْ نبیَّتُنا أنثیٰ نُطیف بہا و أصبحَتْ أنبیاءُ الناس ذُکرانا) یعنی ہماری نبیہ عورت ہے جس کے گرد ہم جمع ہیں جبکہ لوگوں کے نبی مرد ہوتے ہیں۔

اسود آنجناب کی حیات مبارکہ مین قتل ہوا، مسیلمہ عہدِ صدیق اکبر میں کیفر کردار کو پہنچا جبکہ طلیحہ نے توبہ کر لی اور صحیح قول کے مطابق حالت اسلام پر حضرتِ عمر کے دور میں فوت ہوا یہ بھی منقول ہے کہ سجاح نے بھی توبہ کر لی تھی، مختار سے مراد ابن ابی عبید ثقفی ہے (یہ حضرت نعمان بن بشیر کا داماد تھا اس کے والد ابو عبید ایک عظیم مجاھد تھے) اس کا ظہور ابن زبیر کے عہد میں ہوا ابتداء میں محبتِ اہل بیت کا دعوی لیکر اٹھا اور لوگوں کو حضرت حسین کا بدلہ لینے کی دعوت دی، بلا واسطہ یا بالواسطہ ان کی شہادت میں ملوث افراد کی ایک کثیر

تعداد کو قتل کیا اس وجہ سے لوگ اس سے محبت کرنے لگے پھر شیطان کے بہکاوے میں آ کر دعوائے نبوت کر دیا طیالسی نے بسند صحیح رفاعہ بن شداد سے روایت کیا ہے کہ میں مختار کا رازدارِ خاص تھا ایک دن اس کے پاس گیا تو ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا ابھی حضرت جبریل اس پر بیٹھے ہوئے تھے، یعقوب بن سفیان نے باسناد حسن شعبی سے نقل کیا ہے کہ احنف بن قیس نے انہیں مختار کا خط دکھلایا جس میں لکھا تھا کہ میں نبی ہوں، ابو داؤد نے سنن میں نخعی سے نقل کیا ہے کہ میں نے عبیدہ بن عمرو سے کہا کیا آپ مختار کو انہی (دجاجلہ) میں سے خیال کرتے ہیں؟ کہنے لگے وہ تو ان کے سرداروں میں سے تھے، سن ساٹھ ہجری کے بعد قتل ہوا۔ انہی میں سے ایک حارث بھی ہے، زمانۂ عبد الملک بن مروان میں خروج کیا اور قتل ہوا۔ دورِ بنی عباس میں جھوٹے مدعیانِ نبوت کی ایک جماعت ظاہر ہوئی، مرادِ حدیث مطلقاً دعوائے نبوت کرنے والے نہیں، وہ تو لا تعداد ہیں اور اسکا فوری سبب جنون یا سودائے سر ہوتا ہے، یہ تیس وہ ہیں جو شان و شوکت پائیں گے (یعنی کچھ عرصہ کیلئے لوگوں کی ایک تعداد ان کی پیروی کر لے گی اس اعتبار سے برصغیر کا جھوٹا مدعیِ نبوت شائد ان سب سے بازی لے گیا کہ ایک سو برس گزرنے کے باوجود اس کے اتباع ہزاروں میں موجود ہیں اگرچہ پاکستان کے غیور مسلمانوں کی مسلسل قربانیوں کے سبب ذلت و ادبار کا شکار ہو چکے ہیں ان کا خاتمہ و انجام دجال اعظم کے ساتھ ہی ہوگا)۔ ابن حجر کے بقول اس سلسلۂ کذابین کی آخری کڑی دجالِ اکبر ہے، اس بارے مبسوط بحث کتاب الفتن میں آئے گی۔

3610حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِى أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ يَقْسِمُ قَسْمًا أَتَاهُ ذُو الْخُوَيْصِرَةِ وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ بَنِى تَمِيمٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اعْدِلْ .فَقَالَ وَيْلَكَ وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ قَدْ خِبْتَ وَخَسِرْتَ إِنْ لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ائْذَنْ لِى فِيهِ، فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ فَقَالَ دَعْهُ فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا، يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلاَتَهُ مَعَ صَلاَتِهِمْ وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لاَ يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ يُنْظَرُ إِلَى نَصْلِهِ فَلاَ يُوجَدُ فِيهِ شَىْءٌ ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى رِصَافِهِ فَمَا يُوجَدُ فِيهِ شَىْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى نَضِيِّهِ وَهُوَ قِدْحُهُ فَلاَ يُوجَدُ فِيهِ شَىْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى قُذَذِهِ فَلاَ يُوجَدُ فِيهِ شَىْءٌ قَدْ سَبَقَ الْفَرْثَ وَالدَّمَ آيَتُهُمْ رَجُلٌ أَسْوَدُ إِحْدَى عَضُدَيْهِ مِثْلُ ثَدْىِ الْمَرْأَةِ أَوْ مِثْلُ الْبَضْعَةِ تَدَرْدَرُ وَيَخْرُجُونَ عَلَى حِينِ فُرْقَةٍ مِنَ النَّاسِ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ فَأَشْهَدُ أَنِّى سَمِعْتُ هَذَا الْحَدِيثَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَأَشْهَدُ أَنَّ عَلِىَّ بْنَ أَبِى طَالِبٍ قَاتَلَهُمْ وَأَنَا مَعَهُ، فَأَمَرَ بِذَلِكَ الرَّجُلِ، فَالْتُمِسَ فَأُتِىَ بِهِ حَتَّى نَظَرْتُ إِلَيْهِ عَلَى نَعْتِ النَّبِىِّ ﷺ الَّذِى نَعَتَهُ .أطرافه 3344، 4351، 4667، 5058، 6163، 6931، 6933، 7432، 7562۔ (اس کا سابقہ نمبر دیکھئے)

ذوالخویصرہ کے بارہ میں ابو سعید کی روایت، احادیث الأنبیاء میں قوم عاد کے ترجمہ مین اس کا ایک طرف گزر چکا ہے وہاں لکھا تھا کہ اس کی شرح المغازی میں آئے گی وہاں حضرت خالد کے حوالے سے ذکر ہوا تھا کہ انہوں نے آنجناب سے اسے قتل کرنے کی

اجازت مانگی، ممکن ہے دونوں نے اجازت مانگی ہو۔ (دعه فإن له أصحابا) یہ فاء تعلیلیہ نہیں بلکہ تعقیبِ اخبار کیلئے تھے اس کیلئے آمدہ روایت میں حجتِ ظاہرہ ہے۔ (لا یجاوز) یعنی انہیں تفقہ حاصل نہ ہوگا، علی غیر المراد محمُول کریں گے یا یہ کہ اللہ کے ہاں ان کی تلاوت (و دیگر اعمال) مرتفع نہ ہوں گے۔ (یمرقون من الدین) اگر دین سے مراد اسلام ہے تو یہ خوارج کو کافر قرار دینے والوں کیلئے حجت ہے، یہ احتمال بھی ہے کہ دین سے مراد اطاعت ہو تب حجت نہ بنے گی، خطابی اسی طرف مائل ہیں۔ (الرمیة) بروزنِ فعیلة ہے بمعنی مفعولة، صیدِ مرمی، ان کے مروق من الدین کو اس تیر سے تشبیہہ دی گئی جو کسی شکار کے جسم میں داخل ہو کر دوسری طرف سے باہر نکل جاتا ہے، شدتِ سرعت اور رامی کے زبردست قوت و زور سے پھینکے ہونے کی وجہ سے شکار کے جسم کی کوئی چیز اس پر نہیں لگی ہوتی۔

(رصافه) یہ جمع ہے، واحد رصفة ہے۔ (نضیه) حدیث میں ہی اس کی تفسیر موجود ہے یعنی: (القِدح) عودِ سہم، تیر بننے سے قبل کی حالت میں، نضیہ کے نون پر زبر ہے پیش بھی محکی ہے، ایک قول ہے کہ ریش اور نصل کی درمیانی لکڑی کو نضی کہا جاتا ہے ابن فارس اس کی وجہِ تسمیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اسے چھیلا جاتا ہے۔

(حتی عادنضوا) حتی کہ نضو یعنی ہزیل (باریک) ہو جاتا ہے جوہری نے بعض اہلِ لغت سے اس کا معنی بھی نصل نقل کیا ہے، اول اولیٰ ہے۔ (القذذ) قذہ کی جمع ہے، ریشِ سہم کو کہتے ہیں، ہر ایک قذہ کہلاتا ہے۔

(علی حین فرقة) فاء کی پیش کے ساتھ، یعنی افتراق و اختلاف کے دور میں (ایسا ہی ہوا) کشمیہنی کے نسخہ میں: (علی خیرِ فِرقة) ہے یعنی جماعت، اسماعیلی کی روایت بھی یہی ہے اول کی تائید مسلم کی ایک دیگر سند کے ساتھ حضرت ابوسعید کی روایت سے ملتی ہے جس کے الفاظ ہیں: (تمرق مارقة عند فُرقة من المسلمین تقتلها أولَی الطائفتین بالحق) یعنی اس وقت ان کا ظہور ہوگا جب مسلمان دو گروہوں میں منقسم ہوں گے اور دونوں میں سے جو زیادہ حق پر فرقہ ہوگا وہ انہیں قتل کرے گا (اس سے ثابت ہو کہ امیر معاویہ اور حضرت علی، دونوں کے گروہ حق پر ہیں، یعنی دونوں حضرات کا موقف کچھ کچھ صحیح اور مبنی بر حق تھا البتہ حضرت علی کا موقف نسبۃً حق کے زیادہ قریب تھا اسی لئے فرمایا کہ خوارج کو وہ گروہ مارے گا جو اولیٰ بالحق ہوں گے، گویا دونوں ولی بالحق ہیں، اولیٰ البتہ حضرت علی ہیں انہی نے نہرواں پر ان سے جنگ کر کے ان کی قوت و حشمت کا خاتمہ کیا تھا، کیونکہ اسم تفضیل تبھی استعمال کیا جاتا ہے جب بنیادی وصف میں دونوں شریک ہوتے ہیں)۔

ابن حجر لکھتے ہیں اس حدیث میں اور حدیثِ نبوی کہ عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا، میں اس امر کی واضح دلالت ہے کہ حضرت علی اور ان کے ساتھی حق پر تھے اور جنھوں نے ان سے جنگ کی وہ (مخطئین فی تأویلهم) تھے (یعنی اجتہادی غلطی کی، بہر حال دونوں گروہوں کا موقف اگر نکتہ وار دیکھا جائے تو اصولی طور پر حضرت معاویہ کا مطالبہ کہ قاتلینِ عثمان سے قصاص لیں، غلط نہ تھا، سابقہ موقف کہ حق دونوں طرف تھا کی تائید روایت کے الفاظ: أولی الطائفتین بالحق۔ واضح طور سے کر رہے ہیں ایسے موقعوں میں جہاں دونوں طرف کا موقف درست ہو، عام طور پر فرق طریق کار میں آجاتا ہے، ایک گروہ منزل مقصود پر اس راہ اور اس طریقہ سے پہنچنا درست سمجھتا ہے دوسرا اس منزل کے حصول میں کسی اور راہ و طریقہ کو مناسب خیال کرتا ہے، میری نظر میں حضرات معاویہؓ و علیؓ کی باہمی مخاصمت بھی اسی قبیل سے تھی)۔

(فأتی به) یعنی ذوالخویصرہ کو۔ (علی نعت النبی الخ) بعض اہل لغت کہتے ہیں نعت کا لفظ معانی مثلا طول، قصر، عمی

(اندھا پن) خرس (بہرا پن) وغیرہ کیلئے اور صفت کا لفظ افعال کیلئے مثلا ضرب، جروح وغیرہ مستعمل ہے بعض کا کہنا ہے کہ نعت شیءِ خاص کیلئے ہے جبکہ صفت اعم ہے۔ علامہ انور (فأمر بذلك الرجل الخ) کے تحت لکھتے ہیں دو مرتبہ تلاش کرنے پر نہ ملا، ادھر ابو سعید نے حلف اٹھایا کہ بالکل ایسے ہی آنجناب سے سنا ہے تب تیسری مرتبہ تلاش کرنے پر مل گیا۔ اسے نسائی نے (فضائل القرآن) اور (التفسير) جبکہ ابن ماجہ نے (السنة) میں نقل کیا ہے۔

3611 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ ؓ إِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَأَنْ أَخِرَّ مِنَ السَّمَاءِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَكْذِبَ عَلَيْهِ وَإِذَا حَدَّثْتُكُمْ فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ فَإِنَّ الْحَرْبَ خَدْعَةٌ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ يَأْتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ حُدَثَاءُ الْأَسْنَانِ، سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ، يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ، يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، لَا يُجَاوِزُ إِيمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ، فَأَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ، فَإِنَّ قَتْلَهُمْ أَجْرٌ لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .طرفاه 5057، 6930

حضرت علی نے کہا اگر تمہیں اللہ کے رسول کی حدیث بیان کروں تو میرے لئے آسمان سے گر جانا اس امر سے بہتر ہے کہ نبی پاک کی طرف جھوٹ منسوب کروں، البتہ جب اپنی جانب سے کچھ بیان کروں تو لڑائی تو ایک دھوکہ ہی ہے، میں نے نبی اکرم سے سنا فرما رہے تھے کہ آخری زمانہ میں کچھ ایسے نوجوان لوگ نمودار ہوں گے جو کم عقل ہوں گے، باتیں ایسی کرینگے جو (بظاہر) دنیا کی بہترین بات ہوگی اسلام سے ایسے نکل جائینگے جس طرح تیر نشانہ بنائے گئے جانور سے نکلتا ہے ان کا ایمان ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا تو جہاں انہیں پاؤ قتل کر دو کیونکہ ان کے قاتل کو روزِ قیامت ثواب ملیگا۔

سفیان سے مراد ثوری ہیں، اس کی شرح (استتابة المرتدين) میں آئے گی، سوید بن غفلہ کے بارہ میں حمزہ کنانی صاحبِ نسائی لکھتے ہیں کہ سوید کی حضرت علی سے یہی ایک روایت صحیح السماعت ہے۔

(من قول خير البرية) یعنی قرآن سے جیسا کہ سابقہ حدیثِ ابی سعید میں تھا۔ (يقرؤون القرآن) اول کلمہ جو وہ لیکر نکلے، یہ تھا: (لا حكم إلا لِلّٰه) (یہ تب جب صفین میں تین دن کی لڑائی کے بعد فریقین نے اس امر پر اتفاق کیا کہ یہ قضیہ حَکَمین کے سپرد کرتے ہیں، آنجناب کا ان کے بارہ میں فرمان کہ ضعیف عقول والے ہوں گے، کا مصداق یہیں سے ظاہر ہونا شروع ہوا کہ پہلے حضرت علی سے کہنے لگے اگر آپ نے جنگ نہ روکی کیونکہ معاویہ سامنے سے قرآن نیزوں پہ لئے نکلے ہیں کہ آؤ اس کے فیصلہ پر راضی ہو جائیں، تو ہم آپ سے لڑائی کریں گے! اب بھلا ہم قرآن سے لڑیں؟ ان کے کہنے پر مجبور ہو کر جنگ روک دی اور معاملہ حکمین کے سپرد ہوا تو پھر ناراض ہوئے اور کہا: لا حُكْمَ إلا لِلّٰه، آپ بندوں سے فیصلہ کروائیں گے؟ انہوں نے بہتیرا سمجھایا کہ اللہ نے خود آ کر فیصلہ نہیں سنانا یا قرآن نے بول کر نہیں کہنا کہ کون حق پر ہے، یہ اہلِ علم ہی ہوں گے جو قرآن کی روشنی میں فیصلہ دیں گے مگر ان کی عقل میں یہ بات نہ آئی، علیحدہ ہو گئے) ابن حجر لکھتے ہین اس کلمہ کو اگرچہ قرآن ہی سے منتزع (ماخوذ) کیا مگر اس کے غیر محل میں رکھا (حضرت علی نے یہ سن کر معرکۃ الآراء قول کہا تھا کہ: كلمةُ حقٍّ أُريدَ بها الباطل، کہ کلمہ تو حق کا ہے مگر مراد باطل لے رہے ہیں)۔

3612 حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا قَيْسٌ عَنْ خَبَّابِ بْنِ

الأَرَتِّ قَالَ شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَهُ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ، قُلْنَا لَهُ أَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا أَلَا تَدْعُو اللَّهَ لَنَا قَالَ كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهِ فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ أَوْ عَصَبٍ وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ وَاللَّهِ لَيُتِمَّنَّ هَذَا الْأَمْرَ حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ، لَا يَخَافُ إِلَّا اللَّهَ أَوِ الذِّئْبَ عَلَى غَنَمِهِ، وَلَكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ. طرفاه 3852، 6943

حضرت خباب بن ارت راوی ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول سے (اسلام کی وجہ سے ملنے والی تکالیف کی) شکایت کی آپ اس وقت کعبہ کے سائے میں ایک چادر لپیٹے تشریف فرما تھے، ہم نے کہا کیا آپ ہمارے لئے اللہ سے مدد نہ مانگیں گے؟ آپ ہمارے لئے دست بدعا نہ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا تم سے قبل (ایمان لانے کی پاداش میں) مردِ مومن کو زمین میں گھڑا کھود کر اس میں بٹھا دیا جاتا پھر آرا اس کے سر میں رکھ کر اسے دو ٹکڑے کر دیا جاتا یہ بات بھی اسے دین سے باز نہ رکھتی پھر لوہے کی کنگھے ان کے گوشت میں دھنسا کر ان کی ہڈیوں اور پٹھوں پر پھیرے جاتے پھر بھی وہ اپنا ایمان نہ چھوڑتے، اللہ کی قسم اللہ اس امر کو ضرور پورا کریگا حتی کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کریگا اور اسے سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہ ہوگا یا ریوڑ پر صرف بھیڑیے کا ڈر ہوگا (یعنی چوری چکاری کا اندیشہ نہ ہوگا) مگر تم جلد باز ہو۔

آگے ایک مستقل باب کے تحت اس کی مفصل شرح آرہی ہے، سند میں یحیی سے مراد قطان ہیں جبکہ اسماعیل بن ابی خالد اور قیس سے مراد ابن ابی حازم ہیں۔ (من صنعاء إلى حضر موت) محتمل ہے کہ صنعائے یمن (جو آجکل اس کا دارالحکومت ہے) مراد ہو، اس کے اور حضر موت کے مابین تقریبا پانچ دن کی مسافت ہے یا شام کا شہر صنعاء مراد ہو، اس کی مسافت اور بھی دور ہے، اول قول اقرب ہے۔ صنعائے شام کے بارہ میں یاقوت (حموی مؤلف معجم البلدان) لکھتے ہیں یہ بابِ دمشق پر ایک قریہ ہے بابِ فرادیس سے متصل، بقول ابن حجر صنعائے یمن کے یہاں رہائش اختیار کرنے کی وجہ سے یہ نام پڑا۔

اسے ابو داؤد نے (الجهاد) اور نسائی نے (الزينة) اور (العلم) میں تخریج کیا ہے۔

3613 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ قَالَ أَنْبَأَنِي مُوسَى بْنُ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ افْتَقَدَ ثَابِتَ بْنَ قَيْسٍ، فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا أَعْلَمُ لَكَ عِلْمَهُ فَأَتَاهُ فَوَجَدَهُ جَالِسًا فِي بَيْتِهِ مُنَكِّسًا رَأْسَهُ فَقَالَ مَا شَأْنُكَ فَقَالَ شَرٌّ كَانَ يَرْفَعُ صَوْتَهُ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ. فَأَتَى الرَّجُلُ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ كَذَا وَكَذَا. فَقَالَ مُوسَى بْنُ أَنَسٍ فَرَجَعَ الْمَرَّةَ الْآخِرَةَ بِبِشَارَةٍ عَظِيمَةٍ، فَقَالَ اذْهَبْ إِلَيْهِ فَقُلْ لَهُ إِنَّكَ لَسْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَلَكِنْ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ. طرفه 4846

حضرت انس راوی ہیں کہ نبی پاک نے حضرت ثابت بن قیس کو گم پایا (یعنی کئی دن مسجد نہ آئے) تو ایک شخص نے کہا میں آپ کیلئے ان کی خبر لاتا ہوں تو وہ ان کے ہاں آئے تو دیکھا کہ اپنے گھر میں سر جھکائے بیٹھے ہیں، پوچھا کیا صورتحال ہے؟ کہا بری

ہے، ان کی (طبعی طور سے) آواز نبی پاک سے بلند ہوتی تھی تو ڈرے کہ کہیں اعمال نہ ضائع ہو چکے ہوں اور وہ جہنم کے سزاوار بن چکے ہوں (کیونکہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو اپنی آواز رسول کی آواز سے پست رکھو) اس شخص نے آکر نبی اکرم کو سارا ماجرا سنایا، موسی بن انس کہتے ہیں دوسری مرتبہ وہی صحابی ان کی طرف ایک عظیم بشارت لئے لوٹے، آنجناب نے فرمایا انہیں کہہ دو کہ تم اہلِ نار نہیں بلکہ اہلِ جنت میں سے ہو۔

شیخِ بخاری ابن مدینی ہیں، ثابت بن قیس بن شماس (خطیبِ اسلام) کے قصہ پر مشتمل حدیثِ انس۔ (أنبأني موسى الخ) ازھر عن ابن عون کے طریق سے اور عبداللہ بن احمد بن حنبل نے یحیٰ بن معین عن ازھر کے طریق سے: (عن ابن عون عن ثمامة بن عبد الله بن أنس) کہا ہے، عبداللہ کی روایت ابونعیم نے طبرانی عنہ کے حوالے سے تخریج کر کے لکھا میں نہیں جانتا کہ کون وہم کا شکار ہوا ہے، ابن حجر لکھتے ہیں مسند احمد میں (جسے عبداللہ نے مرتب کیا) یہ روایت نہیں ملی، اسماعیلی نے ابن مبارک عن ابن عون کے طریق سے موسی بن انس کا حوالہ ہی ذکر کیا اور نقل کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: (يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَرْفَعُوا أَصْواتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ) (الحجرات: ۲) تو ثابت بن قیس اپنے گھر میں بیٹھ رہے، یہ اگرچہ صورۃً مرسل ہے مگر اس امر کو تقویت دیتی ہے کہ ابن عون نے موسی سے نقل کیا ہے نہ کہ ثمامہ سے (ممکن ہے دونوں سے اخذ کیا ہو)۔

(افتقد ثابت الخ) یعنی ابن شماس خطیبِ رسول اللہ، مسلم کی ایک دیگر سند کے ساتھ حضرت انس سے روایت میں ہے کہ ثابت خطیبِ انصار تھے۔ (فقال رجل) مسلم کے ہاں حماد عن ثابت عن انس سے روایت میں ہے کہ نبی پاک نے حضرت سعد بن معاذ سے دریافت فرمایا: (يا أبا عمرو ما شأن ثابت آشتكىٰ؟) اے ابوعمرو ثابت کہاں ہیں، کیا بیمار ہیں؟ سعد کہنے لگے وہ میرے پڑوسی ہیں اگر بیمار ہوتے تو مجھے علم ہو جاتا، حفاظ نے یہاں ایک اشکال ظاہر کیا ہے وہ یہ کہ آیت تو وفود کی آمد و رفت کے زمانہ سن نو ہجری میں نازل ہوئی جبکہ سعد بن معاذ سن پانچ ہجری میں فوت ہو چکے تھے، تطبیق یہ ممکن ہے کہ ثابت کے اس واقعہ میں فقط یہی آیت نازل ہوئی جبکہ بعد ازاں وفود کی آمد کے زمانہ میں اقرع بن حابس کے قصہ میں سورت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، یہ آیت: (و إِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا) بھی قبل ازیں نازل ہو چکی تھی، کتاب الصلح میں حضرت انس کے حوالے سے روایت گزری جس میں تھا کہ اس آیت کا نزول ابن ابی کے واقعہ میں ہوا اور سیاق میں یہ جملہ ذکر ہوا تھا: (و ذلك قبل أن يسلم عبدُالله) کہ یہ اس کے اسلام لانے سے قبل کی بات ہے اور وہ جنگ بدر کے فورا بعد اسلام لے آیا تھا۔

طبری اور ابن مردویہ نے زید بن حباب کے واسطہ سے نقل کیا، کہتے ہیں مجھے ابوثابت بن ثابت بن قیس نے بتلایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ثابت ایک جگہ بیٹھے رو رہے تھے کہ عاصم بن عدی کا گزر ہوا، پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ کہا ڈرتا ہوں کہ یہ آیت کہیں میری بابت (کہ ان کی آواز فطری طور پر بلند اور گونجیلی تھی) نازل نہ ہوئی ہو؟ اس پر آنجناب نے ان سے فرمایا: (أما ترضىٰ أن تعيش حميدا) یعنی اس بات پر راضی نہیں ہو کہ قابلِ تعریف زندگی گزارو، تو ممکن ہے روایتِ ھذا کے مبہم (رجل) سعد بن معاذ ہی ہوں جو ان کی خبر لائے ہوں۔ ابن منذر نے اپنی تفسیر میں سعید بن بشیر عن قتادۃ عن انس سے اس قصہ کو نقل کرتے ہوئے ذکر کیا کہ مذکورہ مکالمہ حضرت سعد بن عبادہ کے ساتھ ہوا تھا، یہی اشبہ بالصواب ہے کیونکہ سعد بن عبادہ اسی قبیلہ کے سردار تھے جس کی طرف ثابت منتسب تھے تو یہی ان کے پڑوسی ہو سکتے ہیں، سعد بن معاذ تو دوسرے قبیلہ کے تھے (عام طور پر ہم قبیلہ افراد ایک ہی جگہ رہائش پذیر

ہوتے تھے)۔ (کان یرفع الخ) اسلوبِ التفات ہے سیاق مقتضی تھا کہ ضمائرِ متکلم استعمال کرتے۔

(فقال موسى الخ) یہ اسی اسناد کے ساتھ متصل ہے لیکن اس کا ظاہر بتلاتا ہے کہ باقی روایت مرسل ہے مسلم نے اسے متصلا نقل کیا ہے بلفظ: (فذكر ذالك سعد للنبي ﷺ فقال بل هو من أهل الجنة)۔

(ببشارة عظيمة) بشارة کی باء مکسور ہے، اس پر پیش بھی محکی ہے۔ (ولكن من أهل الجنة) اسماعیلی لکھتے ہیں اس حدیث سے غرضِ ترجمہ ایک دوسری حدیث کے ساتھ پوری ہوتی ہے جو کتاب الجہاد کے باب: (التحنط عند القتال) کے تحت گزری ہے اس میں ذکر تھا کہ حضرت ثابت جنگِ یمامہ (جو عہد صدیقی میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ ہوئی) میں شہید ہوئے تو اسطرح آنجناب کی ان کے بارہ میں کہ اہلِ جنت سے ہیں، کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ (غرض ترجمہ اس کے بغیر بھی پوری ہے کیونکہ شہید نہ بھی ہوتے تب بھی آنجناب کے فرمان کے مطابق جنتی ہیں، اصل مقصد تو اس باب کے تحت آنجناب کی پیشین گوئیوں کا ذکر ہے، پوری تو وہ اپنے اپنے وقت پہ ہونگی)۔ ابن حجر کہتے ہیں شائد بخاری کا اشارہ بھی اسی حدیث کی طرف ہے کیونکہ دونوں حدیثوں کا مخرج واحد ہے، کہتے ہیں پھر میرے لئے ظاہر ہوا ہے کہ بخاری کا اشارہ حدیث کے بعض طرق میں مذکور اس آیت کے شانِ نزول کی طرف ہے، چنانچہ ابن شہاب اسماعیل بن محمد بن ثابت سے نقل کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس آنجناب سے عرض گزار ہوئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ ہلاک نہ ہو جاؤں؟ فرمایا کیوں؟ کہا اللہ نے ہمیں آپؐ کی آواز پر اپنی آوازیں بلند کرنے سے منع کیا ہے جبکہ میں جہیر (یعنی فطری طور سے بلند آواز والا) ہوں، فرمایا کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ سعیداً زندہ رہو اور شہیداً فوت ہو جاؤ اور جنت کے حقدار بن جاؤ؟۔ یہ مرسل ہے مگر قوی الاسناد ہے، اسے ابن سعد نے معن بن عیسی عن مالک عن کے طریق سے تخریج کیا ہے، دارقطنی نے بھی الغرائب میں اسماعیل بن ابی اویس عن مالک سے نقل کیا ہے، سعید بن کثیر عن مالک کے طریق سے بھی (عن اسماعیل عن ثابت بن قیس) نقل کیا مگر یہ بھی مرسل ہے کیونکہ اسماعیل نے ثابت کو نہیں پایا۔ ابن مردویہ نے بھی صالح بن ابوالاخضر عن الزہری کے حوالے سے (عن محمد بن ثابت بن قیس) نقل کیا ہے ابن جریر نے عبد الرزاق کے حوالے سے معمر عن الزہری سے اوپر کی سند ذکر کئے بغیر نقل کیا ہے، اسکے آخر میں ہے (زہری کہتے ہیں) پس قابل تعریف زندگی گزاری اور یومِ مسیلمہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ابن ابی حاتم تفسیر میں سلیمان بن مغیرۃ عن ثابت عن انس روایت کرتے ہیں کہ وہ زندہ چلتے پھرتے تھے اور ہم (اس فرمان نبوی کے مدنظر) انھیں جنتی سمجھتے تھے۔

3614 حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ ؓ قَرَأَ رَجُلٌ الْكَهْفَ وَفِي الدَّارِ الدَّابَّةُ فَجَعَلَتْ تَنْفِرُ فَسَلَّمَ، فَإِذَا ضَبَابَةٌ أَوْ سَحَابَةٌ غَشِيَتْهُ، فَذَكَرَهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اقْرَأْ فُلاَنُ فَإِنَّهَا السَّكِينَةُ نَزَلَتْ لِلْقُرْآنِ أَوْ تَنَزَّلَتْ لِلْقُرْآنِ

طرفاه 4839، 5011.

براء بن عازب کہتے ہیں کہ ایک شخص سورۂ کہف کی تلاوت میں مشغول تھے، گھر میں ایک جانور بندھا ہوا تھا، تو وہ بدکنے لگا چنانچہ سلام پھیرا تو کیا دیکھتے ہیں کہ بادل کا ایک ٹکڑا ان کے گھر پہ سایہ فگن ہے آنجناب کو یہ ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا قرآن پڑھتے رہو کہ یہ سکینت تھی جو قرآن کی وجہ سے نازل ہوئی۔

(قرأ رجل الكهف) یہ اسید بن حضیر تھے، فضائل قرآن میں اتم سیاق کے ساتھ آئے گی۔ اسے مسلم نے (الصلاة) اور

ترمذی نے (فضائل القرآن) میں نقل کیا ہے۔

3615حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ أَبُو الْحَسَنِ الْحَرَّانِىُّ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ يَقُولُ جَاءَ أَبُو بَكْرٍ ؓ إِلَى أَبِى فِى مَنْزِلِهِ، فَاشْتَرَى مِنْهُ رَحْلاً فَقَالَ لِعَازِبٍ ابْعَثِ ابْنَكَ يَحْمِلْهُ مَعِى .قَالَ فَحَمَلْتُهُ مَعَهُ، وَخَرَجَ أَبِى يَنْتَقِدُ ثَمَنَهُ، فَقَالَ لَهُ أَبِى يَا أَبَا بَكْرٍ حَدِّثْنِى كَيْفَ صَنَعْتُمَا حِينَ سَرَيْتَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ نَعَمْ أَسْرَيْنَا لَيْلَتَنَا، وَمِنَ الْغَدِ حَتَّى قَامَ قَائِمُ الظَّهِيرَةِ، وَخَلاَ الطَّرِيقُ لاَ يَمُرُّ فِيهِ أَحَدٌ فَرُفِعَتْ لَنَا صَخْرَةٌ طَوِيلَةٌ، لَهَا ظِلٌّ لَمْ تَأْتِ عَلَيْهِ الشَّمْسُ فَنَزَلْنَا عِنْدَهُ، وَسَوَّيْتُ لِلنَّبِىِّ ﷺ مَكَانًا بِيَدِى يَنَامُ عَلَيْهِ وَبَسَطْتُ فِيهِ فَرْوَةً، وَقُلْتُ نَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَأَنَا أَنْفُضُ لَكَ مَا حَوْلَكَ فَنَامَ وَخَرَجْتُ أَنْفُضُ مَا حَوْلَهُ فَإِذَا أَنَا بِرَاعٍ مُقْبِلٍ بِغَنَمِهِ إِلَى الصَّخْرَةِ يُرِيدُ مِنْهَا مِثْلَ الَّذِى أَرَدْنَا فَقُلْتُ لِمَنْ أَنْتَ يَا غُلاَمُ فَقَالَ لِرَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ أَوْ مَكَّةَ .قُلْتُ أَفِى غَنَمِكَ لَبَنٌ قَالَ نَعَمْ .قُلْتُ أَفَتَحْلُبُ قَالَ نَعَمْ فَأَخَذَ شَاةً .فَقُلْتُ انْفُضِ الضَّرْعَ مِنَ التُّرَابِ وَالشَّعَرِ وَالْقَذَى .قَالَ فَرَأَيْتُ الْبَرَاءَ يَضْرِبُ إِحْدَى يَدَيْهِ عَلَى الأُخْرَى يَنْفُضُ فَحَلَبَ فِى قَعْبٍ كُثْبَةً مِنْ لَبَنٍ، وَمَعِى إِدَاوَةٌ حَمَلْتُهَا لِلنَّبِىِّ ﷺ يَرْتَوِى مِنْهَا، يَشْرَبُ وَيَتَوَضَّأُ، فَأَتَيْتُ النَّبِىَّ ﷺ فَكَرِهْتُ أَنْ أُوقِظَهُ، فَوَافَقْتُهُ حِينَ اسْتَيْقَظَ، فَصَبَبْتُ مِنَ الْمَاءِ عَلَى اللَّبَنِ حَتَّى بَرَدَ أَسْفَلُهُ، فَقُلْتُ اشْرَبْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَشَرِبَ، حَتَّى رَضِيتُ ثُمَّ قَالَ أَلَمْ يَأْنِ لِلرَّحِيلِ قُلْتُ بَلَى قَالَ فَارْتَحَلْنَا بَعْدَ مَا مَالَتِ الشَّمْسُ، وَاتَّبَعَنَا سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكٍ، فَقُلْتُ أُتِينَا يَا رَسُولَ اللَّهِ .فَقَالَ لاَ تَحْزَنْ، إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَدَعَا عَلَيْهِ النَّبِىُّ ﷺ فَارْتَطَمَتْ بِهِ فَرَسُهُ إِلَى بَطْنِهَا أُرَى فِى جَلَدٍ مِنَ الأَرْضِ، شَكَّ زُهَيْرٌ فَقَالَ إِنِّى أُرَاكُمَا قَدْ دَعَوْتُمَا عَلَىَّ فَادْعُوَا لِى، فَاللَّهُ لَكُمَا أَنْ أَرُدَّ عَنْكُمَا الطَّلَبَ فَدَعَا لَهُ النَّبِىُّ ﷺ فَنَجَا فَجَعَلَ لاَ يَلْقَى أَحَدًا إِلاَّ قَالَ كَفَيْتُكُمْ مَا هُنَا فَلاَ يَلْقَى أَحَدًا إِلاَّ رَدَّهُ قَالَ وَوَفَى لَنَا

.أطرافه 2439، 3652، 3908، 3917، 5607۔ (جلد سوم ص: ۶۳۱ میں معظم حدیث مترجم ہے)

واقعۂ ہجرت کے بارہ میں حضرت براء کی حضرت ابوبکر سے روایت، اس کی بعض شرح کتاب اللقطہ میں گزر چکی ہے، شیخِ بخاری محمد بیکندی ہیں جو ان کے صغار شیوخ میں سے ہیں، احمد بن یزید معروف ب: ورتّیسی ہیں جبکہ زہیر ابوخیثمہ جعفی ہیں، بزار کہتے ہیں اس حدیث کو مکملاً ابواسحاق سے صرف زہیر، انکے بھائی خدیج اور اسرائیل ہی نے نقل کیا ہے، شعبہ نے ان سے صرف دودھ والا قصہ روایت کیا ہے، اسحاق (شاید درست: ابواسحاق ہے) سے مطولا اسے ان کے پوتے یوسف بن اسحاق بن ابواسحاق نے بھی روایت کیا مگر ان کی روایت میں سراقہ کا واقعہ موجود نہیں، بلکہ ایک اور قصہ ذکر کیا ہے، یہ باب (الهجرة إلى المدينة) کے تحت آئے گی۔

(إلى أبی) یہ عازب بن حارث بن عدی اوسی قدمائے انصار میں سے ہیں۔ (ابعث ابنك الخ) اسرائیل کی آمدہ روایت میں ہے عازب نے اس وقت تک براء کو ہمراہ بھیجنے سے انکار کیا حتی کہ ابوبکر واقعۂ ہجرت سنائیں۔ (لیلتنا) یعنی اس کا بعض حصہ، یہ تب کی بات ہے جب غار (ثور) سے نکل کر عازمِ مدینہ ہوئے، الھجر ۃ کی حدیثِ عائشہ میں آئے گا کہ تین راتیں غار میں قیام کیا۔

(ومن الغد) اس میں تجوز ہے کیونکہ معطوف علیہ سیر، سیرِ لیل ہے۔ (قائم الظهيرة) یعنی نصف نہار، قائم اسلئے کہا جاتا ہے کیونکہ اس وقت سایہ ظاہر نہیں ہوتا، گویا سایہ واقف ہوتا ہے (یعنی ٹھہرا ہوا)۔ (فروة) یعنی پوستین، یہ بھی محتمل ہے کہ خشک گھاس مراد ہو لیکن اول کی تائید یوسف بن اسحاق کی روایت سے ہوتی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: (ففرشت له فروة معی) ، جزءِ لوین میں خدیج کی روایت میں ہے: (فروة كانت معی)۔

(أنفض لك الخ) یعنی گرد وغبار صاف کرتا ہوں بعض نے اس کا معنی نگہبانی کا کیا ہے۔

اسکی تائید اسرائیل کی روایت کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے: (ثم انطلقت أنظر ماحولی هل أری مِن الطلبِ أحدا) ابو بکر کہتے ہیں پھر میں چلا کہ آس پاس نظر رکھوں مبادا کوئی تلاش کرتا ہوا آ جائے۔ (أو مكة) راوی کو شک ہے کہ کون سا لفظ کہا، بظاہر یہ شک احمد بن یزید کی طرف سے ہے کیونکہ مسلم نے حسن بن محمد بن اعین عن زہیر سے روایت کرتے ہوئے بغیر تردد کے (لِرجل من أهل المدينة) نقل کیا ہے، خدیج کی روایت میں جزم کے ساتھ یہ جملہ ہے: (فسمّیٰ رجلا من أهل مكة) ، مدینہ سے مراد مدینہ منورہ نہیں بلکہ مکہ ہے (یعنی شہر والوں میں سے، کے معنی میں) مدینہ تو ان دنوں یثرب کہلاتا تھا، پھر یہ واقعہ مکہ کے مضافات کا ہے چرواہے کیلئے ممکن نہ تھا کہ اپنے ریوڑ کے ساتھ اتنی طویل (ساڑھے چار سو کلومیٹر) مسافت طے کر کے نواحِ مدینہ منورہ میں پہنچ جائے (پھر یہ بھی کہ غار ثور سے نکلنے کے فورا بعد کا واقعہ ذکر کر رہے ہیں)۔ اسرائل کی روایت میں مزید صراحت ہے کہ چرواہے نے قریش کے کسی آدمی کا نام لیا تھا جسے (ابوبکر کہتے ہیں) میں جانتا تھا۔ (أفی غنمك لبنٌ) عیاض کہتے ہیں ایک روایت میں (لُبّ) ہے لابن کی جمع یعنی ذوات لبن (دودھ والی بکریاں)۔

(أفتحلب) اس استفہام سے بظاہر مراد یہ ہے کہ کیا تجھے آقا کی طرف سے اس امر کی اجازت ہے کہ مسافروں کی ضیافت کیلئے دودھ دوہ سکو؟ اس بارے اللقطۃ میں بحث گزر چکی ہے۔

(فحلبت) ایک روایت میں ہے کہ راعی کو دوھنے کیلئے کہا، تطبیق یہ ہوگی کہ (فحلبت) میں تجوز ہے مراد (أمرت بالحلب) ہے۔ (كثبة) یعنی (قدر قدح) یعنی اتنا کہ ایک پیالہ بھر جائے بعض نے (حلبة خفيفة) کا معنی کیا ہے، تھوڑے سے پانی، دودھ، برتن میں باقی رہ جانے والے جرعہ اور قلیل من الطعام والشراب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

(واتبعنا سراقة الخ) اسرائیل کی روایت میں ہے ہم نے سفر شروع کیا لوگ ہماری تلاش میں سرگرداں تھے مگر ہم تک صرف سراقہ بن مالک بن جعشم پہنچ پایا۔ (فی جلد من الأرض الخ) راوی کو شک ہے کہ یہ جملہ ذکر کیا یا نہیں! جلد ٹھوس زمین کو کہتے ہیں، مسلم کی روایت میں ہے کہ زہیر کو شک سراقہ کے اس قول میں تھا: (قد علمت أنكم قد دعوتما علیَّ) ، زہیر کے بھائی خدیج بن معاویہ کی روایت میں ہے کہ ہم ایسی سخت زمین پر رواں تھے: (كأنها مُجَصَّصة) گویا پتھریلی ہو، پیچھے دیکھا تو سراقہ چلا آ رہا ہے، ابوبکر روئے اور کہا یا رسول اللہ ہم پا لئے گئے، فرمایا ہرگز نہیں۔ (ثم دعا بدعوات) یعنی دعاؤں میں مشغول ہوئے، سراقہ کا

واقعہ تفصیل کے ساتھ الھجرۃ میں خودان کی زبانی نقل ہوگا، وہیں باقی شرح آئیگی، کئی اور فوائد کا ذکر مناقبِ ابی بکر میں ہوگا۔

3616حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُخْتَارٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَى أَعْرَابِيٍّ يَعُودُهُ قَالَ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ عَلَى مَرِيضٍ يَعُودُهُ قَالَ لاَ بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ .فَقَالَ لَهُ لاَ بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ .قَالَ قُلْتُ طَهُورٌ كَلاَّ بَلْ هِيَ حُمَّى تفُورُ أَوْ تثُورُ عَلَى شَيْخٍ كَبِيرٍ، تُزِيرُهُ الْقُبُورَ .فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَنَعَمْ إِذًا .أطرافه 5656، 5662، 7470

ابن عباس راوی ہیں کہ نبی اکرم ایک اعرابی کی عیادت کیلئے اس کے ہاں تشریف لے گئے، کہتے ہیں جب نبی اکرم کسی کی عیادت کی خاطر جاتے تو یہ الفاظ ارشاد فرماتے (ترجمہ) کوئی حرج والی بات نہیں ان شاء اللہ، تو اسے بھی یہ کہا، وہ تنگ کر بولا طہور؟ یہ طہور ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ تو شدید بخار ہے جس نے ایک شیخِ کبیر کو آن گھیرا ہے اب اسے قبر دکھلا کے ہی جان چھوڑے گا تو نبی پاک نے کہا پھر یوں ہی سہی۔

اسکی شرح کتاب الطب میں آئیگی، اس باب کے ساتھ اس کا تعلق اس جہت سے ہے کہ اس کے بعض طرق میں ایسی زیادت ہے جو علاماتِ نبوت سے تعلق ظاہر کرتی ہے، تو طبرانی وغیرہ کی شرحبیل والدِ عبدالرحمٰن سے حدیثِ ابن عباس ہی کی طرح مروی ہے مزید یہ کہ اس کی بات سنکر آنجناب نے فرمایا کہ اگر تم انکاری ہو تو پھر وہی ہوگا جو تم کہہ رہے ہو، اللہ کی قضاء پوری ہو کر رہتی ہے، کہتے ہیں کل کی شام ہونے سے پہلے پہلے وہ فوت ہوگیا، ابن حجر لکھتے ہیں اسماعیلی پر تعجب ہے ثابت بن قیس کے قصہ میں اس قسم کا تعلق جوڑا اور یہاں ساکت رہے، ربیع الأبرار میں ہے کہ اس اعرابی کا نام قیس تھا، باب الأمراض والعلل کے تحت روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک قیس بن ابو حازم کی عیادت کیلئے تشریف لائے، کسی اور جگہ نام نہیں پڑھا یہ اگر محفوظ ہے تو یہ قیس بن ابو حازم جو مخضرَ مین میں سے ہیں (یعنی جنہوں نے عہدِ جاہلی اور عہد اسلامی دونوں کو پایا) کا غیر ہیں کیونکہ یہ جیسا کہ روایت میں مذکور ہے، فوت ہوگئے تھے دوسرے قیس نے آنجناب کی حیات میں اسلام تو قبول کرلیا تھا مگر حالتِ اسلام میں آپکی رؤیت وصحبت سے محروم رہے اور یہ وفاتِ نبوی کے بعد ایک طویل مدت زندہ رہے البتہ ان کے والد شرفِ صحبت سے متمتع ہیں۔

اسے نسائی نے بھی (الطب) اور (الیوم و اللیلۃ) میں تخریج کیا ہے۔

3617حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَجُلٌ نَصْرَانِيًّا فَأَسْلَمَ وَقَرَأَ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ، فَكَانَ يَكْتُبُ لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَعَادَ نَصْرَانِيًّا فَكَانَ يَقُولُ مَا يَدْرِي مُحَمَّدٌ إِلاَّ مَا كَتَبْتُ لَهُ، فَأَمَاتَهُ اللَّهُ فَدَفَنُوهُ، فَأَصْبَحَ وَقَدْ لَفَظَتْهُ الأَرْضُ فَقَالُوا هَذَا فِعْلُ مُحَمَّدٍ وَأَصْحَابِهِ، لَمَّا هَرَبَ مِنْهُمْ نَبَشُوا عَنْ صَاحِبِنَا .فَأَلْقُوهُ فَحَفَرُوا لَهُ فَأَعْمَقُوا فَأَصْبَحَ وَقَدْ لَفَظَتْهُ الأَرْضُ فَقَالُوا هَذَا فِعْلُ مُحَمَّدٍ وَأَصْحَابِهِ نَبَشُوا عَنْ صَاحِبِنَا لَمَّا هَرَبَ مِنْهُمْ فَأَلْقُوهُ فَحَفَرُوا لَهُ وَأَعْمَقُوا لَهُ فِي الأَرْضِ مَا اسْتَطَاعُوا فَأَصْبَحَ قَدْ لَفَظَتْهُ الأَرْضُ فَعَلِمُوا أَنَّهُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ فَأَلْقَوْهُ

حضرت انس کہتے ہیں ایک شخص جو قبل ازیں عیسائی تھا مسلمان ہوا اور اس نے سورہ بقرۃ اور آلِ عمران پڑھ لیں،

آنجناب کے کاتبین میں شامل تھا، پھر دوبارہ عیسائی بن گیا اور جا بیجا کہنے لگا محمد تو وہی کچھ جانتے ہیں جو میں ان کے لئے لکھ دیتا تھا، پھر اللہ کے حکم سے اس کی موت واقع ہوئی لوگوں نے اسے دفنا دیا مگر صبح دیکھا کہ باہر نکلا پڑا ہے، کہنے لگے یہ محمد اور اس کے ساتھیوں کا فعل ہے، یہ ان سے بھاگ آیا ہے تو اس کی قبر کو اکھاڑ دیا ہے پھر زیادہ گہری زمین کھود کر دفنا دیا لیکن صبح پھر باہر نکلا پڑا تھا کہنے لگے یہ محمد اور اس کے ساتھیوں کا فعل ہے پھر حتی الامکان اور زیادہ گہری زمین کھود کر اسے دفنا دیا لیکن صبح اٹھے تو پھر باہر نکلا پڑا تھا اب جان گئے کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں تو اسے ایسا ہی چھوڑ دیا۔

(کان رجل الخ) اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا لیکن مسلم کی ثابت عن انس سے روایت میں ہے کہ یہ ہم بنی نجار میں سے تھا۔ (فعاد نصرانیا) ثابت کی روایت میں ہے کہ مدینہ سے بھاگ کر اہل کتاب (یعنی نصاریٰ) سے جا ملا جنہوں نے اسے نمایاں کیا، (فرفعوہ) یا مراد یہ کہ اسے کوئی بلند مرتبہ دیدیا۔ (لفظتہ) فائے مکسور کے ساتھ، زبر بھی محکی ہے۔ (فألقوہ) روایتِ ثابت میں ہے تو اسی طرح چھوڑ دیا (فترکوہ منبوذا)۔

3618حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ وَأَخْبَرَنِى ابْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلاَ كِسْرَى بَعْدَهُ، وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلاَ قَيْصَرَ بَعْدَهُ، وَالَّذِى نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَتُنْفِقُنَّ كُنُوزَهُمَا فِى سَبِيلِ اللَّهِ .أطرافه 3027، 3120، 6630۔ (جلد چہارم کتاب الجهاد میں مترجم ہے)

(کسری) کاف کی زیر کے ساتھ، بقول ابن اعرابی یہی افصح ہے ابو حاتم نے یہی مختار قرار دیا ہے، زجاج کی رائے اس کے برخلاف ہے، وہ زبر پڑھتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ نسبت میں (کسروی) زبر کے ساتھ کہا جاتا ہے (لہٰذا کَسریٰ ہونا چاہئے) ، ابن فارس رد میں لکھتے ہیں کہ نسبت میں کبھی اصل کے مکسور کو مفتوح میں بدل دیا جاتا ہے جیسے بنی تغلب میں لام مکسور ہے مگر نسبت میں (تغلَبی) لام مفتوح ہے، سلمہ میں بھی یہی ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں آخری کسری حضرت عثمان کے عہد میں قتل ہوا اگر حدیث میں (هلك کسری) سے مراد عہدِ نبوی کا کسری ہے تب اس میں اشکال ہے اسی طرح مملکتِ روم ایک لمبے عرصہ تک باقی رہی ہے اس کی نسبت بھی یہی اشکال ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مراد یہ تھا کہ کسری کی حکومت (جزیرۂ عرب کے کسی علاقہ مثلا) عراق میں نہ رہیگی اور نہ قیصر شام میں رہیگا، یہ توجیہہ امام شافعی سے منقول ہے، لکھتے ہیں سببِ حدیث یہ ہے کہ قریش بغرضِ تجارت عراق و شام جایا کرتے تھے جب وہ مسلمان ہوئے تو انہیں یہ خوف محسوس ہوا کہ اب ان کی عراق و شام کی تجارت کا سلسلہ منقطع ہو سکتا ہے، تب آنجناب نے ان کی تطییبِ قلوب کیلئے فرمایا کہ فکر نہ کرو اب دونوں علاقوں سے ان کی حکومتیں ختم ہونیوالی ہیں۔ بعض نے لکھا کہ اس امر کہ کسری کی بادشاہت تو قصہ پارینہ بنی اور قیصر کی صرف شام اور آس پاس کے علاقوں سے زائل ہوئی، دار الحکومت یعنی قسطنطیہ قائم رہا، کی حکمت یہ ہے کہ آنجناب کے بھیجے گئے مکتوب مبارک کی بابت دونوں کا رویہ مختلف تھا، قیصر نے مکمل احترام سے رکھا اور قریب تھا کہ اسلام لے آتا۔ جیسا کہ اول کتاب میں تفصیل گزری، مگر کسری نے رعونت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے پھاڑ دیا، اس پر آنجناب نے بددعا فرمائی کہ اسی طرح اس کی حکومت بھی پارہ پارہ کر دیجائے تو یہی ہوا۔ خطابی کہتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اب وہ پہلے والی شان و شوکت نہ رہے گی کیونکہ شام و فلسطین جو ان کے ہاں مقدس سمجھے جاتے تھے، پھر بیت المقدس جو نصاریٰ کیلئے مثلِ کعبہ تھا، ان سے چھن گئے اب وہ

خفیہ طور پر ہی وہاں آسکتے تھے۔ کتاب الجہاد کے باب (الحرب خدعۃ) کی روایت میں یہ الفاظ تھے: (هلك كسرى ثم لا يكون كسرى بعده ولَيهلِكن قيصرُ) کہ کسریٰ تو ہلاک ہوا، اب اس کے بعد کوئی اور کسریٰ اس کے تاج وتخت کا وارث نہیں، قیصر بھی ہلاک ہوگا، اس کی یہ بھی حکمت ہے کہ یہ بات تب فرمائی جب آپکو بتلایا گیا کہ ایک عورت ان کی حکمران بن گئی ہے، آگے الأحکام میں یہ روایت حضرت ابو بکرہ کے حوالے سے آئیگی۔

شیرویہ کے مرنے کے بعد کسریٰ کی بیٹی بوران کو تخت پر بٹھا دیا گیا تھا، قیصر حضرت عمر کے زمانہ تک زندہ رہا، صحیح قول یہ ہے کہ سن ۲۰ھ میں انتقال کیا، ایک قول یہ ہے کہ عہدِ نبوی کا قیصر پہلے ھی فوت ہو گیا تھا اور شام وغیرہ میں جس قیصر کی فوجوں سے مسلمانوں کی جنگیں ہوئیں وہ اس کا بیٹا تھا، بہر حال عہدِ نبوی میں مملکتِ قیصر کی جو صورتحال تھی وہ باقی نہ رہی تھی۔ قرطبی لکھتے ہیں ایک روایت کی عبارت: (إذا هلك كسرى فلا كسرى بعده) اور دوسری روایت کی عبارت: (هلك كسرى ثم لا يكون كسرى بعده) کے مابین بہت واضح فرق ہے، (پہلے جملہ کا معنی ہے کہ جب کسریٰ مرے گا تو اس کے بعد کوئی اور کسریٰ نہ ہوگا جبکہ دوسرے جملہ کا ترجمہ ہے کہ کسریٰ ھلاک ہوا اب اس کے بعد اور کسریٰ نہ ہوگا) تطبیق یہ ممکن ہے کہ احتمال ہے ابوھریرہ نے ایک جملہ کسریٰ کی موت سے قبل اور دوسرا اس کی موت کے بعد سنا ہو یا فعل ماضی کا لفظ اس کی ھلاکت وزوال کے تحقُّق کے مدنظر استعمال کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کہا: (أتىٰ أمرُ اللّٰهِ فَلا تَستَعجِلُوهُ) [النحل: ۱] بقول ابن حجر یہی تطبیق اولیٰ ہے کیونکہ دونوں حدیثوں کا مخرج ایک ہے تو تعدد پر محمول کرنا خلافِ اصل ہے جب اس کے علاوہ تطبیق ہوسکتی ہے تو اس طرف نہ جانا چاہئے۔

3619 حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَفَعَهُ قَالَ إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلاَ كِسْرَى بَعْدَهُ وَذَكَرَ وَقَالَ لَتُنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ .طرفاه 3121، 6629۔ (سابقہ ہے)

(رفعه) کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے، فرض الخمس میں بھی جریر عن عبد الملک بن عمیر کے واسطہ سے نقل کیگئی۔ (وذكر وقال لتنفقن الخ) نسفی کے نسخہ میں (و ذكره) ہے یہی متجہ ہے گویا سابقہ حدیث بیان کی اور آمدہ اس عبارت کا بھی اضافہ کیا، باقیوں کی عبارت: (يعني وذكر) میں ایک لفظ محذوف مقدر کیا جائے گا یعنی: (کلاما أو حديثا) اسماعیلی کی روایت میں بھی یہ زیادت مذکور نہیں ہے۔

3620 حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ مُسَيْلِمَةُ الْكَذَّابُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَجَعَلَ يَقُولُ إِنْ جَعَلَ لِي مُحَمَّدٌ الأَمْرَ مِنْ بَعْدِهِ تَبِعْتُهُ .وَقَدِمَهَا فِي بَشَرٍ كَثِيرٍ مِنْ قَوْمِهِ، فَأَقْبَلَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَمَعَهُ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ، وَفِي يَدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قِطْعَةُ جَرِيدٍ، حَتَّى وَقَفَ عَلَى مُسَيْلِمَةَ فِي أَصْحَابِهِ فَقَالَ لَوْ سَأَلْتَنِي هَذِهِ الْقِطْعَةَ مَا أَعْطَيْتُكَهَا، وَلَنْ تَعْدُوَ أَمْرَ اللَّهِ فِيكَ، وَلَئِنْ أَدْبَرْتَ لَيَعْقِرَنَّكَ اللَّهُ وَإِنِّي لأَرَاكَ الَّذِي أُرِيتُ فِيكَ مَا رَأَيْتُ .أطرافه 4373، 4378، 7033، 7461۔

ابن عباس کہتے ہیں نبی کریم کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب مدینہ آیا تو کہنے لگا اگر محمد اپنے بعد مجھے جان نشین بنا دیں تو ان کی پیروی

کرلوں! وہ اپنی قوم کے کثیر افراد کے ہمراہ آیا تھا، نبی پاک یہ بات سن کر ثابت بن قیس کے ہمراہ اس کی قیام گاہ تشریف لے گئے آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک چھڑی تھی، مسیلمہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ موجود تھا اسے مخاطب کیا اور فرمایا اگر (اسلام قبول کرنے کے بدلہ) یہ چھڑی بھی مانگو تو نہ دوں اور تو اپنی تقدیر کو ٹال نہیں سکتا، اگر تم نے اعراض کیا تو اللہ تجھے ہلاک کر دیگا اور میں خیال کرتا ہوں کہ تم وہی ہو جس کی بابت مجھے خواب میں دکھلا دیا گیا ہے

3621 فَأَخْبَرَنِی أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ فِي يَدَيَّ سِوَارَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ، فَأَهَمَّنِی شَأْنُهُمَا، فَأُوحِيَ إِلَيَّ فِي الْمَنَامِ أَنِ انْفُخْهُمَا، فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا فَأَوَّلْتُهُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ بَعْدِی .فَكَانَ أَحَدُهُمَا الْعَنْسِيَّ وَالآخَرُ مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابَ صَاحِبَ الْيَمَامَةِ .أطرافه 4374، 4375، 4379، 7034، 7037

ابو ہریرہ کہتے ہیں نبی پاک نے فرمایا میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں، مجھے بہت فکر ہوئی تو خواب ہی میں مجھے وحی کی گئی کہ ان پہ پھونک ماروں، چنانچہ میں نے پھونک ماری تو وہ اڑ گئے، میں اس کی یہ تعبیر کی ہے کہ میرے بعد دو جھوٹے مدعیانِ نبوت ظاہر ہوں گے تو ان میں سے ایک تو عنسی تھا اور دوسرا مسیلمہ کذاب صاحب یمامہ۔

مسیلمہ کذاب کی مدینہ آمد کے بارہ میں روایتِ ابن عباس۔ (فأخبرنی أبوهريرة الخ) یہ ابن عباس کا قول ہے المغازی میں اس کی مفصل شرح آئیگی، وہاں بھی اسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اسے مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی (الرؤیا) میں روایت کیا ہے۔

3622 حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلاَءِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِی بُرْدَةَ عَنْ جَدِّهِ أَبِی بُرْدَةَ عَنْ أَبِی مُوسَى أُرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّی أُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ إِلَى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ، فَذَهَبَ وَهَلِی إِلَى أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوْ هَجَرُ، فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ، وَرَأَيْتُ فِي رُؤْيَایَ هَذِهِ أَنِّی هَزَزْتُ سَيْفًا فَانْقَطَعَ صَدْرُهُ، فَإِذَا هُوَ مَا أُصِيبَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ أُحُدٍ، ثُمَّ هَزَزْتُهُ بِأُخْرَى فَعَادَ أَحْسَنَ مَا كَانَ، فَإِذَا هُوَ مَا جَاءَ اللَّهُ بِهِ مِنَ الْفَتْحِ وَاجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِينَ، وَرَأَيْتُ فِيهَا بَقَرًا وَاللَّهُ خَيْرٌ فَإِذَا هُمُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ أُحُدٍ، وَإِذَا الْخَيْرُ مَا جَاءَ اللَّهُ مِنَ الْخَيْرِ، وَثَوَابِ الصِّدْقِ الَّذِی آتَانَا اللَّهُ بَعْدَ يَوْمِ بَدْرٍ .أطرافه 3987، 4081، 7035، 7041

ابو موسی راوی ہیں کہ آنجناب نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ مکہ سے ہجرت کر کے ایک کھجوروں والی سرزمین میں پہنچا ہوں میرا خیال اس طرف گیا کہ یہ یمامہ یا ہجر کا علاقہ ہے لیکن (بعد میں پتہ چلا کہ) وہ مدینہ یعنی یثرب تھا اور اسی طرح خواب میں دیکھا کہ میں نے تلوار ہلائی ہے اور وہ بیچ سے ٹوٹ گئی ہے، یہ اس مصیبت کی طرف اشارہ تھا جو غزوہ احد میں مسلمانوں کو جھیلنا پڑی، پھر میں اسے ہلایا تو وہ دوبارہ اپنی حالت پہ واپس آ گئی، تو یہ اس فتح (یعنی فتحِ مکہ) اور مسلمانوں کے اجتماع کی طرف اشارہ تھا، میں نے اسی خواب میں ایک گائے بھی دیکھی اور اللہ کا جو فیصلہ ہے وہ بہتر ہے، یہ احد میں مسلمانوں کی شہادت کا اشارہ تھا اور خیر و بھلائی وہ تھی جو انہیں اجر و ثواب بدر کے بعد ملا۔

ہجرت کی سرزمین اور غزوۂ احد کے بارہ میں آنجناب کے خواب کے تذکرہ پر مشتمل ہے، غزوہ احد کے باب میں (کتاب مغازی) بعینہ اسی اسناد کے ساتھ نقل کی جائیگی، اس کی تفصیلی شرح بھی وہیں ہوگی، اس کے کچھ مباحث (فضل من شهد بدرا)

اور (الهجرة إلى المدينة) میں مذکور ہیں۔ علامہ انور (وثواب الصدق الذى آتانا الله بعد يوم بدر) کی بابت لکھتے ہیں یہ بعدیت متراخیہ ہے یا پھر بدر صغری مراد ہے۔ اسے مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے (الرؤیا) میں نقل کیا ہے۔

3623حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ عَنْ فِرَاسٍ عَنْ عَامِرٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ
أَقْبَلَتْ فَاطِمَةُ تَمْشِي، كَأَنَّ مِشْيَتَهَا مَشْيُ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَرْحَبًا بِابْنَتِي .ثُمَّ
أَجْلَسَهَا عَنْ يَمِينِهِ أَوْ عَنْ شِمَالِهِ، ثُمَّ أَسَرَّ إِلَيْهَا حَدِيثًا، فَبَكَتْ فَقُلْتُ لَهَا لِمَ تَبْكِينَ ثُمَّ
أَسَرَّ إِلَيْهَا حَدِيثًا فَضَحِكَتْ فَقُلْتُ مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ فَرَحًا أَقْرَبَ مِنْ حُزْنٍ، فَسَأَلْتُهَا عَمَّا
قَالَ .أطرافه 3625، 3715، 4433، 6285۔ 3624فَقَالَتْ مَا كُنْتُ لأُفْشِيَ سِرَّ رَسُولِ
اللَّهِ ﷺ حَتَّى قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ فَسَأَلْتُهَا فَقَالَتْ أَسَرَّ إِلَيَّ إِنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُنِي الْقُرْآنَ
كُلَّ سَنَةٍ مَرَّةً، وَإِنَّهُ عَارَضَنِي الْعَامَ مَرَّتَيْنِ، وَلاَ أُرَاهُ إِلاَّ حَضَرَ أَجَلِي، وَإِنَّكِ أَوَّلُ أَهْلِ بَيْتِي
لَحَاقًا بِي .فَبَكَيْتُ فَقَالَ أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُونِي سَيِّدَةَ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَوْ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ
فَضَحِكْتُ لِذَلِكَ .أطرافه 3626، 3716، 4434، 6286

حضرت عائشہ کہتی ہیں حضرت فاطمہ چلتی ہوئی آئیں تو دیکھا ان کی چال نبی اکرم کی چال سے از حد مشابہ ہے، آپ نے استقبال کرتے ہوئے فرمایا خوش آمدید میری پیاری بیٹی! پھر انہیں اپنے داہنی جانب بٹھلایا۔ یا بائیں جانب۔ اور چپکے سے ان سے کوئی بات کہی جس پہ وہ رو پڑیں، میں پوچھا کیوں روتی ہو؟ پھر نبی اکرم نے ان سے رازداری کے ساتھ کوئی بات کہی تو وہ ہنس پڑیں، میں بولی آج کی طرح کا یہ خوشی اور غم کا امتزاج نہیں دیکھا! میں نے پوچھا لیکن کہنے لگیں میں رسول اللہ کا راز فاش نہیں کر سکتی پھر جب آنجناب کا انتقال ہوا تو پھر پوچھا، (اب انہوں نے بتلا دیا)۔ کہا مجھے ہولے سے بتلایا تھا کہ جبریل ہر سال ایک مرتبہ مجھ سے قرآن کا دور کیا کرتے تھے، اسکے دو مرتبہ کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ میرا آخری وقت آن پہنچا ہے اور میرے اہلِ بیت میں سب سے قبل تمہی مجھ سے آن ملو گی، یہ سن کر میں رو پڑی پھر فرمایا کیا اس بات پہ خوش نہیں کہ اہلِ جنت کی عورتوں کی سردار بنو؟ یہ سنکر میں ہنس پڑی۔

اسے مسلم نے (الفضائل) جبکہ نسائی نے (الوفاة اور المناقب) میں روایت کیا ہے۔

3625حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ ؓ
قَالَتْ دَعَا النَّبِيُّ ﷺ فَاطِمَةَ ابْنَتَهُ فِي شَكْوَاهُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ فَسَارَّهَا بِشَيْءٍ فَبَكَتْ ثُمَّ
دَعَاهَا فَسَارَّهَا فَضَحِكَتْ قَالَتْ فَسَأَلْتُهَا عَنْ ذَلِكَ .أطرافه 3623، 3715، 4433، 6285۔
3626 فَقَالَتْ سَارَّنِي النَّبِيُّ ﷺ فَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ يُقْبَضُ فِي وَجَعِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ فَبَكَيْتُ،
ثُمَّ سَارَّنِي فَأَخْبَرَنِي أَنِّي أَوَّلُ أَهْلِ بَيْتِهِ أَتْبَعُهُ فَضَحِكْتُ .أطرافه 3624، 3716، 4434،
6286

حضرت عائشہ کہتی ہیں نبی پاک نے حضرت فاطمہ کو اپنی مرض الموت میں بلایا، چپکے سے کچھ بات کہی تو وہ رو پڑیں، پھر راز داری سے کوئی بات کہی تو وہ ہنس پڑیں، بعد ازاں میرے پوچھنے پہ بتلایا کہ پہلے مجھے فرمایا میں اس مرض میں فوت ہو جاؤنگا جس سے مجھے رونا آ گیا پھر مجھے فرمایا اہلِ بیت میں میں سب سے پہلے آپ سے آن ملوگی اس سے میں ہنس پڑی۔

آنجناب کی مرض الموت اور اس اثناء حضرت فاطمہؓ کو راز داری سے یہ بتلانے کی بابت روایت کہ سب سے پہلے تم مجھے آن ملوگی، اسے دو طرق سے لائے ہیں، اواخر المغازی کے باب الوفاۃ میں مشروح ہوگی، وہیں دونوں روایتوں کے توافُق پر روشنی ڈالی جائے گی۔

علامہ انور (حدثنا أبو نعيم عن عائشة) کے تحت لکھتے ہیں کہ معجم طبرانی کی اسی سند کے ساتھ روایت میں یہ زیادت بھی مذکور ہے کہ ہر نبی اپنے سے سابقہ نبی سے آدھی عمر پاتا ہے، حضرت عیسی کی عمر ایک سو بیس برس تھی لہذا میں خیال کرتا ہوں کہ ساٹھ سال کی عمر پاؤنگا، لکھتے ہیں یہ باعثِ اشکال ہے کیونکہ انبیاء کرام کی عمروں کو دیکھا جائے تو یہ قاعدہ پورا نہیں اترتا، میرے نزدیک اس سے مراد صرف اولو العزم انبیاء کی عمریں ہیں تاریخ نے جنکا ذکر محفوظ رکھا ہے۔ حضرت عیسی کے بارہ میں تفصیل یہ ہے کہ جب ان کا رفع ہوا ان کی عمر اسی برس تھی نزول کے بعد چالیس برس مزید دنیا میں گزاریں گے، مسلم کی ایک روایت میں جو سات برس مذکور ہے، تو یہ وہ مدت جو وہ امام مہدی کے ساتھ گزارینگے۔ اسے مسلم نے (فضائل فاطمة) اور نسائی نے (المناقب) میں نقل کیا ہے۔

3627 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِؓ يُدْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ إِنَّ لَنَا أَبْنَاءً مِثْلَهُ. فَقَالَ إِنَّهُ مِنْ حَيْثُ تَعْلَمُ. فَسَأَلَ عُمَرُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ هَذِهِ الآيَةِ (إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ). فَقَالَ أَجَلُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَعْلَمَهُ إِيَّاهُ. قَالَ مَا أَعْلَمُ مِنْهَا إِلَّا مَا تَعْلَمُ. أطرافه 4294، 4430، 4969، 4970

ابن عباس کہتے ہیں حضرت عمر ابن عباس کو اپنے مقربین میں شامل رکھتے، تو عبد الرحمن بن عوف ان سے کہنے لگے ہمارے بھی ان جیسے بیٹے ہیں حضرت عمر نے جواب دیا اس کی وجہ تم جانتے ہو (یعنی ان کا علم) پھر حضرت عمر نے (از رہِ امتحان) ابن عباس سے (إذا جاء نصر الله والفتح) کی بابت سوال کیا تو انہوں نے کہا یہ دراصل رسول پاک کی اجل کی خبر آپ کو دیگئی تھی، حضرت عمر نے یہ سن کر کہا میں بھی اس بارے میں یہی کچھ جانتا ہوں۔

تفسیر سورۃ النصر میں اس کی شرح آئے گی۔ علامہ انور حدیث کے الفاظ: (فقال أجل رسول الله الخ) کی بابت لکھتے ہیں یہ بابِ مجاز اور بابِ کنایہ میں سے نہیں، من حیث اللغۃ وغیرھا یہ آیت اس معنی پر دلالت نہیں کرتی، ہاں البتہ یہ اس سورت کے مقاصد و اغراض میں سے ہے تو اس سے معنائے قرآن کے بیان کے ضمن میں ایک اصلِ عظیم قائم ہوا کہ وہ اس طریق کے ساتھ صحیح ہے حالانکہ یہ حقیقت نہیں اور نہ مجاز و کنایہ ہے بلکہ اس کے مرامی بعیدہ میں سے ہے جسے وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو فہم ودیعت کیا گیا ہو اور اللہ کی جانب سے علم دیا گیا ہو، اسی طرح لفظ: توفی (آیت: و إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ الخ کی طرف اشارہ ہے) کے مرامی بعیدہ میں سے موتِ سیدنا عیسی کی طرف اشارہ ممکن ہے وگرنہ لفظ میں اس پر کوئی دلالت نہیں، صرف معنائے موت اس سے علی

حدِ الإیماء والإشارۃ مفہوم ہے جبکہ غرض ومقصود استیفاء ہے ہاں البتہ استیفائے اجل کے بعد سوائے موت کے اور کچھ نہیں تو اس طریق سے یہ مفہوم و ماخوذ ہونا ممکن ہے۔

اسے ترمذی نے (التفسیر) میں نقل کیا اور حسن قرار دیا ہے۔

3628حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ حَنْظَلَةَ بْنِ الْغَسِيلِ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ بِمِلْحَفَةٍ قَدْ عَصَّبَ بِعِصَابَةٍ دَسْمَاءَ، حَتَّى جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ النَّاسَ يَكْثُرُونَ وَيَقِلُّ الأَنْصَارُ، حَتَّى يَكُونُوا فِي النَّاسِ بِمَنْزِلَةِ الْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ، فَمَنْ وَلِيَ مِنْكُمْ شَيْئًا يَضُرُّ فِيهِ قَوْمًا، وَيَنْفَعُ فِيهِ آخَرِينَ فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَيَتَجَاوَزْ عَنْ مُسِيئِهِمْ فَكَانَ آخِرَ مَجْلِسٍ جَلَسَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ .طرفاه 927، 3800

ابن عباس کہتے ہیں نبی پاک اپنی مرض الموت میں باہر تشریف لائے آپ اس وقت سر مبارک پہ چکنی پٹی لپیٹے ہوئے تھے حتی کہ منبر پر بیٹھ گئے، اللہ کی حمد وثناء کرنے کے بعد فرمایا اما بعد: آنے والے دور میں لوگ کثیر ہوتے جائینگے مگر انصار روز بروز کم ہوں گے حتی کہ لوگوں میں ان کی تعداد ایسے ہوگی جیسے آٹے میں نمک، پس تم میں سے جو کوئی والی بنے اور کسی کو نفع ونقصان پہنچا سکتا ہو وہ ان کے اچھائی کرنے والے سے (اسکی اچھائی) قبول کرے اور ان کے خطا کار سے درگزر کرے، کہتے ہیں یہ نبی پاک کی آخری مجلس تھی جس میں آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھے۔

آنجناب کے آخرِ عمر خطبہ کے بارہ میں (بلکہ یہ زندگی کا آخری خطبہ تھا) جس میں انصار کے حق میں حسنِ سلوک کی وصیت فرمائی، اس کی شرح مناقبِ انصار میں ہوگی۔

3629حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْجُعْفِيُّ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَخْرَجَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ الْحَسَنَ فَصَعِدَ بِهِ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ .أطرافه 2704، 3746، 7109۔ (جلد چہارم کتاب الصلح میں ترجمہ موجود ہے)

اس کی شرح کتاب الفتن میں کی جائیگی۔

3630حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلاَلٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَعَى جَعْفَرًا وَزَيْدًا قَبْلَ أَنْ يَجِيءَ خَبَرُهُمْ وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ .أطرافه 1246، 2798، 3063، 3757، 4262۔ (جلد دوم ص: ۱۵۰ میں مترجم ہے)

یہاں مختصراً ہے، غزوہ موتہ میں مکمل سیاق مع شرح آئیگی۔

3631حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ

عَنْ جَابِرٍ ؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلْ لَكُمْ مِنْ أَنْمَاطٍ قُلْتُ وَأَنَّى يَكُونُ لَنَا الأَنْمَاطُ قَالَ أَمَا إِنَّهُ سَيَكُونُ لَكُمُ الأَنْمَاطُ فَأَنَا أَقُولُ لَهَا يَعْنِي امْرَأَتَهُ أَخِّرِي عَنِّي أَنْمَاطَكِ .فَتَقُولُ أَلَمْ يَقُلِ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّهَا سَتَكُونُ لَكُمُ الأَنْمَاطُ فَأَدَعُهَا .طرفه 5161

حضرت جابر راوی ہیں کہ نبی اکرم نے فرمایا کیا تمہارے پاس قالین ہیں؟ میں نے کہا ہمارے پاس قالین کیونکر ہو سکتے ہیں؟ فرمایا ایک وقت آئیگا کہ تمہارے ہاں قالین ہوں گے، اور اب میں اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ ان قالینوں کو ہم سے دور ہٹاؤ تو وہ کہتی ہے کیا اللہ کے نبی نے فرمایا نہیں تھا کہ تمہارے ہاں قالین ہوں گے، یہ سنکر میں چھوڑ دیتا ہوں۔

(من أنماط) یہ نمط کی جمع ہے جیسے خبر/ اخبار، ایسی بساط (یعنی بچھونا، قالین) جس کے خمل (یعنی سطح) رقیق ہو، کتاب النکاح میں اس کی شرح ہوگی۔ آنجناب نے یہ بات انہیں ان کی شادی کے موقع پر کہی تھی۔ (فأنا أقول لها الخ) النکاح میں ان کی زوجہ کا نام ذکر ہوگا۔ اس سے اتخاذِ انماط کے جواز پر استدلال محلِ نظر ہے کیونکہ آنجناب کا کسی چیز کے وقوع کی بابت بتلانا اِباحت کو مقتضی نہیں الا یہ کہ مستدِل بہ استدلال علی التقریر کرے اور کہے کہ شارع نے خبر دی ہے کہ فلاں معاملہ ہوگا اور اس سے منع نہیں کیا گویا اس کی تقریر فرمائی ہے، سابق الذکر حدیثِ عدی بن حاتم میں آنجناب کا ایک تنہا ظعینہ کی بابت خبر دینا کہ حیرہ سے آکر کعبہ کا طواف کرے گی، بھی اسی کی نظیر ہے، اس سے بھی بعض الناس نے عورت کے بلا محرم جوازِ سفر پر استدلال کیا ہے، اس بارے بحث گزر چکی۔

علامہ انور (خرج رسول الله فی مرضه الخ) کی بابت لکھتے ہیں آنجناب کا یہ نکلنا بروز جمعرات تھا، حافظ نے اس کا انکار کیا ہے، میں پہلے اس کا اثبات کر چکا ہوں۔

3632 حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ ؓ قَالَ انْطَلَقَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ مُعْتَمِرًا قَالَ فَنَزَلَ عَلَى أُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ أَبِي صَفْوَانَ، وَكَانَ أُمَيَّةُ إِذَا انْطَلَقَ إِلَى الشَّأْمِ فَمَرَّ بِالْمَدِينَةِ نَزَلَ عَلَى سَعْدٍ، فَقَالَ أُمَيَّةُ لِسَعْدٍ انْتَظِرْ حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ، وَغَفَلَ النَّاسُ انْطَلَقْتُ فَطُفْتُ، فَبَيْنَا سَعْدٌ يَطُوفُ إِذَا أَبُو جَهْلٍ فَقَالَ مَنْ هَذَا الَّذِي يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ فَقَالَ سَعْدٌ أَنَا سَعْدٌ .فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ تَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ آمِنًا، وَقَدْ آوَيْتُمْ مُحَمَّدًا وَأَصْحَابَهُ فَقَالَ نَعَمْ فَتَلاَحَيَا بَيْنَهُمَا فَقَالَ أُمَيَّةُ لِسَعْدٍ لاَ تَرْفَعْ صَوْتَكَ عَلَى أَبِي الْحَكَمِ، فَإِنَّهُ سَيِّدُ أَهْلِ الْوَادِي .ثُمَّ قَالَ سَعْدٌ وَاللَّهِ لَئِنْ مَنَعْتَنِي أَنْ أَطُوفَ بِالْبَيْتِ لأَقْطَعَنَّ مَتْجَرَكَ بِالشَّأْمِ .قَالَ فَجَعَلَ أُمَيَّةُ يَقُولُ لِسَعْدٍ لاَ تَرْفَعْ صَوْتَكَ .وَجَعَلَ يُمْسِكُهُ، فَغَضِبَ سَعْدٌ فَقَالَ دَعْنَا عَنْكَ، فَإِنِّي سَمِعْتُ مُحَمَّدًا ﷺ يَزْعُمُ أَنَّهُ قَاتِلُكَ .قَالَ إِيَّايَ قَالَ نَعَمْ .قَالَ وَاللَّهِ مَا يَكْذِبُ مُحَمَّدٌ إِذَا حَدَّثَ .فَرَجَعَ إِلَى امْرَأَتِهِ، فَقَالَ أَمَا تَعْلَمِينَ مَا قَالَ لِي أَخِي الْيَثْرِبِيُّ قَالَتْ وَمَا قَالَ قَالَ زَعَمَ أَنَّهُ سَمِعَ مُحَمَّدًا يَزْعُمُ أَنَّهُ قَاتِلِي .قَالَتْ فَوَاللَّهِ مَا يَكْذِبُ مُحَمَّدٌ .قَالَ فَلَمَّا خَرَجُوا

إِلَى بَدْرٍ، وَجَاءَ الصَّرِيخُ قَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ أَمَا ذَكَرْتَ مَا قَالَ لَكَ أَخُوكَ الْيَثْرِبِيُّ قَالَ فَأَرَادَ أَنْ لَا يَخْرُجَ، فَقَالَ لَهُ أَبُو جَهْلٍ إِنَّكَ مِنْ أَشْرَافِ الْوَادِي، فَسِرْ يَوْمًا أَوْ يَوْمَيْنِ فَسَارَ مَعَهُمْ فَقَتَلَهُ اللَّهُ .طرفه 3950

ابن مسعود راوی ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ عمرہ کی نیت سے مکہ گئے اور امیہ بن خلف کے مہمان بنے، امیہ جب شام جاتا تھا تو مدینہ میں ان کے ہاں بطورِ مہمان آتا ہوتا تھا تو امیہ سعد سے کہنے لگا ابھی ٹھہرو جب دوپہر ہو جائیگی اور لوگ غافل ہو جائیں گے تب طواف کرنا تو حضرت سعد طواف میں مشغول تھے کہ ابو جہل آ گیا اور پوچھنے لگا یہ کعبہ کا طواف کرنے والا کون ہے؟ سعد نے کہا میں سعد ہوں! وہ بولا تم امن سے کعبہ کا طواف کرو حالانکہ تم نے محمد اور اس کے ساتھیوں کو پناہ دی ہے؟ وہ بولے ہاں دی ہے اس پہ دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں تو امیہ سعد سے کہنے لگا ابو الحکم پر آواز بلند نہ کرو وہ ان اہلِ وادی کا سردار ہے، سعد کہنے لگے اگر تم نے مجھے طواف سے منع کیا تو ہم بھی آپ لوگوں کی تجارتِ شام روک دینگے، کہتے ہیں امیہ انہیں کہتا جاتا تھا کہ ابو الحکم پر آواز اونچی نہ کرو اور انہیں روکتا تھا اس پہ حضرت سعد کو غصہ آیا، بولے چل پرے ہٹ بے شک میں نے نبی پاک سے سنا فرماتے تھے کہ وہ تجھے قتل کرینگے کہنے لگا مجھے؟ کہا ہاں، کہنے لگا واللہ محمد کبھی جھوٹ تو نہیں بولتے، تو اپنی بیوی کے پاس واپس ہوا اور کہنے لگا کیا تمہیں معلوم ہوا کہ میرا یہ یثربی بھائی کیا کہتا ہے؟ وہ بولی کیا کہا ہے؟ کہا اس کا دعوی ہے کہ اس نے محمد (ﷺ) سے سنا کہتے تھے کہ وہ مجھے قتل کر ڈالینگے، کہنے لگی اللہ کی قسم محمد کبھی جھوٹ تو نہیں بولتے، راوی کہتا ہے جب اہلِ مکہ بدر کو جانے لگے اور امیہ کو بھی بلاوا آیا تو اس کی بیوی نے کہا کیا تمہیں اپنے یثربی بھائی کی بات یاد نہیں؟ تو اس نے ارادہ کیا کہ نہ جائے مگر ابو جہل نے کہا تم اس وادی کے سرکردہ لوگوں میں سے ہو (اگر پیچھے رہے تو باقیوں پہ برا اثر پڑیگا) تو ایسا کرو کہ ایک یا دو دن ہمارے ساتھ چلو پھر واپس آ جانا، تو اسطرح وہ ان کے ساتھ ہی رہا حتی کہ اللہ نے اسے قتل کرا دیا۔

اسکی مستوفی شرح اول کتاب المغازی میں آئیگی۔ کرمانی نے حضرت سعد کے قول: (إنه قاتلك) میں انہ کی ضمیر کا مرجع ابو جہل کو قرار دیا اور یہ سمجھے کہ سعد اِسے بتلا رہے ہیں کہ ابو جہل (جسکی تم اتنی حمایت کر رہے ہو) تمہارا قاتل ہے، پھر اسے باعثِ اشکال سمجھا کہ وہ تو اس کا ہم دین ہے اسے کیسے قتل کر سکتا ہے؟ پھر خود ہی اس کا حل یہ پیش کیا کہ چونکہ اس کے کہنے میں بدر کیلئے نکلا لہٰذا اس کے قتل کا سبب بنا، بقول ابن حجر یہ بڑی عجیب فہم ہے، حضرت سعد کی بلاشبہ مراد یہ تھی کہ آنجناب اسے قتل کریں گے، اس کی تصریح آئیگی۔

3633 حَدَّثَنِي عَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيدِ النَّرْسِيُّ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ قَالَ أُنْبِئْتُ أَنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَعِنْدَهُ أُمُّ سَلَمَةَ، فَجَعَلَ يُحَدِّثُ ثُمَّ قَامَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأُمِّ سَلَمَةَ مَنْ هَذَا .أَوْ كَمَا قَالَ .قَالَ قَالَتْ هَذَا دِحْيَةُ .قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ ايْمُ اللَّهِ مَا حَسِبْتُهُ إِلَّا إِيَّاهُ حَتَّى سَمِعْتُ خُطْبَةَ نَبِيِّ اللَّهِ ﷺ يُخْبِرُ جِبْرِيلَ أَوْ كَمَا قَالَ .قَالَ فَقُلْتُ لِأَبِي عُثْمَانَ مِمَّنْ سَمِعْتَ هَذَا قَالَ مِنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ .طرفه 4980

ابو عثمان کا بیان ہے کہ مجھے بتلایا گیا کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل آنجناب کے پاس آئے، ایک ساعت باتیں کیں پھر چل دیے، آنجناب نے حضرت ام سلمہ سے پوچھا یہ کون تھے؟ یا اسطرح کا کوئی اور لفظ بولا، انہوں نے کہا یہ دحیہ تھے، کہتی ہیں اللہ کی قسم مجھے

وہ دحیہ ہی لگے تھے، حتی کہ نبی پاک نے خطبہ میں خبر دی کہ میرے پاس ابھی جبریل تھے، راوی کہتا ہے میں نے ابوعثمان سے پوچھا آپ نے کس سے سنا؟ کہا اسامہ بن زید سے۔

اس کی شرح غزوہ قریظہ میں آئیگی۔ اسے مسلم نے (فضائل أم سلمة) میں تخریج کیا ہے۔

3634حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْمُغِيرَةِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ؓ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ رَأَيْتُ النَّاسَ مُجْتَمِعِينَ فِي صَعِيدٍ، فَقَامَ أَبُو بَكْرٍ فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ، وَفِي بَعْضِ نَزْعِهِ ضَعْفٌ، وَاللَّهُ يَغْفِرُ لَهُ، ثُمَّ أَخَذَهَا عُمَرُ، فَاسْتَحَالَتْ بِيَدِهِ غَرْبًا، فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا فِي النَّاسِ يَفْرِي فَرِيَّهُ، حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ .وَقَالَ هَمَّامٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَنَزَعَ أَبُو بَكْرٍ ذَنُوبَيْنِ .أطرافه 3676، 3682، 7019، 7020

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی اکرم نے فرمایا میں نے (خواب میں) لوگوں کو دیکھا کہ ایک میدان میں مجتمع ہیں تو ابوبکر کھڑے ہوئے اور انہوں نے (ایک کنویں سے) ایک یا دو ڈول نکالے، اور ان کے کھینچنے میں کچھ نرمی تھی، اللہ ان کی مغفرت کرے (آنجناب کی اس دعا کا ماقبل سے تعلق نہیں) پھر عمر نے ڈول پکڑ لیا وہ ان کے ہاتھ میں جاتے ہی بڑا ہو گیا میں لوگوں میں اس جیسا ماہر نہیں دیکھا جوان کی طرح کام کرتا ہو، (اتنا پانی نکالا) حتی کہ لوگ اپنے اونٹوں کو بھی سیراب کر کے اپنے ٹھکانوں کو پہنچ گئے، ہمام نے ابوہریرہ سے اسی روایت میں ابوبکر کے دو ڈولوں کا ذکر کیا۔

آنجناب کے عالَمِ خواب میں حضرات ابوبکر وعمر کو کنویں سے ڈول نکالتے دیکھنا، تعبیر الرؤیا میں مشروح ہوگی، حدیثِ اَبی ھریرہ معلق بھی اسی بارے ہے، اسے بھی التعبیر میں موصول کیا ہے۔ علامہ انور حدیثِ اسامہ کے الفاظ (فلم أر عبقربا) کی نسبت لکھتے ہیں: ای (شخصا معظما) لکھتے ہیں فری اصل میں دو انگلیوں کے درمیان (قدُّ السَّیر من أدم)۔ (یعنی چمڑے سے تسمہ تیار کرنا) ہے، یہ صرف ماہر آدمی ہی کر سکتا ہے کیونکہ اس میں انگلی زخمی ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، کبھی اسکا قد مستقیماً مشکل ہو جاتا ہے کبھی آلہ پھر جاتا ہے تو بعض مواضع سے سیر باریک ہو جاتا ہے جبکہ بعض سے موٹا، تو الماہر فی الفن پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

26 باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (اس آیت کی تشریح میں)

(يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ). اللہ تعالی کا فرمان: (ترجمہ) وہ اہلِ کتاب رسول کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو اور بے شک ایک فریق ان میں سے حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

3635حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ ؓ أَنَّ الْيَهُودَ جَاءُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَذَكَرُوا لَهُ أَنَّ رَجُلاً مِنْهُمْ وَامْرَأَةً زَنَيَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَاةِ فِي شَأْنِ الرَّجْمِ فَقَالُوا نَفْضَحُهُمْ وَيُجْلَدُونَ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلاَمٍ كَذَبْتُمْ إِنَّ فِيهَا الرَّجْمَ فَأَتَوْا بِالتَّوْرَاةِ فَنَشَرُوهَا، فَوَضَعَ أَحَدُهُمْ يَدَهُ عَلَى آيَةِ الرَّجْمِ،

فَقَرَأَ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا. فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ ارْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ يَدَهُ فَإِذَا فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ. فَقَالُوا صَدَقَ يَا مُحَمَّدُ، فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ فَأَمَرَ بِهِمَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَرُجِمَا قَالَ عَبْدُ اللَّهِ فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يَجْنَأُ عَلَى الْمَرْأَةِ يَقِيهَا الْحِجَارَةَ. أطرافه 1329، 4556، 6819، 6841، 7332، 7543

راوی کا بیان ہے یہودی ایک مرد وعورت کو جنہوں نے زنا کیا تھا، نبی پاک کے پاس لائے آپ نے پوچھا تم تورات میں اس بابت کیا حکم پاتے ہو؟ کہنے لگے یہ کہ رسوا کئے جائیں اور کوڑے مارے جائیں، یہ سنکر عبداللہ بن سلام بولے تم جھوٹ کہتے ہو، اس میں رجم کا حکم ہے، چنانچہ تورات لائی گئی ان کے ایک نے آیتِ رجم پر ہاتھ رکھ لیا، ابن سلام نے کہا اپنا ہاتھ اٹھاؤ، اس نے اٹھالیا تو اس میں رجم کا حکم موجود تھا، تو نبی پاک نے انہیں رجم کر دینے کا حکم دیا، راوی کہتے ہیں اثنائے رجم میں نے دیکھا کہ مرد اپنے آپکو عورت پر جھکا تا تھا تا کہ اسے پتھروں سے بچائے۔

یہودی مرد وعورت کے بارہ میں جنہوں نے زنا کیا اور آنجناب کے پاس ان کا مقدمہ پیش ہوا، اس کی مفصل شرح کتاب الحدود میں آئے گی، وہیں حدیث میں مبھمین کے اسماء ذکر کئے جائینگے۔ (قال عبد الله فرأيت الرجل الخ) عبداللہ سے مرادراویِ حدیث ہیں، علامات النبوۃ کے کے ساتھ تعلق اس جہت سے ہے کہ آنجناب نے حالانکہ توراۃ نہ پڑھی تھی مگر اشارہ فرمایا کہ اس میں زنا کا حکم موجود ہے۔

اسے مسلم اور ترمذی نے (الحدود) جبکہ نسائی نے (الرجم) میں روایت کیا ہے۔

27 باب سُؤَالِ الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُرِيَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ آيَةً فَأَرَاهُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ

(مشرکین کے مطالبہ پر معجزۂ شقِ قمر)

3636 حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ ؓ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ شِقَّتَيْنِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اشْهَدُوا. أطرافه 3869، 3871، 4864، 4865

ابن مسعود راوی ہیں کہ نبی پاک کے عہد میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا نبی اکرم نے فرمایا گواہ ہو جاؤ۔

اسے مسلم نے (التوبة) جبکہ نسائی اور ترمذی نے (التفسیر) میں نقل کیا ہے۔

3637 حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يُونُسُ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ؓ. وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ حَدَّثَهُمْ أَنَّ أَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً فَأَرَاهُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ - أطرافه 3868، 4867، 4868

انس راوی ہیں کہ اہلِ مکہ نے آنجناب سے مطالبہ کیا کہ اپنی نبوت کی کوئی نشانی دکھلائیں تو آپ نے انہیں چاند دو ٹکڑے ہوتا

دکھلایا۔

3638حَدَّثَنِي خَلَفُ بْنُ خَالِدٍ الْقُرَشِيُّ حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ أَنَّ الْقَمَرَ انْشَقَّ فِي زَمَانِ النَّبِيِّ ﷺ ۔ طرافاہ 3870، 4866

انشقاقِ قمر کے معجزہ کے بارہ میں حضرات ابن مسعود، انس اور ابن عباس کی روایات نقل کی ہیں، اس ضمن میں حضرات علی، حذیفہ، جبیر بن مطعم اور ابن عمر وغیرھم سے بھی مرویات موجود ہیں، انس اور ابن عباس تو بالیقین اس موقع پر حاضر نہ تھے، ابن عباس تو ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے جبکہ حضرت انس چار یا پانچ برس کے تھے، مگر مدینہ میں تھے جبکہ واقعہِ مذکور ہجرت سے تقریباً پانچ برس قبل مکہ میں پیش آیا، باقی حضرات کی نسبت امکانِ مشاہدہ ہے، ابن مسعود نے تو رؤیت کی تصریح کی ہے، روایتِ باب میں تو تصریح مذکور نہیں، التفسیر میں ابراھیم عن ابی معمر کے حوالے سے بتمامہٖ نقل کیا ہے، ابن مسعود کے طریق سے یہ صراحت موجود ہے، کہتے ہیں: (فلقد رأيت أحد شقيه على الجبل الذي بمنى و نحن بمكة) کہ میں نے اس کا آدھا حصہ اس پہاڑ پر دیکھا جو منیٰ میں ہے اور ہم مکہ میں تھے (یعنی ایک حصہ مکہ میں اور دوسرا منیٰ کی جہت دکھائی دیتا تھا، چونکہ انبیاء کرام کے معجزات میں اشیاء کی حقیقت اور ماہیت تبدیل ہو جایا کرتی تھی بخلاف جادو کے عمل کے تو اس شقِ قمر کو پوری دنیا میں دیکھا گیا، تاریخ فرشتہ میں ہے کہ ہندوستان کے ایک راجہ نے بھی ملاحظہ کیا پھر دو اشخاص کو تحقیقِ حال کیلئے سرزمین عرب کی طرف روانہ کیا ایک تو اثنائے سفر یمن میں فوت ہو گیا دوسرا حضرت عمر کے دور خلافت میں مدینہ پہنچا اور ساری تفصیل سن کر مسلمان ہو گیا، اللہ اعلم)۔

علامہ انور نے اس راجہ کا نام بھوج پال ذکر کیا ہے اور یہ کہ وہ بھوپال کا راجہ تھا، لکھتے ہیں لازم نہیں کہ سب لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہو، کثیر اوقات چاند یا سورج گرہن زدہ ہوتا ہے اور عوام الناس کو خبر ہی نہیں ہوتی پھر یہ انشقاق تو کچھ ہی دیر کیلئے تھا پھر چاند دوبارہ ملتئم ہو گیا (یقیناً کثیر لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہوگا مگر اس دور میں ایسے ذرائع تو نہ تھے کہ تحقیقِ حال ممکن ہوتا)۔

28باب (بلاعنوان)

اصول میں اسی طرح یعنی بلا ترجمہ ہے مناسب یہ تھا کہ یہ سابقہ دو ابواب پر مقدم ہوتا کیونکہ یہ علامات النبوۃ کے باب کے ساتھ ملحق ہے بمنزلہ اس کی فصل کے ہے لیکن سابقہ دونوں باب چونکہ اسی موضوع سے متعلق ہیں لہٰذا معاملہ آسان ہے۔

3639حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُعَاذٌ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسٌؓ أَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ وَمَعَهُمَا مِثْلُ الْمِصْبَاحَيْنِ، يُضِيآنِ بَيْنَ أَيْدِيهِمَا فَلَمَّا افْتَرَقَا صَارَ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَاحِدٌ حَتَّى أَتَى أَهْلَهُ . طرفاہ 465، 3805

حضرت انس کہتے ہیں نبی پاک کے دو صحابی ایک تاریک رات میں نبی پاک کے ہاں سے نکلے اور ان کے آگے آگے دو چراغ .

سے تھے جو راستہ روشن کر رہے تھے جب علیحدہ ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک چراغ ہو گیا حتی کہ گھر پہنچ گئے۔

(إن رجلين الخ) یہ اسید بن حضیر اور عباد بن بشیر تھے، فضائلِ صحابہ میں اس کا بیان آئے گا۔

3640حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا قَيْسٌ سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَزَالُ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ .طرفاه 7311، 7459

حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں نبی پاک نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ ہمیشہ غالب رہینگے حتی کہ اللہ کا امر (یعنی قیامت) آن پہنچے گا اور وہ غالب ہی ہوں گے۔

یحی سے مراد قطان ہیں جو اسماعیل بن ابو خالد بجلی سے راوی ہیں، اس پر الاعتصام میں بحث ہوگی۔ اسے مسلم نے (الجهاد) میں نقل کیا ہے۔

3641حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ جَابِرٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَيْرُ بْنُ هَانِئٍ أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللَّهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ عَلَى ذَلِكَ .قَالَ عُمَيْرٌ فَقَالَ مَالِكُ بْنُ يُخَامِرَ قَالَ مُعَاذٌ وَهُمْ بِالشَّأْمِ .فَقَالَ مُعَاوِيَةُ هَذَا مَالِكٌ يَزْعُمُ أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاذًا يَقُولُ وَهُمْ بِالشَّامِ .أطرافه 71، 3116، 7312، 7460۔ (اسی کے سابقہ نمبر پر مترجم ہے)

ولید سے مراد ابن مسلم ہیں جبکہ ابن جابر سے مراد عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر ہیں، مالک بن یُخامر سکسکی نزیلِ حمص کی بخاری میں یہی روایت ہے اسی سند و متن کے ساتھ کتاب التوحید میں دوبارہ لائے ہیں کبار تابعین میں سے تھے، بعض نے صحابہ میں شمار کیا ہے مگر یہ درست نہیں۔ (لا یزالون ظاهرين الخ) سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس بارے کتاب الاعتصام میں بحث ہوگی۔

علامہ انور حدیث کے الفاظ: (لایزال من أمتي أمة قائمة) کے تحت لکھتے ہیں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس سے مراد مجاہدین کا گروہ ہے، امام احمد نے جو کہا کہ اس سے مراد اہل السنّت والجماعت ہیں تو وہ بھی ہمارے قول کی طرف ہی آئل (راجع) ہے قبل ازیں اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے (قال معاوية الخ) کے تحت لکھتے ہیں معاویہ ان کی اس بات کو اسلئے پھیلا رہے تھے تا کہ یہ اشارہ کریں کہ وہ حق پر ہیں حالانکہ حدیث کا مصداق زمانہ نزولِ عیسیٰؑ ہے، ان کے زمانہ میں خیر صرف ملک شام میں ہوگی یا یہ بات اس حدیث پر مبنی ہے جس کی بابت محدثین کے ہاں اختلاف ہے وہ جس میں ہے کہ اکثر ابدال شام میں ہیں لیکن اس کا بھی اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں جس طرف امیر معاویہ اشارہ کرنا چاہ رہے ہیں (کہ حضرت علی کے ساتھ مخاصمت میں وہ حق پر ہیں)۔

اسے بھی مسلم نے (الجهاد) میں روایت کیا ہے۔

3642حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا شَبِيبُ بْنُ غَرْقَدَةَ قَالَ سَمِعْتُ الْحَيَّ يُحَدِّثُونَ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَعْطَاهُ دِينَارًا يَشْتَرِي بِهِ شَاةً، فَاشْتَرَى لَهُ بِهِ شَاتَيْنِ فَبَاعَ

إِحُدَاهُمَا بِدِينَارٍ وَجَاءَهُ بِدِينَارٍ وَشَاةٍ، فَدَعَا لَهُ بِالُبَرَكَةِ فِي بَيُعِهِ، وَكَانَ لَوِ اشُتَرَى التُّرَابَ لَرَبِحَ فِيهِ قَالَ سُفُيَانُ كَانَ الُحَسَنُ بُنُ عُمَارَةَ جَاءَنَا بِهَذَا الُحَدِيثِ عَنُهُ، قَالَ سَمِعَهُ شَبِيبٌ مِنُ عُرُوَةَ، فَأَتَيُتُهُ فَقَالَ شَبِيبٌ إِنِّي لَمُ أَسُمَعُهُ مِنُ عُرُوَةَ قَالَ سَمِعُتُ الُحَيَّ يُخُبِرُونَهُ عَنُهُ۔
3643وَلَكِنُ سَمِعُتُهُ يَقُولُ سَمِعُتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ الُخَيُرُ مَعُقُودٌ بِنَوَاصِي الُخَيُلِ إِلَى يَوُمِ الُقِيَامَةِ قَالَ وَقَدُ رَأَيُتُ فِي دَارِهِ سَبُعِينَ فَرَسًاقَالَ سُفُيَانُ يَشُتَرِي لَهُ شَاةً كَأَنَّهَا أُضُحِيَّةٌ

.أطرافه 2850، 2852، 3119۔ (جلد چہارم کتاب الجہاد میں ترجمہ موجود ہے)

سفیان سے مراد ابن عیینہ ہیں، شبیب بن غرقدہ جو تابعی صغیر ہیں، کی بخاری میں صرف یہی ایک روایت ہے۔ عروہ بارقی کی روایت ہے۔ (سمعت الحی) یعنی ان کا قبیلہ، یمن کے ایک پہاڑ بارق کی طرف منسوب تھے، بنی سعد بن عدی یہاں سکونت پذیر ہوئے تو اس کی طرف نسبت مشہور ہوگئی، بظاہر ایک جماعت یعنی کم از کم تین افراد، سے سنا ہوگا۔ (عن عروۃ) یہ ابن الجعد یا ابن أبی الجعد ہیں، کتاب الجہاد کی خیر ُخیل والے باب میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ (أعطاہ دینارا الخ) احمد وغیرہ کی ابولبید سے روایت میں ہے عروہ بن ابی الجعد سے ناقل ہیں کہ (عرض للبنی ﷺ جلب) آنجناب کے سامنے (یعنی مدینہ میں) تجارتی قافلہ آیا، تو مجھے ایک دینار دیکر فرمایا ہمارے لئے ایک بکری خرید کر لاؤ۔ (فدعا لہ بالبرکۃ) ابولبید کی روایت میں اس دعائے نبوی کے الفاظ بھی مذکور ہیں: (اللھم بارك لہ فی صفقۃ یمینہ) یعنی اے اللہ اس کے لین دین میں برکت فرما، اس میں یہ ہے کہ آپ نے میرا یہ سودا جاری رکھا اور قبول کیا، اس سے بیع الفضولی کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے، شافعی نے توقف کا اظہار کیا ہے ایک موقع پہ کہا استدلال صحیح نہیں کیونکہ حدیث غیر ثابت ہے، یہ مزنی کی ان سے روایت ہے، بویطی ان سے ناقل ہیں کہ اگر صحتِ حدیث ثابت ہوگئی تو میں بھی بیع الفضولی کے جواز کا فتوی دے دونگا، جو اسے صحیح قرار دیتے ہوئے بھی اس استدلال سے متفق نہیں وہ اسے واقعۂ عین قرار دیتے ہیں۔ یہ احتمال بھی ہے کہ عروہ کو اشتراء کے ساتھ ساتھ بیع کا بھی اختیار دیا ہو، یہ قوی بحث ہے۔ اس حدیث کے ساتھ تصرف الفضولی کے جواز پر بھی استدلال موقوف ہے۔ خطابی اور بیہقی کا اسے غیر متصل قرار دینا کیونکہ (الحی) سے کون مراد ہیں؟ یہ مذکور نہیں، تو یہ اہل الحدیث کے طریقہ پر حکم جاری کیا ہے کیونکہ مبہم راوی والی سند کو وہ مرسل یا منقطع قرار دیتے ہیں، اس بارے تحقیق یہ ہے کہ اگر تصریح بالسماع مذکور ہو (جیسا کہ یہاں ہے) تو وہ متصل ہے کیونکہ اتصال و انقطاع کے ضمن میں مجہول اور معروف راوی کی روایت میں کوئی فرق نہیں، مبہم اس میں مجہول کی نظیر ہے لیکن کسی ایسی سند کو جس میں ہر راوی نے تصریح بالسماع کیا ہو، منقطع نہ کہا جائے گا اگرچہ کئی رواۃ یا ایک اس میں غیر معروف ہی کیوں نہ ہو۔

(وکان لو اشتری الخ) ابولبید کی روایت میں ہے، عروہ کہتے ہیں (دعائے نبوی کی برکت سے میرا حال یہ ہوا) کہ کناسۂ کوفہ میں کھڑا سودے طے کرتا تھا اور گھر واپس ہونے سے پہلے چالیس چالیس ہزار کا نفع حاصل کر لیتا تھا، راوی کہتے ہیں لونڈیوں کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ (قال سفیان) یعنی ابن عیینہ، اسی اسناد کے ساتھ موصول ہے۔

(کان الحسن بن عمارۃ) کوفی ہیں، فقہاء میں سے تھے، حدیث میں بالاتفاق ضعیف ہیں منصور عباسی کے زمانہ میں قاضیِ بغدار تھے اس کے عہد میں ۱۵۳ھ یا ۱۵۴ھ میں انتقال کیا ابن مبارک کہتے ہیں میرے سامنے شعبہ اور سفیان دونوں نے انہیں

ضعیف قرار دیا، ابن حبان لکھتے ہیں ثقات سے تدلیس کرتے ہوئے ان روایات کو ان کی طرف منسوب کر دیتے تھے جنہیں ضعفاء نے ان سے سنا ہوتا (تدلیس یہ ہے کہ راوی نے مروی عنہ سے براہ راست سماع نہیں کیا یعنی کسی واسطہ سے سماع کیا مگر روایت بیان کرتے ہوئے درمیان کا واسطہ حذف کر دے، پھر راویِ مذکور میں ایک خرابی اور بھی تھی وہ یہ کہ ثقہ راویوں سے ضعیف راویوں کے حوالے سے روایات سنکر ان کا ذکر کئے بغیر یوں بیان کرتے جیسے خود ثقات سے انہیں سنا ہے)۔ ابن حجر کے بقول بخاری میں ان کا ذکر صرف اسی جگہ ہے۔ علامہ انور حسن بن عمارہ کی بابت لکھتے ہیں کہ بالاتفاق ضعیف ہیں اس لئے امام بخاری نے اسناد میں ان کا ذکر نہیں کیا بلکہ ذیلِ قصہ میں (یعنی ضمناً، روایت کا ان پر انحصار نہیں) اس میں کوئی حرج نہیں۔

(بهذا الحديث عنه) یعنی شبیب بن غرقدہ سے۔ (قال) یعنی حسن نے (سمعه شبيب عن عروة فأتيته) اتیت کا فاعل سفیان ہیں، ضمیرِ مفعول شبیب کی طرف راجع ہے، بخاری حسن کے قول (کہ شبیب نے یہ روایت عروۃ سے سنی ہے) کا کذب ثابت کر رہے ہیں اور یہ کہ شبیب نے عروہ سے اس کا سماع نہیں کیا۔ ابن حجر لکھتے ہیں پس حدیث اس وجہ سے کہ شبیب نے عروہ سے نہیں بلکہ حی سے سنی اور وہ مجہول الحال ہیں، ضعیف ہے لیکن احمد، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے ہاں اس کا متابع ہے جسے سعید بن زید عن الزبیر بن خریت عن ابی لبید کے طریق سے روایت کیا ہے جو عروۃ بارقی سے یہی روایت نقل کرتے ہیں (لہٰذا اصلِ حدیث ثابت ہے)، حکیم بن حزام سے اس کا ایک شاہد بھی ہے ابن ماجہ نے اسے ابو بکر بن ابی شیبہ عن سفیان عن شبیب عن عروۃ کے طریق سے روایت کیا ہے، شبیب اور عروہ کے درمیان کوئی واسطہ ذکر نہیں کیا، علی جو کہ ابن مدینی ہیں کی یہ روایتِ باب دلالت کناں ہے کہ اس روایت میں تسویہ واقع ہوا ہے، احمد اور حمیدی نے اپنی اپنی مسند میں شبیب اور عروہ کے مابین واسطہ ذکر کرنے پر علی کی موافقت کی ہے، اسی طرح مسدد نے بھی ابو داؤد کے ہاں اور ابن ابو عمر اور عباس بن ولید نے اسماعیلی کے ہاں، یہی معتمد ہے۔

(قال سفيان يشتري الخ) اسی سند کے ساتھ متصل ہے، ابن حجر کہتے ہیں روایت کے کسی بھی طریق میں نہیں دیکھا کہ قربانی کیلئے بکری خریدنا چاہ رہے تھے جیسا کہ سفیان کا کہنا ہے۔ حدیثِ خیل پر کتاب الجہاد میں مفصل بحث گزر چکی ہے، ابن قطان کا دعوی ہے کہ بخاری کا اس سیاقِ حدیث کے ساتھ غرض و مقصد حدیثِ خیل بیان کرنا ہے، ان لوگوں کا سختی سے رد کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ بخاری نے حدیثِ شاۃ کا ذکر معرضِ احتجاج میں کیا ہے کیونکہ ایک واسطہ مبہم ہونے کیوجہ سے حدیثِ شاۃ ان کی شرط پر نہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں بات تو یہی ہے (کہ بخاری نے یہ سارا سیاق حدیثِ خیل نقل کرنے کیلئے ذکر کیا ہے) مگر ابہامِ واسطہ مانع تخریج نہیں اور نہ اس وجہ سے کوئی روایت ان کی شرط سے مُنحط ہو جاتی ہے کیونکہ پورے قبیلہ کا تَواطُؤ على الكذب عادۃً ممتنع ہے (یعنی سارا قبیلہ کیسے غلط اور جھوٹی بات کہہ سکتا ہے) پھر دوسرے طریق سے بھی یہ حدیث وارد ہے جو صحتِ حدیث کیلئے شاہد ہے تو روایتِ ہذا یہاں نقل کرنے سے اصل مقصود آنجناب کی دعائے برکت اور پھر اس دعاء کی تاثیر کا بیان ہے جو علامات النبوۃ سے اس کا تعلق ظاہر کرتا ہے، بیعِ فضولی کا مسألہ بیان کرنا مقصود نہیں وگرنہ تو اسے کتاب البیوع میں ذکر کرتے، منذری کی بھی یہی تقریر ہے البتہ یہ محلِ نظر ہے کیونکہ اس بارے ان کی صنیع مطرِد (یعنی یکساں) نہیں، کبھی کوئی حدیث ان کی شرط پر ہوتی ہے مگر اس کے معارض ایک اور روایت ہوتی ہے جو ان کے نزدیک اولیٰ بالعمل ہے تو اسے اس کے باب میں تخریج نہیں کرتے بلکہ کسی اور باب میں کرتے ہیں تاکہ یہ باور کرائیں کہ حدیث تو صحیح ہے مگر اس کا ظاہری معنی و دلالت ان کی نظر میں معمول بہ نہیں۔

3644حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ قَالَ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِﷺ قَالَ الْخَيْلُ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ .طرفه 2849۔ (سابقہ ہے)

3645حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّﷺ قَالَ الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُطرفه 2851 (ایضاً)

کتاب الجہاد میں مشروحاً گزر چکی ہیں۔

3646حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّﷺ قَالَ الْخَيْلُ لِثَلَاثَةٍ لِرَجُلٍ أَجْرٌ، وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ وَعَلَى رَجُلٍ وِزْرٌ .فَأَمَّا الَّذِي لَهُ أَجْرٌ، فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَأَطَالَ لَهَا فِي مَرْجٍ أَوْ رَوْضَةٍ، وَمَا أَصَابَتْ فِي طِيَلِهَا مِنَ الْمَرْجِ أَوِ الرَّوْضَةِ كَانَتْ لَهُ حَسَنَاتٍ، وَلَوْ أَنَّهَا قَطَعَتْ طِيَلَهَا، فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ كَانَتْ أَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَهُ، وَلَوْ أَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهَرٍ فَشَرِبَتْ وَلَمْ يُرِدْ أَنْ يَسْقِيَهَا كَانَ ذَلِكَ لَهُ حَسَنَاتٍ وَرَجُلٌ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَسِتْرًا وَتَعَفُّفًا لَمْ يَنْسَ حَقَّ اللَّهِ فِي رِقَابِهَا وَظُهُورِهَا، فَهِيَ لَهُ كَذَلِكَ سِتْرٌ .وَرَجُلٌ رَبَطَهَا فَخْرًا وَرِيَاءً، وَنِوَاءً لِأَهْلِ الإِسْلَامِ فَهِيَ وِزْرٌ وَسُئِلَ النَّبِيُّﷺ عَنِ الْحُمُرِ فَقَالَ مَا أُنْزِلَ عَلَيَّ فِيهَا إِلَّا هَذِهِ الآيَةُ الْجَامِعَةُ الْفَاذَّةُ (فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ *وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ)

أطرافه 2371، 2860، 4962، 4963، 7356 (جلد سوم ص: ۱۷۵ میں مترجم ہے)

اس پر بھی کتاب الجہاد میں مفصل بحث ہو چکی ہے، ابن حجر لکھتے ہیں ان احادیث کی اس باب کے ساتھ مطابقت میرے لئے ظاہر نہیں الا یہ کہ اسے بھی آپ کی منجملہ پیشین گوئیوں میں شمار کیا جائے تو آپ کی خبر کے مطابق وقوع ہوا۔ علامہ انور حدیث کے الفاظ: (ورجل ربطها تغنیا) کی بابت رقم طراز ہیں کہ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ تغنی بمعنی استغناء بھی مستعمل ہے آنجناب کے فرمان: (من لم یتغن بالقرآن) سے یہی مراد ہے أي (من لم یستغنِ به)۔ (یعنی جو قرآن کے ساتھ مستغنی نہ ہوا، جیسے حضرت لبید نے اسلام لانے کے بعد شعر و شاعری ترک کر دی تھی اور کہا تھا کہ اللہ نے قرآن دیکر مجھے اس سے مستغنی کر دیا ہے جبکہ اکثر لوگ: من لم یتغنَّ بالقرآن، کا معنی یہ کرتے ہیں کہ جس نے قرآن کو اچھی آواز کے ساتھ نہ پڑھا، گویا وہ اسے غناء سے ماخوذ سمجھتے ہیں) کہتے ہیں اسکی ایک شرح اور بھی ہے جسے اس کی جگہ ذکر کرونگا (قال أبو عبدالله۔ دعا فرفع یدیه) کے تحت رقم طراز ہیں مجھے ڈر ہے کہ یہ جملہ محفوظ نہیں، یہ عبارت صرف اسی نسخہ میں ہے کسی شارح نے بھی اسے متناول نہیں کیا، اس سے خیبر کے موقع پر عند التکبیر رفع یدین ثابت ہے۔

3647حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍؓ يَقُولُ صَبَّحَ رَسُولُ اللَّهِﷺ خَيْبَرَ بُكْرَةً وَقَدْ خَرَجُوا بِالْمَسَاحِي فَلَمَّا رَأَوْهُ قَالُوا مُحَمَّدٌ

وَالْخَمِيسُ وَأَحَالُوا إِلَى الْحِصْنِ يَسْعَوْنَ فَرَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَيْهِ وَقَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ. أطرافه 371، 610، 947، 2228، 2235، 2889، 2893، 2943، 2944، 2945، 2991، 3085، 3086، 3367، 4083، 4084، 4197، 4198، 4199، 4200، 4201، 4211، 4212، 4213، 5085، 5159، 5169، 5387، 5425، 5528، 5968، 6185، 6363، 6369، 7333۔ (جلد چہارم کتاب الجهاد میں مترجم ہے)

ابن مدینی ابن عیینہ سے راوی ہیں، محمد سے مراد ابن سیرین ہیں، المغازی میں اس کی شرح آئیگی، باب کے ساتھ اس کی مطابقت یہ ہے کہ آنجناب کے قول: (خربت خیبر) کو پیشین گوئی قرار دے رہے ہیں (یعنی پھر ایسے ہی ہوا)۔

3648 حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الْفُدَيْكِ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي سَمِعْتُ مِنْكَ كَثِيرًا فَأَنْسَاهُ. قَالَ ابْسُطْ رِدَاءَكَ

ابو ہریرہ کہتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ میں آپ سے بہت ساری احادیث سنتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں، فرمایا اپنی چادر بچھاؤ، میں نے بچھائی تو آپ نے دونوں ہاتھوں سے لپ بھر کر اس میں ڈالا اور فرمایا اسے اپنے ساتھ لگا لو، میں نے لگا لیا تو اس کے بعد ایک حدیث بھی نہیں بھولا ہوں۔

کتاب العلم میں اس کی شرح گزر چکی ہے۔

خاتمہ

مناقب نبویۃ کے یہ ابواب اول کتاب المناقب سے یہاں تک (199) مرفوع احادیث پر مشتمل ہیں، ان میں سے (17) معلق ہیں، مکررات۔ شروع سے یہاں تک۔ کی تعداد (78) ہے، سوائے (28) کے باقی متفق علیہ ہیں، سات آثارِ صحابہ وغیرہم بھی ان میں منقول ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

62-فضائل أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم

1 باب فَضَائِلِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ (فضائلِ صحابہ)

وَمَنْ صَحِبَ النَّبِيَّ ﷺ أَوْ رَآهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَهُوَ مِنْ أَصْحَابِهِ

یعنی اجمالی طور پر تمام صحابہ کرام اصحابِ فضائل و مناقب ہیں پھر تفصیلاً ان میں سے متعدد کی فضیلت و منقبت پر ابواب قائم کئے ہیں۔ (و من صحب الخ) یعنی صحابی کہلانے کا ہر وہ شخص حقدار ہے جو آپ کے پاس اتنی مدت رہا جس پر کم از کم لغۃً صحبت کا اطلاق ہوتا ہے اگر چہ عرف میں اس کا استعمال متصف ببعض الملازمۃ کے ساتھ خاص ہے (یعنی جو کچھ عرصہ کسی کے ساتھ جڑا رہے)۔ اصطلاحِ دین میں ایسا فردِ مؤمن بھی صحابی ہے جس نے آنجناب کو دیکھا خواہ دور ہی سے، اس بارے بخاری کا یہ ذکر کردہ موقف ہی راجح ہے البتہ رائی (یعنی دیکھنے والے) میں کیا یہ شرط لگائی جائے کہ وہ اس حیثیت کا ہو کہ جو دیکھ رہا ہے اسے اچھی طرح سمجھ بھی رہا ہے؟ یا مجرد حصولِ رؤیت ہی کافی ہے؟ تو یہ محلِ بحث ہے، جن اہلِ علم نے صحابہ کرام کے بارہ میں تالیف و تصنیف کی ہے ان کا عمل دوسری بات کے معمول بہ ہونے پر دال ہے، مثلاً انہوں نے محمد بن ابو بکر صدیق کو بھی صحابی قرار دیا ہے جو وفات نبوی سے تین ماہ اور کچھ دن قبل پیدا ہوئے؟ جیسا کہ صحیح کی روایت ہے کہ انہیں ان کی والدہ اسماء بنت عمیس نے حجۃ الوداع کے سفر میں مکہ میں داخل ہونے سے قبل جنا یعنی سن دس ہجری کے اواخر ماہ ذی القعدہ میں، مگر اس کے باوجود ایسے حضرات کی روایات مراسیل قرار دی گئی ہیں، اس بارے میں جمہور اور ابو اسحاق اسفرائنی کے اور ان کے موافقین کے مابین اختلاف جو مطلقاً مراسیل حتی کہ مراسیلِ صحابہ کو بھی رد کرتے ہیں، ان کی روایات کی بابت جاری نہیں ہوتا کیونکہ ان کی احادیث نہ مراسیلِ کبار تابعین اور نہ مراسیلِ صحابہ کی قبیل سے ہیں، جنکا آنجناب سے (دوسری روایات کے ضمن میں) سماع ثابت ہے۔ بعض نے سخت موقف اختیار کرتے ہوئے صرف انہی کو صحابہ قرار دیا ہے جنہیں عرفی صحبت نصیب ہوئی جیسا کہ عاصم احول سے منقول ہے کہ عبداللہ بن سرجس نے آنجناب کو دیکھا ضرور مگر صحابی نہیں ہیں، اسے احمد نے نقل کیا حالانکہ انہی عاصم نے عبداللہ بن سرجس سے متعدد احادیث روایت کی ہیں جو مسلم اور اصحابِ سنن نے نقل کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے (عبداللہ بن سرجس کہتے ہیں) کہ رسول اکرم نے ان کیلئے استغفار کی تو یہ عاصم کی خاص رائے ہے، سعید بن میسّب کا قول ہے صحابی وہ ہے جس نے آنجناب کے ساتھ کم از کم ایک برس گزارا یا کم از کم ایک غزوہ میں شرکت کی لیکن عمل ان کے قول کے بر خلاف ہے کیونکہ ان حضرات کو بھی صحابہ قرار دیا جاتا ہے جنھوں نے صرف حجۃ الوداع کے موقع پر رسولِ خدا کی زیارت کی اور آپ کے ساتھ مناسکِ حج ادا کئے۔

حضرت انس سے بھی اسی طرح کی رائے نقل کی جاتی ہے، ان سے پوچھا گیا کیا اب آپ کے سوا کوئی اور صحابی موجود ہے؟ کہا نہیں حالانکہ اس وقت اعراب کی ایک کثیر تعداد ایسی موجود تھی جنھوں نے آنجناب کی زیارت اور آپ سے ملاقات کی ہوئی تھی، بعض نے صحابی ہونے کیلئے یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ بالغ ہونے کی حالت میں آنجناب سے ملا ہو، یہ قول مردود ہے کیونکہ اسکا مطلب ہے

حضرت حسن جیسے اَحداث (یعنی جو عہد نبوی میں نابالغان تھے) صحابہ نہیں (مثلا ابن زبیر جو تقریبا دس برس کے تھے اور شائد ابن عباس بھی جو تقریبا بارہ برس کے تھے، ممکن ہے بالغ نہ ہوئے ہوں)۔ بخاری نے جس پر جزم کیا ہے وہ امام احمد اور جمہور محدثین کا قول ہے۔ ترجمہ میں (من المسلمین) کی قید سے کفار خارج ہوئے۔ ایسا فرد جو آنجناب کے عہد میں موجود تو تھا (اور آپ کو دیکھا بھی) مگر اسلام کی توفیق وفات نبوی کے بعد ملی، آیا وہ بھی خارج ہے؟ تو اگر تو (من المسلمین) حال ہے تب وہ بھی اس سے خارج ہے، یہی رائے معتمد ہے، اسی طرح وہ شخص جو آپ کی حیات میں ایمان لایا، صحبت اختیار کی مگر بعد ازاں مرتد ہو گیا اور موت تک مرتد ہی رہا وہ بھی بالاتفاق صحابی نہیں لہٰذا مناسب ہے کہ (و مات علی ذلك) کی عبارت بھی صحابی کی تعریف میں شامل ہو۔ مسند احمد میں ربیعہ بن امیہ بن خلف جمحی کی حدیث مخرَّج ہے جو فتحِ مکہ کے موقع پر ایمان لائے آنجناب کے ساتھ حج الوداع میں شرکت کی، آنجناب کی وفات کے بعد آپ سے حدیث بھی بیان کی لیکن عہدِ عمری میں کسی وجہ سے ناراض ہو کر روم جا کر عیسائی بن گئے، اس قسم کے شخص کی حدیث تخریج کرنا باعثِ اشکال ہے، شائد ان سے اخراجِ احادیث کرنے والے ان کے قصہِ ارتداد سے واقف نہ ہو سکے، اگر کوئی مرتد ہوا اور دوبارہ راہِ اسلام پر آ گیا مگر پھر آنجناب کو دیکھنا نصیب نہ ہوا، تو ایسے حضرات صحابہ ہی قرار دیے گئے ہیں، یہی صحیح رائے ہے کیونکہ محدثین نے اشعث بن قیس اور ان جیسے حضرات کو صحابہ ہی میں شمار کیا اور ان کی احادیث اپنی کتب میں تخریج کی ہیں۔

کیا یہ ساری خصوصیات وشرائط بنی آدم کے ساتھ مختص ہیں یا غیرِ بشر عقلاء کا بھی اس میں شمول ہے؟ یہ محلِ بحث ہے، جنوں کی بابت راجح رائے یہ ہے کہ صحابی ہو سکتے ہیں کیونکہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ آنجناب ان کی طرف بھی مبعوث ہیں اور وہ مکلّف بھی ہیں ان میں نافرمان جن بھی ہوتے ہیں اور اطاعت گزار بھی پس ان میں سے اگر کسی کا نام معلوم ہو جائے تو بلا تردُّد اسے صحابی لکھا جائے، جہاں تک فرشتوں کا تعلق ہے تو ان کا صحابہ ہونا اس امر پر متوقف ہے کہ آیا نبی اکرم ان کی طرف بھی مبعوث ہیں؟ (مگر وہ تو مکلّف ہی نہیں)، اس بابت اصولیوں کے مابین اختلاف ہے بعض نے ان کی طرف بھی بعثت کے ثبوت پر اجماع نقل کیا ہے بعض نے اس کا عکس دعوی کیا۔ یہ سب تب اگر کسی نے آنجنابؐ کو بقیدِ حیاتِ دنیوی دیکھا ہو، جس نے وفات کے بعد اور دفن کئے جانے سے قبل آپ کو دیکھا تو راجح یہ ہے کہ وہ صحابی نہیں وگرنہ تو ان اولیاء کو بھی صحابی کہا جائے جنہوں نے بذریعہ کشف آنجناب کی بطورِ کرامت زیارت کی، اسی طرح عالَمِ خواب میں آنجناب کی زیارت کرنے والا بھی صحابی نہ کہلائے گا، اگر خواب میں آنجناب اسے کوئی حکم دیں تو اس پر عمل پیرا ہونا لازم نہ ہوگا (یہ محلِ نظر ہے)۔ ابن حجر کہتے ہیں بخاری کی صحابی کی تعریف کے ضمن میں یہ کلام ان کے شیخ ابن مدینی سے بھی منقول ہے، مستخرَج ابن مندہ میں ان کی سند سے احمد بن سیار الحافظ منذری سے منقول ہے کہ احمد بن عتیک سے سنا علی ابن مدینی کا یہ قول بیان کرتے ہیں کہ جو آنجنابؐ کے ساتھ رہا یا آپ کو دیکھا خواہ دن کی ایک گھڑی کیلئے ہی، وہ صحابی ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں علوم الحدیث کے بارہ میں اپنی کتاب میں اس مسئلہ پر مبسوط بحث کی ہے یہاں ضروری نقاط قلمبند کر دیے ہیں۔

3649 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ ؓ يَقُولُ حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُو فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ، فَيَقُولُونَ فِيكُمْ مَنْ صَاحَبَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَيَقُولُونَ نَعَمْ. فَيُفْتَحُ لَهُمْ. ثُمَّ يَأْتِي

عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُو فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ، فَيُقَالُ هَلْ فِيكُمْ مَنْ صَاحَبَ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَيَقُولُونَ نَعَمْ .فَيُفْتَحُ لَهُمْ، ثُمَّ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُو فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ، فَيُقَالُ هَلْ فِيكُمْ مَنْ صَاحَبَ مَنْ صَاحَبَ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيُفْتَحُ لَهُمْ .

طرفاه 2897، 3594۔ (جلد چہارم کتاب الجہاد میں ترجمہ موجود ہے)

سفیان بن عیینہ عمرو بن دینار سے راوی ہیں۔ (فئام) ہمزہ کے ساتھ، ترکِ ہمزہ بھی محکی ہے بمعنی جماعت، کتاب الجہاد میں مشروح ہو چکی ہے اس سے ان حضرات کا بھی رد ہوا جو متاخر زمانوں میں وجودِ صحبت کے قائل ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایک زمانہ آئیگا، لوگ استفسار کریں گے کیا تم میں کوئی صحابی موجود ہیں؟ تو نفی میں جواب ملے گا پھر اس کے بعد تابعین اور اتباعِ تابعین کے ضمن میں یہی سوال و جواب ہوگا تو یہ سب ماضی میں ہوگا، اب اس زمانہ میں (ابن حجر کا زمانہ) ممالکِ کفار کی طرف بعوث نہیں بھیجے جاتے بلکہ اب تو حال منعکس ہو چکا ہے (کہ مسلمان سمٹ رہے ہیں) خصوصا بلادِ اندلس میں (تقریبا اسی دور میں سقوطِ اندلس ہوا تھا)۔

محدثین کے نزدیک آخری صحابی جو فوت ہوئے ہیں وہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ لیثی ہیں جیسا کہ مسلم نے اپنی صحیح میں اسے جزم کے ساتھ بیان کیا ہے، کہا گیا ہے ان کی وفات ۱۰۰ھ میں ہوئی، ایک قول ۱۰۷، ایک قول ۱۱۰ھ کا بھی ہے، یہ آنجناب کے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل کہے گئے اس فرمان کے عین مطابق ہے کہ آج سے سو برس کے اندر سطحِ زمین پہ کوئی نہ ہوگا، جو آج ہے (اسکی بحث گزر چکی)۔ مسلم کی ابوزبیر عن جابر سے روایت میں صحابہ، تابعین اور اتباعِ تابعین کے بعد ایک چوتھے طبقہ بھی ذکر ہے، اس میں (ثم یبعث البعث الثانی) پھر ثالث کے بعد مذکور ہے (ثم يكون البعث الرابع)، یہ شاذ روایت ہے، اکثر روایات میں تین بعوث کا ہی ذکر ہے، اگلی روایت کی بحث میں اسکی مزید وضاحت آئیگی۔ ابن ابی شیبہ کی اسناد حسن کے ساتھ حضرت واثلہ سے ایک مرفوع روایت میں بھی یہی مفہوم مذکور ہے اس میں ہے: (لا تزالُونَ بِخيرٍ مادامَ فِيكُمْ مَن رآنِي و صاحَبَنِي والله لا تزالون بخير مادام فيكم مَنْ رآىٰ مَنْ رَآني و صاحبني) کہ ہمیشہ خیر تمہاری ھمرکاب رہے گی جب تک تم میں ایسے اشخاص ہوں گے جنہوں نے مجھے دیکھا اور میرے صحابی بنے ادر واللہ تب بھی خیر کے ساتھ رہو گے جب تک میرے صحابہ کو دیکھنے اور ان کے ساتھ رہنے والے اشخاص تم میں موجود ہوں گے۔

3650حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا النَّضْرُ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ سَمِعْتُ زَهْدَمَ بْنَ مُضَرِّبٍ سَمِعْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ ؓ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ .قَالَ عِمْرَانُ فَلاَ أَدْرِي أَذَكَرَ بَعْدَ قَرْنِهِ قَرْنَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا ثُمَّ إِنَّ بَعْدَكُمْ قَوْمًا يَشْهَدُونَ وَلاَ يُسْتَشْهَدُونَ، وَيَخُونُونَ وَلاَ يُؤْتَمَنُونَ وَيَنْذُرُونَ وَلاَ يَفُونَ وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ۔ أطرافه 2651، 6428، 6695۔ (جلد چہارم کتاب الشہادات میں ترجمہ موجود ہے)

شیخِ بخاری اسحاق بن راھویہ ہیں، ابن سکن اور مستخرج میں ابونعیم نے قطعیت کے ساتھ یہی لکھا ہے، نضر سے ابن شمیل مراد ہیں، ابوجمرہ جو ابن عباس کے مصاحِب تھے، اپنے طبقہ کے تابعی سے راوی ہیں۔ (خير أمتي قرني) یعنی میرے اھل قرن، ہم زمانہ

اور متقارب الزمان لوگوں کو قرن کہتے ہیں جو امورِ مقصودہ میں سے کسی امر میں مشترک رہے ہوں، کہا جاتا ہے یہ ان افراد کے ساتھ مخصوص ہے جو کسی نبی کے زمانہ میں مجتمع ہوں یا کسی رئیس نے ایک ملت، مذھب یا عمل پر جمع کر رکھا ہو، زمانہ کی ایک مقررہ مدت (سو برس) کو بھی قرن کہتے ہیں، حدیث میں مذکور (قرنی) کی تحدید میں متعدد آراء ہیں، سن ۱۰ ہجری سے ۱۲۰ھ کے مابین کی مدت کے متعدد اقوال ہیں، البتہ بقول ابن حجر سن ستر اور ایک سو دس کی کسی نے تصریح نہیں کی، جوھری نے تیس سے اسی کہا، مسلم کی عبد اللہ بن بسر سے روایت میں مذکور ہے کہ اس سے مراد پہلی صدی ہے (یعنی سن ایک تا سو ہجری)، یہی مشہور ہے، صاحب المطالع لکھتے ہیں قرن ایک نسل کے افراد جو سب کے سب ختم ہو چکے ہوں، کو کہتے ہیں، صاحب المحکم نے دس سے ستر لکھا ہے، کہتے ہیں یہی انسان کی اوسط عمر ہے، یہ اعدل الاقوال ہے۔ ابن العربی نے بھی اس کی تصریح کی ہے، لکھتے ہیں کہ یہ اقران (یعنی ہم عصر) سے ماخوذ ہے حدیث میں موجود (قرنی) سے مراد صحابہ کرام ہیں، صفۃ النبی میں آنجناب کا فرمان گزرا کہ مجھے خیر القرون بنی آدم میں مبعوث کیا گیا، مسند احمد کی حدیثِ بریدہ میں ہے کہ اس امت کا بہترین قرن وہ ہے جس میں مَیں مبعوث کیا گیا۔ آپکی بعثت اور آخری صحابی یعنی ابو الطفیل کے سالِ وفات کے مابین کم وبیش ایک سو بیس برس حائل ہیں، کیونکہ۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔ ان کے سالِ وفات میں اختلاف ہے اگر اس کا حساب آپکی وفات سے کیا جائے تو یہ سو، نوے یا ستانوے سال بنتے ہیں۔

جہاں تک قرنِ تابعین کا تعلق ہے تو اگر ۱۱۰ھ سے شروع کیا جائے تو کل ستر یا اسی برس بنتے ہیں، اس کے بعد والی قرن کے تقریبا پچاس برس بنتے ہیں، اس سے ظاہر ہوا کہ مدتِ قرن اھلِ زمانہ کی عمروں کی کمی وبیشی کے سبب متفاوت ہو سکتی ہے۔ اس امر پر اتفاق ہے کہ آخری تبع تابعی ۲۲۰ھ تک جئے، اسی زمانہ تک کے لوگوں کا قول قابلِ قبول ہے بعد ازاں بدعات پھیل گئیں، معتزلہ نے اپنی زبانیں کھول لیں فلاسفہ نے اپنے سر اٹھائے اور اھلِ علم کی فتنۂ خلقِ قرآن کے ساتھ آزمائش کا دور شروع ہوا اور حالات میں سخت تغیر پیدا ہو گیا پھر معاملات اب تک رو بہ تنزّل ہی ہیں، آنجناب کا فرمان: (ثم یفشو الکذب) کہ پھر جھوٹ پھیل جائیگا، بیّن طریقہ سے ظاہر وباھر ہے حتی اقوال، افعال اور معتقدات سب کذب کی لپیٹ میں ہیں۔

(ثم الذین یلونہم) یعنی دوسری قرن، عہدِ تابعین مراد ہے۔ (ثم الذین یلونہم) یعنی اتباعِ تابعین۔ اس حدیث کا مقتضی ہے کہ صحابہ، تابعین اور وہ تبع تابعین سے افضل ہوں، لیکن کیا یہ افضلیت من حیث المجموع ہے یا من حیث الافراد؟ یہ محلِ بحث ہے، جمہور کی رائے میں من حیث الافراد ہے (یعنی ہر صحابی ہر تابعی سے اور ہر تابعی ہر تبع تابعی سے افضل ہے)۔ ابن عبد البر کی رائے اس کے معاکس ہے۔ بظاہر ایسا فرد جس نے آنجناب کے ہمراہ یا آپ کے حکم سے جہادی مہموں میں شرکت کی یا اس غرض کیلئے اپنا مال خرچ کیا وہ جو کوئی بھی ہو، بعد کا کوئی فرد فضیلت مین اس کا ہمسر نہیں ہو سکتا لیکن جو صحابہ ان مذکورہ صفات کے حامل نہیں، ان کا معاملہ محلِ بحث ہے، اس بارہ میں اصل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: (لا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً الخ) [الحدید: ۱۰]۔ ترجمہ: تم میں سے جس نے فتحِ مکہ سے قبل راہِ خدا اپنا مال خرچ کیا اور جہاد کیا یہ ان لوگوں کی نسبت جنہوں نے یہ کام فتحِ مکہ کے بعد کیا، اعظم درجہ ومقام رکھتے ہیں، دونوں مساوی نہیں۔ جبکہ ابن عبد البر نے حدیث: (مثل أمتی مثل المطر لا یدری أَكُلُّه خیرٌ أمْ آخره) سے احتجاج کیا ہے، یعنی میری امت کی مثال بارش کی سی ہے جس کی بابت پتہ نہیں چلتا کہ اس کا اول بہتر ثابت ہوگا یا آخر؟ یہ حسن درجہ کی حدیث ہے مگر اس کے متعدد ایسے طرق ہیں جن سے درجۂ صحت تک مرتقی ہو سکتی

ہے، نووی نے غرابت کا مظاہرہ کیا جب اسے مسندِ ابویعلی میں منقول کہا اور یہ کہ اس کی سند ضعیف ہے، حالانکہ اسے ترمذی نے حضرت انس سے بسند اقویٰ من الضعیف نقل کیا ہے، ابن حبان نے حضرت عمار سے مروی اس حدیث کو صحیح کہا ہے، نووی نے اس کی یہ توجیہہ کی ہے کہ مراد ایسے لوگ ہیں جن پر اشتباہِ حال ہوگا ان اھل زمان میں سے جو سیدنا عیسیٰؑ کا زمانہ پائیں گے اور ان کے عہد میں موجود خیر و برکت، کلمہِ اسلام کا بول بالا اور کلمہِ کفر کا دحض مشاھدہ کریں گے تو اس بارہ میں متذبذب ہوں گے کہ اس زاویہ سے یہ زمانہ بہتر ہے یا قرنِ اول کا زمانہ، مگر ان کا یہ اشتباہ و تذبذب اس فرمان نبوی سے مندفع ہے: (خير القرون قرني)۔

ابن ابی شیبہ نے عبد الرحمٰن بن جبیر بن نضیر تابعی سے بسند حسن نقل کیا ہے کہ آنجناب نے فرمایا: (لَيُدرِكن المسيحُ أقواما إنهم لَمِثلُكم أو خير، ثلاثاً و لَنْ يُخزِيَ اللّٰهُ أمةً أنا أولها والمسيح آخرها) کہ حضرت عیسی مسیح کے زمانہ میں ایسے لوگ ان کے ہمراہ ہوں گے جو شائد تمہارے جیسے یا تم سے بھی بہتر ہوں گے اور اللہ ایسی امت کو ہرگز رسوا نہ کریگا کہ اس کا اول میں اور اس کا آخر مسیح ہیں۔ ابو داؤد اور ترمذی نے ابو ثعلبہ سے مرفوع روایت کیا ہے کہ کچھ ایسے ایام آئیں گے کہ ان میں عامل کو اس کے عمل کا پچاس گنا ثواب ملے گا، کہا گیا یا رسول اللہ ان میں سے یا ہم میں سے؟ (یعنی ہمارے اعمال کی نسبت پچاس گنا زیادہ یا انہی کے دیگر ایام کے اعمال کی نسبت) فرمایا: (بل منكم)، یہ سابق الذکر حدیث: (مثل أمتي مثل المطر) کا شاہد ہے۔ ابن عبد البر نے حضرت عمر کی مرفوع حدیث: (أفضل الخلق إيمانا قومٌ في أصلاب الرجال يؤ منو ن بِي ولَمْ يَرَوْني) کہ ایمان کے لحاظ سے افضلِ خَلق وہ ہیں جو ابھی اپنے آباء کے صلب میں ہیں، جو مجھ پر ایمان لائیں گے مگر مجھے دیکھا نہیں، سے بھی استدلالِ مذکور قائم کیا ہے، اسے طیالسی وغیرہ نے تخریج کیا مگر اس کی سند ضعیف ہے لہٰذا قابلِ حجت نہیں۔ احمد، دارمی اور طبرانی نے ابو جمعہ سے نقل کیا، کہتے ہیں ابو عبیدہ نے آنجناب سے پوچھا کیا کوئی ہم سے بہتر ہے؟ ہم آپ پر ایمان لائے، آپکے ساتھ ہو کر جہاد کیا، فرمایا: (قومٌ يكونون مِن بعد كم يؤمنون بي ولم يروني) اس کی اسناد حسن اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اس امر سے بھی احتجاج کیا ہے کہ قرنِ اول کو خیر القرون اسلئے قرار دیا کہ اس قرن کے اہل ایمان غرباء فی اِیمانھم تھے، جبکہ کفار کی کثرت تھی لہٰذا ان کے صبر اور کفار کی ایذاء رسانی پر صبر کرنے کی اور دین مین استقامت کا مظاہرہ کرنے کے سبب خیر القرون کہا تو اسی طرح ان کے اواخر بھی ہوں گے جو اگر استقامت و صبر سے دین پر جمے رہینگے بالخصوص فتنوں اور مَعاصی کا جب دور دورہ ہوگا تو تب وہ بھی غرباء ہی ہوں گے (یعنی فضیلت میں خیر القرون کے غرباء ہی کی طرح ہوں گے)۔ مسلم کی حدیثِ ابی ہریرہ اس کی شاھد ہے جن میں آنجناب کا یہ فرمان مروی ہے: (بدأ الإسلام غريبا و سيعود غريبا كما بدأ فطُوبىٰ لِلْغُرَباء) کہ اسلام کا حالتِ غربت میں آغاز ہوا، ایک زمانہ آیگا پھر اسی طرح غریب ہو جائے گا جیسے اس کی ابتداء ہوئی، پس غرباء کیلئے طوبیٰ ہو۔ ابن عبد البر کی اس کلام کا یہ کہہ کر تعاقب کیا گیا ہے کہ اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ دورِ صحابہ کے بعد بعض ایسے افراد ہو سکتے ہیں جو بعض صحابہ سے افضل ہوں، قرطبی نے اس کی تصریح کی ہے لیکن کلامِ ابن عبد البر تمام صحابہ کی نسبت سے مطلقاً نہیں، انہوں نے اھلِ بدر و حدیبیہ کا استثناء کیا ہے مگر جمہور کا اس ضمن میں موقف یہ ہے کہ آنجناب کی رؤیت اور شرفِ صحبت کے مساوی کوئی عمل نہیں اور بالخصوص وہ صحابہ جو سابقون الی الاسلام ہیں، آپ کا دفاع کرتے رہے، دین کی حفاظت کا کام سر انجام دیا اور آپکی وفات کے بعد تبلیغِ دین اور تعلیمِ شریعت کا فریضہ سنبھالا، ان کے برابر بعد کا کوئی فرد نہیں ہو سکتا کیونکہ بعد والے نیک لوگوں کی کوئی ایسی فضیلت اور کوئی ایسا عمل نہیں جو صحابہ کرام میں نہ

ہومگران سب پر مستزاد انکا صحابی ہونا، تو کوئی کیسے افضل ہوسکتا ہے؟ دراصل یہ موازنہ ان صحابہ کی نسبت ہے جنہوں نے ایک آدھ بار آنجناب کی زیارت کی تو یہ۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔ محلِ بحث ہوسکتا ہے۔ حدیث: (لِلعامل منهم أجرُ خمسين مِنكم) غیر صحابہ کے صحابہ پر افضل ہونے کی دلیل نہیں، کیونکہ مجرد زیادتِ اجر افضلیتِ مطلقہ کے ثبوت کو مستلزم نہیں، پھر یہ تفاضُل ان اعمال کا ہے جس کی مثل دونوں طرف سے صادر ہوئی، صحابہ کے آنجناب کی رؤیت ومشاہدہ کا تو کوئی بدل ہی نہیں، تو اس طریق سے سابق الذکر احادیث کی تطبیق ممکن ہے۔ جہاں تک ابو جمعہ کی مشارالیہ روایت ہے تو رواۃ اس کے سیاق پر متفق نہیں، بعض نے بلفظ الخیریہ نقل کیا، بعض نے یہ الفاظ روایت کئے: (قلنا يا رسول الله هل من قوم أعظم منا أجرا؟) اسے طبرانی نے نقل کیا اور اس کی سند سابقہ کی سند سے اقوی ہے پھر یہ حدیثِ ابوثعلبہ کے بھی موافق ہے جسکا جواب دیا جاچکا ہے۔

(فلا أدری أ ذَكر الخ) اس قسم کا شک مسلم کی ابن مسعود وابو ہریرہ اور احمد کی بریدہ کی حدیث میں بھی ہے، اکثر طرق میں بلاشک ہے، ان میں احمد کی نعمان بن بشیر اور مسلم کی حضرت عائشہ سے روایات ہیں، اسی طرح طبرانی کی سعد بن تمیم سے اور طیالسی کی حضرت عمر سے روایت میں۔ ابن ابوشیبہ اور طبرانی کی حدیثِ جعدہ بن ہبیرہ میں قرنِ رابع کا بھی اثبات ہے، اس کے رجال ثقات ہیں مگر جعدہ کا صحابی ہونا مختلَف فیہ مسئلہ ہے۔

(ثم إن بعد هم قوما) اکثر کے ہاں یہی ہے بعض نے (قومٌ) نقل کیا، تو محتمل ہے کہ یہ کاتب کا ان کے طریقہ کی کتابت پر ہو جو منصوب لفظ کو الف کے ساتھ نہیں لکھتے (پڑھتے منصوب ہی ہیں)، یہ بھی محتمل ہے کہ (إن) تقریریہ بمعنی نعم ہو، مگر یہ توجیہہ بعید و پر تکلف ہے۔ اس حدیث سے پہلے تینوں قرون کی تعدیل پر بھی استدلال کیا گیا ہے اگرچہ ان کے مراتب ومنازل فضیلت میں متفاوِت ہیں، یہ غالب واکثریت پر محمول ہے، صحابہ کے بعد والے لوگوں میں بھی صفاتِ مذمومہ موجود تھیں مگر قلیل (یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ یہ خیریت وتفاضل نسبی ہے، یعنی یہ اس امر کو مستلزم نہیں کہ ان تین ادوار میں سبھی لوگ نیک وبہتر ہیں البتہ بہتر لوگ بعد کے ادوار کی نسبت زیادہ ہیں یا ان تین ادوار کے بہتر لوگ بعد والے ادوار کے بہتر لوگوں سے افضل ہیں)۔ اس سے صحابہ کرام کے مابین اِجرائے مفاضلت پر بھی استدلال کیا گیا ہے، یہ مازری نے کیا ہے۔ اس کی باقی شرح کتاب الشہادات میں گزر چکی ہے۔

3651 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ وَكَانُوا يَضْرِبُونَا عَلَى الشَّهَادَةِ وَالْعَهْدِ وَنَحْنُ صِغَارٌ

أطرافه 2652، 6429، 6658۔ (دیکھئے جلد چہارم کتاب الشہادات)

سند میں سفیان ثوری ہیں، سابقہ روایت کے ہم معنی روایتِ ابن مسعود، اسی سند ومتن کے ساتھ کتاب الشہادات میں گزر چکی ہے، شہادات سے متعلقہ حصہ وہاں زیر بحث آچکا ہے۔

2 باب مَنَاقِبِ الْمُهَاجِرِينَ وَفَضْلِهِمْ (مہاجرین کے فضائل ومناقب)

مِنْهُمْ أَبُو بَكْرٍ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي قُحَافَةَ التَّيْمِيُّ ؓ وَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ) وَقَالَ (إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ) إِلَى قَوْلِهِ (إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا) .قَالَتْ عَائِشَةُ وَأَبُو سَعِيدٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ ؓ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْغَارِ.

ان میں ابوبکر عبداللہ بن ابوقحافہ تیمی ؓ بھی ہیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے: (ترجمہ) ان فقراء مہاجرین کا بھی حق ہے جن سے ان کے اموال و دیار چھین لئے گئے وہ اللہ کے فضل اور رضوان کی تلاش میں ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کے مددگار ہیں یہی لوگ سچے ہیں۔ دوسری آیت میں فرمایا: (ترجمہ) اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے تو اللہ کی مدد ان کے شاملِ حال رہی ہے۔ (إن الله معنا) تک۔ حضرت عائشہ، ابوسعید اور ابن عباس کہتے ہیں کہ غار میں حضرت ابوبکر آپ کے ہمراہ تھے (یعنی جس بابت آیتِ مذکورہ اشارہ کر رہی ہے)۔

مہاجرین سے مراد انصار کے سوا باقی سب ہیں، وہ بھی جو فتح مکہ کے روز اسلام لائے یا اس کے بعد، تو اس لحاظ سے ان صحابہ کرام کی تین اصناف تھیں، انصار سے مراد اوس وخزرج اور ان کے حلفاء ومَوالی ہیں۔ (منهم أبو بكر الخ) جزم کیساتھ حضرت ابو بکر کا نام عبداللہ ذکر کیا، یہی مشہور ہے کہا جاتا ہے کہ اسلام سے قبل ان کا نام عبدالکعبۃ تھا، عتیق کے نام سے بھی پکارے جاتے تھے، اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ ان کا اصلی نام تھا یا اسوجہ سے لقب پڑا کہ ان کے نسب نامہ میں کوئی قابل عیب چیز نہ تھی یا اس وجہ سے کہ اسلام قبول کرنے میں سبقت کی، بعض نے یہ لقب پڑنے کی وجہ انکا حسن و جمال بتلایا ہے، بعض نے یہ بھی لکھا کہ ان کی والدہ کے ہاں کوئی بچہ زندہ نہ رہتا تھا جب یہ پیدا ہوئے تو انہیں اٹھا کر طوافِ کعبہ کیا اور بارگاہِ خداوندی میں عرضگزار ہوئیں کہ (اللهم هذا عتيقك من الموت)۔ ایک وجہ یہ ذکر کیگئی ہے کہ رسولِ اکرم نے انہیں جہنم سے نجات و آزادی کی بشارت دی تھی، یہ آخری وجہ ترمذی نے حضرت عائشہ سے نقل کی ہے، بزار کے ہاں ابن زبیر کے حوالے سے بھی منقول ہے، ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا اور لکھا کہ قبل ازیں انکا نام عبداللہ بن عثمان تھا، صدیق لقب اسلئے پڑا کہ آنجناب کی تصدیق میں سبقت ومبادَرت کی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صدیق کا لقب شبِ معراج کی صبح دیا گیا۔ طبرانی نے حضرت علی سے نقل کیا ہے کہ وہ حلف اٹھا کر یہ بات کہتے تھے کہ ابوبکر کا لقب صدیق آسمان سے نازل ہوا (یعنی اللہ تعالی نے اس لقب سے ملقّب کیا شائد ان کا اشارہ اس آیت کی طرف ہو: وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنىٰ) اس کے رجال ثقات ہیں۔

انکا نسب نامہ یہ ہے: عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب۔ آنجناب کے ساتھ مرۃ بن کعب میں شجرہ مل جاتا ہے، یہاں تک آنجناب اور حضرت ابوبکر کے آباء کی تعداد بھی یکساں ہے، والدہِ ابی بکر کا نام سلمہ اور کنیت ام الخیر تھی، بنتِ صخر بن مالک بن عامر بن عمرو مذکور، اسلام لائیں اور ہجرت کی، یہ بھی حضرت صدیق اکبر کے مناقب میں ہے کہ خود، والدین، اور تمام اولاد اسلام سے بہرہ ور ہوئی (ان کی چار نسلیں صحابہ میں شامل ہیں، ابن زبیر انکے نواسے تھے)۔

(وقول الله عز وجل: لِلْفُقَراءِ الخ) مصنف نے اس آیت کے ساتھ مہاجرین کی فضیلت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ ان کے اوصافِ جمیلہ اور اللہ کی گواہی کہ یہ سچے ہیں، پر مشتمل ہے۔ (وقال الله تعالى: إلا تَنْصُرُوْهُ الخ) اس سے فضیلتِ انصار کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے امرِ نصرت کا امتثال کرتے ہوئے آنجناب کی مدد ونصرت کی، آیت سے حضرت ابوبکر کی بھی اس طور فضیلت

ظاہر وثابت ہوتی ہے کہ اس سفرِ ہجرت میں (جسکا آیت میں ذکر ہوا) آنجناب کے ہمراہ تھے اور اللہ تعالی نے ان کیلئے صاحبِ نبی کا لفظ استعمال کیا ہے۔

(وقالت عائشة الخ) حضرت عائشہ کی اس بارے طویل حدیث باب (الهجرة إلى المدينة) میں آرہی ہے جبکہ ابوسعید کی روایت ابن حبان نے موصول کی ہے، اس کا مضمون حضرت ابوبکر کو (سن ۹ ھ میں) امیر الحج بنا کر بھیجا جانا ہے، آنجناب نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا تھا: (أنت أخي و صاحبي في الغار) یعنی آپ میرے بھائی اور یارِ غار ہو۔ ابن عباس کی روایت تفسیر سورۃ البراء ۃ میں قصہِ ابن عباس و ابن زبیر کے ضمن میں آئیگی، اس میں ہے کہ ابن عباس نے ان کی بابت کہا: (و أما جدُّه فصاحب الغار) یعنی ابوبکر، ابن عباس کی ایک اور روایت جو اس موضوع سے زیادہ متعلقہ ہے، احمد اور حاکم نے عمرو بن میمون عنہ کے طریق سے نقل کی ہے اس میں ہے کہ مشرک (شبِ ہجرت) حضرت علی (جو آنجناب کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے) کو رسول اللہ سمجھتے ہوئے نشانہِ ستم بنانے کی فکر میں تھے کہ اس دوران ابوبکر آئے اور ان سے آنجناب کی بابت دریافت کیا، انہوں نے بتلایا کہ آپ بئرِ میمون کی جانب گئے ہیں جلدی سے ان کے پیچھے جائیں، کہتے ہیں وہ گئے پھر دونوں نے غار میں پناہ لی، اصلِ حدیث کو ترمذی اور نسائی نے بھی تخریج کیا ہے۔ حاکم نے سعید بن جبیر عن ابن عباس کے حوالے سے آیت: (فأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَه عَلَيْهِ) کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ (علىٰ أبي بكر)۔ (یعنی علیہ کی ضمیر کا مرجع حضرت ابوبکر کو قرار دیا، یہ صدیق اکبر کی ایک اور فضیلت ومنقبت ہے)۔ عبداللہ بن امام احمد نے زیادات میں ایک اور طریق کے ساتھ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آنجناب نے فرمایا: (أبوبكر صاحبي و مُونِسِيْ في الغار) اس کے رجال ثقات ہیں۔

علامہ انور (و منهم أبوبكر الخ) کے تحت رقمطراز ہیں کہ حضرت ابوبکر کے پاس دو اونٹنیاں تھیں، ایک ان میں سے آنجناب نے خریدی ہوئی تھی جو حضرت ابوبکر کے ہاں چرتی تھی، انہی پر ھجرت کا سفر طے ہوا، لکھتے ہیں دخولِ مدینہ کی بابت اصحابِ سِیَر نے اختلاف کیا ہے، کہا جاتا ہے کہ آٹھویں دن داخل ہوئے، بعض نے لکھا بارہویں دن، یہی محمود شاہ فرنساوی کا تعیُّن ہے، میں اسے اقرب الی الصواب سمجھتا ہوں کیونکہ اہل سیر نے لوگوں سے سن سنا کر لکھا ہے جبکہ فرنساوی نے باقاعدہ حساب وکتاب لگا کر لکھا، آنجناب ابتداء قباء میں فروکش ہوئے یہیں اہل مدینہ آکر عرض کرتے تھے کہ ہمارے ہاں تشریف لے چلیں، یہاں آپ کا قیام چودہ روز تھا، یہاں جمعہ ادا نہیں فرمایا، بخاری کے حاشیہ میں چوبیس روز لکھا ہے وہ غلط ہے، بروز جمعہ قباء سے آگے چلے بنی سالم کے محلّہ میں جمعہ ادا فرمایا، پھر ابوایوب کے گھر داخل ہوئے، یہ گھر تبع نے تعمیر کیا تھا، اس کا قصہ یہ ہے کہ وہ اہل مدینہ سے جنگ کرنے آیا، یہاں پہنچنے پر اس کے ساتھ موجود بعض یہود نے بتلایا کہ یہ النبی الأمی کا دارِ ھجرت ہے تو جنگ سے اِعراض کیا اور آنجناب کیلئے ایک گھر تعمیر کیا، شائد یہی راز ہے جو آپکی اونٹنی یہاں آکر بیٹھ گئی تھی، آپ اسی گھر میں فروکش رہے حتی کہ مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہوئی تب صرف حضرت سودہ آپکے حرم میں تھیں۔

3652حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ اشْتَرَى أَبُو بَكْرٍ ؓ مِنْ عَازِبٍ رَحْلاً بِثَلاَثَةَ عَشَرَ دِرْهَمًا فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ لِعَازِبٍ مُرِ الْبَرَاءَ فَلْيَحْمِلْ إِلَيَّ رَحْلِي .فَقَالَ عَازِبٌ لاَ حَتَّى تُحَدِّثَنَا كَيْفَ صَنَعْتَ أَنْتَ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ حِينَ خَرَجْتُمَا

مِنْ مَكَّةَ وَالْمُشْرِكُونَ يَطْلُبُونَكُمْ قَالَ ارْتَحَلْنَا مِنْ مَكَّةَ، فَأَحْيَيْنَا أَوْ سَرَيْنَا لَيْلَتَنَا وَيَوْمَنَا حَتَّى أَظْهَرْنَا وَقَامَ قَائِمُ الظَّهِيرَةِ، فَرَمَيْتُ بِبَصَرِى هَلْ أَرَى مِنْ ظِلٍّ فَآوِىَ إِلَيْهِ، فَإِذَا صَخْرَةٌ أَتَيْتُهَا فَنَظَرْتُ بَقِيَّةَ ظِلٍّ لَهَا فَسَوَّيْتُهُ، ثُمَّ فَرَشْتُ لِلنَّبِىِّ ﷺ فِيهِ، ثُمَّ قُلْتُ لَهُ اضْطَجِعْ يَا نَبِىَّ اللَّهِ .فَاضْطَجَعَ النَّبِىُّ ﷺ ثُمَّ انْطَلَقْتُ أَنْظُرُ مَا حَوْلِى، هَلْ أَرَى مِنَ الطَّلَبِ أَحَدًا فَإِذَا أَنَا بِرَاعِى غَنَمٍ يَسُوقُ غَنَمَهُ إِلَى الصَّخْرَةِ يُرِيدُ مِنْهَا الَّذِى أَرَدْنَا، فَسَأَلْتُهُ فَقُلْتُ لَهُ لِمَنْ أَنْتَ يَا غُلاَمُ قَالَ لِرَجُلٍ مِنْ قُرَيْشٍ سَمَّاهُ فَعَرَفْتُهُ .فَقُلْتُ هَلْ فِى غَنَمِكَ مِنْ لَبَنٍ قَالَ نَعَمْ .قُلْتُ فَهَلْ أَنْتَ حَالِبٌ لَبَنًا قَالَ نَعَمْ .فَأَمَرْتُهُ فَاعْتَقَلَ شَاةً مِنْ غَنَمِهِ، ثُمَّ أَمَرْتُهُ أَنْ يَنْفُضَ ضَرْعَهَا مِنَ الْغُبَارِ، ثُمَّ أَمَرْتُهُ أَنْ يَنْفُضَ كَفَّيْهِ، فَقَالَ هَكَذَا ضَرَبَ إِحْدَى كَفَّيْهِ بِالأُخْرَى فَحَلَبَ لِى كُثْبَةً مِنْ لَبَنٍ، وَقَدْ جَعَلْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِدَاوَةً عَلَى فَمِهَا خِرْقَةٌ، فَصَبَبْتُ عَلَى اللَّبَنِ حَتَّى بَرَدَ أَسْفَلُهُ، فَانْطَلَقْتُ بِهِ إِلَى النَّبِىِّ ﷺ فَوَافَقْتُهُ قَدِ اسْتَيْقَظَ، فَقُلْتُ اشْرَبْ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَشَرِبَ حَتَّى رَضِيتُ ثُمَّ قُلْتُ قَدْ آنَ الرَّحِيلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ بَلَى فَارْتَحَلْنَا وَالْقَوْمُ يَطْلُبُونَا فَلَمْ يُدْرِكْنَا أَحَدٌ مِنْهُمْ غَيْرُ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ عَلَى فَرَسٍ لَهُ فَقُلْتُ هَذَا الطَّلَبُ قَدْ لَحِقَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ لاَ تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا

أطرافه 2439، 3615، 3908، 3917، 5607۔ (دیکھئے جلد سوم ص: ۶۳۱)

شیخ بخاری غُدانی ہیں، بصری اور ثقہ ہیں، بقیہ رواۃ بھی بصری ہیں۔ **(لا، حتى تحدثنا)** علامات النبوۃ میں زہیر عن ابی اسحاق کے طریق سے اس روایت میں تھا، براء کہتے ہیں میں نے رحل اٹھایا، والد صاحب نے باہر آ کر قیمت وصول کرتے ہوئے یہ مطالبہ کیا، تو بظاہر یہ دونوں روایتوں کا باہمی تخالُف ہے، تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ عازب نے اولاً یہ شرط عائد کی، ابوبکر نے حامی بھری جب شروع فی التوجہ ہوئے تو عازب نے وعدہ پورا کرنے کو کہا، تب حضرت ابوبکر نے واقعۂ ہجرت سنایا۔

(فإذا أنا براع) اسکا اور ریوڑ کے مالک کا نام معلوم نہیں کر سکا، البتہ عبداللہ بن مسعود کی ایک روایت کی بعض عبارت سے بعض نے تمسک کیا ہے کہ راعی وہ تھے چنانچہ احمد اور ابن حبان نے عاصم عن زر عن ابن مسعود کے حوالے سے روایت کیا، کہتے ہیں میں عقبہ بن ابو معیط کا ریوڑ چراتا تھا تو آنجناب اور حضرت ابوبکر کا مجھ سے گزر ہوا، ابوبکر کہنے لگے اولڑکے کیا دودھ ہے؟ میں نے کہا ہے البتہ میں اس ریوڑ کا امین بنایا گیا ہوں، مگر یہ تمسک درست نہیں کیونکہ اس روایت میں مذکور ہے کہ اس راعی نے ابوبکر کے سوال (هل أنت حالب) کا جواب اثبات میں دیا جبکہ ابن مسعود کا جواب نفی میں ہے (گویا وہ کسی اور موقع کی بات کر رہے ہیں) پھر ابن مسعود کی روایت کے بقیہ سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ان (یعنی ابن مسعود) کے اسلام لانے سے قبل کا قصہ ہے چنانچہ کہتے ہیں پھر بعد ازاں میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: (عَلِّمْنِی مِنْ هذا القول) یعنی مجھے دین کی تعلیم دیجئے۔

(فشرب حتیٰ رضیت) اوس عن خدیج عن ابی اسحاق کی روایت میں ہے، ابو اسحاق کہتے ہیں: (فتکلم بکلمة لم أسمعها من غیره) یعنی راوی نے ایسا جملہ کہا جو کسی اور سے نہیں سنا، گویا ان کا اشارہ ابوبکر کے قول (حتی رضیت) کی طرف ہے (بجائے اس کے کہ کہیں۔ حتی رضی۔ یعنی آپ نے اتنا دودھ دیا کہ آپ راضی ہوئے، کہا حتی کہ میں خوش ہوا، یہ ایک عجب انداز کا اظہارِ محبت وعقیدت ہے اور اس جملہ کی معنویت اور ادبی جمال اہل ذوق ہی محسوس کر سکتے ہیں)۔ بقول ابن حجر اس سے ظاہر ہوا کہ آنجناب نے سیر ہو کر اور بڑے شوق سے دودھ نوش فرمایا وگرنہ آپ کی عادتِ مالوفہ اِمعان فی الشرب نہ تھا۔

(قد آن الرحیل الخ) علامات النبوۃ کی روایت میں ہے کہ خود آنجناب نے دریافت فرمایا ابھی روانگی کا وقت نہیں آیا؟ تطبیق یہ ہے کہ اولا آپ نے ہی پوچھا، ابوبکر نے اثبات میں جواب دیا پھر بعد میں یہی جملہ کہہ کر آپ کی توجہ روانگی کی طرف مبذول کرائی (بظاہر اولا آپ کے استفسار کا اثبات میں جواب دیکر انتظام کرنے میں لگ گئے، اونٹنیوں کو اٹھایا پھر تیار ہو کر عین وقتِ پہ روانگی یہ بات کہی)۔ بقول مہلب بن ابوصفرۃ آنجناب نے یہ دودھ اسلئے نوش فرمایا کہ زمنِ مکارمت (یعنی ادلہ بدلہ دینے کی فرصت کا مہیا یا اس کی نیت ہونا) میں تھے اور جو ایک روایت میں آپ نے اس امر سے منع فرمایا ہے کہ کوئی کسی کا مویشی بغیر اجازت نہ دوھے، وہ زمانہ شیاح (یعنی قحط وتنگدستی) سے متعلق ہے، یا یہ نہی نسؤر واختلاس (یعنی زبردستی یا چوری) پر محمول ہے اور یہاں تو ابوبکر نے پہلے راعی سے پوچھا کیا دودھ دوہ سکتے ہو؟ اس نے کہا ہاں، گویا اس سے پوچھ رہے تھے کہ کیا ایسا کرنے کی مالک نے اجازت دے رکھی ہے، عربوں کی عادتِ مالوفہ بھی یہی تھی کہ مسافروں اور گزرنے والوں کو دودھ دیدیا جاتا تھا، داؤدی کہتے ہیں آپ نے مسافر کی حیثیت سے یہ دودھ قبول کیا تھا، یہ کہنا نہایت بعید ہے کہ مالِ حربی ہونے کے باوصف ایسا کرنا جائز سمجھا کیونکہ ابھی قتال تو فرض نہ ہوا تھا اور نہ غنائم امتِ محمدیہ کیلئے مباح کی گئیں تھیں، اس بابت کچھ بحث کتاب اللقطۃ میں گزر چکی ھے (یہ کہنے میں بظاہر کوئی مانع نہیں کہ ممکن ہے حضرت ابوبکر نے قیمت دیکر وہ دودھ خریدا ہو) آخرِ بحث ابن حجر تنبیہ کے عنوان سے تحریر کرتے ہیں کہ اسماعیلی نے یہ حدیث ابوخلیفہ کے طریق سے انہی شیخِ بخاری کے واسطہ سے تخریج کی ہے، آخر میں یہ عبارت بھی ہے کہ پھر آنجناب اور میں چلے حتی کہ رات کے وقت مدینہ پہنچے، وہاں لوگوں میں تنازع اٹھ کھڑا ہوا کہ کون آپکا میزبان بنے گا (یعنی ہرایک کی خواہش تھی کہ یہ شرف اسے حاصل ہو)۔

(تریحون الخ) یہ آیت: (وَ لَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَ حِينَ تَسْرَحُونَ) [النحل:٦] کی تفسیر ہے، یہ ابوعبیدہ کا قول ہے جو المجاز میں موجود ہے، یہ فقط نسخۂ کشمیہنی میں ہے، صواب یہ ہے کہ یہ جملہ واقعۂ ہجرت کے ذکر پر مشتمل حدیثِ عائشہ میں ہونا چاہئے کیونکہ اس میں ہے: (و یرعی علیها عامر بن فهیرة ویریحهما علیهما) تو یہ محلِ شرح وتفسیر ہے بخلاف روایتِ براء کے کیونکہ اس میں تو لفظِ مفسَّر مذکور ہی نہیں۔

3653 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ عَنْ أَبِي بَكْرٍ ؓ قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ وَأَنَا فِي الْغَارِ لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ نَظَرَ تَحْتَ قَدَمَيْهِ لَأَبْصَرَنَا. فَقَالَ مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللَّهُ ثَالِثُهُمَا. طرفاه 3922، 4663

حضرت انس حضرت ابوبکر سے راوی ہیں کہ میں نے، جب ہم غار میں تھے۔ نبی پاک سے عرض کیا اگر ان مشرکین کے کسی آدمی نے اپنے قدموں تلے نظر کی تو ہم اسے نظر آ جائینگے! فرمایا اے ابوبکر تمہارا ان دو کی بابت کیا گمان ہے جنکا تیسرا اللہ تعالی کی

ذات ہے؟

(عن أنس الخ) التفسیر میں حبان بن ہلال کی ہمام سے روایت میں (حدثنا أنس حدثنا أبوبکر) ہے۔ (قلت للنبی الخ) حبان کی مذکورہ روایت میں ہے: (فرأیت آثار المشرکین) موسی بن اسماعیل کی ہمام سے روایت میں ہے کہ سر اٹھایا تو لوگوں کے قدم نظر آئے۔ (لو أن أحدهم الخ) اس میں استقبال کیلئے لوشرطیہ کا استعمال ہوا ہے، اکثر نحوی اس کے خلاف ہیں، مجوزین نے اس کے بعد فعل مضارع کے ذکر سے استدلال کیا جیسے اس آیت میں ہے: (لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِنَ الأَمْرِ لَعَنِتُّمْ)، اس پر انہوں نے یہ جملہ تب کہا ہوگا جب وہ غار کے اوپر کھڑے تھے، اکثر کے قول پر انہوں نے یہ جملہ اللہ تعالی کا ان کی حفاظت و صیانت پر بطورِ تشکر ان کے جا چکنے کے بعد بولا ہوگا، موسی کی روایت میں یہ عبارت ہے: (لو أَنَّ بعضهم طأطأبصره) یعنی اگر کسی نے نظر جھکا لی، حبان کی روایت میں: (رفع قدميه) ہے، ابن عساکر کی حبشی بن جنادہ سے روایت میں بھی یہی ہے، اس پر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بظاہر غار کا منہ ان کے اقدام سے مستتر ہو گیا تھا حالانکہ ایسا نہ تھا الا یہ کہ اس امر پر محمول کیا جائے کہ مراد یہ ہے کہ ان کے کپڑوں سے اس کا منہ مستتر تھا، مسلم نے حبان کی روایت ان الفاظ سے تخریج کی ہے: (لو أن أحدهم نظر إلى قدميه أبصرَنا تحت قدميه)، احمد نے بھی عفان عن ہمام سے یہی نقل کیا۔

(ما ظنك يا أبابكر الخ) موسی کی روایت میں ہے: (اسکت یا أبابکر، اثنان الله ثالثهما) ثالثہما بمعنی (ناصرهما ومعينهما) ہے وگرنہ یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے، باقی تفصیل باب الھجرۃ میں آئیگی۔ تنبیہ کے تحت لکھتے ہیں مشہور یہ ہے کہ حدیثِ باب کے ساتھ ہمام ثابت سے متفرد ہیں، ترمذی اور بزار نے اس کی تصریح کی ہے، ابن شاہین نے الأفراد میں جعفر بن سلیمان عن ثابت سے ہمام کی متابعت میں اس کی تخریج کی ہے، پہلے اشارہ گزرا کہ حبشی بن جنادہ کے واسطہ سے اس کا شاھد بھی ہے، حاکم کی اکلیل میں ابن عباس سے روایت بھی اس کا شاھد ہے۔

اسے مسلم نے (الفضائل) اور ترمذی نے (التفسیر) میں نقل کیا ہے۔

3 باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ سُدُّوا الأَبْوَابَ إِلَّا بَابَ أَبِي بَكْرٍ

(آنجناب کا حکم کہ سوائے بابِ ابوبکر کے سب دروازے بند کردو)

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. یہ ابن عباس کی روایت ہے۔

شاملِ ترجمہ حدیث کو امام بخاری نے کتاب الصلاۃ میں (سدوا عنی کل خوخة) کے الفاظ سے موصول کیا تھا، یہاں گویا بالمعنیٰ نقل کی ہے۔

3654 حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ قَالَ حَدَّثَنِي سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَطَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ النَّاسَ وَقَالَ إِنَّ اللَّهَ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ ذَلِكَ الْعَبْدُ مَا عِنْدَ اللَّهِ. قَالَ فَبَكَى أَبُو

بَكْرٍ، فَعَجِبْنَا لِبُكَائِهِ أَنْ يُخْبِرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ عَبْدٍ خُيِّرَ .فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هُوَ الْمُخَيَّرُ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ أَعْلَمَنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ مِنْ أَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبَا بَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلاً غَيْرَ رَبِّي لاَتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ، وَلَكِنْ أُخُوَّةُ الإِسْلاَمِ وَمَوَدَّتُهُ، لاَ يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلاَّ سُدَّ إِلاَّ بَابَ أَبِي بَكْرٍ .طرفاه 466، 3904

ابوسعید خدری راوی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم نے دورانِ خطبہ ارشاد فرمایا اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیا اور جو اللہ کے ہاں آخرت میں میں ہے، میں سے کسی ایک کو پسند کرلیں تو اس بندے نے اللہ کے ہاں جو کچھ ہے، اسے پسند کرلیا، کہتے ہیں ابوبکر یہ سنکر رونے لگے ہم ان کے رونے پہ متعجب ہوئے کہ نبی پاک تو ایک عبدِ مخیَّر کی بات سنا رہے ہیں یہ کیوں روتے ہیں؟ تو نبی پاک ہی وہ بندۂ مخیّر تھے اور ابوبکر ہم میں سب سے زیادہ عالم تھے (انہیں روتا دیکھ کر) نبی پاک نے فرمایا اپنی صحبت اور مال کے ذریعہ سب سے زیادہ مجھ پہ حق ابوبکر کا ہے اگر میں نے اللہ کے علاوہ بھی کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اسلام کا بھائی چارہ اور مودت ہے، مسجد میں کھلنے والے سب دروازے بند کردئے جائیں سوائے ابوبکر کے دروازے کے۔

سند میں ابو عامر عقدی اور فُلیح بن سلیمان ہیں، ان سمیت اوپر کے تمام راوی مدنی ہیں۔ (خطب رسول الخ) مالک عن ابی نضر کی باب الھجرۃ میں آمدہ روایت میں (جلس علی المبنر) بھی ہے، کتاب الصلاۃ کی حدیثِ ابن عباس میں یہ بھی مذکور تھا کہ یہ مرض الموت کا واقعہ ہے، مسلم کی حدیثِ جندب میں ہے کہ یہ آپ کی وفات سے پانچ دن قبل کا ذکر ہے، ابی بن کعب کی ایک روایت میں تین دن قبل ہونا مذکور ہے۔

(فعجبنا لبکائه) کتاب الصلاۃ کے باب الخوخۃ میں محمد بن سنان کی ابوسعید سے روایت میں تھا کہ میں نے دل میں کہا، جبکہ مالک کی روایت میں تھا کہ لوگوں نے کہا اس شیخ کو دیکھو رسولِ خدا تو ایک شخصِ مخیَّر کا قصہ سنا رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں: (فدیناك) ہم آپ پر فدا ہوں، تطبیق یہ ہوگی کہ خود ابوسعید کے دل میں بھی یہی بات آئی جو بعض لوگوں کی نوکِ زباں پر آ گئی، تو سب نقل کردیا۔ (أعلمنا) مالک کی روایت میں اس کے بعد (به) بھی ہے، ضمیر کا مرجع آنجناب ہیں یا یہ کلامِ نبوی مذکور، محمد بن سنان کی روایت میں ہے کہ نبی پاک نے فرمایا ابوبکر مت رو۔

(إن أمنَّ الناس الخ) مالک کی روایت میں بھی یہی ہے، محمد بن سنان کے نقل کردہ سیاق میں: (من أمن الناس الخ) ہے، اس میں (أبابکر) یعنی نصبی حالت میں ہے، بعض نے وہاں بھی (أبوبکر) روایت کیا ہے، کہا گیا ہے کہ رفع غلط ہے کیونکہ (أبا) اسمِ اِنَّ ہے، رفع بھی قابلِ توجیہہ ہے کہ ضمیرِ شأن مقدر مانی جائے یعنی (إنه)، جار مجرور اس کے بعد خبرِ مقدم اور (أبو بکر) مبتدا مؤخر ہوگا، یا پھر توجیہہ یہ ہے کہ مجموع کنیت اسم ہے تو اس میں واقع اداۃ معرب نہیں، یا یہ کہ انَّ بمعنی (نعم) ہے، یا (من) زائدۃ علی رای الکسائی ہے، ابن بری لکھتے ہیں رفع جائز ہے جب اسے کسی لفظِ محذوف جس کی تقدیر: (رجلا أو إنسانا مِن أمنّ الخ) ہوسکتی ہے، کی صفت بنایا جائے تب اسمِ اِن محذوف، جار مجرور محلِ صفت میں اور (أبوبکر) اِنَّ کی خبر ہوگی۔ اَمنّ افعلِ تفضیل ہے، منّ بمعنی عطاء و بذل، سے مراد یہ کہ سب سے بڑھ کر مجھ پر اپنا مال خرچ کرنے والا اور جان نچھاور کرنے والا، یہ (مِنَّةٌ) سے ماخوذ نہیں جو مفسدِ صنیعۃ ہے، کتاب الصلاۃ میں اس کی تقریر ذکر ہو چکی ہے۔ داؤدی نے غرابت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے منۃ سے قرار دیکر شرح کی

ہے، لکھا ہے کہ اس کی تقریر یہ ہے کہ اگر کسی کیلئے اللہ کے نبی پر امتنان (یعنی احسان کرنا) موجّہ ہو تو ان کیلئے ہو، مگر اول ہی اولیٰ ہے۔ روایتِ باب کے الفاظ: (أمن الناس الخ)۔ (یعنی مِن کے اضافہ کے بغیر) ایک روایتِ ابن عباس کے موافق ہیں جس میں یہ عبارت ہے: (ليس أحد مِن الناس أمَنَّ عليَّ مِن نفسه وماله مِنْ أبي بكر)۔

من والی روایت میں اگر اسے زائدہ قرار دیا جائے تب کوئی تخالف نہیں وگرنہ اس مفہوم پر محمول کیا جائے گا کہ کئی اور بھی اس افضلیت میں ان کے مشارِک ہیں مگر وہ سب سے مقدم ہیں، باقی کا سیاق وسباق ان کے مقدم ہونے پر دال ہے، اس کی مزید تائید ترمذی کی حدیثِ ابی ھریرہ سے ملتی ہے جس میں آنجناب کا یہ فرمان مروی ہے: (ما لأحدٍ له عندنا يدٌ إلا كافأناه عليها ما خلا أبا بكر) کہ جس کسی کا بھی مجھ پر کوئی احسان تھا اس کا بدلہ چکا دیا ماسوائے ابوبکر کے، ان کے احسانات کا بدلہ اللہ ہی روزِ قیامت عطا کریگا، طبرانی کی نقل کردہ ایک حدیثِ ابن عباس میں ترمذی کا مذکورہ سیاق مروی ہے، مزید یہ کہ: (منة أعتقَ بلالا و منةٌ هاجرَ بنبيه)۔ ایک دیگر طریق سے اسی روایت میں ہے کہ کسی کا میرے ساتھ حسنِ سلوک ابوبکر کے حسنِ سلوک جیسا عظیم نہیں کہ اپنے مال و جان کے ساتھ میری مواسات کی اور اپنی بیٹی سے میرا نکاح کیا۔ مالک بن دینار عن انس کی حدیث مرفوع میں بھی یہی ہے، یہ بھی کہ مسلمانوں میں بہترین مال والا ابوبکر ہے، بلال کو آزاد کرایا اور مجھے دار الھجرت لیگئے، اسے ابن عساکر نے تخریج کیا ہے، ابن حبان ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشۃ سے ناقل ہیں کہ جب ابوبکر فوت ہوئے تو (ترکہ میں) کوئی دینار یا درھم نہیں چھوڑا۔

(لو كنت متخذا خليلا) اس پر ایک باب کے بعد بحث ہوگی، داؤدی لکھتے ہیں یہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو ذر وغیرہ کے قول: (أخبرني خليلي ﷺ) کے منافی نہیں کیونکہ ان کیلئے ایسا کہنا جائز ہے مگر کسی ایک کیلئے یہ کہنا کہ میں آنجناب کا خلیل ہوں، جائز نہیں اسی لئے حضرت ابراہیم کو تو خلیل اللہ کہا جاتا ہے لیکن یہ نہیں کہا جاتا کہ اللہ خلیلِ ابراہیم ہے، ابن حجر اسے تکلف قرار دیتے ہیں۔ (ولكن أخوة الإسلام الخ) یعنی حاصلۃ، آمدہ حدیثِ ابن عباس میں (أفضل) کا لفظ بھی ہے، طبرانی کی بطریق عبید اللہ بن تمام عن خالد حذاء روایت میں بھی افضل مذکور ہے، ابو یعلی نے یعلی بن حکیم عن عکرمۃ کے طریق سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: (ولكن خلة الإسلام أفضل)، اس میں اشکال ہے کیونکہ خلت اخوتِ اسلام سے افضل ہے کیونکہ اس میں اخوت بھی اور زیادت بھی شامل ہے، یہ توجیہہ بھی کیگئی ہے کہ مراد یہ ہے کہ آنجناب کے ساتھ مودتِ اسلام ان کے غیر کے ساتھ حاصل مودتِ اسلام سے افضل ہے، افضل بمعنی فاضل بھی کہا گیا ہے۔ یہ کہنا کہ اس مودتِ اسلام میں تو تمام صحابہ ہی شریک ہیں، اس کیلئے معکر نہیں (یعنی شامل تو ہیں مگر) کیونکہ ابوبکر کا اس زاویہ سے بھی ارجح ہونا دوسری روایات سے ثابت ہے، اسلامی اخوت ومودت میں مسلمان باہم متفاوِت ہیں، جو کوئی نصرتِ دین، اعلائے کلمۃ اللہ اور کثرتِ ثواب کی تحصیل میں آگے ہے وہ اس میں بھی آگے ہے اور ابوبکر ان امور میں سب سے متقدِم تھے۔ بعض روایات میں (ولكن خوة الإسلام) یعنی بغیر الف کے ہے، ابن بطال کہتے ہیں میں اس لفظ کا معنی نہیں جانتا اور مجھے نہیں ملا کہ کلامِ عرب میں خوۃ بمعنی خلۃ ہو، بعض روایتوں میں (ولكن خلة الخ) ہے، یہی صواب ہے۔ ابن تین کہتے ہیں شائد اس روایت سے الف ساقط رہ گیا ہو کیونکہ باقی تمام میں الف ثابت ہے، ابن مالک نے (خوة الإسلام) کی توجیہہ بیان کی ہے، لکھتے ہیں ھمزہ کی حرکت ولٰکن کے نون کی طرف منتقل کر کے اسے حذف کر دیا گیا اور اس کے حذف کے ساتھ (لكن) کے نون پر پیش اور سکون دونوں صحیح ہیں، البتہ اثباتِ الف کے ساتھ صرف سکون ہی درست ہے۔

یہ حضرت ابوبکر کی وہ منقبت ہے جس میں کوئی اوران کا شریک نہیں۔ ابن تین بعض سے (لو کنت متخذا الخ) کا یہ معنی نقل کرتے ہیں کہ اگر میں دین کا کوئی معاملہ کسی کے ساتھ خاص کرتا تو ابوبکر کے ساتھ کرتا، کہتے ہیں اس میں شیعہ کے اس دعوی کی تردید اوراس کا کذب ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم نے حضرت علی کو قرآن اور دین کے بارہ میں کچھ خاص باتیں بتلائیں تھیں جو کسی اور کو نہ بتلائیں، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ استدلال اس مذکورہ تاویل کی صحت پر متوقف ہے اور وہ خاصی بعید ہے: (وما أبعدھا)۔ (شیعہ کے مذکورہ دعوی کی تردید کئی اورامور سے ہو جاتی ہے جیسا کہ شائد الزکاۃ میں یہ بحث گزری ہے)۔

(لا یبقین الخ) یاء کی زبر (بطور فعل ثلاثی معلوم) اورنونِ تاکید کے ساتھ، نہی کی باب کی طرف اضافت میں تجوز ہے کیونکہ اس کا عدم بقاء اس کی اِبقاء سے نہی کو لازم ہے گویا آپ یہ کہہ رہے ہین کہ (لا تُبقوہ حتی لا یبقیٰ) ،بعض رواۃ نے اسے یاء کی پیش کے ساتھ (یعنی فعل مجہول کے بطور) روایت کیا ہے، یہ واضح ہے۔ (إلا سد) مالک کی روایت میں باب کی بجائے خوخۃ کا لفظ ہے، دیوار میں روشنی وغیرہ کیلئے رکھے گئے طاق کو کہتے ہیں، لازمی نہیں کہ دیوار کی بالائی سطح پر ہو، کبھی نیچے بھی ہوسکتا ہے اور گزرنے کیلئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے (بمعنی کھڑکی) ، یہاں یہی مقصود ہے اسی لئے باب کا لفظ بھی مروی ہے، بعض کہتے ہیں خوخۃ کو باب اس صورت کہا جائے گا جب وہ بند ہو۔

(إلا باب أبی بکر) یہ استثنائے مفرغ ہے معنی یہ ہوا کہ کوئی دروازہ بند کئے بنا نہ چھوڑو مگر باب ابی بکر، اسے بغیر سدّھی چھوڑے رکھو، خطابی اور ابن بطال لکھتے ہیں اس حدیث سے حضرت ابوبکر کا اختصاص ظاہر ہے اور اس میں ان کے استحقاقِ خلافت کی طرف قوی اشارہ ہے جیسا کہ آنجناب کے انہیں اپنی حیات میں امامت کا حکم دینے میں بھی، بعض نے یہ دعوی کیا ہے کہ باب اصل میں خلافت کا کنایہ تھا آنجناب سوائے ابوبکر کے تمام کے دعوی ھائے خلافت کا راستہ مسدود کرنے کا حکم فرما رہے ہیں، ابن حبان بھی اسی طرف مائل ہیں چنانچہ حدیث کی تخریج کے بعد لکھتے ہیں یہ اس امر کی دلیل تھی کہ آنجناب کے بعد وہی خلیفہ ہوں گے۔ (سدوا عنی کل خوخۃ الخ) سے ان تمام حضرات کی طمع مسدود کردی جو آپکے بعد خلیفہ بننا چاہتے تھے بعض نے اس بناء پر بھی اس معنی کو قوی قرار دیا ہے کہ حضرت ابوبکر کا گھر تو مدینہ کے مضافات میں مقام سنح میں تھا، آگے اس کا ذکر آئیگا، مسجد نبوی سے متصل تو ان کا کوئی گھر نہ تھا تو پھر خوخۃ کیونکر ہوسکتی تھی؟ ابن حجر کہتے ہیں سنح میں جو ان کا گھر تھا وہ ان کے انصاری اصہار کا تھا، ان کی اس وقت کئی ازواج تھیں ان میں بالاتفاق اسماء بنت عمیس تھیں اور ام رومان بھی جو بعض کے نزدیک اس وقت تک زندہ تھیں۔ محبّ طبری نے ابن حبان کی کلام کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عمر بن شبہ نے اخبارِ مدینہ میں ذکر کیا ہے کہ ان کے جس گھر کی خوخۃ کا یہاں ذکر ہے وہ مسجد کے ساتھ متصل تھا وہ انہی کے ہاتھ میں رہا حتی کہ اپنی کسی احتیاج کے مدنظر حضرت حفصہ کے ہاتھ چار ہزار درہم میں بیچ دیا، حضرت عثمان نے اپنے دور میں جب مسجد نبوی میں توسیع کا ارادہ بنایا تو اسے ان سے لینا چاہا مگر انہوں نے انکار کیا اور کہا مسجد کس راہ سے آونگی؟ کہا گیا ہم اس سے بڑا گھر آپکو دیتے ہیں اور وہاں سے مسجد آنے کا راستہ بھی بنا دیتے ہیں، تب وہ راضی ہوگئیں، طبرانی نے حضرت معاویہ سے یہ روایت نقل کرتے ہوئے آخر میں یہ جملہ بھی مزید نقل کیا: (فإنی رأیت علیہ نورا) کہ میں نے اس پرنور دیکھا ہے۔

ابن حجر آخرِ بحث تنبیہ کے تحت رقمطراز ہیں کہ مسجد نبوی میں کھلنے والے دروازوں کی بابت کچھ ایسی روایات بھی موجود ہیں جو بظاہر حدیثِ باب کے مخالف ہیں، ان میں ایک حدیثِ سعد بن ابووقاص ہے، کہتے ہیں ہمیں آنجناب نے حکم دیا کہ مسجد میں کھلنے والے

تمام دروازے سوائے بابِ علیؓ کے بند کر دیں، اسے احمد اور نسائی نے تخریج کیا اور اس کی سند قوی ہے، طبرانی نے اوسط میں ثقات رجال کے ساتھ یہی روایت ذکر کرتے ہوئے ساتھ یہ زیادت بھی نقل کی ہے کہ اس پر لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ نے ہمارے دروازے بند کرا دئے؟ فرمایا میں نے بند نہیں کرائے لیکن اللہ نے بند کرائے ہیں۔ زید بن ارقم سے روایت ہے کہ بعض لوگوں کے دروازے مسجد نبوی میں کھلتے تھے نبی پاک نے حکم دیا کہ سوائے حضرت علی کے دروازہ کے تمام دروازے مسدود کر دئے جائیں، لوگوں نے اس بارے آپ سے بات کی تو آپ نے فرمایا میں نے کوئی دروازہ نہ بند کرایا اور نہ کھلایا ہے، مجھے تو حکم ملا تو اس کی پیروی کی، اسے احمد، نسائی اور حاکم نے تخریج کیا اور اس کے رجال ثقات ہیں۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ سوائے بابِ علی کے آپ کے حکم سے تمام دروازے بند کر دئے گئے، ایک روایت میں ہے حضرت علی حالتِ جنابت میں بھی مسجد سے اس دروازہ کے ذریعہ گزر جایا کرتے تھے کیونکہ اس کے علاوہ ان کے گھر کا کوئی اور راستہ نہ تھا، دونوں روایتیں احمد اور نسائی نے تخریج کی ہیں، دونوں کی اسناد قوی ہیں جابر بن سمرہ سے بھی یہی روایت ہے، اسے طبرانی نے نقل کیا۔

ابن عمر کہتے ہیں ہم عہد نبوی میں کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ خیر الناس ہیں پھر ابوبکر پھر عمر، اور علی بن ابوطالب کو تین ایسی خصال عطا ہوئی ہیں اگر ان میں سے ایک بھی مجھے عطا ہوتی تو میرے لئے وہ حمرِ نَعم سے بہتر ہوتی، آنجناب نے اپنی بیٹی ان کے ساتھ بیاہی اور ان سے ان کی اولاد بھی ہوئی دوسری یہ کہ سوائے ان کے باب کے تمام دروازے جو مسجد نبوی میں کھلتے تھے، بند کر دئے گئے تیسری یہ کہ خیبر کے دن انہیں علم عطا ہوا، اسے احمد نے بسند حسن تخریج کیا ہے۔ نسائی نے علاء بن عرار سے روایت کیا، کہتے ہیں میں نے ابنِ عمر سے کہا مجھے علی وعثمان کے بارہ میں کچھ بتلائیں، تو اثنائے حدیث یہ بھی کہا جہاں تک علی کا تعلق ہے تو اس بابت کسی سے کچھ مت پوچھو، اور رسول اللہ کے ہاں ان کی منزلت پر غور کرو، آپ نے سوائے ان کے دروازہ کے تمام دروازے بند کرادئے تھے، علاء کے سوا اس کے تمام رجال ثقہ ہیں، ان کی بھی یحی بن معین وغیرہ نے توثیق کی ہے، تو یہ احادیث ایک دوسرے کی تقویت ثابت کرتی ہیں، ہر طریق ہی صالح للاحتجاج ہے چہ جائے کہ سب طرق!

ابن جوزی نے یہ حدیث موضوعات میں نقل کی اور اسے سعد بن ابی وقاص، زید بن ارقم اور ابن عمر کے حوالوں سے تخریج کیا ہے، ان کے بعض طرق پر اقتصار کرتے ہوئے بعض طرق کو مَعْلول قرار دیا، بہر حال کثرتِ طرق کے باعث ان کے بعض رواۃ پر کلام قادِح نہیں، اسے اس بنا پر بھی معلول کیا ہے کہ یہ بابِ ابی بکر کی بابت مروی صحیح وثابت احادیث کے مخالف ہے، ان کا دعوی ہے کہ اسے شیعہ نے گھڑا ہے تا کہ حضرت ابوبکر کے باب کی بابت وارد صحیح حدیث کا مقابلہ کریں، بقول ابن حجر یہ ان کی شنیع غلطی ہے کہ ان صحیح احادیث کو اپنے توہّم سے رد کر دیا حالانکہ دونوں قسم کی روایات کے درمیان تطبیق ممکن ہے، اس کی طرف بزار نے اپنی مسند میں اشارہ کیا ہے، کہتے ہیں اہلِ کوفہ سے اسانیدِ حسان کے ساتھ قصہِ علی اور اہلِ مدینہ سے روایات میں حضرت ابوبکر کے قصہ کی بابت مذکور ہے، اگر اہل کوفہ کی روایات ثابت ہیں تو دونوں میں تطبیق حضرت ابوسعید سے مروی ایک حدیث سے دی جا سکتی ہے جسے ترمذی نے تخریج کیا، اس میں ہے کہ نبی پاک نے حضرت علی سے فرمایا تھا سوائے میرے اور تیرے کسی اور کیلئے حلال نہیں کہ اس مسجد میں حالتِ جنابت میں داخل ہو، مفہوم یہ ہوا کہ حضرت علی کے گھر کا دروازہ مسجد کی جہت تھا، ان کیلئے آنے اور جانیکا کوئی اور راستہ ہی نہ تھا اس وجہ سے اسے مسدود نہ کرایا، اس کی تائید احکام القرآن میں اسماعیل قاضی کی مطلب بن عبد اللہ بن حنطب کے طریق سے نقل کردہ روایت سے ہوتی

ہے، جس میں ہے کہ نبی پاک نے کسی کو اجازت نہیں دی تھی کہ جنبی ہو کر مسجد سے گزرے سوائے حضرت علی کے کہ ان کا گھر مسجد کے اندر تھا۔

محصلِ تطبیق وجمع یہ ہے کہ دروازے بند کرانیکا حکم دو مرتبہ واقع ہوا، پہلی مرتبہ میں حضرت علی کا دروازہ اس مذکورہ وجہ سے مستثنیٰ ہوا دوسری مرتبہ میں حضرت ابوبکر کا دروازہ بھی مستثنیٰ کیا لیکن تمامِ تطبیق تبھی ہوگی جب بابِ علی سے حقیقی باب اور بابِ ابوبکر سے مراد مجازی باب یعنی خوخہ، مراد لی جائے گویا جب پہلی مرتبہ میں دروازے بند کرا دئے تو لوگوں نے کھڑکیاں بنالیں (یعنی اصل دروازے دوسری جہات میں بنالئے) تاکہ مسجد میں آنا جانا آسان اور قریب الدخول ہو تو انہیں بھی آخر بند کرنیکا حکم دیدیا (پھر یہ بھی کہ کھڑکیاں بند کرانے کا یہ حکم مرض الوفات میں دیا جبکہ پہلا حکم بظاہر کافی عرصہ قبل جاری کیا)۔ طحاوی نے بھی مشکل الآثار میں یہی تطبیق دی ہے اور معانی الأخبار میں ابوبکر کلاباذی نے بھی، انہوں نے تصریح کی ہے کہ ابوبکر کے گھر کا دوسری جانب بھی ایک دروازہ تھا جبکہ کھڑکی مسجد کے اندر کھلتی تھی جبکہ بیتِ علی کا وہی دروازہ تھا جو مسجد کے اندر کھلتا تھا (بظاہر کسی اور جہت دروازہ نکالنا ممکن نہ تھا ہر طرف گھروں سے دیواریں ملتی ہونگی)۔

حدیثِ ہٰذا سے بھی حضرت ابوبکر کی فضیلتِ ظاہرہ عیاں ہوتی ہے اور یہ کہ وہ آنجناب کے خلیل بننے کے متأہّل تھے اگر مذکورہ مانع نہ ہوتا، اس سے یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مقامِ خلت وہ مرتبہ وصفت ہے جس میں کسی اور کی مشارکت نہیں ہو سکتی، یہ بھی کہ مساجد میں بلاضرورت خصوصی راستے نہ ہونے چاہئیں، ابن بطال اس سے یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ مرشّح للامامت (یعنی حکمرانی وقیادت کے امیدوار) میں کوئی ایسی نمایاں کرامت وخصوصیت ہونی چاہئے جو اس کے استحقاق کی دلیل بنتی ہے جیسا کہ حضرت صدیق کی نسبت قصہِ مذکورہ میں ثابت ہوا۔

4 باب فَضْلِ أَبِي بَكْرٍ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ (نبی پاک کے بعد ابوبکر سب سے افضل ہیں)

بعد سے مراد بعدیہ زمنیہ نہیں کیونکہ نبی پاک کی حیات ہی میں حضرت ابوبکر کی فضیلت ثابت ومتبین تھی بلکہ مراد ترتیبِ فضیلت کا ذکر ہے۔ علامہ انور اس کے تحت رقمطراز ہیں کہ اشعری کے نزدیک حضرت ابوبکر کی فضیلت قطعی جبکہ باقلانی کے نزدیک ظنی ہے، میں اشعری کے موقف کو ہی درست قرار دیتا ہوں کیونکہ اس بارے اتنی احادیث وارد ہیں کہ حدِ تواتُر سے بھی زائد ہیں، دونوں دامادوں کی فضیلت بھی قطعی ہے پھر ان کی باہمی ترتیبِ فضیلت آنجناب کے ساتھ قرابتداری کے اعتبار سے عکس ہے، جو ان میں سے آپ سے نسب میں اقرَب ہے وہ فضیلت میں اَبعَد ہے، مثلاً قرابت میں ترتیب یہ ہے: علی پھر عثمان پھر عمر، فضیلت میں ترتیب اس کے الٹ ہوئی (عمرؓ پھر عثمانؓ پھر علیؓ) ابوبکر بالجزم امام مہدی سے افضل ہیں،

3655حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ
ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ كُنَّا نُخَيِّرُ بَيْنَ النَّاسِ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَنُخَيِّرُ أَبَا بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ،
ثُمَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَؓ .طرفه 3697

آنجناب کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں۔ ابن عمر کہتے ہیں ہم عہدِ نبوی میں لوگوں کے مقام ومرتبہ کا انتخاب کیا کرتے تھے تو ابوبکر کو پہلے نمبر پہ رکھتے پھر عمر اور پھر عثمان کو۔

سلیمان سے ابن بلال اور یحی بن سعید سے مراد انصاری ہیں، تمام راوی مدنی ہیں۔ (کنا نخیر الخ) یعنی باہم ایسی باتیں کرتے تھے کہ فلاں فلاں سے افضل ہے، عبیداللہ بن عمر کی نافع سے روایت جو مناقب عثمان میں آرہی ہے، میں ہے ہم ابوبکر کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے پھر عمر پھر عثمان پھر باقی صحابہ کے مابین یہ مفاضلہ نہ کرتے، ابوداؤد کی سالم عن ابن عمر سے روایت میں ہے ہم آنجناب کی حیات میں کہتے کہ آپکے بعد افضل ترین امتی ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان، طبرانی نے یہ جملہ بھی زیادہ کیا ہے کہ نبی پاک بھی ہماری یہ بات سنتے اور ان کا رنہ فرماتے۔ فضائل الصحابۃ میں خیثمہ بن سلیمان نے سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابن عمر کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ ہم کہتے ابوبکر، عمر اور عثمان کو نکال کے باقی سب برابر ہیں، نبی پاک ہماری یہ بات سن کر انکار نہ فرماتے، اسماعیلی نے بھی ابن ابی اویس عن سلیمان بن بلال کے طریق سے حدیثِ باب تخریج کی ہے سوائے آخری حصہ کے۔

جمہور اہل سنت کے نزدیک یہی ترتیب ہے بعض سلف ابوبکر وعمر کے بعد حضرت علی کا رتبہ قرار دیتے تھے، سفیان ثوری کا بھی یہی قول تھا، کہا جاتا ہے انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ ابن خزیمہ اور ان سے قبل و بعد ایک گروہ اسی رائے کا حامل ہے، بعض کے نزدیک علی وعثمان برابر ہیں، امام مالک نے المدونۃ میں یہی رائے دی ہے۔ ایک جماعت نے جس میں یحیی قطان بھی شامل ہیں اس میں ان کی پیروی کی ہے، متاخرین میں ابن حزم نے بھی یہی کہا ہے۔ حدیثِ ہذا جمہور کی حجت ہے، اس میں ابن عبدالبر نے طعن کیا ہے اس میں اپنا مستند ھارون بن اسحاق سے منقول اس قول کو قرار دیا ہے کہ میں نے یحی بن معین سے سنا، کہتے تھے جس نے کہا ابوبکر وعمر وعثمان وعلی، اور حضرت علی کی سابقیت اور فضل کو پہچانا تو وہ صاحبِ سنت ہے، کہتے ہیں میں نے انہیں بتلایا کہ لوگ تو ابوبکر وعمر وعثمان کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں! تو ان کی بابت سخت لب ولہجہ استعمال کیا۔ تعقباً کہا گیا ہے کہ ابن معین نے دراصل بعض لوگوں کی نکیر کی تھی جو عثمانیہ کہلاتے ہیں وہ حبِ عثمان میں غلو سے کام لیتے اور حضرت علی کی تنقیصِ شان کرتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوبکر وعمر وعثمان پر اقتصار اور حضرت علی کی فضیلت کی عدم معرفت کا اظہار ایک مذموم فعل ہے۔

ابن عبدالبر نے یہ دعوی بھی کیا ہے کہ حدیثِ ھذا اھل سنت کے قول کہ ان تین کے بعد حضرت علی کا نمبر ہے، کے خلاف ہے کیونکہ ان کا اجماع ہے کہ ان تین کے بعد حضرت علی افضلِ امت ہیں اور اس اجماع سے ابن عمر کی یہ حدیث غلط ثابت ہوتی ہے، اگرچہ سند کے اعتبار سے صحیح ہے، تعاقبِ علمی کرتے ہوئے کہا گیا کہ حضرت علی کی تفضیل سے ان کا سکوت علی الدوام ان کی عدم تفضیل کو مستلزم نہیں اور یہ اجماعِ مذکور تو ابن عمر کے ذکر کردہ اس زمانہ کے بعد واقع ہوا ہے، لہٰذا ان کی اس حدیث کی تغلیط غلط روش ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں میرا گمان ہے کہ ابن عبدالبر نے (پوری حدیث کو نہیں بلکہ) عبیداللہ بن عمر عن نافع کے طریق میں موجود اس زیادت (ثم نترك أصحاب رسول الخ) کو غلط قرار دیا ہے لیکن اس زیادت میں نافع متفرد نہیں، ابن ماجشون سے ان کی متابعت مروی ہے جسے خیثمہ نے یوسف بن ماجشون عن ابیہ عن ابن عمر کے حوالے سے یہی روایت تخریج کرتے ہوئے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں: (ثم نَدَعُ أصحابَ رسول الله ﷺ فلا نُفاضل بينهم) لیکن جیسا کہ ذکر کیا، ان کے اس وقت عدم تفاضل سے لازم نہیں کہ بعدازاں بھی حضرت علی کی بقیہ صحابہ پر تفضیل کا عقیدہ نہ رکھتے ہوں گے، پھر خود ابن عمر نے تین کے بعد حضرت علی کی تفضیل کا اقرار کیا ہے جیسا کہ

سابقہ باب کی حدیث میں بیان ہوا، اُس کے بعض طرق میں اس خیریتِ مذکورہ اور افضلیت کو خلافت سے متعلق امور کے ساتھ مقید ذکر کیا گیا ہے چنانچہ ابن عساکر کی عبد اللہ بن یسار عن سالم عن ابن عمر سے روایت میں یہ الفاظ ہیں: (إنكم لَتعلمُون أنا كُنَّا نقول علىٰ عهد رسول الله ﷺ أبوبكر و عمر و عثمان يعني في الخلافة) ، عبید اللہ عن نافع عن ابن عمر کے طریق سے روایت کیا ہے: (كُنَّا نقول في عهد رسول الله ﷺ مَن يكون أولَى الناس بِهذاالأمر؟ فنقول أبوبكر ثم عمر) کہ ہم نبی پاک کے عہد میں باہم کہا کرتے کہ (آپکے بعد) اس امرِ خلافت کا کون زیادہ حقدار ہے؟ یہ رائے ظاہر کرتے کہ ابوبکر پھر عمر۔

بعض لوگ یہ رائے بھی رکھتے ہیں کہ افضلِ صحابہ وہ تھے جو عہدِ نبوی مین شہادت پا گئے بطورِ مثال حضرت جعفر کا نام ذکر کیا گیا ہے، بعض حضرت عباس کو افضلِ صحابہ گردانتے ہیں مگر یہ قول قابلِ اعراض ہے، اس کا قائل اہلِ سنت بلکہ اھل ایمان میں سے ہی نہیں، بعض نے اُس حدیثِ نبوی کی اساس پر جس میں نبی اکرم نے اپنا خواب بیان فرمایا کہ ابوبکر وعمر کنویں سے ڈول نکال رہے ہیں اور ابوبکر کے بارہ میں فرمایا: (و في نزعه ضعفٌ) ، حضرت عمر کو سب سے افضل قرار دیا ہے، مگر یہ نہایت بودا استدلال ہے۔ بیہقی الاعتقاد میں ابو ثور عن الشافعی سے نقل کرتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین کا اس امر پر اجماع ہے کہ فضیلت میں ترتیب یہ ہے: ابوبکر پھر عمر پھر عثمان اور پھر علی رضوان اللہ علیہم۔ یہ حدیث امام کے افراد میں سے ہے، تمام رواۃ مدنی ہیں۔

5 باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلاً (نبی پاک کا فرمان اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو)

قَالَهُ أَبُو سَعِيدٍ

(قاله أبوسعيد الخ) ایک باب قبل نقل کردہ حدیثِ ابی سعید کی طرف اشارہ ہے، باب کی پہلی روایت بھی ابن عباس کے حوالے سے یہی ہے جسے تین طرق سے لائے ہیں۔

3656حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيلاً لاَتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ وَلَكِنْ أَخِي وَصَاحِبِي .أطرافه 467، 3657، 6738

ابن عباس راوی ہیں کہ نبی اکرم نے فرمایا اگر میں اپنی امت سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن وہ اسلام میں میرے بھائی اور میرے صحابی ہیں۔

(لو كنت الخ) حدیثِ ابی سعید میں (غیر ربی) کے الفاظ بھی ہیں، مسلم کی حدیثِ ابن مسعود میں ہے: (وقد اتخذ الله صاحبكم خليلا) ، کسی امتی کی نسبت آنجناب کی خلت کی نفی میں احادیث متوارِد ہیں اور ابی بن کعب کے حوالے سے جو مروی ہے کہ نبی اکرم کے ساتھ میرا آخری آمنا سامنا آپکی وفات سے پانچ دن قبل ہوا تھا، میں گیا تو آپ فرما رہے تھے: (إنه لم يَكُنْ نبيٌّ إلا وقد اتَّخذَ مِنْ أمته خليلا) کہ ہر نبی کا اس کی امت سے کوئی خلیل ہوتا ہے (اور میرا خلیل ابوبکر ہے)، اسے ابوالحسن حربی نے اپنی الفوائد میں نقل کیا ہے اور یہ مسلم کی نقل کردہ حدیثِ جندب کے معارض ہے جس میں ہے کہ میں نے وفات نبوی سے پانچ روز قبل آپکو یہ فرماتے سنا: (إني أبرأ إلى الله أن يكون لي منكم خليل) کہ میں اللہ کے سامنے اس امر سے اظہارِ براءت کرتا

ہوں کہ تم میں سے کوئی میرا خلیل ہو، اگر حدیثِ ابی ثابت ہے تو ان دونوں کے درمیان یہ تطبیق دی جا سکتی ہے کہ آنجناب نے جب تواضعاً لِلہ اور إعظاماً لہ کسی امتی کی خلت سے اعلانِ براءت فرمایا تو اسی وقت اللہ تعالی نے حضرت ابوبکر کیلئے آپکا تشوُّف اور آپکے دل میں ان کے اکرام واحترام کے مدنظر اجازت دی کہ انہیں خلیل بنالیں لہٰذا دونوں روایتیں متنافی نہیں، یہ تطبیق محبّ طبری نے ذکر کی ہے۔ ابوامامہ سے بھی حدیث ابی کی مانند مروی ہے مگر اس میں تقیُّد بخَمس مذکور نہیں، اسے واحدی نے تفسیر میں تخریج کیا۔ ابن حجر کہتے ہیں یہ دونوں روایتیں ضعیف الإسناد ہیں۔ (ولکِنْ أخي و صاحبی) فضائل الصحابہ میں خیثمہ نے احمد بن اسود عن مسلم بن ابراہیم شیخِ بخاری کے حوالے سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: (ولکن أخي و صاحبی فی اللہ تعالی)۔

3657 حَدَّثَنَا مُعَلَّى وَمُوسَى قَالاَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ وَقَالَ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلاً لاَتَّخَذْتُهُ خَلِيلاً، وَلَكِنْ أُخُوَّةُ الإِسْلاَمِ أَفْضَلُ .أطرافه 467، 3656، 6738- 3657 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ مِثْلَهُ

ایوب سختیانی کی روایت میں مزید یہ ہے لیکن اخوتِ اسلامی افضل ہے۔

لفظِ خلیل کی تشریح احادیث الأنبیاء کے ترجمہِ حضرت ابراھیم میں ذکر ہو چکی ہے۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا مودت، خلت، محبت اور صداقت مترادف الفاظ ہیں یا ہر ایک کا معنی ومفہوم جدا جدا ہے؟ اہلِ لغت کہتے ہیں خلت سب سے اعلی رتبہ ہے، حدیثِ ھذا سے بھی اس کی تائید ملی، آپ کا فرمان: (لو کنت متخذا الخ) بھی اسی طرف اشارہ کناں ہے، اس سے ظاہر ہے کہ کوئی امتی آپکا خلیل نہ تھا جبکہ آپ کی محبت کئی صحابہ کرام کیلئے ثابت و مذکور ہے مثلاً حضرات ابوبکر، عائشہ، وفاطمہ اور حسنین وغیرھم، حضرت ابراھیم متصف بالخلت اور آنجناب کا متصف بالمحبت ہونا اس امر کیلئے معکر نہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محبت کا مقام، خلت سے برتر ہے کیونکہ اس کا جواب یہ ہوگا کہ آنجناب کو اللہ کی جانب سے دونوں مقام، خلت ومحبت حاصل ہیں تو آپکا افضل الأنبیاء ہونا ان دونوں جہت سے ہے۔ زمخشری لفظِ خلیل کے بارہ میں لکھتے ہیں خلیل وہ جو تیرا ہم خِلال اور تیرے راستہ کا مُسایر ہو (یعنی ایک جیسی سیرت وکردار ہو) یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو تیری حاجت براری کرے اور تم اسکی، یا وہ جو خلالَ منزلک مداخلت کرے۔ (یعنی بے تکلفی سے گھر آنا جاتا ہو) گویا ان کے نزدیک ان تینوں مادوں سے اس کا اشتقاق قرار دینا جائز ہے۔ بعض نے کہا کہ اصلِ خلت: (انقطاع خلیل إلی خلیلہ) ہے، بعض نے یہ مفہوم بیان کیا کہ جو تیرا راز دار ہو، ایک قول کے مطابق جس کے دل میں صرف تیری الفت ہے، بعض نے قرار دیا کہ اصلِ خلت استصفاء ہے (یعنی خالص دوستی کیلئے کسی کو چن لینا) بعض نے مختص بالمودت ذکر کیا ہے، بعض نے اسے خلۃ بمعنی حاجت سے مشتق قرار دیا، تو بندے کا اللہ کے خلیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی (یعنی اس کے دین کی) نصرت ومعونت کرے۔

3658 حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ كَتَبَ أَهْلُ الْكُوفَةِ إِلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ فِي الْجَدِّ .فَقَالَ أَمَّا الَّذِي قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ هَذِهِ الأُمَّةِ خَلِيلاً لاَتَّخَذْتُهُ .أَنْزَلَهُ أَبًا يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ۔ (سابقہ ہے)

جد کے بارہ میں ان کی کلام کتاب الفرائض میں مشروح ہوگی، اہل کوفہ سے مراد اس کے بعض افراد ہیں، یہ عبداللہ بن عتبہ بن

مسعود ہیں، ابن زبیر نے انہیں کوفہ کا قاضی بنایا تھا، اسے احمد نے سعید بن جبیر کے حوالے سے نقل کیا، کہتے ہیں میں عبداللہ بن عتبہ کے پاس تھا اور انہیں ابن زبیر نے قاضیِ کوفہ بنایا ہوا تھا، تو ان کے پاس ان کا خط آیا جس میں تھا کہ تم نے مجھ سے جد کی بابت استفسار کیا الخ۔ احمد کی ابن جریج عن ابن ابی ملیکۃ کے طریق سے اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: (سوى الله حتى ألقاه)۔

علامہ انور حدیث کے الفاظ: (أنزله أبا) کی بابت لکھتے ہیں یعنی استحقاقِ میراث میں دادا کو والد کی بمنزلہ رکھا، یہی حنفیہ کا قول ہے البتہ چار جزئیات میں فرق کے ساتھ۔

3659حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالاَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَتِ امْرَأَةٌ النَّبِيَّ ﷺ فَأَمَرَهَا أَنْ تَرْجِعَ إِلَيْهِ .قَالَتْ أَرَأَيْتَ إِنْ جِئْتُ وَلَمْ أَجِدْكَ كَأَنَّهَا تَقُولُ الْمَوْتَ .قَالَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ إِنْ لَمْ تَجِدِينِى فَأْتِى أَبَا بَكْرٍ .طرفاه 7220، 7360

حضرت جُبیر بن مطعم روایت کرتے ہیں کہ ایک خاتون نبی پاک کے پاس آئی آپ نے اسے حکم دیا کہ پھر آنا وہ بولی فرض کریں میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں؟۔ گویا آپکی وفات کی طرف اشارہ کرتی تھی۔ فرمایا اگر مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر سے مل لینا۔

(أتت امرأة) ان کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ (كأنها تقول الموت) بلاذری کی ابراهیم بن سعد سے روایت میں ہے: (تُعَرِّض بالموت) یعنی تعریضاً۔ کنایۃً۔ موت کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ اسماعیلی کی ابن معمر عن ابراهیم سے روایت میں بھی یہی ہے، الأحکام کی حمیدی ہی سے روایت میں: (كأ نها تعني الموت) ہے، (كأنها الخ) کے قائل کی تعیین میں اختلاف ہے قاضی عیاض نے جزم کے ساتھ جبیر بن مطعم راویِ حدیث کو قرار دیا ہے، ظاہر امر یہی ہے، احتمالاً کوئی اور راوی بھی ہوسکتا ہے، طبرانی نے عصمہ بن مالک سے روایت کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ سے کہا آپکے بعد اپنے صدقات کس کے حوالے کریں؟ فرمایا: (إلى أبي بكر الصديق) اگر یہ ثابت ہے تو حدیثِ باب کی نسبت آپکے بعد ان کے خلیفہ ہونے کی طرف زیادہ واضح اشارہ ہے لیکن اس کی اسناد ضعیف ہے، اسماعیلی نے اپنی معجم میں سھل بن ابوخیثمہ سے روایت کیا کہ ایک اعرابی کے ساتھ آنجناب نے کوئی سودا طے کیا وہ پوچھنے لگا اگر قضائے بیع سے قبل آپ کا انتقال ہوگیا پھر کون پورا کریگا؟ فرمایا ابوبکر، پوچھا اگر ان کا بھی قضائے بیع سے قبل انتقال ہوجائے تب؟ فرمایا عمر، اسے طبرانی نے بھی اسی طریق سے مختصراً روایت کیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ آپکے مواعید کی تنجیز بعد از وفات آپکے خلفاء کے ذمہ تھی، شیعہ کا بھی رد ہوا جو کہتے ہیں کہ حضرات علی وعباس کی خلافت پر آپ نے منصوص کیا تھا، اس بارے کتاب الأحکام کے باب الاستخلاف کے تحت مزید بحث آئیگی۔

3660حَدَّثَنِى أَحْمَدُ بْنُ أَبِى الطَّيِّبِ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُجَالِدٍ حَدَّثَنَا بَيَانُ بْنُ بِشْرٍ عَنْ وَبَرَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ هَمَّامٍ قَالَ سَمِعْتُ عَمَّارًا يَقُولُ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَمَا مَعَهُ إِلاَّ خَمْسَةُ أَعْبُدٍ وَامْرَأَتَانِ وَأَبُو بَكْرٍ .طرفه 3857

راوی کہتے ہیں میں نے حضرت عمار سے سنا کہتے تھے کہ میں نے رسولِ پاک کو (اس وقت سے حالتِ اسلام میں) دیکھا ہے جب ابھی آپ کے ساتھ پانچ غلام، دو خواتین اور ابوبکر تھے۔

شیخِ بخاری مروزی بغدادی الأ صل مکّیٰ بأبی سلیمان تھے ان کے والد کا نام سلیمان تھا، ابوزرعہ نے حافظ قرار دیا ہے، ابو حاتم نے ضعیف کہا ہے، بخاری میں ان کی یہی ایک روایت ہے، اسے آگے باب (إسلام أبی بکر) میں کسی اور واسطہ سے بھی لائے ہیں، اسماعیل بن مجالد کوفی ہیں یحیی بن معین اور ایک جماعت نے قوی قرار دیا ہے، بعض نے کمزور کہا ہے ان کی بھی بخاری میں یہی ایک حدیث ہے، وَبرہ تابعی صغیر تھے، اسماعیل اوراوپر کے تمام رواۃ کوفی ہیں، راویِ حدیث حضرت عمار بن یاسر ہیں۔ (وما معه) یعنی مسلمان ہو جانے والوں میں سے۔

(إلا خمسة أعبد) ان سے مراد حضرات بلال، زید بن حارثہ، عامر بن فہیرۃ، ابوفکیھہ اور پانچویں شقران بھی ہو سکتے ہیں، ابن سکن نے کتاب الصحابۃ میں عبداللہ بن داؤد سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم کو والد کے ترکہ میں شقران اور ام ایمن ملے تھے، بعض شیوخ نے اس احتمال کا اظہار کیا ہے کہ پانچویں بجائے ابوفکیھہ کے خود حضرت عمار ہیں مگر مناسب ہے کہ ان کے ساتھ ان کے والدین کا بھی ذکر ہو کہ اکٹھے اسلام لائے اور اس ضمن میں نشانہِ تعذیب وتشدد بنائے گئے تھے، ان کی والدہ حضرت سمیہ اسلام کی اولین شہیدہ ہیں ابو جہل نے ان کے دل میں برچھا مار کر شہید کیا تھا، عامر بن فہیرۃ حضرت ابوبکر کے مولی تھے ان کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا تھا، طبرانی نے عروہ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ وہ بوجہ اسلام تشدد کا نشانہ بنے ہوئے تھے، ابوبکر نے خرید کر آزاد کر دیا، ابوفکیھہ صفوان بن امیہ بن خلف کے مولی تھے، ابن اسحاق کے بقول حضرت بلال کے ساتھ اسلام قبول کیا تو انہیں بھی امیہ نے تعذیب کا نشانہ بنانا شروع کیا، انہیں بھی حضرت ابوبکر نے آزاد کرایا۔

(و امرأتان) ان سے مراد ام المؤمنین حضرت خدیجہ اور دوسری ام ایمن ہیں یا سمیہ مراد ہو سکتی ہیں، بعض شیوخ نے تبعاً للدمیاطی ام فضل زوجہِ حضرت عباس قرار دیا ہے مگر یہ واضح نہیں کیونکہ وہ اگرچہ قدیمۃ الا سلام ہیں البتہ السابقین میں مذکور نہیں، اگر یہ ہوتیں تو ابورافع مولی عباس کا بھی ذکر کرتے کیونکہ انہوں نے ان کے ہمراہ اسلام قبول کیا تھا۔ اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ احرار میں مطلقا حضرت ابوبکر پہلے فرد ہیں جو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے لیکن حضرت عمار کی اس سے مراد اپنے اسلام کا اظہار کرنے والے حضرات ہیں وگرنہ کئی اور مسلمان خواتین وحضرات بھی اس وقت موجود تھے مگر وہ اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ اس کی سند میں تین تابعین ہیں۔

3661حَدَّثَنِی هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَاقِدٍ عَنْ بُسْرِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ عَائِذِ اللَّهِ أَبِی إِدْرِيسَ عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ ؓ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ إِذْ أَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ آخِذًا بِطَرَفِ ثَوْبِهِ حَتَّى أَبْدَى عَنْ رُكْبَتِهِ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ أَمَّا صَاحِبُكُمْ فَقَدْ غَامَرَ .فَسَلَّمَ، وَقَالَ إِنِّی كَانَ بَيْنِی وَبَيْنَ ابْنِ الْخَطَّابِ شَیْءٌ فَأَسْرَعْتُ إِلَيْهِ ثُمَّ نَدِمْتُ، فَسَأَلْتُهُ أَنْ يَغْفِرَ لِی فَأَبَى عَلَیَّ، فَأَقْبَلْتُ إِلَيْكَ فَقَالَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ ثَلَاثًا، ثُمَّ إِنَّ عُمَرَ نَدِمَ فَأَتَى مَنْزِلَ أَبِی بَكْرٍ فَسَأَلَ أَثَمَّ أَبُو بَكْرٍ فَقَالُوا لَا .فَأَتَى إِلَى النَّبِیِّ ﷺ، فَسَلَّمَ فَجَعَلَ وَجْهُ النَّبِیِّ ﷺ يَتَمَعَّرُ حَتَّى أَشْفَقَ أَبُو بَكْرٍ، فَجَثَا عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ،

وَاللَّهِ أَنَا كُنتُ أَظْلَمَ مَرَّتَينِ .فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ اللَّهَ بَعَثَنِي إِلَيكُم فَقُلتُم كَذَبتَ وَقَالَ أَبُو بَكرٍ صَدَقَ .وَوَاسَانِي بِنَفسِهِ وَمَالِهِ، فَهَل أَنتُم تَارِكُو لِي صَاحِبِي مَرَّتَينِ فَمَا أُوذِيَ بَعدَهَا .طرفه 4640

ابو درداء کہتے ہیں میں نبی پاک کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ابو بکر اپنے کپڑے کا کونہ پکڑے گھٹنہ کھولے نمودار ہوئے، آپ نے فرمایا لگتا ہے تمہارا ساتھی کی کسی سے لڑائی ہوئی ہے! انہوں نے آ کر سلام کیا پھر عرض کی کہ میرے اور ابن خطاب کے مابین کوئی معاملہ ہوا، مجھ سے جلدی میں کچھ (ناگوار) الفاظ منہ سے نکل گئے پھر مجھے ندامت ہوئی اور ان سے معافی کا خواہاں ہوا لیکن انہوں نے انکار کر دیا تو میں آپ کی طرف آ رہا ہوں، آپ نے تین مرتبہ فرمایا اللہ تمہیں معاف کرے، اتنے میں حضرت عمر کو بھی ندامت ہوئی وہ پہلے ابو بکر کے گھر گئے، پوچھا کیا ابو بکر ہیں؟ کہا گیا نہیں تو وہ بھی نبی پاک کی طرف چلے آئے اور آ کر سلام کیا، نبی پاک کا رخِ انور متغیر ہوا، اس پر ابو بکر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور عرض کی یا رسول اللہ واللہ زیادتی میری ہی تھی، دو مرتبہ کہا، نبی پاک نے فرمایا جب اللہ نے مجھے مبعوث کیا، تم نے تکذیب کی، یہ ابو بکر تھے جنہوں نے (بلا چوں و چرا) مجھے سچا مانا تو کیا تم میری خاطر میرے اس ساتھی کو (ستانا) چھوڑ سکتے ہو؟ دو مرتبہ یہ بات کہی، کہتے ہیں اس کے بعد کوئی حضرت ابو بکر سے الجھتا نہ تھا۔

سند کے راوی زید بن واقد دمشقی ثقہ قلیل الحدیث ہیں، بخاری میں ان کی یہی ایک حدیث ہے، تمام راوی دمشقی ہیں۔ (فقد غامر) یعنی کسی سے جھگڑ کر آ رہے ہیں، ہر بڑے اور گھمبیر معاملہ مثلاً جنگ میں اپنے آپ کو ڈالنے والا غامر کہلاتا ہے (معاصر عربی میں ایڈونچر پسند کو مغامر کہا جاتا ہے)، بعض نے اسے غمر یعنی حقد سے قرار دیا ہے یعنی کوئی ایسا کام ہوا کہ یہ کسی کی بابت اور کوئی ان کی بابت حقد کا شکار رہا ہے، تفسیر سورۃ الأعراف میں صرف ابو ذر کے نسخہِ بخاری میں بخاری کا یہ قول مذکور ہے: (قال أبو عبدالله غامر أی سبق بالخير) بقول عیاض یہ صرف مستملی کی ابو ذر سے صحیح بخاری کے منقول نسخہ میں ہے اور یہ مستغرب تفسیر ہے، اول ہی اظہر ہے۔ محب طبری نے اسے ابو عبیدہ بن مثنی کی طرف منسوب کیا ہے۔

(كان بينی و بين الخ) التفسیر کی روایت میں (محاورة) بھی ہے (یعنی سخت جملوں کا تبادلہ)، ابو یعلی کی حدیثِ ابی امامہ میں: (معاتبة) کا لفظ ہے اور ایک میں (مقاولة) ہے۔

(فأسرعت إليه) التفسیر میں ہے کہ حضرت عمر غصہ کے عالم میں واپس ہو لئے اور ابو بکر معذرت کرنے ان کے پیچھے گئے۔ (فسألته الخ) التفسیر میں ہے کہ انہوں نے معاف کرنے سے انکار کیا بلکہ کھٹاک سے دروازہ بند کر دیا۔ (فأبی علی) محمد بن مبارک کی روایت میں مزید یہ ہے کہ وہ بقیع تک ان کے پیچھے گئے حتی کہ وہ گھر سے نکل گئے، اسماعیلی کی ہسنجانی عن ہشام بن عمار سے روایت میں ہے کہ گھر جا کر بیٹھ رہے۔

(يتمعر) معر سے ماخوذ ہے، کہا جاتا ہے: (أمعر المكان إذا أجربَ) کوئی جگہ جب خشک سالی کا شکار ہو جائے، یعنی غصہ کیوجہ سے چہرہ کی رونق ختم ہوئی، بعض نسخ میں غین کے ساتھ ہے یعنی چہرہ بوجہ غضب سرخ ہوا، گویا جیسے مغرہ (ایک بوٹی) سے مصبوغ ہوا ہو، التفسیر کی روایت میں صراحۃً مذکور ہے کہ (و غضب رسول الله الخ)۔ ابو یعلی کی حدیثِ ابو امامہ میں ہے حضرت عمر

آکر بیٹھے تو نبی پاک نے رخ مبارک پھیر لیا وہ پھر اسی جانب آئے تو رخِ زیبا کسی اور جانب کر لیا وہ پھر کھڑے ہو کر سامنے آئے تو آپ نے پھر اعراض فرمایا، اس پر کہنے لگے یا رسول اللہ میری کسی بات سے آپ کو دکھ پہنچا ہے جو آپ اعراض فرما رہے ہیں؟ اگر آپ یوں ہی اعراض کرتے رہے تو میرے لئے زندگی میں کوئی خیر نہ ہوگی، تب آپ گویا ہوئے ابوبکر نے معذرت کی اور تم نے قبول نہ کی؟ طبرانی کی حدیثِ ابن عمر میں ہے تیرا بھائی اظہار معذرت کرتا تھا اور تم قبول نہ کرتے تھے؟ وہ کہنے لگے قسم ہے اس ذات کی جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا اب کبھی (ایسا موقع آیا اور انہوں نے) ایک دفعہ بھی معذرت کی تو قبول کرونگا اور آپ کے بعد اللہ کی ساری مخلوق میں مجھے وہ سب سے زیادہ محبوب ہیں، ابوبکر کہنے لگے واللہ میرے بھی یہی احساسات ہیں۔ (واللہ أنا کنت أظلم) یہ اسلئے کہا کہ ابتدا انہیں کی طرف سے ہوئی تھی۔

(تارکو لی صاحبی) التفسیر میں (تارکون الخ) ہے، یہی موجہ ہے حتی کہ ابو بقاء کا قول ہے کہ حذفِ نون رواۃ کی غلطی ہے کیونکہ یہ ترکیبِ اضافی نہیں اور نہ الف لام ہے اور حذفِ نون صرف انہی دو مواضع میں جائز ہے، دوسروں نے اس کی دو توجیہیں پیش کی ہیں ایک یہ کہ (صاحبی) مضاف ہوا اور اس کے اور مضاف الیہ کے مابین جار مجرور کا ذکر عنایۃً بتقدیم لفظ الإضافت ہوا، اس میں گویا، اپنے آپ کی طرف دونوں اضافتوں کے مابین تعظیماً للصدیق جمع کر دیا، اس کی نظیر ابن عامر کا اس آیت: (وَ کَذٰلِكَ زَیَّنَ لِکَثِیْرٍ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَکَاؤُهُمْ) [الأنعام : ۱۳۷] میں (أولادهم) کو منصوب پڑھنا ہے اور (شرکائهم) کو مجرور اور دونوں مضافوں کے مابین مفعول کے ساتھ فصل کیا گیا۔ دوسری توجیہہ یہ کیگئی ہے کہ استطالتِ کلام سے احتراز کی غرض سے نون کو حذف کر دیا جیسا کہ موصول سے مطول حذف کر دیا جاتا ہے، اس کی مثال یہ آیت ہے: (وَخُضْتُمْ کَالَّذِیْ خَاضُوا)۔

(فما أوذی بعدها) یعنی آنجناب کی جانب سے ان کی تعظیم کے اس اظہار کے بعد کوئی ان سے ناگوار بات نہ کرتا تھا۔

ابن حجر کہتے ہیں یہ زیادت صرف ہشام بن عمار کی روایت میں ہی دیکھی ہے، حضرت ابوبکر کا ربیعہ بن جعفر کے ساتھ بھی اسی قسم کا معاملہ ہوا تھا چنانچہ احمد نے حضرت ربیعہ سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک نے انہیں اور حضرت ابوبکر کو کچھ اراضی دی، کہتے ہیں ایک عذقِ نخلہ (یعنی کھجور کا پھل دار درخت) میں میرا ان سے جھگڑا ہو گیا میں کہتا تھا یہ میری زمین میں ہے وہ کہتے تھے میری زمین میں ہے، ہمارے مابین کچھ تلخ و ترش گفتگو ہوئی جس میں حضرت ابوبکر سے کوئی ایسا لفظ صادر ہوا جس پر انہیں جلد ہی احساسِ ندامت ہوا، مجھ سے کہنے لگے تم بھی ایسا لفظ مجھے کہہ ڈالو تا کہ حساب برابر ہو، لیکن میں نے انکار کیا، نبی پاک کے پاس بات پہنچی تو میں نے پورا قصہ بیان کیا، آپ نے فرمایا ہاں تم وہی لفظ تو جواباً نہ بولو، البتہ یہ کہو اے ابوبکر اللہ تمہیں معاف کرے چنانچہ میں نے یہی کہا، اس پر ابوبکر روتے ہوئے واپس چلے گئے۔

حدیث سے ثابت ہوا کہ ابوبکر تمام صحابہ سے افضل ہیں اور یہ کہ فاضل کو چاہئے کہ اپنے سے افضل کے ساتھ جھگڑا نہ کرے، آدمی کے سامنے اس کی تعریف کا جواز بھی ثابت ہوا مگر اس کا محل تب بنے گا اگر اس سے اس کے بگڑنے اور فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو، یہ بھی ظاہر ہوا کہ انسان کی فطرت کبھی اسے خلافِ اولیٰ افعال پر اکسا دیتی ہے، مگر فاضل فی الدین ایسی صورتحال میں جلد رجوع الی الأولیٰ کرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: (إِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّیْطَانِ تَذَکَّرُوا) [الأعراف :

۲۰۱] یعنی اہل تقوی جب کسی وقت شیطان کے کسی وار کا شکار ہو جاتے ہیں تو (فوراً ہی) اللہ کو یاد کرتے ہیں (یعنی تعوذ پڑھتے ہیں)۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ غیرِ نبی خواہ فضیلت میں کتنا ہی اعلیٰ رتبہ کا حامل ہو، معصوم نہیں، یہ بھی کہ مظلوم سے معافی وتحلُّل کی درخواست کرنا چاہئے، یہ بھی ثابت ہوا کہ گھٹنا عورۃ نہیں۔

علامہ انور (فقد غامر) کے تحت لکھتے ہیں اس کا اصل معنی کپڑے سمیٹ کر گہرے پانی میں اترنا ہے، (إن الله قد بعثني إليكم فقلتم الخ) کی نسبت سے لکھتے ہیں یہ ایسا انداز کلام ہے کہ مخاطب کے نزدیک اس کا محکی عنہ نہیں اور نہ متکلِّم کی نظر میں، مراد فقط اظہارِ ملال ہے۔ یہ بھی ان کے افراد سے ہے۔

3662حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُخْتَارِ قَالَ خَالِدٌ الْحَذَّاءُ حَدَّثَنَا عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ الْعَاصِؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَهُ عَلَى جَيْشِ ذَاتِ السَّلاَسِلِ، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ عَائِشَةُ فَقُلْتُ مِنَ الرِّجَالِ فَقَالَ أَبُوهَا قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَعَدَّ رِجَالاً .طرفه 4358

عمرو بن عاص کہتے ہیں مجھے نبی پاک نے ذات سلاسل کے لشکر کا امیر بنایا، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ سب سے زیادہ کون آپ کو محبوب ہے؟ فرمایا عائشہ، میں نے کہا مردوں میں سے؟ فرمایا اس کا باپ میں نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا پھر عمر تو متعدد افراد کا ذکر کیا۔

(خالد الحذاء حدثنا) یہ تقدیم الاسم علی الصفت کی قبیل سے ہے، ایسی نظائر بکثرت موجود ہیں، صحابی کے سوا تمام بصری ہیں، ابوعثمان سے مراد نھدی ہیں۔ (ذات السلاسل) مشہور پہلی سین پر زبر ہے، بطور جمع سلسلہ، ابوعبید بکری نے یہی ضبط کیا ہے، کہا گیا ہے کہ اس جگہ کی مناسبت سے اس سریہ کا نام پڑا کیونکہ وہاں ریت کے تودے ایک کے اوپر دوسرا، اس طرح تھا گویا زنجیر ہو۔ ابن اثیر نے سین کی پیش کے ساتھ ضبط کیا ہے، کہتے ہیں یہ بمعنی سلسال یعنی سہل ہے، اس کی مزید تفصیل المغازی میں آئیگی۔

(أي الناس أحب إليك) ابن عساکر کی قیس بن ابوحازم عن عمرو بن عاص سے روایت میں مزید یہ بھی ہے کہ عمرو یہ سنکر کہنے لگے: (یا رسول الله فأحبه)۔ ابن سعد کی روایت میں اس سوال کا سبب بھی مذکور ہے کہ آنجناب نے جب اس لشکر کا امیر عمرو کو بنایا اور لشکر میں ابوبکر وعمر بھی تھے (اس سے ثابت ہوا کہ افضل کی موجودگی میں مفضول امیر بن سکتا ہے، اسی پر امامتِ صلوات کے معاملہ کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے کیونکہ عادتِ مالوفہ یہ تھی کہ امیرِ لشکر اور پھر امامِ عام ہی امامتِ صلوات کے فرائض انجام دیا کرتے تھے، جن روایات میں اعلم یا اقرأ کو امام بنانے کا حکم ہے بظاہر اسے استحباب پر محمول کرنا ہوگا، اللہ اعلم) تو ان کے دل میں خیال آیا کہ ہو نہ ہو نبی پاک کی نظر میں ان کی قدر و منزلت ابوبکر وعمر سے زیادہ ہے تو یہ سوال کیا (نہ جانتے تھے کہ رسول اللہ تو انہیں فاتح مصر ہونے کی تمرین کرا رہے ہیں)۔

(فقلت من الرجال) ابن خزیمہ اور ابن حبان کے ہاں قیس بن ابوحازم عن عمرو کی روایت میں ہے کہ عرض کیا میں عورتوں میں سے نہیں بلکہ مردوں میں سے پوچھ رہا ہوں، ابن حبان کی حدیثِ انس میں ہے کہ نبی پاک سے سوال کیا گیا: (مَن أحبُّ الناس إليك) آپ کو سب سے محبوب انسان کون ہے؟ فرمایا عائشہ، کہا گیا ہم آپ کے اہل کی بابت نہیں پوچھ رہے، تو اس حدیث عمرو سے اس

سائل کا نام علم ہوا (گویا حضرت انس بھی اسی واقعہ کے بارہ میں بیان کرتے ہیں)۔

(فقلت ثم مَنُ الخ) المغازی کی ایک دیگر طریق سے اسی روایت میں ہے کہ پھر چپ ہو گئے کہ مبادا ان (یعنی عمرو بن عاص) کا نام سب سے آخر میں لیں، عبداللہ بن شقیق سے منقول ہے، کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ آنجناب کو سب سے زیادہ محبوب صحابی کون تھا؟ کہا ابوبکر، میں نے کہا پھر کون؟ کہا عمر، میں نے کہا پھر کون؟ کہا ابوعبیدہ بن جراح، میں نے کہا پھر کون؟ اس پر سکوت اختیار کیا، اسے ترمذی نے تخریج کیا اور صحیح قرار دیا ہے تو ممکن ہے اس روایت میں جن رجال کا ذکر ہے ان میں ابو عبیدہ بھی ہوں، احمد، ابوداؤد اور نسائی نے بسند صحیح نعمان بن بشیر سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر نے آنجناب کے گھر میں آنے کی اجازت طلب کی، اندر آئے تو حضرت عائشہ کو بآواز بلند یہ کہتے سنا (نبی پاک سے مخاطب ہوکر) مجھے پتہ ہے علی میرے باپ کی نسبت آپ کو زیادہ محبوب ہیں، تو ان رجال میں وہ بھی ہو سکتے ہیں، یہ اگرچہ حدیثِ عمرو کے معارض ہے لیکن حدیثِ عمرو راجح قرار پائے گی کیونکہ اس میں تو نبی پاک نے اپنی زبان سے فرمایا کہ سب سے مجھے محبوب ابوبکر ہیں، یہ تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ جہتِ محبت کا فرق ہے، حضرت ابوبکر کے حق میں یہ علی العموم ہے بخلاف حضرت علی کے لہٰذا ان کا حدیثِ عمرو میں مبہم رکھے گئے افراد میں ہونا ممکنہ طور پہ صحیح ہے، ابن حجر کہتے ہیں معاذ اللہ رافضیوں کی طرح ہم نہیں کہتے کہ حضرت عمرو نے حضرت علی کے ساتھ مخاصمت کیوجہ سے جان بوجھ کر ان کا نام مبہم رکھا اب حضرت نعمان بن بشیر بھی امیر معاویہ کے ساتھیوں میں سے تھے، یہ امر انکے حضرت علی کی منقبت بیان کرنے میں رکاوٹ ثابت نہیں ہوا اور بلا شبہ عمرو نعمان سے افضل ہیں (نعمان صغار صحابہ میں سے ہیں)۔ اسے مسلم نے (الفضائل) اور ترمذی و نسائی نے (المناقب) میں نقل کیا ہے۔

3663 حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ بَيْنَمَا رَاعٍ فِي غَنَمِهِ عَدَا عَلَيْهِ الذِّئْبُ، فَأَخَذَ مِنْهَا شَاةً، فَطَلَبَهُ الرَّاعِي، فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ الذِّئْبُ فَقَالَ مَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ، يَوْمَ لَيْسَ لَهَا رَاعٍ غَيْرِي، وَبَيْنَا رَجُلٌ يَسُوقُ بَقَرَةً قَدْ حَمَلَ عَلَيْهَا فَالْتَفَتَتْ إِلَيْهِ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَتْ إِنِّي لَمْ أُخْلَقْ لِهَذَا، وَلَكِنِّي خُلِقْتُ لِلْحَرْثِ قَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللَّهِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَإِنِّي أُومِنُ بِذَلِكَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ؓ. اطرافه 2324، 3471، 3690۔ (دیکھئے جلد سوم ص: ۵۲۴)

ذکرِ بنی اسرائیل میں گزر چکی، وہاں اس کی اسناد پر بحث ہوئی تھی۔ (بینما راع الخ) اس راعی کا نام معلوم نہیں ہو سکا، ذکر بنی اسرائیل میں اس روایت کا لانا اس امر کا اشعار ہے کہ زمانہ قبل از اسلام سے متعلق ہے، بعض صحابہ کے ساتھ بھی بھیڑیے کے مکالمہ کا اسی قسم کا واقعہ پیش آیا چنانچہ ابونعیم کی الدلائل میں اہبان بن اوس سے روایت میں ہے، کہتے ہیں میں اپنے ریوڑ کے ساتھ تھا کہ ایک بھیڑیے نے ایک بکری پر حملہ کیا میں چیخا تو بھیڑیا دم کے بل ہو کر مجھ سے ہمکلام ہوا، کہنے لگا اس دن کیا ہوگا جب تو ان کی طرف سے (کسی اور کاموں میں) مشغول ہو جائے گا؟ کیا مجھے اللہ کے دئے گئے رزق سے روکتا ہے؟ میں نے از راہِ تعجب ہاتھ پہ ہاتھ مارا اور کہا واللہ اِسقدر تعجب انگیز بات کبھی نہ دیکھی تھی، وہ بولا اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ ایک نبی ان کھجوروں کے باغات (مدینہ)

میں اللہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں، کہتے ہیں اس پر اھبان آنجناب کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے، تو محتمل ہے جب اھبان نے آنجناب کو یہ واقعہ سنایا ہو ابوبکر وعمر بھی وہاں موجود ہوں پھر جب آپ نے کسی موقع پر لوگوں کو یہ قصہ سنایا وہ وہاں نہ ہوں، اسی لئے آپ نے فرمایا: (فإني أؤمن بذلك و أبوبكر وعمر)۔ المزارعۃ میں اسی روایت جو ابوسلمہ کے حوالے سے تھی، میں یہ بات مذکور ہے کہ ابوبکر وعمر اس سے حاضر نہ تھے، یا دوسرا احتمال یہ ہے کہ آنجناب نے ان کے صدق اور قوتِ ایقان کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ فرمایا، اسی لئے اسے ان کی منقبت کے باب میں نقل کیا ہے۔

(یوم السبع) عیاض کہتے ہیں باء پر پیش اور جزم، دونوں صحیح ہیں البتہ روایت میں پیش کے ساتھ ہے، حربی کہتے ہیں پیش اور سکون کے ساتھ ہے، جزم کے ساتھ اس سے مراد حیوانِ معروف (یعنی شیر) قرار دیتے ہیں، ابن عربی کا موقف ہے کہ یہ سکون کے ساتھ ہے جبکہ پیش تصحیف ہے، ابن جوزی لکھتے ہیں کہ جزم کے ساتھ ہے مگر محدثین پیش کے ساتھ روایت کرتے ہیں اس پر معنی یہ ہوگا کہ جب اسے سبع پکڑ لے گا اور اس سے خلاصی پانے کی قدرت نہ ہوگی تب میں ہی ان کا چرواہا ہوں گا، یعنی تم تو بھاگ جاؤ گے اور میں یہیں جنگل میں رہونگا، اور اپنی خوراک سے فاضل ریوڑ کا میں ہی نگہبان بنوں گا۔ داؤدی کہتے ہیں معنی یہ ہے کہ جب شیر ان پر حملہ آور ہوگا تو تم بھاگ جاؤ گے، وہ اپنی حاجت پوری کریگا، میرے علاوہ کوئی اور ان کا راعی نہ ہوگا (یعنی میرے رحم وکرم پر ہونگی)۔

کہا جاتا ہے اس کی مراد یہ تھی کہ اھبان فتنوں میں ڈال دیا جائے گا، ان کی نگہبانی نہ کر پائیں گی تو ریوڑ ھمل (یعنی بغیر چرواہے کے ہونا) بن جائیگا، درندے آکر انہیں شکار کرینگے تب وہاں بھیڑیا ہی ہوگا (جو اپنی خوراک سمجھتے ہوئے دوسروں کی دست برد سے انہیں بچائیگا)۔ بائے ساکن کے ساتھ کیا معنی ہے؟ اس میں تعددِ آراء ہے، کہا گیا ہے کہ اس جگہ کا نام ہے جہاں حشر کا میدان سجے گا، اسے ازہری نے تہذیب اللغۃ میں ابن اعرابی سے نقل کیا ہے اس کی تائید محمد بن عمرو بن علقمۃ عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ کے حوالے سے اس کے بعض طرق میں موجود (یوم القیامۃ) کے الفاظ سے ہوتی ہے، اس کا یہ کہہ کر تعاقب کیا گیا ہے کہ اگر یہ روز قیامت ہے تو وہاں بھیڑیا تو ان کا چرواہا نہ ہوگا، اس کا ان سے کیا واسطہ؟۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ جاھلیت میں ان کی عید کا دن تھا، مراد یہ کہ وہ تو لعب ولہو میں لگے ہوں گے تب کون بھیڑیے سے بچائے گا، بھیڑیے نے (لیس لھا راع غیری) کا جملہ ان پر تمکّن (قابو پانا) میں مبالغہ کے طور سے کہا، اسے اسماعیلی نے ابوعبیدہ سے نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ (سبعت الرجل) جب اسے خوفزدہ کر دے، سے ماخوذ ہے یعنی یوم الفزع، یا یہ اِسباع بمعنی اِھمال سے ہے یعنی تم (کسی وجہ سے) ان کی نگہبانی سے غافل رہے تو تب کون ہوگا، اصمعی کہتے ہیں: (السبع الھمل)، (أسبع الرجل أغنامہ) جب انہیں شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دے اور نگہبانی سے غفلت کرے، نووی نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔

بعض نے (یوم الأکل) کا معنی کیا، (سبعَ الذئب الشاۃَ) جب اسے کھائے۔ صاحب المطالع ذکر کرتے ہیں کہ مروی (یوم السبی) ہے بسکون التحتانیۃ آخر الحروف)۔ (یعنی یائے ساکن کے ساتھ) اس کا معنی یوم الضیاع کیا ہے، کہا جاتا ہے کہ أسبعت اور أضعتُ مترادف ہیں، اسے ابن دحیہ نے اسماعیل قاضی عن ابن مدینی عن معمر بن المثنی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یوم السبع بمعنی یوم الشدۃ ہے جیسے ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک مسئلہ کی بابت سوال ہوا تو کہنے لگے: (أجرأ مِن سبع) مراد یہ تھی کہ یہ بڑے سخت مسئلوں میں سے ہے جن میں مفتی کیلئے فتوی دینا بڑا دشوار ہوتا ہے۔ (وبینما رجل یسوق بقرۃ)

اس پر کتاب المزارعۃ (توفیق جلد سوم) میں بحث گزر چکی ہے، ابن حبان کی محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ کے طریق سے روایت میں ہے کہ حاضرین نے آخر میں یہ قصہ سنکر کہا: (آمنّا بما آمن بہ رسول اللہ ﷺ) یعنی ہم نے بھی نبی پاک کی طرح ان قصوں کی حقانیت پر یقین کیا۔

3664حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ الْمُسَيَّبِ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي عَلَى قَلِيبٍ عَلَيْهَا دَلْوٌ، فَنَزَعْتُ مِنْهَا مَا شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ أَخَذَهَا ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ فَنَزَعَ بِهَا ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ وَاللَّهُ يَغْفِرُ لَهُ ضَعْفَهُ ثُمَّ اسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَأَخَذَهَا ابْنُ الْخَطَّابِ، فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ يَنْزِعُ نَزْعَ عُمَرَ، حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ أطرافه 7021، 7022، 7475

ابو ہریرہ راوی ہیں کہ نبی پاک نے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا میں نے اپنے آپکو ایک کنویں پہ دیکھا کہ اس سے ڈول کھینچتا ہوں جتنے اللہ نے چاہے پھر ابوبکر نے پکڑ لیا ایک یا دو ڈول نکالے، ان کے کھینچنے میں کچھ ضعف تھا، اللہ انہیں معاف کرے پھر عمر نے ڈول پکڑ لیا ان کے ہاتھ میں جا کر وہ بہت بڑے ڈول میں بدل گیا میں نے ایسا شہ زور نہیں دیکھا جو عمر کی طرح ڈول کھینچتا ہو، اتنا پانی نکالا کہ لوگوں نے اپنے اونٹوں تک کو سیراب کر لیا۔

عبداللہ سے مراد ابن مبارک ہیں، اس کی شرح کتاب التعبیر میں آئے گی۔

3665حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ أَخْبَرَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّ أَحَدَ شِقَّيْ ثَوْبِي يَسْتَرْخِي إِلاَّ أَنْ أَتَعَاهَدَ ذَلِكَ مِنْهُ .فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّكَ لَسْتَ تَصْنَعُ ذَلِكَ خُيَلاَءَ قَالَ مُوسَى فَقُلْتُ لِسَالِمٍ أَذَكَرَ عَبْدُ اللَّهِ مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ قَالَ لَمْ أَسْمَعْهُ ذَكَرَ إِلاَّ ثَوْبَهُ .أطرافه 5783، 5784، 5791، 6062

ابن عمر راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا جس نے بوجہ تکبر اپنا کپڑا گھسیٹا اللہ روزِ قیامت اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں، اس پر ابوبکر نے عرض کی یا رسول اللہ میرے کپڑے کا ایک کنارہ لٹک جایا کرتا ہے الا یہ کہ بار بار اسے ٹھیک کرتا رہوں تو نبی پاک نے فرمایا تم یہ تکبر کی وجہ سے نہیں کرتے (لہٰذا معاف ہے)۔

اس کی شرح کتاب اللباس میں آئیگی، اس سے حضرت ابوبکر کی دین و تدیُّن پر حرص کی صورت میں منقبت عیاں ہوتی ہے پھر نبی اکرم کے ان سے صفتِ تکبر کی نفی کرنے سے بھی۔

(فقلت لسالم الخ) یہ موسی بن عقبہ کا مقول ہے۔ اللباس کی بحث میں ابن عمر کی یہ رائے بھی زیر بحث آئیگی کہ ان کے نزدیک ازار (یعنی کمر پر بندھی چادر) اور ثوب (کپڑا) اس حکم میں برابر ہیں۔ علامہ انور (إنك لست تصنع خيلاء) کی بابت لکھتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک یہ خاص حضرت ابوبکر کیلئے رخصت تھی، ان (یعنی فقہائے احناف) کی ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ نفسِ جر (یعنی کپڑا اتنا لٹکا ہوا ہو کہ گھسیٹتا پھرے) اور ٹخنوں سے نیچے کرنے کی کراہت بہر صورت ہے، ازرہِ تکبر ہو یا اس کے بغیر، امام شافعی

نے اسے خیلاء کے ساتھ خاص کیا ہے، تو اگر ازرہِ تکبر کپڑا (یعنی چادر، شلوار اور پتلون) ٹخنوں سے نیچے کرتا ہے تو یہ مکروہِ تحریمی ہے، وگرنہ مکروہ تنزیہی۔ حاشیہِ فیض میں مولانا بدر لکھتے ہیں فتاوی عالمگیری میں ہے کہ کسی کا ازار لٹکانا اگر بوجہِ تکبر نہیں تب مکروہِ تنزیہی ہے لہٰذا حنفیہ و شافعیہ اس مسئلہ میں باہم مختلف نہیں۔ (حدیث کے الفاظ: إنك لست تصنع خيلاء۔ کہ تم تکبر کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے، سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ شلوار وغیرہ ازرہِ تکبر ٹخنوں سے نیچے کرنا منع ہے، رواجاً یا مجبوراً کہ پتلون پہننے والے حضرات کہتے ہیں ہماری مجبوری ہے کہ پتلون کو اونچا صرف نیچے سے لپیٹ کر ہی کیا جا سکتا ہے اور وہ اچھی نہیں لگتی، ایسا کرنا مکروہ تحریمی کے زمرہ میں نہیں، یہ امر بھی ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے کہ کراہت۔ تحریماً یا تنزیہاً۔ ٹخنوں سے نیچے کرنے کی ہے اگر ٹخنوں کے درمیان تک ہو تب شائد مکروہ نہیں، بعض لوگ تشدد سے کام لیتے ہوئے زور دیکر کہتے ہیں: اور اونچا کریں، میں نے ایک سے کہا تمہاری یہ بات صحیح ہے کہ حدیثِ نبوی ہے: لباس المؤمن إلى نصف الساق۔ کہ مومن کا لباس نصف پنڈلی تک ہے تو اس میں یہ بات مدنظر رکھنا ہوگی کہ پنڈلی سے نیچے جہاں ٹخنہ شروع ہوتا ہے وہاں تک رکھنے کی اجازت و رخصت ہے لہٰذا اس پر عیب جوئی و نکتہ چینی کرنے کے مجاز نہیں، ٹخنہ نظر آنا چاہئے یا ٹخنہ ننگا کرلو، عام سننے میں آتا ہے، میرے خیال میں مسئلہ یہ ہے کہ کپڑا ٹخنوں سے نیچے نہیں ہونا چاہئے، اہل نظر کے نزدیک دونوں میں فرق ہے)۔

3666حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ مِنْ شَيْءٍ مِنَ الأَشْيَاءِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ دُعِيَ مِنْ أَبْوَابِ يَعْنِي الْجَنَّةَ يَا عَبْدَ اللَّهِ هَذَا خَيْرٌ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلاَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلاَةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصِّيَامِ، وَبَابِ الرَّيَّانِ .فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ مَا عَلَى هَذَا الَّذِي يُدْعَى مِنْ تِلْكَ الأَبْوَابِ مِنْ ضَرُورَةٍ، وَقَالَ هَلْ يُدْعَى مِنْهَا كُلِّهَا أَحَدٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ نَعَمْ، وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ يَا أَبَا بَكْرٍ .أطرافه 1897، 2841، 3216۔ (جلد سوم ص:٦٢ میں ترجمہ موجود ہے)

(دعی من أبواب يعنی الجنة) اس طریق سے روایت میں یہی ہے، یا (الجنة) کا لفظ کسی راوی سے رہ گیا تو یعنی کے اضافہ سے اسے ذکر کر دیا، الصیام میں ایک دیگر طریق کے ساتھ زہری سے روایت میں: (من أبواب الجنة) مروی تھا، مراد یہ کہ ہر عامل کو اس کے عمل سے متعلقہ بابِ جنت سے پکارا جائے گا، یہ بات تصریحاً ایک اور طریق کے ساتھ حضرت ابوھریرہ سے روایت میں موجود ہے، اسکے الفاظ ہیں: (لكل عاملٍ بابٌ الخ) اسے احمد اور ابن ابوشیبہ نے بسند صحیح نقل کیا ہے۔ (هذا خير) خیر کا لفظ یہاں بمعنی فاضل ہے، نہ کہ بمعنی افضل، اگرچہ لفظ اسی طرف ذہن کو لے جاتا ہے (کیونکہ خیر اسم تفضیل ہے البتہ اس کا زیادہ استعمال غیر تفضیل کے معنی میں ہے عموماً جہاں اصلی معنی مقصود ہوتا ہے وہاں مقابل کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے)۔ اس کا فائدہ اس باب سے داخلہ کے لئے سامع کو ترغیب دلانا ہے، اوائل کتاب الجہاد کی روایت میں یہ الفاظ تھے: (دعاه خزنةُ الجنة كلُّ خزنة باب) یعنی ہر

دروازے کے دربان اسے پکارینگے۔

(أي فل) یہ فلان میں ایک لہجہ ہے، اس پر فاء مضموم ہے، روایت میں یہی ہے، ایک قول ہے کہ یہ فلان کی ترخیم ہے اس پر لام پر زبر پڑھی جائے گی۔ یہاں چار ابواب مذکور ہیں جبکہ الجہاد کی روایت میں تھا: (وإن أبواب الجنة ثمانية) تو باقی ارکانِ اسلام مثلاً حج کا بھی بلاشبہ دروازہ ہے باقی ابواب میں سے ایک دروازہ الکاظمینَ الغیظ والعافین عن الناس کا ہے، اس کا ذکر احمد کی روح بن عبادۃ عن اشعث عن الحسن سے مرسل روایت میں ہے، ان میں سے ایک باب الأیمن بھی ہے، یہ باب المتوکلین ہے اس سے وہ داخلِ جنت ہوں گے جنکا کوئی حساب وکتاب نہ ہوگا، تیسرا (اور آخری یعنی آٹھواں) دروازہ باب الذکر ہے، ترمذی کی ایک روایت میں اس کی طرف ایماء ہے، یہ باب العلم بھی ہوسکتا ہے، واللہ اعلم، یہ بھی محتمل ہے کہ ان آٹھوں دروازوں سے مراد جنت کے اصلی دروازوں کے بعد کوئی اندرونی دروازے ہوں کیونکہ اعمالِ صالحہ تو آٹھ سے اکثر ہیں (ممکن ہے یہ درجاتِ جنت کے ابواب ہوں)۔

(فقال أبوبكر الخ) الصیام میں اس کے بعد یہ جملہ تھا: (فهل يدعى أحد من تلك الأبواب كلها؟) کیا کوئی ایسا خوش نصیب بھی ہوگا جسے ان سب دروازوں سے پکارا جائے گا؟ اس سے اشارہ ملا کہ ایسے افراد قلیل ہی ہوں گے، ان دروازوں سے متعلقہ اعمال صالحہ سے مراد اس نوع کے نفلی اعمال ہیں نہ کہ فرضی کیونکہ فرضی اعمال کرنے والے تو سبھی ہیں بخلاف تطوعات کے کہ ان کے عامل کم کم ہوتے ہیں تو تمام انواع کے نفلی اعمال کرنے والے نہایت کم ہیں لہذا آٹھوں دروازوں سے پکارے جانیوالے بھی کم ہی ہوں گے پھر ایسے جو حضرات ہوں گے، (مثلاً حضرت ابوبکر) تو وہ تکریماً وتشریفاً ان سب سے پکارے جائینگے، داخل تو ایک سے ہی ہوں گے، شائد اسی دروازے میں سے جسکا عمل ان پر غالب ہوگا، مسلم نے جو حضرت عمر سے نقل کیا ہے کہ جس نے وضوء کیا پھر کلمہِ شہادت پڑھا اس کیلئے ابوابِ جنت کھول دئے جاتے ہیں جس سے چاہے داخل ہو جائے تو یہ اگرچہ ظاہر روایتِ ھذا کے معارض ہے مگر اس کے منافی نہیں کیونکہ اسے اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ یہ اس کیلئے علی سبیل التکرُم کھول دئے جاتے ہیں مگر داخل اسی باب سے ہوگا جسکا عمل اس پر غالب رہا ہوگا (یہ توجیہہ بھی ممکن ہے کہ مسلم کی حدیث میں جن دروازوں کا ذکر ہے یہ جنت کے بیرونی دروازے ہیں جبکہ روایتِ باب کے یہ آٹھ دروازے اندرونی میں جو آٹھوں کے آٹھوں صرف ابوبکر جیسے افراد کیلئے کھلیں گے، اس کی تائید اس امر سے بھی ملتی ہے کہ روایتِ مسلم میں ان ابواب کی تعداد مذکور نہیں)۔

ابن حجر آخرِ بحث تنبیہہ کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ نماز، جہاد، علم اور حج میں انفاق تو ظاہر ہے ان کے سوا کسی اور میں مشکل ہے (یعنی باعثِ اشکال) تو ممکن ہے نماز میں انفاق سے مراد ان امور وآلات میں انفاق جو ادائیگی نماز میں مِمد ثابت ہوتے ہیں، مثلاً تطہیرِ ثوب، بدن اور مکان (یعنی مسجد کی تعمیر اور ان میں مطلوبہ سہولیات کی فراہمی)، روزوں میں انفاق اسطرح کہ ان کے رکھنے پر تقویت ملے، عفوعن الناس میں انفاق یہ ہوسکتا ہے کہ اپنے حق معاف کر دے یا کسی کے ذمہ آن پڑی چٹی یا قرضوں وغیرہ کی ادائیگی میں خرچ کرے، انفاق فی التوکل اس طرح سے کہ اپنے اوپر خرچ کرے، اپنی بیماری کا علاج کرائے جو اسے تصرُّف فی طلب المعاش سے روکتی ہے، بعض نے انفاق فی الصلاۃ والصیام سے مراد بذل النفس فیھما (یعنی اپنے آپ کو ان میں لگانا) قرار دیا ہے، عرب کسی معاملہ میں جان کھپانے کو بھی نفقہ سے تعبیر کرتے تھے، جیسے کہا جاتا ہے (أنفقت في طلب العلم عُمري) یعنی طلبِ علم میں اپنی عمر کھپا

دی، ابن حجر کہتے ہیں یہ عمدہ معنی ہے۔ یہ کہنا بعید ہے کہ زوجین سے مراد نفس اور مال ہے کیونکہ نماز اور روزہ میں انفاقِ مال بمذکورہ تاویل ہی ممکن ہے۔ یہ کہنا کہ اس سے مراد کسی دوسرے کو روزے رکھوانا ہے، بھی بعید ہے کیونکہ یہ تو بابِ صدقہ میں سے ہوگا۔

(و أرجو أن تكون منهم) علماء کہتے ہیں اللہ تعالی یا اس کے نبی کی نسبت سے رجاء کے لفظ کا استعمال اس کا واقع ہونا ہی ہے، اسی توجیہہ سے یہ حدیث فضائلِ ابوبکر کے تحت مندرج ہوتی ہے۔ ابن حبان کی حدیثِ ابن عباس میں تصریح بالوقوع ہے، اس کے الفاظ ہیں: (قال أجل و أنت ہو يا أبابكر)۔ (یعنی ہاں تم ہی وہ خوشبخت ہوا ے ابوبکر)۔

3667 حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَاتَ وَأَبُو بَكْرٍ بِالسُّنْحِ قَالَ إِسْمَاعِيلُ يَعْنِي بِالْعَالِيَةِ فَقَامَ عُمَرُ يَقُولُ وَاللَّهِ مَا مَاتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ. قَالَتْ وَقَالَ عُمَرُ وَاللَّهِ مَا كَانَ يَقَعُ فِي نَفْسِي إِلَّا ذَاكَ وَلَيَبْعَثَنَّهُ اللَّهُ فَلَيَقْطَعَنَّ أَيْدِيَ رِجَالٍ وَأَرْجُلَهُمْ. فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ فَكَشَفَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَبَّلَهُ قَالَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُذِيقُكَ اللَّهُ الْمَوْتَتَيْنِ أَبَدًا. ثُمَّ خَرَجَ فَقَالَ أَيُّهَا الْحَالِفُ عَلَى رِسْلِكَ.

فَلَمَّا تَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ جَلَسَ عُمَرُ فَحَمِدَ اللَّهَ أَبُو بَكْرٍ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَقَالَ أَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ. وَقَالَ (إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ) وَقَالَ (وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ) قَالَ فَنَشَجَ النَّاسُ يَبْكُونَ قَالَ وَاجْتَمَعَتِ الْأَنْصَارُ إِلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ فَقَالُوا مِنَّا أَمِيرٌ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ، فَذَهَبَ إِلَيْهِمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ، فَذَهَبَ عُمَرُ يَتَكَلَّمُ فَأَسْكَتَهُ أَبُو بَكْرٍ، وَكَانَ عُمَرُ يَقُولُ وَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ بِذَلِكَ إِلَّا أَنِّي قَدْ هَيَّأْتُ كَلَامًا قَدْ أَعْجَبَنِي خَشِيتُ أَنْ لَا يَبْلُغَهُ أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ تَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَتَكَلَّمَ أَبْلَغَ النَّاسِ فَقَالَ فِي كَلَامِهِ نَحْنُ الْأُمَرَاءُ وَأَنْتُمُ الْوُزَرَاءُ. فَقَالَ حُبَابُ بْنُ الْمُنْذِرِ لَا وَاللَّهِ لَا نَفْعَلُ، مِنَّا أَمِيرٌ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ لَا، وَلَكِنَّا الْأُمَرَاءُ وَأَنْتُمُ الْوُزَرَاءُ هُمْ أَوْسَطُ الْعَرَبِ دَارًا، وَأَعْرَبُهُمْ أَحْسَابًا فَبَايِعُوا عُمَرَ أَوْ أَبَا عُبَيْدَةَ. فَقَالَ عُمَرُ بَلْ نُبَايِعُكَ أَنْتَ، فَأَنْتَ سَيِّدُنَا وَخَيْرُنَا وَأَحَبُّنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ. فَأَخَذَ عُمَرُ بِيَدِهِ فَبَايَعَهُ، وَبَايَعَهُ النَّاسُ، فَقَالَ قَائِلٌ قَتَلْتُمْ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ. فَقَالَ عُمَرُ قَتَلَهُ اللَّهُ وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَالِمٍ عَنِ الزُّبَيْدِيِّ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْقَاسِمِ أَخْبَرَنِي الْقَاسِمُ أَنَّ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ شَخَصَ بَصَرُ

النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ قَالَ فِي الرَّفِيقِ الأَعْلَى .ثَلاَثًا، وَقَصَّ الْحَدِيثَ، قَالَتْ فَمَا كَانَتْ مِنْ خُطْبَتِهِمَا مِنْ خُطْبَةٍ إِلَّا نَفَعَ اللَّهُ بِهَا، لَقَدْ خَوَّفَ عُمَرُ النَّاسَ وَإِنَّ فِيهِمْ لَنِفَاقًا، فَرَدَّهُمُ اللَّهُ بِذَلِكَ ثُمَّ لَقَدْ بَصَّرَ أَبُو بَكْرٍ النَّاسَ الْهُدَى وَعَرَّفَهُمُ الْحَقَّ الَّذِي عَلَيْهِمْ وَخَرَجُوا بِهِ يَتْلُونَ (وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ) إِلَى (الشَّاكِرِينَ) أطرافه 1242، 3668، 4453، 4454، 4457؛ 5711۔ (جلد سوم ص: ۱۴۷ میں ترجمہ موجود ہے)

وفات اور سقیفہ کے بارہ میں حضرت عائشہ کی روایت، وفات کے بارے میں تو اواخر المغازی میں ایک مستقل باب آئے گا، سقیفہ بیعت ابی بکر میں متضمناً مذکور ہے، اسے مصنف نے الحدود میں بھی ابن عباس عن عمر کے حوالے سے نقل کیا ہے، کچھ ذکر الأحکام کی حضرت انس عن عمر کے حوالے سے روایت میں بھی ہے، سیاق کے لحاظ سے اتم روایت ابن عباس کی ہی ہے۔

(بالسنح) الجنائز میں اس کا ضبط ذکر ہو چکا ہے کہ سکونِ نون کے ساتھ ہے، بکری نے نون پر پیش پڑھی ہے، کہتے ہیں یہاں بنی حارث من خزرج کی منازل تھیں، عوالی میں تھا مسجد نبوی سے ایک میل کی مسافت تھی۔ (قال اسماعیل الخ) یعنی ابن ابی اویس شیخِ بخاری۔ (إلا ذلك) یعنی عدم وفات نبوی، آگے ایک جگہ حضرتؓ عمر کی اس بات میں ان کا مستند بھی مذکور ہوگا۔

(لا يذيقك الله الخ) الجنائز میں اس کی شرح گزر چکی ہے، بعض نے اس سے تمسک کر کے قبر کی حیات کا انکار کیا ہے، اھل سنت کے مثبتین کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ مراد اس لازم موت کی نفی تھی جو حضرت عمر کہہ رہے تھے کہ پھر زندہ ہو کر دنیا میں آئیں گے اور قائلین بموتہٖ کے ہاتھ پاؤں کاٹ دینگے (کیونکہ گویا اس کے بعد پھر موت طاری ہوگی، تو یہ دو موتیں ہوئیں، اس کی نفی کی) اس میں برزخی حیات سے تعرُّض نہیں کیا گیا۔ ابن حجر کہتے ہیں اس سے بھی احسن جواب یہ ہے کہ آنجناب کی حیاتِ قبر کے بعد موت نہیں بلکہ یہ حیات مستمِر رہے گی اور انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں، شائد تعریف الموتتین میں یہی حکمت ہے جب کہا اللہ آپکو دو موتوں کا ذائقہ نہ چکھائے گا، یعنی معروف دو موتیں، جو غیرِ انبیاء پر واقع ہوتی ہیں، حضرت عمر کے جہاں قسم کھانے کی بات ہے تو انہوں نے اپنے اجتہاد کی ایجادظن کی بنا پر یہ قسم اٹھائی (یعنی وہ اپنی تئیں سچی قسم اٹھا رہے تھے) اس سے حضرت ابو بکر کا حضرت عمر اور مَن دونہ سے اعلَم ہونا بھی ثابت ہوا اور یہ بھی کہ اس عظیم و شدید حالت میں بھی ثبات کے ساتھ متصف و قائم رہے۔

(على رسلك) راء کی زیر کے ساتھ ای (على هيئتك ولا تستعجل) یعنی ذرا دم تو لو اور جلدی نہ کرو۔ الجنائز میں گزرا کہ انہیں بیٹھ جانے کو کہا مگر انہوں نے انکار کیا تب تشہُّد پڑھ کر بات کرنے لگے، اس پر لوگ حضرت عمر کو چھوڑ کر ان کے سامنے حلقہ بگوش ہوئے، آگے کتاب الأحکام میں ذکر ہوگا کہ حضرت عمر نے بعد ازاں اپنے اس طرز عمل پر ان سے معذرت کی تھی۔

(فنشج الناس) یعنی بغیر بین کئے اور آواز نکالے رونے لگے، رونے والے کے حلق میں جو پھانس سی اٹک جاتی ہے اسے نشج کہتے ہیں (جب کسی کو شدت سے رونا آئے اور وہ اندر ہی اندر روئے، آواز اونچی نہ کرے تو یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے)۔ ایک قول ہے کہ وہ آواز جس کے ساتھ ترجُّع ہو (یعنی ھچکی لے لیکر رونا) جیسے بچے روتے ہیں۔

(إلى سعد الخ) یہ سعد بن عبادۃ بن دلیم بن حارثہ خزرجی ثم ساعدی ہیں، اس وقت قبیلہ خزرج کے سردار تھے، ابن اسحاق اپنی سیرت میں رقم طراز ہیں کہ بنی عبد الأشھل کے اسید بن حضیر اور ان کے ساتھی اور پورے قبیلہِ اوس نے حضرت ابو بکر کے پلڑے میں

اپنا وزن ڈال دیا، ابن عباس کی حضرت عمر سے روایت میں جو ہے کہ سب انصار ہم سے متخلِف ہو کر سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے، اسے ابتدائی حالت پر محمول کیا جائے گا، چونکہ اوس وخزرج دو الگ فریق تھے، زمانۂ جاہلیت میں ان کے مابین جنگیں ہوتی رہی تھیں جو اسلام کی وجہ سے زائل ہو گئیں مگر دلوں میں تھوڑا بہت تکدُّر سا موجود تھا (جسکا عکس بعض مواقع پہ ظاہر ہو جاتا تھا) تو گویا دونوں باہم مل کر مشورہ کرنے لگے تو جب حضرت ابوبکر کا نام سامنے آیا تو اسید اور دوسرے اوس ان کی طرف مائل ہوئے، اس میں یہ بھی ہے کہ حضرات علی و زبیر نبی پاک کے گھر میں مشغول رہے، باقی مہاجرین حضرت ابوبکر کے ساتھ مجتمع ہوئے۔

(فذهب إليهم أبوبكر الخ) ابن عباس کی مذکورہ روایت میں ہے (حضرت عمر کہتے ہیں) میں نے کہا اے ابوبکر آئیں ان انصاری بھائیوں کی طرف چلتے ہیں، ابویعلی کی مالک عن الزھری کے طریق سے اسی روایت میں مزید یہ ہے کہ ہم نبی پاک کے گھر میں تھے کہ پسِ دیوار ایک شخص نے میرا نام لیکر صدا دی کہ اے ابن خطاب ذرا باہر تو آؤ میں نے کہا چلے جاؤ ہم مشغول ہیں وہ بولا ایک اہم معامہ درپیش ہے، انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں مجتمع ہیں تو اس سے قبل کہ کوئی جنگ پر منتج معاملہ ہو، ان کے پاس چلے جاؤ، کہتے ہیں تو میں نے ابوبکر سے کہا آؤ چلیں راستے میں دو صالح آدمی ملے، کہنے لگے کوئی ضروری نہیں کہ ان کے پاس جاؤ، آپ لوگ اپنی طرف سے کوئی معاملہ طے کر لیں، لیکن میں نے کہا واللہ ہم ضرور ان کے ہاں چلیں گے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ ایک شخص چادر اوڑھے ان کے درمیان بیٹھا ہے، (رجل مزمل) میں نے کہا یہ کون ہے؟ کہنے لگے سعد بن عبادہ۔ آخرِ حدیث میں عروہ کا قول نقل کیا ہے کہ راستہ میں ملنے والے دو اشخاص بنی مالک بن عوف کے عویمر بن ساعدہ اور ان کے حلیف معن بن عدی تھے، دونوں قبیلہ اوس سے تھے، زبیر بن بکار کی ابن عیینۃ عن الزھری سے روایت میں بھی یہی دونوں نام مذکور ہیں۔

(فتكلم أبلغ الناس) ابلغ منصوب علی الحال ہے، فاعلیت کی بنا پر رفع بھی جائز ہے، ای (تكلم رجل هذه صفته)، سہیلی کہتے ہیں نصب اوجَہ ہے تاکہ تاکیدِ مدح اور اس توھُّم کا ازالہ ہو کہ انکا کوئی غیر اس صفت سے موصوف تھا۔ ابن عباس کی روایت میں ہے عمر کہتے ہیں اللہ کی قسم میں نے جو جملے سوچ رکھے تھے ابوبکر نے وہ سب بداھۃً کہے اور مزید ان سے افضل بھی، (فقال في كلامه) حمید بن عبدالرحمٰن کی روایت میں ان کی باتوں کی تفصیل مذکور ہے، اس میں ہے انصار کے بارہ میں جو کچھ (بذریعہ وحی) نازل ہوا اور جو کچھ نبی اکرم نے ان کی بابت فرمایا تھا سب اپنے اس خطبہ میں کہا، ابن عباس کی روایت میں اس کلام میں سے بعض مذکور ہے، مثلا (أما بعد فماذكرتم مِنْ خيرٍ فأنتم أهله الخ) یعنی جو کچھ کلامِ خیر آپکے بارہ میں کہی گئی ہے آپ اس کے اھل ہیں، اور عرب ہرگز اس امر (یعنی خلافت) کیلئے سوائے قریش کے کسی اور پر راضی نہ ہوں گے جو دار ونسب کے لحاظ سے اوسط العرب ہیں، دار سے مراد مکہ ہے بقول خطابی اہلِ دار مراد ہیں جیسے نبی پاک نے بنی نجار کے بارہ میں فرمایا تھا: (خير دور الأنصار بنو النجار)۔

(أحسابا) یہ حسب (الفعال الحسان) یعنی اچھے افعال، کو کہتے ہیں، حساب سے ماخوذ ہے یعنی جب اچھے کاموں اور کارناموں کا حسابِ وشمار ہو تو ان کا نام بھی آتا ہے، جنکے ایسے کثیر افعال ہوں ان کی بات: (أعظم حسبا) کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے نسب آباء واجداد اور حسب افعال پر بولا جاتا ہے (یعنی جب حسب ونسب کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے تو مراد شجرۂ نسب اور کارناموں کا ذکر ہوتا ہے)۔

(فقال حباب الخ) ابن منذر بن عمرو بن جموح خزرجی ثم سلمی، ذوالرای کے لقب سے متلقب تھے۔ (منا أمير الخ)

ابن عباس کی روایت میں ہے کہ یہ بھی کہا: (أنا جديلها المحكك و عذيقها المرجب) دونوں لفظوں کی تشریح میں کہتے ہیں کہ عذیق عذق کی تصغیر ہے جو کھجور کے درخت کو کہتے ہیں، جدیل بھی تصغیر ہے، جدل اس لکڑی کو کہا جاتا ہے جو خارش زدہ اونٹ کیلئے نصب کی جاتی ہے تا کہ اس کے ساتھ رگڑ کر خارش کر سکے، المرجب بمعنی المدعَّم (یعنی مضبوط) کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ایسی رائے پیش کرتا ہوں جو اس مسئلہ میں قاطعِ نزاع ہو (پھر یہ مذکورہ رائے پیش کی)۔ ابن سعد کی یحییٰ بن سعید عن قاسم بن محمد سے روایت میں ہے کہ حباب کھڑے ہوئے جو بدری صحابی تھے، کہنے لگے ایک امیر ہم میں سے اور ایک آپ میں سے، واللہ ہم اس معاملہ میں آپکے ساتھ کسی تنافُس کا شکار نہیں مگر اس امر کو مکروہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگ اس کے والی بن جائیں (ماضی کی جنگوں میں) جن کے آباء و اجداد ہمارے ہاتھوں قتل ہوتے رہے، کہتے ہیں پھر ابوبکر نے اثنائے کلام کہا: (نحن الأمراء و أنتم الوزراء) کہ ہم امراء (یعنی خلفاء) اور آپ وزراء ہوں گے، اس طرح یہ معاملہ ہم دونوں کے مابین ہی رہے گا، کہتے ہیں پھر لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کرنا شروع کی، سب سے پہلے حضرت بشیر بن سعد والدِ نعمان نے بیعت کی۔

احمد کی ابونضرہ عن ابی سعید سے روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضرت زید بن ثابت نے کہا نبی پاک خود مہاجرین میں سے تھے لہٰذا خلیفہ مہاجرین سے ہی ہونا چاہئے، ہم جس طرح انصارِ رسول تھے اب انصار اللہ ہیں، موسی بن عقبہ نے سیرت میں ابن شہاب کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ ابوبکر کہنے لگے ہم معشرِ مہاجرین اسلام لانے والے اولین لوگ اور آنجناب کے اقارب ہیں، عربوں کے معاملات کسی قریشی کے ہاتھوں میں ہی درست رہیں گے، (فالنا س لقريش تبعٌ) کہ لوگ قریش کی (زمانہ جاہلیت ہی سے کہ وہ تمام عربوں کی مرکزی عبادتگاہ کعبہ کے متولی تھے) ہی پیروی کرتے ہیں، اس میں یہ بھی ہے کہ اولاً انصار نے کہا چلیں اب خلیفہ کسی مہاجر کو بنا لیتے ہیں، لیکن اگلا خلیفہ ہم میں سے ہونا چاہیئے، اس سے توازن رہیگا، اس میں ہے کہ تکرار اتنی بڑھی کہ حضرت عمر اور حضرت حباب نے جنگ کی دھمکی دیدی۔ احمد کی حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت سعد بن عبادہ سے مخاطب ہو کر کہا اے سعد تم جانتے ہو تمہاری موجودی میں نبی پاک نے فرمایا تھا: (قريش ولاة هذا الأمر) کہ قریش اس معاملہ کے والی ہوں گے، سعد نے کہا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔

(فبايعوا عمر الخ) ابن عباس عن عمر کی روایت میں ہے کہ آخر میں ابوبکر نے میرا اور ابوعبیدہ کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگے ان میں سے ایک کی بیعت کر لو، عمر کہتے ہیں بس ان کی یہی ایک بات اس دن مجھے بری لگی تھی۔ اس میں اشکال سمجھا گیا ہے کہ کیسے ابوبکر نے عمر و ابوعبیدہ کے بارہ میں تجویز کیا جبکہ وہ جانتے تھے کہ وہی خلافت کے احق ہیں، آنجناب نے انہی کو امامت کیلئے حکم دیا تھا، جواب یہ ہے کہ استحیاء ایسا کہا، خود اپنی زبان سے کہنا کہ میں اپنے آپکو اس ذمہ داری کیلئے پیش کرتا ہوں، برا سمجھا۔ (فقال عمر الخ) بعض رواۃ نے حدیث کے اس حصہ کو علیحدہ بطور ایک مستقل روایت کے بھی تخریج کیا ہے چنانچہ ترمذی میں ابراھیم بن سعید جوھری نے اسماعیل بن ابواویس سے اسی سند کے ساتھ یہی حصہ نقل کیا، ابن حبان نے بھی اسی طریق کے ساتھ تخریج کیا ہے۔

(فأخذ عمر الخ) ابن عباس کی روایت میں ہے شور و شرابہ حد سے بڑھ گیا حتی کہ اختلاف کا ڈر پیدا ہوا میں نے اچانک کہا ابوبکر اپنا ہاتھ پھیلایئے ہم بیعتِ خلافت کرتے ہیں، انہوں نے ایسا ہی کیا، اولاً مہاجرین پھر انصار نے بیعت کی، سیرتِ موسی بن عقبہ کی روایتِ زہری میں ہے اسید بن حضیر اور بشیر بن سعد اٹھے اور ابوبکر کی بیعت کی پھر تمام اھل سقیفہ نے بیعت کرنے میں سرعت کا مظاہرہ

کہا، بزار کی سالم بن عبید سے روایت میں یہ بھی ہے کہ جب انصار نے کہا ایک امیر ہم سے اور ایک آپ میں سے تو حضرت عمر بولے ایک نیام میں دو تلواریں نہیں ڈالی جا سکتیں پھر ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر کہا: اللہ تعالی فرماتا ہے (إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ)، تو یہ دو کون ہیں؟ پھر فرماتا ہے: (إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ) تو کون صاحبِ نبی (اس آیت میں مذکور) ہیں؟ پھر وہ کہتا ہے: (إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا) کن کے ساتھ؟ یہ کہہ کر ان کی بیعت کی۔

(فقال قائل قتلتم الخ) یعنی (كدتم تقتلون) یعنی قریب ہے کہ انہیں مار ہی ڈالو، بعض کے مطابق یہ اِعراض و خذلان سے کنایہ ہے مگر روایتِ موسی عن ابن شہاب سے اس کا رد ہوتا ہے، اس میں ہے کہ (جب لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت کیلئے ٹوٹ پڑے تو) ایک انصاری نے کہا کہیں سعد کو روند نہ ڈالنا، عمر کہنے لگے مار ڈالو، اللہ اسے مارے تو یہ حقیقی قتل مراد نہ تھا، (قتلہ اللہ) بطور بددعا کے تھا، حدیثِ مالک میں خود حضرت عمر کی زبانی ہے کہ میں نے غصہ سے کہا: (قتل اللهُ سعدا فإنه صاحب شرّ و فتنةٍ)۔

ابن تین لکھتے ہیں انصار نے شروع میں (منا أمير و منكم أمير) اسلئے کہا تھا کہ عربوں کی روایات میں تھا کہ ہر قبیلہ کا امیر و رئیس اس کا فرد ہوتا ہے لیکن جب فرمانِ نبوی: (الأئمة من قريش) سنا تو اپنی بات سے رجوع کر لیا اور سرِ تسلیم خم کر دیا۔ ابن حجر کہتے ہیں یہ حدیث انہی الفاظ کے ساتھ کتاب الاعتصام میں آئے گی، یہاں بالمعنی مذکور ہے، کہتے ہیں مجھے پتہ چلا کہ بعض فضلائے عصر کہتے ہیں یہ حدیث صرف حضرت ابوبکر ہی سے مروی ہے تو میں نے اس کے طرق کو جمع کیا، تقریبا چالیس صحابیوں نے اسے روایت کیا ہے۔ داؤدی نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اقامتِ خلیفہ سنت مؤکدہ ہے کیونکہ مسلمان (وفات نبوی کے بعد) ایک مدت (حالانکہ تدفین سے قبل ابوبکر کی بیعت ہو گئی تھی اور تدفین دوسرے دن انجام پائی) بغیر امیر کے رہے مگر ان کی بات مردود ہے کہ اس کی فرضیت پر اتفاق ہے، اس مدتِ مختصر میں ان کا یہ معاملہ چھوڑے رکھنا اس سے اہم و اعظم معاملہ میں مشغولیت کے سبب تھا یعنی تدفینِ نبوی۔ انصار کے مطالبہ (منا أمير الخ) سے یہ استدلال بھی ہوا ہے کہ آنجناب نے کسی کو ولیِ عہد نامزد نہیں فرمایا تھا، آگے یہی بات حضرت عمر کی تصریح سے بھی مذکور ہو گی۔ مسلم نے ابن ابوملیکہ کے طریق سے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا آنجناب (اگر بناتے تو) اپنا خلیفہ کسے بناتے؟ کہا ابوبکر کو، پوچھا ان کے بعد؟ کہا عمر کو، پوچھا ان کے بعد؟ کہا ابوعبیدہ بن جراح کو، ترمذی کے ذکر کردہ طریق میں اس سائل کے نام پر بھی دلالت ہوتی ہے کہ وہ عبداللہ بن شقیق تھے۔ المفہم میں قرطبی رقم طراز ہیں اگر کسی صحابی کے پاس اس بابت آنجناب کی طرف سے کوئی نص ہوتی تو یہ سارا اختلاف واقع ہی نہ ہوتا اور نہ کسی قسم کے مذاکرات کئے جاتے، کہتے ہیں یہی جمہور اھل سنت کا قول ہے، بعض نے قرائن و شواہد اور اصولِ کلیہ کی بنا پر حضرت ابوبکر کا نامزد ہونا بیان کیا ہے کہ ان کا مقتضا یہ ہے کہ وہی اس کے حقدار و اولیٰ ہیں، بعض قرائن کا ذکر ترجمہِ ابی بکر میں گزر چکا ہے اور بعض کتاب المغازی کے وفات نبوی کے باب میں ذکر کئے جائیں گے۔

(وقال عبد الله بن سالم الخ) یہ حمصی اشعری ہیں، المزارعة میں ان کا ذکر گزر چکا ہے، زبیدی سے مراد محمد بن ولید صاحب زھری ہیں جبکہ عبدالرحمن بن قاسم حضرت ابوبکر کے پوتے ہیں، بخاری نے اسے معلقاً نقل کیا ہے، اسے طبرانی نے مسند الشامیین میں موصول کیا ہے۔

(وقص الحديث) یعنی آنجناب کی وفات کے بارہ میں اور حضرت عمر کا قول کہ آپ فوت نہیں ہوئے وغیرہ اور قولِ ابوبکر

کہ وفات ہو چکی ہے اور تلاوتِ آیتین۔ (یعنی آگے سقیفہ کا قصہ مراد نہیں)۔

(فما كانت من خطبتهما) یعنی ابوبکر وعمر کے خطبے، پہلا مِن تبعیضیہ یا بیانیہ ہے۔ دوسرا زائدہ ہے پھر اپنی بات کی تشریح کی کہ: (لقد خوّفَ عمرُ الناس) یعنی اپنی اس بات سے (کہ رسول اللہ واپس آکر ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دینگے جو کہتے ہیں کہ آپ فوت ہو گئے)۔ اصیلی کے نسخہ میں (لقد خوف أبوبكر الخ) ہے مگر یہ غلط ہے۔

(وإن فيهم لنفاقا) یعنی ان کے بعض میں، انہی کے بارہ میں حضرت عمر نے تعریض کی، الجمع بین الصحیحین کی روایتِ حمیدی میں (وإن فيهم لَتقِيٌّ) ہے، کہا جاتا ہے یہ بزعم خود انہوں نے اصلاح کی ہے، انہوں نے خیال کیا کہ (و إن فيهم لنفاقا) تصحیف ہے تو اسے (لتقی) کر دیا، انہوں نے سمجھا کہ صحابہ کی بابت یہ جملہ بڑا خطرناک ہے تو نیک نیتی سے درست کر دیا۔ عیاض کہتے ہیں میں نہیں جانتا کہ یہ روایت ہے یا (ان کی اپنی طرف سے) اصلاح؟ اگر اصلاح ہے تب کوئی استعظام (یعنی حضرت عمر کے روایتِ باب کے جملہ کو عظیم سمجھنا) نہیں کیونکہ اہلِ ردہ میں اس کا ظہور ہو گیا تھا پھر اس حادثۂ فاجعہ عظیمہ نے تو بڑے بڑے صحابہ کی عقلوں کو مذہول کر دیا تھا، ضعفائے ایمان کی تو کیا بات کریں۔

علامہ انور (لقد خوف عمر الخ) کی بابت رقمطراز ہیں کہ منافق چاہتے تھے کہ اس عظیم مصیبت کے وقت مسلمانوں میں تفریق ڈال دیں اللہ نے ان کی کید انہی کی سینوں میں الٹ دی جب جلالت عمری کا مشاہدہ کیا تو ان کے خطبہ سے بھی نفع حاصل ہوا جیسا کہ ابوبکر کے خطبہ سے بھی، کہ لوگ اس صدمہ سے سنبھل گئے اور یقین کر لیا کہ واقعی رسول اللہ کی وفات ہو گئی ہے، حضرت سعد بن عبادہ کے بارہ میں لکھتے ہیں لوگوں نے انہیں امیر بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا، جب حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی گئی تو یہ شام جا کر آباد ہو گئے (یعنی تقریبا دو سال بعد جب مسلمانوں نے اسے فتح کیا) انہوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی وہیں ان کا انتقال ہوا، اگر کوئی کہے کہ صحابہ کا اجماع حنفیہ کے نزدیک قطعی کے حکم میں ہے جبکہ بعد والوں کا اجماع ظنی ہے تو قطعی کا انکار کرنا کفر ہے تو حضرت سعد کی بابت کیا کہا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر کے استحقاقِ خلافت کا انکار نہیں کیا تھا البتہ خود بیعت نہیں کی تھی لہذا کوئی اشکال نہیں۔ یہ روایت بخاری کے افراد میں سے ہے۔

3671حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا جَامِعُ بْنُ أَبِي رَاشِدٍ حَدَّثَنَا أَبُو يَعْلَى عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ قُلْتُ لأَبِي أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ أَبُو بَكْرٍ .قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ عُمَرُ .وَخَشِيتُ أَنْ يَقُولَ عُثْمَانُ قُلْتُ ثُمَّ أَنْتَ قَالَ مَا أَنَا إِلاَّ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ

محمد بن حنفیہ کہتے ہیں میں نے والدِ محترم حضرت علی سے دریافت کیا نبی اکرم کے بعد سب سے بہتر فرد کون ہے؟ کہا ابوبکر، پوچھا پھر کون؟ کہا عمر، کہتے ہیں میں ڈرا کہ اب حضرت عثمان کا نام نہ لے دیں تو کہا پھر آپ؟ کہا میں تو مسلمانوں کا ایک فرد ہوں۔

سفیان سے مراد ثوری ہیں، ابو یعلی سے مراد منذر بن کوفی ثوری ہیں، تمام راوی کوفی ہیں، محمد بن الحنفیہ حضرت علی کے بیٹے ہیں، حنفیہ کا نام خولہ بنت جعفر تھا۔ (أي الناس خير الخ) محمد بن سوقہ کی منذر عن محمد بن الحنفية سے روایت میں ہے کہ میں نے والد صاحب سے پوچھا نبی اکرم کے بعد سب سے بہتر کون ہیں؟ وہ کہنے لگے کیا تم نہیں جانتے؟ میں نے کہا نہیں، کہا ابوبکر ہیں، اسے دار

قطنی نے نقل کیا ہے، حسن بن محمد بن علی عن ابیہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: (سبحان الله یا بُنیَّ، أبوبکر) سبحان اللہ اس بات پر کہا کہ اسے علم ہی نہیں! احمد کی ابن جحیفہ سے روایت میں ہے کہ حضرت علی نے مجھ سے کہا کیا تمہیں نبی پاک کے بعد افضلِ امت کے بارہ میں نہ بتلاؤں؟ میں نے کہا کیوں نہیں، کہتے ہیں میرا نہیں خیال تھا کہ کوئی ان (یعنی حضرت علی) سے افضل ہوسکتا ہے، اس میں ہے کہ ان دونوں (یعنی ابوبکر وعمر) کے بعد بھی ایک تیسرے کا ذکر کیا مگر نام نہیں لیا، اس روایت کے الفاظ ہیں: (وبعدھما آخر ثالث ولم یسمه)۔ (و لم یسمه کا فاعل حضرت علی بھی ہو سکتے ہیں اور ابو جحیفہ بھی)۔ دار قطنی کی الفضائل میں ابوالضحی عن اَبی جحیفہ سے روایت میں ہے ابو جحیفہ نے کہا اگر چاہو تو میں تیسرے نمبر پر افضل امت کا تمہیں نام بتلا دوں، نہیں جانتا کیا حضرت علی نے اپنا نام لینے سے استحیاء کیا یا کسی مشغولیت کے سبب یہاں بات کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

(وخشیت أن یقول الخ) محمد بن سوقہ کی روایت میں ہے میں نے حداثتِ سن کیوجہ سے عجلت کرتے ہوئے کہا پھر آپ؟ اس پر کہنے لگے: (أبوك رجل من المسلمین)۔ حسن بن محمد کی روایت میں اس کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں: (لِی مالَهُمْ وعلَیَّ ما علیهم) یعنی میرے وہی حقوق وفرائض ہیں جو انکے ہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں حضرت علی سے جب یہ سوال ہوا اس وقت کوئی اوران سے افضل نہ تھا کیونکہ یہ ان کے دورِ خلافت کا قصہ ہے مگر تواضعاً یہ بات کہی، محمد کا یہ ڈر کہ کہیں حضرت عثمان کا نام نہ لے دیں کہ ان کے خیال واعتقاد میں ان کے والد حضرت عثمان سے افضل تھے تو ڈرے کہ ان کے والد ازرہِ تواضع اپنے نام کی بجائے حضرت عثمان کا نام ذکر کردیں اوران کا یہ اعتقاد مضطرب ہو جائے۔ خیثمہ نے فضائل الصحابۃ میں عبید بن ابو الجعد عن ابیہ کے حوالے سے اس روایت کے آخر میں یہ اضافہ بھی نقل کیا کہ حضرت علی نے کہا کیا تمہیں عمر کے بعد خیر الأمت کے نام سے آگاہ نہ کروں؟ پھر خاموش ہو گئے ہم نے گمان کیا کہ اپنے آپ کو مراد لے رہے تھے، عبید عن علی سے روایت میں ہے کہ یہ بات جنگ نہروان کے بعد کہی جو سن ۳۸ ھ میں ہوئی تھی۔ ابن عساکر نے ضعیف طریق کے ساتھ اسی روایت میں: (إن الثالث عثمان) کے الفاظ بھی ذکر کئے ہیں۔ ابو جحیفہ کے حوالے سے ایک اور طریق کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ (حضرت علی کی یہ بات سن کر) موالی واپس آئے اور کہا ان کی (تیسرے سے) مراد حضرت عثمان تھے مگر عرب کہتے تھے خود اپنی طرف اشارہ کیا، بہر حال یہ واضح ہے کہ حضرت علی نے حضرت عمر کے بعد افضل امت کا نام ذکر نہیں کیا، اس بارے اختلاف کی تفصیل ذکر کی جا چکی ہے کہ تیسرے نمبر والے صحابی کی بابت شروع میں اختلاف تھا کہ وہ عثمان ہیں یا علی؟ مگر پھر حضرت عثمان کے نام پر اہل سنت کے ہاں اجماع ہوگیا اور یہ کہ افضلیت کی بھی وہی ترتیب ہے جو بارِ خلافت سنبھالنے کی ہے۔

قرطبی المفہم میں لکھتے ہیں فضائل فضیلۃ کی جمع ہے یہ ایسی خصلتِ جمیلہ جس کے سبب اس کے ساتھ متصف شخص کو شرف وعلو حاصل ہو، یا تو حق باری تعالیٰ کے ہاں یا اس کی مخلوق کے نزدیک، مخلوق کے ہاں کسی کا بلند مرتبہ والا ہونا کوئی بڑائی کی بات نہیں الا یہ کہ اگر وہ موصل إلی الأول ہو، اگر ہم کہیں فلاں فاضل (یعنی صاحبِ فضیلت) ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے (اصطلاح دین میں) کہ وہ اللہ کے ہاں صاحبِ مرتبہ ہے اور اسکا پتہ صرف رسول کی کلام سے ہی لگ سکتا ہے، اگر آپ سے کسی کے بارہ میں کوئی ایسی بات منقول ہوئی ہے تو اگر وہ قطعی ہے تو ہم قطعیت کے ساتھ یہ بات کہیں گے اور اگر ظنی ہے تو عمل کرینگے بصورت دیگر، یعنی اگر آنجناب سے اس بابت کچھ منقول نہ ہو تب کسی ایسے شخص کی بابت اللہ تعالی کے ہاں علوِ منزلت کی امید رکھیں گے جسے خیر کے معاملات میں تائیدِ ایزدی حاصل ہوتی ہو اور اس کے اسباب اس کے لئے میسر کئے جاتے ہوں کیونکہ شریعت میں اس بارے ہدایات مذکور ہیں، کہتے ہیں یہ مذکور

اصل متقرِّ رہو جانے کے بعد حضرت ابو بکر کی افضلیت اہلِ سنت کے نزدیک قطعی ہے، ان کے بعد حضرت عمر کی اور ان کے بعد والوں کی نسبت تعدُّدِ آراء ہے، جمہور حضرت عثمان کو مقدّم سمجھتے ہیں، امام مالک سے توقف کا قول منقول ہے اور یہ مسئلہ اجتہادی ہے جسکا مستندیہ ہے کہ ان چاروں کو اللہ تعالی نے اپنے نبی کی خلافت اور اپنے دین دین کی اقامت کیلئے منتخب کیا تو گویا ان کا اس کے ہاں مقام ومرتبہ بھی اسی ترتیب سے ہے۔

3672حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ أَنَّهَا قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ أَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ انْقَطَعَ عِقْدٌ لِي، فَأَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى الْتِمَاسِهِ، وَأَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ، وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، فَأَتَى النَّاسُ أَبَا بَكْرٍ، فَقَالُوا أَلَا تَرَى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ أَقَامَتْ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَبِالنَّاسِ مَعَهُ، وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَاضِعٌ رَأْسَهُ عَلَى فَخِذِي قَدْ نَامَ، فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَالنَّاسَ، وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ قَالَتْ فَعَاتَبَنِي، وَقَالَ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَقُولَ، وَجَعَلَ يَطْعُنُنِي بِيَدِهِ فِي خَاصِرَتِي، فَلَا يَمْنَعُنِي مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلَى فَخِذِي، فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى أَصْبَحَ عَلَى غَيْرِ مَاءٍ فَأَنْزَلَ اللَّهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ، فَتَيَمَّمُوا، فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ .فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَبَعَثْنَا الْبَعِيرَ الَّذِي كُنْتُ عَلَيْهِ فَوَجَدْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهُ .أطرافه 334، 336، 3773، 4583، 4607، 4608، 5164، 5250، 5882، 6844، 6845

حضرت عائشہ کہتی ہیں ایک سفر میں ہم نبی پاک کے ہمراہ نکلے جب بیداء یا ذات الجیش کے مقام تک پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا نبی پاک اور لوگ اس کی تلاش میں اسی جگہ رک گئے ان کے ساتھ پانی نہ تھا اور نہ ہی اس جگہ موجود تھا، لوگوں نے حضرت ابو بکر سے شکایت کی کہ آپ دیکھتے نہیں عائشہ نے کیا کیا ہے؟ حضور کو یہیں روک لیا جبکہ پانی موجود نہیں تو حضرت ابو بکر اندر آئے اس وقت نبی اکرم میرے زانو پہ سر رکھے سو رہے تھے، کہنے لگے تمہاری وجہ سے لوگ یہاں رکنے پر مجبور ہوئے جبکہ یہاں پانی موجود نہیں! کہتی ہیں مجھ پہ سخت غصہ کا اظہار کیا اور سخت سست کہا اور ساتھ اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کچوکے لگاتے جاتے میں زانو پہ نبی پاک کا سر مبارک رکھے ہونے کی وجہ سے کوئی حرکت نہ کرتی تھی، چنانچہ اسی عالم میں صبح ہوئی تو اللہ تعالی نے تیمم کی آیت نازل فرمائی، اس پر اسید بن حضیر نے کہا اے آلِ ابو بکر یہ تمہاری پہلی برکت نہیں، حضرت عائشہ کہتی ہیں بعد ازاں اونٹ اٹھایا گیا تو ہار اس کے نیچے پڑا مل گیا۔

آیت تیمّم کے نزول کے بارہ میں اس حدیث کی شرح کتاب التیمم میں گزر چکی ہے

3673حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ سَمِعْتُ ذَكْوَانَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ

أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلاَ نَصِيفَهُ .تَابَعَهُ جَرِيرٌ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ وَمُحَاضِرٌ عَنِ الأَعْمَشِ

ابوسعید کہتے ہیں نبی پاک نے فرمایا میرے صحابہ کو گالی مت دیا کرنا پس اگرتم میں سے کوئی احد پہاڑ جتنا سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرڈالے تو ان میں سے کسی کے ایک مدغلہ یا نصف مدغلہ کے انفاق کے برابر بھی نہیں ہوسکتا (یعنی ثواب میں)۔

(عن أبی سعید) ایک روایت میں۔ آگے اس کا ذکر ہوگا۔ بجائے ابوسعید کے ابو ہریرہ کا حوالہ ہے مگر یہ مرجوح ہے، آگے تفصیل آتی ہے۔ (لا تسبوا الخ) جریر اور محاضر کی اعمش سے اور عاصم کی ابو صالح سے روایت میں اس فرمان کا سبب بھی مذکور ہے، اس میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور خالد بن ولید کے مابین کوئی شکر رنجی ہوگئی تو حضرت خالد نے کوئی سبّ وشتم کے الفاظ کہے، آگے اس کا ذکر آئے گا۔ (فلوأن أحد کم الخ) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولا آپ کے استعمال کردہ لفظ (أصحابی) سے مراد بعض مخصوص صحابی ہیں کیونکہ (أحد کم) سے بھی مخاطب صحابہ ہی ہیں، یہ اللہ تعالی کے اس فرمان کی نظیر ہے: (لا يَسْتَوِیُ مِنُكُمْ مَنْ أَنفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وقَاتَلَ) [الحدید : ۱۰] کہ فتح مکہ سے قبل انفاق اور جہاد کرنے والے اور بعدازاں یہ کام کرنے والے برابر نہیں ہوسکتے تو اگر وہ لوگ جنہوں نے آنجناب کو پایا، شرفِ صحبت واسلام سے بہرہ ور ہوئے انہیں اپنے پیشرو صحابہ کو نشانۂ سب وشتم بنانے سے منع کیا گیا ہے تو بعد کے لوگوں کیلئے یہ نہی تو بدرجۂ اُولیٰ ہے، بعض حضرات کا یہ کہنا کہ یہ خطاب زمانۂ مابعد کے مسلمانوں کیلئے ہے، غفلت ہے کیونکہ حدیث میں اس امر کی تصریح ہے کہ مخاطَب حضرت خالد تھے جو متأخرین صحابہ میں سے ہیں۔

(مثل أحد الخ) برقانی نے المصافحۃ میں ابوبکر بن عیاش عن اعمش کے طریق سے اپنی روایت میں (کل یوم) کا اضافہ بھی کیا ہے، یہ زیادت حسنہ ہے۔ (مد أحدهم الخ) یعنی ان کی انفاق کردہ کسی بھی چیز سے مد یا نصف مد، نصیف بروزنِ عشیر اور ثمین ہے، مد کی مقدار کا بیان کتاب الطھارہ میں گزر چکا ہے۔ خطابی بیان کرتے ہیں کہ مد میم کی زبر کے ساتھ مروی ہے اور اس سے مراد (الفضل والطول) ہے، بیضاوی یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ تمہارے کسی کا احد پہاڑ کے برابر سونا راہِ خدا میں خرچ کرنا اجر وثواب میں صحابۂ سابقین کے راہِ خدا میں صدقہ کردہ کسی بھی چیز کے مد یا آدھے مد کے ثواب کے برابر بھی نہیں اور سببِ تفاوت مزید اخلاص اور صدقِ نیت ہے، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ زیادہ مناسب یہ کہنا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ سابقین صحابہ کے اس قسم کے اعمال اس وقت تھے جب زیادہ احتیاج وضرورت تھی اور پھر وہ بھی تنگ دست تھے پھر اس کے ساتھ ان کا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی اس تفاوت و افضلیت کا سبب ہے کیونکہ فتح مکہ کے بعد احتیاج بھی کم ہوئی اور مسلمانوں کی تعداد بھی کثیر ہوگئی (اس سببِ تفاوت کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ سابقین الی الاسلام کے اس عظیم ثواب اور ان کی افضلیت کی وجہ آغاز ہی میں دائرۂ اسلام وصحبیت میں شامل ہونے کی توفیق حاصل ہونا ہے، یہ اس وقت اسلام لائے جب قبول اسلام جان جوکھوں کا کام تھا)۔

(تابعه جریر الخ) یعنی ابن عبدالحمید، عبداللہ بن داؤد سے مراد خُریبی اور ابو معاویہ سے مراد ضریر ہیں انہوں نے بھی اسے اعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرہ سے روایت کیا ہے، جریر کی روایت مسلم، ابن ماجہ اور ابو یعلی وغیرھم نے موصول کی ہے، محاضر کی روایت بقول ابن حجر ہم نے فوائد ابی الفتح الحداد میں احمد بن یونس ضبی عنہ کے حوالے سے تخریج کی ہے البتہ انہوں نے ابن عوف کی بجائے حضرت ابوبکر کا نام ذکر کیا ہے لیکن یہ مرجوح ہے، آمدہ عاصم کی روایت میں بھی ابوبکر مذکور ہے، عبداللہ کی روایت مسدد نے اپنی مسند

میں موصول کی ہے لیکن قصہ کے بغیر (یعنی صرف فرمان نبوی: لاتسبوا الخ)۔ ابوداؤد نے بھی بحوالہ مسدد تخریج کیا ہے، ابو معاویہ کی روایت احمد نے تخریج کی ہے۔ مسلم نے اسے ابو بکر بن ابو شیبہ، ابو کریب اور یحی بن یحیی، تینوں ابو معاویہ سے، کے حوالوں سے تخریج کیا ہے مگر ابو سعید کی بجائے ابو ہریرہ کا نام ذکر کیا ہے لیکن یہ وہم ہے جیسا کہ خلف، ابو مسعود اور ابو علی جیانی وغیرہم نے جزم کے ساتھ لکھا، مزی لکھتے ہیں گویا مسلم کو اس کی کتابت کرتے ہوئے وہم لگا، انہوں نے اولا ابو معاویہ کا طریق ذکر کیا پھر حدیثِ جریر ان کے متن وسند کے ساتھ ذکر کی پھر حدیثِ وکیع ادر چوتھے نمبر پہ حدیثِ شعبہ تحریر کی، ان دونوں کی اسناد ذکر نہیں کیں بلکہ لکھا کہ جریر اور ابو معاویہ کی اسناد کے ساتھ ہی، تو اگر جریر وابو معاویہ کی اسناد ان کے ہاں واحد نہ ہوتی تو دونوں کا اکھٹا حوالہ نہ دیتے، وکیع اور شعبہ کا طریق بالاتفاق ابو سعید تک منتہی ہوتا ہے نہ کہ ابو ہریرہ تک، انتھیٰ۔

ابو بکر بن ابی شیبہ جو کہ اس میں شیوخ مسلم میں سے ہیں، نے بھی اسے اپنی مسند ومصنف میں ابو معاویہ سے تخریج کیا ہے وہ بھی ابو سعید کا نام ہی ذکر کرتے ہیں، ابو نعیم نے بھی المستخرج میں احمد، یحیی بن عبدالحمید، ابو خیثمہ اور احمد بن جواس کلھم عن ابی معاویۃ، کے حوالوں سے تخریج کرتے ہوئے ابو سعید ذکر کیا ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں اسے مسلم نے بھی ابو بکر، ابو کریب اور یحیی بن یحیٰ کے حوالوں سے تخریج کیا ہے لہٰذا اس سے ظاہر ہوا کہ وہم مسلم سے نہیں بلکہ ان کے بعد کسی (ناقلِ صحیح مسلم) سے صادر ہوا کیونکہ اگر ان کے ہاں ابو ہریرہ سے مروی ہوتی تو ابو نعیم یہ بات ضرور ذکر کرتے، اس کی تقویت اس امر سے بھی ملتی ہے کہ دار قطنی العلل میں جزم سے یہ بات لکھنے کے باوجود کہ یہ روایت ابو سعید سے ہے، نے اوھامِ شیخین کے تتبُّع میں منجملہ روایات کے، اس روایت کا ذکر نہیں کیا، ابن ماجہ نے بھی ابو کریب جو شیخِ مسلم ہیں، سے ابو سعید ہی ذکر کیا، اسماعیلی اور ابن حبان نے بھی علی بن جعد عن ابی معادیہ سے ابو سعید ذکر کیا، البتہ ابن ماجہ کے بعض نسخوں میں (عن أبي هريرة) بھی ہے، درست ابو سعید ہے کیونکہ ابن ماجہ نے جریر، وکیع اور ابو معاویہ کا نقل کردہ سیاق اکھٹا نقل کیا اور روایتِ وکیع وجریر کی بابت کسی نے نہیں کہا کہ یہ ابو ہریرہ سے ہیں، تمام مصنفین ومخرِّجین نے ان کے حوالے سے ابو سعید ہی ذکر کیا ہے۔

ابن حجر کہتے ہیں مجھے سنن ابن ماجہ کا ایک نہایت قدیمی نسخہ ملا جس میں ہے کہ اسے ابن ماجہ پر سن تین سوستر اور اسی کے درمیان پڑھا گیا، نہایت متقن نسخہ ہے اس میں بھی ابو سعید ہے، اس احتمال کا اظہار کہ ممکن ہے ابو معاویہ کے ہاں یہ حدیث بحوالہ اعمش عن ابی صالح، ابو سعید اور ابو ہریرہ دونوں سے ہو، مستبعد امر ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کم از کم ایک مرتبہ تو کسی نے دونوں کے نام اکھٹے ذکر کئے ہوتے، اکثریت نے چونکہ ابو سعید کا نام ذکر کیا ہے لہٰذا ابو ہریرہ کا حوالہ شذوذ ہے البتہ دار قطنی العلل میں ذکر کرتے ہی کہ ابو عوانہ نے اعمش سے روایت کرتے ہوئے دونوں کے نام ذکر کئے ہیں، اسے مسدد، ابو کامل اور شیبان نے ابو عوانہ سے روایت کیا۔ عفان اور یحیی بن حماد نے ابو عوانہ سے روایت کرتے ہوئے ابو سعید کا نام ذکر نہیں کیا، لکھتے ہیں زید بن ابی انیسہ نے بھی اعمش عن ابی صالح سے اسے روایت کرتے ہوئے (عن أبي هريرة) کہا ہے، اسی طرح نصر بن علی نے بھی عبداللہ بن داؤد سے، کہتے ہیں اعمش عن ابی صالح سے درست روایت (عن أبي سعيد) کے حوالے سے ہے نہ کہ ابو ہریرہ سے، کہتے ہیں عاصم نے بھی ابو صالح سے عن ابی ہریرۃ کہا مگر صحیح عن ابی سعید ہے، ان سے قبل ابن مدینی نے بھی العلل میں لکھا ہے کہ اسے اعمش نے ابو صالح عن ابی ہریرہ سے روایت کیا ہے جبکہ عاصم نے ابو صالح عن ابی ہریرۃ ذکر کیا، کہتے ہیں عاصم کی نسبت اعمش ابو صالح سے روایت میں اثبت ہیں تو ان کی اس بات

سے ظاہر ہوا کہ جس نے ابو صالح عن ابی ہریرة کہا اس کا قول شاذ ہے۔

ابن حجر لکھتے ہیں چونکہ ابو صالح حضرت ابو ہریرہ سے مشہور بالروایت تھے تو بعض غیر حافظ رواۃ کو اسی شہرت کے سبب وہم لگا، حفاظ اس وہم کا شکار نہیں بنتے۔ زید بن ابی انیسہ کی مشار الیہ روایت طبرانی نے اوسط میں ذکر کی ہے اور لکھتے ہیں کہ اسے اعمش سے سوائے زید کے کسی اور نے روایت نہیں کیا، شعبہ وغیرہ نے ابو صالح سے روایت میں ابو سعید کہا ہے جہاں تک روایتِ عاصم ہے تو اسے نسائی نے الکبری اور بزار نے اپنی مسند میں نقل کیا اور لکھا ہے کہ اسے عاصم سے صرف زائدہ نے ہی نقل کیا ہے، اعمش سے روایت میں ابو سعید کا نام ذکر کرنے والوں میں عبد کے ہاں ابو بکر بن عیاش، ابو عوانہ کے ہاں یحیی بن عیسی رملی، ابن ابی خیثمہ کے ہاں ابو احوص اور تمام رازی کے ہاں اسرائیل ہیں۔ دار قطنی نے ابو عوانہ کی جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے بقول ابن حجر مجھے وہ مسدد، ابو کامل اور شیبان عنہ کے حوالوں سے شک کے ساتھ ملی ہے یعنی (عن أبي سعيد أو أبي هريرة)۔ ابو عوانہ اپنے حافظہ کی مدد سے احادیث کی تحدیث کرتے تھے بسا اوقات وہ وہم کا شکار بن جاتے، کتاب سے جو روایات تحدیث کیں وہ اثبت ہیں، شک نہ کرنے والے رواۃ کی روایت احق بالتقدیم ہے، ابن حجر کہتے ہیں اس روایت کی بحث اپنے ایک رسالہ میں قلمبند کی ہے جسکا ملخص یہاں پیش کر دیا گیا ہے۔

آخرِ بحث تکملہ کے عنوان سے لکھتے ہیں صحابہ کو گالی دینے (اور تبرا بازی کرنے) والے کی نسبت متعدد آراء ہیں، عیاض لکھتے ہیں اس بابت جمہور کا موقف یہ ہے کہ اس قسم کے بد باطن کو کوئی تعزیری سزا دیجائے، بعض مالکیہ نے قتل کا فتوی دیا ہے، بعض شافعیہ نے شیخین اور حسنین کو گالی دینے والا واجب القتل قرار دیا ہے، سبکی نے شیخین اور ان صحابہ کی تکفیر کرنے والے کو قتل کئے جانے کا مستحق قرار دیا ہے جن کے ایمان اور مبشَّر بالجنت ہونے کی تصریح نبی پاک کی کسی حدیث میں موجود ہے کیونکہ انہیں نشانۂ سب و شتم بنا لینے کا مطلب آنجناب کی تکذیب ہوا۔ اسے مسلم نے (الفضائل) ابو داؤد اور ابن ماجہ نے (السنة) جبکہ ترمذی اور نسائی نے (المناقب) میں تخریج کیا ہے۔

3674 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِسْكِينٍ أَبُو الْحَسَنِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ شَرِيكِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو مُوسَى الأَشْعَرِيُّ أَنَّهُ تَوَضَّأَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ خَرَجَ، فَقُلْتُ لأَلْزَمَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، وَلأَكُونَنَّ مَعَهُ يَوْمِي هَذَا. قَالَ فَجَاءَ الْمَسْجِدَ، فَسَأَلَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا خَرَجَ وَوَجَّهَ هَا هُنَا، فَخَرَجْتُ عَلَى إِثْرِهِ أَسْأَلُ عَنْهُ، حَتَّى دَخَلَ بِئْرَ أَرِيسٍ، فَجَلَسْتُ عِنْدَ الْبَابِ، وَبَابُهَا مِنْ جَرِيدٍ حَتَّى قَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَاجَتَهُ، فَتَوَضَّأَ فَقُمْتُ إِلَيْهِ، فَإِذَا هُوَ جَالِسٌ عَلَى بِئْرِ أَرِيسٍ، وَتَوَسَّطَ قُفَّهَا، وَكَشَفَ عَنْ سَاقَيْهِ وَدَلاَّهُمَا فِي الْبِئْرِ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ثُمَّ انْصَرَفْتُ، فَجَلَسْتُ عِنْدَ الْبَابِ، فَقُلْتُ لأَكُونَنَّ بَوَّابَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْيَوْمَ، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ فَدَفَعَ الْبَابَ. فَقُلْتُ مَنْ هَذَا فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ. فَقُلْتُ عَلَى رِسْلِكَ

ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا أَبُو بَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ. فَقَالَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ. فَأَقْبَلْتُ

حَتَّى قُلْتُ لأَبِي بَكْرٍ ادْخُلْ، وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُبَشِّرُكَ بِالْجَنَّةِ .فَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ فَجَلَسَ عَنْ يَمِينِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَعَهُ فِي الْقُفِّ، وَدَلَّى رِجْلَيْهِ فِي الْبِئْرِ، كَمَا صَنَعَ النَّبِيُّ ﷺ، وَكَشَفَ عَنْ سَاقَيْهِ، ثُمَّ رَجَعْتُ فَجَلَسْتُ وَقَدْ تَرَكْتُ أَخِي يَتَوَضَّأُ وَيَلْحَقُنِي، فَقُلْتُ إِنْ يُرِدِ اللَّهُ بِفُلاَنٍ خَيْرًا يُرِيدُ أَخَاهُ يَأْتِ بِهِ .فَإِذَا إِنْسَانٌ يُحَرِّكُ الْبَابَ .فَقُلْتُ مَنْ هَذَا فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ .فَقُلْتُ عَلَى رِسْلِكَ .ثُمَّ جِئْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَقُلْتُ هَذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَسْتَأْذِنُ .فَقَالَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ .فَجِئْتُ فَقُلْتُ ادْخُلْ وَبَشَّرَكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْجَنَّةِ .فَدَخَلَ، فَجَلَسَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الْقُفِّ عَنْ يَسَارِهِ، وَدَلَّى رِجْلَيْهِ فِي الْبِئْرِ، ثُمَّ رَجَعْتُ فَجَلَسْتُ، فَقُلْتُ إِنْ يُرِدِ اللَّهُ بِفُلاَنٍ خَيْرًا يَأْتِ بِهِ .فَجَاءَ إِنْسَانٌ يُحَرِّكُ الْبَابَ، فَقُلْتُ مَنْ هَذَا فَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ .فَقُلْتُ عَلَى رِسْلِكَ .فَجِئْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ .فَقَالَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلَى بَلْوَى تُصِيبُهُ فَجِئْتُهُ فَقُلْتُ لَهُ ادْخُلْ وَبَشَّرَكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْجَنَّةِ عَلَى بَلْوَى تُصِيبُكَ .فَدَخَلَ فَوَجَدَ الْقُفَّ قَدْ مُلِئَ، فَجَلَسَ وُجَاهَهُ مِنَ الشِّقِّ الآخَرِ .قَالَ شَرِيكٌ قَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ فَأَوَّلْتُهَا قُبُورَهُمْ

.أطرافه 3693، 3695، 6216، 7097، 7262

ابوموسی کہتے ہیں میں نے گھر میں وضوء کیا پھر اس ارداہ سے نکلا کہ آج اللہ کے رسول کے ہمراہ رہونگا تو مسجد کو آیا نبی پاک کی بابت پوچھا، پتہ چلا کہ آپ اسطرف تشریف لے گئے ہیں وہ بھی پوچھتے پاچھتے آپ کے پیچھے چلے حتی کہ اریس کنویں تک پہنچے، کہتے ہیں میں دروازے کے پاس بیٹھ گیا جو کھجور کی شاخوں کا بنا ہوا تھا، آنجناب نے قضائے حاجت کی، وضوء کیا میں آپکے پاس آیا آپ پنڈلیوں سے کپڑا اٹھائے کنویں کی منڈھیر پہ تشریف فرماتھے اور کنویں میں پاؤں لٹکائے ہوئے تھے، میں نے سلام کیا پھر دوبارہ دروازے کے پاس آ کر بیٹھ گیا دل میں کہا آج میں نبی اکرم کا دربان بنتا ہوں، کچھ دیر بعد ابوبکر آئے دروازہ کھٹکایا میں نے پوچھا کون؟ کہا ابوبکر، میں نے کہا ٹھہرئے پھر نبی پاک کے پاس آیا اور آپکو ابوبکر کے آنے کی اطلاع دی، فرمایا انہیں اندر آنیکی اجازت دو اور یہ بشارت بھی سنادو کہ وہ جنتی ہیں، میں آیا اور ان سے کہا داخل ہوجائیں اور رسولِ پاک آپکو جنت کی بشارت دیتے ہیں، وہ آئے ادر نبی پاک کے دائیں جانب بیٹھ گئے اور آپکی طرح پاؤں کنویں میں لٹکا لئے، میں واپس آ کر پھر دروازے کے پاس بیٹھ گیا، میں اپنے بھائی کو وضوء کرتا چھوڑ آیا تھا دل میں کہا اگر اللہ نے اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا تو اسے بھی یہاں لے آئیگا، اتنے میں دیکھا کہ ایک انسان دروازے کو ہلا رہا ہے، پوچھا کون؟ جواب آیا عمر ہوں، میں نے کہا ذرا ٹھہرئے، نبی پاک کے پاس آیا اور بتلایا کہ عمر آنیکی اجازت طلب کرتے ہیں! فرمایا اجازت دیدو اور ساتھ میں جنت کی بشارت بھی، میں آیا اور کہا داخل ہو جایئے اور نبی پاک آپکو جنت کی خوشخبری بھی دیتے ہیں، وہ داخل ہوئے اور نبی پاک کے بائیں جانب منڈھیر پر بیٹھ گئے اور پاؤں کنویں میں لٹکا لئے، میں پھر واپس ہوا اور دروازے کے پاس بیٹھ گیا اور دل میں کہا اگر اللہ نے فلان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا تو اسے یہاں لے آئیگا اتنے میں ایک انسان نے آ کر دروازے کو ہلایا میں نے کہا کون؟ جواب

> ملا عثمان! میں نے کہا ذرا ٹھہریے، تو رسول اللہ کے پاس آیا اور آپ کو خبر دی آپ نے فرمایا انہیں اندر آنیکا کہو اور ساتھ ہی جنت کی بشارت دو ایک مصیبت پر جو انہیں پہنچے گی، میں پلٹا اور کہا داخل ہو جایئے اور نبی پاک آپکو جنت کی بشارت دیتے ہیں ایک مصیبت کے بعد جو آپکو پہنچے گی، وہ داخل ہوئے تو دیکھا کہ منڈھیر پہ کوئی جگہ خالی نہیں تو دوسری جانب آنجناب کے سامنے بیٹھ گئے، شریک سعید بن میسّب سے ناقل ہیں کہ میں نے اس اندازِ نشست کی یہ تاویل کی کہ ان حضرات کی قبور بھی اسی نقشہ کے مطابق ہونگی۔

شریک بن ابونمر کے والد کا نام عبد اللہ تھا، ابونمر ان کے دادا تھے۔ (وجهه ههنا) اکثر کے ہاں (وجه) فعل ماضی ہے یعنی (وجَّهَ نفسَه) کشمیہنی کے نسخہ میں جیم ساکن ہے گویا اسم ہے، بعد ما بعد ظرف کی طرف مضاف ہے۔ (بئر أريبس) مدینہ کا ایک معروف بستان تھا اسے منصرف اور غیر منصرف، دونوں طرح پڑھا جاتا ہے، قباء کے قریب تھا اس میں حضرت عثمان سے آنجناب کی انگوٹھی گر گئی تھی (ان کے عہد خلافت کے چھ سال گزرنے کے بعد کا واقعہ ہے پھر اس کی تلاش میں اس کنویں کا سارا پانی نکلوایا مگر وہ نہ ملی تبھی سے ان کے خلاف شورشوں کا اولاً دھیمے سروں میں آغاز ہوا جو بالآخر اسلام کے سب سے بڑے فتنہ یعنی شہادت عثمان پر منتج ہوا جس کے بعد ہمیشہ تک کیلئے امت محمدیہ دو فریقوں میں بٹ گئی)۔

(قفها) قف کنویں کے گرد بنائی جانیوالی منڈھیر کو کہتے ہیں، اس کا اصل معنی ٹھوس و مرتفع زمین کا ہے، جمع قفاف ہے۔ مسلم کی عثمان بن غیاث عن ابی عثمان سے روایت میں ہے کہ نبی اکرم مدینہ کے حوائط میں سے ایک حائط میں ٹیک لگائے تشریف فرما تھے اور ہاتھ میں پکڑی ایک لکڑی سے پانی اور مٹی میں نکت (یعنی کسی چیز کے ساتھ لائینیں کھینچنا) کر رہے تھے۔

(فقلت لأ كونن الخ) یہ انہوں نے اپنی مرضی اور اپنی جانب سے کیا، آگے الأدب کی روایت میں اس کی صراحت ہے، وہاں (ولم يأمرني) بھی مذکور ہے مگر مناقبِ عثمان میں وارد ابوعثمان کی آمدہ روایت میں یہ الفاظ ہیں: (إن النبی ﷺ دخل حائطا و أمره بحفظِ باب الحائط) کہ نبی اکرم ایک باغ میں داخل ہوئے اور انہیں (یعنی راوی حدیث کو) دروازے کی حفاظت کا حکم دیا، عبد الرحمن بن حرملہ عن سعید بن میسّب کی روایت میں ہے: (فقال يا أبا موسىٰ املك عليَّ الباب) اسے ابوعوانہ نے اپنی صحیح اور رویانی نے اپنی مسند میں تخریج کیا ہے، ترمذی کی ابوعثمان عن ابی موسی سے روایت میں بھی یہی ہے، تطبیق یہ ہوگی کہ اولا اپنی مرضی سے یہ سوچ کر آئے تھے، وہاں پہنچے تو اتفاق سے آنجناب نے بھی یہی حکم دیا، (ولم يأمرني) کا مطلب یہ ہے کہ مستقل بواب بنے رہنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ اس وقت تک کہ قضائے حاجت کر لیں، آگے اپنی مرضی سے وہیں رہے، ابوموسیٰ کی یہ حدیث الجنائز میں گزرے قولِ انس کہ نبی اکرم کا کوئی دربان نہ تھا، کے معارض نہیں کیونکہ حضرت انس کی نفی مستقل دربان ہونے سے متعلق ہے، یہاں تو ابوموسی کو سونپی گئی یہ ذمہ داری عارضی حیثیت کی تھی۔

(يبشرك بالجنة) ابوعثمان کی روایت میں مزید ہے کہ اس پر انہوں نے اللہ کی حمد کہی، یہی حضرت عمر کی بابت بھی مذکور ہے۔ (أخي يتوضأ) ابوموسی کے دو بھائی تھے ابورہم اور ابوبردہ، ایک قول ہے کہ ایک تیسرے بھائی محمد نام کے بھی تھے، اشہر ابوبردہ تھے جنکا نام عامر تھا، مسند احمد میں ان سے ایک روایت مذکور ہے۔ (يحرك الباب) ابن تین لکھتے ہیں محتمل ہے کہ یہ اجازت لئے بغیر کسی کے ہاں داخل ہونے کی نہی پر مشتمل آیت: (لَا تَدْخُلُوا بُيُوتاً غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا) [النور: ۲۷] کے نزول

سے قبل کا واقعہ ہو (گویا وہ سمجھتے ہیں کہ آنے والا بغیر اجازت لئے اندر آ رہا تھا)۔ ابن حجر کہتے ہیں کس قدر بعید بات کہی، عبدالرحمٰن بن حرملہ کی روایت میں واضح طور پر (فجاء رجل فاستأذنَ) کے الفاظ ہیں (یعنی ایک شخص آ کر اجازت کا طالب ہوا) یہ تحریکِ باب مستأذناً ہی تھی نہ کہ بغیر اجازت اندر آنے کیلئے۔

(علی بلوی تصیبك) ابوعثمان کی روایت میں ہے کہ اس پر الحمد للہ کہا پھر کہنے لگے (اللہ المستعان) احمد کی روایت میں ہے کہ پھر یہ کہنا شروع ہوئے: (اللھم صبرا) یا اللہ صبر کی توفیق دینا۔ ابن حرملہ کی روایت میں بھی حمد و صبر، دونوں کا ذکر ہے۔ بیہقی کی الدلائل میں زید بن ارقم سے روایت میں ہے کہ نبی اکرم نے مجھے بھیجا کہ ابوبکر کے پاس جاؤں، فرمایا اسے میرا سلام کہنا اور جنت کی بشارت دینا، یہی پیغام حضرت عمر کیلئے تھا جبکہ حضرت عثمان کی طرف بھی اسی پیغام کے ساتھ بھیجا ساتھ میں یہ بھی فرمایا: (بعد بلاءِ شدیدٍ) ، کہتے ہیں میں سب کی طرف گیا انہوں نے پوچھا آنحضور اس وقت کہاں ہیں؟ میں نے کہا: (فی مکان کذا و کذا) فلاں فلاں جگہ میں، حضرت عثمان کے بارہ میں کہتے ہیں کہ میرا ہاتھ پکڑ کر آنجناب کے پاس لے آئے اور عرض کی زید نے مجھے یہ پیغام دیا ہے، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے جب سے آپکی بیعت کی ہے کوئی فسق و فجور کا کام نہیں کیا (یہ الفاظ کہے: ماتغنَّیتُ ولا تَمنیتُ ولا مَسَسْتُ ذَکری بِیمینی) تو پھر کون سی بلاء مجھے پہنچے گی؟ فرمایا (ھو ذاك) یعنی بس ہو گی ایک۔

بقول بیہقی اس کی سند ضعیف ہے اگر محفوظ ہوتی تو امکان تھا کہ روایتِ باب میں مذکورین کی طرف یہ پیغام دیکر بھیجا ہو، جب وہ آئے اس وقت ابوموسی بواب کی حیثیت سے دروازے پر براجمان ہو چکے ہوں، یہی واقعہ ایک مرتبہ حضرت بلال کے توسط سے بھی ہوا، چنانچہ ابوداؤد نے نافع بن عبدالحارث خزاعی سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم مدینہ کے ایک باغ میں داخل ہوئے بلال سے فرمایا دروازہ سنبھالنا (فجاء أبوبکر یستأذن) آگے یہی کچھ بیان کیا۔ طبرانی نے اوسط میں اسے ابوسعید کے حوالے سے نقل کیا ہے، اسے تعددِ قصہ پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں بعد ازاں میرے لئے ظاہر ہوا کہ اس ضمن میں بعض رواۃ سے وہم کا صدور ہوا ہے، احمد نے یزید بن ہارون عن محمد بن عمرو سے اسے روایت کیا ہے، ان کی حدیث میں ہے کہ نافع بن عبدالحارث نے اندر آنے کی اجازت طلب کی، یہ بھی وہم ہے، احمد نے اسے موسی بن عقبہ عن ابی سلمۃ عن نافع سے بھی تخریج کیا، اس میں ہے: (فجاء أبوبکر فاستأذن فقال لأبی موسی فیما أعلم ائذنْ لہ) یعنی نافع کہتے ہیں ابوبکر نے آ کر اندر آنے کی اجازت مانگی، کہتے ہیں جہاں تک مجھے علم ہے آپ نے ابوموسی سے فرمایا انہیں اندر آنے کا کہہ دو (گویا نافع بذاتِ خود موقع پر حاضر نہ تھے)، نسائی نے اسے ابوزناد عن ابی سلمۃ عن نافع بن عبدالحارث عن ابی موسی کے طریق سے تخریج کیا ہے، یہی درست ہے، آخر حدیث ابوموسی کی طرف لوٹی ہے لہٰذا واقعہ ایک ہی ہے۔

اس بلاء و بلوی سے آنجناب کا اشارہ حضرت عثمان کے خلاف برپا ہونے والے فتنہ کی طرف ہے، احمد کی کلیب بن وائل عن ابن عمر کے حوالے سے روایت میں صراحت سے ہے، کہتے ہیں نبی پاک نے ایک فتنہ کا ذکر کیا، اس اثناء ایک آدمی گزرتا دیکھ کر فرمایا یہ *اس دن حالتِ مظلومی میں قتل کر دیا جائے گا*، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت عثمان تھے، اس کی سند صحیح ہے۔

(قال سعید بن المسیب فأوَّلتھا قبورھم) گویا حالت بیداری میں زیر مشاہدہ آنے والے واقعہ کی تاویل کی، اسے فراست کہا جاتا ہے چونکہ بعد ازاں آنجناب اور ابوبکر و عمر کی قبروں کا یہی نقشہ بنا تھا، حضرت عثمان کے ساتھ یہی ہوا کہ وہ ان سے

جدا بقیع میں مدفون ہوئے، اس تاویل مذکور سے مراد یہ نہیں کہ آنجناب اور شیخین کی قبریں اسی نقشہ کے مطابق ہوں گی جس ترتیب سے یہاں بیٹھے تھے (کہ درمیان میں نبی پاک، دائیں طرف حضرت ابوبکر اور بائیں طرف حضرت عمر، کیونکہ قبروں کی موجودہ ترتیب یہ نہیں) بلکہ مراد یہ کہ قبریں ساتھ ساتھ ہوں گی جبکہ حضرت عثمان کی قبران سے دور ہوگی۔ ابن حرملہ کی روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں: (فأولت ذلك انتباذ قبره من قبورهم) کہ میرے ذھن میں خیال آیا کہ عثمان کی قبران کی قبور سے الگ ہوگی، اگر ابونعیم کی حضرت عائشہ سے قبورِ ثلاثہ کی ترتیب کے بارہ میں روایت جس میں ہے کہ درمیان میں نبی پاک، داہنی جانب ابوبکر اور بائیں جانب عمر کی قبر ہے، ثابت ہے تو یہ واقعہِ مذکورہ میں ان کی نشست کی ترتیب سے عین مشابہ ہوا، مگر اس کی سند ضعیف ہے، اس کے معارض روایت اس سے اصح ہے، ابوداؤد اور حاکم نے قاسم بن محمد سے روایت کیا، کہتے ہیں میں نے ام المؤمنین عائشہ سے پوچھا میرے لئے آنجناب اور آپکے صاحبین کی قبور کھول دیں، انہوں نے کھول دیا (یعنی وہ حجرہ جہاں قبریں تھیں) تو میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر کا سر نبی پاک کے کندھوں کے مابین ہے اور حضرت عمر کا سر نبی اکرم کے قدموں کے پاس ہے۔

علامہ انور حدیث کے الفاظ (كشف عن ساقيه) کے تحت تحریر کرتے ہیں کہ دوسری جگہ (عن فخذيه) مذکور ہے تو یہ امرِ رواۃ میں سے ہے کہ کبھی ایک لفظ ذکر کر دیتے ہیں کبھی دوسرا، بعد ازاں لوگ آکر اُن کے الفاظ سے تمسک کرتے ہوئے مختلف استنباطات کر دیتے اور طرق سے غافل ہوتے ہیں لہٰذا اغلاط واقع ہوجاتی ہیں (فأولتها قبورهم) کی بابت کہتے ہیں شاہ ولی اللہ کہتے ہیں خوابوں کی تعبیر تو ہوتی ہی ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کئی دفعہ وقائع کونیہ (یعنی دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات) بھی کبھی کسی تعبیر کے حامل وقابل ہوتے ہیں یعنی ان کا وہ مصداق مراد نہیں ہوتا جو وقتِ وقوع ظاہری ہوتا ہے بلکہ مستقبل میں کبھی ان کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں، اس واقعہ کی طرح۔

اسے مسلم نے بھی (الفضائل) میں نقل کیا ہے۔

3675 حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ ؓ حَدَّثَهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَعِدَ أُحُدًا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَفَ بِهِمْ فَقَالَ اثْبُتْ أُحُدُ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَشَهِيدَانِ .طرفاه 3686، 3699

انس بن مالک راوی ہیں کہ نبی اکرم احد پہاڑ پہ چڑھے، ابوبکر، عمر اور عثمان بھی آپ کے ہمراہ تھے تو احد ہلنے لگا آپ نے فرمایا تھم جا اے احد بے شک تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

یحیٰ سے قطان اور سعید سے ابن ابوعروبہ مراد ہیں۔ (صعد أحدا) مدینہ کا معروف پہاڑ، مسلم اور ابویعلی کی ایک دیگر طریق کے ساتھ سعید سے روایت میں حراء مذکور ہے مگر اول اصح ہے اگر مخرج ایک نہ ہوتا تو تعددِ واقعہ پر محمول ہو سکتا تھا۔ ابن حجر کہتے ہیں بعد میں میرے لئے ظاہر ہوا کہ یہ اختلاف سعید سے صادر ہوا ہے، مسندِ حارث بن ابواسامہ میں روح بن عبادہ عن سعید کے حوالے سے (أحد أو حراء) ہے، احمد نے حدیثِ بریدہ سے (حراء) ذکر کیا، اس کی سند صحیح ہے، ابویعلی نے سھل بن سعد سے صرف احد ذکر کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے لہٰذا تعددِ واقعہ کا احتمال قوی ہے، کتاب الوقف کے اواخر میں حضرت عثمان کے حوالے سے یہی حدیث گزری، اس میں حراء مذکور ہے، مسلم کی حدیثِ ابی ھریرہ سے بھی تعددِ واقعہ کی تائید ہوتی ہے، اس میں مذکور ہے کہ آپ مقامِ حراء پہ تھے اور ان

اصحاب ثلاثہ کے علاوہ کئی اور صحابہ کی موجودی کا بھی ذکر کیا ہے۔

(و أبو بکر و عمر) ابن تین لکھتے ہیں لفظِ ابو بکر (صعد) میں مستتر ضمیرِ مرفوع پر معطوف کی وجہ سے مرفوع ہے جو بالاتفاق جائز ہے کیونکہ حائل موجود ہے، یعنی (أحدا) کا لفظ، یہ آخر الباب کے جملہ: (کنت و أبو بکر و عمر) کے برخلاف ہے۔ (اثبتُ) مناقبِ عمر کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے: (فضرف بِرجله) احد کو مخاطب کرنا مجاز بھی ہوسکتا ہے لیکن حقیقت پر محمول کرنا اولی ہے، اس بارے کچھ بحث ایک سابقہ روایت (أحدجبل یحبناونحبه) کے تحت گزر چکی ہے پھر مناقب عمر والی روایت کے الفاظ: (فضرب برجله الخ) سے بھی اس کی تائید ملتی ہے (کہ حقیقی مخاطبت مراد ہے)۔

(فإنما علیك نبی الخ) مناقب عمر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: (فما علیك إلانبی أو صدیق أو شهید) أو برائے تنویع اور شہید برائے جنس ہے۔ علامہ انور (فرجف بهم) کے بارہ میں لکھتے ہیں شارحین نے لکھا کہ پہاڑ کا یہ ہلنا بوجہِ مسرت تھا، میں نہیں جانتا اس بارے ان کے پاس کوئی نقلی دلیل ہے یا نہیں۔ اسے ابو داؤد نے (السنة) اور ترمذی ونسائی نے (المناقب) میں نقل کیا ہے۔

3676حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا صَخْرٌ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَيْنَمَا أَنَا عَلَى بِئْرٍ أَنْزِعُ مِنْهَا جَاءَنِي أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَأَخَذَ أَبُو بَكْرٍ الدَّلْوَ، فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ، وَاللَّهُ يَغْفِرُ لَهُ، ثُمَّ أَخَذَهَا ابْنُ الْخَطَّابِ مِنْ يَدِ أَبِي بَكْرٍ، فَاسْتَحَالَتْ فِي يَدِهِ غَرْبًا، فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ يَفْرِي فَرِيَّهُ، فَنَزَعَ حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ قَالَ وَهْبٌ الْعَطَنُ مَبْرَكُ الإِبِلِ، يَقُولُ حَتَّى رَوِيَتِ الإِبِلُ فَأَنَاخَتْ. أطرافه 3633، 3682، 7019، 7020 (اس کے سابقہ نمبر پر ترجمہ ہو چکا)

شیخِ بخاری رباطی (یعنی مراکش کے شہر رباط کے) ہیں ان کے دادا کا نام ابراہیم ہے، سرخسی کا بھی یہی نام تھا مگر ان کی کنیت ابو جعفر اور ان کے دادا کا صخر تھا، ابو عبداللہ سے مراد اشقر ہیں۔ (حدثنا صخر) یہ ابن جویریہ ہیں۔ (بینا أنا علی بئر) خواب میں جیسا کہ اسی باب کی حدیثِ ابی ہریرہ میں تصریح گزری ہے، آگے مناقب عمر میں بھی تصریح آئے گی۔ (ذنوبا أو ذنوبین) ذنوب بڑے ڈول کو کہتے ہیں جب اس میں پانی بھی موجود ہو، شراح اس امر پر متفق ہیں کہ ذکرِ ذنوب ان کی مدتِ خلافت کی طرف اشارہ ہے مگر یہ محلِ نظر ہے کیونکہ حضرت ابو بکر کا دورِ خلافت دو برس اور کچھ ماہ پر محیط ہے اگر مدتِ خلافت مراد ہوتی تو آپ دو یا تین ذنوب کا تذکرہ کرتے بقول ابن حجر میری نظر میں یہ اشارہ ان کے دور میں ہونے والی بڑی فتوحات کی طرف تھا جو تین ہیں اسی لئے حضرت عمر کے ضمن میں ذَنوب کی تعداد کا ذکر نہیں کیا صرف مضبوطی اور قوت کے ساتھ انہیں کنویں سے کھینچنے کی بات کی اور یہ ان کے دور میں ہونے والی کثیر فتوحات کی طرف اشارہ تھا، شافعی نے الأم میں اس حدیث کی تفسیر بیان کی ہے، وہ (وفی نزعه ضعف) کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ یہ ان کے مختصر دور، عجلتِ موت اور اہل ردۃ کے ساتھ جنگوں میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے (بیرون عرب) فتوحات متحقق کرنے سے رکاوٹ پیش آنے کی طرف اشارہ ہے، ابن مسعود کی ایک روایت میں یہی واقعہِ خواب ذکر کر کے مزید یہ ہے کہ آپ نے

حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ اس کی تعبیر بیان کرو، وہ کہنے لگے اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں آپ کا جان نشین بنوں گا پھر حضرت عمر بنیں گے! یہ سنکر آپ نے فرمایا فرشتہ نے بھی یہی تعبیر بیان کی تھی، اسے طبرانی نے تخریج کیا مگر اسکی سند میں ایوب بن جابر ہے جو ضعیف ہیں۔

(وفي نزعه ضعف) یعنی مہل ورفق (مراد یہ کہ آہستگی اور نرم روی سے کھینچ رہے ہیں) (والله يغفرله) نووی لکھتے ہیں یہ دعاء من المتکلم ہے بقول ابن حجر یعنی اس کا کوئی خاص مفہوم نہیں (یعنی اثنائے کلام بغیر کسی خاص قصد کے دعا دیدی گویا اس دعا کا تعلق سابقہ جملہ۔ وفي نزعه ضعف۔ سے نہ جوڑا جائے، بعض مدرسین کو یہی معنی کرتے سنا کہ ان میں کچھ کمزوری تھی اللہ اس پر انہیں معاف کرے، یہ تو ان کی تنقیصِ شان ہے، انہوں نے کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ دلیرانہ اقدامات کئے حتی کہ عمر جیسے بہادر بھی انہیں مانعینِ زکات کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا مشورہ دے رہے تھے اور یہ کہ حضرت اسامہ کے لشکر، جسے نبی پاک نے اپنے آخری ایام میں مؤتہ کا بدلہ لینے شام بھیجنے کیلئے تیار کیا تھا اسی اثناء آنجناب کا انتقال ہو گیا اور مدینہ کے اطراف کے کچھ قبائل نے مدینہ پر لشکر کشی کا پروگرام بنالیا، تقریبا سبھی صحابہ کرام کی رائے تھی کہ ابھی اس لشکر کو روانہ نہ کیا جائے مگر سیدنا صدیق اکبر نے فرمایا میں اس لشکر کو کیسے روک سکتا ہوں جسے نبی پاک نے تیار کیا ہے؟ ایسا اقدام وہی کر سکتا ہے جو استقامت وعزیمت کا پہاڑ ہو پھر دوسری طرف تمام مرتدین کا قلع قمع کرنا اور دس لشکرانِ اسلام تیار کر کے مختلف جہات کو روانہ کرنا انہی کی منصوبہ بندی تھی، جب وفات ہوئی تو ایک طرف لشکر اسلام ابتدائی فتوحات کے بعد دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اور دوسری طرف ایران کے ماتحت عراق کی فتح تقریبا مکمل ہو چکی تھی لہٰذا اس جملہ کا معنیٰ ''کمزوری'' کرنا نہایت نامناسب ہے)۔

کئی ایک نے لکھا ہے کہ یہ ان کے قربِ موت کا اشارہ تھا، یہ اس آیت کی نظیر ہے: (فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّه كَانَ تَوَّابا) [النصر : ۳] کیونکہ یہ بھی آنجناب کے قربِ موت کا اشارہ تھا۔ ابن حجر کہتے ہیں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ اس امر کا اشارہ ہو کہ ان کے زمانہ کی قلتِ فتوح میں ان کی کوئی ذمہ داری نہیں کیونکہ ان کا عہد نہایت ہی قصیر تھا تو اس مغفرت کا مقصد ان سے رفعِ ملامت تھا۔ (فلم أرَعبقريا) ہر اوج کمال پہ پہنچنے والے کو عبقری کہا جاتا ہے، اصل میں یہ ایک جگہ کا نام باور کیا جاتا ہے جہاں کوئی جن رہتا تھا، عربوں نے ہر عظیم شئ کو اس کے ساتھ ضرب المثل کیا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک قریہ کا نام تھا جہاں کے کپڑے نہایت جاذبِ نظر تھے، باقی شرح مناقبِ عمر میں آئے گی۔ (فريه) فائے مفتوح اور رائے مکسور کے ساتھ، یاء پر شد اور زبر ہے، رائے مضموم کے ساتھ بھی مروی ہے مگر خلیل نے اسے خطا قرار دیا ہے، مفہوم یہ کہ ان جیسا عملِ بالغ کرنے والا کسی کو نہ دیکھا، حدیثِ ابی عمر میں (ينزع نزع عمر) کے الفاظ ہیں۔

(حتى ضرب الناس بعطن) عطن اونٹوں کی مناخ (انکے پڑاؤ کی جگہ) کو کہتے ہیں جب وہ سیراب ہو کر واپس آئیں، مناقبِ عمر کی روایت میں ہے: (حتى روى الناس و ضربوا بعطن)۔ بزار اور طبرانی کی باسناد حسن حدیثِ ابی الطفیل میں حضرت عمر کی بابت یہ الفاظ ہیں: (فملأ الحياض و أروى الواردة) حوض بھر دئے اور آنے والے اونٹوں کو سیراب کر دیا، اس سے قبل فرمایا خواب میں دیکھا کنویں سے ڈول کھینچ رہا ہوں (وردت عليَّ غنمٌ سُودوعفر) یعنی ڈول کھینچتا ہوں اور وہاں سیاہ اور خاکستری بکریاں وارد ہیں، فرمایا سود کی تاویل میں نے عربوں سے کی (کہ اس سے مراد عرب ہیں) اور عفر کی عجم سے۔

(قال وهب الخ) یعنی ابن جریر، اس حدیث میں بخاری کے شیخ شیخ ہیں اسی سند کے ساتھ ان کی یہ کلام مذکور ہے۔ (يقول

حتی رویت الخ) وھب کا مقول ہے، کتاب التعبیر میں اس کے بقیہ مباحث آئیں گے۔ بیضاوی کہتے ہیں کنویں سے اشارہ دین کی طرف ہے جو ایسا چشمۂ شیریں ہے جسکا پانی حیاتِ نفوس اور امرِ معاش و معاد کی تکمیل ہے، ڈول کھینچنے سے مراد دین کی اشاعت اور اس کے احکام کا اِجراء و نفاذ ہے، حضرت ابوبکر کی نسبت (یغفر اللہ لہ) کہنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا ضعفِ مذکور (ابن حجر کہتے ہیں) المراد بہ الرفق، ان کی نسبت غیر قادح ہے یا ضعف سے مراد ان کے شروع عہد میں جو فتنۂ ارتداد پیدا ہوا اور اختلافِ کلمہ ہوا تا آنکہ ان کے آخرِ عہد میں دین پھر سے مجتمع ہونا شروع ہوا اور اس کی تکمیل عہدِ عمری میں ہوئی، قوت کے ساتھ حضرت عمر کو موصوف کر کے اسی طرف اشارہ کیا۔ احمد کی حدیثِ سمرہ میں ہے ایک شخص نے آنجناب سے عرض کی کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان سے ایک ڈول اترا ہے، حضرت ابوبکر آئے: (فشرب شربا ضعیفا) یعنی تھوڑا سا اس سے پیا پھر عمر آئے: (فشرب حتی تضلّعَ) اتنا پیا کہ پسلیاں ابھر آئیں تو اس سے بھی نزعِ ضعیف اور نزعِ قوی کی تشریح ہوئی۔

3677 حَدَّثَنِی الْوَلِیدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عِیسَى بْنُ یُونُسَ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ سَعِیدِ بْنِ أَبِی الْحُسَیْنِ الْمَکِّیُّ عَنِ ابْنِ أَبِی مُلَیْکَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنِّی لَوَاقِفٌ فِی قَوْمٍ، فَدَعَوُا اللَّهَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَقَدْ وُضِعَ عَلَى سَرِیرِهِ، إِذَا رَجُلٌ مِنْ خَلْفِی قَدْ وَضَعَ مِرْفَقَهُ عَلَى مَنْکِبِی، یَقُولُ رَحِمَكَ اللَّهُ، إِنْ کُنْتُ لأَرْجُو أَنْ یَجْعَلَكَ اللَّهُ مَعَ صَاحِبَیْكَ، لأَنِّی کَثِیرًا مِمَّا کُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ یَقُولُ کُنْتُ وَأَبُو بَکْرٍ وَعُمَرُ، وَفَعَلْتُ وَأَبُو بَکْرٍ وَعُمَرُ، وَانْطَلَقْتُ وَأَبُو بَکْرٍ وَعُمَرُ .فَإِنْ کُنْتُ لأَرْجُو أَنْ یَجْعَلَكَ اللَّهُ مَعَهُمَا فَالْتَفَتُّ فَإِذَا هُوَ عَلِیُّ بْنُ أَبِی طَالِبٍ .طرفه 3685

ابن عباس راوی ہیں کہ میں لوگوں کے ساتھ کھڑا تھا جو حضرت عمر کیلئے دعا کر رہے تھے جنکا جنازہ چارپائی پہ رکھ دیا گیا تھا، کہ ایک شخص نے میرے پیچھے سے میرے شانے پہ اپنی کہنی ٹکائی اور حضرت عمر سے مخاطب ہو کر کہا اللہ آپ پہ رحم کرے، مجھے امید ہے اللہ آپکو اپنے دونوں ساتھیوں (یعنی نبی پاک اور حضرت ابوبکر) کے ہمراہ رکھیگا کیونکہ بہت دفعہ میں نے نبی اکرم کو کہتے سنا میں تھا اور ابوبکر و عمر، میں نے یہ کیا اور ابوبکر و عمر نے بھی، میں گیا اور ابوبکر و عمر بھی اسی لئے مجھے امید ہے (کہ جیسے دینا میں ہمیشہ ساتھ رہے اسی طرح) آخرت میں بھی اللہ آپکو انہیں کے ساتھ رکھے گا، کہتے ہیں میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت علی تھے۔

ولید بن صالح سے مراد ابو محمد ضبی جزری نخاس ہیں، ابو حاتم وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے، اصحاب الرای سے ہونے کے سبب احمد نے ان سے روایت نہیں لی، ایک دفعہ انہیں نماز پڑھتے دیکھا تو ان کی نماز کا اسلوب انہیں اچھا نہ لگا (شائد تیز تیز پڑھ رہے تھے جیسے ہمارے دور کے اکثر اہل الرای کا وطیرہ ہے، مسجدِ محلّہ کے قاری صاحب اتنے تیز رفتار ہیں کہ ان کے ساتھ چلنا از حد مشکل ہے اتنی سرعت سے رکوع و سجود اور تیسری اور چوتھی رکعت ادا کرتے ہیں کہ ذرا آنکھ جھپکی اور حضرت صاحب اگلے رکن میں پہنچے) بخاری میں ان کی یہی ایک حدیث ہے مناقبِ عمر میں اسے ایک دیگر واسطہ کے ساتھ ابن ابی حسین سے نقل کیا ہے گویا وہ بھی انہیں قابل احتجاج نہیں سمجھتے۔

(کنت و أبوبکر و عمر) ابن تین لکھتے ہیں نحاۃ کے نزدیک احسن یہ ہے کہ ضمیرِ مرفوع پر عطف نہ کیا جائے مگر اس کی

تاکید ذکر کرنے کے بعد، بعض نے تو اس کے بغیر قبیح کہا ہے لیکن یہ آیت ان کا رد کرتی ہے: (ما أشرَكنا ولا آباؤُنا) [الأنعام: ۱۴۸]، آیت کا ان کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ (لا) حائل ہے، جواب در جواب یہ دیا گیا کہ عطف (لا) سے قبل ہی واقع ہو چکا ہے، پھر یہ حدیث بھی ان کا رو کرتی ہے۔ ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ تعاقب مردود ہے کیونکہ جملہ میں فاصل موجود ہے پھر جہاں تک یہ حدیث ہے تو رواۃ اس کی عبارت پر متفق نہیں ہیں، مناقبِ عمر میں ایک دیگر طریق کے ساتھ یہ عبارت آئیگی: (ذهبت أنا و أبوبكر و عمر) تو یہاں تاکید کے ساتھ عطف کیا ہے، دونوں حدیثیں متحد المخرج ہیں تو اس سے ولالت ملی کہ روایتِ ھذا میں بعض رواۃ نے تصرف کیا ہے، حدیث کی شرح مناقب عمر میں ہوگی۔

3678حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو عَنْ أَشَدِّ مَا صَنَعَ الْمُشْرِكُونَ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ رَأَيْتُ عُقْبَةَ بْنَ أَبِي مُعَيْطٍ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّي، فَوَضَعَ رِدَاءَهُ فِي عُنُقِهِ فَخَنَقَهُ بِهِ خَنْقًا شَدِيدًا، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى دَفَعَهُ عَنْهُ فَقَالَ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ .وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ .طرفاه 3856، 4815

عروہ کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن عمرو سے پوچھا مشرکین نے سب سے زیادہ سخت سلوک آنجناب کے ساتھ کیا کیا تھا؟ کہنے لگے میں نے عقبہ بن ابی معیط کو دیکھا کہ نبی پاک جب نماز میں مشغول تھے، اس نے اپنی چادر کے ساتھ آنجناب کی گردن کو کسا حتی کہ آپ کا گلا سخت پھنسا تو ابو بکر آئے اور اسے پرے ہٹایا اور کہنے لگے تم اس وجہ سے آپکے درپے قتل ہو کہ وہ کہتے ہیں میرا رب اللہ ہے اور انہوں نے اپنے رب کی طرف سے واضح نشانیاں بھی پیش کی ہیں؟

(حدثنا محمد بن يزيد الكوفي) کہا گیا ہے کہ یہ ابو ہاشم رفاعی ہیں اور وہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور تھے، حاکم اور کلا باذی کہتے ہیں یہ ابو ہاشم نہیں، ابن سکن عن الفربری کے نسخہ میں (محمد بن کثیر) ہے، تو یہ وہ ہیں۔ ابو علی جیانی نے اس پر تنبیہ کی ہے کیونکہ محمد بن کثیر کی ولید سے کوئی روایت معروف نہیں، ولید سے مراد ابن مسلم ہیں، آگے باب (ما لقي النبي ﷺ و أصحابه من المشركين بمكة) کے تحت ایک دیگر سند کے ساتھ ولید اور اوزاعی سے تصریح بالتحدیث ہے، وہیں اس کی شرح ہوگی۔

آخر بحث فائدہ کے عنوان سے ابن حجر رقم طراز ہیں کہ زبیر بن بکار نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر مرضِ سل (یعنی ٹی بی) سے فوت ہوئے، واقدی کہتے ہیں ایک سرد دن غسل کر لیا جس سے بخار چڑھ گیا جو پندرہ دن جاری رہا، بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہودیوں نے حریرہ وغیرہ میں زہر دیدیا تھا (مدینہ میں یہودی تھے کب؟)، دراصل بعض حضرات کو شوق تھا کہ ہر ایک کو شہید ثابت کرنا ہے، نبی پاک کی بابت بھی کہہ دیا کہ خیبر میں کھائے ہوئے زہریلے کھانے کا اثر آخری عمر میں ظاہر ہو گیا حالانکہ ایک بھی لقمہ کھایا نہ تھا) یوم وفات کی بابت صحیح قول یہ ہے کہ ۱۳ھ کے ماہِ جمادی الثانی کے آٹھ دن باقی تھے، تو اس لحاظ سے ان کی مدت خلافت دو برس، تین ماہ اور کچھ ایام بنتی ہے، اس امر میں اختلاف نہیں کہ ان کی عمر اتنی ہی ہوئی جتنی آنجناب کی بوقت وفات تھی یعنی تریسٹھ برس۔

6 باب مَنَاقِبُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَبِی حَفْصٍ الْقُرَشِیِّ الْعَدَوِیِّ (فضائل ومناقبِ عمر)

حضرت عمر کا نسب نامہ یہ ہے: عمر بن خطاب بن نُفیل بن عبد العزی بن رِیاح بن عبد اللہ بن قرط بن رَزاح بن عدی بن کعب بن اُدی بن غالب، کعب میں جا کر ان کا شجرہ نسب آنجناب سے مل جاتا ہے البتہ ایک جد کا فرق ہے، آنجناب اور کعب کے مابین سات افراد جبکہ حضرت عمر اور کعب کے مابین آٹھ افراد ہیں، ان کی والدہ حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ ابو جہل اور حارث ابنا ھشام بن مغیرہ کی عمزاد تھیں، ابن مندہ کے ہاں حنتمہ بنت ھشام یعنی بطور اختِ ابی جھل، مذکور ہے یہ تصحیف ہے، ابن عبد البر وغیرہ نے اس پر تنبیہ کی ہے۔ (أبی حفص الخ) سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ یہ کنیت آنجناب نے رکھی تھی ام المؤمنین حفصہ ان کی سب سے بڑی اولاد تھیں، بالاتفاق فاروق کے لقب سے ملقب تھے، ابو جعفر بن ابی شیبہ اپنی تاریخ میں ابن عباس عن عمر سے ناقل ہیں کہ یہ لقب بھی نبی پاک نے رکھا تھا، ابن سعد نے بھی حضرت عائشہ سے یہی روایت کیا ہے، زہری سے نقل کیا کہ اھل کتاب نے یہ لقب دیا تھا، بغوی ناقل ہیں کہ حضرت جبریل نے دیا تھا۔

3679 حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ الْمَاجِشُونُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ رَأَيْتُنِی دَخَلْتُ الْجَنَّةَ، فَإِذَا أَنَا بِالرُّمَيْصَاءِ امْرَأَةِ أَبِی طَلْحَةَ وَسَمِعْتُ خَشَفَةً، فَقُلْتُ مَنْ هَذَا فَقَالَ هَذَا بِلاَلٌ. وَرَأَيْتُ قَصْرًا بِفِنَائِهِ جَارِيَةٌ، فَقُلْتُ لِمَنْ هَذَا فَقَالَ لِعُمَرَ. فَأَرَدْتُ أَنْ أَدْخُلَهُ فَأَنْظُرَ إِلَيْهِ، فَذَكَرْتُ غَيْرَتَكَ. فَقَالَ عُمَرُ بِأُمِّی وَأَبِی يَا رَسُولَ اللَّهِ أَعَلَيْكَ أَغَارُ طرفاه 5226، 7024

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی پاک نے فرمایا میں نے خواب میں اپنے آپ کو جنت میں دیکھا تو وہاں ابوطلحہ کی بیوی رمیصاء کو پایا اسی طرح کسی کے قدموں کی آواز سنی، پوچھا یہ کون ہے؟ کہا کہ بلال ہیں، پھر ایک محل نظر آیا جس کے صحن میں ایک لڑکی تھی، پوچھا یہ کس کا محل ہے؟ کہا عمر کا، میں نے چاہا کہ اس میں داخل ہو جاؤں پھر عمر کی غیرت یاد آئی، اس پہ عمر کہنے لگے میرے ماں باپ آپ پہ فدا ہوں میں آپ سے غیرت کرونگا؟

(عبد العزيز بن الماجشون) غیر ابی ذر کے نسخوں میں ابن کا لفظ ساقط ہے، یہ عبد العزیز بن عبد اللہ بن ابو سلمۃ مدنی ہیں، ماجشون ان کے دادا کا لقب تھا ان کی اولاد اس لقب سے متلقب ہوئی۔ (حدثنا محمد بن المنكدر) اکثر نے ابن ماجشون سے یہی ذکر کیا ہے، صالح بن مالک نے ان سے روایت کرتے ہوئے (عن حميد عن أنس) ذکر کیا، اسے بغوی نے اپنی فوائد میں تخریج کیا ہے، تو ہو سکتا ہے ان کے اس میں دو شیوخ ہوں، اسکی تائید اس امر سے بھی ملتی ہے کہ حدیثِ حمید میں صرف محل کا تذکرہ ہے، ترمذی نسائی اور ابن حبان نے ایک دیگر سند کے ساتھ بھی حمید سے یہ نقل کیا ہے۔ (رميصاء امرأة أبی طلحة) حضرت ام سلیم (والدہِ حضرت انس) مراد ہیں، انہیں رمیصاء آنکھ میں رمص (یعنی آنکھ کا بہنا) ہونے کی وجہ سے کہا جاتا ہے، نام سھلہ یا رملہ ذکر کیا گیا ہے، بعض نے اسی کو نام بتلایا ہے، غمیصاء بھی منقول ہے بعض کے مطابق یہ ان کی بہن ام حرام کا نام تھا، ابو داؤد کہتے ہیں یہ ام سلیم کی رضاعی بہن کا نام تھا، ابن تین نے یہ کہنا بھی جائز و ممکن قرار دیا ہے کہ یہاں ابوطلحہ کی کوئی اور بیوی مراد ہو۔

(خشفة) حرکۃ کے ہم وزن و معنی ہے، احمد کی روایت میں (حشفا) یعنی صوتاً ہے بقول ابو عبید ایسی آواز جو شدید نہ ہو، کہا

گیا ہے کہ سانپ کے چلنے کی آواز کو حشفہ کہتے ہیں، یہاں مراد قدموں کی چاپ ہے۔ (هذا بلال) اس پر صلاۃ اللیل میں بحث ہو چکی ہے۔ (ورأيت قصرا الخ) ترمذی کی حدیثِ انس میں (قصر من ذهب) ہے۔ (فذكرت غيرتك) النکاح کی روایت میں ہے کہ میں نے اس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، (فلم يمغنى إلا علمي بغيرتك) یعنی تمہاری غیرت کا معلوم تھا سو اسی وجہ سے رک گیا۔ ابن عیینہ کی ابن منکدر اور عمرو بن دینار عن جابر سے صرف محل کے ذکر پر مشتمل روایت میں ہے کہ جنت میں ایک محل دیکھا۔ (يسمع فيه ضوضاء) یعنی جس کے اندر سے آوازیں وغیرہ سنائی دے رہی تھیں، اللیل کی روایتِ ابی ہریرہ میں حضرت عمر کے آنجناب کی اس بات پر رونے کا ذکر ہے، النکاح میں بھی رونیکا ذکر آئیگا، ابن بطال اس بابت کہتے ہیں ممکن ہے حضرت عمر کا یہ رونا بوجہ خوشی و مسرت ہو یا تشوقاً یا خشوعاً، ابو بکر بن عیاش کی حمید سے روایت میں یہ جملہ بھی مزاد ہے: (وهل رفعني الله إلا بك وهل هداني الله إلا بك) کہ مجھے اللہ یہ رفعت اور ہدایت فقط آپکے سبب دی ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں اس روایت کو فوائد عبد العزیز الحربی میں ہم نے روایت کیا اور یہ زیادتِ غریبہ ہے۔ اسے مسلم نے (الفضائل) اور نسائی نے (المناقب) میں نقل کیا۔

3680حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَؓ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِذْ قَالَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي فِي الْجَنَّةِ، فَإِذَا امْرَأَةٌ تَتَوَضَّأُ إِلَى جَانِبِ قَصْرٍ، فَقُلْتُ لِمَنْ هَذَا الْقَصْرُ قَالُوا لِعُمَرَ فَذَكَرْتُ غَيْرَتَهُ فَوَلَّيْتُ مُدْبِرًا .فَبَكَى وَقَالَ أَعَلَيْكَ أَغَارُ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔ أطرافه 3242، 5227، 7023، 7025۔ (دیکھئے سابقہ نمبر)

اس خواب کے بارہ میں حدیثِ ابی ہریرہ، اس میں صرف حضرت عمر کے محل اور اس میں موجود خاتون کا تذکرہ ہے اس خاتون کے بارہ میں نبی اکرم کا بیان کہ وضوء کر رہی تھی، کا محمول علی الظاہر ہونا محتمل ہے یعنی حقیقۃً ہی وضوء کر رہی ہونگی کیونکہ خواب زمانۂ تکلیف (یعنی جب مسلمان فرائض و واجبات کی ادائیگی کے مکلف ہیں) میں دکھائی دیا ہے جنت میں اگرچہ کوئی مکلف نہ ہوگا، تو وہ بعد کی بات ہے یعنی زمانۂ استقرار کی۔

(إلى جانب القصر) سے مراد محل کے باہر، یہ بھی احتمال ہے کہ حقیقت مراد نہ ہو، خواب ہمیشہ محمول علی حقیقت ہی نہیں ہوتے بلکہ محتمل التاویل بھی ہوا کرتے ہیں تو یہاں تاویل یہ ہوگی کہ وہ دنیا میں پابندِ شریعت خاتون تھیں، بعض نے اس وضوء سے مراد وضاءت کی غرض سے پانی کا استعمال لیا ہے (یعنی ہاتھ منہ دھونا) گویا اس کا لغوی مدلول، مگر اس میں بُعد ہے (جنت میں ہاتھ منہ دھونے کی کیا ضرورت؟)۔ ابن قتیبہ نے غرابت کا مظاہرہ کیا، خطابی نے بھی ان کی پیروی کی، انہوں نے (تتوضأ) کو تصحیف قرار دے ڈالا کہ اصل میں (امرأة شوهاء) تھا، ان کی دلیل صرف یہی ہے کہ جنت میں وضوء کا کیا مطلب؟ لیکن مراد و مفہوم پر عدم اطلاع کا مقتضا یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ حفاظ رواۃ کی تغلیط کر دی جائے، بعد ازاں خطابی اھل لغت کے حوالے دیکر شوھاء کی تشریح و تفسیر کرنے لگ گئے اور کہا کہ اس کا معنی ہے: حسناء یعنی خوبصورت، اسے ابو عبیدہ سے نقل کیا حالانکہ اس کا معنی حسناء تب ہوتا ہے جب اسے فرس کی صفت بنایا جائے، جوھری کہتے ہیں (فرس شوهاء) أي الواسعة الفم (بڑے منہ والا گھوڑا یا گھوڑی)، خیل میں تو یہ مستحسن ہے لیکن اگر عورت کی صفت کے بطور استعمال کیا جائے (یعنی بڑے منہ والی عورت) تو اس کی نسبت حسن نہیں بلکہ قبح ہے جیسا کہ ابن اعرابی وغیرہ

نے لکھا، قرطبی نے بھی خطابی کی اس کلام کا تعاقب کیا ہے، لکھتے ہیں یہاں وضوء زیادتِ حسن کی غرض سے ہے نہ کہ نظافت کے ارادہ سے کیونکہ جنت اوساخ واقذار (میل کچیل اور گرد وغبار) سے منزّہ ہے، بخاری نے کتاب التعبیر میں اس پر اس عنوان سے باب قائم کیا ہے: (باب الوضوء فی المنام) لہٰذا خطابی کا تخیل باطل ہے۔

3681حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ الصَّلْتِ أَبُو جَعْفَرٍ الْكُوفِیُّ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ یُونُسَ عَنِ الزُّهْرِیِّ قَالَ أَخْبَرَنِی حَمْزَةُ عَنْ أَبِیهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ بَیْنَا أَنَا نَائِمٌ شَرِبْتُ یَعْنِی اللَّبَنَ حَتَّى أَنْظُرُ إِلَى الرِّیِّ یَجْرِی فِی ظُفُرِی أَوْ فِی أَظْفَارِی، ثُمَّ نَاوَلْتُ عُمَرَ. فَقَالُوا فَمَا أَوَّلْتَهُ قَالَ الْعِلْمَ. أطرافه 82، 7006، 7007، 7027، 7032

راوی کا بیان ہے کہ نبی پاک نے فرمایا کہ میں عالَمِ خواب میں تھا کہ دیکھا کہ دودھ پیا ہے اتنا پیا کہ گویا اس کی تازگی میرے ناخنوں سے عیاں ہے پھر بقیہ دودھ عمر کو دیدیا، لوگوں نے پوچھا پھر آپ نے اس کی کیا تعبیر کی؟ فرمایا علم۔

شیخ بخاری اسیدی ہیں، ان کی بخاری میں صرف یہی ایک حدیث ہے امام بخاری کے ایک اور شیخ بھی **محمد بن صلت** نام کے ہیں، ان کی کنیت ابویعلی اور وہ بصری تھے، ابوجعفر ابویعلی سے عمر میں بڑے اور سماعِ حدیث میں ان سے اقدم تھے۔ (حتی أنظر إلی الری) عبدان کی روایت میں (حتی انی) ہے، اس کے ہمزہ پر زبر اور زیر دونوں درست ہیں۔ رؤیتِ ری بطورِ استعارہ ہے، (أنظر) یعنی بجائے ماضی کے مضارع کا استعمال صورتحال کے استحضار کیلئے ہے، اس لفظ کا یہاں ذکر اس امر کی تائید کرتا ہے کہ العلم کی روایت میں (أری) رؤیتِ بصر سے ہے نہ کہ علم سے، ری کی راء مکسور ہے، زبر پڑھنا بھی جائز ہے۔ (یجری) اس کا فاعل لبن یا ری، دونوں ممکن ہیں۔ (فی ظفری أو الخ) راوی کا شک ہے، روایتِ عبدان میں (أظفاری) ہے، العلم کی روایتِ عقیل میں بھی بغیر شک (فی أظفاری) تھا۔ (ثم ناولت عمر) عبدان کی روایت میں: (ناولت فضلی) ہے یعنی فاضل/ بقیہ دودھ، العلم میں (أعطیت فضلی عمربن الخطاب) تھا۔

(العلم) نصب کے ساتھ ای (أولته العلم) رفع کے ساتھ بھی جائز ہے، (أی المؤل بہ ھو العلم) جزء حسین بن عرفۃ میں ایک دیگر طریق کے ساتھ ابن عمر سے روایت میں ہے کہ لوگوں نے کہا اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ ہر علم جو اللہ نے آپ کو عطا کیا تو اس سے فاضل حصہ عمر نے لیا ہے! آپ نے یہ سن کر فرمایا: (أصبتم) تم ٹھیک سمجھے، اس کی سند ضعیف ہے، اگر یہ محفوظ ہے تو محتمل ہے کہ بعض حاضرین نے تعبیر بیان کی ہو اور بعض نے آنجناب سے دریافت کیا۔ دودھ اور علم میں وجہِ اشتراک دونوں کا کثیر النفع اور باعثِ صلاح ہونا ہے، دودھ غذاءِ بدنی ہے جبکہ علم معنوی (یعنی روحانی) غذا، اس سے ثابت ہوا کہ خوابیں ہمیشہ اپنے ظاہر پر جاری نہیں ہوتیں، انبیاء کی خوابیں اگرچہ وحی سے ہوتی ہیں لیکن ان میں سے بعض محتاجِ تعبیر ہوتی ہیں، بعض محمول علی الظاھر بھی ہو سکتی ہیں، اس کی مزید تفصیل کتاب التعبیر میں ہوگی۔ علم سے یہاں مراد کتاب وسنت کی روشنی میں امورِ سیاست کا علم ہے حضرت عمر کو اس کے ساتھ مختص کرنیکی وجہ حضرت ابوبکر کی نسبت ان کے دورِ خلافت کا طویل ہونا ہے اور حضرت عثمان کی نسبت لوگوں کا ان کا مکمل اطاعت گزار ہونا ہے، حضرت ابوبکر کا دور چونکہ بڑا مختصر تھا لہٰذا عہدِ عمری جتنی کثیر فتوحات متحقق نہ ہوئیں جو لوگوں کے باہمی اختلافات کا سب سے بڑا سبب ہے، حضرت عمر کے عہد میں فتوحات بھی کثرت سے ہوئیں اور اس کے باوجود ایسے انداز سے حکمرانی کی کہ کسی کو

مخالفت کی جرات نہ ہو سکی۔

عہد عثمانی میں فتوحات کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہوا جس کے نتیجہ میں اقوال کا انتشار اور آراء کا اختلاف بھی پیدا ہوا جس طرح لوگ حضرت عمر کے اطاعت گزار ثابت ہوئے تھے حضرت عثمان کی نسبت ایسا نہ ہو سکا (ان کی نرم روی سے بعض مفسدوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا، پھر کئی فتنے اٹھ کھڑے ہوئے جو آخر ان کی شہادت پر منتج ہوئے)۔ ان کے بعد حضرت علی سریر آرائے حکومت ہوئے مگر اختلافات، فتنے اور انتشار بڑھتا ہی گیا (تو گویا ان چار ادوار میں حضرت عمر کا دور ہی ہر لحاظ سے ایک مثالی دور تھا، ابن حجر کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ آنجناب کا خوابِ مذکور میں انہیں دودھ دینا ان کے دور کی انہی خصوصیات کی طرف اشارہ تھا)۔

علامہ انور (ثم ناولت عمر الخ) کے تحت لکھتے ہیں تو اس طرح معانی متمثّل ہوتے ہیں جیسے یہاں علم دودھ میں متمثّل ہوا ہے اگرچہ کسی سامع پر اس کی فہم دشوار ہو! یہ معلوم ہونا چاہیے کہ صورتِ ذہنیہ جب خیال میں آتی ہے تو وہ بغیر مادہ کے ہی ذاتِ کمیت ہو جاتی ہے، ابن سینا تصریح کرتے ہیں کہ مخیلہ (یعنی قوتِ خیال میں) تجدید تام نہیں ہوتی، اس میں ہیئت اور وضع باقی ہے جب وہ مخیلہ سے حواس کی طرف خروج کرتی ہے تو اسے (کلیا طبیعیا) کا نام دیا جاتا ہے، کہتے ہیں اگر تجھے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ تمثّلِ معانی کیسے ہوتا ہے تو ہمارے لکھے پر اکتفاء کرو، علمائے عقول کے نزدیک یہ قدر مسلَّم ہے۔

3682حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ سَالِمٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ أُرِيتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَنْزِعُ بِدَلْوِ بَكْرَةٍ عَلَى قَلِيبٍ، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ نَزْعًا ضَعِيفًا، وَاللَّهُ يَغْفِرُ لَهُ، ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا، فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا يَفْرِي فَرِيَّهُ حَتَّى رَوِيَ النَّاسُ وَضَرَبُوا بِعَطَنٍ .قَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ الْعَبْقَرِيُّ عِتَاقُ الزَّرَابِيِّ .وَقَالَ يَحْيَى الزَّرَابِيُّ الطَّنَافِسُ لَهَا خَمْلٌ رَقِيقٌ (مَبْثُوثَةٌ) كَثِيرَةٌ .أطرافه 3633، 3676، 7019، 7020۔ (دیکھئے اس کا سابقہ نمبر)

عبید اللہ سے مراد عمری ہیں۔ (حدثنی أبوبکر بن سالم) سالم عبد اللہ بن عمر کے بیٹے ہیں، ابو بکر اپنے سے اس کے راوی کے اقران میں سے ہیں، دونوں صغار تابعین میں سے ہیں، ان کے والد سالم کبار تابعین میں سے ہیں اور مدینہ کے فقہائے سبعہ میں ان کا شمار کیا جاتا ہے، ابو بکر کی بخاری میں یہی ایک روایت ہے، ان سے سوائے عبید اللہ کے کسی اور کی روایت معروف نہیں، بخاری یہ روایت متابعات میں لائے ہیں، زہری عن سالم کے حوالے سے گزر چکی ہے۔

(بدلو بکرۃ) بکرۃ کی باء اور کاف پر زبر مشہور ہے، بعض نے باء پر تینوں حرکات نقل کی ہیں، کاف پر سکون پڑھنا بھی جائز ہے اس طور کہ اس سے مراد دلو کی نسبت اونٹنی کی طرف ہو، معنی یہ بنے گا کہ وہ ڈول جس سے اونٹنی کو پانی پلایا جاتا ہے، کافِ متحرک سے مراد وہ خشبہِ مستدیرہ (گول لکڑی) جس میں ڈول لٹکایا جاتا ہے۔

(قال ابن جبیر العبقری الخ) اسے عبد بن حمید نے موصول کیا ہے، ابن حجر کہتے ہیں ہم نے اسے ابو نعیم کی صفۃ الجنۃ میں ابو بشر عن سعید بن جبیر کے طریق سے روایت کیا ہے، اللہ تعالی کے فرمان: (مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ رَفْرَفٍ خُضْرٍ و عَبْقَرِيٍّ حِسان)

[الرحمٰن : ٧٦) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ رفرف ریاضِ جنت اور عبقری زرابی ہیں، اصیلی، کریمہ اور بعض دیگر نسخوں میں یہاں (قال ابن نمیر) ہے، کہا گیا ہے کہ اس سے مراد محمد بن عبداللہ بن نمیر شیخِ بخاری ہیں اس بارے بسطِ قول کتاب التعبیر میں آئیگا۔ عتاق بمعنی حسان ہے (یعنی اچھے اور عمدہ) زرابي زربیۃ کی جمع ہے، طویل وعریض عمدہ قالین، (سورۃ الغاشیۃ میں ہے: وَ زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَة)۔ صاحب المشارق لکھتے ہیں عبقری وہ اچھی اور عمدہ شئ جس سے بالا کوئی چیز نہ ہو، ابوعمر کہتے ہیں عبقريُّ القوم یعنی ان کا سردار، قیم اور بڑا۔ فراء کہتے ہیں عبقری کے معنی ہیں سردار، عمدہ حیوان، جوھر اور منقوش قالین، ایک قول ہے کہ یہ عبقر جو بادیہ کی ایک جگہ تھی، کی طرف منسوب ہے بعض کے مطابق ایک شہر تھا جہاں نہایت عمدہ کپڑے اور قالین بنتے تھے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں جب کوئی ایسی عجیب وغریب شئ دیکھتے جس کی صنعت ان کے نزدیک بہت مشکل ودقیق تھی تو اسے عبقری کا نام دیتے پھر اتساعِ معنی کرتے ہوئے بڑے سردار پر بھی اس کا اطلاق کرنے لگے، اس کی تشریح کرتے ہوئے امام بخاری کا ذھن حسبِ عادت قرآنی آیت: (و زَرَابِيُّ مَبْثُوثَة) کی طرف گیا تو اس کی تشریح کی (زرابي کا عبقری کے ساتھ تعلق بھی بنتا ہے، سورۃ الرحمٰن کی آیتِ مذکورہ: مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ و عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ۔ کی نسبت سے کہ اس میں بھی گائے تکیوں اور بچھونوں کا ذکر ہے)۔

(وقال یحیی الخ) یعنی ابن زیاد فراء (مشہور نحوی) انہوں نے یہ اپنی کتاب معانی القرآن میں ذکر کیا ہے کرمانی انہیں یحیی بن سعید قطان سمجھ بیٹھے اس میں انہیں غلط فہمی اس وجہ سے لگی کہ مناقبِ ابی بکر میں یہی روایت یحی قطان کے حوالے سے مروی تھی۔ علامہ انور (قال یحیی) کی بابت لکھتے ہیں کہ اس امر کو ان کے مناقب میں شمار کیا گیا ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان کا نام ذکر کیا، کتاب التفسیر میں متعدد نقول سیبویہ کی منقول ہیں اگرچہ ان کا نام کہیں بھی ذکر نہیں کیا شائد اس کی وجہ یہ تھی کہ امام بخاری نے اکثر تفسیری نقول ابوعبیدہ کی تفسیر سے نقل کی ہیں جس میں سیبویہ کی نقول بھی ہیں، تو ابوعبیدہ کے حوالے سے صحیح میں بھی ان میں سے کئی کو نقل کر دیا، (عتاق الذرابی) کا معنی نفیس پوشش، لکھا ہے۔ (الطنافس) طنفسۃ کی جمع ہے، بساط (یعنی قالین، کارپٹ یا کوئی بھی بچھانے کی چیز)۔ (مبثوثۃ کثیرہ) یہ فراء کی بقیہ کلام ہے۔

3683 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْحَمِيدِ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ سَعْدٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَاهُ قَالَ ح حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ اسْتَأْذَنَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَعِنْدَهُ نِسْوَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ يُكَلِّمْنَهُ وَيَسْتَكْثِرْنَهُ، عَالِيَةً أَصْوَاتُهُنَّ عَلَى صَوْتِهِ فَلَمَّا اسْتَأْذَنَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قُمْنَ فَبَادَرْنَ الْحِجَابَ فَأَذِنَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَدَخَلَ عُمَرُ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَضْحَكُ، فَقَالَ عُمَرُ أَضْحَكَ اللَّهُ سِنَّكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَجِبْتُ مِنْ هَؤُلاَءِ اللاَّتِي كُنَّ عِنْدِي فَلَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَكَ ابْتَدَرْنَ الْحِجَابَ. فَقَالَ عُمَرُ فَأَنْتَ أَحَقُّ أَنْ يَهَبْنَ يَا رَسُولَ اللَّهِ. ثُمَّ قَالَ عُمَرُ يَا عَدُوَّاتِ أَنْفُسِهِنَّ،

أَتَهَبْنَنِی وَلاَ تَهَبْنَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقُلْنَ نَعَمْ، أَنْتَ أَفَظُّ وَأَغْلَظُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ .فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِيهًا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ وَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهِ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ .طرفاہ 3294، 6085۔ (دیکھئے اسی جلد کا سابقہ نمبر)

(عن عبد الحمید بن عبد الرحمن بن زید) یعنی زید بن خطاب (حضرت عمر کے بھائی) سند میں چار تابعی ہیں، دو ہم عمر و ہم طبقہ یعنی صالح بن کیسان اور ابن شہاب اور دو قریبان ہیں یعنی عبد الحمید اور محمد بن سعد، سب رواۃ مدنی ہیں۔ (و عندہ نسوۃ) یہ ازواج مطہرات تھیں، یہ بھی ممکن ہے کچھ دیگر خواتین بھی ہمراہ ہوں لیکن (یستکثرنہ) ان سب کے ازواج مطہرات ہونے کا قرینہ ہے (یعنی کوئی اور خاتون تو نبی کرم کے ساتھ بڑھ چڑھ کر بات نہیں کر سکتی تھی)، داؤدی کہتے ہیں اس لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ سے نان ونفقہ کا تقاضہ کر رہی تھیں۔ (عالیۃ) مرفوع و منصوب دونوں طرح جائز ہے، بطورِ صفت پیش اور بطورِ حال زبر کے ساتھ پڑھیں گے۔ (علی صوتہ) ابن تین لکھتے ہیں ہوسکتا ہے یہ نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند کرنیکی نہی نازل ہونے سے قبل کا واقعہ ہو، یا ممکن ہے ان کی طبع یہ ہو۔ دوسرے شراح لکھتے ہیں مراد یہ کہ سب کے بولنے کے سبب مجموعی لحاظ سے شور وشرابہ کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی، الگ انفرادی طور سے آواز بلند نہ تھی یا محتمل ہے کوئی (طبعی طور پر حضرت ثابت کی طرح) جھیرۃ الصوت ہو، یا یہ کہ نہی مذکور مردوں کے ساتھ مختص ہے، ایک قول یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے حق میں یہ برائے تنزیہ ہے یا چونکہ اس وقت (نان ونفقہ کے ضمن میں) مخاصمت کا ماحول تھا، عمداً آوازیں بلند نہ کی تھیں، یہ بھی کہا گیا کہ چونکہ یہ آپکے گھر کے اندر کا ماحول تھا لہٰذا خلوت میں کچھ ایسی باتیں قابلِ درگزر ہوا کرتی ہیں جو جلوت میں نہیں ہوتیں۔

(أضحك الله سنك) یہ کثرتِ ضحک کی دعا مقصود نہیں کہ آپ ہمیشہ ہنستے رہیں کیونکہ یہ متقی کی شان کے منافی ہے بلکہ اس کا لازم مراد ہے یعنی سرور وخوشی یا اس کے عکس یعنی حزن وغم کی نفی مراد ہے۔ (أنت أفظ و أغلظ) فظاظۃ اور غلظۃ سے افعل تفضیل، جو اصلِ فعل میں شرکت کو مقتضی ہے (یعنی بظاہر۔ نعوذ باللہ۔ رسول اللہ بھی سخت و درشت ہیں مگر حضرت عمر کی بابت کہہ رہی ہیں کہ وہ زیادہ سخت و درشت ہیں)، تو یہ اس آیت کے معارض ہے: (وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ) [آل عمران : ۱۵۹] کیونکہ اس میں آپ کے بالکل بھی فظ وغلیظ ہونے کی نفی کی گئی ہے! جواب یہ ہے کہ آیت اس سختی و درشتی کے آپ کی صفتِ لازمہ ہونے کی نفی کرتی ہے جو اس حدیث میں مذکور کو مستلزم نہیں یہاں مراد عارضی طور پر بعض احوال میں مثلاً کسی منکر کے انکار کے وقت، سختی و درشتی کا در آنا اس زمرہ میں داخل نہیں، بعض نے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ افظ یہاں بمعنی فظ ہو مگر یہ محلِ نظر ہے کیونکہ افعل تفضیل کا استعمال اس کے معنائے ترجیح کے مدنظر ہی کیا جاتا ہے، نبی پاک کی عادتِ مبارکہ تھی کہ کسی سے ایسے انداز میں نہ ملتے جو اسے ناگوار لگے الا یہ کہ اللہ کے حقوق میں سے کسی حق کے بات ہو مگر حضرت عمر مکروھات سے زجر میں اور مندوبات کے طلب میں کافی سختی کا اظہار کیا کرتے تھے تبھی ان خواتین نے ان کے بارہ میں یہ کہا۔

(إیھاً یا ابن الخطاب) اہل لغت لکھتے ہیں ایھا ھمزہ کے زبر اور آخر میں تنوین کے ساتھ ہے، اس کا معنی ہے ہمارے ساتھ کوئی گفتگو نہ شروع کرو، اور بغیر تنوین اسکا معنی ہے ایسی بات سے جو ہمارے ہاں معہود ہے، رک جاؤ، (جیسے اردو میں کہتے ہیں: کوئی اور بات کرو) اور (إیہٍ) ہمزہِ مکسور اور تنوین کیساتھ، اس کا معنی یہ ہے ہمارے ساتھ جو چاہو بات کرو، جبکہ ہمزہِ مکسور اور بغیر تنوین کا

معنی ہے اور باتیں کرو۔ ابن حجر کہتے ہیں ہماری روایت نصب اور تنوین کے ساتھ ہے، ابن تین دعوی کرتے ہیں کہ ان کے ہاں بغیر تنوین کے ہے، کہتے ہیں اس کا معنی ہے کہ ان کی ملامت سے توقف کرو، طیبی لکھتے ہیں رسول خدا کی توقیر کا امر مطلوب لذاتہٖ ہے جس کی زیادت محمود ہے تو نبی اکرم نے (إیہٍ) فرمایا، گویا ان سے چاہا کہ ایسی باتیں اور کریں جن سے آپ کی توقیر وتقویت ہو رہی ہے، اسی لئے اس کے بعد یہ فرمایا: (و الذی نفسی بیدہ الخ) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ان کی باتوں سے راضی ہوئے تھے۔

(فجا) یعنی طریقا واسعا۔ (قط) نفی کی تاکید ہے۔ (إلا سلك الخ) یہ حضرت عمر کی عظیم فضیلت ہے کہ شیطان کو ان پر کوئی راہ نہیں، یہ وجودِ عصمت کو مقتضی نہیں کیونکہ اس میں فقط اتنا مذکور ہوا کہ شیطان ان سے راہِ فرار اختیار کر جاتا ہے، کسی راستے میں ان کا مشارک نہیں بنتا، یہ اس کے ان کے دل میں وسواس ڈالنے کی نفی نہیں، بہرحال اگر کوئی کہے کہ ایک راستہ میں شیطان کے حضرت عمر کے ساتھ چلنے کی نفی سے اس کا عدم وسوسہ بطریقِ اولی ثابت ہوتا ہے تو ممکن ہے حضرت عمر کو بھی شیطان سے محفوظ کیا گیا ہو، البتہ اس سے ان کی نسبت ثبوتِ عصمت لازم نہیں کیونکہ وہ انبیاء کے حق میں لازم اور غیر نبی کے حق میں ممکن ہے۔ طبرانی کی اوسط میں حضرت حفصہ کی روایت مذکور ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: (إن الشیطان لا یلقیٰ عمر منذ أسلم إلا خَرَّ لِوجھہٖ) کہ جب سے عمر نے اسلام قبول کیا ہے شیطان جب بھی ان کے آڑے آتا ہے منہ کے بل گر پڑتا ہے، یہ ان کے صلابت فی الدین اور ہمیشہ حقِ محض کی راہ اختیار کرنے پر دال ہے۔ نووی کہتے ہیں یہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے اور واقعۃً شیطان انکو اپنے مقابل پا کر بھاگ جاتا تھا، عیاض کہتے ہیں محتمل ہے کہ یہ بطور ضرب المثل فرمایا ہو اور مراد یہ ہو کہ حضرت عمر ہمیشہ شیطان کی راہوں سے دور رہتے ہیں اور طریقِ سداد کے سالک ہیں تو ہر اس چیز کی مخالفت کرتے ہیں جو شیطان کو اچھی لگتی ہے، پہلا مفہوم اولی ہے۔

3684 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا قَيْسٌ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ مَا زِلْنَا أَعِزَّةً مُنْذُ أَسْلَمَ عُمَرُ. طرفه 3863

عبداللہ کہتے ہیں جب سے حضرت عمر نے اسلام قبول کیا ہمارے عزت ورعب میں اضافہ ہی ہوا۔

یحیی سے قطان، اسماعیل سے ابن ابوخالد اور قیس سے ابن ابوحازم مراد ہیں جبکہ راوی حدیث عبداللہ بن مسعود ہیں۔ (منذ أسلم عمر) یعنی اللہ کے امر کی بابت ان میں جو سختی اور قوت تھی اس کی بدولت، ابن ابوشیبہ اور طبرانی کی قاسم بن عبدالرحمٰن عن ابن مسعود سے روایت میں یہ الفاظ ہیں: (کان إسلام عمر عزاً و ھجرتہ نصراً و إمارتہ رحمۃً) کہ اسلامِ عمر عزت، ان کی ہجرت نصرت اور ان کی حکومت رحمت تھی اس کے بعد کہا اور کعبہ کے گرد علی الاعلان نماز ادا کرنے کی ہمت ہمیں حضرت عمر کے مسلمان ہونے کے بعد ہی ملی۔

دارقطنی کی قاسم بن عثمان عن انس کے حوالے سے روایت میں ان کے قبولِ اسلام کا واقعہ مفصلا مذکور ہے، اس میں ہے کہ ایک دن تلوار لٹکائے نکلے تو راستے میں بنی زہرہ کے ایک شخص سے ملاقات ہوئی، آگے ان کا اپنی بہن اور بہنوئی حضرت سعید بن زید کے گھر جانا اور اعترافِ اسلام کے سبب ان پر تشدد، سورۃ طٰہٰ کی قراءت اور پھر قبول اسلام میں رغبت کا اظہار وغیرہ ذکر کیا۔ خباب نکلے اور ان سے کہا اے عمر تمہارے لئے بشارت ہو! مجھے امید ہے کہ نبی اکرم کی دعا کہ اے اللہ اسلام کو عمر یا عمرو بن ھشام (ابوجہل) کے ذریعہ تقویت پہنچا، تمہارے حق میں قبول ہوئی ہے۔ ابوجعفر بن ابوشیبہ ابن عباس عن عمر سے روایت نقل کرتے ہیں، اس میں ہے حضرت عمر

کہتے ہیں میں نے (اسلام لانے کے بعد) نبی پاک سے کہا: (فیم الاختفاء؟) کیوں چھپ کر رہیں، پھر ہم دو قطاروں میں نکلے، ایک میں میں تھا اور دوسری میں حمزہ، قریش نے یہ منظر دیکھا تو ایسا دکھ محسوس کیا گویا کبھی ایسا فظیع منظر نہ دیکھا تھا۔ ابن ابی خیثمہ خود حضرت عمر سے ایک روایت میں نقل کرتے ہیں کہ جب میں اسلام لایا تو صرف انتالیس آدمی ابھی مسلمان ہوئے تھے، میں چالیسواں تھا۔ بزار ابن عباس سے ناقل ہیں کہ ان کے اسلام لانے کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: (یا أَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ و مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِین) [الأنفال:۶۴]۔ خیثمہ کی فضائل الصحابہ میں ابو وائل عن ابن مسعود سے روایت میں ہے کہ نبی اکرم نے یہ دعا فرمائی تھی: (اللهم أَیِّدِ الإسلام بِعُمر) اے اللہ عمر کے ساتھ اسلام کی تائید فرما، انہی کی حضرت علی سے اس روایت میں (أعِز) کا لفظ ہے، حاکم نے بسند صحیح حضرت عائشہ سے بھی یہی نقل کیا ہے، ترمذی نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم نے یہ دعا کی اے اللہ اسلام کو ابوجہل یا عمر میں سے جو تجھے محبوب ہے، کے ساتھ عزت وتوقیر عطا فرما، ترمذی اسے حسن صحیح قرار دیتے ہیں ابن حبان نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں اس کی سند میں خارجہ بن عبداللہ ہیں ان میں کچھ مقال ہے مگر ترمذی ہی کی تخریج کردہ حدیثِ ابن عباس اس کی شاھد ہے اور حدیثِ انس بھی۔

3685 حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ سَعِیدٍ عَنِ ابْنِ أَبِی مُلَیْكَةَ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ یَقُولُ وُضِعَ عُمَرُ عَلَى سَرِیرِهِ، فَتَكَنَّفَهُ النَّاسُ یَدْعُونَ وَیُصَلُّونَ قَبْلَ أَنْ یُرْفَعَ، وَأَنَا فِیهِمْ، فَلَمْ یَرُعْنِی إِلَّا رَجُلٌ آخِذٌ مَنْكِبِی، فَإِذَا عَلِیٌّ فَتَرَحَّمَ عَلَى عُمَرَ، وَقَالَ مَا خَلَّفْتَ أَحَدًا أَحَبَّ إِلَیَّ أَنْ أَلْقَى اللَّهَ بِمِثْلِ عَمَلِهِ مِنْكَ، وَایْمُ اللَّهِ، إِنْ كُنْتُ لَأَظُنُّ أَنْ یَجْعَلَكَ اللَّهُ مَعَ صَاحِبَیْكَ، وَحَسِبْتُ أَنِّی كُنْتُ كَثِیرًا أَسْمَعُ النَّبِیَّﷺ یَقُولُ ذَهَبْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَدَخَلْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَخَرَجْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ. طرفه 3677۔ (اسی جلد کا سابقہ نمبر)

(فتكنفه الناس) یعنی چاروں طرف سے ان کے گرد جمع ہوگئے۔ (فترحم علی عمر) مناقب ابی بکر میں یہ جملہ گزرا: (یرحمك الله) حضرت علی کی یہ بات کہ عمر سے افضل عمل والا کوئی فرد موجود نہ تھا، کی مثل ابن ابی شیبہ اور مسدد نے جعفر بن محمد (ابن حنفیہ) عن ابیہ عن علی کے حوالے سے روایت تخریج کی ہے اس کی سند صحیح ہے اور یہ اس روایتِ ابن عباس کا شاھدِ جید ہے کہ خود آل علی کے حوالے سے مروی ہے۔

(مع صاحبيك) نبی اکرم اور حضرت ابوبکر کے ساتھ دفن کیا جانا مراد بھی ہوسکتا ہے یا اس معیت سے مراد وفات کے بعد والی حیات اور دخولِ جنت ہے۔ (حسبت انی) حسب کے بعد ھمزہ پر زبر اور زیر دونوں طرح پڑھنا درست ہے، مناقب ابی بکر والی روایت میں (لأنی کثیراً ما کنت أسمع) کے الفاظ تھے، اس میں لام برائے تعلیل، ما ابہامیہ مؤکدہ اور کثیراً ظرف زمان ہے جس کا عامل کان مقدّم علیہ ہے جیسے قرآن کی یہ آیت ہے: (قَلِیْلًا مَا تَشْكُرُوْنَ)، اکثر کی روایت میں: (کثیرا مِمَّا کنتُ أسمع) ہے۔

علامہ انور (تكنفه الناس يدعون و يصلون) کے تحت لکھتے ہیں شائد حضورِ میت کے مواقع پر دعاء وصلاۃ ان کی سنن

(مراد رسومات) میں سے تھا، اس میں صلاۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے تو اس سے دلالت ملی کہ میت پر صرف دعاء کرنے میں بھی یہ لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے اسی لئے سابقہ بحث میں عینی کا جواب ترک کر کے نووی کی شرح اختیار کی تھی، الصلاۃ علی الشھید میں اس پر مفصل بحث گزر چکی ہے (ما رأيت أحدا قط بعد النبی الخ) کے تحت لکھتے ہیں اصل عبارت یوں ہے: (كان أجدّ وأجود من عمر بن الخطاب)۔

3686 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَوَاءٍ وَكَهْمَسُ بْنُ الْمِنْهَالِ قَالاَ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ صَعِدَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى أُحُدٍ وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَفَ بِهِمْ، فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ، قَالَ اثْبُتْ أُحُدُ فَمَا عَلَيْكَ إِلاَّ نَبِيٌّ أَوْ صِدِّيقٌ أَوْ شَهِيدَانِ. طرفاه 3675، 3699۔ (دیکھئے سابقہ نمبر)

مناقبِ ابوبکر میں اس کی شرح گزر چکی۔ (وقال لی خليفة) یہ خلیفہ بن خیاط ہیں، محمد بن سواء سے مراد سدوسی بصری ہیں ان سے الأدب میں بھی روایت اخذ کی ہے، کہمس بروزنِ جعفر، جو ابن منہال سدوی بصری ہیں، کی بخاری میں یہی ایک روایت ہے، سعید سے مراد ابن ابوعروبہ ہیں، یہ سب ابوذر کے بعض نسخوں سے ساقط ہے ان میں صرف یزید بن زریع کے طریق پر اقتصار ہے۔ (فما عليك إلا نبی الخ) مناقبِ ابی بکر میں: (نبی و صديق و شهيدان) تھا اس پر یہاں او بمعنی واو ہے، لفظِ شہید برائے جنس ہے بعض کی روایتوں میں: (نبی و صديق أو شهيد) ہے، کہا گیا ہے کہ او بمعنی واو ہے بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ (أو شهيد) میں اسلوب مغایرتِ حال کے اِشعار کیلئے تبدیل کیا کیونکہ صفتِ نبوت و صدیقیت تو اس وقت حاصل تھی مگر صفتِ شہادت ابھی واقع نہ تھی۔

3687 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ هُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ أَنَّ زَيْدَ بْنَ أَسْلَمَ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلَنِي ابْنُ عُمَرَ عَنْ بَعْضِ شَأْنِهِ يَعْنِي عُمَرَ فَأَخْبَرْتُهُ. فَقَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا قَطُّ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ حِينَ قُبِضَ كَانَ أَجَدَّ وَأَجْوَدَ حَتَّى انْتَهَى مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ

زید بن اسلم کہتے ہیں ابن عمر نے مجھ سے اپنے والد کے بعض حالات دریافت کئے میں نے بتلائے تو کہنے لگے نبی پاک کے بعد ان سے زیادہ کوشش کرنے والا اور ان سے زیادہ سخی میں نے نہیں دیکھا۔

(حدثنی عمر) یہ ابن محمد ہیں، حرملۃ عن ابن وھب کی روایت میں (حدثنی عمر بن محمد بن زيد) ہے یعنی ابن عبد اللہ بن عمر، (فقال ما رأيت) یہ ابن عمر کا مقول ہے۔ (أجد) جد سے افعلِ تفضیل، اجود جود سے افعل کا وزن ہے۔ (بعد رسول الله الخ) محتمل ہے کہ اس سے مراد بُعدیت فی الصفات ہو، تب کوئی خاص زمانہ مقصود نہیں، عہدِ نبوی اور ما بعد کو بھی متناوِل ہے اس میں حضرت ابوبکر اور متعدد صحابہ جو غایت درجہ کے سخی تھے، کا موازنہ باعثِ اشکال ہے یا اگر بعد از وفات نبوی مراد ہے تب صرف ابوبکر کے حوالے سے اشکال ہے، صرف زمانِ خلافت کے ساتھ تاویل بھی ممکن ہے کہ ان کے عہد میں ان جیسا سخی اور امور و معاملات میں ان جیسا منتظم نہیں دیکھا، اس سے مذکورہ اشکال ختم ہو جاتا ہے۔ (حتى انتهىٰ) یعنی آخر عمر تک، یہ اس بناء پر کہ انتھیٰ کا

فاعل حضرت عمراور قائل ابن عمر ہیں، یہ بھی محتمل ہے کہ فاعل ابن عمر اور قائل نافع ہوں یعنی (انتھیٰ فی الإنصاف بعد أجدّ و أجود حتی فرغ مما عنده)۔

3688حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ ؓ أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِیَّ ﷺ عَنِ السَّاعَةِ، فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ وَمَاذَا أَعْدَدْتَ لَهَا.قَالَ لاَ شَیْءَ إِلاَّ أَنِّی أُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ﷺ .فَقَالَ أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ قَالَ أَنَسٌ فَمَا فَرِحْنَا بِشَیْءٍ فَرَحَنَا بِقَوْلِ النَّبِیِّ ﷺ أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ. قَالَ أَنَسٌ فَأَنَا أُحِبُّ النَّبِیَّ ﷺ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ مَعَهُمْ بِحُبِّی إِيَّاهُمْ وَإِنْ لَمْ أَعْمَلْ بِمِثْلِ أَعْمَالِهِمْ .أطرافه 6167، 6171، 7153

انس راوی ہیں کہ ایک آدمی نے اللہ کے رسول سے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا تم نے اس کیلئے تیاری کیا کی ہے؟ کہا کوئی خاص نہیں البتہ مجھے اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے، فرمایا تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے تمہیں محبت ہوگی، انس کہتے ہیں ہمیں کسی چیز کی اتنی خوشی نہ ہوئی تھی جتنی آنجناب کے اس فرمان سے ہوئی، کہتے ہیں مجھے اللہ کے رسول سے اور ابو بکر وعمر سے محبت ہے اور امید کرتا ہوں کہ ان کے ہمراہ ہونگا کیونکہ ان سے پیار ہے اگرچہ ان جیسے اعمال نہیں۔

(إن رجلا الخ) یہ ذوالخویصرہ یمانی تھے، ابن بشکو ال کا خیال ہے کہ یہ ابوموسی اشعری یا ابوذر تھے پھر ابوموسی کی ایک روایت ذکر کی جس میں ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ (المرء یحب القوم ولما یلحق بہم) اس پر آپ نے مذکورہ جواب دیا، حدیثِ ابوذر میں ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ: (المرء یحب القوم ولا یستطیع أن یعمل بعملہم) کہ آدمی کچھ لوگوں سے محبت کرتا ہے مگر ان جیسے اعمال نہیں کرسکتا، بقول ابن حجر یہ دونوں سوال تو عمل کی بابت ہیں جبکہ روایتِ باب میں سوال قیامت کے بارہ میں ہے لہذا وہ الگ واقعات ہیں۔ الأدب میں حضرت انس کے حوالے سے آئیگا کہ قیامت کی بابت سوال کرنیوالا اعرابی تھا، دار قطنی کی حدیثِ ابومسعود میں ہے کہ ایک اعرابی جس نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا پھر نبی پاک سے کہنے لگا: (یا محمد متی الساعة؟) آپ نے فرمایا: (وما أعدَدْتَ لَھا؟) تو اس سے پتہ چلا کہ حدیثِ انس میں جس اعرابی کا ذکر ہے وہ یہی ہے جس نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا تھا، کتاب الطھارۃ میں گزرا تھا کہ یہ ذوالخویصرہ تھے جیسا کہ ابوموسی مدینی نے بھی دلائل معرفة الصحابة میں ذکر کیا ہے، حدیث کی شرح کتاب الأدب میں ہوگی مرادِ ترجمہ ذکرِ ابوبکر وعمر ہے اور یہ کہ حضرت انس نے عمل میں انہیں آنجناب کے ساتھ مقرونا ذکر کیا۔

علامہ انور (أنت مع من أحببت) کی بابت رقمطراز ہیں کہ معیت فی المنزلت مراد نہیں کہ اس کے اور نبی پاک کے مابین کوئی فرق نہ ہولیکن۔ واللہ اعلم۔ مراد یہ ہے کہ محبّ کی جنت میں مرتبہ ومنزلت بقدر اس کی آنجناب کے ساتھ محبت کے ہوگی پھر اس کی تفصیل شریعت نے بیان کی ہے کہ دخولِ جنت دائر بالإیمان ہے جبکہ اعمال آگ سے بچاؤ میں نفع دینگے، جنت میں اس کا کیا درجہ ورتبہ ہوگا؟ اس کا انحصار آنحضرت کے ساتھ محبت پر ہے، اول خیمہ سلطان کیلئے نصب کیا جاتا ہے پھر درباریوں کے حسبِ مراتب، جو بادشاہ کا جتنا مقرب ہوتا ہے اس کا خیمہ اتنا اس کے خیمہ کے قریب لگایا جاتا ہے تو معیت سے یہ مراد ہے، ساری جنت ایک مکان (یعنی جگہ نہ کہ بمعنی گھر) کی طرح ہے اس میں معیت آنجناب کی منزلت کے قرب وبُعد کے بحسب ہوگی اور یہ دائر بالمحبت ہے، عین اس مکان ومحل

میں معیت مرادنہیں کیونکہ یہ تو محال ہے۔

3689 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ مُحَدَّثُونَ فَإِنْ يَكُ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ .طرفه 3469

3689 زَادَ زَكَرِيَّاءُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ سَعْدٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَقَدْ كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ رِجَالٌ يُكَلَّمُونَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُونُوا أَنْبِيَاءَ، فَإِنْ يَكُنْ مِنْ أُمَّتِي مِنْهُمْ أَحَدٌ فَعُمَرُ. (دیکھئے اسی جلد کا سابقہ نمبر)

(عن أبی هريرة) اصحابِ ابراهیم بن سعد بن عبدالرحمٰن بن عوف نے (عن أبيه عن أبی سلمة) کے طریق سے یہی نقل کیا ہے، لیکن ابن وہب نے مخالفت کرتے ہوئے ابراہیم بن سعد سے اسی اسناد کے ساتھ (عن أبی سلمة عن عائشة) ذکر کیا ہے بقول ابومسعود میں کسی کو نہیں جانتا کہ ابن وہب کی اس پر متابعت کی ہو، معروف یہی ہے کہ ابراھیم بن سعد نے حضرت ابوھریرہ سے اسے روایت کیا ہے نہ کہ حضرت عائشہ سے، زکریاء بن ابوزائدہ نے ابراھیم سے ان کی متابعت کی ہے یعنی جیسا کہ بخاری نے معلقاً ذکر کیا ہے۔ محمد بن عجلان نے سعد بن ابراہیم سے روایت کرتے ہوئے (عن أبی سلمة عن عائشة) ذکر کیا ہے اسے مسلم، ترمذی اور نسائی نے تخریج کیا۔ ابومسعود کہتے ہیں ابن عجلان سے یہی مشہور ہے گویا ابوسلمہ نے اسے حضرات عائشہ اور ابوہریرہ دونوں سے سنا ہے۔ ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کے حوالے سے اس کی اصل بھی موجود ہے جسے ابن سعد نے ابن ابی عتیق عنہا کے طریق سے نقل کیا، خفاف بن ایماء سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوف کے ہمراہ نماز ادا کی، حضرت عمر کو خطبہ دیتے سنا تو ان سے کہنے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ مُکَلَّم ہیں۔

(محدثون) دالِ مفتوح کے ساتھ، اس کی تاویل میں اختلاف ہے اکثر نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے مُلْہَم، کہتے ہیں اس سے مراد الصادق الظن شخص ہے (یعنی سچے گمان والا) وہ جس کے دل میں ملأ اعلی کی طرف سے اِلقاء و اِلہام کیا جائے، ابواحمد عسکری نے اسی پر جزم کیا ہے بعض نے یہ مفہوم مراد لیا ہے کہ جس کی زبان پہ بغیرِ قصد درست باتیں جاری کر دی جائیں، یہ مفہوم بھی ذکر کیا گیا ہے کہ بغیرِ ثبوت جس سے فرشتے کلام کریں، یہ ابوسعید خدری سے مرفوعاً بھی مروی ہے، اس کے الفاظ ہیں: کہا گیا یا رسول اللہ (وکیف یحدَّث؟) فرمایا اس کی زبان پر فرشتے بولتے ہیں، بقول ابن حجر اسے ہم نے فوائد الجوھرۃ میں روایت کیا ہے، یہاں کی معلق روایت سے بھی اس کی تائید ملتی ہے، اسے پہلے مفہوم پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے کہ فرشتے اس کے دل میں کلام کرتے (یعنی ڈالتے) ہیں یعنی ظاہری طور پر ایسا نہیں ہوتا تو اسے ہی الہام کہا جاتا ہے، ابن تین اسے فراست قرار دیتے ہیں، مسندِ حمیدی میں حضرت عائشہ کی حدیث کے عقب میں یہ جملہ مذکور ہے: (المحدث الملهم بالصواب الذی يلقیٰ علیٰ فِيه) یعنی جسے درست باتیں الہام کی جاتی اور اس کے منہ میں ڈال دی جاتی ہیں، مسلم کی روایتِ ابن وہب میں ہے: (ملهمون وهی الإصابة بغيرنبوة) یعنی بغیر نبوت کے اصابتِ رائے وقول ہونا۔ ترمذی نے بعض اصحابِ ابن عیینہ سے، (محدثون يعنی مفهمون) نقل کیا ہے۔ اسماعیلی کی روایت میں

ہے: (قال ابراهيم قوله محدث أي يُلقىٰ في روعِهٖ) یعنی ان کے دل میں بات ڈال دی جاتی ہے۔ ترمذی کی ابن عمر کے حوالے سے یہ روایت بھی ان کی مؤید ہے: (إن الله جعل الحق علىٰ لسانِ عمر و قلبهٖ) یعنی اللہ نے عمر کی زبان و دل میں حق ڈال دیا ہے۔ احمد نے یہی الفاظ حضرت ابو ہریرہ سے، طبرانی نے حضرت بلالؓ سے اور اوسط میں حضرت معاویہ سے نقل کئے ہیں، احمد اور ابو داؤد نے ابو ذر سے اسے روایت کیا ہے مگر اس میں (وقلبه) کی بجائے (يقول به) ہے، حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ طبرانی نے اوسط میں خود حضرت عمر کی زبانی بھی اسے روایت کیا ہے۔

(زاد زكريا الخ) انہی سعد بن ابراہیم سے، ان کی روایت میں دو زیادات ہیں ایک سابقہ محدثین کے حوالے سے بنی اسرائیل کا ذکر اور دوسری زیادت مرادِ محدث کا بیان وتفسیر جو اس جملہ کے ذریعہ کی: (يُكَلَّمُون مِن غير أن يكونو أنبياء) یعنی ان سے کلام کی جاتی ہے حالانکہ وہ انبیاء نہیں۔

(منهم أحد) کشمیہنی کے نسخہ میں (من أحد) ہے، زکریا کی روایت اسماعیلی اور ابو نعیم نے موصول کی ہے۔ (و إن يك في أمتي) کی بابت کہا گیا ہے کہ یہ جملہ موردِ تردید میں نہیں کہا پس بے شک آپکی امت افضلِ امم ہے، اگر دوسری امتوں میں محدث ہوتے رہے ہیں تو آپکی امت میں ان کا ہونا بطریقِ اولیٰ ثابت ہے، تو یہ جملہ موردِ تاکید میں وارد ہے جیسے یہ جملہ عام طور بولا جاتا ہے: (إن يكن لي صديق ففلان، مثلا) یعنی اگر میرا کوئی دوست ہے تو فلاں ہے تو مراد اس کا دوستی کے ساتھ اختصاص ہے نہ کہ نفیِ اصدقاء، یا جیسے کوئی مزدور کہے: (إن كنتُ عملت لك فوَفِّني حقي) اگر میں نے تیرا کوئی کام کیا ہے تو پوری پوری مزدوری دینا، دونوں کو پتہ ہے کہ کام ہوا ہے لیکن قائل کی مراد یہ ہے کہ حق دینے میں تاخیر کرنا گویا یہ باور کرانا ہے کہ کام نہیں کیا۔

بعض نے (اس اسلوبِ کلام کی) یہ حکمت بیان کی ہے کہ بنی اسرائیل وغیرہ میں محدَّثین کا وجود امرِ محقق تھا (کہ ماضی کی بات ہے) اور اس وجہ سے بھی کہ جب کبھی نبی موجود نہ ہوتے تھے تو ان کے ذریعہ ان کی حاجت برآری کر دی جاتی، امت محمدیہ میں ان کا وجود احتمالی تھا کیونکہ ممکن تھا قرآن وسنت کی موجودی میں ان کی ضرورت ہی نہ پڑے اور فی الواقع اگر کوئی محدَّث ہے بھی تو اس کی بیان کردہ باتیں قرآن سنت پر معروض کی جائینگی، اگر ان کے موافق ہوئیں (یعنی صریحاً ان کے مخالف نہ ہوئیں) تو انہیں تسلیم کیا جائے گا وگرنہ نہیں، بہر حال اگر ان کا بالخصوص عصرِ اول کے بعد وجود ہے تو یہ اس امت کے شرف میں ازدیاد واضافہ کا باعث ہے البتہ ان کی یا ان کی باتوں کی (لازمی طور پہ) ضرورت نہیں، ان کا وجود بنی اسرائیل کے کثیر انبیاء کو دیکھتے ہوئے مضاہاۃً بھی ہونا ممکن ہے یعنی چونکہ ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں تو سابقہ امم کے کثیر انبیاء کے عوض میں محدَّثین یعنی ملہَمین پیدا ہوئے۔ طیبی لکھتے ہیں محدث سے مراد ایسی سچی باتیں کرنے والا فرد جو سچائی میں آنجناب کے مَبْلَغ تک پہنچتا ہو، (لو كان بعد نبي لكان عمر) کا بھی یہی مفہوم ہے (یعنی نبوت کا سلسلہ تو اب منقطع ہے تو ان پر نازل کردہ الہامات کے سبب یہ نبی تو نہیں البتہ محدث و ملہم ضرور ہیں) اس حدیث کو احمد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے عقبہ بن عامر سے تخریج کیا، طبرانی نے اوسط میں ابو سعد سے روایت کیا ہے۔

(قال ابن عباس من نبي ولا محدث) یعنی آیت: (وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنّٰى) [الحج: ۵۲] میں (ولا محدث) بھی ان کی قراءت میں مذکور ہے، اسے سفیان بن عیینہ نے اپنی جامع میں اور عبد بن حمید

نے اپنے طریق سے نقل کیا ہے، ان کی سند ابن عباس تک صحیح ہے، عمرو بن دینار سے اس کے یہ الفاظ منقول ہیں: (کان ابن عباس یقرأ: وما أرسلنا الخ) حضرت عمر کو ملہم قرار دینا اس وجہ سے تھا کہ نبی اکرم کے زمانہ میں کثیر موافقات ان کی کلام و رائے کے مطابق قرآن میں نازل ہوئیں، عہدِ نبوی کے بعد بھی متعدد اِصاباتِ رائے ثابت ہیں۔ علامہ انور (لقد کان فیما کان قبلکم من الأمم محدثون الخ) کے تحت لکھتے ہیں اس میں دلیل ہے کہ سابقہ امم میں کثیر محدثین تھے اور وہ اس امت میں قلیل ہیں تو جو خیال کرتا ہے کہ گزشتہ امتیں خیر سے خالی تھیں وہ حائد عن الصواب ہے (یعنی راہِ راست سے بھٹکا ہوا) بلکہ ان میں بھی خیر ہے، ہاں اس امت میں خیرِ کثیر ہے اسی لئے خیر الأمم کے لقب سے متلقب ہے۔

3690حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنَا عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِى سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالاَ سَمِعْنَا أَبَا هُرَيْرَةَ ؓ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَيْنَمَا رَاعٍ فِى غَنَمِهِ عَدَا الذِّئْبُ فَأَخَذَ مِنْهَا شَاةً، فَطَلَبَهَا حَتَّى اسْتَنْقَذَهَا، فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ الذِّئْبُ فَقَالَ لَهُ مَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ، لَيْسَ لَهَا رَاعٍ غَيْرِى .فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللَّهِ .فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ فَإِنِّى أُومِنُ بِهِ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَمَا ثَمَّ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ .أطرافه 2324، 3471، 3663۔
(جلد سوم ص: ۵۲۴)

کلامِ ذئب کے بارہ میں حدیثِ ابوھریرہ مختصراً لائے ہیں۔

3691حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِى أَبُو أُمَامَةَ بْنُ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ عَنْ أَبِى سَعِيدٍ الْخُدْرِىِّ ؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ عُرِضُوا عَلَىَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ، فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِىَّ، وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ دُونَ ذَلِكَ، وَعُرِضَ عَلَىَّ عُمَرُ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ اجْتَرَّهُ .قَالُوا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الدِّينَ

.أطرافه 23، 7008، 7009

ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگ مجھ پہ پیش کئے جا رہے ہیں اور انہوں نے قمیصیں پہنی ہوئی ہیں کسی کی قمیص سینے تک اور کسی کی اس سے اونچی ہے، عمر کو دیکھا کہ اتنی لمبی قمیص پہنے ہوئے ہے کہ چلتے ہوئے گھسٹتی ہے لوگوں نے پوچھا کیا تعبیر کی؟ فرمایا دین۔

(عن أبی سعید) اکثر اصحاب زہری نے یہی ذکر کیا، معمر نے زہری سے روایت کرتے ہوئے (عن أبی أمامة بن سهل عن بعض أصحاب النبی ﷺ) کہا ہے، اسے احمد نے تخریج کیا، کتاب الإیمان میں صالح بن کیسان عن الزہری سے روایت میں ابوسعید کا نام مذکور تھا، کتاب التعبیر میں اسی طریق کے ساتھ ابوامامہ (سمع أبا سعید) کے الفاظ ذکر کرتے ہیں۔ (قالوا فما أولت) التعبیر میں ذکر ہوگا کہ سائل ابوبکر تھے، باقی شرح بھی وہیں آئیگی۔ اس حدیث سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ حضرت عمر حضرت ابوبکر سے افضل ہیں! اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے قول (عرض علی الناس) کے عموم سے ابوبکر مستثنیٰ

ہیں، شائدان پیش کیے گئے لوگوں میں ابوبکر نہ تھے، دوسرا حضرت عمر کی قمیص کا اتنا لمبا ہونا کہ اسے گھسیٹتے پھر رہے تھے، اس امر کو مستلزم نہیں کہ حضرت ابوبکر کی قمیص چھوٹی ہوگی بلکہ ممکن ہے وہ اس سے بھی اطوَل و اسبَغ ہو، یہاں صرف حضرت عمر کی فضیلت کا بیان ہے، ابوبکر سے ان کا موازنہ کیا جانا مقصود نہیں۔

3692 حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ لَمَّا طُعِنَ عُمَرُ جَعَلَ يَأْلَمُ، فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَكَأَنَّهُ يُجَزِّعُهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، وَلَئِنْ كَانَ ذَاكَ لَقَدْ صَحِبْتَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُ، ثُمَّ فَارَقْتَهُ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ، ثُمَّ صَحِبْتَ أَبَا بَكْرٍ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُ، ثُمَّ فَارَقْتَهُ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ، ثُمَّ صَحِبْتَ صَحَبَتَهُمْ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُمْ، وَلَئِنْ فَارَقْتَهُمْ لَتُفَارِقَنَّهُمْ وَهُمْ عَنْكَ رَاضُونَ .قَالَ أَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَرِضَاهُ، فَإِنَّمَا ذَاكَ مَنٌّ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى مَنَّ بِهِ عَلَيَّ، وَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ أَبِي بَكْرٍ وَرِضَاهُ، فَإِنَّمَا ذَاكَ مَنٌّ مِنَ اللَّهِ جَلَّ ذِكْرُهُ مَنَّ بِهِ عَلَيَّ، وَأَمَّا مَا تَرَى مِنْ جَزَعِي، فَهُوَ مِنْ أَجْلِكَ وَأَجْلِ أَصْحَابِكَ، وَاللَّهِ لَوْ أَنَّ لِي طِلَاعَ الأَرْضِ ذَهَبًا لَافْتَدَيْتُ بِهِ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ قَبْلَ أَنْ أَرَاهُ .
3692 قَالَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ دَخَلْتُ عَلَى عُمَرَ بِهَذَا

مسور بن مخرمہ کہتے ہیں جب حضرت عمر زخمی ہوئے اور تکلیف کا اظہار کیا تو ابن عباس کہنے لگے یا امیر المؤمنین آپ کو (انجام کی بابت) فکر نہیں ہونی چاہئے کہ آپ اللہ کے رسول کی صحبت میں رہے اور حسنِ صحبت کا نمونہ پیش کیا پھر آنجناب بوقت فراق آپ سے راضی تھے پھر آپ حضرت ابوبکر کے ساتھ رہے ان کے ساتھ بھی حسنِ صحبت کی اور جب وہ جدا ہوئے تو آپ سے راضی تھے پھر (بطورِ خلیفہ) اہلِ اسلام کے ساتھ اچھی طرح رہے اب اگر ان سے جدا ہوں گے تو سب آپ سے راضی ہیں، یہ سن کر حضرت عمر نے کہا جو تم نے صحبتِ رسول اور آپکی رضا کا ذکر کیا ہے تو یہ مجھ پہ اللہ کا احسان ہے جہاں تک ابوبکر کی صحبت اور ان کی رضا کا تعلق ہے تو یہ بھی مجھ پہ اللہ تعالی کا خاص فضل و کرم ہے اور یہ جو تم میری گھبراہٹ دیکھ رہے ہو تو یہ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے خیال سے ہے اللہ کی قسم اگر میرے پاس زمین بھر کر سونا ہوتا تو اللہ تعالی کے عذاب کا (یعنی اگر ہونا ہے) کا سامنا کرنے سے پہلے اسے بطورِ فدیہ دینے کی کوشش کرتا۔

اسماعیل بن ابراھیم کو ابن علیہ کہا جاتا تھا۔ (عن المسور الخ) ابن علیہ نے یہی کہا ہے، حماد بن زید نے بھی اسے روایت کیا، ان کی روایت بطورِ معلق بعدازاں مذکور ہے تو انہوں نے (عن ابن عباس) ذکر کیا، اسے اسماعیلی نے موصول کیا، تو محتمل ہے کہ دونوں حوالوں سے محفوظ ہو۔ (وکأنه یجزعه) یعنی یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ جزع و فزع کر رہے ہیں تو اس پر انہیں ملامت کے انداز میں یہ کہا یا اس کا معنی یہ ہے کہ انکی گھبراہٹ کو دور کرتے ہوئے اور تسلی آمیز انداز سے یہ سب کہا، اس کی مثال اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: (حتّٰی إذا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهم) [سبأ : ۲۳] یعنی أزِیلَ عَنهم الفزعُ۔ اسی طرح (مرَّضه) کا معنی ہے ازالہِ مرض کیلئے

کوشاں ہونا (نرس کو معاصر عربی میں مُمَرِّض کیا جاتا ہے)، جرجانی کی روایت میں (و کأنه جزع) ہے، بخلاف روایتِ جماعت کے، اس میں ضمیر حضرت عمر کی طرف راجع ہے۔ حماد بن زید کی روایت میں ہے، ابن عباس کہتے ہیں میں نے حضرت عمر کے بدن کو ہاتھ لگایا اور کہا (جلدٌ لاتَمَسُّه النارُ أبدا) یہ ایسا بدن ہے کہ کبھی اسے آگ نہ چھوئے گی، کہتے ہیں اس پر ایسی نظروں سے مجھے دیکھا کہ میں جذبۂ ترحم کا شکار ہوا۔ (ولئن کان ذاك) کشمیہنی کے نسخہ میں ہے: (ولا کل ذلک)، بعض کے ہاں یہ الفاظ ہیں: (ولا کان ذلك) گویا یہ اس دعا و امید کا اظہار ہے کہ جس کے خوف سے آپ لرزہ براندام ہیں وہ ہرگز واقع نہ ہوگا یا مراد یہ کہ اس طعنہ (یعنی زخم) سے موت نہ واقع نہ ہوگی۔

(ثم صحبتهم الخ) بعض کی روایت میں: (ثم صحبت صحبتهم) ہے یعنی اپنے پیشرؤوں کی طرح آپ اہل اسلام کے ساتھ رہے۔ (قبل أن أراه) ضمیر کا مرجع عذاب ہے، یہ بات اس غلبۂ خوف سے کی جو اس خیال کے تحت ہوا کہ مبادا حقوقِ رعیت کے ضمن میں ان سے کچھ تقصیر رہ گئی ہو۔ (قال حماد بن زید) اسے اسماعیلی نے موصول کیا، شہادتِ عمر کی باقی تفصیل مناقبِ عثمان کے بعد ایک مستقل باب میں آرہی ہے۔

3693 حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ النَّهْدِيُّ عَنْ أَبِي مُوسَىؓ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَائِطٍ مِنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ افْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَفَتَحْتُ لَهُ، فَإِذَا أَبُو بَكْرٍ، فَبَشَّرْتُهُ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَحَمِدَ اللَّهَ، ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ افْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ . فَفَتَحْتُ لَهُ، فَإِذَا هُوَ عُمَرُ، فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَحَمِدَ اللَّهَ، ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ، فَقَالَ لِي افْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلَى بَلْوَى تُصِيبُهُ . فَإِذَا عُثْمَانُ، فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَحَمِدَ اللَّهَ ثُمَّ قَالَ اللَّهُ الْمُسْتَعَانُ . أطرافه 3674، 3695، 6216، 7097، 7262۔

(اسی جلد کا سابقہ نمبر)

3694 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي حَيْوَةُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو عَقِيلٍ زُهْرَةُ بْنُ مَعْبَدٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَدَّهُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ هِشَامٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ . طرفاه 6264، 6632

عبداللہ بن ہشام کہتے ہیں ایک مرتبہ ہم رسول اللہ کے ہمراہ تھے اور آپ حضرت عمر کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔

حیوہ سے ابن شریح مصری جبکہ عبداللہ بن ہشام سے ابن زہرۃ بن عثمان تیمی مراد ہیں جو حضرت طلحہ بن عبیداللہ کے عمزاد تھے۔ (کنا مع النبی ﷺ الخ) یہ ایک حدیث کا طرف ہے جو الأیمان والنذور میں آئیگی اس کے بعض مباحث کتاب الإیمان میں گزر چکے ہیں

7 باب مَنَاقِبُ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ أَبِی عَمْرٍو الْقُرَشِیِّ (مناقبِ عثمان)

وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ یَحْفِرُ بِئْرَ رُومَةَ فَلَهُ الْجَنَّةُ فَحَفَرَهَا عُثْمَانُ وَقَالَ مَنْ جَهَّزَ جَیْشَ الْعُسْرَةِ فَلَهُ الْجَنَّةُ فَجَهَّزَهُ عُثْمَانُ. نبی پاک نے فرمایا جس نے بئرِ رومہ خرید کر مسلمانوں کیلئے وقف کر دیا اس کیلئے جنت ہے، پھر ایک موقع پہ فرمایا جس نے لشکرِ عسرت کو تیار کیا وہ جنتی ہے تو حضرت عثمان نے یہ کام کیا تھا۔

حضرت عثمان کا نسب نامہ یہ ہے: عثمان بن عفان بن ابو العاص بن امیۃ بن عبد شمس بن عبد مناف، نبی اکرم کے ساتھ عبد مناف میں مجتمع ہیں البتہ آباء کی تعداد متفاوِت ہے، ایک کا فرق ہے جیسے حضرت عمر کیلئے تھا، ان کی کنیت کی بابت یعقوب بن سفیان زہری سے نقل کرتے ہیں کہ بنت رسول حضرت رقیہ کے بطن سے ہونے والے بیٹے عبد اللہ کی نسبت سے ابو عبد اللہ کہلائے جاتے تھے، عبد اللہ مذکور چھ برس کی عمر میں فوت ہو گئے تھے بقول ابن سعد سن چار ہجری کا واقعہ ہے، ذو النورین کے لقب سے مشہور تھے، خیثمہ الفضائل اور دار قطنی الافراد میں حضرت علی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عثمان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا یہ وہ آدمی ہیں کہ آسمان میں ان کا لقب ذو النورین ہے، ان کی والدہ کا نام و نسب آگے مذکور ہوگا۔

(وقال النبی من یحفر الخ) کتاب الوقف میں اس تعلیق کے موصول کرنے والوں کا ذکر گزرا ہے، وہیں حضرت عثمان کی اس منقبت کے بارہ میں تفصیلی ذکر ہوا تھا، جیشِ عسرت سے مراد تبوک کا لشکر ہے المغازی میں صراحت آئیگی، احمد اور ترمذی نے عبد الرحمٰن بن حباب سلمی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان نے اس موقع پر تین سو اونٹ دئے تھے، انہی کی عبد الرحمٰن بن سمرہ سے روایت میں ہے کہ اس موقع پر ایک ہزار دینار بھی پیش کئے، انہیں لاکر آنجناب کی گود میں ڈال دیا، الوقف میں اس بارے تذکرہ گزرا ہے، ابن عدی کی حدیثِ حذیفہ میں دس ہزار مذکور ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے ممکن ہے یہ دس ہزار درہم ہوں جو ایک ہزار دینار کے مساوی تھے۔

3695 حَدَّثَنَا سُلَیْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَیُّوبَ عَنْ أَبِی عُثْمَانَ عَنْ أَبِی مُوسَى ؓ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ دَخَلَ حَائِطًا وَأَمَرَنِی بِحِفْظِ بَابِ الْحَائِطِ، فَجَاءَ رَجُلٌ یَسْتَأْذِنُ، فَقَالَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ. فَإِذَا أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ جَاءَ آخَرُ یَسْتَأْذِنُ فَقَالَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ. فَإِذَا عُمَرُ، ثُمَّ جَاءَ آخَرُ یَسْتَأْذِنُ، فَسَكَتَ هُنَیْهَةً ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلَى بَلْوَى سَتُصِیبُهُ. فَإِذَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ. أطرافه 3674، 3693، 6216، 7097، 7262۔ 3695 قَالَ حَمَّادٌ وَحَدَّثَنَا عَاصِمٌ الأَحْوَلُ وَعَلِیُّ بْنُ الْحَكَمِ سَمِعَا أَبَا عُثْمَانَ یُحَدِّثُ عَنْ أَبِی مُوسَى بِنَحْوِهِ، وَزَادَ فِیهِ عَاصِمٌ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ قَاعِدًا فِی مَكَانٍ فِیهِ مَاءٌ، قَدِ انْكَشَفَتْ عَنْ رُكْبَتَیْهِ أَوْ رُكْبَتِهِ، فَلَمَّا دَخَلَ عُثْمَانُ غَطَّاهَا۔ (اسی کے سابقہ نمبر پہ مترجم ہے)

اسکی شرح مناقب ابی بکر میں گزر چکی ہے۔ (قال حماد و حدثنا عاصم) یہی اکثر کے نزدیک ہے یہ اسنادِ متقدم کا ہی بقیہ ہے، حماد سے مراد ابن زید ہیں، ابو ذر کے نسخہ میں حماد بن سلمہ مذکور ہے مگر اول اصوب ہے، اسے طبرانی نے یوسف قاضی عن سلیمان

بن حرب کے حوالے سے تخریج کرتے ہوئے (حدثنا حماد بن زید عن أیوب) ذکر کیا ہے، آخر میں یہ عبارت ہے: (قال حماد فحدثنی علی بن الحکم و عاصم أنهما سمعا أبا عثمان یحدث عن أبی موسی نحواً مِن هذا)، تو اس کے بعد عاصم کی زیادت نقل کی۔ ابن حجر کہتے ہیں مجھے حماد بن سلمہ کے حوالے سے بھی یہ حدیث ملی ہے مگر وہ اکیلے علی بن حکم کے واسطہ سے ہے، اسے ابن ابوخیثمہ نے اپنی تاریخ میں موسی بن اسماعیل سے تخریج کیا، طبرانی نے بھی حجاج بن منہال اور ھدبہ بن خالد کے حوالوں سے تخریج کیا، اس میں یہ زیادت مذکور نہیں، کہتے ہیں پھر نسخۂ صغانی میں بھی روایتِ ابی ذر کی مانند ہے۔

(و زادفیه عاصم الخ) ابن تین کہتے ہیں داؤدی نے اس روایت کا انکار کیا ہے، کہتے ہیں یہ زیادت رواۃ کے دخل کا نتیجہ ہے کہ حدیث میں حدیث داخل کر دی، اصلِ حدیث یہ ہے کہ نبی اکرم گھر میں تشریف فرما تھے آپکے زانو مبارک سے کپڑا ہٹا ہوا تھا، ابوبکر آ کر بیٹھ گئے پھر حضرت عمر آئے آپکی یہی کیفیت رہی پھر حضرتِ عثمان کی آمد ہوئی تو آپ نے ڈھانپ لیا، ابن حجر کہتے ہیں یہ حضرت عائشہ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے، اس میں ہے کہ آنجناب گھر میں زانو یا پنڈلیوں سے کپڑا اوپر کئے لیٹے ہوئے تھے، ابوبکر اجازت لیکر آئے تو یہی حالت برقرار رہی، آخر میں ہے حضرت عائشہ نے پوچھا کہ عثمان آئے تو آپ بیٹھ گئے اور کپڑا برابر کیا؟ فرمایا کیا میں اس سے حیا نہ کروں فرشتے بھی جس سے حیا کرتے ہیں؟۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا عثمان بہت شرمیلے ہیں مجھے ڈر ہوا کہ اس حالت میں رہا تو وہ شرم کے مارے اپنے آنے کی غرض بیان نہ کر پائیں گے، کہتے ہیں اس سے عاصم کی اس زیادت کی تغلیط لازم نہیں کیونکہ ممکن ہے دو مرتبہ الگ الگ جگہ یہ واقعہ پیش آیا ہو، پھر دونوں حدیثوں کا مخرج بھی مختلف ہے، داؤدی کی یہ بات تب صحیح ہوتی اگر مخرج واحد ہوتا پھر یہ کہنا ممکن تھا کہ حدیث میں حدیث داخل ہو گئی ہے۔

علامہ انور (فسکت هنیهة) کے تحت لکھتے ہیں شائد حضرت عثمان کی آمد کے موقع پر یہ سکوت اس امر کا اشارہ تھا کہ ان کی قبر ابوبکر و عمر کی طرح آپکے ساتھ نہ بنے گی، عاصم کی زیادت کی بابت لکھتے ہیں کہ میری رائے میں یہ وہم ہے، نبی پاک تشریف فرما تھے جیسے بئرِ اریس کے قصہ میں بیان کیا، تو راوی پر یہ امر مختلط ہوا تو اسے اس قصہ کے ہمراہ نقل کر دیا جو گھر سے متعلق ہے، اس کی وجہ دونوں مواقع پر آنے والے صحابہ کا مشترک ہوتا ہے۔

3696 حَدَّثَنِی أَحْمَدُ بْنُ شَبِیبِ بْنِ سَعِیدٍ قَالَ حَدَّثَنِی أَبِی عَنْ یُونُسَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِی عُرْوَةُ أَنَّ عُبَیْدَ اللَّهِ بْنَ عَدِیِّ بْنِ الْخِیَارِ أَخْبَرَهُ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الأَسْوَدِ بْنِ عَبْدِ یَغُوثَ قَالاَ مَا یَمْنَعُكَ أَنْ تُكَلِّمَ عُثْمَانَ لأَخِیهِ الْوَلِیدِ فَقَدْ أَكْثَرَ النَّاسُ فِیهِ. فَقَصَدْتُ لِعُثْمَانَ حَتَّى خَرَجَ إِلَى الصَّلاَةِ، قُلْتُ إِنَّ لِی إِلَیْكَ حَاجَةً، وَهِیَ نَصِیحَةٌ لَكَ. قَالَ یَا أَیُّهَا الْمَرْءُ قَالَ مَعْمَرٌ أُرَاهُ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ. فَانْصَرَفْتُ، فَرَجَعْتُ إِلَیْهِمْ إِذْ جَاءَ رَسُولُ عُثْمَانَ فَأَتَیْتُهُ، فَقَالَ مَا نَصِیحَتُكَ فَقُلْتُ إِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ بَعَثَ مُحَمَّدًا ﷺ بِالْحَقِّ، وَأَنْزَلَ عَلَیْهِ الْكِتَابَ، وَكُنْتَ مِمَّنِ اسْتَجَابَ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ، فَهَاجَرْتَ الْهِجْرَتَیْنِ، وَصَحِبْتَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَرَأَیْتَ هَدْیَهُ، وَقَدْ أَكْثَرَ النَّاسُ فِی شَأْنِ الْوَلِیدِ. قَالَ

أَدرَكتَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قُلتُ لاَ وَلَكِنُ خَلَصَ إِلَيَّ مِنُ عِلُمِهِ مَا يَخُلُصُ إِلَى الُعَذُرَاءِ فِي سِتُرِهَا .قَالَ أَمَّا بَعُدُ فَإِنَّ اللَّهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا ﷺ بِالُحَقِّ، فَكُنُتُ مِمَّنِ اسُتَجَابَ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ وَآمَنُتُ بِمَا بُعِثَ بِهِ، وَهَاجَرُتُ الُهِجُرَتَيُنِ كَمَا قُلُتَ، وَصَحِبُتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَبَايَعُتُهُ، فَوَاللَّهِ مَا عَصَيُتُهُ وَلاَ غَشَشُتُهُ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ، ثُمَّ أَبُو بَكُرٍ مِثُلُهُ، ثُمَّ عُمَرُ مِثُلُهُ، ثُمَّ اسُتُخُلِفُتُ، أَفَلَيُسَ لِي مِنَ الُحَقِّ مِثُلُ الَّذِي لَهُمُ قُلُتُ بَلَى .قَالَ فَمَا هَذِهِ الأَحَادِيثُ الَّتِي تَبُلُغُنِي عَنُكُمُ أَمَّا مَا ذَكَرُتَ مِنُ شَأُنِ الُوَلِيدِ، فَسَنَأُخُذُ فِيهِ بِالُحَقِّ إِنُ شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ دَعَا عَلِيًّا فَأَمَرَهُ أَنُ يَجُلِدَهُ فَجَلَدَهُ ثَمَانِينَ .طرفاه 3872، 3927

عبید اللہ بن عدی بن خیار کہتے ہیں کہ مسور بن مخرمہ اور عبد الرحمٰن بن اسود نے ان سے کہا تمہیں کس چیز نے روکا ہے کہ حضرت عثمان سے انکے (رشتہ کے) بھائی ولید کے بارہ میں بات کرو؟ چنانچہ میں حضرت عثمان کے ہاں گیا جب وہ نماز کیلئے باہر آئے تو ان سے عرض کی کہ مجھے ان سے ایک کام ہے اور وہ آپکے ساتھ خیر خواہی کا کام ہے، اس پر وہ کہنے لگے میں تم سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں تو میں ان کی طرف پلٹا، اتنے میں حضرت عثمان کی طرف سے ایک ایلچی آیا تو میں ان کے پاس پہنچا پوچھنے لگے کیا نصیحت کرنا چاہتے تھے؟ میں نے کہا بے شک اللہ تعالی نے حضرت محمد کو حق کے ساتھ مبعوث کیا اور ان پر کتاب نازل فرمائی آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو آنجناب پہ ایمان لائے اور دو ہجرتیں کیں آنجناب کے ساتھی رہے اور آپ کی ہدایت دیکھی اب لوگ ولید کے بارہ میں بہت باتیں کر رہیں ہیں، کہنے لگے کیا تم نے رسول اللہ کو پایا ہے؟ میں نے کہا نہیں لیکن میرے پاس ان کے علم میں سے کچھ حصہ پہنچا ہے کہ آپکی احادیث تو پردے میں گھری کنواری کے پاس بھی پہنچ چکی ہیں، کہنے لگے اما بعد بے شک اللہ تعالی نے حضرت محمد کو حق دیکر مبعوث کیا اور میں ان لوگوں میں سے ہوں جو آپ پر ایمان لائے پھر اللہ کی راہ میں دو ہجرتیں کیں۔ جیسا کہ تم کہہ رہے ہو۔ آنجناب کی صحبت میں رہا اور آپکی بیعت کی، اللہ کی قسم کبھی آپ کی نافرمانی نہیں کی اور نہ آپ کے ساتھ کوئی دھوکہ کیا حتی کہ اللہ نے آپ کو فوت کر لیا پھر ابو بکر کے ساتھ رہا پھر عمر کے، اب میں خلیفہ بنایا گیا ہوں کیا مجھے وہ حقوق حاصل نہیں جو انہیں تھے؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟ تو کہنے پھر کس قسم کی باتیں تم لوگوں سے مجھے پہنچ رہی ہیں؟ جہاں تک ولید کا معاملہ ہے ہم ان شاء اللہ حق کا فیصلہ کرینگے، کہتے ہیں پھر حضرت علی کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ اس پہ حد نافذ کریں تو انہوں نے اسے اسی کوڑے مارے۔

(أن تكلم عثمان) ہجرتِ حبشہ میں آمدہ معمر عن الزہری کی روایت میں: (أن تكلم خالك) ہے، حضرت عثمان ان کے اس جہت سے ماموں تھے کہ عبید اللہ کی والدہ ام قتال بنت اسید بن ابی العاص بن امیہ حضرت عثمان کی عمزاد تھیں، اقاربِ ام پر اخوال کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے، حضرت عثمان کی والدہ ام اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس ہیں، ان کی نانی ام حکیم بیضاء بنت عبد المطلب والدِ آنجناب حضرت عبد اللہ کی سگی بہن تھیں، کہا جاتا ہے کہ دونوں جڑواں تھے، یہ زبیر بن بکار نے ذکر کیا ہے تو اس لحاظ سے حضرت عثمان آنجناب کی پھوپھی کے نواسہ تھے اور نبی پاک ان کی والدہ کے ماموں کے بیٹے تھے، حضرت عثمان کی والدہ بھی صحابیہ ہیں جیسا کہ الإصابہ میں ذکر کیا۔ محمد بن حسین مخزومی کتاب المدینۃ میں لکھتے ہیں کہ ان کا انتقال اپنے بیٹے کے دورِ خلافت میں ہوا، والد

دور جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے۔ (لأخیه) لام، لامِ تعلیل ہے یعنی (لأجل أخیه) بمعنی۔ عن۔ ہونا بھی محتمل ہے، نسخۂ کشمیہنی میں (فی أخیه) ہے۔ (الولید) یعنی ابن عقبہ، معمر کی روایت میں صراحت ہے، عقبہ سے مراد ابن ابی معیط بن عمرو بن امیۃ بن عبد شمس ہے جو حضرت عثمان کا ماں کی طرف سے بھائی تھا، حضرت عثمان نے انہیں سعد بن ابی وقاص کی معزولی کے بعد کوفہ کا گورنر بنا دیا تھا، سعد کو حضرت عثمان نے معزول کر دیا تھا اور ان کی جگہ ولید کو مقرر کر دیا، ان کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے ابن مسعود سے کچھ قرض لیا پھر اس ضمن میں دونوں کے مابین جھگڑا ہو گیا، اس کی خبر حضرت عثمان کو ملی تو ناراض ہوئے اور انہیں معزول کر دیا، ولید جو جزیرہ کا عامل تھا، کو ان کی جگہ روانہ کر دیا، یہ طبری نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے۔

(فقد أکثر الناس فیه) ضمیر کا مرجع ولید ہے، معمر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: (و کان أکثر الناس فیمافعل به) اس میں فَعَلَ کا فاعل حضرت عثمان ہیں یعنی ولید پر حد نافذ نہ کرنے پر لوگوں نے ان کی بابت چہ مگوئیاں کیں اور حضرت سعد جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے، کو معزول کرنے پر بھی، جو اھل شوری میں سے تھے ان کی جو فضیلت، علم اور تقوی میں درجہ تھا ولید اس کا عُشرِ عشیر بھی نہ تھا، حضرت عثمان کا اس بارے عذر یہ تھا کہ اولا حضرت عمر نے حضرت سعد کو معزول کر دیا تھا، جیسا کہ کتاب الصلاۃ میں ذکر ہوا (بعد ازاں اپنے اس فعل پر پشیمانی ہوئی) اور آخری ایام میں اپنے بعد بننے والے خلیفہ کیلئے وصیت چھوڑی کہ وہ سعد کو کوفہ کی گورنری پر بحال کر دیں، آگے شہادتِ عمر کے قصہ میں اس کا بیان آئیگا تو اسی وصیت پر عمل کرتے ہوئے انہیں دوبارہ گورنرِ کوفہ بنا دیا، بعد ازاں مذکورہ سبب سے انہیں معزول کر دیا اور ولید کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہوئے انہیں ان کی جگہ متعین کر دیا پھر ان کی سوئے سیرت کی وجہ سے انہیں بھی معزول کر دیا، حد کے نفاذ کو اسلئے مؤخر کیا تا کہ اچھی طرح تحقیقِ حال کر لیں اور گواہوں کو پرکھ لیں، جب ایسا کر لیا تو حد نافذ کر دی۔ مدائنی شعبی کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عثمان کے ہاں جب گواہی مکمل ہو گئی تو ولید کو قید کر دیا۔

(فقصدت عثمان حتی خرج) ان الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کے نکلنے کو غایتِ قصد بنایا (یعنی جب ان کے باہر آنے اور نماز کیلئے جانیکا وقت ہوا تب اس ارادہ سے آئے کہ راستہ میں ان سے بات کریں) مگر کشمیہنی کی روایت میں (حین خرج) ہے یہ سابقہ عبارت کے برعکس ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ آئے تو اپنے پروگرام کے تحت مگر اتفاق سے یہی ان کے نماز کیلئے نکلنے کا وقت ہوا، اول کی تائید معمر کی روایت کے ان الفاظ سے ہوتی ہے: (فانتصبت لعثمان حین خرج)۔

(قال معمر أعوذ الخ) یہ تعلیق ہے، اسے نقل کرنے کا مقصد دونوں روایتوں کا اختلافِ عبارت بیان کرنا ہے، یہ ھجرۃ الحبشہ میں موصول ہے۔ ابن تین کہتے ہیں استعاذہ کا سبب یہ خشیت تھی کہ ایسی بات کریں جو ان کے ان پر انکار کو مقتضی ہوتا کہ کوئی تکدُّر نہ پیدا ہو جائے۔ (فانصرفت الخ) معمر کی روایت میں مزید یہ ہے کہ ان دونوں کو بتلایا جو میں نے عثمان سے کہا اور جو انہوں نے جواب دیا، وہ کہنے لگے تم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

(إذجاء رسول الخ) معمر کی روایت میں ہے کہ ابھی انہی کے ہاں بیٹھا ہوا تھا کہ ایلچی آیا تو ان کے منہ سے نکلا تم آزمائش میں پڑ گئے۔ بقول ابن حجر کس طریق میں ایلچی کا نام مذکور نہیں۔ (و کنت ممن استجاب الخ) کنت، ھاجرت اور صحبت صیغ مخاطبت ہیں، ہجرتین سے مراد ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ ہے، آگے ان کا ذکر ہوگا۔ معمر کی روایت میں (و رأیت ھدیه) بھی ہے، ھجرۃ الحبشہ میں شعیب عن زھری سے روایت میں: (و کنت صھرَ رسول الله) بھی ہے۔

(قال أدركت الخ) معمر کی روایت میں ہے کہ کہا (یا ابن أختی) صالح بن ابواخضر عن الزہری عن عمر بن شبۃ کی روایت میں: (هل رأيت الخ) کے الفاظ ہیں، ادراک سے ان کی مراد ادراکِ سماع اور آنجناب سے اخذ و روایت تھا اور رؤیت سے مراد رؤیتِ تمیز۔ ادراک بالسن مراد نہیں کیونکہ جانتے تھے کہ عبید اللہ عہدِ نبوی میں پیدا ہوئے تھے، المغازی کی حدیثِ وحشی بن حرب، جس میں شہادتِ حمزہ کا بیان ہے، میں اس کی ولالت آئیگی۔ یہ ثابت نہیں کہ ان کے والد عدی حالتِ کفر میں قتل ہوئے تھے؟ اگرچہ ابن ماکولا وغیرہ نے ذکر کیا ہے، ابن سعد نے ان کا فتحیین کے طبقہ میں شمار کیا ہے (یعنی جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے)۔ مدائنی اور عمر بن شبہ اخبارِ مدینہ میں لکھتے ہیں کہ روایتِ ھذا میں مذکور قصہ عبید اللہ نہیں بلکہ ان کے والد عدی بن خیار کا ہے۔ ابن تین کہتے ہیں حضرت عثمان کے یہ بات کہنے کا مقصد یہ تھا کہ انہیں تنبیہ کریں کہ وہ ان کی بابت جو مخالفتِ شریعت کی بدگمانی کر رہے ہیں، وہ درست نہیں، بقول ابن حجر اس کی تصریح احمد کی سماک بن حرب عن عبادۃ بن زاھر کے حوالے سے نقل کردہ روایت میں ہے، کہتے ہیں میں نے حضرت عثمان کو خطبہ میں کہتے سنا بے شک ہم نے اللہ کے رسول کی سفر و حضر میں صحبت اختیار کی اور کچھ ایسے لوگ بھی مجھے بزعم خود سنت سکھلاتے ہیں جنھوں نے صرف آنجناب کو دیکھا ہوگا (یعنی اخذ و استفادہ کا موقع نہیں ملا ہوگا)۔

(خلص) لام پر زبر اور پیش دونوں صحیح ہیں بمعنی وصل، ابن عدی کی مراد یہ ہے کہ نبی اکرم کی سنت کا علم کوئی مکتوم ومخفی نہیں بلکہ شائع و عام ہے حتی کہ پردے میں گھری کنواریوں تک کو سنت نبوی کا علم پہنچا ہے تو میں جسے حرص و شوق بھی ہے، اس علم سے کیونکر محروم رہتا۔ (فما هذه الأحاديث الخ) دراصل لوگ اقامتِ حد میں تاخیر پر چہ مگوئیاں کرنا شروع ہو گئے تھے جبکہ اس کی وجہ وہ جو مذکور ہوئی۔ (فجلده ثمانين) معمر کی روایت میں چالیس جلدۃ مذکور ہے، یہ روایت یونس کی روایت سے اصح ہے اور وہم اس میں ان سے راوی شبیب بن سعید کی طرف سے ہے، معمر کی روایت کی ترجیح مسلم کی ابوساسان کے حوالے سے نقل کردہ روایت سے ملتی ہے جس میں ہے کہ میں اس موقع پر حاضر تھا جب ولید کو لایا گیا، جسکا قصہ یہ ہوا کہ نماز صبح کی دو رکعت پڑھا کر کہا کیا اور پڑھاؤں؟ (یعنی اس وقت نشہ میں تھے) اور دو آدمیوں نے اسکے شراب پینے کی گواہی دی ان میں ایک حمران مولی حضرت عثمان تھے اس پر حضرت علی سے کہا اے علی اٹھو اور حد جاری کرو انہوں نے اپنے بیٹے حسن سے کہا کہ اٹھو اور حد کا نفاذ کرو، حسن نے یہ محاورہ کہا: (وَلِّ حارها مَنْ تَوَلّى قارها) گویا اظہارِ تحفظ کیا، (یہ بطورِ محاورہ ہے مفہوم یہ کہ وہی یہ کام کرے جسکا تعلق ہے) اس پر عبد اللہ بن جعفر کو حکم دیا کہ وہ حد نافذ کریں، وہ مارتے جاتے اور علی شمار کرتے تھے جب چالیس تک گنتی پہنچی تو کہا رک جاؤ، پھر کہنے لگے آنجناب نے چالیس مارے جبکہ ابوبکر و عمر نے اسی اسی، تو ہر ایک سنت ہے اور یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔ دوسرے گواہ جو اس روایت میں مذکور نہیں صعب بن جثامہ تھے جو مشہور صحابی ہیں، یہ یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے، طبری نے سیف کے طریق سے نقل کیا ہے کہ صعب نہیں بلکہ ان کے بیٹے جثامہ تھے جو اپنے دادا کے ہم نام تھے، ایک روایت میں گواہان کے نام ابوزینب بن عوف اسدی اور ابو مورع اسدی مذکور ہیں، عمر بن شبہ نے بھی یہی ذکر کیا ہے، کہتے ہیں جب حضرت عثمان تک یہ معاملہ پہنچا تو حضرت علی سے مشورہ کیا انہوں نے کہا میری رائے ہے کہ ولید کو طلب کریں، اگر گواہان نے اس کے سامنے اس کے برخلاف گواہی دی تو اقامتِ حد کردیں، تو ایسا ہی کیا۔ مسعودی مروج میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے گواہوں سے استفسار کیا تمہیں کیسے پتہ چلا کہ ولید نے شراب پی تھی؟ وہ کہنے لگے (ہم پر کیسے مخفی رہ سکتی ہے) ہم بھی دورِ جاہلیت میں پیتے رہے ہیں۔ طبری لکھتے ہیں ولید نے پانچ سال گورنری کی، نہایت سخی دل تھے، حضرت عثمان نے بعد

ازاں سعید بن عاص کو گورنر مقرر کیا جنہوں نے عادلانہ سیرت سے کام کیا۔

علامہ انور (قال أعوذ باللہ منك) کے تحت لکھتے ہیں گویا ولید کے بارہ میں لوگوں کی باتیں سن سن کر تنگ آ چکے تھے اسے خلاف واقع خیال کیا تو استعاذہ کیا، (ابھی ولید کی بابت تو بات ہی نہ کی تھی، میرے خیال میں استعاذہ کا سبب یہ تھا کہ کہیں اپنی باتوں سے نماز مع الجماعت سے محروم نہ کردے)۔ (فجلدہ ثمانین) کی بابت لکھتے ہیں یہ حنفیہ کی حجت ہے کہ سکران کی حد اسی ضربیں ہیں (غلط العوام بلکہ غلط الخواص بھی یہ مشہور ہوا کہ شراب کی حد اسی کوڑے ہے اور کوڑے سے سب کے اذہان میں حضرت ضیاء الحق کے زمانہ کا لمبا چوڑا مشہور ومعروف کوڑا آجاتا ہے جو زور سے کسی کو بیس بھی لگا دئے جائیں تو اس کا دم نکل جائے، میرے خیال میں اسی ضربیں کہنا چاہئیں، نبی پاک نے ایک شراب پینے کے مرتکب کو دونوں ہاتھوں میں بیک وقت دو جوتے لیکر چالیس رسید کئے تھے، یہاں مذکور واقعہ کے ضمن میں ابن حجر عمر بن شبہ کی ذکر کردہ روایت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ۔ فضربه بمخصرة لها رأسان۔ یعنی ایک دو شاخہ چھڑی سے مارا، تو اصل مقصد اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کی سرعام جوتے وغیرہ رسید کر کے تفضیک کرنا ہے تا کہ عبرت حاصل کرے اور آئندہ کیلئے باز آجائے، وہ بھی اور دیکھنے والے بھی، معزز آدمی کو سرعام ایک جوتا مارنا بھی اس کے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے)۔

علامہ لکھتے ہیں بخاری میں ثمانین کا لفظ صرف اسی جگہ ہے بیہقی نے یہ تاویل کی ہے کہ جس چیز سے ضرب لگائی گئی وہ ذی عقدتین تھی تو راوی نے اسی شمار کیا (جبکہ مارا چالیس بار ہی تھا) میں کہتا ہوں اگر تو عقدتان طویل تھے تو حقیقۃً دو کوڑوں کے قائمقام تھے تو یہ بھی ہمارے خلاف نہیں جاتی وگرنہ یہ تاویل لغو ہے، درست یہ ہے کہ حدِ سکران عہد نبوی کے حوالے سے علی نحوین ثابت ہے (یعنی دونوں طرح، شائد مراد یہ ہے کہ چالیس بھی اور اسی بھی) تو ائمہ کیلئے اختیار ہے جو چاہے اختیار کرلیں، آگے اس بارے مبسوط بات ہوگی۔

3697حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ بَزِيعٍ حَدَّثَنَا شَاذَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ الْمَاجِشُونُ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَا نَعْدِلُ بِأَبِي بَكْرٍ أَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ، ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ .تَابَعَهُ عَبْدُ اللَّهِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ .طرفه 3655۔ (جلد ہذا کا سابقہ نمبر)

(لا نفاضل بينهم) مناقب ابی بکر میں اس پر بحث گزر چکی ہے، خطابی لکھتے ہیں ابن عمر کے حضرت علی کا ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ صرف شیوخ اور ذوی اسنان صحابہ کا تذکرہ مقصود تھا جو نبی اکرم کے حلقۂ مشاورت میں شامل تھے حضرت علی تو عہد نبوی میں حدیث السن (نوجوان) تھے، ان کے عدم ذکر سے ان کی تنقیصِ شان اور حضرت عثمان کے بعد ان کی تاخیرِ فضیلت ابن عمر کی منشا نہ تھی، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ جہتِ سن کے حوالے سے ان کا یہ اعتذار تفضیلِ مذکور میں اثر انداز نہیں، قبل ازیں ابن عمر کی اس کلام کی تاویل ذکر کی جا چکی ہے اور تمام اہل سنت اس امر پر متفق ہیں کہ چوتھا نمبر حضرت علی کا ہے پھر ان کے بعد عشرہ مبشرہ کی باری آتی ہے پھر اہل بدر کی، تو ابن عمر کی مراد یہ تھی کہ ان تینوں کی افضلیت تو ظاہر وعیاں تھی اور صحابہ قطعیت کے ساتھ اس کا تذکرہ کرتے رہتے تھے

حالانکہ اس بارے کسی تنصیص پر مطلع نہ تھے، اس تاویل کی تائید بزار کی نقل کردہ اس روایتِ ابن مسعود سے ہوتی ہے جس میں کہتے ہیں کہ ہم باہم باتیں کرتے تھے کہ حضرت علی افضلِ اہلِ مدینہ ہیں، اس کے رجال موثق ہیں، یہ اس امر پر محمول ہے کہ انہوں نے یہ بات شہادتِ عمر کے بعد کہی۔ امام احمد نے حضرت علی کے چوتھے نمبر پہ ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے: (الخلافة ثلاثون سنة ثم تصير ملكا) اسے حضرت سفینہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے، اصحابِ سنن نے تخریج کی اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے (یعنی خلافت تیس برس رہے گی پھر بادشاہت میں بدل جائیگی، کچھ کم فہم حضرات اس سے بادشاہت کا مذموم ہونا ثابت کرتے ہیں، ایسی کوئی بات نہیں، نبی اکرم نے اس حدیث میں ایک امرِ واقع کی اطلاع دی ہے اگر بادشاہت مذموم ہوتی تو نبی پاک کو اللہ تعالی یہ پیشکش کیوں فرماتا کہ چاہیں تو نبیِ ملک۔ یعنی نبی بھی، بادشاہ بھی۔ بن جائیں مگر آپ نے ازرہِ تواضع بادشاہ بننا قبول نہ کیا، پھر اگر بادشاہت مذموم ہوتی تو حضرت سلیمانؑ بھلا اللہ سے بادشاہت مانگتے؟ کیوں یہ دعا کرتے: وَ هَبْ لِيْ مُلْكاً لا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِيْ۔ خواب والی حدیث میں نبی اکرم نے خود بادشاہت کی تعریف کی جب فرمایا کہ اپنی امت کے بعض افراد کو بادشاہوں کی طرح سمندر پر سوار راہِ جہاد میں جاتے دیکھا، گویا حضرت معاویہ کے بادشاہ بننے کی خود بشارت دی، زیادہ سے زیادہ حدیثِ مذکور سے نظامِ خلافت کی افضلیت ثابت ہوتی ہے)۔

کرمانی اس بابت لکھتے ہیں انکے قول (كُنَّا نترك) میں کوئی حجت نہیں کیونکہ اصولیوں نے (كُنَّا نفعل) کے صیغہ میں تو اختلافِ رائے ظاہر کی ہے، (كنا لا نفعل) کی بابت نہیں کیونکہ پہلے صیغہ میں آنجناب کی تقریر حاصل ہوتی ہے، دوسرے میں نہیں، بفرضِ تقدیر اگر حجت بھی مان لیا جائے تو یہ بابِ عملیات سے متعلق نہیں کہ اس میں ظن کفایت کرے، اگر یہ بھی تسلیم کر لیں تو اس کے معارض روایات اقوی ہیں۔ پھر لکھتے ہیں یہ بھی محتمل ہے کہ ابن عمر کی مراد یہ ہو کہ یہ تفاضل اور باقیوں کی نسبت یہ ترک آنجناب کے عہد کے کسی ایک حصہ میں وقوع پذیر ہوا تھا، باقی ازمنہ میں اس کی نفی نہیں کی۔

(تابعه عبد الله الخ) عبد العزیز سے مراد ابن ابی سلمہ ہیں، اسی اسناد مذکور کے ساتھ ہے، ابن صالح کاتبِ لیث تھے بعض نے عجلی قرار دیا ہے جو کتاب الثقات کے مؤلف احمد کے والد تھے، بخاری ان کے ذکر سے عبد العزیز تک طریق کا اثبات کرنا چاہتے ہیں کیونکہ عباس دوری نے یہ حدیث شاذان سے روایت کرتے ہوئے (عن الفرج عن فضالة عن يحيى بن سعيد عن نافع) کہا ہے، گویا شاذن کے اس میں دو شیوخ ہیں۔ اسماعیلی نے اسے ابو عمار، رمادی، عثمان بن ابی شیبہ اور کئی ایک کے حوالوں کے ساتھ اسود بن عامر سے تخریج کیا ہے، اسی طرح عبد العزیز سے اسے عبدہ ابو سلمہ خزاعی اور حجین بن مثنی نے بھی نقل کیا ہے۔ اسے ابوداؤد نے بھی (السنة) میں نقل کیا ہے۔

3698حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ هُوَ ابْنُ مَوْهَبٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ مِصْرَ حَجَّ الْبَيْتَ فَرَأَى قَوْمًا جُلُوسًا، فَقَالَ مَنْ هَؤُلَاءِ الْقَوْمُ قَالَ هَؤُلَاءِ قُرَيْشٌ قَالَ فَمَنِ الشَّيْخُ فِيهِمْ قَالُوا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ .قَالَ يَا ابْنَ عُمَرَ إِنِّي سَائِلُكَ عَنْ شَيْءٍ فَحَدِّثْنِي هَلْ تَعْلَمُ أَنَّ عُثْمَانَ فَرَّ يَوْمَ أُحُدٍ قَالَ نَعَمْ .قَالَ تَعْلَمُ أَنَّهُ تَغَيَّبَ عَنْ بَدْرٍ

وَلَمْ يَشْهَدْ قَالَ نَعَمْ قَالَ تَعْلَمُ أَنَّهُ تَغَيَّبَ عَنْ بَيْعَةِ الرُّضْوَانِ فَلَمْ يَشْهَدْهَا قَالَ نَعَمْ .قَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ .قَالَ ابْنُ عُمَرَ تَعَالَ أُبَيِّنْ لَكَ أَمَّا فِرَارُهُ يَوْمَ أُحُدٍ فَأَشْهَدُ أَنَّ اللَّهَ عَفَا عَنْهُ وَغَفَرَ لَهُ، وَأَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَدْرٍ فَإِنَّهُ كَانَتْ تَحْتَهُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِﷺ وَكَانَتْ مَرِيضَةً، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِﷺ إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمَهُ .وَأَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَيْعَةِ الرُّضْوَانِ فَلَوْ كَانَ أَحَدٌ أَعَزَّ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ عُثْمَانَ لَبَعَثَهُ مَكَانَهُ فَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِﷺ عُثْمَانَ وَكَانَتْ بَيْعَةُ الرُّضْوَانِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ عُثْمَانُ إِلَى مَكَّةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِﷺ بِيَدِهِ الْيُمْنَى هَذِهِ يَدُ عُثْمَانَ فَضَرَبَ بِهَا عَلَى يَدِهِ فَقَالَ هَذِهِ لِعُثْمَانَ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عُمَرَ اذْهَبْ بِهَا الآنَ مَعَكَ. أطرافه 3130، 3704، 4066، 4513، 4514، 4650، 4651، 7095

ابن موہب کہتے ہیں اہلِ مصر کا ایک شخص حج کی غرض سے آیا اس اثناء چند لوگوں کو دیکھا کہ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں اس نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ اسے بتلایا گیا کہ قریش ہیں بولا یہ ان میں شیخ کون ہے؟ کہا گیا ابن عمر ہیں، تو پاس آ کر کہنے لگا اے ابن عمر میں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں مجھے ان کے جواب دینا، کیا آپ جانتے ہیں کہ حضرت عثمان احد کے میدان سے بھاگ گے تھے؟ ابن عمر نے کہا ہاں، وہ بولا کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بدر سے غیر حاضر تھے؟ وہ بولے ہاں کہنے لگا کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بیعتِ رضوان سے بھی غیر حاضر تھے؟ وہ بولے ہاں، کہنے لگا اللہ اکبر! ابن عمر نے کہا آ ؤ میں تمہیں صحیح صورتحال سے آگاہ کروں، جہاں تک احد سے فرار کا تعلق ہے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ نے انہیں معاف کر دیا ہے (کیونکہ اکثر صحابہ کرام وقتی طور پہ میدان سے ہٹے تھے پھر دوبارہ پلٹے، اللہ تعالی نے قرآن میں ان کی اس لغزش کو معاف کرنیکا اعلان کیا) اور جو ان کی بدر سے غیر حاضری ہے تو اس کا سبب یہ تھا کہ ان کی زوجہ جو نبی پاک کی بیٹی تھیں، بیمار تھیں وہ نبی اکرم کے حکم سے مدینہ میں رہے تاکہ ان کی بیمار پرسی کریں، آنجناب نے انہیں فرمایا تھا تمہیں جنگِ بدر میں شریک مجاہد کا سا ثواب ملیگا اور مالِ غنیمت سے حصہ بھی، اور جہاں تک بیعتِ رضوان سے ان کے تغیب کا تعلق ہے تو اگر بطنِ مکہ میں ان سے زیادہ کوئی معزز فرد ہوتا تو انہیں نبی پاک سفارت کیلئے مکہ بھیجتے، بیعتِ رضوان ان کے مکہ جانیکے بعد ہوئی نبی پاک اپنے داہنے ہاتھ کو اٹھا کر فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے (یعنی میں ان کی طرف سے بیعت کر رہا ہوں) اس کے بعد ابن عمر اس سے کہنے لگے اب جا ان باتوں کو ہمیشہ یاد رکھنا۔

موسی سے مراد ابن اسماعیل ہیں۔ (عثمان هو ابن مَوهب) دادا کی طرف نسبت ہے والد کا نام عبد اللہ تھا، تابعی بصری، حسن بصری کے طبقہ سے ہیں، بالاتفاق ثقہ ہیں ایک اور راوی عثمان بن موہب بصری نام کے بھی ہیں، وہ ان سے چھوٹے ہیں ان کی حضرت انس سے روایت ہے ان سے صرف زید بن حباب نے روایت کیا، نسائی نے ان کی روایت اِخراج کی ہے۔

(جاء رجل الخ) اس کا نام معلوم نہیں ہوسکا اور نہ اس حلقہ میں موجود دیگر حضرات کے نام، انہیں جواب دینے والے کا نام قولہ تعالیٰ: (و قَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لا تَكُونَ فِتْنَةٌ) کی تفسیر میں وارد ایک روایت سے مترشح ہے کہ علاء بن عرار تھا، آگے مناقبِ علی کی ایک روایت سے بھی اس کا اشارہ ملیگا، سورۃ الأنفال کی تفسیری روایت میں آئیگا کہ مباشرِ سوال کا نام حکیم تھا، ہمارے شیخ ابن ملقن نے اسی پر صاد کیا ہے، اس کی بنا اس امر پر ہے کہ دونوں قصوں کی روایت یکساں ہے۔

(هل تعلم أن عثمان الخ) بظاہر یہ سائل حضرت عثمان کے خلاف برپا ہونے والی متعصب تحریک سے متاثر تھا تو ان مسائلِ ثلاثہ سے اپنے اعتقاد کی تائید چاہی، اسی لئے ابن عمر کے ابتدائی جوابات سے خوش ہوا اور اللہ اکبر کہا۔ (تعال أبين لك) ابن عمر اس کے اللہ اکبر سے سمجھ گئے کہ اس کا کیا مقصد ہے، اب وضاحت کردی، اگر شروع سے اس کی نیت بھانپ لیتے تو ابتدائی جوابات کے ساتھ ہی حضرت عثمان کا عذر بیان بیان کر دیتے (لازمی نہیں کہ معاملہ ایسا ہی ہو جو ابن حجر سمجھے، ابن عمر کے ابتدائی جوابات امرِ واقع کا بیان تھا، یہ بات درست ہے کہ جنگ بدر میں حضرت عثمان موجود نہ تھے، احد کے دن جب ابتدائی فتح کے بعد اچانک حملہ ہوا تو اکثر مسلمان تتر بتر ہو گئے بعض نے اسے فرار کا نام دیا، میرے خیال میں فرار تب ہوتا اگر میدان چھوڑ کر مدینہ یا کسی اور طرف نکل جاتے، وہ تو وہیں تھے البتہ ان کی صفیں درہم برہم ہوگئی تھیں جو آخر کار دوبارہ مرتب ہوگئیں، ان اسباب سے چونکہ یہ مصری ناواقف تھا ابتدائی جوابات کے بعد اب وضاحت کردی، شائد اسکی نیت سے ابتداء ہی واقف تھے)۔

بیعت رضوان کے بارہ میں نبی اکرم نے خود انہیں بطور سفیر مکہ بھیجا پھر بیعت کے وقت اپنا ہاتھ عثمان کا ہاتھ قرار دیکر ان کی طرف سے بیعت کی تو یہ تو سب سے افضل بیعت تھی، بزار نے اسنادِ جید کے ساتھ خود حضرت عثمان سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابن عوف سے کوئی جھگڑا ہوا، انہوں نے ان تینوں امور کا ذکر بطورِ طعنہ کیا تو جواب میں یہی ابن عمر والے جواب دئے، بیعت کے بارہ میں کہا: (فَشِمالُ رسولِ اللهِ ﷺ خيرٌ لِي مِن يميني) کہ نبی پاک نے جو اپنا بایاں ہاتھ میرا اقرار دیکر میری طرف سے اپنے دائیں ہاتھ پر بیعت فرمائی، وہ میرے دائیں ہاتھ سے بہتر ہے (جو اگر میں موجود ہوتا تو اس سے بیعت کرتا)۔

(فأشهد أن الله عفا الخ) اس آیت کی طرف اشارہ ہے: (إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ) [آل عمران : ۱۵۵]۔ (فإنه كان تحته بنْت رسول الله الخ) یہ حضرت رقیہ تھیں، حاکم نے المستدرک میں حماد بن سلمۃ عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم نے حضرات عثمان اور اسامہ بن زید کو بدر جاتے ہوئے حضرت رقیہ کی تیمارداری کیلئے پیچھے چھوڑا، انکا اس وقت انتقال ہوا جب حضرت زید فتح کی خوشخبری لیکر مدینہ پہنچے، ان کی عمر اس وقت صرف بیس سال تھی۔

(أعز من عثمان) یعنی اہل مکہ کی نسبت سے (کہ وہ ایک اعلی خاندان کے چشم و چراغ اور ان کے کثیر بارسوخ رشتہ دار مکہ میں موجود تھے، ابوسفیان سردارِ مکہ انکا رشتہ دار تھا)۔ (و كانت بيعة الرضوان) اس کا باعث یہ بنا کہ نبی پاک نے حضرت عثمان کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا تا کہ انہیں بتلائیں کہ نبی اکرم لڑائی کے ارادہ سے نہیں بلکہ عمرہ کرنے آئے ہیں حضرت عثمان کے جانے کے بعد یہ خبر پھیل گئی کہ اہل مکہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں تو مسلمانوں نے بھی جواباً بیعت کر کے اس بات کا عہد کیا کہ وہ۔ جنگ اگر ہوئی، بھاگیں گے نہیں، ایک قول یہ ہے کہ حضرت عثمان کو قتل کر دئے جانے کی افواہ پھیل گئی جو بیعت کا سبب بنی، آگے عمرۃ الحدیبیہ میں اس کی وضاحت آئیگی۔

(اذهب بها الآ ن معك) یعنی ان اعذار کو میرے جوابات کے ساتھ شامل کر کے اب جاؤ، تا کہ کہیں میرے ابتدائی جوابات کو اپنے عقیدۂ تعصب کی حمایت نہ باور کر لینا، طیبی کہتے ہیں ابن عمر نے یہ بات تہکما کہی، بقیہ ہونے والی گفتگو کا حال آگے مناقب علی میں آئے گا۔

3699حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ أَنَسًا رضی اللہ عنہ حَدَّثَهُمْ قَالَ صَعِدَ النَّبِيُّ ﷺ أُحُدًا، وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَفَ وَقَالَ اسْكُنْ أُحُدُ أَظُنُّهُ ضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ فَلَيْسَ عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَشَهِيدَانِ .طرفاه 3675، 3686۔ (ترجمہ کیلئے دیکھئے اسی جلد کا سابقہ نمبر)

(اسکن أحد) احد کی دال پر پیش ہے کیونکہ منادیٰ مفرد ہے حرفِ نداء محذوف ہے، بحث قبل ازیں گزر چکی ہے۔

8 باب قِصَّةُ الْبَيْعَةِ، وَالاتِّفَاقُ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ (شہادتِ عمر اور بیعتِ عثمان کا قصہ)

یعنی حضرت عثمان کی بیعتِ خلافت، سرخسی کے نسخہ میں: (ومقتل عمربن الخطاب) بھی ہے۔ علامہ انور لکھتے ہیں ایک مرتبہ حج کے موقع پر حضرت عمر کو کسی کہنے والے کی بات پہنچی کہ حضرت عمر کے بعد ہم اپنی مرضی سے خلیفہ بنائیں گے اور انہیں کسی کو ولی عہد نامزد نہیں کرنا چاہئے، اس پر انہوں نے ارادہ کیا کہ لوگوں کو خطابِ عام کریں مگر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے روکا اور کہا یہ تو قوم اجلاف (یعنی گنوار) ہیں، آپ یہاں خطاب کا پروگرام نہ بنائیں، مدینہ میں کریں وہاں ذوی علم وفہم لوگ ہیں، مدینہ پہنچے تو ابولؤلؤۃ ایک گلی میں ملا اور مطالبہ کیا کہ اس کے آقا سے بات کریں کہ اسپر عائد خراج میں تخفیف کرے، عمر کہنے لگے یہ تو میرا اختیار نہیں، پھر کہنے لگے میں نے سنا ہے کہ تم چکیاں بناتے ہو، اگر مسلمانوں کیلئے کوئی چکی بنادو تو انہیں نفع ملے! کہنے لگا ایسی چکی بناؤنگا کہ رہتی دنیا تک یاد رہیگی، اس کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ پر اس نے وار کر دیا، کہتے ہیں بخاری کی روایت میں تو یہ مذکور ہے کہ زخمی ہونے کے بعد خود حضرت عمر نے ابن عوف کو نماز مکمل کرنے کیلئے اپنا جانشین بنایا مگر محبّ طبری نے الریاض النضرۃ میں اپنی اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت عمر کو تو فوراً لوگ ان کے گھر لے گئے اور ابن عوف نے آگے بڑھ کر نماز کرادی۔

3700حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَبْلَ أَنْ يُصَابَ بِأَيَّامٍ بِالْمَدِينَةِ وَقَفَ عَلَى حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ وَعُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ، قَالَ كَيْفَ فَعَلْتُمَا أَتَخَافَانِ أَنْ تَكُونَا قَدْ حَمَّلْتُمَا الأَرْضَ مَا لاَ تُطِيقُ قَالاَ حَمَّلْنَاهَا أَمْرًا هِيَ لَهُ مُطِيقَةٌ، مَا فِيهَا كَبِيرُ فَضْلٍ .قَالَ انْظُرَا أَنْ تَكُونَا حَمَّلْتُمَا الأَرْضَ مَا لاَ تُطِيقُ، قَالَ قَالاَ لاَ .فَقَالَ عُمَرُ لَئِنْ سَلَّمَنِي اللَّهُ لأَدَعَنَّ أَرَامِلَ أَهْلِ الْعِرَاقِ لاَ يَحْتَجْنَ إِلَى رَجُلٍ بَعْدِي أَبَدًا .قَالَ فَمَا أَتَتْ عَلَيْهِ إِلاَّ رَابِعَةٌ حَتَّى أُصِيبَ .قَالَ إِنِّي لَقَائِمٌ مَا بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلاَّ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ غَدَاةَ أُصِيبَ، وَكَانَ إِذَا مَرَّ بَيْنَ الصَّفَّيْنِ قَالَ اسْتَوُوا .حَتَّى إِذَا لَمْ يَرَ فِيهِنَّ خَلَلاً تَقَدَّمَ فَكَبَّرَ، وَرُبَّمَا قَرَأَ سُورَةَ يُوسُفَ، أَوِ النَّحْلَ، أَوْ نَحْوَ ذَلِكَ، فِي الرَّكْعَةِ الأُولَى حَتَّى يَجْتَمِعَ النَّاسُ، فَمَا هُوَ إِلاَّ أَنْ كَبَّرَ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ قَتَلَنِي أَوْ أَكَلَنِي الْكَلْبُ .حِينَ طَعَنَهُ، فَطَارَ الْعِلْجُ بِسِكِّينٍ ذَاتِ طَرَفَيْنِ لاَ يَمُرُّ عَلَى أَحَدٍ يَمِينًا وَلاَ شِمَالاً إِلاَّ طَعَنَهُ حَتَّى طَعَنَ ثَلاَثَةَ عَشَرَ رَجُلاً، مَاتَ مِنْهُمْ سَبْعَةٌ، فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ،

طَرَحَ عَلَيْهِ بُرْنُسًا، فَلَمَّا ظَنَّ الْعِلْجُ أَنَّهُ مَأْخُوذٌ نَحَرَ نَفْسَهُ، وَتَنَاوَلَ عُمَرُ يَدَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ فَقَدَّمَهُ، فَمَنْ يَلِى عُمَرَ فَقَدْ رَأَى الَّذِى أَرَى، وَأَمَّا نَوَاحِى الْمَسْجِدِ فَإِنَّهُمْ لَا يَدْرُونَ غَيْرَ أَنَّهُمْ قَدْ فَقَدُوا صَوْتَ عُمَرَ وَهُمْ يَقُولُونَ سُبْحَانَ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ .فَصَلَّى بِهِمْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ صَلَاةً خَفِيفَةً، فَلَمَّا انْصَرَفُوا .قَالَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ، انْظُرْ مَنْ قَتَلَنِى .فَجَالَ سَاعَةً، ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ غُلَامُ الْمُغِيرَةِ .قَالَ الصَّنَعُ قَالَ نَعَمْ .قَالَ قَاتَلَهُ اللَّهُ لَقَدْ أَمَرْتُ بِهِ مَعْرُوفًا، الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِى لَمْ يَجْعَلْ مَنِيَّتِى بِيَدِ رَجُلٍ يَدَّعِى الإِسْلَامَ، قَدْ كُنْتَ أَنْتَ وَأَبُوكَ تُحِبَّانِ أَنْ تَكْثُرَ الْعُلُوجُ بِالْمَدِينَةِ وَكَانَ (الْعَبَّاسُ) أَكْثَرَهُمْ رَقِيقًا فَقَالَ إِنْ شِئْتَ فَعَلْتُ أَىْ إِنْ شِئْتَ قَتَلْنَا .قَالَ كَذَبْتَ، بَعْدَ مَا تَكَلَّمُوا بِلِسَانِكُمْ، وَصَلَّوْا قِبْلَتَكُمْ وَحَجُّوا حَجَّكُمْ فَاحْتُمِلَ إِلَى بَيْتِهِ فَانْطَلَقْنَا مَعَهُ وَكَأَنَّ النَّاسَ لَمْ تُصِبْهُمْ مُصِيبَةٌ قَبْلَ يَوْمَئِذٍ، فَقَائِلٌ يَقُولُ لَا بَأْسَ .وَقَائِلٌ يَقُولُ أَخَافُ عَلَيْهِ، فَأُتِىَ بِنَبِيذٍ فَشَرِبَهُ فَخَرَجَ مِنْ جَوْفِهِ ثُمَّ أُتِىَ بِلَبَنٍ فَشَرِبَهُ فَخَرَجَ مِنْ جُرْحِهِ، فَعَلِمُوا أَنَّهُ مَيِّتٌ، فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ، وَجَاءَ النَّاسُ يُثْنُونَ عَلَيْهِ، وَجَاءَ رَجُلٌ شَابٌّ، فَقَالَ أَبْشِرْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ بِبُشْرَى اللَّهِ لَكَ مِنْ صُحْبَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَقَدَمٍ فِى الإِسْلَامِ مَا قَدْ عَلِمْتَ، ثُمَّ وَلِيتَ فَعَدَلْتَ، ثُمَّ شَهَادَةٌ .قَالَ وَدِدْتُ أَنَّ ذَلِكَ كَفَافٌ لَا عَلَىَّ وَلَا لِى فَلَمَّا أَدْبَرَ إِذَا إِزَارُهُ يَمَسُّ الأَرْضَ قَالَ رُدُّوا عَلَىَّ الْغُلَامَ قَالَ ابْنَ أَخِى ارْفَعْ ثَوْبَكَ، فَإِنَّهُ أَبْقَى لِثَوْبِكَ وَأَتْقَى لِرَبِّكَ، يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ انْظُرْ مَا عَلَىَّ مِنَ الدَّيْنِ .فَحَسَبُوهُ فَوَجَدُوهُ سِتَّةً وَثَمَانِينَ أَلْفًا أَوْ نَحْوَهُ، قَالَ إِنْ وَفَى لَهُ مَالُ آلِ عُمَرَ، فَأَدِّهِ مِنْ أَمْوَالِهِمْ، وَإِلَّا فَسَلْ فِى بَنِى عَدِىِّ بْنِ كَعْبٍ، فَإِنْ لَمْ تَفِ أَمْوَالُهُمْ فَسَلْ فِى قُرَيْشٍ، وَلَا تَعْدُهُمْ إِلَى غَيْرِهِمْ، فَأَدِّ عَنِّى هَذَا الْمَالَ، انْطَلِقْ إِلَى عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ فَقُلْ يَقْرَأُ عَلَيْكِ عُمَرُ السَّلَامَ .وَلَا تَقُلْ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ .فَإِنِّى لَسْتُ الْيَوْمَ لِلْمُؤْمِنِينَ أَمِيرًا، وَقُلْ يَسْتَأْذِنُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنْ يُدْفَنَ مَعَ صَاحِبَيْهِ .فَسَلَّمَ وَاسْتَأْذَنَ، ثُمَّ دَخَلَ عَلَيْهَا، فَوَجَدَهَا قَاعِدَةً تَبْكِى فَقَالَ يَقْرَأُ عَلَيْكِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ السَّلَامَ وَيَسْتَأْذِنُ أَنْ يُدْفَنَ مَعَ صَاحِبَيْهِ .فَقَالَتْ كُنْتُ أُرِيدُهُ لِنَفْسِى، وَلَأُوثِرَنَّ بِهِ الْيَوْمَ عَلَى نَفْسِى .فَلَمَّا أَقْبَلَ قِيلَ هَذَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ قَدْ جَاءَ .قَالَ ارْفَعُونِى، فَأَسْنَدَهُ رَجُلٌ إِلَيْهِ، فَقَالَ مَا لَدَيْكَ قَالَ الَّذِى تُحِبُّ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَذِنَتْ .قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ، مَا كَانَ مِنْ شَىْءٍ أَهَمُّ إِلَىَّ مِنْ ذَلِكَ، فَإِذَا أَنَا قَضَيْتُ فَاحْمِلُونِى ثُمَّ سَلِّمْ فَقُلْ يَسْتَأْذِنُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَإِنْ أَذِنَتْ لِى فَأَدْخِلُونِى، وَإِنْ رَدَّتْنِى رُدُّونِى إِلَى مَقَابِرِ

الْمُسْلِمِينَ .

وَجَاءَتْ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ حَفْصَةُ وَالنِّسَاءُ تَسِيرُ مَعَهَا، فَلَمَّا رَأَيْنَاهَا قُمْنَا، فَوَلَجَتْ عَلَيْهِ فَبَكَتْ عِنْدَهُ سَاعَةً، وَاسْتَأْذَنَ الرِّجَالُ، فَوَلَجَتْ دَاخِلاً لَهُمْ، فَسَمِعْنَا بُكَاءَهَا مِنَ الدَّاخِلِ .فَقَالُوا أَوْصِ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اسْتَخْلِفْ .قَالَ مَا أَجِدُ أَحَقَّ بِهَذَا الأَمْرِ مِنْ هَؤُلاَءِ النَّفَرِ أَوِ الرَّهْطِ الَّذِينَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ عَنْهُمْ رَاضٍ .فَسَمَّى عَلِيًّا وَعُثْمَانَ وَالزُّبَيْرَ وَطَلْحَةَ وَسَعْدًا وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ وَقَالَ يَشْهَدُكُمْ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ وَلَيْسَ لَهُ مِنَ الأَمْرِ شَيْءٌ كَهَيْئَةِ التَّعْزِيَةِ لَهُ فَإِنْ أَصَابَتِ الإِمْرَةُ سَعْدًا فَهُوَ ذَاكَ، وَإِلاَّ فَلْيَسْتَعِنْ بِهِ أَيُّكُمْ مَا أُمِّرَ، فَإِنِّي لَمْ أَعْزِلْهُ عَنْ عَجْزٍ وَلاَ خِيَانَةٍ وَقَالَ أُوصِي الْخَلِيفَةَ مِنْ بَعْدِي بِالْمُهَاجِرِينَ الأَوَّلِينَ أَنْ يَعْرِفَ لَهُمْ حَقَّهُمْ، وَيَحْفَظَ لَهُمْ حُرْمَتَهُمْ، وَأُوصِيهِ بِالأَنْصَارِ خَيْرًا، الَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ، أَنْ يُقْبَلَ مِنْ مُحْسِنِهِمْ، وَأَنْ يُعْفَى عَنْ مُسِيئِهِمْ، وَأُوصِيهِ بِأَهْلِ الأَمْصَارِ خَيْرًا فَإِنَّهُمْ رِدْءُ الإِسْلاَمِ، وَجُبَاةُ الْمَالِ، وَغَيْظُ الْعَدُوِّ، وَأَنْ لاَ يُؤْخَذَ مِنْهُمْ إِلاَّ فَضْلُهُمْ عَنْ رِضَاهُمْ، وَأُوصِيهِ بِالأَعْرَابِ خَيْرًا، فَإِنَّهُمْ أَصْلُ الْعَرَبِ وَمَادَّةُ الإِسْلاَمِ أَنْ يُؤْخَذَ مِنْ حَوَاشِي أَمْوَالِهِمْ وَتُرَدَّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ، وَأُوصِيهِ بِذِمَّةِ اللَّهِ وَذِمَّةِ رَسُولِهِ ﷺ أَنْ يُوفَى لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ، وَأَنْ يُقَاتَلَ مِنْ وَرَائِهِمْ، وَلاَ يُكَلَّفُوا إِلاَّ طَاقَتَهُمْ .فَلَمَّا قُبِضَ خَرَجْنَا بِهِ فَانْطَلَقْنَا نَمْشِي فَسَلَّمَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ قَالَ يَسْتَأْذِنُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ .قَالَتْ أَدْخِلُوهُ .فَأُدْخِلَ، فَوُضِعَ هُنَالِكَ مَعَ صَاحِبَيْهِ، فَلَمَّا فُرِغَ مِنْ دَفْنِهِ اجْتَمَعَ هَؤُلاَءِ الرَّهْطُ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ اجْعَلُوا أَمْرَكُمْ إِلَى ثَلاَثَةٍ مِنْكُمْ .فَقَالَ الزُّبَيْرُ قَدْ جَعَلْتُ أَمْرِي إِلَى عَلِيٍّ .فَقَالَ طَلْحَةُ قَدْ جَعَلْتُ أَمْرِي إِلَى عُثْمَانَ .وَقَالَ سَعْدٌ قَدْ جَعَلْتُ أَمْرِي إِلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ .فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ أَيُّكُمَا تَبَرَّأَ مِنْ هَذَا الأَمْرِ فَنَجْعَلُهُ إِلَيْهِ، وَاللَّهُ عَلَيْهِ وَالإِسْلاَمُ لَيَنْظُرَنَّ أَفْضَلَهُمْ فِي نَفْسِهِ .فَأُسْكِتَ الشَّيْخَانِ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ أَفَتَجْعَلُونَهُ إِلَيَّ، وَاللَّهُ عَلَيَّ أَنْ لاَ آلُوَ عَنْ أَفْضَلِكُمْ قَالاَ نَعَمْ، فَأَخَذَ بِيَدِ أَحَدِهِمَا فَقَالَ لَكَ قَرَابَةٌ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَالْقَدَمُ فِي الإِسْلاَمِ مَا قَدْ عَلِمْتَ، فَاللَّهُ عَلَيْكَ لَئِنْ أَمَّرْتُكَ لَتَعْدِلَنَّ، وَلَئِنْ أَمَّرْتُ عُثْمَانَ لَتَسْمَعَنَّ وَلَتُطِيعَنَّ .ثُمَّ خَلاَ بِالآخَرِ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ، فَلَمَّا أَخَذَ الْمِيثَاقَ قَالَ ارْفَعْ يَدَكَ يَا عُثْمَانُ .فَبَايَعَهُ، فَبَايَعَ لَهُ عَلِيٌّ، وَوَلَجَ أَهْلُ الدَّارِ فَبَايَعُوهُ .أطرافه 1392، 3052، 3162، 4888، 7207

عمرو بن حصین کہتے ہیں میں مدینہ میں حضرت عمر کو ان پر حملہ ہونے سے چند دن پہلے دیکھا، حضرات حذیفہ اور عثمان بن حنیف کے پاس ٹھہرے اور ان سے کہا کیا کیا؟ کیا تمھیں یہ اندیشہ تو نہیں کہ تم نے زمین پر اتنا محصول لھا دیا ہے جتنی اس کی گنجائش نہیں؟ وہ بولے ہم نے اتنا ہی خراج عائد کیا جتنے کی اس میں گنجائش ہے، کوئی زیادہ تو نہیں کہنے لگے دیکھنا کہیں استطاعت سے زیادہ نہ لگا دینا، وہ بولے ایسا نہیں ہوگا عمر کہنے لگے اللہ نے مجھے سلامت رکھا تو اہلِ عراق کی بیواؤں کیلئے وہ کچھ کر جاؤنگا کہ میرے بعد کسی آدمی کی محتاج نہ ہونگی، راوی کہتے ہیں اس گفتگو کو چار دن ہی گزرے تھے کہ زخمی کر دئے گئے، کہتے ہیں میں ایسی جگہ کھڑا تھا (یعنی اس نماز فجر میں جب ان پہ حملہ ہوا) کہ میرے اور ان کے درمیان صرف ابن عباس ہی تھے حضرت عمر جب صفوں کے مابین سے گزرتے تو کہتے جاتے کہ انہیں برابر کرلو جب ان میں کوئی خلل نہ پاتے تب نماز شروع کرتے، کبھی سورۂ یوسف یا نحل یا اس جیسی کوئی دیگر سورت پہلی رکعت میں پڑھتے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ شامل ہوسکیں تو اس صبح ابھی اللہ اکبر ہی کہا تھا کہ میں نے سنا کہہ رہے ہیں مجھے کتے نے قتل کردیا، یا یہ کہا کہ کھالیا، جب ان پہ حملہ کیا گیا، اس کے بعد وہ بدبخت دو شاخہ خنجر لے کر بھاگا جسطرف سے گزرتا دائیں بائیں خنجر سے لوگوں کو زخمی کرتا جاتا حتی کہ اس دوران تیرہ افراد زخمی ہوئے جن میں سے سات جانبر نہ ہوسکے، یہ دیکھ کر ایک مسلمان نے اس پہ اپنا کوٹ پھیکا جس کی لپیٹ میں وہ آیا جب دیکھا کہ اب تو پکڑا ہی گیا ہے تو اسی خنجر سے خودکشی کرلی، ادھر حضرت عمر نے عبد الرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر انہیں آگے کردیا جو ساتھ ہی کھڑے تھے میری طرح انہیں تو سارے واقعہ کا علم ہوگیا جو قریب تھے لیکن جو دور تھے انہیں سوائے اس کے کچھ پتہ نہ چلا کہ حضرت عمر کی آواز غائب ہوئی ہے، وہ سبحان اللہ کہتے جاتے تھے (یہ خیال کرکے کہ امام سے کچھ بھول ہوگئی ہے) حضرت ابن عوف نے بڑی مختصر سی نماز پڑھائی جب پھرے تو عمر نے ابن عباس سے کہا دیکھو میرا قاتل کون ہے؟ ابن عباس نے صورتحال کی تحقیق کیلئے ایک گھڑی ادھر ادھر گشت کیا تو واپس آکر بتلایا کہ وہ حضرت مغیرہ کا غلام ہے، فرمایا وہ جو کاریگر ہے؟ کہا جی ہاں فرمایا اللہ اسے غارت کرے میں نے تو اسے معروف کا حکم دیا تھا، اللہ کا شکر ہے کہ میرا قاتل ایسا بندہ نہیں جو مسلمان ہونیکا مدعی ہو، (ابن عباس سے فرمانے لگے) تم اور تمہارا باپ ہی پسند کرتے تھے کہ مدینہ میں عجمی غلام زیادہ سے زیادہ بسائے جائیں، کہتے ہیں حضرت عباس کے پاس سب سے زیادہ غلام تھے، اس پہ وہ بولے اگر آپ چاہیں تو ایسا کرگزریں یعنی انہیں قتل کردیں، حضرت عمر کہنے لگے غلط بات کہہ رہے ہو، اب جبکہ وہ تمہاری زبان بول رہے ہیں، تمہارے قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں اور تمہاری طرح حج کرتے ہیں۔

پھر آپکو اٹھا کر ان کے گھر لایا گیا ہم آپکے ساتھ تھے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا لوگوں پر اس دن سے قبل ایسی مصیبت نہ آئی تھی، کوئی تو کہہ رہا تھا نہیں خطرہ کی کوئی بات نہیں اور کوئی کہتا تھا مجھے تو اب بچتے دکھائی نہیں دیتے،، نبیذ لائی گئی جب پی تو ساری پیٹ کے راستے سے باہر نکل گئی پھر دودھ پلایا گیا وہ بھی زخم کے راستے سے خارج ہوگیا اب لوگوں نے جان لیا کہ بچنے والے نہیں ہم آپ کے پاس گئے لوگ آ آ کر تعریف وثناء کرتے تھے اتنے میں ایک نوجوان آیا کہنے لگا یا امیر المؤمنین آپ کو خوشخبری ہو اللہ کی طرف سے بشارت کے ساتھ، رسول اللہ کی صحبت نصیب ہوئی اور اسلام قبول کرنے میں سبقت کی جو آپ جانتے ہی ہیں پھر آپ والی بنے اور عادلانہ حکومت کی پھر اب شہادت سے سرفراز ہونے والے ہیں، یہ سنکر فرمایا میں تو اس پہ بھی خوش تھا کہ یہ معاملہ میرے لئے برابر چھڑا دیا جائے، نہ ثواب ملے نہ عذاب، جب وہ نوجوان واپس ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کا تہ بند زمین پہ گھسٹتا جا رہا ہے کہا اسے میرے پاس لاؤ پھر کہا اے بھتیجے اپنا کپڑا اونچا رکھو یہ تمہارے کپڑے کیلئے بھی مفید ہے اور تقویٰ کا باعث بھی ہے، اے عبد اللہ دیکھنا مجھ پہ کتنا قرض ہے؟ اگر مالِ عمر سے اس کی ادائیگی کی سبیل پیدا ہوجائے تو ادا کردینا وگرنہ بنی عدی

سے تعاون کی اپیل کرنا اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو قریش سے استعانت لینا، کسی اور سے اس ضمن میں مدد حاصل نہ کرنا، تم ام المؤمنین عائشہ کے پاس جاؤ، کہنا عمر آپکو سلام کہتا ہے، امیر المؤمنین نہ کہنا کہ میں اب امیر المؤمنین نہیں ہوں (یعنی موت قریب ہے) کہنا عمر آپ سے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دفن ہونے کی اجازت مانگتے ہیں، وہ گئے اور اجازت لے کر اندر آئے تو دیکھا وہ بیٹھی رو رہی ہیں، کہا عمر بن خطاب آپکو سلام کہتے ہیں اور اس امر کی اجازت طلب کرتے ہیں کہ اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ دفن کئے جائیں وہ کہنے لگیں میں نے وہ جگہ اپنے لئے سوچ رکھی تھی مگر اب انہیں اپنے آپ پہ ترجیح دیتی ہوں، جب واپس آئے تو کسی نے کہا یہ عبد اللہ واپس آ رہے ہیں حضرت عمر نے کہا مجھے اٹھاؤ، ایک آدمی نے سہارا دیکر اپنے ساتھ بٹھایا فرمایا کیا خبر لائے؟ بولے وہی جو آپکو پسند ہے اے امیر المؤمنین، انہوں نے اجازت دیدی یہ سنکر الحمد للہ پڑھا اور کہا اس سے زیادہ کوئی بات میرے لئے اہم نہیں تھی، جب گزر جاؤں تو میری میت اٹھا کر پھر ان کے پاس لے جانا، سلام کہہ کر عرض کرنا کہ عمر بن خطاب اجازت مانگتا ہے اجازت دیدیں تو ٹھیک وگرنہ مجھے عام قبرستان لے جانا، راوی کہتے ہیں ام المؤمنین حفصہ مع دیگر خواتین کے تشریف لے آئیں جب ہم نے انہیں آتا دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے، وہ آپکے ساتھ بیٹھ گئیں اور رونا شروع کر دیا ایک گھڑی روتی رہیں پھر کچھ اور افراد نے آنے کی اجازت مانگی تو وہ اٹھ کر اندرونِ خانہ چلی گئیں، ہمیں اندر سے ان کے رونے کی آواز آتی رہی، لوگ کہنے یا امیر المؤمنین ہمیں وصیت کر دیں اور کسی کو اپنا خلیفہ نامزد فرما دیں، فرمایا میں کسی کو ان افراد سے زیادہ اس امر کیلئے مستحق نہیں سمجھتا، یہ وہ لوگ ہیں کہ جب نبی پاک فوت ہوئے تو ان سے راضی تھے، علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد اور عبد الرحمٰن بن عوف کے نام ذکر کئے، فرمایا عبد اللہ بن عمر تمہارے ہمراہ موجود رہینگے مگر خلافت کے معاملہ سے ان کا کوئی تعلق نہ ہوگا گویا آپ نے یہ بات ان کی تسکین کیلئے کہی، اگر سعد کا انتخاب کر لیا جائے تو فبہا بصورت دیگر جو کوئی خلیفہ بنے اسے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ سعد کو کوئی ذمہ داری سونپے کیونکہ میں نے انہیں خیانت یا عجز کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا۔

اور کہا میں مسلمانوں کے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے حقوق پہچانے اور ان کی حرمت کی حفاظت کرے اور میں اسے انصار کی بابت بھلائی کی وصیت کرتا ہوں جو دار وایمان کے متبوئ ہیں کہ ان کے نیکوں کو نوازے اور غلطی کرنیوالوں سے درگزر کرے اور میں تمام شہروں کے باشندوں کی نسبت بھی حسنِ معاملہ کی وصیت کرتا ہوں کہ یہ لوگ اسلام کی مدد، مال جمع کرنیکا وسیلہ اور دشمنوں کیلئے مصیبت کا باعث ہیں اور یہ کہ ان سے وہی کچھ وصول کیا جائے جو ان کے پاس فاضل ہو اور اس ضمن میں ان کی رضا کا خیال رکھا جائے اور میں ہونیوالے خلیفہ کو بدویوں کے ساتھ بھی حسنِ معاملہ کی وصیت کرتا ہوں جو اصلِ عرب اور اسلام کی جڑ ہیں اور یہ کہ ان سے بچا کھچا مال ہی وصول کیا جائے اور اسے ان کے محتاجوں میں تقسیم کیا جائے اور میں اللہ اور اس کے رسول کے عہد کی پاسداری کی وصیت کرتا ہوں کہ ان سے کئے گئے عہد کو پورا کیا جائے، ان کی حفاظت کیجائے اور برداشت سے زاید بوجھ ان پہ نہ ڈالا جائے، کہتے ہیں جب حضرت عمر کی وفات واقع ہوگئی تو ہم انہیں حضرت عائشہ کے ہاں آئے ابن عمر نے سلام کیا اور عرض کیا کہ عمر اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس دفن ہونے کی اجازت مانگتے ہیں انہوں نے کہا ٹھیک ہے انہیں یہاں دفن کر دیا جائے جب دفن سے فارغ ہو چکے تو وہ (اہلِ شوریٰ کی) جماعت جمع ہوئی، عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا اپنا معاملہ (چھ کی بجائے) تین افراد کے سپرد کر دو تو زبیر نے کہا میں اپنا معاملہ علی کیلئے کرتا ہوں (یعنی ان کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں) طلحہ نے کہا میں اپنا معاملہ عثمان، سعد نے کہا اور میں اپنا معاملہ ابن عوف کے حوالے کرتا ہوں اب عبد الرحمٰن کہنے لگے تم دونوں (یعنی علی وعثمان) میں سے کون اس معاملہ سے اس شرط پہ الگ ہوتا ہے کہ انتخابِ خلیفہ کا اختیار اسے سونپ دیا جائے؟ اور

اللہ اور اسلام کا اسے واسطہ کہ وہ اپنے خیال میں سب سے افضل کو دیکھے، شیخین چپ رہے، اس پر وہ خود کہنے لگے کیا مجھے یہ اختیار دیتے ہو؟ اور اللہ گواہ ہے کہ میں تم میں سے افضل کی بابت کوتاہی نہ کرونگا؟ دونوں بولے ہاں! تو انہوں نے ایک کا ہاتھ پکڑ کر کہا تمہاری نبی پاک کے ساتھ قرابتداری ہے اور تمہیں اسلام لانے میں سبقت حاصل ہے جو تم جانتے ہو، کیا اللہ کو گواہ بنا کے کہتے ہو کہ میں تمہارا انتخاب کرلوں تو عدل کے ساتھ چلوگے؟ اور اگر میں عثمان کو خلیفہ بنادوں تو اس کی سمع و اطاعت کروگے؟ پھر دوسرے کے ساتھ علیحدہ ہوئے اور انہیں بھی یہی بات کہی، جب یہ عہد و میثاق پکڑ چکے تو کہا اے عثمان اپنا ہاتھ بلند کریں پھر ان سے بیعت کر لی اور تمام اہلِ دار نے بھی بیعت کی۔

(عن عمرو الخ) یہ ازدی ہیں، ابواسحاق سبیعی نے بھی یہ مکمل حدیث ان سے روایت کی ہے جسے ابن ابوشیبہ، حارث اور ابن سعد نے تخریج کیا۔ ابورافع نے شہادتِ عمر کا واقعہ بیان کیا ہے، ان کی روایت ابویعلی اور ابن حبان کے ہاں مخرَج ہے، حضرت جابر سے بھی مروی ہے ان کی روایت ابن ابی عمر نے نقل کی، اسی بابت ابن عمر کی روایت طبرانی کی اوسط اور معدان بن ابوطلحہ کی روایت مسلم میں ہے، ہر ایک میں کچھ ایسی جزئیات ہیں جو دوسری میں نہیں۔

(قبل أن يصاب بأيام) چار دن قبل، آگے ذکر ہوگا۔ (بالمدينه) حج سے واپسی کے بعد، الجنائز میں اس بارے ابن عباس کی روایت ہے، اس میں حضرت صہیب کا ایک واقعہ بھی مذکور تھا، یہ بالاتفاق ۲۳ھ کا ذکر ہے۔ (قد حملتما الأرض الخ) اشارہ ارضِ سواد یعنی کوفہ و بصرہ اور آس پاس کے علاقے کی طرف تھا، حضرت عمر نے انہیں وہاں خراج و جزیہ کی وصولی کیلئے مامور کیا تھا، ابوعبیدہ نے کتاب الأموال میں اس کا تذکرہ انہی عمرو بن میمون کے حوالے سے کیا ہے۔ (هي له مطيقة) ابن ابوشیبہ کی محمد بن فضیل عن حصین سے اسی سند کے ساتھ روایت میں ہے کہ حذیفہ کہنے لگے اگر آپ چاہیں تو اپنے ماتحت زمینوں کا خراج دگنا کردوں؟، انہی کی حکم عن عمرو بن میمون کے طریق سے ہے کہ عثمان سے پوچھا اگر فی کس دو درہم (سالانہ) اور ہر جریب پیداوار پر ایک درہم اور قفیزِ من طعام کی شرح سے خراج و جزیہ مقرر کر دیا جائے تو آیا دے سکینگے؟ عثمان نے کہا جی ہاں۔

(إلا عبدالله الخ) ابواسحاق کی روایت میں (إلا رجلان) ہے۔ (لم يرفيهن) ضمیر کا مرجع صفیں ہیں۔ (تقدم فكبر) اسماعیلی کی جریر عن حصین سے روایت میں ہے کہ جب مسجد آتے اور تکبیر ہو چکی ہوتی تو ہر دو صفوں کے درمیان رک کر صفیں برابر کرنے کا حکم دیتے پھر اچھی طرح مطمئن ہو کر آگے بڑھتے اور تکبیرِ اولیٰ کہتے، ابواسحاق عن عمرو کی روایت میں ہے کہ اس دن میں دوسری صف میں تھا، پہلی صف میں حضرت عمر جو ایک بارعب انسان تھے، کی ہیبت کی وجہ سے کھڑا ہونے کا حوصلہ نہ کر سکا اور حضرت عمر جب تک صفیں برابر نہ کرا لیتے آگے نہ بڑھتے، وہ اگر کسی شخص کو صف سے آگے بڑھا ہوا یا پیچھے ہٹا ہوا دیکھتے تو درہ سے ضرب لگاتے تو اسی باعث میں پہلی صف میں کھڑا نہ ہوا (وہ مصلائے امامت کی سیدھ میں دوسری صف میں تھے، عین ان کے آگے ابن عباس کھڑے تھے جیسا کہ اس روایت میں ہے)۔

(قتلني الخ) روایتِ جریر میں ہے ابھی اللہ اکبر ہی کہا تھا کہ ابو لؤلؤۃ نے حملہ کیا، عمر کچھ پیچھے ہٹے اس نے تین وار کئے تو میں نے دیکھا کہ عمر ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں: اس کتے کو پکڑ لو، اس نے تو مجھے مار ڈالا، آگے ذکر ہوگا کہ اس کا نام فیروز تھا، ابن سعد زھری سے نقل کرتے ہیں کہ عمر کسی بالغ قیدی کے مدینہ رہنے کے حق میں نہیں تھے تو مغیرہ بن شعبہ جو کوفہ کے گورنر تھے،

نے انہیں خط لکھا اس میں تھا کہ ان کے ہاں ایک کاریگر غلام ہے وہ لوہار، بڑھئی اور نقاش ہے، اپنی صنعت سے اھل مدینہ کیلئے سود مند ثابت ہوسکتا ہے تو اسے مدینہ رہنے کی اجازت دیدیں! اس پر حضرت عمر نے اجازت دیدی، مغیرہ نے اس پر ہر ماہ سو درہم عائد کئے تھے، اس نے حضرت عمر سے شکایت کی کہ یہ ٹیکس سخت ہے تخفیف کی جائے، ان کا جواب تھا تم جتنے کام جانتے ہو انکے پیش نظر یہ رقم زیادہ نہیں، اس پر طیش کے عالم میں واپس ہوا تھا، چند دن بعد سرِ راہے ملاقات ہوئی تو حضرت عمر نے اس سے کہا مجھے پتہ چلا ہے کہ تم کہتے ہو اگر چاہوں تو ہوا سے چلنے والی چکی بنا سکتا ہوں؟ وہ خشک مزاجی سے بولا آپکے لئے وہ چکی بناؤنگا کہ لوگ کیا یاد کرینگے! حضرت عمر نے ہمرائیوں سے کہا اس نے مجھے دھمکی دی ہے، اس کے چند دن بعد وہ دوشاخہ خنجر جسکا دستہ درمیان میں تھا۔ لیکر مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں نمازِ فجر کے وقت اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چھپ گیا، حضرت عمر نماز کیلئے بیدار کرتے ہوئے اس کے پاس سے گزرے تو اچھل کر حملہ کر دیا، تین خنجر مارے، ایک ناف کے ذرا نیچے جس سے انتڑیاں کٹ گئیں، یہی جان لیوا ثابت ہوا۔

ابو رافع کی روایت میں ہے کہ مغیرہ نے اس پر چار درہم۔ یعنی یومیہ۔ خراج عائد کیا تھا، اس میں ہے کہ حضرت عمر کے توجہ نہ دینے پر اس نے کہا سوائے میرے سبھی کو اپنے عدل کا فیض پہنچایا ہے، یہ بھی ذکر کیا کہ خنجر کو زھر میں بجھایا ہوا تھا، تکبیر کے بعد ایک وار کندھے پر اور ایک بغل کے نیچے کیا جس سے وہ گر پڑے، مسلم کی معدان بن ابوطلحہ سے روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے ایک خطبہِ جمعہ کے دوران کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے مرغ نے تین ٹھونگیں ماری ہیں، میں نے اس سے قربِ موت کی تعبیر کی ہے، جویریہ بن قدامہ عن عمر کے حوالے سے بھی یہی منقول ہے، مزید یہ کہ اگلا جمعہ آنے سے پہلے ان پر حملہ ہو گیا، ابن سعد کی سعید بن ابو ہلال سے روایت میں ہے کہ مجھے پتہ چلا کہ حضرت عمر نے یہ خواب بیان کیا، اس میں مزید یہ ہے کہ میں نے اسماء بنت عمیس (جو اس وقت حضرت علی کے حبالہِ عقد میں تھیں) کو یہ خواب سنایا تو انہوں نے یہ تعبیر کی ہے کہ مجھے کوئی عجمی قتل کر دیگا، طبرانی کی اوسط میں ابن عمر کے حوالے سے ہے کہ اس نے دو وار کئے، اسے اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ یہ دو اس وار کے علاوہ ہیں جو جان لیوا ثابت ہوا۔

(ثلاثه عشر رجلا) ابو اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر سمیت کل تیرہ آدمی زخمی ہوئے، ابن سعد کی ابراھیم تیمی عن عمر بن میمون سے روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے اس وقت زرد چادر سینے تک لپیٹے ہوئی تھی، حملہ ہونے پر کہا: (وكَانَ أمْرُ اللّٰهِ قَدَراً مَقْدُوْراً) (یہ سورۃ احزاب کی ایک آیت ہے)۔ (مات منهم سبعة) ابن حجر کے بقول ان میں سے یہ نام ملا کلیب بن بکیر لیثی، یہ اور ان کے بھائی عاقل، عامر اور ایاس صحابہ ہیں۔ جزءِ ابی الجھم میں صحیح اسناد کے ساتھ ابن عمر سے روایت ہے کہ وہ ایک سفر حج میں حضرت عمر کے ہمراہ تھے، ایک عورت سے گزر ہوا جو مر چکی تھی، کلیب نے اس کی تجہیز و تکفین اور تدفین کی اس پر حضرت عمر نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا مجھے امید ہے کہ اللہ انہیں داخلِ جنت کریگا، کہتے ہیں ابو لؤ لؤۃ کے وار سے یہ بھی زخمی ہو کر چل بسے تھے، عبد الرزاق کی زھری کے حوالے سے روایت میں ہے کہ اس کے وار سے بارہ افراد زخمی ہوئے جن میں سے حضرت عمر اور کلیب زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئے، ابن ابو شیبہ کی ابو سلمہ اور یحیی بن عبد الرحمٰن کے حوالے سے شہادت عمر کے قصہ پر مشتمل روایت میں بھی ان کا ذکر ہے۔

(فلما رأى ذلك الخ) ذیل الاستیعاب لابن فتحون کی حصین بن عبد الرحمٰن سے روایت میں ہے کہ مہاجرین میں سے ایک آدمی حطان تمیمی یربوعی نے اس پر برنس (یعنی کوٹ جس کے ساتھ ٹوپی بھی ہو، لمبی ٹوپی کو بھی کہتے ہیں) پھینکا، یہ ابن سعد کی ضعیف

روایت سے اصح ہے جس میں ہے کہ ابو لؤلؤۃ کو قریش کی ایک جماعت نے پکڑا جس میں عبداللہ بن عوف اور ہاشم بن عتبہ وغیرہ ہیں اور ابن عوف نے اس پر خمیصہ (چادر) پھینکی، اگر یہ ثابت ہے تو گویا ان سب کے اشتراک سے وہ پکڑا گیا، ابن سعد نے واقدی سے بسند دیگر نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن عوف نے اس کا سر کاٹ لیا۔

(صلاۃ خفیفۃ) ابواسحاق کی روایت میں ہے کہ (إنا أعطَیْنَاكَ الْكَوْثَرَ) اور (إذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ) پڑھیں، ابن شہاب کی روایت میں ہے کہ بعدازاں حضرت عمر پر غشی طاری ہوگئی اور لوگ انہیں اٹھا کر ان کے گھر لے گئے، سورج نکلنے تک بے ہوش ہی رہے پھر آنکھ کھلی تو لوگوں کو دیکھ کر پہلی بات یہ کہی کیا لوگوں نے نماز ادا کر لی؟ میں نے کہا جی ہاں، بولے تارکِ نماز کا کوئی اسلام نہیں پھر وضوء کیا اور نماز ادا کی۔ ابن سعد کی ابن عمر سے روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے وضوء کیا اور نماز میں لگ گئے، پہلی رکعت میں والعصر اور دوسری میں قل یا أیها الکافرون تلاوت کی، کہتے ہیں میرے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے اور زخم سے خون بہہ رہا تھا، میں زخم پر اپنی درمیانی انگلی رکھتا تھا مگر وہ جگہ اس سے چوڑی تھی۔

(فلما انصرفوا الخ) ابواسحاق کی روایت میں ہے کہ ابن عباس سے فرمایا لوگوں میں اعلان کرو کیا تمہارے سرداروں نے یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا معاذ اللہ، ہمیں کوئی علم نہیں، نہ اس بارے کوئی اطلاع ہے۔ مبارک بن فضالہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت عمر کو گمان ہوا کہ ہوسکتا ہے نادانستگی میں ان کی طرف سے کسی پر کوئی زیادتی ہوئی ہو (جسکا یہ بدلہ لیا ہو) اس پر ابن عباس جو ان کے مقرب تھے، کو بلایا اور ہدایت دی کہ لوگوں کی ہر ٹکڑی سے دریافت کریں کہ ایسی کوئی بات ہے؟ وہ جہاں بھی جاتے لوگ روتے ہوئے ملتے گویا ان کی جوان اولاد فوت ہوگئی ہو، ابن عباس کہتے ہیں جب اس طرف سے تسلی دی تو ان کے چہرے پر خوشی دوڑ گئی۔

(الصنع) ابن ابی شیبہ اور ابن سعد کی ابن فضیل عن حصین سے روایت میں (الصناع) ہے، نونِ مخفف کے ساتھ، اہلِ لغت کہتے ہیں: (رجل صنع الید واللسان) جبکہ خاتون کی بابت (صناع الید) کہا جاتا ہے۔ ابوزید کا قول ہے صناع اور صنع، دونوں الفاظ مرد وعورت، دونوں پر بولے جاتے ہیں۔ (رجل یدعی الإسلام) ابن شہاب کی روایت میں ہے کہ کہا اللہ کا شکر ہے کہ میرا قاتل ایسا نہیں جو اللہ کے ہاں میرے ساتھ اپنے کئے ہوئے کسی سجدہ کی بدولت محاجاۃ کرنے والا ہو، ابن فضالہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: (یُحَاجُّنِی بِقول لا الٰہ إلا اللہ) اس سے یہ مستفاد کیا جا سکتا ہے کہ مسلمان اگر کسی کو عمداً بھی قتل کر ڈالے تو (آخرکار) اس کی مغفرت کی امید کی جا سکتی ہے، اس ضمن میں بعض کا موقف ہے کہ وہ کبھی حقدارِ مغفرت نہ بنے گا، اس بارے تفصیلی بحث تفسیر سورۃ النساء میں آئیگی۔ ابن ابوشیبہ کی روایت میں ہے کہ جب انہیں قاتل کی بابت بتلایا گیا تو کہنے لگے اللہ اسے غارت کرے میں نے تو اسے امر بالمعروف کیا تھا، حدیثِ جابر میں ہے کہ حضرت عمر نے کہا میرے قاتل کے بارہ میں جلدی نہ کرنا، کہا گیا وہ تو خودکشی کر چکا ہے، اس پر انا للہ پڑھی پھر جب پتہ چلا کہ وہ ابو لؤلؤۃ تھا تو اللہ اکبر کہا۔

(قد کنت وأبوك الخ) ابن سعد کی ابن سیرین عن ابن عباس سے روایت میں ہے کہ ان سے مخاطب ہو کر کہا یہ تیرے ساتھیوں کی وجہ سے ہوا ہے، میں چاہتا تھا کہ مدینہ میں عجمی قیدیوں کو آباد ہونے کی اجازت نہ دیں مگر تم مجھ پر غالب آگئے، عمر بن شبہ ابن سیرین سے ناقل ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عباس نے مشورہ دیا تھا کہ مدینہ میں کام کاج بہت ہیں لہٰذا ان عجمی قیدیوں کو یہاں رکھے بغیر گزارا نہیں۔ (کذبت) اہلِ حجاز اکثر (أخطأت) کے معنی میں اس کا استعمال کرتے ہیں، یہ (بعد أن صلوا الخ)

کے بعد کہا کیونکہ مسلمان کا خون کرنا حلال نہیں، شائد ابن عباس کی مراد تھی کہ یہاں جو غیر مسلم ہیں انہیں قتل کر دیا جائے (میرے خیال میں ابن عباس کے جملہ: إن شئت فعلت۔ سے قتل کی اجازت مانگنا کا مفہوم اخذ کرنا غیر مراد ہے کیونکہ سابقہ کلام میں حضرت عمر نے فقط یہ بات کہی کہ انہیں مدینہ میں آباد نہ کرنا چاہئے تھا تو ان کی اس بات کے جواب میں ابن عباس کے یہ کہنے کا بدیہی مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ اب اگر اجازت دیں تو انہیں نکال دیا جائے، راوی نے جوان کے قول کی: أي إن شئت قتلنا، سے تشریح کی، یہ ان کی اپنی رائے ہے)۔

(فأتي بنبيذ الخ) ابورافع کی حدیث میں ہے یہ اسلئے تا کہ ان کے پیٹ والے زخم کے حجم کا اندازہ ہو سکے، ابواسحاق کی روایت میں ہے کہ طبیب نے پوچھا آپکو کونسا مشروب زیادہ پسند ہے؟ فرمایا نبیذ، تو وہ پلائی گئی مگر زخم کے شگاف سے باہر نکل گئی پھر حضرت عمر نے دودھ مانگا لیکن وہ بھی گھاؤ سے خارج ہو گیا، اس پر طبیب کہنے لگا آپ وصیتیں فرما دیں، آپ کی آجکل میں موت یقینی ہے۔ (فخرج من جوفه) کشمیہنی کے نسخہ میں (من جرحه) ہے، یہی اصوب ہے۔ ابورافع کی روایت میں ہے کہ ساری نبیذ باہر نکل آئی اور پتہ نہ چلتا تھا کہ وہ نبیذ ہے یا خون ہے، یہ بھی کہ لوگ کہنے لگے: (لابأس يا أمير المؤمنين)، آپنے جواب دیا اگر قتل بأس ہے تب تو میں قتل ہو گیا ہوں۔ ابن شہاب عن سالم عن ابن عمر کی روایت میں ہے پہلے عربوں کا ایک طبیب بلایا گیا، اس نے نبیذ پلائی جو باہر نکل آئی پھر انصار کا ایک طبیب آیا، اس نے دودھ پلوایا، وہ بھی خارج ہوا، اس پر کہنے لگا امیر المؤمنین وصیتیں فرما دیں، آپ بولے اگر وہ کوئی اَور بات کہتا (کہ نہیں کوئی خطرے کی بات نہیں، ٹھیک ہو جائینگے، وغیرہ) تو میں اسے جھٹلا دیتا (کیونکہ اتنے وسیع گھاؤ سے کہ کوئی چیز اندر نہیں ٹھہر رہی آپکو اندازہ ہو گیا کہ آپ بچنے والے نہیں)۔ مبارک بن فضالہ کی روایت میں ہے کہ دودھ دونوں زخموں کی جگہوں سے باہر نکل آیا تو پتہ چل گیا کہ اب موت یقینی ہے، کہنے لگے اب اگر دنیا کا سارا مال و متاع ہوتا تو میں ہولِ مَطلع سے فدیہ دیدیتا، اب تو الحمد للہ یہ بات باعثِ اطمینان ہے کہ امیدِ خیر رکھوں۔ ابن حجر بعنوانِ تنبیہ لکھتے ہیں کہ نبیذ سے مراد پانی میں چند کھجوریں ڈالکر تا کہ میٹھا ہو جائے، پی لینا (ایک اھل عراق کی نبیذ تھی) اس بارے تفصیل کتاب الأشربۃ میں بیان ہوگی۔

(وجاء الناس يثنون الخ) ابن سعد کی حدیثِ جابر میں ان لوگوں میں عبد الرحمٰن بن عوف کا ذکر ہے، عمر بن شبہ کی سلیمان بن یسار کے طریق سے روایت میں ہے کہ حضرت مغیرہ بھی ان اِثناء کرنے والوں میں شامل تھے، انہوں نے کہا تھا: (هنيئًا لك الجنة) آپکو جنت مبارک ہو۔ ابن ابی شیبہ کے ہاں مسور بن مخرمہ کا بھی ذکر ہے، ابن سعد کی جویریہ بن قدامہ سے روایت میں ہے پہلے صحابہ آئے پھر اھل مدینہ پھر اہل شام پھر اہل عراق (یعنی عیادت کرنے)، جب بھی کوئی لوگ آتے، روتے جاتے اور حضرت عمر کی تعریف کرتے۔ ابن سعد کی ابواسحاق سے روایت میں ہے کہ کعب احبار آئے اور کہنے لگے میں کہتا نہ تھا آپ شہادت سے بہرہ ور ہوں گے اور آپ کہتے تھے یہ کیسے ہوسکتا ہے اور میں جزیرہ عرب میں ہوں؟ (یعنی یہاں مجھے کون قتل کر سکتا ہے، اس سے میری سابقہ ایک جگہ لکھی رائے کی تائید ملتی ہے کہ آنجناب جب پہاڑ پر چڑھے اور آپکے ہمراہ ابوبکر، عمر اور عثمان بھی تھے، وہ ہلنے لگا تو آپ نے فرمایا تھم جا کہ تیرے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں تو عرض کیا تھا کہ لازم نہیں کہ شہید سے مراد مقتول سمجھا گیا ہو، وگرنہ تو حضرت عمر و عثمان اور سارے صحابہ کو اسی دن سے معلوم ہو جاتا اور یہ بات مشہور ہو جاتی کہ یہ دونوں حضرات شہید ہوں گے، میرا خیال ہے کہ اس وقت شہید بمعنی گواہ سمجھا گیا ہو گا، اسکا ایک اور قرینہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی نے امتِ محمدیہ کے افراد کو شہداء قرار دیا تھا: لِتَكُونُوا

شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ، اب ایک مقامِ نبوت تھا، مقامِ صِدیقیت بھی معروف اور مذکور فی القرآن تھا اب مقامِ شہادت کی اصطلاح سے دو امر سمجھے جا سکتے ہیں: قتل فی سبیل اللہ اور دوسرا وہ جسکا ذکر اس آیت میں ہوا، تو میرے خیال میں یہی دوسرا مفہوم اس وقت سمجھا گیا تھا وگرنہ حضرت عمر کو کعب احبار کے اس قصہ کے مطابق تذبذب کیوں ہوتا)۔

(وجاء رجل شاب) الجنائز کی سابق الذکر حدیثِ جریر عن حصین میں تھا کہ یہ ایک انصاری نوجوان تھا، سماک حنفی عن ابن عباس کی ابن سعد کے ہاں ایک روایت میں ہے کہ ابن عباس نے بھی تعریفی کلمات کہے تھے (وہ بھی اس وقت نوجوان تھے) تو اگر (من الأنصار) کی قید گزری نہ ہوتی تو یہاں وہ بھی مراد ہو سکتے تھے، بہر حال کوئی مانع نہیں کہ یہ کوئی اور نوجوان ہوں، اگرچہ دونوں کے جواب میں کہا گیا حضرت عمر کا جملہ یکساں ہے، اس امر سے بھی تعدُد کی تائید ملتی ہے کہ یہ نوجوان واپس پلٹا تو حضرت عمر نے بلا کر اسے ہدایت کی کہ لٹکتی ہوئی چادر کو اوپر کر لے (پھر ابن عباس تو ہمہ وقت وہیں تھے)۔ ابن حجر لکھتے ہیں دیکھئے حضرت عمر کی شان کہ ان جاں گسل لمحات میں بھی فریضہِ امر بالمعروف سے غافل نہیں (اور نہ اس امر سے غافل ہیں کہ لوگوں کی اونچ نیچ پر نظر رکھیں، یہی بزرگوں کی شان ہوتی ہے کہ ملتے ہی تاڑ لیتے ہیں کہ کہاں شریعت کی مخالفت ہو رہی ہے، یا اس کا شائبہ ہے، ہم لڑکپن میں جب کبھی اپنے نانا محترم حضرت بڈھیمالوی مرحوم سے ملتے تو پیار دینے کے بہانے سر اور رخسار و ٹھوڑی پر ہاتھ پھیرتے، یہ معلوم کرنے کیلئے کہ ابھی داڑھی آئی نہیں یا یہ برخوردار استرا پھرواتا ہے؟)۔ علامہ انور اس کے تحت لکھتے ہیں (سبحان اللہ من رجل الخ) سبحان اللہ ایسے آدمی سے کہ جان کنی کے اس عالم میں بھی آدابِ شریعت کا اتنا خیال رکھا۔

(وقدم فی الإسلام) قدم کی دال مفتوح ہے، قاف پر اگر زبر پڑھیں تو بمعنی فضیلت ہوگا اور اگر زیر پڑھیں تو بمعنی سبقت۔ (أنقی لثوبك) اکثر کے ہاں یہی ہے، کشمیہنی کے نسخہ میں (أبقی) ہے، مبارک بن فضالہ کی ابن عباس سے روایت میں ہے کہ انہوں نے بھی ان جیسے کلمات کہے اس پر حضرت بولے: (إنَّ المغرور مَن تغرونه) کہ مغرور وہی جسے تم بنا دو، پھر کہنے لگے اے عبداللہ کیا تم روز قیامت اللہ کے پاس بھی میرے حق میں یہ گواہی دو گے؟ وہ بولے جی ہاں اس پر کہا: (اللهم لك الحمد)۔ مبارک کا بیان ہے حسن بصری اسپر تبصرہ کرتے ہوتے تھے کہ مومن کی یہی شان ہوتی ہے، جس قدر نیکی میں آگے بڑھا ہوا ہوگا اللہ سے خوف اور اس کی خشیت میں بھی اتنا ہی آگے ہوگا، میں نے کسی انسان کو نہیں پایا جو نیکی میں بڑھا ہوا ہو مگر ساتھ ہی وہ مَخافت وخشیت میں بھی بڑھا ہوا ہوگا اور کسی کو برائی میں بڑھا ہوا نہیں پایا مگر وہ ساتھ ہی بے خوف اور نام نہاد عزت کا مدعی ہوگا (یعنی کوئی جتنا نیک ہوگا اتنا ہی اللہ سے زیادہ ڈرتا ہوگا)۔

(یاعبد اللہ بن عمر انظر ما ذا علیَّ الخ) حدیثِ جابر میں ہے کہ انہیں قسم دی کہ دفن کے بعد اس وقت تک سر نہ دھوئیں جب تک جائداد بیچ کر اسی ہزار بیت المال میں جمع نہ کرا دیں، ابن عوف کے پوچھنے پر بتلایا کہ یہ ساری رقم اپنے حجوں اور پیش آمدہ ضروریات میں صرف کی ہے۔ محمد بن حسن بن زبالہ کی اخبار المدینۃ میں ہے کہ حضرت عمر کے ذمہ قرض کی مالیت چھبیس ہزار تھی، عیاض نے اسی پر جزم کیا ہے مگر اول معتمد ہے۔

(مال آل عمر) اپنی ذات مراد ہے، عربوں کی کلام میں اس کی مثل کثیر ہے یا ممکن ہے پورا خاندان مراد ہو۔ (بنی عدی بن کعب) قبیلہ کی شاخ جس کی طرف منتسب تھے ان کا قبیلہ تو قریش تھا، نافع مولی ابن عمر اس امر سے انکار کرتے تھے کہ حضرت عمر

کے ذمہ کوئی قرض تھا، عمر بن شبہ نقل کرتے ہیں کہ ان کی میراث کے حصہ داروں میں سے ایک نے اپنا حصہ ایک لاکھ میں فروخت کیا تھا پھر حضرت عمر مقروض کیونکر ہو سکتے ہیں؟ لیکن اس سے لازم نہیں آتا کہ بوقت موت وہ مقروض نہ ہوں، بسا اوقات کوئی شخص کثیر المال ہوتا ہے مگر وقتی ضروریات کیلئے قرض لینا پڑ جاتا ہے (جیسے سابقہ جلد میں حضرت زبیر کے ترکہ اور ان پر عائد قرضوں کی تفصیل گزری) شائد نافع نے یہ انکار کیا تھا کہ ان کا قرض چکایا نہیں گیا۔ (فإني لست اليوم الخ) بقول ابن تین چونکہ اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا اور اسلئے بھی تا کہ حضرت عائشہ ان کی بحیثیت امیر المؤمنین رعایت نہ کریں بلکہ آزادانہ فیصلہ کریں۔ ابن حجر کہتے ہیں آگے الأحکام میں ایک روایت آئے گی جو بظاہر ابن تین کی اس توجیہہ کے خلاف جاتی ہے، تو اس نفیِ امارت کی اصل توجیہہ یہ ہے کہ وہ حضرت عائشہ سے مذکورہ التماس بطریقِ طلب کرنا چاہتے تھے نہ کہ (امیر المؤمنین کی حیثیت سے) بطریقِ امر۔

(ولأوثرنه به الخ) اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ کی حیثیت اس بیتِ رسول کے مالک کی تھی تبھی حضرت عمر نے اجازت مانگی بقول ابن حجر یہ محلِ نظر ہے بلکہ امرِ واقع یہ ہے کہ وہ فقط منفعتِ سکنیٰ و اِسکان (یعنی خود رہنے یا کسی کو رکھنے کی منفعت) کی مالک تھیں اسی لئے یہ گھر ان کی میراث نہ بنا تھا، ازواج مطہرات عدت گزارنے والی خواتین کی حیثیت میں تھیں کیونکہ نبی اکرم کے بعد شادی نہ کرسکتی تھیں، اس بابت کچھ بحث کتاب الجنائز میں گزر چکی ہے۔ ابن سعد کی روایت میں ہے، کہا کرتی تھیں جب سے حضرت عمر ان کے گھر میں مدفون ہوئے وہ پردہ نہیں اتارتیں (کیونکہ حضرت عمر کی حیثیت ان کیلئے ایک اجنبی کی تھی بخلاف ابوبکر کے کہ وہ ان کے والد تھے، یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں بلکہ فطری حیا کا ایک نمونہ ہے)۔

(فأسنده رجل إليه) یہ ابن عباس ہو سکتے ہیں اس کی تائید مبارک کی روایت سے ہوتی ہے، اس میں ہے کہ ابن عباس جب تعریفی کلمات کہہ چکے تو حضرت عمر نے ابن عمر سے کہا اے عبداللہ میرا رخسار زمین کے ساتھ لگا دو، ابن عباس کہتے ہیں میں نے انہیں اپنے زانو اور پنڈلی پر رکھا، کہنے لگے میرا رخسار زمین کے ساتھ لگاؤ، میں نے ایسا ہی کیا تو اپنی داڑھی زمین پر لگاتے ہوئے بولے اگر اللہ نے مغفرت نہ کی تو اے عمر تم تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ (إذا مت فاستأذن) ابن سعد امام مالک سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر کو خیال ہوا کہ ان کی زندگی میں کہیں حضرت عائشہ نے استحیاءً اجازت نہ دی ہو تو حکم دیا کہ مرنے کے بعد پھر ان سے پوچھ لیا جائے۔

(فولجت عليه) یعنی حضرت حفصہ آئیں، نسخہ کشمیہنی میں ہے اور وہاں ٹھہر کر رونے لگیں، ابن سعد نے بسند صحیح مقدام بن معدیکرب سے نقل کیا ہے کہ کہنے لگیں: (يا صاحبَ رسول الله ﷺ يا صهرَ رسول الله يا أمير المؤمنين) اس پر حضرت عمر بولے میں ان الفاظ کی تاب نہیں لاسکتا، اپنا حق جو تجھ پر ہے کے واسطہ سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد ندب نہ کرنا، ہاں تمہاری آنکھوں کے آنسو رکوانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

(استخلف) الأحکام میں آئیگا کہ ابن عمر نے یہ بات کہی تھی، ابن شبہ ایک منقطع سند کے ساتھ اسلم مولیٰ عمر سے ناقل ہیں کہ حضرت سے انہوں نے کہا اے امیر المؤمنین کیا مانع ہے اگر ایسا ہی کریں جو ابوبکر نے کیا تھا؟ (یعنی کسی کو اپنے بعد ولی عہد بنا دیں) ممکن ہے یہ بات قبل ازیں کسی وقت کی ہو کیونکہ مسلم نے معدان کے طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے زخمی ہونے سے قبل ایک مرتبہ اثنائے خطبہ کہا بعض لوگ مجھے مشورہ دیتے ہیں کہ کسی کو ولی عہد نامزد کردوں۔

(فسمى عليا الخ) ابن سعد کی ابن عمر سے روایت میں ہے کہ عبدالرحمن بن عوف، علی اور عثمان کے نام لئے، میں نے

سالم سے پوچھا کیا عبدالرحمٰن کا نام باقی دو سے قبل لیا؟ کہا ہاں! اس سے ظاہر ہوا کہ یہاں رواۃ نے تصرف سے کام لیا ہے، ویسے بھی واؤ برائے ترتیب نہیں ہوتی، حضرت عمر نے عشرہ مبشرہ کے بقیہ زندہ اصحاب کے اسماء گرامی ذکر کئے، ابوبکر اور ابوعبیدہ بن جراح وفات پا چکے تھے، ایک سعید بن زید جو حضرت عمر کے عمزاد (اور بہنوئی) تھے وہ بھی عشرہ میں سے ہیں، تبری من الأمر میں ازراہِ مبالغہ ان کا نام نہیں لیا، البتہ مدائنی نے اپنی اسانید کے ساتھ صراحت کی ہے کہ ان کا نام بھی ان صحابہ میں لیا تھا جن سے رسول خدا راضی تھے جب فوت ہوئے، مگر خلیفہ کے انتخاب کے لئے نامزد کردہ شوری میں انہیں نہ رکھا کیونکہ آپکے رشتہ دار تھے خود ان کی زبانی یہ جملہ نقل کیا: (لا أرب لي في أموركم فأرغب فيها لأحد من أهلي) یعنی مجھے تو خود اپنے لئے تمہارا حاکم بننا پسند نہ تھا چہ جائے کہ اپنے کسی اور رشتہ دار کی نسبت اظہارِ رغبت کروں؟۔

(و قال يشهدكم عبد الله الخ) طبری کی مداینی کے طریق سے روایت میں ہے کہ ایک شخص نے کہا عبداللہ بن عمر کو ولی عہد بنا دیں، حضرت عمر نے کہا واللہ میں نے تو اپنے لئے بھی یہ چاہا نہ تھا۔ ابن سعد بسند صحیح مرسل نخعی سے نقل کرتے ہیں کہ اس شخص سے کہا: (قاتلك الله الخ) اللہ تجھے غارت کرے (پہلے ذکر ہوا کہ یہ عربوں کا روائتی محاورہ تھا، لفظی معنی مقصودِ متکلم نہ ہوتا تھا) میں نے تو اپنے لئے بھی یہ نہ چاہا تھا، کیا اسے ولی عہد بنادوں جو مناسب طریقہ سے اپنی بیوی کو طلاق بھی نہ دے سکا؟

(كهيئة التعزية له) ضمیر کا مرجع ابن عمر ہیں یعنی جب انہیں اہل شوریٰ میں نہ رکھا تو جبرِ خاطر کے طور پہ انہیں اس موقع پر کی جانے والی مشاورت میں رکھا۔ کرمانی کا خیال ہے کہ یہ الفاظ راوی کے ہیں، حضرت عمر کی کلام سے نہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں میں نہیں جانتا انہوں نے قطعیت کے ساتھ کیونکر یہ بات کہہ دی جبکہ دوسرا احتمال بھی ہے، مداینی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر نے انہیں کہا اگر تین افراد ایک رائے پر (اور تین ہی ایک دوسری رائے پر) جمع ہو جائیں تو عبداللہ بن عمر کو حَکَم بنا لینا، اگر اس کا فیصلہ نہ مانو تو اس فریق کی رائے کو مقدم رکھنا جس میں عبدالرحمٰن بن عوف ہوں۔ (فإن أصابت الإمرةُ سعدا) یعنی ابن ابی وقاص، مداینی نے یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے، حضرت عمر نے کہا میرا گمان ہے کہ یا تو علی خلیفہ بنیں گے یا عثمان، اگر عثمان بنے تو ان میں حد سے زیادہ نرمی ہے اور اگر علی بنے تو کئی لوگوں کو ان سے اختلاف ہو جائے گا، سعد بن گئے تو خیر! وگرنہ جو بھی بنے وہ حکومت میں ان سے مدد لے، اس کے بعد ابوطلحہ کو حکم دیا کہ انصار کے پچاس آدمی لیکر ان اہل شوریٰ کے گرد رہو اور انہیں ترغیب دلاتے رہنا کہ (جلد از جلد) اپنے میں کسی شخص کو انتخاب کر لیں۔

(وقالَ أوصِي الخليفة الخ) ابواسحاق کی عمرو بن میمون سے روایت میں ہے کہ علی، عثمان، عبدالرحمٰن سعد اور زبیر کو بلایا، طلحہ غائب تھے پھر ان میں سے سوائے علی اور عثمان سے کسی اور سے بات نہ کی، حضرت علی سے کہا اے علی شائد یہ لوگ تیری قرابتداری اور دامادِ نبی ہونا نیز تیرے علم وفقہ کے مدنظر تجھے اپنا خلیفہ بنا لیں، اگر ایسا ہوا تو اللہ سے ڈرتے رہنا۔ پھر حضرت عثمان کو بلا کر ان سے بھی یہی باتیں کیں، اسرائیل کی ابواسحاق سے روایت میں ہے کہ ان سے کہا اگر تمہیں خلیفہ بنا لیا گیا تو اللہ سے ڈرتے رہنا اور ابومعیط کی اولاد کو لوگوں کے سروں پر نہ بٹھلا دینا، اس کے بعد حضرت صہیب کو بلایا اور کہا تین دن مصلائے امامت سنبھالو اور ان اہل شوریٰ کو ایک گھر میں بند کر دینا اگر کسی ایک آدمی پر اتفاق ہو جائے تو مخالفت کرنے والے کی گردن اڑا دینا، جب یہ لوگ باہر نکلے تو کہا: (إن تُوَلوها الأجلح يسلك بهم الطريق) تو ان کا بیٹا کہنے لگا اے امیر المؤمنین آپکو اسے بنانے میں کیا مانع ہے؟ کہا میں برا سمجھتا

ہو کہ مرنے کے بعد بھی بارِ خلافت کا متحمل بنوں۔ ابن سعد کی صحیح سند کے ساتھ ابن عمر کی روایت میں ہے کہ ان چھ حضرات کو بلوایا سوائے طلحہ کے جو اپنی جاگیر پر گئے ہوئے تھے، سب حاضرِ خدمت ہوئے، ان سے کہا لوگ تم چھ حضرات میں سے ہی کسی کو یہ معاملہ سونپیں گے اور میرا خیال ہے کہ علی، عثمان اور عبدالرحمٰن کے زیادہ امکانات ہیں، پس اگر تم میں سے کوئی اس امر کی باگ ڈور سنبھال لے تو اپنے رشتہ داروں کو لوگوں کے سروں پر سوار نہ کرے، اب جاؤ اور باہم مشورہ کرو، پھر کہا ذرا ٹھہرنا اور کہا اگر میری قضا ہو جاتی ہے تو صہیب تین دن لوگوں کو نمازیں پڑھائیں گے تو جو تم میں سے مسلمانوں کی مرضی کے بغیر امیر بن بیٹھا، اس کی گردن اڑا دینا۔

(بالمهاجرين الأولين) ان سے مراد وہ جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نمازیں ادا کی ہیں (یعنی اس عرصہ میں مسلمان ہوئے جب ابھی مسجد اقصی کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی جاتی تہی) ایک قول کے مطابق جو بیعتِ رضوان میں حاضر تھے، انصار کا تذکرہ ایک مستقل باب میں آ رہا ہے۔ (الذين تبوَّؤُا الدَّارَ) یعنی باقاعدہ ہجرت سے قبل مدینہ آباد ہو گئے۔ (والإيمان) بعض کا دعوی ہے کہ یہ بھی مدینہ کے ناموں میں سے ہے، مگر یہ بعید ہے راجح یہ ہے کہ یہ بھی (تبوؤا الدار) کے ضمن میں شامل ہے یا یہ عاملِ محذوف مثل: (واعتقدوا) کی وجہ سے منصوب ہے یا یہ مفہوم ہے کہ ایمان میں اسقدر ثابت قدم ہیں گویا ایمان ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور گویا وہ اس میں آباد و ساکن ہیں۔ (من حواشي أموالهم) یعنی عمدہ چھانٹ کر نہ لئے جائیں۔ (بذمة الله) سے مراد اہل ذمہ ہیں۔ (بالقتال من ورائهم) کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ان کا کوئی دشمن ان کے درپے آزار ہو تو ان کے معاہدۂ ذمہ کی رو سے ان کا دفاع مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگا۔

حضرت عمر نے اپنی عمر کے آخری لمحات میں رعایا کے تمام طبقات کی بابت ہدایات اور وصایا جاری کیں کیونکہ لوگ یا تو مسلم تھے یا کافر! کافر یا تو حربی ہوگا یا ذمی، حربی تو خارج از مبحث ہے (وہ تو عالم اسلام کا رہائشی نہیں)، ذمیوں کے بارہ میں ہدایت جاری کر دی، پھر مسلمان یا تو مہاجر تھے یا انصاری یا ان دونوں طبقات میں سے نہیں پھر سب یا تو شہری تھے یا بدوی، تو سب کو اس موقع پہ یاد رکھا۔

(مع صاحبيه) روضۂ رسول اور ابوبکر وعمر کی قبور کی ھیئت وصفت اور محلِ وقوع کی بابت متعدد اقوال ہیں، اکثر نے ذکر کیا ہے کہ صدیق اکبر کی قبر آنجناب کی قبر سے پیچھے اور حضرت عمر کی قبر قبرِ صدیق سے پیچھے ہے، یہ بھی قول ہے کہ روضۂ رسول آگے قبلہ کی جانب ہے (یعنی موجودہ نظر آنی والی جالیوں جہاں سلام عرض کرنے والے گزرتے ہیں، کے عین سامنے ہے، قارئین کے ذوق وطبع کی تسکین کیلئے چند اشعار پیش کرتا ہوں جنکی آمد عین سلام پیش کرتے ہوئے ہوئی:

عاشقوں کے ہجوم نے کھل کے رونے نہ دیا   بندش دیں نے بے قابو ہونے نہ دیا
جی چاہتا تھا سناؤں آقا کو حالِ دل   بے ہمتی نے مگر یہ ہونے نہ دیا
دل اشک بن کر چپکے چپکے بہتا رہا   سیلِ مسلسل نے شب بھر سونے نہ دیا
کاش ذرۂ خاک بنکر روضہ سے چمٹ جاتا   مجبوریِ قسمت نے مگر یہ ہونے نہ دیا
جی چاہتا تھا نثار کر دوں ہستیِ ناتواں   ناتوانی نے مگر مری یہ ہونے نہ دیا)

اور ابوبکر کی قبر آنجناب کے کندھوں کی جگہ سے شروع ہوتی ہے، بعض نے یہ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر کی قبر آنحضرت کے سر کے پاس جبکہ حضرت عمر کی قبر آپکے قدموں کے پاس ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ قبرِ صدیق آنجناب کے قدموں اور قبرِ عمر جناب صدیق

کے قدموں کے پاس ہے اس بارے کتاب الجنائز میں بھی بحث گزری ہے۔

(اجعلوا أمركم إلى ثلاثة) یعنی کسی ایک کو نامزد کرنے کا اختیار بجائے چھ کے تین افراد کو سونپ دیا جائے تاکہ تصفیہ کے قریب پہنچ سکیں، یہ مفہوم ابن تین نے ذکر کیا ہے بقول ابن حجر یہ محل نظر ہے اور مداینی کی روایت میں اس کے خلاف مذکور ہے۔

(فقال طلحه الخ) گویا اب اھل شوری کے اجلاس کے وقت وہ مدینہ واپس پہنچ چکے تھے، اس سے مدائنی کی روایت میں مذکور اس جملہ کی تردید ہوئی کہ ان کی واپسی حضرت عثمان کی بیعت ہو جانے کے بعد ہوئی تھی۔ (والله الخ) لفظِ جلالت کی پیش کے ساتھ، خبر محذوف ہے أی (عليه رقيب) وغیرہ۔

(لينظر ن أفضلهم في نفسه) یعنی اپنے خیال ورائے میں افضل کا انتخاب کریگا، مدائنی کی روایت میں ہے اس پر حضرت عثمان بولے سب سے پہلے میں راضی ہوں حضرت علی کہنے لگے (اس شرط پر آپکو یہ اختیار دینے پہ راضی ہوتا ہوں) کہ آپ وعدہ کریں کہ حق کو ترجیح دینگے اور قرابتداری کا خیال نہیں کرینگے، وہ بولے ٹھیک ہے پھر کہنے لگے لیکن آپ سب بھی وعدہ کریں کہ میرے فیصلہ کی تائید کرینگے اور مخالفت کرنے والے کے مقابلہ میں میرا ساتھ دینگے۔

(فأسكت الشيخان) کاف مکسور ہے، زبر بھی جائز ہے تب بمعنی (سکت) ہوگا، شیخین سے مراد عثمان وعلی ہیں۔

(فأخذ بيد أحدهما) حضرت علی کا ہاتھ پکڑا، آگے کی عبارت سے یہ اشارہ ملتا ہے، ابن فضیل عن حصین عن حصین کی روایت میں اس کی تصریح بھی ہے۔ (والقدم) قاف پر۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔ زبر اور زیر دونوں درست ہیں، مدائنی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت علی سے کہا بالفرض اگر آپکو اپنے سوا ان میں سے کسی کو خلیفہ بنانے کا کہا جاتا تو کسے مستحق سمجھتے؟ انہوں نے کہا عثمان کو۔

(ما قد علمت) القدم کی صفت یا اس سے بدل ہے۔ (ثم خلا بالآخر الخ) مدائنی کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد نے انہیں حضرت عثمان کو خلیفہ منتخب کرنے کا مشورہ دیا، یہ بھی کہ عبدالرحمٰن بن عوف ان تین دنوں میں (یعنی مذکورہ اتفاق ہو جانے کے بعد) مدینہ کے تمام صحابہ اور مدینہ میں آنے والے تمام اَشراف سے ملے، سبھی کی رائے حضرت عثمان کے حق میں تھی (اس سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عثمان کا انتخاب دورِ حاضر کے جمہوری انتخابی طریقہ کے مطابق ہوا، حضرت ابن عوف گویا افسرِ انتخاب۔ پریذائنڈنگ آفیسر۔ تھے اور سب سے استفسار کیا البتہ اتنا فرق ہے کہ امیدواران کو انتخابی مہم چلانے کی اجازت نہ تھی اور نہ یہ ووٹنگ بذریعہ بیلٹ ہوئی، اللہ کے رسول کے ایک جلیل القدر صحابی پر کلی اعتماد کیا گیا، بعض علماء موجودہ جمہوریت کو خلاف اسلام کہتے ہیں ہمارے حضرت صاحب جب انتخاب جیت جاتے تو جمہوریت کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے اور جب ہار جاتے تو میرے کانوں نے ان سے سنا کہ جمہوریت اور اسلام میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کفر اور اسلام میں، میں کہتا ہوں بے شک اس جمہوریت میں بقول اقبال: بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔ مگر دوسرے معاصر نظاموں اور طریقوں سے تو بہتر ہے جن میں ایک فوجی خود ہی صدر بن جاتا ہے اور پھر فردِ واحد کی حکومت قائم کرتا ہے، عوام کو جب بھی موقع ملا، اکثر غلط فیصلہ نہیں کیا، موجودہ ۱۸ فروری ۲۰۰۸ کا انتخاب اس کی نمایاں مثال ہے، مصیبت یہ ہے کہ اس مغربی جمہوریت کو بھی اس کے پورے اصولوں کے ساتھ نہیں چلایا جاتا اور ہمارے منتخب شدہ افراد لوٹے بن جاتے ہیں مگر اس کا حل یہی ہے کہ مسلسل انتخاب کرائے جائیں، عوام خود ہی اس قسم کے افراد کو مسترد کر دینگے، یہ جو درمیان میں فوجی شبخون مار جاتے ہیں ان کا سلسلہ ختم ہو تو اس نظام کی خوبیاں اجاگر ہوں۔ اس نظام جمہوریت کی مخالفت کرنے والے بتلائیں پھر یہ نہیں

تو اسلام نے انتخابِ خلیفہ کا کیا طریقہ بتلایا ہے؟ کوئی بھی نہیں، یہی اس امر کی دلیل ہے کہ اسلام نے یہ معاملہ لوگوں کی صوابدید پر چھوڑا ہے اسلام کی ساری ہدایات مابعد انتخاب سے تعلق رکھتی ہیں کہ اب اگر کوئی بن گیا ہے تو اسے حکومت کیسے کرنی چاہیے، لوگوں کی صوابدید پر معاملہ چھوڑنے کا اشارہ بخاری کی ایک روایت سے بھی ملتا ہے جس میں ہے کہ نبی اکرم نے فرمایا میں نے ارادہ کیا کہ ابوبکر کو نامزد کر جاؤں لیکن پھر یہ ارادہ ترک کر دیا اور گمان کیا کہ اللہ تعالی انہیں ہی اس پر فائز کرے گا، سوال یہ ہے کہ اللہ تعالی نے فرشتہ تو نہیں بھیجنا تھا، اور نہ بھیجا کہ ابوبکر کو خلیفہ بنائیں، پھر کیا ہوا؟ اللہ نے لوگوں کے دلوں میں ڈالدیا کہ یہی اس کے حقدار ہیں، یہی تو جمہوریت ہے۔

ایک محفل میں جب مذکورہ حضرت صاحب جمہوریت کو کفر قرار دے رہے تھے کیونکہ حلقہ کے عوام کی بد ذوقی کے طفیل اس دور کا انتخاب ہارے ہوئے تھے، میں نے عرض کی آپ جمہوریت کی کیسے نفی کر سکتے ہیں؟ آپکی کتبِ حدیث کی شروح، کتب فقہ، کتب تفسیر اور کتبِ نحو وصرف میں جگہ جگہ لکھا ہوا ہے کہ اس مسئلہ میں فلاں کا یہ موقف ہے، فلان کی یہ رائے ہے اور جُمہور یہ کہتے ہیں اور کلی طور پر جمہور کی رائے ہی قبول کی جاتی ہے، اس پر وہ تو بالکل خاموش رہے البتہ ان کے ساتھ اسلام آباد کے ایک مولانا کھڑے تھے وہ بولے: نہیں یار، یہ کوئی اور بات ہے! سبحان اللہ۔ ایک ڈاکٹر صاحب جنکی ایک تنظیمِ اسلامی بھی ہے، نظامِ خلافت کا بہت پرچار کرتے رہتے ہیں، اب شائد مایوس سے ہوگئے ہیں، ایڈیٹر نوائے وقت مجید نظامی لکھتے ہیں میں نے ان سے پوچھا حضرت مان لیا نظامِ خلافت بہترین ہے مگر یہ بتلائیں خلیفہ کسے بنائیں؟ کہتے ہیں اس پر شرما گئے فرطِ حیا سے یہ نہ کہہ سکے کہ خاکسار بنے گا اور کون بنے گا؟ عموما علمائے کرام کہتے رہتے ہیں کہ یہ کیسا نظامِ جمہوریت ہے جس میں بدمعاش اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں، ان سے عرض ہے کہ بدمعاش تبھی پہنچتے ہیں جب آپ میدان خالی چھوڑ دیتے ہیں، آپ اسلام و مذہب کے نام سے اتحاد بنا کر ۲۰۰۲ میں آئے تو قوم نے آپکی ایک کثیر تعداد کو اسمبلیوں میں پہنچایا، قائد حزبِ اختلاف بھی آپ بنے، ایک صوبہ کی حکومت بھی آپ نے سنبھالی پھر کیا کارکردگی رہی؟ ڈکٹیٹر کو آپ نے مضبوط کیا، اس کے حسب منشا ترامیم کی منظوری میں آپ واسطہ بنے، پھر اگلے الیکشن میں یہ اتحاد بھی توڑ دیا اور ابھی قوم سے آپ توقع کرتے ہیں کہ دوبارہ کیوں نہیں جتلایا، میں یہ نہیں کہتا کہ موجودہ طریقِ انتخاب بہترین ہے مگر یہ ضرور کہتا ہوں دستیاب طریقوں میں یہ سب سے اچھا ہے، ذرا اسے چلنے تو دیا جائے، لوگوں کے شعور کو غلط نہ سمجھیئے، یہی عوام ہیں جنہوں نے بھٹو و نواز شریف وغیرہ کو دوتہائی اکثریت دی پھر مایوس ہوئے اور ان کی حکومتیں چھنیں تو عوام نے کسی ردعمل کا اظہار نہ کیا، اس انتخاب ۲۰۰۸ میں ق لیگ کے ساتھ کیا ہوا؟۔ آپ بھروسہ کریں کردار اچھا بنائیں آپ بھی آگے آئینگے، دوغلی باتیں اور منافقانہ پالیسیاں چھوڑ دیں اگر جمہوریت وانتخاب پسند نہیں تو پھر بتلائیں کسطرح حکمران کا انتخاب ہو؟، آپ شوری کی بات کرینگے، آپ نے ضیاء الحق کی شوری کا ذائقہ بھی چکھ لیا، کیا حاصل ہوا؟ آپ اپنے اوپر اسلام نافذ کریں لوگوں کو ان کے حقوق دیں نظامِ اسلام خود اپنا راستہ بنالے گا)۔

امام بخاری نے قصہِ شوری کتاب الأحکام میں بھی حمید بن عوف عن مسور بن مخرمہ کے حوالے سے بیان کیا ہے وہاں کا سیاق اس سے اتم ہے۔ ابن بطال کہتے ہیں اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مفضول افضل پر والی و حاکم بن سکتا ہے کیونکہ یہ چھ حضرات فضیلت و مرتبہ میں ایک جیسے نہ تھے، کہتے ہیں سقیفہ بنی ساعدہ کے موقع پر حضرت ابوبکر کے اس جملہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے: (قد رضيت لكم أحد الرجلين عمر و أبي عبيدة) حالانکہ جانتے تھے کہ وہ خود ان سے افضل ہیں۔ ابن حجر لکھتے ہیں حضرت عمر کا خلافت کو ان چھ میں مقصور کر دینا اور معاملہ ان کی رائے و اجتہاد پر چھوڑ دینا باعثِ اشکال سمجھا گیا ہے، حضرت ابوبکر کا طریقہ اختیار نہیں

کیا کیونکہ اگر ان کی رائے میں مفضول کی فاضل پر ولایت جائز نہیں تو ان کی یہ کاروائی ظاہر کرتی ہے کہ ان چھ کے ماسوا ان کی نظر میں مفضول تھے اگر یہ معروف ہوا تو ان چھ کے بعض کی بعض پر افضلیت ان پر مخفی نہ تھی اور اگر جائز ہے تو گویا ان چھ کے مَن سوا میں سے بھی کسی کا خلیفہ بن جانا ممکن تھا؟ اول کا جواب دوسرے کے جواب میں داخل ہے وہ یہ کہ ان کے نزدیک آنجناب کی صنیع کہ کسی کو نامزد نہیں فرمایا اور ابوبکر کی صنیع کہ اپنا ولی عہد نامزد کر دیا، باہم متعارض ہوئیں تو چاہا کہ ایسا طریقہ اختیار کریں جس میں سابق الذکر دونوں طریقے شامل ہوں تو ان کے صنیع میں استخلاف اور ترکِ تعیینِ خلیفہ، دونوں شامل تھے (یعنی محدود نامزدگی کر دی) تو اس طرح موقع فراہم کیا کہ معاملہ باہمی مشورہ سے طے ہو اور بالخصوص دار الہجرت جہاں اکثر صحابہ موجود تھے، کے اہل کی رائے اس میں شامل ہو، باقی ممالک اور علاقے تو ان کے تبع تھے۔

علامہ انور روایتِ ھذا کی مختلف عبارات کے ضمن میں اپنا موقف پیش کرتے ہوئے (وقف علی حذیفة و عثمان بن حنیف) کے تحت کہتے ہیں ان دونوں کو عراق میں تعیینِ خراج کیلئے بھیجا تھا (حتی یجتمع الناس) (یعنی حضرت عمر پہلی رکعت میں قراءت طویل کرتے تھے تاکہ بعد میں آنے والے حضرات بھی رکعت کو پاسکیں) کے تحت لکھتے ہیں یہ اس امر کی دلیل ہے کہ مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہے اسی لئے ان کا انتظار کرتے تھے کہ مجتمع ہو جائیں، جب جمع ہو جاتے تو رکوع کرتے (ان کا یہ آخری جملہ سابقہ بات کے متناقض ہے، مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت تو تب بنتے جب وہ رکوع میں آشامل ہوں، خود کہہ رہے ہیں کہ جب شامل ہو جاتے تب رکوع کرتے پھر مدرکِ رکوع کیسے ہوئے؟) لکھتے ہیں بخاری نے اپنے رسالہ (جزء قراءۃ الفاتحہ مراد ہے) میں دعوی کیا ہے کہ ان میں سے جن کی رائے تھی کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا واجب ہے، انہوں نے یہ نہیں کہا کہ مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہے، میں کہتا ہوں یہ خلافِ واقع ہے۔ (الحمد الله الذی لم یجعل میتتی الخ) کے تحت لکھتے ہیں یہ اس لئے کہ مقتول کے ذنوب قاتل کے نامہ اعمال میں ڈال دیئے جاتے ہیں تو اگر قاتل مسلمان ہوتا تو ان کے ذنوب اس پر مطروح کر دیئے جانے تھے، اس امر کو برا سمجھا (وما دة الإسلام) کی بابت کہتے ہیں، مادہ کا ترجمہ ہے (اردو میں لکھا ہے): سامان وجر! (شائد یہاں کتابت کی کوئی غلطی ہے) کہتے ہیں میرے نزدیک یہ مایة کا معرب ہے دال کی تشدید میری نظر میں لحن ہے، الشمس البازغة میں ملا محمود جونپوری نے غلط لکھا ہے۔

9 باب مَنَاقِبُ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ الْقُرَشِيِّ الْهَاشِمِيِّ أَبِي الْحَسَنِ (مناقبِ علیؓ)

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعَلِيٍّ أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ .وَقَالَ عُمَرُ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ عَنْهُ رَاضٍ. نبی پاک نے حضرت علی سے فرمایا میں تجھ سے ہوں اور تم مجھ سے، اور آنجناب جب فوت ہوئے تو ان سے راضی تھے۔

حضرت علی کے والد حضرت ابو طالب آنجناب کے والد محترم حضرت عبداللہ کے سگے بھائی تھے، ان کے نام کی بابت صحیح قول یہ ہے کہ عبد مناف تھا، حضرت علی وقتِ بعثت دس برس کے تھے ان کی تربیت آنجناب کے ہاں ہوئی اس بارے ایک قصہ کتبِ سیرت میں مذکور ہے، صغرسنی سے لیکر نبی پاک کی وفات تک آپ ہی کے ساتھ رہے، ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہیں، ابو طالب کی عمزاد اور پہلی ہاشمیہ تھیں جنہوں نے کسی ہاشمی کیلئے اولاد جنی، اسلام لے آئیں تھیں صحابیہ ہیں اور عہد نبوی میں انتقال کیا، احمد، اسماعیل قاضی، نسائی اور ابو علی نیشاپوری اسانیدِ جیاد کے ساتھ کہتے ہیں کسی صحابی کے حق میں اتنے فضائل مروی نہیں جتنے حضرت علی کی بابت

ہیں، اس کا سبب یہ بنا کہ نبی پاک کے بعد ایک طویل عرصہ زندہ رہے پھر بطورِ خلیفہ ان کا زمانہ باہمی اختلافات کا شکار رہا ان کے خلاف بغاوتیں ہوئی اس کشاکش میں ان کے حامیوں نے ان کے مناقب کو یاد رکھا اور منتشر کیا، آخر حضرت علی کی مخالفت بڑھی، ایک گروہ ایسا پیدا ہوا جو منبروں پر ان کی تنقیصِ شان کرنے لگا، ان پر لعنت بھیجنا (نعوذ بالله من ذلك) اپنا شعار بنالیا حتی کہ خوارج نے تو آپ کی تکفیر کردی، تو ان کی نسبت لوگ تین فرقوں میں تقسیم ہو گئے: اہل سنت، بدعتی خوارج اور ان سے لڑائی کرنے والے بنی امیہ اور ان کے اتباع، تو اس وسیع مخالفت کے پیش نظر اہل سنت نے آپ کے فضائل و مناقب کے تفصیلی نقل و بیان کا اہتمام کیا لہٰذا ناقلین کی تعداد کثیر ہوئی، یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ بوقتِ اسلام ان کی عمر آٹھ برس تھی ابن اسحاق نے دس برس ذکر کیا ہے، یہی ارجح ہے۔ (وقال النبی ﷺ أنت منی الخ) یہ حضرت براء بن عازب کی بنت حمزہ کے ذکر والی روایت کا حصہ ہے، کتاب الصلح اور عمرۃ القضاء میں مطولاً موصول گزری ہے شرح المغازی میں آئیگی۔ امام بخاری اس باب کے تحت سات احادیث لائے ہیں۔

3701 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ ؓ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلاً يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَى يَدَيْهِ قَالَ فَبَاتَ النَّاسُ يَدُوكُونَ لَيْلَتَهُمْ أَيُّهُمْ يُعْطَاهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ النَّاسُ، غَدَوْا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كُلُّهُمْ يَرْجُو أَنْ يُعْطَاهَا فَقَالَ أَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ .فَقَالُوا يَشْتَكِي عَيْنَيْهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ .قَالَ فَأَرْسِلُوا إِلَيْهِ فَأْتُونِي بِهِ .فَلَمَّا جَاءَ بَصَقَ فِي عَيْنَيْهِ، وَدَعَا لَهُ، فَبَرَأَ حَتَّى كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ وَجَعٌ، فَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ .فَقَالَ عَلِيٌّ يَا رَسُولَ اللَّهِ أُقَاتِلُهُمْ حَتَّى يَكُونُوا مِثْلَنَا فَقَالَ انْفُذْ عَلَى رِسْلِكَ حَتَّى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الإِسْلاَمِ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللَّهِ فِيهِ، فَوَاللَّهِ لأَنْ يَهْدِيَ اللَّهُ بِكَ رَجُلاً وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ .أطرافه 2942، 3709، 4210۔ (ترجمہ کیلئے: جلد چہارم کتاب الجهاد)

فتح خیبر کے بارہ میں اس حدیث کی شرح المغازی میں ہوگی۔

3702 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ كَانَ عَلِيٌّ قَدْ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي خَيْبَرَ وَكَانَ بِهِ رَمَدٌ فَقَالَ أَنَا أَتَخَلَّفُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَخَرَجَ عَلِيٌّ فَلَحِقَ بِالنَّبِيِّ ﷺ، فَلَمَّا كَانَ مَسَاءُ اللَّيْلَةِ الَّتِي فَتَحَهَا اللَّهُ فِي صَبَاحِهَا، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ أَوْ لَيَأْخُذَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلاً يُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَوْ قَالَ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَيْهِ .فَإِذَا نَحْنُ بِعَلِيٍّ وَمَا نَرْجُوهُ، فَقَالُوا هَذَا عَلِيٌّ .فَأَعْطَاهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَفَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ .طرفاه 2975، 4209 (سابقہ حوالہ)

حضرت سلمہ بن اکوع سے مروی یہ حدیث بھی سابقہ کے ہم مفہوم ہے، دونوں حدیثوں کے اس جملہ: (إن عليا يحب الله الخ) سے مراد حقیقتِ محبت کا وجود ہے وگرنہ تو ہر مسلمان اس عمومی لحاظ سے اس صفت میں حضرت علی کے ساتھ مشترک

ہے، دراصل یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف تلمیح ہے: (قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ) [آل عمران : ۳۱]، گویا آپ نے یہ اشارہ دیا کہ حضرت علی کامل الاتباع للرسول ہیں حتی کہ وہ بصفۃ محبۃ اللہ لہ متصف ہوئے اسی لئے ان سے محبت علامتِ ایمان اور ان سے بغض کو علامتِ نفاق قرار دیا جیسا کہ مسلم کی حضرت علی سے روایت میں مذکور ہے، احمد کی حدیثِ ام سلمہ اس کا شاہد ہے۔

3703 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلاً جَاءَ إِلَى سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ فَقَالَ هَذَا فُلاَنٌ لأَمِيرِ الْمَدِينَةِ يَدْعُو عَلِيًّا عِنْدَ الْمِنْبَرِ. قَالَ فَيَقُولُ مَاذَا قَالَ يَقُولُ لَهُ أَبُو تُرَابٍ. فَضَحِكَ قَالَ وَاللَّهِ مَا سَمَّاهُ إِلاَّ النَّبِيُّ ﷺ، وَمَا كَانَ لَهُ اسْمٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْهُ. فَاسْتَطْعَمْتُ الْحَدِيثَ سَهْلاً، وَقُلْتُ يَا أَبَا عَبَّاسٍ كَيْفَ قَالَ دَخَلَ عَلِيٌّ عَلَى فَاطِمَةَ ثُمَّ خَرَجَ فَاضْطَجَعَ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ. قَالَتْ فِي الْمَسْجِدِ. فَخَرَجَ إِلَيْهِ فَوَجَدَ رِدَاءَهُ قَدْ سَقَطَ عَنْ ظَهْرِهِ، وَخَلَصَ التُّرَابُ إِلَى ظَهْرِهِ، فَجَعَلَ يَمْسَحُ التُّرَابَ عَنْ ظَهْرِهِ فَيَقُولُ اجْلِسْ يَا أَبَا تُرَابٍ. مَرَّتَيْنِ. أطرافه 441، 6204، 6280

راوی کہتے ہیں ایک شخص سہل بن سعد کے پاس آیا اور کہنے لگا فلان، امیرِ مدینہ منبر پر کھڑے ہوکر حضرت علی کے خلاف باتیں کرتا ہے، وہ بولے کیا کہتا ہے؟ کہا انہیں ابوتراب کہتا ہے، وہ ہنس پڑے اور کہا اللہ کی قسم یہ لقب انہیں نبی پاک نے دیا تھا اور انہیں اس سے زیادہ کوئی نام اچھا نہ لگتا تھا، راوی کہتے ہیں میں نے سہل سے مزید تفصیل چاہی اور کہا یہ کیسے؟ کہا ایک مرتبہ علی حضرت فاطمہ کے پاس گئے پھر نکل کر مسجد میں جا کر لیٹ گئے بعد ازاں نبی پاک نے حضرت فاطمہ سے پوچھا تمہارا عمزاد کہاں ہے؟ وہ بولیں مسجد میں، تو آپ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ ان کی چادر کمر سے ہٹی ہوئی ہے اور اس پہ مٹی لگی ہے تو آنجناب نے مٹی صاف کرنا شروع کی اور کہتے جاتے تھے اے ابوتراب اٹھو بیٹھ جاؤ، دو مرتبہ کہا۔

عبدالعزیز اپنے والد ابوحازم سلمہ بن دینار سے راوی ہیں۔ (إن رجلا الخ) اس کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ (هذا فلان الخ) اس فلان کا بھی نام معلوم نہیں ہو سکا۔ (يدعو عليا الخ) طبرانی کی ایک دیگر طریق کے ساتھ عبدالعزیز سے روایت میں ہے: (يدعوك لِتَسبَّ علياً)۔

(ما سماه الخ) یعنی ابوتراب کا نام (لقب) نبی پاک نے دیا تھا۔ (فاستطعمت الحديث سهلا) بطور استعارہ استطعام کا لفظ طلبِ کلام کیلئے استعمال کیا کیونکہ دونوں کے مابین جامع (یعنی قدر مشترک) ذوق ہے، طعام کا ذوق حسی اور کلام و حدیث کا ذوق معنوی ہے، اسماعیلی کے روایت میں ہے کہ میں نے کہا (كيف كان أمره)۔ یعنی یہ کیسے ہوا؟

(أين ابن عمك الخ) طبری کی روایت میں ہے کہ کہا میرے اور ان کے مابین کوئی معاملہ ہوا جس کے سبب ناراض ہو گئے۔ (اجلس يا أبا تراب الخ) بظاہر ابوتراب کا لقب اولین دفعہ یہیں استعمال کیا، ابن اسحاق نے اپنے طریق سے اور احمد نے عمار بن یاسر سے روایت کیا ہے کہ غزوۃ العسرۃ میں میں اور حضرت علی ایک کھجور کے درخت کے سائے میں سو گئے تو ہمیں اس وقت ہوش آیا جب آنجناب پاؤں مبارک کے ساتھ جگاتے ہوئے حضرت علی سے کہہ رہے تھے: (قم يا أبا تراب) کیونکہ ان پر مٹی پڑی

ہوئی تھی، یہ اگر ثابت ہے تو ایک اور موقع پر بھی اسی لقب سے پکارا، ابن عباس کی ایک روایت میں اس ناراضی کا سبب بھی مذکور ہے وہ یہ کہ جب آنجناب نے سلسلہ مواخات قائم کیا تو ان کی کسی کے ساتھ مواخات قائم نہیں کی تو مسجد میں جا کر سو گئے، پورا قصہ ذکر کیا اس کے آخر میں ہے کہ ان سے فرمایا: (قُمْ فأنت أخي) اسے طبرانی نے نقل کیا ہے، ابن عساکر کے ہاں بھی حضرت جابر بن سمرہ سے یہی ہے مگر حدیثِ باب اصح ہے اور تطبیق بھی ممکن نہیں کیونکہ قصہِ مواخات ہجرت کے فورا بعد کے زمانہ سے متعلق ہے اور حضرت فاطمہ کے ساتھ شادی ایک مدت بعد ہوئی تھی۔

3704حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عُمَرَ فَسَأَلَهُ عَنْ عُثْمَانَ فَذَكَرَ عَنْ مَحَاسِنِ عَمَلِهِ قَالَ لَعَلَّ ذَاكَ يَسُوؤُكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَرْغَمَ اللَّهُ بِأَنْفِكَ ثُمَّ سَأَلَهُ عَنْ عَلِيٍّ فَذَكَرَ مَحَاسِنَ عَمَلِهِ قَالَ هُوَ ذَاكَ بَيْتُهُ أَوْسَطُ بُيُوتِ النَّبِيِّ ﷺ .ثُمَّ قَالَ لَعَلَّ ذَاكَ يَسُوؤُكَ قَالَ أَجَلْ قَالَ فَأَرْغَمَ اللَّهُ بِأَنْفِكَ، انْطَلِقْ فَاجْهَدْ عَلَيَّ جَهْدَكَ .أطرافه 3130، 3698، 4066، 4513، 4514، 4650، 4651، 7095۔ (اسی جلد کے نمبر:3698 پر ترجمہ موجود ہے)

سند میں حسین سے مراد ابن علی جعفی ہیں۔ (عن محاسن عمله) ذکر کو أخبر کے معنی کے ضمن میں کرتے ہوئے (عن) بطورِ صلہ استعمال کیا، اسماعیلی کی روایت میں ہے: (فذكر أحسن عمله) شائد جیش عسرۃ کی تیاری میں ان کا انفاق اور بئر رومہ کو خرید کر اسے سبیل بنا دینا (ابن حجر نے یہ لفظ استعمال کیا ہے: تسبيله)، حضرت علی کے محاسنِ عمل بھی ذکر کئے مثلا جنگ بدر میں شرکت، مرحب کا ان کے ہاتھوں قتل ہونا اور فتح خیبر وغیرہ۔

(أوسط بيوت النبي الخ) یعنی أحسنها بناءً۔ داؤدی کہتے ہیں اس کا معنی ہے کہ وہ ان کے وسط میں ہے (مفہوم یہ کہ ہر لحاظ سے یعنی دونوں طرف سے عمدہ خاندان والے، اردو میں اسے نجیب الطرفین کہتے ہیں)، نسائی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: (لا تسأل عن عليٍّ ولكن انظرْ إلى بيته مِن بيوت النبيﷺ) کہ علی کے بارہ میں کیا پوچھتے ہو، نبی اکرم کے گھرانوں میں اس کا گھرانہ تو دیکھو، انہی کی علاء بن عیزار سے روایت میں ہے کہ میں نے ابن عمر سے حضرت علی کے بارہ میں پوچھا تو کہنے لگے: (انظر إلى منزله من النبيﷺ ليس في المسجد غير بيته) یعنی آنجناب کے ہاں ان کا مقام ومرتبہ تو دیکھو، مسجد نبوی میں ان کے سوا کسی اور صحابی کا گھر نہیں تھا (پہلے ذکر ہوا کہ ان کے گھر کا دروازہ مسجد کے اندر تھا، کسی اور طرف سے راستہ ہی نہ تھا، آجکل روضہِ رسول جو مسجد نبوی کے ہال کے بائیں جانب کونے میں ہے، سے باہر ایک دیوار کے اندر تھوڑا سا احاطہ ہے جو روضہِ رسول والے خارجی دروازے اور بابِ جبریل کے درمیان واقع ہے اس کے پاس ایرانی اور شیعانِ علی کا ہجوم رہتا ہے، کہا جاتا ہے یہ حضرت علی وفاطمہ کا گھر تھا)۔

(بأنفك) باء زائدہ ہے (لفظی ترجمہ تیری ناک مٹی میں رل جائے) یعنی اللہ تیرا برا کرے، یہ سقوط علی الأرض سے مشتق ہے کہ ایسا ہونے سے چہرہ کو رغام یعنی مٹی لگ جائے گی، عطاء کی روایت میں ہے وہ ابن عمر کی باتیں سنکر کہنے لگا میں تو انہیں مبغوض سمجھتا ہوں، اس پر وہ بولے (أبغضك الله تعالىٰ) اللہ تجھے مبغوض کرے۔ یہ حدیث بخاری کے افراد میں سے ہیں۔

3705حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِی لَيْلَى قَالَ حَدَّثَنَا عَلِیٌّ أَنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلاَمُ شَكَتْ مَا تَلْقَى مِنْ أَثَرِ الرَّحَا، فَأَتَى النَّبِیَّ ﷺ سَبْیٌ، فَانْطَلَقَتْ فَلَمْ تَجِدْهُ، فَوَجَدَتْ عَائِشَةَ، فَأَخْبَرَتْهَا، فَلَمَّا جَاءَ النَّبِیُّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ عَائِشَةُ بِمَجِیءِ فَاطِمَةَ، فَجَاءَ النَّبِیُّ ﷺ إِلَيْنَا، وَقَدْ أَخَذْنَا مَضَاجِعَنَا فَذَهَبْتُ لأَقُومَ فَقَالَ عَلَى مَكَانِكُمَافَقَعَدَ بَيْنَنَا حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمَيْهِ عَلَى صَدْرِی وَقَالَ أَلاَ أُعَلِّمُكُمَا خَيْرًا مِمَّا سَأَلْتُمَانِی إِذَا أَخَذْتُمَا مَضَاجِعَكُمَا تُكَبِّرَا أَرْبَعًا وَثَلاَثِينَ وَتُسَبِّحَا ثَلاَثًا وَثَلاَثِينَ، وَتَحْمَدَا ثَلاَثَةً وَثَلاَثِينَ، فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمَا مِنْ خَادِمٍ .أطرافه 3113، 5361، 5362، 6318۔ (ترجمہ کیلئے دیکھئے: جلد چہارم، کتاب فرض الخمس)

اسکی مفصل شرح کتاب الدعوات میں آئیگی، مناقبِ علی کے ترجمہ کے ساتھ وجہِ مطابقت یہ ہے کہ نبی اکرم کا رات کے اس حصہ میں ان کے ہاں آنا اور یوں بے تکلفی سے ان کے ساتھ بیٹھ جانا پھر ان کیلئے وہی عمل پسند کرنا جو اپنی بیٹی کیلئے کیا آپ کی آپکی نظر میں ان کے عالی مرتبت ہونے کی دلیل ہے کتاب الخمس میں گزرا تھا کہ آنجناب نے ان کے مطالبہ کو اسلئے پورا نہ کیا کہ آپ اس مال کو اصحابِ صفہ کے ساتھ مختص کرنا چاہتے تھے۔

3706حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ الْجَعْدِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ اقْضُوا كَمَا كُنْتُمْ تَقْضُونَ، فَإِنِّی أَكْرَهُ الاِخْتِلاَفَ حَتَّى يَكُونَ لِلنَّاسِ جَمَاعَةٌ، أَوْ أَمُوتَ كَمَا مَاتَ أَصْحَابِی .فَكَانَ ابْنُ سِيرِينَ يَرَى أَنَّ عَامَّةَ مَا يُرْوَى عَلَى عَلِیٍّ الْكَذِبُ

حضرت علی نے کہا جس طرح تم پہلے فیصلہ کرتے تھے اسی طرح کرو کہ میں اختلاف کو برا سمجھتا ہوں سب لوگوں کو ایک جماعت کی شکل دیکھنا چاہتا ہوں یا میں بھی اپنے ساتھیوں کی طرح دنیا سے رخصت ہو جاؤں، ابن سیرین کا خیال تھا کہ حضرت علی کی طرف (ابوبکر وعمر کی مخالفت میں) جو روایات منسوب کی جاتی ہیں وہ جھوٹ ہیں۔

عبیدہ عین کی زبر کے ساتھ، سے مراد ابن عمر سلمانی ہیں۔ (اقضوا الخ) کشمیہنی کے نسخہ میں اس کے بعد (علیٰ) بھی ہے، حماد بن زید عن ایوب کی روایت میں ہے کہ اس کا سبب ام ولد کی بیع کے بارہ میں ان کا قول تھا، ان کی اور حضرت عمر کی رائے تھی کہ ام ولد کو فروخت کرنا جائز نہیں، بعد ازاں رجوع کر لیا تھا، عبیدہ کہتے ہیں میں نے ان سے کہا آپکی رائے اور حضرت عمر کی رائے کا فی الجماعت ہونا مجھے اس امر سے زیادہ پسند ہے کہ آپ اس رائے میں تنہا ہوں، تو اس پر حضرت علی نے مذکورہ بات کہی، حماد بن زید کی روایت جسے ابن منذر نے تخریج کیا ہے، میں ہے راوی کا بیان ہے مجھے عبیدہ نے بتلایا کہ حضرت علی نے مجھے اور شریح کو پیغام بھیجا مجھے اختلاف سے نفرت ہے ویسا ہی فیصلہ کرو جو قبل ازیں تم کرتے تھے (گویا اپنی ذاتی رائے کا پابند نہ کیا)۔

(فإنی أكره الاختلاف) جس سے نزاع وفتنہ پیدا ہو، ابن تین کہتے ہین اس سے مراد ابوبکر وعمر کی مخالفت ہے مگر دوسرے اہلِ علم پہلا معنی مراد لیتے ہیں، بعد کا جملہ (حتی يكون الناس جماعة) اس کی تائید کرتا ہے۔ (أو أموت) رفع و

نصب، دونوں جائز ہیں۔ (كما مات أصحابى) یعنی آخر دم تک اس روش پر قائم رہنا چاہتا ہوں۔ (فكان ابن سيرين الخ) اسی سند کے ساتھ موصول ہے، حماد بن زید کی ایوب سے روایت میں اس کی تفصیل ہے، کہتے ہیں ابومعشر سے کہنے لگے میں ان کثیر باتوں کو جوتم حضرت علی سے منسوب کرتے ہو، مشکوک سمجھتا ہوں (نہج البلاغۃ کثیر خطبات، فصیح و بلیغ عبارات اور معمہ سے مشابہ سوالوں اور حضرت علی کے جوابات سے بھری پڑی ہے، اسے پڑھ کر یوں لگتا ہے جیسے حضرت علی کو فصیح و بلیغ تقاریر اور معموں کو حل کرنے کے سوا کوئی اور کام ہی نہ تھا حالانکہ مختصر عہد خلافت تھا اور وہ بھی جنگوں اور کشاکش سے بھرا ہوا)۔ ابن حجر کہتے ہیں ابومعشر سے مراد زیاد بن کلیب کوفی ہیں یہ ثقہ تو ہیں، صحیح مسلم میں ان کی روایت بھی ہے، ابن سیرین کی مراد ان لوگوں کے اتہام سے تھی جن سے زیاد روایت کیا کرتا تھا، وہ حارث اعور جیسوں سے بھی نقل و روایت کیا کرتا تھا۔

(عن على الكذب) اس سے مراد حضرت علی کی طرف رافضیوں نے جو اقوال منسوب کئے ہیں جن سے ابوبکر وعمر کی مخالفت مترشح ہوتی ہے، ابن سعد نے بسند صحیح ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اگر کوئی ثقہ ہمیں حضرت علی کا کوئی فتوی بیان کریگا تو ہم اس سے تجاوز نہ کریں گے۔

3707حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدٍ قَالَ سَمِعْتُ إِبْرَاهِيمَ بْنَ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعَلِيٍّ أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى.

طرفه 4416.

حضرت سعد راوی ہیں کہ نبی اکرم نے حضرت علی سے فرمایا کیا تم اس بات پہ خوش نہیں کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے حضرت موسی کیلئے حضرت ہارون؟

سعد سے مراد ابن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔ (سمعت ابراهيم بن سعد) یعنی ابن ابی وقاص، (قال النبى لعلى الخ) المغازی کے غزوہ تبوک کے تحت ذکر کردہ روایتِ سعد میں اس کا سبب بھی مذکور ہے۔ (أما ترضى الخ) بمنزلۃ کی باء زائدہ ہے، سعید بن مسیّب کی سعد سے روایت میں ہے کہ اس پر حضرت علی نے کہا: (رضيت رضيت) یہ مسند احمد میں ہے، ابن سعد کی حدیثِ براء اور زید بن ارقم میں ہے کہ کہا: (بلىٰ يارسول الله قال فإنه كذٰلك) اس کے شروع میں ہے کہ جاتے وقت نبی اکرم نے حضرت علی سے فرمایا یا تو مجھے یہیں رہنا ہوگا یا تمہیں، تو وہ آپکے فرمان کے مطابق وہیں رہے، کچھ لوگوں (منافقین) کو کہتے سنا کہ انہیں کسی بات پر ناراضی کی وجہ سے پیچھے چھوڑا ہے تو وہ چل پڑے اور آپ سے یہ بات کہی، اس کی سند قوی ہے، مسلم اور ترمذی کی عامر بن سعد بن ابو وقاص سے روایت میں ہے کہ معاویہ سعد سے کہنے لگے تمہیں حضرت علی کو برا بھلا کہنے سے کس چیز نے روکا ہے؟ کہا تین باتیں ہیں جو رسول اللہ نے ان کی بابت کہی تھیں! ان کی وجہ سے میں ان پر تنقید ہرگز نہیں کرونگا، ایک یہ کہ آپ نے (خیبر کے موقع پر) فرمایا کل علم ایسے شخص کو دونگا جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں، دوسرا یہ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: (فَقُلْ تَعَالَوا نَدْعُ أَبْنَاءَ نا و أَبْنَاءَ كُم ونِسَاءَ نا ونساء كُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ. فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰه عَلَى الْكاذِبين) [آل عمران : ٦١] کہ آؤ اپنے بال بچوں کے لیکر نکلیں اور باہم مباہلہ کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو (یہ بات نجران کے عیسائیوں سے کہی تھی) تو نبی پاک حضرات علی، فاطمہ اور حسنین کو لیکر نکلے تھے اور فرمایا تھا: (اللهم هولاء أهلى) اے اللہ یہ میرا اہل ہیں۔

ابویعلی کی ایک اور سند کے ساتھ سعد سے روایت میں ہے کہ سعد کہنے لگے اگر میرے سر پر آرا بھی رکھ دیا جائے کہ انہیں نشانہِ تنقید بناؤں تو ہرگز نہ کرونگا۔ ابن حجر لکھتے ہیں حدیثِ باب یعنی اس زیادتِ مذکورہ کے بغیر کئی اور صحابہ مثلاً حضرات عمر، علی، ابوھریرہ، ابن عباس، جابر بن عبداللہ، براء، زید بن ارقم، ابوسعید، انس، جابر بن سمرہ، حبشی بن جنادہ، معاویہ اور اسماء بنت عمیس وغیرھم کے واسطوں سے بھی مروی ہے، ابن عساکر نے ترجمہِ علی میں اس کے سب طرق جمع کئے ہیں۔ جابر بن سمرہ سے ایک اور روایت تقریباً اسی مفہوم کی ہے، کہتے ہیں نبی اکرم نے حضرت علی سے فرمایا: (مَن أشقی الأولین؟) اولین میں سب سے بد بخت کون ہے؟ وہ بولے جس نے حضرت صالح کو بطور معجزہ دی گئی اونٹنی کو ذبح کیا تھا (کیونکہ قرآن نے اس کی بابت أشقیٰ کا لفظ ہی استعمال کیا ہے، سورۃ والشّمس میں ہے: إذَا انبَعَثَ أشقَاها) پھر آپ نے پوچھا: (فَمَن أشقی الآخرین؟) تو بھلا آخرین میں سب سے بد بخت کون ہے؟ کہنے لگے (اللہ و رسوله أعلم) فرمایا تمہارا قاتل، اسے طبرانی نے روایت کیا، احمد کی حدیثِ عمار اس کا شاہد ہے، طبرانی کی حدیثِ صھیب بھی، ابویعلی کے ہاں خود حضرت علی سے یہی بات مروی ہے مگر اس روایت کی سند لیّن ہے، بزار کے ہاں بھی ہے اور اس کی سند جید ہے۔

اس حدیث سے حضرت علی کے آنجناب کے بعد استحقاقِ خلافت پر استدلال کیا گیا ہے کیونکہ آپ نے انہیں بمنزلہِ حضرت ہارون قرار دیا اور حضرت ہارون حضرت موسی کے خلیفہ تھے، جواب دیا گیا ہے کہ حضرت ہارون ان کی حیات میں ان کے خلیفہ تھے نہ کہ وفات کے بعد کیونکہ بالاتفاق وہ ان سے قبل فوت ہوئے، طیبی لکھتے ہیں معنائے حدیث یہ ہے کہ وہ مجھ سے متصل ہیں ان کی مجھ سے منزلت وہی ہے جو ہارون کی موسی سے تھی، اس میں ایک مبہم تشبیہ ہے جسے بعد کے اس جملہ نے بیان کیا: (إلا أنه لا نبیَّ بعدی) تو اس سے معلوم ہو کہ یہ اتصالِ مذکور آپ اور حضرت علی کے مابین من جہت نبوت نہیں بلکہ اس سے مادُون کی جہت سے ہے اور وہ ہے خلافت، اور جب مشبَّہ بہ یعنی حضرت ہارون حضرت موسی کی حیات میں ان کے خلیفہ تھے تو اس سے دلالت ملی کہ وہ نبی پاک کی حیات میں ان کے خلیفہ اور قائم مقام ہیں (پھر یہ خلافت اور قائم مقامی محدود تھی یعنی اہل بیت کی حفاظت، اگر من حیث المجموع ہوتی تو انہیں غزوہ خیبر کو جاتے ہوئے اپنی غیر موجودی کے ایام میں مصلائے امامت کا بھی وارث بناتے اور دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ مرض الموت کے ایام میں حضرت ابوبکر کو مصلائے امامت سونپا، اس سے اشارہ ملا کہ حضرت علی کی یہ قائم مقامی محدود سطح کی تھی)۔

ابن حجر لکھتے ہیں امام بخاری نے اس باب کے علاوہ بھی کئی مقامات میں حضرت علی کی منقبت پر مشتمل روایات ذکر کی ہیں مثلاً حدیثِ عمر کہ (عليٌّ أقضانا)، یہ تفسیر البقرۃ میں ہے، حاکم کے ہاں حدیثِ ابن مسعود سے اس کا شاہد بھی ہے اسی طرح باغیوں سے جنگ کے بارہ میں حدیثِ ابی سعید جس میں ہے: (تقتل عمارا الفئةُ الباغيةُ) کہ عمار کو ایک باغی گروہ قتل کریگا اور حضرت عمار حضرت علی کے ساتھ تھے، کتاب الصلاۃ میں یہ روایت گزری ہے اسی طرح علامات النبوۃ میں حضرت ابوسعید کے حوالے سے روایت جس میں خوارج سے جنگ کا ذکر تھا، وہ بھی حضرت علی نے کی، کئی اور بھی ہیں، اسی طرح ترمذی اور نسائی کی حدیث: (مَن كُنتُ مَولاهُ فَعَليٌّ مَولاه) جس کیے کثیر طرق ہیں، ابن عقدہ نے ایک مستقل کتاب میں ان کا احاطہ کیا ہے اکثر اسانید صحاح وحسان ہیں۔ نسائی نے ان کے مناقب پر مشتمل احادیثِ جیاد اپنی کتاب الخصائص میں جمع کی ہیں۔ امام احمد کہا کرتے تھے جتنے مناقب حضرت علی کے ملتے ہیں کسی اور صحابی کے اتنے نہیں ملتے۔

علامہ انور (قال يقول له أبو تراب الخ) کے تحت لکھتے ہیں یعنی وہ استہزاء یہ کہتا تھا (و كان ابن سير ين الخ) کے تحت لکھتے ہیں یعنی ان کی طرف جو اقوال شیخین کی مخالفت کے ذکر پر مشتمل منسوب کئے جاتے ہیں وہ سب روافض کا وضع ہیں، معتمد روایات وہی ہیں جو ان سے اصحابِ ابن مسعود نے نقل کی ہیں۔

10 باب مَنَاقِبُ جَعْفَرِ بْنِ أَبِى طَالِبٍ (حضرت جعفر بن ابی طالب کے فضائل)

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي آنجناب نے ان سے فرمایا تم سیرت اور صورت میں مجھ سے مشابہ ہو۔

حضرت جعفر حضرت علی کے سگے بھائی تھے، ان سے دس سال بڑے تھے چالیس سے متجاوز عمر میں مؤتہ میں شہید ہوئے، آگے المغازی میں ذکر آئیگا۔ (وقال له النبى الخ) یہ حدیثِ براء میں گزرا جو مناقبِ علی کے باب کی پہلی روایت تھی، آگے عمرۃ الحدیبہ میں بتمامہٖ مع مفصل شرح آئے گی۔

3708 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِى بَكْرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ دِينَارٍ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْجُهَنِيُّ عَنِ ابْنِ أَبِى ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا يَقُولُونَ أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ . وَإِنِّى كُنْتُ أَلْزَمُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بِشِبَعِ بَطْنِى، حَتَّى لاَ آكُلُ الْخَمِيرَ، وَلاَ أَلْبَسُ الْحَبِيرَ، وَلاَ يَخْدُمُنِى فُلاَنٌ وَلاَ فُلاَنَةُ، وَكُنْتُ أُلْصِقُ بَطْنِى بِالْحَصْبَاءِ مِنَ الْجُوعِ، وَإِنْ كُنْتُ لأَسْتَقْرِءُ الرَّجُلَ الآيَةَ هِىَ مَعِى كَىْ يَنْقَلِبَ بِى فَيُطْعِمَنِى، وَكَانَ أَخْيَرَ النَّاسِ لِلْمِسْكِينِ جَعْفَرُ بْنُ أَبِى طَالِبٍ، كَانَ يَنْقَلِبُ بِنَا فَيُطْعِمُنَا مَا كَانَ فِى بَيْتِهِ، حَتَّى إِنْ كَانَ لَيُخْرِجُ إِلَيْنَا الْعُكَّةَ الَّتِى لَيْسَ فِيهَا شَىْءٌ، فَنَشُقُّهَا فَنَلْعَقُ مَا فِيهَا .طرفه 5432

ابو ہریرہ کہتے ہیں لوگ اکثر یہ بات کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت احادیث روایت کرتے ہیں، بات یہ ہے کہ میں معمولی غذا پر سارا وقت نبی پاک کے ساتھ ہی رہتا تھا (مسجد میں قیام پذیر تھے) میں خمیری روٹی نہ کھاتا اور نہ ریشم پہنتا تھا اور نہ کوئی میرا خادم یا خادمہ تھے میں بھوک کی وجہ سے پیٹ پہ پتھر باندھ لیا کرتا اور کسی سے کوئی آیت پڑھانے کو کہتا (اصل مقصد یہ ہوتا کہ میری حالتِ زار دیکھ کر) وہ مجھے اپنے ہمراہ گھر لے جائے اور کھانا کھلا دے، کہتے ہیں میں نے حضرت جعفر کو مساکین کے ساتھ سب سے زیادہ بھلائی کرنیوالا پایا، وہ ہمیں لے جاتے اور جو کچھ ان کے گھر میں میسر ہوتا ہمیں کھلاتے بسا اوقات شہد یا گھی کی کپی نکالتے جس میں کچھ نہ ہوتا، ہم اسے پھاڑ کر جو کچھ اس کے ساتھ لگا ہوتا چاٹ لیتے۔

شیخِ بخاری کی کنیت ونسبت ابو مصعب زھری تھی، تمام رواۃ مدنی ہیں، کتاب العلم میں اسی اسناد کے ساتھ ایک دیگر حدیث گزری تھی جسکا تعلق بھی حضرت ابوھریرہ کی کثرتِ احادیث کے ساتھ تھا۔ (يقولون أكثر الخ) العلم میں بھی ایک اور طریق کے ساتھ یہی روایت گزری مگر وہاں جواب میں یہ بھی کہا تھا: (لولا آيةٌ مِن كتاب الله الخ) بخاری نے التاریخ میں اور ابو یعلی نے بسند حسن مالک بن ابی عامر سے روایت کیا، کہتے ہیں میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے پاس تھا کہ کسی نے کہا یہ یمانی (یعنی ابوھریرہ) حقیقۃً احادیثِ نبویہ کا تم لوگوں سے زیادہ عالم ہے یا ایسی باتیں بھی آپ کی طرف منسوب کر دیتا ہے جو آپ نے نہیں کہیں؟ اس پر وہ کہنے لگے

اللہ کی قسم ہمیں ان کی بابت کوئی شک نہیں ہے وہ ایسی احادیث جانتے ہیں جو ہمیں علم نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم گھر بار والے لوگ تھے، ہم نبی اکرم کے پاس دن کے دونوں کناروں (یعنی صبح وشام) ہی میں آتے پھر معاش میں لگ جاتے، ابوھریرہ ایک مسکین آدمی تھے، نہ کوئی گھر نہ بار، ہمیشہ ان کا ہاتھ آنجناب کے ہاتھ کے ساتھ رہتا، جہاں بھی آپ جاتے وہ آپکے ہمراہ ہوتے لہٰذا ہمیں اس قسم کا کوئی شک نہیں۔ بیہقی نے اپنی مدخل میں اشعث عن مولٰی لطلحۃ روایت کیا ہے کہ ابو ہریرہ بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص کا ابوطلحہ سے گزر ہوا، کہنے لگا ابو ہریرہ تو بہت احادیث بیان کرتے ہیں! ابوطلحہ کہنے لگے جوانہوں نے آنجناب سے سنا ہم نے سنا مگر ہم بھول گئے، انہوں نے یاد رکھا۔ ابن سعد بسند صحیح سعید بن عمرو بن سعید بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے ابوھریرہ سے کہا تم نبی پاک سے وہ احادیث بیان کرتے ہو جو میں نے نہیں سنیں؟ وہ بولے اے اُمَّہ آپ آئینہ و سرمہ دانی کے ساتھ کبھی مشغول رہتیں جبکہ مجھے کوئی مشغولیت نہ ہوتی تھی۔

(لأ ستقرئ الرجل) یعنی اس سے قری (میزبانی) کا خواہاں ہوتا (مراد یہ کہ صراحۃً یہ بات نہ کہتے) تو وہ سمجھتا کہ میں اس سے طالبِ قراءت ہوں، ابونعیم کی حلیہ میں ابوھریرہ کے حوالے سے مذکور ہے کہ حضرت عمر سے کہا: (أقْرِيني) وہ سمجھے کہ کہہ رہے قرآن پڑھاویں تو لگے قرآن پڑھانے۔ (کَیْ ینقلب بی) یعنی مجھے اپنے ساتھ گھر لے جائیں، ترمذی کی ایک روایت جس کی سند ضعیف ہے، میں ہے کہ میں کسی آدمی سے کسی آیت کے بارہ میں پوچھتا حالانکہ اس کی بابت خود زیادہ جانتا ہوتا تھا، میرا مقصد یہ ہوتا کہ اپنی حالتِ زار کی طرف اس کی توجہ مبذول کراؤں، کہتے ہیں صرف حضرت جعفر میرا اصل مدعا بھانپ جاتے اور مجھے اپنے ساتھ گھر لے جاتے۔ (وکان أخیر) افضل کے ہم وزن ومعنی، نسخہِ کشمیہنی میں (خیر) ہے۔ (للمساکین) کشمیہنی کے ہاں مفرد کا لفظ ہے، اس سے مراد جنس ہے اسی تقیید پر اس عموم کو محمول کیا جائے گا جو عکرمہ عن ابی ھریرہ کے حوالے سے منقول ہے، کہتے ہیں رسول اللہ کے بعد جعفر بن ابی طالب سے بہتر کسی آدمی نے جوتے نہیں پہنے اور جانوروں پر سواری نہیں کی، اسے ترمذی وحاکم نے صحیح اسناد کے ساتھ تخریج کیا ہے۔

(لیس فیها شیء فنلعق الخ) یعنی اتنی مقدار نہ ہوتی کہ باہر نکالی جاسکے جو تھوڑا بہت گھی کناروں میں لگا ہوتا اسی سے گزارا کرتے، ترمذی کی روایت میں ہے کہ اپنی زوجہ اسماء بنت عمیس سے کہتے ہمارے لئے کھانا لاؤ، جب آجاتا تو مجھے بھی بلا لیتے، جعفر ایسے شخص تھے جو مساکین کا بہت خیال رکھتے نبی اکرم نے انہیں ابوالمساکین کی کنیت دے رکھی تھی۔

3709 حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ ؓ كَانَ إِذَا سَلَّمَ عَلَى ابْنِ جَعْفَرٍ قَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ ذِي الْجَنَاحَيْنِ. طرفه 4264

شعبی کہتے ہیں ابن عمر جب عبداللہ بن جعفر کو سلام کہتے تو ان الفاظ سے مخاطب کرتے اے ابن ذی الجناحین (اے دو پر والے کے بیٹے)۔

(کان إذا سلم الخ) یعنی عبداللہ بن جعفر (اللہ نے ان کے والد محترم کی اس صفت کی بناء پر ان کی اولاد کو اس قدر نوازا کہ عبداللہ کا شمار عربوں کے مالدار ترین افراد میں ہوتا تھا، حالانکہ جب والد شہید ہوئے تب یہ سب بھائی صغار السن تھے اور کوئی خاص ترکہ بھی نہ چھوڑا تھا)۔ ذوالجناحین سے ان کا اشارہ خود حضرت عبداللہ بن جعفر کی ایک روایت کی طرف ہے، کہتے ہیں (والد کی شہادت

پر) مجھے نبی پاک نے فرمایا: (هنيئاً لك أبوك يطير مع الملائكة فى السماء) کہ مبارک، تمہارے والد آسمان میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے پھرتے ہیں، اسے طبرانی نے بسند حسن نقل کیا ہے، ترمذی اور حاکم کی ابوھریرہ سے روایت میں بھی یہی مذکور ہے البتہ اس کی سند میں ضعف ہے مگر ابن سعد کے ہاں حدیثِ علی اس کا شاھد ہے، ابوھریرہ سے ایک اور روایت میں جسے ترمذی اور حاکم نے مسلم کی شرط پر تخریج کیا، میں ہے نبی پاک نے فرمایا آج رات فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ جعفر میرے ہاں آئے، دیکھا کہ ان کے دو پر ہیں جن پر خون لگا ہوا ہے (جنگ مؤتہ میں ان کے دونوں بازوں کٹ گئے تھے، تبھی ان کے عوض۔ علامتی طور پر۔ اللہ نے انہیں پر لگا دیئے) انہی کی اور طبرانی کی ابن عباس سے مرفوع حدیث میں ہے نبی پاک فرماتے ہیں میں آج جنت میں داخل ہوا تو دیکھا وہاں جعفر فرشتوں کے ہمراہ اڑتے پھرتے ہیں اور اللہ نے ان کے (راہ خدا میں کٹ جانے والے) بازوؤں کے عوض دو پر لگا دیئے ہیں، اس کی سند جید ہے، سہیلی اس بارے لکھتے ہیں اس سے متبادِر الی الذھن یہ آتا ہے کہ شائد پرندوں جیسے پر ہوں گے جن کے ریش (یعنی کھمب) بھی ہوتے ہیں مگر ایسا نہیں، اس بابت بقیہ بحث غزوہ مؤتہ میں آئے گی۔

ابن حجر آخرِ بحث تنبیہ کے عنوان سے لکھتے ہیں نسفی کے نسخہ میں یہاں امام بخاری کے حوالے سے یہ عبارت بھی ہے: (يقال لكل ذى ناحيتين جناحان) کہ ھر دو ناحیہ والے کو جناحان کہہ دیا جاتا ہے (شائد ان کی اس سے مراد جناحین کو معنوی مفہوم پر محمول کرنا ہے نہ کہ حسی معنی پر)۔

11باب ذِكْرُ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ (حضرت عباس کا ذکر)

ابو ذر اور نسفی کے نسخوں میں یہ باب مع حدیث ساقط ہے، حدیث مع شرح کتاب الاستسقاء میں گزر چکی ہے، حضرت عباس نبی پاک سے دو یا تین برس عمر میں بڑے تھے، ان کے اسلام کے بارہ میں مشہور قول یہ ہے کہ فتح مکہ سے عین قبل تھا بعض نے اس سے بہت قبل کہا ہے بقول ابن حجر یہ دوسرا قول مستبعَد نہیں اور قصہِ حجاج بن علاط کی بابت حدیثِ انس سے اس کی تائید بھی ملتی ہے اور جہاں تک قصہِ بدر میں ابو رافع (حضرت عباس کے غلام) کا یہ کہنا ہے (كان الإسلام دخل علينا أهل البيت) یعنی اس وقت سے ہی اسلام ہمارے گھر میں داخل ہو چکا تھا، تو اس سے یہ دلالت نہیں ملتی کہ حضرت عباس مسلمان ہو چکے تھے، وہ تو کفار کی جانب سے بدر میں آئے اور قیدی بنا لئے گئے، حضرت عمر نے باوجود ان کے علم وفضل کے اور اس امر کے کہ انہیں لے کر باہر نکلتے اور ان کے توسل سے بارش طلب کرتے، انہیں اھل شوریٰ میں نہ رکھا تھا کیونکہ انہوں نے اس کیلئے یہ شرط عائد کی تھی کہ فتحِ مکہ سے قبل ہجرت کی ہو، آنجناب ان کا بہت احترام کرتے تھے، آگے المغازی کے الوفاۃ النبویۃ میں اس بارے حضرت عائشہ کی روایت آئیگی، ان کی کنیت ابو الفضل تھی، وفات عہدِ عثمان سن ۳۲ ھ میں اسی سال سے زائد کی عمر میں ہوئی۔

3710حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنِي أَبِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُثَنَّى عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسٍ رضى الله عنه أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ

إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا ﷺ فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَاقَالَ فَيُسْقَوْنَ طرفه 1010

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ جب قحط سالی ہوتی حضرت عباسؓ کو لیکر باہر بارش کی طلب میں نکلتے اور یوں دست بدعا ہوتے اے اللہ! ہم اپنے نبی کے توسل سے تجھ سے بارش مانگتے تھے اور تو ہمیں عطا کرتا تھا اور اب ہم نبی کے چچا کو تیرے حضور لائے ہیں ہمیں سیرابی عطا فرما، تو بارش ہو جاتی۔

علامہ انور حدیث کے الفاظ: (وأنانتوسل إليك بعم الخ) کے تحت رقمطراز ہیں کہ اگر کہو یہ فعلی توسُّل ہے کیونکہ بعد میں مذکور ہے کہ ان سے کہتے (قم يا عباس فاستسقِ) اٹھیے اے عباس اور بارش مانگئے، تو وہ ایسا کرتے، قولی توسل ان سے ثابت نہیں یعنی صالحین کے نام لیکر (اور ان کا واسطہ دیکر) ان کی شرکت کے بغیر، تو میں کہتا ہوں ترمذی میں ہے کہ نبی پاک نے ایک اندھے اعرابی کو یہ کلمات سکھلائے: (اللّٰهُمَّ إني أتوَجَّهُ إليك بِنَبِيِّك محمد نبيِّ الرَّحمةِ--- إلى قوله : اللهم فشَفِّعْهُ فِيَّ) تو اس سے قولی توسل بھی ثابت ہوا لہٰذا ابن تیمیہ کا انکار تطاوُل ہے۔

12باب مَنَاقِبُ قَرَابَةِ رَسُولِ اللّٰهِ وَمَنْقَبَةِ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ بِنْتِ النَّبِيِّ ﷺ

(آنجناب کے قرابتداروں کے اور حضرت فاطمہ کے فضائل و مناقب)

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ نبی پاک نے فرمایا فاطمہ اہلِ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

ابوذر کے نسخہ میں ذیل کی یہ عبارت موجود نہیں: (وقال النبی ﷺ فاطمة الخ) یہ حدیث (منقبة فاطمة) کے عنوان سے ایک الگ ترجمہ میں آئیگی، اس سے ظاہر ہوا کہ ابوذر کی صنیع معتمد ہے، قرابت النبی سے مراد صحابہ میں سے جو آپ کے جدِ اقرب یعنی عبد المطلب کی طرف منسوب ہیں، خواہ مرد ہوں یا عورتیں، یہ حضرت علی اور ان کی اولاد: حسن، حسین، محسن اور ام کلثوم جنکی والدہ حضرت فاطمہ تھیں، اسی طرح حضرت جعفر اور ان کی اولاد عبد اللہ، عون اور محمد ہیں، کہا جاتا ہے کہ ایک ان کا بیٹا احمد نام کا بھی تھا، اسی طرح عقیل بن ابو طالب اور ان کے بیٹے مسلم بن عقیل، اسی طرح حضرت حمزہ اور ان کی اولاد یعلیٰ، عمارہ اور امامہ، اسی طرح نبی اکرم کے قرابت داروں میں حضرت عباس اور ان کے دس بیٹے بھی ہیں جنکے نام یہ ہیں: فضل، عبد اللہ، قثم، عبید اللہ، حارث، معبد، عبد الرحمٰن، کثیر، عون اور تمام، اس بارے حضرت عباس کا ایک شعر ہے: (تَمُّوابِتَمام فصارُوا عشرةً يا ربّ فَاجْعَلْهُمْ كراماً بَرَرَة) کہا جاتا ہے کہ یہ سب اہلِ روایت ہیں، بیٹیوں میں ام حبیب، آمنہ اور صفیہ ہیں، اکثر اولاد لبابہ ام الفضل سے تھی۔ انہی اقاربِ نبی میں معتب بن ابولہب اور عباس بن عتبہ بن ابولہب بھی ہیں، عتبہ آمنہ بنت عباس کے شوہر تھے۔ ان میں عبد اللہ بن زبیر بن عبد المطلب اور ان کی بہن ضباعہ ہیں جو مقداد بن اسود کی زوجہ تھیں۔ پھر ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب اور ان کے بیٹے جعفر ہیں۔ ان میں نوفل بن حارث بن عبد المطلب اور ان کے بیٹے مغیرہ اور حارث بھی ہیں، عبد اللہ بن حارث (یعنی ابوسفیان) صاحبِ روایت ہیں، ان کا لقب ببّہ تھا۔ ان میں امیمہ، اروىٰ، عاتکہ اور صفیہ بناتِ عبد المطلب بھی ہیں، حضرت صفیہ تو بالاتفاق مسلمان اور صحابیہ تھیں، باقیات کی بابت اختلاف ہے۔

3711حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ

عَائِشَةَ أَنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلاَمُ أَرْسَلَتْ إِلَى أَبِي بَكْرٍ تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ، تَطْلُبُ صَدَقَةَ النَّبِيِّ ﷺ الَّتِي بِالْمَدِينَةِ وَفَدَكٍ وَمَا بَقِيَ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ

3712فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لاَ نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ، إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ مِنْ هَذَا الْمَالِ يَعْنِي مَالَ اللَّهِ لَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَزِيدُوا عَلَى الْمَأْكَلِ .وَإِنِّي وَاللَّهِ لاَ أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْ صَدَقَاتِ النَّبِيِّ ﷺ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهَا فِي عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ، وَلأَعْمَلَنَّ فِيهَا بِمَا عَمِلَ فِيهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ .فَتَشَهَّدَ عَلِيٌّ، ثُمَّ قَالَ إِنَّا قَدْ عَرَفْنَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَضِيلَتَكَ .وَذَكَرَ قَرَابَتَهُمْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَحَقَّهُمْ .فَتَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَقَرَابَةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِي .أطرافه 3093، 4036، 4241، 6726۔ (جلد چہارم کتاب فرض الخمس میں مترجم ہے)

حضرت فاطمہ کے حضرت ابوبکر سے نبی اکرم کی میراث کے مطالبہ کے ذکر پر مشتمل حضرت عائشہ کی یہ روایت کتاب الخمس میں اس سے اتم سیاق کے ساتھ گزر چکی ہے کچھ بقیہ حصہ غزوہ خیبر کے باب میں آئیگا، غرضِ ترجمہ حضرت ابوبکر کا اس میں مذکور یہ قول ہے: (لقرابة رسول الخ) یہ علی سبیل الاعتذار کہا تھا۔

3713أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاقِدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِي بَكْرٍ قَالَ ارْقُبُوا مُحَمَّدًا ﷺ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ .طرفه 3751

ابن عمر حضرت ابوبکر سے راوی ہیں کہا کرتے تھے کہ آنجناب کے رشتہ داروں کا خیال رکھو۔

خالد سے مراد ابن حارث جبکہ واقد سے مراد ابن محمد بن زید بن عبد اللہ بن عمر ہیں۔ (ارْقِبو الخ) لوگوں کو وصیتِ عامہ کر رہے ہیں، مراقبة للشيء أي (المحافظة عليه) یعنی انہیں ایذاء نہ دو اور برا سلوک نہ کرو، علامہ انور اس کا یہ معنی کرتے ہیں کہ اہل بیت سے محبت کرو تا کہ یہ تمہارے نبی اکرم سے محبت کی دلیل ہو۔

3714حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي، فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي

.أطرافه 926، 3110، 3729، 3767، 5230، 5278

مسور بن مخرمہ کہتے ہیں نبی اکرم نے فرمایا فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے جس نے انہیں ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

(فاطمة بضعة الخ) یہ بات اس وقت کہی تھی جب حضرت علی نے بنتِ ابی جہل کے ساتھ شادی کا ارادہ بنایا، آگے ابوالعاص بن ربیع کے ترجمہ میں آ رہی ہے۔ اسے مسلم نے (الفضائل) ابو داؤد نے (النکاح) جبکہ ترمذی اور نسائی نے (المناقب) میں ذکر کی ہے۔

3715حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَعَا النَّبِيُّ ﷺ فَاطِمَةَ ابْنَتَهُ فِي شَكْوَاهُ الَّذِي قُبِضَ فِيهَا، فَسَارَّهَا بِشَيْءٍ فَبَكَتْ، ثُمَّ دَعَاهَا فَسَارَّهَا فَضَحِكَتْ، قَالَتْ فَسَأَلْتُهَا عَنْ ذَلِكَ .أطرافه 3623، 3625، 4433، 6285۔

3716فَقَالَتْ سَارَّنِي النَّبِيُّ ﷺ فَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ يُقْبَضُ فِي وَجَعِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ فَبَكَيْتُ، ثُمَّ سَارَّنِي فَأَخْبَرَنِي أَنِّي أَوَّلُ أَهْلِ بَيْتِهِ أَتْبَعُهُ فَضَحِكْتُ .أطرافه 3624، 3626، 4434، 6286۔ (اسی جلد کا سابقہ نمبر)

المغازی کے آخر میں باب (الوفاة النبوية) میں آئیگی، ابوذر کے نسخہ میں یہ آخری دونوں حدیثیں شامل نہیں نسفی کے ہاں بھی نہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ حدیثِ مسور تو مناقب فاطمہ میں اسی سند و متن کے ساتھ آرہی ہے جبکہ حدیثِ عائشہ اسی سند و متن کے ساتھ علامات النبوۃ میں گزر چکی ہے۔

13باب مَنَاقِبُ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ (حضرت زبیر کے فضائل)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هُوَ حَوَارِيُّ النَّبِيِّ ﷺ، وَسُمِّيَ الْحَوَارِيُّونَ لِبَيَاضِ ثِيَابِهِمْ

انکا نسب نامہ یہ ہے: زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی، قصی میں آنجناب کے شجرہ نسب کے ساتھ ان کا شجرہ نسب مل جاتا ہے، تعدادِ آباء بھی ایک جیسی ہے، ان کی والدہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رسول اللہ کی پھوپھی ہیں، ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی، حاکم نے بسند صحیح عروہ سے نقل کیا ہے کہ آٹھ برس کی عمر میں اسلام لے آئے تھے۔ (وقال ابن عباس الخ) یہ ایک حدیث کا طرف ہے جو تفسیر سورۃ البراءۃ میں آئیگی، اس کے متعدد طرق ہیں، اغرب طریق وہ جسے زبیر بن بکار نے مرسلِ ابی الخیر بن یزنی سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا: (حواریَّ مِن الرجال الزبیر و من النساء عائشة) اس کے رجال ثقہ ہیں مگر مرسل ہے۔ (وسمی الخ) اسے ابن حاتم نے سعید بن جبیر عن ابن عباس سے موصول کیا ہے، اس زیادت کے ساتھ کہ وہ سب صیادین (شکاری) تھے، ضحاک سے نقل کیا ہے کہ حواری نبطی زبان میں غسّال کو کہتے ہیں البتہ وہ ھاء کے ساتھ پڑھتے تھے، قتادہ سے اس کا معنی وزیر، ابن عیینہ سے مددگار منقول ہے، یہ ترمذی وغیرہ نے نقل کیا، زبیر محمد بن سلام سے ناقل ہیں کہ میں نے یونس بن حبیب سے حواری کا معنی پوچھا تو کہا (الخالص)، ابن کلبی سے بمعنی خلیل منقول ہے۔

3717حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَخْبَرَنِي مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ قَالَ أَصَابَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رُعَافٌ شَدِيدٌ سَنَةَ الرُّعَافِ، حَتَّى حَبَسَهُ عَنِ الْحَجِّ وَأَوْصَى، فَدَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ قَالَ اسْتَخْلِفْ .قَالَ وَقَالُوهُ قَالَ نَعَمْ .قَالَ وَمَنْ فَسَكَتَ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ آخَرُ أَحْسِبُهُ الْحَارِثَ فَقَالَ اسْتَخْلِفْ .فَقَالَ عُثْمَانُ وَقَالُوا فَقَالَ نَعَمْ .قَالَ وَمَنْ هُوَ فَسَكَتَ قَالَ فَلَعَلَّهُمْ قَالُوا الزُّبَيْرَ قَالَ نَعَمْ۔ قَالَ أَمَا

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهُ لَخَيْرُهُمْ مَا عَلِمْتُ، وَإِنْ كَانَ لَأَحَبَّهُمْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ .طرفه 3718

ابن عباس کہتے ہیں وہ نبی پاک کے حواری تھے، (حضرت عیسیٰ کے) حواریوں کو ان کے سفید کپڑوں کی وجہ سے یہ نام دیا گیا۔ عروہ کہتے ہیں مجھے مروان بن حکم نے بتلایا نکسیر پھوٹنے کی وباء کے سال حضرت عثمان کی اتنی نکسیر پھوٹی کہ حج کیلئے نہ جا سکے حتی کہ وصیت کردی، قریش کے ایک آدمی نے ان سے کہا کسی کو ولی عہد بنا دیں، پوچھا سب لوگ یہ کہتے ہیں؟ کہا جی ہاں، پوچھا کون ہو؟ وہ خاموش رہا ایک اور شخص آیا، میرا خیال ہے وہ حارث تھا۔ انہوں نے بھی کہا کہ کسی کو ولی عہد نامزد کر دیں، حضرت عثمان نے پوچھا کیا لوگوں کی یہ خواہش ہے؟ کہا ہاں، پوچھا کون ہو؟ وہ چپ رہے خود ہی بولے شائد لوگ زبیر کی بابت کہتے ہوں گے؟ وہ بولا جی ہاں، بولے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ جہاں تک میں جانتا ہوں سب سے بہتر اور نبی پاک کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

(سنة الرعاف) یہ سن اکتیس ہجری کا ذکر ہے، عمر بن شبہ نے اپنی کتاب المدینہ میں اس کا بیان کیا ہے، یہ بھی کہ حضرت عثمان نے اپنے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی ولی عہدی کا فرمان لکھوا چھوڑا تھا اور اس کا اپنے کاتب حمران کو رازدار بنایا انہوں نے ابن عوف کو آگاہ کر دیا جنہوں نے آکر حضرت عثمان سے اظہارِ ناراضی کیا، اس پر حضرت عثمان نے ناراض ہو کر حمران کو بصرہ جلا وطن کر دیا، عبدالرحمٰن اس کے چھ ماہ بعد انتقال کر گئے، ان کی وفات سن ۳۲ھ کو ہوئی۔ (رجل من قريش) ان کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ (أحسبه الحارث) یعنی ابن حکم، مروان راویِ حدیث کے بھائی، حارث مذکور محاصرہ حضرت عثمان کے وقت حاضر تھے، خلافتِ معاویہ تک زندہ رہے۔ (قالوا إنه الزبير) اس قائل کے نام سے بھی آگاہی نہ ہو سکی۔ (لخيرهم ما علمت) ما مصدریہ ہے أي (في علمي)، موصول ہونا بھی محتمل ہے، جو تب مبتدا محذوف کی خبر بنے گا، داؤدی کہتے ہیں محتمل ہے کہ خیریت سے مراد کسی شيءِ مخصوص مثلاً حسنِ خلق کی خیریت ہو لیکن اگر ظاہری معنی مراد لیا جائے تو ابن عمر کا سابق الذکر قول: (ثم نترك أصحاب رسول الله ﷺ لا نفاضل بينهم) سے ان کی مراد تمام صحابہ نہیں، (کہ سبھی ترکِ تفضیل کرتے تھے) اب روایتِ ھذا کے مطابق حضرت عثمان تفضیلِ زبیر کے قائل ہیں۔ ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ ابن عمر کا قول عہدِ نبوی کے ساتھ مقید ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

(حواری الزبير) یائے مشدد مفتوح کے ساتھ جیسے یہ آیت ہے: (مَا أنتم بِمُصْرِفِيَّ) [ابراهيم: ۲۲] کسرہ بھی جائز ہے، کتاب الجہاد میں یہ حدیث گزر چکی ہے۔ اسے نسائی نے (المناقب) میں حضرت معاویہ سے روایت کیا ہے۔

3718 حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ أَخْبَرَنِي أَبِي سَمِعْتُ مَرْوَانَ كُنْتُ عِنْدَ عُثْمَانَ، أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ اسْتَخْلِفْ .قَالَ وَقِيلَ ذَاكَ قَالَ نَعَمْ، الزُّبَيْرُ .قَالَ أَمَا وَاللَّهِ إِنَّكُمْ لَتَعْلَمُونَ أَنَّهُ خَيْرُكُمْ .ثَلاَثًا .طرفه 3717- (سابقہ ہے)

3719 حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ هُوَ ابْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا، وَإِنَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ

.أطرافه 2846، 2847، 2997، 4113، 7261

حضرت جابر کہتے ہیں نبی پاک نے فرمایا ہر نبی کا کوئی حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔

3720حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَاعَبْدُ اللَّهِ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كُنْتُ يَوْمَ الأَحْزَابِ جُعِلْتُ أَنَا وَعُمَرُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ فِي النِّسَاءِ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا أَنَا بِالزُّبَيْرِ عَلَى فَرَسِهِ، يَخْتَلِفُ إِلَى بَنِي قُرَيْظَةَ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا، فَلَمَّا رَجَعْتُ قُلْتُ يَا أَبَتِ، رَأَيْتُكَ تَخْتَلِفُ. قَالَ أَوَهَلْ رَأَيْتَنِي يَا بُنَيَّ قُلْتُ نَعَمْ. قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَنْ يَأْتِ بَنِي قُرَيْظَةَ فَيَأْتِينِي بِخَبَرِهِمْ. فَانْطَلَقْتُ، فَلَمَّا رَجَعْتُ جَمَعَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَبَوَيْهِ فَقَالَ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي

عبداللہ بن زبیر راوی ہیں کہ جنگ احزاب کے دن مجھے اور عمر بن ابوسلمہ کو عورتوں کے ہمراہ کر دیا گیا تھا میں نے باہر جھانکا تو اپنے والد زبیر کو دو یا تین مرتبہ دیکھا کہ گھوڑے پہ سوار بنی قریظہ کی جانب آ جا رہے ہیں، جنگ کے بعد میں نے انہیں بتلایا کہ ابا جی میں نے آپکو آتے جاتے دیکھا تھا، کہنے لگے بیٹے کیا تم نے مجھے دیکھا؟ میں نے کہا جی ہاں، بولے نبی پاک نے فرمایا تھا کون مجھے بنی قریظہ کی خبر لا کر دیگا؟ تو میں اس کام کیلئے گیا تھا جب واپس آیا تو نبی پاک نے مجھے فرمایا میرے والدین تم پہ فدا ہوں (عرب فرطِ مسرت میں یہ جملہ بولتے تھے)۔

عبداللہ سے مراد ابن مبارک ہیں۔ (و عمر الخ) یعنی آنجناب کے ربیب اُم المؤمنین اُم سلمہ کے بیٹے۔ (فی النساء) مسلم کی علی بن مسہر عن ھشام بن عروہ سے روایت میں یہ بھی ہے: (فی أطم حسان) یعنی حضرت حسان کے قلعہ یا ڈیرے میں، ابو اسامہ عن ھشام کی روایت میں: (فی الأطم الذی فیه النسوة) کے الفاظ ہیں۔ (قلت یا أبت الخ) مسلم نے بیان کیا ہے کہ اس روایت میں ادراج ہے، انہوں نے اسے علی بن مسہر عن ھشام کے حوالے سے یہاں تک نقل کیا ہے: (إلی بنی قریظة قال ھشام و أخبرنی عبد الله بن عروة عن عبد الله بن الزبیر قال فذکرت ذلك لأبی)۔ ابو اسامہ عن ھشام کے طریق سے کہا: (فساق الحدیث نحوه ولم یذکر عبد الله بن عروة ولکن أدرج القصة فی حدیث ھشام عن أبیه)، اس کی تائید اس امر سے بھی ملتی ہے کہ نسائی نے قصہِ اخیرہ (عبدة عن ھشام عن أخیه عبد الله بن عروة عن عبد الله بن الزبیر عن أبیه) سے روایت کیا ہے۔

(قلت نعم) اس سے سماعِ صغیر کی صحت ثابت ہوئی اور یہ کہ یہ چار یا پانچ سال کی عمر پر متوقف نہیں کیونکہ ابن زبیر کی عمر اس وقت دو سال اور کچھ ماہ یا تین سال اور کچھ ماہ تھی کیونکہ ان کی میلاد میں اور سنِ غزوہ خندق میں اختلاف ہے اگر کہیں کہ وہ ہجرت کے پہلے ہی سال میں پیدا ہوئے تھے اور غزوہ احزاب سن پانچ میں ہوا تھا، تو ان کی عمر دو سال اور کچھ ماہ بنتی ہے، علیٰ ھذا القیاس۔ اس بارے صحیح قول کا ذکر المغازی میں ہوگا، سماعِ صغیر کی بحث کتاب العلم میں گذر چکی ہے۔

(جمع لی رسول الخ) ترجمۂ سعد میں اس کے معارض روایت آئے گی، وہیں تطبیق بیان کی جائیگی۔

3721حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ قَالُوا لِلزُّبَيْرِ يَوْمَ الْيَرْمُوكِ أَلاَ تَشُدُّ فَنَشُدَّ مَعَكَ فَحَمَلَ عَلَيْهِمْ،

فَضَرَبُوهُ ضَرْبَتَيْنِ عَلَى عَاتِقِهِ، بَيْنَهُمَا ضَرْبَةٌ ضُرِبَهَا يَوْمَ بَدْرٍ .قَالَ عُرْوَةُ فَكُنْتُ أُدْخِلُ أَصَابِعِي فِي تِلْكَ الضَّرَبَاتِ أَلْعَبُ وَأَنَا صَغِيرٌ .طرفاه 3973، 3975

عروہ کہتے ہیں اصحابِ نبی نے حضرت زبیر سے کہا آپ حملہ نہیں کرتے؟ تا کہ آپکے ہمراہ ہم بھی حملہ آور ہوں، تو انہوں نے زور کا حملہ کیا اس موقع پر رومیوں نے انہیں گردن پر دو زخم لگائے وہاں ایک زخم پہلے سے موجود تھا جو غزوۂ بدر میں لگا تھا کہتے ہیں میں بچپن میں ان زخموں کی جگہوں میں اپنی انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتا تھا۔

شیخِ بخاری مروزی ہیں ان کا ذکر کتاب الجہاد میں گزرا ہے۔ (قالوا للزبیر) یعنی وہ صحابہ جو جنگ یرموک میں موجود تھے، ان میں سے کسی کے نام سے آگاہی نہ ہو سکی۔ (الیرموك) شام کی ایک جگہ ہے، یہ جنگ حضرت عمر کے عہد کی ابتداء میں ہوئی (مسلمانوں اور رومیوں کے مابین یہ فیصلہ کن جنگ تھی جو تین دن جاری رہی)۔ (إن شددت كذبتم) یعنی تم میرا ساتھ نہ دے پاؤ گے، اہل حجاز لفظِ کذب کا اطلاق خلافِ واقع کسی بھی بات پر کر دیتے تھے (متنِ حدیث میں یہ جملہ موجود نہیں، شرح میں ہے)۔ (ضربة ضربها يوم بدر) یہاں یہی ہے، المغازی کے غزوۂ بدر کی روایت میں اس کے مغایر ذکر آئے گا، وہیں تطبیق ذکر کی جائیگی۔ حضرت زبیر سن چھتیس ہجری میں شہید کئے گئے، وہ اس وقت جنگ جمل چھوڑ کر واپس جا رہے تھے کہ راستہ میں غافل پا کر (حالتِ نماز میں) عمرو بن جُرموز نے قتل کر دیا اور انکا سر لیکر بغرضِ داد وحش حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے قاتل کو دوزخی قرار دیا، اسے احمد اور ترمذی وغیرہما نے نقل کیا ہے، حاکم نے صحیح قرار دیا۔

14باب ذِكْرِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ (حضرت طلحہ کا ذکر)

وَقَالَ عُمَرُ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ عَنْهُ رَاضٍ حضرت عمر نے کہا نبی پاک فوت ہوئے تو طلحہ سے راضی تھے۔

انکا نسب نامہ یہ ہے: طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب، مرۃ بن کعب میں آنجناب کے شجرہ کے ساتھ ان کا شجرہ مل جاتا ہے جبکہ حضرت ابوبکر کے ساتھ تیم بن مرۃ میں، تعدادِ آباء بھی ایک جیسی ہے کنیت ابو محمد تھی، والدہ کا نام صعبہ بنت حضرمی تھا جو حضرت علاء بن حضرمی کی ہمشیرہ تھیں، اسلام لائیں ہجرت بھی کی، شوہر کی وفات کے کچھ عرصہ بعد خود بھی فوت ہو گئیں، طبرانی کی حدیثِ ابن عباس میں ہے کہ حضرات ابوبکر، عثمان، طلحہ اور عبد الرحمٰن بن عوف کی والدائیں اسلام لے آئیں تھیں۔ جنگ جمل میں قتل ہوئے، ایک تیر آ کر لگا، کثیر طرق سے مروی ہے کہ مروان بن حکم نے وہ تیر مارا تھا جو ان کے گھٹنہ میں لگا، مسلسل خون بہنے سے انتقال کر گئے، اس دن کے یہ پہلے مقتول تھے (یہ بات محلِ نظر معلوم پڑتی ہے کیونکہ مروان تو حضرت عائشہ کے لشکر میں ہو گا جو قاتلین عثمان سے بدلہ لینے کا مطالبہ لے کر اٹھی تھیں اور حضرت طلحہ بھی اسی لشکر میں تھے، حضرت عثمان کے خلاف بغاوت برپا کرنے والے حضرت علی کے لشکر میں تھے اور مروان تو حضرت عثمان کا کاتب اور ان کا رشتہ دار تھا، باغیوں کا حضرت عثمان سے مطالبہ تھا کہ مروان نے ان کے نام و مہر سے حاکمِ مصر کو خط لکھا ہے کہ یہ لوگ جب مصر پہنچیں تو انہیں گرفتار کر لو، لہٰذا اسے ان کے حوالے کیا جائے، حضرت عثمان نے کہا مہر تو جعلی بھی بن سکتی ہے لہٰذا ثبوت ملنے تک ان کا مطالبہ نا قابل قبول ہے، اس پر انہیں گھر میں محصور کر لیا اور آخر شہید کر دیا، لہٰذا مروان کا لشکرِ علی میں ہونا نا قابل فہم ہے، اللہ اعلم)۔ ان کی عمر میں متعدد اقوال ہیں، زیادہ سے زیادہ ۷۵ سال اور کم از کم ۵۸ سال بتلائی

گئی ہے۔ (وقال عمر الخ) عمر کے باب کی روایت میں یہ جملہ موجود ہے۔

3722و 3723حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ لَمْ يَبْقَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي بَعْضِ تِلْكَ الْأَيَّامِ الَّتِي قَاتَلَ فِيهِنَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ غَيْرُ طَلْحَةَ وَسَعْدٍ .عَنْ حَدِيثِهِمَا .حديث 3722طرفه 5003حديث 3723طرفه 4061

ابوعثمان کہتے ہیں ایک جنگ میں ایسا ہوا کہ نبی پاک کے ساتھ سوائے طلحہ اور سعد کے کوئی ساتھ نہ رہا (جنگ احد کے ایک وقت کا بیان مقصود ہے)۔

معتمر اپنے والد سلیمان تیمی سے راوی ہیں، ابوعثمان سے مراد نہدی ہیں۔ (فی بعض تلك الأیام) جنگ احد میں ایسا ہوا تھا، آگے تفصیل آئے گی۔

3724حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا خَالِدٌ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ رَأَيْتُ يَدَ طَلْحَةَ الَّتِي وَقَى بِهَا النَّبِيَّ ﷺ قَدْ شَلَّتْ .طرفه 4063

قیس بن ابی حازم کہتے ہیں میں نے حضرت ابوطلحہ کا وہ ہاتھ جس سے رسول اللہ کا دفاع کیا تھا، دیکھا کہ شل ہو چکا ہے۔

خالد سے ابن عبد اللہ واسطی جبکہ ابن ابی خالد سے مراد اسماعیل ہیں۔ (التی وقی بها) یہ غزوہ احد میں کیا تھا، اسماعیلی کی علی بن مسہر عن اسماعیل سے روایت میں اس کی صراحت ہے، طبرانی کی موسی بن طلحہ عن ابیہ سے روایت میں ہے کہ ہاتھ میں تیر آکر لگا تھا، انہی کی حدیثِ انس میں ہے کہ بعض مشرکوں نے جب آنحضرت پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو حضرت طلحہ آڑے آگئے، مسند طیالسی میں حضرت عائشہ کے حوالے سے ہے جو اپنے والد حضرت ابوبکر سے بیان کرتی ہیں کہ ہمیں حضرت طلحہ کے جسم میں احد کے دن ستر سے زائد زخم نظر آئے، انگلی بھی کٹ چکی تھی، الجہاد لابن مبارک میں موسی بن طلحہ کے حوالے سے مروی ہے کہ انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کٹی تھی، یعقوب بن ابراھیم بن محمد بن طلحہ عن ابیہ سے منقول ہے کہ بائیں ہاتھ کو نبی پاک کیلئے ڈھال بنا دیا تھا (جب مشرکین نے تیروں کی بارش کر دی تھی) تو بنصر انگلی نچلے جوڑ سے متاثر ہوئی جس کی وجہ سے وہ شل ہوگئی۔

(قد شلت) شین کی زبر کے ساتھ، لحیانی کے مطابق ایک لغت میں پیش بھی جائز ہے، ابن درستویہ اسے خطا قرار دیتے ہیں، شلل سے مراد کوئی ایسا نقص پیدا ہو جانا کہ عضو کام سے معطل ہو جائے، کٹ جانا مراد نہیں جو بعض نے سمجھ لیا، اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ حضرت طلحہ حکماء یعنی دانشمندانِ قریش میں سے تھے، حمیدی الفوائد میں ابو حازم سے ناقل ہیں کہ میں حضرت طلحہ کا مصاحب رہا، ان جیسا کسی کو سخی نہ دیکھا جو مالِ کثیر بغیر مانگے بھی دیدیا کرتے تھے۔

15باب مَنَاقِبُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ الزُّهْرِيِّ (حضرت سعد بن ابی وقاص کے فضائل)

وَبَنُو زُهْرَةَ أَخْوَالُ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ. بنی زہرہ آنجناب کے ماموں لگتے تھے، ابووقاص کا نام مالک ہے۔

ان کی کنیت ابواسحاق تھی۔ (أخوال النبی) کیونکہ حضرت آمنہ بنی زہرہ میں سے تھیں۔ (وهو سعد بن مالك) یعنی ابو

وقاص کا نام مالک تھا، مالک بن وھب، اھیب بھی کہا جاتا ہے، ابن عبد مناف بن زھرۃ بن کلاب بن مرۃ، کلاب بن مرہ میں نبی اکرم کے شجرہ نسب میں مجتمع ہو جاتے ہیں، تعدادِ آباء بھی متقارِب ہے، ان کی والدہ حمنۃ بنت سفیان بن امیۃ بن عبد شمس ہیں اسلام نہ لائی تھیں، حضرت سعد نے تقریباً اسی برس کی عمر میں ۵۵ھ یا سن ۵۸ بمقام عقیق انتقال کیا۔

3725حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدًا يَقُولُ جَمَعَ لِي النَّبِيُّ ﷺ أَبَوَيْهِ يَوْمَ أُحُدٍ .أطرافه 4055، 4056، 4057

راوی کہتے ہیں میں نے حضرت سعد سے سنا کہتے تھے کہ نبی پاک نے جنگ احد کے دن میرے لئے اپنے والدین کا حوالہ دیکر فرمایا کہ وہ تم پہ فدا ہوں۔

(جمع لي النبي الخ) تفدیہ یعنی: فداك أبي و أمي کہنا، ایک حدیثِ علی میں ہے کہ نبی اکرم نے سوائے حضرت سعد کے کسی کیلئے تفدیہ میں والدین کا جمع نہیں فرمایا، یہ الجہاد میں گزری ہے، یہ حصر محلِ نظر ہے کیونکہ حضرت زبیر کے ترجمہ میں ذکر گزرا کہ خندق کے موقع پر نبی اکرم نے انہیں بھی یہ کلمات کہے تھے تو تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ حضرت علی نے اپنی معلومات کے مطابق ایسا کہا یا ان کی مراد یہ ہے کہ احد کے دن کسی اور کو یہ نہیں کہا تھا۔

(ما أسلم أحد الخ) گویا ان سے قبل کسی نے اسلام قبول نہیں کیا تھا مگر یہ بات مختلف فیہ ہے، آگے تفصیل آتی ہے۔

اسے مسلم نے (الفضائل) ترمذی نے (الاستئذان) اور نسائی نے (السنۃ) میں نقل کیا ہے۔

3726حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ هَاشِمٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَأَنَا ثُلُثُ الإِسْلاَمِ .طرفاه 3727، 3858

3727حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ هَاشِمِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَقُولُ مَا أَسْلَمَ أَحَدٌ إِلاَّ فِي الْيَوْمِ الَّذِي أَسْلَمْتُ فِيهِ، وَلَقَدْ مَكَثْتُ سَبْعَةَ أَيَّامٍ وَإِنِّي لَثُلُثُ الإِسْلاَمِ .تَابَعَهُ أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا هَاشِمٌ .طرفاه 3726، 3858

حضرت سعد کہتے ہیں میں اپنے آپکو ثلثِ اسلام خیال کرتا ہوں، ابوعبداللہ (امام بخاری) کہتے ہیں مفہوم یہ کہ میں تیسرا فرد ہوں جو ایمان لایا۔ راوی کہتے ہیں میں نے حضرت سعد سے سنا کہتے تھے کہ نہیں کوئی اسلام لایا مگر اسی دن جب میں نے اسلام قبول کیا، اور میں ساتویں دن اسلام لایا ہوں اور میں ثلثِ اسلام ہوں۔

(و إني لثلث الإسلام) انہوں نے یہ بات اپنے علم و اطلاع کے مطابق کہی، کیونکہ شروع میں قبولِ اسلام کرنے والے اس امر کو خفیہ رکھتے تھے، شائد دوسرے دو سے ان کی مراد حضرت خدیجہ اور حضرت ابوبکر ہیں، یا نبی اکرم اور حضرت ابوبکر، حضرت خدیجہ تو قطعاً (پہلے دن ہی سے) مسلمان تھیں، تو صرف مردوں کا ذکر مقصود تھا، ترجمہ صدیق میں حضرت عمار کی حدیث گزری ہے کہ میں نے نبی اکرم کو دیکھا اور ابھی صرف پانچ غلام اور ایک ابوبکر ہی ملتِ اسلامیہ کے رکن بنے تھے، تو یہ حدیثِ سعد کے معارض ہے، تطبیق کی یہی

صورت ممکن ہے جو ذکر کی، یا یہ کہ انہوں نے فقط احرار مردوں کو شمار کیا اور حضرت علی بھی خارج ہوئے کیونکہ ابھی نہایت کم سن تھے یا پھر انہیں باقیوں کی اطلاع ہی نہ تھی، اس کی تائید اسماعیلی کی یحیی بن سعید اموی عن ھاشم سے روایت میں ملتی ہے اس میں ان کے الفاظ ہیں: (ما أسلم أحدٌ قبلی) کہ مجھ سے قبل کسی نے اسلام قبول نہ کیا، ابن سعد کی عامر بن سعد عن أبیہ سے بھی یہی منقول ہے بہر حال یہ باعثِ اشکال ہے کیونکہ ایک جماعت ان سے قبل دائرہ اسلام میں آچکی تھی تو انہوں نے یہ بات اپنے علم کی بنیاد پر کہی۔ ابن حجر کہتے ہیں ابن مندہ کی المعرفۃ میں ابو بدر عن ھاشم کے حوالے سے یہ الفاظ دیکھے ہیں: (ما أسلم أحد فی الیوم الذی أسلمت فیه) کہ جس دن میں مسلمان ہوا اس دن کوئی اور شخص مسلمان نہ ہوا، تو اس سے مذکورہ اشکال ختم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ بات خارج از امکان نہیں (پہلے کی نفی نہیں کی)، البتہ خطیب نے اسی ابن مندہ والی سند کے ساتھ روایت میں (إلا) کا لفظ بھی ذکر کیا ہے لہٰذا سابقہ تطبیق ہی اولیٰ ہے۔ (تابعه أبو أسامة الخ) اسے مصنف نے السیرۃ النبویہ کے باب (إسلام سعد) میں موصول کیا ہے۔

علامہ انور (و أنا ثلث الإسلام) کی بابت لکھتے ہیں کہ ان کا یہ قول مستقیم نہیں ٹھہرتا، لہٰذا اس کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ حضرت خدیجہ اور حضرت علی کو شمار نہیں کیا، پھر اشکال زائل ہو جاتا ہے۔

3728 حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدًا ؓ يَقُولُ إِنِّي لأَوَّلُ الْعَرَبِ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَكُنَّا نَغْزُو مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَمَا لَنَا طَعَامٌ إِلاَّ وَرَقُ الشَّجَرِ، حَتَّى إِنَّ أَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا يَضَعُ الْبَعِيرُ أَوِ الشَّاةُ، مَا لَهُ خِلْطٌ، ثُمَّ أَصْبَحَتْ بَنُو أَسَدٍ تُعَزِّرُنِي عَلَى الإِسْلاَمِ، لَقَدْ خِبْتُ إِذًا وَضَلَّ عَمَلِي. وَكَانُوا وَشَوْا بِهِ إِلَى عُمَرَ، قَالُوا لاَ يُحْسِنُ يُصَلِّي. طرفاه 5412، 6453

راوی کا بیان ہے کہ میں حضرت سعد سے سنا کہتے تھے کہ میں پہلا عرب ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا، ہم آنجناب کے ہمراہ جہاد پہ جاتے تھے اور کھانے کیلئے ہمارے پاس صرف درختوں کے پتے ہی ہوتے تھے حتی کہ ہم میں کا کوئی اونٹوں اور بکریوں کی طرح اجابت کرتا تھا یعنی مینگنیوں کی شکل میں، اور اب بنی اسد کا حال یہ ہے کہ میرے اسلام میں عیب جوئی کرتے ہیں، اگر ایسا ہے تب تو میرے اعمال ضائع ہوئے اور میں گمراہ ہوا، لوگوں (یعنی بنی اسد) نے حضرت عمر کے پاس حضرت سعد کی چغلی کی تھی کہ وہ نماز کو بطریقِ احسن ادا نہیں کرتے

(إنی لأول العرب الخ) یہ سریہ عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب کا واقعہ ہے جو اسلام و کفر کی پہلی جنگ تھی اور اس سریہ کو نبی پاک نے سن ایک ہجری میں بھیجا تا کہ قریش کے ایک قافلہ سے لڑائی کریں، صرف باہم تیر اندازی ہوئی تلوار بازی کی نوبت نہ آئی تو اس موقع پہ پہلا تیر حضرت سعد نے چلایا تھا، زبیر بن بکار نے بھی اپنی سند سے اس کا تذکرہ کیا ہے، یونس بن بکیر نے بھی زیادت المغازی میں زھری کے طریق سے اسے نقل کیا ہے، ابن سعد کی حضرت سعد سے اسابت روایت میں ہے کہ ہم ساٹھ سوار تھے۔ (ماله خلط) یعنی شدتِ جفاف وتقشُّت کی وجہ سے مینگنیوں کی طرح ہم فضلہ کرتے تھے (یہ نا کافی خوراک کا نتیجہ تھا)۔

(ثم أصبحت بنو أسد الخ) یعنی ابن خزیمہ بن مدرکہ، یہ ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے حضرت عمر کے ہاں حضرت سعد کی شکایت لگائی، یہ قصہ صفۃ الصلاۃ میں گزرا ہے۔ ابن بطال لکھتے ہیں ان کا اس سے اشارہ حضرت عمر کی طرف تھا مگر یہ

درست نہیں کیونکہ وہ تو بنی عدی میں سے ہیں نہ کہ بنی اسد سے۔ نووی کے ہاں (أسد بن عبد العزی) مذکور ہوا، یعنی حضرت زبیر بن عوام کا خاندان، یہ بھی وہم ہے۔ (تعزرنی الإسلام) یعنی مجھے اسلام مراد نماز، سکھلاتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ مجھے نشانۂ عار بناتے ہیں کہ نماز اچھے طریقہ سے ادا نہیں کرتا۔ علامہ انور (ماله خلط) کا معنی کرتے ہیں (یعنی خلط شيء من الأغذية)، (آگے اردو میں لکھا ہے): اس میں غذا کا کوئی اور ملاؤ نہ تھا۔ اسے مسلم نے آخرِ کتاب، ترمذی نے (الزهد) نسائی نے (المناقب) جبکہ ابن ماجہ نے (السنة) میں تخریج کیا ہے۔

16باب ذِكْرُ أَصْهَارِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم (آنجناب کے دامادوں کا ذکر)

مِنْهُمْ أَبُو الْعَاصِ بْنُ الرَّبِيعِ ان میں ابوالعاص بن ربیع بھی ہیں

صہر کا لفظ خاوند اور بیوی کے تمام اقارب پر بولا جاتا ہے، بعض نے اسے بیوی کے اقارب کیلئے مختص کہا ہے۔ (منهم أبو العاص الخ) ان کا نسب نامہ یہ ہے: ابن ربیع بن ربیعۃ بن عبدالعزی بن عبدشمس بن عبدمناف، بعض نے ربیعہ کو ساقط کیا ہے، اپنی کنیت کے ساتھ مشہور تھے نام کی بابت اختلاف ہے، زبیر بن بکار کے ہاں اثبت قول، مقسم ہے، ان کی والدہ ہالہ بنت خویلد حضرت خدیجہ کی بہن تھیں، مصاہرت کا لغوی معنی مقاربت ہے، بقولِ راغب داماد کو کہتے ہیں، بقولِ خلیل بیوی کے تمام اقارب اصہار ہیں، ابن اعرابی کے بقول (ما يتحرم بجوار أو نسب أو تزوج) یعنی جو رشتہ بذریعہ جوار، نسب اور تزوّج قائم ہو، صہر کہلاتا ہے۔ نووی لکھتے ہیں خاوند اور بیوی، دونوں کے اقارب پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ ابو العاص کی زوجہ حضرت زینب آنجناب کی بڑی بیٹی تھیں، بعثت سے قبل ان کی شادی ہوئی، یہ بدر میں مشرکوں کی جانب سے لڑنے کیلئے آئے اور قیدی بنا لئے گئے، حضرت زینب نے ان کا فدیہ بھیجا آنجناب نے چھوڑتے وقت یہ شرط عائد کی کہ جاتے ہی زینب کو مدینہ بھیج دینگے، انہوں نے وعدہ ایفاء کیا (اسی جانب حدیث میں اشارہ ہے) پھر ایک اور موقع پہ ابوالعاص قیدی بنا لئے گئے تو حضرت زینب نے انہیں پناہ دینے کا اعلان کردیا، بعدازاں وہ مسلمان ہو گئے تو نبی اکرم نے حضرت زینب کو ان کے نکاح میں واپس کردیا، امامہ جنکا ذکر کتاب الصلاۃ میں آیا ہے، کہ نبی پاک اثنائے نماز انہیں اٹھالیا کرتے تھے، انہی کی بیٹی تھیں، علی نام کا ایک بیٹا بھی تھا جو نبی اکرم کے زمانہ میں مراھق (یعنی قریب البلوغ) تھا، کہا جاتا ہے کہ وہ عہد نبوی میں فوت ہو گیا تھا، ابوالعاص کی وفات سن ۱۲ھ میں ہوئی۔

آنجناب کے تین داماد تھے: ابوالعاص، علی اور عثمان، حضرت عثمان کی شادی آنجناب کی دو بیٹیوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے ہوئی، حضرت رقیہ کا نکاح قبل از بعثت ابولہب کے بیٹے کے ساتھ ہوا مگر رخصتی عمل میں نہ آسکی، اعلانِ نبوت کی وجہ سے اس نے باپ کے حکم سے طلاق دیدی تھی (سوائے حضرت فاطمۃ کے نبی پاک کی تمام اولاد، مرد و زن آپ کی حیات ہی میں فوت ہو گئے)۔

3729حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ قَالَ إِنَّ عَلِيًّا خَطَبَ بِنْتَ أَبِي جَهْلٍ، فَسَمِعَتْ بِذَلِكَ فَاطِمَةُ، فَأَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ يَزْعُمُ قَوْمُكَ أَنَّكَ لاَ تَغْضَبُ لِبَنَاتِكَ، هَذَا عَلِيٌّ نَاكِحٌ بِنْتَ أَبِي

جَهْلٍ، فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَسَمِعْتُهُ حِينَ تَشَهَّدَ يَقُولُ أَمَّا بَعْدُ أُنْكَحْتُ أَبَا الْعَاصِ بْنَ الرَّبِيعِ، فَحَدَّثَنِي وَصَدَقَنِي، وَإِنَّ فَاطِمَةَ بَضْعَةٌ مِنِّي، وَإِنِّي أَكْرَهُ أَنْ يَسُوءَهَا، وَاللَّهِ لاَ تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَبِنْتُ عَدُوِّ اللَّهِ عِنْدَ رَجُلٍ وَاحِدٍ .فَتَرَكَ عَلِيٌّ الْخِطْبَةَ .وَزَادَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَلِيٍّ عَنْ مِسْوَرٍ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَذَكَرَ صِهْرًا لَهُ مِنْ بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ فَأَثْنَى عَلَيْهِ فِي مُصَاهَرَتِهِ إِيَّاهُ فَأَحْسَنَ قَالَ حَدَّثَنِي فَصَدَقَنِي، وَوَعَدَنِي فَوَفَى لِي .أطرافه 926، 3110، 3714، 3767، 5230، 5278

حضرت مسور بن مخرمہ کی روایت ہے کہ حضرت علی نے بنتِ ابی جہل کو پیغامِ نکاح دیا حضرت فاطمہ نے جب یہ سنا تو نبی پاک کے پاس آئیں اور کہا آپ کی قوم کا خیال ہے کہ آپ اپنی بیٹیوں کی خاطر ناراض نہیں ہوتے اور یہ علی ہیں جو ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہیں، اس پر آنجناب صحابہ کو خطاب کیلئے کھڑے ہوئے، میں نے سنا تشہد کے کلمات ادا کئے پھر فرمایا اما بعد! میں نے ابو عاص کے ساتھ اپنی ایک بیٹی کی شادی کی اس نے جو بات کہی سچ کہی اور بے شک فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے اور مجھے پسند نہیں کہ اسے تکلیف پہنچے، اللہ کی قسم اللہ رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے پاس جمع نہیں ہوسکتیں۔ محمد بن عمرو نے زہری عن مسور سے یہ بھی زیادہ کیا کہ نبی پاک نے بنی عبدشمس کے اپنے داماد (ابو عاص) کا تذکرہ فرمایا اور کہا اس نے جو بات کی سچ کہا، جو وعدہ کیا پورا کیا۔

(إن عليا خطب الخ) اس بنتِ ابی جہل کا نام جویریہ تھا، آگے تذکرہ ہوگا، عوراء اور جمیلہ بھی کہا گیا ہے۔ عمومِ جواز سے حضرت علی کا ارادہ بنا کہ اس سے شادی کرلیں مگر آنجناب کے اظہارِ ناراضی پر ترک کردیا، آنجناب نے یہ انکار وتوبیخ دورانِ خطبہ اسلئے کیا تاکہ تمام لوگ اس حکمِ مذکور سے واقف ہوجائیں، یہ یا تو علیٰ سبیل الایجاب ہے یا علیٰ سبیل الأَولِیت، شریف مرتضی (حاشیہ میں لکھا ہے کہ شیعہ کے خاص دُعاۃ میں سے تھے، ان کے مقاییسِ جرح وتعدیل اہلِ سنت کے مقاییس سے مختلف ہیں) اس نکتہ سے غافل رہے اور یہ دعوی کردیا کہ یہ حدیث موضوع ہے کیونکہ اس کے راوی مسور ہیں جو حضرت علی سے منحرف ہوگئے تھے، یہی امر حضرت زبیر کے حوالے سے بھی مروی ہے مگر ان کے بقول وہ تو مسور سے بھی اشد تھے، (یعنی حضرت علی کی مخالفت میں) اس بارے تفصیلی کلام کتاب النکاح میں آئے گی۔

(وهذا عليٌّ ناكح الخ) طبرانی کی ابوالیمان سے ردایت میں (ناكحا) ہے، مسلم کے ہاں بھی اسی طریق سے منصوباً ہے، مجازاً ناکح کہا کیونکہ قصد وارادہ کرلیا تھا۔ (حدثني فصدقني) شائد ابوالعاص نے خود اپنے اوپر یہ شرط لگالی تھی (اور اس کا ذکر آنجناب سے بھی کردیا تھا) کہ حضرت زینب پر دوسری بیوی نہ کرینگے، اسی طرح حضرت علی نے بھی، اگر ایسا تھا تو گویا انہیں اپنی شرط یاد نہ رہی یا اگر یہ شرط نہیں ہی تھی تو انہیں خود اس کا خیال کرنا چاہئے تھا (جو نہ کیا) تو اسی لئے آنجناب کی جانب سے معاتبت ہوئی، آنجناب کا علی الاعلان اور جہراً وصراحۃً معاتبت کرنا عادت تو نہ تھی مگر شائد اس مرتبہ خلافِ عادت کام حضرت فاطمہ کی دلجوئی میں ازرہِ مبالغہ کیا، شائد یہ واقعہ فتحِ مکہ کے بعد کا ہے، اس وقت تک آپ کی باقی تینوں بیٹیاں انتقال کرچکی تھیں اور حضرت فاطمہ نہایت غم واندوہ کے عالم میں تھیں تو حضرت علی کا ایسا کرنا ان کے غم میں اضافہ کا باعث بنتا۔ (وزاد محمد بن عمرو الخ) ان کی روایت فرض الخمس میں

مطولا گزر چکی ہے۔

17 باب مَنَاقِبُ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ مَوْلَى النَّبِيِّ ﷺ (حضرت زید بن حارثہ کے فضائل)

وَقَالَ الْبَرَاءُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا. براء کہتے ہیں نبی پاک نے ان سے فرمایا تم ہمارے بھائی اور مولیٰ ہو۔

زید بن حارثہ بنی کلب میں سے تھے، جاہلیت میں قیدی بنا لئے گئے، حکیم بن حزام نے خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کو ہبہ کر دیا انہوں نے آنجناب کے ساتھ شادی کے بعد آپ کو ھبہ کر دیا، ابن اسحاق نے سیرت میں ان کا قصہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس میں ہے کہ ان کے والد حارثہ اور ان کی پھوپھی مکہ آئے تو انہیں پایا اور چاہا کہ آنجناب کو فدیہ دیکر واپس لے جائیں، نبی پاک نے (فدیہ کے بغیر ہی) انہیں اختیار دیا کہ چاہیں تو آپ کے پاس ہی رہ جائیں اور چاہیں تو اپنے والد کے ہمراہ واپس چلے جائیں، انہوں نے آپکے ہاں رہنا منظور کیا، ابن مندہ معرفۃ الصحابۃ میں بسند مستغرب عن آل بیت زید بن حارثہ نقل کرتے ہیں کہ حارثہ بھی نے اس دن اسلام قبول کر لیا تھا، انکا نسب نامہ یہ ہے: حارثہ بن شرحبیل بن کعب بن عبدالعزی کلبی، ترمذی جبلہ بن حارثہ سے روایت ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ میرے بھائی زید کو میرے ساتھ واپس بھیج دیں، آپ نے فرمایا اگر وہ جانا چاہتا ہے تو میں نہیں روکوں گا، زید بولے یا رسول اللہ میں آپ پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، حضرت زید جنگ مؤتہ میں شہید ہوئے جبکہ حضرت اسامہ کا ۵۴ھ میں مدینہ یا وادی قریٰ میں انتقال ہوا، ایک مدت تک دمشق کے مضافاتی علاقے مزۃ میں رہائش پذیر رہے۔ (وقال البراء الخ) یہ ایک حدیث کا حصہ ہے ترجمۂ حضرت جعفر میں اسکی طرف اشارہ ہوا ہے۔

730 حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ ؓ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْثًا، وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ، فَطَعَنَ بَعْضُ النَّاسِ فِي إِمَارَتِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنْ تَطْعُنُوا فِي إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعُنُونَ فِي إِمَارَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ، وَايْمُ اللَّهِ، إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِلإِمَارَةِ، وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ، وَإِنَّ هَذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ. أطرافه 4250، 4468، 4469، 6627، 7187

ابن عمر کی روایت ہے کہ نبی اکرم نے ایک لشکر بھیجا اور اس کا سالار اسامہ بن زید کو بنایا بعض لوگوں نے (ان کی کم سنی دیکھتے ہوئے) اس پہ اعتراض کیا تو نبی پاک نے فرمایا تم لوگوں نے اس سے قبل اس کے والد کو سالارِ لشکر بنانے پر بھی اعتراض کیا تھا، اللہ کی قسم وہ امارت کے قابل اور مجھے محبوب ترین افراد میں سے تھے اور یہ بھی ان افراد میں سے ہے جو مجھے محبوب ترین ہیں۔

سلیمان سے مراد ابن بلال ہیں۔ (بعثت النبي الخ) یہ وہی لشکر ہے جس کی تیاری و روانگی کا آنجناب نے اپنی مرض الموت میں حکم جاری فرماتے ہوئے کہا تھا: (أنفذوا بعث أسامة) اسامہ کے لشکر کو روانہ کر دینا (اسی لئے حضرت ابوبکر نے باوجود مخدوش حالات کے اسے روانہ کیا اور یہ گوارا نہ کیا کہ آنجناب کی وصیت کی خلاف ورزی ہو) اس کا بیان باب الوفاۃ میں آئے گا۔ (فطعن بعض الناس الخ) ان اعتراض کرنے والوں میں عیاش بن ابو ربیعہ مخزومی کا نام بھی ہے، تفصیل آگے المغازی میں آئیگی۔

(تطعنون) عینِ مفتوح کے ساتھ عرض ونسب کی بابت الزام تراشی وطعنہ بازی میں استعمال ہوتا ہے جبکہ عین کی پیش کے ساتھ نیزے یا ہاتھ کے ساتھ ضرب لگانے کے معنی میں، بعض کے خیال میں یہ دونوں، لغات ہیں۔

(في إمارة أبيه الخ) غزوہ مؤتہ میں حضرت زید کے سالار بنانے کی طرف اشارہ ہے، نسائی کی حضرت عائشہ سے روایت میں ہے کہ آنجناب نے جب بھی حضرت زید کو کسی سریہ کے ساتھ بھیجا ہمیشہ انہیں کو امیر بنایا، اس سے تولیتِ مولیٰ، تولیتِ مفضول علیٰ فاضل اور تولیتِ صغیر علیٰ کبیر کا جواز ثابت ہوتا ہے پھر لشکر اسامہ میں حضرات ابوبکر وعمر بھی تھے۔

3731حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ قَائِفٌ وَالنَّبِيُّ ﷺ شَاهِدٌ، وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَزَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ مُضْطَجِعَانِ، فَقَالَ إِنَّ هَذِهِ الأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ .قَالَ فَسُرَّ بِذَلِكَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَعْجَبَهُ، فَأَخْبَرَ بِهِ عَائِشَةَ .أطرافه 3555، 6770، 6771

اس کی مفصل شرح اور قائف کا نام کتاب الفرائض میں آئے گا۔

18باب ذِكْرُ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ (اسامہ بن زید کا ذکر)

3732حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ ؓ أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَخْزُومِيَّةِ، فَقَالُوا مَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلاَّ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، حِبُّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ .أطرافه 2648، 3475، 3733، 4304، 6787، 6788، 6800۔ (اسی جلد کے سابقہ نمبر میں مترجم ہے)

3733حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ ذَهَبْتُ أَسْأَلُ الزُّهْرِيَّ عَنْ حَدِيثِ الْمَخْزُومِيَّةِ فَصَاحَ بِي، قُلْتُ لِسُفْيَانَ فَلَمْ تَحْتَمِلْهُ عَنْ أَحَدٍ قَالَ وَجَدْتُهُ فِي كِتَابٍ كَانَ كَتَبَهُ أَيُّوبُ بْنُ مُوسَى عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ ؓ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ بَنِي مَخْزُومٍ سَرَقَتْ، فَقَالُوا مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا النَّبِيَّ ﷺ فَلَمْ يَجْتَرِئْ أَحَدٌ أَنْ يُكَلِّمَهُ، فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، فَقَالَ إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَ إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ الضَّعِيفُ قَطَعُوهُ، لَوْ كَانَتْ فَاطِمَةُ لَقَطَعْتُ يَدَهَا .أطرافه 2648، 3475، 3732، 4304، 6787، 6788، 6800۔ (ایضا)

اس کا جملہ (و من يجترئ أن يكلمه إلا أسامة الخ) غرضِ ترجمہ ہے، لوگ اسامہ کو حِبّ رسول اللہ کہتے تھے کیونکہ آپ کو نہایت عزیز تھے (پوتوں جیسی محبت تھی) ان کے والد زید کو متبنیٰ (بیٹا) بنا لیا تھا، اسامہ کی والدہ ام ایمن آنجناب کی حاضنہ تھیں، آپ فرمایا کرتے تھے: (هي أمي بعد أمي) کہ میری والدہ کے بعد یہی میری ماں تھیں (یعنی انہی نے آپ کو سنبھالا اور پرورش کی کیونکہ چھ برس کے تھے کہ حضرت آمنہ کا انتقال ہو گیا تھا) آپ اسامہ کو زانو مبارک پر بٹھلاتے اور نہایت پیار سے پیش آتے۔

3734حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَبَّادٍ يَحْيَى بْنُ عَبَّادٍ حَدَّثَنَا الْمَاجِشُونُ أَخْبَرَنَا

عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ نَظَرَ ابْنُ عُمَرَ يَوْمًا وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ إِلَى رَجُلٍ يَسْحَبُ ثِيَابَهُ فِي نَاحِيَةٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَقَالَ انْظُرْ مَنْ هَذَا لَيْتَ هَذَا عِنْدِي .قَالَ لَهُ إِنْسَانٌ أَمَا تَعْرِفُ هَذَا يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ هَذَا مُحَمَّدُ بْنُ أُسَامَةَ، قَالَ فَطَأْطَأَ ابْنُ عُمَرَ رَأْسَهُ، وَنَقَرَ بِيَدَيْهِ فِي الأَرْضِ، ثُمَّ قَالَ لَوْ رَآهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لأَحَبَّهُ

راوی کہتے ہیں ابن عمر نے مسجد میں ایک آدمی کو دیکھا کہ ایک کونہِ مسجد میں اپنا کپڑا اچھار رہے ہیں مجھے کہا دیکھو یہ کون شخص ہے، کاش یہ میرے قریب ہوتا ایک انسان بولا اے ابوعبدالرحمٰن آپ انہیں نہیں جانتے؟ یہ محمد بن اسامہ ہیں تو ابن عمر نے اپنا سر جھکایا اور ہاتھوں سے زمین کرید نے لگے پھر کہا اگر رسول اللہ انہیں دیکھتے تو ان سے بھی محبت کرتے۔

شیخِ بخاری حسن زعفرانی ہیں جبکہ ابوعباد سے مراد یحیٰ بن عباد ضبعی بصری ہیں۔ (عندی) اسے عبدی بھی روایت کیا گیا ہے گویا کہ وہ سیاہ رنگ کا تھا جیسا کہ کہا گیا۔ (لأحبه) ابن عمر نے قطعیت کے ساتھ یہ بات اسلئے کہی کیونکہ وہ آنجناب کی زید بن حارثہ، ام ایمن اوران کی اولاد کے ساتھ محبت سے واقف تھے تو ابن اسامہ کو بھی انہی پر قیاس کیا۔

3735 حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضی اللہ عنہ حَدَّثَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَأْخُذُهُ وَالْحَسَنَ فَيَقُولُ اللَّهُمَّ أَحِبَّهُمَا فَإِنِّي أُحِبُّهُمَا .طرفاه 3747، 6003۔

اسامہ کہتے ہیں نبی پاک انہیں اور حضرت حسن کو پکڑتے اور فرماتے اے اللہ تو بھی ان سے محبت کر کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔

3736 وَقَالَ نُعَيْمٌ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي مَوْلَى لأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ .أَنَّ الْحَجَّاجَ بْنَ أَيْمَنَ ابْنِ أُمِّ أَيْمَنَ، وَكَانَ أَيْمَنُ ابْنُ أُمِّ أَيْمَنَ أَخَا أُسَامَةَ لأُمِّهِ، وَهُوَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ، فَرَآهُ ابْنُ عُمَرَ لَمْ يُتِمَّ رُكُوعَهُ وَلاَ سُجُودَهُ فَقَالَ أَعِدْ .طرفه 3737۔ 3737 قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ وَحَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ نَمِرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ مَوْلَى أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّهُ بَيْنَمَا هُوَ مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ إِذْ دَخَلَ الْحَجَّاجُ بْنُ أَيْمَنَ فَلَمْ يُتِمَّ رُكُوعَهُ وَلاَ سُجُودَهُ، فَقَالَ أَعِدْ .فَلَمَّا وَلَّى قَالَ لِي ابْنُ عُمَرَ مَنْ هَذَا قُلْتُ الْحَجَّاجُ بْنُ أَيْمَنَ ابْنِ أُمِّ أَيْمَنَ .فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ لَوْ رَأَى هَذَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لأَحَبَّهُ، فَذَكَرَ حُبَّهُ وَمَا وَلَدَتْهُ أُمُّ أَيْمَنَ .قَالَ وَحَدَّثَنِي بَعْضُ أَصْحَابِي عَنْ سُلَيْمَانَ وَكَانَتْ حَاضِنَةَ النَّبِيِّ ﷺ . طرفه 3736

حرملہ مولیٰ اسامہ بن زید کہتے ہیں میں ابن عمر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ حجاج بن ایمن مسجد میں داخل ہوئے اور نماز پڑھنا شروع کی مگر سجود ورکوع اچھے طریقہ سے نہ کیا، جب پھرے تو ابن عمر نے مجھے کہا یہ کون ہے؟ میں نے کہا حجاج بن ایمن بن ام ایمن، کہنے لگے اگر نبی پاک اسے دیکھتے (یعنی عہدِ نبوی میں ہوتا) تو ضرور ان سے محبت کرتے، پھر آنجناب کی ام ایمن اوران کی اولاد

سے محبت کا تذکرہ کیا، سلیمان سے نقل کیا کہ ام ایمن آنجناب کی دایہ تھیں۔

(اللهم أحبهما الخ) یہ اس امر کا اِشعار ہے کہ نبی اکرم فقط اللہ سے اور اللہ کی وجہ سے ہی محبت کرتے تھے چنانچہ ان دونوں کی محبت کو بھی محبۃ اللہ پر مرتَّب فرمایا، یہ حسن واسامہ کی عظیم منقبت ہے۔ (وقال نعيم الخ) یعنی ابن حماد۔ (مولى لِأسامة) ابن ابی الدنیا کی روایت میں (ابن حرملة مولى لِأسامة) ہے ان کا نام ایاس تھا، حرملۃ بن ایاس بھی کہا گیا ہے جیسا کہ اگلی روایت میں ہے۔ (وهور جل من الأ نصار) یعنی ایمن ابن ام ایمن، ان کے والد عبید بن عمرو بن ہلال ہیں جو خزرج کے بنی حبلی میں سے تھے، بعض نے انہیں موالی خزرج میں سے حبشی قرار دیا ہے، زید سے قبل ام ایمن ان کی منکوحہ تھیں، ان سے ایمن متولد ہوئے جو جنگ حنین میں شہید ہوئے، والدہ کی طرف نسبت سے معروف ہوئے چونکہ ان کی نسبت زیادہ شرف والی اور اہل بیت کے ہاں مشہور و مانوس تھی، بعدازاں زید بن حارثہ سے ان کی شادی ہوئی اور اسامہ متولد ہوئے، ام ایمن کی وفات آنجناب کے کچھ ہی عرصہ بعد ہوئی۔

(فرآه ابن عمر) یہ کسی مقدر کلام پر معطوف ہے جس کی تقدیر یہ ہے: (إن الحجاج بن أيمن دخل المسجد فصلىٰ فرآه ابن عمر الخ) اگلی روایت سے اس کی توضیح ہوتی ہے۔ (أعد) اسماعلی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: (فقال أى ابن أخي تحسب أنك قد صليت؟ إنك لم تصل فأعِدْ صلاتَك) اے بھتیجے تم سمجھتے ہو نماز پڑھ لی؟ نہیں ہوئی دہراؤ۔ (وما ولدتها أيمن الخ) نسخہِ ابی ذر میں اسی طرح یعنی واوِ عطف کے ساتھ ہے، اس پر (حبہ) کی ضمیر اسامہ کی طرف راجع ہے، دوسروں کے نسخوں میں: (فذكرحبہ ماولدتہ الخ) ہے، اس پر (حبہ) کی ضمیر آنجناب کی طرف راجع ہے اور (ما ولدته) مفعول ہے، (ما ولدته) سے مراد جو ذکر داشیٰ انہوں نے جنے۔

(وزادني بعض أصحابي) یہ یا تو یعقوب بن سفیان ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی تاریخ میں سلیمان بن عبدالرحمٰن سے اسی سند کے ساتھ روایت کرتے ہوئے یہ عبارت بھی نقل کی ہے: (وكانت أم أيمن حاضنة النبيﷺ) یا پھر ذہلی ہیں کیونکہ انہوں نے زہریات میں سلیمان سے اس کی تخریج کی ہے۔ طبرانی نے مسند الشامیین میں ابو عامر محمد بن ابراہیم صوری عن سلیمان کے حوالے سے اسی طرح روایت کیا ہے، گویا بخاری نے سلیمان سے یہ مذکورہ جملہ سماع نہیں کیا تو اپنے بعض اصحاب سے اس کا تحمل کیا تو (امانت علمی کے طور پر) اس سیاق کی نشاندہی کر دی جسے شیخ سے براہ راست سماع سنا اور اسکی بھی جسے نہیں کیا۔

19 باب مَنَاقِبُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ (عبداللہ بن عمر کے مناقب)

یکے از عبادلہ، فقہائے صحابہ اور مکثرینِ روایتِ حدیث میں سے ہیں، ان کی والدہ زینب ہیں، رائطہ بنت مظعون یعنی حضرت عثمان اور قدامہ بن مظعون کی ہمشیرہ کی بابت بھی کہا گیا ہے کہ وہ ان کی والدہ ہیں، یہ سبھی صحابہ میں شامل ہیں، ان کی ولادت بعثت سے پہلے یا اس کے دوسرے برس ہوئی کیونکہ ثابت ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر ان کی عمر تیرہ برس تھی اور معرکہ بدر بعثت کے پندرہ برس بعد واقع ہوا تھا، ان کی وفات کا تذکرہ کتاب الصلاۃ میں گزر چکا ہے۔

3738 حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ الرَّجُلُ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ ﷺ إِذَا رَأَى رُؤْيَا قَصَّهَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَتَمَنَّيْتُ

أَنْ أَرَى رُؤْيَا أَقُصُّهَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، وَكُنْتُ غُلاَمًا أَعْزَبَ، وَكُنْتُ أَنَامُ فِي الْمَسْجِدِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَرَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ مَلَكَيْنِ أَخَذَانِي فَذَهَبَا بِي إِلَى النَّارِ، فَإِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبِئْرِ، فَإِذَا لَهَا قَرْنَانِ كَقَرْنَيِ الْبِئْرِ، وَإِذَا فِيهَا نَاسٌ قَدْ عَرَفْتُهُمْ، فَجَعَلْتُ أَقُولُ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ النَّارِ، أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ النَّارِ .فَلَقِيَهُمَا مَلَكٌ آخَرُ فَقَالَ لِي لَنْ تُرَاعَ .فَقَصَصْتُهَا عَلَى حَفْصَةَ .أطرافه 440، 1121، 1156، 3740، 7015، 7028، 7030۔ **3739** فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللَّهِ، لَوْ كَانَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ .قَالَ سَالِمٌ فَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ لاَ يَنَامُ مِنَ اللَّيْلِ إِلاَّ قَلِيلاً .أطرافه 1122، 1157، 3741، 7016، 7029، 7031

ابن عمر کہتے ہیں عہدِ نبوی میں جب کوئی شخص خواب دیکھتا تو اسے نبی پاک کو سناتا، تو مجھے خواہش ہوئی کہ کاش میں بھی کوئی خواب دیکھوں اور نبی اکرم کو سناؤں! اور میں ابھی کنوارہ نوجوان تھا اور مسجد میں سویا کرتا تھا تو ایک رات خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے مجھے پکڑ کر دوزخ کی طرف لے گئے کیا دیکھتا ہوں کہ وہ کنویں کی طرح بل دار بنی ہوئی ہے اسی کی طرح اس کے دو کنارے ہیں اس میں بعض ایسے لوگ نظر آئے جنہیں میں جانتا تھا، میں نے اس سے اللہ کی پناہ مانگنا شروع کی تو ایک اور فرشتہ کی مجھ سے ملاقات ہوئی جس نے کہا تمہیں اس سے کوئی خوف نہیں، میں یہ خواب حضرت حفصہ (جو ان کی بہن تھیں) کو سنایا، انہوں نے نبی پاک سے اس کی تعبیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا عبد اللہ اچھا آدمی ہے اگر تہجد ادا کرے، سالم کہتے ہیں اس کے بعد عبد اللہ کم ہی رات کو سوتے تھے (یعنی اشارہِ نبوی کے مطابق تہجد پڑھنا شروع کر دی)۔

سند کے شروع میں محمد کا نام صرف ابو ذر کے نسخہ میں ہے، انہوں نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد امام بخاری ہیں، ابن سکن کے نسخہ میں (حدثنا اسحاق بن منصور) ہے۔ (لن ترع) یہ قابسی کے نسخہ میں ہے، ابن تین لکھتے ہیں یہ لغتِ قلیلہ ہے یعنی فعل مضارع پر جزم بِلَن، قزاز کے بقول اس کا کوئی شاہد یاد نہیں، اکثر نے (لن تراع) روایت کیا ہے۔

3740 و **3741** حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ أُخْتِهِ حَفْصَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ رَجُلٌ صَالِحٌ .حديث 3740 أطرافه 440، 1121، 1156، 3738، 7015، 7028، 7030

یہ سابقہ حدیث ہی کا تسلسل ہے، یہ حصہ مسندِ حفصہ سے ہے، آگے التعبیر کی روایت میں (لو كان يصلي من الليل) کا اضافہ بھی آئیگا، قیام اللیل میں بھی گزر چکی ہے، باقی بحث التعبیر میں ہوگی۔

20 باب مَنَاقِبُ عَمَّارٍ وَحُذَيْفَةَ ؓ (حضرات عمار و حذیفہ کے فضائل)

حضرت عمار بن یاسر کی کنیت ابو یقظان تھی والدہ کا نام سمیہ ہے وہ اور ان کے والدین قدماء الاسلام ہیں اس پاداش میں اہل مکہ کی جانب سے سخت تعذیب کا نشانہ بنے حتی کہ ابو جہل کے ہاتھوں ان کی والدہ شہید ہو گئیں جو اسلام کی پہلی شہیدہ ھیں اسی دور میں ان کے والد کا بھی انتقال ہو گیا، حضرت عمار حضرت علی کے ساتھ تھے، صفین کی جنگ میں شہید ہو گئے، حضرت عمر نے انہیں کوفہ میں کچھ

سرکاری ذمہ داریاں سونپی تھیں اسی لئے ابو درداء نے کوفہ کی طرف منسوب کیا، حضرت حذیفہ کا شجرہ یہ ہے: ابن یمان بن جابر بن عمرو عبسی ، انصار کے قبیلہ بنی عبدالأشہل کے حلیف ، والد بھی صحابی ہیں، آگے ذکر آئیگا، انہیں بھی حضرت عمر نے کوفہ میں کچھ معاملات کا نگران بنایا تھا، بعدازاں مدائن کے گورنر بنے، حضرت عثمان کے کچھ عرصہ بعد وہیں ان کا انتقال ہوا، حذیفہ بھی قدیم الإسلام ہیں البتہ عماران سے اسبق ہیں امام بخاری نے دونوں کا ترجمہ اسلئے مشترک قائم کیا ہے کہ ابو درداء نے اکھٹے ان کا ذکرِ خیر کیا، ابن مسعود کا ذکر علیحدہ آئیگا، اگرچہ ابو درداء نے ان کا بھی ذکر کیا تھا مگر مصنف کو ان کے مناقب پر اپنی شرط کے موافق الگ سے روایت مل گئی، ذکرِ حذیفہ علیحدہ بھی آئے گا یا ممکن ہے وہاں اصل مقصود ان کے والد یمان کا تذکرہ مقصود ہو۔

3742حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ قَدِمْتُ الشَّأْمَ فَصَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قُلْتُ اللَّهُمَّ يَسِّرْ لِي جَلِيسًا صَالِحًا، فَأَتَيْتُ قَوْمًا فَجَلَسْتُ إِلَيْهِمْ، فَإِذَا شَيْخٌ قَدْ جَاءَ حَتَّى جَلَسَ إِلَى جَنْبِي، قُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوا أَبُو الدَّرْدَاءِ .فَقُلْتُ إِنِّي دَعَوْتُ اللَّهَ أَنْ يُيَسِّرَ لِي جَلِيسًا صَالِحًا فَيَسَّرَكَ لِي، قَالَ مِمَّنْ أَنْتَ قُلْتُ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ .قَالَ أَوَلَيْسَ عِنْدَكُمُ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ صَاحِبُ النَّعْلَيْنِ وَالْوِسَادِ وَالْمِطْهَرَةِ وَفِيكُمُ الَّذِي أَجَارَهُ اللَّهُ مِنَ الشَّيْطَانِ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ ﷺ أَوَلَيْسَ فِيكُمْ صَاحِبُ سِرِّ النَّبِيِّ ﷺ الَّذِي لاَ يَعْلَمُ أَحَدٌ غَيْرُهُ ثُمَّ قَالَ كَيْفَ يَقْرَأُ عَبْدُ اللَّهِ (وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى) ، فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ (وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى *وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى *وَالذَّكَرِ وَالأُنْثَى) .قَالَ وَاللَّهِ لَقَدْ أَقْرَأَنِيهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ فِيهِ إِلَى فِيَّ .أطرافه 3287، 3743، 3761، 4943، 4944، 6278

علقمہ راوی ہیں کہ میں شام آیا (مسجد میں) دو رکعت ادا کیں اور اللہ سے یوں دست بدعا ہوا اے اللہ مجھے کسی نیک ہم نشین کی مجلس عطا فرما، تو کچھ لوگوں کے پاس آیا اور ان کے ہمراہ بیٹھ گیا اتنے میں ایک شیخ آئے اور میرے پہلو میں فردکش ہوئے میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ بتلایا گیا یہ ابو درداء ہیں، میں نے انہیں کہا کہ ابھی میں نے کسی نیک ہم نشین ملنے کی دعا کی تھی تو اللہ نے آپکو بھیج دیا، کہنے لگے تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا کوفہ سے، کہا کیا وہاں تمہارے ہاں نبی پاک کے جوتے، تکیہ اور لوٹا بردار ام عبد (یعنی ابن مسعود) نہیں؟ کیا تم میں وہ نہیں جنہیں اللہ نے اپنے نبی کی زبانی شیطان سے پناہ دی؟ یا کیا تم میں آنجناب کے راز دار نہیں؟ جنہیں نبی اکرم نے وہ باتیں بتلائیں تھیں جو کوئی نہیں جانتا؟ (یعنی حضرت حذیفہ) پھر کہنے لگے ابن مسعود سورت (وَاللیل اِذا یغشیٰ) کو کیسے قراءت کرتے ہیں؟ میں نے ان کی قراءت بتلائی کہ یوں پڑھتے ہیں: (واللیل إذا یغشی والنہار إذا تجلیٰ والذکر والأنثیٰ) کہنے لگے مجھے بھی رسول اللہ نے ایسے ہی یاد کرائی تھی۔

3743حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُغِيرَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ ذَهَبَ عَلْقَمَةُ إِلَى الشَّأْمِ، فَلَمَّا دَخَلَ الْمَسْجِدَ قَالَ اللَّهُمَّ يَسِّرْ لِي جَلِيسًا صَالِحًا .فَجَلَسَ إِلَى أَبِي الدَّرْدَاءِ فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ مِمَّنْ أَنْتَ قَالَ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ قَالَ أَلَيْسَ فِيكُمْ أَوْ مِنْكُمْ

صَاحِبُ السِّرِّ الَّذِی لاَ یَعْلَمُهُ غَیْرُهُ یَعْنِی حُذَیْفَةَقَالَ قُلْتُ بَلَی قَالَ أَلَیْسَ فِیکُمْأَوْ مِنْکُمُ الَّذِی أَجَارَهُ اللَّهُ عَلَی لِسَانِ نَبِیِّهِﷺ یَعْنِی مِنَ الشَّیْطَانِ، یَعْنِی عَمَّارًا .قُلْتُ بَلَی .قَالَ أَلَیْسَ فِیکُمْ أَوْ مِنْکُمْ صَاحِبُ السِّوَاكِ أَوِ السِّرَارِ قَالَ بَلَی قَالَ کَیْفَ کَانَ عَبْدُ اللَّهِ یَقْرَأُ (وَاللَّیْلِ إِذَا یَغْشَی *وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّی) قُلْتُ (وَالذَّکَرِ وَالأُنْثَی) قَالَ مَا زَالَ بِی هَؤُلاَءِ حَتَّی کَادُوا یَسْتَنْزِلُونِی عَنْ شَیْءٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِﷺ .أطرافه 3287، 3742، 3761، 4943، 4944، 6278۔ (سابقہ ہے)

دوسری روایت میں ابراھیم علقمہ کے شام جانے کا ذکر اپنے الفاظ میں کرتے ہیں تو صورۃً یہ روایت مرسل بنی لیکن اثنائے حدیث یہ الفاظ بھی ہیں: (قال قلت بلیٰ) تو یہ موصول ہونے کو مقتضِی ہے، التفسیر میں ایک دیگر طریق کے ساتھ ابراھیم سے روایت میں آیگا علقمہ کہتے ہیں کہ میں اصحابِ ابن مسعود کی ایک جماعت کے ہمراہ شام گیا ابو درداء ہماری آمد کا سنکر ہمیں ملنے آئے۔ (ابن أم عبد) یعنی عبداللہ بن مسعود، ابو درداء سمجھے تھے کہ یہ حضرات طلبِ حدیث میں شام آئے ہیں، اسلئے یہ کہا، اس سے مستفاد ہوا کہ محدث کو نہیں چاہئے کہ اپنے شہر و علاقہ کے علماء سے استفادہ مکمل کئے بغیر کسی اور جانب کا سفر اختیار کرے۔

(صاحب النعلین) آنجناب کی نعلین مبارکین ابن مسعو دسنبھالا کرتے تھے۔ (والوساد) شعبہ کی روایت میں: (السواك أو السواد) مذکور ہے، کشمیہنی کے ہاں یہاں بھی (الوساد) ہے مگر یہ اوجہ نہیں، کہا جاتا ہے (ساودته سوادا) ای (ساررتُه سرارا) یعنی اسے راز دار بنایا۔ (والمطهرة) سرخسی کی روایتِ بخاری میں (والمطهر) ہے، داؤدی نے غرابت کا مظاہرہ کیا جب لکھا کہ آنجناب کی ملکیت میں بس یہی تین اشیاء تھیں، مسلم میں ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ نبی پاک نے مجھے فرمایا: (إذنك عليَّ أن ترفع الحجاب و تسمع سوادی) کہ تمہیں اجازت ہے جب چاہو حجاب اٹھا کر میری گھر کی باتیں بھی سن لو، یہ ابن مسعود کی خصوصیت تھی، آگے ابو موسی کی ایک روایت آرہی ہے جس میں کہتے ہیں کہ جب میں اور میری بہن یمن سے آئے تو ایک عرصہ تک صرف ابن مسعود کو دیکھتے کہ وہی اور ان کی والدہ ھی اھل بیتِ نبی کے ہاں آتے جاتے ہیں، اسوجہ سے ایک عرصہ تک انہیں اہلِ بیت کے افراد ہی خیال کرتے رہے، تو اصل یہ کہنا مقصود تھا کہ ابن مسعو آنجناب کے ساتھ ساتھ رہے ہیں، تو انکے پاس اتنا ذخیرہِ احادیث موجود ہے کہ طالب کو کسی اور طرف کا رخ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔

(الذی أجاره الخ) شعبہ کی روایت میں (یعنی عمارا) بھی ہے۔ ابن تین کا خیال ہے کہ اس سے انکا اشارہ آنجناب کے عمار کی بابت اس فرمان کی طرف تھا: (ویح عمار یدعوهم إلى الجنة و یدعونه إلى النار) یہ محتمل ہے، یہ احتمال بھی ہے کہ حدیثِ عائشہ مرفوع: (ما خُيّرَ عمار بین أمرین إلا اختار أرشدَهما) کی طرف اشارہ ہو، کہ عمار کو کبھی دو معاملوں میں سے ایک کے اختیار کا موقع نہیں دیا گیا مگر وہ ان میں سے جو نہایت رشد و بھلائی والا ہے، اسے ہی اختیار کرتے ہیں، اسے ترمذی نے تخریج کیا ہے، تو اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ وہ أجیر من الشیطان ہیں۔ بزار نے حضرت عائشہ سے روایت کیا، کہتی ہیں میں نے رسول اللہ سے عمار کی بابت سنا: (مُلِئَ إیمانا إلى مشاشه) کہ مشاش (یعنی گہرائی) تک ایمان سے بھرے ہوئے ہیں، اس کی سند صحیح ہے، طبقات ابن سعد میں بطریق حسن منقول ہے کہ عمار نے بیان کیا ہم نے ایک جگہ پڑاؤ کیا، میں اپنا ڈول لے کر پانی لینے نکلا تو

آنجناب نے فرمایا تمہیں پانی لینے سے روکنے والا ملے گا، کہتے ہیں جب چشمہ پر پہنچے تو ایک کالے رنگ کا آدمی گویا برص ہو، آڑے آیا، میں نے اسے پچھاڑ دیا، پوری حدیث ذکر کی آخر میں ہے کہ نبی پاک کو اطلاع دی تو فرمایا وہ شیطان تھا، شائد ابو درداء کا اشارہ اس قصہ کی طرف ہو یا ان کا اشارہ عمومی طور پر اہل مکہ کی تعذیب وتشدد کے باوجود اسلام پر ثابت قدمی کی طرف ہوسکتا ہے، کفار نے انہیں کلمۂ کفر بولنے پر مجبور کیا تھا، اسی بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی: (إِلا مَنْ أُكْرِهَ وَ قَلْبُه مُطْمَئِنٌّ بِالإِيْمَان) [النحل: ۱۰۶]۔

(صاحب سر النبی ﷺ الذی لا یعلم أحد الخ) آنجناب نے حضرت حذیفہ کو منافقین کے اسماء واحوال سے آگاہ فرمایا ہوا تھا (وہ ان رازوں کو افشاء نہ کیا کرتے تھے، حضرت عمر نے ایک مرتبہ بالاصرار پوچھا مگر بتلانے پر آمادہ نہ ہوئے، وہ بولے چلو اتنا ہی بتلا دو میں تو ان میں سے نہیں؟ کہا، آپ نہیں، کسی شخص کا جنازہ لایا جاتا تو پوچھتے حذیفہ نماز جنازہ میں موجود ہیں؟ اگر ہوتے تب وہ شرکت کرتے، ایک دفعہ پوچھا کیا میرے گورنروں میں سے کوئی منافق ہے؟ کہا ایک ہے مگر نشاندہی نہ کی حضرت عمر نے اپنی فراست سے اس کا سراغ لگا کر فارغ کر دیا حضرت حذیفہ اس بارے کہا کرتے تھے کہ ٹھیک اسی بندے پر ہاتھ ڈالا گویا کسی نے آگاہ کیا ہو)۔

(کیف یقرأ عبد الله الخ) ان کی قراءت کے بارہ میں تفسیر (واللَّيلِ إذا يَغْشىٰ) کی روایت میں بحث آئے گی، وہاں بھی یہی روایت اضافات کے ساتھ مذکور ہے۔ آخر بحث ابن حجر بعنوان تنبیہ لکھتے ہیں ابوھریرہ اور ابو درداء کے مابین ان تین حضرات کا ان اوصاف کے ساتھ تذکرہ کرنے میں توارُد ہوا ہے (بلکہ ابو ہریرہ سے راوی کا قصہ بھی یہی ہے جو علقمہ کو پیش آیا) ترمذی نے خیثمہ بن عبد الرحمٰن سے روایت کی ہے کہ میں مدینہ آیا اور دعا کی کہ اے اللہ مجھے کوئی صالح جلیس میسر آئے، کہتے ہیں تو ابوھریرہ کی مجالست نصیب ہوئی پھر (اثنائے گفتگو) پوچھا کہاں سے ہو؟ میں نے کہا کوفہ سے، خیر کی تلاش میں نکلا ہوں، کہا (أ لیس منکم سعد بن مالك مجاب الدعوة، و ابن مسعود صاحب طهور رسول الله ﷺ و نعليه و حذيفة صاحب سره و عمار الذی أجاره الله من الشيطان على لسان نبيه و سلمان صاحب الكتابين)۔ (گویا ان تینوں کے ساتھ ساتھ حضرات سعد بن ابی وقاص اور سلمان فارسی کا بھی ذکر کیا)۔

21 باب مَنَاقِبُ أَبِی عُبَيْدَةَ ؓ بْنِ الْجَرَّاحِ (حضرت ابوعبیدہ بن جراح کے فضائل)

انکا تذکرہ باقی عشرہ مبشرہ سے متاخراً کیا ہے، صحیح بخاری کے کسی نسخہ میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت سعید بن زید ج
کہ دونوں عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، کا ترجمہ موجود نہیں، اسلامِ زید کی بابت البتہ اوائل السیر ۃ میں ترجمہ موجود ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں میر
خیال ہے کہ یہ ناقلینِ صحیح کا تصرف ہے پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح کو بشکلِ مسودہ چھوڑا تھا، یہاں ذکر کردہ اس
میں افضلیت سابقیت یا اَسَنِّیت کی رعایت سے تراجم کی ترتیب نہیں کی دراصل انہوں نے ہر ترجمہ الگ لکھا، صحیح کی ترتیب ناقلین کی ص
ہے (اسی لئے نسخوں میں تقدیم وتاخیر کا فرق ہے)۔

ابوعبیدہ کا نام عامر تھا، شجرہ نسب یہ ہے: ابن عبد اللہ بن جراح بن سلال بن اہیب بن ضبة بن حارث بن فہر، آنجناب
ساتھ فہر بن مالک میں مجتمع ہیں، تعدادِ آباء میں پانچ کا فرق ہے، ابوعبیدہ من حیث العدد (یعنی نبی پاک کی نسبت سے) عبد مناف
درجہ میں ہیں بعض ماہرینِ انساب نے جراح اور ہلال کے درمیان ربیعہ ذکر کیا ہے اس لحاظ سے یہ درجہ ہاشم میں قرار پاتے ہیں، ا

کی والدہ ان کے والد کی عمزاد تھیں، ابو احمد حاکم کے بقول مسلمان تھیں جبکہ والد حالت کفر میں بدر کے دن قتل ہوئے، کہا جاتا ہے ابوعبیدہ ہی نے قتل کیا تھا (اگر یہ ثابت ہے تو شائد اسلام کے اس دور کی اکیلی مثال ہوگی کہ بیٹے نے والد کو بوجہ کفر قتل کیا) اسے طبرانی وغیرہ نے عبداللہ بن شوذب کے طریق سے مرسلاً نقل کیا ہے ۱۸ھ میں طاعون میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے تب وہ حضرت عمر کی طرف سے امیرِ شام تھے۔

3744 حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينًا، وَإِنَّ أَمِينَنَا أَيَّتُهَا الْأُمَّةُ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ .طرفاه 4382، 7255

انس کہتے ہیں نبی پاک نے فرمایا ہر امت کیلئے امین ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔

عبدالاعلی سے مراد ابن عبدالاعلی بصری سامی ہیں، بنی سامہ بن لؤی سے تھے ان کے شیخ خالد حذاء ہیں۔ (أيتها الأمة) صورتِ نداء ہے لیکن مراد اختصاص ہے یعنی ہماری امت امم کے درمیان مخصوص امت ہے، اس پر یہ منصوب علی الاختصاص ہوگا مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے امین سے مراد ثقہ و رضی (یعنی قابلِ اعتماد و پسندیدہ)، اگرچہ اس صفت میں کئی دیگر صحابہ بھی ان کے مشارک ہیں مگر سیاق ظاہر کرتا ہے کہ انہیں کوئی ازدیاد و تفوق حاصل ہے، اصل میں نبی اکرم نے کبار صحابہ میں سے ہر ایک کو کسی فضیلت و صفت کے ساتھ خاص کیا تھا جیسے حضرت عثمان کو صفتِ حیا کے ساتھ تو یہ اس امر کا اِشعار تھا کہ ان کے ہاں اس صفتِ مذکورہ کی نسبت قدرِ زائد ہے۔ تنبیہ کے عنوان سے ابن حجر لکھتے ہیں کہ ترمذی اور ابن حبان نے یہی روایت عبدالوھاب ثقفی عن خالد حذاء کے حوالے سے اسی سند کے ساتھ تخریج کی ہے ان کے ہاں شروع میں یہ الفاظ بھی ہیں: (أرحم أمَّتی بامَتی أبوبكر و أشَدُّهم فی أمرِ اللّٰه عمرُ و أصْدَقُهم حياءً عثمانُ و أقرؤُهم لِكتاب الله أبَیٌّ و أفْرَضُهم زيدٌ و أعْلَمُهم بالْحَلال والحَرام معاذٌ ألاوَ إنَّ لِكُلِّ أمَّةٍ أمِيناً) اس کی سند صحیح ہے مگر حفاظ کا کہنا ہے کہ درست یہی ہے کہ وہی حصہ موصول ہے جو بخاری نے یہاں نقل کیا باقی مرسل ہے۔

اسے مسلم نے (الفضائل) جبکہ نسائی نے (المناقب) میں روایت کیا ہے۔

3745 حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ صِلَةَ عَنْ حُذَيْفَةَ ؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَهْلِ نَجْرَانَ لَأَبْعَثَنَّ يَعْنِي عَلَيْكُمْ يَعْنِي أَمِينًا حَقَّ أَمِينٍ .فَأَشْرَفَ أَصْحَابُهُ، فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ رضى الله عنه .أطرافه 4380، 4381، 7254

حضرت حذیفہ کہتے ہیں نبی پاک نے اہلِ نجران سے فرمایا میں تمہارے پاس ایک امین کو بھیج رہا ہوں جو حقیقی معنی میں امین ہے، اس پر صحابہ کرام کو شوق ہوا (کہ وہ خوش نصیب کون ہے) تو آپ نے ابوعبیدہ بن جراح کو بھیجا۔

صلہ سے مراد ابن زفر ہیں بقول جیانی قابسی کے نسخہ میں یہاں صلہ بن حذیفہ مذکور ہے، یہ تحریف ہے۔ (عن حذيفه) نسائی کی روایت میں (عن صلة عن ابن مسعود) ہے اس کا بیان المغازی میں آئے گا۔ (لأهل نجران) نجران یمن کے قریب ایک شہر ہے ان اہل نجران میں عاقب یعنی عبدالمسیح، السید اور انکے ہمراہی تھے۔ ابن سعد ذکر کرتے ہیں یہ سن نو میں وفد لیکر مدینہ آئے

تھے، حدیث کی باقی شرح المغازی میں آئے گی۔ مسلم کی حدیثِ انس میں ہے کہ اہل یمن کا وفد مدینہ آیا اور آنجناب سے عرضگزار ہوا کہ کوئی ایسا شخص ہمارے ساتھ بھیجیں جو ہمیں اسلام وسنت کی تعلیم دے اس پر آپ نے ابوعبیدہ کا ھاتھ پکڑ کر فرمایا: (هذا أمين هذه الأمة) تو اگر راوی نے تجوزاً اہل نجران کیلئے اہل یمن کا لفظ استعمال نہیں کیا تو یہ ایک ہی واقعہ ہے وگرنہ دو ہیں، اول ارجح ہے۔ (لأبعثن حق أمين) غیر ابی ذر کی روایتِ بخاری میں (لأبعثن۔ يعني عليكم۔ أمينا حق أمين) ہے، مسلم کے الفاظ ہیں: (لأ بعثن إليكم رجلا أمينا حق أمين)۔

(فأشرف الخ) مسلم اور اسماعیلی کے ہاں (فاستشرف الخ) ہے یعنی سب کی خواہش ہوئی کہ یہ امارت انہیں مل جائے تا کہ وہ اس صفت کے ساتھ موصوف قرار پائیں تو اصل حرص وطمع صفتِ امانت کی تحصیل کی تھی نہ کہ ولایت کی، ابویعلی کی سالم عن ابیہ کے طریق سے روایت میں ہے ابن عمر کہتے ہیں حضرت عمر سے سنا کہتے تھے میں نے سوائے ایک مرتبہ کے کبھی امارت کی خواہش نہیں کی، تو یہی قصہ بیان کیا، انکے الفاظ ہیں: (فتعرضت أن تصيبني فقال قُمْ يا أبا عبيده) یعنی میں بھی سامنے ہوا کہ شائد مجھے مل جائے مگر آنجناب نے فرمایا اے ابوعبیدہ اٹھ کھڑے ہوں۔

22 باب مَنَاقِبُ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِؓ (حسنینؓ کے مناقب)

قَالَ نَافِعُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَانَقَ النَّبِيُّ ﷺ الْحَسَنَ بقولِ نافع نبی پاک نے حضرت حسن کو گلے سے لگایا۔

حسنینؓ کے کثیر مناقب میں اشتراک کی وجہ سے مشترکہ ترجمہ لائے ہیں، اکثر کے نزدیک حضرت حسن رمضان سن تین ھ میں پیدا ہوئے، سن پچاس کو مدینہ میں زھر دئے جانے کے سبب انتقال کیا۔ حضرت حسین اکثر کے قول کے مطابق ۶ ھ شعبان میں پیدا ہوئے اور ۶۱ ھ کو کربلا میں عاشوراء (یعنی دسویں محرم) کے دن شہید کئے گئے۔

اہل کوفہ نے امیر معاویہ کی وفات کے بعد جب شام میں یزید کو خلیفہ بنالیا گیا، حضرت حسین کو خطوط لکھے کہ وہ ان کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں، حسین ان کی طرف نکلے مگر عبید اللہ بن زیاد ان سے قبل کوفہ پہنچ گیا اور لوگوں کی غالب اکثریت کو ان سے پھیر لیا جو رغبت ورھبت سے متاثر ہو کر ان کا ساتھ چھوڑ گئے، کوفہ میں موجود ان کے عمزاد مسلم بن عقیل قتل کر دئے گئے، انہیں حضرت حسین نے اپنی آمد سے قبل روانہ کیا تھا تا کہ لوگوں سے ان کے نام کی بیعت لیں، ادھر حضرت حسین راستہ میں تھے عبید اللہ نے ایک لشکر ان کی طرف روانہ کیا جس نے بمقام کربلا ان سے جنگ کی حتی کہ وہ خود اور آپکے ہمراہ اہل بیت کی ایک جماعت شہید ہوگئی (مشہور ہے کہ ان کے ہمراہ ان کے خاندان کے بہتر افراد شہید ہوئے مگر کالج کے ایک شیعہ ساتھی پروفیسر نے بتلایا کہ شہداء کی کل تعداد ایک سوبیس ہے، بقول ان کے روضہ حسین پہ یہی تعداد لکھی ہوئی ہے)، یہ ایک طویل قصہ ہے اس کا کچھ تذکرہ کتاب الفتن میں بھی آئیگا۔ (قال نافع الخ) ابن جبیر بن مطعم مراد ہیں، ان کی یہ حدیث مذکور کتاب البیوع میں گذر چکی ہے۔

3746 حَدَّثَنَا صَدَقَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى عَنِ الْحَسَنِ سَمِعَ أَبَا بَكْرَةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ وَالْحَسَنُ إِلَى جَنْبِهِ، يَنْظُرُ إِلَى النَّاسِ مَرَّةً وَإِلَيْهِ مَرَّةً، وَيَقُولُ

ابْنِی هَذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ .أطرافه 2704، 3629، 7109۔ (جلد چہارم کتاب الصلح میں ترجمہ موجود ہے)

اس کی تفصیلی شرح کتاب الفتن میں آئیگی، ابوذر کے نسخہ میں مزید یہ الفاظ بھی ہیں: (ابو موسی اسمه اسرائیل بن موسی من أهل البصرة نزل الهند لم یرو عن الحسن غیره) کہ ابوموسی کا نام اسرائیل تھا بصری ہیں، ہندوستان منتقل ہو گئے ان کی حسن بصری سے فقط یہی ایک روایت ہے۔

3747 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ قَالَ سَمِعْتُ أَبِی قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَأْخُذُهُ وَالْحَسَنَ وَيَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّی أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا .أَوْ كَمَا قَالَ .طرفاه 3735، 6003 (اس کا سابقہ نمبر)

معتمر اپنے والد سلیمان سے راوی ہیں، ترجمۂ اسامہ میں یہ روایت گزر چکی ہے۔ (حدثنا أبو عثمان) للأدب کی ایک دیگر طریق کے ساتھ روایت میں (عن أبیه) کے بعد ابوعثمان سے قبل ابوتمیمہ کا واسطہ بھی مذکور ہے، اسماعیلی کہتے ہیں گویا سلیمان نے اولا اسے ابوتمیمہ عن ابی عثمان سے سنا پھر ابوعثمان سے بھی ملاقات ہوگئی تو ان سے بھی سماع کر لیا، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ دراصل دو حدیثیں ہیں، سلیمان کے ابوعثمان سے نقل کردہ الفاظ یہ ہیں: (کان رسول الله لَیأخُذنی فیضَعُنی علیٰ فَخِذِہٖ ویَضع علی الفخذ الآخرَ الحسنَ بنَ عليٍّ ثم یَضُمُّهُما ثم یقول اللهم ارْحَمْهُما فإنّی أرْحَمُهما)۔

3748 حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنِی حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ؓ أُتِیَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ زِيَادٍ بِرَأْسِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلاَمُ فَجُعِلَ فِی طَسْتٍ، فَجَعَلَ يَنْكُتُ، وَقَالَ فِی حُسْنِهِ شَيْئًا .فَقَالَ أَنَسٌ كَانَ أَشْبَهَهُمْ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَكَانَ مَخْضُوبًا بِالْوَسْمَةِ

انس بن مالک کہتے ہیں عبید اللہ بن زیاد کے پاس حضرت حسین کا کٹا ہوا سر لایا گیا جسے طشت میں رکھا گیا، ابن زیاد ایک چھڑی کے ساتھ اس سے چھیڑ خوانی کرنے لگا اس پر حضرت انس نے کہا حسین رسول اللہ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ تھے، کہتے ہیں اس وقت ان کے بالوں پہ وسمہ کا خضاب لگا ہوا تھا۔

جریر بن حازم محمد بن سیرین سے راوی ہیں۔ (أتی عبید الله بن زیاد) یہ زیاد وہی جسے ابن ابی سفیان کہا جاتا تھا (زیاد ابن ابیہ بھی کہلاتا تھا یعنی اپنے باپ کا بیٹا، چونکہ اس کا باپ نامعلوم تھا بعد ازاں ابوسفیان نے دعوی کیا کہ زیاد ان کا بیٹا ہے، جاہلیت میں اس کی والدہ سمیہ کے ساتھ زنا کیا تھا، نہایت دانشمند اور زیرک شخص تھا حضرت علی کا مددگار اور ان کا ساتھی تھا حضرت حسن کے بیعتِ معاویہ پر راضی ہو جانے کے باوجود ان کی بیعت پر رضامند نہ ہوتا تھا تا آنکہ حضرت معاویہ نے گواہ پیش کئے کہ ابوسفیان نے کہا تھا زیاد ان کا بیٹا ہے، اس لحاظ سے سرکاری طور پر اعلان کیا کہ زیادہ ان کا بھائی ہے تب اس نے بھی ان کی مخالفت چھوڑ کر بیعت کر لی، انہوں نے اسے عراق کا گورنر بنا دیا، اسی زیاد کے بیٹے عبید اللہ نے قتلِ حسین کیلئے لشکر بھیجا پھر ان کا سر منگوا کر اپنے سامنے رکھا، خدا کی شان چند برس بعد عین اسی جگہ خود اس کا سر کاٹ کر مختار ثقفی کے سامنے رکھا گیا، ایک روایت میں ہے کہ ایک سانپ آ کر اس کے ایک نتھنے سے داخل ہوتا، دوسرے

سے باہر نکلتا پھر داخل ہوتا تو کبھی منہ سے باہر نکلتا اور عبید اللہ کا سر بزبان حال کہتا: دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو)۔

علامہ انور لکھتے ہیں مستدرک حاکم میں مرفوعا منقول ہے اور انہوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ اللہ تعالی نے نبی اکرم سے فرمایا میں نے یحیی کے قتل کے عوض ستر ہزار قتل کئے اور آپکے نواسہ کے قتل کے بدلے ستر ہزار پھر ستر ہزار قتل کرونگا، کہتے ہیں اس ضمن کے مقتولین کی تعداد تو لاکھوں تک جا پہنچی ہے اور ابھی اللہ ہی جانتا ہے کہ ابھی اور کتنے اس بھینٹ چڑھیں گے۔

(فجعل ينكت) ترمذی اور ابن حبان کی حفصۃ بنت سیرین عن انس سے روایت میں ہے کہ ایک شاخ لیکر ان کی ناک میں داخل کرتا (شائد اسی لئے اس ظالم کی ناک میں سانپ آتا جاتا تھا)۔ طبرانی کی حدیثِ زید بن ارقم میں ہے کہ شاخ سے کبھی ان کے ہاتھ پر مارتا اور کبھی آنکھوں اور ناک میں رکھتا! میں نے کہا اسے اٹھا لو کہ میں نے آنجناب کے مبارک لبوں کو ان جگہوں کا بوسہ دیتے دیکھا ہے (اہل سنت ہونیکے مدعی بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو سارا غصہ حسین مظلوم پر نکالتے اور کہتے ہیں کس نے کہا تھا وہاں جائیں؟ کوئی ان سے پوچھے حسین پر مدینہ کی زمین تنگ کر دیگئی، مکہ آ گئے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا جا رہا تھا، آخر مجبوری کے عالم میں یہ امید لے کر چلے کہ اہل کوفہ نے اتنے ہزار خطوط بھیجے ہیں شائد وفادار میسر آ جائیں، اگر اسے ان کی سیاسی غلطی یا غیر حکیمانہ پالیسی مان بھی لیا جائے تو یہ حق آپکو کس نے دیا ہے کہ ان کی بیچارگی کا مذاق اڑائیں)۔

(وقال في حسنه الخ) ترمذی کی روایت میں ہے کہ کہا میں نے اس جیسا حسن نہیں دیکھا (كان أشبههم الخ) ھُم کا مرجع اھل بیت ہیں، بزار کی ایک دیگر طریق کے ساتھ حضرت انس سے روایت میں ہے میں نے کہا میں نے رسول اللہ کو دیکھا کہ ان مقامات کو بوسے دیا کرتے تھے جہاں تو نے اپنی قضیب (چھڑی) رکھی ہے، اس پر وہ منقبض ہوا۔ (بالوسمة) واؤ مفتوح ہے، اس پر پیش پڑھنا خطا ہے البتہ سین پر سکون و زبر، دونوں صحیح ہیں، یہ ایک نبت ہے جسے بطورِ خضاب استعمال کیا جاتا ہے، سیاہی مائل رنگ ہوتا ہے، اس بارے کتاب اللباس میں بحث آئے گی۔ علامہ انور وسمہ کا معنی (اردو میں) نیل کرتے ہیں، کہتے ہیں اس میں اشکال سمجھا گیا ہے کہ سیاہ خضاب لگائے ہوئے تھے حالانکہ نسائی کی روایت میں اس پر وعید مذکور ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ وسمہ خالص سیاہ نہیں ہوتا، نیلاہٹ جھلکتی ہے، مؤطا محمد میں ان کی کلام سے یہی مستفاد ہے، پھر سیاہ خضاب کا استعمال ہمارے نزدیک جہاد میں جائز ہے اسی طرح اس شخص کیلئے بھی جو نوجوان لڑکی سے شادی کر رہا ہے۔

3749حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ الْمِنْهَالِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَدِيٌّ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ ؓ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَالْحَسَنُ عَلَى عَاتِقِهِ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ.

براء کہتے ہیں میں نے نبی پاک کو دیکھا کہ حسن آپکے کندھے پہ ہیں اور آپ کہہ رہے ہیں اے اللہ مجھے اس سے محبت ہے تو بھی اس سے محبت کر۔

(والحسن بن علي) اسماعیلی کے ہاں عمرو بن مرزوق عن شعبہ کے حوالے سے (الحسن أو الحسين) ہے پھر لکھتے ہیں کہ اکثر اصحابِ شعبہ نے (الحسن) روایت کیا ہے، آٹھ کے نام گنوائے۔ اسے مسلم اور نسائی نے بھی (الفضائل) میں نقل کیا ہے۔

3750حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ قَالَ أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ رَأَيْتُ أَبَا بَكْرٍ ؓ وَحَمَلَ الْحَسَنَ وَهُوَ يَقُولُ بِأَبِي شَبِيهٌ

بِالنَّبِيِّ، لَيْسَ شَبِيهٌ بِعَلِيٍّ .وَعَلِيٌّ يَضْحَكُ .طرفه 3542 (دیکھئے اسی جلد کا سابقہ نمبر)

3751حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ وَصَدَقَةُ قَالاَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ ارْقُبُوا مُحَمَّدًا ﷺ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ .طرفه 3713۔ (اسی جلد کا سابقہ نمبر)

زمعہ نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ حسن کو جھولا جھلاتے ہوئے یہ الفاظ کہا کرتی تھیں، اسے احمد نے نقل کیا تو اگر یہ محفوظ ہے تو ممکن ہے ابوبکر و فاطمہ کے مابین یہ توارُد واقع ہوا ہو یا ابوبکر کو پتہ ہو کہ فاطمہ یہ کہتی ہیں، تو ان کلمات میں ان کی متابعت کی۔

(ليس شبيها بعلي) ابن مالک کہتے ہیں روایت میں (شبيه) یعنی پیش کے ساتھ ہے تو یہ کوفیوں کے مذہب کے مطابق ہے جنکے ہاں لیس حرفِ عطف نہیں، تو جیہہ بھی ممکن ہے کہ شبیہ لیس کا اسم ہو جبکہ اس کی خبر ضمیرِ متصل ہو جسے استغناء عنہ حذف کر دیا، اسکی نظیر آنجناب کا خطبہِ یوم النحر میں یہ قول ہے: (أليس ذوالحجة؟)، طیبی اس بابت اظہارِ خیال کرتے ہیں کہ محتمل ہے تقدیرِ کلام یہ ہو: (هو مُفديً بأبي شبيهٌ بعلي) اس پر یہ خبر بعد خبر ہوگی (یعنی دوسری خبر) یا تقدیر یہ ہوگی: (أفديه بأبي) تب یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی، شمائلِ ترمذی میں مروی حضرت علی کا آنجناب کے بارہ میں یہ قول کہ میں نے آپ جیسا نہ آپ سے قبل دیکھا نہ آپ کے بعد، اس کے معارِض نہیں کیونکہ اس نفی کو عمومِ شبہ اور حضرت حسن کی اس شباہت کو معظم شبہ (یعنی کافی شباہت تھی) پر محمول کیا جائے گا (دوسرا یہ کہ حضرت علی کا مطلب تھا کہ آپ جتنا حسین نہیں دیکھا حضرت حسن کی آپ کے ساتھ مشابہت کا مطلب یہ نہیں، کہ وہ آپ جتنے حسین بھی تھے)۔

3752حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ .وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي أَنَسٌ قَالَ لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَشْبَهَ بِالنَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ

حضرت انس کا قول ہے کہ کوئی حسن سے زیادہ نبی پاک سے مشابہ نہ تھا۔

(وقال عبد الرزاق الخ) اسے احمد اور عبد بن حمید نے موصول کیا ہے بخاری کے یہ تعلیق ذکر کرنے کا مقصد زہری کے حضرت انس سے سماع کی تصریح ہے۔ (لم يكن أحد الخ) یہ بابِ ھذا کی تیسری روایت میں حضرت حسین کے بارہ میں اس جملہ (وكان أشبههم الخ) کے معارض ہے، تطبیق کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ روایتِ زہری میں مذکور حضرت انس کی یہ بات حضرت حسن کی حیات میں کہی ہو کہ بمقابلہ حسینؓ وہ نبی اکرم سے زیادہ مشابہ تھے اور ابن سیرین کے حوالے سے حضرت حسین کے بارہ میں وہ بات۔ جیسا کہ سیاق سے ظاہر ہے۔ حضرت حسن کی وفات کے بعد کہی، یا حسین کو اشبہ کہنے والے حضرت حسن کو نفی کر کے یہ بات کہتے تھے، یہ بھی محتمل ہے کہ بعض اعضاء میں حسن اور بعض میں حسین اشبہ ہوں، اس کی تائید ترمذی اور ابن حبان کی ہانیٔ بن ہانیٔ عن علی کی روایت سے ہوتی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ حسن سر سے سینہ تک آنجناب سے زیادہ مشابہ اور حسین کا اس سے نچلا دھڑ آنجناب سے زیادہ مشابہ تھا، اسماعیلی کی عبد الأعلی عن معمر کے طریق سے اسی روایتِ زہری کے الفاظ یہ ہیں: (وكان أشبههم وجها بالنبی ﷺ)

تو اس سے بھی حضرت علی کی مذکورہ بات کی تائید ہوتی ہے۔

حسنین کریمین کے علاوہ جو افراد نبی اکرم سے مشابہت کے حامل تھے ان میں جعفر بن ابوطالب، ان کے بیٹے عبداللہ، قثم بن عباس، ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب اور مسلم بن عقیل بن ابو طالب تھے، اسی طرح کئی غیر قریشی بھی آپ سے مشابہ تھے مثلا سائب بن یزید مطلبی جو امام شافعی کے جدِ اعلیٰ ہیں، عبداللہ بن عامر بن کریز عبشمی اور کابس بن ربیعہ بن عدی، تو یہ دس افراد ہیں، انہیں کئی اصحاب نے اپنے اشعار میں جمع کر دیا ہے، ابن حجر کے بھی اس بارے دو اشعار ہیں، لکھتے ہیں بعد ازاں پڑھا کہ حضرت فاطمہ بھی آپ سے بہت مشابہ تھیں (سابقہ ایک روایت میں حضرت عائشہ کے حوالے سے ذکر ہوا کہ حضرت فاطمہ کی چال عین آنجناب کی چال کے مشابہ تھی)، کہتے ہیں آنجناب کے مرحوم بیٹے ابراھیم بھی آپ سے مشابہ تھے نیز حضرت جعفر کے دوسرے بیٹے عون بھی، کہتے ہیں ابو الولید بن شحنہ قاضیِ حلب نے اپنے اشعار میں پندرہ افراد کا ذکر کیا ہے جو آپ سے مشابہ تھے، انہوں نے سابق الذکر کے علاوہ عقیل کے دوسرے بیٹے عثمان اور ابن نجاد کے نام ذکر کئے ہیں، ایک جگہ پڑھا کہ مسلم بن معتب بن ابولہب بھی آپ سے مشابہ تھا، ابن عبد البر الاستیعاب میں اور مزی المحبر میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبد المطلب بھی آپکے مشابہین میں شامل ہیں، حضرت عثمان کی آنجناب کے ساتھ مشابہت کے بارہ میں ابن شحنہ مذکور نے حضرت عائشہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی پاک نے جب اپنی لختِ جگر ام کلثوم کی شادی ان سے کی تو ان سے فرمایا وہ تمہارے جد امجد حضرت ابراھیم اور تمہارے والد، محمد سے بہت مشابہ ہیں، کہتے ہیں ذھبی نے اسے موضوع قرار دیا ہے کیونکہ اس کا راوی عمرو بن ازہر اور اس کا شیخ خالد بن عمرو ائمہِ جرح و تعدیل کی نظر میں کاذب ہیں، حضرت عثمان آپ سے مشابہ نہ تھے۔

انہوں نے جس ابن نجاد کا تذکرہ کیا ہے وہ علی بن علی بن نجاد بن رفاعہ ہیں، ابن سعد نے لکھا ہے کہ وہ بھی نبی اکرم سے مشابہ تھے وہ تابعی صغیر ہیں جبکہ سابق الذکر حضرات عہد نبوی کے ہیں اسی لئے بقول ابن حجر میں نے ان کا نام درخورِ اعتناء نہیں سمجھا۔ کتب انساب میں کئی اور نام بھی مذکور ہیں، امام مہدی جو آخر الزمان ظہور پذیر ہوں گے، کی بابت بھی مذکور ہے کہ وہ نہ صرف آپ سے مشابہ ہوں گے بلکہ ان کا نام بھی محمد اور ان کے والد کا نام عبداللہ ہوگا۔

3753 حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي يَعْقُوبَ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي نُعْمٍ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ وَسَأَلَهُ عَنِ الْمُحْرِمِ، قَالَ شُعْبَةُ أَحْسِبُهُ يَقْتُلُ الذُّبَابَ فَقَالَ أَهْلُ الْعِرَاقِ يَسْأَلُونَ عَنِ الذُّبَابِ وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ ابْنَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هُمَا رَيْحَانَتَایَ مِنَ الدُّنْيَا. طرفه 5994

راوی کہتے ہیں ایک شخص نے ابن عمر سے حالتِ احرام میں مکھی مار دینے کی بابت پوچھا، تو ابن عمر کہنے لگے اہلِ عراق مکھی مارنے کے بارہ میں پوچھتے ہیں جبکہ نواسہِ رسول کو شہید کر دیا ہے؟ اور نبی پاک فرمایا کرتے تھے کہ یہ دونوں (یعنی حسن و حسین) دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔

ابن ابی نعم سے مراد عبد الرحمن ہیں ان کی کنیت ابو الحکم اور نسبت بَجلی تھی۔ (وسأله عن المحرم) الأدب کی مہدی بن میمون عن ابن أبی یعقوب سے روایت میں ہے: (وسأله رجل) ابو ذر ھروی کے حوالے سے منقول بعض نسخوں میں (و سألته) ہے

اگر یہ محفوظ ہے تو گویا سائل کا نام معلوم ہے لیکن اسے یہ امر بعید کرتا ہے کہ ترمذی کی جریر بن حازم عن محمد بن أبی یعقوب سے روایت میں ہے کہ اہل عراق میں سے ایک شخص نے سوال کیا اور احمد کی روایت میں ہے، میں بھی ان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ (أحسبه يقتل الذباب) طیالسی کی شعبہ سے روایت میں بغیر شک کے ہے جبکہ جریر بن حازم کی مشارالیہ روایت میں ہے: (سئل ابن عمر عن دم البعوض يصيب الثوب) یعنی اس میں بجائے مکھی کے مچھر کا ذکر ہے، مہدی بن میمون کی روایت میں بھی یہی ہے تو ممکن ہے دونوں کے بارہ میں سوال کیا ہو۔

ابن عمر نے تعجباً یہ بات کہی کہ شیءِ یسیر کے بارہ میں سوال پر حریص ہیں مگر شیءِ جلیل کی تفریط کی کوئی پرواہ نہیں۔

(ریحانتای) اکثر کی روایت میں یہی صیغۂ تثنیہ ہے، ابوذر کے نسخہ میں (ریحانی) یعنی مذکر اور مفرد کا صیغہ ہے۔ حسنین کو پھولوں سے تشبیہ دی (پھولوں سے بچوں کی یہ تشبیہہ دنیا کی ہر زبان میں ہے) کیونکہ انہیں بھی پھولوں کی طرح سونگھا اور چوما جاتا ہے (اور انہی کی طرح گداز اور نرم و نازک ہونا بھی ایک وجہِ شبہ ہے)۔ ترمذی کی حضرت انس سے روایت میں ہے کہ نبی اکرم حسن و حسین کو سونگھا کرتے اور اپنے گلے لگا کر بھینچا کرتے تھے۔

اسے ترمذی نے بھی (المناقب) میں روایت کیا ہے۔

23 باب مَنَاقِبُ بِلاَلِ بْنِ رَبَاحٍ مَوْلَى أَبِى بَكْرٍ (مناقبِ حضرت بلال)

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ نبی اکرم نے فرمایا کہ میں نے جنت میں اپنے آگے آگے تمہارے قدموں کا چاپ سنی ہے۔

کتاب البیوع کے باب (البيع والشراء مع المشركين) میں حضرت بلال کی کیفیتِ شراء کی بابت اختلاف کا ذکر ہو چکا ہے، ان کی والدہ کا نام حمامہ تھا جو بعض بنی جمح کی لونڈی تھیں، طبرانی کی حضرت انس وغیرہ سے روایت میں ہے کہ وہ حبشی تھے ایک قول کے مطابق نوبی (یعنی بلادِ نوبہ کا رہنے والا) تھے۔ (مولى أبي بكر) ابوبکر بن ابوشیبہ نے بسند صحیح قیس بن ابوحازم سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے انہیں پانچ اوقیہ سونا کے عوض خریدا وہ اس وقت پتھروں کے نیچے دبے ہوئے تھے (یعنی بوجہِ اسلام کفارِ مکہ کے سخت تشدد کا شکار تھے ان کے سینے پر پتھر رکھکر کہتے توحید کا انکار کرو مگر وہ اقرار ہی کرتے جاتے)۔ (وقال النبی ؐ) صلاۃ اللیل میں یہ حدیث گزر چکی ہے۔

3754 حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِى سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ أَخْبَرَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ عُمَرُ يَقُولُ أَبُو بَكْرٍ سَيِّدُنَا، وَأَعْتَقَ سَيِّدَنَا . يَعْنِى بِلاَلاً

جابر کہتے ہیں حضرت عمر کہا کرتے تھے ابوبکر ہمارے سید ہیں اور انہوں نے ہمارے سید یعنی بلال کو آزاد کرایا ہے۔

(و أعتق سيدنا) ابن تین لکھتے ہیں ان کی مراد یہ تھی کہ وہ سادۃ میں سے ہیں، یہ مراد نہیں تھی کہ وہ عمر سے افضل ہیں، بعض نے لکھا ہے کہ ابوبکر کیلئے سید کا لفظ حقیقی معنی میں جبکہ بلال کیلئے مجازی معنی میں تواضعاً استعمال کیا، یا (اگر حقیقی معنی ہی مراد ہے) تو سیادت سے افضلیت ثابت نہیں ہوتی، ابن عمر نے ایک مرتبہ کہا تھا: (ما رأيت أسودَ مِن معاوية) کہ میں نے معاویہ

سے بڑھ کر کسی کو سردار نہیں دیکھا، حالانکہ وہ ابوبکر وعمر کو دیکھ چکے تھے (یعنی اسود بمعنی افضل نہیں)۔

3755 حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ قَيْسٍ أَنَّ بِلَالًا قَالَ لِأَبِي بَكْرٍ إِنْ كُنْتَ إِنَّمَا اشْتَرَيْتَنِي لِنَفْسِكَ فَأَمْسِكْنِي، وَإِنْ كُنْتَ إِنَّمَا اشْتَرَيْتَنِي لِلَّهِ فَدَعْنِي وَعَمَلَ اللهِ

راوی کہتے ہیں حضرت بلال نے حضرت ابوبکر سے کہا اگر مجھے اپنے لئے خریدا تھا تو بے شک روکے رکھئے لیکن اگر اللہ کیلئے خریدا تھا تو پھر مجھے جانے دیں کہ اللہ کی راہ میں عمل کروں۔

اسماعیل سے ابن ابی خالد جبکہ قیس سے مراد ابن ابی حازم ہیں۔ (إن بلالا قال الخ) یہ بات خلافتِ ابی بکر میں کہی تھی، احمد کی ابو اسامہ عن اسماعیل سے روایت میں اس کی صراحت ہے، اس میں (حين توفي رسول الله ؐ) کے الفاظ بھی ہیں۔ (فدعني وعمل الله) کشمیہنی کے نسخہ میں (وعملي لله) ہے، ابو اسامہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: (فذَرْنِي أعمل لِلّٰه) طبقات ابن سعد میں تفصیل موجود ہے، اس میں ہے کہ کہنے لگے میں دیکھتا ہوں کہ افضل عمل راہِ خدا میں جہاد کرنا ہے تو میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکل پڑوں (نبی پاک کی وفات کے بعد حضرت بلال کا مدینہ میں جی نہیں لگتا تھا، محبت میں اپنا اپنا انداز ہوتا ہے اب ان کا مدینہ میں رہنے کو جی نہ کرتا کہ یہاں وہ رخ زیبا اب نظر نہیں آتا جسے دیکھنا باعثِ قرارِ دل تھا، ایک انداز محبت و شیفتگی امام مالک کا تھا جو مدینہ سے کہیں آتے جاتے نہ تھے کہ کہیں مدینہ سے دور موت نہ آجائے، اسی لئے کسی نے کیا خوب کہا: و لِلنَّاسِ فِيما يَعْشَقُونَ مَذاهِب۔ یعنی لوگوں کے عشق میں انداز عَجب ہیں) اس پر حضرت ابوبکر نے کہا میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اور اپنے حق کا بھی (کہ تم ہمیں چھوڑ کر نہ جاؤ) تو ان کی وفات تک حضرت بلال مدینہ ہی رہے بعد ازاں حضرت عمر نے (بادل نخواستہ) اجازت دیدی تو شام کی جہادی مہمات میں شریک ہوئے وہیں طاعونِ عمواس کی لپیٹ میں آکر ۱۸ھ میں انتقال کر گئے اور دمشق کے بابِ صغیر میں مدفون ہوئے، نووی نے یہی لکھا ہے بعض نے بابِ کیسان کو مدفن قرار دیا ہے، ابن سمعانی کا خیال ہے کہ وہ مدینہ میں فوت ہوئے تھے مگر اسے ان کی غلطی قرار دیا گیا ہے۔

علامہ انور (إن بلالا قال لأبی بکر الخ) کے تحت لکھتے ہیں بلال وفاتِ نبوی کے بعد شام چلے گئے تھے حضرت ابوبکر انہیں روکنا چاہتے تھے تو بلال نے یہ جواب دیا، اس امر میں اختلاف ہے کہ دوبارہ واپس مدینہ آگئے تھے یا نہیں، ابوداؤد کی ایک روایت میں رجوع کا ذکر موجود ہے اس کی سند جید ہے، اس میں ہے کہ جب واپس آئے تو لوگوں نے اصرار کیا کہ اذان دیں جیسا کہ عہدِ نبوی میں دیا کرتے تھے تو انہوں نے دی (یہاں مولانا بدر حاشیہ میں لکھتے ہیں ملا علی قاری نے المرقاۃ میں حضرت بلال کی واپسی اور لوگوں کے اصرار پر اذان دینے کے ذکر والی حدیث کو موضوع قرار دیا ہے، طیبی نے بھی الذیل میں یہی لکھا ہے، کہتے ہیں شیخ نے ابوداؤد کے حوالے سے جس روایت کا ذکر کیا ہے وہ مجھے وہاں نہیں ملی، تو ممکن ہے نوٹس لینے میں مجھ سے کچھ غلطی ہوگئی ہو)۔

24 باب ذِكْرُ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ (حضرت عباس کا تذکرہ)

عبد اللہ بن عباس کی کنیت ابو العباس تھی، ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے جبکہ وفات بمقام طائف بعمر اڑسٹھ برس ہوئی علمائے صحابہ میں سے تھے حتی کہ اسی وجہ سے حضرت عمر باوجود صغیر عمری کے انہیں اشیاخ صحابہ کے ساتھ رکھتے۔

3756 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ ضَمَّنِى النَّبِىُّ ﷺ إِلَى صَدْرِهِ وَقَالَ اللَّهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ. أطرافه 75، 143، 7270

ابن عباس کا بیان ہے کہ نبی پاک نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور یہ دعا دی کہ اللہ اسے حکمت سکھلا۔

(علمه الحكمة) اگلے طریق میں (الکتاب) ہے، اس سے اس رائے کی تائید ملی کہ حکمت سے یہاں مراد قرآن ہے، اس کی باقی بحث کتاب العلم میں گزر چکی ہے، یہ حدیث کتاب العلم کے ساتھ کتاب الطہارہ میں بھی مذکور ہوئی وہاں اس دعا کا سبب بھی ذکر ہوا تھا ساتھ میں یہ زیادت بھی: (وعلمہ التاویل)، زبانوں پر یہ الفاظ مشہور ہوئے ہیں: (اللهم فَقِّهْه فی الدِّين و عَلِّمْه التأويل) حتی کہ بعض نے ان الفاظ کو غلط طور پر صحیحین کی طرف منسوب کر دیا، یہ احمد کی ابن خثیم عن ابن عباس کے حوالے سے مروی ہیں، بزار نے شعیب بن بشر عن عکرمہ کے طریق سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: (اللهم علمه تأويل القرآن)، مسند احمد کی ایک دیگر طریق کے ساتھ عکرمہ سے یہ الفاظ مروی ہیں: (الهم أعْطِ ابنَ عباس الحكمةَ و عِلمه التأويل)۔

حکمت سے مراد میں تعدُّدِ آراء ہے بعض نے اصابتِ قول، بعض نے فہم من اللہ بعض نے ایسی باتیں جو عقل قبول کرے، مراد قرار دیا ہے، بعض نے سرعتِ جواب بِالصواب کہا وغیرھا، ابن عباس ان صحابہ میں سے تھے جو تفسیر قرآن کے بڑے عالم تھے، یعقوب بن سفیان اپنی تاریخ میں ابن مسعود سے ناقل ہیں کہ اگر (عہد نبوی میں) ابن عباس ہماری عمر کے ہوتے تو ہم میں سے کوئی ان کے رتبہ کا نہ ہوتا اور کہا کرتے تھے: (نِعْمَ تَرْجَمان القرآن ابنُ عباس) ابن عباس قرآن کے اچھے ترجمان ہیں، اسے ابن سعد نے بھی ابن مسعود کے حوالے سے نقل کیا ہے، ابوزرعہ دمشقی اپنی تاریخ میں ابن عمر کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ابن عباس: (أعلم الناس بما أنزل الله علىٰ محمد) قرآن کے سب سے بڑے عالم ہیں، اسے ابن خیثمہ نے بھی بسند حسن نقل کیا ہے، یعقوب ابو وائل سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ سورۃ النور کی تفسیر بیان کرنا شروع کی، بیان سنکر ایک شخص کہنے لگا اگر دیلم یہ سن لیتے تو مسلمان ہو جاتے، اسے ابو نعیم نے بھی الحلیۃ میں ذکر کیا ہے البتہ سورۃ النور کی بجائے سورۃ البقرہ کہا اور ذکر کیا کہ (كان على الموسم) اس وقت امیرِ حج تھے، یعنی سن ۳۵ ھ میں جب حضرت عثمان نے حالتِ محصوری میں انہیں امیر الحاج بنا کر بھیجا تھا۔

3756 حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ وَقَالَ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ، حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ خَالِدٍ مِثْلَهُ۔ (اس روایت میں کتاب کا لفظ ہے)۔

25 باب مَنَاقِبُ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ (حضرت خالد کے مناقب)

انکا نسب نامہ یہ ہے: خالد بن ولید بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظۃ بن مرۃ بن کعب۔ نبی پاک اور حضرت ابوبکر کے شجرہ کے ساتھ مرہ میں مل جاتے ہیں، کنیت ابوسلیمان تھی، فُرسان (شہسوار) صحابہ میں سے تھے، حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے قبل اسلام قبول کیا، بعض کے مطابق غزوہ مؤتہ سے دو ماہ قبل جو ۸ ھ کے ماہ جمادی میں ہوا تھا، اسی لئے مغلطائی نے جزم کے ساتھ ان کا قبولِ اسلام ماہِ صفر میں ذکر کیا ہے، فتح مکہ اس کے بعد رمضان میں ہوا تھا، سعید بن منصور ھشیم عن عبد الحمید بن جعفر عن ابیہ سے بیان

کرتے ہیں کہ حضرت خالد کی ایک ٹوپی گم ہوگئی، اس کے بارہ میں ہمیں بتلایا کہ جب نبی پاک نے عمرہ ادا فرمایا تھا تو بال منڈوائے اور لوگ بال مبارک حاصل کرنے کیلئے ٹوٹ پڑے، میں سب سے آگے تھا تو آپکی پیشانی مبارک کے بال اس ٹوپی میں جمع کئے تھے پھر ہمیشہ اپنی جنگوں میں اسے ساتھ رکھا اور اس کے سبب نصرت و فتح سے ہمیشہ ہمکنار ہوا، نبی اکرم کے عہد میں متعدد جہادی مہمات میں اپنی نجابت (مہارت) کا ثبوت دیا، عہد صدیقی میں فتنۂ ارتداد کا قلع وقمع انہی کے ہاتھوں ہوا پھر روم وایران کے خلاف بڑی مہمات کی قیادت کی، ۲۱ھ میں طبعی موت کا شکار بنے، یہ خلافت عمری کا زمانہ تھا اور خالد اس وقت حمص شہر میں مقیم تھے، دحیم نے لکھا کہ مدینہ میں انتقال ہوا، مگر اسے ان کی غلطی قرار دیا گیا ہے، ابن تین اور ان کی پیروی میں بعض شراح لکھ بیٹھے کہ عہد صدیقی میں فوت ہوئے تھے، یہ دحیم سے بھی بڑی غلطی ہے۔

3757 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ وَاقِدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَعَى زَيْدًا وَجَعْفَرًا وَابْنَ رَوَاحَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُمْ خَبَرُهُمْ، فَقَالَ أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ حَتَّى أَخَذَ سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِ اللَّهِ حَتَّى فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ. أطرافه 1246، 2798، 3063، 3630، 4262۔ (ترجمہ کیلئے دیکھئے: جلد دوم ص: ۱۵۰)

(حتى أخذها سيف الخ) اسی دن ان کا لقب سیف اللہ پڑ گیا، ابن حبان اور حاکم نے عبد اللہ بن ابی اوفی کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک نے فرمایا خالد کو ایذاء نہ دو، وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جو کفار پر سونتی ہوئی ہے، غزوہ مؤتہ کا تذکرہ المغازی میں آئے گا۔

26 باب مَنَاقِبُ سَالِمٍ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ (سالم مولیٰ ابی حذیفہ کی فضیلت)

ابو حذیفہ جوان کے آقا تھے، ابن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس، اکابر صحابہ میں سے ہیں، بدر میں لشکر نبوی کے ہمراہ تھے جبکہ ان کا والد عتبہ کفار کی جانب سے لڑتا ہوا قتل ہوا تو انہیں بہت افسوس ہوا، کہتے تھے اس کی دانشمندی سے مجھے امید تھی کہ اسلام لے آئیں گے مگر تقدیر کو یہ منظور نہ تھا، خود وہ جنگ یمامہ (جو مسیلمہ کذاب کے خلاف تھی) میں شہید ہوئے، حضرت سالم سابقین اولین میں سے ہیں، روایتِ ہذا سے پتہ چلا کہ عارف قرآن بھی تھے، کتاب الصلاۃ میں ان کے بارہ میں ذکر گزرا کہ ابتدائے ہجرت قباء میں مہاجرین کی امامت کراتے رہے، بدر اور مابعد کے غزوات میں حاضر تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کے والد کا نام معقل تھا، یہ ایک انصاری خاتون کے مولیٰ تھے، ابو حذیفہ نے ان سے شادی کی اور انہیں اپنا متبنیٰ بنا لیا تو انہی کی طرف منسوب ہو گئے، الرضاع میں اس کا ذکر آئیگا، سالم بھی یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔

3758 حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ ذُكِرَ عَبْدُاللّٰهِ عِنْدَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، فَقَالَ ذَاكَ رَجُلٌ لَا أَزَالُ أُحِبُّهُ بَعْدَ مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ اسْتَقْرِئُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، فَبَدَأَ بِهِ، وَسَالِمٍ

مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ، وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ .قَالَ لاَ أَدْرِي بَدَأَ بِأُبَيٍّ أَوْ بِمُعَاذٍ .أطرافه 3760، 3806، 3808، 4999

مسروق کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمرو کے پاس حضرت عبداللہ بن مسعود کا تذکرہ ہوا تو کہنے لگے یہ وہ شخص ہے جب سے ان کے بارہ میں رسول اللہ کا یہ فرمان سنا کہ قرآن کی قراءت چار افراد سے سیکھو: عبداللہ بن مسعود سے، ان کا نام سب سے پہلے لیا۔ اور سالم مولی ابی حذیفہ سے اور ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے، تیسرے نمبر پہ ابی یا معاذ کا نام ذکر فرمایا، تو انہیں محبوب سمجھتا ہوں۔

(ذكر عبد الله) یعنی ابن مسعود۔ (فبدأبه) یعنی ان کا نام شروع میں لیا، اس سے ان کا مقام و رتبہ عیاں ہوا۔ (لا أدري أبدأ بأبي الخ) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ واو ظاہری لحاظ سے ترتیب کو مقتضی ہے، ان چار صحابہ کی تخصیص بالذکر یا تو اسلئے کہ وہ قرآن کے نسبۃً زیادہ ضبط کرنے والے اور متقن للأداء تھے یا اس وجہ سے کہ انہوں نے تعلیمِ قرآن کیلئے خود کو وقف کر رکھا تھا اور آنجناب سے مشافہۃً (یعنی سبقاً سبقاً) اس کا اخذ کرتے تھے، یہ نہیں مراد کہ ان کے سوا کوئی اور جامعِ قرآن (یعنی حافظ) نہ تھا۔ اسے مسلم نے (الفضائل) اور ترمذی نے (المناقب) میں ذکر کیا ہے۔

27 باب مَنَاقِبُ عَبْدِ اللَّهِ ؓ بْنِ مَسْعُودٍ (مناقبِ عبداللہ بن مسعود)

انکا نسب نامہ یہ ہے: عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر، ان کے والد زمانہِ جاہلیت ہی میں انتقال کر گئے، ان کی والدہ صحابیات میں سے ہیں خود وہ سابقین میں سے ہیں، ابن حبان نے نقل کیا ہے کہ وہ چھٹے فرد ہیں جو دائرہ اسلام میں آئے، دو ہجرتیں کیں، بدر میں حاضر تھے، حضرات عمر و عثمان کے عہدِ خلافت میں کوفہ کے بیت المال کے نگران بنے، آخری عمر میں مدینہ واپس آ گئے تھے، وہیں خلافت عثمانی ۳۲ ھ میں انتقال کیا اس وقت ان کی عمر ساٹھ سے متجاوز تھی، علمائے صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، ان سے کثیر لوگوں نے کسبِ علم کیا۔

3759 حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ سَمِعْتُ مَسْرُوقًا قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا وَلاَ مُتَفَحِّشًا وَقَالَ إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنَكُمْ أَخْلاَقًا .أطرافه 3559، 6029، 6035۔ 3760 وَقَالَ اسْتَقْرِئُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَسَالِمٍ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ، وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ .أطرافه 3758، 3806، 3808، 4999

آنجناب کا فرمان تھا کہ قرآن کی قراءت و تعلیم ان چار افراد سے کرو: عبداللہ بن مسعود، سالم مولی ابی حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل۔

یہاں مذکور اضافی جملہ صفۃ الصلاۃ میں گزر چکا ہے، بعض رواۃ نے حدیثِ مطلوب کے ساتھ ہی اس کا سماع کیا تو اکٹھا روایت کر دیا۔

3761حَدَّثَنَا مُوسَى عَنْ أَبِى عَوَانَةَ عَنْ مُغِيرَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ دَخَلْتُ الشَّأْمَ فَصَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ فَقُلْتُ اللَّهُمَّ يَسِّرْ لِى جَلِيسًا فَرَأَيْتُ شَيْخًا مُقْبِلاً فَلَمَّا دَنَا قُلْتُ أَرْجُو أَنْ يَكُونَ اسْتَجَابَ .قَالَ مِنْ أَيْنَ أَنْتَ قُلْتُ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ قَالَ أَفَلَمْ يَكُنْ فِيكُمْ صَاحِبُ النَّعْلَيْنِ وَالْوِسَادِ وَالْمِطْهَرَةِ أَوَلَمْ يَكُنْ فِيكُمُ الَّذِى أُجِيرَ مِنَ الشَّيْطَانِ أَوَلَمْ يَكُنْ فِيكُمْ صَاحِبُ السِّرِّ الَّذِى لاَ يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ كَيْفَ قَرَأَ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ (وَاللَّيْلِ) فَقَرَأْتُ (وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى *وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى *وَالذَّكَرِ وَالأُنْثَى) .قَالَ أَقْرَأَنِيهَا النَّبِىُّ ﷺ فَاهُ إِلَى فِىَّ، فَمَا زَالَ هَؤُلاَءِ حَتَّى كَادُوا يَرُدُّونِى .أطرافه 3287، 3742، 3743، 4943، 4944، 6278۔ (دیکھئے اسی کا نمبر:3742)

مناقبِ عمار میں گزری ہے۔(من ابن أم عبد) یعنی ابن مسعود، ام عبدان کی والدہ کی کنیت تھی، حاکم کی ابو وائل عن حذیفہ کے حوالے سے روایت میں ہے:(لقد علم المحفظون مِن أصحاب محمد ﷺ أن ابن أم عبد مِن أقربِهم إلى الله وسيلةً يوم القيامة)۔

3762حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِى إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ سَأَلْنَا حُذَيْفَةَ عَنْ رَجُلٍ قَرِيبِ السَّمْتِ وَالْهَدْىِ مِنَ النَّبِىِّ ﷺ حَتَّى نَأْخُذَ عَنْهُ فَقَالَ مَا أَعْرِفُ أَحَدًا أَقْرَبَ سَمْتًا وَهَدْيًا وَدَلاًّ بِالنَّبِىِّ ﷺ مِنِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ .طرفه 6097

راوی کہتے ہیں ہم نے حضرت حذیفہ سے کسی ایسے فرد کے بارہ میں پوچھا جو طور و طریقہ میں نبی اکرم سے قریب ترین ہوں تا کہ ان سے استفادہ کریں، کہنے لگے میں ابن مسعود سے زیادہ کسی کو عادات، ہدایت اور سیرت و کردار میں آنجناب کے قریب ترین نہیں پاتا۔

اسے ترمذی اور نسائی نے بھی (المناقب) میں روایت کیا ہے۔

3763حَدَّثَنِى مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلاَءِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ بْن أَبِى إِسْحَاقَ قَالَ حَدَّثَنِى أَبِى عَنْ أَبِى إِسْحَاقَ قَالَ حَدَّثَنِى الأَسْوَدُ بْنُ يَزِيدَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا مُوسَى الأَشْعَرِىَّ يَقُولُ قَدِمْتُ أَنَا وَأَخِى مِنَ الْيَمَنِ، فَمَكُثْنَا حِينًا مَا نُرَى إِلاَّ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِ النَّبِىِّ ﷺ، لِمَا نَرَى مِنْ دُخُولِهِ وَدُخُولِ أُمِّهِ عَلَى النَّبِىِّ ﷺ .طرفه 4384

ابو موسی کا بیان ہے جب میں اور میرا بھائی یمن سے مدینہ آئے تو ایک زمانہ تک ابن مسعود کو اہلِ بیت کا ہی ایک فرد سمجھتے رہے، ان کے اور ان کی والدہ کی آنجناب کے ہاں کثرت سے آمد و رفت کی وجہ سے۔

(و أخي) مناقبِ ابی بکر میں ان کا نام ذکر ہو چکا۔ (مانری) مکثنا کی ضمیرِ فاعل سے حال ہے یا (حینا) کی صفت ہے۔اسے مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی (المناقب) میں تخریج کیا ہے۔

28 باب ذِكْرُ مُعَاوِيَةَؓ (حضرت معاویہ بن ابی سفیان کا تذکرہ)

حضرت ابوسفیان کا نام صخر تھا، ابوسفیان کے ساتھ ساتھ ابوحنظلہ کے ساتھ بھی مکنّیٰ تھے، نسب نامہ یہ ہے: معاویہ بن صخر بن حرب بن امیۃ بن عبدشمس۔ فتح مکہ سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا جبکہ ان کے والدین نے بعد میں کیا آنجناب کے کاتبین میں سے تھے، عہد عمری میں اپنے بھائی یزید کی ۱۹ھ میں وفات کے بعد والیِ دمشق بنے پھر مسلسل اسی پر فائز رہے تا آنکہ ۴۱ھ میں حضرت حسن کی دستبرداری کے بعد تمام عالم اسلام نے ان کی خلافت پہ صاد کیا، سن ۶۰ھ میں فوت ہوئے، تقریباً اکیس برس گورنر اور انیس برس خلیفہ رہے۔

3764حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا الْمُعَافَى عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الأَسْوَدِ عَنِ ابْنِ أَبِى مُلَيْكَةَ قَالَ أَوْتَرَ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَكْعَةٍ وَعِنْدَهُ مَوْلًى لِابْنِ عَبَّاسٍ، فَأَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ دَعْهُ، فَإِنَّهُ صَحِبَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ .طرفه 3765

راوی کا بیان ہے کہ حضرت معاویہ نے ایک وتر ادا کیا، اس وقت ابن عباس کے ایک مولیٰ بھی وہاں موجود تھے، تو انہوں نے اس کا ذکر ابن عباس سے کیا تو کہنے لگے چھوڑو، وہ صحابیِ رسول ہیں (یعنی اس کا جواز سن رکھا ہوگا)۔ اگلی روایت میں مزید یہ بھی ہے کہ وہ فقیہہ ہیں۔

3765حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِى مَرْيَمَ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنِى ابْنُ أَبِى مُلَيْكَةَ قِيلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ هَلْ لَكَ فِى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مُعَاوِيَةَ، فَإِنَّهُ مَا أَوْتَرَ إِلَّا بِوَاحِدَةٍ .قَالَ إِنَّهُ فَقِيهٌ .طرفه 3764۔ (ایضاً)

(حدثنا المعافی) یہ ابن عمران ازدی موصلی ہیں کنیت ابومسعود تھی، ثقات ونبلاء میں سے ہیں بعض تابعین سے بھی ملاقات ہے سفیان ثوری کی شاگردی کی جو ان کی بہت تعظیم کرتے تھے یاقوتۃ العلماء کے لقب سے معروف تھے سن ۱۰۵ یا ۱۰۸ میں فوت ہوئے بخاری میں دو جگہ ان کا حوالہ ہے، دوسرا الاستسقاء میں ہے، ایک اور راوی معافی بن سلیمان نام کے ہیں جو ان سے متاخر ہیں وہ ۲۳۴ھ میں فوت ہوئے، صرف نسائی نے ان سے تخریج کی ہے جبکہ معافی بن عمران سے بخاری کے علاوہ ابوداؤد اور نسائی نے بھی روایت اخذ کی ہے۔

(مولی لابن عباس) یہ کریب تھے، محمد بن نصر کی کتاب الوتر میں ان کا نام مذکور ہے انہوں نے علی بن عبداللہ بن عباس کے حوالے سے بھی روایت کیا ہے، کہتے ہیں میں نے اپنے والد کے ہمراہ حضرت معاویہ کے ہاں رات گزاری تو دیکھا کہ انہوں نے ایک وتر پڑھا جب والد صاحب کو بتلایا تو کہنے لگے: (یا بنی هو أعلَمُ) یعنی اے بیٹے وہ اعلم ہیں۔ (فقال دعه) باقی کلام محذوف ہے، یعنی ابن عباس کو آ کر یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے کہا چھوڑو یعنی ان کے اس فعل کی نکیر نہ کرو کہ وہ بھی صحابی ہیں، دلیل کے بغیر ایک وتر نہیں پڑھ سکتے اگلی روایت کے الفاظ ہیں: (إنه فقيهٌ) سے بھی اس کی تائید ملتی ہے۔ اس بارے ابن تین کا قول قابل اعتناء نہیں کہ

فقہاء میں سے کسی نے ایک وتر کا نہیں کیا، البتہ یہ ہے کہ اکثر کا یہی قول ہے، ایک وتر کے اثبات میں متعدد احادیث موجود ہیں، ہاں افضل یہی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی جفت رکعات ملالینی چاہئیں جو کم از کم دو ہیں، اس امر میں اختلاف ہے کہ ان رکعات کو وتر کے ساتھ ملانا افضل ہے یا فصل کر کے ادا کرنا؟ (یعنی کم از کم دو رکعت پڑھ کے سلام پھیر دیا جائے پھر ایک رکعت بطور وتر ادا کی جائے، اسبارے ہمارے ہاں اصطلاحاً یہ کہا جاتا ہے کہ تین وتر پڑھے، پانچ پڑھے، میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ اصلاً وتر ہے ہی ایک رکعت، باقی کی رکعات استحباباً ساتھ ملائی جاتی ہیں جنکا اصلِ وتر سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا ان تمام کو وتر کے نام سے یاد کرنا مناسب نہیں)۔ کوفیوں (احناف) کے ہاں انہیں ساتھ ملانا شرط ہے اور ایک رکعت کی ادائیگی بطور وتر مجزیٔ نہیں، بہر حال یہ ایک مشہور مسئلہ ہے، غرضِ ترجمہ (لقد صحبنا الخ) کا جملہ ہے، باقی بحث کتاب الصلاۃ میں گزر چکی ہے۔

علامہ انور (أوتر معاويه الخ) کے تحت لکھتے ہیں دوسرے طریق میں یہ الفاظ ہیں: (أصاب إنه فقيه)، (یعنی ان کا یہ فعل درست ہے کہ وہ فقیہہ ہیں) میں کہتا ہوں (ابن عباس کی طرف سے) یہ ان کی تصویب نہیں بلکہ اغماض ہے اور ایک طرح کا تسامح ہے، طحاوی میں ہے کہ جب معاویہ نے ایک رکعت وتر پڑھا تو ابن عباس بولے: (مِنْ أينَ تَرىٰ أخذها الحمار) تو تمام بحث کشف الستر سے ملاحظہ کرلو، (فإنَّ الكلمة شديدة) (شائد وہ سمجھتے ہیں کہ حمار کا لفظ امیر معاویہ کیلئے استعمال کیا، حالانکہ ایسا نہیں، یہ کریب کیلئے کہا ہوگا، یہاں بخاری کی روایات میں تو امیر المؤمنین اور أصابَ اور فقیہہ جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں)۔

ابن حجر آخرِ بحث تنبیہہ کے عنوان سے لکھتے ہیں امام بخاری نے یہاں بجائے منقبت یا فضیلت کے (ذكر معاوية) کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ متنِ حدیث سے ان کی کوئی فضیلت اخذ نہیں ہوتی البتہ ابن عباس کے ان کی بابت یہ الفاظِ مذکورہ ان کے فضلِ کثیر پر دال ہیں۔ ابن ابی عاصم نے ان کے مناقب میں ایک رسالہ تالیف کیا ہے، اسی طرح ابو عمر غلامِ ثعلب اور ابو بکر نقاش نے بھی، ابن جوزی نے اپنی الموضوعات میں کچھ احادیث نقل کی ہیں پھر اسحاق بن راہویہ کا قول بھی کہ حضرت معاویہ کی منقبت کے باب میں کوئی صحیح روایت مروی نہیں تو اسی نکتہ کے پیش نظر بخاری نے اپنے شیخ (ابن راہویہ) کے قول کو معتمد سمجھتے ہوئے منقبت یا فضیلت کے استعمال سے عدول کیا، لیکن اپنی دقیق نظری سے سردارانِ روافض کے باطل اقوال کا دفاع کر دیا (کہ ابن عباس کے قول سے انہیں فقیہ صحابی اور اعلم ثابت کیا، تو یہ معمولی منقبت نہیں)۔ ابن جوزی عبد اللہ بن امام احمد سے ناقل ہیں، کہتے ہیں میں نے والد صاحب سے پوچھا آپ حضرت علی اور امیر معاویہ کی بابت کیا کہتے ہیں؟ تو سر جھکا کر تا دیر سوچا کئے پھر بولے حضرت علی کے بہت لوگ دشمن تھے جو ان کی عیب جوئی پر لگے رہتے اور ان کے معایب و نقائص تلاش کرتے، جب نہ پائے تو ایک ایسے آدمی کا رخ کیا (یعنی امیر معاویہ) جس کی ان سے لڑائیاں ہوتی رہی تھیں تو بمقابلہ علی ان کی شان وفضیلت کے بیان میں مبالغہ طرائیاں کرنے لگے، تو یہ اس امر کا اشارہ ہے کہ معاویہ کی منقبت میں اپنی طرف سے احادیث گھڑ لیں بہت ساری روایات منقول ہیں مگر سند کے اعتبار سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ (اسکا مطلب یہ نہیں کہ وہ صاحبِ منقبت وفضیلت نہیں، آنجناب کی زبانِ مبارک سے کسی صحابی کی بابت تعریفی کلمات بہت بڑی فضیلت ہے مگر دیکھنے کی بات ہے کہ سبھی صحابہ کے بارہ میں تو آپ نے لسانِ نبوت سے کلمات ادا نہیں فرمائے! صحابی ہونا ہی ایک بہت بڑی بلکہ سب سے بڑی فضیلت ومنقبت ہے، شائد امام بخاری بھی ابن عباس کا قول: فإنہ قد صحب رسول اللہ ذکر کر کے یہی کہنا چاہ رہے تھے، نہایت کم فہمی کی بات یہ کہنا ہے کہ امیر معاویہ کی منقبت میں کچھ مروی نہیں۔ میں پوچھتا ہوں، سعد بن عبادہ، قیس بن سعد، ابو طلحہ، عمرو بن عاص،

حذیفہ وغیرھم بے شمار صحابہ کی فضیلت کے بارہ میں آنجناب سے کچھ منقول ہے؟ تو آیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب منقبت وفضیلت والے نہیں ہیں؟ صحابی ہونے سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوسکتی ہے)۔

3766حَدَّثَنِی عَمُرُو بُنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بُنُ جَعُفَرٍ حَدَّثَنَا شُعُبَةُ عَنُ أَبِی التَّيَّاحِ قَالَ سَمِعُتُ حُمُرَانَ بُنَ أَبَانَ عَنُ مُعَاوِيَةَ ؓ قَالَ إِنَّكُمُ لَتُصَلُّونَ صَلاَةً لَقَدُ صَحِبُنَا النَّبِیَّ ﷺ فَمَا رَأَيُنَاهُ يُصَلِّيهَا، وَلَقَدُ نَهَى عَنُهُمَا، يَعُنِی الرَّكُعَتَيُنِ بَعُدَ الْعَصُرِ .طرفه 587

راوی کہتے ہیں حضرت معاویہ سے سنا کہتے تھے تم عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے ہو، ہم نبی پاک کے صحابی ہیں ہم نے تو آپ کو یہ پڑھتے نہیں دیکھا۔

یہ روایت امام بخاری کے افراد میں سے ہے۔

29 باب مَنَاقِبُ فَاطِمَةَ عَلَيُهَا السَّلَامُ (حضرت فاطمہ کے مناقب)

وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهُلِ الْجَنَّةِ. فرمایا فاطمہ اہلِ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں

حضرت فاطمہ بنت ام المؤمنین خدیجہ بعثت کے بعد پیدا ہوئیں بعض نے قبل از بعثت بھی کہا ہے غزوہ بدر کے بعد سن ۲ ھ میں حضرت علی سے ان کی شادی ہوئی، آنجناب کی وفات کے چھ ماہ بعد سن ۱۱ ھ میں ان کا انتقال ہوا، یہ بخاری کی حدیثِ عائشہ سے ثابت ہے اس وقت ان کی عمر چوبیس برس تھی، بعض نے اکیس لکھا ہے بعض نے پچیس اور بعض نے تیس بھی کہا ہے۔ حضرت فاطمہ کے تمام عورتوں سے افضل ہونے کی قوی دلیل آنجناب کا ان کے حق میں یہ فرمان ہے کہ فاطمہ سوائے حضرت مریم کے سیدۃ نساء العالمین ہیں وہ آپ کی واحد لخت جگر ہیں جو وفات نبوی کے وقت موجود تھیں باقی سب اولادِ نبوی آنجناب کی زندگی ہی میں انتقال فرما چکی تھی۔

(وقال النبی ﷺ فاطمة سيدة الخ) یہ ایک حدیث کا طرف ہے جو علامات النبوۃ میں گزر چکی، حاکم کے ہاں حضرت حذیفہ کے حوالے سے جید سند کے ساتھ روایت میں ہے کہ ایک فرشتہ نے آکر نبی اکرم سے کہا کہ فاطمہ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں، احادیث الأنبیاء کی ایک روایت کے بعض طرق میں مذکور ہے کہ حضرت مریم بھی اس سیادت میں ان کی مشارک ہیں۔

3767حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا ابُنُ عُيَيُنَةَ عَنُ عَمُرِو بُنِ دِينَارٍ عَنِ ابُنِ أَبِی مُلَيُكَةَ عَنِ الْمِسُوَرِ بُنِ مَخُرَمَةَ ؓ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ فَاطِمَةُ بَضُعَةٌ مِنِّی، فَمَنُ أَغُضَبَهَا أَغُضَبَنِی
.أطرافه 926، 3110، 3714، 3729، 5230، 5278۔ (اسی کا سابقہ نمبر)

(عن ابن أبی مليكة عن المسور) عمرو بن دینار نے ان سے یہی نقل کیا ہے، لیث اور ابن لھیعہ وغیرھما کی اس پر متابعت بھی موجود ہے مگر ایوب نے ابن ابوملیکہ سے روایت کرتے ہوئے (عن عبد الله بن الزبير) ذکر کیا، اسے ترمذی نے تخریج کیا اور صحیح قرار دیا، وہ لکھتے ہیں ممکن ہے ابن ابوملیکہ نے دونوں سے روایت کیا ہو، دارقطنی وغیرہ نے طریقِ مسور کو راجح قرار دیا ہے، یہی اثبت ہے کیونکہ مسور نے اس حدیث میں مکمل قصہ (یعنی یہ کہنے کا پیش منظر بھی) بیان کیا جیسا کہ باب (أصهار النبی ؐ) میں یہ روایت گزری، ہاں محتمل ہے کہ ابن زبیر نے صرف یہی ٹکڑا سنا ہو، یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے اسے مسور سے اخذ کیا ہو پھر مرسلاً بیان

کر دیا۔ (بضعة) باء کی زبر کے ساتھ، زیر اور پیش بھی محکی ہیں یعنی (قطعة لحم)۔ (یعنی جسم کا ٹکڑا)

(فمن أغضبها أغضبنی) اس سے سہیلی نے استدلال کیا ہے کہ جس نے حضرت فاطمہ کو برا کہا وہ کافر ہو گیا، اسکی توجیہ یہ ہے کہ ایسا کرنا انہیں ناراض کرنے کا سبب ہے اور ان کی ناراضی کو نبی اکرم اپنی ناراضی قرار دے رہے ہیں اور بلا شبہ آنجناب کو ناراض کرنا کفر ہے، ابن حجر اسے محلِ نظر کہتے ہیں، حضرت فاطمہ کے بقیہ مناقب ترجمۂ حضرت خدیجہ میں ذکر ہوں گے، اس سے ثابت ہوا کہ نبی پاک کی باقی تینوں بیٹیوں کے مقابلہ میں حضرت فاطمہ افضل ہیں، طحاوی نے جو حضرت عائشہ کے حوالے سے حضرت زید بن حارثہ کا مکہ سے حضرت زینب بنتِ نبی کو لیکر آنے کے قصہ پر مشتمل روایت میں نبی اکرم کا حضرت زینب کی بابت یہ فرمان نقل کیا ہے: (ہی أفضل بناتی أصیبت فِیَّ) کہ زینب میری بنات میں افضل ہیں کہ میری وجہ سے مصیبت کا شکار بنیں، تو بعض ائمہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ بتقدیرِ ثبوتِ روایت پہلے یہی تھا پھر بعد ازاں اللہ تعالی نے حضرت فاطمہ کو یہ رتبہ عطا کیا اور ایسا کمال (یعنی اھل جنت کی خواتین کی سیدہ قرار) دیا کہ امت کی کوئی خاتون اس میں ان کی شریک نہیں، ترجمۂ حضرت مریم میں بھی یہ بحث گزر چکی ہے۔

30 باب فَضْلِ عَائِشَةَ (فضیلتِ حضرت عائشہؓ)

یہ صدیقہ بنتِ صدیق ہیں، ان کی والدہ ام رومان ہیں جنکا تذکرہ علامات النبوۃ میں گزرا، ہجرت سے کم وبیش آٹھ برس قبل ان کی ولادت ہوئی وفاتِ نبوی کے وقت ان کی عمر اٹھارہ برس تھی، آپ کے بعد تقریباً پچاس برس زندہ رہیں، کثیر احادیثِ نبوی روایت کیں لوگوں نے بکثرت ان سے احکام وآداب اخذ ونقل کئے حتی کہ کہا جاتا ہے ایک چوتھائی احکامِ شریعت ان کے حوالہ سے منقول ہیں، وفات خلافتِ معاویہ ۵۸ ھ میں ہوئی، کوئی اولاد نہ تھی آنجناب سے کوئی کنیت رکھنے کی اجازت مانگی تو فرمایا اپنے بھانجے کے نام کی مناسبت سے کنیت رکھ لو تو ام عبداللہ (یعنی ابن زبیر کے حوالے سے) کہا جانے لگا، صحیح ابن حبان میں حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم نے یہ کنیت رکھی جب ابن زبیر کو آپ کی خدمت میں گھٹی دینے لایا گیا، فرمایا: (هو عبدالله و أنت أم عبدالله)۔

3768 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ إِنَّ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمًا يَا عَائِشُ هَذَا جِبْرِيلُ يُقْرِئُكِ السَّلاَمَ فَقُلْتُ وَعَلَيْهِ السَّلاَمُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، تَرَى مَا لاَ أَرَى .تُرِيدُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ .أطرافه 3217، 6201، 6249۔ (اسی کے سابقہ نمبر پہ مترجم ہے)

(یا عائش) شین پر پیش وزبر، دونوں جائز ہیں، ہر اسمِ مرخّم میں دونوں حرکات پڑھنا جائز ہے۔ (تری ما لا أری الخ) یہ قولِ عائشہ ہے، بعض نے اس سے حضرت خدیجہ کی حضرت عائشہ پر افضلیت کا استنباط کیا ہے کیونکہ ان کے حق میں وارد ہوا ہے کہ نبی پاک نے انہیں فرمایا تھا: جبریل تمہیں اللہ کی طرف سے سلام کہہ رہے ہیں جبکہ یہاں حضرت جبریل کا سلام پہنچایا، اس کی تقریر مناقب خدیجہ میں آئیگی۔

3769 حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ وَحَدَّثَنَا عَمْرٌو أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ مُرَّةَ

عَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَمَلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلاَّ مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ .أطرافه 3411، 3433، 5418۔ (اسی کا سابقہ نمبر)

قصہِ موسی میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔ (وفضل عائشه الخ) یہ مطلقا افضلیت کو مستلزم نہیں، ابن حبان لکھتے ہیں حضرت عائشہ کی حدیثِ ھذا میں مذکور افضلیت ازواج مطہرات کے ساتھ مقید ہے، حضرت فاطمہ وغیرھا دوسری خواتین ان کی مفضولات میں داخل نہیں تاکہ اس کے اور دوسری روایت جس کے الفاظ ہیں: (أفضل نساء أهل الجنة خديجة و فاطمة) کے مابین تطبیق ممکن ہو، اسے حاکم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے، آگے مناقبِ خدیجہ میں حضرت علی کے حوالے سے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ آئیگی، باقی بحث وہیں ہوگی۔

3770 حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى الطَّعَامِ .طرفاه 5419، 5428

سابقہ روایت کا حصہ ہے، بخاری نے لفظِ ترجمہ اسی سے اخذ کیا ہے۔

3771 حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ أَنَّ عَائِشَةَ اشْتَكَتْ، فَجَاءَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، تَقْدَمِينَ عَلَى فَرَطِ صِدْقٍ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَعَلَى أَبِي بَكْرٍ .طرفاه 4753، 4754

راوی کہتے ہیں ایک دفعہ حضرت عائشہ بیمار ہوئیں تو ابن عباس نے اثنائے عیادت یوں تسلی دی: اے ام المؤمنین آپ تو سچے جانے والے کے پاس جارہی ہیں، نبی اکرم اور حضرت ابوبکر کے پاس۔

(على فرط) ہر شیء کے متقدم (یعنی آگے جانے والے) کو فرط کہا جاتا ہے، ابن تین لکھتے ہیں ابن عباس قطعی طور پر انہیں دخولِ جنت کا حقدار قرار دے رہے ہیں اور ایسی بات (توقیفا) ہی کہی جاسکتی ہے، اس حدیث پر بقیہ کلام تفسیر سورۃ البراءۃ میں ہوگی۔

3772 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَ عَلِيٌّ عَمَّارًا وَالْحَسَنَ إِلَى الْكُوفَةِ لِيَسْتَنْفِرَهُمْ خَطَبَ عَمَّارٌ فَقَالَ إِنِّي لأَعْلَمُ أَنَّهَا زَوْجَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَلَكِنَّ اللَّهَ ابْتَلاَكُمْ لِتَتَّبِعُوهُ أَوْ إِيَّاهَا .طرفاه 7100، 7101

ابووائل کا بیان ہے کہ جب حضرت علی نے حضرت عمار اور حضرت حسن کو کوفہ بھیجا تاکہ انہیں اپنی مدد کیلئے تیار کریں تو حضرت عمار نے اثنائے تقریر کہا میں جانتا ہوں کہ وہ (یعنی حضرت عائشہ) اللہ کے رسول کی دنیا و آخرت میں بیوی ہیں لیکن اللہ نے تمہیں آزمایا ہے کہ تم اس کی اتباع کرتے ہو یا انکی؟

(فى الدنيا الخ) ابن حبان نے سعید بن کثیر عن ابیہ سے روایت نقل کی، کہتے ہیں ہمیں حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ نبی

اکرم نے انہیں کہا: (أما ترضين أن تكوني زوجتي في الدنيا و الآخرة) کیا تم راضی نہیں کہ میری دنیا وآخرت میں بیوی رہو، تو ممکن ہے حضرت عمار نے بھی آنجناب سے یہ بات سنی ہو۔ (لتتبعوه الخ) کہا گیا ہے کہ ضمیر حضرت علی کی طرف راجع ہے کیونکہ عمار لوگوں کو انہی کی حمایت کی طرف دعوت دے رہے تھے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ اللہ تعالی کی طرف راجع ہے اور اس کی اتباع سے مراد اطاعتِ امام اور اس کے خلاف عدم خروج کے باب میں اس کے حکمِ شرعی کی اتباع ہے، شائد ان کا اشارہ سورۂ احزاب کی آیت: (و قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ) کی طرف تھا کیونکہ یہ امرِ حقیقی ہے جس کی مخاطب ازواج مطہرات تھیں، اسی لئے ام سلمہ کہا کرتی تھیں کہ مجھے کسی اونٹ کی کمر حرکت پذیر نہیں کرے گی تا آنکہ اللہ کے رسول سے جاملوں، حضرت عائشہ اور ان کے ساتھ حضرات طلحہ وزبیر کا عذر یہ تھا کہ وہ متأوّل ہوئے، انہوں نے چاہا کہ اصلاح بین الناس کا کام سرانجام دیں اور قاتلینِ عثمان سے قصاص لیں جبکہ حضرت علی کی رائے یہ تھی کہ اولاً اطاعتِ امیر پر اجتماع ہو پھر مقتول کے ورثاء ان کے سامنے قصاص کا مطالبہ رکھیں اور انہیں پر حدِ قصاص جاری کی جائے جن پر قتل ثابت ہو۔

3773 حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ أَنَّهَا اسْتَعَارَتْ مِنْ أَسْمَاءَ قِلاَدَةً فَهَلَكَتْ، فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِهِ فِي طَلَبِهَا، فَأَدْرَكَتْهُمُ الصَّلاَةُ، فَصَلَّوْا بِغَيْرِ وُضُوءٍ، فَلَمَّا أَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ شَكَوْا ذَلِكَ إِلَيْهِ، فَنَزَلَتْ آيَةُ التَّيَمُّمِ. فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ جَزَاكِ اللَّهُ خَيْرًا، فَوَاللَّهِ مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ قَطُّ إِلاَّ جَعَلَ اللَّهُ لَكِ مِنْهُ مَخْرَجًا، وَجَعَلَ لِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ بَرَكَةً. أطرافه 334، 336، 3672، 4583، 4607، 4608، 5164، 5250، 5882، 6844، 6845۔ (دیکھئے اسی جلد کا نمبر: 3672)

کتاب التیمم کے اوائل میں یہ قصہ مفصلاً ذکر ہو چکا ہے۔

3774 حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمَّا كَانَ فِي مَرَضِهِ، جَعَلَ يَدُورُ فِي نِسَائِهِ وَيَقُولُ أَيْنَ أَنَا غَدًا أَيْنَ أَنَا غَدًا حِرْصًا عَلَى بَيْتِ عَائِشَةَ، قَالَتْ عَائِشَةُ فَلَمَّا كَانَ يَوْمِي سَكَنَ. أطرافه 890، 1389، 3100، 4438، 4446، 4449، 4450، 4451، 5217، 6510

ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی پاک مرض الموت میں ازواج مطہرات کے ہاں حسب معمول ہر ایک کی باری پہ ان کے ہاں رات گزارنے جاتے تو روزانہ یہ دریافت فرماتے کل میں کن کے ہاں ہونگا؟ دراصل آپ حضرت عائشہ کی باری کے دن کے خواہاں تھے، عائشہ کہتی ہیں جب میرے ہاں رہنے کی باری آئی تو پرسکون ہوگئے۔

یہ یہاں صورۃً مرسل روایت ہے (کیونکہ عروہ عہدِ نبوی میں موجود نہ تھے) مگر آخرِ حدیث میں حضرت عائشہ کے قول: (فلما كان يومي سكن) سے متبین ہو جاتا ہے کہ موصول ہے، باب الوفاۃ کے آخر میں ساری حدیث ہی موصولا آئے گی، وہیں اس کی شرح کی جائیگی۔ کرمانی حدیث میں مذکور لفظ (سکن) کی بابت لکھتے ہیں کہ اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، آپ کی وفات ہوگئی یا یہ کہ مذکورہ بات کہنے سے خاموش ہو گئے، بقول ابن حجر یہ دوسرا ہی صحیح ہے، اول معنی صریح خطا ہے، ابن تین لکھتے ہیں دوسری روایت میں

مذکور جملہ: (إنہنَّ أذِنَّ له أن یقیم عندعائشة) باقی ازواج مطہرات نے اپنی باریاں چھوڑ کر آپ کو اجازت دیدی کہ عائشہ کے ہاں مستقل طور پہ یہ مرض کے ایام گزار لیں، اس کے معارض ہے، تطبیق کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ باری آنے پہ حضرت عائشہ کے ہاں پہنچے تب یہ اجازت دی کہ اب مستقل ادھر ہی رہیں (کیونکہ مشاہدہ کیا جیسا کہ روایتِ ھذا میں مذکور۔ سکن۔ کا لفظ اشارہ کرتا ہے کہ آنجناب نے: أین أنا غداً، پوچھنا موقوف کر دیا، اس سے وہ سمجھ گئیں کہ یہ بے تابی اسی وجہ سے تھی کہ کب حضرت عائشہ کے ہاں رات گزارنے کی باری آتی ہے تو آپ کا پاسِ خاطر کرتے ہوئے اجازت دی کہ اب یہیں رہیں) ابن حجر کہتے ہیں یہ اچھی تطبیق ہے۔

3775 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ كَانَ النَّاسُ يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ قَالَتْ عَائِشَةُ فَاجْتَمَعَ صَوَاحِبِي إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ، فَقُلْنَ يَا أُمَّ سَلَمَةَ، وَاللَّهِ إِنَّ النَّاسَ يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ، وَإِنَّا نُرِيدُ الْخَيْرَ كَمَا تُرِيدُهُ عَائِشَةُ، فَمُرِي رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَأْمُرَ النَّاسَ أَنْ يُهْدُوا إِلَيْهِ حَيْثُ مَا كَانَ أَوْ حَيْثُ مَا دَارَ، قَالَتْ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ أُمُّ سَلَمَةَ لِلنَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ فَأَعْرَضَ عَنِّي، فَلَمَّا عَادَ إِلَيَّ ذَكَرْتُ لَهُ ذَاكَ فَأَعْرَضَ عَنِّي، فَلَمَّا كَانَ فِي الثَّالِثَةِ ذَكَرْتُ لَهُ فَقَالَ يَا أُمَّ سَلَمَةَ لاَ تُؤْذِينِي فِي عَائِشَةَ، فَإِنَّهُ وَاللَّهِ مَا نَزَلَ عَلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا فِي لِحَافِ امْرَأَةٍ مِنْكُنَّ غَيْرِهَا. أطرافه 2574، 2580، 2581۔ (جلد چہارم کتاب الھبۃ میں مترجم ہے)

کتاب الھبۃ میں مشروحاً گزر چکی ہے، حدیث ھذا حضرت عائشہ کی عظیم منقبت کی غماز ہے بعض نے اسی وجہ سے انہیں حضرت خدیجہ سے افضل قرار دیا ہے مگر یہ دو وجہ سے لازم نہیں، اول یہ کہ آنجناب نے (فی لحاف امرأة منکن) والی بات صرف موجود ازواج کے حوالے سے کہی ہوگی، حضرت خدیجہ تو فوت ہو چکی تھیں، دوسرا یہ کہ بالفرض اگر وہ بھی اس میں شامل تھیں تو کسی ایک خصوصیت کے اثبات سے فضیلتِ مطلقہ ثابت نہیں ہوتی جیسے آنجناب نے (أقرؤ کم أبیّ و أفرضکم زید) فرمایا تھا (تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ علی الاطلاق افضل ہو گئے) حضرت عائشہ کے بارہ میں بیان کردہ اس خصوصیت کا سبب بعض نے ان کے والد کو قرار دیا ہے کہ چونکہ وہ آپ کے اغلب احوال میں آپ کے ہمدم و رفیق رہے تو اس کی تاثیر ان کی بیٹی میں در آئی پھر وہ نبی اکرم کی محبوب ترین بیوی تھیں، بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ان کپڑوں کو مبالغہ آمیز حد تک صاف و پاک رکھیں جن میں آنجناب رات کو سوتے تھے، والعلم عنداللہ۔ بقیہ بحث ترجمہِ خدیجہ میں آئیگی۔

سبکی کبیر رقمطراز ہیں ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ افضل تر، فاطمہ ہیں پھر خدیجہ پھر عائشہ، اس بارے اختلاف شہیر ہے، ابن تیمیہ اس موضوع پر لکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہ و حضرت عائشہ کی جہاتِ فضل متقاربہ ہیں گویا وہ اس بارے متوقف ہیں۔ ابن قیم لکھتے ہیں اگر فضل سے مراد اللہ کے ہاں کثرتِ ثواب ہے تو یہ ایسا معاملہ ہے جس پر ہم مطلع نہیں ہو سکتے کہ عملِ قلوب عملِ جوارح سے افضل ہے، اور اگر اس سے مراد علم ہے تو لامحالہ حضرت عائشہ افضل ہیں اور اگر مراد شرفِ اصل (یعنی حسب و نسب کا شرف) ہے تب حضرت فاطمہ افضل ہیں، اور یہ ایسی فضیلت ہے کہ صرف ان کی بہنیں ہی اس میں ان کی مشارک ہیں اور اگر مراد شرفِ سیادت ہے تب بھی بذریعہ نص

حضرت فاطمہ افضل ہیں۔ ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کہ فاطمہ اپنی بہنوں سے اس لحاظ سے ممتاز ہیں کہ باقی بہنیں نبی اکرم کی زندگی ہی میں وفات پاگئیں (ایک اور لحاظ سے بھی ان کا امتیاز ہے، وہ یہ کہ انہی کی نسل مشہوراً ومعروفاً چلی اور اللہ تعالی نے ایسی برکت دی کہ عالم اسلام کے ہر چہار اطراف اور دورِ حاضر میں بھی ان کی اولاد موجود ومعروف ہے، اگرچہ نمبر دو شاہ بھی کثیر تعداد میں ہیں، ایک پولیس کانسٹیبل ریٹائر ہو گیا، اس نے سوچا اب کیا کروں؟ سوچ و بچار کر کے ایک دن ہاتھ میں چھڑی پکڑ کر بازار کو نکلا، بآواز بلند کبھی اس ریڑھی والے کو کہتا ہے کنارے پر ہو جاؤ پھر کہو گے شاہ صاحب برا بھلا کہتے ہیں، کبھی اس کو کہتا ہے پرے ہو جاؤ، پھر کہو گے شاہ جی غصہ کرتے ہیں، اگلے دن ابھی بازار سے دور ہی تھا کہ اسے دیکھ کر ریڑھیوں والے ایک دوسرے سے کہنے لگے پیچھے ہو جاؤ شاہ جی آرہے ہیں بس پھر چل سو چل!)۔

کہتے ہیں جہاں تک علم وفقہ میں حضرت عائشہ کے امتیاز کی بات کہی ہے تو حضرت خدیجہ کی کچھ ایسی خصوصیات ہیں جو حضرت عائشہ کے اس امتیازی پہلو کے مقابل ہیں مثلا بعثت کے بعد وہ پہلی خاتون ہیں جس نے اسلام قبول کیا پھر دعوت پھیلانے میں آنجناب کی تمام مال ومتاع کے ساتھ مدد کی اور توجہِ تام سے اس کام میں جتی رہیں، بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ افضلیتِ فاطمہ پر تو اجماع ہے، خدیجہ وعائشہ کی بابت تعددِ آراء ہے۔ آخر بحث فرع کے عنوان سے ابن حجر لکھتے ہیں رافعی نے ذکر کیا ہے کہ ازواج مطہرات اس امت کی افضل ترین خواتین ہیں، اگر حضرت فاطمہ کو اس وجہ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے کہ بقول نبی اکرم وہ بضعۃ ہیں تو اس میں ان کی بہنیں بھی ان کی شریک ہیں، طحاوی اور حاکم نے بسند جید حضرت عائشہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت زینب کو جب مکہ سے آتے ہوئے ایذاء رسانی کا شکار بننا پڑا تو نبی پاک نے ان کے حق میں فرمایا تھا: (هي أفضل بناتي أُصِيْبَتْ فِيَّ) حضرت عثمان کے حضرت حفصہ کو پیغامِ نکاح دینے کی بابت آنجناب نے فرمایا تھا کہ عثمان کی حفصہ سے بہتر سے (یعنی نبی اکرم کی تیسری بیٹی سے) شادی ہو گئی اور حفصہ کو عثمان سے بہتر شوہر (یعنی نبی اکرم) مل گیا، حضرت زینب کی بابت کہی گئی اس بات کا جواب وتوجیہہ گزر چکی ہے، یہ بھی محتمل ہے کہ یہاں (مِن) مقدر ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

63- کتاب مناقب الأنصار (فضائلِ انصار)

1باب مَنَاقِبُ الأَنْصَار (انصار کے فضائل ومناقب)

(وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلاَ يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا) اللہ تعالی کا فرمان ہے (ترجمہ) اور وہ اپنی طرف ہجرت کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں اور اگر ان مہاجرین کچھ دیا جائے تو ان کے دل نہیں کڑھتے۔

انصار اسمِ اسلامی ہے نبی اکرم نے اوس وخزرج اور انکے حلفاء کو یہ نام دیا جیسا کہ حدیثِ انس میں ہے۔ اوس، اوس بن حارثہ اور خزرج، خزرج بن حارثہ کی طرف منسوب ہیں، دونوں باہم بھائی اور ایک ماں کے فرزند تھے جنکا نام قیلہ تھا، والد کا نسب نامہ یہ ہے: حارثہ بن عمرو بن عامر، عامر پہ انسابِ ازد مجتمع ہوتے ہیں۔

3776حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا غَيْلاَنُ بْنُ جَرِيرٍ قَالَ قُلْتُ لأَنَسٍ أَرَأَيْتَ اسْمَ الأَنْصَارِ كُنْتُمْ تُسَمَّوْنَ بِهِ، أَمْ سَمَّاكُمُ اللَّهُ قَالَ بَلْ سَمَّانَا اللَّهُ، كُنَّا نَدْخُلُ عَلَى أَنَسٍ فَيُحَدِّثُنَا مَنَاقِبَ الأَنْصَارِ وَمَشَاهِدَهُمْ، وَيُقْبِلُ عَلَيَّ أَوْ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الأَزْدِ فَيَقُولُ فَعَلَ قَوْمُكَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا كَذَا وَكَذَا. طرفه 3844

راوی کہتے ہیں میں نے حضرت انس سے پوچھا کہ انصار کا لقب خود آپ لوگوں نے رکھ لیا یا اللہ تعالی نے یہ نام دیا؟ کہنے لگے بلکہ اللہ تعالی نے ہمیں یہ نام دیا، کہتے ہیں ہم حضرت انس کے پاس جاتے اور وہ ہمیں انصار کے مناقب اور ان کے مجاہدانہ کردار کی بابت واقعات ہمیں سناتے، میری طرف یا ازد کے ایک آدمی کی طرف متوجہ ہوتے اور کہتے تمہاری قوم نے فلاں فلاں دن یہ یہ کام سرانجام دیے۔

مہدی سے مراد ابن میمون ہیں، غیلان بن جریر ثقہ تابعی اور قلیل الحدیث ہیں ان کی حضرت انس سے روایت صرف امام بخاری نے ہی تخریج کی ہے، ایک روایت کتاب الصلاۃ میں گزری ہے ایک اور الرقاق میں آئے گی۔ (كنا ندخل) اس روایت میں یہ حرفِ عطف کے بغیر ہی ہے، یہ کلامِ غیلان ہے نہ کہ کلامِ انس، آگے ایک دیگر طریق کے ساتھ مہدی عن غیلان کے حوالے سے (كنا نأتي أنس بن مالك) کے الفاظ آئینگے، بصرہ میں جب رہائش پذیر تھے تب کا ذکر ہے۔ (فعل قومك كذا) اسلام کیلئے ان کی خدمات کا ذکر مقصود ہے۔ اسے نسائی نے بھی (التفسیر) میں تخریج کیا ہے۔

3777حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ كَانَ يَوْمُ بُعَاثَ يَوْمًا قَدَّمَهُ اللَّهُ لِرَسُولِهِ ﷺ فَقَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَدِ افْتَرَقَ مَلَؤُهُمْ، وَقُتِلَتْ

سَرَوَاتُهُمْ، وَجُرِّحُوا، فَقَدَّمَهُ اللَّهُ لِرَسُولِهِ ﷺ فِي دُخُولِهِمْ فِي الإِسْلَامِ .طرفاه 3846، 3930

حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ یومِ بعاث ایک ایسا دن تھا جسے اللہ تعالی نے اپنے نبی کیلئے (ہجرت سے قبل) مقدم رکھا (حالت یہ تھی کہ) ان کے دل باہم متفرق ہو چکے اور ان کے کئی سردار اس لڑائی میں کام آ چکے تھے اور پوری قوم زخموں سے چور تھی تو اللہ کے رسول کی آمد سے قبل اس واقعہ کو ان کے قبولِ اسلام کا باعث بنایا۔

(کان یوم بعاث) باء کی پیش کے ساتھ، عسکری بیان کرتے ہیں کہ بعض نے خلیل سے غین کے ساتھ نقل کیا ہے مگر یہ تصحیف ہے ازھری کے بقول اس تصحیف کا ذمہ دار لیث راوی عن الخلیل ہے، قزار الجامع میں لکھتے ہیں کہ باء پر زبر بھی پڑھی گئی ہے بقول عیاض اصیلی نے عین وغین، دونوں کے ساتھ پڑھا ہے، یہ ایک جگہ کا نام تھا بعض نے ایک قلعہ اور بعض نے مزرعہ لکھا ہے، مدینہ سے دو میل دور بنی قریظہ کے محلّہ کے قریب، یہاں اوس اور خزرج کے مابین ایک خون ریز جنگ ہوئی جس میں طرفین کے کثیر افراد قتل ہوئے ان میں اسید بن حضیر کے والد جنہیں حضیر الکتائب بھی کہا جاتا تھا، شامل تھے جو اوس کے سردار تھے اسی طرح سردارِ خزرج عمرو بن نعمان بیاضی بھی، اولاً خزرج کے حق میں جنگ کا پلڑا تھا پھر حضیر نے اپنے قبیلہ کو ثابت قدم رکھا وہ پلٹے اور جاں توڑ مقابلہ کیا اور فتح ان کی ہمرکاب ہوئی اس اثناء حضیر زخمی ہوئے جو اسی دن زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے انتقال کر گئے، یہ ہجرت سے پانچ سال قبل کا واقعہ ہے ابو الفرج اصفہانی لکھتے ہیں اس جنگ کا باعث یہ بنا کہ ان کا قاعدہ تھا کہ اصیل حلیف کے بدلے قتل نہ کیا جائے، تو ایک اوسی نے ایک حلیفِ خزرج کو قتل کر ڈالا انہوں نے اسے قید کرنے کا ارادہ کیا مگر وہ نہ مانے (اور اسے قتل کرنے پہ اصرار کیا) اس وجہ سے جنگ برپا ہو گئی اور دونوں طرف کے اکابر اس کی لپیٹ میں آئے۔

(سرواتہم) سراۃ کی جمع ہے اور وہ جمعِ سرِیّ ہے یعنی شریف۔ (وجرحوا) اکثر کے ہاں یہی ہے، اسے مثقلاً ومخففاً دونوں طرح پڑھا گیا ہے، اصیلی کے ہاں دونوں جگہ جیم ہے، ای (اضطرب قولہم بین قولہم) یعنی باہم تو تکار کا شکار بنے (حرج الخاتم) کہا جاتا ہے جب ہتھیلی میں گھومے: (جالَ فی الکف)۔ ابن ابی صفرہ نے (حرجوا) نقل کیا ہے، حرج یعنی ضیق الصدر سے، مستملی، عبدوس اور قابسی کے نسخوں میں (وخرجوا) ہے، ابن اثیر نے (وجرحوا) ہی کو صواب قرار دیا ہے دوسروں نے (حرجوا) کو۔

3778 حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا ؓ يَقُولُ قَالَتِ الأَنْصَارُ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَأَعْطَى قُرَيْشًا وَاللَّهِ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْعَجَبُ إِنَّ سُيُوفَنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَاءِ قُرَيْشٍ وَغَنَائِمُنَا تُرَدُّ عَلَيْهِمْ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَدَعَا الأَنْصَارَ قَالَ فَقَالَ مَا الَّذِي بَلَغَنِي عَنْكُمْ .وَكَانُوا لاَ يَكْذِبُونَ فَقَالُوا هُوَ الَّذِي بَلَغَكَ قَالَ أَوَلاَ تَرْضَوْنَ أَنْ يَرْجِعَ النَّاسُ بِالْغَنَائِمِ إِلَى بُيُوتِهِمْ، وَتَرْجِعُونَ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِلَى بُيُوتِكُمْ لَوْ سَلَكَتِ الأَنْصَارُ وَادِيًا أَوْ شِعْبًا، لَسَلَكْتُ وَادِيَ الأَنْصَارِ أَوْ شِعْبَهُمْ .أطرافه 3146، 3147، 3528، 3793، 4331، 4332، 4333، 4334، 4337، 5860، 6762، 7441۔ (جلد چہارم کتاب فرض الخمس میں ترجمہ موجود ہے)

(یوم فتح مکۃ) یوم سے مراد عام ہے کیونکہ مذکورہ غنائم حنین کی تھیں جو فتح مکہ کے دو ماہ بعد واقع ہوا۔ (وسیوفنا تقطر

الخ) اسلوبِ قلب ہے اصلاً (ودمائهم تقطر من سيوفنا) ہے، یہ بھی محتمل ہے کہ (من) بمعنی باء ہو، مبالغۃً ایسا کہا، مزید شرح غزوہ حنین میں آئیگی۔ اسے مسلم نے (الزکاۃ) اور نسائی نے (المناقب) میں نقل کیا ہے۔

2 باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَوْلاَ الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ مِنَ الأَنْصَارِ

(آنجناب کا فرمان اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا)

قَالَهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. اسے عبداللہ بن زید نے نبی پاک سے روایت کیا ہے۔

(قال عبد الله الخ) یہ ایک حدیث کا طرف ہے جو مشروحاً غزوہ حنین میں آ رہی ہے، خطابی لکھتے ہیں آنجناب نے انصار کی طیبِ خاطر کی غرض سے یہ کہا۔

3779 حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَوْ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ لَوْ أَنَّ الأَنْصَارَ سَلَكُوا وَادِيًا أَوْ شِعْبًا، لَسَلَكْتُ فِي وَادِي الأَنْصَارِ، وَلَوْلاَ الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِنَ الأَنْصَارِ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ مَا ظَلَمَ بِأَبِي وَأُمِّي، آوَوْهُ وَنَصَرُوهُ . أَوْ كَلِمَةً أُخْرَى . طرفه 7244

ابو ہریرہ راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا اگر انصار کسی وادی یا گھاٹی میں چلیں تو میں بھی انہی کی وادی میں چلوں اور اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا، یہ بھی فرمایا کہ انہوں نے پناہ دی اور مدد کی۔

(ما ظلم) یعنی قولِ مذکور میں تعدی وتجاوز نہیں فرمایا اور نہ انہیں ان کے حق سے بالاتر دیا پھر اس کی تبیین اپنے قول (آوَوُه و نصروه) سے کی (أو كلمة أخرى) یعنی یا ان جیسے کوئی اور الفاظ جیسے: (واسوه و واسوا أصحابه) وغیرہ۔ (لسلكت وادي الأنصار) ان کی حسنِ موافقت مراد ہے کیونکہ ان میں حسنِ جوار اور ایفائے عہد کا مشاہدہ کیا، یہ مراد نہیں کہ ان کے تابع بن جائیں بلکہ آپ تو متبوع ومُطاع ہیں ہر مؤمن پر آپکی اتباع فرض ہے۔ اسے بھی نسائی نے (المناقب) میں نقل کیا ہے۔

3 باب إِخَاءُ النَّبِيِّ ﷺ بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارِ (انصار ومہاجرین کے مابین مواخات)

مواخات کی بابت مبسوط کلام المغازی سے قبل ابواب الھجرۃ میں آ رہی ہے۔

3780 حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ لَمَّا قَدِمُوا الْمَدِينَةَ آخَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَيْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَسَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ، قَالَ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ إِنِّي أَكْثَرُ الأَنْصَارِ مَالاً فَأَقْسِمُ مَالِي نِصْفَيْنِ، وَلِي امْرَأَتَانِ، فَانْظُرْ أَعْجَبَهُمَا إِلَيْكَ فَسَمِّهَا لِي أُطَلِّقْهَا، فَإِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَتَزَوَّجْهَا . قَالَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ، أَيْنَ سُوقُكُمْ فَدَلُّوهُ عَلَى سُوقِ بَنِي قَيْنُقَاعَ، فَمَا انْقَلَبَ إِلاَّ وَمَعَهُ فَضْلٌ مِنْ أَقِطٍ وَسَمْنٍ، ثُمَّ

تَابَعَ الْغُدُوَّ، ثُمَّ جَاءَ يَوْمًا وَبِهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَهْيَمْ .قَالَ تَزَوَّجْتُ .قَالَ كَمْ سُقْتَ إِلَيْهَا .قَالَ نَوَاةً مِنْ ذَهَبٍ .أَوْ وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ شَكَّ إِبْرَاهِيمُ .طرفه 2048۔ (جلد سوم ص: ۲۵۹ میں مترجم ہے)

(عن جده) یہ ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف ہیں تو یہ صورۃً مرسل ہے لیکن کتاب البیوع میں متصلا گزر چکی ہے۔

(وسعد بن الربیع) یعنی ابن عمرو بن ابو زہیر انصاری خزرجی جو نقباء میں سے ہیں، احد میں شہید ہو گئے تھے المغازی میں ذکر ہوگا، ابن عوف کی شادی کا ذکر کتاب النکاح میں آئیگا۔

3781 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ ؓ أَنَّهُ قَالَ قَدِمَ عَلَيْنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ، وَآخَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ، وَكَانَ كَثِيرَ الْمَالِ، فَقَالَ سَعْدٌ قَدْ عَلِمَتِ الأَنْصَارُ أَنِّي مِنْ أَكْثَرِهَا مَالاً، سَأَقْسِمُ مَالِي بَيْنِي وَبَيْنَكَ شَطْرَيْنِ، وَلِي امْرَأَتَانِ، فَانْظُرْ أَعْجَبَهُمَا إِلَيْكَ فَأُطَلِّقُهَا، حَتَّى إِذَا حَلَّتْ تَزَوَّجْتَهَا .فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ .فَلَمْ يَرْجِعْ يَوْمَئِذٍ حَتَّى أَفْضَلَ شَيْئًا مِنْ سَمْنٍ وَأَقِطٍ، فَلَمْ يَلْبَثْ إِلاَّ يَسِيرًا، حَتَّى جَاءَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَعَلَيْهِ وَضَرٌ مِنْ صُفْرَةٍ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَهْيَمْ .قَالَ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الأَنْصَارِ .فَقَالَ مَا سُقْتَ فِيهَا .قَالَ وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، أَوْ نَوَاةً مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ .أطرافه 2049، 2293، 3937، 5072، 5148، 5153، 5155، 5167، 6082، 6386۔ (ایضاً)

دونوں حدیثیں کتاب النکاح میں مشروحا آئیں گی۔

3782 حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَبُو هَمَّامٍ قَالَ سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَتِ الأَنْصَارُ اقْسِمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ النَّخْلَ .قَالَ لاَ قَالَ يَكْفُونَا الْمَئُونَةَ وَتُشْرِكُونَا فِي التَّمْرِ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا .طرفاه 2325، 2719۔ (دیکھئے جلد سوم ص: ۵۲۴)۔ المزارعۃ میں اس کی شرح گزر چکی ہے۔

4 باب حُبُّ الأَنْصَارِ (انصار کی محبت)

3783 حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ ؓ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَوْ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ الأَنْصَارُ لاَ يُحِبُّهُمْ إِلاَّ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يُبْغِضُهُمْ إِلاَّ مُنَافِقٌ، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللَّهُ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللَّهُ

براء کہتے ہیں میں نے نبی پاک سے سنا فرماتے تھے انصار سے نہیں محبت کریگا مگر وہی جو مؤمن ہو اور ان سے نہیں بغض رکھیگا مگر

وہی جو منافق ہو، جوان سے محبت کرے اللہ اس سے محبت کریگا اور جو ان سے بغض رکھے اللہ اس سے بغض کریگا۔

اسے مسلم نے (الإیمان) ترمذی ونسائی نے (المناقب) جبکہ ابن ماجہ نے (السنة) میں نقل کیا ہے۔

3784 حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَبْرٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ آيَةُ الإِيمَانِ حُبُّ الأَنْصَارِ وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الأَنْصَار. طرفه 17

حضرت انس راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا ایمان کی نشانی انصار سے محبت اور نفاق کی نشانی ان سے بغض رکھنا ہے۔

ابن تین کہتے ہیں مراد ان کی محبت و بغض من حیث المجموع کیونکہ تب اس کا باعث دین ہی ہوگا، ان میں کسی ایک سے کسی ذاتی وجہ سے بغض رکھنا اس میں شامل نہیں بقول ابن حجر یہ اچھی تقریر ہے، باقی شرح کتاب الإیمان میں گزر چکی ہے۔

5 باب قَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ لِلأَنْصَارِ أَنْتُمْ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ

(آنجناب کا انصار سے کہنا کہ تم لوگ مجھے سب سے عزیز ہو)

(أحب الناس إلى) یہ علی طریق الإجمال ہے یعنی تم من حیث المجموع باقیوں سے من حیث المجموع مجھے زیادہ محبوب ہو چنانچہ حضرت ابوبکر کے بارہ میں آنجناب کا قولِ مذکور کہ وہ احب الناس ہیں، اسکے معارض نہیں۔

3785 حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ رَأَى النَّبِيُّ ﷺ النِّسَاءَ وَالصِّبْيَانَ مُقْبِلِينَ قَالَ حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ مِنْ عُرُسٍ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ مُمْثِلاً، فَقَالَ اللَّهُمَّ أَنْتُمْ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ. قَالَهَا ثَلاَثَ مِرَارٍ. طرفه 5180

حضرت انس کہتے ہیں نبی پاک نے انصار کی عورتوں اور بچوں کو کہیں سے۔ میرا خیال ہے کہ کہا کسی شادی سے۔ آتے ہوئے دیکھا تو کھڑے ہوگے اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا اللہ گواہ ہے تم لوگ مجھے سب سے عزیز ہو، تین دفعہ یہ بات کہی۔

(متمثلا) ابن تین کہتے ہیں روایت میں رباعی ہی مذکور ہے مگر اہلِ لغت (مَثُلَ الرجلُ) مثولا، نقل کرتے ہیں، یعنی ثلاثی، جب کوئی اٹھ کھڑا ہو، النکاح کی روایت میں (ممثلاً) ہے ای (مكَلِّفاً نفسَه بذلك)۔

3786 حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي هِشَامُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍؓ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الأَنْصَارِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَمَعَهَا صَبِيٌّ لَهَا فَكَلَّمَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّكُمْ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ مَرَّتَيْنِ. طرفاه 5234، 6645

انس کہتے ہیں ایک خاتون اپنے بچے کے ہمراہ نبی پاک کے پاس کسی کام سے آئی آنجناب نے اثنائے کلام اس سے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم انصار مجھے سب سے عزیز ہو، دو مرتبہ کہا۔

(فكلمها رسول الخ) یعنی اس کی بات کا جواب دیا یا تانیاً خود بات شروع کی۔ اسے مسلم نے (الفضائل) اور نسائی

نے (المناقب) میں روایت کیا ہے۔

6 باب أَتْبَاعُ الأَنْصَارِ (اتباعِ انصار)

یعنی ان کے حلیف اور موالی۔

3787حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو سَمِعْتُ أَبَا حَمْزَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَتِ الأَنْصَارُ (يَا رَسُولَ اللَّهِ) لِكُلِّ نَبِيٍّ أَتْبَاعٌ، وَإِنَّا قَدِ اتَّبَعْنَاكَ، فَادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَ أَتْبَاعَنَا مِنَّا فَدَعَا بِهِ فَنَمَيْتُ ذَلِكَ إِلَى ابْنِ أَبِي لَيْلَى .قَالَ قَدْ زَعَمَ ذَلِكَ زَيْدٌ

.طرفه 3788

زید بن ارقم کی روایت ہے کہ انصار نے نبی پاک سے کہا ہر نبی کے تابعدار ہوئے ہیں اور ہم نے آپکی اتباع کی ہے تو آپ اللہ سے دعا کریں کہ ہمارے تابعداروں کو بھی ہم میں سے بنادے، تو آپ نے دعا فرمائی۔

3788حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حَمْزَةَ رَجُلاً مِنَ الأَنْصَارِ قَالَتِ الأَنْصَارُ إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ أَتْبَاعًا وَإِنَّا قَدِ اتَّبَعْنَاكَ فَادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَ أَتْبَاعَنَا مِنَّا .قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اللَّهُمَّ اجْعَلْ أَتْبَاعَهُمْ مِنْهُمْ قَالَ عَمْرٌو فَذَكَرْتُهُ لاِبْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ قَدْ زَعَمَ ذَاكَ زَيْدٌ قَالَ شُعْبَةُ أَظُنُّهُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ .طرفه 3787۔ (سابقہ ہے)

سند میں عمرو سے مراد ابن مرہ ہیں جو اگلی روایت کے بھی راوی ہیں۔ (سمعت أبا حمزة) ان کا نام طلحہ بن یزید تھا جو معروف صحابی قرظہ بن کعب انصاری کے مولیٰ تھے، قبیلہ خزرج سے تعلق تھا، ۵۰ھ حضرت مغیرہ کے دورِ گورنری میں بمقام کوفہ انتقال کیا۔

(أن يجعل أتباعنا منا) یعنی انہیں بھی انصار کے نام سے پکارا جائے تا کہ انصار کی بابت کی گئی وصیتِ نبوی سے انہیں بھی فیض پہنچے۔ (فدعابه) یعنی جیسے انہوں نے کہا ویسے کیا، اگلی روایت میں تصریح ہے۔ (فنميت به) بمعنی نقلتہ، یہ بغیر شد کے ہے، شد کے ساتھ چغلی کے مفہوم میں ہوتا ہے یعنی برائے اِفساد بات نقل کرنا، اس کے قائل عمرو ہیں، ابن ابی لیلی سے مراد عبد الرحمن ہیں۔ (قد زعم ذلك زيد) اگلی روایت میں وضاحت ہے گویا ابن ابی لیلی نے جو زید کہا، یہ احتمالی طور پر بجائے ابن ارقم کے کوئی اور زید مثلا ابن ثابت بھی مراد ہو سکتے ہیں مگر شعبہ نے جس ظن کا اظہار کیا کہ وہ ابن ارقم ہیں، وہ صحیح ہے چنانچہ ابونعیم نے المستخرج میں علی بن جعد کے طریق سے جزم کے ساتھ زید بن ارقم نقل کیا ہے۔

7 باب فَضْلُ دُورِ الأَنْصَارِ (انصار کے گھرانوں کی فضیلت کا بیان)

3789حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ

مَالِكٍ عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْرُ دُورِ الْأَنْصَارِ بَنُو النَّجَّارِ، ثُمَّ بَنُو عَبْدِ الْأَشْهَلِ، ثُمَّ بَنُو الْحَارِثِ بْنِ خَزْرَجٍ، ثُمَّ بَنُو سَاعِدَةَ، وَفِي كُلِّ دُورِ الْأَنْصَارِ خَيْرٌ .فَقَالَ سَعْدٌ مَا أَرَى النَّبِيَّ ﷺ إِلَّا قَدْ فَضَّلَ عَلَيْنَا فَقِيلَ قَدْ فَضَّلَكُمْ عَلَى كَثِيرٍ .أطرافه 3789م، 3790، 3807، 6053۔ 3789م وَقَالَ عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ أَبُو أُسَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِهَذَا، وَقَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ .أطرافه 3789، 3790، 3807، 6053

انس بن مالک ابو اسید سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا انصار میں سب سے بہتر گھرانہ بنونجار کا ہے پھر بنی عبد الاشہل پھر بنی حارث بن خزرج پھر بنی ساعد ہیں اور انصار کے ہر گھرانہ میں خیر ہے، حضرت سعد (بن عبادہ نے یہ بات سنی) تو کہنے لگے میرا خیال ہے نبی اکرم نے کئی گھرانوں کو ہم پہ فضیلت دیدی، تو ان سے کہا گیا تمہیں بھی کثیر گھرانوں سے افضل قرار دیا ہے۔

(عن أبی أسید) یعنی ساعدی، اپنی کنیت کے ساتھ ہی مشہور تھے کہا جاتا ہے کہ ان کا نام مالک تھا۔ (بنو النجار) یہ خزرجی تھے اس شاخ کا اصل نام تیم اللہ تھا یہ نام اسلئے کہ ایک آدمی کو مارا تو (فنجرہ)۔ (ثم بنو عبد الأشہل) یہ قبیلہِ اوس میں سے تھے، نسب نامہ یہ ہے: عبدالأشہل بن جشم بن حارث بن خزرج اصغر بن عمرو بن مالک بن اوس بن حارثہ، اس طریق میں یہی واقع ہے مگر معمر عن زہری عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ وابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ کے حوالے سے اولا بنی عبد الاشہل پھر نبی نجار کا ذکر ہے، اس کے آخر میں ہے معمر کہتے ہیں مجھے ثابت اور قتادہ نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت انس سے یہی حدیث سنی، وہ پہلے بنی نجار پھر بنی عبد الأشہل کا نام ذکر کرتے تھے، اسے احمد نے نقل کیا۔ مسلم نے صالح بن کیسان عن الزہری سے معمر کے حوالے سے مذکورہ زیادت کے بغیر نقل کیا ہے، مسلم نے ابوزناد سے بھی ابوسلمۃ عن ابی ہریرۃ کے طریق سے روایتِ انس عن ابی اسید کے مثل روایت کیا ہے، اس ضمن میں ابوسلمہ پر اختلاف کیا گیا ہے کہ آیا اس میں ان کے شیخ ابو ہریرہ ہیں یا ابو اسید؟ پھر یہ بھی کہ متن میں آیا عبد الأشہل کا نام پہلے ذکر کیا یا بنی نجار کا؟، حضرت انس سے تمام راویوں نے بلا اختلاف اولا بنی نجار ہی کا نام ذکر کیا ہے، اس کی مؤید ابراہیم بن محمد بن طلحۃ عن ابی اسید کی روایت بھی ہے جسے مسلم نے تخریج کیا۔ بنی نجار نبی پاک کے دادا کے اخوال تھے کیونکہ والدہِ عبد المطلب انہی میں سے ہیں، جب آپ مدینہ آئے تو اولا انہی کے ہاں اترے حضرت انس کا اپنا تعلق بھی انہی سے تھا، لہٰذا اپنے خاندان کی خصوصیت و میزہ کو یاد رکھا۔

(ثم بنو حارث بن الخزرج) أیِ الأکبر، یعنی ابن عمرو بن مالک بن اوس بن حارثہ (اگر یہ نسب نامہ ہے تو۔ ای الأکبر۔ کی بجائے۔ ای الأصغر۔ ہونا چاہئے کیونکہ بنی عبد الأشہل کے تذکرہ میں یہی نسب نامہ مذکور ہوا تھا)۔ (ثم بنو ساعدہ) یہ خزرجی تھے، ساعدہ بن کعب بن خزرج اکبر مراد ہے۔ (خیر دور الأنصار الخ) پہلا خیر بمعنی افضل اور دوسرا اسم ہے، یعنی تمام دورِ انصار میں خیر موجود ہے البتہ مراتب میں فرق ہے۔ (فقال سعد) یعنی ابن عبادہ، آمدہ روایتِ معلق میں اس کی تصریح ہے، یہ بنی ساعدہ میں سے تھے اور تمام قبیلہ خزرج کے سردار تھے۔ (ما أری) ہمزہ پر زبر بمعنی رؤیت یا اعتقاد، اور پیش بمعنی (أظن) دونوں طرح جائز ہے ابوزناد کی روایت میں یہ عبارت ہے: (فوجد سعد بن عبادۃ فی نفسہ) یعنی اپنے دل میں تکدُّر محسوس کیا اور کہا ہمیں چار کا آخری قرار دیا، اور ارادہ کیا کہ رسول اللہ سے اس بارے مراجعت کریں مگر ان کے بھتیجے سہل نے کہا کیا آپ رسول اللہ کی بات کا رد

کرنے جائینگے؟ حالانکہ وہ اعلَم ہیں، کیا یہ کافی نہیں کہ آپ لوگ چار کا چوتھا بنو؟ اس پر ارادہ ترک کر دیا۔

(فقيل قد فضلكم) کہنے والے کا نام معلوم نہیں، محتمل ہے کہ سہل ہوں جیسا کہ ابو زناد کی روایت میں ہے۔ (وقال عبد الصمد الخ) مناقبِ سعد بن عبادہ میں موصولا آ رہی ہے۔ اسے مسلم نے (الفضائل) ترمذی اور نسائی نے (المناقب) میں نقل کیا ہے۔

3790حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى قَالَ أَبُو سَلَمَةَ أَخْبَرَنِي أَبُو أُسَيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ خَيْرُ الأَنْصَارِ أَوْ قَالَ خَيْرُ دُورِ الأَنْصَارِ بَنُو النَّجَّارِ وَبَنُو عَبْدِ الأَشْهَلِ وَبَنُو الْحَارِثِ وَبَنُو سَاعِدَةَ .أطرافه 3789، 3789م، 3807، 6053۔ (سابقہ ہے)

ابو سلمہ سے مراد ابن عبد الرحمٰن بن عوف ہیں۔ (بنو النجار و بنو عبد الأشهل) گویا یہاں واو کے ساتھ ہے، حضرت انس کی روایت میں ثم تھا، آمدہ ابو حمید کی روایت میں بھی یہی ہے، یہ اس امر کا اِشعار ہے کہ کبھی واوٗ کا استعمال ترتیب کا فائدہ بھی دیتا ہے، اصل میں ترتیب جہتِ تقدیم سے مستفاد ہے نہ کہ مجرد واوٗ سے۔ اسے بھی مسلم نے (الفضائل) اور نسائی نے (المناقب) میں روایت کیا ہے۔

3791حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلٍ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ خَيْرَ دُورِ الأَنْصَارِ دَارُ بَنِي النَّجَّارِ، ثُمَّ عَبْدِ الأَشْهَلِ، ثُمَّ دَارُ بَنِي الْحَارِثِ، ثُمَّ بَنِي سَاعِدَةَ، وَفِي كُلِّ دُورِ الأَنْصَارِ خَيْرٌ فَلَحِقْنَا سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ فَقَالَ أَبَا أُسَيْدٍ أَلَمْ تَرَ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ خَيَّرَ الأَنْصَارَ فَجَعَلَنَا أَخِيرًا فَأَدْرَكَ سَعْدٌ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، خُيِّرَ دُورُ الأَنْصَارِ فَجُعِلْنَا آخِرًا فَقَالَ أَوَلَيْسَ بِحَسْبِكُمْ أَنْ تَكُونُوا مِنَ الْخِيَارِ .أطرافه 1481، 1872، 3161، 4422

اس میں مزید یہ ہے کہ ابو اسید کی حضرت سعد سے ملاقات ہوئی تو ان سے کہا تمہارا کیا خیال ہے نبی اکرم نے انصاری گھرانوں کی فضیلت بیان فرمائی اور ہمیں سب سے آخر میں رکھا؟ حضرت سعد کی نبی پاک سے ملاقات ہوئی تو یہ بات آپ کے گوش گزار کی فرمایا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تم بھی بہترین گھرانوں میں سے ہو؟

سند میں سلیمان بن بلال، عمرو بن یحییٰ بن عمارہ اور عباس بن سہل بن سعد ہیں۔

(عن أبي حميد) یہ ساعدی ہیں کنیت کے ساتھ مشہور تھے، کہا جاتا ہے کہ نام عبد الرحمٰن تھا، اصیلی کے نسخہ میں (عن أبي أسيد أو أبي حميد) ہے مگر درست (أبي حميد) ہی ہے۔ (فلحقنا سعد الخ) قائل ابو حمید ہیں۔ (فقال أبا أسيد) حرفِ نداء محذوف ہے۔ (ألم تر أن الله الخ) نسخۂ کشمیہنی میں: (ألم تر أن رسول الله) ہے، یہ اوجَہ ہے۔ (أو ليس بحسبكم) بظاہر یہ مسلم کی متقدمہ روایت کے معارض ہے جس میں ہے کہ سعد بھتیجے کی مذکورہ بات کہنے پہ آنجناب سے مراجعت کے اپنے ارادہ سے باز آ گئے تھے، تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت ارادہ ترک کر دیا تھا کہ بطور خاص نبی پاک کے پاس جائیں اور اس بارے اپنے تحفظ کا اظہار کریں

پھر بعد ازاں معمول کے مطابق نبی اکرم سے ملاقات ہوئی تو اس کا ذکر کر دیا، یا جس ارادہ سے رجوع کیا تھا وہ آنجناب کے ہاں موردِ انکار و احتجاج جانا تھا، اب جو ذکر کیا یہ بطور معاتبہِ متلطفہ (یعنی ددستانہ شکوہ) کے ہے اسی لئے شروع کے ارادہ کے وقت ان کے بھتیجے نے یہ الفاظ کہے تھے: (أَتَرُدُّ علیٰ رسول الله أمر ہ الخ)۔

(من الخیار) ای افاضل، اور وہ مَن دونہم کی نسبت افضل ہوئے گویا یہ مفاضلہ اسلام قبول کرنے میں سبقت لے جانے اور اس کی نشر و اشاعت میں مساعی کے حوالے سے تھا (ساتھ میں یہ حکمت بھی ہوسکتی ہے کہ اسطرح آنجناب نے اوس و خزرج کی جو باہمی قبائلی تفریق چلی آرہی تھی اسے ختم کر دیا، پہلے نمبر پر ایک خزرجی خاندان کو رکھا پھر اوسی خاندان کو پھر آخر میں خزرجی خاندان کو، گویا اس سے یہ اشارہ دیا کہ اب قبائلی تفریقات و امتیازات کی کوئی حیثیت نہیں، اصل حیثیت و اہمیت اشاعت و نصرتِ اسلام کے ضمن میں خدمات کی ہے)۔

8 باب قَوْلِ النَّبِیِّ ﷺ لِلأَنْصَارِ اصْبِرُوا حَتَّی تَلْقَوْنِی عَلَی الْحَوْضِ

(آنجناب کا انصار کو صبر کی وصیت حتی کہ وہ حوضِ کوثر پر آپ سے آن ملیں)

قَالَهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ. اسے عبداللہ بن زید نے روایت کیا ہے۔

(قاله عبدالله بن زيد) ای ابنِ عاصم مازنی، ان کی روایت اتم سیاق کے ساتھ غزوۂ حنین میں موصول ہے۔

3792 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ أَنَّ رَجُلاً مِنَ الأَنْصَارِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَلاَ تَسْتَعْمِلُنِی كَمَا اسْتَعْمَلْتَ فُلاَنًا قَالَ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِی أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّی تَلْقَوْنِی عَلَی الْحَوْضِ. طرفه 7057

اسید بن حضیر کہتے ہیں ایک انصاری نے آنجناب سے عرض کی کیا مجھے بھی کوئی سرکاری ذمہ داری نہ سونپیں گے جیسے فلاں کو سونپی ہے، فرمایا میرے بعد تم دوسروں کو ترجیح پاتا دیکھو گے تو صبر کرنا حتیٰ کہ مجھ سے حوض پہ آن ملو۔

(عن أسيد الخ) یہ صحابی کی صحابی سے روایت ہے، مسلم نے یہی روایت نقل کرتے ہوئے یہ بھی ذکر کیا: (و قد رواہ یحییٰ بن سعید و ہشام بن زید عن أنس) اسید بن حضیر کے ذکر کے بغیر، لیکن یہاں مذکور قصہ کے اختصار کے ساتھ، دونوں میں سے ہر ایک نے وہ قصہ بیان کیا جو یہاں نہیں، یحییٰ بن سعید کی روایت الجزیہ میں گزر چکی جبکہ ہشام کی المغازی میں آئیگی۔

اس حدیث کا ایک اور قصہ بھی ایک دیگر سند کے ساتھ وارد ہے چنانچہ امام شافعی نے محمد بن ابراہیم تیمی کے حوالے سے اسید سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی اکرمؐ سے دو انصاری گھرانوں کیلئے امداد طلب کی تو آپ نے دونوں کو ایک وسق کھجور اور آدھا وسق جو دئے، اسید نے کہا: (یارسول اللہ جزاک عنا خیرا) اس پر نبی پاک نے فرمایا بلکہ تمہیں اللہ جزائے خیر دے، اے معشرِ انصار (و إنكم لأعفة صبرٍ و إنكم ستلقون بعدی أثرة)۔

(إن رجلا من الأ نصار الخ) ان کا نام معلوم نہ ہوسکا، مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آنجناب کو ایک طرف لے جا

کر یہ بات کہی۔ (ألا تستعملنی) یعنی عاملِ صدقات بنا دیں یا کسی علاقہ کا عامل (گورنر و حاکم)۔ (کما استعملت فلانا) ان کا نام بھی معلوم نہیں مگر مقدمہ میں لکھا تھا کہ یہ بات کرنے والے اسید بن حضیر تھے اور اس فلان سے مراد عمرو بن عاص ہیں مگر اب یاد نہیں کہ کہاں سے نقل کیا تھا۔ (أثرۃ) ھمزہ اور ثاء کی زبر کے ساتھ، کشمیہنی کے ہاں ہمزہ پر پیش اور ثاء ساکن ہے، یہ آنجناب کی پیشین گوئی تھی، اس پر مزید بات الفتن میں ہوگی۔ اسے مسلم نے (المغازی) نسائی نے (القضاء اور المناقب) میں روایت کیا ہے۔

3793 حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِلأَنْصَارِ إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي وَمَوْعِدُكُمُ الْحَوْضُ .أطرافه 3146، 3147، 3528، 3778، 4331، 4332، 4333، 4334، 4337، 5860، 6762، 7441۔ (سابقہ ہے)

ہشام سے مراد ابن زید بن انس بن مالک ہیں۔

3794 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ حِينَ خَرَجَ مَعَهُ إِلَى الْوَلِيدِ قَالَ دَعَا النَّبِيُّ ﷺ الأَنْصَارَ إِلَى أَنْ يُقْطِعَ لَهُمُ الْبَحْرَيْنِ .فَقَالُوا لاَ، إِلاَّ أَنْ تُقْطِعَ لإِخْوَانِنَا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ مِثْلَهَا .قَالَ إِمَّا لاَ، فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي، فَإِنَّهُ سَيُصِيبُكُمْ بَعْدِي أُثْرَةٌ .أطرافه 2376، 2377، 3163۔ (ایضا)

سفیان سے ابن عیینہ اور یحیٰی بن سعید سے مراد انصاری ہیں۔ (إلى الوليد) یعنی خلیفہِ وقت، ابن عبدالملک بن مروان، انس بصرہ سے گئے تھے جب والی عراق حجاج بن یوسف درپے آزار ہوا، تاکہ خلیفہ سے اس کی شکایات کریں تو اس سے انصاف ملا، یہاں علامہ انور لکھتے ہیں کہ ولید نے مطلقاً توجہ نہیں دی تھی، کہتے ہیں ایک ساقط الإسناد حدیث میں ہے کہ ولید میری امت کا فرعون ہے (جب یہ روایت ہی ساقط الإسناد ہے تو اس کا حق تو فقط اتنا ہے کہ اسے بالکل نظر انداز کر دیا جائے)۔

(إما لا) اصل میں إن ہے یعنی مخففہ و شرطیہ، ما زائدہ اور لا نافیہ ہے، نون میم میں مدغم اور فعلِ شرط محذوف کر دیا گیا، تقدیرِ کلام یہ ہے: (تقبلو أو تفعلوا)، بعض نے ہمزہ کی زبر کے ساتھ روایت کیا، یہ خطا ہے البتہ بعضِ بنی تمیم کی لغت میں جائز ہے، وہ إما کے ہمزہ پر۔ جہاں بھی ہو، فتحہ پڑھتے ہیں۔ عیاض لکھتے ہیں لام (إما لا) میں جمہور کے نزدیک مفتوح ہے، اصیلی کے ہاں اور طبری کے ہاں بکسر اللام ہے ابو حاتم وغیرہ نے کسرِ لام سے منع کیا اور اسے تغییرِ عامہ قرار دیا ہے لیکن یہ بطور امالہ جارِ علی مذھبھم ہے گویا پوری کلام کو ایک کلمہ سمجھ لیا گیا۔

9 باب دُعَاءُ النَّبِيِّ ﷺ أَصْلِحِ الأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

(آنجناب کی دعا کہ اے اللہ انصار و مہاجرین کی اصلاحِ احوال فرما)

3795 حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو إِيَاسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لاَ عَيْشَ إِلاَّ عَيْشُ الآخِرَةِ، فَأَصْلِحِ الأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

مِثْلَهُ، وَقَالَ فَاغْفِرْ لِلأَنْصَارِ .أطرافه 2834، 2835، 2961، 3796، 4099، 4100، 6413، 7201

3796حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍقَالَ كَانَتِ الأَنْصَارُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ تَقُولُ نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدَا عَلَى الْجِهَادِ مَا حَيِينَا أَبَدَا فَأَجَابَهُمُ اللَّهُمَّ لاَ عَيْشَ إِلاَّ عَيْشُ الآخِرَهْ فَأَكْرِمِ الأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَهْ۔أطرافه 2834، 2835، 2961، 3795، 4099، 4100، 6413، 7201 (جلد چهارم کتاب الجهاد میں مترجَم ہے)

شعبہ نے اپنے تین شیوخ کے واسطہ کے ساتھ حضرت انس سے روایت نقل کی ہے، اول میں (فأصْلِحْ) دوسری میں (فاغفِرْ) اورتیسری میں (فأكرِمْ) کالفظ ہے، تیسری میں یہ بھی بیان ہوا کہ خندق کے دن کا ذکر ہے۔

3797حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلٍ قَالَ جَاءَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَنَحْنُ نَحْفِرُ الْخَنْدَقَ وَنَنْقُلُ التُّرَابَ عَلَى أَكْتَادِنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اللَّهُمَّ لاَ عَيْشَ إِلاَّ عَيْشُ الآخِرَهْ فَاغْفِرْ لِلْمُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارِ .طرفاه 4098، 6414۔ (سابقہ مفہوم ہے)

سہل سے مراد ابن سعد ہیں۔ (علی أكتادنا) کتد کی جمع ہے، کندھے سے کمر تک کے حصہ کو کہتے ہیں، کشمیہنی کے نسخہ میں (أكبادنا) ہے اس کی توجیہہ یہ کیگئی ہے کہ مراد یہ کہ پہلوؤں پر مٹی اٹھائے ڈھو رہے تھے جو جگر کے قریب ہوتے ہیں، پہلی روایت میں: (وعن قتادة عن أنس الخ) اسی اسنادِ اول پر معطوف ہے، مسلم، ترمذی اور نسائی نے دونوں اسناد کے ساتھ اکھٹے نقل کیا ہے۔ اسے مسلم نے (المغازی) اور نسائی نے (المناقب اور الرقاق) میں نقل کیا ہے۔

10باب (وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ) (اس آیت کی تفسیر میں)

اور وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود فاقہ کشی کا شکار ہی کیوں نہ ہوں۔

گویا یہ رائے اختیار کی ہے کہ آیتِ مذکورہ کا نزول انصار کی بابت ہوا، حدیث کا ظاہرِ سیاق اسی جانب اشارہ کرتا ہے، کسی اور قصہ کو بھی اس کا شأنِ نزول قرار دیا گیا ہے۔

3798حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ غَزْوَانَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَبَعَثَ إِلَى نِسَائِهِ فَقُلْنَ مَا مَعَنَا إِلاَّ الْمَاءُ .فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ يَضُمُّ، أَوْ يُضِيفُ هَذَا .فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ أَنَا .فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى امْرَأَتِهِ، فَقَالَ أَكْرِمِي ضَيْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ مَا عِنْدَنَا إِلاَّ قُوتُ صِبْيَانِي .فَقَالَ هَيِّئِي طَعَامَكِ، وَأَصْبِحِي سِرَاجَكِ، وَنَوِّمِي صِبْيَانَكِ إِذَا أَرَادُوا عَشَاءً .فَهَيَّأَتْ طَعَامَهَا وَأَصْبَحَتْ سِرَاجَهَا، وَنَوَّمَتْ صِبْيَانَهَا، ثُمَّ قَامَتْ كَأَنَّهَا تُصْلِحُ سِرَاجَهَا فَأَطْفَأَتْهُ، فَجَعَلاَ يُرِيَانِهِ أَنَّهُمَا يَأْكُلاَنِ، فَبَاتَا طَاوِيَيْنِ، فَلَمَّا أَصْبَحَ، غَدَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ ضَحِكَ اللَّهُ اللَّيْلَةَ

أَوْ عَجِبَ مِنْ فَعَالِكُمَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ (وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ) طرفه 4889

ابو ہریرہ راوی ہیں کہ ایک شخص نبی پاک کے پاس (بطورِ مہمان) آیا، آپ نے اپنی ازواج مطہرات کے ہاں بھیجا (کہ اگر کچھ کھانے کا سامان ہے تو پیش کریں، مگر) انہوں نے کہا پانی کے سوا کچھ نہیں، نبی اکرم نے مجلس میں اعلان کیا کون اس مہمان کو اپنے ساتھ لیجائے گا؟ ایک انصاری نے کہا میں جی، تو انہوں نے اپنی زوجہ سے کہا آنجناب کے مہمان کی میزبانی کرنا ہے تو وہ بولیں گھر میں اس وقت صرف بچوں کا ہی کھانا ہے، کہنے لگے وہی کھانا لے آؤ اور چراغ جلادو اور اگر بچے کھانا مانگیں تو بہلا پھسلا کر بھوکا ہی سلادو، تو انہوں نے یہی کیا پھر بظاہر چراغ کو درست کرنے کھڑی ہوئیں اور بجھا دیا اور دونوں میاں بیوی نے یوں ظاہر کیا گویا وہ بھی کھانا تناول کرنے میں شریک ہیں (سارا کھانا مہمان کو کھلا دیا) اور خود بھوکے ہی سو گئے، صبح دم جب وہ آنجناب کے ہاں آئے تو آپ نے فرمایا رات کا تمہارا عمل دیکھ کر اللہ تعالی ہنسا ہے، یا یہ فرمایا کہ اسے پسند کیا۔ اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی (و یؤثرون الخ)۔

(إن رجلا أتى الخ) نام معلوم نہیں ہو سکا آگے ذکر ہوگا کہ انصاری تھے، التفسیر میں ابو اسامہ عن فضیل بن غزوان کی روایت میں ہے کہ آ کر کہا: (یا رسول اللہ أصابنی الجھد) کہ یا رسول اللہ سخت بھوک کا شکار ہوں، مسلم کے ہاں جریر عن فضیل سے روایت میں ہے: (إنی مجھود)۔ (من یضم الخ) ابو اسامہ کی روایت میں یہ عبارت ہے: (ألا رجل یضیفه هذه اللیلة یرحمه اللہ)۔

(فقال رجل الخ) ابن تین کا خیال ہے کہ وہ ثابت بن قیس بن شماس تھے، اسے ابن بشکوال نے بھی ابو جعفر بن نحاس کے حوالے سے اپنی سند کے ساتھ ابو متوکل ناجی سے مرسلاً نقل کیا ہے، اسماعیل قاضی نے بھی احکام القرآن میں یہ ذکر کیا ہے مگر ان کے نقل کردہ سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کوئی دیگر واقعہ تھا، اس میں ہے کہ ایک انصاری آدمی پر تین ایام گزرے، کھانے کی کوئی چیز نہ پائی، روزانہ روزہ رکھ لیتے، افطاری کیلئے کچھ نہ ملتا، انصار کے ایک اور شخص ثابت بن قیس ان کی حالتِ زار بھانپ گئے، تو یہی قصہ بیان کیا، دونوں قصے الگ الگ، آیت کی شانِ نزول ہو سکتے ہیں۔ مسلم کی ابو ہریرہ سے روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ نے یہ کہا تو انصار کے ایک شخص کھڑے ہوئے جنہیں ابوطلحہ کہا جاتا تھا، خطیب نے اسی پر جزم کیا مگر ساتھ ہی اس گمان کا اظہار کیا کہ یہ ابوطلحہ والدِ حضرت انس جو مشہور صحابی ہیں، نہیں بلکہ کوئی اور ہوں گے، گویا انہوں نے والدِ حضرت انس کا ہونا دو وجہ سے مستبعد سمجھا، ایک تو یہ کہ ابوطلحہ تو ایک مشہور صحابی تھے، ان کی بابت یہ اندازِ کلام اختیار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ انصار کے ایک شخص جنہیں ابوطلحہ کہا جاتا تھا، کھڑے ہوئے، دوم یہ کہ یہ ابوطلحہ تو مدینہ کے سب سے مالدار آدمی تھے مگر روایت میں مذکور ہے کہ ان کے ہاں ان کے اپنے لئے رات کا کھانا موجود نہ تھا، بچوں کو بھی بھوکے پیٹ سلایا؟ بقول ابن حجر دونوں استبعاد کا جواب ممکن ہے۔

(إلا قوت صبیانی) محتمل ہے کہ وہ اور ان کی اہلیہ کھانا تناول کر چکے ہوں اسلئے صرف بچوں کا حوالہ دیا یا اسلئے طعام کو صرف بچوں کی طرف منسوب کیا کہ وہ دونوں تو بھوک برداشت کر سکتے تھے، بقول ابن حجر یہی معتمد ہے کیونکہ ابو اسامہ کی روایت میں ہے (و نطوی بطوننا اللیلة) ہم رات بھر پیٹ سکیڑے گزار دینگے، اس روایت کے آخر میں بھی ہے: (فأصبحا طاوِیَیْنِ)

مسلم کی وکیع سے روایت میں ہے: (فلم يكن عنده إلاقوته وقوت صبيانه)۔ (نومی صبیانهم) مسلم کی روایت میں ہے: (عَلِّلِيهِم بشىء) انہیں کسی چیز سے بہلا دو۔

(ضحك الله) التفسیر کی روایت میں: (من فلان و فلانة) بھی ہے، اللہ کی طرف ضحک اور تعجب کی نسبت مجازی ہے مراد اس کی رضا ہے۔ (فعالكما) ایک روایت میں (فعلكما) ہے، البارع میں ہے کہ فعال بفتح الفاء ہر اچھے عمل و فعل مثلِ جود و کرم، کو کہتے ہیں، التھذیب میں ہے کہ فعال کسی کا فعلِ خیر انجام دینا، کہا جاتا ہے: (فلان كريم الفعال) کبھی شر میں بھی استعمال ہو جاتا ہے، فعال یعنی بکسر الفاء فاعَلَ کا مصدر ہے جیسے (قاتل قتالاً)۔

(فأنزل الله الخ) اس آیت کی شانِ نزول کے بارہ میں یہی اصح ہے، ابن مردویہ کی محارب بن دثار عن ابن عمر سے روایت میں ہے کہ ایک آدمی کو بکری کی سری ھدیۃً دیگئی تو وہ کہنے لگا میرا بھائی اور اس کے اھل وعیال کو ہم سے زیادہ اس کی ضرورت ہے تو اسے بھیج دی، اس نے بھی یہی سوچ کر کسی اور کو بھیج دی اس نے کسی اور کو۔۔۔ حتی کہ سات آدمیوں کے ہاں پھرنے کے بعد اسی پہلے صحابی کے پاس واپس آ گئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، ممکن ہے یہ سب واقعات اسکے نزول کا سبب بنے ہوں۔

اسے مسلم نے (الأطعمة) جبکہ ترمذی اور نسائی نے (المناقب) میں نقل کیا ہے۔

11باب قَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ اقْبَلُوا مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَتَجَاوَزُوا عَنْ مُسِيئِهِمْ

(آنجناب کی وصیت کہ انصار کے ساتھ ہمیشہ اچھا اور درگزر کا معاملہ کرنا)

3799حَدَّثَنِى مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى أَبُو عَلِيٍّ حَدَّثَنَا شَاذَانُ أَخُو عَبْدَانَ حَدَّثَنَا أَبِى أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ بْنُ الْحَجَّاجِ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ مَرَّ أَبُو بَكْرٍ وَالْعَبَّاسُ بِمَجْلِسٍ مِنْ مَجَالِسِ الأَنْصَارِ وَهُمْ يَبْكُونَ، فَقَالَ مَا يُبْكِيكُمْ قَالُوا ذَكَرْنَا مَجْلِسَ النَّبِيِّ ﷺ مِنَّا .فَدَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ بِذَلِكَ قَالَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَدْ عَصَبَ عَلَى رَأْسِهِ حَاشِيَةَ بُرْدٍ قَالَ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ وَلَمْ يَصْعَدْهُ بَعْدَ ذَلِكَ الْيَوْمِ، فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ أُوصِيكُمْ بِالأَنْصَارِ، فَإِنَّهُمْ كَرِشِى وَعَيْبَتِى، وَقَدْ قَضَوُا الَّذِى عَلَيْهِمْ، وَبَقِىَ الَّذِى لَهُمْ، فَاقْبَلُوا مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَتَجَاوَزُوا عَنْ مُسِيئِهِمْ .طرفه 3801

انس بن مالک راوی ہیں کہ (آنجناب کے مرض الموت کے ایام میں) حضرات ابو بکر اور عباس کا گزر انصار کی ایک مجلس سے ہوا، اہلِ مجلس زار و قطار رو رہے تھے، پوچھا کیوں روتے ہو؟ کہنے لگے ہمیں نبی پاک کے ساتھ گزارے دن یاد آ رہے ہیں، تو (ان میں سے ایک) نبی پاک پہ داخل ہوئے اور اس بات کا تذکرہ کیا، آنجناب سر مبارک پر کپڑے کی پٹی باندھے ہوئے باہر تشریف لائے، منبر پہ رونق افروز ہوئے، یہ آپکا منبر پہ آخری مرتبہ بیٹھنا تھا، اللہ کی حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا میں تمہیں انصار کی بابت (اچھائی کی) وصیت کرتا ہوں، یہ میرے جسم و جاں ہیں جو کچھ ان کا فرض بنتا تھا یہ ادا کر چکے لیکن جو ان کا حق بنتا ہے وہ ابھی

انہیں نہیں ملا پس ان کے نیکوکاروں کی قدر کرنا اور اگر ان کے کسی فرد سے کوئی ایسی ویسی بات سرزد ہو جائے تو درگزر کرنا۔

شیخِ بخاری یشکری مروزی ہیں حفاظ میں سے تھے، بخاری سے چار سال قبل انتقال کیا۔ (شاذان أخو عبدان) ان کا نام عبدالعزیز بن عثمان بن جبلہ تھا جو اپنے بھائی عبدان سے چھوٹے تھے، بخاری نے عبدان سے بکثرت روایت لی ہے شاذان کو بھی پایا ہے البتہ یہاں ان سے بالواسطہ روایت کر رہے ہیں۔ (فقال ما یبکیکم) ابن حجر کہتے ہیں میرے لئے ظاہر یہ ہے کہ یہ بات حضرت عباس نے ان سے مخاطب ہو کر کہی تھی۔ (فجلس النبی الخ) انہیں خوف تھا کہ کہیں آنجناب کی یہ مرض الموت نہ ہو، تو غم وحزن کی شدت سے روتے تھے۔ (فدخل) پہلے تثنیہ اور اب واحد کا صیغہ استعمال کیا، تو مراد یہ کہ جس نے مذکورہ بات کہی تھی وہی آئے اور آنجناب کو اس کی خبر دی تو اس رجحان کا اظہار کیا ہے کہ وہ حضرت عباس تھے کیونکہ راوی ان کے بیٹے ہیں تو ممکن ہے اپنے والد سے یہ واقعہ سنا ہو (اگلی روایت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو ابن عباس کے حوالے سے ہے، مگر ایک تو اُس میں انصار کی مجلس سے ابوبکر و عباس کا گزر ہونا اور انہیں روتے ہوئے دیکھ کر سبب پوچھنا وغیرہ پورا واقعہ مذکور نہیں، دوم یہ کہ ان کے نقل کردہ آنجناب کے الفاظ بھی مختلف ہیں، پھر یہ بھی ذکر نہیں کہ یہ آنجناب کا آخری خطاب تھا پھر یہ بھی کہ خطبہ نبوی تو انہوں نے بھی سنا ہوگا)۔

(أوصیکم بالأنصار) اس سے بعض ائمہ نے استنباط کیا ہے کہ یہ اس امر کا بھی اشارہ تھا کہ خلافت انصار میں نہ ہوگی کیونکہ جن میں خلافت ہونی ہو وہ وصیت کرتے ہیں نہ کہ ان کے بارہ میں کی جاتی ہے، بقول ابن حجر اس کی کوئی دلالت نہیں کیونکہ کوئی مانع نہیں (کہ استحقاقِ خلافت ہونے کے باوجود ان کے حق میں عمومی وصیت کی جائے)۔

(کرشی وعیبتی) أی بطانتی و خاصتی (یعنی میرے خاص رازدان)۔ قزاز کہتے ہیں کرش کے ساتھ مثال بیان کی کیونکہ وہ مستقر غذاء الحیوان ہے جس میں اسکی نشو ونما ہے، کہا جاتا ہے: (لفلان کرش منشورۃ) یعنی کثیر عیال والا، عیبہ وہ ظرف یا جگہ جہاں انسان اپنا نفیس مال برائے حفاظت رکھتا ہے۔ ابن درید لکھتے ہیں یہ آپکی وہ کلامِ موجز ہے کہ (بلاغت وفصاحت میں) اس کی نظیر سابق نہیں، بعض نے لکھا ہے کہ کرش انسان کے بمنزلہ معدہ کے ہے جبکہ عیبہ کپڑے رکھنے کی جگہ (الماری وغیرہ) کو کہتے ہیں، اول امرِ باطن جبکہ ثانی امرِ ظاہر ہے، گویا آنجناب نے انصار کے ظاہری و باطنی امور کے ساتھ اختصاص کی تمثیل بیان فرمائی، دونوں اپنے میں رکھی گئی چیز کی امین ہوتے ہیں۔

(وقد قضوا الخ) شبِ عقبہ کی بیعت میں ہونے والے اقرار کی طرف اشارہ ہے کہ آنجناب اور مسلمانوں کو پناہ دینگے اور ان کی نصرت کرینگے تو اسکی وفا کی۔ علامہ انور (ذکرنا مجلس النبی) کے تحت ذکر کرتے ہیں کہ روتے اسلئے تھے کہ قرائن سے اندازہ لگالیا کہ آنجناب کی وفات واقع ہونے والی ہے۔ اسے نسائی نے بھی تخریج کیا ہے۔

3800 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يَعْقُوبَ حَدَّثَنَا ابْنُ الْغَسِيلِ سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَعَلَيْهِ مِلْحَفَةٌ، مُتَعَطِّفًا بِهَا عَلَى مَنْكِبَيْهِ، وَعَلَيْهِ عِصَابَةٌ دَسْمَاءُ حَتَّى جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ، أَيُّهَا النَّاسُ، فَإِنَّ النَّاسَ يَكْثُرُونَ وَتَقِلُّ الأَنْصَارُ، حَتَّى يَكُونُوا كَالْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ، فَمَنْ وَلِيَ مِنْكُمْ أَمْرًا

يَضُرُّ فِيهِ أَحَدًا أَوْ يَنْفَعُهُ، فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُحْسِنِهِمْ، وَيَتَجَاوَزْ عَنْ مُسِيئِهِمْ .طرفاه 927، 3628

اس روایت میں مزید یہ بھی ہے کہ دوسرے لوگ تو کثیر ہوتے جائینگے مگر انصار کی تعداد (روز بروز) گھٹتی جائیگی حتی کہ یہ آٹے میں نمک کے برابر رہ جائینگے جو تم میں کسی ایسے معاملہ کا والی بنے کہ لوگوں کو نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے تو وہ ان کے اچھے کو شرفِ قبولیت دے اور ان کے خطاکار سے درگزر کا معاملہ کرے۔

ابن غسیل سے مراد عبدالرحمن بن سلیمان بن عبداللہ بن حنظلہ انصاری ہیں، حضرت حنظلہ وہی جو غسیل الملائکۃ کے لقب سے معروف ہوئے (ان کی سہاگ رات تھی، علی الصبح منادی ہوئی کہ احد کیلئے چلو، پانی میسر نہ آیا، اسی حالت میں چل پڑے اور شہید ہوگئے، گویا راویِ حدیث عبداللہ اسی رات کا نتیجہ تھے)۔ عبدالرحمن مذکور کی کنیت ابوسلیمان تھی۔ (متعطفا بہا) چادر کو عطاف کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ عطفین یعنی گردن کے دونوں جانب لپیٹی جاتی ہے، اردیہ (جمع رداء) پر معاطف کا لفظ بولا جاتا ہے۔ (عصابة) کہا جاتا ہے کہ اگر پٹی سر پر باندھی جائے تو عصابۃ، کسی اور جگہ باندھی ہو تو عصاب کہلاتی ہے لیکن مسلم کی روایت سے اس کا رد ہوتا ہے جس میں: (عصب بطنه بعصابة) ہے۔ (وسماء) وسم یعنی تیل کے رنگ والی (یا تیل آلود) بعض نے لکھا کہ مراد سیاہ پٹی ہے، جو خالص سیاہ نہ ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ پسینہ یا خوشبو (یا تیل لگے ہونے) کی وجہ سے سیاہ لگتی ہو، بعض نے اس سے مراد آنجناب کا عمامہ بھی لیا ہے۔

3801 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الأَنْصَارُ كَرِشِي وَعَيْبَتِي، وَالنَّاسُ سَيَكْثُرُونَ وَيَقِلُّونَ، فَاقْبَلُوا مِنْ مُحْسِنِهِمْ، وَتَجَاوَزُوا عَنْ مُسِيئِهِمْ .طرفه 3799۔ (سابقہ نمبر)

(و إن الناس يكثرون) یہ اس امر کا اشارہ تھا کہ قبائلِ عرب دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائینگے جو تعداد میں مدینہ کے انصار سے کئی گنا زیادہ تھے یعنی یہ مراد نہیں کہ انصار میں تناسل نہ ہوگا (یعنی ان کی نسل معدوم ہو جائیگی) بلکہ دوسروں کی نسلیں بڑھتی جائینگی کیونکہ ان کی تعداد زیادہ ہوگی، تو ہمیشہ انصار کی تعداد کم رہیگی، یہ بھی محتمل ہے کہ آنجناب کو مطلع کیا گیا ہو کہ نسبۃً نہیں بلکہ حقیقۃً قلتِ انصار ہوتی جائیگی، بقول ابن حجر مابعد ادوار میں یہی صورتحال رہی مثلا اب حضرت علی کی طرف منسوب نسل کے افراد اوس وخزرج کی طرف منتسب افراد سے کئی گنا زائد ہیں، آل علی کی نسبت ابھی یہ ان لوگوں کی بات ہے جنکا دعوی ثابت وسچا ہے ابھی بے شمار لوگ ایسے بھی ہیں (اب بھی ہیں) جو حضرت علی کی طرف دعوائے نسبت تو کرتے ہیں مگر بلا دلیل و برہان۔

(كالملح الخ) یعنی آٹے میں جس طرح نمک کم ہوتا ہے (آٹے کی نسبت مثلا ایک کلو میں ایک چٹکی) اسی طرح یہ بھی کم ہوں گے۔ (ويتجاوز عن مسيئهم) یعنی اگر کوئی ایسا قصور یا جرم سرزد نہیں ہوا جسکا تعلق حدود یا حقوق الناس سے ہو، تو درگزر کیا جائے۔ اسے مسلم نے (الفضائل) جبکہ نسائی اور ترمذی نے (المناقب) میں تخریج کیا ہے۔

12 باب مَنَاقِبُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ (مناقبِ سعد بن معاذ)

حضرت سعد کا نسب نامہ یہ ہے: سعد بن معاذ بن نعمان بن امرئ القیس بن عبد الأشہل، اوس کے سردار تھے جیسے سعد بن

عبادہ خزرج کے تھے، ان دونوں کے بارہ میں ایک شاعر نے کہا تھا: (فإن يُسلِمِ السعدانِ يُصبِحُ محمدٌ بِمكة لا يَخشىٰ خِلاف المُخالف) یعنی اگر یہ دونوں سعد اسلام لے آئیں تو محمد ﷺ کو کسی چیز کا ڈر نہ رہیگا۔

3802حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ ؓ يَقُولُ أُهْدِيَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ حُلَّةُ حَرِيرٍ فَجَعَلَ أَصْحَابُهُ يَمَسُّونَهَا وَيَعْجَبُونَ مِنْ لِينِهَا فَقَالَ أَتَعْجَبُونَ مِنْ لِينِ هَذِهِ لَمَنَادِيلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ خَيْرٌ مِنْهَاأَوْ أَلْيَنُ رَوَاهُ قَتَادَةُ وَالزُّهْرِيُّ سَمِعَا أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أطرافه 3249، 5836، 6640۔ (ترجمہ کیلئے دیکھئے اسی جلد کا سابقہ نمبر)

(أهديت الخ) دومۃ الجندل کے اکیدر نے یہ ہدیہ بھیجا تھا، کتاب الھبہ کی روایتِ انس میں اس کی صراحت تھی۔ (رواه قتادة الخ) قتادہ کی روایت بخاری کی کتاب الھبۃ میں موصول ہے اور زھری کی کتاب اللباس میں آئیگی، باقی شرح وہیں آئیگی۔ اسے مسلم نے بھی (الفضائل) میں نقل کیا ہے۔

3803حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا فَضْلُ بْنُ مُسَاوِرٍ خَتَنُ أَبِي عَوَانَةَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ ؓ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ اهْتَزَّ الْعَرْشُ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ .وَعَنِ الْأَعْمَشِ حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ .فَقَالَ رَجُلٌ لِجَابِرٍ فَإِنَّ الْبَرَاءَ يَقُولُ اهْتَزَّ السَّرِيرُ .فَقَالَ إِنَّهُ كَانَ بَيْنَ هَذَيْنِ الْحَيَّيْنِ ضَغَائِنُ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ اهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمَنِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ

جابر کہتے ہیں میں نے نبی پاک سے سنا فرماتے تھے کہ اللہ کا عرش سعد کی موت پر ہلا، ایک روایت میں ہے ایک شخص نے حضرت جابر کو بتلایا کہ براء تو کہتے ہیں نبی پاک نے عرش کے ہلنے کی نہیں بلکہ حضرت سعد کی میت والی چار پائی کے ہلنے کی بات کہی تھی، اس پہ کہنے لگے دراصل (مدینہ کے) ان دونوں قبیلوں کے مابین زمانۂ جاہلیت میں عداوت رہی ہے، میں نے نبی پاک سے سنا کہ عرشِ رحمٰن موتِ سعد پہ ہل گیا۔

سند کے راوی فضل بن مساور بصری، ابوعوانہ کے داماد تھے، بخاری میں ان سے یہی ایک روایت ہے۔ (وعن الأعمش) سابقہ سند پر معطوف ہے، بخاری کی عادت ہے کہ ابوسفیان طلحہ بن نافع صاحبِ جابر کی حدیث یا تو استشہاداً ہی لاتے ہیں یا مقروناً بغیرہ۔

(اهتز السرير) یعنی جنازہ کی چارپائی۔ (هذين الحيين) یعنی اوس اور خزرج۔ (ضغائن) ضغینۃ کی جمع یعنی حقد، خطابی کہتے ہیں حضرت جابر نے یہ بات اسلئے کہی کیونکہ حضرت سعد اوسی تھے اور حضرت براء کا تعلق خزرج سے تھا اور خزرج اوس کے کسی فرد کے فضل کا اقرار نہیں کرتے تھے، بقول ابن حجر ان کی یہ بات فحش غلطی ہے، حضرت براء بھی اوسی ہیں، براء بن عازب بن حارث بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج (یعنی اصغر) بن عمرو بن مالک بن اوس۔ حضرت سعد بن معاذ کے ساتھ حارث بن خزرج میں مجتمع ہیں البتہ حضرت جابر قبیلۂ خزرج سے تھے، حضرت جابر نے (خزرجی ہونے کے باوجود) یہ بات اظهارًا لِلحق اور اعترافاً بِالفضل لأهلهِ، کہی ہے گویا وہ تعجب کرتے ہیں کہ براء نے باوجود اوسی (یعنی سعد بن معاذ کا ہم قبیلہ) ہونے کے کیونکر یہ بات کہی،

باور کراتے ہیں کہ میں حالانکہ خزرجی ہوں اور دونوں قبائل کے مابین حریفانہ چشمک تھی مگر حضرت سعد کی اس فضیلت کا معترف ہوں، حضرت براء کا اس میں عذر یہ ہے کہ حضرت سعد کی اس فضیلت کا تغطیہ (یعنی پردہ پوشی) نہیں کی بلکہ وہ دل سے ہی یہی سمجھتے تھے کہ اهتزازِ عرش سے مراد ان کی جنازہ کی چارپائی کا اہتزاز تھا، یہی ان کی نسبت خیال کرنا مناسب ہے اور یہ ان کے عدم تعصب پر دال ہے۔ خطابی اور ان کے ہمنوا سابقہ توجیہہ کرنے کے بعد حضرت براء کا عذر تلاش کرنے پہ مجبور ہوئے تو لکھا کہ انہوں نے یہ بات ازرہِ عداوت نہیں کہی بلکہ حدیث کے ایک احتمالی مفہوم کو بیان کیا اور حضرت جابر کا عذر یہ ہے کہ وہ سمجھے کہ براء نے یہ بات حضرت سعد کی تنقیصِ شان کے ارادہ سے کہی ہے (گویا یہ بات تب صحیح ہوتی اگر حضرت براء قبیلہ خزرج سے ہوتے) تو چاہا کہ حضرت سعد کیلئے مختصر ہوں۔

حضرت براء کی طرح ابن عمر بھی اس امر کا انکار کرتے تھے کہ اللہ تعالی کا عرش کسی کیلئے مُہتز ہوسکتا ہے مگر پھر اس رائے سے رجوع کر لیا اور قطعیت کے ساتھ کہا تھا کہ حضرت سعد کیلئے عرشِ رحمٰن مہتز ہوا ہے، اسے ابن حبان نے مجاہد کے حوالے کے ساتھ ان سے نقل کیا ہے۔

اہتزازِ عرش سے مراد ان کی آمدِ روح کے سبب اس کا استبشار و سرور ہے، کسی آنے والے کی آمد پر خوش ہونے والے کی نسبت کہا جاتا ہے: (اهتزَّ له) اسی سے (اهتزت الأرض بالنبات) کا محاورہ ہے یعنی (اخضرَّتْ وحَسُنت) سرسبز و شاداب ہوئی، حاکم کی حدیثِ ابن عمر میں یہ الفاظ ہیں: (اهتز العرش فرحاً به) (اردو میں اسکا یہ ترجمہ کرینگے: خوشی سے جھوم اٹھا، تو یہ حقیقی جھومنا مراد نہیں ہوتا) شروع میں ابن عمر حضرت براء کی طرح اس سے مراد عرشِ سعد (یعنی جنازہ کی چارپائی) لیتے تھے کہ وہ اللہ کی حضرت سعد سے لقاء کی وجہ سے جھوم اٹھا اور خوش ہوا حتی کہ اس کی اعواد (پائے) ہمارے کندھوں پر متفسّخ ہوئے، یہ عطاء بن سائب کی مجاہد عن ابن عمر سے روایت ہے مگر حدیثِ عطاء میں مقال ہے کیونکہ وہ آخر عمر میں مختلِط ہوگئے تھے (یعنی حافظہ خراب ہوگیا تھا) پھر ان کی روایت ترمذی کی تخریج کردہ حضرت انس سے صحیح روایت کے معارض ہے جس میں ہے کہ جب حضرت سعد کا جنازہ اٹھایا گیا منافقین نے کہا کس قدر ہلکا پھلکا جنازہ ہے! نبی اکرم نے فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ فرشتوں نے بھی اٹھایا ہوا تھا (تو انسانوں کو ہلکا محسوس ہوا)۔

حاکم لکھتے ہیں عرشِ رحمٰن کے اہتزاز کے ذکر پر مشتمل روایات صحیحین میں مخرّج ہیں، ان کے کوئی معارض روایت صحیح میں مذکور نہیں، بعض نے حملة العرش کا اہتزاز مراد لیا ہے، اس کی تائید حاکم کی ایک روایت کرتی ہے جس میں ہے کہ حضرت جبریل نے کہا تھا یہ میت کس کی ہے کہ اس کیلئے آسمان کے دروازے کھولے گئے اور آسمانوں کے رہنے والے مستبشر ہوئے ہیں، بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ موتِ اولیاء کیلئے اللہ تعالی کے عرش کا اہتزاز نشانی مقرر ہے تا کہ فرشتوں کو بھی علم و خبر ہو (کہ آج کوئی ولی فوت ہوا ہے)۔ امام مالک بھی اولاً ابن عمر کی طرح قائل تھے کہ سریر کا اہتزاز مراد ہے، صاحب العتبیہ نے ذکر کیا ہے کہ ان سے اس حدیث کی بابت استفسار کیا گیا، بولے میں تمہیں یہ کہنے سے روکتا ہوں، کسی کو نہیں چاہیئے کہ ایسی بات کہے، اسے نہیں علم کہ اس میں کیا غرور ہے، ابو الولید بن رشد شرح العتبیہ میں لکھتے ہیں امام مالک نے اسلیئے یہ بات کہنے سے منع کیا تا کہ کوئی جاھل یہ خیال نہ کرے کہ اگر عرش مہتز و متحرک ہوا تو یہ اس پر مستوی اللہ تعالی کے اہتزاز و تحرُّک کو بھی مستلزم ہے جیسے کرسی اگر ہلے تو لازما اس پر بیٹھنے والا بھی حرکت کریگا اور عرش اللہ تعالی کی نسبت موضعِ استقرار نہیں، اللہ اپنی مخلوق کی مشابہت سے پاک اور منتزہ ہے تو بظاہر امام مالک نے اس سوئے ظن کے پیش نظر اس سے منع کیا وگرنہ اپنی مؤطا میں حدیث: (ینزل الله إلى سماء الدنیا) تخریج نہ کرتے کہ وہ تو اہتزازِ عرش کے نتیجہ میں حرکتِ الٰہی کی نسبت

اس امر میں زیادہ صریح ہے، اس کے باوجود سلفِ امت اور خلف کے علمائے سنت کا معتقد یہ ہے کہ اللہ تعالی حرکت، تحوّل اور حلول سے منزّہ ہے۔

(یہاں فاضل محشی جو ایک سعودی عالم ہیں، نے حاشیہ میں اختلافی نوٹ لکھا ہے، ابو ولید ابن رشد کی بات کہ عرش اللہ تعالی کی نسبت موضعِ استقرار نہیں، پر بھی حاشیہ میں اختلافی نوٹ لکھا تھا، وہاں لکھا تھا بلکہ صواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ عرش پر مستوی ہیں اور استواء، استقرار، ارتفاع اور علو کے وہی معانی کئے جائینگے جو اس کے شایانِ شان ہوں گے، بغیر تکییف، تمثیل، تحریف اور تعطیل کے، اللہ کی دوسری صفات کی مانند، ابن قیم نے قصیدہ نونیہ میں اسے یوں نظم کیا ہے:- ولَهُم عليها عِبارات أربع قدحَصلت لِلُفارسِ الطعَّان وهي استقرارٌ وقد علا و كذلك ار تفعَ الذى مافِيه مِنْ نكران و كذلك قد صعدَ الذى هو رابع و أبو عبيدة صاحب الشيبانى يختار هذا القولَ فى تفسيرہٖ أدرىٰ من الجهمىّ بالقرآن۔ یہاں لکھتے ہیں کہ حرکت، تحول اور حلول کی یہ نفی مفصل ومحدث ہے جس پر کتاب وسنت کی کوئی نص دلالت کناں نہیں، بلکہ متکلمین کے نزدیک یہ نفی اللہ تعالی کی دوسری صفاتِ ثابتہ ولازمہ مثلاً نزول، اتیان، علو اور استواء علی العرش کی نفی کے مترادف ہے لہٰذا معاملہ یوں نہیں جو حافظ نے لکھا، اسی طرح نفیِ مفصل مِنْ هدى السلف نہیں بلکہ سلفِ امت اور ان کے اَتباع باحسان کے اقوال کے خلاف ہے جیسا کہ ابن تیمیہ نے الحمدیہ والتدمیریہ میں تبیین کی ہے۔ انتھیٰ: سعودی عرب کے حضرات ابن تیمیہ کے اقوال کی اسی طرح پیروی کرتے ہیں جیسے احناف فقہ حنفی، شوافع فقہ شافعی اور مالکیہ فقہ مالکی کی، ہمارے ایک کلاس فیلو جو فاضل مدینہ یونیورسٹی ھیں، اپنے ایک استاذ کے حوالے سے بتلایا کرتے تھے کہ اگر تم کہو ابو بکر کا یہ قول غلط ہے یہ سعودی کہیں گے ہاں ہوسکتا ہے، آخر وہ معصوم نہیں اگر کہو حضرت عمر کا فلاں قول صحیح نہیں تو وہ کہینگے ہاں ممکن ہے، آخر وہ معصوم نہیں لیکن اگر کہہ دیا ابن تیمیہ کی یہ بات غلط ہے تو جوتے لے کے مارنے آجائیں گے کہ ابن تیمیہ کو غلط کہتا ہے؟)۔

ابن حجر کہتے ہیں یہ بات کہنا بھی محتمل ہے کہ ممکن ہے مالک کی رائے میں یہ حدیثِ سعد ثابت نہ ہو، تو اس کی تحدیث سے باز رہنے کو کہا بخلاف حدیثِ نزول کے، اسے روایت کیا اور اسکا معاملہ اھلِ علم کی فہم کے سپرد کر دیا جو قرآن کی اس آیت سے واقف ہیں: (الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوىٰ) [طٰه :۵] حضرت سعد کی موت پر اہتزازِ عرش کی حدیث دس یا اس سے بھی زائد صحابہ سے مروی ہے، صحیحین میں مخرّج ہے لہٰذا اس کے انکار کی کوئی سبیل نہیں۔

3804حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِى أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ عَنْ أَبِى سَعِيدٍ الْخُدْرِىِّ أَنَّ أُنَاسًا نَزَلُوا عَلَى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَجَاءَ عَلَى حِمَارٍ، فَلَمَّا بَلَغَ قَرِيبًا مِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ قُومُوا إِلَى خَيْرِكُمْ أَوْ سَيِّدِكُمْ .فَقَالَ يَا سَعْدُ، إِنَّ هَؤُلاَءِ نَزَلُوا عَلَى حُكْمِكَ .قَالَ فَإِنِّى أَحْكُمُ فِيهِمْ أَنْ تُقْتَلَ مُقَاتِلَتُهُمْ وَتُسْبَى ذَرَارِيُّهُمْ .قَالَ حَكَمْتَ بِحُكْمِ اللَّهِ، أَوْ بِحُكْمِ الْمَلِكِ .أطرافه 3043، 4121، 6262

ابو سعید خدری کہتے ہیں (بنی قریظہ کے) لوگ اس شرط پہ (قلعہ سے) اتر آئے کہ جو سعد فیصلہ کریں قبول ہوگا، اس پر آنجناب

نے انہیں (موقع پر) آپکا پیغام بھیجا وہ ایک گدھے پر سوار آئے، مسجد کے قریب پہنچے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا اپنے سردار۔ یا کہا اپنے بہترین فرد، کا کھڑے ہوکر استقبال کرو، پھر فرمایا اے سعد یہ آپکو فیصل مان کر اتر آئے ہیں، کہنے لگے میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان کے لڑنے کے قابل افراد قتل کر دئے جائیں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے، آنجناب نے فرمایا آپ نے الٰہی فیصلہ صادر کیا ہے۔

(إن أنا سا نزلوا الخ) یہ بنی قریظہ تھے، اسکی تفصیل المغازی میں آئیگی۔ روایت میں موجود الفاظ (فلما بلغ قريبا من المسجد)، تو اس سے مراد وہ مسجد جو اثنائے محاصرہ عارضی طور پر اقامتِ صلوات کیلئے قائم کی گئی تھی، بعض نے مسجد کے لفظ کے یہاں ذکر کو راوی کی غلطی قرار دیا اور لکھا کہ درست ابوداؤد کی روایت کے الفاظ ہیں جو یہ ہیں: (فلما دنا من النبیؐ)، یہ روایت بھی شعبہ ہی سے اسی سند کے ساتھ مروی ہے، تو اسے بھی اسی مفہومِ مذکور پر محمول کیا جائے گا لہٰذا دونوں عبارتوں میں کوئی باہم منافات نہیں، مسلم کی روایت کے بھی یہی الفاظ ہیں جو یہاں بخاری کی روایت کے ہیں۔

13 باب مَنْقَبَةُ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ وَعَبَّادِ بْنِ بِشْرٍ (اسید اور عباد کی منقبت)

اسید بن حضیر قبیلہ اوس اور اس کی شاخ بنی عبدالأشہل کے فرد تھے، کنیت ابو یحیٰی تھی وفات ۲۰ ھ عہد عمری میں ہوئی، عباد بن بشر جو ابن وقش ہیں، کا ذکر آگے آ رہا ہے، تاریخ بخاری اور مسند ابی یعلی کی حضرت عائشہ سے ایک روایت جسے حاکم نے صحیح قرار دیا، میں ہے کہ تین انصاری افراد ایسے تھے کہ کوئی بھی ان کے صاحبِ فضل ہونے کا منکر نہ تھا، تینوں قبیلہ اوس کی شاخ بنی عبدالأشہل کے تھے یعنی حضرات سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور عباد بن بشر۔

3805 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا حَبَّانُ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ أَخْبَرَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍؓ أَنَّ رَجُلَيْنِ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ، وَإِذَا نُورٌ بَيْنَ أَيْدِيهِمَا حَتَّى تَفَرَّقَا، فَتَفَرَّقَ النُّورُ مَعَهُمَا .وَقَالَ مَعْمَرٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ وَرَجُلاً مِنَ الأَنْصَارِ .قَالَ حَمَّادٌ أَخْبَرَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ كَانَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ وَعَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ .أطرافه 465، 3639

مزید یہ کہ معمر کی ثابت عن انس سے روایت میں ہے کہ اسید بن حضیر اور انصار کے ایک اور شخص، حماد کی ثابت عن انس سے روایت میں دونوں کے نام ذکر کئے ہیں: اسید بن حضیر اور عباد بن بشر۔

(إن رجلين الخ) چونکہ حماد کی روایت میں ہے کہ دوسرے عباد بن بشر تھے اسلئے بخاری نے ترجمہ میں جزم کے ساتھ دونوں نام لکھ دئے ہیں، معمر کی روایت مصنف عبدالرزاق میں اور اسماعیلی کے ہاں موصول ہے جبکہ حماد کی روایت مسند احمد اور حاکم کی المستدرک میں ہے۔ (عباد بن بشر) قابسی کے نسخہ میں (بشیر) ہے مگر یہ غلط ہے صحابہ میں تین افراد اس نام کے ہیں: عباد بن بشر بن قیظی، عباد بن بشر بن نھیک اور عباد بن بشر بن وقش ہیں، اس قصہ میں جو عباد ہیں وہ یہی تیسرے ہیں۔

14باب مَنَاقِبُ مُعَاذٍؓ بْنِ جَبَلٍ (معاذ بن جبل کی فضیلت)

معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس، بنی اسد بن شاردہ بن تذید بن جشم بن خزرج سے تھے، خزرجی تھے کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی، بدرو عقبہ میں حاضر تھے آنجناب کی طرف سے یمن کے عامل بنائے گئے، آپ کی وفات کے بعد مدینہ واپس آئے پھر شام جہاد کیلئے چلے گئے اور وہیں طاعونِ عمواس جو ۱۸ھ میں واقع ہوا، کے شکار بنے۔

3806حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍوؓ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ اسْتَقْرِئُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنَ ابْنِ مَسْعُودٍ وَسَالِمٍ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ، وَأُبَيٍّ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ .أطرافه 3758، 3760، 3808، 4999۔ (ترجمہ اسی جلد کے سابقہ نمبر میں گزر چکا ہے)

اس کی شرح اسی کتاب میں گزری ہے، ترمذی اور ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ (نعم الرجل معاذ بن جبل)۔ فقہائے صحابہ میں سے تھے ترمذی اور ابن ماجہ نے (أرحم أمتي بأمتي أبوبكر) والی روایت میں ان کی بابت یہ الفاظ نقل کئے ہیں: (و أعلمهم بالحلال و الحرام معاذ) کہ حرام وحلال سے صحابہ میں سب سے زیادہ واقف معاذ بن جبل ہیں، اس کے رجال ثقات ہیں حضرت عمر سے صحت کے ساتھ یہ منقول ہے: (مَن أراد الفقه فَلْيَأتِ معاذا) یعنی جو فقہ حاصل کرنا چاہتا ہے وہ معاذ سے رجوع کرے، تفسیر سورۃ النحل میں بھی ان کا ذکر آئے گا، ان کی عمر کے بارہ میں صحیح قول یہ ہے کہ بوقتِ وفات تینتیس سال تھی۔

15باب مَنْقَبَةُ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ (سعد بن عبادہ کی منقبت)

وَقَالَتْ عَائِشَةُ وَكَانَ قَبْلَ ذَلِكَ رَجُلاً صَالِحًا. حضرت عائشہ کہتی ہیں حضرت سعد قبل ازیں مردِ صالح تھے

انکا نسب نامہ یہ ہے: سعد بن عباد بن دلیم بن حارثہ بن ابوخزیمة بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ، ابوثابت کنیت تھی ان کے بیٹے قیس بھی مشاہیر صحابہ میں سے ہیں، حضرت سعد سردارِ خزرج اور نہایت سخی انسان تھے، ۱۴ھ یا ۱۵ھ خلافتِ عمر میں شام کے شہر حوران میں فوت ہوئے، اس کے تحت نقل کردہ حدیث کچھ ہی قبل ذکر ہوئی ہے اس طریق میں مذکور یہ جملہ مرادِ ترجمہ ہے: (و كان ذا قِدم في الإسلام)۔

(وقالت عائشة الخ) یہ حدیثِ افک کا حصہ ہے جو بتمامہ تفسیر سورۃ النور میں آئیگی، اس سے ان کا اشارہ حضرت سعد اور اسید بن حضیر کے مابین ہونے والی گفتگو کی طرف ہے جب اسید نے کہا یا رسول اللہ افک کے محرک کا نام بتلائیں، اگر میرے قبیلہ اوس میں سے ہوا تو ہم خود اسے قتل کر ڈالیں گے اور اگر ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہوا تو آپ ہمیں جو حکم دینگے اس پہ عمل کرینگے، اس پر سعد نے کہا تھا: (لا تستطيع قتله) یعنی تم اسے قتل نہ کر سکو گے، پھر ان کے مابین تو تکار ہوئی جس پر نبی اکرم نے معاملہ رفع دفع کرایا، تو حضرت عائشہ نے کہا تھا کہ سعد قبل ازیں مردِ صالح تھے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اب وہ اس صفتِ صالحیت سے نکل گئے

ہیں کیونکہ روایت میں مابعد سے تعرض نہیں کیا گیا تو بظاہر اس صفت کا استمرارِ ثبوت ہے کیونکہ ان کی کہی گئی یہ بات ایک وقتی قبائلی عصبیت تھی (دراصل سابق مخالف اور حریف قبیلہ کے فرد کے اندازِ گفتگو سے اشتعال میں آگئے، اگر حضرت اسید یوں کہتے کہ یا رسول اللہ اگر وہ بد بخت جس سے آپ کو ایذاء پہنچی، خزرجی ہے تو ہمارے بھائی خزرجی اسے کیفر کردار تک پہنچا دینگے تو حضرت سعد کو غصہ نہ آتا، ان کا اس انداز کلام پر غصہ میں آنا ایک طبعی امر تھا) اسی لئے امام بخاری نے حضرت عائشہ کی یہ بات ان کے حق میں منقبت سمجھی اور اسے ترجمہ میں شامل کیا ہے، بعدازاں بھی کوئی ایسی بات نہیں جو حضرت سعد کی سیرت وصفات میں قابل عیب ٹھہرتی ہو، البتہ وہ ابوبکر کی بیعت سے، جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ متخلف رہے اور شام چلے گئے، اس ضمن میں بھی ان کا عذر یہ ہے کہ انہوں نے اجتہاد کیا تھا کہ انصاری ہی مستحقِ خلافت ہیں اور مجتہد کی خطا معاف ہوتی ہے۔ (چنانچہ حضرت ابوبکر یا عمر نے ان پر کوئی سختی یا باز پرس نہیں کی اور یہ آنحضرت کی وصیت تھی: وتجاوزوا عن مسیئھم کہ انصار کے خطا کار سے درگزر کرنا، ممکن ہے لسانِ نبوت حضرت سعد کے بیعتِ ابی بکر سے اسی تخلف کی طرف اشارہ کر رہی ہو، اس پر آپ کی یہ بات علاماتِ نبوت سے قرار پائے گی)۔

3807 حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍؓ قَالَ أَبُو أُسَيْدٍ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَيْرُ دُورِ الْأَنْصَارِ بَنُو النَّجَّارِ ثُمَّ بَنُو عَبْدِ الْأَشْهَلِ ثُمَّ بَنُو الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ ثُمَّ بَنُو سَاعِدَةَ وَفِي كُلِّ دُورِ الْأَنْصَارِ خَيْرٌ فَقَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَكَانَ ذَا قِدَمٍ فِي الْإِسْلَامِ أَرَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ فَضَّلَ عَلَيْنَا .فَقِيلَ لَهُ قَدْ فَضَّلَكُمْ عَلَى نَاسٍ كَثِيرٍ .أطرافه 3789، 3790، 6053۔ (دیکھئے اسی جلد کا سابقہ نمبر)

16 باب مَنَاقِبُ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍؓ (ابی بن کعب کی فضیلت)

ابی بن کعب قیس قبیلہ خزرج کی شاخ بنی نجار میں سے تھے، ابو منذر اور ابوطفیل کے ساتھ مکنی تھے، سابقین میں سے ہیں، عقبہ اور بدر میں حاضر تھے ایک قول کے مطابق سن ۳۰ ھ میں فوت ہوئے۔

3808 حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ ذُكِرَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ عِنْدَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو فَقَالَ ذَاكَ رَجُلٌ لَا أَزَالُ أُحِبُّهُ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ خُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ فَبَدَأَ بِهِ، وَسَالِمٍ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ۔ أطرافه 3758، 3760، 3806، 4999۔ (اسی کا سابقہ نمبر)

مناقبِ ابن مسعود میں یہ روایت گزر چکی ہے۔

3809 حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ سَمِعْتُ شُعْبَةَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأُبَيٍّ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ (لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا). قَالَ وَسَمَّانِي قَالَ نَعَمْ فَبَكَى .أطرافه 4959، 4960، 4961

انس بن مالک راوی ہیں کہ نبی پاک نے حضرت ابی بن کعب سے فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم پر سورۃ (لم یکن الذین کفروا الخ) پڑھوں، وہ کہنے لگے کیا میرا نام لیا؟ فرمایا ہاں، اس پر وہ رو پڑے۔

(إن الله أمرني الخ) حاکم کی ایک دیگر طریق کے ساتھ زر بن حبیش عن ابی بن کعب سے روایت میں ہے کہ نبی اکرم نے ان پر سورۂ لَم یَکُن پڑھی اس میں یہ آیت بھی تھی: (إنَّ ذَاتَ الدِّیِنِ عندَالله الحنیفیةُ لا الیهو دیةُ ولا النَّصرَانِیةُ ولا الُمَجُوسیة مَنُ یَفُعَل خیراً فَلَنُ یُکفَرہ)۔ (گویا یہ بعدازاں منسوخ التلادت ہوگئی)۔ (وسمانی) یعنی میرا نام لیکر ذات باری تعالیٰ نے یہ حکم دیا یا یہ کہا کہ اپنے کسی صحابی کو یہ صورت سنائیں؟ آپ نے جب فرمایا کہ اللہ نے تمہارا نام لیا ہے تو خوشی سے رو پڑے یا یہ رونا ازرہِ خشوع دخوف تھا کہ اس عظیم نعمت کا شکر کیونکر ادا ہو، طبرانی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: (نعم باسمك و نسبك فی الملأ الأعلیٰ)۔ قرطبی لکھتے ہیں حضرت ابی نے اسلئے اظہارِ تعجب کیا کہ اللہ تعالیٰ کا انہیں نام لیکر نبی اکرم کو حکم دینا ان کی نسبت تشریفِ عظیم ہے، ابوعبید لکھتے ہیں مراد یہ تھی کہ انہیں سنائیں تا کہ وہ اس کا تعلُّم کریں اور اس میں تحصیل تثّبت کریں اور تا کہ امت کو تعلیم ہو کہ ایک دوسرے پر عرضِ قرآن (یعنی دور کرنا) سنت ہے، اس سے ان کی فضیلت اور اخذِ قرآن میں ان کا تقدُّم بھی ظاہر ہوا، قرطبی مزید لکھتے ہیں بطور خاص یہی سورت اسلئے کہ اس میں توحید، رسالت، اخلاص، نماز، زکاۃ، معاد، اہل جنت ددوزخ کی جزا کا بیان اور سابقہ انبیاء کے صُحف وکتب کا تذکرہ ہے۔

شاہ ولی اللہ اس بابت لکھتے ہیں مجھے حق عز وجل نے الہام کیا ہے کہ حضرت ابی پر اس قراءت کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ سابق میں ان کی نسبت مقدر کیا تھا کہ وہ سید القراء بنیں گے اور ان پہ قراءتِ قرآن میں سلسلہِ امر کی انتہاء ہوگی تو نبی پاک کو یہ حکم دیا تا کہ ان کی تعلیم ہو اور وہ آنجناب کا طریقِ قراءت اچھی طرح جان لیں پھر اس سورۂ لم یکن کی وجہِ تخصیص یہ ہے کہ اس میں ایک ایسی جامع آیت ہے جس سے ملتِ حنیفیہ کے جمیع احکام کا استنباط ممکن ہے یعنی یہ آیت: (و مَاأمِرُوا إلا لِیَعُبُدُوا اللّٰہَ مُخُلِصِینَ لَہُ الدِّینَ حُنَفَاءَ الخ) یہ اس امر کا اشارہ ہے کہ نبی اکرم اقامتِ ملتِ حنیفیہ کیلئے مبعوث کئے گئے ہیں، نہیں مخالفت کرتے اس کی مگر ان امور میں جن میں تحریف کیگئی مثلاً شرک اور نماز وزکاۃ کا اہمال، یہ آیت اکثر احکام کی معرفت میں ملتِ حنیفیہ کے عالم کیلئے کافی ہے۔

اس حدیث کو ترمذی اور نسائی نے بھی (المناقب) میں روایت کیا ہے۔

17 باب مَنَاقِبُ زَیُدِ بُنِ ثَابِتٍ (مناقبِ زید بن ثابت)

یہ بھی بنی نجار میں سے تھے، فقہائے صحابہ اور کاتبینِ وحی میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ (انکے بیٹے خارجہ بھی مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں) حضرت زید کا انتقال ۴۵ ھ میں ہوا۔

3810 حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بُنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا یَحُیَی حَدَّثَنَا شُعُبَةُ عَنُ قَتَادَةَ عَنُ أَنَسٍؓ قَالَ جَمَعَ الُقُرُآنَ عَلَی عَهُدِ النَّبِیِّ ﷺ أَرُبَعَةٌ، کُلُّهُمُ مِنَ الأَنُصَارِ أُبَیٌّ، وَمُعَاذُ بُنُ جَبَلٍ، وَأَبُو زَیُدٍ، وَزَیُدُ بُنُ ثَابِتٍ. قُلُتُ لأَنَسٍ مَنُ أَبُو زَیُدٍ قَالَ أَحَدُ عُمُومَتِی. أطرافه 3996، 5003، 5004

انس کہتے ہیں عہدِ نبوی میں چار حضرات (پورے) قرآن کے جامع تھے، چاروں انصاری تھے: حضرات ابی، معاذ بن جبل، ابو زید اور زید بن ثابت، راوی کہتے ہیں میں نے انس سے پوچھا ابوزید کون؟ کہا میرے ایک چچا تھے

(جمع القرآن) یعنی زبانی یاد کیا (أحد عمومتی) ابن مدینی کہتے ہیں ان کا نام اوس تھا جبکہ یحیٰ بن معین ثابت بن زید بتلاتے تھے بعض نے سعد بن عبید بن نعمان لکھا ہے، طبرانی نے اپنے شیخ ابوبکر بن صدقہ سے یہی جزم کے ساتھ نقل کیا ہے، کہتے ہیں انہیں قاریٔ کہا جاتا تھا جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے، عمیر بن سعد کے والد ہیں۔ واقدی نے قیس بن سکن بن قیس بن زعور بن حرام لکھا ہے اس کی تائید اس امر سے بھی ملتی ہے کہ حضرت انس بھی بنی حرام میں سے تھے، روایتِ ھذا میں ان چار صحابہ کا ذکر سابق الذکر روایتِ ابن عمرو کے معارِض نہیں جس میں بھی چار کا ذکر ہے دو تو یہی ہیں اور دو دیگر ہیں کیونکہ تطبیق یہ ہوگی کہ ان چار سے تعلیم قرآن کا مفہوم یہ نہیں تھا کہ وہ اس کے حفاظ ہیں یا یہاں حضرت انس کی بات کا مفہوم یہ نہیں کہ صرف انہی چار نے جمعِ قرآن کا عمل انجام دیا تھا، کسی اور نے جمع نہ کیا تھا، ممکن ہے ان کی مراد یہ ہو کہ کسی ایک ہی قبیلہ کے چار افراد حفاظ نہ تھے، جمعِ قرآن پر مزید بحث فضائل القرآن میں آئیگی۔ علامہ انور اس بارے لکھتے ہیں کہ پہلے بھی وضاحت کی ہے کہ ان کے غیر نے بھی جمعِ قرآن کیا تھا مگر انہوں نے ان چار کا ذکر کیا کیونکہ یہ ان کے ہم قبیلہ تھے، یہ نہیں کہ فقط یہی چار جامعینِ قرآن تھے۔

اسے مسلم نے بھی (الفضائل) میں روایت کیا ہے۔

18 باب مَنَاقِبُ أَبِي طَلْحَةَ ؓ (حضرت ابوطلحہ کے مناقب)

ابوطلحہ کا نام ونسب یہ ہے: زید بن سہل بن اسود بن حرام انصاری خزرجی نجاری، امِ سلیم والدہِ حضرت انس کے ساتھ شادی کی، الجہاد میں ان کی تاریخ وفات ذکر ہو چکی ہے۔

3811 حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ ؓ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ انْهَزَمَ النَّاسُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبُو طَلْحَةَ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ ﷺ مُجَوِّبٌ بِهِ عَلَيْهِ بِحَجَفَةٍ لَهُ، وَكَانَ أَبُو طَلْحَةَ رَجُلاً رَامِيًا شَدِيدَ الْقِدِّ، يَكْسِرُ يَوْمَئِذٍ قَوْسَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا، وَكَانَ الرَّجُلُ يَمُرُّ مَعَهُ الْجَعْبَةُ مِنَ النَّبْلِ فَيَقُولُ انْشُرْهَا لأَبِي طَلْحَةَ .فَأَشْرَفَ النَّبِيُّ ﷺ يَنْظُرُ إِلَى الْقَوْمِ، فَيَقُولُ أَبُو طَلْحَةَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، لاَ تُشْرِفْ يُصِيبُكَ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ الْقَوْمِ، نَحْرِي دُونَ نَحْرِكَ .وَلَقَدْ رَأَيْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ وَأُمَّ سُلَيْمٍ وَإِنَّهُمَا لَمُشَمِّرَتَانِ، أَرَى خَدَمَ سُوقِهِمَا، تُنْقِزَانِ الْقِرَبَ عَلَى مُتُونِهِمَا، تُفْرِغَانِهِ فِي أَفْوَاهِ الْقَوْمِ، ثُمَّ تَرْجِعَانِ فَتَمْلآنِهَا، ثُمَّ تَجِيآنِ فَتُفْرِغَانِهِ فِي أَفْوَاهِ الْقَوْمِ، وَلَقَدْ وَقَعَ السَّيْفُ مِنْ يَدَىْ أَبِي طَلْحَةَ إِمَّا مَرَّتَيْنِ، وَإِمَّا ثَلاَثًا .أطرافه 2880، 2902، 4064

(مجوب) ڈھال کی طرح آپ پر جھکے ہوئے تھے، ترس (یعنی ڈھال) کو جوبہ بھی کہتے ہیں۔ (شدیداً لِقَد الخ) بعض

نے اسے (شدید القد) یعنی بطور ترکیبِ اضافی ذکر کیا ہے، قد غیر مصبوغ (غیر رنگی ہوئی) جلد سے بنے تسمہ کو کہا جاتا ہے، مفہوم یہ کہ (شدید وتر القوس) تھے، قد کی بجائے مدّ بھی مروی ہے (مفہوم یہ بنا کہ زور سے کمان کھینچ کر تیر چلانے والے یا بالفاظِ دیگر مضبوط بازؤوں والے)، باقی شرح المغازی میں آئیگی۔

19باب مَنَاقِبُ عَبدِ اللّٰهِ بُنِ سَلَامٍ (عبداللہ بن سلام کے مناقب)

عبداللہ بن سلام۔ لام مخفف ہے۔ بن حارث (یہودی قبیلہ) بنی قینقاع میں سے تھے جو حضرت یوسف کی طرف منسوب ہیں، جاہلیت میں ان کا نام حصین تھا اسلام لانے پر نبی پاک نے۔ جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے۔ بدل کر عبداللہ کر دیا، یہ خزرج کے حلفاء تھے، نبی اکرم کی ہجرتِ مدینہ کے فوری بعد اسلام قبول کر لیا، اوائل الہجر ۃ میں اس کا ذکر ہوگا، داؤدی لکھتے ہیں کہ بدری ہیں ان سے قبل ابوعروبہ نے بھی یہ لکھا ہے مگر وہ اس میں متفرد ہیں، اس پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی، بعض نے غلط لکھا کہ وفات نبوی سے دو برس قبل اسلام لائے تھے، ان کی وفات ۴۳ھ میں ہوئی۔

3812حَدَّثَنَا عَبدُ اللّٰهِ بنُ يُوسُفَ قَالَ سَمِعتُ مَالِكًا يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي النَّضرِ مَولَى عُمَرَ بنِ عُبَيدِ اللّٰهِ عَنْ عَامِرِ بنِ سَعدِ بنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ مَا سَمِعتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لِأَحَدٍ يَمشِي عَلَى الأَرضِ إِنَّهُ مِنْ أَهلِ الجَنَّةِ .إِلَّا لِعَبدِ اللّٰهِ بنِ سَلَامٍ قَالَ وَفِيهِ نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ (وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِي إِسرَائِيلَ) الآيَةَ. قَالَ لَا أَدرِي قَالَ مَالِكٌ الآيَةَ أَوْ فِي الحَدِيثِ

سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں میں نے نہیں سنا کہ نبی پاک نے سوائے عبداللہ بن سلام کے کسی زندہ فرد کو جنتی کہا ہو، کہتے ہیں انہی کی بابت یہ آیت نازل ہوئی (و شهد شاهد من بني اسرائيل) [الأحقاف:۱۰] راوی کہتے ہیں میں نہیں جانتا نزولِ آیت کے بارہ میں مذکورہ قول مالک کا ہے یا یہ حدیث کا حصہ ہے۔

(ماسمعت الخ) اس میں اشکال ہے کیونکہ آنجناب نے تو صحابہ کی ایک جماعت کو جنتی قرار دیا تھا اور یہ امر بعید ہے کہ سعد کو اس کی خبر نہ ہو، جواباً کہا گیا ہے کہ انہوں نے تزکیہِ نفس مکروہ جانا اسلئے کہ وہ بھی یکے از عشرہِ مبشرہ ہیں مگر اس جواب کا یہ کہہ کر تعقُّب کیا گیا ہے کہ یہ اس امر کو مستلزم نہ تھا کہ دوسرے صحابہِ عشرہ کی بابت سماع کی نفی کرتے، ابن حجر کہتے ہیں مجھے یہ حل سوجھا ہے کہ حضرت سعد نے یہ بات عشرہ مبشرہ کے باقی نو صحابہ کی وفات کے بعد کہی ہے کیونکہ عبداللہ بن سلام ان کے بعد تک زندہ رہے، سعد اور سعید کے علاوہ باقی مبشرہ ان سے قبل فوت ہوئے ہیں، اس کی تائید حضرت سعد کے الفاظ: (يمشي علَى الأرض) سے ہوتی ہے، دار قطنی کی اسحاق بن صباع عن مالک سے روایت میں یہ الفاظ ہیں: (ماسمعت النبی ﷺ يقول لِحَيٍّ يمشي إنه من أهل الجنة) عاصم بن مھجع عن مالک کی ردایت میں ہے: (لرجلٍ حَيٍّ) اس سے میری بیان کردہ تطبیق کی تائید ہوتی ہے البتہ دار قطنی کی ایک اور روایت اس تاویل کیلئے معکّر ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: (سمعت النبی ﷺ يقول لا أقول لأحدٍ مِن الأحياء إنه مِن أهل الجنة إلا لِعَبدِ الله بن سلام)، کہتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آنجناب نے (وسليمان الفارسي) بھی کہا تھا لیکن یہ

سیاقِ منکَر ہے، اگر یہ محفوظ ہے تو اسے اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ آنجناب نے یہ بات باقیوں کو جنت کی بشارت دینے سے قبل فرمائی تھی۔ ابن حبان نے مصعب بن سعد عن ابیہ سے روایت کی ہے کہ میں آنجناب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے فرمایا (یدخل علیکم رجلٌ مِن أهل الجنة) کہ ابھی اہل جنت میں سے ایک آدمی آئے گا، پھر عبداللہ بن سلام داخل ہوئے، اس سے روایتِ جماعت کی صحت کی تائید اور سعد بن داؤد کی روایت کی تضعیف ثابت ہوتی ہے۔

(قال لا أدری الخ) یعنی یہ معلوم نہیں کہ نزولِ آیت کی بات مالک نے اپنی طرف سے کہی یا وہ حدیث کا ہی حصہ ہے؟ یہ شک شیخِ بخاری کی طرف سے ہے اور یہ جملہ صرف انہی کے ہاں ہے، اسماعیل بن عبداللہ سمویہ نے بھی اپنی فوائد میں انہی شیخ بخاری کے حوالے سے یہ روایت ذکر کی مگر یہ جملہ نقل نہیں کیا، اسی طرح اسماعیلی اور دارقطنی نے بھی دو طرق کے ساتھ عبداللہ بن یوسف سے یہ حدیث بغیر اس زیادت کے نقل کی ہے، انہوں نے ایک تیسرے طریق کے ساتھ ان سے صرف یہی زیادت نقل کی اور لکھا کہ یہ وہم ہے۔ ابن مندہ نے الإیمان میں بطریق اسحاق بن سیار عن عبداللہ بن یوسف یہ روایت مع زیادت نقل کی ہے، اس میں ہے اسحاق کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن یوسف سے کہا ابومسہر نے بھی ہمیں یہی حدیث امام مالک سے تحدیث کی ہے مگر انہوں نے یہ زیادت ذکر نہیں کی؟ اس پر عبداللہ کہنے لگے امام مالک نے یہ بات حدیث بیان کرنے کے بعد کہی تھی، میرے پاس الواح موجود تھیں تو میں نے لکھ لی، دارقطنی نے غرائبِ مالک میں ابومسہر، عاصم بن مہجع، عبداللہ بن وھب، اسحاق بن عیسیٰ، سعید بن داؤد اور اسحاق فروی یہ سب مالک سے، کے حوالوں سے اس کی تخریج کی ہے، کسی میں یہ زیادت موجود نہیں، لکھتے ہیں ظاہرِ امر یہ ہے کہ یہ زیادت اس طریق سے مُدرَج ہے۔ دارقطنی کی ابن وھب عن مالک کے طریق میں تصریح ہے کہ یہ جملہ امام مالک کا ہے، ترمذی کے ہاں یہ حدیث خود عبداللہ بن سلام سے مروی ہے، ابن مردویہ نے بھی متعدد طرق کے ساتھ ان سے تخریج کی ہے، ابن حبان کی عوف بن مالک سے روایت میں بھی ہے کہ آیت کا نزول عبداللہ بن سلام کی بابت ہوا، شعبی جیسا کہ عبد بن حمید نے نضر بن شمیل عن ابن عون عنہ کے طریق سے نقل کیا، آیت کے ابن سلام سے متعلق ہونے کی نفی کرتے ہوئے کہتے تھے کہ وہ تو مدینہ میں اسلام لائے تھے جبکہ سورت مکی ہے، اس کا ابن سیرین نے یہ جواب دیا تھا کہ کسی سورت کے مکی یا مدنی ہونے کا مطلب نہیں ہوتا کہ اس کی تمام آیات وہیں نازل ہوئیں، تو سورۃ الأحقاف مکی ہے مگر (وشَهِدَ شَاهِدٌ ۔۔۔ الخ) والی دو آیات مدنی ہیں، ان کے مکہ میں نازل ہونے میں بھی کوئی مانع نہیں کہ مابعد ہجرت ایک امرِ واقع کی طرف اشارہ کیا ہو، عبد اپنی تفسیر میں سعید بن جبیر کے طریق سے ناقل ہیں کہ میمون بن یامین کے بارہ میں یہ آیات نازل ہوئیں، تفسیر طبری میں ابن عباس سے منقول ہے کہ ابن سلام اور عمیر بن وھب بن یامین نضری کے بارہ میں نازل ہوئی، تفسیرِ مقاتل میں ہے کہ ان کا نام یامین بن یامین تھا، کوئی مانع نہیں کہ ان سب کو ان آیات کا مصداق قرار دیا جائے۔

اسے مسلم نے (الفضائل) میں روایت کیا ہے۔

3813 حَدَّثَنِی عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَزْهَرُ السَّمَّانُ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا فِی مَسْجِدِ الْمَدِينَةِ، فَدَخَلَ رَجُلٌ عَلَى وَجْهِهِ أَثَرُ الْخُشُوعِ، فَقَالُوا هَذَا رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ. فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ تَجَوَّزَ فِيهِمَا ثُمَّ خَرَجَ، وَتَبِعْتُهُ فَقُلْتُ

إِنَّكَ حِينَ دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ قَالُوا هَذَا رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ .قَالَ وَاللَّهِ مَا يَنْبَغِى لأَحَدٍ أَنْ يَقُولَ مَا لاَ يَعْلَمُ وَسَأُحَدِّثُكَ لِمَ ذَاكَ رَأَيْتُ رُؤْيَا عَلَى عَهْدِ النَّبِىِّ ﷺ فَقَصَصْتُهَا عَلَيْهِ، وَرَأَيْتُ كَأَنِّى فِى رَوْضَةٍ ذَكَرَ مِنْ سَعَتِهَا وَخُضْرَتِهَا وَسْطَهَا عَمُودٌ مِنْ حَدِيدٍ، أَسْفَلُهُ فِى الأَرْضِ وَأَعْلاَهُ فِى السَّمَاءِ، فِى أَعْلاَهُ عُرْوَةٌ فَقِيلَ لَهُ ارْقَهْ .قُلْتُ لاَ أَسْتَطِيعُ .فَأَتَانِى مِنْصَفٌ فَرَفَعَ ثِيَابِى مِنْ خَلْفِى، فَرَقِيتُ حَتَّى كُنْتُ فِى أَعْلاَهَا، فَأَخَذْتُ بِالْعُرْوَةِ، فَقِيلَ لَهُ اسْتَمْسِكْ .فَاسْتَيْقَظْتُ وَإِنَّهَا لَفِى يَدِى، فَقَصَصْتُهَا عَلَى النَّبِىِّ ﷺ قَالَ تِلْكَ الرَّوْضَةُ الإِسْلاَمُ، وَذَلِكَ الْعَمُودُ عَمُودُ الإِسْلاَمِ، وَتِلْكَ الْعُرْوَةُ عُرْوَةُ الْوُثْقَى، فَأَنْتَ عَلَى الإِسْلاَمِ حَتَّى تَمُوتَ .وَذَاكَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلاَمٍ .طرفاه 7010، 7014- 3813م وَقَالَ لِى خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ عُبَادٍ عَنِ ابْنِ سَلاَمٍ قَالَ وَصِيفٌ مَكَانَ مِنْصَفٌ

قیس بن عباد کہتے ہیں میں مسجد (نبوی) میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص داخل ہوئے جنکے چہرے میں آثارِ خشوع تھے، لوگ کہنے لگے یہ اہلِ جنت میں سے ہیں، اس شخص نے دو رکعت نماز ادا کی پھر نکل گئے میں بھی ان کے پیچھے ہولیا اور قریب جا کر کہا آپ جب مسجد میں آئے لوگوں نے آپکی نسبت کہا کہ یہ اہلِ جنت میں سے ہیں، وہ بولے کسی کو نہیں چاہئے کہ ایسی بات بولے جس کی بابت نہیں جانتا، اور میں ابھی تمہیں بتلاتا ہوں کہ (انکے یہ بات کہنے کی) وجہ کیا ہے، عہدِ نبوی میں مجھے ایک خواب آیا جو میں نے نبی پاک کو بیان کیا کہ جیسے میں ایک باغ میں ہوں، پھر اس کی وسعت اور خوشنمائی کے بارہ میں بیان کیا، باغ کے درمیان میں لوہے کا ایک ستون ایستادہ تھا جسکا نچلا حصہ زمین میں تو بالائی حصہ آسمان میں تھا، مجھے کہا گیا اس پہ چڑھو میں نے کہا مجھ میں تو ایسا کرنے کی استطاعت نہیں ایک خادم آیا جس نے پیچھے سے مجھے سہارا دیا میں چڑھا حتی کہ اس کی چوٹی پر پہنچ گیا، وہاں ایک عروہ تھا، کہا گیا اسے پکڑ لو میں نے پکڑ لیا اسی حالت میں میری آنکھ کھل گئی، آنجناب سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا وہ باغ، باغِ اسلام اور وہ عروہ، عروۂ وثقیٰ ہے اور ستون سے مراد بھی اسلام ہے، تم موت تک اسلام پہ کاربند رہو گے، راوی کہتے ہیں یہ شخص عبد اللہ بن سلام تھے۔

محمد سے ابن سیرین اور قیس سے مراد ابن عباد ہیں۔ (ما ینبغی) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن سلام حضرت سعد کی ذکر کردہ حدیثِ نبویؐ سے واقف نہ تھے یا ممکن ہے واقف ہوں مگر تواضعاً یہ بات کہی ہو، یہ معنی بھی محتمل ہے کہ ان کا انکار اس سائل کے تعجب پر ہو، جو لوگوں کی یہ بات باعثِ تعجب سمجھا تو اس کا تعجب یہ قصۂ خواب بیان کر کے دور کیا اور باور کرایا کہ ایسی چیز کا انکار مناسب نہیں جو کسی کے اپنے علم میں نہ ہو، پھر بالخصوص اہلِ صدق اسے بیان کرتے ہوں۔ (فرقیت) قاف کی زیر کے ساتھ، زبر بھی محکی ہے۔ (حدثنا معاذ الخ) یعنی معاذ بن معاذ نے بھی عبد اللہ بن عون سے یہی حدیث روایت کی ہے مگر منصف کی جگہ وصیف کا لفظ ذکر کیا ہے جو چھوٹی عمر کے خادم و خادمہ کو کہتے ہیں۔

(فاستیقظت الخ) یعنی یہ خواب دیکھنے کے فوری بعد جب خواب میں اس عروہ کو پکڑے ہوئے تھا، میں بیدار ہو گیا، یہ

نہیں مراد کہ بیدار ہونے پر اسے پکڑا ہوا تھا (عموماً سنجیدہ خواب دیکھنے کے بعد انسان کی آنکھ کھل جاتی ہے)، ابن حجر لکھتے ہیں اگر ظاہری معنی (کہ جب بیدار ہوئے وہ ان کے ہاتھ میں تھا) بھی مراد لیا جائے تو یہ اللہ تعالی کی قدرت کیلئے ممتنع نہیں، یا یہ مراد ہے کہ بیدار ہونے پر ان کے ہاتھ میں اس کا اثر باقی تھا یعنی مثلاً کسی چیز کو پکڑنے کی پوزیشن اختیار کئے ہوئے تھا۔ (و ذلك الرجل الخ) راوی کی کلام ہے خود ابن سلام کی کلام ہونا بھی محتمل ہے۔

3814حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَتَيْتُ الْمَدِينَةَ فَلَقِيتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَلاَمٍ ؓ فَقَالَ أَلاَ تَجِيءُ فَأُطْعِمَكَ سَوِيقًا وَتَمْرًا، وَتَدْخُلَ فِي بَيْتٍ ثُمَّ قَالَ إِنَّكَ بِأَرْضٍ الرِّبَا بِهَا فَاشٍ، إِذَا كَانَ لَكَ عَلَى رَجُلٍ حَقٌّ فَأَهْدَى إِلَيْكَ حِمْلَ تِبْنٍ، أَوْ حِمْلَ شَعِيرٍ أَوْ حِمْلَ قَتٍّ، فَلاَ تَأْخُذْهُ، فَإِنَّهُ رِبًا .وَلَمْ يَذْكُرِ النَّضْرُ وَأَبُو دَاوُدَ وَوَهْبٌ عَنْ شُعْبَةَ الْبَيْتَ .طرفه 7342

ابو بردہ اپنے والد (حضرت ابوموسی اشعری) سے راوی ہیں، کہتے ہیں میں مدینہ آیا تو ابن سلام سے ملاقات ہوئی، کہنے لگے میرے ساتھ نہیں آؤ گے؟ تمہیں ستو اور کھجور کھلاؤنگا اور اپنے گھر (جہاں رسول اللہ تشریف فرما ہوئے تھے) میں بٹھاؤنگا، پھر مجھ سے کہا تم ایسی سرزمین میں ہو جہاں سود انسانی معاشرہ میں پھیلا ہوا ہے، اگر تمہارا کسی کے ذمہ کوئی قرض ہو اور وہ تمہیں کچھ تبن (بھوسہ/ پیالہ) یا جو یا گھاس بھی ساتھ دینا چاہے تو مت لینا کہ وہ سود شمار ہوگا۔

(عن أبيه) یعنی ابوموسی اشعری۔ (في بيت) منون برائے تعظیم ہے، وجہِ تعظیم یہ تھی کہ نبی اکرم اس گھر میں تشریف فرما ہوئے تھے، حدیث کے اسی جملہ کی وجہ سے اسے مناقبِ عبداللہ بن سلام میں شامل کیا ہے یا ان کے حضرت ابوموسی کو تحائف قبول کرنے سے اجتناب کی ہدایت، حدیث کا ابن سلام کے مناقب سے تعلق جوڑتی ہے کہ یہ ان کے ورع وتقویٰ پر دال ہے۔ (بأرض) ارضِ عراق مراد ہے۔ (فإنه ربا) محتمل ہے کہ یہ ابن سلام کی ذاتی رائے ہو، وگرنہ فقہاء کا خیال ہے کہ یہ سود اسی صورت بنے گا اگر قرض خواہ اس کی شرط لگائے البتہ تقوی اسی امر کو مقتضِی ہے جو ابن سلام کہہ رہے ہیں۔ (ولم يذكر النضر الخ) یعنی ابن شمیل، ابو داؤد سے طیالسی اور وھب سے مراد ابن جریر ہیں۔ (عن شعبة البيت) یعنی سلیمان بن حرب نے شعبہ سے جو بیت کا لفظ نقل کیا ہے، انہوں نے نہیں کیا، ابواسامہ کی برید بن عبداللہ ای ابن ابو بردۃ عن جدہٖ ابی بردہ سے روایت میں ہے کہ ابن سلام نے ابوموسی سے کہا گھر چلو: (انطلق الى المنزل) تو میں تمہیں اسی قدح (پیالہ) میں پلاؤنگا جس میں رسول اللہ نے پیا تھا، یہ کتاب الاعتصام میں آئیگی۔

علامہ انور (إذا كان لك على رجل حق الخ) کے تحت لکھتے ہیں اسی سے فقہاء نے ہر اس منفعت سے منع کیا ہے قرض جسکا باعث بنے (جَرَّها القرض)، جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو ان میں بعض توسیعات موجود ہیں تو یہ عصر و زمان کے اختلاف کے باب سے ہے نہ کہ دلیل و برہان کے، اس بارے بحث گزر چکی ہے، انتھیٰ۔

20 باب تَزْوِيجُ النَّبِيِّ ﷺ خَدِيجَةَ وَفَضْلُهَا

(آنجناب کی حضرت خدیجہ سے شادی اوران کی فضیلت کا بیان)

تمام نسخوں میں تزویج کا لفظ ہی ہے، بابِ تفعیل کبھی تفعُّل کے معنی میں بھی استعمال ہو جاتا ہے، یہاں بھی ہوا یا یہاں کچھ کلام محذوف ہے جس کی تقدیر یہ ممکن ہے: (من نفسہ)، حضرت خدیجہ آپکی اولین زوجہ ہیں، انکا نسب نامہ یہ ہے: خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی، نبی پاک کے ساتھ قصی میں مجتمع ہیں، رشتہ داری میں یہی آپکی قریب ترین بیوی تھیں، قصی کی اولاد میں سے سوائے ان کے اور حضرت ام حبیبہ کے کوئی اور ام المؤمنین نہیں، جمہور کے قول کے مطابق آنجناب کی عمر مبارک ان سے نکاح کے وقت پچیس برس تھی، ان کے والد خویلد کے ہاتھوں یہ شادی انجام پائی، اسے بیہقی نے عمار بن یاسر کے حوالے سے نقل کیا ہے، کلبی کے مطابق بلکہ چچا عمرو بن اسد کے ہاتھوں تمام پذیر ہوئی، ابن اسحاق نے ان کے بھائی عمرو بن خویلد کا نام لکھا ہے، انکے پہلے شوہر کا نام ابو ہالہ بن نباش بن زرارہ تمیمی تھا جو بنی عبد الدار کے حلیف تھے، ابو ہالہ کے نام میں اختلاف ہے، زبیر نے مالک، ابن مندہ نے زرارہ اور عسکری نے جزم کے ساتھ ہند لکھا ہے، ابو عبید نے قطعیت کے ساتھ نباش ذکر کیا ہے ان سے ان کے بیٹے کا نام ہالہ تھا جن سے حسن بن علی نے (حدثنی خالی) کے الفاظ سے ایک روایت نقل کی ہے کیونکہ وہ ماں کی طرف حضرت فاطمہ کے بھائی ہوئے، ابو ہالہ زمانۂ جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے، ان سے قبل عتیق بن عائذ مخزومی کے حبالۂ عقد میں تھیں، آنجناب شادی سے قبل ان کا مالِ تجارت لے کر شام بغرضِ تجارت گئے تھے تو اثنائے سفر ان کے غلام میسرہ کی زبانی آپکے اوصافِ حمیدہ سنکر آپ سے شادی کی خواہش ظاہر کی، زبیر لکھتے ہیں حضرت خدیجہ طاہرہ کے لقب سے متلقِبہ تھیں، ان کی وفات کے بارہ میں صحیح قول یہ ہے کہ بعثت کے دس برس بعد رمضان میں ہوئی، بعض نے آٹھ اور بعض نے سات برس ذکر کیا ہے، آنجناب کے ساتھ شادی کے بعد پچیس برس گزارے، آگے حضرت عائشہ کی روایت سے مترشح ہوگا کہ ہجرت سے تین برس قبل وفات ہوئی تھی، بدء الوحی میں ذکر گزرا ہے کہ پہلی وحی کے بعد جونہی آنجناب گھر واپس ہوئے اور نبوت کی بابت بتلایا حضرت خدیجہ فوراً ایمان لے آئیں، راجح یہ ہے کہ وہ آنجناب کی افضل ترین زوجہ تھیں۔

3815 حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ جَعْفَرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا رضی اللہ عنہ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ حَدَّثَنِي صَدَقَةُ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ جَعْفَرٍ عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ۔ طرفه 3432۔ (ترجمہ اسی کے سابقہ نمبر میں گزر چکا ہے)

ابن سکن نے جزم کے ساتھ شیخِ بخاری کو ابن سلام قرار دیا ہے، عبدہ سے مراد ابن سلیمان ہیں۔ (سمعت عبد الله الخ) یعنی ابن جعفر بن ابو طالب، عبد الرزاق کے ہاں ابن جریج کے حوالے سے ہشام نے عبد اللہ بن زبیر عن عبد اللہ بن جعفر ذکر کیا ہے، یہ مزید اتصالِ سند ہے عروہ کا بھی عبد اللہ بن جعفر سے سماع ہے، اسے احمد، ابن حبان اور حاکم نے تخریج کیا مگر اس کا سیاق زیر نظر سیاق سے مختلف ہے۔ (سمعت علی الخ) مسلم کی ابو اسامہ عن ہشام سے روایت میں بالکوفہ بھی مذکور ہے اصحابِ ہشام اس روایت میں ذکرِ علی پر متفق ہیں مگر محمد بن اسحاق نے (هشام عن أبيه عن عبد الله بن جعفر عن النبی ﷺ) ذکر کیا ہے تو بظاہر یہ

دو الگ الگ حدیثیں ہیں۔

(خير نسائها مريم الخ) قرطبی لکھتے ہیں (نسائها) میں ضمیر غیرِ مذکور کی طرف راجع ہے لیکن حال و مشاہدہ اس کی تفسیر کرتا ہے یعنی دنیا، جبکہ طیبی اس بابت لکھتے ہیں کہ پہلی ضمیر اس امت کی طرف راجع ہے جس میں حضرت مریم تھیں اور دوسری ضمیر امتِ محمدیہ کی طرف راجع ہے اسی لئے کلام کو مکرر کیا تا کہ اس امر کی تنبیہ ہو کہ ایک کا حکم دوسری کے حکم سے مختلف ہے، ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کہ مسلم کی وکیع عن ھشام کے حوالے سے اسی روایت میں ہے: (وأشار وكيع إلى السماء والأرض)۔ (یعنی یہ بات کہتے ہوئے وکیع نے ارض و سماء کی طرف اشارہ کیا) گویا یہ بیان کیا کہ مراد نساءِ دنیا ہیں اور دونوں جگہ ضمیر دنیا کی طرف عائد ہے، قرطبی بھی اسی پر جزم کرتے ہیں، طیبی کہتے ہیں ان کی مراد ہے کہ وہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کی تمام عورتوں سے بہتر ہیں، کہتے ہیں مگر وکیع کی یہ تفسیر آنجناب کے ذکر کردہ لفظ (نسائها) کیلئے مستقیم نہیں کیونکہ یہ ضمیر عود إلى السماء کیلئے صالح نہیں، یہ بھی محتمل ہے کہ ضمیرِ اول آسمان کی طرف اور ثانی زمین کی طرف راجع ہو بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ بات نبی پاک نے حضرت خدیجہ کی حیات میں کہی تھی، اس میں نکتہ یہ ہوگا کہ چونکہ حضرت مریم فوت ہو چکی تھیں اور ان کی روح آسمان میں تھی لہٰذا ان کا ذکر کرتے ہوئے آسمان اور حضرت خدیجہ کا ذکر کرتے ہوئے زمین کی طرف اشارہ کیا، اور اگر فرض کیا جائے کہ موتِ خدیجہ کے بعد کہے تھے تو مراد یہ ہوگی کہ دونوں ان تمام عورتوں سے بہتر ہیں جنکے اجساد زمین میں مدفون اور ارواح آسمان میں ہیں، ابن حجر کہتے ہیں میرے لئے ظاہر یہ ہے کہ (خير نسائها) خبر مقدم ہے اور ضمیر حضرت مریم کیلئے ہے یعنی وہ اپنے زمانہ کی تمام خواتین سے افضل ہیں اسی طرح حضرت خدیجہ بھی (یعنی دونوں اپنے اپنے دور کی تمام خواتین سے افضل ہیں)۔

کثیر شراح نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اپنے عہد کی خواتین مراد ہیں کیونکہ احادیث الأنبیاء کے باب قصہِ موسیٰ اور ذکرِ آسیہ میں ابو موسیٰ کی مرفوع حدیث کے حوالے سے گزرا ہے کہ مردوں میں کامل تو بہت ہوئے اور عورتوں میں فقط آسیہ اور مریم ہی ہوئیں، تو اس حدیث میں حضرت آسیہ کیلئے بھی اثباتِ کمال کیا جیسا کہ حضرت مریم کیلئے کیا لہٰذا روایتِ باب میں محمول علیٰ اطلاق کرنا ممتنع ہے، ایک روایت میں مراد و مفہوم کی تفسیرِ صریح موجود ہے، چنانچہ بزار اور طبرانی کی حضرت عمار بن یاسر سے مرفوع حدیث میں ہے خدیجہ میری امت کی عورتوں پر فضیلت دی گئیں جیسے مریم علی نساء العالمین فضیلت دی گئیں، یہ حسن الإسناد روایت ہے۔

اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ حضرت خدیجہ حضرت عائشہ سے افضل ہیں، ابن تین اس بارے اظہار رائے کرتے ہیں کہ محتمل ہے حضرت عائشہ اس میں داخل نہ ہوں کیونکہ وہ وفاتِ خدیجہ کے وقت تین سال کی تھیں اور یہ بات شائد بالغ خواتین کے بارہ میں کہی ہو، مگر یہ ضعیف رائے ہے، نساء کا لفظ ہر عمر کی خواتین پر بولا جا سکتا ہے، پھر (نساء أمتي) میں اس وقت موجود خواتین اور بعد میں آنیوالی، سبھی شامل ہیں۔ نسائی اور حاکم نے بسند صحیح ابن عباس سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ (أفضل نساء أهل الجنة خديجة و فاطمة و مريم و آسية) یہ نصِ صریح ہے جو کسی تاویل کی محتمل نہیں۔ قرطبی لکھتے ہیں ان چاروں میں سے سوائے مریم کے کسی کے بارہ میں ثابت نہیں کہ وہ (ممکنہ طور پر) نبیہ ہوں (یہ بحث گزر چکی ہے)، ابن عبد البر نے ایک اور سند کے ساتھ ابن عباس سے مرفوعا یہ الفاظ روایت کئے ہیں: (سيدة نساء العالمين مريم ثم فاطمة ثم خديجة ثم آسية) کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے جس سے سارا اشکال دور ہو جاتا ہے، مزید کہا جو حضرات کہتے ہیں کہ مریم نبی نہیں، وہ ان احادیث میں (مِن) مقدر مانتے ہیں، ابن حجر تبصرہ

کرتے ہیں کہ ابن عبد البر نے ترتیب والی جو حدیث ذکر کی وہ ثابت نہیں، اس کی اصل ابوداؤد اور حاکم کے ہاں موجود ہے اور بغیر ترتیب کے ہے اور یہ حدیث حضرت مریم کے نبی نہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس میں انہیں خدیجہ و فاطمہ کے برابر ذکر کیا گیا ہے جو بالاتفاق نبیہ نہیں، اگرچہ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تمام صفات میں تسویہ مراد نہیں۔

3816 حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ كَتَبَ إِلَيَّ هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلَى امْرَأَةٍ لِلنَّبِيِّ ﷺ مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ، هَلَكَتْ قَبْلَ أَنْ يَتَزَوَّجَنِي، لِمَا كُنْتُ أَسْمَعُهُ يَذْكُرُهَا، وَأَمَرَهُ اللَّهُ أَنْ يُبَشِّرَهَا بِبَيْتٍ مِنْ قَصَبٍ، وَإِنْ كَانَ لَيَذْبَحُ الشَّاةَ فَيُهْدِي فِي خَلاَئِلِهَا مِنْهَا مَا يَسَعُهُنَّ. أطرافه 3817، 3818، 5229، 6004، 7484

حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے کسی سوتن سے اتنی غیرت نہ کھائی جتنی حضرت خدیجہ سے کھاتی تھی حالانکہ وہ میری شادی سے قبل ہی فوت ہو چکی تھیں اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی پاک اکثر ان کا تذکرہ کرتے رہتے تھے، اور اللہ تعالی نے نبی اکرم کو حکم دیا تھا کہ آپ حضرت خدیجہ کو (جنت میں) موتی سے بنے ایک محل کی بشارت دیں اور آپ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب کبھی بکری ذبح کرتے تو خدیجہ کی سہیلیوں کو اس میں سے اتنا بھیجتے جو ان کیلئے کافی ہوتا۔

(كتب إلى هشام الخ) اسماعیلی کے ہاں ایک دیگر طریق سے اسی روایت میں: (حدثني هشام الخ) ہے تو شائد اولا لکھ کر یہ حدیث بھیجی ہو، بعدازاں ملاقات بھی ہوگئی یا اس بارے ان کا مذہب یہ ہو کہ کتابت سے پہنچنے والی روایات میں بھی لفظِ تحدیث کا استعمال جائز ہے، خطیب نے ان کے حوالے سے اس کا ذکر علوم الحدیث میں کیا ہے۔

(ماغرت الخ) اس سے غیرت کھا لینے (یعنی رقابت) کا ثبوت ملا اور فاضلات خواتین سے بھی اس کا صدور مستنکر نہیں ویسے تو حضرت عائشہ اپنی تمام سوکنوں سے غیرت کھاتی تھیں اور وہ ان سے، اور یہ ایک طبعی امر ہے مگر حضرت خدیجہ کی نسبت ان کے یہ جذبات زیادہ شدید تھے، اسکا سبب بھی بیان کیا وہ یہ کہ آنجناب حضرت خدیجہ کا تذکرہ کثرت سے کیا کرتے تھے، اگلی روایت میں زیادہ صراحت سے ہے تو اس باب میں غیرت کا مفہوم یہ ہے کہ بیوی خیال کرے کہ دوسری بیوی سے شوہر کی محبت اس کی نسبت زیادہ ہے، انہیں حضرت خدیجہ کی نسبت یہ گمان آنجناب کے کثرت کے ساتھ ان کا ذکر کرنے سے ہوا، بقول قرطبی ذکر سے مراد ان کی مدح وثناء ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں نسائی کی نضر بن شمیل عن ہشام سے روایت میں یہ الفاظ ہیں: (من كثرة ذكره إياها و الثناء عليها) یہ عطف، عطفِ خاص علی عام کی قبیل سے ہے، تو یہ قرطبی کے قول سے اَعَم پر محمول ہے (یعنی لازم نہیں کہ مدح وثناء ہی ہر وقت کرتے ہوں، علی العموم ان کا تذکرہ، ان کی یادیں اور ان کے معمولات وغیرہ کا تذکرہ مراد ہے)۔

(هلكت قبل الخ) اس سے اشارہ ملا کہ اگر ان کی حیات میں وہ زندہ ہوتیں تو غیرت اشد ہوتی۔ (وأمره الله أن يبشرها الخ) آگے اس کی تشریح آتی ہے، یہ بھی جملہ اسبابِ غیرت میں سے ہے کیونکہ اس بشارت کا ان کے ساتھ اختصاص آنجناب کی ان سے شدید محبت کی علامت ہے، اسماعیلی کی فضل بن موسی عن ہشام سے روایت میں ہے، حضرت عائشہ کہتی ہیں: (ما حسدتُ امرأةً قطُّ ما حسدتُ خديجةَ حينَ بَشَّرها النبي ﷺ ببَيت مِن قصب) کہ اتنا رشک کسی اور خاتون پر نہ آیا جتنا حضرت خدیجہ پر آتا جب آنجناب نے انہیں جنت میں محل کی بشارت دی (یعنی آنجناب کی زبان مبارک سے جب اس بشارت کا تذکرہ

سنتی تھیں)۔ (و إن کان لیذبح الخ) اِن مخففہ من المثقلہ ہے، تاکیدِ کلام مراد ہے، اسلئے آگے لام استعمال کیا۔ (فی خلا ئلھا) خلیلۃ کی جمع، یعنی سہیلیاں، یہ بھی منجملہ اسبابِ غیرت تھا کہ یہ اس امر کا اِشعار تھا کہ ابھی تک انہیں فراموش نہیں کیا کہ ان کی سہیلیوں تک کا پاس ہے۔

3817حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلَى امْرَأَةٍ مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ، مِنْ كَثْرَةِ ذِكْرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِيَّاهَا .قَالَتْ وَتَزَوَّجَنِي بَعْدَهَا بِثَلاَثِ سِنِينَ، وَأَمَرَهُ رَبُّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَوْ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ أَنْ يُبَشِّرَهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ .أطرافه 3816، 3818، 5229، 6004، 7484۔ (اس میں مزید یہ ہے کہ مجھ سے ان کی وفات کے تین برس بعد شادی کی)۔

حمید بن عبد الرحمٰن سے مراد رؤاسی ہیں، بالاتفاق ثقہ ہیں بخاری میں ان سے دو روایتیں ہیں، دوسری الحدود میں آئیگی۔ (بثلاث سنین) نووی لکھتے ہیں تزوج سے ان کی مراد رخصتی تھی کیونکہ نکاح اس سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل ہو چکا تھا، ابن حجر اضافہ کرتے ہیں آگے باب (تزویج عائشۃ) میں بیان ہوگا کہ نکاح اس سے بھی زیادہ مدت قبل منعقد ہوا تھا۔ (و أمرہ ربہ أو جبریل) یہ راوی کا شک ہے، آگے حدیثِ ابی ھریرہ میں آرہا ہے کہ بشارت اللہ کی جانب سے علیٰ لسان جبریل تھی۔

3818حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَسَنٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا حَفْصٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلَى أَحَدٍ مِنْ نِسَاءِ النَّبِيِّ ﷺ مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ، وَمَا رَأَيْتُهَا، وَلَكِنْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُكْثِرُ ذِكْرَهَا، وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ، ثُمَّ يُقَطِّعُهَا أَعْضَاءً، ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِي صَدَائِقِ خَدِيجَةَ، فَرُبَّمَا قُلْتُ لَهُ كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِي الدُّنْيَا امْرَأَةٌ إِلاَّ خَدِيجَةُ .فَيَقُولُ إِنَّهَا كَانَتْ وَكَانَتْ، وَكَانَ لِي مِنْهَا وَلَدٌ .أطرافه 3816، 3817، 5229، 6004، 7484

(اس میں مزید یہ ہے کہ کبھی میں کہہ دیتی گویا دنیا میں ان کے سوا کوئی عورت ہے ہی نہیں، آپ فرماتے وہ ایسی تھیں، ایسی تھیں اور پھر ان سے میری اولاد ہے)۔

شیخِ بخاری ملقب بـ تلّ اسدی تھے، کوفی ہیں ان کی بھی بخاری میں فقط دو روایات ہیں، دوسری الزکاۃ میں گزری ہے، صغار شیوخ میں سے تھے یہاں امام بخاری نازل ہوئے ہیں کیونکہ اکثر وہ حفص سے ایک واسطہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں یہاں دو واسطے ہیں، یہی حدیث کتاب العتق میں ھشام سے صرف ایک واسطہ عبید بن موسیٰ کے حوالے سے تخریج کی ہے مگر وہاں یہ مسندِ ابوذر سے ہے، اس طریقِ نازلہ کو اسلئے اختیار کیا کہ اس میں زیادت ہے، آگے اس کی وضاحت آتی ہے۔

(وما رأیتھا) مسلم کے ہاں اسی طریق سے (ولم أدرکھا) ہے، یہ لفظ صرف اسی طریق میں ہے مسلم کی زہری عن عروۃ عن عائشۃ کے طریق سے: (وما رأیتھا قط) مذکور ہے، حضرت عائشہ کی رؤیتِ خدیجہ ممکن تھی مگر ادراک تو بلا نزاع متحقق ہے (ادراک سے مراد ان کی حیات میں ان کا موجود ہونا) کیونکہ ان کی وفات کے وقت وہ چھ برس کی تھیں، گویا اس نفیِ رؤیت و ادراک

سے ان کی مراد آنجناب کے ہاں دونوں کا باہم مجتمع ہونا ہے، یعنی ان کی حیات میں یہ آنجناب کے حبالۂ عقد میں نہ آئیں تھیں، ابوعوانہ کے ہاں اس کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں: (ولقد هلكت قبل أن يتزوجني) یعنی آنجناب کی مجھ سے شادی سے قبل ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

(ولكن كان النبى الخ) طبرانی کی عبداللہ بہی عن عائشہ سے روایت میں ہے کہ جب بھی ان کا تذکرہ کرتے ان کی تعریف ہی کرتے اور ان کیلئے استغفار سے نہ اکتاتے۔ (فر بما قلت الخ) یہاں سے آگے کی تمام عبارت اس روایتِ بخاری میں زیادت ہے۔۔ مسلم، ابوعوانہ، اسماعیلی اور ابونعیم نے سہل بن عثمان اور ترمذی نے ابوھشام رفاعی کے طریق سے سب حفص بن غیاث سے، اس کے بغیر روایت کرتے ہیں۔

(إنها كانت و كانت الخ) یعنی فاضلہ و عاقلہ تھیں، احمد کے ہاں مسروق عن عائشہ سے روایت میں ہے: (آمنتْ بِی إذ كفرَبِی الناسُ و صدَّقَتْنِی إذ كذَّبَنی الناس و واسَتْنِی بمالِها إذ حرمَنِی الناسُ و رزَقَنی اللّٰهُ ولدَها إذ حرمنى أولاد النساء) کہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں اور میری تصدیق کی جب ابھی لوگ کفر و تکذیب کرتے تھے، اپنے مال کے ساتھ میری مواسات کی پھر اللہ نے مجھے ان سے اولاد عطا فرمائی جبکہ باقی کسی سے نہ ہوئی (گویا یہ بات حضرت ابراھیم ابن رسول جو حضرت ماریہ کے بطن سے ہوئے تھے کی پیدائش سے پہلے کا واقعہ ہے، ان کی پیدائش سن آٹھ ھجری میں ہوئی تھی)۔

(و كان لى منها ولد) سوائے ابراھیم کے آپ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ سے تھی، آنجناب کی متفق علیہ اولاد: قاسم اور چار بیٹیاں ہیں، قاسم کے حوالے سے ہی آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی، صغرسنی میں بعثت سے قبل ہی فوت ہو گئے تھے، بیٹیوں میں اولا حضرت زینب پھر رقیہ پھر ام کلثوم پھر فاطمہ ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ام کلثوم حضرت فاطمہ سے چھوٹی تھیں، ایک بیٹے عبداللہ نام کے تھے جو بعد از بعثت پیدا ہوئے، انہیں طیب و طاہر بھی کہا جاتا تھا، بعض نے طاہر اور طیب کو دو الگ الگ بیٹے قرار دیا ہے، سبھی بیٹے (یعنی اگر دو سے زائد بھی تھے) بالاتفاق صغرسنی میں انتقال کر گئے تھے، مسلم کی حفص بن غیاث کے حوالے سے اسی روایت کے آخر میں یہ بھی ہے، حضرت عائشہ کہتی ہیں ایک دن میں نے حضرت خدیجہ کے حوالے سے کوئی بات کہہ کر آنجناب کو ناراض کر دیا، آپ نے فرمایا: (اِنی رُزِقتُ حُبَّها) یعنی ان کی محبت مجھے ودیعت کی گئی ہے۔ قرطبی لکھتے ہیں آنجناب کی حضرت خدیجہ سے محبت کے تمام دواعی و دوافع موجود تھے، آنجناب کی طرف سے ان کی خدمات کا صلہ دنیا میں یہ تھا کہ ان کے ہوتے ہوئے دوسری شادی نہیں کی، انہیں سوکنوں سے دور رکھا، یہ ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی اور انکا شریک نہیں، مزید خصائص میں ایمان لانے میں سبقت ہے تو اس لحاظ سے بعد میں تمام ایمان قبول کرنے والی خواتین کے اجر میں شریک ہیں، جیسے ابوبکر مردوں کی نسبت ہیں کیونکہ حدیث ہے: (مَن سَنَّ سُنۃً حسنۃ الخ)۔ (اس حدیث سے مذکورہ استدلال ضعیف ہے)۔

اسے مسلم نے (الفضائل) اور ترمذی نے (البر) میں نقل کیا ہے۔

3819 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِى أَوْفَىٰ بَشَّرَ النَّبِىُّ ﷺ خَدِيجَةَ قَالَ نَعَمْ بِبَيْتٍ مِنْ قَصَبٍ، لَا صَخَبَ فِيهِ وَلَا نَصَبَ. طرفه 1792

راوی کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے پوچھا کیا نبی پاک نے حضرت خدیجہ کو کوئی بشارت دی؟ کہا ہاں، موتی سے بنے

ایک محل کی جس میں نہ شور وغل ہوگا اور نہ تھکن۔

(قلت لعبد الله الخ) تابعی کا ان سے یہ کہنا عرض کہلائے گا، یہ تلقین نہیں کیونکہ اس میں استفہام نہیں ہوتا بلکہ طالب شیخ سے کہتا ہے کہ: (قُلْ حدثنا فلانٌ الخ) کہ آپ فلاں سے مجھے حدیث بیان کریں، تو شیخ تحدیث کر دیتا ہے، یہ جانے بغیر کہ آیا طالبِ تحدیث مؤھل بھی ہے یا نہیں، تو اس لحاظ سے اسے شیخ کا تساہُل شمار کیا گیا ہے اور اس طریقۂ تلقین کو عیب قرار دیا گیا ہے۔ (بشر النبی الخ) حرفِ استفہام محذوف ہے۔ (قال نعم) مسلم کی روایت میں ہے کہ سائل نے خود ہی کہا: (بشر خدیجة ببیتٍ مِن قصب؟) انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ بخاری کی ابواب العمرۃ میں جریر عن اسماعیل کے حوالے سے روایت میں منقول ہے کہ لوگوں نے ابن ابی اوفی سے پوچھا ہمیں بیان کریں کہ حضرت خدیجہ سے کیا فرمایا تھا، جواب دیا کہ کہا تھا خدیجہ کو بشارت دو۔

(من قصب) ابن تین کہتے ہیں اس سے مراد ایک وسیع اور بڑے موتی کا بنا ہوا گھر، طبرانی کی اوسط میں ایک اور طریق کے ساتھ ابن ابی اوفی سے یہ بھی منقول ہے: (یعنی قصب اللؤلؤ) ان کی الکبیر میں حضرت ابو ہریرہ سے: (بیت من لؤ لؤ ة مجوفة) کے الفاظ منقول ہیں، اس کی اصل مسلم میں ہے، اوسطِ طبرانی کی حضرت فاطمہ سے ایک روایت میں ہے کہ میں نے نبی پاک سے پوچھا: (أین أمی خدیجة؟) میری ماں خدیجہ کہاں ہے؟ فرمایا قصب کے بنے ایک محل میں، کہا کیا یہی ہمارا قصب؟ فرمایا نہیں، (من القصب المنظوم بالدُرِّ واللؤ لؤ والیاقوت) موتی، یاقوت اور جواہر سے بنا گھر، سہیلی لکھتے ہیں (من قصب) کہنے میں نکتہ یہ ہے یعنی (من لؤلؤ) بھی کہہ سکتے تھے، کہ قصب کے لفظ میں ان کے احرازِ قصبِ السبق کی طرف اشارہ ہے کہ ایمان لانے میں مبادرت وسبقت کا مظاہرہ کیا، اس مناسبت سے اس حدیث کے تمام منقولہ الفاظ میں یہ لفظ بہر صورت موجود ہے، ابن حجر کہتے ہیں قصب میں ایک اور مناسبت بھی ہے کہ اس کے اکثر انابیب (یعنی پورے) عموما ایک جیسے مستوی ہوتے ہیں اور حضرت خدیجہ کیلئے بھی ایسا استواء حاصل تھا جو کسی اور ام المؤمنین کو حاصل نہ ہوا کیونکہ ان کی ہر ممکن کوشش ہوتی تھی کہ نبی اکرم کو خوش رکھیں اور ایک مرتبہ بھی کوئی ایسا قول وفعل سرزد نہیں ہوا جو آپ کی ناراضی کا سبب بنا ہو، یہ خصوصیت دوسری امہات المؤمنین کو حاصل نہیں۔

(ببیت) کی بابت ابو بکر اسکاف فوائد الأخبار میں لکھتے ہیں اس سے مراد ان کے ثوابِ عمل سے زائد ایک محل، اسی لئے (لانصب فیه) کہا گیا یعنی اس کے حصول میں انہیں (کسی عمل کی ادائیگی کی) کوئی مشقت نہیں برداشت کرنا پڑی، سہیلی لکھتے ہیں بیت کے لفظ کا ایک لطیف پہلو یہ بھی ہے کہ وہ آنجناب کی تنہا ربۃ البیت رہی ہیں، بعثت سے پہلے بھی اور بعد بھی، بعثت کے وقت پوری روئے زمین پہ سوائے ان کے بیت کے کوئی بیتِ اسلام نہ تھا، اس فضیلت میں کوئی اور ان کا مشارک نہیں اور جزائے عمل اگر چہ اشرف ہی کیوں نہ ہو، کیلئے اکثر وہی لفظ استعمال کر دیا جاتا ہے جس کی وہ جزا ہو، اسی لئے حدیث میں بیت کا لفظ ہے قصر کا نہیں، ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کہ بیت کے لفظ میں ایک اور مناسبت بھی ہے، وہ یہ کہ اہل بیتِ نبی کا مرجع تنہا انہی کی ذات ہے کیونکہ ثابت ہے کہ آیت: (إنَّما یُرِیدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجسَ أهلَ البیت) [الأحزاب : ۳۳] کے نزول کے بعد بقول حضرت ام سلمہ نبی اکرم نے حضرات علی، فاطمہ اور حسن وحسین کو ایک چادر سمیٹا اور فرمایا: (اللّٰهُمَّ هؤلاءِ أهلُ بَیتِی) اسے ترمذی وغیرہ نے تخریج کیا ہے، تو ان سب اہل بیت کا مرجع حضرت خدیجہ ہیں (کیونکہ فقط انہی سے آپ کی اولاد اور ان کی نسل چلی)۔ حضرت علی نے بھی چھوٹی عمر ہی سے آپ کے گھر میں اور آپ کے زیر سایہ پرورش پائی پھر انہی کی لختِ جگر کے ساتھ شادی ہوئی۔

(لا صخب فيه ولا نصب) یعنی شور وشرابہ اور تھکاوٹ ومشقت، داؤدی نے غرابت کا مظاہرہ کرتے ہوئے صخب سے مراد عیب اور نصب سے مراد عوج (یعنی کوئی کجی) قرار دیا، یہ ایسی تفسیر ہے کہ لغت اس کی مساعد ومؤید نہیں، سہیلی لکھتے ہیں ان دونوں الفاظ کی حضرت خدیجہ کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اعلانِ نبوت کے بعد انہیں راہِ ایمان پر لانے کیلئے نبی اکرم کو کوئی آواز بلند کرنا یا تنازع کرنا نہیں پڑا اور نہ انہیں تبلیغ میں کسی قسم کی مشقت کا شکار بنے، خود اپنی رضا ورغبت سے فورا ایمان لے آئیں بلکہ آپ سے ہر تھکاوٹ و مشقت دور کی آپ کی مواسات وموانست کی اور آپ پر آنے والی ہر افتاد کو دور کیا تو انہیں خدمات کے عوض یہ گھر ملا جس میں یہ ساری خصوصیات موجود ہیں۔

3820حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ عَنْ أَبِى زُرْعَةَ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ أَتَى جِبْرِيلُ النَّبِىَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذِهِ خَدِيجَةُ قَدْ أَتَتْ مَعَهَا إِنَاءٌ فِيهِ إِدَامٌ أَوْ طَعَامٌ أَوْ شَرَابٌ، فَإِذَا هِىَ أَتَتْكَ فَاقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلاَمَ مِنْ رَبِّهَا وَمِنِّى، وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِى الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ، لاَ صَخَبَ فِيهِ وَلاَ نَصَبَ .طرفه 7497

ابو ہریرہ راوی ہیں کہ حضرت جبریلؑ نبی پاک کے پاس آئے اور کہا یہ خدیجہ ایک برتن میں آپ کیلئے سالن یا کھانا یا پانی لا رہی ہیں، جب پہنچیں تو انہیں اللہ کا سلام کہیں اور میری طرف سے بھی، اور جنت میں موتی سے بنے ایک محل کی بشارت دیں جس میں نہ شور وغل ہوگا اور نہ تھکاوٹ۔

(أتى جبريل) مسلم کی ابن نمیر عن ابن فضیل سے روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ اس وقت غار حرا میں تھے۔ (إنا ء فيه إدام أو الخ) راوی کو شک ہے، مسلم کی روایت میں بھی یہی ہے، اسماعیلی کی روایت میں ہے: (فيه إدام أو طعام وشراب) طبرانی کی سعید بن کثیر سے روایت میں ہے کہ حیس (کھجور، گھی اور ستو سے بنی ڈش) لیکر آئی تھیں۔ (فاقرأعليها السلام الخ) طبرانی کی مذکورہ روایت میں مزید یہ بھی ہے کہ جوابا انہوں نے کہا: (هوالسلام ومنه السلام وعلىٰ جبريل السلام)، نسائی کی حدیثِ انس میں ہے کہ جوابا کہا: (إن الله هوالسلام و على جبريل السلام وعليك يا رسوالله السلام)، ابن السنی کی ایک دیگر طریق سے یہ بھی ہے: (وعلىٰ مَن سمع السلام إلاالشيطان) کہ سوائے شیطان کے ہر سننے والے کو بھی سلام، علماء لکھتے ہیں یہ قصہ حضرت خدیجہ کی وفورِ فقہ کی دلیل ہے کیونکہ انہوں نے: (جواباً اللہ تعالیٰ کی نسبت) یہ نہیں کہا: (وعليه السلام) جیسا کہ بعض صحابہ نے تشہد میں (السلام على الله) کہنا شروع کیا تو نبی پاک نے انہیں منع کیا اور فرمایا اللہ تو خود السلام ہے، تم یہ کہو: (التَّحِيات لِلّٰه الخ) مگر حضرت خدیجہ اپنی کمال فہم سے خود ہی مناسب الفاظ پا گئیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سلام کا وہ جواب نہیں ہونا چاہیے جو مخلوق کے سلام کا ہوتا ہے۔

بظاہر حضرت جبریل ان کے یہ جواب دیتے وقت وہاں حاضر تھے تو دو مرتبہ جواب دیا، ایک مرتبہ تخصیص کے ساتھ اور ایک مرتبہ تعمیم کے ساتھ، کہا گیا ہے کہ حضرت جبریل نے اللہ کا سلام آنجناب کے احترام کے پیش نظر آپ کے واسطہ سے حضرت خدیجہ تک پہنچایا، اسی طرح حضرت عائشہ کو بھی براہِ راست حضرت جبریل نے سلام نہیں کہا تھا بلکہ تب بھی آنجناب کے توسُّط سے کہلوایا تھا، البتہ حضرت مریم کو بذاتِ خود مخاطب کر کے سلام کہا تھا اسی لئے بعض نے دعویٰ کیا کہ وہ بھی صاحبِ نبوت ہیں، بعض نے اس کی وجہ یہ بیان

کی ہے کہ ان کا چونکہ کوئی شوہر نہ تھا کہ ان کے توسط سے مخاطبت ہو، لہٰذا براہ راست سلام کہا۔

سہیلی لکھتے ہیں اس قصہ سے ابوبکر بن داؤد نے استنباط کیا ہے کہ حضرت خدیجہ حضرت عائشہ سے افضل ہیں کیونکہ حضرت عائشہ پر سلام حضرت جبریل کا اپنا تھا مگر حضرت خدیجہ کو اللہ کی جانب سے ہدیہِ سلام پیش کیا، ابن العربی تو مدعی ہیں کہ حضرت خدیجہ کی افضلیت بالاتفاق ہے مگر ان کا رد کیا گیا ہے کہ قدیم زمانہ ہی سے اس مسئلہ میں اختلاف موجود ہے، راجح البتہ حضرت خدیجہ کی افضلیت ہے، اس بارے ایک صریح روایت بھی ہے جسے ابو داؤد اور نسائی نے تخریج کیا اور حاکم نے صحیح قرار دیا، اسے ابن عباس نے مرفوعا روایت کیا اس کے الفاظ ہیں: (أفضل نساء أهل الجنة خديجة بنت خويلد و فاطمة بنت محمد)۔ سبکی کبیر لکھتے ہیں حضرت عائشہ کے فضائل گنتی سے باہر ہیں مگر ہمارا مختار موقف یہ ہے کہ افضل ترین حضرت خدیجہ ہیں پھر فاطمہ اور پھر عائشہ۔ ابن حجر کہتے ہیں ہمارے بعض شیوخ اس باب میں توقُّف کے قائل تھے اور یہ کہ ان میں سے کسی کو دوسری سے افضل نہ کہا جائے، سبکی سے سوال ہوا کیا کسی نے حضرت خدیجہ و عائشہ کے علاوہ کسی اور ام المؤمنین کو حضرت فاطمہ سے افضل قرار دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں ایک شخص نے، جس کی آراء کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ بات کہی ہے، انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ازواج مطہرات تمام صحابہ سے بھی افضل ہیں کیونکہ وہ سب نبی اکرم کے ساتھ آپ کے درجہ میں ہوں گی، کہتے ہیں یہ قول ساقط و مردود ہے اس کے قائل ابو محمد بن حزم ہیں، سبکی کہتے ہیں حضرت خدیجہ و عائشہ کے بعد باقی ازواج مطہرات ہم رتبہ ہیں اور باقی تمام عورتوں سے افضل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (يا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ) [الأحزاب : ۳۲] اس سے استثناء انہی خواتین کو حاصل ہے جنکی افضلیت کی بابت نص آ چکی، انہوں نے طبرانی کی ابو یونس عن عائشہ کے حوالے سے ایک روایت کا ذکر بھی کیا جس میں حضرت خدیجہ کی طرح کے سلام و جواب کا حضرت عائشہ کے حوالے سے ذکر ہے، یہ روایت شاذ ہے۔

3821 وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ بْنُ خَلِيلٍ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتِ اسْتَأْذَنَتْ هَالَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ أُخْتُ خَدِيجَةَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَعَرَفَ اسْتِئْذَانَ خَدِيجَةَ فَارْتَاعَ لِذَلِكَ فَقَالَ اللَّهُمَّ هَالَةَ قَالَتْ فَغِرْتُ فَقُلْتُ مَا تَذْكُرُ مِنْ عَجُوزٍ مِنْ عَجَائِزِ قُرَيْشٍ حَمْرَاءِ الشِّدْقَيْنِ هَلَكَتْ فِي الدَّهْرِ قَدْ أَبْدَلَكَ اللَّهُ خَيْرًا مِنْهَا

حضرت عائشہ کہتی ہیں حضرت خدیجہ کی بہن ہالہ بنت خویلد نے اندر آنے کی اجازت طلب کی، آنجناب کو حضرت خدیجہ کا انداز یاد آ گیا اور آپ چونک اٹھے اور فرمایا بارے خدایا یہ تو ہالہ ہیں، کہتی ہیں مجھے بڑی غیرت آئی، کہا آپ قریش کی بوڑھیوں میں سے ایک بوڑھی جس کے مسوڑھوں میں صرف سرخی رہ گئی تھی، (یعنی بڑھاپے کے سبب دانت گر جانے کی وجہ سے) ابھی بھی یاد کرتے ہیں؟ جنہیں فوت ہوئے بھی مدت گزر گئی، اللہ نے آپکو نعم البدل بھی عطا کر دیا ہے۔

تمام نسخوں میں اسی طرح صیغۂ تعلیق کے ساتھ ہے مگر مزی کی صنیع سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے ہاں موصول ہے، ابوعوانہ نے بھی اسے محمد بن یحیی ذہلی کے واسطہ سے انہی اسماعیل سے تخریج کیا ہے، مسلم نے اسے سوید بن سعید اور اسماعیلی نے دلید بن شجاع کے طریق سے، دونوں علی بن مسہر سے، تخریج کیا ہے۔

(هالة بنت خويلد) حضرت خدیجہ کی بہن، آنجناب کے داماد حضرت ابو العاص کے والد ربیع بن عبدالعزی بن عبدشمس

ان کے شوہر تھے، انہیں صحابیات میں شمار کیا گیا ہے، حدیثِ ہذا سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، یہ بھی ظاہر ہوا کہ مدینہ ہجرت بھی کی تھی مگر احتمال ہے کہ آنحضور جب مکہ گئے تھے تب آپکے ہاں ملنے آئی ہوں، مستغفری کے ہاں حماد بن سلمۃ عن ہشام کے حوالے سے اسی روایت میں ہے: (قدم ابنٌ لِخديجة يقال له هالة الخ) مستغفری لکھتے ہیں درست یہ ہے کہ ہالہ حضرت خدیجہ کی بہن تھیں، طبرانی نے اوسط میں تمیم بن زید بن ہالۃ عن ابی ہالۃ عن ابیہ کے طریق سے روایت کیا ہے کہ وہ نبی اکرم کے ہاں آئے، آپ اس وقت آرام فرما رہے تھے تو بیدار ہو گئے اور مجھے سینے سے لگایا اور فرمایا ہالہ ہالہ!۔ ابن حبان اور ابن عبدالبر نے صحابہ میں ہالہ بن ابو ہالہ تمیمی کا ذکر کیا ہے تو ممکن ہے حضرت خدیجہ کا ہالہ نام کا بیٹا بھی ہو۔

(فعرف استئذان خديجة) یعنی ان کی آواز کو حضرت خدیجہ کی آواز کے مشابہ پایا تو ان کی یاد تازہ کی، اور بقول علامہ انور چونک اٹھے، بعض روایات میں (ارتاح) کا لفظ ہے یعنی سرشاری وخوشی کی کیفیت میں آئے۔ (اللهم هالة) اس میں کچھ کلام محذوف ہے جو مقدراً یہ ہو سکتی ہے: (اجعَلْها هالة) یعنی اللہ کرے یہ ہالہ ہو، اس پر یہ منصوب ہوگا، مبتدا محذوف، ھذا کی خبر ہونا بھی محتمل ہے، اس پر مرفوع ہوگا، ایک حدیث میں ہے جسے کسی شئ سے پیار ہو وہ اس شئ کے محبوبات، متعلقات اور اس کے مشابہات سے بھی پیار کرتا ہے۔

(حمراء الشدقين) حمراء مجرور ہے، ابو البقاء کے بقول علی القطع مرفوع ہونا بھی جائز ہے اور صفت یا حال کے بطور منصوب ہونا بھی، تمام نسخوں میں اور مسلم کی روایت میں حاء کے ساتھ ہی ہے مگر ابن تین لکھتے ہیں جیم اور زاء کے ساتھ بھی مروی ہے، اس کا معنی ذکر نہیں کیا، یہ تصحیف ہے واللہ اعلم۔ قرطبی لکھتے ہیں بعض نے قرار دیا کہ حمراء یہاں بیضاء کے معنی میں ہے، عرب سفید رنگ کو برص سے مشابہت کی وجہ سے مکروہ سمجھتے ہوئے سفید پر سرخ رنگ کا لفظ بول دیتے ہیں، اسی لئے نبی اکرم حضرت عائشہ کو یا حمیراء کہا کرتے تھے۔ قرطبی اس امر کو مستبعَد قرار دیتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے یہ ترکیب تنقیصِ شان کے بطور استعمال کی ہو کہ اگر قصد وارادہ یہی ہوتا تو حمراء کی بجائے بیضاء کا لفظ ذکر کرتیں، کہتے ہیں میری رائے میں ان کے بڑھاپے کی طرف اشارہ کیا تھا، بقول ابن حجر متبادر الی الذھن یہ ہے کہ شدقین سے مراد منہ کے اندر کا حصہ ہے، تو یہ سقوطِ اسنان (دانت گرے ہوئے ہونے) کا کنایہ ہے، گویا اب ان کے منہ کے اندر سوائے مسوڑھوں وغیرہ کے کچھ بھی نہ تھا (گویا ادھیڑ عمری کا وصف بیان کیا گویا کہہ رہی تھیں یا رسول اللہ آپکو وہ بڑھیا ابھی تک یاد ہے جس کے دانت بھی گر چکے تھے)۔ نووی نے اسی معنی پر جزم کیا ہے، علامہ انور بھی یہی لکھتے ہیں کہ سقوطِ اسنان کا اشارہ تھا۔

(قد أبدلك الله الخ) ابن تین کہتے ہیں آنجناب کا اس بات پر سکوت افضلیتِ عائشہ پر دلیل ہے الا یہ کہ خیریت سے یہاں مراد حسنِ صورت اور صغرِ سن ہو، لیکن انکی بات صحیح نہیں، کیونکہ احمد اور طبرانی کی ابو نجیح عن عائشۃ سے روایت میں ہے کہ نبی اکرم ناراض ہوئے حتی کہ میں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپکو حق کے ساتھ مبعوث کیا اب ہمیشہ ان کا ذکر بالخیر ہی کیا کرونگی، البتہ اس روایت کے الفاظ: (أبدلكَ اللهُ بِكبيرة السِنِّ حديثةَ السن) سے ابن تین کے اس قول کی تائید ملی کہ خیریت سے مرادِ حسنِ صورت اور صغر سنی ہے، احادیث ایک دوسری کی مفسِر ہوتی ہیں۔ احمد اور طبرانی کی مسروق عن عائشہ کے حوالے سے اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: (ما أبدَلَنِي اللهُ خيراً مِنها آمنَتْ بِي إذْ كفرَبِيَ الناسُ) کہ اللہ نے ان سے بہتر عطا نہیں کی، وہ

اس وقت مجھ پر ایمان لائیں جب لوگ انکار کر رہے تھے۔ عیاض لکھتے ہیں طبری وغیرہ کئی علماء نے کہا ہے کہ عورتوں کیلئے اس قسم کی غیرت (یعنی رقابت کا اظہار) قابلِ تسامُح ہے کیونکہ یہ ان کی جبلت ہے اسی لئے آنجناب نے حضرت عائشہ کو زجر نہیں فرمایا، قرطبی کہتے ہیں یہ قصہِ عائشہ اس امر پر دال نہیں کہ اس قسم کے رقیبانہ اظہارِ کلام پر کوئی مواخذہ نہیں کیونکہ حضرتِ عائشہ نے یہ بات بوجہِ غیرت، صغر سنی اور اِدلال (یعنی لاڈ کے انداز میں) کہی تھی تو آنحضرت نے ان تینوں اسباب کے مدنظر تصافُح فرمایا (میرے خیال میں مواخذہ تو کیا ہے کہ اظہارِ ناراضی فرمایا اور ان کی بات کی تردید کی)۔ ابن حجر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زیادہ قرینِ قیاس یہ ہے کہ ان کی اس غیرت پر ہی تصافح وتسامح سے کام لیا تھا، ادلال وصغرسنی موجبِ صفح نہیں۔

اس حدیث کو مسلم نے بھی (الفضائل) میں تخریج کیا ہے۔

21 باب ذِكْرُ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْبَجَلِيِّ ؓ (حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کا ذکر)

یعنی ابن جابر بن مالک جو بنی انمار بن اراش میں سے تھے، یہ اپنی ماں بجیلہ کی طرف نسبت سے مشہور ہوئے، جریر کی کنیت ابوعمرو تھی اسلام کی بابت صحیح قول یہ ہے کہ عام الوفود میں قبول کیا یعنی ۹ ھ، یہ کہنا وہم ہے کہ وفات نبوی سے چالیس دن قبل اسلام قبول کیا تھا، کیونکہ صحیح کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم نے حجۃ الوداع میں انہیں حکم دیا کہ لوگوں کو خاموش کرائیں اور یہ آپ کی وفات سے اسی دن سے زائد عرصہ قبل تھا، ان کی وفات سن ۵۰ ھ یا اس کے بعد ہوئی۔

3822حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ بَيَانٍ عَنْ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ قَالَ جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ رضى الله عنه مَا حَجَبَنِى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مُنْذُ أَسْلَمْتُ، وَلاَ رَآنِى إِلاَّ ضَحِكَ .طرفاه 3035،

قیس کہتے ہیں میں نے جریر سے سنا کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ سے ملنا چاہا ہو اور آپ نے منع کیا ہو، اور ہمیشہ خوشروئی سے ملتے۔

6090۔ 3823وَعَنْ قَيْسٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ بَيْتٌ يُقَالُ لَهُ ذُو الْخَلَصَةِ، وَكَانَ يُقَالُ لَهُ الْكَعْبَةُ الْيَمَانِيَةُ، أَوِ الْكَعْبَةُ الشَّأْمِيَّةُ، فَقَالَ لِى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هَلْ أَنْتَ مُرِيحِى مِنْ ذِى الْخَلَصَةِ .قَالَ فَنَفَرْتُ إِلَيْهِ فِي خَمْسِينَ وَمِائَةِ فَارِسٍ مِنْ أَحْمَسَ قَالَ فَكَسَرْنَا، وَقَتَلْنَا مَنْ وَجَدْنَا عِنْدَهُ، فَأَتَيْنَاهُ، فَأَخْبَرْنَاهُ، فَدَعَا لَنَا وَلأَحْمَسَ .أطرافه 3020، 3036، 3076، 4355، 4356، 6089، 6333۔ (ترجمہ جلد چہارم کتاب الجهاد میں گزر چکا ہے)

(ما حجبنی الخ) یعنی جب بھی میں نے آپ کے ہاں آنے کی اجازت مانگی، جب آپ گھر میں ہوتے تھے تو ہمیشہ اجازت دی، بعض نے کم فہمی کی بنا پر بغیر حجاب اندر آجانے کا معنی کیا پھر تکلف سے یہ تاویل کی کہ اس سے مراد آپکی مجلس مختص بالرجال تھی یا حجاب سے مراد ان کی طلب کا منع ہے (کہ جو چیز مانگی، دیدی)۔ (ولا رآنی الخ) حمیدی کی اسماعیلی سے روایت میں یہ الفاظ

ہیں: (إلا تبسَّمَ في وجهي) احمد اور ابن حبان کی مغیرہ بن شبیل عن جریر سے روایت میں ہے کہ جب میں مدینہ کے قریب ہوا تو (باقی ساتھیوں کے برعکس) پڑاؤ کیا، اپنا نفیس لباس زیب تن کیا پھر حاضرِ خدمت ہوا، لوگ مجھے دیدے پھاڑ کر دیکھنے لگے، میں نے پوچھا کیا نبی اکرم نے میرا تذکرہ کیا؟ کہنے لگے بڑے اچھے انداز میں تمہارا ذکر کیا، فرمایا ابھی ایک خیر و برکت والا آدمی آئیگا جسکے چہرہ پہ بادشاہوں کا سا وقار ہوگا (علىٰ وجهه مسحة ملك)۔

(وعن قيس الخ) اسی سند کے ساتھ موصول ہے۔ (اليمانيه الخ) یمانیہ اور شامیہ، دونوں وصف کے استعمال میں اشکال سمجھا گیا ہے، اسکا جواب المغازی میں اسی روایت کی شرح کے موقع پہ آئیگا۔

22 باب ذِكْرُ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ الْعَبْسِيِّ ؓ (حذیفہ بن یمان عبسی کا ذکر)

الیمانؓ والدِ حذیفہ کا نام حُسَیل تھا جو ابن جابر تھے۔

3824 حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ خَلِيلٍ أَخْبَرَنَا سَلَمَةُ بْنُ رَجَاءٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ هُزِمَ الْمُشْرِكُونَ هَزِيمَةً بَيِّنَةً، فَصَاحَ إِبْلِيسُ أَيْ عِبَادَ اللَّهِ أُخْرَاكُمْ، فَرَجَعَتْ أُولَاهُمْ عَلَى أُخْرَاهُمْ، فَاجْتَلَدَتْ أُخْرَاهُمْ، فَنَظَرَ حُذَيْفَةُ، فَإِذَا هُوَ بِأَبِيهِ فَنَادَى أَيْ عِبَادَ اللَّهِ، أَبِي أَبِي .فَقَالَتْ فَوَاللَّهِ مَا احْتَجَزُوا حَتَّى قَتَلُوهُ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ غَفَرَ اللَّهُ لَكُمْ .قَالَ أَبِي فَوَاللَّهِ مَا زَالَتْ فِي حُذَيْفَةَ مِنْهَا بَقِيَّةُ خَيْرٍ حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ

.أطرافه 3290، 4065، 6668، 6883، 6890۔ (اسی کے سابقہ نمبر میں مترجم ہے)

(أخراكم) ای (إِقْبَلُوا، اِحْذَروا أو أُنْصُروا أخراكم)۔ (قال أبي) قائل ہشام بن عروہ ہیں جو اس مقولہ کو اپنے والد عروہ سے حضرت عائشہ کی حدیث سے علیحدہ ذکر کر رہے ہیں، تو اس لحاظ سے یہ مرسل ہے۔ (فی حذیفۃ منھا) یعنی یہ جملہ کہنے کی وجہ سے، (شائد۔ غفر الله لكم۔ کی طرف اشارہ ہے)۔ (بقية خير) اس سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ فعلِ خیر کی برکت ساری عمر فاعل کے ساتھ رہتی ہے۔

23 باب ذِكْرُ هِنْدِ بِنْتِ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ ؓ (ہند بنت عتبہ کا ذکر)

یعنی بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس، حضرت معاویہ کی والدہ، ان کے والد۔ آگے آئیگا کہ۔ بدر میں قتل ہوئے اور یہ ابوسفیان کے ہمراہ احد میں موجود تھیں، ایک حبشی غلام وحشی بن حرب کو حضرت حمزہ کے قتل پر تیار کیا ہوا تھا کیونکہ انہوں نے غزوہ بدر میں ان کے چچا شیبہ کو قتل کیا اور والد عتبہ کے قتل میں شریک ہوئے تھے، آگے حدیثِ وحشی میں اس کی تفصیل آئیگی، حضرت ہند فتح مکہ کے دن اسلام لے آئیں، عقلاء خواتین میں سے تھیں، ابوسفیان سے قبل فاکہ بن مغیرہ مخزومی کی زوجہ تھیں، ان سے طلاق ہوئی جس کے بعد ابوسفیان سے شادی ہوئی، خلافت عمری کے دوران انتقال ہوا۔

3825وَقَالَ عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ جَاءَتْ هِنْدٌ بِنْتُ عُتْبَةَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ الأَرْضِ مِنْ أَهْلِ خِبَاءٍ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَذِلُّوا مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ، ثُمَّ مَا أَصْبَحَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الأَرْضِ أَهْلُ خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ يَعِزُّوا مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ .قَالَ وَأَيْضًا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ مِسِّيكٌ، فَهَلْ عَلَيَّ حَرَجٌ أَنْ أُطْعِمَ مِنَ الَّذِي لَهُ عِيَالَنَا قَالَ لاَ أُرَاهُ إِلاَّ بِالْمَعْرُوفِ .أطرافه 2211، 2460، 5359، 5364، 5370، 6641، 7161، 7180۔ (جلد سوم میں بھی گزری ہے مگر وہاں پورا سیاق نہیں)

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ہند بنت عتبہ نے نبی پاک سے کہا قبل ازیں کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جو مجھے آپ کے گھرانہ سے مبغوض ہو لیکن اب روئے زمین پر کوئی گھرانہ ایسا نہیں جو آپکے گھرانے سے محبوب ہو، فرمایا بخدا ایضاً، پھر عرض کی یا رسول اللہ (میرا شوہر) ابوسفیان ایک کنجوس شخص ہے کیا مجھ پر کوئی حرج ہے اگر (ان کی اجازت کے بغیر) ان کے مال سے بال بچوں پہ خرچ کروں؟ فرمایا نیک نیتی سے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

تمام ناقلینِ بخاری کے ہاں اسی صیغۂ تعلیق کے ساتھ ہے، المستخرج میں ابونعیم کی کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام بخاری نے اسے عبدان سے موصولا تخریج کیا ہے، بیہقی نے بھی ابوالموجہ عن عبدان کے حوالے سے موصول کیا۔ (خباء) اصلاً صوف یا وبر سے بنے خیمہ کو کہتے ہیں پھر ہر قسم کے بنے ہوئے گھر پر اطلاق ہوا۔ (قال و أیضاً الخ) ابن تین کہتے ہیں یہ ھند کے بیان کی آنجناب کی طرف سے تصدیق تھی گویا ان کی رائے میں مفہوم یہ ہے کہ تمہاری نسبت میرا بھی یہی خیال ہے، تو اس کا دو جہت سے تعاقب کیا گیا ہے: بغض وحب، مشرکین میں سے بعض ایسے تھے جو ہند اور ان کے اہل سے بھی زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اور نبی اکرم کو ایذاء دینے والے تھے اور مسلمانوں میں سے بے شمار ایسے تھے جو ہند اور انکے اہل سے زیادہ نبی پاک کو محبوب تھے لہٰذا اس جملہ کو اس کے ظاہری معنی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے اہل علم لکھتے ہیں (وأیضا) کا معنی یہ ہے کہ تمہاری اس محبت میں مزید اضافہ ہوگا جب دل میں ایمان متمکن ہوگا، لہٰذا یہ لفظ حضرت ھند کے ساتھ متعلق ہے، آنجناب سے اس کا کوئی تعلق نہیں، بعض روایات میں مذکور لفظ (و أنا) اگر یہ ثابت ہو، اس مفہوم کیلئے معکر نہیں۔

(إن أبا سفيان رجل مسيك) اس کی شرح کتاب النفقات میں آئیگی، حدیث سے حضرت ہند کی وفورِ عقل اور مخاطبت میں حسنِ تأتّی کی دلیل ملتی ہے، اس سے یہ بھی اخذ کیا جائے گا کہ کسی کے بارہ میں اگر کدورت وغیرہ کے جذبات تھے تو اس کے ساتھ مخاطبت میں ابتداء حسنِ اعتذار کرنا مناسبِ مقام ہوتا ہے، حضرت ھند آنجناب کی ازواج مطہرات کی نسبت بمنزلہِ والدہ کے تھیں کیونکہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ ان کے خاوند ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔

24 باب حَدِيثُ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ (حدیثِ زید بن عمرو بن نفیل)

زید بن نفیل حضرت عمر کے عمزاد تھے، ان کے بیٹے سعید عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے طلبِ تو

حید، ترکِ اوثان اور اجتنابِ شرک کیا لیکن بعثت سے قبل ہی فوت ہو گئے، محمد بن سعد اور فاکہی نے عامر بن ربیعہ حلیفِ بنی عدی سے نقل کیا ہے کہ مجھے زید بن عمرو نے کہا میں نے اپنی قوم کی مخالفت کی اور ابراھیم و اسماعیل کی ملت و دین کی اتباع کی ہے اور وہ اس قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اور مجھے بنی اسماعیل میں سے ایک مبعوث ہونے والے نبی کا انتظار ہے مگر مجھے لگتا نہیں کہ ان کا زمانہ پا سکونگا مگر (ابھی سے) ان پر ایمان لاتا ہوں، تصدیق کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہیں، اگر تمہاری زندگی میں وہ آ جائیں تو انہیں میرا اسلام کہنا، عامر کہتے ہیں میں جب اسلام لایا تو آنحضرت کو اس بابت بتلایا، آپ نے سلام کا جواب دیا اور ان کے لئے دعائے رحم کی اور فرمایا میں نے انہیں جنت میں پوشاکیں پہنے دیکھا ہے۔

بزار اور طبرانی سعید بن زید سے ناقل ہیں کہ زید اور ورقہ بن نوفل دین کی تلاش میں نکلے، شام آئے وہاں ورقہ نے تو عیسائیت قبول کر لی مگر زید ممتنع رہے، وہ موصل گئے وہاں ایک راہب سے ملاقات ہوئی جس نے عیسائیت کی دعوت دی مگر وہ باز رہے، کہتے ہیں میں نے اور عمر نے نبی اکرم سے ان کے بارہ میں پوچھا آپ نے فرمایا اللہ نے ان کی مغفرت فرمائی اور رحم کیا، وہ دینِ ابراھیمی پر فوت ہوئے ہیں۔ زبیر بن بکار ھشام بن عروہ کے طریق سے نقل کرتے ہیں، کہتے ہیں ہمیں پتہ چلا ہے کہ جب آنجناب کی بعثت ہوئی، زید شام میں تھے، انہیں پتہ چلا تو واپسی کا سفر اختیار کیا مگر ارضِ بلقاء میں قتل کر دئے گئے، بقول ابن اسحاق بلادِ لخم میں تھے کہ انہوں نے قتل کر دیا، ایک قول یہ ہے کہ بعثت سے پانچ برس قبل تعمیرِ کعبہ کے زمانہ میں فوت ہوئے۔

3826 حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ ؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَقِيَ زَيْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ بِأَسْفَلِ بَلْدَحَ، قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ الْوَحْيُ فَقُدِّمَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ سُفْرَةٌ، فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا ثُمَّ قَالَ زَيْدٌ إِنِّي لَسْتُ آكُلُ مِمَّا تَذْبَحُونَ عَلَى أَنْصَابِكُمْ، وَلَا آكُلُ إِلَّا مَا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ. وَأَنَّ زَيْدَ بْنَ عَمْرٍو كَانَ يَعِيبُ عَلَى قُرَيْشٍ ذَبَائِحَهُمْ، وَيَقُولُ الشَّاةُ خَلَقَهَا اللَّهُ، وَأَنْزَلَ لَهَا مِنَ السَّمَاءِ الْمَاءَ، وَأَنْبَتَ لَهَا مِنَ الْأَرْضِ، ثُمَّ تَذْبَحُونَهَا عَلَى غَيْرِ اسْمِ اللَّهِ إِنْكَارًا لِذَلِكَ وَإِعْظَامًا لَهُ. طرفه 5499 3827 قَالَ مُوسَى حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا تُحُدِّثَ بِهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ زَيْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ خَرَجَ إِلَى الشَّأْمِ، يَسْأَلُ عَنِ الدِّينِ وَيَتْبَعُهُ فَلَقِيَ عَالِمًا مِنَ الْيَهُودِ، فَسَأَلَهُ عَنْ دِينِهِمْ، فَقَالَ إِنِّي لَعَلِّي أَنْ أَدِينَ دِينَكُمْ، فَأَخْبِرْنِي. فَقَالَ لَا تَكُونُ عَلَى دِينِنَا حَتَّى تَأْخُذَ بِنَصِيبِكَ مِنْ غَضَبِ اللَّهِ. قَالَ زَيْدٌ مَا أَفِرُّ إِلَّا مِنْ غَضَبِ اللَّهِ، وَلَا أَحْمِلُ مِنْ غَضَبِ اللَّهِ شَيْئًا أَبَدًا، وَأَنَّى أَسْتَطِيعُهُ فَهَلْ تَدُلُّنِي عَلَى غَيْرِهِ قَالَ مَا أَعْلَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ حَنِيفًا. قَالَ زَيْدٌ وَمَا الْحَنِيفُ قَالَ دِينُ إِبْرَاهِيمَ لَمْ يَكُنْ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَا يَعْبُدُ إِلَّا اللَّهَ. فَخَرَجَ زَيْدٌ فَلَقِيَ عَالِمًا مِنَ النَّصَارَى، فَذَكَرَ مِثْلَهُ، فَقَالَ لَنْ تَكُونَ عَلَى دِينِنَا حَتَّى تَأْخُذَ بِنَصِيبِكَ مِنْ لَعْنَةِ اللَّهِ. قَالَ مَا أَفِرُّ إِلَّا مِنْ لَعْنَةِ

اللَّهِ، وَلَا أَحْمِلُ مِنْ لَعْنَةِ اللَّهِ وَلَا مِنْ غَضَبِهِ شَيْئًا أَبَدًا، وَأَنَّى أَسْتَطِيعُ فَهَلْ تَدُلُّنِي عَلَى غَيْرِهِ قَالَ مَا أَعْلَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ حَنِيفًا .قَالَ وَمَا الْحَنِيفُ قَالَ دِينُ إِبْرَاهِيمَ لَمْ يَكُنْ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَا يَعْبُدُ إِلَّا اللَّهَ .فَلَمَّا رَأَى زَيْدٌ قَوْلَهُمْ فِي إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَرَجَ، فَلَمَّا بَرَزَ رَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَشْهَدُ أَنِّي عَلَى دِينِ إِبْرَاهِيمَ 3828وَقَالَ اللَّيْثُ كَتَبَ إِلَيَّ هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ رَأَيْتُ زَيْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ قَائِمًا مُسْنِدًا ظَهْرَهُ إِلَى الْكَعْبَةِ يَقُولُ يَا مَعَاشِرَ قُرَيْشٍ، وَاللَّهِ مَا مِنْكُمْ عَلَى دِينِ إِبْرَاهِيمَ غَيْرِي، وَكَانَ يُحْيِي الْمَوْءُودَةَ، يَقُولُ لِلرَّجُلِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَقْتُلَ ابْنَتَهُ لَا تَقْتُلْهَا، أَنَا أَكْفِيكَهَا مَئُونَتَهَا .فَيَأْخُذُهَا فَإِذَا تَرَعْرَعَتْ قَالَ لِأَبِيهَا إِنْ شِئْتَ دَفَعْتُهَا إِلَيْكَ، وَإِنْ شِئْتَ كَفَيْتُكَ مَئُونَتَهَا

عبداللہ بن عمر راوی ہیں کہ نبی پاک کی زید بن عمرو بن نفیل سے وادیِ بلدح کے نشیبی علاقہ میں ملاقات ہوئی، یہ نزولِ وحی سے پہلے کی بات ہے، اس اثناء نبی پاک کو کھانا پیش کیا گیا (انہیں بھی دعوت دی) مگر انہوں نے کھانے سے انکار کیا اور کہا میں ان بتوں کے نام کا ذبح کیا ہوا نہیں کھاتا، اور میں نہیں کھاتا مگر وہی جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، کہتے ہیں زید ان ذبائح کی وجہ سے قریش پر تنقید کیا کرتے تھے، کہتے اللہ نے اسے پیدا کیا اور اسی نے اس کیلئے آسمان سے پانی نازل کیا پھر تم اسے غیر اللہ کے نام پہ ذبح کرتے ہو؟ گویا اسے ان کی بڑی غلطی قرار دیتے۔ مزید بیان کرتے ہیں کہ زید شام گئے تا کہ دین کی طلب کریں وہاں ایک یہودی عالم سے ملے، دین کی بابت پوچھا اور کہا شاید میں تمہارے دین کو قبول کرلوں، وہ کہنے لگا تم ہمارے دین پہ نہیں ہو سکتے حتی کہ اللہ کے غضب میں سے ایک حصہ لینے پر راضی نہ ہو جاؤ، یہ بولے میں اللہ کے غضب سے تو بھاگ کر آیا ہوں تو میں اس کے غضب کو اپنے اوپر کبھی نہ لونگا اور نہ مجھ میں اس کی طاقت ہے، کیا کسی اور دین کی راہ بتلا سکتا ہے؟ اس نے کہا میں نہیں جانتا الا یہ کہ تم حنیفی بن جاؤ، انہوں نے پوچھا دینِ حنیف کیا ہے؟ اس نے کہا دینِ ابراہیمی، جو نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی اور اللہ ہی کی عبادت کرتے تھے تو زید وہاں سے چلے اور ایک عیسائی عالم سے ملاقات کی اس نے بھی یہی کہا کہ تم ہمارے دین پر نہیں ہو سکتے جب تک اللہ کی لعنت سے اپنا حصہ نہ قبول کرلو، یہ بولے میں اللہ کی لعنت سے بچنے کیلئے تو بھاگ آیا ہوں اب نہ اس کی لعنت اور نہ اس کے غضب کا متحمل ہو سکتا ہوں، کیا مجھے کسی اور دین کی راہ سجھا سکتا ہے؟ وہ بولا میں نہیں جانتا الا یہ کہ تم حنیفی بن جاؤ کہنے لگے یہ کیا ہے؟ بولا دینِ ابراہیمؑ، جو نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ صرف اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے، زید جب وہاں سے روانہ ہوئے تو اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور کہا اے اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں دینِ ابراہیمی پر ہوں۔ لیث کہتے ہیں ہشام بن عروہ نے مجھے لکھا کہ حضرت اسماء کہتی تھیں میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا کہ کعبہ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے ہیں اور کہہ رہے ہیں اے گروہِ قریش واللہ تم میں میرے علاوہ کوئی دینِ ابراہیمی کا پیروکار نہیں، کہتی ہیں وہ موؤدۃ (یعنی بچی جسے کوئی جاہل عربی زندہ درگور کرنا چاہتا) کو بچا لیتے، اس شخص سے کہتے اسے نہ مارو اس کی کفالت کا میں ذمہ لیتا ہوں تو اسے لے لیتے پھر جب وہ جوان ہو جاتی تو اس کے والد سے کہتے چاہو تو مجھ سے واپس لے لو وگرنہ اس کی کفالت کرتا رہوں۔

(بأسفل بلدح) تنعیم کے راستہ میں ایک جگہ ہے، کہا جاتا ہے کہ وادی ہے۔ (إلى النبي الخ) اکثر کے ہاں یہی ہے جرجانی کی روایت میں ہے: (فقدم إليه النبي ﷺ سفرة) عیاض کہتے ہیں درست پہلی روایت ہے، ابن حجر لکھتے ہیں اسماعیلی کی روایت جرجانی کی روایت کے موافق ہے، زبیر بن بکار اور فاکہی نے بھی یہی نقل کیا ہے، ابن بطال کے مطابق یہ سفرہ دراصل قریش نے نبی پاک کو پیش کیا تھا، آپ نے کھانے سے انکار کیا پھر نبی اکرم نے زید کو پیش کیا، انہوں نے بھی انکار کیا اور قریش کو مخاطب کر کے یہ الفاظ کہے تھے، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں یہ بات محتمل تو ہے مگر علم نہیں انہوں نے جزم کے ساتھ کہاں سے یہ بات نقل کی ہے کیونکہ کسی منقولہ روایت میں یہ مذکور نہیں، ابن منیر نے بھی یہی لکھا ہے۔

(على أنصابكم) نصب کی جمع ہے، کعبہ کے گرد پتھر رکھے ہوئے تھے جن پر اھل مکہ بتوں کے نام سے ذبح کیا کرتے تھے، انہیں انصاب کہا جاتا تھا۔ خطابی کہتے ہیں نبی پاک بتوں کے نام کا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے مگر جن پر کسی کا نام نہ لیا گیا ہو، اسے تناول فرما لیتے تھے کیونکہ ابھی شریعت نازل نہ ہوئی تھی بلکہ بعد از بعثت بھی ایک مدت تک ایسا ذبیحہ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، مگر بتوں کیلئے بھی مذبوح نہ ہو، کا کھانا جائز تھا، پھر منع کر دیا گیا۔ ابن حجر کہتے ہیں ابن بطال کی بیان کردہ توجیہہ سے یہ بیان اولیٰ ہے، اگر یہ فرض بھی کیا جائے کہ زید بن حارثہ نے یہ انہی پتھروں پر ذبح کیا تھا تو اسے اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ لغیر الأصنام ذبح کیا تھا، (وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ) [المائدة: ۳] سے مراد جو وہاں بتوں کے نام سے ذبح کیا گیا ہو، احمد کی روایت میں ہے کہ زید کا نبی پاک اور زید بن حارثہ سے گزر ہوا جو اپنے سفرۃ سے کھانا تناول فرما رہے رہے انہیں بھی دعوت دی تو کہا اے بھتیجے میں نصب پر ذبح کیا گیا نہیں کھاتا، کہتے ہیں اس کے بعد نبی اکرم نے بھی یہ ترک کر دیا، ابویعلی ادر بزار کی زید بن حارثہ سے روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آنجناب کے ہمراہ مکہ سے باہر جا رہے تھے، ہم نے ان میں سے کسی پتھر پر بکری ذبح کی پھر اسے پکایا، ہمیں زید بن عمرو ملے، پھر یہی واقعہ مذکور ہے، اس میں ہے کہ زید نے کہا میں اس ذبیحہ میں سے نہیں کھاتا جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔

داؤدی لکھتے ہیں نبی پاک بعثت سے قبل مشرکین کی عام عادات و افعال سے تو مجانَبت فرماتے تھے، مگر ذبح کی بابت نہیں جانتے تھے، جبکہ زید کو اھل کتاب سے اس بارے علم حاصل ہو چکا تھا، سہیلی لکھتے ہیں اھل جاھلیت کے ہاں بھی کچھ بقایا دینِ ابراھیمی موجود تھے اور ان کی شرع میں مردار کھانے کی تحریم تو تھی مگر ایسے ذبیحہ کی تحریم نہ تھی جس پر اللہ کا (یعنی کسی کا بھی) نام نہ لیا گیا ہو، اسکی تحریم اسلام میں اتری ہے، اصح یہ ہے کہ شرع سے قبل کی اشیاء موصوف بِحِل یا بِحُرمت نہیں کی جاسکتیں، ہاں البتہ تحلیلِ شرع میں ذبائح کی اصل موجود ہے جو نزولِ قرآن تک جاری رہی، یہ منقول نہیں کہ بعثت کے بعد کوئی ذبائح سے رک گیا تھا تا آنکہ یہ آیت نازل ہوئی: (ولا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ)۔ ابن حجر لکھتے ہیں یہ کہنا کہ زید نے یہ کام اپنی رائے سے کیا تھا، داؤدی کی اس بات سے اولیٰ ہے کہ اسے اھل کتاب سے اخذ کیا تھا، حدیثِ باب سہیلی کے بیان کی تائید کرتی ہے اور زید بن عمرو نے مذکورہ بات (کہ میں ایسا ذبیحہ نہیں کھاتا جسے انصاب پہ ذبح کیا گیا ہو) اپنے اجتہاد سے کہی، پھر زید تو تصریح کرتے ہیں کہ اھل کتابین میں سے کسی کی اتباع نہیں کی۔

بعثت سے قبل انبیاء کی عصمت کی بابت عیاض نے لکھا ہے کہ وہ کالممتنع تھے (یعنی بتوں کی پوجا وغیرہ امور سے طبعی وفطری طور پر احتراز کرنے والے) کیونکہ اوامر و نواہی تو تقریرِ شریعت کے بعد نازل ہوئے اور آنجناب کے بارہ میں صحیح قول یہ ہے کہ بعثت سے قبل

کسی خاص شرع کے متعبِّد نہ تھے لہٰذا نواھی جب تک موجود نہ تھیں، آپکے حق میں باقاعدہ معتبر تھیں (یعنی آپ بھی فطرۃً وجبلۃً ان سے بچائے گئے تھے) تو (وذبحنا شاۃً علی بعض الأنصاب) سے مراد ایسا پتھر جو اصنام میں سے نہ تھا اور نہ معبود تھا بلکہ آلاتِ جزار (یعنی قصاب) میں سے تھا جو برائے ذبح استعمال کئے جاتے تھے، نصب کا لغوی معنی ہے بڑا پتھر، ان میں سے کچھ پتھر ایسے تھے جو جملۂ اصنام میں سے تھے وہ ان پر ذبح کرتے تھے جبکہ ان میں سے کچھ کی حیثیت معبود کی سی نہ تھی، وہ بطور آلہِ ذبح استعمال کئے جاتے تھے (گویا لازم نہیں کہ ان کا ہر ذبیحہ بتوں کے نام کا ہی ہو، اپنے اور گھر والوں کے استعمال کیلئے بھی جب ذبح کرتے تو انہی پتھروں میں سے وہ جو صنم نہیں، استعمال کرتے)۔ یہ توجیہہ بھی ممکن ہے کہ زید کا (ہر دو قسم کے ذبیحہ سے) اجتناب حسماً للمادۃ تھا۔

(فإن زیدبن عمرو الخ) اسی سند کے ساتھ موصول ہے۔ (قال موسیٰ) یعنی ابن عقبہ، یہ بھی اسی سند کے ساتھ متصل ہے، اس بارے اسماعیلی کو شک تھا، لکھتے ہیں میں نہیں جانتا کہ یہ دوسرا قصہ فضیل بن موسی کی روایت سے ہے یا نہیں؟ پھر اسے مطولا عبد العزیز بن مختار عن موسی بن عقبہ کے طریق سے تخریج کیا، زبیر بن بکار اور فاکہی نے بھی دونوں اسناد کے ساتھ اکھٹے نقل کیا ہے۔ (لا أعلمه إلا من الخ) امام بخاری نے حدیثِ اول کتاب الذبائح میں عبدالعزیز بن مختار عن موسی بن عقبۃ بغیر شک کے نقل کی ہے جبکہ اسماعیلی نے یہ دوسری عبدالعزیز مذکور ہی کے طریق سے شک کے ساتھ نقل کی، تو یہ شک موسی کی طرف سے ہے۔

(عن الدین) دینِ توحید مراد ہے۔ (عالما من الیهود) اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا، زید بن حارثہ کی مشار الیہ روایت میں ہے کہ نبی اکرم نے زید بن عمرو سے پوچھا کیا وجہ ہے اھل مکہ آپ سے بغض رکھتے ہیں؟ تو کہنے لگے میں دین کی طلب میں نکلا، احبار کے پاس آیا تو انہیں پایا کہ اللہ کی عبادت تو کرتے ہیں مگر شرک کا ارتکاب بھی کرتے ہیں۔ (عالما من النصاریٰ) اس کا نام بھی معلوم نہ ہو سکا، زید بن حارثہ کی روایت میں ہے کہ ایک بوڑھے حبر نے کہا تم مجھ سے ایسے دین کی بابت پوچھنے آئے ہو کہ میرا نہیں گمان کوئی اس پر قائم ہوگا (یعنی خالص توحید) سوائے جزیرہ کے ایک شیخ کے، کہتے ہیں میں اس شیخ کے پاس آیا تو وہ کہنے لگا تم جس توحید کی طلب میں ہو وہ تمہارے اپنے شہر میں نمودار ہو چکی ہے، اور یہ سب جن سے تم ملے ہو گمراہی میں ہیں، طبرانی کی اسی سند کے ساتھ روایت میں ہے تمہارے شہر میں نبی آخر الزمان مبعوث ہو چکے ہیں یا ہونے والے ہیں پس لوٹ جاؤ اور ان پر ایمان لانا اور ان کی تصدیق کرنا، پہلے گزرا ہے کہ یہی سن کر واپسی کے سفر میں تھے کہ قتل کر دئے گئے۔

(و أنا أستطیع) اکثر کی روایت میں انا نونِ مخفف کے ساتھ ہے مگر ایک روایت میں (و أنی) نونِ مشدد کے ساتھ ہے، استبعاد کے معنی میں۔ (اللهم إنی الخ) حدیثِ سعید بن زید میں ہے کہ کہنے لگے: (لَبَّیْك حقًّا حقا تعبُّداً وَ رقًّا ثم یَخِرُّ فیَسجد لِلّٰه)۔ (کتب إلی هشام الخ) یعنی ابن عروہ، ابن حجر کہتے ہیں یہ تعلیق ہم نے حدیثِ زغبہ میں بحوالہ ابوبکر بن داؤد عن عیسی بن حماد جو زغبہ کے لقب سے معروف تھے، لیث سے موصول کی ہے، ابن اسحاق نے بھی ھشام بن عروہ سے یہ پوری حدیث روایت کی ہے جبکہ فاکہی نے اسے عبدالرحمٰن بن ابوزیاد، نسائی اور ابونعیم نے المستخرج میں ابواسامہ، یہ سب ھشام سے، کے حوالوں سے تخریج کیا ہے۔

(ما منکم علی الخ) ابواسامہ کی روایت میں ہے کہ کہا کرتے تھے میرا اللہ وہی ہے جو ابراھیم کا ہے اور میرا دین بھی وہی جو ابراھیم کا ہے، ابوزناد کی روایت میں ہے کہ بتوں کی پوجا اور انصاب کا ذبیحہ کھانا ترک کر دیا، ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ کہا

کرتے تھے اے اللہ اگر تیری عبادت کرنے کا کوئی احسن طریقہ جانتا ہوتا تو اختیار کرتا پھر اپنی ہتھیلیوں کے ساتھ زمین پر سجدہ کرتے۔ (يحيى الموؤودة) مجازاً یحی کا لفظ استعمال کیا مراد یہ کہ انہیں مرنے سے بچالیتے، حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ معاوضہ دیکر جان بچاتے اور خود پرورش کرتے، موؤودة وأدّ سے بروزنِ مفعولہ ہے (وأدَ الشيءُ إذا أثقل)۔ (یعنی اصل معنی ہے کسی چیز کا بوجھل ہونا) اھل جاہلیت میں سے کئی اپنی زندہ بیٹیوں کو زمین میں دفنا دیتے تھے، کہا جاتا ہے کہ اس کی اصل وجہ غیرت کا معاملہ تھا اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ کسی شخص کی بیٹی کو اغوا کر کے زیادتی کا نشانہ بنایا گیا، باپ نے معاوضہ دیکر جان چھڑانا چاہی تو اغوا کار نے اس لڑکی کو ھی اختیار کر دیا کہ چاہے تو اسی کے پاس رہے اور چاہے تو واپس چلی جائے! اس نے اسی کے پاس رہنا پسند کیا تو اس کے والد نے عہد کیا کہ آئندہ اپنی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا کریگا، اس پر اور لوگوں نے بھی عمل شروع کر دیا۔ بقول ابن حجر اس بارہ میں تفصیل سے اپنی کتاب الأوائل میں لکھا ہے، اکثر ایسا کرنے والے فقر و غربت کے خوف سے کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (ولا تَقتُلُوا أولادَكُمْ خَشْيَةَ إمْلاق) حضرت زید انہی لڑکیوں کو اپنی کفالت میں لے لیا کرتے تھے، ابو اسامہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم سے زید کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ تنہا قیامت کے دن میرے اور عیسی بن مریم کے درمیانی مدت کی ایک امت کی حیثیت سے اٹھائے جائینگے، ابن اسحاق نے ان کے توحید کے موضوع پر کچھ اشعار بھی نقل کئے ہیں، بغوی نے بھی تفصیل کے ساتھ حضرت جابر سے ان کا قصہ نقل کیا ہے۔

علامہ انور (فقدمت إلى النبي ﷺ سفرة الخ) کے تحت لکھتے ہیں کہ (قدمت) کا لفظ دو طرح سے بخاری کے نسخوں میں مذکور ہے، ایک یہی یعنی بطور صیغۂ مجہول، جرجانی کے نسخہ میں (فقدم إليه النبي الخ) ہے، اس میں ایہامِ شدید ہے کیونکہ اس سے دلالت ملتی ہے کہ نبی اکرم کے ہاں اس کا جوازِ اکل تھا جبکہ زید بن عمرو غیر جائز کہتے تھے اسلئے کھانے سے انکار کیا، اس پر قاضی بدر الدین ابو عبد اللہ شبلی نے آکام المرجان میں بحث کی ہے اور اس روایت کے طرق جمع کئے ہیں، اسکا مطالعہ مفید رہیگا۔ حاشیہ میں مولانا بدر رقم طراز ہیں کہ میں نے آکام المرجان کا مطالعہ کیا مگر یہ مطلوبہ بحث نہیں ملی البتہ بابِ سادس میں (نهى عن أكل ما ذُبح لِلْجن) کی بحث موجود ہے تو شائد مجھ سے حوالہ لکھنے میں کوئی غلطی ہوگئی ہے یا کتابِ مذکور کے مطالعہ میں۔ علامہ (حتى تأخذ بنصيبك الخ) کے تحت لکھتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے یہود و نصاریٰ اس امر سے واقف تھے کہ ان پر اللہ کا غضب ولعنت ہے (فلما برز رفع يديه) کے تحت رقم کرتے ہیں کہ انبیاء کرام کے دین میں مستحسن سمجھا گیا ہے کہ علم کے ساتھ کوئی اس کے مناسب عمل بھی ہو تو شہادت کے اقرار کے وقت رفعِ یدین مناسب ہے، انکا دین تشبیہِ صرف اور تعطیلِ بحت کے مابین ہے، اس میں تجسیم بھی نہیں جو ہنود کے ہاں ہے، تجرُّد بھی نہیں جو فلاسفہ کا طریق کار ہے جیسا کہ شیخ اکبر کہتے ہیں: (و شَبِّهه و نَزِّهه وقُمْ فی مَقْعدِ الصِّدق)۔

25 باب بُنْيَانُ الْكَعْبَةِ (تعمیرِ کعبہ)

یعنی قبل از بعثت قریش کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوئی تعمیرِ کعبہ کے بارہ میں، پہلے حضرت ابراہیم کی تعمیرِ کعبہ کی بابت باب گزر چکا ہے اسی طرح عبد اللہ بن زبیر کے دور میں ان کے ہاتھوں ہونے والی تعمیرِ کعبہ کا بیان بھی، فاکہی ابن جریج عن عبد اللہ بن عبید اللہ بن عمیر کے حوالے سے ناقل ہیں کہ کعبہ کی دیواریں صرف انسان کی قامت کے برابر تھیں، قریش نے چاہا کہ انہیں بلند کریں اور اس پر

چھت بھی ڈالیں، اگلے باب میں اس کا ذکر ہوگا، یعقوب بن سفیان نے بسند صحیح زہری سے نقل کیا ہے کہ ایک عورت نے کعبہ کو خوشبو دینے کیلئے آگ سلگائی تو ایک شرارہ اڑ کر غلافِ کعبہ میں جا پڑا اور اسے جلا دیا، پھر قریش کی تعمیرِ کعبہ کا ذکر کیا، اگلے باب کی تیسری حدیث میں اس قصہ کا تتمہ آئیگا، اسحاق بن راھویہ نے خالد بن عرعرہ عن علی کے حوالے سے حضرت ابراہیم کی تعمیر کعبہ کے واقعہ میں نقل کیا ہے کہ پھر مرورِ ایام سے عمارت منہدم ہوگئی تو عمالقہ نے تعمیرِ نو کی پھر بعد ازاں جرہم نے کی پھر ایک زمانہ گزرا تو پھر منہدم ہوئی تو قریش نے اس کام کا بیڑا اٹھایا۔

رسول اکرم کا ان دنوں عالمِ شباب تھا، حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا وقت آیا تو انہوں نے باہم جھگڑا کیا، ہر ایک کی خواہش تھی کہ یہ شرف اسے حاصل ہو آخر یہ فیصلہ دیا کہ حجر اسود کو ایک چادر میں رکھا جائے پھر ہر قبیلہ کا ایک نمائندہ اسے اٹھائے، طیالسی کی روایت میں ہے اس بات پہ متفق ہوئے کہ بابِ بنی شیبہ سے اب جو شخص اندر داخل ہوگا اسے فیصل مان لیں گے تو وہ نبی اکرم ہوئے، اس میں ہے کہ جب سب نمائندگانِ قبائل چادر اٹھا کر اس مقام تک لائے جہاں اسے رکھا جانا تھا تو آپ نے خود اسے اٹھا کر وہاں رکھ دیا، اوائل الحج میں حدیثِ ابی الطفیل کے حوالے سے قریش کی اس تعمیر کعبہ کا پورا قصہ بیان ہو چکا ہے، موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں ہے کہ ولید بن مغیرہ (حضرت خالد کے والد) نے مشورہ دیا تھا کہ تعمیرِ کعبہ میں ایسا مال نہ لگایا جائے جو غصب، قطع رحمی یا ظالمانہ طور سے حاصل کیا گیا ہو، ابن اسحاق نے یہ مشورہ دینے والے کا نام ابو وہب بن عمرو بن عامر مخزومی لکھا ہے۔

3829حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لَمَّا بُنِيَتِ الْكَعْبَةُ ذَهَبَ النَّبِيُّ ﷺ وَعَبَّاسٌ يَنْقُلَانِ الْحِجَارَةَ، فَقَالَ عَبَّاسٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ اجْعَلْ إِزَارَكَ عَلَى رَقَبَتِكَ يَقِيكَ مِنَ الْحِجَارَةِ، فَخَرَّ إِلَى الْأَرْضِ وَطَمَحَتْ عَيْنَاهُ إِلَى السَّمَاءِ، ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ إِزَارِي إِزَارِي فَشَدَّ عَلَيْهِ إِزَارَهُ .طرفاه 364، 1582۔ (ترجمہ کیلئے دیکھئے جلد دوم ص:۵۰۲)

(لما بنيت الكعبة) یہ مراسیلِ صحابہ میں سے ہے، شائد حضرت جابر نے یہ واقعہ حضرت عباس سے سنا تھا کتاب الحج کی روایت میں اس کا واضحاً بیان گزرا ہے۔ (فخر إلى الأرض) یہاں کچھ کلام محذوف ہے یعنی (ففعل)۔ ابو الطفیل کی مشار الیہ روایت میں ہے کہ جب ایسا کیا تو آپکی شرم گاہ بے ستر ہوگئی تو آواز آئی اے محمد سترِ عورۃ کر لیں، اس کے بعد یا اس سے قبل کبھی آپکی عورۃ مرئیہ نہ ہوئی، ابن اسحاق نے مبعث سے قبل کے ایک واقعہ میں آنجناب کی زبانی یہ الفاظ نقل کئے ہیں: (لقد رأيتني في غلمان من قريش الخ) آگے پتھر ڈھونے کا یہی واقعہ ہے، بقول ابن حجر اس میں اگرچہ غلمان کا لفظ ہے مگر راجح یہ ہے کہ تعمیر کعبہ کا یہی قصہ مراد ہے کیونکہ حدیثِ ابی طفیل میں تصریح ہے کہ قبل ازیں کبھی ایسا نہ ہوا تھا، کبھی کبیر العمر پر بھی غلمان کا لفظ بولا جاتا ہے جب وہ فعلِ غلمان کرے (پھر یہ کہ نبی اکرم نے غلمان کا لفظ اپنے لئے استعمال نہیں فرمایا بلکہ کہا کہ میں قریش کے لڑکوں کے ہمراہ پتھر ڈھو رہا تھا، ظاہر بات ہے تعمیرِ کعبہ کیلئے پتھر لانے کا کام جوانوں کے ساتھ ساتھ لڑکے بالے بھی کرتے ہوں گے)۔

3830حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ وَعُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ

قَالَا لَمْ يَكُنْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ حَوْلَ الْبَيْتِ حَائِطٌ، كَانُوا يُصَلُّونَ حَوْلَ الْبَيْتِ، حَتَّى كَانَ عُمَرُ، فَبَنَى حَوْلَهُ حَائِطًا قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ جَدْرُهُ قَصِيرٌ، فَبَنَاهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ

راوی کہتے ہیں نبی کریم کے زمانے میں کعبہ کے گرد کوئی دیوار نہ تھی لوگ ایسے ہی کعبہ کے گرد نماز ادا کیا کرتے، سب سے پہلے حضرت عمر نے اپنے عہد میں اس کی چار دیواری تعمیر کی، عبید اللہ کہتے ہیں پھر ابن زبیر نے اپنے زمانے میں اس دیوار کو مزید بلند کیا۔

(لم یکن علی عهد النبی الخ) یہ مرسل ہے بعض نے منقطع بھی کہا ہے کیونکہ عمرو اور عبید اللہ اصاغر تابعین میں سے ہیں۔ (فبناہ ابن الزبیر) اس روایت کی یہی عبارت موصول ہے، اسے اسماعیلی نے حماد بن زید عن عبید اللہ بن ابی یزید کے حوالے سے مکملاً روایت کیا ہے، اس میں ہے کہ سب سے اول حضرت عمر تھے جنہوں نے کعبہ کے گرد دیوار تعمیر کرائی، عبید اللہ کہتے ہیں ابن زبیر نے اپنے دور میں اسے مزید بلند کیا، فاکہی ذکر کرتے ہیں کہ نبی پاک اور ابوبکر وعمر کے ادوار میں کعبہ کے ہر چہار اطراف مکانات تھے جس سے لوگوں کو تنگی ہوتی تھی تو حضرت عمر نے آس پاس کے سارے مکانات خرید کر انہیں منہدم کرا دیا اور کعبہ میں توسیع کرائی پھر چاروں طرف قامت سے چھوتی دیوار بھی بنوائی اور چراغوں کا انتظام کیا پھر حضرت عثمان نے کئی دوسری اطراف سے خانہ کعبہ میں توسیع کرائی پھر ابن زبیر پھر ابو جعفر منصور پھر اس کے بیٹے مہدی عباسی کے ادوار میں توسیع کام ہوا، کہا جاتا ہے ابن زبیر نے چھت ڈلوائی، عبد الملک بن مروان نے دیواریں مزید اونچی کرائیں اور ساج کی چھت بنوائی بعض نے اس کی بجائے اس کے بیٹے ولید کا نام ذکر لیا ہے، یہی اثبت ہے یہ ۸۸ھ کی بات ہے۔

26 باب أَيَّامِ الْجَاهِلِيَّةِ (دورِ جاہلیت کے بعض رسم ورواج)

مولدِ نبوی کریم اور مبعث کی درمیانی مدت کے کچھ رسوم و عادات کا بیان کیا ہے، یہاں یہی مراد ہے مگر جاھلیت کا لفظ ماقبل البعثت کے سارے زمانہ پر بولا جاتا ہے، نووی نے جو جزم کے ساتھ یہ قرار دیا ہے کہ جاھلیت کا لفظ کتاب وسنت میں جہاں بھی ہے، سے مراد یہی مدتِ مذکورہ ہے، تو یہ محلِ نظر ہے کیونکہ جاھلیت کا لفظ زمانۂ گذشتہ پر بولا جاتا ہے اور مراد ماقبل اسلام ہے غالبا اس کا اختتام فتحِ مکہ ہے، اسی سے مسلم نے مقدمہ صحیح میں لکھا کہ ابوعثمان اور ابورافع نے جاہلیت کا زمانہ پایا: (أدركا الجاهلية)۔ ابو رجاء عطاردی کا قول ہے: (رأيت فی الجاهلية قردة زنَتْ)، پھر یہاں ابن عباس کہہ رہے ہیں کہ زمانہ جاھلیت میں اپنے والد کو یہ کہتے سنا: (اسقِنا كأساً دِهاقا)۔ (حالانکہ ابن عباس ہجرت سے صرف تین سال قبل پیدا ہوئے ہیں اگرچہ اس کی توجیہہ یہ ہو سکتی ہے کہ قبول اسلام تک ہر شخص دورِ جاہلیت میں جی رہا تھا، خواہ وہ فتح مکہ کے بعد ہی اسلام لایا ہو، اسی لئے ابن حجر نے غالبًا کا لفظ استعمال کر کے دور جاہلیت کا اختتام فتح مکہ کو قرار دیا ہے کیونکہ اس کے بعد اسلام نے پورے جزیرۂ عرب کو اپنے ظلِ سلامتی میں لے لیا اور تقریبا سارا عرب مسلمان ہو گیا، عموما ادباء و ناقدینِ ادب نے طلوعِ اسلام کو دورِ جاہلیت کا اختتام قرار دیا ہے مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ طلوع اسلام کی بات دراصل ایک بڑی نشانی کے طور سے کہی وگرنہ اسلام کے قدم فتح مکہ کے بعد ہی جمے ہیں)۔

3831 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ هِشَامٌ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رضی قَالَتْ كَانَ

عَاشُورَاءُ يَوْمًا تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصُومُهُ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ صَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ كَانَ مَنْ شَاءَ صَامَهُ، وَمَنْ شَاءَ لَا يَصُومُهُ. أطرافه 1592، 1893، 2001، 2002، 4502، 4504۔ (ترجمہ کیلئے جلد دوم ص: ۵۱۵)

(کان عاشوراء الخ) اس کی شرح کتاب الصیام میں گزر چکی ہے، وہاں اس احتمال کا اظہار کیا تھا کہ قریش نے اسے اہل کتاب سے اخذ کیا ہوگا پھر بعض اخبار میں ملا کہ ان پر قحط پڑا تھا جس کے زوال کے بعد بطور شکرانہ یہ روزہ شروع کیا۔

3832حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ كَانُوا يَرَوْنَ أَنَّ الْعُمْرَةَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ مِنَ الْفُجُورِ فِي الْأَرْضِ وَكَانُوا يُسَمُّونَ الْمُحَرَّمَ صَفَرًا وَيَقُولُونَ إِذَا بَرَا الدَّبَرْ وَعَفَا الْأَثَرْ حَلَّتِ الْعُمْرَةُ لِمَنِ اعْتَمَرْ. قَالَ فَقَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَصْحَابُهُ رَابِعَةً مُهِلِّينَ بِالْحَجِّ وَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَجْعَلُوهَا عُمْرَةً. قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيُّ الْحِلِّ قَالَ الْحِلُّ كُلُّهُ أطرافه 1085، 1564، 2505۔ (جلد دوم ص: ۴۸۷ میں ترجمہ موجود ہے)

(کانو یرون الخ) تفصیل سے یہ بحث کتاب الحج میں بیان ہو چکی ہے۔

3833حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ كَانَ عَمْرٌو يَقُولُ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ جَاءَ سَيْلٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَكَسَا مَا بَيْنَ الْجَبَلَيْنِ قَالَ سُفْيَانُ وَيَقُولُ إِنَّ هَذَا لَحَدِيثٌ لَهُ شَأْنٌ

سعید بن میتب اپنے والد اور وہ ان کے دادا حزن سے راوی ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں سیلاب آیا اور (مکہ کے دونوں جانب کے) پہاڑوں کے درمیان پانی ہی پانی ہو گیا، سفیان کہا کرتے تھے یہ ایک بہت بڑا واقعہ تھا۔

(کان عمرو الخ) یہ ابن دینار ہیں، اسماعیلی کی عبد الرحمٰن بن بشر عن سفیان کے طریق سے روایت میں: (حدثنا عمرو) ہے۔ (عن جده) یہ حَزن بن ابی وھب ہیں، ابو وہب وہی جنکی بابت ذکر ہوا قریش کو مشورہ دیا تھا کہ تعمیر کعبہ پر صرف مالِ حلال ہی خرچ کیا جائے۔

(جاء سیل الخ) سیلاب نے کعبہ کے دونوں جانب کے پہاڑوں کی درمیانی جگہ بھر دی تھی، موسی بن عقبہ ذکر کرتے ہیں کہ سیلاب اعلیٰ مکہ (یعنی مکہ کی بالائی جانب) پہ موجود ردم کے اوپر سے آتا تھا تو انہیں خوف لاحق ہوا کہ پانی کعبہ میں داخل نہ ہو جائے تو ارادہ بنایا کہ اس کی بنیادیں مضبوط کر دیں، امام شافعی نے الأم میں عبد اللہ بن زبیر سے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ جب وہ کعبہ کی تعمیرِ نو کر رہے تھے تو کعب (یعنی احبار) نے انہیں کہا مضبوطی سے بنانا، ہم نے سابقہ کتب میں پڑھا ہے کہ آخری ازمان میں بہت سیلاب آئینگے (حیران کن بات ہے کہ خانہ کعبہ کا اندرونی صحن شہرِ مکہ کی سطح زمین سے کم از کم بیس فٹ نیچے ہے، باھر سے پیالہ کی مانند معلوم پڑتا ہے) تو گویا سفیان کے قول (إن هذا الحديث له شأن) سے انہوں نے محسوس کیا کہ یہ خوفناک قسم کا سیلاب جس نے ساری وادیٔ مکہ کو بھر دیا ہے، آمدہ سیلابوں کا نقطۂ آغاز ہے، اسی طرف کعب نے اشارہ کیا۔

3834 حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ بَيَانٍ أَبِى بِشْرٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِى حَازِمٍ قَالَ دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى امْرَأَةٍ مِنْ أَحْمَسَ يُقَالُ لَهَا زَيْنَبُ، فَرَآهَا لاَ تَكَلَّمُ، فَقَالَ مَا لَهَا لاَ تَكَلَّمُ قَالُوا حَجَّتْ مُصْمِتَةً. قَالَ لَهَا تَكَلَّمِى فَإِنَّ هَذَا لاَ يَحِلُّ هَذَا مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ. فَتَكَلَّمَتْ، فَقَالَتْ مَنْ أَنْتَ قَالَ امْرُؤٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ قَالَتْ أَىُّ الْمُهَاجِرِينَ قَالَ مِنْ قُرَيْشٍ قَالَتْ مِنْ أَىِّ قُرَيْشٍ أَنْتَ قَالَ إِنَّكِ لَسَئُولٌ أَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَتْ مَا بَقَاؤُنَا عَلَى هَذَا الأَمْرِ الصَّالِحِ الَّذِى جَاءَ اللَّهُ بِهِ بَعْدَ الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ بَقَاؤُكُمْ عَلَيْهِ مَا اسْتَقَامَتْ بِكُمْ أَئِمَّتُكُمْ. قَالَتْ وَمَا الأَئِمَّةُ قَالَ أَمَا كَانَ لِقَوْمِكِ رُءُوسٌ وَأَشْرَافٌ يَأْمُرُونَهُمْ فَيُطِيعُونَهُمْ قَالَتْ بَلَى قَالَ فَهُمْ أُولَئِكَ عَلَى النَّاسِ

راوی کہتے ہیں ابو بکر قبیلہ احمس کی ایک خاتون زینب نامی کے ہاں آئے جو بات ہی نہ کرتی تھی، کہا تم بات کیوں نہیں کرتی؟ پھر لوگوں سے دریافت کیا یہ بولتی کیوں نہیں؟ انہوں نے بتلایا کہ حج کے دوران خاموش رہنے کی منت مانی ہے، کہا بات کرو، کہ ایسی منت ماننا حلال نہیں، یہ جاہلیت کے رسم ورواج میں سے ہے، تو وہ بولنے لگ گئی، حضرت ابو بکر سے پوچھنے لگی آپ کون ہیں؟ کہا مہاجرین میں سے ہوں کہا کون سے مہاجرین؟ کہا قریش کے، بولی قریش کے کس خاندان سے؟ کہا تم تو بہت سوال کرنے والی ہو، میں ابو بکر ہوں، کہنے لگی جاہلیت کے بعد اللہ نے یہ جو ہمیں دین عطا کیا ہے اسپر ہم مسلمان کب تک قائم رہ سکینگے؟ ابو بکر کہنے لگے جب تک تمہارے ائمہ اس پہ قائم رہے، کہنے لگی ائمہ کیا ہوتے ہیں؟ کہا تمہارے قبیلہ میں سردار اور اشراف نہیں ہیں جو عام لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ ان کی اطاعت کرتے ہیں؟ کہنے لگی کیوں نہیں! کہا یہی ائمہ کرتے ہیں۔

(من أحمس) یہ بجیلہ کا ایک قبیلہ ہے، ابن تین نے غرابت کا مظاہرہ کیا جب اسے حمس یعنی قریش میں سے قرار پانا مراد لیا۔ (زینب بنت المهاجر) ان کا قصہ ابن سعد نے طبقات میں عبد اللہ بن جابر احمسی عن عمۃ زینب بنت مہاجر بیان کیا ہے، کہتی ہیں میں حج کیلئے نکلی۔ الخ ابو موسی مدینی ذیل الصحابہ میں لکھتے ہیں کہ ابن مندہ نے تاریخ النساء میں ذکر کیا ہے کہ زینت بنت مہاجر نے آنجناب کا زمانہ پایا اور حضرت ابو بکر سے روایت کی ہے، ان سے عبد اللہ بن جابر نے روایت کی، وہ ان کی پھوپھی تھیں، دار قطنی العلل میں لکھتے ہیں شریک وغیرہ کی اسماعیل بن ابو خالد سے اسی حدیثِ باب میں مذکور ہے کہ وہ زینب بنت عوف ہیں، ابن عیینہ نے اسماعیل سے نقل کیا ہے کہ وہ ابراھیم بن مہاجر کی دادی ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ بنت مہاجر بن جابر ہیں، ان تمام اقوال کے مابین تطبیق ممکن ہے کہ جس نے بنت مہاجر کہا اس نے ان کے والد کی طرف نسبت بیان کی، جس نے بنت جابر لکھا، اس نے جدِ ادنٰی کی نسبت سے ذکر کیا اور جس نے بنتِ عوف لکھا اس نے جد اعلٰی کی نسبت بیان کی۔

(فإن هذا لا يحل) یعنی ترکِ کلام، اسماعیلی نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابو بکر سے نقل کیا ہے کہ اس خاتون نے آپ سے کہا ہماری اور آپ کی قوم (یعنی قریش) کے درمیان زمانۂ جاہلیت میں شر (یعنی عداوت اور جنگ وجدل) تھا تو میں نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے ہمیں اس سے عافیت دی تو حج ادا کرنے تک کسی سے بات نہ کرونگی! آپ نے کہا اسلام سابقہ باتوں کی نفی کرتا ہے، بات کرو۔ فاکہی نے بھی زید بن وهب عن ابی بکر یہی نقل کیا ہے، حضرت ابو بکر کے اس قول سے استدلال کیا گیا ہے کہ جس نے مثلاً کسی

سے بات نہ کرنیکی نذر مانی، اسے نذر پوری کرنا ضروری نہیں، وہ بات کرے اور اس پر کفارہ بھی لازم نہ آئے گا کیونکہ اسے کفارہ کا حکم نہیں دیا بلکہ اس قسم کی نذر کو غیر حلال کہا ہے تو قیاس یہ ہے کہ عدم تکلم کی یہ نذر ماننے والے کی نذر منعقد ہی نہ ہوگی کیونکہ اسے غیر حلال اور فعل جاہلیت قرار دیا اور کہا کہ اسلام ایسے امور کو ختم کرتا ہے، ابوبکر یہ بات عن توقیفٍ ہی کہہ سکتے تھے، لہٰذا مرفوع کے حکم میں ہے، اسکی تائید ابواسرائیل کے قصہ میں حدیثِ ابن عباس سے ملتی ہے انہوں نے نذر مانی تھی کہ نہ سوار ہوں گے نہ کسی سے بات کرینگے اور نہ سایہ میں بیٹھیں گے، تو نبی پاک نے انہیں یہ سب کام کرنے کا حکم دیا، اسی طرح ابوداؤد کی حدیثِ علی مرفوع ہے: (لا يُتم بعد احتلام ولا صمت يو م إلى الليل) کہ بالغ شخص جسکا باپ فوت ہوا ہو، یتیم نہیں کہلا سکتا اور نہ دن بھر کی خاموشی جائز ہے (یعنی نذر مان لینا کہ دن بھر کسی سے کلام نہ کرے گا)۔ خطابی اس کی شرح میں لکھتے ہیں اھلِ جاہلیت مدتِ محدّد کیلئے چپ رہنے کی نذر ماننا عبادت سمجھتے تھے، عبادت کے طور پر کوئی دن و رات کا اعتکاف بیٹھتا اور خاموش رہتا، اس سے منع کئے گئے اور نطق بالخیر کا حکم دئے گئے، باقی بحث کتاب الأیمان والنذور میں ہوگی۔

ابن قدامہ المغنی میں رقمطراز ہیں کہ صمت عن الکلام شریعتِ اسلام میں جائز نہیں، ظاہر روایات سے اس کی تحریم ثابت ہوتی ہے بطورِ احتجاج یہ حدیثِ علی مشار الیہ پیش کی ہے، لکھتے ہیں اگر کسی نے (عدم ناواقفیت کی بنا پر) نذر مان لی تو ایفاء کرنا ضروری نہیں (بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ عدم ایفاء ضروری ہے)، شافعی اور اصحابِ رائے بھی یہی کہتے ہیں، ہم اس میں کسی اختلاف سے واقف نہیں۔

ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کلامِ شافعیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسئلہِ نذر منقولہ نہیں، رافعی کتاب النذر میں ذکر کرتے ہیں کہ تفسیر ابونصر قشیری میں قفال کے حوالے سے منقول ہے، کہتے ہیں جس نے نذر مانی کہ آدمیوں سے بات نہ کریگا محتمل ہے کہ کہا جائے اس کا ایفاء لازم ہے کیونکہ اس نے یہ نذر ازرہِ تقرُّب مانی ہے، اور عدم ایفاء قرار دینا بھی محتمل ہے کیونکہ اس میں تضییق وتشدید ہے جو ہماری شریعت میں روا نہیں، جیسے اگر کوئی یہ نذر مانے کہ (اتنا عرصہ) دھوپ میں کھڑا رہے گا، لہٰذا خاموشی کی یہ نذر اس شریعت میں تھی ہمارے ہاں نہیں، انہوں نے یہ بات سورہِ مریم کی آیت: (إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْماً فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا) [۲۶] کی تفسیر میں کہی ہے۔

ابوسعید متولی اپنی کتاب التتمہ میں لکھتے ہیں جو حضرات یہ رائے رکھتے ہیں کہ سابقہ شریعتوں کی باتیں ہمارے لئے بھی مشروع ہیں وہ اس قسم کی نذر کو تقرب کا وسیلہ مانتے ہیں (مگر یہ تب جب ہماری شریعت میں سابقہ شریعتوں کے کسی امر سے روکا نہ گیا ہو، نذرِ خاموشی سے تو منع کرنا مروی ہے) ابن رفعہ ابواسحاق کے التنبیہ میں اس قول کہ دن بھر کی خاموشی مکروہ ہے، کی بابت لکھتے ہیں کہ بلکہ ابن عباس کی حدیث میں اس سے نہی مروی ہے پھر لکھتے ہیں ہاں البتہ ماقبل کی شریعت میں یہ وارد ہے، اگر کہیں ان کی شریعت کے احکام ہمارے لئے بھی مشروع ہیں تب اسے مکروہ نہ کہا جائے گا مگر بقول ابن یونس یہ مستحَب نہیں، کہتے ہیں ان کا یہ کہنا محلِ نظر ہے کیونکہ ماوردی لکھتے ہیں کہ ابن عمر سے مرفوعا مروی ہے: (صمت الصائمِ تسبيحٌ) یعنی روزہ دار کی خاموشی تسبیح ہے، کہتے ہیں اگر یہ روایت صحیح ہے تو مشروعیتِ صمت پر دال ہے وگرنہ ابن عباس کی روایت سے کم از کم کراہت تو ثابت ہو رہی ہے، اور جہاں تک ان کی یہ بات کہ سابقہ شریعت ہمارے لئے بھی شریعت ہے تو یہ تب جب ہماری شریعت میں اس کا حکمِ مخالف نہ ہو۔

ابن حجر تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے نہی وارد ہے اور ابن عمر کی حدیث جسکا حوالہ دیا ہے، ثابت نہیں، صاحب مسند الفردوس نے اسے تخریج کیا اور اس کی سند میں ربیع بن بدر ہے جو ساقط راوی ہے، بفرضِ ثبوت مقصود کیلئے مفید نہیں کیونکہ اس کے الفاظ

ہیں: (صمت الصائم تسبیح و نومه عبادة و دعاؤه مستجاب) کہ اس کی خاموشی تسبیح، اس کی نیند عبادت اور اس کی دعا مقبول ہے، تو یہ اس امر کے بیان میں ہے کہ روزہ دار کے تمام افعال محبوب ہیں، صمت کی بابت کوئی خصوصی بات نہیں فرمائی۔ رویانی البحر میں لکھتے ہیں ہماری شرع میں اس کی کوئی اصل نہیں البتہ سابقہ شریعتوں میں ہے، خاموشی کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں مثلاً ترمذی کی ابن عمرو سے روایت: (مَن صَمَتَ نَجا) کہ جو خاموش رہا نجات پائی اور ابن ابو دنیا کی بسند مرسل ثقہ رجال کے ساتھ روایت: (أيسَرُ العبادةِ الصمت) کہ آسان ترین عبادت خاموشی ہے، وغیرہ تو یہ ابو اسحاق نے جو کراہت کی بات لکھی ہے، کے معارض نہیں! کیونکہ دونوں قسم کی روایات میں مقصود واحد نہیں، وہ خاموشی جو یہاں مرَغَّب فیہ ہے، وہ جس میں کلامِ باطل کا ترک ہو اور بعض ایسی کلامِ مباح کا بھی جو آخر کلامِ باطل (یا فعلِ باطل) پر منتج ہو اور وہ صمت جس سے منع کیا گیا ہے، وہ جس میں کلامِ حق کا ترک ہو اور ایسی مباح کلام بھی جو مستوِی الطرفین ہے۔

(لسئوول) یعنی کثرت سے سوال کرنے والا/ والی، مذکر و مؤنث دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ (على هذا الأمر الصالح) یعنی اسلام اور جو خصائص اسلام مثلاً عدل، نصرتِ مظلوم، اجتماعِ کلمہ اور وضع کُلِّ شیء فی محلہ، ہیں۔ (أئمتكم) کیونکہ محاورہ ہے: (الناس على دين ملوكهم) لوگ اپنے بادشاہوں کے طور طریقوں پر ہوتے ہیں، تو جو حکمران حائد عن الحال (یعنی جادۂ حق سے منحرف) ہوا: (مَنْ حَادَ عنِ الحالِ مالَ و أمَالَ) اس نے اوروں کو بھی گمراہ کیا۔

3835 حَدَّثَنِي فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ أَسْلَمَتِ امْرَأَةٌ سَوْدَاءُ لِبَعْضِ الْعَرَبِ، وَكَانَ لَهَا حِفْشٌ فِي الْمَسْجِدِ قَالَتْ فَكَانَتْ تَأْتِينَا فَتَحَدَّثُ عِنْدَنَا فَإِذَا فَرَغَتْ مِنْ حَدِيثِهَا قَالَتْ وَيَوْمُ الْوِشَاحِ مِنْ تَعَاجِيبِ رَبِّنَا أَلَا إِنَّهُ مِنْ بَلْدَةِ الْكُفْرِ أَنْجَانِي فَلَمَّا أَكْثَرَتْ قَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ وَمَا يَوْمُ الْوِشَاحِ قَالَتْ خَرَجَتْ جُوَيْرِيَةٌ لِبَعْضِ أَهْلِي، وَعَلَيْهَا وِشَاحٌ مِنْ أَدَمٍ فَسَقَطَ مِنْهَا، فَانْحَطَّتْ عَلَيْهِ الْحُدَيَّا وَهِيَ تَحْسِبُهُ لَحْمًا، فَأَخَذَتْ فَاتَّهَمُونِي بِهِ فَعَذَّبُونِي، حَتَّى بَلَغَ مِنْ أَمْرِي أَنَّهُمْ طَلَبُوا فِي قُبُلِي، فَبَيْنَا هُمْ حَوْلِي وَأَنَا فِي كَرْبِي إِذْ أَقْبَلَتِ الْحُدَيَّا حَتَّى وَازَتْ بِرُءُوسِنَا ثُمَّ أَلْقَتْهُ، فَأَخَذُوهُ فَقُلْتُ لَهُمْ هَذَا الَّذِي اتَّهَمْتُمُونِي بِهِ وَأَنَا مِنْهُ بَرِيئَةٌ. طرفه 439

حضرت عائشہ کہتی ہیں ایک کالی عورت نے جو کسی کی باندی تھی، اسلام قبول کر لیا اور مسجد کی ایک کوٹھری اس کی جائے رہائش تھی، وہ ہمارے پاس آیا کرتی اور باتیں کرتی جب بھی باتوں سے فارغ ہوتی آخر میں یہ شعر پڑھتی: (ترجمہ) اور ہار والا دن ہمارے رب کے عجائبِ قدرت میں سے ہے جب اس نے بلدۂ کفر سے مجھے نجات دی، جب بہت دفعہ یہ ہو چکا تو ایک دن حضرت عائشہ نے اس سے پوچھا یہ ہار والے دن کا کیا قصہ ہے؟ کہنے لگی میرے مالکوں کی ایک لڑکی لال چمڑے کا ایک ہار باندھے رہتی تھی ایک دن اس سے یہ گر گیا جسے ایک چیل گوشت سمجھتے ہوئے اٹھا لے گئی لوگوں نے اس کی گمشدگی پہ مجھے متہم کیا، سخت تشدد کا نشانہ بنایا حتی کہ میری شرمگاہ کی بھی تلاشی لے ڈالی، اسی تفتیش و تعذیب میں مصروف تھے کہ ناگاہ وہ چیل ہار کو وہاں آ کر پھینک گئی جسے انہوں نے پکڑ لیا میں نے کہا یہ ہے وہ جسکا مجھے متہم کرتے تھے حالانکہ میں اس سے بری تھی۔

کتاب الصلاۃ کے ابواب المساجد میں یہ پورا قصہ بیان ہو چکا ہے، اس خاتون کا نام معلوم نہ ہو سکا، عمر بن شبہ کتابِ مکہ میں لکھتے ہیں کہ یہ مکہ کا واقعہ ہے، اسکے بعد یہ خاتون ہجرت کر کے مدینہ چلی گئی، حدیثِ ھذا اھل جاہلیت کے قول وفعل میں جفاء پر دال ہے، اسی لئے یہاں نقل کی۔

3836حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَلاَ مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلاَ يَحْلِفْ إِلاَّ بِاللَّهِ فَكَانَتْ قُرَيْشٌ تَحْلِفُ بِآبَائِهَا فَقَالَ لاَ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ .أطرافه 2679، 6108، 6646، 6648۔ (جلد چہارم کتاب الشہادات میں مترجم ہے)

3837حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ أَنَّ الْقَاسِمَ كَانَ يَمْشِي بَيْنَ يَدَيِ الْجَنَازَةِ وَلاَ يَقُومُ لَهَا وَيُخْبِرُ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُومُونَ لَهَا يَقُولُونَ إِذَا رَأَوْهَا كُنْتِ فِي أَهْلِكِ مَا أَنْتِ .مَرَّتَيْنِ

عبد الرحمٰن بن قاسم کا بیان ہے کہ قاسم جنازہ کے آگے آگے چلا کرتے تھے اور جنازہ دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے اور حضرت عائشہ سے روایت کرتے تھے کہ اہلِ جاہلیت جنازوں کو دیکھ کر کھڑے ہوا کرتے اور یہ کہتے اے مرنے والے جس طرح تو زندگی میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تھا اب ویسا ہی کسی پرندے کی جون میں ہے۔

قاسم سے مراد ابن محمد بن ابوبکر صدیق ہیں۔ (كان أهل الجاهلية يقومون لها) گویا حضرت عائشہ کو جنازہ دیکھ کر کھڑا ہو جانیکا حکمِ شارع نہ پہنچ سکا (چونکہ جاہلیت میں بھی ایسا کرتے تھے) لہٰذا سمجھا کہ یہ اھل جاہلیت کے ان رسوم ورواجات میں سے ہے جنکی مخالفت کا اسلام نے حکم دیا ہے، کتاب الجنائز میں اس بابت اختلافِ آراء کا ذکر ہوا تھا، اور آیا یہ حکم منسوخ کر دیا گیا تھا یا نہیں؟ یا مطلق جواز ہے، بعض شافعیہ نے آخری کو اختیار کیا ہے، اکثر شافعیہ کھڑا ہونا مکروہ قرار دیتے ہیں، متولی نے مخالفت کرتے ہوئے اسے مستحَب لکھا ہے، نووی کا بھی یہی مختار ہے، لکھتے ہیں یہ بھی ان منجملہ مسائل کے ہے جن میں حضرت عائشہ نے صحابہ کرام پر استدراک کیا مگر اس مسئلہ میں باقی صحابہ کا پلڑا بھاری ہے۔

(ما أنت مرتين) ما موصولہ ہے یعنی دو مرتبہ یہ بات کہیں گے، صلہ کا کچھ حصہ محذوف ہے جو مقدراً یہ ہو سکتا ہے: (كُنْتَ فى أهلك الذى كنتَ فيه أى الذى أنت فيه الآن كنتَ فى الحياة مثله) کیونکہ ان کا بعث بعد الموت پر اعتقاد نہ تھا بلکہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ روح نکل کر اڑ جاتی ہے اگر وہ اھل خیر میں سے تھا تو اس کی روح کسی اچھے پرندے میں وگرنہ کسی بد پرندے میں حلول کر جاتی ہے (کچھ عجب نہیں کہ جاھلی عربوں نے یہ عقیدہ ہندوں کے عقیدہ آواگون سے لیا ہو یا پھر اس کا عکس، ہندوؤں کا بھی بعینہ یہی عقیدہ ہے، وہ پرندوں کے ساتھ ساتھ جانوروں وغیرہ کی بات بھی کرتے ہیں کہ روح کسی کتے بلی کی شکل میں پھر سے اسی دنیا میں لوٹ آتی ہے) تو محتمل ہے ان کا یہ قولِ مذکور میت کیلئے بطور دعا ہو، یہ احتمال بھی ہے کہ (ما) نافیہ ہو اور مرتین انہی کی جملہ کلام میں سے ہو یعنی اللہ کرے کہ تو اپنے اس گھر میں جہاں یہ عمر گزاری، واپس نہ آئے، مزید یہ احتمال بھی ہے کہ (ما) استفہامیہ ہو یعنی تم اپنے

گھرانہ میں شریف ومعزز تھے، اب کیا حالت ہے؟ (فأيُّ شيء أنت الآن) اب کیا شکل اختیار کی ہے؟ یہ حزناً وتاسفاً کہا کرتے تھے۔

3838حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ إِنَّ الْمُشْرِكِينَ كَانُوا لَا يُفِيضُونَ مِنْ جَمْعٍ حَتَّى تَشْرُقَ الشَّمْسُ عَلَى ثَبِيرٍ، فَخَالَفَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ فَأَفَاضَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ .طرفه 1684۔ (دیکھئے جلد دوم ص: ۴۸۷)

الحج میں مشروحا گزر چکی ہے۔ (تشرق) ابن تین لکھتے ہیں روایت میں سے تاء کی زبر اور راء کی پیش کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے جبکہ معروف تاء کی پیش اور راء کی زیر ہے۔

3839حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي أُسَامَةَ حَدَّثَكُمْ يَحْيَى بْنُ الْمُهَلَّبِ حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ عَنْ عِكْرِمَةَ (وَكَأْسًا دِهَاقًا) قَالَ مَلْأَى مُتَتَابِعَةً 3840.قَالَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اسْقِنَا كَأْسًا دِهَاقًا

عکرمہ سے (وكأسا دهاقاً) کا معنی یہ منقول ہے: (متتابعة) یعنی یکے بعد دیگرے۔ بقول ابن عباس میں جاہلیت میں یہ مقولہ سنا کرتا تھا: (اسقنا كأسا دهاقاً)۔

یحیی بن مہلب سے مراد بجلی ہیں، ابو کدینہ کنیت تھی کوفی اور موثق راوی ہیں بخاری میں ان سے یہی ایک روایت ہے۔

(ملأى متتابعة) اہل لغت کے اس بارے دو قول ہیں: (أدهقت الكأس) کہا جاتا ہے جب اسے بھرے اور (أدهقت له الكأس) کہا جاتا ہے، اس معنی میں کہ اسے بار بار پلایا۔ کہا گیا ہے کہ دھق کا اصل معنی ہے ضفط (ضفط کا ایک معنی ہے بڑے پیٹ والا ہونا، مراد بھرا ہوا جام)، مفہوم یہ ہوا کہ ہاتھ میں سوائے جام کے کسی اور چیز کے پکڑنے کی اب گنجائش نہیں۔ (قال و قال ابن عباس) قائل عکرمہ ہیں، اسی اسناد کے ساتھ موصول ہے۔ (في الجاهليه) یعنی ان سے یہ بات عہدِ جاہلی میں سنی تو اس سے مراد نسبی جاہلیت ہے نہ کہ جاہلیتِ مطلقہ کیونکہ ابن عباس ماقبل البعثت کے مدرک نہیں وہ تو بعثت کے دس برس بعد پیدا ہوئے تھے تو مفہوم یہ ہوا کہ حضرت عباس کے قبولِ اسلام سے قبل کا تذکرہ ہے۔ (كأسا دهاقا) اسماعیلی کی ایک دیگر سند کے ساتھ حصین عن عکرمہ عن ابن عباس سے روایت میں ہے کہ والد صاحب کو سنا اپنے غلام سے کہہ رہے تھے: (ادهق لنا أي املأ لنا أو تابع لنا)۔ یعنی بھر کے دو یا یہ معنی کہ بار بار لاؤ۔

3841حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيدٍ أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ وَكَادَ أُمَيَّةُ بْنُ أَبِي الصَّلْتِ أَنْ يُسْلِمَ .طرفاه 6147، 6489

ابو ہریرہ کہتے ہیں نبی اکرم نے فرمایا سچا ترین شعر جو کسی نے کہا ہے، لبید کا یہ قول ہے: (ألا كل الخ)، فرمایا اور قریب تھا کہ امیہ بن ابی الصلت مسلمان ہو جاتا۔

سفیان سے مراد ثوری ہیں، جبکہ عبدالملک سے مراد ابن عمیر ہیں۔ (أصدق كلمة الخ) کلمہ سے مراد وہ شعر جسکا پہلا مصرعہ

ذکر کیا، پورا قصیدہ مراد ہونا بھی محتمل ہے، اول کی تائید مسلم کی شعبہ اور زائدہ کے طریق سے عبدالملک کے حوالے سے روایت میں ملتی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: (إن أصدقَ بيتٍ قاله الشاعر) جبکہ انہی کی شریک عن عبدالملک سے روایت میں ہیں: (أشعر كلمةٍ تكلَّمتْ بها العرب) ہے اگر شریک کے حافظہ میں مقال نہ ہوتا تو ان کا نقل کردہ یہ لفظ رافعِ اشکال ہوتا جسکا سہیلی نے روایتِ صحیح میں مذکور لفظ: (أصدق) کی بابت اظہار کیا ہے کہ لازم نہیں کہ اشعر شعر (یعنی سب سے عمدہ شعر) اصدق بھی ہو، ہاں (أصدق) لفظ کے استعمال میں بھی سوال باقی ہے کہ کیسے ہر چیز کو موصوف ببطلان کر دیا حالانکہ طاعات وعبادات بھی ہیں جو لامحالہ حق ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ شاعر کے: (ماعدا الله) کہنے سے مراد جو اللہ کی ذات، اس کی ذاتی وفعلی صفات، اسکی رحمت اور عذاب وغیرہ سے ماسوا ہیں (تو طاعات وعبادات اس کی ذات میں مندرج ہیں کیونکہ اس کے احکام کے تحت ہیں) یا شعر میں بطلان سے مراد فناء ہے تو اللہ کے سوا ہر چیز کیلئے فناء ہے، بس وہی چیزیں باقی ہونگی (مثلا جنت و دوزخ اور ثواب وعذاب) جنکا ابقاء اس کی مشیت ہے۔ بخاری کا یہاں حدیث لانا اس واقعہ کی طرف تلمیح ہے جو حضرت عثمان بن مظعون اور اس شعر کے قائل حضرت لبید بن ربیعہ کے مابین ان کے قبولِ اسلام سے قبل پیش آیا، آنجناب ان دنوں مکہ میں تھے اور قریش اسلام قبول کرنے والوں کو سخت ایذائیں دیتے تھے چنانچہ ابن اسحاق صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف عمن حدثہ عن عثمان نقل کرتے ہیں کہ جب وہ حبشہ کی ہجرتِ اولیٰ سے واپس ہوئے تو مکہ ولید بن مغیرہ کی پناہ میں داخل ہوئے، جب مشرکین کو پایا کہ مسلمانوں کو سخت تکالیف دیتے ہیں تو یہ گوارہ نہ کیا کہ وہ تو ولید کی پناہ حاصل ہونے کی وجہ سے محفوظ رہیں اور عام اھل اسلام ایذاء میں رہیں تو اس کی پناہ واپس کر دی، اس اثناء اھل مکہ کی ایک مجلس میں حاضر ہوئے جہاں مکہ آیا ہوا لبید بطورِ مہمان شاعر کے اپنا کلام پیش کر رہا تھا (اس وقت تک لبید مسلمان نہ ہوئے تھے، دور جاہلی کے دس بڑے شعراء میں ان کا شمار ہوتا ہے، اصحابِ معلقات میں سے ہیں، معلقات وہ عمدہ قصائد جنہیں ان کی جودت و براعت کے سبب خانہ کعبہ میں لکھ کر لٹکایا ہوا تھا)۔

لبید نے جب یہ شعر پڑھا: (ألا كُلُّ شيءٍ ما خلا اللهَ باطِل) تو عثمان بولے سچ کہا، لبید نے اگلا مصرعہ سنایا: (وكُلُّ نَعيمٍ لا مُحالةَ زائِل) کہ ہر نعمت ایک دن زوال پذیر ہوگی، تو عمان بولے جھوٹ، جنت کی نعمتوں کو زوال نہ آئیگا، اس پر لبید تنگ پڑے اور قریش سے بولے کب سے تمہارے ہم نشین کی توہین کی جانے لگی ہے؟ تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور حضرت عثمان کے چہرہ پر زور سے تھپڑ مارا جس سے ان کی آنکھ پھول گئی، لبید نے انہیں کہا تم ولید کی اچھی بھلی پناہ میں تھے اگر اسے واپس نہ کیا ہوتا تو یہ تمہیں تھپڑ مارنے کی جرات نہ کرتا؟ عثمان بولے میری دوسری آنکھ بھی اللہ کی راہ میں اس ایذاء کیلئے تیار ہے اور مجھے اللہ کی پناہ ہی کافی ہے، بعد ازاں لبید نے اسلام قبول کر لیا۔ انکا نسب نامہ یہ ہے: ابن ربیعہ بن عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر عامری، ثم کلابی ثم جعفری، کنیت ابوعقیل تھی، بخاری اور ابن خیثمہ وغیرھما نے صحابہ میں شمار کیا ہے، ایک دفعہ ان سے حضرت عمر نے پوچھا اسلام لانے کے بعد کے کچھ اشعار سناؤ، وہ کہنے لگے اللہ نے شعروشاعری کے بدلے مجھے سورہ بقرۃ عطا کر دی ہے (یعنی اب شعرخوانی چھوڑ دی ہے) کوفہ سکونت اختیار کر لی اور دور عثمانی میں بعمر ایک سو پچاس سال یا اس سے بھی زیادہ، فوت ہوئے، انہی کا شعر ہے: (ولقد سئِمْتُ مِن الحياة و طُولِها و سؤال هذا الناس كيف لبيد) کہ میں حیات اور طولِ حیات سے تنگ آچکا ہوں اور لوگوں کے یہ پوچھنے سے کہ لبید کیسا ہے؟ گویا بعد از اسلام پہلے کی طرح قصائد اور نظمیں نہیں کہیں البتہ ایک آدھ شعر کہہ لیا (جیسا کہ یہ شعر: الحمد

لله إذْ لَمْ يأتِنِيْ أجَلِي حتىٰ لَبِسْتُ مِن الإسلام سِربالا، یعنی اللہ کا شکر ہے کہ میری اجل نہیں آئی حتی کہ جامہ اسلام زیب تن کرلیا ہے)۔

(وكادأمية بن الصلت الخ) اس کا نام ربیعہ بن عوف بن عقدہ بن غیرہ بن عوف بن ثقیف ثقفی ہے، کنیت ابو عثمان تھی، دورِ جاہلیت میں دین کی طلب میں ادھر ادھر پھرا سابقہ کتب کو پڑھا، کہا جاتا ہے کہ نصرانیت قبول کر لی تھی، اپنے اشعار میں کثرت سے توحید اور بعث بعد الموت کے موضوعات کا ذکر کیا، کلاباذی کی رائے ہے کہ یہودیت قبول کی تھی، طبرانی نے حضرت معاویہ عن والدہٖ ابی سفیان سے نقل کیا، کہتے ہیں میں ایک مرتبہ امیہ کا ہم سفر تھا، ایک قصہ ذکر کیا (سابقہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے) اس میں ہے کہ اثنائے گفتگو عتبہ بن ربیعہ، اس کی عمر اور مقام و مرتبہ کے بارہ میں پوچھا، جب اسے بتلایا تو کہا: (أرى به ذلك) اس پر ابو سفیان کو غصہ آیا تو امیہ نے وضاحت کی کہ اس نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ ایک نبی عربوں میں مبعوث ہونے والا ہے اور اس کا زمانہ قریب ہے، مجھے امید ہے کہ وہ میں ہونگا، کہنے لگا مگر اس کی صفات میں دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ بنی عبد مناف میں سے ہوگا، کہنے لگا جب ان کے افراد میں غور کرتا ہوں تو عتبہ جیسا کوئی شخص نظر نہیں آتا، مگر پھر خیال آتا ہے کہ وہ اب چالیس سے زائد کا ہو چکا ہے اگر اس نے نبی ہونا ہوتا تو اب تک ہو چکا ہوتا، لہٰذا وہ نہیں۔

ابوسفیان کہتے ہیں بعد ازاں حضرت محمد نے اعلان نبوت کیا تو میں نے امیہ کو ان کی بابت بتلایا، کہتے لگا ہاں وہی ہیں، میں نے کہا تو پھر ان کی اتباع نہ کریں؟ کہا مجھے نسیاتِ ثقیف (یعنی خواتین) سے شرم آتی ہے، میں اب تک ان سے کہتا رہا ہوں کہ میں وہ نبیِ موعود ہونگا اب عبد مناف کے ایک چھوکرے کی اتباع کرلوں؟ ابوفرج اصفہانی لکھتے ہیں مرتے وقت کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ حنیفیت حق ہے مگر محمد کی بابت میرے دل میں شک ہے، فاکہی اور ابن مندہ ابن عباس سے راوی ہیں کہ امیہ کی بہن فارعہ نبی اکرم کے پاس آئی اور امیہ کے چند اشعار سنائے آپ نے فرمایا: (آمَنَ شِعرُہ و كفرَ قلبه) یعنی اس کے اشعار مومن ہیں مگر دل کافر، مسلم نے عمرو بن شرید سے روایت کیا، کہتے ہیں میں ایک مرتبہ آنحضرت کا ردیف تھا پوچھنے لگے کیا امیہ کے کچھ اشعار یاد ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں، تو سنانے لگا حتی کہ سو شعر سنائے، فرمایا قریب تھا کہ اپنے اشعار میں قبول اسلام کا اعلان کر دیتا، ابن مردویہ نے قوی اسناد کے ساتھ عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے کہ آیت: (وَاتْلُ عَلَيْهِم نَبأَ الَّذِي آتَيْناهُ آياتِنا فَانسَلَخَ مِنْهَا) [الأعراف : ۱۷۵] کہ اس شخص کا قصہ انہیں سنایئے جسے ہم نے اپنی آیات دیں مگر وہ ان سے پھسل پڑا، امیہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے مگر دوسرے چند طرق سے نقل کیا مشہور یہ ہے کہ اس کا مصداق بلعام اسرائیلی تھا۔ امیہ غزوۂ بدر تک زندہ تھا، کفار کے مقتولین کا مرثیہ بھی لکھا، آگے ابواب الہجرہ میں اس کا ذکر آئیگا، سن ۹ ھ کے بعد اس کا انتقال ہوا، سبط ابن الجوزی نے ۲ ھ لکھا ہے، ان کا اعتماد ابن ھشام کی ایک روایت پر ہے، اس میں ہے کہ وہ شام سے طائف اس غرض سے پہنچا کہ اپنی جمع پونجی لیکر مدینہ ہجرت کر جائے، چل پڑا، راستہ میں بدر کے مقام پر اترا وہاں کسی نے کہا جانتے ہو بدر کے اس خشک کنویں میں کون ہیں؟ کہا نہیں، اس نے بتلایا کہ اس میں تیرے ماموں کے بیٹے عتبہ اور شیبہ اور فلاں فلاں ہیں، تو اپنے کپڑے پھاڑ دئے، اونٹنی کا ناک کاٹا، رویا اور وہیں سے طائف کو واپس ہوا اور وہاں جا کر فوت ہو گیا (تو اس سے وہ سمجھے کہ لوٹنے کے فوری بعد مر گیا) مگر بقول ابن حجر اس سے لازم نہیں آتا کہ اسی برس انتقال کیا۔ کلاباذی نے غرابت کا مظاہرہ کیا جب لکھا کہ اس کی موت محاصرہ طائف کے دوران ہوئی، اگر یہ محفوظ ہے تو یہ سن ۸ ھ کا واقعہ ہے، اس کی موت کا بھی

ایک طویل قصہ ہے جسے بخاری نے اپنی تاریخ اور طبرانی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

اسے مسلم نے (الشعر) ترمذی نے (الاستئذان) اور ابن ماجہ نے (الأدب) میں نقل کیا ہے۔

3842حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ كَانَ لأَبِي بَكْرٍ غُلاَمٌ يُخْرِجُ لَهُ الْخَرَاجَ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَأْكُلُ مِنْ خَرَاجِهِ، فَجَاءَ يَوْمًا بِشَىْءٍ فَأَكَلَ مِنْهُ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ لَهُ الْغُلاَمُ تَدْرِى مَا هَذَا فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ وَمَا هُوَ قَالَ كُنْتُ تَكَهَّنْتُ لإِنْسَانٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَمَا أُحْسِنُ الْكِهَانَةَ، إِلاَّ أَنِّي خَدَعْتُهُ، فَلَقِيَنِي فَأَعْطَانِي بِذَلِكَ، فَهَذَا الَّذِى أَكَلْتَ مِنْهُ .فَأَدْخَلَ أَبُو بَكْرٍ يَدَهُ فَقَاءَ كُلَّ شَىْءٍ فِي بَطْنِهِ.

حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر کا ایک غلام تھا جو روزانہ ان کیلئے کچھ کما کر لاتا اور ابوبکر اس کے لائے ہوئے پیسے اپنی ضروریات میں خرچ کیا کرتے تھے ایک دن وہ کوئی کھانے کی چیز لایا جسے انہوں نے تناول کرلیا بعدازاں غلام نے کہا آپکو معلوم ہے یہ کیا تھا؟ کہا کیا تھا؟ کہا جاہلیت میں میں نے ایک شخص کیلئے کہانت کی تھی حالانکہ مجھے اس میں کوئی خاص درک حاصل نہیں، میں نے تو ایسے ہی انگل پچو کہہ دیا تھا، آج اتفاق سے وہ مجھے مل گیا اور اس کی اجرت کے بطور یہ کھانے کا کچھ سامان دیا جسے آپ نے تناول کیا ہے، کہتی ہیں یہ سنکر ابوبکر نے حلق میں انگلی ڈال کر سب کھایا پیا قیء کر ڈالا۔

شیخ بخاری ابن ابی اویس ہیں جو اپنے بھائی ابوبکر عبدالحمید سے راوی ہیں، یحیی سے مراد انصاری ہیں، سند کے جملہ رواۃ مدنی ہیں، اس میں روایتِ قرین عن قرین اور روایتِ اکبر عن اصغر ہے، یحیٰ عبدالرحمٰن بن قاسم سے عمر میں بڑے تھے، اسے بیہقی نے بھی الشعب میں جعفر فریابی عن احمد مقدمی کے حوالے سے انہی شیخ بخاری کے توسط سے اسی سند کے ساتھ تخریج کیا ہے مگر عبدالرحمٰن کی بجائے عبید بن عمر ذکر کیا، تو ممکن ہے یحی کے اس میں دو شیوخ ہوں۔

(کان لأبی بکر غلام) اس کا نام علم نہ ہو سکا، حضرت ابوبکر کا احرار صحابہ میں سے ایک نعیمان بن عمرو کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا تھا، عبدالرزاق نے بسند صحیح نقل کیا ہے کہ وہ ایک چشمہ پر اترے، نعیمان لوگوں سے کہنے لگا یہ ہوگا وہ ہوگا تو لوگ اس کے پاس کھانے لائے جنہیں وہ اپنے اصحاب کو پیش کر دیتا، حضرت ابوبکر نے بھی (لاعلمی میں) کھا لیا پھر کہا میں آج نعیمان کی کہانت کے عوض ملا کھانا کھاتا رہا ہوں، یہ کہہ کر حلق میں انگلی ڈالی اور قیٔ کر دی۔ الورع لأحمد میں اسماعیل عن ایوب عن ابن سیرین کے طریق سے ہے، کہتے ہیں ابوبکر کے سوا کسی اور کا علم نہیں کہ اس طرح قیٔ کی ہو، ان کے پاس ایک کھانا لایا گیا جسے تناول کر دیا پھر انگلی حلق میں ڈال کر سارا کھانا باہر نکال دیا، اس کے رجال ثقات ہیں مگر مرسل ہے، انہی کا ایک اور قصہ بھی ہے جسے یعقوب بن ابی شیبہ نے اپنی مسند میں نبیح عنزی عن ابی سعید سے نقل کیا، کہتے ہیں ہم چند رفقاء ہم سفر تھے، ایک جگہ جہاں چند گھر تھے اترے، وہاں ایک حاملہ عورت تھی ہمارے ہمراہ ایک شخص نے اس سے کہا خوش ہو جاؤ کہ تم لڑکا جنو گی، کاہنوں کی طرز پر مسجع کلام کہی، اس نے خوش ہو کر بکری ذبح کر کے ہماری ضیافت کی ہم سب مل کر کھانے لگے بعدازاں حضرت ابوبکر کو اس کا پس منظر معلوم ہوا تو سارا کھانا بذریعہ قیٔ نکال دیا۔

(یأکل من خراجہ) اسماعیلی کی ایک دیگر سند کے ساتھ اسماعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابو حازم سے روایت میں ہے

کہ یہ غلام اپنی کمائی جب ان کے پاس لیکر آتا تو پوچھا کرتے کہ کیسے کمائی؟ پھر استعمال کرتے، اس رات پوچھنا بھول گئے، تناول کر کے پھر پوچھا۔ (فأعطانی بذلك) یعنی اس کہانت کے عوض جو بھی اس کیلئے کی تھی، یہ عطا کیا۔ ابن تین کہتے ہیں حضرت ابوبکر کا یہ استقاء تنزُّھاً تھا کیونکہ امرِ جاہلیت اسلام میں موضوع کر دیا گیا تھا، اگر یہ کہانت اسلام کے عہد میں ہوئی ہوتی تو صرف قیٔ کافی نہ تھی بلکہ اسی کے مثل کھانا یا اس کی قیمت کی غرامت (چٹی) پڑتی۔ ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ قیٔ اسلئے کی کیونکہ آنجناب نے حلوانِ کاہن یعنی اس کی کمائی سے منع فرمایا ہے۔ کاھن وہ جو مستقبل کی خبریں دے، بغیر کسی دلیل شرعی کے، ظہور اسلام سے قبل اس کا بہت رواج تھا (آجکل بھی فٹ پاتھوں طوطوں والے پروفیسر حضرات یہی کام انجام دیتے نظر آتے ہیں)۔ علامہ انور (فأدخل أبوبكر يده الخ) کے تحت لکھتے ہیں اس سے ظاہر ہوا کہ انسان اگر نادانستگی میں کوئی خبیث چیز کھالے تو حضرت ابوبکر کی طرح کرے۔

3843 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَتَبَايَعُونَ لُحُومَ الْجَزُورِ إِلَى حَبَلِ الْحَبَلَةِ، قَالَ وَحَبَلُ الْحَبَلَةِ أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ مَا فِي بَطْنِهَا، ثُمَّ تَحْمِلَ الَّتِي نُتِجَتْ، فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ ذَلِكَ .طرفاه 2143، 2256۔ (ترجمہ کیلئے دیکھئے جلد سوم ص: ۴۴۸)

کتاب البیوع میں مشروحا گزر چکی ہے۔

3844 حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ قَالَ غَيْلَانُ بْنُ جَرِيرٍ كُنَّا نَأْتِي أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فَيُحَدِّثُنَا عَنِ الأَنْصَارِ وَكَانَ يَقُولُ لِي فَعَلَ قَوْمُكَ كَذَا وَكَذَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا وَفَعَلَ قَوْمُكَ كَذَا وَكَذَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا .طرفه 3776

مناقبِ انصار (اسی جلد کا سابقہ نمبر) میں گزر چکی ہے، بابِ ھذا کے ساتھ مطابقت اس کے الفاظ: (فعل قومك كذا يوم كذا) سے ہے کیونکہ محتمل ہے کہ اس سے مراد دورِ جاہلی کے بعض واقعات کی طرف اشارہ مقصود ہو، حضرت انس نے غیلان کو اس انداز سے تخاطب کیا گویا وہ انصار میں سے ہوں، حالانکہ ایسا نہیں لیکن یہ نسبت اعمّیت کے لحاظ سے ہے کیونکہ ازد میں یہ سارے قبائل مجتمع ہو جاتے ہیں۔

27 باب الْقَسَامَةُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ (دورِ جاہلیت کی قسامت کا بیان)

آگے کی احادیث بھی ایامِ جاھلیت سے ہی متعلقہ ہیں مگر فربری سے اکثر ناقلینِ صحیح بخاری نے یہاں یہ ترجمہ ثبت کیا ہے، نسفی کے نسخہ میں یہ مذکور نہیں، یہی اوجہ ہے۔

علامہ انور قسامت کی بابت لکھتے ہیں سابق ایک جگہ ہم نے اس بارے مختلف فقہی مذاہب و آراء ذکر کئے تھے جنکا حاصل یہ ہے کہ امام مالک کی رائے میں اولا مقتول کے اولیاء سے قسمیں اٹھانے کا کہا جائے گا، انکے پچاس افراد قسمیں اٹھائیں گے کہ وہی نامزد کردہ شخص قاتل ہے اگر قسمیں کھالیں تو قصاص لینے کے حقدار ہو جائینگے وگرنہ قسمیں اٹھوانے کا عمل مدعیٰ علیہ کے اولیاء کی طرف

منصرف ہو جائے گا۔ امام شافعی نے اس مسئلہ میں قصاص کا تو یکسر انکار کیا ہے وہ مطلقا ھدر ِدم (یعنی کوئی قصاص و دیت نہیں) کے قائل ہیں، اس صورت میں کہ اولیائے مقتول قسمیں اٹھانے پر راضی نہ ہوں اور مدعیٰ علیہم قسم اٹھالیں کہ انہوں نے قتل نہیں کیا اور نہ قاتل کو جانتے ہیں، جہاں تک ہمارے امام کا تعلق ہے وہ اس کی اصل پر گزرے، انہوں نے مدعی سے ابتدائے یمین کی بات نہیں کہی، اس کے ذمہ بینہ (یعنی دلیل یا کوئی گواہ) ہے اور یمین اس پر جو انکار کرے، حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں یہی فیصلہ کیا تھا، بخاری بھی اسی طرف مائل ہیں کیونکہ ان کی عادت ہے کہ سابقہ شریعتوں میں احکام و مسائل سے بھی تمسک کر لیتے ہیں، ہمارے ہاں بھی یہی مسئلہ ہے ان امور کی نسبت جنکی بابت ہماری شریعت نے کوئی حکم نہ دیا ہو اور نہ سابقہ کا نقض کیا ہو، تو زمانۂ جاہلیت میں قسامت اسی طرح کی تھی جو حنفیہ کا مختار ہے اور ہماری شریعت نے اس کے مخالف حکم پیش نہیں کیا، تو یہ روایت ہماری حجت ہے اسی لئے امام بخاری نے اسے یہاں تخریج کیا گویا وہ یہ اشارہ دے رہے ہیں کہ اسلام میں اس بابت وہی حکم باقی ہے جو زمانہ جاہلیت میں تھا۔

جہاں تک قصۂ حویصہ و محیصہ اور عبداللہ بن سہل کے خیبر میں قتل کے واقعہ کا تعلق ہے تو وہ جب قسامت کی یہاں ذکر کردہ صورت کے مخالف ہے تو اس روایت کو یہاں مخرج نہیں کیا بلکہ دوسری جگہ لائے ہیں پھر اس واقعہ میں بھی قسامت جیسا کہ سنن ابی داؤد میں باب (ترك القَود بالقسامة) کے تحت مذکور ہے، حنفیہ کے مَلحَظ پر وارد ہے، وہاں یہ سیاق ہے: (ترجمہ) رافع بن خدیج کہتے ہیں ایک انصاری خیبر میں مقتول پایا گیا اس کے وارث نبی اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کی بابت آگاہ کیا آپ نے پوچھا کیا آپ لوگوں کے پاس دو گواہ ہیں جو قتل صاحبکم کی گواہی دیں؟ (کہ فلاں نے قتل کیا) کہنے لگے یا رسول اللہ وہاں تو کوئی مسلمان نہیں تھا سب یہود ہیں اور ان سے تو اس سے بدتر کام کی بھی امید کی جاسکتی ہے، فرمایا پھر ان میں سے پچاس افراد کا انتخاب کرلو اور ان سے حلف لے لو، انہوں نے انکار کیا تب نبی پاک نے اپنی جانب سے دیت ادا کردی، انہی کی بشیر بن سیار سے روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا کوئی بینہ پیش کرو، کہنے لگے ہمارے پاس تو کوئی بینہ نہیں، فرمایا پھر وہ یہودی حلف اٹھا لیتے ہیں، کہنے لگے ہم ان کی قسموں پر راضی نہیں، تو آنجناب نے مکروہ سمجھا کہ اِن کا خون رائیگاں جائے تو صدقہ کے اونٹوں میں سے دیت ادا کردی، تو اس روایت سے ظاہر ہوا کہ خیبر کے اس قصہ میں قسامت کی وہی صورت اختیار کی گئی جو ہمارا مختار ہے، اس میں ہے کہ نبی پاک نے ھدر ِدم نہیں کیا بلکہ اپنے پاس (یعنی بیت المال) سے ادائیگیِ دیت فرمادی کیونکہ بخاری میں ہے کہ خیبر والوں کے ساتھ ان دنوں معاہدۂ صلح تھا، جب اہل خیبر نے کہہ دیا کہ یہ قتل ہم نے نہیں کیا تو ان پر دیت کو واجب نہیں کیا تا کہ اِثارتِ فتنہ نہ ہو، اگر مسئلہ ویسا ہوتا جو شافعیہ کا مختار مذہب ہے (کہ اس شکل مین ہدرِ دم ہوگا) تو اپنی طرف سے دیت ادا نہ کرتے۔

3845حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا قَطَنٌ أَبُو الْهَيْثَمِ حَدَّثَنَا أَبُو يَزِيدَ الْمَدَنِيُّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ إِنَّ أَوَّلَ قَسَامَةٍ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ لَفِينَا بَنِي هَاشِمٍ، كَانَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ اسْتَأْجَرَهُ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ مِنْ فَخِذٍ أُخْرَى، فَانْطَلَقَ مَعَهُ فِي إِبِلِهِ، فَمَرَّ رَجُلٌ بِهِ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ قَدِ انْقَطَعَتْ عُرْوَةُ جُوَالِقِهِ فَقَالَ أَغِثْنِي بِعِقَالٍ أَشُدُّ بِهِ عُرْوَةَ جُوَالِقِي، لَا تَنْفِرُ الإِبِلُ .فَأَعْطَاهُ عِقَالاً، فَشَدَّ بِهِ عُرْوَةَ جُوَالِقِهِ، فَلَمَّا نَزَلُوا عُقِلَتِ الإِبِلُ إِلَّا

بَعِيرًا وَاحِدًا، فَقَالَ الَّذِى اسْتَأْجَرَهُ مَا شَأْنُ هَذَا الْبَعِيرِ لَمْ يُعْقَلْ مِنْ بَيْنِ الإِبِلِ قَالَ لَيْسَ لَهُ عِقَالٌ .قَالَ فَأَيْنَ عِقَالُهُ قَالَ فَحَذَفَهُ بِعَصًا كَانَ فِيهَا أَجَلُهُ، فَمَرَّ بِهِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ، فَقَالَ أَتَشْهَدُ الْمَوْسِمَ قَالَ مَا أَشْهَدُ، وَرُبَّمَا شَهِدْتُهُ .قَالَ هَلْ أَنْتَ مُبْلِغٌ عَنِّى رِسَالَةً مَرَّةً مِنَ الدَّهْرِ قَالَ نَعَمْ .قَالَ فَكُنْتَ إِذَا أَنْتَ شَهِدْتَ الْمَوْسِمَ فَنَادِ يَا آلَ قُرَيْشٍ .

فَإِذَا أَجَابُوكَ، فَنَادِ يَا آلَ بَنِى هَاشِمٍ .فَإِنْ أَجَابُوكَ فَسَلْ عَنْ أَبِى طَالِبٍ، فَأَخْبِرْهُ أَنَّ فُلاَنًا قَتَلَنِى فِى عِقَالٍ، وَمَاتَ الْمُسْتَأْجَرُ، فَلَمَّا قَدِمَ الَّذِى اسْتَأْجَرَهُ أَتَاهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ مَا فَعَلَ صَاحِبُنَا قَالَ مَرِضَ، فَأَحْسَنْتُ الْقِيَامَ عَلَيْهِ، فَوَلِيتُ دَفْنَهُ .قَالَ قَدْ كَانَ أَهْلَ ذَاكَ مِنْكَ .فَمَكُثَ حِينًا، ثُمَّ إِنَّ الرَّجُلَ الَّذِى أَوْصَى إِلَيْهِ أَنْ يُبْلِغَ عَنْهُ وَافَى الْمَوْسِمَ فَقَالَ يَا آلَ قُرَيْشٍ .قَالُوا هَذِهِ قُرَيْشٌ .قَالَ يَا آلَ بَنِى هَاشِمٍ .قَالُوا هَذِهِ بَنُو هَاشِمٍ .قَالَ أَيْنَ أَبُو طَالِبٍ قَالُوا هَذَا أَبُو طَالِبٍ .قَالَ أَمَرَنِى فُلاَنٌ أَنْ أُبْلِغَكَ رِسَالَةً أَنَّ فُلاَنًا قَتَلَهُ فِى عِقَالٍ .فَأَتَاهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ لَهُ اخْتَرْ مِنَّا إِحْدَى ثَلاَثٍ، إِنْ شِئْتَ أَنْ تُؤَدِّىَ مِائَةً مِنَ الإِبِلِ، فَإِنَّكَ قَتَلْتَ صَاحِبَنَا، وَإِنْ شِئْتَ حَلَفَ خَمْسُونَ مِنْ قَوْمِكَ أَنَّكَ لَمْ تَقْتُلْهُ، فَإِنْ أَبَيْتَ قَتَلْنَاكَ بِهِ فَأَتَى قَوْمَهُ، فَقَالُوا نَحْلِفُ .فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ مِنْ بَنِى هَاشِمٍ كَانَتْ تَحْتَ رَجُلٍ مِنْهُمْ قَدْ وَلَدَتْ لَهُ .فَقَالَتْ يَا أَبَا طَالِبٍ أُحِبُّ أَنْ تُجِيزَ ابْنِى هَذَا بِرَجُلٍ مِنَ الْخَمْسِينَ وَلاَ تَصْبُرْ يَمِينَهُ حَيْثُ تُصْبَرُ الأَيْمَانُ .فَفَعَلَ فَأَتَاهُ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَالَ يَا أَبَا طَالِبٍ، أَرَدْتَ خَمْسِينَ رَجُلاً أَنْ يَحْلِفُوا مَكَانَ مِائَةٍ مِنَ الإِبِلِ، يُصِيبُ كُلَّ رَجُلٍ بَعِيرَانِ، هَذَانِ بَعِيرَانِ فَاقْبَلْهُمَا عَنِّى وَلاَ تَصْبُرْ يَمِينِى حَيْثُ تُصْبَرُ الأَيْمَانُ .فَقَبِلَهُمَا، وَجَاءَ ثَمَانِيَةٌ وَأَرْبَعُونَ فَحَلَفُوا .قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَوَالَّذِى نَفْسِى بِيَدِهِ، مَا حَالَ الْحَوْلُ وَمِنَ الثَّمَانِيَةِ وَأَرْبَعِينَ عَيْنٌ تَطْرِفُ

ابن عباس کہتے ہیں زمانۂ جاہلیت کی اولین قسامت ہم بنی ہاشم میں منعقد ہوئی، اس کا سبب یہ بنا کہ بنی ہاشم کے ایک شخص کو ایک قریشی نے اجرت پر ملازم رکھا، وہ اس کے اونٹوں کے ہمراہ چلا (یعنی ان کا نگہبان یا چرواہا مقرر ہوا) اس اثناء ایک ہاشمی کا اس سے گزر ہوا جس کی بوری کا بندھن ٹوٹ گیا تھا اس نے اس سے گزارش کی کہ اسے ایک رسی دیدے، کہنے لگا کسی اونٹ کی رسی اتار کر دیدو وہ کہیں بھاگ تو نہ جائیگا تا کہ میں اس سے اپنی بوری باندھ لوں، تو اس نے ایک رسی اسے دیدی جس سے اپنی بوری باندھ کر چلا گیا پھر جب اس ملازم اور اس کے مالک نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تو اس کی نظر بغیر رسی بندھے اس اونٹ پہ پڑھی پوچھا اس کی رسی کیا ہوئی؟ اس نے کہا اس کی رسی تھی ہی نہیں وہ بولا سچ بتاؤ رسی کہاں ہے؟ ساتھ ہی زور سے لاٹھی اسے دے ماری اس کی قضاء آئی ہوئی تھی تو وہ سخت زخمی ہو گیا (مالک بد بخت اسی حالت میں چھوڑ کر چلتا بنا) اسی حالت میں اہلِ یمن میں سے ایک شخص کا وہاں سے گزر ہوا تو وہ زخمی اس سے کہنے لگا حج کیلئے مکہ جاؤ گے؟ وہ بولا یقین سے نہیں کہہ سکتا، وہ کہنے لگا جب کبھی حج

کیلئے جاؤ، میرا ایک پیغام پہنچادو گے؟ بولا کیا؟ کہا جب وہاں جاؤ پکار کر کہنا اے آلِ قریش، جب وہ جمع ہو جائیں تو کہنا اے آلِ ہاشم، جواب ملے تو کہنا ابو طالب کون ہے؟ تو انہیں بتلانا کہ فلان نے مجھے ایک رسی کی وجہ سے قتل کر ڈالا، یہ کہہ کر وہ ملازم فوت ہوگیا، ادھر اسے اجرت میں لینے والا جب مکہ آیا تو ابو طالب نے اس سے پوچھا ہمارے بندے کو کیا ہوا؟ وہ بولا بیمار ہوگیا تھا میں نے اچھے طریقہ سے اس کا علاج کیا مگر فوت ہوگیا تو اچھے طریقہ سے اس کی تکفین و تجہیز کردی وہ کہنے لگے تجھ سے یہی امید تھی، پھر ایک زمانہ گزرا اور وہی یمنی آدمی حج کیلئے مکہ آیا، صدا دی اے آلِ قریش، وہ اکٹھے ہوئے تو بنی ہاشم کو پکارا وہ آگے ہوئے تو ابو طالب کا پوچھا، وہ آگے ہوئے تو انہیں ساری کہانی سنائی اب ابو طالب اسی شخص کے پاس آئے اور کہنے لگے تین باتوں میں سے کوئی ایک اختیار کرلو، چاہو تو (اعتراف کرکے) دیت کے سو اونٹ دیدو کیونکہ تم نے ہمارے بندے کو قتل کیا ہے، یا اگر چاہو تو تمہاری قوم کے پچاس افراد قسم دیں کہ تم قاتل نہیں ہو، وگرنہ ہم تجھے قتل کر ڈالینگے، اس کی قوم آگئی اور کہنے لگے ہم قسم دینے کو تیار ہیں، پھر بنی ہاشم کی ایک عورت آئی جو اسی قبیلہ کے ایک شخص سے بیاہی ہوئی تھی اور اس سے اس کی اولاد بھی تھی، وہ ابو طالب سے کہنے لگی میں چاہتی ہوں کہ آپ مہربانی کرکے میرے اس لڑکے کو ان پچاس آدمیوں میں معاف کردیں اور جہاں قسمیں لی جاتی ہیں اس سے وہاں قسم نہ لیں، ابو طالب نے اس کی درخواست قبول کی پھر ان میں سے ایک اور شخص آیا اور کہا اے ابو طالب آپ نے سو اونٹوں کی جگہ پچاس افراد سے قسم اٹھانے کا مطالبہ کیا ہے اسطرح ہر شخص کے ذمہ دو اونٹ آتے ہیں یہ لیں دو اونٹ اور مجھ سے قسم نہ لیں، ابو طالب نے اسے قبول کیا پھر باقی اڑتالیس افراد آئے اور قسم اٹھالی، ابن عباس کہتے ہیں اللہ کی قسم ابھی ایک برس بھی نہ گزرا تھا کہ ان اڑتالیس آدمیوں میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو آنکھ ہلاتا ہو۔ (یعنی سب وبال کا شکار ہوگئے)

قطن سے مراد ابن کعب قطعی بصری ہیں، سب کے نزدیک ثقہ ہیں، انکے شیخ بھی بصری ہیں انہیں مدنی کے ساتھ ساتھ مدینی بھی لکھا جاتا ہے شائد اصلاً مدینہ کے ہوں مگر اہل مدینہ میں سے کسی روای کی ان سے روایت نہیں، امام مالک سے ان کے بارہ میں پوچھا گیا مگر ان کا نام وغیرہ اور شخصیت سے عدم واقف تھے، ابن معین وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے دونوں استاذ شاگرد کی بخاری میں یہی ایک روایت ہے۔

(إن أول قسامة) عرفِ شرع میں قسامت تہمتِ قتل پر لیا گیا برائے اثبات یا برائے نفی، حلف ہے، کہا گیا ہے کہ حالفین پر قسمتِ اَیمان سے ماخوذ ہے، اس کے حکم کی بابت اختلاف کا کتاب الدیات میں ذکر ہوگا۔ (لفینا بنی ہاشم) لام برائے تو کید اور بنی ضمیرِ مجرور سے مجرور علی البدل ہے، منصوب علی التمیز ہونا بھی محتمل ہے یا نداء پر اسطرح کہ حرفِ نداء محذوف مانا جائے۔

(کان رجل من بنی ہاشم الخ) یہ عمرو بن علقمہ بن مطلب بن عبد مناف تھا، زبیر بن بکار نے یہی واقعہ بیان کرتے ہوئے جزم کے ساتھ ان کا نام ذکر کیا، یہاں بنی ہاشم کی طرف مجازاً منسوب کردیا کیونکہ ان دونوں شاخوں کا باہمی ربط و مودت اور مواخات و مناصرت کافی تھا، ابن کلبی نے اس کا نام عامر ذکر کیا ہے۔ (استأ جرہ رجل الخ) زبیر نے جزم کے ساتھ اس کا نام خداش بن عبد اللہ بن ابی قیس عامری ذکر کیا ہے۔ (عروة جوالقه) جوالق چمڑے، کپڑے یا کسی اور چیز سے بنے ہوئے وعاء کو کہتے ہیں، فارسی معرب ہے اصلاً گوالہ ہے، اس کی جمع جوالیق ہے، جوالق بھی محکی ہے۔

(فأین عقاله فحذفه) کچھ کلام محذوف ہے وہی جسکا ذکر سابقہ سطور میں ہو چکا۔

(فمات) یعنی موت کے قریب ہوا، تبھی گزرنے والے کو وصیت کی کہ مکہ میں جب جانا ہو ابو طالب کو سارے واقعہ سے آگاہ کر دینا۔

(من أبوطالب) نسخۂ کشمیہنی میں (أين أبو طالب) ہے، ابن کلبی نے اپنی روایت میں مزید یہ بھی بیان کیا کہ خداش بھی اس موقع پر موجود طوافِ کعبہ کر رہا تھا، اسے فوری طور سے اس واقعہ کا علم نہ ہوا حتی کہ بنی ھاشم کے کچھ افراد نے اسے جا پکڑا اور مارنے لگے اور کہا تم نے ہمارے بندے کو مار ڈالا، وہ انکار کرنے لگا۔ (اخترمنا إحدىٰ ثلاث) محتمل ہے اس قسم کے حالات میں یہ تین صورتیں ان کے ہاں معروف ہوں یا ممکن ہے یہ ابو طالب کے ذہن کی اختراع ہوں، ابن تین لکھتے ہیں کہیں منقول نہیں کہ اس بابت بنی ہاشم نے باہم مشورہ کیا اور یہ صورتیں اختیار کیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ قسامت سے واقف تھے، بقول ابن حجر ان کی بات محلِ نظر ہے کیونکہ ابن عباس اسے اول قسامۃ قرار دے رہے ہیں البتہ احتمال ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ واقعہ اولاً یہی پیش آیا اگرچہ اس قسم کی صورتحال میں حکم ان کے ہاں معروف تھا، زبیر نقل کرتے ہیں کہ وہ اپنا مسئلہ ولید بن مغیرہ کے پاس لیکر گئے تھے اس نے فیصلہ دیا تھا کہ بنی عامر کے پچاس افراد کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر قسم دیں کہ خداش نے قتل نہیں کیا، اس سے مطلقاً اولیت کا ثبوت ملتا ہے۔

(امرأة من بني ہاشم) یہ زینب بنت علقمہ، مقتول کی بہن تھیں۔ (كانت تحت رجل الخ) یہ عبدالعزی بن ابو قیس عامری تھا، اس سے اس کا بیٹا حویطب تھا، زبیر نے یہ ذکر کیا ہے، حویطب اس کے بعد لمبا عرصہ زندہ رہے، صحابی بنے کتاب الأحکام میں ان سے ایک روایت آئیگی، بنی ہاشم کی طرف اس خاتون کی نسبت مجازی ہے، تقدیر یہ ہے کہ بنی ہاشم کے ایک شخص کی زوجہ تھی۔ (فولدت له ولدا) سے محتمل ہے کہ غیرِ حویطب کوئی اور بیٹا مراد ہو۔ (ولا تصبر يمينه) صبر کا اصل معنی حبس ومنع ہے، قسموں کے ضمن میں اس سے مرادِ الزام ہے (یعنی کسی کے ذمہ قسم اٹھانے کو لازم کرنا)۔ (حيث تصبر الأيمان) یعنی رکن و مقام کے درمیان، ابن تین لکھتے ہیں یہاں سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے کہ رکن و مقام کے درمیان نصابِ زکات یعنی بیس دینار سے کم کے کسی معاملہ میں حلف اٹھانے کو نہ کہا جائے، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ مجھے نہیں علم یہ استدلال کیونکر مستقیم ہے، اصحابِ شافعی میں سے کسی نے ذکر نہیں کیا کہ شافعی اس قصہ سے یہ مذکورہ استدلال کرتے ہیں۔ (فأتاه رجل منهم) اس کا نام یا ان پچاس میں سے کسی دیگر شخص کا نام ماسوا انکے جنکا ذکر گزرا، معلوم نہیں، ابن کلبی مزید لکھتے ہیں بعد ازاں باقیوں نے رکن کے پاس قسم اٹھا دی کہ خداش دمِ مقتول سے بری ہے۔ (فوالذي نفسي بيده) ابن تین رقم طراز ہیں گویا ابن عباس کو یہ قصہ سنانے والے کئی افراد ہیں تبھی ان کے صدق سے مطمئن ہو کر یہ قسم اٹھا دی ہے بقول ابن حجر مراد یہ کہ وہ اس وقوعہ کے وقت پیدا نہیں ہوئے تھے، یہ بھی محتمل ہے کہ نبی اکرم نے انہیں یہ قصہ سنایا ہو، تبھی یہ روایت صحیح بخاری میں تخریج کی ہے۔

(ومن الثمانية الخ) ابوذر کے نسخہ میں (وفي الثمانية) اور اصیلی کے ہاں (والأربعين) ہے، ابن کلبی نے یہ اضافہ بھی کیا ہے: (وصارت رباع الجميع لِحويطب فبذلك كان أكثر مَن بمكة رباعا) کہ ان سب کے رباع (یعنی احاطے) حویطب کے ہو گئے اور اسطرح اہل مکہ میں سب سے کثیر رباع والے بن گئے۔ فاکہی نے ابن ابی نجیح عن أبیہ سے نقل کیا ہے کہ بعض افراد نے بیت اللہ کے پاس قسامت کا جھوٹا حلف اٹھایا پھر نکل کر اثنائے راہ ایک چٹان کے نیچے پہنچے تو وہ ان پر گر پڑی، طاؤس کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جاہلیت میں ایک لونڈی حرم میں پناہ گزین ہوئی، اس کے آقا نے آ کر اسے کھینچا تو فوراً اسکا ہاتھ مفلوج ہو گیا، حضرت عمر کہا کرتے تھے جاہلیت میں یہ واقعات اسلئے ہوتے تھے تا کہ لوگ ظلم سے باز رہیں کیونکہ قیامت کے روز کے

حساب وکتاب پر ان کا اعتقاد نہ تھا، اسلام نے آ کر قصاص (یعنی وہ ظلم وزیادتی جو عدالت میں پیش یا ثابت نہ ہو سکے) کو قیامت تک مؤخر کو دیا، علامہ انور روایت کے بعض الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے (ولا تصبر یمینی) کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ یمینِ صبر وہ ہے جو حکومت کی جانب سے مدعیٰ علیہ پر لازم قرار دیجائے، اسے صبر اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ اس پر مجبور کیا جاتا ہے۔

اسے نسائی نے (القسامة) میں تخریج کیا ہے۔

3846حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ كَانَ يَوْمُ بُعَاثٍ يَوْمًا قَدَّمَهُ اللَّهُ لِرَسُولِهِ ﷺ، فَقَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَدِ افْتَرَقَ مَلَؤُهُمْ، وَقُتِّلَتْ سَرَوَاتُهُمْ وَجُرِّحُوا قَدَّمَهُ اللَّهُ لِرَسُولِهِ ﷺ فِي دُخُولِهِمْ فِي الإِسْلاَمِ .طرفاه 3777، 3930۔ (اسی کا سابقہ نمبر)

ہشام سے مراد ابن عروہ ہیں، یومِ بعاث کا تذکرہ مناقبِ انصار میں گزر چکا ہے، راجح یہ ہے کہ بعثت سے قبل یہ جنگ ہوئی تھی۔

3847وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنَا عَمْرٌو عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الأَشَجِّ أَنَّ كُرَيْبًا مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ حَدَّثَهُ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ لَيْسَ السَّعْىُ بِبَطْنِ الْوَادِي بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سُنَّةً، إِنَّمَا كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَسْعَوْنَهَا وَيَقُولُونَ لاَ نُجِيزُ الْبَطْحَاءَ إِلاَّ شَدًّا

ابن عباس کہتے تھے کہ صفا ومروہ کے درمیان نالے میں زور زور سے بھاگنا سنت نہیں، اہلِ جاہلیت یہاں زور سے بھاگتے اور کہتے کہ ہم تو اس پتھریلی جگہ کو دوڑ کر ہی پار کرینگے۔

(قال ابن وهب الخ) اسے ابونعیم نے المستخرج میں موصول کیا ہے۔ (سنة) ابن تین لکھتے ہیں ابن عباس کی یہ کہنے میں مخالفت کی گئی ہے بلکہ انہوں نے اسے فرض قرار دیا ہے، ابن حجر کہتے ہیں ابن عباس نے اصلِ سعی کا رد نہیں کیا بلکہ ان کی مراد زیادہ تیز بھاگنے سے ہے، یہ فرض نہیں، احادیث الأنبیاء میں قصہِ ہاجرؑ میں ذکر ہوا تھا کہ اس کی ابتدا ان سے ہوئی تھی، اس روایت کے راوی بھی ابن عباس ہیں لہٰذا یہاں اس کا مبدا اہلِ جاہلیت سے قرار دینے سے ان کی مراد شدتِ عَدْو (یعنی بہت تیز بھاگنا) ہے، ہاں اگر (لیس بسنة) سے ان کی مراد عدمِ استحباب ہے تب جمہور ان کے اس میں مخالف ہیں، اس کی نظیر انکا طواف میں رمل کے استحباب کا انکار ہے، یہ بھی محتمل ہے کہ سنت سے مراد شرعی طریقہ ہو جسکا کثیر اوقات مفروض پر اطلاق ہوتا ہے انہوں نے اہلِ اصول کی اصطلاح کے مطابق سنت کے لفظ کا استعمال نہ کیا ہو، اصولیوں کی اصطلاح میں سنت وہ امر جسکی دلیلِ مطلوبیت ثابت ہے مگر تارک گناہگار نہیں۔ (لا نجیز) نون کی پیش کے ساتھ، ای (لا نقطع)، بطحاء مسیلِ وادی کو کہتے ہیں (یعنی سیلابی گزرگاہ)، جزتُ الموضعَ کہا جاتا ہے جب اس جگہ میں چلے جبکہ أجزتُ الموضع، کا مفہوم ہے اسے پیچھے چھوڑ آنا (یعنی اس سے گزر کر آگے جانا) بعض نے دونوں کو ہم معنی قرار دیا ہے۔

3848حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ أَخْبَرَنَا مُطَرِّفٌ سَمِعْتُ أَبَا السَّفَرِ يَقُولُ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ ؓ يَقُولُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ، اسْمَعُوا مِنِّي مَا أَقُولُ لَكُمْ وَأَسْمِعُونِي مَا تَقُولُونَ، وَلاَ تَذْهَبُوا فَتَقُولُوا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ فَلْيَطُفْ مِنْ

وَرَاءِ الۡحِجۡرِ، وَلَا تَقُولُوا الۡحَطِيمُ، فَإِنَّ الرَّجُلَ فِي الۡجَاهِلِيَّةِ كَانَ يَحۡلِفُ فَيُلۡقِي سَوۡطَهُ أَوۡ نَعۡلَهُ أَوۡ قَوۡسَهُ

راوی کہتے ہیں ابن عباس کو یہ کہتے سنا اے لوگو سنو جو میں کہتا ہوں اور جو کچھ سمجھو وہ مجھے سنا کر جاؤ، یہ نہ ہو کہ سمجھو نہیں اور کہتے پھرو ابن عباس نے یہ کہا ہے ابن عباس نے یہ کہا ہے، جو شخص بیت اللہ کا طواف کرے تو وہ حطیم کے پیچھے سے کرے اور حطیم نہ کہا کرو، کہ یہ جاہلیت کا نام ہے اس وقت جب لوگ قسم کھاتے تو یہاں اپنا کوڑا، جوتا یا کمان پھینک دیتے (تا کہ قسم کی نشانی ہو)۔

مطرف سے مراد ابن طریف کوفی ہیں جبکہ ابو السفر کا نام سعید بن محمد ہے یہ بھی کوفی ہیں۔ (وأسمعونی) ھمزۂ قطعی کے ساتھ، یعنی میری ذکر کردہ تعلیمات میرے سامنے دھراؤ تا کہ اطمینان ہو کہ یاد کر لیا ہے اور خلاف ما قبل مفہوم از بر نہیں کیا۔ (من وراء الحجر) ابن ابی عمر عن سفیان کی روایت میں (الحجر) کی بجائے (الجدر) ہے، اس سے بھی مراد الحجر ہی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ حجرِ اسود کی جہت میں جو دیوار ہے وہ داخلِ کعبہ کا حصہ ہے، اوائل کتاب الحج میں کعبہ کی مقدار کا بیان گزر چکا ہے۔ (ولا تقولوا الحطیم) سعید بن منصور کی خدیج بن معاویہ عن ابی اسحاق عن ابی السفر سے روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے کہا: (ما الحطیم؟) حطیم کیا ہے؟ ابن عباس نے کہا: (إنه لا حطیم کان الرجل۔۔ الخ) ابو نعیم کی المستخرج میں خالد طحان عن مطرف سے روایت میں ہے کہ کہ اھل جاہلیت حجر کو حطیم کا نام دیتے تھے، اس میں قریش کے اصنام رکھے ہوئے تھے، فاکہی کی یونس بن ابو اسحاق عن ابی السفر سے روایت میں بھی یہی ہے، مزید یہ بھی کہ جب کوئی وہاں حلف اٹھانا چاہتا تو اپنی محجن ڈالتا پھر حلف اٹھاتا، جو طواف کرے وہ اس کے پیچھے سے چکر لگائے۔

(کان یحلف) خالد طحان کی روایت میں (کان إذا حلف) لامِ مشدد کے ساتھ مجہول کا صیغہ ہے مگر اول اوجہ ہے، مفہوم یہ کہ جب ایک دوسرے سے قسمیں اٹھواتے تو حلیف حطیم والی جگہ کے اندر اپنا جوتا، کوڑا، کمان یا عصا اس علامت کے طور پر ڈالتا کہ وہ حلف اٹھانے لگا ہے تو اس وجہ سے اسے حطیم کہنے لگے کیونکہ یہ ان کی امتعہ کو تحطیم کر دیتا تھا، فعیل بمعنی فاعل ہے، یہ بھی محتمل ہے کہ ایسا تب کرتے جب کسی شیٔ کی نفی پر حلف اٹھانا مقصود ہوتا، بعض نے وجہِ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ یہاں آ کر مظلوم ظالم کے خلاف بددعا کرتا تو وہ ہلاک ہو جاتا تھا۔ ابن کلبی کہتے ہیں اس وجہ سے حطیم کا نام پڑا کہ خرچ کم ہونے کی وجہ سے یہ جگہ تعمیر سے خارج کر دی، اس پر فعیل بمعنی مفعول ہوگا، یا اس وجہ سے کہ لوگ یہاں دعا کے وقت دھکم پیل کرتے تھے یعنی (یحطم بعضھم بعضا)۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں کعبہ کا وہ کنواں تھا جس میں کعبہ کو دئے جانے والے تحائف ڈالے جاتے تھے (یعنی خشک کنواں، تا کہ ان تحائف کی حفاظت ہو سکے (توفیق جلد اول میں گزرا کہ ایک دفعہ زمانۂ جاہلیت میں چوروں نے اس مال پر ہاتھ صاف کر دیا تھا) یہ بیت اللہ کا حصہ ہے۔

اسماعیلی اور برقانی کے ہاں اسی روایتِ ابن عباس میں مزید یہ بھی ہے کہ کسی نابالغ نے اگر اپنے اھل کے ساتھ حج کر لیا تو وہ حج تو ادا ہوا مگر بالغ ہونے پر اسکے ذمہ فرضی حج ابھی باقی ہے، اسی طرح وہ غلام بھی جسنے اپنے آقا کے ساتھ حج کیا، بخاری کے ہاں بھی غیر صحیح بخاری میں یہ زیادت موجود ہے، یہاں عمداً حذف کی ہے کیونکہ ترجمۂ ھذا سے غیر متعلق اور پھر موقوف ہے، اول حصہ بھی اگرچہ موقوف ہے مگر غرضِ ترجمہ حاصل ہے کہ ابن عباس زمانۂ جاہلیت کے ایک معمول کا حوالہ دے رہے ہیں جسے آنجناب نے بھی دیکھا

ہوگا، تو آگے آپ کے دو معمول ہوتے تھے، اسکا اقرار (یعنی ثابت رکھنا) یا انکار، یہاں اس معمول کا انکار ثابت نہیں لہٰذا اس کی مشروعیت مستمر ہے اس لحاظ سے یہ مرفوع کے حکم میں ہے، اگرچہ ابن عباس اسکے منکر ہیں مگر شرع ان کے برخلاف ہے (یعنی اگر ان کی مراد مطلق تیز چلنا لیا جائے)۔

علامہ انور (ولا تقولوا الحطیم) کے تحت رقم طراز ہیں اسے حطیم اس وجہ سے کہا گیا کہ یہ بیت سے محطم (یعنی نکالا ہوا) ہے اور اسلئے بھی کہ اھل جاہلیت کی عادت تھی کہ جب کسی معاملہ میں حلف اٹھاتے تو یہاں کوئی چیز گرا دیتے اور جب تک حلف پورا نہ کر لیتے اسے نہ اٹھاتے، راوی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں، اسی لئے انہیں حطیم کہنے سے منع کیا البتہ سلف نے اس امر پر ان کی پیروی نہیں کی اور بغیر کسی نکیر کے یہ لفظ استعمال کیا (اب بھی مستعمل ہے)۔

3849حَدَّثَنَا نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ قَالَ رَأَيْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ قِرْدَةً اجْتَمَعَ عَلَيْهَا قِرَدَةٌ قَدْ زَنَتْ، فَرَجَمُوهَا فَرَجَمْتُهَا مَعَهُمْ

- عمرو بن میمون کہتے ہیں میں نے عہدِ جاہلی میں دیکھا کہ کچھ بندر ایک بندریا کے گرد جمع ہیں جس نے زنا کیا تھا تو اسے رجم کر دیا میں بھی رجم کرنے میں شریک ہوا۔ ابن عباس کہتے تھے جاہلیت کی عادات میں سے یہ بھی تھا کہ نسب میں طعن کیا جاتا اور نوحہ کیا جاتا، راوی تیسری عادت کا ذکر بھول گئے، سفیان کہتے ہیں اور کہا یہ تیسری ستاروں کو بارش کی علت سمجھنا تھا۔

بعض نسخوں میں نعیم یہاں غیر منسوب ہیں، یہ مروزی نزیلِ مصر ہیں بخاری نے کم ہی ان سے موصولا روایات لی ہیں بلکہ اکثر ان سے بصیغۂ تعلیق نقل کیا ہے، قابسی کے نسخہ میں: (حدثنا أبو نعیم) ہے، بعض نے اسے درست قرار دیا مگر یہ غلط ہے۔ (رأیت فی الجاھلیة الخ) پہلا قردہ قافِ مکسور اور رائے ساکن کے ساتھ قرود کی واحدۃ ہے، دوسرا قردۃ رائے مفتوح کے ساتھ قرد کی جمع ہے، اسماعیلی نے یہ قصہ ایک دیگر سند کے ساتھ مطولا عیسی بن حطان عن عمرو بن میمون کے طریق سے نقل کیا ہے، کہتے ہیں میں یمن میں ایک بلند جگہ اپنے گھر والوں کا ریوڑ لئے ہوئے تھا کہ ایک بندر ایک بندریا کے ساتھ اس کے بازو پر سر رکھے سویا پایا اتنے میں ایک نوجوان بندر آیا اور بندریا کو اشارہ کیا، اس نے چپکے سے اپنا بازو نکالا اور اسکے پیچھے چل دی، کہتے ہیں میں دیکھ رہا تھا کہ اس نے اس کے ساتھ زنا کیا پھر وہ لوٹ آئی اور اسی طرح اپنا بازو پہلے بندر (جو اس کا شوہر ہوگا) کے رخسار کے نیچے نرمی سے ڈال دیا، وہ گھبرا کر اٹھا، اسے سونگھا پھر چیخنے لگا جس پر بندر جمع ہو گئے، وہ چیختا جا رہا اور ہاتھ سے اشارہ کر رہا تھا، جمع ہونے والے بندر دائیں بائیں گئے اور اس بندر کو لے آئے، میں نے اسے پہچان لیا دونوں کیلئے ایک گڑھا کھودا اور پھر اس میں ڈال کر رجم کر دیا تو اس طرح غیرِ بنی آدم میں بھی رجم موجود ہے۔

ابن تین لکھتے ہیں شائد یہ بندر ان یہودیوں کی نسل سے تھے جو مسخ کر دئے گئے تھے (جن کا واقعہ نویں پارہ میں بیان کیا گیا ہے) اسی لئے رجم کا حکم ان میں موجود و معروف رہا، پھر لکھتے ہیں مگر مسخ کر کے جنہیں بندر بنایا گیا تھا ان کی نسل نہیں چلی تھی۔ بقول ابن حجر یہی معتمد ہے (کہ ان کی نسل نہیں چلی) کیونکہ مسلم کی روایت میں ہے: (إن الممسوخ لا نسلَ له) کہ مسخ کئے گئے کی نسل نہیں چلتی، انہی کی ابن مسعود سے روایت میں ہے: (إن الله لم یھلك قوما فیجعل لھم نسلا) اللہ تعالی کی سنت یہ نہیں کہ کسی قوم کو ہلاک کرے پھر آگے ان کی نسل بھی چلائے، ابو اسحاق زجاج اور ابو بکر بن العربی یہ رائے رکھتے ہیں کہ بندر دنیا میں انہی یہودیوں کی

نسل ہیں جو مسخ کر دیئے گئے تھے (اسلام آباد کے ایک ڈاکٹر جو طبِ یونانی، ہومیو پیتھک اور چینی طرز علاج جس میں سوئیاں استعمال کی جاتی ہیں، کے ماہر ہیں، بھی یہی رائے رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں اسکی دلیل یہ ہے کہ تجربات کے مطابق دنیا کا کوئی اور جانور ایسا نہیں جس کے اندر کا نظام انسانی نظام سے مشابہ ہو اور یورپ میں بندر کے جگر کی انسانی جسم میں پیوند کاری کا تجربہ کامیاب ہوا ہے)۔ بقول ابن حجر یہ شاذ رائے ہے البتہ ان کی دلیل وحجت بھی مسلم کی ایک روایت ہے جس میں ہے کہ آنجناب کے پاس گوہ لائی گئی تو فرمایا شائد یہ ان بعض قوموں کی نسل سے ہے جو مسخ کر دی گئیں، چوہوں کے بارہ میں فرمایا تھا بنی اسرائیل کی ایک پوری قوم گم پائی گئی، میرا خیال ہے کہ وہ چوہے بنا دیئے گئے تھے۔

جمہور نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ آنجناب نے یہ باتیں اولا کہی تھیں اسی لئے صیغۂ جزم استعمال نہیں فرمایا بخلاف نفی والی روایت کے کہ اس میں جزم کا صیغہ ہے تو ممکن ہے بعد میں وحی کے ذریعہ یہ بتلا دیا گیا ہو! ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ان حقیقی بندروں کے آباء و اجداد نے ان انسانوں کی معاشرت سے جنہیں بندر بنایا گیا، یہ بعض افعال وعادات سیکھ لی ہوں، بندر بقیہ تمام جانوروں کی نسبت اس لحاظ سے ذہین وفطین ہے کہ بہت جلد سیکھ جاتا ہے اور نقالی کرنے کا ماہر ہے، اسکی عادات میں سے ہے کہ ہنساتا اور خوش کرتا ہے اسمیں وہی انسانوں جیسی غیرت ہوتی ہے کوئی اس کی بیوی کو چھیڑے تو سخت غصے کا اظہار کرتا ہے، دو پاؤں پہ بھی چل سکتا ہے اگرچہ مستقل طور پر ایسا نہیں کرسکتا، انسانوں کی طرح ہاتھ استعمال کرتا ہے اور انہی کی طرح اس کی انگلیوں کے پورے اور ناخن ہیں اسی طرح پلکیں بھی۔

ابن عبد البر نے اس قصۂ عمرو بن میمون کا انکار کیا، لکھتے ہیں بندر تو مکلَّف نہیں پھر رجم کا کیا معنی؟ اہل علم کے نزدیک جانوروں پر اقامتِ حدود نہیں، کہتے ہیں اگر سنداً یہ روایت ثابت ہے تو مذکورہ بندر دراصل جن ہوں گے کیونکہ وہ جملۂ مکلَّفین میں سے ہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں انہوں نے یہ بات اسلئے کہی ہے کہ ان کے پیش نظر صرف اسماعیلی کا طریق تھا، جوابا کہا گیا ہے کہ زنا و رجم کے الفاظ کے استعمال کا یہ مطلب نہیں کہ بعینہ وہی صورتِ زنا و رجم وقوع پذیر ہوئی ہوگی جو انسانوں میں ہوتی ہے، مشابہت کی وجہ سے ان الفاظ کا استعمال کیا لہٰذا یہ حیوانات کے مکلف ہونے کا مسئلہ نہیں، حمیدی نے نہایت غریب بات کہہ دی جب لکھا کہ یہ روایت بخاری کے بعض نسخوں میں نہیں تو شاید ان روایات میں سے ہے جو کتابِ بخاری میں مقحم ہیں (یعنی بعد والوں نے داخل کر دیں) مگر ان کی یہ بات مردود ہے، یہ روایت ہمارے زیرِ مطالعہ اکثر اصول میں موجود ہے، اکیلے ابو ذر کا اپنے تین متقن شیوخ کے حوالے سے فربری سے اسکا نقل کرنا ہی حجت ہے اسی طرح اسماعیلی اور ابو نعیم کا بھی اپنی اپنی مستخرج میں، اسی طرح ابو مسعود کا اطراف میں، البتہ نسفی کے نسخہ سے ساقط ہے، اگلی روایت بھی، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فربری سے منقول نہیں، ان کے حوالے سے منقولہ متعدد روایات نسفی کے مسودۂ صحیح بخاری سے زائد ہیں جنکی طرف ان کے مواضع میں اشارہ کر دیا گیا ہے، جہاں تک ان کا کہنا کہ صحیح بخاری میں کئی روایات مقحم ہیں تو یہ بات علماء کے اس قول کے منافی ہے کہ بخاری میں موجود تمام روایات صحیح ہیں، اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ اس میں موجود سبھی روایات کی امام بخاری کی طرف نسبت درست ہے انکی یہ بات ایک تخیلِ فاسد سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی کہ اس سے تمام روایات میں شک کیا جا سکتا ہے، بخاری نے جو طریق ذکر کیا ہے وہ ابن عبد البر کے اسماعیلی کے طریق کی تضعیف کیلئے دافع ہے۔

جانوروں کے بارہ میں اس قسم کے کئی واقعات ہیں، ایک واقعہ ابو عبیدہ معمر بن مثنی نے اپنی کتاب الخیل میں اوزاعی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک گھوڑا (نادانستگی میں) اپنی والدہ گھوڑی پر جفتی کرایا گیا پہلے تو نہ ہوتا تھا پھر گھوڑی کو سجایا گیا تب ہوگیا پھر بعد

ازاں جب اپنی والدہ کی خوشبو سونگھی تو ندامت میں دانتوں کے ساتھ اپنا آلہِ تناسل کاٹ کر پھینک دیا، جب گھوڑوں میں جو فہم وذکاء میں بندروں سے خاصے پیچھے ہیں، اس قسم کا واقعہ ہو سکتا ہے تو بندروں میں کیا عجب ہے؟۔ علامہ انور لکھتے ہیں ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا، اسی طرح مسلم کی دو روایتیں بھی، اصحابِ طبقات نے ذکر کیا ہے کہ ابن جوزی عجلت کی سواریوں کے سوار تھے، اسی وجہ سے کثیر غلطیاں کی ہیں، میں نے ان میں ایک اور مصیبت بھی دیکھی ہے وہ یہ کہ ان صحیح احادیث کو بھی رد کر دیتے ہیں جو ان کی عقل وسمجھ کے مخالف ہوں جیسے یہ حدیثِ باب، ان کی فہم میں یہ بات نہ آسکی کہ بندریا کیونکر زانیہ ہو سکتی ہے (جیسے مولانا مودودی مرحوم کی فہم میں یہ بات نہ آسکی کہ کیسے ایک شخص ایک رات میں سو بیویوں سے جماع کر سکتا ہے؟ وہ وقت کا حساب وکتاب کرنے بیٹھ گئے کہ اگر ایک بیوی کو دس منٹ ۔۔۔۔ الخ لہٰذا حضرت سلیمان والی حدیث کا انکار کر دیا، یہ نہ سمجھ پائے کہ کسی عام شخص کی بات نہیں ہو رہی، وہ اللہ کے ایک نبی تھے اور طیِ زمان ومکان کا معجزہ وکرامت ایک امرِ مشاہد ہے، اب بھی اس کا صدور ہوتا ہے) زنا تو انسان کی خصلت ہے! میں کہتا ہوں ان کی بات مہمل ہے، آج بندروں سے ایسے افعال ثابت ومشاہد ہیں جو ان کی ذہانت وفطانت پر دال ہیں ان کے قصے مشہور ہیں ہر دو کانوں والا ان پر تعجب کرتا ہے، آج تو اھل امریکہ نے بندروں کی بولی بھی مدون کر لی ہے تو رجم میں کیا استبعاد ہو سکتا ہے؟ سیوطی نے اللآلی المصنوعہ میں ان کے اس حکمِ وضع کو غلو قرار دیا ہے وہ اسی طرح اپنی شدت میں مشہور ہیں جیسے حاکم تصحیح احادیث کی نسبت اپنے تساھل میں، اسلئے محدثین نے ابن جوزی کی جرح اور حاکم کی تصحیح کو قابلِ اعتناء نہیں سمجھا مگر وہی جو ان کے ہاں بھی ثابت ہو۔ حاشیہ میں مولانا بدر عالم لکھتے ہیں ایک جاننے والے نے واقعہ سنایا کہ ایک جنگل میں جا رہا تھا کہ ایک بندریا پہ نظر پڑی جس کی گردن میں رسی تھی وہ ایک ٹہنی کے ساتھ پھانسی پانے کے انداز میں لٹک گئی، اتنے میں ایک اور بندریا آ گئی جس نے جلدی سے رسی کھولی پھر اس کے گرد پھرنے لگی جیسے کچھ سوچ رہی ہو پھر ایک طرف چلی گئی، واپس آئی تو ایک بڑی اور جسیم بندریا کو اٹھائے ہوئی تھی جس نے آکر سب سے پہلے اس پھانسی لینے والی بندریا کی نبض ٹٹولی پھر دوسری کے ہمراہ ایک طرف چلی گئی، واپس آئی تو اس کے ہاتھ کچھ جڑی بوٹیاں تھیں، کچھ کو اسکے ناک میں داخل کیا اور کچھ اس کے منہ میں، تھوڑی دیر بعد بظاہر مری پڑی بندریا اٹھ کر بیٹھ گئی پھر ایک طرف چلی گئی۔

3850 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ خِلاَلٌ مِنْ خِلاَلِ الْجَاهِلِيَّةِ الطَّعْنُ فِي الأَنْسَابِ وَالنِّيَاحَةُ، وَنَسِيَ الثَّالِثَةَ، قَالَ سُفْيَانُ وَيَقُولُونَ إِنَّهَا الاِسْتِسْقَاءُ بِالأَنْوَاءِ

ابن عباس کا قول ہے کہ جاہلیت کی خصال میں سے طعن فی انساب، نوحہ کرنا اور تیسری راوی بھول گئے، سفیان کہتے ہیں لوگ کہتے ہیں تیسی خصلت ستاروں سے بارش مانگنا ہے۔

عبید اللہ سے مراد ابن ابی یزید مکی ہیں۔ (ونسی الثالثة) ابن ابی عمر کی سفیان سے روایت میں ہے: (ونسی عبید اللہ الخ) اسے اسماعیلی نے تخریج کیا۔ (و یقولون إنها الخ) یعنی یہ کہتے ہیں: (مطرنا بنوء كذا) کتاب الاستقاء میں اس کی شرح گزر چکی ہے، عبد الجبار بن علاء عن سفیان کی روایت میں (و نسی الثالثه) کی بجائے (والتفاخر بالأنساب) ہے، اسی طرح ابونعیم کے ہاں شریح بن یونس عن سفیان کی روایت میں اس کی بجائے (والأنواء) ہے، دونوں لفظ وہم ہیں۔ ایک حدیثِ انس میں جسے

ابو یعلی نے بسندِ قوی نقل کیا، یہ تین مذکور ہیں: طعن فی الأنساب، نیاحۃ اور استسقاء۔ ایک اور طریق کے ساتھ ابن عباس سے چار خصال کا ذکر ہے، اسے ابن عدی نے عمر بن راشد عن یحیی بن أبی کثیر عن عکرمۃ عنہ تخریج کیا ہے، اس بارے محفوظ وہ روایت ہے جسے مسلم اور ابن حبان وغیرھما نے ابان بن یزید وغیرہ کے حوالے سے یحیٰ بن أبو کثیر عن زید بن سلام عن أبی سلام عن أبی مالک أشعری مرفوعاً نقل کیا، اس کے الفاظ یہ ہیں: (أربع فی أمتی من أمر الجاهلیه لا یترکو نهن : الفخر فی الأنساب والطعن فی الأنساب والاستسقاء بالأنواء والنیاحة) کہ میری امت میں چار خصلتیں ایسی ہونگی جو زمانۂ جاہلیت کی ہیں، انہیں ترک نہ کریں گے: حسب ونسب کا فخر، دوسروں کے حسب ونسب میں طعن، ستاروں کے ساتھ طلبِ بارش اور نوحہ کرنا۔

خاتمہ

کتاب المناقب اور اس سے ملحقہ ابواب (233) مرفوع احادیث پر مشتمل ہیں، معلق (33) ہیں، مکررات۔ اب تک کے صفحات میں۔ کی تعداد (137) ہے، (52) کے سوابقیہ متفق علیہ ہیں، (17) آثار صحابہ وتابعین وغیرھم بھی ہیں۔

28 باب مَبْعَثِ النَّبِیِّ ﷺ (بعثتِ نبوی)

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمِ بْنِ عَبْدِ مَنَافِ بْنِ قُصَیِّ بْنِ کِلاَبِ بْنِ مُرَّةَ بْنِ کَعْبِ بْنِ لُؤَیِّ بْنِ غَالِبِ بْنِ فِهْرِ بْنِ مَالِکِ بْنِ النَّضْرِ بْنِ کِنَانَةَ بْنِ خُزَیْمَةَ بْنِ مُدْرِکَةَ بْنِ إِلْیَاسَ بْنِ مُضَرَ بْنِ نِزَارِ بْنِ مَعَدِّ بْنِ عَدْنَانَ .

مبعث بعث سے ہے جسکا لغوی معنی ہے: اِثارۃ (ابھارنا) کسی معاملہ میں توجیہ، یعنی کوئی پیغام دیکر یا کسی حاجت کیلئے روانہ کرنے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے، (بعثت البعیر) کہا جاتا ہے جب اسے اس کی جگہ سے اٹھایا جائے، اسی طرح (بعثت العسکر) اور (بعثت النائم) بھی، جب اسے بیدار کیا جائے، آنجناب کی بعثت کے بارہ میں اول کتاب حدیثِ عائشہ کی شرح کے اثناء کافی معلومات ذکر کی جا چکی ہیں، یہاں مصنف نے آنحضرت کا نسب شریف ذکر کیا ہے۔ (محمد) بیہقی نے الدلائل میں ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم کی ولادت باسعادت کے بعد حضرت عبدالمطلب نے ایک دعوت کا اہتمام کیا، کھانے سے فراغت کے بعد حاضرین نے دریافت کیا کہ نومولود کا کیا نام رکھا ہے؟ کہا محمد! کہنے لگے، اپنے خاندان کے عام ناموں سے کیوں روگردانی کی؟ کہنے لگے میرے دل میں یہ بات آئی کہ یہ بچہ ایسا ہو کہ اللہ آسمان میں اور اس کی مخلوق زمین میں اس کی حمد (یعنی تعریف) کرے۔ (عبداللہ) ان کے نام میں اختلاف نہیں البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ کب فوت ہوئے، اسی طرح آنجناب کی عمر میں بھی جب حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا؟ ایک قول ہے کہ قبل از ولادت، بعض نے بعد از ولادت کہا، اول اثبت ہے۔ (ابن عبد المطلب) جمہور کے نزدیک ان کا اصل نام شیبۃ الحمد تھا، ابن قتیبہ عامر کہتے ہیں، عبدالمطلب کے ساتھ شہرت کی وجہ یہ بنی کہ ان کے والد فلسطین کے شہر غزہ میں انتقال کر گئے (غزہ وہی جہاں ان سطور کے رقم کئے جانے کے ایام میں یہودیوں کی طرف سے آتش وآہن کی بارش جاری ہے اور تادم تحریر ہزاروں مسلمان شہید ہو چکے ہیں جن میں عورتوں اور بچوں کی خاصی تعداد ہے اور مقام ہزار افسوس یہ ہے کہ ساٹھ مسلمان ممالک کے حکمران بے غیرتی اور بے

حسی کی اوجِ ثریا پر بیٹھے ہوئے ہیں، ان شاء اللہ جلد وہ دن آ رہا ہے کہ یہ قربانیاں رنگ لائیں گی کہ بقول اقبال: کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا) جہاں وہ بغرضِ تجارت گئے ہوئے تھے تو جاتے ہوئے امِ عبد المطلب کو مدینہ (انکے پیکے میں) چھوڑ گئے تھے، یہ قبیلہ خزرج سے تھیں، عبد المطلب ذرا بڑی عمر کے ہوئے تو ان کے چچا مطلب آ کر انہیں مکہ لے گئے جب مکہ داخل ہوئے تو یہ ان کے پیچھے سوار تھے، لوگوں نے دیکھ کر کہا یہ عبد المطلب ہے (یعنی مطلب کا غلام) تو یہی مشہور ہو گیا، اسے ابن اسحاق نے ایک طویل قصہ میں ذکر کیا ہے۔

(هاشم) ان کا نام عمرو تھا، انہیں ھاشم اس وجہ سے کہا گیا کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مکہ میں حجاج کیلئے ثرید تیار کیا: (هشَمَ الثريد) اور قحط سالی میں اہل مکہ کیلئے بھی، اسی بارے ایک شاعر کہتا ہے: (عمرو العلا هشَمَ الثريد لقومهِ و رجال مكة مسنتون عجاف)۔ (ابن عبد مناف) ان کا نام مغیرہ ہے السراج اپنی تاریخ میں امام احمد سے ناقل ہیں، کہتے ہیں میں نے امام شافعی سے سنا، کہتے تھے عبد المطلب کا نام شیبہ الحمد، ہاشم کا عمرو، عبد مناف کا مغیرہ اور قصی کا زید تھا۔ (ابن قصی) صیغہِ تصغیر ہے یہ نام اس وجہ سے پڑا کہ مکہ سے دور بلادِ قضاعہ میں جانا پڑا، ان کا یہ قصہ ابن اسحاق نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

(کلاب) کاف کی زیر اور لامِ مخفف کے ساتھ، سہیلی کہتے ہیں یہ اس مصدر سے منقول ہے جو مکالبہ کے معنی میں ہے، کہا جاتا ہے: (كالبتُ فلانا مُكالبةً و كِلابا)، یعنی یا یہ کلب کی جمع کا لفظ ہے تو عرب درندوں کے نام اپنی اولاد کیلئے اختیار کر لیتے تھے (مثلا اسد، فہد، بعض لوگ یہاں بطورِ مثال بندر کا لفظ بھی ذکر کرتے ہیں، سعودی فرمانروا شاہ عبد العزیز کے منجملہ بیٹوں میں ایک بندر بھی ہے مگر عربی میں بندر کا معنی قرد نہیں بلکہ بندرگاہ اور ساحلی شہر ہے)۔ ابن سعد ذکر کرتے ہیں کہ ان کا نام مہذب تھا جبکہ ابن سعد نے حکیم ذکر کیا ہے بعض نے عروہ بھی، کلاب لقب تھا کیونکہ شکاری کتے پالنے کا شوق تھا جو کوئی ان کتوں کے بارہ میں پوچھتا تو کہا جاتا: (هذه كلاب ابن مرة) تو یہی لقب پڑ گیا۔ (مرة) سہیلی کہتے ہیں یہ حنظلہ کے وصف سے منقول ہے یا ھاء للمبالغہ ہے مراد یہ کہ قوی ہیں۔ (کعب) سہیلی کہتے ہیں اپنی نرم روی اور قوم کا خیال رکھنے کی وجہ سے یہ نام پڑا، کعب القدم سے ماخوذ ہے، ابن درید (كعب القناة) سے قرار دیتے ہیں، معاشرہ میں نمایاں حیثیت کے حامل ہونے کی وجہ سے (جیسے پاؤں میں ٹخنہ ابھرا سا ہوتا ہے)۔ سب سے قبل انہی نے جمعہ کے دن اجتماع منعقد کرنا شروع کیا وہ اسے یوم العروبہ کا نام دیتے تھے۔

(لؤی) بقول ابن انباری یہ لأیٰ بروزنِ عصا کی تصغیر ہے، بیل کو کہتے ہیں، سہیلی کہتے ہیں میری رائے میں لأْی بروزنِ عبد ہے، بمعنی بطء (یعنی تاخیر) یہ شعر ان کی تائید کرتا ہے: (فدونكم بنى لَأْيِ أخاكم و دونك مالِكاً يا أَمَّ عمرو) (یعنی اگر ابن انباری کے مطابق لأیٰ بروزنِ عصا پڑھیں تو وزنِ شعر ساقط ہو جاتا ہے، یہ بحرِ طویل سے ہے جس کی تفاعیل یہ ہیں: فعولن مفاعيلن فعولن مفاعل)۔ اصمعی کہتے ہیں یہ لواء کی تصغیر ہے جس میں ہمزہ زیادہ کر دیا گیا۔

(غالب) اس میں اور مالک ونضر میں بھی کوئی اشکال نہیں۔ (فهر) کہا جاتا ہے کہ یہ قریش ہیں، زبیر زہری سے ناقل ہیں کہ ان کی والدہ نے قریش نام رکھا تھا جبکہ والد نے فہر رکھا، بعض نے فہر انکا لقب قرار دیا ہے بعض نے عکس کہا (یعنی فہر نام اور قریش لقب تھا) فہر چھوٹے پتھر کو کہتے ہیں۔ (كنانة) وعاء السہام کے لفظ سے ہے جب وہ چمڑے کا بنا ہو، یہ ابن درید کا قول ہے، ابو عامر عدوانی سے منقول ہے، کہتے ہیں میں نے کنانہ بن خزیمہ کو انکے بڑھاپے میں دیکھا ہے نہایت جلیل القدر تھے علم وفضل میں معروف

ہونے کی وجہ سے قوم کا مرجع تھے۔ (خزیمہ) خزمۃ کی تصغیر ہے جوخزم یعنی چیزوں کی اصلاح وشد کرنا سے اسمِ مرۃ ہے، زجاجی کے بقول جائز ہے کہ خزم فاء کی زبر اور زاء کی جزم کے ساتھ ہو (خزمته) کہا جاتا ہے (فهو مخزوم) جب اس کی ناک میں خزام (یعنی رسی) ڈال دے۔ (مدركه) جمہور کے نزدیک اس کا نام عمرو، ابن اسحاق کے نزدیک عامر تھا۔ (إلياس) ابن انباری کے نزدیک همزۂ مکسور کے ساتھ، کہتے ہیں یہ اِفعال ہے ان کے قول: (أَلْيَسَ الشجاعُ) سے، جب وہ ثابت قدم رہے اور بھاگے نہیں، شاعر کہتا ہے: (أَلْيَسَ كالنشوان وهو صاحِي) بعض کا خیال ہے کہ همزہ وصلی ہے اور یہ رجاء کا عکس ہے، لام اس میں لمحِ صفت کا ہے، یہ قاسم بن ثابت کا قول ہے بطور استشہاد قصی کا یہ شعر پیش کرتے ہیں: (أمهتي خندف و اليأسُ أبي) یعنی خندف میری ماں اور باپ یأس ہے۔

(مضر) کہا جاتا ہے یہ نام اسلئے پڑا کہ لبنِ ماضر یعنی حامض (یعنی دہی) پینے کے از حد شوقین تھے، بعض نے سفید رو ہونا وجہ ذکر کی ہے، ایک قول ہے کہ اپنے حسن و جمال سے (كان يمضر القلوب) یعنی دلوں کو موہ لیتے تھے۔ (نزار) نزر بمعنی قلیل سے ماخوذ ہے، ابوالفرج کہتے ہیں اسلئے یہ نام دیا گیا کہ فریدِ عصر (یعنی زمانہ میں یکتا) تھے۔ (معد) میم اور عین کی زبر اور دال کی شد کے ساتھ، ابن انباری لکھتے ہیں یہ بھی محتمل ہے کہ عدّ سے مفعل کا وزن ہو یا یہ معد فی الأرض سے ماخوذ ہے: (إذا أفسد)، ایک شاعر کہتا ہے: (وخاربين خربا فمَعَدا)۔

(عدنان) عدن سے فعلان کا وزن، بمعنی أقام، ابوجعفر بن حبیب اپنی تاریخ المحبر میں ابن عباس سے ناقل ہیں کہ عدنان، معد، ربیعہ، مضر، خزیمہ اور اسد ملتِ ابرھیمی پہ کار بند تھے تم جب بھی ان کا ذکر کرو، بالخیر ہی کرو، زبیر بن بکار ایک اور طریق سے مرفوعا روایت کرتے ہیں کہ مضر اور ربیعہ کو گالی نہ دو کہ وہ مسلمان تھے، ابن حبیب کے ہاں سعید بن مسیّب سے مرسلا اس کا ایک شاھد بھی ہے۔

ابن حجر بعنوانِ تنبیہ لکھتے ہیں کہ بخاری نے یہاں نسب نامہ مبارک کے ذکر میں عدنان تک اقتصار کیا ہے جبکہ اپنی تاریخ میں عبد بن یعیش عن انس بن بکیر عن ابن اسحاق کے حوالے سے اسی کا مثل نقل کیا اور وہاں عدنان کے بعد یہ نام نقل کئے ہیں: عدنان بن ادد بن مقوم بن تارح بن یشجب بن یعرب بن ثابت بن اسماعیل بن ابراھیمؑ، پہلے ذکر ہوا کہ عدنان سے آگے کے ناموں کی بابت اختلاف ہے، ان کے اور حضرت ابراھیم کے مابین پھر حضرت ابراھیم اور حضرت آدم کے درمیانی اسماء میں۔ ابن سعد ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ جب اپنا نسب نامہ ذکر فرماتے عدنان سے تجاوز نہ کرتے۔ علامہ انور اس باب کے تحت لکھتے ہیں علماء کا کہنا ہے کہ آنجنابؐ کا نسب نامہ کم از کم تین پشتوں تک یاد رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے حتی کہ بعض نے ایسا نہ کرنے والے کو کافر قرار دیا ہے میرے نزدیک یہ مبالغہ ہے ہاں اتنا کافی ہے جس سے آنجناب کی مکمل معرفت ہو، فقہاء نے اگرچہ لکھا ہے کہ تعریف کیلئے بیانِ نسب شرط ہے مگر میری نظر میں یہ تب جب آدمی معروف نہ ہو، لیکن جب کوئی فریق معروف شخصیت ہو جسے ہرکس و ناکس جانتا ہے تو نام ہی کافی ہے بہرحال نبی پاک کی بابت اولیٰ یہی ہے کہ کم از کم تین چار آباء کے نام ضرور یاد ہوں، اگر سبھی کے نام یاد ہیں تو یہ بڑی اچھی بات ہے، بخاری نے نسب نامہ میں عدنان تک کا ذکر کیا ہے کیونکہ عدنان سے اوپر بعض جگہ اختلاف ہے (آگے کچھ کلام بے ربط ہے شائد کتابت میں کوئی سہو ہو گیا)۔ کہتے ہیں آصف بن برخیاء جو ارمیاء علیہ السلام اور ایک قول کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کا وزیر تھا، نے بھی مختلف سلسلہ ہائے نسب تحریر کئے ان میں عدنان کا نسب نامہ بھی تھا مگر اس نے صرف کتب بنی اسرائیل سے اخذ کیا، نقولِ

اسلامیہ سے منقولہ اس میں کوئی معلومات نہیں، علماء کا کہنا ہے عدنان سے حضرت اسماعیل کے درمیان کا نسب غیر متصل ہے تو ان کے مطابق درمیان میں کچھ نام ساقط ہیں، بادشاہِ ہندوستان اورنگزیب نے علماء کو حکم دیا تھا کہ عدنان سے اوپر کا نسب نامہ مبارک ضبطِ تحریر میں لائیں، اس کا نام نسب نامہ مقبول رکھا گیا۔ عدنان کون تھا؟ اس کا معاملہ تاریخ کے سپرد ہے، اگر اس کی بابت صحیحین ہی خاموش ہیں تو تاریخ پر کیونکہ بھروسہ کیا جا سکتا ہے، اس موضوع پر کئی کتب لکھی گئیں، بہر حال مؤرخین کی اکثر باتیں لوگوں کی افواہیں ہوتی ہیں، مؤرخین کے ظنون کی نہ کوئی سند ہے نہ مدد، پہلے ذکر ہوا کہ اہلِ یمن کا جدامجد قحطان عدنان کا معاصر تھا جس نے (بادشاہِ عراق و بابل) بخت نصر سے کئی جنگیں لڑیں آخر مقابلہ کی تاب نہ لا کر یمن میں پناہ گزین ہوا۔

3851 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي رَجَاءٍ ، حَدَّثَنَا النَّضْرُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ أُنْزِلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ ابْنُ أَرْبَعِينَ، فَمَكَثَ ثَلاَثَ عَشْرَةَ سَنَةً، ثُمَّ أُمِرَ بِالْهِجْرَةِ، فَهَاجَرَ إِلَى الْمَدِينَةِ، فَمَكَثَ بِهَا عَشْرَ سِنِينَ، ثُمَّ تُوُفِّيَ ﷺ .أطرافه 3902، 3903، 4465، 4979

ابن عباس کہتے ہیں آنجناب پر پہلی وحی جب نازل ہوئی تو آپ چالیس برس کے تھے پھر مکہ میں تیرہ برس کے قیام کے بعد ہجرت کا حکم ملا تو مدینہ ہجرت فرمائی وہاں دس سال کے قیام کے بعد فوت ہوئے۔

نضر سے ابن شمیل جبکہ ھشام سے مراد ابن حسان ہیں۔ (أنزل علی الخ) اس باب کے تحت اس حدیث سے یہی مقصودِ ترجمہ ہے، یہ بات متفق علیہ ہے، صفۃ النبیؐ میں حضرت انس کے حوالے سے بھی ذکر ہوا تھا کہ آنجناب علی راس اربعین تھے کہ مبعوث کئے گئے (یعنی چالیسویں برس میں)، بدء الوحی میں گزرا کہ پہلی وحی ماہِ رمضان میں آئی، ولادت مبارک کے بارہ میں صحیح و مشہور قول یہ ہے کہ ربیع الاول کے مہینہ میں ہوئی، اس لحاظ سے آپ چالیس برس اور چھ ماہ کے تھے جب پہلی وحی کا نزول ہوا، ابن کلبی کی کلام سے اشارہ ملتا ہے کہ ان کے نزدیک آپکی ولادت رمضان میں ہوئی، کہتے ہیں جب آپ فوت ہوئے تو آپکی عمر مبارک ساڑھے باسٹھ برس تھی، یہ امر متفق علیہ ہے کہ ماہِ ربیع الاول میں فوت ہوئے تھے تو یہ جملہ اس امر کو مستلزم ہے کہ پیدائش ماہِ رمضان میں ہوئی، زبیر بن بکار نے بھی اسی پہ جزم کیا مگر یہ شاذ ہے، مولدِ نبوی کے بارہ میں کچھ اور اقوال بھی ہیں جو اس سے بھی اشذ ہیں۔ (بمكة ثلاث الخ) یہ مسلم کی عمار بن ابوعمار عن ابن عباس کی روایت سے اصح ہے جس میں ہے کہ نبی اکرم کا مکہ میں وحی کے نزول کے بعد قیام پندرہ برس ہے، اس بارے مزید بحث کتاب الھجرہ میں ہوگی۔

29 باب مَا لَقِيَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَصْحَابُهُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ بِمَكَّةَ

(آنجناب اور صحابہ کرام نے اہلِ مکہ سے جو تکالیف برداشت کیں)

یعنی کس قسم کے ایذاؤں میں مبتلا کیا گیا، بدء الخلق میں ذکر الملائکۃ کے باب میں حضرت عائشہ کی روایت گزری جس میں ان کے آنجناب سے سوال کہ کیا احد سے زیادہ سخت دن بھی آیا ہے، کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا سب سے سخت ایذاء جو میں نے قوم سے پائی وہ سفرِ طائف میں تھی، احمد، ترمذی اور ابن حبان نے حماد بن سلمہ عن ثابت عن انس کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ مجھے

اللہ کا نام لینے کی پاداش میں تکالیف دی گئیں، ابن عدی نے حضرت جابر سے نقل کیا کہ نبی پاک نے فرمایا کسی کو اتنی ایذاء نہیں دی گئی جو مجھے دی گئی مگر اس کی سند میں یوسف بن محمد بن منکدر ہیں جو ضعیف ہیں، بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ آپ کو بذریعہ وحی سابقہ امم کے اہلِ ایمان کو ملنے والی ایذاؤں کی بابت باخبر کیا گیا، جس سے آپ متاذّی ہوئے ساتھ ساتھ قوم کی طرف سے پہنچنے والی ایذاء بھی ہے لہٰذا آپ کی ایذاء دوسروں کی نسبت زیادہ تھی۔ ابن اسحاق نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ واللہ مشرکین کسی مسلمان کو پکڑ لیتے پھر اتنا تشدد کرتے اور بھوکا پیاسا رکھتے کہ زخموں کی وجہ سے بیٹھ نہ سکتا، اس کی جان اسی وقت چھوٹتی جب وہ کہتے بول کہ تیرا اللہ لات وعزی ہے، وہ ہاں کہہ دیتا (قرآن میں ہے: إلا مَنْ أُكْرِهَ وقَلْبُه مُطْمَئِنٌّ بِالإيمان، کہ جسے مجبور کیا جائے کہ منہ سے غلط کلمہ نکالے جبکہ دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو ایسا شخص گناہکار نہیں، کئی ایسے صحابہ بھی تھے مثلا حضرت بلال وابوذر جو باوجود سخت تشدد کے کلمۂ شرک کہنے پر تیار نہ ہوئے)۔

ابن ماجہ اور ابن حبان نے زر بن مسعود کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اولین وہ افراد جنہوں اپنے اسلام کا اظہار کیا، سات ہیں: نبی اکرم، ابوبکر، عمار، ان کی والدہ سمیہ، صہیب، بلال اور مقداد۔ جہاں تک رسول اللہ کا تعلق ہے وہ اپنے چچا جناب ابوطالب کی وجہ سے (عمومی) ایذاء رسانی سے بچے رہے، حضرت ابوبکر کو ان کے قبیلہ نے بچائے رکھا، باقی سب کو مشرکین نے پکڑ کر لوہے کی ادراع (یعنی قمیصیں) پہنائیں اور چلچلاتی دھوپ میں کھڑا رکھا تو ان سب حضرات پر واقع تشدد چونکہ آنجناب کی وجہ سے تھا تو آپ (ظاہری عمومی تشدد کا شکار نہ ہوتے ہوئے بھی) شدید متاذی تھے، آپ کی مذکورہ بات سابقہ ان انبیاء کے لحاظ سے بھی باعثِ اشکال ہے جو قتل کئے گئے مثلا حضرت زکریاؑ و یحییٰؑ! تو اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ایذاء سے آنجناب کی مراد وہ جو مادون القتل ہے۔

3852حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا بَيَانٌ وَإِسْمَاعِيلُ قَالاَ سَمِعْنَا قَيْسًا يَقُولُ سَمِعْتُ خَبَّابًا يَقُولُ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً، وَهُوَ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ، وَقَدْ لَقِينَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ شِدَّةً فَقُلْتُ أَلاَ تَدْعُو اللَّهَ فَقَعَدَ وَهُوَ مُحْمَرٌّ وَجْهُهُ فَقَالَ لَقَدْ كَانَ مَنْ قَبْلَكُمْ لَيُمْشَطُ بِمِشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ عِظَامِهِ مِنْ لَحْمٍ أَوْ عَصَبٍ مَا يَصْرِفُهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَيُوضَعُ الْمِنْشَارُ عَلَى مَفْرِقِ رَأْسِهِ، فَيُشَقُّ بِاثْنَيْنِ، مَا يَصْرِفُهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَلَيُتِمَّنَّ اللَّهُ هَذَا الأَمْرَ حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ مَا يَخَافُ إِلاَّ اللَّهَ. زَادَ بَيَانٌ وَالذِّئْبَ عَلَى غَنَمِهِ .طرفاه 3612، 6943۔ (اسی کے سابقہ نمبر میں مترجم ہے)

سفیان سے ابن عیینہ، بیان سے ابن بشر، اسماعیل سے ابن ابی خالد جبکہ قیس سے ابن ابی حازم مراد ہیں۔ (ألا تدعو لنا) المبعث کی روایت میں مزید یہ بھی ہے: (ألا تستنصر لنا)۔ (بمشاط الحديد) اکثر کے ہاں میمِ مکسور کے ساتھ ہے نسخۂ کشمیہنی میں (أمشاط) ہے، اس کی واحد مشط کی میم مکسور اور مضموم دونوں طرح پڑھی جاتی ہے، ابن درید نے مفرد میں میم کے مکسور ہونے کا انکار کیا ہے، جمع میں مشہور مِشاط ہے جیسے رماح۔ (ويوضع الميشار) میمِ مکسور کے ساتھ، اس کے بعد کبھی ھمزہ بھی پڑھا جاتا ہے، کہا جاتا ہے: (وشرتُ الخشبة و أشرتها)، یشار میں بجائے یاء کے نون اشہر ہے، روایتِ ماضیہ میں یہی لفظ تھا۔ ابن تین کہتے ہیں

یہ مذکورہ کاروائی انبیاء یا ان کے اَتباع کے ساتھ روا رکھی گئی، صحابہ میں بھی ایسی استقامت والے حضرات موجود تھے کہ اگر یہی کچھ ان کے ساتھ کیا جاتا تو برداشت وصبر کے ساتھ سامنا کرتے، مزید کہتے ہیں صحابہ کرام اور بعد والے اہل ایمان میں سے کئی ایک ہیں جو تعذیب وتشدد کا شکار ہوئے وہ اگر قرآن کی دی گئی رخصت (جسکا اشارہ مذکورہ بالا آیت میں ہے) پر عمل پیرا ہوتے تو جائز تھا۔

(زاد بیان والذئب الخ) یہ اس امر کا مُشعِر ہے کہ روایت ماضیہ میں ادراج ہے، اسے یحیی قطان عن اسماعیل وحدہ کے طریق سے نقل کیا تھا، اسکے الفاظ یہ تھے: (ما يخاف إلا الله والذئب علي غنمه) اسے اسماعیلی نے محمد بن صباح، خلاد بن مسلم اور عبدہ بن عبدالرحیم، ان تینوں نے ابن عیینہ سے، مدرجاً ہی نقل کیا ہے، حمیدی کا طریق اصح ہے، اس پر ابن ابوعمر کی موافقت بھی ہے ان کی روایت اسماعیلی نے مفصلاً تخریج کی ہے۔ (والذئب) مستثنیٰ منہ پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے، مستثنیٰ پر معطوف نہیں، کرمانی نے اسی پہ جزم کیا ہے مگر ایسا قرار دینے میں کوئی مانع نہیں، تقدیرِ کلام یوں ہوگی: (ولا يخاف الله والذئب علي غنمه) اصل مساقِ حدیث لوگوں کا ایک دوسرے سے امن میں ہونا ہے جو عہدِ جاہلی میں مفقود تھا، نہ کہ ریوڑ پر بھیڑیے کے خطرے سے، یہ صرف آخری زمانہ میں حضرت عیسی کے نزول کے بعد ہوگا۔

3853حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رضي الله عنه قَالَ قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ النَّجْمَ، فَسَجَدَ فَمَا بَقِيَ أَحَدٌ إِلاَّ سَجَدَ، إِلاَّ رَجُلٌ رَأَيْتُهُ أَخَذَ كَفًّا مِنْ حَصًا فَرَفَعَهُ فَسَجَدَ عَلَيْهِ وَقَالَ هَذَا يَكْفِينِي .فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ بَعْدُ قُتِلَ كَافِرًا بِاللَّهِ

أطرافه 1067، 1070، 3972، 4863.

عبداللہ راوی ہیں کہ نبی پاک نے سورہ والنجم تلاوت فرمائی تو (آخر میں) سجدہ کیا جو کوئی بھی وہاں تھا سب نے سجدہ کیا سوائے ایک آدمی کے اس نے اپنی کف میں کنکریاں لیں، اسے اٹھایا اور اس پہ سجدہ کیا اور کہنے لگا مجھے یہی کافی ہے، کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ وہ حالتِ کفر میں فوت ہوا۔

کتاب الصلاۃ کے سجود القرآن میں اس کی شرح گزر چکی ہے (توفیق جلد اول) کچھ باقی تفسیر سورۃ النجم میں آئیگی۔ واقدی کہتے ہیں یہ واقعہ رمضان ۵ ھ نبوی کا ہے، آخرِ بحث تنبیہ کے عنوان سے ابن حجر لکھتے ہیں حق یہ تھا کہ اس حدیث کو باب (الهجرة إلي الحبشة) جو آگے آرہا ہے، میں مندرج کرتے کیونکہ وہاں بیان ہوگا کہ مشرکین کا یہ سجدہ کرنا حبشہ گئے ہوئے پہلی ہجرت کے مہاجرین کی واپسی کا سبب بنا کیونکہ ان تک یہ بات پہنچی کہ سب اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے چنانچہ پلٹ آئے یہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ اطلاع غلط تھی چنانچہ پھر ہجرت کر لی۔

3854حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ سَاجِدٌ وَحَوْلَهُ نَاسٌ مِنْ قُرَيْشٍ جَاءَ عُقْبَةُ بْنُ أَبِي مُعَيْطٍ بِسَلَى جَزُورٍ، فَقَذَفَهُ عَلَى ظَهْرِ النَّبِيِّ ﷺ، فَلَمْ يَرْفَعْ رَأْسَهُ فَجَاءَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلاَمُ فَأَخَذَتْهُ مِنْ ظَهْرِهِ، وَدَعَتْ عَلَى مَنْ صَنَعَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اللَّهُمَّ عَلَيْكَ الْمَلأَ مِنْ قُرَيْشٍ أَبَا جَهْلِ بْنَ هِشَامٍ، وَعُتْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ، وَشَيْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ أَوْ أُبَيَّ بْنَ

خَلَفٍ .شُعْبَةُ الشَّاكُّ فَرَأَيْتُهُمْ قُتِلُوا يَوْمَ بَدْرٍ، فَأُلْقُوا فِي بِئْرٍ غَيْرَ أُمَيَّةَ أَوْ أُبَيٍّ تَقَطَّعَتْ أَوْصَالُهُ، فَلَمْ يُلْقَ فِي الْبِئْرِ .أطرافه 240، 520، 2934، 3185، 3960۔ (ترجمہ کیلئے دیکھئے جلد چہارم کتاب الجہاد حدیث نمبر:2934)

کتاب الوضوء میں مشروح ہو چکی ہے (توفیق جلد اول) یہ واقعہ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کے بعد کا ہے کیونکہ ان بد دعا زدگان میں ابوجہل کا بھائی عمارہ بن ولید بھی ہے اور ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ وہ قریش کی مہاجرین کی واپسی کیلئے نجاشیؓ کی طرف بھیجے گئے سفارتی وفد کا حصہ تھا، دوسرے فرد عمرو بن عاص تھے، عمارہ حبشہ ہی میں رہا حتی کہ وہیں فوت ہو گیا (ابن حجر نے بعد الھجرۃ الثانیہ لکھا ہے مگر بظاہر آگے کی عبارت جسکا ترجمہ کر دیا گیا، اسکے منافی قرار پاتا ہے، عمارہ اگر اس واقعہ کے وقت ان جملہ حاضرین میں موجود تھا اور اسی وجہ سے آنجناب نے بد دعا دیتے ہوئے اس کا بھی نام لیا تو یہ ہجرتِ حبشہ سے قبل کا قصہ ہوگا، شائد کتابت کی غلطی سے ''قبل'' کی جگہ ''بعد'' ہو گیا)۔ تنبیہ آخر کے عنوان سے ابن حجر رقمطراز ہیں کہ شیخ عماد الدین ابن کثیر نے انوکھا دعوی کیا وہ یہ کہ مسلم اور اصحابِ سنن کی تخریج کردہ حدیثِ خباب: (شکونا إلی رسول اللهﷺ حرالرمضاء فلم یشکنا) اسی حدیث باب کا حصہ ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ مشرکین جو انہیں حرِ رمضاء وغیرہ میں لے جا کر نشانۂ تعذیب بناتے تھے، اس کی آپ سے شکایت کی اور مطالبہ کیا کہ اللہ کی نصرت کی دعا فرمائیں مگر (فلم یشکہم) یعنی ان کے شکوہ کا ازالہ نہیں کیا بلکہ سابقہ اھل ایمان کی مثالیں دے کر انہیں تسلی دی، البتہ نصرت کا وعدہ کر لیا، یہ مراد لینا بعید ہے کیونکہ ابن ماجہ کی اسی روایت میں (الصلاۃ فی الرمضاء) مذکور ہے، احمد کی روایت میں ہے: (یعنی الظھر وقال إذا زالت الشمس فصلوا) اسی سے نماز ظہر ہمیشہ اول وقت میں ادا کرنے والوں نے تمسک کیا ہے، یہ دراصل تبرید کی مشروعیت سے قبل کا تذکرہ ہے۔

ایک اور تنبیہہ آخر کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ راویِ حدیث بالجزم عبد اللہ بن مسعود ہیں، ابن تین داؤدی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ظاہرِ امر یہی ہے کہ ابن مسعود ہیں کیونکہ کسی اسناد میں جب بھی عبد اللہ بغیر نسبت کے ذکر کیا جاتا ہے تو مراد ابن مسعود ہوتے ہیں۔ ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ مطرِد نہیں (یعنی ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا) بلکہ اس کی پہچان راویوں کی جہت سے ہوتی ہے، علومِ حدیث میں یہ ایک مبسوط بحث ہے خطیب نے اس موضوع پر ایک کتابِ حافل (یعنی مبسوط) تصنیف کی ہے جسکا نام ہے: (المجمل فی بیان المہمل)، ہمارے شیخ ابن ملقن کی شرح میں ہے داؤدی کہتے ہیں شائد یہ عبد اللہ بن عمرو ہوں نہ کہ ابن عمر، پھر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بخاری کی کتاب الصلاۃ والی روایت میں ان کے ابن مسعود ہونے کی تصریح ہے بقول ابن حجر داؤدی کی یہ بات کسی اور سے منسوب نہیں دیکھی۔

3855 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ أَوْ قَالَ حَدَّثَنِي الْحَكَمُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ أَمَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبْزَى قَالَ سَلِ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ هَاتَيْنِ الآيَتَيْنِ مَا أَمْرُهُمَا (وَلاَ تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ) (وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا) فَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَمَّا أُنْزِلَتِ الَّتِي فِي الْفُرْقَانِ قَالَ مُشْرِكُو أَهْلِ مَكَّةَ فَقَدْ

قَتَلْنَا النَّفْسَ الَّتِى حَرَّمَ اللَّهُ، وَدَعَوْنَا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ، وَقَدْ أَتَيْنَا الْفَوَاحِشَ .فَأَنْزَلَ اللَّهُ (إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ) الآيَةَ فَهَذِهِ لأُولَئِكَ وَأَمَّا الَّتِى فِى النِّسَاءِ الرَّجُلُ إِذَا عَرَفَ الإِسْلاَمَ وَشَرَائِعَهُ، ثُمَّ قَتَلَ فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ .فَذَكَرْتُهُ لِمُجَاهِدٍ فَقَالَ إِلاَّ مَنْ نَدِمَ .أطرافه 4590، 4762، 4763، 4764، 4765، 4766

سعید بن جبیر کہتے ہیں مجھے عبدالرحمٰن بن ابزیٰ نے حکم دیا کہ ابن عباس سے ان دو آیتوں کی بابت پوچھوں کہ ان کا کیا حکم ہے؟ ایک یہ: (ولا تقتُلوا النفسَ التی حَرَّمَ اللهُ إلا بالحَقِ) اور دوسری یہ: (وَ مَنْ قتَل مُؤْمِناً مُتَعَمِّداً)، کہتے ہیں میں نے ابن عباس سے سوال کیا تو کہنے لگے جب سورۃ الفرقان والی آیت نازل ہوئی تو مشرکینِ مکہ نے کہا ہم نے اس جان کو بھی قتل کیا جسکا قتل اللہ نے حرام قرار دیا ہے اور اللہ کے ساتھ دوسرے آلہۃ کو بھی شریک بنایا ہے اور فواحش کا بھی ارتکاب کیا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کا یہ حصہ اتارا: (إلا مَن) تاب و آمَنَ) [الفرقان: ۷۰] تو یہ ان لوگوں کی نسبت سے ہے، اور وہ آیت جو سورۃ النساء میں ہے [نمبر:۹۳] اس شخص کے بارہ میں ہے جس نے اسلام اور اس کے احکام کو جان لیا پھر وہ کسی کو قتل کر ڈالتا ہے تو اس کی جزاء جہنم ہے، راوی کہتے ہیں میں نے مجاہد کو یہ بیان کیا تو کہا: (إلا مَن ندم) مگر وہ جسے اپنے اس فعل پہ ندامت ہوئی۔

توبہِ قاتل کے بارہ میں ابن عباس کی یہ روایت تفسیر سورۃ النساء میں مفصلا مشروح ہوگی، غرضِ ترجمہ یہ اشارہ کرنا ہے کہ مشرکین کے اہلِ اسلام کو قتل وتعذیب کی کاروائی کی (دنیوی واخروی) عقوبت ان کے قبولِ اسلام کی وجہ سے ان سے ساقط ہوگئی۔ تنبیہ کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ (ولا تَقتُلوا النَّفسَ الَّتِى حَرَّمَ اللهُ إلا بالحَقّ) یہاں روایۃً ایسے ہی واقع ہے مگر تلاوۃً وہ یوں ہے: (ولا يقتلون النفس التى حر م الله إلا بالحق) [الفرقان:۶۸]، آخرِ حدیث میں یہی ذکر کی گئی، تو اس سے تعین ہوا کہ حدیث کے شروع میں بھی وہی مراد ہے، اس کا جواب ممکن ہے (جو اسی قسم کے امرِ واقع میں ایک سابقہ جگہ ذکر کیا گیا کہ مراد آیت کی تلاوت کی حکایت نہیں، بلکہ مفہوم کی نقل وحکایت ہے)۔

اسے ابوداؤد نے (الفتن) اور نسائی نے (المحاربۃ) اور (التفسیر) میں نقل کیا ہے۔

3856حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنِى الأَوْزَاعِىُّ حَدَّثَنِى يَحْيَى بْنُ أَبِى كَثِيرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِىِّ قَالَ حَدَّثَنِى عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَخْبِرْنِى بِأَشَدِّ شَىْءٍ صَنَعَهُ الْمُشْرِكُونَ بِالنَّبِىِّ ﷺ قَالَ بَيْنَا النَّبِىُّ ﷺ يُصَلِّى فِى حِجْرِ الْكَعْبَةِ إِذْ أَقْبَلَ عُقْبَةُ بْنُ أَبِى مُعَيْطٍ، فَوَضَعَ ثَوْبَهُ فِى عُنُقِهِ فَخَنَقَهُ خَنْقًا شَدِيدًا، فَأَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى أَخَذَ بِمَنْكِبِهِ وَدَفَعَهُ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ (أَتَقْتُلُونَ رَجُلاً أَنْ يَقُولَ رَبِّىَ اللَّهُ) الآيَةَ تَابَعَهُ ابْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنِى يَحْيَى بْنُ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ قُلْتُ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَقَالَ عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ قِيلَ لِعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ أَبِى سَلَمَةَ حَدَّثَنِى عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ .أطرافه 3678، 4815۔ (دیکھئے اسی کا سابقہ نمبر)

شیخِ بخاری عیاش سے مراد رقام ہیں اس نام کے ان کے ایک اور شیخ بھی ہیں جنہیں ان کی مرویات میں اغلبا غیر منسوب ذکر کیا ہے، جیانی لکھتے ہیں اصیلی کے نسخہ میں یہاں بھی نسبت مذکور نہیں اور بعض کا یہ بھی دعوی ہے کہ یہ عباس بن ولید بن مرید ہیں، ابوزفر (حاشیہ میں لکھا ہے کہ ایک نسخہ میں ابوزفر کی بجائے ابوذر ہے) سے نقل کیا ہے کہ بخاری و مسلم نے ابن مرید سے کوئی روایت نہیں لی، کہتے ہیں مجھے ولید بن مسلم سے ان کی کسی روایت کا علم نہیں۔ (حدثنی عروۃ) ولید بن مسلم نے یہی کہا، ایوب بن خالد حرانی نے مخالفت کرتے ہوئے اوزاعی عن یحیی بن ابی کثیر سے (حدثني أبو سلمة قال قلت لعبد الله الخ) ذکر کیا، اسے اسماعیلی نے تخریج کیا ہے، قولِ ولید راجح ہے۔

(بأشد شیء) یہاں عبداللہ بن عمرو کا جواب سابق الذکر (ذکر الملائكة) کی روایت میں حضرت عائشہ کے حوالے سے مذکور جواب کے مخالف ہے، وہاں طائف والوں کے برے سلوک کو اشد مالَقِیَ، قرار دیا تھا، تطبیق یہ ہے کہ یہاں عبداللہ بن عمرو اپنے مشاہدہ کے مطابق بیان کرر ہے ہیں وہ واقعہ طائف کے مشاہد نہ تھے۔ زبیر بن بکار نے اور دارقطنی نے الافراد میں عبداللہ بن عروۃ عن عروۃ سے نقل کیا ہے، کہتے ہیں مجھے عمرو بن عثمان نے حضرت عثمان سے بیان کیا کہ آنجناب کے خلاف قریش کی شدید ترین ایذاء یہ تھی کہ میں نے ایک دن دیکھا۔ یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ تو یہی قصہ بیان کیا مگر تھوڑے مخالف سیاق کے ساتھ، یہ اختلاف اس سند میں عروہ پر ثابت ہے مگر یہ سند ضعیف ہے، اگر محفوظ ہے تو محمول علیٰ تعدد ہوگا، آگے مزید تفصیل آتی ہے۔

(يصلي في حجر الكعبة اذ الخ) حدیثِ عثمان مذکور میں ہے کہ نبی اکرم اور ابوبکر ہاتھوں ہاتھ ڈالے طواف کر رہے تھے، حطیم میں عقبہ، ابوجہل اور امیہ بن خلف بیٹھے تھے جب ان کے پاس سے گزرے تو آوازے کسے، تین چکروں میں یہی کیا چوتھے میں تو اٹھ کھڑے ہوئے اور دست بگریبان ہونے کی کوشش کی، ابوجہل نے آنجناب کا گریبان پکڑنا چاہا، میں نے اسے دھکا دیا، ابوبکر نے امیہ کو دھکا دیکر دور کیا اور رسول اکرم نے عقبہ کے ساتھ یہی کیا، تو یہ سیاق حدیثِ ھذا کے مغایر ہے، وہاں یہ بھی مذکور ہے کہ نبی پاک نے انہیں کہا تم اس وقت تک باز نہ آ ؤ گے جب تک جلد ہی تم پر کوئی عذاب نہ آجائے اس پر وہ کانپ سے گئے۔

(تابعه ابن اسحاق حدثني الخ) اسے احمد نے ابراھیم بن سعد اور بزار نے بکر بن سلیمان کلاھما عن ابن اسحاق، اسی سند کے ساتھ موصول کیا ہے، اسکے شروع میں ہے حضرت عثمان کہتے ہیں میں حرم میں داخل ہوا، دیکھا کہ حطیم میں مشرکین کے اشراف بیٹھے باہم باتیں کر رہے ہیں کہ ہمارے صبر کی انتہاء ہوگئی ہے، یہ ہمیں سفیہ کہتا ہے ہمارے آباء کو برا کہتا ہے ہمارے دین کو بدل کر رکھ دیا اور ہمارا شیرازہ بکھیر دیا ہے، اسی اثناء آنجناب داخل ہوئے، استلامِ رکن کر کے طواف شروع کر دیا، ان سے گزرے تو اشارے کئے تیسرے چکر میں (بھی یہی کیا تو) آنجناب نے ان سے فرمایا: (لقد جئتكم بالذبح) میں تمہیں قتل و ذبح کی وعید سناتا ہوں، یہ بھی ہے کہ آپ سے کہنے لگے اے ابوالقاسم تم جاہل تو نہ تھے، راشد بنکر پلٹ جاؤ، آپ واپس چلے گئے اگلے دن پھر جمع ہوئے، کہنے لگے اب آئیں تو بیک وقت اٹھ کر پل پڑو، اسی اثناء آپ تشریف لے آئے تو سب نے گھیر لیا، میں نے دیکھا کہ ایک آدمی نے آپکا گریبان پکڑ لیا، ابوبکر آپ اور ان کے بیچ میں آئے، انہیں دور ہٹاتے اور کہتے جاتے تھے: (أ تَقْتُلون رجلا أن يقول ربِّيَ الله) کہ ایک شخص کو اس پاداش میں کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے، قتل کرنا چاہتے ہو؟ پھر وہ دور ہو گئے۔

(وقال عبدة عن هشام) یعنی ابن عروہ۔ (عن أبيه قيل لعمرو الخ) تو اسطرح ھشام نے اپنے بھائی کی صحابی کے

نام کے ضمن میں مخالفت کی ہے، یحییٰ کی روایت اسلئے راجح قرار پائیگی کہ محمد بن ابراھیم تیمی نے عروہ سے روایت کرتے ہوئے ان کی موافقت کی ہے، قولِ ھشام بھی غیر مدفوع ہے کیونکہ اس روایت کا عمرو بن عاص سے اصل موجود ہے، اس پر بطور دلیل آمدہ روایتِ ابو سلمہ عن عمرو پیش کی جاسکتی ہے، یہ بھی محتمل ہے کہ عروہ نے دونوں باپ بیٹے سے سوال کیا ہو، اختلافِ سیاقین سے یہی مترشح ہوتا ہے، پہلے ذکر کیا کہ عبداللہ بن عروہ نے اپنے والد سے اسے ایک دیگر سند کے ساتھ حضرت عثمان سے بھی روایت کیا ہے تو محمول علی تعدد کرنے میں کوئی مانع نہیں، ہاں البتہ رواۃِ ھشام سے روایت کرتے ہوئے ان کے قول (عمرو بن العاص) پر متفق نہیں، سلیمان بن بلال عبدہ سے موافق ہیں مگر محمد بن فلیح نے ھشام سے روایت کرتے ہوئے: (عن أبيه عن عبد الله بن عمرو) نقل کیا ہے، یہ بیہقی نے تخریج کی ہے۔

(وقال محمدبن عمرو الخ) اسے بخاری نے (خلق أفعال العباد) میں موصول کیا ہے، ابویعلی اور ابن حبان نے ایک دیگر سند کے ساتھ ان کے حوالے سے: (عن محمدبن عمرو) روایت کیا، ان کے ہاں یہ الفاظ ہیں: (ما رأيت قريشا أرادوا قتلَ رسول الله ﷺ إلا يوما الخ) کہ میں نے نہیں دیکھا کہ قریش نے کبھی آنجناب کے قتل کا ارادہ بنایا ہو مگر ایک دن ایسا کرنے کا سوچا، اس دن وہ ظلِ کعبہ میں بیٹھے تھے جبکہ نبی اکرم مقام میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ کھڑا ہوا اور چادر آپ کی گردن مبارک میں ڈال کر زور سے کھینچنے لگا حتی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر گئے، ایک واویلا مچا جسے سنکر ابوبکر بھاگتے ہوئے آئے، پیچھے سے آنجناب کی بغل میں ہاتھ ڈالا ساتھ یہ کہہ رہے تھے: (أتقتلون رجلا أن يقول ربي الله) اسپر وہ پیچھے ہٹ گئے، نبی اکرم (جو مسلسل نماز میں مشغول رہے) نماز سے فارغ ہوئے تو ان کی جانب گئے اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے (ما أُرسلت إليكم إلا بالذبح) کہ میں نہیں بھیجا گیا تمہاری طرف مگر ذبح کے ساتھ (گویا حضرت ابوبکر نے مع دیگر قربانیوں کے اور آنجناب پر اپنا کثیر مال، وقت وغیرہ نچھاور کرنے کے اس موقع پہ آپ کی جان بھی بچائی اسی لئے آنجناب نے مرض الموت میں حضرت ابوبکر کی ان خدمات کا برملا اعتراف کیا)، اس پر ابوجہل کہنے لگا اے محمد تم جَھول تو نہ تھے آپ نے فرمایا: (أنت منهم)، (یعنی تم بھی ان مذبوحین میں سے ہو، آنجناب کی یہ پیشین گوئی غزوہ بدر میں پوری ہوئی)۔

بیہقی کی الدلائل میں ابن عباس عن فاطمۃؓ (بعض اہل سنت حضرات حسن، حسین اور حضرت فاطمہ کے ناموں کے ساتھ علیہ اور علیہا السلام لکھنے اور کہنے پہ جزبز ہوتے ہیں اور دعوی کرتے ہیں کہ یہ انبیاء کے ساتھ خاص ہے تو میں ان کی توجہ صحیح بخاری اور اس کی سب سے عظیم شرح فتح الباری کی طرف مبذول کراتا ہوں، بخاری اور ابن حجر دونوں نے ان حضرات کیلئے یہ جملہ استعمال کیا ہے، تو میرے خیال میں اس ضمن میں جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں) کے حوالے ایک روایت ذکر کی، کہتی ہیں مشرکین حطیم میں اکٹھے ہوئے اور باہم مشورہ کیا کہ محمد گزریں تو ہم میں سے ہر آدمی انہیں ضرب لگائے (تاکہ کسی ایک پر الزامِ قتل نہ آئے، جیسے بوقتِ ہجرت بھی یہی سازش کی تھی) کہتی ہیں میں نے سن لیا اور ابا جان کو یہ بات بتلائی، آپ نے فرمایا خاموش رہو اے بیٹی، پھر نکل کر ان کے ہاں جا پہنچے، انہوں نے سر اٹھائے مگر فورا جھکا لئے، آنجناب نے ایک مشتِ خاک لیکر ان پر پھینکی اور کہا: (شاهتِ الوجوه) تو جو شخص بھی اس مٹی کی زد میں آیا تھا وہ بدر میں مقتول ہوا۔ ابویعلی اور بزار نے بسند صحیح حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ مشرکوں نے نبی اکرم کو اتنا مارا کہ آپ بے ہوش ہو گئے اور ابوبکر کھڑے ہوئے ادر یہ کہنا شروع کیا افسوس تم اللہ کا نام لینے پر ایک شخص کی جان لینا چاہتے

ہو، اس پر نبی اکرم کو تو چھوڑ دیا اور ابوبکر پر پل پڑے، یہ مراسیلِ صحابہ میں سے ہے (کیونکہ حضرت انس اس موقع پر حاضر نہ تھے)، ابو یعلی نے بسند حسن یہی واقعہ مطولا اسماء بنت ابی بکر کے حوالے سے نقل کیا ہے، کہتی ہیں ایک شخص چیختا ہوا حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور کہنے لگا: (أدرِكْ صاحبَك) اپنے صاحب کو بچالو، کہتے ہیں وہ ہمارے ہاں سے نکل کر بھاگم بھاگ پہنچے اور یہ کہتے جاتے تھے: (أتقتلون رجلا أن يقول الخ) آپ کو تو چھوڑ دیا، ابوبکر کو اتنا مارا کہ جب ہمارے پاس انہیں لایا گیا تو لہولہان تھے، بالوں کو ہاتھ لگاتے تھے تو گر پڑتے تھے۔

ابوبکر کے اس واقعہ کے ذکر پر مشتمل اس روایت کا حضرت علی سے ایک شاہد بھی ہے، جسے بزار نے محمد بن علی (یعنی المعروف بابن الحنفیہ) عن ابیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ خطبہ میں کہا سب سے بہادر کون ہے؟ لوگوں نے کہا آپ، کہنے لگے میں تو جب کوئی مجھے دعوتِ مبارزت دیتا تھا، تو اس کے ساتھ مقابلہ کرتا تھا لیکن یہ ابوبکر تھے، ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ قریش نے نبی اکرم کا گھیراؤ کیا ہوا ہے کوئی دھکا دے رہا تھا اور کوئی ضرب لگا تا تھا، کہہ رہے تھے تم وہ ہو جو سارے آلہہ کی بجائے ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے ہو؟ اس سنگین صورتحال میں خدا کی قسم ہم میں سے کسی کو قریب جانے کا حوصلہ نہ ہوا مگر ابوبکر کھڑے ہوئے اسکو مارتے تھے اسکو دھکا دیتے اور کہتے جاتے تھے: (ويلكم أتقتلون رجلا أن يقول ربی الله) یہ کہہ کر حضرت علی رونے لگے، پھر کہا تمہیں اللہ کا واسطہ دیکر کہتا ہوں بتلاؤ مؤمنِ آلِ فرعون افضل تھا یا ابوبکر؟ (مؤمنِ آلِ فرعون سے مراد وہ جسکا ذکر سورۃ الغافر کی اس آیت میں ہے: وقالَ رَجُلٌ مُؤمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعونَ الخ) لوگ خاموش رہے، حضرت علی بولے واللہ ابوبکر کی ایک ساعت اس مؤمنِ آلِ فرعون سے افضل ہے، وہ تو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے جبکہ ابوبکر علی الاعلان اپنے ایمان کا اقرار کرتے تھے۔

30 باب إِسْلَامُ أَبِی بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رض (حضرت ابوبکر کا قبولِ اسلام)

اسکے تحت (مناقب أبی بكر) کے تحت گزری حدیثِ عمار نقل کی ہے۔

3857 حَدَّثَنِی عَبْدُ اللَّهِ بْنُ حَمَّادٍ الآمُلِیُّ قَالَ حَدَّثَنِی يَحْيَی بْنُ مَعِينٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُجَالِدٍ عَنْ بَيَانٍ عَنْ وَبَرَةَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَمَا مَعَهُ إِلَّا خَمْسَةُ أَعْبُدٍ وَامْرَأَتَانِ، وَأَبُو بَكْرٍ. طرفه 3660۔ (اسی جلد کا سابقہ نمبر)

ابن سکن کے نسخہ میں (حدثنی عبدالله بن محمد) ہے، اس سے جیانی کو وہم لگا کہ مسندی مراد ہیں اور لکھا کہ (لم يصنع شيئا)، بقول ابن حجر ان کی یہ بات محلِ نظر ہے کیونکہ تفسیر سورۃ التوبۃ میں (حدثنا عبدالله بن محمد حدثنا يحيیٰ بن معين) کے حوالے سے ایک روایت لائے ہیں، جیانی کی یہاں دلیل یہ ہے کہ ابونصر کلاباذی نے جزم کے ساتھ روایتِ ھذا کے شیخِ بخاری عبداللہ بن حماد کو قرار دیا ہے، ابوذر ہروی کے نسخہ میں بھی یہی نسبت مذکور ہے، یہ امام بخاری سے عمر میں چھوٹے تھے، بخاری کی ابن معین سے بھی لقاء ہے، بیان سے مراد ابن بشر ہیں۔ اسی حدیث پر اکتفاء کیا ہے کیونکہ اپنی شرط پر کوئی اور حدیث نہیں مل سکی، اس میں حضرت ابوبکر کے قدیم الاسلام ہونے پر دلالت ملتی ہے کیونکہ حضرت عمار نے ان کے سوا کسی اور کا صاحبِ اسلام ہونا ذکر نہیں کیا، جمہور

اس امر پر متفق ہیں کہ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ابو بکر ہیں بلکہ ابن اسحاق تو یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ ابو بکر کو بعثت سے پہلے یقین تھا کہ نبی اکرم ضرور نبی کی حیثیت سے مبعوث ہوں گے کیونکہ وہ آنجناب میں کئی آیات و دلائل کا مشاہدہ کر چکے تھے تو جب وحی نازل ہونے کے بعد نبی پاک نے انہیں دعوت دی تو پہلے وہلہ ہی میں اسلام قبول کر لیا، ابن حجر تنبیہ کے عنوان سے لکھتے ہیں اس باب کا حق یہ تھا کہ اسے مقدم کیا جاتا، یا تو (باب المبعث) میں یا اس کے فورا بعد مگر یہاں اسکی توجیہ یہ ہے کہ سابقہ حدیثِ عمرو بن عاص میں مذکور ہے کہ ابو بکر آنجناب کی نصرت کیلئے کھڑے ہوئے تھے اور یہ آیت تلاوت کی: (أتقتلون رجلا أن يقول ربي الله) یہ الفاظ اس مؤمنِ آلِ فرعون نے کہے تھے جنکا ذکر سورۃ الغافر میں ہے تو اس سے ان کے سب سے قدیم الاسلام ہونے کی دلالت ملتی ہے پھر باوجود حضرت عمار کے قدیم الاسلام ہونے کے انہوں نے۔ جیسا کہ ذکر کیا۔ ان ایام میں سوائے ابو بکر و بلال کے کسی کو آنجناب کے ساتھ نہ دیکھا، ان کی مراد رجالِ اہل اسلام سے ہے۔

31 باب إِسْلاَمُ سَعْدٍ (حضرت سعد کا قبولِ اسلام)

3858 حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا هَاشِمٌ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا إِسْحَاقَ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَقُولُ مَا أَسْلَمَ أَحَدٌ إِلاَّ فِي الْيَوْمِ الَّذِي أَسْلَمْتُ فِيهِ، وَلَقَدْ مَكَثْتُ سَبْعَةَ أَيَّامٍ وَإِنِّي لَثُلُثُ الإِسْلاَمِ۔ طرفاه 3726، 3727

انکے مناقب کے باب میں (اسی جلد کا سابقہ نمبر) یہ حدیث مشروح ہو چکی ہے، تو حضرت سعد کی یہ بات ان کی اپنی معلومات کی بنا پر ہے وگرنہ ان سے قبل (حضرت ابو بکر کے علاوہ) حضرت خدیجہ، بلال، زید بن حارثہ اور علی وغیرھم قبولِ اسلام کر چکے تھے، علامہ انور (و إني لثلث الإسلام) کے تحت لکھتے ہیں ان کی یہ بات خلافِ واقع ہے مگر انہوں نے اپنی اطلاع کی بنیاد پہ یہ کہا ہے۔

32 باب ذِكْرُ الْجِنِّ (جنوں کا تذکرہ)

وَقَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى (قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الْجِنِّ)

جنوں کے بارہ میں بدء الخلق میں بحث ہو چکی ہے۔ (وقول الله الخ) اس آیت کی تفسیر بیان کرنا چاہتے ہیں، ابن عباس۔ جیسا کہ کتاب الصلاۃ میں گزرا۔ جنوں کے آنجناب کے ساتھ اجتماع کا انکار کرتے تھے، ان کے الفاظ ہیں: (ماقرأ النبي ﷺ على الجن و لا رآهم)، یعنی نبی اکرم نے نہ جنوں کو قرآن سنایا اور انہیں دیکھا۔ باب کی حدیثِ ابی ہریرہ اگرچہ جنوں کے آپ کے ساتھ اجتماع و گفتگو کی بابت صریح ہے مگر یہ مذکور نہیں کہ آپ نے انہیں قرآن سنایا اور نہ یہ کہ آیا یہ وہی جن ہیں جنکا تذکرہ اس آیت میں ہے؟ اسلئے کہ حدیثِ ابی ہریرہ میں ہے کہ وہ اس رات نبی اکرم کے ہمراہ تھے (فتح الباری کی عبارت جسکا پچھلی سطور میں ترجمہ کیا، یہ ہے: لأن في حديث أبي هريرة أنه كان مع النبي ﷺ ليلتئذ۔ میرے خیال میں یہاں کچھ سہو ہوا ہے، شائد۔ کان۔ سے قبل۔ ما۔ ہوگا کیونکہ ان کی روایت میں مذکور نہیں کہ وہ اس رات آپ کے ہمراہ تھے، آگے کے عبارت میرے خیال کی تائید کرتی ہے)۔ ابو ہریرۃ تو سن سات ہجری کو مدینہ آئے جبکہ جنوں کے استماعِ قرآن کا قصہ قبل از ہجرت، مکہ میں وقوع پذیر ہوا، حدیثِ ابن عباس اس

بارے صریح ہے۔

ابن عباس کی اس نفی اور دوسروں کے اثبات کے درمیان تطبیق یہ ہوگی کہ جنوں کے متعدد وفود آنجناب کی خدمت میں آئے، مکہ میں جو وفد آیا وہ استماعِ قرآن میں اپنی قوم کی طرف بحیثیتِ مُنذِرین واپس ہوا جیسا کہ قرآن نے ذکر کیا، مدینہ میں جو وفد آیا وہ احکام کی تعلیمات کیلئے تھا، دونوں مذکورہ حدیثوں میں یہ بیّن ہے، یہ بھی محتمل ہے کہ دوسرے وفد کی آمد بھی مکہ میں ہوئی ہو، آمدہ حدیثِ ابن مسعود سے اس کی دلالت ملتی ہے، ابو ہریرہ کی روایت میں اس امر کی تصریح موجود نہیں کہ جنوں کی یہ آمد مدینہ میں ہوئی تھی، یہ بھی احتمال ہے کہ مکہ اور مدینہ میں ایک سے زائد بار جنوں کے وفود کی آمد ہوئی ہو، بیہقی لکھتے ہیں ابن عباس کی روایت میں اول الحال کی بابت تذکرہ ہے جب جنوں کو آنجناب کی بابت ابتدائی خبر ملی، اس وقت آپ نے نہ انہیں دیکھا اور نہ انہیں قرآن سنایا، پھر ایک مرتبہ جنوں کی طرف سے ملاقات کی دعوت ملی تو آپ تشریف لے گئے اور انہیں قرآن سنایا جیسا کہ ابن مسعود کی روایت میں مذکور ہے، اس سے ان کا اشارہ احمد اور حاکم کی زر بن حبیش عن ابن مسعود کے حوالے سے مروی حدیث کی طرف ہے، اس میں ہے کہ آنجناب بطنِ نخل میں تلاوتِ قرآن میں مصروف تھے کہ جنوں کا ادھر سے گزر ہوا، جب سنا تو ایک دوسرے سے کہا خاموش ہو جاؤ، یہ سات جن تھے، بقول ابن حجر یہ حدیثِ ابن عباس کے موافق ہے۔ مسلم نے داؤد بن ابی ہند عن الشعبی عن علقمۃ کے حوالے سے روایت کیا ہے، کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن مسعود سے کہا کیا آپ میں سے کوئی لیلۃ الجن آنجناب کے ساتھ گیا تھا؟ کہنے لگے نہیں مگر ہم نے آپ کو اس رات مکہ میں نہ پایا تو اگلے دن آپ سے ذکر کیا، اس پر آپ نے بتلایا کہ میرے پاس ایک داعی الجن (یعنی ان کا ہرکارہ) آیا تھا، تو میں انکے ہاں گیا اور انہیں قرآن سنایا، کہتے ہیں پھر آپ ہمیں لیکر اس مقام کو گئے اور ان کے آگ وغیرہ جلانے کے آثار دکھلائے۔

ابن مسعود کا اس حدیث میں یہ کہنا کہ وہ اس رات آپ کے ہمراہ نہ تھے، زہری کی روایت سے اصح ہے جس میں ہے کہ مجھے ابو عثمان بن شیبۃ خزاعی نے بحوالہ ابن مسعود بتلایا کہ نبی اکرم نے مکہ میں اپنے صحابہ سے فرمایا تم میں سے جو کوئی چاہتا ہے کہ آج رات اثر الجن دیکھے تو میرے ساتھ چل سکتا ہے، کہتے ہیں میرے سوا کوئی نہ گیا، جب ہم اعلیٰ مکہ میں پہنچے (کعبہ سے مشرقی جانب) تو اپنے قدم مبارک سے میرے لئے ایک دائرہ کھینچا اور حکم دیا کہ اس کے اندر بیٹھے رہنا پھر آپ آگے تشریف لے گئے اور قرآن پڑھا، میں نے دیکھا کہ بہت سے سائے سے آپ کے گرد جمع ہیں حتی کہ مجھے آپ کی آواز آنا بند ہوگئی پھر فجر کے قریب وہ سب چلے گئے اور ہم بھی واپس ہوئے، بیہقی کہتے ہیں صحیح کی روایت میں انکا قول کہ ہم میں کوئی آپ کے ساتھ نہ تھا، سے مراد عین اس وقت جب آپ جنوں کو قرآن سنا رہے تھے، ہونا محتمل ہے البتہ ان کا یہ کہنا کہ ایک رات آپ کو گم پایا، اس امر پر دال ہے کہ انہیں آپکے جانے کا علم نہ تھا، لیکن اسے بھی اس امر پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ ان سے مراد وہ مسلمان جو آپ کے ہمراہ نہ گئے تھے، زہری کی روایت کے متابع بھی موجود ہے جو موسی بن علی بن رباح عن ابیہ عن ابن مسعود مروی ہے، اس میں کہتے ہیں کہ آنجناب نے مجھے اپنے پیچھے آنے کو کہا، فرمایا کوئی پندرہ جن جو آپس میں بھائی وعمزاد ہیں، آج رات مجھ سے قرآن سننے آئیں گے، تو میں آپکے ہمراہ نکلا، ایک جگہ آپ نے دائرہ کھینچ کر مجھے اس میں بٹھلا دیا، تو یہی قصہ بیان کیا، اسے دارقطنی اور ابن مردویہ وغیرہ نے تخریج کیا ہے۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں استماعِ جن نبی اکرم کے طائف سے واپسی کے بعد ہوا تھا اس وقت حضرت ابو طالب وفات پا چکے تھے بعثت کے دسویں برس کا واقعہ ہے، ابن سعد نے جزم کے ساتھ قرار دیا ہے کہ آپ کا سفرِ طائف ماہِ شوال میں تھا، سوقِ عکاظ جسکا ابن عباس نے اشارہ دیا، ذوالقعدہ کے مہینہ میں لگتا تھا ابن عباس

کا حدیث میں یہ کہنا: (وهو يصلي بأصحابه) تو سفرِ طائف میں آپ کے ہمراہ صرف زید بن حارثہ تھے، تو ممکن ہے واپسی میں آپکے بعض دیگر صحابہ راستے میں آپ سے مل لئے ہوں۔

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ جنوں کے وفود کی آمد طائف سے واپسی پر ہوئی، انکے بعض کے قدوم کی اولیت کی بابت صریح نہیں کہ سیاقِ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے کی نسبت آسمان کی استراقِ جن سے حفاظت کیلئے شہب کا کثرت سے داغا جانا اس امر پر دال ہے کہ یہ بعثتِ نبوی اور پہلی وحی کے نزول سے قبل کی بات ہے، جن اس کے سبب کی کھوج میں پڑے ہوئے تھے کہ اس اثناء آپ سے ٹاکرا ہو گیا، اسی لئے ترجمہ کو قدوم یا وفادہ کے ساتھ مقید نہیں کیا، پھر جب دعوتِ اسلام منتشر ہوئی اور متعدد افراد مسلمان ہو گئے تو جن بھی آئے، قرآن سنا اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے پھر مدینہ میں بھی ان کے وفود کی آمد و رفت رہی۔

3859حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ مَعْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ سَأَلْتُ مَسْرُوقًا مَنْ آذَنَ النَّبِيَّ ﷺ بِالْجِنِّ لَيْلَةَ اسْتَمَعُوا الْقُرْآنَ .فَقَالَ حَدَّثَنِي أَبُوكَ يَعْنِي عَبْدَ اللَّهِ أَنَّهُ آذَنَتْ بِهِمْ شَجَرَةٌ

راوی کہتے ہیں میں نے مسروق سے پوچھا جس رات جنوں نے قرآن سنا اس کی خبر نبی پاک کو کس نے دی تھی؟ کہنے مجھے تمہارے باپ۔ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود۔ نے بیان کیا کہ ایک درخت نے دی تھی۔

شیخِ بخاری ابو قدامہ سرخسی ہیں اپنی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، انہی کے طبقہ کے ایک راوی عبداللہ بن سعید بھی ہیں جو ابو سعید اشج ہیں، معن عبداللہ بن مسعود کے پوتے ہیں، کوفی اور ثقہ ہیں بخاری میں ان کی یہی ایک روایت ہے۔ (بهم شجرة) مسند ابن راھویہ میں ابو اسامہ کی اسی سند کے ساتھ روایت میں (سمره) ہے۔

3860حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي جَدِّي عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه أَنَّهُ كَانَ يَحْمِلُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِدَاوَةً لِوَضُوئِهِ وَحَاجَتِهِ، فَبَيْنَمَا هُوَ يَتْبَعُهُ بِهَا فَقَالَ مَنْ هَذَا .فَقَالَ أَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ .فَقَالَ ابْغِنِي أَحْجَارًا أَسْتَنْفِضْ بِهَا، وَلاَ تَأْتِنِي بِعَظْمٍ وَلاَ بِرَوْثَةٍ .فَأَتَيْتُهُ بِأَحْجَارٍ أَحْمِلُهَا فِي طَرَفِ ثَوْبِي حَتَّى وَضَعْتُ إِلَى جَنْبِهِ ثُمَّ انْصَرَفْتُ، حَتَّى إِذَا فَرَغَ مَشَيْتُ، فَقُلْتُ مَا بَالُ الْعَظْمِ وَالرَّوْثَةِ قَالَ هُمَا مِنْ طَعَامِ الْجِنِّ، وَإِنَّهُ أَتَانِي وَفْدُ جِنِّ نَصِيبِينَ وَنِعْمَ الْجِنُّ، فَسَأَلُونِي الزَّادَ، فَدَعَوْتُ اللَّهَ لَهُمْ أَنْ لاَ يَمُرُّوا بِعَظْمٍ وَلاَ بِرَوْثَةٍ إِلاَّ وَجَدُوا عَلَيْهَا طَعَامًا .طرفه 155

ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ وہ نبی پاک کے وضوء اور قضائے حاجت کیلئے پانی سے بھرا ایک برتن لئے آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے کہ آپ نے پوچھا کون ہو؟ عرض کی ابو ہریرہ! فرمایا میرے استنجا کیلئے چند پتھر تلاش کر کے لاؤ، مگر ہڈی اور لید نہ لانا، کہتے ہیں میں اپنے کپڑے کے کنارے میں رکھ کر چند پتھر لایا اور آپ کے پہلو میں رکھ دئے اور خود ایک طرف ہٹ گیا آپ جب فارغ ہوئے تو میں آپکے ہمراہ چلا اور پوچھا ہڈی اور لید کے ساتھ استنجا کیوں منع ہے؟ فرمایا اسلئے کہ کہ وہ جنوں کا کھانا ہیں، اور میرے پاس نصیبین کے جنوں کا ایک وفد آیا تھا، اور وہ اچھے جن تھے۔ جاتے وقت مجھ سے زادِ سفر مانگا میں نے اللہ سے دعا کی کہ کسی

ہڈی یا لید سے ان کا گزر نہ ہو مگر اس میں اپنے لئے کھانا پائیں۔

(أخبرني جدى) یہ سعید بن عمرو بن سعید بن عاص ہیں۔ (ابغنی) بقول ابن تین یہ ثلاثی سے ہے، (بغیت الشیء) کہا جاتا ہے أی (طلبته)، (أبغيتك الشیء) کہتے ہیں جب اس کی طلب وتلاش میں اس کے ساتھ تعاون کیا ہو (یعنی دونوں نے مل کر ڈھونڈا ہو)۔ (أحجارا أستنفِض بها) کتاب الطہارۃ میں اس کی شرح گزر چکی ہے۔

(و إنه أتانى وفد الخ) محتمل ہے کہ یہ اسی رات ہونے والے وقوعہ کی خبر ہو یا ماضی کا کوئی گزرا واقعہ، نصیبین جزیرہ کا مشہور شہر ہے ابن تین کی کلام میں اسے شام کا شہر باور کرایا گیا، یہ تجوُّز ہے، جزیرہ شام وعراق کے درمیان ہے (آج کل جزیرہ نام کا کوئی علاقہ نہیں) نصیبین منصرف وغیر منصرف، دونوں طرح پڑھا جانا جائز ہے۔

(فسألونى الزاد) یعنی انسانوں کے بچے ہوئے سے، بعض حضرات کا قول ہے کہ اشیاء قبل از شریعت، علی الحظر ہیں (یعنی ان سے بچا جانا چاہئے) حتی کہ شرع کی طرف سے اِباحت وارد ہو، اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ حدیث سے اس کی دلالت نہیں ملتی، محتمل ہے کہ انہیں اس سے کھانے کا ذائقہ دیا گیا ہو، مسلم کی حدیثِ ابن مسعود میں ہے: (إن البعر زاد دوابهم) کہ لید ان کے جانوروں کا زاد ہے، حدیثِ باب کے ساتھ اسکی منافات نہیں کیونکہ یہاں بھی اس طعام کو ان کے جانوروں کی خوراک قرار دیا جانا ممکن ہے۔

علامہ انور (هما من طعام الجن) کے تحت لکھتے ہیں یہاں روثہ کے ساتھ استنجاء کی نہی کو بایں طور معلّل کیا کہ یہ جنوں کا طعام ہے، کبھی اسے رکس اور کبھی رجس قرار دیا، جیسا کہ گزرا۔ یہ آخری تعلیل حنفیہ کی حجت ہے جو نجاستِ ازبال (جانوروں کی لید) کے قائل ہیں، اسکی تقریر گزر چکی، جو شخص یہ رائے رکھتا ہے کہ یہ دونوں تعلیلیں ایک دوسرے کیلئے ھدر کا سبب ہیں وہ جادۂ صواب سے حائد ہے، اسے یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ سب تعلیلات مقصود ہیں، وجہ یہ ہے کہ تعلیلِ اول اس زمانہ میں ذکر کی جب جن آپکے ہاں آتے جاتے تھے دوسری علل بعد ازاں بیان فرمائیں، اصول میں یہ بحث موجود ہے کہ آیا ایک حکم کی متعدد تعالیل ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ میری رائے میں یہ مہمل بات ہے، عللِ شرعیہ کا تعدُّد لا محالہ ہے، اصولیوں پر معاملہ اسلئے مشتبہ ہوا کہ معقولین نے عللِ تامہ کے تعدُّد کی بابت بحث کی ہے، عللِ ناقصہ کے جوازِ تعدد کے تو وہ قائل ہیں پھر ہمارے فقہاء آئے اور اس بحث کی ممارست کی، اس کا علتِ شرعیہ میں بھی اجراء کر دیا حالانکہ اس کی اصل جگہ معقول اور علل تامہ ہیں۔

33 باب إِسْلَامُ أَبِى ذَرٍّ (حضرت ابوذر کا قبولِ اسلام)

حضرت ابوذر کا نام ونسب جندب۔ بعض نے برید لکھا ہے۔ ابن جُنادہ بن سفیان، ان کا نام بعض نے سفیر ذکر کیا ہے، ابن عبید بن حرام بن غفار ہے، غفار بنی کنانہ میں سے ہیں۔

3861 حَدَّثَنِى عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِىٍّ حَدَّثَنَا الْمُثَنَّى عَنْ أَبِى جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ لَمَّا بَلَغَ أَبَا ذَرٍّ مَبْعَثُ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ لأَخِيهِ ارْكَبْ إِلَى هَذَا الْوَادِى، فَاعْلَمْ لِى عِلْمَ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِى يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِىٌّ، يَأْتِيهِ الْخَبَرُ مِنَ السَّمَاءِ،

وَاسْمَعْ مِنْ قَوْلِهِ، ثُمَّ ائْتِنِي .فَانْطَلَقَ الأَخُ حَتَّى قَدِمَهُ وَسَمِعَ مِنْ قَوْلِهِ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى أَبِي ذَرٍّ، فَقَالَ لَهُ رَأَيْتُهُ يَأْمُرُ بِمَكَارِمِ الأَخْلاَقِ، وَكَلاَمًا مَا هُوَ بِالشِّعْرِ .فَقَالَ مَا شَفَيْتَنِي مِمَّا أَرَدْتُ، فَتَزَوَّدَ وَحَمَلَ شَنَّةً لَهُ فِيهَا مَاءٌ حَتَّى قَدِمَ مَكَّةَ، فَأَتَى الْمَسْجِدَ، فَالْتَمَسَ النَّبِيَّ ﷺ وَلاَ يَعْرِفُهُ، وَكَرِهَ أَنْ يَسْأَلَ عَنْهُ حَتَّى أَدْرَكَهُ بَعْضُ اللَّيْلِ، فَرَآهُ عَلِيٌّ فَعَرَفَ أَنَّهُ غَرِيبٌ .فَلَمَّا رَآهُ تَبِعَهُ، فَلَمْ يَسْأَلْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ عَنْ شَيْءٍ حَتَّى أَصْبَحَ، ثُمَّ احْتَمَلَ قِرْبَتَهُ وَزَادَهُ إِلَى الْمَسْجِدِ، وَظَلَّ ذَلِكَ الْيَوْمَ وَلاَ يَرَاهُ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى أَمْسَى، فَعَادَ إِلَى مَضْجَعِهِ، فَمَرَّ بِهِ عَلِيٌّ فَقَالَ أَمَا نَالَ لِلرَّجُلِ أَنْ يَعْلَمَ مَنْزِلَهُ فَأَقَامَهُ، فَذَهَبَ بِهِ مَعَهُ لاَ يَسْأَلُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ عَنْ شَيْءٍ، حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمَ الثَّالِثِ، فَعَادَ عَلِيٌّ مِثْلَ ذَلِكَ، فَأَقَامَ مَعَهُ ثُمَّ قَالَ أَلاَ تُحَدِّثُنِي مَا الَّذِي أَقْدَمَكَ قَالَ إِنْ أَعْطَيْتَنِي عَهْدًا وَمِيثَاقًا لَتُرْشِدَنَّنِي فَعَلْتُ فَفَعَلَ فَأَخْبَرَهُ .قَالَ فَإِنَّهُ حَقٌّ وَهُوَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَإِذَا أَصْبَحْتَ فَاتْبَعْنِي، فَإِنِّي إِنْ رَأَيْتُ شَيْئًا أَخَافُ عَلَيْكَ قُمْتُ كَأَنِّي أُرِيقُ الْمَاءَ، فَإِنْ مَضَيْتُ فَاتْبَعْنِي حَتَّى تَدْخُلَ مَدْخَلِي فَفَعَلَ، فَانْطَلَقَ يَقْفُوهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَدَخَلَ مَعَهُ، فَسَمِعَ مِنْ قَوْلِهِ، وَأَسْلَمَ مَكَانَهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ ارْجِعْ إِلَى قَوْمِكَ، فَأَخْبِرْهُمْ حَتَّى يَأْتِيَكَ أَمْرِي .قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لأَصْرُخَنَّ بِهَا بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ، فَخَرَجَ حَتَّى أَتَى الْمَسْجِدَ فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ .ثُمَّ قَامَ الْقَوْمُ فَضَرَبُوهُ حَتَّى أَضْجَعُوهُ، وَأَتَى الْعَبَّاسُ فَأَكَبَّ عَلَيْهِ قَالَ وَيْلَكُمْ أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ مِنْ غِفَارٍ وَأَنَّ طَرِيقَ تِجَارِكُمْ إِلَى الشَّأْمِ فَأَنْقَذَهُ مِنْهُمْ، ثُمَّ عَادَ مِنَ الْغَدِ لِمِثْلِهَا، فَضَرَبُوهُ وَثَارُوا إِلَيْهِ، فَأَكَبَّ الْعَبَّاسُ عَلَيْهِ۔ طرفه: 3522۔ (اسی کے سابقہ نمبر میں مترجم ہے)

مثنی سے مراد ابن سعید ضبعی ہیں، ان سے بخاری میں دو احادیث ہیں دوسری ذکرِ بنی اسرائیل میں گزر چکی ہے، ابوحمزہ کا نام نصر بن عمران ہے۔ (لأخيه) ان کا نام انیس تھا۔

(اركب إلى هذا الخ) یعنی وادی مکہ، ابوقتیبہ سے مروی اسی روایت میں جو مناقبِ قریش میں گزری، تھا کہ ابن عباس نے ہمیں کہا تمہیں حضرت ابوذر کے اسلام لانے کا واقعہ نہ سناؤں؟ ہم نے کہا کیوں نہیں! تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عباس نے حضرت ابوذر سے یہ سنا ہوگا۔ مسلم نے قصہ اسلامِ ابوذر عبداللہ بن صامت عن ابی ذر کے حوالے سے نقل کیا ہے اور اسکے اور ابن عباس کے اس سیاق میں کافی مغایرت ہے البتہ تطبیق ممکن ہے، ان کی روایت کے شروع میں ہے، کہتے ہیں میں، میرا بھائی انیس اور ہماری والدہ اپنے قبیلہ غِفار سے نکل کر۔ اور وہ (یعنی ان کے قبیلہ والے) حرمت والے مہینہ کو حلال کر لیتے تھے۔ اپنے ماموں کے ہاں آ گئے، ان کے ہم قبیلہ ہم سے حسد کرنے لگے اور کچھ ایسے معاملات ہوئے کہ ماموں کے ساتھ ہمارے تعلقات میں کدورت آ گئی، ہم ان سے

بھی رخصت ہو کر مکہ آگئے، اس میں ہے راوی سے کہا اے بھتیجے میں نے رسول اللہ کے ساتھ ملاقات سے تین برس قبل نماز پڑھی ہے، راوی نے پوچھا: (لِمَنْ ؟) کہا اللہ کیلئے (یعنی اسے پیشِ نظر رکھ کر) پوچھا کسطرف رخ کر کے؟ کہا: (حیث یوجھنی ربی)۔ (کسی قبلہِ خاص کی طرف منہ نہیں کیا، اصل بات یہ کہنا مقصود ہے کہ بت پرستی سے برگشتہ ہو چکے تھے) اس میں ہے کہ انیس کسی کام کیلئے مکہ گیا واپس آ کر بتلایا کہ وہاں ایک شخص ہے جو تمہارے دین پر ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ کا نبی ہے، میں نے پوچھا لوگوں کی کیا رائے ہے؟ کہنے لگا وہ تو اسے شاعر اور کاہن کہتے ہیں، انیس جو خود شاعر تھا، کہنے لگا میں نے کاہنوں کی کلام بھی سنی ہے وہ جو کچھ پڑھتا ہے وہ کاہنوں کی کلام سے بھی مشابہ نہیں، میں نے اس کا کلام (قرآن) شاعری کی میزان میں تولا ہے، وہ شاعری بھی نہیں، اللہ کی قسم وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں انیس کی فیصلہ کن انداز میں یہ آخری بات ابن عباس کی روایت کے جملہ: (ما شفیتنی) کے منافی ہے، اس کی تطبیق یہ ممکن ہے کہ ابوذر ساری تفاصیل (اور کلامِ محمدی کے نمونے) سننا چاہتے تھے مگر انیس نے مجملاً بیان کیا۔

(فانطلق الأخ) کشمیہنی کے نسخہ میں (فانطلق الآخر) ہے، عیاض کہتے ہیں بعض روایات میں (فانطلق الأخ الآخر) ہے مگر درست یہ ہے کہ ان میں سے ایک لفظ پر ہی اقتصار ہے کیونکہ حضرت ابوذر کا ایک ہی بھائی یعنی انیس معروف ہے، ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کہ مسلم کی عبد الرحمٰن بن مہدی عن المثنی سے روایت میں (فانطلق الآخر) ہے۔

(یأمر بمکارم الأخلاق) اس روایت میں یہی عبارت ہے، مسلم کے ہاں ابن مہدی اس پر موافق ہیں۔ (کلاما) ضمیرِ منصوب (یعنی رأیتۃ کی) پر معطوف ہے۔ اس میں ایک اشکال ہے کہ کلام تو مرئی نہیں ہوتی! جواب دیا گیا کہ یہ (علفتھا تبناً و ماءً باردا) کی قبیل سے ہے، اس میں دو وجہیں ذکر کی گئی ہیں، یا تو ماء سے پہلے: (و سقیتُھا) مضمر مانا جائے، یا (علفتھا) کو اِعطاء کے معنی میں قرار دیا جائے، یہاں بھی (وسمعتہ یقول کلاما الخ) مقدر مانا جا سکتا ہے، یا رؤیت کے ضمن میں اخذ کا معنی قرار دیا جا سکتا ہے، ابو قتیبہ کی روایت میں یہ عبارت ہے: (رأیتہ یأمر بالخیر و ینھیٰ عن الشر)۔

(و کرہ أن یسأل عنہ) کیونکہ حالات اور اہل مکہ کے تعامل سے اندازہ لگایا کہ وہ آنجناب کی بابت پوچھنے پر ایذاء کا نشانہ بنا سکتے ہیں۔ (فرآہ علیٌّ الخ) یہ اس امر پر دال ہے کہ یہ واقعہ بعثت کے کم از کم دو برس بعد پیش آیا کیونکہ قبل ازیں حضرت علی کی عمر اتنی نہ تھی کہ وہ اجنبی سے مخاطب ہوتے اور انہیں گھر لا کر میزبانی کا حق ادا کرتے، حضرت علی کی عمر بوقتِ بعثت کی بابت صحیح قول یہ ہے کہ دس برس تھی بعض نے تو اس سے بھی کم لکھی ہے، (اس واقعہ کی جزئیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علی اس وقت چودہ پندرہ برس کے ہوں گے)۔

(یوم الثالث) یہ ان کے قول: (مسجد الجامع) کی طرز پہ ہے۔ (کأنی أریق الماء) ابو قتیبہ کی روایت میں تھا: (کأنی أصلح نعلی) ممکن ہے دونوں باتیں کہی ہوں۔ (و أسلم مکانہ) گویا علاماتِ نبوت کا علم پہلے سے رکھتے تھے جب آپ سے ملکر ان کا تحقق ہو گیا تو فوراً اسلام لے آئے، اس روایت کا مقتضا یہ ہے کہ حضرت ابوذر کی آنجناب سے ملاقات حضرت علی کے دلیلِ راہ بننے سے ممکن ہوئی جبکہ عبد اللہ بن صامت کی روایت میں ہے کہ ان کی آپ سے رات کے وقت طواف کرتے ہوئے ملاقات ہوئی، حضرت ابوبکر بھی آپ کے ہمراہ تھے، اس میں ہے کہتے ہیں جب نماز پوری کی تو میں نے کہا: (السلام علیك یا رسول اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ) کہتے ہیں پہلا شخص ہوں جس نے آپکو سلام کیا، آپ نے پوچھا کہاں سے ہو؟ میں نے کہا بنی غفار سے،

کہتے ہیں آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنی پیشانی پہ رکھ لیا، میں نے (دل میں) کہا شائد میرا بنی غفار سے ہونا برا لگا ہے، اس میں زمزم کا تذکرہ ہے کہ وہ تیس دن ورات اسی پر گزارا کرتے رہے، یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر نے رسول اللہ سے کہا مجھے اجازت دیں کہ آج رات انکی میزبانی کروں اور پھر ہمراہ لے جا کر طائف کی زبیب کھلائیں، اسکی تطبیق بھی یہ ممکن ہے کہ اولا وہ حضرت علی سے ملے پھر یہاں اثنائے طواف بھی ملاقات ہوئی یا بالعکس اور دونوں راویوں نے جو کچھ یاد رکھا بیان کر دیا، قرطبی لکھتے ہیں دونوں روایتوں میں ذکر کردہ امور کے مابین تطبیق تکلفِ شدید ہے بالخصوص ابن صامت کی روایت کے اس بیان کا کہ وہ بغیر کسی زاد کے تیس دن مکہ میں ٹھہرے رہے جبکہ حدیثِ ابن عباس میں ہے کہ ان کے ہمراہ پانی کی چھاگل اور طعام تھا، ابن حجر کہتے ہیں اس کی توجیہہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ اپنے علاقہ سے جب نکلے زادِ مذکور ساتھ تھا مگر مکہ میں اثنائے قیام یہ سب کچھ ختم ہوگیا، اسی طرح چھاگل ہمراہ تھی مگر اب مکہ میں اسے بھرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی (کہ کعبہ کے اندر آب زمزم تھا)۔

(ارجع إلى قومك الخ) ابوقتیبہ کی روایت میں ہے کہ ہدایت دی اپنے اسلام کو چھپائے رکھو، ابن صامت کی روایت میں ہے کہ ایک کھجوروں والی سرزمین میرے لئے موجّہ کیگئی ہے (یعنی اشارہ ملا ہے کہ اس طرف جاؤں) کیا اپنی قوم کو تبلیغ کر سکتے ہو؟ شائد تمہارے ہاتھوں انہیں ہدایت نصیب ہو جائے، اس میں ہے کہ پھر ان کے بھائی انیس اور والدہ اسی طرح ان کی قوم کے نصف افراد حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ (لأصرخن بها) ضمیر کا مرجع کلمہ توحید ہے گویا وہ آنجناب کے امرِ کتمان کی بابت یہ سمجھے کہ برائے ایجاب نہیں بلکہ ازرہِ شفقت ہے تو آپ کو خبر دی کہ پوری قوت سے اس کا اعلان کرینگے اسی لئے نبی اکرم نے ان کی یہ بات سنکر انکار نہ فرمایا، اس سے متوقع ایذاء کے باوجود کلمہ حق کہہ دینے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے اگرچہ سکوت جائز ہو، اس بارے تحقیق یہ ہے کہ معاملہ بحسبِ احوال و مقاصد کے اختلاف کے مختلف ہے اور اسی حیثیت سے اس کے اجر یا عدم اجر کا ترتّب ہے۔

(فأكب العباس عليه) اس سے حضرت عباس کی ذہانت ظاہر ہوتی ہے کہ ان کی تجارت کا حوالہ دیکر ان کی جان بچائی، کہ وہ غیر محفوظ ہو جائے گی، اہلِ مکہ کی معیشت کا دارومدار تجارت پر ہی تھا یہ حوالہ ان کی جان بخشی کا ذریعہ بنا، حدیث سے اسلامِ ابی ذر کا تقدّم ظاہر ہوتا ہے لیکن ظاہر امر یہ ہے کہ یہ بعثت کے کافی عرصہ بعد کا واقعہ ہے، حضرت علی کا واقعہ اسی جانب اشارہ کرتا ہے پھر ابن صامت کی روایت میں کھجوروں والی زمین کا ذکر بھی اسی جانب مشیر ہے کہ یہ ہجرت سے کچھ عرصہ قبل کا واقعہ ہوگا۔

34 باب إِسْلَامُ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ (حضرت سعید بن زید کا قبولِ اسلام)

یعنی سعید بن زید بن عمرو بن نُفیل، حضرت عمر کے (بہنوئی اور) عمزاد تھے۔

3862 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ فِي مَسْجِدِ الْكُوفَةِ يَقُولُ وَاللَّهِ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنَّ عُمَرَ لَمُوثِقِي عَلَى الإِسْلاَمِ قَبْلَ أَنْ يُسْلِمَ عُمَرُ، وَلَوْ أَنَّ أُحُدًا ارْفَضَّ لِلَّذِي صَنَعْتُمْ بِعُثْمَانَ لَكَانَ (مَحْقُوقًا أَنْ يَرْفَضَّ). طرفاه 3867، 6942

راوی کہتے ہیں میں نے جامع مسجد کوفہ میں حضرت سعید بن زید سے سنا کہہ رہے تھے واللہ ایک وقت تھا کہ حضرت عمر نے قبولِ اسلام کی پاداش میں مجھے باندھ رکھا تھا، یہ ان کے اسلام لانے سے پہلے کی بات ہے اور جو تم نے حضرت عثمان کے ساتھ کیا اس کی وجہ سے احد پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جائے تو اسے یہی کرنا چاہئے۔

سند میں سفیان بن عیینہ، اسماعیل بن ابو خالد اور قیس بن ابو حازم ہیں۔ (لموثقی الخ) یعنی اسلام لانے کے سبب انہیں باندھ رکھا، اسلام چھوڑ دینے پر مجبور کرتے رہے۔ کرمانی نے اس کے بالکل برعکس یہ معنی کیا کہ مجھے اسلام پر پکا کرتے تھے، ان کے ذہن سے روایت کا اگلا جملہ: (قبل أن يسلم عمر) نکل گیا کیونکہ ابھی حالتِ کفر میں ہونے کے باوجود حضرت عمر کا انہیں اسلام پر پکا کرنا نہایت بعید امر ہے پھر یہ خلافِ واقع بھی ہے، آگے کتاب الإکراہ میں یہ باب بھی آئے گا: (باب من اختار الضرب والقتل و الهوان على الكفر) جس میں ان کا بھی تذکرہ ہوگا، اسکا سبب یہ تھا کہ سعید ان کے بہنوئی تھے، یہی تشدد وہ اپنی بہن پر بھی کرتے تھے، آگے ذکر آرہا ہے۔ حضرت عمر کے اسلام لانے کا باعث ان کی بہن اور سعید کی بیوی حضرت فاطمہ بنت خطاب کی استقامت بنی انہی سے انہوں نے قرآن سنا، دارقطنی وغیرہ نے یہ قصہ بطولها ذکر کیا ہے۔

(ولو أن أحداً ارفض الخ) آمدہ روایت میں (انقض) ہے ای سقط، ابن تین سے روایت میں ہے (لكان محقوقا أن ينقض) اسماعیلی کے ہاں (لكان حقيقاً) ہے ای واجباً، کہا جاتا ہے: (حق عليك أن تفعل) یا یہ کہا جاتا ہے: (أنت حقيق أن تفعل)۔ یا یہ بات شہاتِ عثمان کے عِظم کے مدِ نظر کہی، یہ اللہ تعالی کے اس فرمان سے ماخوذ ہے: (تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا) [مریم: ۹۰] بقول ابن تین تمثیلاً یہ کہا، راوی لکھتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر قبائل حضرت عثمان کا بدلہ لینے کے مطالبہ میں متحرک ہوتے ہیں تو وہ اس میں حق بجانب ہوں گے، بقول ابن حجر یہ بعید من التأویل ہے۔

علامہ انور (و إن عمر لموثقی الخ) کے تحت لکھتے ہیں یعنی مجھے گھر میں باندھ رکھا گویا انقلابِ زمانہ پر تعجب کر رہے ہیں کہ عمر نے کافر ہونے کے باوجود ان کے مسلمان ہونے پر صرف اس بات پر اکتفاء کیا کہ محبوس کر دیں اور تم کیسے ہو کہ مسلمانی کا دعوی بھی کرتے ہو پھر خلیفۂ رسول حضرت عثمان کو شہید کر دیا ہے!

35 باب إِسْلَامِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ﷺ (حضرت عمر کا قبولِ اسلام)

انکے نسب نامہ کا ذکر مناقبِ عمر میں گزر چکا ہے۔

3863 حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ مَا زِلْنَا أَعِزَّةً مُنْذُ أَسْلَمَ عُمَرُ. طرفه 3684

سفیان سے مراد ثوری ہیں، یہ مناقبِ عمر (اسی کا سابقہ نمبر) میں مشروح ہو چکی ہے۔

3864 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ فَأَخْبَرَنِي جَدِّي زَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ فِي الدَّارِ خَائِفًا، إِذْ جَاءَهُ

الْعَاصِ بْنُ وَائِلٍ السَّهْمِيُّ أَبُو عَمْرٍو، عَلَيْهِ حُلَّةُ حِبَرَةٍ، وَقَمِيصٌ مَكْفُوفٌ بِحَرِيرٍ، وَهُوَ مِنْ بَنِي سَهْمٍ، وَهُمْ حُلَفَاؤُنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ لَهُ مَا بَالُكَ قَالَ زَعَمَ قَوْمُكَ أَنَّهُمْ سَيَقْتُلُونِي إِنْ أَسْلَمْتُ .قَالَ لاَ سَبِيلَ إِلَيْكَ .بَعْدَ أَنْ قَالَهَا أَمِنْتُ، فَخَرَجَ الْعَاصِ، فَلَقِيَ النَّاسَ قَدْ سَالَ بِهِمُ الْوَادِي فَقَالَ أَيْنَ تُرِيدُونَ فَقَالُوا نُرِيدُ هَذَا ابْنَ الْخَطَّابِ الَّذِي صَبَا .قَالَ لاَ سَبِيلَ إِلَيْهِ .فَكَرَّ النَّاسُ .طرفه 3865

ابن عمر کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر قبولِ اسلام کے بعد جان کے خوف سے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ عاص بن وائل آیا اسنے اس وقت ایک دھاری دار چادر اور ریشمی کرتہ پہنا ہوا تھا اور زمانۂ جاہلیت میں ہمارے حلیف تھے، آتے ہی کہنے لگا کیا ہوا ہے؟ میرے والد کہنے لگے تمہاری قوم کہتی ہے اگر میں مسلمان ہوگیا تو وہ مجھے قتل کر ڈالینگے، کہنے لگا کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا، حضرت عمر کہتے ہیں اس کی بات سنکر میں بے خوف ہوگیا پھر وہ باہر نکلا تو دیکھا کہ پوری وادی لوگوں سے بھری ہوئی ہے، پوچھا کیا چاہتے ہو؟ لوگوں نے کہا ہم اس ابن خطاب کی خبر لینا چاہتے ہیں جو بے دین ہوگیا ہے، کہا کوئی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا، یہ سن کر سارے لوگ واپس چلے گئے۔

(فأخبرني جدي) بظاہر یہ کسی کلامِ سابق پر معطوف ہے مگر اسماعیلی نے اسے ابن وھب کے طریق سے (أخبرني عمر بن محمد) نقل کیا ہے۔ (بعد أن قالها) ضمیر کا مرجع اس کا قولِ مذکور (لا سبيل عليك) ہے۔ (أمنت) یعنی بے خوف ہوگیا، اصیلی کے نسخہ میں (آمنت) ہے مگر یہ خطا ہے کیونکہ ایمان تو پہلے ہی لا چکے تھے، عیاض کے بقول حمیدی کی روایت میں ہمزۂ مقصور کے ساتھ ہی ہے مگر وہاں مخاطب کا صیغہ ہے، یہ بھی خطا ہے کیونکہ تب یہ عاص کی کلام قرار پائے گا، جبکہ یہ کلامِ عمر سے ہے، اگلی حدیث اس کی مؤید ہے۔

3865 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ سَمِعْتُهُ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ ؓ لَمَّا أَسْلَمَ عُمَرُ اجْتَمَعَ النَّاسُ عِنْدَ دَارِهِ وَقَالُوا صَبَا عُمَرُ .وَأَنَا غُلاَمٌ فَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِي، فَجَاءَ رَجُلٌ عَلَيْهِ قَبَاءٌ مِنْ دِيبَاجٍ فَقَالَ قَدْ صَبَا عُمَرُ .فَمَا ذَاكَ فَأَنَا لَهُ جَارٌ .قَالَ فَرَأَيْتُ النَّاسَ تَصَدَّعُوا عَنْهُ فَقُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوا الْعَاصِ بْنُ وَائِلٍ .طرفه 3864

اس میں مزید یہ ہے ابن عمر کہتے ہیں میں نے والد محترم سے پوچھا وہ شخص کون تھا؟ کہا عاص بن وائل۔

(و أنا غلام) ایک دوسری روایت میں ہے کہ پانچ برس کے تھے، اگر ایسا ہی ہے تب حضرت عمر کا اسلام لانے کا زمانہ سن چھ یا سات نبوی بنتا ہے، کیونکہ جیسا کہ المغازی میں آئے گا ابن عمر جنگ احد کے وقت چودہ برس کے تھے اور یہ بعثت کے سولہ سال بعد ہوئی لہٰذا وہ بعثت کے دوسرے برس پیدا ہوئے تھے۔ (علی ظهر بيتي) داؤدی کہتے ہیں یہ غلط ہے، محفوظ (بيتنا) ہے، ابن تین تعاقب کرتے ہی کہ داؤدی ابن عمر کی مراد نہیں سمجھے، مفہوم یہ ہے کہ جب یہ قصہ بیان کر رہے تھے تو وہ گھر ان کی ملکیت تھا جو قبل ازیں ان کے والد گرامی کا تھا، ابن حجر کہتے ہیں اس تاویل کی ضرورت نہیں، ابن عمر نے ضمیرِ متکلم مجازاً استعمال کی یا ان کی مراد اس مکان سے تھی جس پہ وہ اس سے پناہ لئے ہوئے تھے، وہ ان کی ملکیت تھا یا نہیں، برابر ہے، یہ قصہ بیان کرتے ہوئے وہ مکان ان کا قرار دیا جانا

بھی غلط ہے کیونکہ بنی عدی کے مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد دوسروں نے ان پر قبضہ کر لیا تھا جیسا کہ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے، وہ ان میں واپس نہ آئے تھے پھر ابن عمر حضرت عمر کے ترکہ کے واحد وارث تو نہ تھے، بالفرض اگر کہا جائے کہ اس گھر میں دوسروں کے حصص خرید لئے تھے تو یہ محتاجِ دلیل ہے۔

(قالوا العاص الخ) ابن ابی عمر کی سفیان سے روایت میں ان کا مزید یہ جملہ بھی ہے: (فعجبت من عزته) کہ مجھے ان کے رعب داب اور عزت و مقام پر تعجب ہوا (کہ کیسے فقط یہ کہہ دینے پر کہ میں نے عمر کو پناہ دی، سب لوگ جو قتل یا تشدد کے ارادہ سے آئے تھے، منتشر ہوئے)، اسماعیلی کے ہاں دو طرق کے ساتھ سفیان سے روایت میں بھی یہ جملہ ہے۔ انہی کی عبداللہ بن داؤد عن عمر بن محمد سے روایت میں ہے کہ میں نے والد گرامی سے پوچھا وہ کون تھا جس نے آپ کے قبول اسلام والے دن لوگوں کو واپس کر دیا تھا؟ کہا: (یا بنی ذاك العاص بن وائل) یعنی ابن ہاشم بن سعید بن سہم قریشی سہمی، ہجرت سے ایک مدت قبل حالتِ کفر میں ہوا، عاص عوص سے ہے نہ کہ عصیان سے، صاد کو مرفوع اور مجرور دونوں طرح پڑھنا جائز ہے بعض نے عصیان سے ماخوذ قرار دیا ہے، اس پر مکسور ہی متعین ہے (کیونکہ اصل میں عاصی ہے) قاضی کی طرح اثباتِ یاء بھی جائز ہے (یہ حضرت عمرو بن عاص کے والد تھے) اس کی تائید اس خط میں لکھے حضرت عمر کے جملہ سے ہوتی ہے جو والی مصر عمرو کی ایک غلطی پر سرزنش کرتے ہوئے لکھا، اس میں تھا (إلى العاصى بن العاصى)۔

3866 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ أَنَّ سَالِمًا حَدَّثَهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَا سَمِعْتُ عُمَرَ لِشَيْءٍ قَطُّ يَقُولُ إِنِّي لَأَظُنُّهُ كَذَا . إِلَّا كَانَ كَمَا يَظُنُّ، بَيْنَمَا عُمَرُ جَالِسٌ إِذْ مَرَّ بِهِ رَجُلٌ جَمِيلٌ فَقَالَ لَقَدْ أَخْطَأَ ظَنِّي، أَوْ إِنَّ هَذَا عَلَى دِينِهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، أَوْ لَقَدْ كَانَ كَاهِنَهُمْ، عَلَيَّ الرَّجُلَ، فَدُعِيَ لَهُ، فَقَالَ لَهُ ذَلِكَ، فَقَالَ مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ اسْتُقْبِلَ بِهِ رَجُلٌ مُسْلِمٌ، قَالَ فَإِنِّي أَعْزِمُ عَلَيْكَ إِلَّا مَا أَخْبَرْتَنِي . قَالَ كُنْتُ كَاهِنَهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ . قَالَ فَمَا أَعْجَبُ مَا جَاءَتْكَ بِهِ جِنِّيَّتُكَ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا يَوْمًا فِي السُّوقِ جَاءَتْنِي أَعْرِفُ فِيهَا الْفَزَعَ، فَقَالَتْ أَلَمْ تَرَ الْجِنَّ وَإِبْلَاسَهَا وَيَأْسَهَا مِنْ بَعْدِ إِنْكَاسِهَا وَلُحُوقَهَا بِالْقِلَاصِ وَأَحْلَاسِهَا قَالَ عُمَرُ صَدَقَ، بَيْنَمَا أَنَا عِنْدَ آلِهَتِهِمْ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ بِعِجْلٍ فَذَبَحَهُ، فَصَرَخَ بِهِ صَارِخٌ، لَمْ أَسْمَعْ صَارِخًا قَطُّ أَشَدَّ صَوْتًا مِنْهُ يَقُولُ يَا جَلِيحْ، أَمْرٌ نَجِيحْ رَجُلٌ فَصِيحْ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ . فَوَثَبَ الْقَوْمُ قُلْتُ لَا أَبْرَحُ حَتَّى أَعْلَمَ مَا وَرَاءَ هَذَا ثُمَّ نَادَى يَا جَلِيحْ أَمْرٌ نَجِيحْ رَجُلٌ فَصِيحْ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقُمْتُ فَمَا نَشِبْنَا أَنْ قِيلَ هَذَا نَبِيٌّ

ابن عمر کہتے ہیں میں نے حضرت عمر کو نہیں سنا کسی چیز کی بابت کہتے ہوں کہ میرا خیال ہے کہ یہ ایسی ہے تو وہ ایسی نہ ہو، ایک دفعہ وہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک خوبصورت شخص کا گزر ہوا، بولے یا تو میرا گمان غلط ہے یا یہ شخص اپنے جاہلیت کے دین پہ ابھی تک قائم

ہے یا یہ جاہلیت میں اپنی قوم کا کاہن رہا ہے، اسے میرے پاس بلاؤ! اسے لایا گیا تو آپ نے یہی بات اسے کہی، وہ بولا میں نے آج کے دن کی طرح کا معاملہ کبھی نہیں دیکھا کہ کیسے ایک مسلمان آدمی کا استقبال کیا گیا ہے! حضرت عمر بولے میں تجھے زور دیکر کہتا ہوں کہ مجھے صحیح بات بتلاؤ، کہنے لگا واقعی میں لوگوں کیلئے عہدِ جاہلی میں کہانت کرتا رہا ہوں، کہا سب سے حیرت انگیز خبر جو تمہاری جنی نے تمہیں دی وہ کیا تھی؟ کہا ایک دن میں بازار میں تھا کہ گھبرائی ہوئی آئی اور کہنے لگی کیا جنوں کی بابت تمہیں معلوم نہیں؟ جب سے انہیں آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا ہے وہ کسطرح سہمے ہوئے ہیں، مایوس ہیں اور اونٹنیوں کے پالان کی کملیوں سے مل گئے ہیں، حضرت عمر نے یہ سنکر کہا تم نے سچ کہا میں بھی ان دنوں ایک مرتبہ ان بتوں کے پاس سویا ہوا تھا کہ ایک شخص بچھڑا لایا اور وہاں بنے بتوں کے انصاب (یعنی استھان) پر اسے ذبح کیا اچانک اس سے ایسے زور کی آواز پیدا ہوئی کہ کبھی ایسی سنی نہ تھی، آواز نے کہا اے جلیح ایک معاملہ کی خبر دیتا ہوں، ایک فصیح شخص کہتا ہے اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، کہتے ہیں میں اٹھ کھڑا ہوا پھر ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ غلغلہ مچا کہ یہ نبی ہیں۔

عمر سے مراد ابن محمد بن زید جو باب کی دوسری روایت میں راوی ابن وہب کے شیخ ہیں۔ (يقول لشيء) لام کبھی بمعنی (عن) مستعمل ہے جیسے اس آیت میں: (وقالَ اللذين كفروا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْكانَ خَيْراً ما سَبَقُونا إليه) [الأحقاف:١١] ای (عن الذين الخ)۔ (إلا كما يظن) یہ مناقبِ عمر میں گزری روایت جس میں آنجناب نے حضرت عمر کو اس امت کا محدث قرار دیا، کے موافق ہے۔ (إذ مربه رجل جميل) یہ سواد بن قارب سدوسی یا دوسی تھے، ابن ابوخیثمہ نے ابوجعفر باقر کے حوالے سے نقل کیا، کہتے ہیں ایک شخص جسے سواد بن قارب سدوسی کہا جاتا تھا، حضرت عمر کے ہاں داخل ہوا، تو یہی قصہ بیان کیا، طبرانی اور حاکم وغیرہما نے محمد بن کعب قرظی سے بھی اتم سیاق کے ساتھ یہی نقل کیا، اس میں ہے کہ حضرت عمر مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، یہ دونوں طرق مرسل ہیں مگر ایک دوسرے کو قوی کرتے ہیں، بخاری اپنی تاریخ میں اور طبرانی عباد بن عبدالصمد عن سعید بن جبیر کے حوالے سے ناقل ہیں، کہتے ہیں مجھے سواد بن قارب نے بتلایا کہ میں سویا ہوا تھا، تو یہی پہلا قصہ اس قصہِ عمر کے حوالے سے بیان کیا، یہ اگر ثابت ہے تو ان کی طول عمری پر ثبوت ہے لیکن عباد ضعیف ہے، ابن شاہین نے بھی ایک اور ضعیف طریق کے ساتھ حضرت انس سے روایت کی ہے، کہتے ہیں ایک دوسی شخص جسکا نام سواد بن قارب تھا، نبی اکرم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو یہ ضعیف طرق ایک دوسرے کی تقویت کرتے ہیں، کئی اور طرق بھی ہیں جنکا تذکرہ آگے آرہا ہے۔ (لقد أخطأ ظني) بیہقی کی ابن عمر سے روایت میں ہے کہ کہنے لگے میں ایک صاحبِ فراست آدمی تھا اور اب میری کوئی رائے نہ ہوگی اگر اس شخص کے بارہ میں میرا گمان صحیح نہ نکلا کہ قبل ازیں کاھن رہا ہے (حضرت عمر میں مردم شناسی کی زبردست صلاحیت تھی، حضرت حذیفہ جنہیں نبی اکرم نے تمام منافقین کے ناموں سے آگاہ کیا ہوا تھا مگر وہ کسی کو بتلاتے نہ تھے، سے پوچھنے لگے اتنا ہی بتلا دو کہ آیا میرے مقرر کردہ عُمال میں کوئی منافق ہے؟ وہ کہنے لگے ہاں ایک ہے، حذیفہ کہتے ہیں پھر حضرت عمر نے اپنی فراست سے ٹھیک اسی منافق کو ڈھونڈھ نکالا اور معزول کر دیا، یوں لگتا تھا کہ کسی نے آپ کو اس کی نشاندہی کی ہو)۔

(لقد كان كاهنهم) حاصلِ کلام یہ کہ حضرت عمر کا اس شخص کی بابت گمان دو چیزوں سے متعلق تھا کہ یا تو ابھی عقیدۂ جاہلیت کا حامل ہے یا اپنی قوم کا کاہن رہا ہے گویا اس کی چال ڈھال یا کسی اور قرینہ سے اس کا حال معلوم کر لیا۔ (فقال له ذلك) یعنی

اس کی غیر موجودگی میں جو اس کے بارہ میں کہا اسے بتلا دیا، محمد قرظی کی روایت میں ہے کہ جب لایا گیا تو اسے کہا تم ابھی تک اپنی سابقہ کہانت پر قائم ہو؟ اس پر وہ ناراض ہوا، یہ بھی حضرت عمر کی فراست اور ان کا تلطف تھا کہ دو گمانوں میں جو احسن تھا وہ اس کے سامنے ذکر کیا (یعنی بت پرستی کا ذکر نہیں کیا)۔

(کنت کاھنھم الخ) کاہن انہیں کہا جاتا تھا جو امورِ مغیبہ کی بابت خبریں لوگوں کو بتلاتے تھے جاہلیت میں بہت سارے تھے اکثر کا رابطہ جنوں میں سے کسی تابع سے ہوتا تھا جو ایسی معلومات و اخبار انہیں پیش کرتے، بعض قیافہ شناسی اور مقدماتِ اسباب سے بھی کام لیتے، ایسے لوگوں کا عرّاف کہا جاتا تھا، اس بارے حکم کا بیانِ واضح کتاب الطب میں ہوگا، کچھ بحث کتاب البیوع میں گزر چکی ہے۔

حضرت عمر کے استفسار پر سواد کا جواب بھی پر از تلطف تھا کہ حالِ کہانت جس کی بابت مستفسِر ہوئے، امرِ شرک سے تھا مگر جب ان پر جواب دینا لازم کیا تو ایسا قصہ سنایا جو نبوتِ محمدی کے اِعلام کو متضمن اور ان کے اسلام قبول کر لینے کا باعث بنا تھا۔

(جنیتك) جن کی واحد، تحقیراً مؤنث بنایا، یا محتمل ہے فی الحقیقت سواد کا تابع جن مؤنث ہو، یہ بھی کہا گیا ہے کہ مرد کاہن کا تابع مؤنث جن اور عورت کاھنہ کا تابع نر جن ہوا کرتا تھا (اس سے ظاہر ہوا کہ بعض عامل قسم کے لوگ جو دعوی کرتے ہیں کہ ہمزاد اس کے تابع ہے، اس سے ان کی مراد کسی جن سے ہوتی ہے، تو یہ دعوی محتمل الصدق ہے، اللہ اعلم، مؤکل کی اصطلاح بھی مستعمل ہے)۔

(و یأسھا من بعد الخ) ابن فارس لکھتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ استراقِ سمع (جسکا ذکر سورۃ الجن میں ہوا) سے مایوس ہوگئی، داؤدی اور کرمانی کے ہاں انکاس کے بجائے انساک ہے، بقول کرمانی یہ نسک کی جمع اور اس سے مراد عبادت ہے، بقول ابن حجر مجھے اس روایت کے طرق میں یہ لفظ نہیں ملا، ابو جعفر باقر اور محمد بن کعب اور بیہقی کی براء بن عازب سے روایات میں (وأحلاسھا) کے بعد اس جنی کی زبانی یہ اشعار بھی مذکور ہیں: (تھوی إلی مکة تبغی الھدی ما مؤمنو ھا مثل أرجا سھا فاسم إلی الصفوة من ھاشم واسم بعینیك إلی رأسھا)۔ ان کی روایت میں ہے کہ جنی مسلسل تین دن اس کے پاس آ کر قافیے بدل بدل کر یہ اشعار سناتا رہا، مثلاً ایک مرتبہ (إبلاسھا) کی جگہ (تطلابھا)، کبھی (تجارھا) پھر (أحلاسھا) کی جگہ (أقتابھا) کبھی (أکوارھا) پھر ایک مرتبہ (ماموٴمنو ھا الخ) کی بجائے یہ مصرعہ پڑھا: (لیس قداماھا کأذنابھا)، پھر ایک مرتبہ یہ مصرعہ پڑھا: (لیس ذوو الشر کأخیارھا)، ایک دفعہ یہ پڑھا: (ماموٴمنوالجن کَکُفارھا)، پھر ہر مرتبہ جنی یہ بھی کہتا: (قد بُعِثَ محمدٌ فَانُھَضُ إلیه تُرشَد) کہ محمد مبعوث ہو چکے ہیں ہدایت پانی ہے تو ان کے پاس جا۔ مرسل روایت میں ہے کہ یہ سب سنکر میں اتنا ڈرا کہ بے ہوش کر گر پڑا پھر اگلے ہی دن مکہ چلا آیا وہاں آ کر پتہ چلا کہ نبی اکرم ہجرت کر کے مدینہ جا چکے ہیں، وہ بھی مدینہ چلا آیا اور آنجناب کو چند اشعار سنائے جن میں یہ بھی تھے: (أتانی رئی بعد لیل وھجعة ولم یك فیھا قدبلوت بکاذب ثلاث لیال قوله کل لیلة أتاك نبیٌّ مِن لؤی بن غالب) کہ تین راتیں مسلسل ایک آنے والا مجھے آ کر یہ کہتا رہا کہ بنی لؤی بن غالب میں سے ایک نبی مبعوث ہو چکے ہیں، اس نظم کا مقطع یہ ہے: (فکُنْ لِی شفیعاً یومَ لا ذو شفاعة سِواك بِمُغنٍ عن سواد بن قارب) آپ میرے لئے شفاعت کرنے والے بن جائیں کہ آپ کے سوا کوئی سواد بن قارب کے اس دن کام نہ آئیگا۔ مرسل روایت کے آخر میں ہے یہ سنکر حضرت عمر نے اسے بھینچ لیا اور کہا یہی اشعار تو میں سننا چاہتا تھا۔

(بالقلاص وأحلاسها) قلاص قُلُص اور وہ قلوص کی جمع ہے، جوان اونٹیوں کو کہتے ہیں، احلاس حِلْس کی جمع ہے، اونٹوں پر پالان کے نیچے رکھی جانے والی (گدی وغیرہ) کو کہتے ہیں، بقول ابن حجر یہ مصرعہ یہاں غیر موزون واقع ہوا ہے، باقر کی روایت میں یہ ہے: (و رحلها العيس بأحلاسها) یہ وزن کے مطابق ہے، عیس ابل کو کہتے ہیں۔

(قال عمر صدق بينما الخ) بظاہر یہ دوسرا قصہ سنانے والے حضرت عمر ہیں مگر ابن عمر کی روایت میں ہے کہ یہ بھی سواد نے بیان کیا تھا، بیہقی کی روایتِ ابن عمر میں یہ الفاظ ہیں: (لقد رأى عمر رجلا الخ) پھر یہی قصہ بیان کیا، آخر میں ہے: (قال عمر الله اكبر فقال أتيت مكة فإذا برجل عندتلك الأنصاب الخ) تو قصۂ عجل ذکر کیا، بقول ابن حجر یہاں بھی حدیث صحیح کی مانند محتمل ہے کہ: (أتيت مكة الخ) کے قائل حضرت عمر ہوں یا یہی صاحبِ قصہ۔

(إذجاء رجل) اس کا نام معلوم نہیں کر سکا مگر احمد کی ایک اور سند سے روایت میں ہے کہ یہ ابن عبس تھے، انہوں نے مجاھد سے نقل کیا کہتے ہیں مجھے ایک بوڑھے ابن عبس جس نے زمانہ جاہلیت پایا، نے بتلایا کہ ہماری ایک گائے تھی ایک دن اس کے پیٹ سے رجز یہ اشعار سنائی دے، کہتے ہیں پھر ہم مکہ آئے تو پایا کہ نبی اکرم مبعوث ہو چکے ہیں، اسکے رجال ثقات ہیں اور یہ ابن عمر کی روایت کیلئے قوی شاھد ہے اور یہ بیان کرنے والا بوڑھا سواد بن قارب ہے، ابن حجر کہتے ہیں آگے ذکر ہوگا جس سے یہ امر قوی قرار پاتا ہے کہ سننے والے حضرت عمر تھے تو تطبیق کیلئے تعدد پر محمول کرنا ہوگا۔

(يا جليح) اس کا معنی ہے وقِح، مكافح بالعداوة، وقح کا معنی ہے برے افعال پر جرات والا، ڈھیٹ اور دشمنی کا دفاع کرنے والا۔ علامہ انور نے اس کا معنی اردو میں چست و چالاک لکھا ہے، ابن حجر کے بقول ابن تین خیال آرائی کرتے ہیں کہ محتمل ہے یہ کسی شخص کا نام ہو جسے اس نے نداء دی یا جو بھی اس صفت کے ساتھ مبعوث ہو۔ ابن حجر کہتے ہیں اکثر روایات مشار الیہا میں (يا آل ذريح) ہے، جو عربوں کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ (رجل فصيح) کشمیہنی کے نسخہ میں (يصيح) ہے، حدیثِ ابن عبس میں ہے: (قول فصيح رجل يصيح)۔ (يقول لا إله الخ) نسخۂ کشمیہنی میں (إلا الله) بھی ہے، بقیہ روایات میں بھی یہی ہے۔

تنبیہان کے تحت ابن حجر رقمطراز ہیں کہ ابن تین لکھتے ہیں سواد کا جنی سے یہ سننا اس کے استراقِ سمع کے زیر اثر تھا، مگر یہ محل نظر ہے بظاہر اس جنی نے یہ بات حسبِ معمول جن جو استراقِ سمع کر لیتے تھے، اس سے روک دیئے جانے سے اس نے یہ اندازہ لگایا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں، اسکی تبیین امام بخاری کی کتاب الصلاۃ میں تخریج کردہ، جو آگے تفسیر سورۂ جن میں بھی آ رہی ہے، حدیثِ ابن عباس سے ہوتی ہے اس میں ہے کہ نبی پاک جب مبعوث ہوئے جنوں کو استراقِ سمع سے منع کر دیا گیا، تو وہ تحقیقِ حال کیلئے مشرق و مغرب میں پھیل گئے حتی کہ ان کی ایک جماعت کی نظر آنجناب پہ پڑی جو صحابہ کے ساتھ نمازِ فجر ادا کر رہے تھے۔ دوسری تنبیہہ یہ ہے کہ مصنف یہ حدیثِ باب اسلام عمر کے تحت لاکر حضرت عائشہ وطلحہ عن عمر سے مروی اس اثر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ قصہ ان کے اسلام لانے کا سبب بنا، چنانچہ ابونعیم الدلائل میں روایت کرتے ہیں کہ ابوجہل نے آنخضور کو شہید کرنے والے کیلئے سو اونٹ انعام کا اعلان کیا، عمر کہتے ہیں میں نے اس سے کہا: (آلضمان صحيح؟) یعنی پکا وعدہ؟ اس نے کہا ہاں! یہ سنکر میں نے تلوار لٹکائی اور آپ کے ارادہ قتل سے چل پڑا، ایک بچھڑے سے گزر ہوا جسے ذبح کرنے کی تیاری ہو رہی تھی میں کھڑا ہو گیا تا کہ یہ دیکھوں اچانک اس کے پیٹ کے اندر سے کوئی چیخ کر کہنے لگا: (يا آل ذريح أمر نجيح رجل يصيح بلسان فصيح) عمر کہتے ہیں میں نے دل میں کہا

اس امر کے ساتھ سوائے میرے کوئی اور مراد نہیں، میں وہیں سے پلٹ کر اپنی بہن کے گھر چلا گیا وہاں سعید بن زید (یعنی ان کے شوہر) بھی تھے، پھر مطولا اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ ذکر کیا، اسی لئے آگے سعید بن زید کی روایت لائے ہیں۔ علامہ انور روایت کے الفاظ (لقد أخطأ ظني) کا اردو میں یہ معنی کرتے ہیں: یا میرا ظن غلط ہے یا یہ شخص زمانۂ جاہلیت میں کاھن ہوا ہے یا کافر ہی ہے، (بعد أنكاسها) کا معنی کیا ہے اوندھے ہونیکے بعد۔

3867 حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا قَيْسٌ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ زَيْدٍ يَقُولُ لِلْقَوْمِ لَوْ رَأَيْتُنِي مُوثِقِي عُمَرُ عَلَى الإِسْلاَمِ أَنَا وَأُخْتُهُ وَمَا أَسْلَمَ، وَلَوْ أَنَّ أُحُدًا انْقَضَّ لِمَا صَنَعْتُمْ، بِعُثْمَانَ لَكَانَ مَحْقُوقًا أَنْ يَنْقَضَّ. طرفاه 3862، 6942۔ (دیکھئے اسی جلد کا سابقہ نمبر)

ابن حجر آخرِ بحث بعنوانِ تنبیہ لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق نے حضرت عمر کے اسلام لانے کا زمانہ ہجرتِ حبشہ کے بعد کے بعد کا کہا ہے، انہوں نے انشقاقِ قمر کا تذکرہ نہیں کیا تو امام بخاری کی صنیع (کہ باب اسلامِ عمر کے بعد باب انشقاق قمر لائے ہیں) سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ معجزہ انہی ایام میں ہوا، ابن اسحاق ایک سند کے ساتھ ناقل ہیں کہ عمر کا قبولِ اسلام پہلی ہجرت حبشہ کے بعد تھا۔

36 باب انْشِقَاقِ الْقَمَرِ (معجزۂ شقِ قمر)

اس کا تذکرہ علامات النبوۃ میں بھی ہو چکا ہے۔

3868 حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضى الله عنه أَنَّ أَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً فَأَرَاهُمُ الْقَمَرَ شِقَّتَيْنِ حَتَّى رَأَوْا حِرَاءً بَيْنَهُمَا. أطرافه 3637، 4867، 4868۔ (اسی کا سابقہ نمبر)

(إن أهل مكة الخ) یہ مراسیلِ صحابہ میں سے ہے کیونکہ حضرت انس نے یہ زمانۂ وقوع نہیں پایا، یہ واقعہ ابن عباس کے حوالے سے بھی مروی ہے وہ بھی اس وقت موجود نہ تھے، ابن مسعود، جبیر بن مطعم اور حضرت حذیفہ بھی اس واقعہ کے بیان کرنے والوں میں سے ہیں، ان حضرات نے اس کا مشاہدہ کیا ہے، اس روایتِ انس کے سوا کسی اور روایت میں مذکور نہیں کہ اس معجزہ کا ظہور قریش کے مطالبہ پر ہوا تھا شائد انہوں رسول اللہ سے سنا ہو، کہتے ہیں پھر ابن عباس کی روایت کے بعض طرق میں صورتِ سوال بھی مذکور ہے وہ اگرچہ اس کے مشاہد نہیں مگر ان کی روایت کے بعض طرق میں مذکور الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ ابن مسعود سے اس کی تفصیلات سنی ھیں، چنانچہ ابونعیم نے الدلائل میں ایک ضعیف طریق کے ساتھ ابن عباس سے نقل کیا، کہتے ہیں مشرکین کا ایک وفد جس میں ولید بن مغیرہ، ابو جہل، عاص بن وائل، اسود بن عبد المطلب، نضر بن حارث اور ان کے نظراء شامل تھے، نبی اکرم کے پاس آیا اور کہنے لگا اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے لئے چاند کو دوٹکڑے کریں! آپ نے اپنے رب سے سوال کیا تو وہ منشق ہو گیا۔

(شقتين) یعنی نصفین (آدھا آدھا) مسلم نے اسی سند کے ساتھ جو بخاری میں ہے، یہ الفاظ نقل کئے ہیں: (فأراهم انشقاق القمرمرتين) اسے معمرعن قتادہ کے طریق سے بھی نقل کیا ہے بقول ابن حجر مصنف عبدالرزاق میں بھی بحوالہ معمر (مرتين) کا لفظ ہے اسی طرح امامان احمد اور اسحاق بن راھویہ کی مسانید میں بھی بحوالہ عبدالرزاق یہی لفظ ہے البتہ شیخین (بخاری ومسلم) شعبہ عن قتادہ سے روایت میں (فرقتين) کے لفظ پر متفق ہیں۔

اس بارے بیہقی لکھتے ہیں قتادہ کے تین اصحاب نے ان سے (مرتين) کا لفظ نقل وحفظ کیا ہے، ابن حجر اضافہ کرتے ہیں لیکن ان میں ہر ایک پر اس لفظ کے نقل میں اختلاف کیا گیا ہے مگر شعبہ سے تمام رواۃ نے (فرقتين) ہی نقل کیا ہے، پھر وہ ان سب سے اَحفظ ہیں اور ابن مسعود کی روایت کے کسی طریق میں (مرتين) مذکور نہیں، اس میں یا (فرقتين) اور یا (خلقتين) ہے۔ حدیثِ ابن عمر میں بھی (فلقتين) ہے، جبیر بن مطعم کی روایت میں (فرقتين) ہے، ایک طریق میں ہے: (فانشَقَّ باثنتين) اسی طرح الدلائل کی حدیثِ ابن عباس میں ہے: (فصارقمرين) ایک طریق میں (شقتين) ہے، طبرانی کے ہاں ان کی روایت میں ہے: (حتى رأوا شقيه)۔ ابن حجر کہتے ہیں ہمارے شیخ الحافظ ابوالفضل کی نظمِ سیرت میں ہے کہ اس امر پہ اجماع ہے کہ دو مرتبہ چاند دو ٹکڑے ہوا لیکن میں علمائے حدیث میں سے کسی کو نہیں جانتا کہ جزم کے ساتھ یہ بات کہی ہو کہ زمانۂ نبوی میں متعدد مرتبہ انشقاقِ قمر ہوا، شراحِ صحیحین میں سے بھی کسی نے اس سے تعرُض نہیں کیا، ابن قیم اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں مرات سے کبھی مراد افعال اور کبھی اعیان ہوتے ہیں، اول اکثر ہے دوسرے مفہوم سے اس روایت میں مذکور یہ جملہ ہے: (انشق القمر مرتين)۔ بعض حضرات پر یہ مفہوم مخفی رہا تو دعوی کر دیا کہ معجزۂ انشقاقِ قمر دو مرتبہ ہوا تھا مگر اھل حدیث وسیرت کے نزدیک ایک مرتبہ ظہور پذیر ہوا، عماد بن کثیر کہتے ہیں وہ روایات جن میں (مرتين) کا لفظ ہے محلِ نظر ہیں، شائد قائل کی مراد (فرقتين) ھو۔ ابن حجر کہتے ہیں دوسروں نے ان روایات کی تطبیق میں یہ بات نہیں کہی، کہتے ہیں پھر میں نے ہمارے شیخ کی نظم کی مراجعت کی تو پایا کہ وہ تاویلِ مذکور کی محتمل ہے، اس کے اشعار ہیں: (صار فرقتين فرقةٌ عَلَتْ و فرقةٌ لِلطَّودِ منه نزلَتْ و ذاك مَرَّتين بالإ جماع والنص والتواتُر السماع) تو یہاں دونوں لفظوں فرقتین اور مرتین کو جمع کیا، تو ممکن ہے ان کی اجماع والی بات کا تعلق تعدُّد سے نہیں بلکہ اصلِ انشقاقِ قمر سے ہو۔

(حتى رأوا حراء بينهما) یعنی دونوں ٹکڑوں کے مابین غار حراء والا پہاڑ دیکھا، یہ مکہ سے منی جانے والے کے بائیں جانب پڑتا ہے (کعبہ کے دروازے والی جہت میں، پاکستان اسی سمت ہے۔ کعبہ کی چھت پر باب فہد والی جہت سے اوپر جا کر مشرق کی طرف رخ کر کے دیکھیں تو غار حراء کے دروازے پر لکھی ہوئی آیات: اقرأ باسْم الخ۔ کی جھلک دکھائی پڑتی ہے)۔

3869 حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رضی اللہ عنہ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِمِنًى فَقَالَ اشْهَدُوا وَذَهَبَتْ فِرْقَةٌ نَحْوَ الْجَبَلِ وَقَالَ أَبُو الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ انْشَقَّ بِمَكَّةَ وَتَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ. أطرافه 3636، 3871، 4864، 4865۔ (ایضا)

ابوحمزہ کا نام محمد میمون سکری مروزی ہے۔ (عن أبي معمر) یہی محفوظ ہے، سعدان بن یحی اور یحی بن عیسی رملی کی اعمش

عن ابراھیم کے حوالے سے روایت میں (عن علقمة) ہے، اسے ابن مردویہ نے تخریج کیا ایک غریب طریق کے ساتھ ابونعیم کی شعبہ عن الأعمش سے روایت میں بھی یہی ہے مگر شعبہ سے محفوظ۔ آگے التفسیر میں بھی آئیگا، (عن أبی معمر) ہی ہے، یہی مشہور ہے مسلم نے اسے ایک اور واسطہ کے ساتھ شعبہ سے (عن الأعمش عن مجاھد عن ابن عمر) کے حوالے سے تخریج کیا ہے، بخاری کی ایک معلق روایت میں (مجاھد عن أبی معمر عن ابن مسعود) بھی ہے تو اللہ ہی اعلم ہے کہ آیا مجاھد کے پاس یہ دو اسناد کے ساتھ ہے؟ یا ایک سند میں ابن عمر کا ذکر ابو معمر کا وہم ہے، راویِ حدیث عبد اللہ بن مسعود ہیں۔

(و نحن مع النبی ﷺ بمنی) یہ قولِ انس کہ یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا، کے معارض نہیں کیونکہ ان کی روایت میں یہ تصریح نہیں کہ نبی اکرم بھی اس رات مکہ میں تھے، اگر ہوتی بھی تو منی بھی داخل مکہ ہے، جن روایات میں (بمکه) کا لفظ ہے اس سے یہی مراد ہے، مزید وضاحت ابن مردویہ کی ابن مسعود سے روایت میں ہوتی ہے جس کے الفاظ ہیں: (و نحن بمکة قبل أن نصیر إلی المدینة) تو گویا اصل مراد یہ بیان ہے کہ یہ مکی دور کا واقعہ ہے لہٰذا کوئی مانع نہیں کہ آنجناب مع بعض صحابہ کرام کے اس رات منی میں ہوں۔

(فقال اشھدوا) یعنی یہ واقعہ اپنے مشاہدہ کے ساتھ ضبط و یاد کر لو۔ (وقال أبو الضحی الخ) محتمل ہے کہ یہ (عن ابراھیم) پر معطوف ہو، ابوضحیٰ بھی اعمش کے شیوخ میں سے ہیں تو اسطرح اعمش کی اس میں دو اسناد ہونگی، یا ممکن ہے یہ الگ سے ایک معلق روایت ہو، یہی معتمد ہے اسے طیالسی نے ابوعوانہ سے موصول کیا ہے، فوائد أبی طاہر ذھلی میں ایک دیگر واسطہ کے ساتھ بھی ابوعوانہ سے مروی ہے، اسے ابونعیم نے الدلائل میں ھشیم کے طریق سے بھی نقل کیا ہے، دونوں (یعنی ھیثم اور ابوعوانہ) مغیرہ عن ابی الضحیٰ سے، اسی اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں، اس میں ہے کہ جب اھل مکہ نے اس کا مشاہدہ کیا تو باہم کہنے لگے یہ ابن ابی کبشہ نے تمہاری آنکھوں پر جادو کیا ہے (کہ تمہیں لگ رہا ہے کہ چاند دو حصوں میں منقسم ہے، حقیقت میں نہیں) تو مکہ آنے والے مسافروں سے دریافت کرینگے کہ کیا انہوں نے بھی ایسا دیکھا؟ اگر جواب اثبات میں ملا تب تو یہ سچا ہے! راوی کہتے ہیں تو جس آنے والے سے بھی پوچھا اس نے کہا ہاں ایک رات ایسا ہوتے دیکھا ہے، یہ ھشیم کے الفاظ ہیں، ابوعوانہ کی روایت میں مزید یہ بھی ہے کہ مکہ والے کہنے لگے محمد تمام لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے تو باہر کے لوگوں سے پوچھو۔

(و تابعه محمد بن مسلم) یہ طائفی ہیں، ابن ابی نجیح کا نام عبد اللہ تھا، والد کا نام یسار ہے مراد یہ کہ انہوں نے ابو معمر سے روایت میں (کان بمکه) میں ابراھیم کی متابعت کی ہے، سارے سیاق کی متابعت مراد نہیں، ابن مسعود کا کبھی (بمنی) اور کبھی (بمکه) کہنے کے مابین جمع و تطبیق یہ ہے کہ یا تو۔ اگر ثابت ہو۔ یہ تعدد پر محمول ہے یا یہ مراد ہے کہ وہ خود منی میں تھے۔ اور جن رواۃ نے (بمکة) ذکر کیا وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ منی میں ہونے والے کو (بمکة) کے ساتھ تعبیر کیا سکتا ہے، اس کا عکس صحیح نہیں، اس کی تائید وہ روایت جس میں منی کا ذکر ہے، بھی کرتی ہے، اس میں اسکے الفاظ ہیں: (ونحن بمنی) اور جس روایت میں مکہ مذکور ہے اس میں: (ونحن بمکة) نہیں بلکہ صرف اس معجزہ کے وقوع کے حوالے سے (بمکة) مذکور ہے، گویا مکی دور مراد ہے، اس سے داؤدی کا دعوی کہ دونوں روایتوں میں تضاد ہے، مندفع ہو جاتا ہے، ابن ابی نجیح کی یہ روایت مجاہد عن ابی معمر کے حوالے سے ہے، اسے عبد الرزاق نے مصنف میں موصول کیا ہے، بیہقی نے بھی انہیں کے طریق سے بحوالہ ابن عیینہ و محمد بن مسلم عن ابن ابی نجیح تخریج کیا ہے، اس میں ہے کہ ایک ٹکڑا جبلِ ابی قبیس اور دوسرا سویداء پر تھا، سویداء مکہ سے باہر ایک جگہ ہے اس کے پاس بھی ایک پہاڑ ہے۔

ابن مسعود کے (علی أبی قبیس) کہنے سے احتمال ہے کہ انہوں نے منی سے یہ مشاہدہ کرلیا ہو یا یہ کہ چاند کی یہ حالت برقرار رہی اور وہ جب رات کے کسی وقت مکہ شہر واپس آئے تو ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس پر دیکھا، غالب روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انشقاقِ قمر کا یہ معجزہ غروب ماہتاب کے وقت ہوا مگر اول طلوع میں ہونا بھی محتمل ہے کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ یہ واقعہ چاند کی چودھویں رات کو پیش آیا، یا ممکن ہے ابوقبیس کا ذکر کسی راوی کا تصرف ہو کیونکہ اصل مقصود یہ بتلانا ہے کہ ایک ٹکڑا ایک پہاڑ اور دوسرا دوسرے پہاڑ پر نظر آرہا تھا، ایک راوی کا یہ کہنا کہ دونوں ٹکڑوں کے درمیان پہاڑ تھا، اس کے منافی نہیں (وہاں تو ہر طرف ہی پہاڑ ہیں لہٰذا ہر راوی نے اپنے اپنے انداز میں بیان کردیا، اصل مقصود یہ ہے کہ دونوں ٹکڑے ایک دوسرے سے دور نظر آرہے تھے)۔ تفسیر سورۃ القمر کی روایت میں مجاہد کے حوالے سے اسی معجزہ کی بابت روایت میں کسی جگہ کا ذکر نہیں۔

3870 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ قَالَ حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ الْقَمَرَ انْشَقَّ عَلَى زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ. طرفاه 3638، 4866۔ (ایضاً)

اسی طرح مختصراً نقل کیا ہے، ابونعیم نے ایک اور طریق سے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں: (انشق القمر فلقتین قال ابن مسعود لقدرأیت جبل حراء من بین فلقتی القمر) یہ پہلی روایت کے موافق ہے جس میں ذکرِ حراء ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں جمہور فلاسفہ نے انشقاقِ قمر کا انکار کیا ہے، ان کا تمسک اس امر سے ہے کہ اجرام علویہ میں کوئی انخراق یا التئام ممکن نہیں، یہی بات وہ شبِ معراج آسمانوں کے دروازے مفتوح ہونے کی بابت کہتے ہیں، وہ تو روزِ قیامت تکویرِ شمس کا بھی انکار کرتے ہیں، (ان کے دماغ خراب ہیں اللہ کے سامنے کیا چیز ناممکن ہے) ابن حجر لکھتے ہیں انہیں دو گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا، جو ان میں کافر ہیں انہیں تو یہ کہا جائے کہ اولاً دین اسلام کے ثبوت پر مناظرہ کرو، باقی باتیں بعد کی ہیں، اور جو ان میں سے مسلمان ہونے کے مدعی ہیں انہیں اتنا جواب ہی کافی ہے کہ: (أتؤمِنونَ بِبعضِ الکتاب وَ تکفُرونَ ببَعض) کہ بعض پر ایمان اور بعض کا کفر کرتے ہو؟ یہ کھلا تضاد ہے۔

قرآن میں جو قیامت کے دن انخراق والتئام ثابت ہے، اس کے انکار کی کوئی سبیل نہیں (وگرنہ مسلمانی کیسی) اگر یہ مانتے ہیں تو یہ آنجناب کیلئے بطورِ معجزہ اس کے وقوع کو مستلزم ہے، قدماء نے بھی کئی اور جواب بھی دئے ہیں، ابواسحاق زجاج معانی القرآن میں ان کے اس انکار کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں اس میں عجب کیسا؟ چاند اللہ کی مخلوق ہے وہ اگر قیامت کے دن اسے لپیٹ کر رکھ دے گا اور فنا کے گھاٹ اتار دیگا تو دنیا میں اس کے دو ٹکڑے کرنا کیا مشکل ہے۔ بعض نے یہ اعتراض کیا کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو تمام اہل زمین اس کا مشاہدہ کرتے اور تواتر سے مروی ہوتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ رات کے وقت ہوا تھا، اکثر لوگ تو اس وقت سوئے ہوتے ہیں (جو جاگتے ہیں وہ کونسا ہمہ وقت چاند کو مرکزِ نگاہ بنائے رکھتے ہیں! آج کتنے آدمی چاند کو دیکھتے رہتے ہیں، پھر دوسرے علاقوں کے کئی لوگوں نے بھی اس کا مشاہدہ کیا تھا جیسا کہ دوران شرح تاریخ فرشتہ کے حوالے سے ذکر ہوا کہ سندھ کے ایک راجہ نے اس کا مشاہدہ کیا تھا، پھر یہ بھی ممکن ہے کہ لاکھوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہو مگر چونکہ دورِ حاضر کی طرح وسائل وذرائع ابلاغ نہ تھے لہٰذا خبر پھیل نہ سکی) ابن حجر مزید لکھتے ہیں (اس زمانہ کے احوال وظروف میں) عموماً سرِ شام دروازے بند کردئے جاتے تھے پھر کم ہی ہوتے ہیں جو آسمان کو تکتے رہتے ہیں، عام مشاہدہ کی بات ہے کہ چاند گرھن ہوتا رہتا ہے اور کبھی رات کو بڑے ستارے نمودار ہوتے ہیں مگر چند ایک آدمیوں

کی ہی ان پر نظر پڑتی ہے پھر لازمی امر ہے کہ یہ انشقاق ان بعض منازلِ قمر کی نسبت سے متحقق ہوا ہوگا جو بعض اہلِ آفاق کیلئے ظاہر ہوتی ہیں اور بعض کیلئے نہیں ہوتیں جیسے گرہن کے معاملہ میں ہوتا ہے۔

خطابی لکھتے ہیں معجزہِ شقِ قمر ایک عظیم نشانی تھی، انبیاء کے معجزات میں سے شائد ہی کوئی اس کے ہم پلہ ہو، اس لئے کہ یہ ملکوتِ سماء میں ظاہر ہوا جو اس عالَمِ مرکب من الطباع کی جملہ طباع سے خارج امر ہے، کسی حیلہ سے اس تک وصول کی طمع ممکن نہیں اس لحاظ سے یہ دلیلِ اظہر تھی، بعض نے اس بنیاد پر اس کا انکار کیا ہے کہ عوام الناس سے یہ امر کیسے مخفی رہا، اگر حقیقۃً انشقاقِ قمر ہوا ہوتا تو اہلِ تسیر وتنجیم کی کتب میں اس کا ذکر ہوتا کیونکہ یہ ایک ایسا عظیم الشان معاملہ ہے کہ وہ اس سے غافل نہیں رہ سکتے تھے، وہ بھی اس کا جواب یہی دیتے ہیں جو مذکور ہوا، مزید یہ بھی کہ یہ نہایت مختصر وقت کیلئے ہوا ہوگا تو اس سے وہی آگاہ ہوسکتا تھا جو اس کا منتظر تھا جیسے اہلِ مکہ، کہتے ہیں اس امر میں بھی حکمتِ بالغہ مستور ہے کہ معجزاتِ محمدیہ میں سے سوائے قرآن کے کوئی معجزہ ازروئے نقل حدِ تواتر کو نہیں پہنچا، اس کا حاصل یہ ہے کہ انبیاء کے معجزات کا جب عمومی وقوع ہوتا رہا ہے تو اس کے فوری بعد ان کی قوم کے مکذبین پر عذاب آیا ہے جو ان کی اجتماعی ہلاکت کا باعث بنا کیونکہ وہ سبھی اس کے حسی ادراک میں مشترک ہونے کے باوجود ایمان نہ لائے، ہمارے نبی عالمین کیلئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں تو آپ کا سب سے عظیم معجزہ جس کی نظیر لانے کا چیلنج کیا گیا، عقلی ہے تو اس چیلنج کے ساتھ اس قوم کو مختص کیا گیا جو فضل اور زیادتِ افہام دیئے گئے تھے اگر آپ کا معجزات سبھی کے ہاں مدرَک بالحس ہوتے تو پھر نہ ماننے کی صورت میں سب اجتماعی ہلاکت کا شکار بنتے۔

ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کہ اہلِ تنجیم کے عدمِ ذکر کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کسی سے منقول نہیں کہ ایسا نہیں ہوسکتا، یہی کافی ہے کیونکہ حجت ان میں ہے جو اثبات کریں نہ کہ ان میں جن سے صریح نفی منقول ہو۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں اس روایت کو صحابہ کرام کی ایک کثیر جماعت نے نقل کیا ہے ان سے روایت کرنے والے بھی کثیر ہیں اسی طرح ہر مرحلہ میں اس کے ناقلین کثرت سے ہیں پھر آیت کریمہ سے اس کی تائید ملتی ہے اب اسے مستبعد سمجھنے والوں کیلئے کونسا عذر باقی ہے؟ کہتے ہیں اہلِ مکہ نے اہلِ آفاق کی طرف قاصد بھیجے تھے کہ آیا ان میں سے بھی کسی نے اس کا مشاہدہ کیا؟ تو ہر طرف سے یہی خبریں آئیں کہ ہاں اس کا مشاہدہ کیا ہے، عام طور سے اس زمانہ کے مسافرین راتوں کو چاند کی روشنی میں سفر کیا کرتے تھے، ان پر یہ مخفی نہ رہا۔ قرطبی اضافہ کرتے ہیں یہ بھی محتمل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے انشقاقِ قمر کے وقت سوائے اہل مکہ اور آس پاس کے علاقوں کے ساکنین کے سب کی توجہ اسطرف سے ہٹی ہوئی ہو، بقول ابن حجر یہ بات محلِ نظر ہے کیونکہ کہیں منقول نہیں کہ اہل آفاق میں سے کسی نے دعویٰ کیا ہو کہ اس نے فلاں رات چاند کو دیکھا مگر انشقاق کا مشاہدہ نہیں کیا (عموماً کوئی مسلسل چاند کو تکتے تو نہیں رہتا اور پہلے ذکر ہوا کہ شق القمر کا یہ معجزہ مختصر وقت کیلئے تھا) ہاں اگر کوئی کہتا کہ میں نے اس رات شب بھر چاند کو دیکھا مگر اسے دو ٹکڑے ہوتے نہیں دیکھا تب قرطبی کا جواب جید تھا، تو نہ اثباتاً نہ نفیاً، اہل زمین سے اس بابت کچھ منقول نہیں۔

جہاں تک آیت کریمہ (اِقتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانشَقَّ القَمَرُ) ہے تو اکثر قدمائے اہل علم کی رائے میں اس کا (انشق) یہاں (سینشق) کے معنی میں ہے (یعنی ہوگا، قیامت کے دن) اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: (أتیٰ أمرُاللّٰہِ) أی سیأتِی، تو تحققِ وقوع میں ارادہِ مبالغہ سے ماضی استعمال کیا، مگر جمہور جیسا کہ ابن مسعود اور حذیفہ وغیرہما نے جزم سے کہا، کی رائے (کہ آیت

میں آنجناب کے معجزۂ شقِ قمر کی طرف اشارہ ہے) اصح ہے، اس کی تائید اگلی آیت: (وَ إِنْ يَرَوْا آيةً يُعْرِضُوا و يَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرّ) سے ہوتی ہے۔ (اہل مکہ نے اسے جادو قرار دیا تھا پھر انشقاق کے فوری بعد اس آیت میں آیۃ یعنی نشانی/معجزہ کا ذکر ہے) تو اس سے یہی قول قوی قرار پاتا ہے کہ انشق اپنے اصل معنی (یعنی ماضی) ہی میں ہے، پھر یہ بھی کہ کفار یہ بات روزِ قیامت تو کہنے سے رہے (کہ یہ جادو ہے) لہٰذا اگر ان کا قول دنیا میں ہے تو پچھلی آیت میں جس انشقاق کا ذکر ہے وہ بھی دنیا میں ہے، پھر ابن مسعود کی روایت میں۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔ صریحا یہ بات مذکور ہے۔ بیہقی نے (أوائل البعث والنشور) میں حلیمی سے نقل کیا، کہتے ہیں بعض لوگوں کی رائے ہے کہ آیت میں انشق بمعنی (سينشق) ہے، کہتے ہیں اگر ایسا ہی ہے تو یہ انشقاق ہمارے زمانہ میں وقوع پذیر ہوا ہے خود میں نے بخارا میں تیسری رات کے چاند کو دو حصوں میں منقسم و منشق دیکھا ہے، ہر ایک حصہ کا عرض چوتھی یا پانچویں رات کے چاند کے عرض کی مانند تھا پھر کچھ دیر بعد دونوں اترجہ (یعنی لیموں) کی شکل میں ایک دوسرے سے مل گئے اور غیاب تک یہی شکل رہی، کہتے ہیں ایک موثوق بہ شخص نے بتلایا کہ اس نے بھی ایک اور رات یہی مشاہدہ کیا تھا۔ ابن حجر کہتے ہیں مجھے بیہقی پہ تعجب ہے کہ کیونکر اس کے مقر ہوئے حالانکہ خود ابن مسعود کی حدیث تخریج کی ہے جس میں صراحت کے ساتھ وہ کہتے ہیں کہ (وانشق القمر) میں مذکور انشقاق عہد نبوی میں واقع ہوا ہے، روایت کے الفاظ ہیں: (لقد انشقَّ علىٰ عهد رسول الله ﷺ) پھر ابن مسعود کی ایک اور روایت نقل کی جس میں ہے: (لقد مضَتْ آيةُ الدخان و الروم و البطشة و انشقاق القمر) کہ دخان، روم، بطشہ (آیت : يوم نَبطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبرىٰ، کی طرف اشارہ ہے) اور انشقاق قمر کے معجزات گزر چکے ہیں، اس حدیث پر تفسیر سورۃ الدخان میں بحث ہوگی۔

3871 حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِى حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ أَبِى مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رضی اللہ عنہ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ. أطرافه 3636، 3869، 4864، 4865۔ (ایضاً)

37 باب هِجْرَةِ الْحَبَشَةِ (ہجرتِ حبشہ)

وَقَالَتْ عَائِشَةُ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ أُرِيتُ دَارَ هِجْرَتِكُمْ ذَاتَ نَخْلٍ بَيْنَ لاَبَتَيْنِ . فَهَاجَرَ مَنْ هَاجَرَ قِبَلَ الْمَدِينَةِ، وَرَجَعَ عَامَّةُ مَنْ كَانَ هَاجَرَ بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ إِلَى الْمَدِينَةِ . فِيهِ عَنْ أَبِى مُوسَى وَأَسْمَاءَ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ. حضرت عائشہ کے مطابق نبی پاک نے بیان فرمایا کہ مجھے تمہارا دارِ ہجرت دو پتھریلے میدانوں کے درمیان دکھلایا گیا ہے، کہتی ہیں یہ سن کر کافی لوگوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کر لی اور اکثر مہاجرینِ حبشہ وہاں سے مدینہ روانہ ہو لئے۔

مسلمانوں نے حبشہ (یعنی ایتھوپیا) کی طرف دو مرتبہ ہجرت کی، اہلِ سیر لکھتے ہیں کہ پہلی ماہِ رجب پانچ نبوی میں تھی ان مہاجرین میں گیارہ مرد اور چار خواتین تھیں، بعض نے دو بھی کہا، بعض نے بارہ اور بعض نے دس مرد ذکر کیے، پیدل سمندر (یعنی جدہ) تک پہنچے وہاں سے نصف دینار کرایہ پر کشتی لیکر آگے روانہ ہوئے، ابن اسحاق لکھتے ہیں اس کا سبب یہ بنا کہ آنجناب نے جب دیکھا مشرکینِ مکہ اسلام قبول کرنیوالوں کے درپے آزار ہیں اور مسلمانوں میں دفاع کی طاقت نہیں تو فرمایا حبشہ میں ایک ایسا حکمران ہے جس کے ملک میں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا، اگر چاہو تو اسطرف نکل جاؤ شائد اللہ تعالی بہتری کی کوئی سبیل دکھلا دے، تو ان اولین نکلنے والوں

میں حضرت عثمان اور ان کی اہلیہ رقیہ بنت رسول بھی شامل تھیں، یعقوب بن سفیان نے حضرت انس تک موصول سند سے نقل کیا ہے کہ آنجناب کو کافی عرصہ ان کی کوئی خبر نہ ملی تا آنکہ ایک خاتون نے بتلایا کہ میں نے عثمان کو دیکھا تھا اپنی بیوی کو گدھے پر سوار کئے جا رہے تھے، فرمایا: (صحبهما الله) اللہ ان کے ساتھ ہو، عثمان حضرت لوط کے بعد پہلے شخص ہیں جو اپنی زوجہ کے ساتھ اللہ کیلئے مہاجر ہوئے، اسی نکتہ کے مدِ نظر بخاری نے بابِ ھذا کے تحت پہلی حدیث حضرت عثمان کی بابت نقل کی ہے۔

ابن اسحاق نے باقی مہاجرین و مہاجرات کے یہ نام ذکر کئے ہیں: عبد الرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام، ابو حذیفہ بن عتبہ، مصعب بن عمیر، ابو سلمہ بن عبد الأسود، عثمان بن مظعون، عامر بن ربیعہ، سہیل بن بیضاء اور ابو سبرة بن ابو رھم عامری، بعض نے ان کی بجائے حاطب بن عمرو عامری ذکر کیا، کہتے ہیں یہ دس وہ پہلے اہلِ اسلام ہیں جو حبشہ کی طرف مہاجر ہوئے بقول ابن ھشام مجھے خبر ملی ہے کہ اس قافلہ کے امیر حضرت عثمان بن مظعون تھے، خواتین کے اسماء یہ ہیں: حضرت رقیہ کے علاوہ، سہلہ بنت سہل جو ابو حذیفہ کی زوجہ تھیں، ابو سلمہ کی زوجہ ام سلمہ بنت ابو امیہ (یہی اپنے خاوند ابو سلمہ کی وفات کے بعد ام المؤمنین بنیں) اور عامر بن ربیعہ کی زوجہ لیلی بنت ابو حثمہ، واقدی نے ان مذکورہ بالا اسماء کے علاوہ دو مزید ذکر کئے جو یہ ہیں: عبد اللہ بن مسعود اور حاطب بن عمرو، ابن مسعود کے بارہ میں ابن اسحاق نے جزم سے لکھا ہے کہ وہ دوسری ہجرتِ حبشہ میں شامل تھے اس کی تائید مسند احمد کی اسنادِ حسن کے ساتھ ابن مسعود کی روایت سے ملتی ہے، کہتے ہیں ہمیں نبی اکرم نے نجاشی کے ملک کو روانہ کیا اور ہم اسی افراد تھے، ان میں میرے علاوہ جعفر بن ابی طالب، عبد اللہ بن عرفطہ، عثمان بن مظعون اور ابو موسی اشعری ہیں۔

ابو موسی کا ان میں ذکر اشکال کا باعث ہے کیونکہ صحیح کی ایک روایت میں ہے کہ وہ یمن سے ایک جماعت کے ہمراہ عازمِ مدینہ ہوئے تھے مگر ہواؤں کے سبب ان کی کشتی ساحلِ حبشہ میں جا پڑی پھر وہاں سے حضرت جعفر وغیرہ کے ہمراہ مدینہ آئے تھے، تو تطبیق کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے وہ قبل ازیں مکہ آ کر مسلمان ہو گئے ہوں اور حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شریک رہے ہوں تو وہاں سے یمن روانہ ہوئے جو ارض حبشہ کے بالمقابل مشرقی جانب کے دوسرے ساحل میں ہے، جب انہیں آپ کی ہجرتِ مدینہ کی خبر ملی تو اپنی قوم کے اہل اسلام کے ساتھ عازم مدینہ ہوئے اور ہیجانِ ریح کے سبب حبشہ پہنچ گئے، اس پر ابو موسیٰ کا قول (بلغنا مخرج النبیؐ) سے مراد آپکی بعثت نہیں بلکہ مدینہ کی طرف نکل جانا ہے، اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ نہایت مستبعد ہے کہ انہیں بیس برس کی تاخیر سے آنجناب کی بعثت کی خبر ملی ہو پھر آنجناب کی مدینہ ہجرت مراد لینے کے ساتھ اس امر پر بھی محمول کرنا ہوگا کہ اس سے مراد مدینہ میں پاؤں جما لینا ہے وگرنہ مطلقاً خبرِ ہجرت اتنی تاخیر سے ملنا بھی مستبعد ہے (یعنی ہجرت کے چھ برس بعد)۔

یہ بھی محتمل ہے کہ ابو موسی ہجرت کی خبر پا کر چل تو فوراً پڑے ہوں مگر جب بجائے مدینہ پہنچنے کے حبشہ پہنچ گئے تو پھر وہیں حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کے ہمراہ رکے رہے، حتی کہ نبی پاک کی طرف سے مدینہ آنے کا پیغام یا اجازت ملی، عثمان بن مظعون کا نام پہلی ہجرتِ حبشہ کے شرکاء میں بھی شامل ہے، ابن اسحاق اور موسی بن عقبہ وغیرھما اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ ان مسلمانوں کو حبشہ میں خبر ملی کہ تمام اھل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے تو ان میں سے کئی جن میں ابن مظعون بھی تھے، مکہ واپس آئے مگر یہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ خبر صحیح نہ تھی جس پر واپس چلے گئے، یہ ان کی دوسری ہجرتِ حبشہ تھے اور اس بار کئی دیگر اھل اسلام بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے، ابن اسحاق نے اسی سے زائد افراد کے نام ذکر کئے ہیں۔ طبری کہتے ہیں صرف۔ مردوں کی تعداد بیاسی تھی، عورتیں اور بچے ان کے سوا ہیں، عمار

ین یاسر کے بارہ میں متردد ھیں کہ آیا وہ بھی گئے تھے؟ ایک قول ہے کہ دوسری ہجرت میں عورتوں کی تعداد بارہ تھی۔

(وقالت عائشة الخ) یہ دوسری ہجرت کے بعد فرمایا تھا، آگے ایک مستقل باب میں اس کا تذکرہ آرہا ہے۔ (فيه عن أبي موسى الخ) حدیثِ ابی موسی تو اسی باب کے آخر میں موصول ہے جبکہ حضرت اسماء جو بنت عمیس ہیں، کی روایت غزوہ خیبر میں ابو بردہ بن ابو موسی عن ابیہ کے طریق سے آئیگی۔

3872حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنَا عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ أَخْبَرَهُ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الأَسْوَدِ بْنِ عَبْدِ يَغُوثَ قَالاَ لَهُ مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تُكَلِّمَ خَالَكَ عُثْمَانَ فِي أَخِيهِ الْوَلِيدِ بْنِ عُقْبَةَ وَكَانَ أَكْثَرَ النَّاسُ فِيمَا فَعَلَ بِهِ .قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ فَانْتَصَبْتُ لِعُثْمَانَ حِينَ خَرَجَ إِلَى الصَّلاَةِ فَقُلْتُ لَهُ إِنَّ لِي إِلَيْكَ حَاجَةً وَهِيَ نَصِيحَةٌ .فَقَالَ أَيُّهَا الْمَرْءُ، أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ، فَانْصَرَفْتُ، فَلَمَّا قَضَيْتُ الصَّلاَةَ جَلَسْتُ إِلَى الْمِسْوَرِ وَإِلَى ابْنِ عَبْدِ يَغُوثَ، فَحَدَّثْتُهُمَا بِالَّذِي قُلْتُ لِعُثْمَانَ وَقَالَ لِي .فَقَالاَ قَدْ قَضَيْتَ الَّذِي كَانَ عَلَيْكَ .فَبَيْنَمَا أَنَا جَالِسٌ مَعَهُمَا، إِذْ جَاءَنِي رَسُولُ عُثْمَانَ، فَقَالاَ لِي قَدِ ابْتَلاَكَ اللَّهُ .فَانْطَلَقْتُ حَتَّى دَخَلْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ مَا نَصِيحَتُكَ الَّتِي ذَكَرْتَ آنِفًا قَالَ فَتَشَهَّدْتُ ثُمَّ قُلْتُ إِنَّ اللَّهَ بَعَثَ مُحَمَّدًاﷺ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ، وَكُنْتَ مِمَّنِ اسْتَجَابَ لِلَّهِ وَرَسُولِهِﷺ وَآمَنْتَ بِهِ، وَهَاجَرْتَ الْهِجْرَتَيْنِ الأُولَيَيْنِ، وَصَحِبْتَ رَسُولَ اللَّهِﷺ وَرَأَيْتَ هَدْيَهُ، وَقَدْ أَكْثَرَ النَّاسُ فِي شَأْنِ الْوَلِيدِ بْنِ عُقْبَةَ، فَحَقٌّ عَلَيْكَ أَنْ تُقِيمَ عَلَيْهِ الْحَدَّ .فَقَالَ لِي يَا ابْنَ أَخِي أَدْرَكْتَ رَسُولَ اللَّهِﷺ قَالَ قُلْتُ لاَ، وَلَكِنْ قَدْ خَلَصَ إِلَيَّ مِنْ عِلْمِهِ مَا خَلَصَ إِلَى الْعَذْرَاءِ فِي سِتْرِهَا .قَالَ فَتَشَهَّدَ عُثْمَانُ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ مُحَمَّدًاﷺ بِالْحَقِّ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ، وَكُنْتُ مِمَّنِ اسْتَجَابَ لِلَّهِ وَرَسُولِهِﷺ وَآمَنْتُ بِمَا بُعِثَ بِهِ مُحَمَّدٌﷺ .وَهَاجَرْتُ الْهِجْرَتَيْنِ الأُولَيَيْنِ كَمَا قُلْتَ، وَصَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِﷺ وَبَايَعْتُهُ، وَاللَّهِ مَا عَصَيْتُهُ وَلاَ غَشَشْتُهُ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ، ثُمَّ اسْتَخْلَفَ اللَّهُ أَبَا بَكْرٍ فَوَاللَّهِ مَا عَصَيْتُهُ وَلاَ غَشَشْتُهُ، ثُمَّ اسْتُخْلِفَ عُمَرُ، فَوَاللَّهِ مَا عَصَيْتُهُ وَلاَ غَشَشْتُهُ، ثُمَّ اسْتُخْلِفْتُ، أَفَلَيْسَ لِي عَلَيْكُمْ مِثْلُ الَّذِي كَانَ لَهُمْ عَلَيَّ قَالَ بَلَى .قَالَ فَمَا هَذِهِ الأَحَادِيثُ الَّتِي تَبْلُغُنِي عَنْكُمْ فَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ شَأْنِ الْوَلِيدِ بْنِ عُقْبَةَ، فَسَنَأْخُذُ فِيهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِالْحَقِّ قَالَ فَجَلَدَ الْوَلِيدَ أَرْبَعِينَ جَلْدَةً، وَأَمَرَ عَلِيًّا أَنْ يَجْلِدَهُ، وَكَانَ هُوَ يَجْلِدُهُ .وَقَالَ يُونُسُ وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ

أَفَلَيْسَ لِی عَلَيْكُمْ مِنَ الْحَقِّ مِثْلُ الَّذِی كَانَ لَهُمْ .طرفاه 3696، 3927۔ (ترجمہ کیلئے اسی کا سابقہ نمبر)

مناقبِ عثمان میں مشروح ہو چکی ہے، غرضِ ترجمہ (وهاجرت الهجرتين الأوليين) ہے، اولیین اولیٰ کی تثنیہ ہے یہ ہجرت حبشہ کی نسبت سے علی طریق التغلب ہے وہی پہلی اور دوسری تھی، مدینہ کی طرف ہجرت تو ایک ہی مرتبہ تھی، یہ بھی محتمل ہے کہ یہ اولیت مہاجرین کے اعیان کی نسبت سے مراد ہو کہ انہوں نے علیحدہ علیحدہ (مدینہ کی طرف) ہجرت کی تھی، تو اس لحاظ سے اول مَن ھاجر حضرت عثمان ہیں۔ (وقال يونس) یعنی ابن زید (وابن أخي الزهری) یعنی محمد بن عبد اللہ بن مسلم (عن الزهری) اسی سند مذکور کے ساتھ، یونس کا طریق مناقبِ عثمان میں موصول ہے جبکہ ابن اخی الزہری کا طریق قاسم بن اصبغ نے اپنی مصنف میں اور ان کے طریق سے ابن عبد البر نے اپنی تمہید میں موصول کیا ہے، یہ تعلیق اور مابعد اس کی تفسیر صرف مستملی کے نسخۂ بخاری میں ہے۔

(قال أبو عبد الله الخ) یہ بھی اکیلے مستملی کے نسخہ میں ہے روایت کے الفاظ (فقد ابتلاك الله) کی مناسبت سے اسے وارد کیا ہے یعنی یہ اختبار (آزمائش) کے معنی میں ہے اسی لئے کہا: (هو مِن بلوته الخ) پھر استطراداً (حسب عادت)۔ (و أما قوله بلاءٌ مِن ربكم الخ) کی عبارت ذکر کی، یہ سب ابوعبیدہ کی کلام ہے جو ان کی کتاب المجاز میں موجود ہے، اسے کئی مقامات پہ متفرقاً لکھا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ ابتلاء کا لفظ اضداد سے ہے کبھی اس کا اطلاق نعمت کے معنی میں اور کبھی نقمت کے معنی میں ہوتا ہے، اسی طرح بسا اوقات آزمائش کا معنی مراد ہوتا ہے، یہ تینوں معانی قرآن میں مستعمل ہیں، مثلاً اللہ تعالی کا فرمان (بلاءً حسنا) [الأنفال :۱۷] میں نعمت وعطیہ مراد ہے جبکہ (بلاءٌ عظيم) میں نقمت کا مفہوم ہے، یہاں آزمائش کا معنی بھی محتمل ہے، اسی طرح اس آیت میں بھی: (وَلَنَبْلُوَنَّكُم حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنكُمْ) [محمد : ۳۱]۔ ابتلاء کا لفظ جو بابِ افتعال سے ہے، بھی نقمت واختبار، دونوں معانی کیلئے مستعمل ہے۔

3873حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّی حَدَّثَنَا يَحْيَی عَنْ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِی أَبِی عَنْ عَائِشَةَؓ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ، فِيهَا تَصَاوِيرُ، فَذَكَرَتَا لِلنَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ إِنَّ أُولَئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلَی قَبْرِهِ مَسْجِدًا، وَصَوَّرُوا فِيهِ تِيكَ الصُّوَرَ، أُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .أطرافه 427، 434، 1341

حضرت عائشہ کہتی ہیں حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ نے حبشہ میں دیکھے ایک کنیسہ کا حال بیان کیا جس میں تصاویر تھیں، آنجناب کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا ان میں جب کوئی مردِ صالح فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پہ مسجد بنا لیتے اور تصویر بھی، یہ روزِ قیامت اللہ کے ہاں بدترین لوگ قرار پائینگے۔

ام سلمہ ہجرتِ اولی اور ام حبیبہ ہجرتِ ثانیہ میں اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ساتھ شریک تھیں جو وہیں فوت ہو گئے، کہا جاتا ہے وہاں جا کر عیسائیت قبول کر لی تھی، ان سے بھی آنجناب نے شادی کر لی تھی، یہ روایت کتاب الجنائز میں مشروح ہو چکی ہے۔

3874حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِیُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدٍ السَّعِيدِیُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أُمِّ خَالِدٍ بِنْتِ خَالِدٍ قَالَتْ قَدِمْتُ مِنْ أَرْضِ الْحَبَشَةِ وَأَنَا جُوَيْرِيَةٌ فَكَسَانِی رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

خَمِيصَةٌ لَهَا أَعْلاَمٌ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَمْسَحُ الأَعْلاَمَ بِيَدِهِ وَيَقُولُ سَنَاهُ، سَنَاهُ قَالَ الْحُمَيْدِيُّ يَعْنِي حَسَنٌ حَسَنٌ .أطرافه 3071، 5823، 5845، 5993۔ (جلد چہارم کتاب الجہاد میں مترجم ہے)

ام خالد بنت خالد بن سعید بن عاص بن امیہ کی روایت، ان کے والد حبشہ کی دوسری ہجرت میں شامل تھے، ام خالد کی پیدائش حبشہ میں ہوئی تھی، امہ نام رکھا گیا ان کی والدہ اُمَینہ ہیں بعض نے ہمینہ لکھا ہے، بنت خلف خزاعیہ (چونکہ حبشہ میں پیدا ہوئیں اور ابتدائی چند سال وہیں گزارے اسی لئے نبی اکرم نے تلطفا ان کے ساتھ حبشی زبان کا لفظ بولا) سند کے راوی اسحاق بن سعید سعیدی، بن سعید بن عمرو بن سعید بن عاص ہیں، انکے والد کے دادا سعید بن عاص بن سعید بن عاص جو اصغر کہلاتے تھے، ام خالد کے عمزاد تھے، حدیث کی شرح کتاب اللباس میں ہوگی۔

3875حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ؓ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّي فَيَرُدُّ عَلَيْنَا، فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا، فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فَتَرُدُّ عَلَيْنَا قَالَ إِنَّ فِي الصَّلاَةِ شُغْلاً .فَقُلْتُ لإِبْرَاهِيمَ كَيْفَ تَصْنَعُ أَنْتَ قَالَ أَرُدُّ فِي نَفْسِي .طرفاه 1199، 1216

ابن مسعود کہتے ہیں کہ ہم آنجناب کو حالتِ نماز میں سلام کہتے تو آپ اس کا جواب مرحمت فرماتے لیکن حبشہ سے واپسی پہ ہم نے سلام کہا تو آپ نے جواب نہ دیا، ہمارے پوچھنے پہ فرمایا نمازی کو نماز میں ہی مشغول رہنا چاہئے، راوی کہتے ہیں میں نے ابراہیم سے پوچھا آپ ایسے موقع پہ کیا کرتے ہیں؟ کہا میں دل میں جواب دے لیتا ہوں۔

سلیمان سے مراد اعمش اور عبداللہ راویِ حدیث ابن مسعود ہیں۔ (فلما رجعنا من عند النجاشی) پہلے احمد کی حدیثِ ابن مسعود کا حوالہ دیا جا چکا ہے جس میں مذکور ہے کہ ابن مسعود حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شامل تھے، باقی شرح کتاب الصلاۃ میں گزر چکی ہے۔ ان اھل اسلام کو جب معلوم ہوا کہ نبی پاک مدینہ کی طرف ہجرت فرما چکے ہیں تو واپس آ گئے، ان میں سے تیس افراد مکہ پہنچے جبکہ ابن مسعود سیدھا مدینہ چلے گئے۔

3876حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلاَءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا بُرَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى ؓ بَلَغَنَا مَخْرَجُ النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ بِالْيَمَنِ فَرَكِبْنَا سَفِينَةً فَأَلْقَتْنَا سَفِينَتُنَا إِلَى النَّجَاشِيِّ بِالْحَبَشَةِ، فَوَافَقْنَا جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، فَأَقَمْنَا مَعَهُ حَتَّى قَدِمْنَا، فَوَافَقْنَا النَّبِيَّ ﷺ حِينَ افْتَتَحَ خَيْبَرَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَكُمْ أَنْتُمْ يَا أَهْلَ السَّفِينَةِ هِجْرَتَانِ .أطرافه 3136، 4230، 4233۔ (جلد چہارم کتاب الجزیۃ والموادعۃ)

(مخرج النبی) یعنی آپکی بعثت کی خبر (پہلے ذکر ہوا اس سے مراد آنجناب کی مدینہ ہجرت بھی محتمل ہے) یہ حدیث غزوۂ خیبر کے تحت مطولا آئیگی، وہیں مفصل تشریح کی جائیگی۔ ابن حجر آخرِ بحث بعنوان تکملہ لکھتے ہیں ارضِ حبشہ بلادِ یمن کے بالمقابل مغربی سمت میں سمندر کے اس پار ہے درمیان میں طویل مسافت ہے وہاں کئی اجناس کی اقوام آباد تھیں جو سب سودان (یعنی کالے رنگ کے)

تھے بادشاہِ حبشہ کے اطاعت گزار تھے اس زمانہ میں حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہوتا تھا آج کل حطی کہا جاتا ہے بقول اھل تاریخ یہ حبشن بن کوش بن حام (بن حضرت نوحؑ) کی اولاد ہیں، ابن درید کہتے ہیں حبش کی جمع احبوش ہے، حبشہ کا لفظ غیر قیاسی ہے حبشان اور جبش بھی کہا جاتا ہے، تحبیش کا لغوی معنی تجمیع (یعنی جمع کرنا) ہے۔

اسے مسلم نے بھی (الفضائل) میں نقل کیا ہے۔

38 باب مَوْتُ النَّجَاشِيِّ (حضرت نجاشی کی وفات کا تذکرہ)

الجنائز میں نجاشیؓ کا نام ونسب ذکر ہو چکا ہے ابن تین کے مطابق نجاشی کی یاء ساکن ہے یعنی اصلی ہے یائے نسبت نہیں، دوسروں نے اسے مشدد بھی لکھا ہے ابن دحیہ کے نزدیک نون پر زیر ہے، ان کی وفات کا یہاں ذکر استطرادأ ہے کیونکہ مسلمان ہجرت کر کے ان کے ظلِ عاطفت میں محفوظ و مامون رہے، اکثر کے نزدیک ان کی وفات سن ۹ ھ میں ہوئی، بیہقی نے الدلائل میں سن آٹھ فتح مکہ سے قبل لکھا ہے، یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے اسلام پر ترجمہ قائم کرنا چاہئے تھا (جیسا کہ باقی صحابہ کی نسبت کہا) مگر موت کا عنوان باندھا ہے جواب یہ ہے کہ ان کے اسلام کے بارہ میں امام بخاری کو اپنی شرط پر کوئی حدیث نہ مل سکی اور موت پر دال یہ روایت ان کے ہاں ثابت ہے اور آنجناب کے ان کی نماز جنازہ پڑھنے سے ان کے مسلمان ہونے کا ثبوت ہے لہٰذا وہ مقصد بھی حاصل ہوا۔

3877 حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ حِينَ مَاتَ النَّجَاشِيُّ مَاتَ الْيَوْمَ رَجُلٌ صَالِحٌ، فَقُومُوا فَصَلُّوا عَلَى أَخِيكُمْ أَصْحَمَةَ. أطرافه 1317، 1320، 1334، 3878، 3879۔ (ترجمہ کیلئے دیکھئے جلد دوم ص: ۲۱۷)

3878 حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ أَنَّ عَطَاءً حَدَّثَهُمْ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الأَنْصَارِيِّؓ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ صَلَّى عَلَى النَّجَاشِيِّ فَصَفَّنَا وَرَاءَهُ فَكُنْتُ فِي الصَّفِّ الثَّانِي أَوِ الثَّالِثِ. أطرافه 1317، 1320، 1334، 3877، 3879۔ (جلد دوم ص: ۲۱۶)

سعید سے مرا ابن ابی عروبہ ہیں۔

3879 حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ عَنْ سَلِيمِ بْنِ حَيَّانَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى عَلَى أَصْحَمَةَ النَّجَاشِيِّ فَكَبَّرَ عَلَيْهِ أَرْبَعًا تَابَعَهُ عَبْدُ الصَّمَدِ. أطرافه 1317، 1320، 1334، 3877، 3878۔ (دیکھئے سابقہ حوالہ)

(تابعه عبد الصمد) یہ ابن عبد الوارث ہیں، انہوں نے یزید بن ہارون کی سلیم سے روایت میں متابعت کی ہے اسے موصول کرنے والوں کا الجنائز میں ذکر ہو چکا ہے۔

3880 حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ

شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِی أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَابْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ ؓ أَخْبَرَهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَعَى لَهُمُ النَّجَاشِيَّ صَاحِبَ الْحَبَشَةِ فِی الْيَوْمِ الَّذِی مَاتَ فِيهِ وَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لأَخِيكُمْ .أطرافه 1245، 1318، 1327، 1328، 1333، **3881** وَعَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِی سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ ؓ أَخْبَرَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَفَّ بِهِمْ فِی الْمُصَلَّى، فَصَلَّى عَلَيْهِ وَكَبَّرَ أَرْبَعًا .أطرافه 1245، 1318، 1327، 1328، 1333، 3880۔ (سابقہ حوالہ)

صالح سے مراد ابن کیسان ہیں۔ (وعن صالح عن ابن شهاب) یہ اسنادِ موصول پر معطوف ہے (حدثنی سعید الخ) نسخہ کشمیہنی میں (وأبو سلمة بن عبد الرحمن) بھی ہے کتاب الجنائز میں دونوں حدیثیں مشروح ہیں۔

39 باب تَقَاسُمُ الْمُشْرِكِينَ عَلَى النَّبِیِّ ﷺ (نبی اکرم کے خلاف مشرکین کا عہد و پیمان)

مذکورہ تقاسُم محرم کی یکم سن سات نبوی میں وقوع پذیر ہوا تھا، ابن اسحاق اور موسی وغیرہما اھل سیر و مغازی لکھتے ہیں قریش نے دیکھا کہ مسلمان حبشہ میں محفوظ و مامون ہو چکے ہیں، حضرت عمر بھی مسلمان ہو گئے ہیں اور بعض قبائل میں اسلام پھیلتا جا رہا ہے تو نبی اکرم کو قتل کر دینے کا پروگرام بنایا، ابوطالب کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو جمع کیا اور شعب میں منتقل ہو گئے تا کہ آپکی حفاظت ہو سکے، ان حمایت کرنے والوں میں انکے ابھی مسلمان نہ ہونے والے افراد بھی شامل تھے جو جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق خاندانی حمیت کے تحت آپ کی حفاظت و حمایت پر کمر بستہ ہوئے، قریش نے قتل کا چارہ نہ پا کر باہم معاہدہ تحریر کیا کہ بنی ہاشم و مطلب کا سماجی بائیکاٹ کیا جائے، نہ کوئی ان سے لین دین کرے اور نہ مناکحت وغیرہ کے معاملات! جب تک وہ رسول اللہ کو ان کے حوالے نہ کر دیں یہ تحریر کعبہ کے اندر لٹکا دیگئی، کاتب کا نام منصور بن عکرمہ بن عامر بن عبد مناف ہے، اللہ نے اس پر یہ سزا نازل کی کہ اس کی انگلیاں شل ہو گئیں بعض نے کاتب کا نام نضر بن حارث اور بعض نے طلحہ بن ابو طلحہ لکھا ہے۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں بنی ہاشم اور بنی مطلب سب کے سب اس شعب میں منتقل ہوئے مگر ابولہب نے ایسا نہ کیا وہ باقی قریش کے ساتھ ان کی مخالفت پر کمر بستہ رہا، کہا جاتا ہے کہ محصوری کا آغاز محرم سات نبوی سے ہوا، بقول ابن اسحاق دو یا تین برس وہیں رہے موسی نے جزم کے ساتھ تین سال لکھا ہے، اس دوران مخفی طور پر ہی خوراک پہنچتی تھی حتی کہ اھل مکہ کو اگر پتہ چلتا کہ مکہ کے کسی فرد نے اپنے ان رشتہ داروں کے ساتھ خوراک کے ضمن میں کوئی تعاون کیا ہے تو وہ اسے سزا دیتے، بالآخر ایک جماعت نے باہم مشورہ کر کے جن میں سب سے زیادہ سرگرم ہشام بن عمرو بن حارث عامری تھا، اس صحیفہ کو پھاڑ ڈالا، ان کے والد کی والدہ ان کے دادا سے شادی سے قبل ھاشم بن عبد مناف کے زوجہ تھی تو اس ناطے سے محصوری کے دوران بھی دادرسی کی کوشش کیا کرتا تھا، اس نے ہی اس جدو جہد کا آغاز کیا، سب سے پہلے زہیر بن ابو امیہ سے بات کی، ان کی والدہ عاتکہ بنت عبد المطلب ہیں، اسے اپنا ہمنوا بنایا، پھر دونوں مطعم بن عدی اور زمعہ بن اسود کے پاس گئے اور انہیں قائل کیا، چنانچہ یہ چاروں حطیم میں بیٹھے اور اس معاہدۂ ظلم کے خلاف باتیں کیں اور اسے غیر مناسب قرار دیا، ابو جہل یہ سب سنکر کہنے لگا یہ ایسا معاملہ ہے جس کی منصوبہ بندی رات کو ہوئی ہے (یعنی ایسا نہیں کہ ابھی اتفاقا بات

چل نکلی ہے)، آخر کار بائیکاٹ کی تحریر نکال کر پھاڑ دی اور اس حکم کو کالعدم قرار دیا۔

ابن ہشام لکھتے ہیں تحریر کو دیکھا تو دیمک ماسوا اللہ تعالیٰ کے نام کے تمام الفاظ کو پہلے ہی صاف کر چکی تھی مگر ابن اسحاق، موسی اور عروہ اس کے برعکس لکھتے ہیں کہ جہاں جہاں اللہ کا نام تھا اسے دیمک نے مٹا دیا (شائد۔ بفرض ثبوت۔ اس کی حکمت یہ ہو کہ اس ظلم کی تحریر پر اللہ کا حوالہ مناسب نہیں)۔ واقدی ذکر کرتے ہیں کہ شعب سے دس نبوی میں نکلے، کچھ ہی عرصہ بعد ابو طالب کا انتقال ہو گیا بقول ابن اسحاق ان کا اور حضرت خدیجہ کا انتقال ایک ہی برس ہوا پھر قریش نے آنجناب کو ایسا ستایا جو وہ ابو طالب کی حیات میں نہ کر سکے تھے، امام بخاری کے ہاں یہ قصہ ان کی شرط پر موجود نہ تھا تو حدیثِ ابی ہریرہ مذکور پر اکتفاء کیا جس میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے، تو (تقاسموا على الكفر) سے شعب ابی طالب میں محصور ہونے کا یہی قصہ مراد ہے۔

3882 حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حِينَ أَرَادَ حُنَيْنًا مَنْزِلُنَا غَدًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِخَيْفِ بَنِي كِنَانَةَ، حَيْثُ تَقَاسَمُوا عَلَى الْكُفْرِ .أطرافه 1589، 1590، 4284، 4285، 7479۔ (ترجمہ کیلئے جلد دوم ص:۵۱۲)

الحج میں اسی سند کے ساتھ گزر چکی ہے وہاں یہ الفاظ تھے: (قال حين أراد قدوم مكة) یہ روایتِ باب کے معارض نہیں کیونکہ یہ اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ غزوۃ الفتح کے موقع پر یہ بات اس وقت کہی جب مکہ دخول کا ارادہ فرمایا، اسی قدوم میں حنین کا معرکہ پیش آیا تھا۔ قبل ازیں شعیب عن الزہری کے حوالے سے یہ الفاظ بھی گزرے ہیں: (قال رسول الله ﷺ من الغد يوم النحر وهو بمنى نحن نازلون غداً الخ) تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات حجۃ الوداع کے موقع پر کہی تھی، اسے تعدد پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے، باقی شرح و بحث کتاب المغازی کے باب غزوۃ الفتح میں ہوگی۔

40 باب قِصَّةُ أَبِي طَالِبٍ (قصہ ابو طالب)

تمام اہلِ سیرت کے نزدیک ابو طالب کا نام عبد مناف تھا، ایک شاذ بلکہ باطل قول عمران نام کا بھی ہے اسے ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الرد علی الرافضی میں نقل کیا، لکھتے ہیں بعض شیعہ مدعی ہیں کہ آیت: (إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفىٰ آدَمَ ونُوحاً وَآلَ إبراهِيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ الخ) [آل عمران:۳۳] میں آل عمران سے مراد آلِ ابی طالب ہیں اور ابو طالب کا نام عمران تھا، ابو طالب آنجناب کے والد حضرت عبد اللہ کے ماں جائے بھائی تھے اسی لئے عبد المطلب نے بوقت وفات آنجناب کو انہی کے زیر کفالت دیا بڑے ہونے تک وہ آپ کے کفیل رہے پھر بعثت کے بعد اپنی موت تک آپ کے مددگار رہے، ساری عمر آپ کا دفاع کرتے رہے اور اس پاداش میں، جیسا کہ سابقہ باب میں ذکر ہوا۔ شعب میں محصوری بھی برداشت کی مگر اس کے باوجود اپنی قوم کے دین پر قائم رہے، آنجناب کی حمایت اور دفاع پر ہمیشہ کمر بستہ رہے اس بارے اشعار بھی کہے، ایک شعر نہایت مشہور ہوا: (وَاللّٰهِ لَنْ يَصِلُوا إليكَ بِجَمْعِهِمْ حتّٰى أُوَسَّدَ فِي التُّراب دَفينا) کہ اللہ کی قسم جب تک میں مٹی میں دفن نہیں ہو جاتا وہ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے، ایک یہ شعر بھی :(كَذَبتُم و بيتِ الله نبرى محمدا و بما نُقتَل حوله و نُناضِل) بیت اللہ کی قسم ہم محمد کی تم سے حفاظت کرینگے اگر اس میں

جان بھی چلی گئی تو پرواہ نہ کرینگے۔

اسی نظم کے کچھ اشعار کتاب الاستقاء میں بھی گزرے ہیں۔

3883 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ؓ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ مَا أَغْنَيْتَ عَنْ عَمِّكَ فَإِنَّهُ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ . قَالَ هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ، وَلَوْلاَ أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ . طرفاه 6208، 6572

راوی کہتے ہیں حضرت عباس بن عبدالمطلب نے نبی پاک سے کہا آپ اپنے چچا ابو طالب کے کیا کام آئے؟ اللہ کی قسم وہ آپ کی حمایت کیا کرتے اور آپ کیلئے ناراض ہوا کرتے تھے، فرمایا وہ ٹخنوں تک جہنم میں ہیں اگر میں نہ ہوتا تو وہ سب سے نچلی تہہ میں ہوتے۔

یحیی سے قطان اور سفیان سے ثوری مراد ہیں جبکہ عبدالملک، ابن عمیر ہیں اور عبداللہ بن حارث جو کہ ابن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب ہیں، حضرت عباس ان کے دادا کے چچا تھے۔ (کان یحوطك) حیاطہ سے، یعنی نگہبانی کرنا، ابن اسحاق لکھتے ہیں ابو طالب کی وفات تک اہل مکہ آپ کو نقصان پہنچانے یا اہانت وایذاء کی سکت نہ پا سکے مگر جب ایک ہی برس ام المؤمنین خدیجہ اور ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو اب وہ اتنے دلیر ہو گئے کہ ایک مرتبہ سفہائے قریش میں سے ایک سفیہ نے اٹھ کر آنجناب کے سر مبارک میں مٹی ڈال دی، کہتے ہیں مجھے ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے بیان کیا کہ اس پر آپ گھر آ گئے اور فرمایا: (ما نالتنی قریش أکرهه حتیٰ مات أبو طالب) کہ جب تک ابو طالب زندہ تھے قریش مجھ سے برا سلوک نہیں کر سکے تھے۔

(ویغضب لك) آپ کے دفاع میں ان کے قول وفعل کی طرف اشارہ ہے۔ (هو فی ضحضاح) یہ استعارہ ہے، ضحضاح من الماء پانی کی اس مقدار کو کہتے ہیں جو گھٹنوں گھٹنوں ہو، غمرہ کا عکس ہے، مراد تخفیفِ عذاب ہے آگے صراحت سے گھٹنوں تک عذاب ہونے کا ذکر آ رہا ہے، مسلم کی حدیثِ ابن عباس میں ہے کہ وہ سب اہل دوزخ سے ہلکے عذاب والے ہوں گے، ان کیلئے دو (آگ کے) جوتے ہوں گے جن سے ان کا دماغ ابلے گا۔ احمد کی حدیثِ ابی ہریرہ میں بھی یہ ہے البتہ ابو طالب کا نام لئے بغیر مذکور ہے، بزار کی حدیثِ جابر میں ہے کہ پوچھا گیا: (هل نفعتَ أبا طالب؟) کیا آپ کی وجہ سے ابو طالب کو کوئی نفع ہوا؟ فرمایا: (أخرجتُه من النار إلی ضحضاحٍ منها) میں نے (سرتاپا) آگ سے نکال کر گھٹنے گھٹنے آگ میں کر دیا۔ کتاب الرقاق کی حدیثِ نعمان میں بھی یہی مذکور ہے اس کے آخر میں ہے: (کما یغلی المرجل بالقمقم) جیسے دیگچی میں پانی ابلتا ہے، مرجل اور قمقم دونوں سے مراد وہ برتن جس میں پانی وغیرہ ابالا جائے، ابن اثیر لکھتے ہیں روایت میں یہی عبارت ہے اور یہ محلِ نظر ہے البتہ ایک نسخہ میں ہے: (کما یغلی المرجل والقمقم) اس سے اشکال ختم ہو جاتا ہے (کہ مرجل اور قمقم ہم معنی ہیں) بشرطِ کہ روایت اس کی مساعد ہو۔ یہ بھی محتمل ہے کہ بمعنی مع ہو، ایک قول کے مطابق قمقم وہ بُسر (تازہ چیز/گدر کھجور) ہے جسے عرب پانی پر ابالتے استعجالاً لِنضجہ (تاکہ جلدی پک جائے) اگر یہ ثابت ہے تو اشکال زائل ہو جاتا ہے۔

ابن حجر تنبیہہ کے عنوان سے لکھتے ہیں حضرت عباس کے ابو طالب کی بابت اس سوال کے بارے میں ابن عباس کے حوالے

سے ایک ایسی سند کے ساتھ ابن اسحاق کی منقول روایت جس میں ایک مجہول راوی ہے، میں مذکور یہ امر ضعیف ثابت ہوتا ہے کہ ابو طالب کی موت جب قریب تھی نبی اکرم نے انہیں کلمہِ توحید کہنے کو کہا مگر انہوں نے انکار کر دیا اس میں ہے کچھ دیر بعد حضرت عباس نے ان کے ہونٹ ہلتے دیکھے تو کان لگائے پھر نبی پاک سے کہا اللہ کی قسم اے بھتیجے ابو طالب کلمہ پڑھ رہے تھے، یہ حدیث اگر صحیح بھی ہوتی تو اپنے سے اصح اس روایتِ بخاری کی معارض تھی مگر وہ تو ضعیف بھی ہے۔ ابو داؤد، نسائی ابن خزیمہ اور ابن جارود نے حضرت علی سے روایت کیا کہ جب ابو طالب فوت ہو گئے تو میں نے کہا یا رسول اللہ آپ کا گمراہ چچا فوت ہو گیا ہے! فرمایا جاؤ تدفین کر دو، ابن حجر کہتے ہیں بعض اہلِ رفض (شیعہ) نے اسلامِ ابو طالب کے اثبات کے بارہ میں روایاتِ واھیہ (یعنی ضعیف) نقل کی ہیں مگر ان میں سے ایک بھی ثابت نہیں۔

علامہ انور (ضحضاح من النار) کے تحت لکھتے ہیں ضحضاح یہاں نارِ شدید کے مقابل کے بطور استعمال کیا ہے، اسی اور اس جیسی احادیث کے مدنظر میں نے پہلے کہا ہے کہ کافر کی طاعات (یعنی نیک اعمال) اور قربات کا بھی روزِ قیامت اعتبار ہوگا، جہنم میں جو مختلف درکات ہیں (جیسے جنت کے درجات ہیں) وہ اسی باعث ہیں، جہاں تک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: (ولا نُقيمُ لَهُم يومَ القِيٰمةِ وَزْنًا) تو اس میں صرف یہی مذکور ہے کہ ان کے اعمال وزن نہ کئے جائیں گے (یعنی عدم اعتبار پر دلالت موجود نہیں) کچھ بعید نہیں کہ کفار کے نیک اعمال کی وجہ سے ان پر تخفیفِ عذاب ہو، اعمال کا وزن کئے بغیر۔

اسے مسلم نے (الإیمان) میں نقل کیا ہے۔

3884 حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ أَبَا طَالِبٍ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ وَعِنْدَهُ أَبُو جَهْلٍ فَقَالَ أَىْ عَمِّ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِى أُمَيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ، تَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَالَا يُكَلِّمَانِهِ حَتَّى قَالَ آخِرَ شَىْءٍ كَلَّمَهُمْ بِهِ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ . فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْهُ . فَنَزَلَتْ (مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِى قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ) وَنَزَلَتْ (إِنَّكَ لَا تَهْدِى مَنْ أَحْبَبْتَ) أطرافه 1360، 4675، 4772، 6681۔ (دیکھئے جلد دوم ص: ۲۵٦)

شیخِ بخاری محمود سے مراد ابن غیلان ہیں۔ (لما حضرته الوفاة) غرغرہ کا وقت آنے سے قبل (یعنی جب سانس بالکل آخری دموں پہ ہوتا ہے اور غرغر کی آواز آنے لگتی ہے جو اس امر کی نشانی ہوتی ہے کہ سانس بھاری ہوگئی ہے جیسے دمہ کا دورہ پڑنے کی کیفیت ہوتی ہے)۔ (أحاج) اصل میں (أحاجج) ہے کتاب الجنائز کی روایت میں یہ الفاظ تھے: (أشهد لك بها عندالله) گویا آنجناب کو خیال ہوا کہ شائد ابو طالب اس وجہ سے ممتنع ہیں کہ پتہ نہیں اب کلمہ پڑھ لینے سے کوئی فائدہ بھی ہوتا ہے یا نہیں کہ اب عین موت کا وقت ہے اور کھاتے میں نماز وغیرہ قسم کے اعمال بھی نہیں تو آپ نے محاجت کا لفظ استعمال کر کے انہیں توقع وامید دلائی، احمد کی ابو حازم

عن ابی ہریرہ سے روایت میں ہے کہ کہنے لگے اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ قریش مجھے عار دلائیں گے کہ موت کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا ہے تو میں ضرور تیری آنکھیں کلمہ پڑھ کر ٹھنڈی کرتا، ابن اسحاق نے بھی ابن عباس سے یہی نقل کیا ہے۔ (وعبدالله بن أبی أمية) یہ ام المؤمنین ام سلمہ کے بھائی تھے، فتح مکہ کے دن اسلام لے آئے تھے اور اس کے چند دن بعد غزوہ حنین میں شہید ہو گئے۔

(فنزلت: ما كان لِلنَّبی الخ) دوسری آیت کا نزول تو اس قصہِ ابی طالب میں واضح ہے مگر پہلی آیت کا بھی یہی شانِ نزول قرار دینا محلِ نظر ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت استغفارِ ابو طالب کے اس واقعہ کے ایک مدت بعد نازل ہوئی اور یہ ان کے اور باقی اہل شرک کے حق میں عام ہے، التفسیر کی اسی روایت کے یہ الفاظ اس کی توضیح کرتے ہیں: (فأنزلَ اللهُ بعدَ ذلك : ما كان للنبی الخ) یہ عبارت بھی ہے: (و أنزل فی أبی طالب: إنك لا تَهدِیْ الخ) احمد کی ابو حازم عن ابی ہریرۃ سے روایت میں یہ عبارت بھی ہے: (فأنزل الله : إنك لا تهدی مَنْ أَحْبَبْتَ الخ) تو اس سے ظاہر ہوا کہ حالتِ شرک و کفر پر فوت ہوئے۔

3885 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنَا ابْنُ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ أَبِی سَعِيدٍ الْخُدْرِیِّ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ وَذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِی يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُجْعَلُ فِی ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ، يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ يَغْلِی مِنْهُ دِمَاغُهُ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِی حَازِمٍ وَالدَّرَاوَرْدِیُّ عَنْ يَزِيدَ بِهَذَا، وَقَالَ تَغْلِی مِنْهُ أُمُّ دِمَاغِهِ .طرفه 6564

ابو سعید خدری راوی ہیں کہ نبی پاک کے پاس آپ کے چچا (ابو طالب) کا ذکر ہوا تو فرمایا شائد میری شفاعت قیامت کے دن انہیں نفع دے، تو انہیں ٹخنوں تک کے جہنم میں کر دیا جائے، اس سے ان کا دماغ کھولتا ہوگا۔

ابن الہاد سے مراد یزید بن عبداللہ بن اسامہ بن ہاد ہیں، دوسری روایت کے الفاظ: (عن يزيدبهذا) سے انہی کی طرف اشارہ ہے یعنی اسی سند و متن کے ساتھ۔ (عن عبدالله بن خباب) یعنی مدنی انصاری، ثقات میں سے ہیں بقول ابن حجر ان کی صرف حضرت ابو سعید خدری سے ہی روایت دیکھی ہے، ان سے تابعین کی ایک جماعت نے روایت لی ہے۔

(و ذكر عنده عمه) ابن ہاد کی الرقاق میں آمدہ روایت میں (أبو طالب) بھی مذکور ہے، پہلی حدیث کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ ذکر کرنے والے حضرت عباس تھے۔ (و يبلغ كعبه) سہیلی اس کی حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ بالجملہ آنجناب کے تابع تھے مگر ان کے قدم شرک و کفر پر ثابت رہے لہٰذا ان کے قدموں کو مختص بالعذاب کیا گیا بقول ابن حجر یہ توجیہہ محلِ نظر ہے (بعض خطباء یہ توجیہہ بھی ذکر کرتے رہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا سارا جسم اللہ کے رسول کے جسم سے مس ہوا، سوائے قدموں کے لہٰذا وہی مختص بالعذاب ہوئے، مگر یہ سہیلی کی توجیہہ سے بھی زیادہ محلِ نظر ہے کیونکہ انہیں کیسے پتہ چلا کہ باقی سارا جسم اللہ کے رسول کے جسم سے مس ہوا ہے، اس میں گردن ہے، سر ہے، کمر ہے لہٰذا یہ ایک فضول بات ہے)۔

(يغلی منه دماغه) اگلی روایت میں (أم دماغه) ہے بقول داؤدی مراد (أم رأسه) ہے، ابن اسحاق کی روایت میں ہے حتی کہ وہ ابل کر قدموں پر بہہ پڑے گا، حدیث سے ثابت ہوا کہ رشتہ دار خواہ مشرک و کافر ہی ہوں، کی زیارت و ملاقات کی جا سکتی ہے اور یہ کہ توبہ قابلِ اعتبار و قبول ہے اگرچہ عین شدتِ موت میں کی جائے لیکن اگر معاینہ کا وقت آ جائے (یعنی موت کا فرشتہ بالکل

سامنے ہو، جسے ایک روایت میں: ما لَمْ یُغَرْغِرْ سے تعبیر کیا)، تب مقبول نہیں کیونکہ اللہ کا فرمان ہے: (فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا) [غافر : ۸۵]۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کافر توبہ کر لے تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جائینگے، کفار کے عذاب کا ایک دوسرے سے متفاوت ہونا بھی ثابت ہوا اور جو ابو طالب کو یہ نفعِ مذکور حاصل ہوا وہ آنجناب کی برکت کی وجہ سے ہے۔ آنجناب نے ابو طالب پر لا إلهَ إلا اللّٰہ پیش کیا (یعنی محمد رسول اللہ مذکور نہیں) تو مراد پورا کلمہ ہی تھا کہ دونوں جزو ایک کلمہ کی حیثیت میں ہو چکے ہیں، یہ بھی محتمل ہے کہ وہ آنجناب کی رسالت کا اقرار تو کرتے تھے، توحید کا نہیں اس کی تائید ان کے قصیدہ نونیہ کے اس شعر سے ملتی ہے: (ودعوتَني و علمتُ أنكَ صادِقٌ ولقد صدَقْتَ و كُنتَ قبلُ أمينا) اسی لئے فقط پہلے جزو کو معروض کیا، یا اگر توحید کا اقرار کر لیتے تو شہادت بالرسالت سے توقف نہ کرتے۔

آخرِ بحث تکملہ کے عنوان سے رقمطراز ہیں عجیب اتفاق ہے کہ آنجناب کے چار چچاؤں نے اسلام کا زمانہ پایا، دو نے اسلام قبول کر لیا اور دو کفر پر قائم رہے، مسلمان نہ ہونے والے دونوں چچاؤں کے نام اسلامی ناموں کے منافی تھے، مثلا ابو طالب کا نام عبد مناف اور ابولہب کا نام عبد العزی تھا بخلاف مسلمان چچاؤں کے یعنی حمزہ اور عباس۔

41 باب حَدِيثِ الإِسْرَاءِ (واقعہِ اسراء)

وَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (سُبْحَانَ الَّذِى أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الأَقْصَى)

لفظ (أسریٰ) کی بحث تفسیر سورۃ سبحان الذی میں آئیگی، ابن دحیہ کہتے ہیں بخاری کا میلان یہ ہے کہ شبِ اسراء غیر شبِ معراج ہے تبھی دونوں کیلئے علیحدہ علیحدہ ترجمہ قائم کیا! ابن حجر اس کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں اس سے اسراء ومعراج کے ان کے ہاں تغایُر پہ دلالت ثابت نہیں ہوتی بلکہ کتاب الصلاۃ میں بخاری کی کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دونوں کو ایک سمجھتے ہیں کیونکہ وہاں (اسی حدیث پر) اس عبارت سے ترجمہ لائے تھے: (باب کیف فُرِضَت الصلاۃ لیلۃَ الإسراء) اور نماز بالاتفاق شبِ معراج میں فرض ہوئی ہے، تراجم الگ الگ لانے کی حکمت یہ ہے کہ دونوں ایک الگ الگ قصہ پر مشتمل ہیں اگرچہ واقع ایک ہی رات ہوئے، کعب احبار کا قول ہے کہ آسمان کا وہ دروازہ جسے مصعد الملائکہ کہا جاتا ہے وہ بیت المقدس کے بالمقابل ہے، بعض علماء نے اسی کے پیش نظر مکہ سے اولا بیت المقدس لے جائے جانے کی حکمت یہ ذکر کی ہے تاکہ اوپر جانے کا مرحلہ مستویاً بغیر اعوجاج کے طے ہو، ابن حجر اسے محلِ نظر کہتے ہیں کیونکہ وارد ہوا کہ ہر آسمان میں ایک بیت المعمور ہے اور آسمانِ دنیا والا بیت المعمور کعبہ کے عین اوپر ہے اس لحاظ سے مناسب یہ تھا کہ کعبہ سے اوپر لے جائے جاتے (اگر مسجد اقصی جانے کی یہی حکمت ہوتی جو ذکر کیگئی)۔

بعض نے مسجد اقصی جانے کی کئی اور حکمتیں بھی بیان کی ہیں مثلا تاکہ قبلتین کی رؤیت کے مابین جمع ہو یا بیت المقدس اکثر انبیاء کا مُہجر تھا تو پہلے اس کی طرف سفر ہوا تاکہ آنجناب بھی اس مہجر جانے کی فضیلت سے بہرہ ور ہوں یا اس لئے کہ وہ محلِ حشر ہے اور اس سفر میں آپ نے اخروی احوال کا مشاہدہ کرنا تھا لہذا وہاں لے جایا گیا یا فقط وہاں مجتمع کئے جانے والے انبیاء سے ملاقات مقصود تھی۔

اسراء ومعراج کے ایک ہی رات وقوع پذیر ہونے میں سلف کے ہاں اختلاف تھا، بعض کے نزدیک یہ ایک ہی رات حالتِ بیداری میں آنجناب کی روح وجسد کے ساتھ واقع ہوا۔ جمہور علمائے محدثین، فقہاء اور متکلمین کا یہی موقف ہے، اخبارِ صحیحہ کے ظواہر سے

بھی یہی ثابت ہوتا ہے، اس سے انحراف وعدول جائز نہیں پھر عقلی لحاظ سے یہ ناممکنات میں سے بھی نہیں کہ اس کی تاویل کی ضرورت ہو، ہاں البتہ بعض روایات میں کچھ ایسی عبارتیں ہے جو اس کے مخالف مفہوم کی حامل ہیں اسی لئے بعض علماء نے یہ رائے اختیار کی کہ معراج دو مرتبہ ہوئی ہے، ایک مرتبہ حالتِ نیند میں، یہ توطئہ وتمہید کے طور سے تھی پھر دوسری دفعہ بیداری کے عالم میں، اسی قسم کا اختلاف فرشتۂ وحی کے پہلی دفعہ آنے کی بابت بھی ہے جیسا کہ اول کتاب میں ابن میسرہ تابعی کے حوالے سے ذکر گزرا کہ آنجناب کو خواب کے عالم میں وہی منظر پہلے دکھلایا گیا جو بعدازاں غارحراء میں پیش آیا۔ مہلب شارحِ بخاری بھی اسی طرف میلان رکھتے اور ایک گروہِ اہل علم سے یہی نقل کرتے ہیں۔ ابونصر قشیری اور ان سے قبل ابوسعید نے بھی شرف المصطفیٰ میں یہی موقف پیش کیا، وہ لکھتے ہیں کہ آنجناب کی متعدد معاریج ہیں، ان میں سے کچھ بیداری اور کچھ نیند کی حالت میں ہیں، سہیلی نے ابن عربی سے بھی یہی نقل کیا اور خود بھی اسے اختیار کیا ہے، اس کے بعض قائلین یہ تجویز بھی کرتے ہیں کہ نیند والی معراج بعثت سے قبل تھی کیونکہ حدیثِ انس میں ہے: (و ذلك قبل أن يوحىٰ إليه) ! ابن حجر لکھتے ہیں باب (صفة النبی) کے آخر میں ایک توجیہ پیش کی ہے جس سے اس کا اشکال ختم ہو جاتا اور اس تاویل کی ضرورت نہیں رہتی، بقیہ کلام حدیثِ شریک پر بحث کے اثناء آئیگی۔

بعض متأخرین لکھتے ہیں کہ قصہِ اسراء ایک رات اور قصہِ معراج ایک دوسری رات پیش آیا، ان کا تمسک شریک کے واسطہ کے ساتھ روایتِ انس میں اسراء کے عدم ذکر سے ہے، اس مالک بن صعصعۃ کی روایت کے ظاہر سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے مگر یہ تعدد پر نہیں بلکہ اس امر پر محمول ہے کہ بعض رواۃ نے وہ ذکر کیا جو بعض نے نہیں کیا، آگے اس کی تبیین آرہی ہے۔ بعض کی رائے میں اسراء بیداری اور معراج حالتِ نوم میں تھی، یہ بھی ایک رائے ہے کہ بیداری ونیند کا یہ اختلاف معراج کے ساتھ خاص ہے، اسراء سے نہیں اسی لئے قریش نے اسراء کا انکار کیا اور آپکی تکذیب کی اور اس کے وقوع کو مستبعد قرار دیا، معراج سے تعرّض نہیں کیا، اللہ تعالی نے بھی آیت: (سُبحانَ الَّذِی أَسریٰ الخ) میں فقط اسراء ہی کا ذکر کیا ہے، معراج کا نہیں اگر معراج بھی بیداری کے عالم میں ہوئی تھی تو یہاں اس کا ذکر ابلغ ہوتا تو چونکہ باوجود اعجب شان اور اغرَب امر کے یہاں اس کا ذکر موجود نہیں تو اس سے دلالت ملتی ہے کہ وہ حالتِ نیند میں تھی، اسراء بھی اگر عالَمِ خواب میں ہوتا تو اھل مکہ کے کفار اس کی تکذیب نہ کرتے اور نہ اسے مستنکَر بتلاتے کیونکہ خواب میں تو کسی کو بھی اس قسم کے مناظر دکھلائے جاسکتے ہیں، بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اسراء دو مرتبہ بیداری میں ہوا، پہلے میں آپ بیت المقدس سے واپس آگئے اور صبح قریش کو اس کی بابت بتلایا اور دوسرا اسراء وہ جس میں پہلے مسجد اقصی اور پھر وہاں سے آسمان کی طرف لے جائے گئے، قریش کو اس کی بابت کوئی اعتراض نہ ہوا تھا کیونکہ ان کی نظر میں یہ آنجناب کے قول کہ فرشتہ دم بھر میں ان کے پاس آسمان سے آجاتا ہے، کی قبیل سے تھا اور وہ اسے مستحیل قرار دیتے تھے حالانکہ معجزاتِ باہرہ کے ساتھ اس کے صدق پر دلیل قائم ہو چکی تھی لیکن وہ معاندت وتکذیب پر جاری رہے بخلاف آنجناب کے انہیں یہ بتلانے کے کہ میں ایک ہی رات میں بیت المقدس ہو آیا ہوں۔

انہوں نے صراحۃً اس کی تکذیب کی اور مطالبہ کیا کہ اگر سچے ہیں تو مسجد اقصیٰ کی صفت بیان کریں، جب آپ نے بیان کر دی تو انہیں آپ کا صدق معلوم ہو گیا (مگر مانے پھر نہیں) بخلاف معراج کے، ایک ہی رات میں اسراء کے فوری بعد وقوعِ معراج کی تائید مسلم کے ہاں ثابت کی انس سے روایت میں ہوتی ہے، اسکے شروع میں ہے: (أَتِيتُ بِالبراق فركبتُ حتىٰ أَتَيتُ بيتَ المقدس) آگے اس میں ہے: (ثُم عُرِجَ بِنا إلى السَّماءِ الدنيا) پھر ہمیں آسمانِ دنیا کی طرف اٹھایا گیا، ابن اسحاق کی حدیثِ

ابی سعید خدری میں ہے: (فلما فرغتُ بما کان فی بیتِ المقدس أتِیَ بِالمعراج) جب بیت المقدس کے کاموں سے فارغ ہوا تو معراج کا مرحلہ آیا۔

ان حضرات کی دلیل جو اسراء کو معراج سے علیحدہ ایک رات میں واقع قرار دیتے ہیں، بزار اور طبرانی کی تخریج کردہ روایت ہے جسے بیہقی نے صحیح قرار دیا، جو شداد بن اوس سے مروی ہے، کہتے ہیں ہم پوچھا یا رسول اللہ (کیف أسرَیَ بِك؟) اسراء کی کیا کیفیت تھی؟ فرمایا میں نے مکہ میں نماز عشاء ادا کی تو جبریل ایک سواری لئے آئے، اس میں بیت المقدس جانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: (ثم انصرفَ بِی فمرَرْنا بعیرٍ لِقریشٍ بِمَکانِ کذا) پھر وہ مجھے واپس لے آئے تو فلاں جگہ قریش کے ایک قافلہ سے گزر ہوا آگے فرماتے ہیں: (ثم أتیتُ أصحابی قبیل الصبح بِمَکۃ) پھر میں صبح سے کچھ قبل اپنے ساتھیوں میں پہنچ گیا، ابن اسحاق اور ابو یعلی کے ہاں حدیثِ ام ہانیؑ میں بھی حدیثِ ابی سعید کی مانند مذکور ہے! پس اگر یہ معراج ثابت ہے تو یہ ظاہرِ روایتِ شریک عن انس کی بناپر حالتِ نیند میں تھی، تو اس سے یہ منتظم ہوتا ہے کہ واقعۂ اسراء دو مرتبہ پیش آیا، ایک مرتبہ صرف اسراء (یعنی بیت المقدس تک کا سفر اور وہیں سے واپسی) اور ایک مرتبہ اسراء اور معراج دونوں، اور یہ حالت بیداری میں تھے، اسی طرح معراج بھی دو مرتبہ واقع ہوئی ہے، ایک مرتبہ نیند اور ایک مرتبہ بیداری کے عالم میں، قبل از بعثت ہونا ثابت نہیں، روایتِ شریک کی تاویل آگے آئیگی۔

امام ابو شامہ اس طرف مائل ہیں کہ معراج دو نہیں بلکہ کئی مرتبہ ہوئی ہے، ان کا استناد بزار اور سعید بن منصور کی ابو عمران جونی کے طریق سے حضرت انس کی مرفوع روایت سے ہے جس میں نبی پاک فرماتے ہیں میں بیٹھا ہوا تھا کہ جبریل آئے، میرے کندھوں کے درمیان تھپکی دی، ہم ایک درخت کی طرف اٹھے جسمیں پرندے کے گھونسلوں کی طرح دو نشستیں تھیں، ایک میں جبریل بیٹھے اور دوسرے میں میں، وہ بلند ہوا (حتی سَدَّت الخافِقَین)، اس میں ہے کہ میرے لئے آسمان کا دروازہ کھولا گیا میں نے ایک نورِ اعظم دیکھا جس کے پرے درویاقوت کی رفرف (یعنی پردہ) بطورِ حجاب تھا، اسکے رواۃ لا بأس بہم ہیں مگر دار قطنی نے اس کی ایک علت بیان کی ہے جو اس کے مرسل ہونے کو مقتضی ہے، بہر حال یہ ایک الگ قصہ ہے، بظاہر مدینہ میں پیش آیا، اس طرح کے واقعات کے وقوع میں کوئی بُعد نہیں لیکن یہ کہنا مستبعَد ہوگا کہ ایک ہی طرز کی کئی معراجیں ہوئیں اور ہر مرتبہ میں ہر آسمان پر ایک نبی سے ملاقات اور ان سے ایک جیسے سوال و جواب ہوئے اور ہر دفعہ نمازوں کی فرضیت کا واقعہ ہوا، لہذا ان مختلف روایات میں سے بعض کی تاویل اور بعض کی ترجیح کرنا ہوگی، یہ بُعد عالمِ بیداری کے اعتبار سے ہے لیکن اگر تعددِ معراج کے قائلین ان سب معاریج کو حالتِ نیند میں توطئۃً قرار دیں تب کوئی بُعد نہیں اور یہ کہ بعد ازاں حالت بیداری میں معراج اسی طرح وقوع پذیر ہوا جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا۔

ابن عبد السلام کا قول نہایت مستغرَب ہے جو اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: (کان الإسراء فی النوم والیقظۃ و وقع بمکۃ والمدینۃ) اگر ان کی مراد یہی ترتیب ہے جو عبارت میں ذکر کی یعنی مدینہ میں حالت بیداری اور مکہ میں حالتِ نیند کا اسراء، تب نہایت استغراب ہے لیکن اگر لف ونشر غیر مرتب کے طور سے مدینہ کے اسراء کو مختص بالنوم اور مکہ کے اسراء کو مختص بالیقظۃ کرتے ہیں تو محتمل ہے، گویا جو سارے واقعات دورانِ معراج مکی زندگی میں بحالتِ بیداری پیش آئے وہ سب اسی طرح مدینہ میں خواب کے عالم میں دیکھے، اس بارے کئی روایات موجود ہیں مثلا الجنائز میں گزری حدیثِ سمرہ، اسی طرح صحیح کی روایتِ ابن عباس جس میں آنجناب کا خواب میں انبیاء کو دیکھنا مذکور ہے اور روایتِ ابن عمر وغیرہ۔

(سبحان) یہ اصلاً برائے تنزیہ ہے، مقامِ تعجب میں بولا جاتا ہے اصل معنی اگر مراد لیں تو مفہوم یہ ہوگا: اللہ تعالی اس امر سے منزّہ ہے کہ اس کا رسول کذاب ہو، دوسرے معنی پر مراد یہ ہوگی کہ اللہ نے اپنے رسول کو معراج واسراء سے نواز کر اپنے عِباد کو ورطۂ حیرت میں ڈالا، یہ بھی محتمل ہے کہ یہ بمعنی امر ہو یعنی اس ذات کی تسبیح بیان کرو جو اپنے بندے کو۔۔ الخ۔

(أسریٰ) سری سے ماخوذ ہے جو رات کے اوقات میں چلنے کو کہتے ہیں، أسریٰ اور سَریٰ اکثر کے نزدیک ہم معنی ہیں، حوفی کہتے ہیں أسریٰ رات اور سریٰ دن کے اوقات میں سیر کو کہتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ أسریٰ آغازِ شب اور سریٰ آخرِ شب کے سفر کو کہا جاتا ہے، یہ اقرب ہے۔ (أسریٰ بعبدہٖ) سے مراد یہ کہ (جعل البراقَ یَسرِی بہٖ) کہ براق کے ذریعہ انہیں سفر کرایا، جیسے (أمضیته) کہا جاتا ہے، بمعنی (جعلته یمضی)، مفعول کو سیاق کی اس پر دلالت کی وجہ سے حذف کیا، اسلئے بھی کہ مراد ذکرِ مُسرٰی بہٖ ہے نہ کہ ذکرِ دابہ۔

(لیلا) ظرف للإسراء ہے، یہ برائے تاکید ہے، اسکا فائدہ توھیمِ مجاز کو رفع کرنا ہے، کبھی مجازاً دن کے سفر پر بھی اس لفظ کا اطلاق کیا جاسکتا ہے، بعض کہتے ہیں بلکہ یہ اس امر کا اشارہ ہے کہ یہ رات کے ایک حصہ میں وقوع پذیر ہوا، نہ کہ پوری رات اس سفر میں گزر گئی، عرب (سری فلانٌ لیلا) تب کہتے ہیں جب کوئی ساری رات چلتا گیا ہو، اور: (أسریٰ لیلا) تب کہا جاتا ہے جب اثنائے شب میں وقوعِ سیر ہوا ہو۔ اولِ شب کے وقوعِ سیر کیلئے (أدْلَجَ) کا لفظ مستعمل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا قصۂ موسیٰؑ کے ضمن میں فرمان ہے: (فأسْرِبعبادِیْ لیلاً) [الدخان: ۲۳] أی مِن وسط اللیل۔ علامہ انور اس مقام پہ لکھتے ہیں شائد بخاری اس رائے کے حامل ہیں کہ اسراء آنجناب کے مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کا نام ہے اور معراج وہاں سے آسمانوں کی طرف، ایک جماعت کی رائے میں اس مجموعی سفر کو اسراء کہتے ہیں۔

3886 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لَمَّا كَذَّبَنِي قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ، فَجَلاَ اللَّهُ لِي بَيْتَ الْمَقْدِسِ، فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ. طرفه 4710

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے نبی پاک سے سنا فرمایا جب قریش نے میری تکذیب کی تو میں حطیم میں کھڑا تھا کہ اللہ تعالی نے میرے لئے بیت المقدس کو روشن کر دیا تو میں اس کی طرف دیکھتا جاتا اور اسکی نشانیاں بیان کرتا جاتا۔

(سمعت جابرا الخ) زھری کی ابوسلمہ سے روایت میں یہی ہے، عبداللہ بن فضل نے ابوسلمہ سے اس روایت میں (عن أبی ھریرۃ) کہا ہے، اسے مسلم نے تخریج کیا، یہ اس امر پر محمول ہے کہ ابوسلمہ کے اس میں دو شیوخ ہیں کیونکہ عبداللہ کی روایت میں وہ زیادت ہے جو روایتِ زھری میں نہیں۔

(لما کذبنی) کشمیہنی کے نسخہ میں صیغۂ تأنیث ہے، وہ بھی یہاں جائز ہے، اسکا بیان کئی دیگر طرق میں بھی ہے، بیہقی نے الدلائل میں صالح بن کیسان عن الزھری عن ابی سلمۃ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اسراء کے واقعہ کے بعد کثیر لوگ فتنہ میں پڑے، کچھ حضرت ابوبکر کے ہاں آئے اور یہ واقعہ بیان کیا، وہ کہنے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ آنجناب سچ کہہ رہے ہیں، لوگ کہنے لگے تم اس بات

کی تصدیق کر رہے ہو کہ وہ ایک ہی رات میں گئے بھی اور پلٹ بھی آئے؟ کہا ہاں میں نے تو اس سے بھی اَبعَد ان کی باتوں کی تصدیق کی ہے، میں تو آسمان کی خبر (جو وہ بتلاتے ہیں) کی تصدیق کر چکا ہوں! بقول راوی اسی پہ انکا لقب صدیق پڑ گیا۔ احمد اور بزار کی اسناد حسن کے ساتھ ابن عباس سے روایت میں ہے کہ نبی اکرم نے بتلایا معراج کی رات کی صبح ابوجہل کا میرے پاس سے گزر ہوا، کہنے لگا کوئی نئی بات؟ میں نے کہا ہاں آج رات مجھے بیت المقدس لے جایا گیا، کہنے لگا پھر صبح یہیں آ کر کی؟ میں نے کہا ہاں، کہنے لگا اگر میں تمہاری قوم کو یہاں بلا لاؤں تو کیا یہی بات ان کے سامنے کرو گے؟ میں نے کہا ہاں، اس پر وہ سب کو آوازیں دینے لگا (دیکھیں اللہ کی حکمت جو واقعہ نبی اکرم نے اپنے صحابہ کو سنانا تھا پھر دھیرے دھیرے اس کی اشاعت ہونی تھی وہ اللہ کے دشمن کے ذریعہ چشم زدن میں پورے مکہ میں پھیل گیا)۔ فرمایا اس کی صدا پر سب وہاں آ گئے تو مجھ سے کہا اب اپنی قوم کو سارا قصہ بیان کرو، میں نے بیان کرنا شروع کیا، کچھ تو (تمسخراً) تالیاں پیٹنے لگے اور کچھ نے مارے تعجب کے ہاتھ سر پر رکھ لئے، کہنے لگے مسجد اقصیٰ کا وصف بیان کر سکتے ہو؟۔

متعدد روایات میں شبِ اسراء کے مَشاہِد مذکور ہیں، مثلاً نسائی کی یزید بن ابی مالک عن انس سے روایت میں آنجناب کا قول ہے کہ ایک جانور لایا گیا جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، اس میں ہے کہ میں اور جبریل سوار ہوئے ایک جگہ پہنچ کر اترے جبریل نے کہا نماز پڑھ لیں میں نے یہی کیا، کہا کیا آپ جانتے ہیں کہاں نماز پڑھی ہے؟ یہ طیبہ ہے، آپکا دارِ ہجرت۔ بزار اور طبرانی کی شداد بن اوس سے روایت میں ہے کہ آغازِ اسراء میں ایک کھجوروں کے باغات والی سرزمین سے گزر ہوا تو حضرت جبریل کے کہنے پہ اتر کر نماز ادا کی، انہوں نے بتلایا یہ یثرب ہے، پھر آگے ایک جگہ اتر کر نماز پڑھنے کو کہا، اس مقام کی بابت بتلایا کہ طورِ سیناء ہے جہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ سے ہم کلام ہوئے تھے، آگے پھر ایک جگہ اتر کر نماز پڑھی، وہ بیتِ لحم (فلسطین کا ایک شہر) تھا جو حضرت عیسیٰ کا جائے پیدائش ہے، پھر ایک ارضِ بیضاء سے گزر ہوا، وہاں بھی اتر کر نماز پڑھنے کو کہا، وہ مدین کا علاقہ تھا، اس روایت میں ہے کہ مسجد اقصیٰ میں بابِ یمانی سے داخل ہوئے، وہاں بھی نماز ادا فرمائی، اس میں ہے کہ واپسی میں قریش کے ایک قافلہ سے گزرے، اہل قافلہ کو (اوپر سے گزرتے ہوئے) سلام بھی کہا بعض اہلِ قافلہ نے آواز پہچان لی، کہنے لگے یہ تو محمد کی آواز ہے، اس میں مذکور ہے کہ مکہ والوں کو اس قافلہ کے بارہ میں آگاہ کیا اور بتلایا کہ کس دن یہاں پہنچے گا، سب سے آگے چلنے والے اونٹ کی بابت بھی بتلایا۔

یزید بن ابو مالک کی روایت میں مزید یہ ہے کہ مسجد اقصی میں انبیاء کرام مجتمع تھے حضرت جبرائیل نے آنجناب کو امامت کیلئے آگے بڑھایا، بیہقی کی الدلائل میں عبدالرحمٰن بن ہاشم بن عتبہ عن انس سے روایت میں ہے کہ ایک جگہ کسی نے پکار دی مگر جبریل نے کہا چلتے رہیے، آگے ایک بڑھیا دیکھی پھر ایک جماعت نظر آئی جنہوں نے سلام کہا حضرت جبریل نے کہا سلام کا جواب دیں، روایت کے آخر میں ہے کہ حضرت جبریل نے بتلایا جس نے آپ کو پکار دی تھی وہ ابلیس تھا اور جس بڑھیا کو دیکھا تھا وہ دنیا تھی، سلام کہنے والے حضرات ابراہیم، موسی اور عیسیٰ تھے، طبرانی اور بزار کی حدیثِ ابی ہریرہ میں ہے کہ ایک جماعت سے گزرے جو کاشت کرتے پھر کٹائی کرتے جاتے تھے، جونہی کٹائی مکمل ہوتی وہ دوبارہ کھیت بن جاتے، حضرت جبریل نے کہا یہ مجاہدین ہیں، کچھ اور لوگوں سے گزر ہوا جنکے سر پتھروں سے کچلے جاتے پھر دوبارہ لگ جاتے پھر کچلے جاتے، بتلایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر ادائیگیِ نماز سے بوجھل ہوتے تھے، کچھ اور لوگ دیکھے جنکی شرمگاہ پر رقاع (یعنی چیتھڑے) تھے اور وہ چوپاؤں کی طرح چر رہے تھے، بتلایا کہ یہ زکات ادا نہ کرنے والے ہیں، پھر ایسے لوگ دیکھے جو تازہ اور پکا ہوا گوشت چھوڑ کر بدبودار باسی گوشت کھا رہے تھے، کہا یہ زانی ہیں، ایک شخص کو دیکھا کہ لکڑیوں کا

گٹھا پاس پڑا ہے، اٹھا نہیں سکتا مگر اس میں اور لکڑیاں ضم کر رہا ہے، کہا یہ وہ شخص ہے جس کے پاس امانتیں تھیں، وہ ادائیگی سے قاصر رہا مگر اور امانتوں کا متلاشی تھا، پھر ایسے لوگوں سے گزر ہوا جنکی زبانیں اور ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے پھر پہلی حالت میں واپس آ جاتے پھر کاٹے جاتے پھر۔ فرمایا یہ خطبائے فتنہ (آگ لگانے اور تفرقہ کا باعث بننے والے یعنی شعلہ بیاں خطیب) ہیں، ایک عظیم الجثہ بیل دیکھا جو چھوٹے سے سوراخ میں سے نکلا ہے اب واپسی کا خواہاں ہے مگر اس میں گھس نہیں سکتا، کہا یہ ایسا شخص ہے جس کے منہ سے کوئی ایسی ویسی بات نکل گئی پھر نادم ہو کر اسے واپس لینا چاہتا ہے مگر کر نہیں سکتا۔

بزار اور حاکم کی حدیثِ ابی ہریرہ میں ہے کہ آنجناب نے مسجد اقصیٰ میں فرشتوں کے ہمراہ نماز ادا کی اور وہاں انبیاء کرام کی ارواح کو لایا گیا، سب نے اللہ کی حمد وثناء بیان کی، اس میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے انبیاء سے مخاطب ہو کر کہا: (لقد فَضَلَکُم محمد) محمد تم سے بازی لے گئے، آنجناب نے ان کی امامت کرائی، طبرانی کی حدیث میں ہے کہ مسجد اقصیٰ میں حضرت آدم تا حضرت عیسیٰ، تمام رسل لائے گئے، آنجناب نے ان کی امامت کرائی، طبرانی کی اوسط میں ابو امامہ کی روایت بھی اسی کی مانند ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ بڑے بڑے گھروں جیسے پیٹ والے لوگوں سے گزر ہوا، جب کوئی کھڑا ہونے لگتا گر پڑتا، حضرت جبریل نے بتلایا یہ سود خور ہیں پھر ایسے لوگ دیکھے جنکے ہونٹ اونٹوں جیسے تھے، پتھر کھا رہے تھے اور وہ ان کے اسافل سے نکلتے جاتے، یہ یتیموں کا مال کھانے والے تھے، مسلم کی عبداللہ بن فضل عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ سے روایت میں بھی آپ کی امامتِ انبیاء کا ذکر ہے۔

(فجلی الله لی بیت المقدس) بعض نے اس کا معنی یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور اس کے درمیان سے حجاب اٹھا دیئے، مسلم کی عبداللہ بن فضل عن ام سلمۃ سے روایت میں ہے کہ کفارِ مکہ مجھ سے مسجد اقصیٰ کی صفت وہیئت کے بارہ میں کچھ ایسی باتیں دریافت کرنے لگے جنکا میں نے مشاہدہ نہ کیا تھا تو اب ایسا کرب محسوس کیا کہ اس جیسا کبھی نہ کیا تھا تو اللہ نے میرے لئے بیت المقدس کو مرفوع کیا اس کی ہر چیز دیکھ رہا تھا اب جو پوچھتے دیکھ کر بتلا دیتا، ممکن ہے اسے مکہ میں آپ کے سامنے لا رکھا گیا ہو پھر واپس لے جائی گئی، ابن عباس کی مذکورہ روایت میں یہ الفاظ ہیں: (فَجِیء بِالمسجد وأنا أنظرُ إلیه حتی وُضِع عند دارِ عقیل فنعتُه وأنا أنظر إلیه) کہ مسجد کو لا کر عقیل کے گھر کے پاس لا رکھا گیا، اب اسے دیکھتا جاتا اور ان کے سوالوں کے جواب دیتا۔ بقول ابن حجر یہ ابلَغ فی المعجزہ ہے اور اس میں کوئی استحالہ نہیں، آنکھ جھپکتے میں بلقیس کا عرش حضرت سلیمان کے دربار میں لا حاضر کیا گیا تھا، ام ہانیؑ کی روایت کے الفاظ ہیں: (فخُیلَ لی بیت المقدس فطفقت أخبرهم عن آیاته) کہ بیت المقدس میرے لئے مخیل کر دیا گیا (یعنی اس کی تصویر و نقش کندہ کر دیا گیا) اب اس کی نشانیاں بتلاتا جاتا تھا تو اگر یہ لفظ (جلی) سے مغیر نہیں کیا گیا (یعنی کسی راوی کی روایت بالمعنی نہیں) تو محتمل ہے کہ مسجد اقصیٰ اصل اپنی جگہ سے ہٹائے بغیر اسکی تصویر آنجناب کے سامنے نصب کر دیگئی، جیسے حدیث (أریت الجنة والنار) میں اس کی نظیر گزری ہے تو اس مفہوم پر (جیء بالمسجد) کی تاویل (جئی بمثاله) سے کیجائے گی۔ بزار اور طبرانی کی روایتِ شداد میں احتمالِ اول کی تائید ملتی ہے، اس میں ہے کہ پھر صبح دم میں مکہ میں اپنے صحابہ کے پاس آ گیا، ابو بکر آئے اور کہنے لگے رات آپ کہاں تھے؟ میں نے کہا بیت المقدس گیا تھا وہ کہنے لگے وہ تو مہینہ بھر کی مسافت پر ہے آپ اس کا وصف بیان کریں، میرے لئے ایک شراک (یعنی روزن سا) کھول دیا گیا اب جو پوچھتے میں بتلا دیتا، حدیثِ ام ہانیؑ میں ہے کہ لوگوں نے پوچھا مسجد اقصی کے دروازے کتنے ہیں؟ نبی پاک کہتے ہیں پہلے میں نے گنے نہ تھے اب ایک ایک دروازہ کر کے گنتا جاتا۔ ابو یعلی کی

روایت میں ہے کہ صفتِ بیت المقدس کی بابت سوال کرنے والا مطعم بن عدی تھا، اس میں مزید یہ بھی ہے کہ ایک شخص بولا کیا فلاں جگہ ہمارے اونٹوں کو دیکھا؟ فرمایا ہاں اور میں نے پایا کہ ان کا ایک اونٹ گم ہوگیا تھا جسے وہ تلاش کر رہے تھے، انہوں نے اونٹوں اور چرواہوں کی تعداد کے بارہ میں پوچھا، آپ نے درست جواب دئے۔ ابو محمد بن ابو جمرہ کہتے ہیں عروج سے قبل بیت المقدس لے جائے جانے کی حکمت ارادہ اظہارِ حق تھی کہ چونکہ بیت المقدس معاندین میں سے کئی افراد کا دیکھا بھالا تھا اور پھر یہ بھی جانتے تھے کہ نبی اکرم کبھی فلسطین نہیں گئے کہ بیت المقدس دیکھیں تا کہ آپ سے اس کی بابت سوال کریں اور آپکے درست جواب سنکر اطمینان ہو کہ آپ حقیقۃً اس عظیم سفر پہ گئے ہیں کیونکہ اگر مکہ سے ہی سیدھا آسمانوں کی طرف لیجائے جاتے تو اہل مکہ ان کی بابت کچھ نہ جانتے تھے لہٰذا ایک بے یقینی کی کیفیت رہتی، جب بیت المقدس کے بارہ میں ان کے پوچھے گئے سوالوں کے جواب درست دئے تو یہ اہلِ ایمان کے ایمان کی زیادت کا سبب بنا اور جس کی قسمت میں انکار و جحود تھا، اس کی بدبختی میں اور اضافہ ہوا۔

علامہ انور (فجلى الله بيت المقدس) کے تحت لکھتے ہیں یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس وقت تک مسجد کی کچھ بناء باقی تھی (یعنی جو عمارت حضرت سلیمان کے عہد میں تعمیر ہوئی تھی) حالانکہ تاریخ میں لکھا ہے کہ سلطنت رومانیہ نے اسے منہدم کر دیا تھا اور اب اس کا نہ اسم نہ رسم، باقی تھا، اگر ایسا تھا تو پھر کیا چیز آپ کیلئے مجلیٰ کیگئی؟ عیسائی مؤرخین لکھتے ہیں کہ رومانی سلطنت ان دنوں بت پرست تھی، بیت المقدس کی جنگوں کے بعد اس نے عیسائیت قبول کی تھی، مولانا آل حسن نے اس اشکال کو حل کیا ہے، علامہ لکھتے ہیں میرے ایک قابل اعتماد دوست نے بیت المقدس کی سیاحت کے بعد مجھے بتلایا کہ حضرت سلیمان کی تعمیر کردہ دیواریں ابھی تک موجود ہیں، تاریخ کی کتابوں میں اسکے انہدام کے متعلق جو کچھ ہے اس کا تعلق اندرونی عمارات سے ہے، عرصۂ مسجد (یعنی اس کا صحن) بہت وسیع ہے شائد انہوں نے اس میں موجود گھروں کو گرادیا ہوگا، بیرونی دیواریں وہی ہیں، مسلمانوں کے فتحِ بیت المقدس کے بعد حضرت عمر کے دور میں اندرونی عمارت کی تعمیر نو کیگئی پھر یہ بات فراموش نہ کرنا چاہئے کہ تجلی اور علم کے مابین فرق ہے، اول ثانی کو مستلزم نہیں، اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ چھت پر اگر چڑھیں تو آس پاس کی ہر چیز متجلی ہو جاتی ہے نظر چاروں طرف گھومتی ہے مگر دائرۂ نظر میں آنے والی چیزوں کا علم حاصل نہیں ہوتا تو تجلی سے مراد صرف انکشاف کا حاصل ہونا ہے، چاہے تفصیلی معلومات کی تحصیل ہو یا نہ ہو، چاہو تو اسے اجمالی علم کہہ لو لیکن ہماری علم سے یہاں مراد جو مبدائے انکشاف ہو یعنی علمِ تفصیلی (جزئیات تک کا علم)، اسے عرض (یعنی پیش کرنا) بھی کہا جاسکتا ہے، جو الفاظ کے ان باہمی فروق کو پیش نظر نہیں رکھتا وہ خلط و غلط میں پڑ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دیکھو: (ثُمَّ عرَضَهُم علَى المَلائِكة) تو یہ عرض تھا جبکہ حضرت آدمؑ کے بارہ میں کہا: (وعَلَّمَ آدمَ الأسماءَ كُلَّها) تو یہ تعلیم تھی، عرض اور چیز ہے تعلیم اور چیز۔

اسے مسلم نے (الإیمان) اور ترمذی اور نسائی نے (التفسیر) میں تخریج کیا ہے۔

42 باب الْمِعْرَاجِ (واقعہ معراج)

معراج، میم کی زیر کے ساتھ، پیش بھی محکی ہے، عَرَج یعرُج سے ہے: (إذا صعد) یعنی چڑھنا۔

وقتِ معراج کی بابت اختلافِ آراء ہے، بعض نے شاذ طور پر قبل از بعثت کہا ہے ہاں البتہ اگر اسے نیند میں قرار دیا جائے (یعنی خواب کی شکل) تب ممکن ہے، اکثر کا موقف ہے کہ واقعہ معراج بعثت کے بعد ہوا، بعض نے ہجرت سے ایک سال قبل لکھا

ہے، ابن سعد وغیرہ کی یہی رائے ہے، نووی بھی اسی پہ جزم کرتے ہیں ابن حزم نے تو مبالغہ کرتے ہوئے اس پر اجماع کا دعوی کیا مگر ان کی یہ بات مردود ہے، ابن جوزی ہجرت سے آٹھ ماہ قبل قرار دیتے ہیں اور ابراھیم حربی ہجرت سے گیارہ ماہ قبل ماہِ ربیع الاول میں قرار دیتے ہیں، ابن منیر نے شرح السیرۃ لابن عبدالبر میں اسی کو راجح کہا ہے، ایک قول ہجرت سے ایک برس اور دو ماہ قبل کا ہے ایک قول ہجرت سے اٹھارہ ماہ قبل ماہ رمضان کا بھی ہے، ابن عبدالبر نے ایک قول ماہِ رجب کا بھی ذکر کیا ہے نووی نے الروضہ میں اسی پر جزم کیا ہے کئی اور اقوال بھی منقول ہیں۔

3887حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ ؓ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ حَدَّثَهُمْ عَنْ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ بَيْنَمَا أَنَا فِي الْحَطِيمِ وَرُبَّمَا قَالَ فِي الْحِجْرِ مُضْطَجِعًا، إِذْ أَتَانِي آتٍ فَقَدَّ قَالَ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ فَشَقَّ مَا بَيْنَ هَذِهِ إِلَى هَذِهِ فَقُلْتُ لِلْجَارُودِ وَهُوَ إِلَى جَنْبِي مَا يَعْنِي بِهِ قَالَ مِنْ ثُغْرَةِ نَحْرِهِ إِلَى شِعْرَتِهِ، وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ مِنْ قَصِّهِ إِلَى شِعْرَتِهِ فَاسْتَخْرَجَ قَلْبِي، ثُمَّ أُتِيتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مَمْلُوءَةٍ إِيمَانًا، فَغُسِلَ قَلْبِي ثُمَّ حُشِيَ، ثُمَّ أُوتِيتُ بِدَابَّةٍ دُونَ الْبَغْلِ وَفَوْقَ الْحِمَارِ أَبْيَضَ فَقَالَ لَهُ الْجَارُودُ هُوَ الْبُرَاقُ يَا أَبَا حَمْزَةَ قَالَ أَنَسٌ نَعَمْ، يَضَعُ خَطْوَهُ عِنْدَ أَقْصَى طَرْفِهِ فَحُمِلْتُ عَلَيْهِ، فَانْطَلَقَ بِي جِبْرِيلُ حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَاسْتَفْتَحَ، فَقِيلَ مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ. قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ. قِيلَ وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ. قِيلَ مَرْحَبًا بِهِ، فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ فَفَتَحَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ، فَإِذَا فِيهَا آدَمُ، فَقَالَ هَذَا أَبُوكَ آدَمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ. فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالِابْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ. ثُمَّ صَعِدَ حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ الثَّانِيَةَ فَاسْتَفْتَحَ، قِيلَ مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ. قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ. قِيلَ وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ. قِيلَ مَرْحَبًا بِهِ فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ. فَفَتَحَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ، إِذَا يَحْيَى وَعِيسَى، وَهُمَا ابْنَا الْخَالَةِ قَالَ هَذَا يَحْيَى وَعِيسَى فَسَلِّمْ عَلَيْهِمَا. فَسَلَّمْتُ فَرَدَّا، ثُمَّ قَالَا مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ. ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ، فَاسْتَفْتَحَ قِيلَ مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ. قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ. قِيلَ وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ. قِيلَ مَرْحَبًا بِهِ، فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ. فَفُتِحَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ إِذَا يُوسُفُ. قَالَ هَذَا يُوسُفُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ. فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ، ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ، ثُمَّ صَعِدَ بِي حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ الرَّابِعَةَ، فَاسْتَفْتَحَ، قِيلَ مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ. قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ. قِيلَ أَوَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ. قِيلَ مَرْحَبًا بِهِ، فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ. فَفُتِحَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ إِلَى

إِدْرِيسَ قَالَ هَذَا إِدْرِيسُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ. فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ. ثُمَّ صَعِدَ بِي حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ الْخَامِسَةَ، فَاسْتَفْتَحَ، قِيلَ مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ. قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ ﷺ. قِيلَ وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ. قِيلَ مَرْحَبًا بِهِ، فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ. فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا هَارُونُ قَالَ هَذَا هَارُونُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ. فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِي حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ السَّادِسَةَ، فَاسْتَفْتَحَ، قِيلَ مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ. قِيلَ مَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ. قِيلَ وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ. قَالَ مَرْحَبًا بِهِ، فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ، فَإِذَا مُوسَى قَالَ هَذَا مُوسَى فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ. فَلَمَّا تَجَاوَزْتُ بَكَى، قِيلَ لَهُ مَا يُبْكِيكَ قَالَ أَبْكِي لأَنَّ غُلاَمًا بُعِثَ بَعْدِي، يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِهِ أَكْثَرُ مَنْ يَدْخُلُهَا مِنْ أُمَّتِي. ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، قِيلَ مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ. قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ. قِيلَ وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. قَالَ نَعَمْ. قَالَ مَرْحَبًا بِهِ، فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ فَلَمَّا خَلَصْتُ، فَإِذَا إِبْرَاهِيمُ قَالَ هَذَا أَبُوكَ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ. قَالَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَرَدَّ السَّلاَمَ قَالَ مَرْحَبًا بِالاِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ. ثُمَّ رُفِعَتْ لِي سِدْرَةُ الْمُنْتَهَى فَإِذَا نَبِقُهَا مِثْلُ قِلاَلِ هَجَرَ، وَإِذَا وَرَقُهَا مِثْلُ آذَانِ الْفِيَلَةِ قَالَ هَذِهِ سِدْرَةُ الْمُنْتَهَى، وَإِذَا أَرْبَعَةُ أَنْهَارٍ نَهْرَانِ بَاطِنَانِ، وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ. فَقُلْتُ مَا هَذَانِ يَا جِبْرِيلُ قَالَ أَمَّا الْبَاطِنَانِ، فَنَهْرَانِ فِي الْجَنَّةِ، وَأَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالنِّيلُ وَالْفُرَاتُ. ثُمَّ رُفِعَ لِي الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ ثُمَّ أُتِيتُ بِإِنَاءٍ مِنْ خَمْرٍ، وَإِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ وَإِنَاءٍ مِنْ عَسَلٍ، فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ، فَقَالَ هِيَ الْفِطْرَةُ أَنْتَ عَلَيْهَا وَأُمَّتُكَ. ثُمَّ فُرِضَتْ عَلَيَّ الصَّلَوَاتُ خَمْسِينَ صَلاَةً كُلَّ يَوْمٍ. فَرَجَعْتُ فَمَرَرْتُ عَلَى مُوسَى، فَقَالَ بِمَا أُمِرْتَ قَالَ أُمِرْتُ بِخَمْسِينَ صَلاَةً كُلَّ يَوْمٍ. قَالَ إِنَّ أُمَّتَكَ لاَ تَسْتَطِيعُ خَمْسِينَ صَلاَةً كُلَّ يَوْمٍ، وَإِنِّي وَاللَّهِ قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ، وَعَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ، فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لأُمَّتِكَ. فَرَجَعْتُ، فَوَضَعَ عَنِّي عَشْرًا، فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى فَقَالَ مِثْلَهُ، فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّي عَشْرًا، فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى فَقَالَ مِثْلَهُ، فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّي عَشْرًا، فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى فَقَالَ مِثْلَهُ، فَرَجَعْتُ فَأُمِرْتُ بِعَشْرِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ، فَرَجَعْتُ فَقَالَ مِثْلَهُ، فَرَجَعْتُ فَأُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ، فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى، فَقَالَ بِمَا أُمِرْتَ قُلْتُ

أُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ .قَالَ إِنَّ أُمَّتَكَ لاَ تَسْتَطِيعُ خَمْسَ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ، وَإِنِّى قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَعَالَجْتُ بَنِى إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ، فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لأُمَّتِكَ .قَالَ سَأَلْتُ رَبِّى حَتَّى اسْتَحْيَيْتُ، وَلَكِنْ أَرْضَى وَأُسَلِّمُ قَالَ فَلَمَّا جَاوَزْتُ نَادَى مُنَادٍ أَمْضَيْتُ فَرِيضَتِى وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِى .أطرافه 3207، 3393، 3430۔ (اسی جلد کے سابقہ نمبر پر ترجمہ موجود ہے)

مالک بن صعصعہ سے مراد ابن وھب بن عدی بن مالک انصاری نجاری ہیں، کتبِ حدیث میں ان سے مروی یہی ایک روایت ہے، انس بن مالک کے سوا کسی اور کی ان سے روایت معروف نہیں۔ (في الحطيم و ربما قال الخ) یہ شک قتادہ کی طرف سے ہے، احمد کی روایت میں اس کی صراحت ہے، حجر سے مراد بھی حطیم ہی ہے زھری عن انس عن ابی ذر کی روایت میں ہے: (فرج سقف بيتي وأنا بمكة) واقدی نے اپنی متعدد اسانید کے ساتھ نقل کیا ہے کہ آپ کو شعب ابی طالب سے معراج کرائی گئی، طبرانی کی حدیثِ ام ہانیٔ میں ہے کہ آپ ان کے گھر میں رات کو تھے کہ گم پائے گئے بعد ازاں آپ نے بتلایا کہ میرے پاس جبریل آئے۔ تو ان تمام روایات کے مابین تطبیق یہ ہوگی کہ ام ہانیٔ کے گھر میں تھے جو شعب ابی طالب میں تھا۔

(سقف بيته) میں بیت کو اپنی طرف اسلئے مضاف کیا کہ آپکی رہائش اس میں تھی (یعنی ملکیت ام ھانی کی تھی) تو چھت کے شگاف سے فرشتہ اترا اور آپکو اپنے ہمراہ لیکر کعبہ آیا وہاں کچھ دیر آپ لیٹ گئے کہ اونگھ کا شکار تھے پھر حضرت جبریل براق لائے اور آپکو اس پر سوار کیا، ابن اسحاق کے مرسلِ حسن میں ہے کہ جبریلؑ آکر آپکو مسجد کی طرف لے گئے، اس سے اسی تطبیق کی تائید ہوتی ہے، بعض کے مطابق چھت کی جانب سے حضرت جبریل کے آنے کی حکمت آپکو مفاجات (یعنی سرپرائز) دینا تھا اور یہ اشارہ بھی کہ اب آپکو اوپر آسمانوں کی جانب لے جایا جانیوالا ہے۔ (مضطجعا) بدء الخلق کی روایت میں مزید یہ بھی تھا: (بين النائم واليقظان) یہ ابتدائے حال پر محمول ہے پھر بیدار کرا کے آپکو بابِ مسجد کے پاس براق پر سوار کرایا گیا، کتاب التوحید میں شریک کی روایت میں جو ہے: (فلما استيقظت) تو اگر محمول علی تعدد کریں تب کوئی اشکال نہیں وگرنہ (أفقت) کا معنی مراد لیا جائے گا، یعنی مشاہدۂ ملکوت میں استغراق سے نکل کر عالمِ دنیوی کی طرف پلٹے۔ ابن ابی جمرہ لکھتے ہیں اگر آپ فرماتے کہ حالت بیداری میں تھا تو بے جا نہ ہوتا کیونکہ (جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے) آپکا دل مبارک حالتِ نوم و بیداری میں یکساں حالت کا حامل رہتا تھا تو آپ نے اپنی ظاہری حالت کی عین حقیقت بیان فرمائی، اس سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مجازی معانی ضرورۃً ہی مراد لئے جاتے ہیں۔

(قال و سمعته يقول فشق) قائل قتادہ ہیں، سمعتہ کی ضمیر کا مرجع حضرت انس ہیں، احمد کی روایت میں اس کی صراحت ہے۔ (فقلت للجارود) کسی راوی نے جارود کی نسبت ذکر نہیں کی شائد یہ ابن ابی سبرۃ بصری صاحب انس ہوں، ابوداؤد نے ان کی حضرت انس سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ (من ثغره) دونوں پستانوں کے درمیان کی نشیبی جگہ کو کہتے ہیں (یعنی سینے کے وسط کا گڑھا سا)۔

(إلى شعرته) یعنی ناف سے ذرا نیچے تک، مسلم کی روایت میں (إلى أسفل بطنه) کے الفاظ ہیں، بعض نے معراج کی رات شقِ صدر کے اس ذکر کو مستنکر سمجھا ہے ان کے بقول یہ واقعہ تب کا ہے جب آپ قبیلہ بنی اسد میں شیرخواری کے ایام گزار رہے تھے لیکن اس میں انکار والی کوئی بات نہیں، روایات اس بارے متوارِد ہیں تو متعدد مرتبہ شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا ہے، ابونعیم کی الدلائل میں

ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ بعثت کے وقت بھی شقِ صدر ہوا تھا، ہر مرتبہ کے شقِ صدر کی مستقل حکمت ہے، اول شق کی روایت میں مذکور ہے کہ ایک لوتھڑا سا نکال کر فرشتہ نے کہا تھا: (هذا حظ الشيطان منك) گویا مابعد کا عہدِ طفلی ونوجوانی آپ نے شیطان سے محفوظ رہ کر گزارا، بعثت کے وقت شقِ صدر کی حکمت آپکے دل کو قوی بنانا تھا تا کہ نزولِ وحی کے عظیم کام کی تلقی کو تیار ہوں، اسی استعداد و تأهُّب کیلئے بوقتِ معراج شق کیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ کی مناجات (اور اس کی ذات کی تجلیات کا سامنا کرنے) کیلئے تیار ہوں، حکمتِ اِسباغ کا مراد ہونا بھی محتمل ہے، اسی اسباغ کے حصول کیلئے وضوء میں تین تین مرتبہ اعضائے وضوء کو دھونا مسنون کیا گیا۔ یہ بھی محتمل ہے کہ گھر کی چھت پھاڑ کر فرشتہ کا آنا آنجناب کیلئے اس اشارہ کیلئے ہو کہ اسی طرح آپ کا سینہ شق کیا جانے والا ہے جو چھت کی طرح بغیر ضرر پھر سے ملتئم (یعنی جڑنا) ہو جائے گا، بہر حال ہم اس امر کے مکلّف نہیں کہ ان واقعات کی حکمتیں واسباب تلاش کریں، یہ سب امورِ خارقہ تھے انہیں تسلیم کرنا واجب ہے، قرطبی المفہم میں رقمطراز ہیں کہ معراج کے موقع کے اس شق کے منکرین کی رائے وقول قابلِ التفات نہیں کہ اس کے رواۃ ثقات ومشاہیر ہیں۔

(بطست من ذهب) طست اسلئے کہ غسل میں استعمال ہونے والا یہ اشہر آلہ ہے اور ذہب اسلئے کہ یہ حسی برتنوں کا اعلیٰ واصفیٰ مادہ ہے، اس کے متعدد خواص ہیں جو کسی اور میں موجود نہیں، ابن حجر لکھتے ہیں ہمارے لئے اس کی کئی مناسبات ظاہر ہوئی ہیں جو درج ذیل ہیں، ایک یہ کہ یہ جنت کے برتنوں میں سے ہے دوم یہ کہ اسے آگ نہیں کھاتی نہ گرد آلود ہوتا اور نہ زنگ لگتا ہے سوم یہ کہ یہ تمام جواہرات میں سب سے زیادہ ثقیل ہے تو ثقلِ وحی کے ساتھ اس کی مناسبت ہے۔ سہیلی لکھتے ہیں پھر اس جوھرہ کے نام یعنی ذھب کی مناسبت ہے کہ آپ سے اِذھابِ رجس کیا گیا اور یہ آپ کے اللہ تعالیٰ کی طرف ذہاب کا وقت تھا، اسی طرح اگر خاصیت میں غور کریں تو وضاءت، نقاء، صفاء، ثقل اور رسوبت اس کی اہم خصوصیات ہیں، وحی بھی ثقیل تھی جیسے سورۃ المزمل میں فرمایا: (إنا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا) پھر یہ دنیا میں أعزّ الأشياء ہے اور قرآن کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (إِنَّه لَكِتَابٌ عَزِيْزٌ)۔ شائد یہ سونے چاندی کی حرمت سے قبل کا واقعہ ہے، یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ احوالِ دنیا کے ضمن میں اس کا استعمال حرام ہوا تھا اس رات جو کچھ وقوع پذیر ہوا وہ احوالِ غیب تھے اس لحاظ سے احکامِ آخرت سے ان کا تعلق بنتا ہے (اور آخرت میں سونے چاندی کا استعمال حلال ہوگا)۔

(إيمانا) بدء الخلق کی روایت میں (وحكمة) بھی ہے، بطورِ تمیز منصوب، نووی کہتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس طست میں کوئی ایسی شئ تھی جو کمالِ ایمان اور کمالِ حکمت میں زیادت کا باعث بنی اور یہ ملء حقیقت پر محمول ہو سکتا ہے، تجسیدِ معانی جائز ہے جیسے سورۃ البقرۃ کی بابت ذکر ہوا کہ قیامت کے دن سایہ بنکر آئے گی اور موت ایک مینڈھے کی صورت لائی جائیگی اسی طرح وزنِ اعمال وغیرہ احوالِ غیب، بیضاوی لکھتے ہیں شائد یہ بابِ تمثیل سے ہے، تمثیلِ معانی واقع بکثرت ہے جیسے آنجناب کیلئے (مسجد نبوی کی) دیوار میں جنت اور دوزخ ممثّل کر دئے گئے تھے اس کا فائدہ کشفِ معنوی بالحسی ہے۔ ابن ابوجمرہ رقم طراز ہیں اس سے ظاہر ہوا کہ ایمان کے بعد حکمت سے اجلّ کوئی چیز نہیں اسی لئے یہاں اس کے ساتھ مقرون کیگئی، اس کی تائید اس آیت سے بھی ملتی ہے: (وَمَنْ يُؤتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْراً كثيراً) [البقرة: ۲۷۹]۔ حکمت کی تعریف میں اصح ترین قول یہ ہے کہ (وضع الشيء في محله) ہر چیز کو اس کے محل ومقام میں رکھنا یا یہاں اس سے مراد اللہ کی کتاب کی فہم ہے۔

(فغسل قلبي) مسلم کی روایت میں ہے کہ آبِ زمزم کے ساتھ دھویا گیا، اس بارے ابن ابو جمرہ لکھتے ہیں جنت سے پانی

لاکر اس کے ساتھ نہیں دھویا گیا، اسکی حکمت یہ تھی کہ ایک تو زمزم کی اصل جنت سے ہی ہے جو اب زمین میں مستقر ہوا دوم آنجناب کی برکت زمین میں باقی رکھنا مقصود تھا، سہیلی لکھتے ہیں چونکہ زمزم کا پانی حضرت جبرائیل کے امِ اسماعیلؑ کیلئے ہزمہ (یعنی زمین کھودنے) کا نتیجہ تھا (گویا خدائی دین تھی) تو ذات باری تعالیٰ کے حضور جانے اور اسکے ساتھ مناجات کیلئے آنجناب کے دل کو صاف کیا، بعض نے قرآن کی آیت: (طٰس تِلْكَ آياتُ الْقُرْآن) سے طست کی مناسبت جوڑی ہے بقول ابن حجر یہ مستبعد ہے۔

(ثم حشي ثم الخ) مسلم کی روایت میں ہے: (ثم حشي إيمانا وحكمة) شریک کی روایت میں ہے: (ثم حشي صدره ولغاديده) لغادید سے مراد حلق کی شریانیں، ابن ابوجمرہ کہتے ہیں شق کئے بغیر بھی آنجناب کا دل ایمان وحکمت سے ممتلیٔ کیا جا سکتا تھا مگر آپ کی نظروں کے سامنے شق کرنے سے آپ کی قوتِ یقین میں زیادت مقصود تھی تاکہ آپ آگے کے سفر میں اس سے بھی زیادہ ہولناک مناظر دیکھنے کی استطاعت کرسکیں، اسی کے زیر اثر آپ اشجع الناس اور أعلاهم حالا و مقالا تھے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپکی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: (مازاغَ الْبَصَرُ ومَا طَغىٰ) [النجم:۱۷]۔ اس امر میں تعددِ آراء ہے کہ آیا کسی اور نبی کا بھی شقِ صدر ہوا؟ طبرانی کی بنی اسرائیل کے تابوت کی بابت روایت میں ہے کہ اس میں وہ طست بھی تھا جس میں انبیاء کے قلوب دھوئے جاتے رہے تو اس سے مشارکت کا اشارہ ملتا ہے۔ براق پر سواری کے ضمن میں بھی اسی جیسی بحث آئیگی۔

(ثم أتيت بدابة) کہا گیا ہے کہ بذریعہ سواری اسراء میں حکمت یہ ہے حالانکہ آپکو پلک جھپکنے میں بھی بیت المقدس پہنچایا جا سکتا تھا، کہ چونکہ یہ خارقِ عادت ایک مقام تھا تو آپکی تانیسِ قلب مقصود تھی کیونکہ عرف یہ ہے کہ بادشاہ اگر کسی کی عزت افزائی کیلئے اسے اپنے دربار میں حاضر دیکھنا چاہتا ہے تو اسے لانے کی خاطر شاہی سواری بھیجی جاتی ہے۔

(دون البغل الخ) صفت مذکر (یعنی ابیض) ذکر کی، براق کے لفظ کے پیش نظر یا اسے مرکوب کے ساتھ مؤول کرتے ہوئے۔ ابیض ہونے میں حکمت یہ اشارہ تھا کہ رکوب سلامتی اور امن کے ساتھ ہوگا نہ کہ حرب اور خوف کے عالم میں، یا یہ بھی اس عظیم معجزہ کا ایک حصہ تھا کیونکہ اس قسم کے معروف جانور عموما سفید رنگ کے نہیں ہوتے (تو اشارہ دیا کہ کوئی خاص معاملہ ہے)۔

(فقال له الجارود الخ) اس سے ظاہر ہوا کہ بدء الخلق کی روایت میں جو یہ الفاظ ہیں: (دون البغل و فوق الحمار البراق) یہ روایت بالمعنی ہے کیونکہ قتادہ کی اس روایت میں حضرت انس نے براق کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ (عند أقصى طرفه) یعنی ایک ہی جست میں تاحدِ نظر مسافت طے ہوتی تھی، ابویعلی اور بزار کی حدیثِ ابن مسعود میں ہے اگر راستے میں کوئی پہاڑ آتا تو اس کی پچھلی ٹانگیں جبکہ میدانی علاقوں میں اگلی ٹانگیں اٹھی ہوتیں (گویا ہوا میں اڑتا جارہا تھا)۔ ابن سعد کے ہاں واقدی کی اپنی اسانید کے ساتھ روایت میں ہے کہ دو پر لگے ہوئے تھے، بقول ابن حجر کسی اور کی روایت میں پروں کا ذکر نہیں دیکھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ براق کے اس سفر کو طیران (یعنی اڑان) کا نام نہیں دیا گیا کہ اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ اگر اللہ اپنے کسی بندے پر کوئی قطعِ مسافت آسان بنا دیتا ہے بایں طور کہ تھوڑے وقت میں لمبی مسافت طے کرلے تو اس کی یہ قطعِ مسافت سفر ہی کہلائے گی اور اسی کے احکام لاگو ہوں گے۔

براق، بائے مضموم اور رائے مخفف کے ساتھ، بریق سے مشتق ہے یا یہ برق سے ماخوذ ہے کیونکہ (بجلی کی طرح) سرعتِ سیر کے ساتھ متصف تھا یا عربوں کے قول (شاۃ برقاء) سے ماخوذ ہے جب اس کی سفید اون کے درمیان کالی پٹیاں سی ہوں، حدیث میں براق کا موصوف ب: ابیض ذکر اس کے منافی نہیں کیونکہ ایسی بکری سفید بکریوں ہی میں شمار ہوتی ہے، یہ بھی محتمل ہے کہ براق کا لفظ مشتق

نہیں۔ ابن ابی حمزہ کہتے ہیں براق کا مخصوص بذلک ہونا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ آپ کیلئے مختص تھا کیونکہ مذکور نہیں کہ وہ کسی کی ملکیت میں تھا بخلاف اس کی غیر جنس دواب کے، کہتے ہیں اگرچہ بغیر براق کے بھی اوپر لے جائے سکتے تھے (مثلا فرشتوں کے پروں پر بیٹھ کر) مگر اسطرح آپکی مزید عزت افزائی مقصود تھی کیونکہ اگر خود ہی اوپر جاتے مثلا تو آپکی حیثیت ماشی (یعنی پیدل) کی سی ہوتی اور راکب ماشی سے اعز ہوتا ہے۔ (فحملت علیه) ابوسعید کی شرف المصطفیٰ کی ایک روایت میں ہے کہ جبریل رکاب تھامے اور میکائیل زمام پکڑے ہوئے تھے، معمر کی قتادہ عن انس سے روایت میں ہے کہ براق لایا گیا، زین کسی ہوئی اور لگام پڑی ہوئی تھی، ابتداء میں اس نے کچھ اڑی کی تو حضرت جبرائیل نے اس سے کہا: (ما حملك علیٰ هذا؟) ایسا کیوں کرتے ہو؟ اللہ کی قسم ان سے زیادہ اللہ کی نظر میں اکرمِ خلق کبھی تم پر سوار نہیں ہوا تو اس کا پسینہ بہہ پڑا، یہ ترمذی میں ہے وہ اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ ابن اسحاق قتادہ سے ناقل ہیں کہ جب اس نے اڑی کی تو حضرت جبریل نے اس کی معرفہ (ایال کے اگنے کی جگہ) پر ہاتھ رکھا، آگے یہی ذکر کیا، اس میں حضرت انس کا حوالہ مذکور نہیں کیا۔ وثیمہ عن ابن اسحاق کی روایت میں ہے ان کی بات سنکر براق کانپ گیا اور زمین کے ساتھ لگ گیا۔ نسائی اور ابن مردویہ کی یزید بن ابی مالک عن انس کی موصول روایت میں بھی یہی ہے، مزید یہ بھی کہ قبل ازیں انبیاء کیلئے اسے مسخر کیا جاتا تھا۔ ابن اسحاق کی حدیثِ ابی سعید میں بھی یہی ہے، اس سے دلالت ملی کہ سابقہ انبیاء کرام بھی اس پر سوار ہوتے رہے۔ ابن دحیہ وغیرہ اس کی نفی کرتے ہیں، ان کے ہاں حضرت جبریل کے قول کہ ان سے اکرم خلق کبھی تم پہ سوار نہیں ہوا، کی تاویل یہ ہے کہ تم پہ کبھی کوئی سوار ہی نہیں ہوا تو آنجناب سے اکرم کیونکر سوار ہوسکتا تھا۔

نووی زبیدی کا مختصر العینی میں قول نقل کرتے ہیں کہ انبیاء براق پر سواری کیا کرتے تھے مگر کہتے ہیں کہ یہ محتاجِ دلیل ہے، ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کہ اس کی نقلی دلیل موجود ہے، حدیث کی عبارت: (فربطته بالحلقة التي تربط بها الأنبياء) کہ میں نے اسے اسی حلقہ کے ساتھ باندھ دیا جہاں انبیاء باندھا کرتے ھتے، سے اس کی تائید ملتی ہے، ابن اسحاق کی کتاب المبتدأ میں وثیمہ کی روایت میں ہے نبی اکرم فرماتے ہیں ابتدا میں براق پر سوار ہونے میں دشواری محسوس کی، مجھ سے قبل انبیاء اس پر سوار ہوتے رہے ہیں لیکن زمانۂ فترہ (یعنی حضرت عیسیٰ اور آنجناب کی بعثت کا درمیانی عرصہ) میں چونکہ کوئی اس پر سوار نہ ہوا تھا، اس وجہ سے اس نے اڑی کی۔ مغازی ابن عائذ میں زہری عن سعید بن مسیب کے حوالے سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیم اسی پر حضرت ھاجرہ اور حضرت اسماعیل کو مکہ چھوڑ کر آئے تھے تو ان سب آثار سے ایک دوسرے کی تقویت ہوتی ہے، کئی اور آثار بھی موجود ہیں جنہیں خوفِ اطالت کے سبب ذکر نہیں کیا۔ براق کی صفت میں کئی احادیثِ واہیہ بھی منقول ہیں، ابن منیر کہتے ہیں آنجناب کا براق پر سوار ہوتے وقت اس کا اڑی کرنا تیہاً و زَهواً (یعنی خوشی وسرمستی کے عالم میں جھومنا) تھا جیسے وہ پہاڑ ہلا جس پر آنجناب حضرات ابوبکر، عمر اور عثمان کے ساتھ چڑھے تھے، تو یہ ہزۂ طرب تھا نہ کہ ہزۂ غضب (یعنی مارے خوشی کے جھومنے لگا)۔

احمد کی حدیثِ حذیفہ میں ہے کہ براق لائی گئی (فلم یزایل ظهره هو وجبریل حتی انتهيا إلى بيت المقدس) یعنی پھر اس کی کمر سے چپکے رہے تا آنکہ قدس پہنچ گئے۔ تو حضرت حذیفہ نے یہ بات نبی اکرم کی طرف منسوب نہیں کی، ممکن ہے اپنے اجتہاد سے کہی ہو۔ یہ بھی محتمل ہے کہ (هو و جبریل) سے مراد یہ ہو کہ وہ اس سفر میں آپکے ہمراہ تھے یہ نہیں کہ براق پر سوار بھی تھے۔ ابن دحیہ لکھتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت جبریل قائد، سائق یا دلیلِ راہ تھے، کہتے ہیں ہم نے قطعیت کے ساتھ یہ

بات اسلئے کہی ہے کیونکہ معراج خاص آنجناب کے اظہارِ کرامت کے لئے تھی کسی اور کا اس میں مدخل نہیں، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ اس تاویل کا رد صحیح ابن حبان کی حدیثِ ابن مسعود سے ہوتا ہے جس میں صراحت سے ہے کہ نبی پاک براق پر حضرت جبریل کے ردیف تھے، مسندِ حارث کی روایت میں بھی یہی ہے تو شائد حضرت حذیفہ نے اس اسراء کی بابت یہ بات کہی ہو جس کے ہمراہ معراج نہ تھا، اس تقریرِ سابق کے مطابق کہ اسراء کا وقوع دو مرتبہ ہوا۔

(فانطلق بی جبریل) بدء الخلق کی روایت میں تھا (فانطلقت مع جبریل) دونوں میں کوئی مغایرت نہیں بخلاف بعض کے اس قول کے کہ بدء الخلق کی روایت کے الفاظ اس امر کے مشعر ہیں کہ آپ معراج کے ضمن میں حضرت جبریل کے محتاج نہ تھے بلکہ دونوں بمنزلِہ واحد تھے لیکن معظم روایات میں لفظِ اول (یعنی فانطلق بی) ہے، کتاب الصلاۃ کی حدیثِ ابی ذر میں تھا: (ثم أخذ بیدی و عرَجَ بی) تو ظاہرِ امر یہ ہے کہ حضرت جبریل اس سفر میں آپکے دلیلِ راہ تھے۔

(حتی أتی السماء الدنیا) بظاہر مستمر علیٰ براق رہے حتی کہ آسمانِ دنیا تک پہنچ گئے، ابن ابی جمرہ کی کلامِ مذکور کا مقتضا بھی یہی ہے اس سے ان حضرات کا تمسک ہے جو کہتے ہیں کہ معراج اور اسراء الگ الگ راتوں میں ہوئے ہیں جہاں تک عروج الی السموات کا تعلق ہے تو دوسری روایات میں مذکور ہے کہ وہ براق پر نہیں بلکہ معراج پر ہوا تھا جو ایک قسم کی سُلَّم (یعنی سیڑھی) تھی جیسا کہ ابن اسحاق اور بیہقی کی الدلائل میں حدیثِ ابی سعید کے حوالے سے مذکور ہے، اسکے الفاظ ہیں (فإذا أنا بدابة۔۔۔) بیت المقدس اس پر سوار ہو کر پہنچے آگے فرمایا: (ثم دخلت أنا و جبریل بیت المقدس فصلیت ثم أُتِیتُ بِالمعراج) پھر میں اور جبرائیل بیت المقدس میں داخل ہوئے میں نے نماز ادا کی پھر میرے پاس معراج لائی گئی، ابن اسحاق کی روایت میں نبی اکرم کا قول ہے کہ معراج کو لایا گیا: (فلَمْ أرَ قطُّ شیئا أحسن منه)) کبھی اس سے احسن چیز نہیں دیکھی تھی، اور یہ وہی ہے جس کی طرف مرنے والا اپنی نظریں پھیلاتا ہے تو مجھے میرے ساتھی نے اس پر اٹھایا حتی کہ آسمان کے دروازے پہ جا پہنچے، کعب کی روایت میں ہے: (فوضعت له مرقاة مِن فضة و مرقاة مِن ذهب حتی عرج هو وجبریل) کہ آپ کیلئے ایک سونے اور ایک چاندی کی سیڑھی رکھی گئی حتی کہ آپ اور حضرت جبریل اوپر چڑھے۔

شرف المصطفیٰ کی حدیثِ ابی سعید میں ہے کہ جنتِ فردوس سے معراج لائی گئی جس میں موتی جڑے ہوئے تھے اس کے دائیں بائیں فرشتوں کا جھمگٹا تھا، ابن حجر لکھتے ہیں محتج بالتعدد کیلئے اس میں حجت نہیں کیونکہ محتمل ہے کہ اس اسراء کے بیان میں یہ راوی کی تقصیر ہو جبکہ ثابت نے حضرت انس کے حوالے سے نبی کریم سے یاد رکھا، اس میں اسراء اِلی بیت المقدس کے ذکر کے بعد نبی پاک کی زبانی مذکور ہے کہ دو رکعت ادا کر کے باہر نکلا تو جبریل دو برتن لیکر آئے، آگے ذکر کیا: (تم عرج بی إلی السماء) کہ پھر مجھے آسمان کی طرف چڑھایا گیا، حدیثِ ابی سعید دال علی اتحاد ہے، الصلاۃ میں بھی اس کی کچھ بحث گزر چکی ہے، ثابت کی روایت میں جو حلقہ کے ساتھ براق کو باندھنے کا ذکر ہے، حذیفہ اسکا انکار کرتے ہیں، چنانچہ احمد اور ترمذی ان سے نقل کرتے ہیں کہ تم کہتے ہو آپ نے اسے باندھ دیا تھا کہ کہیں بھاگ نہ جائے حالانکہ عالم الغیب والشہادہ نے اسے آپ کیلئے مسخر کر رکھا تھا، بیہقی اس پر تبصرہ کرتے ہیں کہ اصول یہ ہے کہ مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ اس کے پاس زیادتِ علم ہے لہذا ربط کی بات اولیٰ بالقبول ہے، بزار کی روایتِ بریدہ میں ہے بیت المقدس پہنچ کر حضرت جبریل نے اس میں موجود ایک صخرہ پر اپنی انگلی سے سوراخ کیا جس میں براق کو باندھا گیا، ترمذی میں بھی

اسی کی مانند ہے، حذیفہ نے اس بات کا بھی انکار کیا کہ آپ نے بیت المقدس میں نماز پڑھی تھی، ان کی حجت یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو مسلمانوں پر اس میں نماز پڑھنا فرض کیا جاتا جیسے کعبہ کے اندر نماز پڑھنا فرض کیا گیا ہے۔

بقول ابن حجر اگر حضرت حذیفہ کی (کتب علیکم) سے مراد فرض ہے تو ان کی بات کا جواب منع التلازم فی الصلاۃ سے دیا جائے گا اور اگر ان کی مراد تشریع ہے تو ہم اس کا التزام کرینگے، نبی اکرم نے بیتِ مقدس میں نماز مشروع کر کے اسے شدِّ رحال والی حدیث میں مسجدِ حرام اور مسجد نبوی میں نماز کے ساتھ مقرون فرمایا اور اس میں نماز ادا کرنے کی فضیلت ایک سے زیادہ احادیث میں مذکور ہے، بیہقی کی حدیثِ ابی سعید میں بھی بیت المقدس میں دو رکعت ادائیگی کا ذکر ہے، ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود عن ابیہ سے روایت میں نبی پاک کا قول مذکور ہے کہ میں داخل ہوا تو انبیاء کرام کو پہچان لیا کوئی قیام، کوئی رکوع اور کوئی سجدہ میں تھے پھر اقامت ہوئی اور میں نے امامت کرائی، مسلم کی ابن مسعود سے روایت میں بھی امامت کا ذکر ہے، ابن ابی حاتم کی یزید بن ابو مالک عن انس سے روایت میں ہے کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ ناس کثیر جمع ہوئے اذان ہوئی پھر اقامت ہوئی ہم سب صفیں باندھے کھڑے منتظر تھے کہ کون امام بنتا ہے کہ حضرت جبریل نے ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے کر دیا، احمد کی حدیثِ عمر میں مذکور ہے کہ جب وہ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے تو کہنے لگے میں تو اس جگہ نماز پڑھونگا جہاں نبی اکرم نے ادا فرمائی تھی تو قبلہ کی طرف آگے بڑھے اور نماز ادا کی، عیاض کہتے ہیں محتمل ہے کہ آپ نے بیت المقدس میں تمام انبیاء کو نماز پڑھائی ہو پھر ان میں وہ انبیاء آسمانوں میں چلے گئے جنکے ساتھ آپکی ملاقات و مکالمہ مذکور ہوا یا ممکن ہے بیت المقدس میں انبیاء کی امامت آسمانوں سے آنے کے بعد کرائی ہو تو وہ انبیاء کرام بھی آسمانوں سے اتر آئے ہوں، دوسرے اھل علم لکھتے ہیں آنجناب کا آسمانوں پر ان مذکورین کو دیکھنا اس امر پر محمول ہے کہ ان کی ارواح کو دیکھا سوائے حضرت عیسیٰ کے کیونکہ ان کی بابت ثابت ہے کہ اپنے جسم سمیت اٹھائے گئے، حضرت ادریس کی بابت بھی بعض نے یہی کہا ہے، بیت المقدس میں بھی ممکن ہے ارواح ہی نے آپ کی امامت میں نماز ادا کی ہو، یہ بھی محتمل ہے اجساد مع ارواح ہوں، اظہر یہی ہے کہ بیت المقدس میں آپ کا امامت کرانا آسمانوں کی طرف عروج سے قبل تھا۔

(السماء الدنیا) بیہقی کی حدیثِ ابی سعید میں ہے کہ آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازے پہ پہنچے جسے باب الحفظۃ کہا جاتا ہے اس کے نگران فرشتہ کا نام اسماعیل ہے اور اسکے تحت بارہ ہزار فرشتے مامور ہیں۔ (فاستفتح) اس بارے الصلاۃ میں بحث گزر چکی ہے، کہا گیا ہے ان فرشتوں نے یہ بات از رہِ تعجب اور استبشار بنعمۃ اللہ علیہ کے طور سے کہی تھی کیونکہ جانتے تھے کہ کوئی بشر اس مقام تک بغیر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے نہیں آ سکتا اور حضرت جبرائیل بغیر مدعو کے کیسے لا سکتے ہیں؟۔ (من معك) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں پتہ چل گیا کہ حضرت جبرائیل اکیلے نہیں، وگرنہ تو یہ کہتے: (أ معك أحد؟) کیا کوئی آپکے ساتھ ہے؟ یہ احساس یا تو مشاہدہ کی وجہ سے ہوا کیونکہ آسمان شفاف ہے یا اس کا احساس کسی سببِ معنوی کے مدِنظر ہوا مثلاً زیادتِ انوار کا مشاہدہ کیا یا اس قسم کا کوئی اور تغیر جس سے اندازہ ہوا کہ آج کوئی خلافِ معمول بات ہے، حضرت جبریل کا یہ کہنا کہ محمد میرے ہمراہ ہیں اس امر کا اشعار ہے کہ تعارف کے ضمن میں نام ذکر کرنا بنسبت کنیت کے اولیٰ ہے، بعض نے نگران فرشتہ کے سوال: (و قد بُعِثَ إليه؟) کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنجناب کو مطلع کرنا چاہا کہ آپ ملأ اعلیٰ میں معروف ہیں کیونکہ انہوں نے کہا تھا: (أوَ بُعث إليه؟) گویا انہیں علم تھا کہ مبعوث کئے جائینگے وگرنہ تو یہ کہتے: (و مَنْ محمد؟) محمد کون؟ مثلاً۔

(مرحباً به) یعنی رحبت وسعت نصیب ہو، انشراح سے کنایہ ہے، اس سے ابن منیر نے استنباط کیا ہے کہ جائز ہے کہ سلام کے جواب میں کوئی بھی تحیہ کے الفاظ استعمال کرلئے جائیں مگر ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ انہوں نے یہ لفظ سلام کے جواب میں نہیں کہے، وہ تو دروازہ کھولنے سے قبل ہوچکا تھا، سیاق اسی طرف رہنمائی کرتا ہے، ابن ابوجمرہ نے اسطرف توجہ دلائی ہے، یہاں یہ کور ہوا کہ حضرت جبریل نے ہرایک کے پاس پہنچ کر آپ سے کہا: (سَلِّمْ علیه قال فسلمت علیه فردَّعلیَّ السلام) کہ سلام کہیں، آپ کہتے ہیں میں نے ایسا ہی کیا اور ہرایک نے ردِسلام کیا، اس میں اشارہ ہے کہ قبل ازیں انہیں دیکھ چکے تھے۔

(فنعم المجیء جاء) کہا جاتا ہے کہ مخصوص بالمدح محذوف ہے اور اس میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیر یہ ہے: (جاءَ فنعم المجیء مجیؤہ) ابن مالک لکھتے ہیں یہ کلام اس امر کی شاہد ہے کہ بابِ نعم میں صلہ کے ساتھ موصول سے یا صفت کے ساتھ موصوف سے استغناء ہوسکتا ہے کیونکہ یہ فاعل کا محتاج ہے جو کہ مجیء ہے اور مخصوص بمعناھا کی طرف جو کہ متبدا مُخبَر عنہ بنعم وفاعلھا، ہے تو وہ اس اور اس جیسی کلام میں موصول یا موصوف بجاءَ ہے، تقدیرِ کلام یوں ہے: (نعم الجیء الذی جاء) یا (نعم المجیءُ مجیءٌ جاءَ ہ)، موصول ہونا اجود ہے کیونکہ وہ مُخبَر عنہ ہے اور مخبرعنہ کا معرفہ ہونا اس کے نکرہ ہونے سے اولیٰ ہے۔

(فإذا فیہا آدم الخ) الصلاۃ کی روایت میں اس موقع پہ ان کے دائیں اور بائیں بنی آدم کی نسم (یعنی ارواح) کا ذکر بھی تھا، وہاں اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ یہ نسم وہ ہوسکتی ہیں جن کے ابھی اجسام پیدا نہیں کئے گئے بقول ابن حجر اب میرے لئے ایک اور احتمال ظاہر ہوا ہے کہ محتمل ہے کہ یہ ارواح ان افراد کی ہوں جو وادیٔ مرگ میں پہنچ گئے کیونکہ یہ ارواح مستقرہ تھیں، آسمانِ دنیا میں حضرت آدم کے ان کی رؤیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کیلئے آسمان کے دروازے کھل گئے ہوں اور وہ داخل نہ ہوئی ہوں، بیہقی کی ابو سعید سے روایت اس کی مؤید ہے اس میں ہے، نبی پاک فرماتے ہیں حضرت آدم سے ملاقات ہوئی (کیا دیکھتا ہوں کہ) ان پر ان کی مؤمن اولاد کی ارواح پیش کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں: (روحٌ طیبۃٌ و نفس طیبۃ) اسے عِلّیین میں لے جاؤ اور فُجّار کی ارواح کے بارہ میں کہتے ہیں: (روح خبیثۃ و نفس خبیثۃ) اسے سِجّین میں ڈالدو۔ بزار کی حدیثِ ابی ہریرہ میں ہے کہ ان کے داہنی جانب ایک دروازہ ہے جس سے پاکیزہ خوشبو پھوٹ رہی ہے جبکہ بائیں جانب کے دروازے سے بدبو کے بھبکے آرہے ہیں تو ان دونوں حدیثوں سے عدم لزومِ مذکور ثابت ہوا، یہ قرطبی کی المفہم میں ذکر کردہ تطبیق کہ یہ حالتِ مخصوصہ میں تھا، سے اولیٰ ہے۔

(بالابن الصالح الخ) کہا گیا ہے کہ ان تمام انبیاء کرام جن سے آنجناب کی ملاقات ہوئی، نے آپ کیلئے اس وصفِ مذکور پر اسلئے اقتصار کیا کہ صفتِ صالحیت تمام خلالِ خیر کی جامع ہے تو ہرایک نے بالتوارُد اس کا تکرار کیا، صالح وہ ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بالالتزام ادائیگی کرنے والا ہو، اسی معانی الخیر کیلئے یہ ایک جامع کلمہ ہے، حضرت آدم کا ابن صالح کہنا آنجناب کی ابوّت کے ساتھ ان کا افتخار ہے، التوحید میں آسمانوں پر انبیاء کی ان منازلِ مذکورہ کی حکمت بیان کی جائیگی۔

(وھما ابنا خالۃ) نووی ابن سکیت سے ناقل ہیں کہ ابنا خالہ کہا جاتا ہے مگر ابنا عمہ نہیں، جبکہ دوسری طرف ابنا عم کہینگے، ابنا خال نہیں۔ بقول ابن حجر انہوں نے اسکا کوئی سبب بیان نہیں کیا، سبب یہ ہے کہ ابنا خالہ میں ہرایک کی والدہ لازمی طور پر دوسرے کی خالہ ہے بخلاف ابنا عمہ کے (کہ اس میں ایک کی والدہ تو دوسرے کی پھوپھی لگی مگر دوسرے کی والدہ پہلے کی پھوپھی نہیں، بلکہ مامی لگی)، یہ روایت مسلم کی ثابت عن انس کی روایت کے موافق ہے کہ پہلے آسمان میں حضرت آدمؑ، دوسرے میں یحیٰؑ وعیسیٰؑ، تیسرے میں حضرت

یوسف، چوتھے میں حضرت ادریس، پانچویں میں حضرت ہارون، چھٹے میں حضرت موسیٰ اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراھیمؑ تھے، زھری نے حضرت انس عن ابی ذر سے اپنی روایت میں اس کی مخالفت کرتے ہوئے ان اسماء کی تثبیت نہیں کی، صرف حضرت ابراھیم کی چھٹے آسمان میں موجودی ذکر کی ہے، شریک عن انس کی ردایت میں ہے کہ ادریس تیسرے، ہارون چوتھے اور (وآخرفی الخامسۃ) بیان کیا ہے، انکے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بھی ان انبیاء کی منازل کی تثبیت وضبط نہیں جبکہ جنہوں نے ضبط سے اس کا ذکر کیا ہے، ان کی روایت اولیٰ ہے، پھر بالخصوص قتادہ وثابت اس ترتیب پہ باہم متفق ہیں، یزید بن ابی مالک بھی انس سے ان کے موافق ہیں البتہ انہوں نے حضرت ہارون کو چوتھے اور حضرت ادریس کو پانچویں میں ذکر کیا ہے، ابوسعید بھی ان کے موافق ہیں مگر ان کے ہاں حضرت یوسف دوسرے اور عیسی ویحییٰ تیسرے میں ہیں مگر اول ترتیب ہی اثبت ہے۔

ان انبیاء کی آسمانوں میں رؤیت باعثِ اشکال ہے جبکہ ان کے اجساد زمین پر قبور میں ہیں! تو جواب دیا گیا ہے کہ ان کی ارواح ہی ان کے دنیاوی اجساد میں متشکل کردیگئی تھیں یا یہ کہ ان کے اجساد کو بغرضِ ملاقات لایا گیا تا کہ آنجناب کی تشریف وتکریم ہو، اسکی تائید عبدالرحمٰن بن ہاشم عن انس سے روایت میں ملتی ہے، اس میں ہے: (وبُعِثَ له آدمُ و مَن دونه من الأنبياء) کہ آپکے لئے حضرت آدمؑ اور بقیہ انبیاء کا بَعث کیا گیا۔

(فلما خلصت إذايوسف الخ) مسلم کی ثابت عن انس سے روایت میں یہ بھی ہے: (فإذا هو قد أُعطِيَ شطرَ الحُسن) کہ انہیں کل حسن کا نصف عطا کیا گیا، بیہقی کی ابوسعید اور ابن عائذ وطبرانی کی ابوہریرہ سے روایتوں میں ہے کہ انہیں اللہ کی مخلوق میں اہلِ جہاں کے مقابلہ میں سب سے حسین پایا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت یوسف تمام لوگوں سے احسن تھے لیکن ترمذی کی حضرت انس سے روایت میں ہے کہ اللہ تعالی نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اسے خوبصورت چہرہ اور خوبصورت آواز والا بنایا اور تمہارا نبی تمام انبیاء سے احسن چہرے اور احسن آواز والا ہے، اس پر حدیثِ معراج میں حضرت یوسف کے حسن کی بابت اس قول کو آنجناب کے ماسوا پر محمول کیا جائے گا، اس کی تائید قائل کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ متکلم اپنی گفتگو کے عمومِ خطاب میں شامل نہیں ہوتا، حدیثِ باب کو ابن منیر نے اس امر پر محمول کیا ہے کہ مراد یہ تھی کہ حضرت یوسف کو نبی پاک کے حسن کا شطر عطا کیا گیا، واللہ اعلم،

ان انبیاء کرام کے ان مذکورہ آسمانوں میں ہونے کی حکمت میں متعدد آراء ہیں، کہا گیا ہے کہ اس سے ان کا تفاضُلِ درجات ظاہر ہوتا ہے پھر انہی انبیاء پر اقتصار کی مناسبت یہ بیان کی گئی ہے کہ انبیاء کرام کو آنجناب سے ملاقات کا حکم دیا گیا، کچھ حکم ملتے ہی پہلے وہلہ میں آپ سے مل لئے اور بعض متأخر ہوئے بقول ابن حجر یہ سہیلی کی توجیہ ہے اور درست ہے، بعض نے یہ حکمت بیان کی ہے کہ اس امر کا اشارہ مقصود تھا کہ جن حالات سے ان انبیاء کو سابقہ پڑا انہی جیسے حالات آنجناب کو پیش آئے اور آئینگے، مثلا حضرت آدمؑ جنت سے نکالے گئے اور زمین پر انہیں اتارا گیا تو نبی اکرم کو بھی ارضِ مکہ سے نکل کر مدینہ ہجرت کرنی پڑی، دونوں کے درمیان جامع تحمُّلِ مشقت اور اس فراق کی کراھت ہے پھر مآل کار دونوں کی اُپنے اس ٹھکانہ کی طرف واپسی ہوگئی، حضرات عیسیٰ ویحیٰ کے ساتھ تشابُہ اس جہت سے ہے کہ ہجرت کے بعد یہود سے عداوت وبغض کا سلوک برداشت کرنا پڑا اور انہی کی طرح یہودِ مدینہ نے کوشش کی کہ آنجناب کو نقصان پہنچائیں، حضرت یوسف کے حالات کے ساتھ مشابہت تو نہایت نمایاں ہے، ان کے برادران کی طرح آنجناب کے ہم قبیلہ لوگوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ نقصان پہنچائیں، وطن سے دور کیا، انجام کار برادرانِ یوسف کی طرح اہل مکہ بھی آنجناب کے دست کرم

کے محتاج بنے، عینِ مشابہت یہ بنی کہ قابو پا کر حضرت یوسف کا نام وحوالہ دیکر فرمایا میں بھی آج انہی کی طرح کہتا ہوں: (لا تَثرِیبَ علیکم الیوم)۔

حضرت ادریس کے ساتھ مشابہت یہ ہے کہ ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَرَفَعْناہُ مکاناً عَلِیّاً) تو آنحضرت کی رفعت وعلو کی آج انتہا تھی کہ معراج سے بہرہ ور کیے گئے، حضرت ہارون کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ انہیں بنی اسرائیل نے نشانۂ اذیٰ و تحقیر بنایا (جب حضرت موسیٰ الٰہی وعدہ کے مطابق طورِ سیناء گئے، قرآن میں ہے: وَقالَ موسیٰ لِأخِیہِ ھارُونَ اخْلُفْنِی فِی قَومِی۔ قوم نے بعد میں راہِ ضلال اختیار کر لی، حضرت موسی نے واپس آکر حضرت ہارون سے پرسش کی کہ تم نے انہیں کیوں نہ روکا؟ وہ بولے: إنَّ الْقومَ اسْتَضْعَفُونِی وکادُوا یَقْتُلُونِی)، تو بعد میں معافی تلافی کر کے ان کی محبت کی طرف پلٹ آئے، اسی طرح اہل مکہ کا بھی یہی حال ہوا۔ حضرت موسی کے ساتھ بھی تشابُہ واضح ہے خود آنجناب نے ایک دفعہ فرمایا تھا: (لقد أوذِیَ موسی بأکثرَ مِن ھذا فصبر)۔ حضرت ابراہیم کے ساتھ تجانُس اس جہت سے کہ وہ یہاں آکر بیت المعمور کی طرف مستند ہوئے، اسی طرح آنجناب نے بھی آخر عمر میں اقامتِ حج اور تعظیم بیت اللہ کا اہتمام فرمایا (اقامتِ حج اور تعظیمِ کعبہ بھی حضرت ابراہیم کے ساتھ مماثلت کا ایک پہلو ہیں)، یہ مناسباتِ لطیفہ سہیلی نے ذکر کی ہیں، ابن حجر لکھتے ہیں ابن منیر نے بھی اس موضوع پر خاصی طویل حاشیہ آرائی کی ہے اور انبیاء کرام کے باہمی مفاضلہ میں طول بیانی سے کام لیا ہے مگر میرے خیال میں اس موضوع میں اشارت اطالت سے اولیٰ ہے، ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم سے ملاقات کی مزید مناسبت یہ بیان کی ہے کہ آنجناب (ہجرت کے بعد پہلی مرتبہ) سن سات ھ کو مکہ میں داخل ہوئے (جب عمرۃ القضاء کیلئے معاہدۂ حدیبیہ کے تحت تشریف لائے)۔

ابن ابو جمرہ حضرت آدم کے آسمانِ دنیا میں ہونے کی حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ وہ اولِ انبیاء اور اولِ آباء ہیں لہٰذا وہ اول آسمان میں موجود ہوئے، تو آنجناب کی ابوت کے ساتھ تأنیس کی غرض سے ان سے یہاں ملاقات ہوئی، ان کے بعد حضرت عیسی دوسرے آسمان میں تھے کیونکہ آنجناب سے قربِ عہد کے لحاظ سے وہ اقرب الأنبیاء ہیں ان کے بعد حضرت یوسف ہوئے کیونکہ آپکی امت کی جنت میں صورتیں ان جیسی ہونگی، آخر میں حضرت ابراہیم ہوئے کیونکہ وہ بھی آنجناب کے آباء میں شامل ہیں تو تجدیدِ اُنس کی غرض سے ان سے لقاء ہوئی کہ پھر انکے بعد ایک جہانِ دیگر کا رخ کرنے والے تھے پھر یہ بھی کہ وہ خلیل اللہ ہیں تو اس کا تقاضہ تھا کہ وہ ارفع منزل میں ہوتے اور نبی اکرم ان سے ارفع منزلت والے ہیں تو ان سے بھی آگے مقامِ قاب قوسین کی طرف گئے۔

(قال أبکی لأن غلاما الخ) حضرت موسی سے مل کر آگے جانے لگے تو ان کی یہ کیفیت ہوئی، شریک عن انس کی روایت میں ان کے یہ الفاظ بھی ہیں: (لم أظن أحدا یرفع علیَّ) کہ میرا نہیں خیال تھا کہ کوئی مجھ سے رفیع المنزلت ہوگا (اس سے یہ اشارہ بھی ملا کہ ان انبیاء کرام کا ان مذکورہ آسمانوں پر ہونا ان کے تفاوتِ منزلت کا اشارہ تھا اسی لئے آنجناب جب ان سے تجاوز کر کے اور اوپر جانے لگے تو یہ بات کہی، اللہ اعلم) حدیثِ ابی سعید میں ہے کہ انہوں نے کہا بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ میں اللہ کے ہاں سب سے اکرمِ خلق ہوں مگر محمد تو مجھ سے بھی اکرم ہوئے، اموی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر اکیلے محمد مجھ سے اکرم ہوتے تو کوئی حرج نہ تھا مگر ان کی امت بھی افضلِ امم ہے ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود عن ابیہ کی روایت میں ہے کہ حضرت موسی سے گزر ہوا تو وہ کہہ رہے تھے: (أکرمتَہ وفضَّلتَہ) تو نے اسے اکرم کیا اور مفضل کیا؟ حضرت جبریل نے بتلایا یہ موسیٰ ہیں، میں نے کہا وہ کسے اس انداز میں مخ[illegible] —

کر رہے ہیں؟ کہا آپکے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے شکوہ کناں ہیں، میں نے کہا اللہ تعالی پر آواز بلند کرتے ہیں؟ تو حضرت جبریل کہنے لگے اللہ تعالیٰ کو ان کی حِدت معلوم ہے۔

حارث، ابویعلی اور بزار کے ہاں حدیثِ ابن مسعود میں ہے نبی پاک نے فرمایا میں نے شکوہ بھری ایک آواز سنی، پوچھنے پہ پتہ چلا کہ وہ حضرت موسیٰ ہیں، علماء کہتے ہیں حضرت موسی کا یہ رونا اور شکوہ کرنا بر بنائے حسد نہ تھا۔ معاذ اللہ۔ حسد تو اگلے جہان میں عام مؤمنوں سے بھی نکال باہر کیا گیا ہے تو ایک جلیل القدر نبی سے کیونکہ صادر ہوسکتا ہے؟ بلکہ یہ سب ازرہ تاسف (یعنی پچھتاوا) تھا کہ انہیں اپنے رب سے جس رفعِ منزلت اور علوِ مکانت کی امید تھی وہ ان کی امت کے گناہوں اور نافرمانی کی بدولت انہیں حاصل نہ ہوسکا کیونکہ ہر نبی کے اجر میں اس کی امت کے صالح اعمال کے سبب اضافہ ہوتا جاتا ہے اور اگر فاسق دفاجر ہوتو اس زیادتِ اجر سے اس نبی کو محرومی ہوتی ہے! جہاں تک آنجناب کیلئے ان کا لفظِ غلام استعمال کرنا ہے تو یہ علیٰ سبیلِ نقص نہیں بلکہ اللہ تعالی کی قدرت کے ساتھ علیٰ سبیل التنویہ ہے کہ کیسے اس عمر میں آپکو وہ مقام بلند عطا کیا جو سابقہ انبیاء کرام کو اس سے بڑی عمر میں بھی نصیب نہ ہوا، وگرنہ دوسری طرف پچاس نمازوں کی فرضیت کے معاملہ میں انہی حضرت موسی نے اس امتِ محمدیہ کے ساتھ جس بے پایاں شفقت وعنایت کا مظاہرہ کیا وہ کسی دوسرے نبی نے نہ کیا (حالانکہ نبی اکرم حضرت ابراھیم سے گزر کر آئے تھے) اسی طرف آنجناب نے طبری اور بزار کی حدیثِ ابی ہریرہ میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: (کا ن موسي أشدَّهم عليَّ حِين مَررتُ به و خَيرَهم لِي حِين رجعتُ إليه) کہ جب جارہا تھا تو حضرت موسی کا رویہ میری بابت باقی انبیاء سے سخت تھا مگر واپسی میں وہ میرے لئے سب سے بہتر ثابت ہوئے، حدیثِ ابی سعید میں ہے واپسی کے سفر میں وہ تمہارے (یعنی امت محمدیہ) کیلئے بہت بہتر خیر خواہ ثابت ہوئے کہ پوچھا کتنی نمازیں اللہ تعالی نے فرض کیں؟ (ان کی خیر خواہی کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ وہ تو پانچ سے بھی کم کرانے کی فکر میں تھے، ایک دفعہ پھر واپس جانے کو کہا تھا) ابن ابوجمرہ لکھتے ہیں اللہ تعالی نے انبیاء کے دلوں کو غیر انبیاء کی نسبت رحمت وشفقت کا وافر حصہ عطا کیا ہے اسی لئے حضرت موسی اپنی امت پر ازراہِ رحمت وشفقت روئے، غلام کے لفظ سے آنجناب کی اپنی نسبت کم عمری کی طرف اشارہ کیا، خطابی کہتے ہیں عرب بھر پور جوانی والے پر غلام کے لفظ کا اطلاق کرتے تھے جب تک بڑھاپے کی طرف ڈھل نہیں جاتا۔

ابن حجر کہتے ہیں میری نظر میں حضرت موسی نے یہ لفظ بول کر آنجناب کی قوت اور نشاطِ بدن کی طرف اشارہ کیا کہ باوجود اس امر کے کہ شیخوخت کے مرحلہ میں داخل ہو چکے ہیں مگر آپکی قوت و جوانی ہنوز قائم تھی، حتی کہ بعدازاں جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو جیسا کہ حضرت انس کی روایت میں ہے لوگوں نے آپ کو حضرت ابوبکر کے ساتھ سواری پر ان کے پیچھے بیٹھا دیکھا تو ابوبکر کو شیخ اور آپکو شاب کہا حالانکہ ابوبکر آپ سے سوا دو برس چھوٹے تھے (اس وقت جناب صدیق اکبر کے اکثر بال سفید ہو چکے تھے جبکہ نبی پاک کا ایک بھی بال سفید نہ تھا)۔ قرطبی کہتے ہیں نمازوں کی بابت حضرت موسی نے ہی مراجعت اسلئے کی کیونکہ ان کی امت پر ہی۔ باقی امتوں کے سوا، اتنی نمازیں فرض ہوئیں اور ان پر ان کی ادائیگی شاق گزری تھی تو اس تلخ تجربہ کی روشنی میں امتِ محمدیہ پر ازرہِ شفقت چاہا کہ تخفیف ہو، (إني قد جرَّبتُ الناس قبلك) سے اسی طرف اشارہ کیا، یہ بھی محتمل ہے کہ جاتے وقت جوان سے اسف و بکاء کا اظہار ہوا تو واپسی کے سفر میں اس کا تدارک کرتے ہوئے خاص عنایت وشفقت کا اظہار کیا تاکہ سابقہ رویہ کے باعث اگر کوئی تکدرِ خاطر پیدا ہوا ہے تو وہ زائل ہو جائے، سہیلی لکھتے ہیں اس میں حکمت یہ تھی کہ انہوں نے مناجات میں امتِ محمدیہ کی صفت دیکھی تھی تو اللہ سے دست

بدعا ہوئے تھے کہ ان میں سے کردئے جائیں تو ان کی یہ شفقت دلی طور پر خود کو اس امت کا ایک فرد سمجھنے کی حیثیت سے تھی۔

(فإذا ابراهيم) ابوسعید کی روایت میں ہے کہ وہ نہایت اچھی شکل وصورت میں بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے، طبری کی حدیثِ ابی ہریرہ میں ہے کہ وہ بھرے بھرے جسم والے جنت کے دروازے کے پاس کرسی پر رونق افروز تھے۔

(ثم رفعت إلى سدرة المنتهىٰ) اکثر کے ہاں یہ متکلم کا صیغہِ مجہول ہے مگر نسخہِ کشمیہنی میں واحد مؤنث کا مجہول کا صیغہ ہے، اس پر سدرۃ نائب فاعل ہے اور اِلیٰ کی بجائے (لی) ہے، ای مِن اجلی۔ بدء الخلق میں بھی یہی تھا، دونوں کی تطبیق یہ ہوگی کہ آنجناب سدرۃ المنتہیٰ کی طرف مرفوع کئے گئے اور وہ آپ کیلئے ظاہر ہوئی، رفع اِلیٰ شیء اس کے قریب کئے جانے پر بولا جاتا ہے اللہ تعالی کے فرمان: (وفُرُشٍ مَرْفُوعَة) [الواقعة: ٣٤] کی تفسیر میں أی (تُقَرَّب إليهم) کہا گیا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کی وجہِ تسمیہ مسلم کی حدیثِ ابن مسعود میں مذکور ہے، اس میں ہے نبی اکرم فرماتے ہیں مجھے سدرۃ المنتہیٰ میں لے جایا گیا جو چھٹے آسمان میں ہے اور یہاں زمین سے آنے والی اشیاء پہنچائی جاتی ہیں اور انہیں پھر قبضہ میں لے لیا جاتا ہے اسی طرح اوپر کی جانب سے آنے والے احکامات وغیرہ بھی اولا یہیں پہنچتے ہیں جہاں سے انہیں وصول کرلیا جاتا ہے، نووی کہتے ہیں چونکہ علمِ ملائکہ یہاں منتہی ہوتا ہے اسلئے یہ نام دیا گیا، کہتے ہیں یہاں سے آگے صرف نبی پاک ہی گئے ہیں، ابن حجر کہتے ہیں ان کی بات سابق الذکر حدیثِ ابن مسعود کے معارِض نہیں، بہر حال وہی اولیٰ بالاعتماد ہے، کہتے ہیں نووی نے یہ بات ابن مسعود سے بصیغہِ تمریض: (وحُكِيَ عن ابن مسعود الخ) نقل کی ہے تو گویا ان کے ہاں بھی ضعیف سمجھی گئی ہے، اس کے مرفوع ہونے کی تصریح نہیں کی۔

قرطبی المفہم میں کہتے ہیں حدیثِ انس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ساتویں آسمان میں ہے کیونکہ اس میں ساتویں آسمان کے تذکرہ کے بعد فرمایا پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ لے جایا گیا جبکہ ابن مسعود کی مشار الیہ روایت میں ہے کہ چھٹے میں ہے، تو یہ بلا شک تعارُض ہے اکثر نے حدیثِ انس کا قول ہی اختیار کیا ہے، اسکا وصف جو کعب نے بیان کیا، کہ یہ وہ مقام ہے جہاں ہر نبی مرسل اور ہر فرشتہِ مقرب کا علم منتہی ہو جاتا ہے، بھی اسی کو مقتضِی ہے، کہتے ہیں اس کے آگے غیب ہے جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے یا جسے وہ علم دے، اسماعیل بن احمد بھی اسی پر جزم کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ارواحِ شہداء کا منتہیٰ ہے مگر حدیثِ انس مرفوع ہونے کی وجہ سے راجح ہے جبکہ ابن مسعود کی حدیث موقوف ہے، گویا وہ تطبیق کی کوشش نہیں کر رہے بلکہ جزم بالتعارض کرتے ہوئے ایک کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دیتے ہیں، ابن حجر یہ تطبیق دیتے ہیں کہ اسے چھٹے آسمان میں کہنا جبکہ آپ ساتویں آسمان سے ہو کر اس کی طرف پہنچائے گئے، تعارض نہیں کیونکہ مفہوم یہ ہوگا کہ اس کی اصل چھٹے میں جبکہ شاخیں اور ٹہنیاں ساتویں تک جا پہنچتی ہیں، چھٹے میں صرف اس کا تنا ہے کتاب الصلاۃ کی حدیثِ ابی ذر میں یہ عبارت بھی گزری ہے نبی اکرم فرماتے ہیں: (فغشيها ألوان لا أدرى ما هي) کہ اس پر ایسے رنگ چھائے ہوئے تھے کہ میں نہیں جانتا وہ کیا ہیں، ابن مسعود کی مذکورہ روایت میں یہ بھی ہے: (قال الله تعالىٰ: إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشىٰ، قال فراشٌ مِن ذهب) کہ اس پر سونے کا فراش چھایا ہوا تھا گویا ما يغشىٰ کے ابہام کو فراش کے ساتھ مفسَّر کیا، یزید بن ابی مالک عن انس کی روایت میں (جراد من ذهب) ہے، بیضاوی لکھتے ہیں ذکرِ فراش علیٰ سبیل التمثیل واقع ہے کیونکہ عموما درختوں پر جراد اور اس کے مشابہ حشرات گرتے ہیں تو سدرہ پر پڑے جراد کو ان کے صفائے لون اور اضاءت کی بناء پر مِن ذَهَبٍ فرمایا، یہ بھی ممکن ہے کہ حقیقۃً سونے کے ہوں اور ان میں اڑنے کی صلاحیت پیدا کیگئی ہو، حدیثِ ابی سعید اور ابن عباس میں ہے: (يَغْشا ها

الملائكة) جبکہ بیہقی کی ابوسعید سے روایت میں ہے اس کے ہر پتہ پر ایک فرشتہ ہے، مسلم کی ثابت عن انس سے روایت ہے کہ جب اللہ کے امر سے اسے ڈھانپا جسنے ڈھانپا تو اسکا حسن و جمال اتنا بڑھا کہ کوئی اس کا وصف بیان نہیں کرسکتا۔

(فإذانبقها) نون پر زبر، باء پر زیر و جزم دونوں جائز ہیں بقول ابن دحیہ روایت میں زیر کے ساتھ ہے۔ (مثل قلال هجر) خطابی کہتے ہیں قلال قافِ مکسور کے ساتھ قلة کی جمع ہے یعنی جرار (گھڑے) گویا اس کا پھل مٹکوں کی طرح بڑا ہے مخاطبین کے ہاں یہ معروف تھے لہٰذا اس کے ساتھ مثال بیان کی، کہتے ہیں یہی ہیں جنکا ماءِ کثیر کی تحدید کے ضمن میں ایک حدیث میں یوں ذکر ہوا: (إذا كان الماء قُلّتين)، هجر تأنیث اور علَمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے، منصرفا پڑھنا بھی جائز ہے۔

(مثل آذان الفيلة) فیل کی جمع، بدء الخلق میں: (آذان الفيول) مذکور تھا، وہ بھی فیل کی جمع ہے، ابن دحیہ کہتے ہیں سدرہ (یعنی بیری کا درخت) اسلئے یہاں اختیار کیا گیا کیونکہ اس کے تین اوصاف ہیں: ظلِ ممدود، طعامِ لذیذ اور پاکیزہ خوشبو! تو یہ بمنزلہِ ایمان ہے جو قول، عمل اور نیت کا جامع ہے، ظل بمنزلہ عمل، طعم (یعنی ذائقہ) بمنزلہِ نیت اور خوشبو بمنزلہِ قول۔ (وإذا سبعة أنهار) بدء الخلق میں تھا کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں چار انہار پھوٹتی هیں، مسلم کی حدیثِ ابی هریرہ میں ہے: (أربعة أنهار من الجنة : النيل والفرات و سيحان و جيحان) تو محتمل ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ جنت میں لگایا گیا ہو (یعنی اس کی جڑیں جنت میں ہوں) اور یہ دریا اس کے نیچے سے پھوٹتے ہوں۔ (أما الباطنان الخ) ابن ابی جمرہ کہتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باطن ظاہر سے اجلّ ہے کیونکہ باطن دار البقاء اور ظاہر دار الفناء میں بنایا گیا اسی لئے باطن کا اعتبار ہوتا ہے، جیسے نبی اکرم کا فرمان ہے کہ اللہ تمہاری صورتوں کو نہیں بلکہ دلوں میں جو ہے، اسے مدنظر رکھتا ہے۔

(فالنيل والفرات) التوحید کی روایتِ شریک میں ذکر ہوگا کہ آنجناب نے آسمانِ دنیا میں دو نکلتے دریا دیکھے حضرت جبریل نے بتلایا کہ یہ نیل و فرات کے عنصر ہیں، تطبیق یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ میں یہی دو دریا جنت کے دو دریاؤں کے ساتھ مشاہدہ کئے جبکہ آسمانِ دنیا میں صرف انہیں دیکھا، عنصر سے مراد آسمانِ دنیا کے ساتھ ان کے امتیاز کا عنصر، یہ ابن دحیہ کی تاویل ہے، حدیثِ شریک میں مزید یہ بھی ہے کہ آگے آسمان پر اوپر چڑھے تو ایک ایسا دریا دیکھا جس پر لؤ لؤ اور زبرجد (زمرد کی طرح کا ایک قیمتی پتھر) کا بنا ایک محل بھی تھا، ہاتھ لگایا تو مسکِ اذفر (یعنی تیز کستوری) کی سی خوشبو آئی، پوچھا اے جبریل یہ کیا ہے؟ کہا یہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے خاص کر رکھا ہے، ابن ابی حاتم کی یزید عن انس سے روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم سے مل کر آگے گئے تو ساتویں آسمان کی سطح پر بھی ایک ایسا دریا مشاہدہ کیا جس پر موتی، یاقوت اور زبرجد کے خیمے نصب تھے، حسین و بے مثال سبز رنگ کے پرندے بھی دکھائی دئے حضرت جبرئیل نے کہا یہ کوثر ہے جو اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے، اس میں سونے و چاندی کے برتن بھی تھے اس کی تہہ یاقوت و زمرد کی تھی اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید دکھائی دیتا تھا، فرماتے ہیں میں نے چلو بھر کر پیا تو اس میں شہد سے زیادہ مٹھاس تھی اور اس سے کستوری سے بہتر خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

حدیثِ ابی سعید میں ہے کہ ایک سلسبیل نامی چشمہ دیکھا جس سے دو نہریں نکلتی تھیں ایک کا نام کوثر اور دوسری نہرِ رحمت تھی۔ ابن حجر کہتے ہیں ممکن ہے حدیثِ باب میں مذکور دو باطن نہریں یہی ہوں، مقاتل سے مروی ہے، کہتے تھے باطن دو نہریں سلسبیل و کوثر ہیں، مسلم کی ایک حدیث میں جو ہے کہ سیحان، جیحان، نیل اور فرات جنت کے دریاؤں میں سے ہیں تو یہ اس کے مغایر نہیں کیونکہ

اس سے مراد یہ ہے کہ جنت کے چار دریا ایسے ہیں جنکی اصل جنت میں ہے، تب دریائے سیحون اور دریائے جیحون کی بابت ثابت نہیں کہ ان کا منبع سدرۃ المنتھی ہے اس اعتبار سے دریائے نیل اور دریائے فرات ان پر فائق ہیں، حدیثِ باب میں مذکور باطنان غیر سیحون وجیحون ہیں۔ واللہ اعلم۔ نووی لکھتے ہیں حدیثِ ھذا سے ظاہر ہوا کہ نیل وفرات کی اصل (یعنی ان کا منبع) جنت میں ہے اسی میں بہتے ہیں پھر وہیں سے نکلتے ہیں (اور دنیا میں آ ظاہر ہوتے ہیں) یہ عقلاً محال نہیں، ظاہرِ حدیث اس کی شاہد ہے لہٰذا معتمد ہے۔ عیاض کا کہنا کہ حدیث سے دلالت ملتی ہے کہ سدرۃ المنتھی کی اصل (یعنی جڑ) زمین میں ہے کیونکہ آنجناب نے فرمایا نیل وفرات سدرۃ المنتھی کی اصل سے پھوٹتے ہیں جبکہ مشاہدہ یہ ہے کہ دونوں زمین سے ہی نکلتے ہیں تو اس سے لازم ہوا کہ اصلِ سدرہ، زمین میں ہے، تو یہ متعقب ہے کیونکہ اصلِ سدرہ سے ان کے خروج سے مراد زمین سے ان کے پھوٹنے کا غیر ہے، حاصل یہ ہے کہ سدرۃ کی اصل جنت میں ہے وہ اولاً اس کی اصل سے نکلتے ہیں پھر بہتے ہیں حتی کہ زمین میں مستقر ہو جاتے ہیں پھر پھوٹتے ہیں (شاید زیرِ زمین بہتے ہوئے جنت سے آتے ہیں پھر ظاہری منابع سے پھوٹ کر زمین میں بہتے ہیں)۔

اس سے نیل وفرات کے پانی کی فضیلت پر استدلال کیا گیا ہے کیونکہ ان کا اصل منبع جنت میں ہے اس طرح سیحون اور جیحون بھی، قرطبی کہتے ہیں شائد ان دونوں کا حدیثِ معراج میں اسلئے ذکر نہیں ہوا کیونکہ دونون بالراس اصل نہیں، محتمل ہے کہ نیل وفرات کے منابع سے پھوٹتے ہوں، ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کے پانی کی عذوبت وحلاوت اور ان کی برکت وحسن کیوجہ سے جنت کے دریاؤں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے انہیں جنتی دریا قرار دیا، مگر اول اولی ہے۔

ابن حجر فرات کی بابت بعنوانِ تنبیہ لکھتے ہیں کہ قراءاتِ مشہورہ میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں اسے تائے طویلہ کے ساتھ ہی لکھا جاتا ہے البتہ قراءتِ شاذہ میں اسے تائے تأنیث سے بھی (یعنی گول تاء) پڑھا گیا ہے، ابو المظفر بن لیث نے اسے تابوت کے ساتھ تشبیہ دی ہے جسے تابوۃ بھی لکھا جاتا ہے۔

(ثم رفع لی البیت المعمور) کشمیہنی کے نسخہ میں یہ عبارت بھی ہے: (یدخله كلَ یوم سبعون ألف ملك) کہ اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، بدء الخلق میں اس عبارت کے ساتھ مزید یہ بھی تھا کہ ایک دفعہ نکل جائیں تو دوبارہ موقع نہیں ملتا، قتادۃ کی انس عن مالک بن صعصعہ سے روایت میں بھی یہ ہے، وہاں بیان کیا تھا کہ یہ مُدرَج ہے، مسلم کی ثابت عن انس سے روایت میں ہے: (ثم لایعود ون إلیه أبدا) ابن اسحق کی حدیثِ ابوسعید میں (إلی یوم القیامة) بھی ہے، بزار کی حدیثِ ابی ہریرہ میں ہے کہ وہاں سفید چہروں والے کچھ لوگ دیکھے اور کچھ ایسے جنکے رنگوں میں گدلا پن تھا، وہ ایک نہر میں داخل ہوئے، نہا کر باہر نکلے تو ان کے رنگ صاف ہو چکے تھے حضرت جبریل نے آگاہ کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نیک عملوں کے ساتھ ساتھ برے بھی کئے۔ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ فرشتے تعداد میں تمام مخلوقات سے زیادہ ہیں کیونکہ تمام عوالم کی کسی مخلوق کے بارہ میں مذکور نہیں کہ روزانہ ستر ہزار نئے پیدا ہوتے ہوں (انسانوں میں ممکن ہے ستر ہزار نومولود روزانہ یا اس سے بھی زائد ہوتے ہوں مگر کم و بیش اتنے ہی مرتے بھی ہوں گے مگر فرشتوں کے بارہ میں کہیں مذکور نہیں کہ مرتے ہیں، بیتِ معمور میں ہر روز ستر ہزار ایسے فرشتے داخل ہوتے ہیں جو پہلے وہاں نہیں آئے اور پھر جب نکلتے ہیں تو دوبارہ انہیں موقع نہیں ملتا، گویا ہر گروپ کیلئے ایک دن خاص ہے، لاکھوں ایام سے یہ سلسلہ جاری وساری ہے تو ان کی تعداد وہم وگمان سے بھی ماورا ہے)۔

(هی الفطرة الخ) یعنی دینِ اسلام، قرطبی لکھتے ہیں محتمل ہے کہ دودھ کو فطرت کہنے کا سببِ تسمیہ یہ ہو کہ وہ اولین غذا ہے جو نومولود کے پیٹ میں جاتی ہے، آنجناب چونکہ اس کے ساتھ مألوف تھے لہذا اسی کی طرف مائل ہوئے، اس روایت میں ان برتنوں کا پیش کیا جانا، سدرۃ المنتہی پہنچنے کے بعد مذکور ہے جبکہ الأشربۃ کی شعبۃ عن قتادۃ عن انس سے روایت میں سدرۃ کے ذکر کے بعد، بجائے (ثم) کے (واو) کے ساتھ ہے: (و أتيت بثلاثة أقداح) یہ روایتِ باب کے موافق ہے البتہ شعبہ نے سند میں مالک بن صعصعہ کا ذکر نہیں کیا، ابن عائذ کی حضرت ابو ہریرہ سے حدیثِ معراج میں حضرت ابراہیم کے تذکرہ کے بعد ہے: (ثم انطلقنا فإذا نحن بثلاثة آنية مغطاة الخ) اس میں آنجناب کے اولا تھوڑا سا شہد پینے پھر سیر ہو کر دودھ پینے کا ذکر ہے پھر حضرت جبریل نے کہا تیسرے برتن سے کچھ نوش نہ کریں گے؟ فرمایا میں اب سیر ہو چکا ہوں! اس پر انہوں نے کہا: (وفقك الله)۔

بزار کی اسی سند کے ساتھ روایت میں ہے کہ یہ واقعہ بیت المقدس میں پیش آیا، اس کے علاوہ پہلے برتن میں بجائے شہد کے پانی کا ذکر ہے، احمد کی ابن عباس سے روایت میں ہے کہ مسجد اقصی میں جب نماز سے فارغ ہوئے تو دو پیالے لائے گئے، ایک میں دودھ اور دوسرے میں شہد تھا آپ نے دودھ والا پیالہ لیا، مسلم کی ثابت عن انس سے روایت میں بھی یہی ہے، شداد بن اوس کی روایت میں ہے کہ جب میں مسجد اقصی میں نماز سے فارغ ہوا تو سخت پیاس محسوس ہوئی، دو برتن لائے گئے ایک میں دودھ اور دوسرے میں شہد تھا، دودھ لیا تو ایک شیخ نے حضرت جبریل سے کہا تمہارے ساتھی نے فطرت کو لیا ہے، ابن اسحاق کی ابو سعید سے روایت میں ہے کہ انبیاء کی امامت کے بعد تین برتن لائے گئے، ایک میں دودھ ایک میں شراب اور ایک میں پانی تھا، میں نے دودھ لیا، بخاری کی کتاب الأشربۃ کی روایتِ سعید بن میسّب عن ابی ہریرہ میں ہے کہ آنجناب کیلئے شبِ اسراء ایلیاء (یعنی موجوہ تل ابیب) میں ایک برتن شراب سے بھرا ہوا اور ایک دودھ سے بھرا لایا گیا، آپ نے دودھ والا لیا، اس پر جبریل کہنے لگے الحمد اللہ کہ اس نے فطرت کی طرف آپ کی رہنمائی کی، اگر آپ شراب لیتے تو آپکی امت گمراہ ہو جاتی، مسلم میں بھی یہی ہے۔ بیہقی کی عبدالرحمٰن بن ہشام بن عتبہ عن انس سے روایت میں ہے کہ پانی، شراب اور دودھ پیش کئے گئے آپ نے دودھ لیا، اس پر جبریل نے کہا آپ نے فطرت کو پایا، اگر پانی لیتے تو آپ بھی اور آپ کی امت بھی غرق ہوتی اور اگر شراب لیتے تو آپ بھی اور آپ کی امت بھی گمراہ ہو جاتے، اس اختلافِ روایات کا حل یہ ہوگا کہ یا تو (ثم) کو محمول علیٰ غیرِ بابہا یعنی واو کے معنی پر، کیا جائے، یا یہ کہ دو مرتبہ یہ برتن پیش کئے گئے، ایک دفعہ مسجد اقصیٰ میں نماز سے فراغت کے بعد جب آپ کو پیاس لگی اور دوسری دفعہ جب آپ سدرۃ المنتہی پہنچے اور وہاں مذکورہ بالا چار دریاؤں کا مشاہدہ کیا، جہاں تک دو یا تین برتنوں کا اختلاف ہے تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ بعض رواۃ نے وہ کچھ یاد رکھا جو بعض سے نہ ہوا، کل چار برتن تھے جن میں چار اشیاء تھیں، ان چار دریاؤں سے جو اصلِ سدرہ سے نکلتے دیکھے، طبری کی حدیثِ ابی ہریرہ میں ہے کہ اصلِ سدرہ سے چار دریا نکلتے پائے، ایک مین (ماء غيرِ آسِن) دوسرے میں (لبن لَمْ يتغير طَعمُه) تیسرے میں (خمرِ لذةِ لِلشاربين) اور چوتھے میں (عسل مُصفىٰ)۔ (یہ چاروں اشیاء انہی الفاظ کے ساتھ سورۂ محمد میں مذکور ہیں) تو شائد ہر دریا کا مشروب پیش کیا گیا، کعب سے منقول ہے کہ دریائے نیل شہد کا، جیحون دودھ کا، فرات شراب کی اور سیحون پانی کا تھا۔

(ثم فرضت على الصلاة) کتاب الصلاۃ میں اس کی بحث گزر چکی ہے، شبِ معراج کے ساتھ فرضیتِ نماز کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ وہاں آپ نے فرشتوں کو مصروفِ عبادت دیکھا کوئی قیام میں تھا تو کوئی رکوع میں اور کوئی سجود میں، تو اللہ تعالی نے یہ

سب ہیئات بصورتِ نماز آپ کی امت کیلئے جمع کر دیں، ہر رکعت انسب عبادات کی جامع ہے، یہ توجیہہ ابن ابی جمرہ نے کی ہے۔ پھر براہِ راست نماز کا فرض کیا جانا جو متعدد مرتبہ کے مراجعات میں مکمل ہوا، اہمیت اور عظمت پر دلالت کناں ہے۔

(أمضيت فريضتي الخ) كتاب الصلاة کی روایتِ انس میں یہ بھی تھا: (هُنَ خمسٌ و هن خمسون)، مسلم کی انس سے روایت میں مزید صراحت ہے کہ اے محمد یہ ایک دن ورات کی پانچ نمازیں ہیں، ہر نماز دس کے مساوی ہوگی تو پانچ کا اجر پچاس کے برابر ملے گا، مزید یہ جملہ بھی تھا: (و مَن هَمَّ بِحسنة فلم يعملها كُتِبت له حسنته) اس پر کتاب الرقاق میں بحث ہوگی۔ نسائی کی حضرت انس سے روایت میں ہے کہ میں سدرۃ المنتہی پہنچا تو ایک ضبابہ (یعنی کہرسی) چھا گئی، میں سجدے میں گر پڑا، آواز آئی میں نے اسی دن سے جب آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی، آپ پر اور آپکی امت پر پچاس نمازیں فرض کر دی تھیں تو آپ اور آپکی امت اسے بجالائیں، اس میں حضرت موسی کی مراجعت کے ضمن میں ہے کہ بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض کی گئی تھیں وہ ان کی بھی اقامت نہ کر سکے، اس کے آخر میں ہے: (فخمس بخمسين فقُمْ بها أنت و أمتك) یہ پانچ پچاس کے برابر ہیں تو آپ اور آپ کی امت انہیں ادا کریں، فرمایا اس پر میں سمجھ گیا کہ اب یہ اللہ کی طرف سے عزمہ ہیں لہٰذا حضرت موسی کے کہنے کے باوجود پھر مراجعت نہ کی۔ (فلما جاوزت ناداني الخ) یہ اس امر کی قوی دلیل ہے کہ معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم سے بلا واسطہ کلام کی۔

ابن حجر آخرِ بحث تکملہ کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں کہ کئی دیگر روایاتِ معراج میں کچھ ایسی زیادات ہیں جو روایتِ ھذا میں موجود نہیں، مثلاً کتاب الصلاۃ کی روایت میں ایک ایسی جگہ جانے کا ذکر تھا جہاں آپ نے صریفِ اقلام سنا (یعنی قلموں کے لکھنے کی آواز)، آگے التوحید کی روایتِ شریک عن انس میں ہے کہ سدرۃ المنتہی پہنچے اور رب العزت کی ذات قریب ہوئی: (فتَدَلّىٰ فكانَ قابَ قَوْسَيْنِ أوْأدْنىٰ فأوْ حىٰ إليه خمسين صلاة) یہ زیادت باعثِ اشکال ہے اس پر کتاب التوحید میں مفصل بحث ہوگی۔ ابوذر کی روایت میں یہ زیادت ہے کہ میں جنت میں داخل ہوا وہاں جنابذِ لؤلؤ (یعنی موتیوں سے بنیں بلند عمارات) دیکھیں، وہاں کی مٹی کستوری تھی، مسلم کی ھمام عن قتادہ عن انس سے روایت میں ہے کہ جنت میں داخل ہوا ایک نہر دیکھی جس کے کناروں پہ درِّ مجوف کے قباب نصب تھے (یعنی لعل سے بنے قبے) اس کی تہ مسکِ اذفر تھی، حضرت جبریل نے کہا یہ کوثر ہے، ابن ابی حاتم اور ابن عائذ کی یزید عن انس سے روایت میں ہے ہم درخت (یعنی سدرۃ) کے پاس پہنچے وہاں مجھ پہ ایک رنگا رنگ بادل چھا گیا جبریل پیچھے رہ گئے، میں سجدہ میں گر پڑا، مسلم کی حدیثِ ابن مسعود میں ہے کہ نبی اکرم کو پانچ نمازیں اور سورہِ بقرۃ کی آخری آیات عطا کی گئیں اور خوشخبری بھی کہ آپکی امت کے مقحمات یعنی کبیرہ گناہ بخش دئے جائینگے بشرطے کہ شرک نہ کیا ہو، اس میں مزید ہے پھر جب وہ چھایا ہوا بادل سا دور ہوا تو جبریل میرا ہاتھ تھامے جلدی سے واپس آئے، حضرت ابرہیم سے گزر ہوا وہ کچھ نہ بولے پھر حضرت موسی کے پاس پہنچے، انہوں نے پوچھا کیا ہوا؟ اس میں یہ بھی ہے کہ میں نے جبریل سے کہا میں اہل سماوات میں سے جس کسی کے پاس سے بھی گزرا ہوں اور اسے سلام کہا ہے تو اس نے جواب دیا، خوش آمدید کہا اور ہنس کر استقبال گیا مگر ایک شخص (یہاں رجل کا لفظ مستعمل ہے: غیر رجل واحد، گویا فرشتہ پر رجل کے لفظ کا اطلاق کیا شائد اس وقت سب فرشتے انسانی اشکال اختیار کئے ہوئے تھے تا کہ آنجناب کا تأنیسِ قلب ہو) نے سلام کا جواب تو دیا، خوش آمدید بھی کہا مگر سنجیدہ انداز میں، بشاشت نہیں پائی؟ انہوں نے بتلایا اے محمد وہ مالک ہے داروغہِ جہنم، جب سے پیدا

ہوا اس کے لبوں پہ ہنسی نہیں آئی، اگر ہنسنا ہوتا تو آپ کے ساتھ ضرور ہنستا۔

احمد اور ترمذی کی حدیثِ حذیفہ میں ہے کہ آسمان کے دروازے کھولے گئے، جنت وجہنم کو ملاحظہ کیا اور آخرت کے ضمن میں کیے گئے تمام وعدوں کا بھی، حدیثِ ابی سعید میں ہے جنت میں گئے، دیکھا کہ اس کے انار ڈول جیسے اور پرندے اونٹوں کی جسامت کے ہیں، نارِ جہنم کا ملاحظہ کیا تو دیکھا کہ اگر اس میں پتھر اور لوہا پھینکا جائے تو انہیں کھا جاتی ہے، حدیثِ شداد بن اوس میں جہنم کی بابت یہ الفاظ ہیں: (فإذا جهنم تكشف عن مثل الزرابي و وجدتها مثل الحمة السخنة)، یہ بھی مذکور ہے کہ اسے وادی بیت المقدس میں دیکھا، ابن ابی حاتم کی یزید بن ابو مالک عن انس سے روایت میں ہے کہ جبریل ایک موقع پہ کہنے لگے کیا آپ نے اللہ تعالیٰ سے حورِ عین دیکھنے کی خواہش ظاہر نہیں کی؟ فرمایا ہاں، کہنے لگے تو آئیں ان کی طرف چلئے اور انہیں سلام کہئے، فرمایا میں گیا، سلام کہا انہوں نے جواب دیا، میں نے پوچھا کون ہو؟ کہنے لگیں: (خيراتٌ حِسان)۔ (سورۃ الرحمٰن میں یہ آیت موجود ہے)۔ ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود عن ابیہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابرہیم کہنے لگے اے بیٹے تمہاری آج رات اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہونے والی ہے اور تمہاری امت آخر اور اضعف الأمم ہے، کوشش کرنا کہ اپنی امت کے بارہ میں اللہ سے رعائتیں حاصل کرسکو، واقدی نے اپنی اسانید کے ساتھ نقل کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ سے جنت وجہنم کے مشاہدہ کا سوال کیا کرتے تھے تو ہجرت سے اٹھارہ ماہ قبل ہفتہ سترہ رمضان کی رات (جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات) آپ اپنے گھر میں ظہر کے وقت محوِ خواب تھے کہ حضرت جبریل اور میکائیل آئے، کہنے لگے اب آپکے سوال کے جواب کا وقت آگیا ہے چلئے، تو پہلے مقامِ ابراہیم اور زمزم کے درمیان لیکر آئے پھر معراج لائی گئی جو نہایت احسن منظر والی تھی، آسمانوں کی طرف چڑھے، انبیاء سے ملاقات ہوئی، سدرۃ المنتہیٰ پہنچے اور جنت وجہنم کا مشاہدہ کیا۔

ابن حجر کہتے ہیں اگر یہ ثابت ہے (شائد ثابت نہ ہو، واقدی رطب ویابس بیان کرنے کے عادی تھے، واقعہِ کربلاء خوب نمک مرچ لگا کر بیان کیا، پھر یہاں بھی ایک تضاد بیانی کا مظاہرہ کیا وہ یہ کہ اولا کہا: فلما كانت ليلة السبت الخ یعنی جب ہفتہ کی رات ہوئی اور آگے جا کر کہتے ہیں: وهو نائم في بيته ظهرا۔ کہ آپ گھر میں ظہر کے وقت سوئے ہوئے تھے، اب ظاہر ہے رات میں تو ظہر نہیں ہوتی) تو یہ کوئی دیگر معراج ہوگی کیونکہ یہاں دوپہر کا ذکر موجود ہے، مگر تعدد قرار دینے کے ضمن یہ امر معکر ہے کہ یہاں بھی فرضیتِ نماز کا تذکرہ ہے ہاں اگر اسے اس امر پر محمول کیا جائے کہ یہ تکرارِ فرضیت برائے تاکید تھی، تو چل سکتی ہے۔ حدیثِ باب سے ثابت ہوا کہ آسمان کے حقیقی دروازے ہیں اور ان پر دربان بھی مقرر ہیں، استئذان یعنی اجازت لیکر اندر آنا بھی ثابت ہوا اور یہ کہ اجازت کا طالب اپنا نام بتلائے یہ نہ کہے کہ میں ہوں یہ بھی کہ گزرنے والا اگرچہ افضل ہی کیوں نہ ہو، بیٹھے ہوئے پر سلام کہے، انسان کے منہ پر اس کی تعریف کرنیکا جواز بھی ثابت ہوا بشرطے کہ اس سے وہ فتنۂ عُجب وتکبُر میں مبتلا نہ ہو، یہ بھی ثابت ہوا کہ قبلہ کے ساتھ کمر ٹکا کر (یا اس کی طرف کمر کر کے) بیٹھ سکتا ہے (البتہ قبلہ کی طرف ٹانگیں پھیلا کر بیٹھنا جیسا کہ خانۂ خدا میں عربی اور افریقی حضرات بیٹھے ہوتے ہیں، بظاہر معیوب اور خلافِ ادب ہے اگرچہ صراحۃً کہیں اس کی نہی وارد نہیں مگر جو چیز ہمارے عرف میں خلاف ادب متصور کی جاتی ہے وہ کعبہ کے ضمن میں بھی ہونی چاہئے، اب کون نانہجار بزرگوں کی طرف پاؤں پھیلاتا ہوگا) کیونکہ حضرت ابراھیم بیت المعمور، جو کعبہ کی مانند ہر طرف سے قبلہ ہے، کے ساتھ کمر ٹکائے بیٹھے تھے۔

حکم کا وقوعِ فعل سے قبل ہی منسوخ ہونا بھی ثابت ہوا، اس بارے کتاب الصلاۃ میں بحث گزر چکی ہے، یہ بھی ظاہر ہوا کہ

رات کا سفر بنسبت دن کے سفر کے افضل ہے کیونکہ اسراء کا سفر رات میں ہوا اسی لئے آنجناب کا اکثر سفر بھی اور اکثر عبادت بھی رات کے اوقات میں ہوتی تھی آپکا فرمان ہے: (عليكم بالدلجة فإن الأرض تُطوىٰ بالليل) یعنی رات کو سفر کیا کرو کہ زمین رات کے وقت سکیڑ دی جاتی ہے۔ ابن ابو جمرہ کہتے ہیں اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مقامِ خلت مقامِ رضا وتسلیم ہے جبکہ مقامِ تکلیم مقامِ ادلال و انبساط ہے اسی لئے حضرت موسیٰؑ نے نبی اکرم سے مراجعت کی بابت بار بار اصرار کیا جبکہ آنجناب ان سے پہلے حضرت ابراھیم سے گزر کر آئے تھے مگر وہ خاموش رہے حالانکہ ان کے ساتھ آنجناب کا جو تعلقِ خاطر اور نسبت ہے وہ حضرت موسی کے ساتھ نہیں اور آپ انہی کی ملت پہ گامزن تھے بعض دیگر اھل علم اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ حضرت موسی چونکہ نماز کے معاملہ میں اپنی امت کی جانب سے ایک تلخ تجربہ کا شکار ہو چکے تھے تو یہ امر باعث بنا کہ نبی اکرم سے بار بار مراجعت پر اصرار کریں۔ حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جنت اور دوزخ پیدا کی جا چکی ہیں کیونکہ اس کے بعض طرق میں ہے: (عُرِضَتُ على الجنة والنار) اس بابت بدء الخلق میں بحث گزر چکی ہے۔ اللہ تعالی سے اکثارِ سوال اور اس کے ہاں تکثیرِ شفاعت کا استحباب بھی ثابت ہوا، بلا طلب دوسرے کے ساتھ خیر خواہی اور اچھا مشورہ (اپنی دانست میں) دینے کی فضیلت (اور جواز) بھی ظاہر ہوئی۔

3887حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ ؓ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ حَدَّثَهُمْ عَنْ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ بَيْنَمَا أَنَا فِي الْحَطِيمِ وَرُبَّمَا قَالَ فِي الْحِجْرِ مُضْطَجِعًا، إِذْ أَتَانِي آتٍ فَقَدَّ قَالَ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ فَشَقَّ مَا بَيْنَ هَذِهِ إِلَى هَذِهِ فَقُلْتُ لِلْجَارُودِ وَهُوَ إِلَى جَنْبِي مَا يَعْنِي بِهِ قَالَ مِنْ ثُغْرَةِ نَحْرِهِ إِلَى شِعْرَتِهِ، وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ مِنْ قَصِّهِ إِلَى شِعْرَتِهِ فَاسْتَخْرَجَ قَلْبِي، ثُمَّ أُتِيتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مَمْلُوءَةٍ إِيمَانًا، فَغُسِلَ قَلْبِي ثُمَّ حُشِيَ، ثُمَّ أُوتِيتُ بِدَابَّةٍ دُونَ الْبَغْلِ وَفَوْقَ الْحِمَارِ أَبْيَضَ .فَقَالَ لَهُ الْجَارُودُ هُوَ الْبُرَاقُ يَا أَبَا حَمْزَةَ قَالَ أَنَسٌ نَعَمْ، يَضَعُ خَطْوَهُ عِنْدَ أَقْصَى طَرْفِهِ فَحُمِلْتُ عَلَيْهِ، فَانْطَلَقَ بِي جِبْرِيلُ حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَاسْتَفْتَحَ، فَقِيلَ مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ .قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ .قِيلَ وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ .قِيلَ مَرْحَبًا بِهِ، فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ فَفَتَحَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ، فَإِذَا فِيهَا آدَمُ، فَقَالَ هَذَا أَبُوكَ آدَمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ .فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالِابْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ .ثُمَّ صَعِدَ حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ الثَّانِيَةَ فَاسْتَفْتَحَ، قِيلَ مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ .قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ .قِيلَ وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ .قِيلَ مَرْحَبًا بِهِ فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ .فَفَتَحَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ، إِذَا يَحْيَى وَعِيسَى، وَهُمَا ابْنَا الْخَالَةِ قَالَ هَذَا يَحْيَى وَعِيسَى فَسَلِّمْ عَلَيْهِمَا .فَسَلَّمْتُ فَرَدَّا، ثُمَّ قَالَا مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ .ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ، فَاسْتَفْتَحَ قِيلَ مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ .قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ .قِيلَ وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ .قِيلَ مَرْحَبًا بِهِ، فَنِعْمَ

الْمَجِيءُ جَاءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ إِذَا يُوسُفُ. قَالَ هَذَا يُوسُفُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ. فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ، ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ، ثُمَّ صَعِدَ بِي حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ الرَّابِعَةَ، فَاسْتَفْتَحَ، قِيلَ مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ. قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ. قِيلَ أَوَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ. قِيلَ مَرْحَبًا بِهِ، فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ. فَفُتِحَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ إِلَى إِدْرِيسَ قَالَ هَذَا إِدْرِيسُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ. فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ. ثُمَّ صَعِدَ بِي حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ الْخَامِسَةَ، فَاسْتَفْتَحَ، قِيلَ مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ. قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ ﷺ. قِيلَ وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ. قِيلَ مَرْحَبًا بِهِ، فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ. فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا هَارُونُ قَالَ هَذَا هَارُونُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ. فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ. ثُمَّ صَعِدَ بِي حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ السَّادِسَةَ، فَاسْتَفْتَحَ، قِيلَ مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ. قِيلَ مَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ. قِيلَ وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ. قَالَ مَرْحَبًا بِهِ، فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ، فَإِذَا مُوسَى قَالَ هَذَا مُوسَى فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ. فَلَمَّا تَجَاوَزْتُ بَكَى، قِيلَ لَهُ مَا يُبْكِيكَ قَالَ أَبْكِي لأَنَّ غُلاَمًا بُعِثَ بَعْدِي، يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِهِ أَكْثَرُ مَنْ يَدْخُلُهَا مِنْ أُمَّتِي. ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، قِيلَ مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ. قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ. قِيلَ وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. قَالَ نَعَمْ. قَالَ مَرْحَبًا بِهِ، فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ فَلَمَّا خَلَصْتُ، فَإِذَا إِبْرَاهِيمُ قَالَ هَذَا أَبُوكَ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ. قَالَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَرَدَّ السَّلاَمَ قَالَ مَرْحَبًا بِالاِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ. ثُمَّ رُفِعَتْ لِي سِدْرَةُ الْمُنْتَهَى، فَإِذَا نَبْقُهَا مِثْلُ قِلاَلِ هَجَرَ، وَإِذَا وَرَقُهَا مِثْلُ آذَانِ الْفِيَلَةِ قَالَ هَذِهِ سِدْرَةُ الْمُنْتَهَى، وَإِذَا أَرْبَعَةُ أَنْهَارٍ نَهْرَانِ بَاطِنَانِ، وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ. فَقُلْتُ مَا هَذَانِ يَا جِبْرِيلُ قَالَ أَمَّا الْبَاطِنَانِ، فَنَهْرَانِ فِي الْجَنَّةِ، وَأَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالنِّيلُ وَالْفُرَاتُ. ثُمَّ رُفِعَ لِي الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ، ثُمَّ أُتِيتُ بِإِنَاءٍ مِنْ خَمْرٍ، وَإِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ وَإِنَاءٍ مِنْ عَسَلٍ، فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ، فَقَالَ هِيَ الْفِطْرَةُ أَنْتَ عَلَيْهَا وَأُمَّتُكَ. ثُمَّ فُرِضَتْ عَلَيَّ الصَّلَوَاتُ خَمْسِينَ صَلاَةً كُلَّ يَوْمٍ. فَرَجَعْتُ فَمَرَرْتُ عَلَى مُوسَى، فَقَالَ بِمَا أُمِرْتَ قَالَ أُمِرْتُ بِخَمْسِينَ صَلاَةً كُلَّ يَوْمٍ. قَالَ إِنَّ أُمَّتَكَ لاَ تَسْتَطِيعُ خَمْسِينَ صَلاَةً كُلَّ يَوْمٍ، وَإِنِّي وَاللَّهِ قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ، وَعَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ، فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ

لأُمَّتِكَ .فَرَجَعْتُ، فَوَضَعَ عَنِّى عَشْرًا، فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى فَقَالَ مِثْلَهُ، فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّى عَشْرًا، فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى فَقَالَ مِثْلَهُ، فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّى عَشْرًا، فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى فَقَالَ مِثْلَهُ، •فَرَجَعْتُ فَأُمِرْتُ بِعَشْرِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ، فَرَجَعْتُ فَقَالَ مِثْلَهُ، فَرَجَعْتُ فَأُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ، فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى، فَقَالَ بِمَا أُمِرْتَ قُلْتُ أُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ .قَالَ إِنَّ أُمَّتَكَ لاَ تَسْتَطِيعُ خَمْسَ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ، وَإِنِّى قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ، وَعَالَجْتُ بَنِى إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ، فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لأُمَّتِكَ .قَالَ سَأَلْتُ رَبِّى حَتَّى اسْتَحْيَيْتُ، وَلَكِنْ أَرْضَى وَأُسَلِّمُ قَالَ فَلَمَّا جَاوَزْتُ نَادَى مُنَادٍ أَمْضَيْتُ فَرِيضَتِى وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِى .أطرافه 3207، 3393، 3430۔ (دیکھئے اسی جلد کا سابقہ حوالہ)

عمرو سے مراد ابن دینار ہیں۔(هی رؤيا عين الخ) ابن حجر لکھتے ہیں اس حدیث کا باب المعراج کے تحت نقل کرنا اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک اسراء ومعراج ایک ہی رات میں وقوع پذیر ہوئے، بعض کو ان کے الگ الگ تراجم سے وہم ہوسکتا تھا کہ وہ ایسا نہیں سمجھتے الصلاۃ میں ان کا ترجمہ:(فرضت الصلاة علی النبیؐ لیلة الإسراء) بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے ابن عباس کی اس کلام سے ان بعض اھل علم نے تمسک کیا ہے جو معراج واسراء کو عالمِ خواب کا معاملہ قرار دیتے ہیں اور وہ حضرات بھی اسی سے دلیل پکڑتے ہیں جو اسے بیداری کا واقعہ کہتے ہیں، پہلے حضرات کا تمسک لفظِ رؤیا سے ہے کیونکہ یہ رؤیا المنام سے مختص ہے، دوسروںؒ نے ان کے قول: (أريها ليلة الإسراء) سے تمسک کیا، اسراء بیداری کے عالم میں تھا وگرنہ کفارِ مکہ انکار ہی کیوں کرتے، جیسا کہ بحث گزری۔ اگر اسراء بیداری کی حالت میں تھا اور معراج بھی اسی رات ہوئی تو تعین ہوا کہ وہ بھی حالت بیداری میں تھی کیونکہ کسی نے یہ نہیں کہا کہ آپ بیت المقدس پہنچ کر سو گئے تھے پھر اسی حالت میں معراج ہوئی اگر اسکا بیداری میں ہونا ثابت ہوا تو ظاہر ہوا کہ یہاں ابن عباس کا رؤیا کے لفظ کو عین کی طرف مضاف کرنا اس کی قلب کی طرف اضافت سے احتراز کے بطور ہے، اللہ تعالیٰ نے دل کی رؤیت کا قرآن میں ذکر کیا ہے:(ما كَذَبَ الفُؤَادُ مَا رَأىٰ) [النجم: ۱۱] اور آنکھ کی رؤیت کا بھی:(ما زَاغَ البَصَرُ وَ مَا طَغىٰ لَقَدْ رَأىٰ مِنْ آياتِ رَبِّهِ الْكُبرىٰ) [النجم : ۱۷۔۱۸]۔

طبرانی نے اوسط میں قوی اسناد کے ساتھ ابن عباس سے نقل کیا ہے:(راىٰ محمدٌ ربَّه مرَّتين) کہ محمدؐ نے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا انہی سے ایک اور روایت میں ہے:(نظرَ محمد إلى ربه) ، کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو شرفِ تکلیم، حضرت ابراھیم کو مقامِ خلت اور نبی پاک کو دولتِ دیدار سے نوازا، تو اس سے ثابت ہوا کہ ابن عباس کی رؤیت الأعین سے یہاں مراد وہ سارے مناظر جو آپ نے اس رات مشاہدہ کئے، اس سے ان حضرات کا بھی رد ہوا جو کہتے ہیں اس آیت میں مذکور اس رؤیت سے مراد آنجناب کا وہ خواب ہے جس میں دیکھا کہ آپ مسجد حرام میں داخل ہوئے ہیں، وہی جسکا ذکر اس آیت میں ہے:(لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَه الرُّؤْيا بِالْحَقِ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ الخ) [الفتح:۲۷] یہ حضرات کہتے ہیں کہ (فتنةٌ لِلناس) سے اشارہ حدیبیہ کے

موقع پر اہل مکہ کے آڑے آنا اور آگے جانے کی اجازت نہ دینے کی طرف ہے، بقول ابن حجر یہ اگرچہ ممکن ہے مگر زیادہ اولیٰ یہی ہے کہ ترجمان القرآن (یعنی ابن عباس) کی بیان کردہ تفسیر پر اعتماد کیا جائے۔ سلف نے اس معاملہ میں باہم اختلاف کیا ہے کہ آیا نبی اکرم نے اس رات اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا یا نہیں! حضرت عائشہ اور ایک گروہ اس کا منکر ہے جبکہ ابن عباس مع ایک گروہ کے اس کے مثبت ہیں، اس بارے مبسوط بحث تفسیر سورۃ النجم میں ہوگی۔

(وهي شجرة الزقوم) آیت میں مذکور (الشجرة الملعونة) کی تفسیر و مراد کا بیان مقصود ہے، اس بارے کئی اور اقوال بھی منقول ہیں جنکی تفصیل کتاب التفسیر میں آئے گی۔

علامہ انور حدیث کے الفاظ: (إذا يحيىٰ و عيسىٰ الخ) کے تحت رقم کرتے ہیں کہ لعینِ قادیان کہتا ہے اگر حضرت عیسی زندہ ہیں تو اس موقع پر وہ آنجناب کو یہ بات بتلاتے مگر انہوں نے ایک حرف نہیں کہا، کہتے ہیں کیوں نہیں؟ انہوں آپ سے اس بارے بات کی جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے، حاشیہ میں مولانا بدر ابن ماجہ کی اس روایت کو پیش کرتے ہیں اس میں ہے کہ انبیاء کی اس باہمی ملاقات کے موقع پر قیامت کا ذکر چھڑ گیا، اولا حضرت ابراہیم سے اس کی آمد کے بارہ میں پوچھا مگر ان کے پاس اس بابت کوئی علم نہ تھا، حضرت موسی سے پوچھا گیا انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا، بات حضرت عیسی تک پہنچی تو انہوں نے کہا اس کے قرب کے احوال مجھے بتلائے گئے ہیں، چنانچہ خروجِ دجال، اپنے نزول اور دجال کے ان کے ہاتھوں مارے جانے کا تذکرہ کیا، پھر جنگ کا اختتام ہوگا لوگ اپنے اپنے ملکوں میں واپس جائیں گے تو یاجوج ماجوج آئے ہوئے ہوں گے، ہر چیز کو ملیا میٹ کرتے جائینگے لوگ اللہ تعالیٰ سے طالبِ پناہ ہوں گے، میں بھی دست بدعا ہوں گا آخر انہیں تباہ و برباد اور ہلاک کر دیا جائے گا۔

(نهران باطنان و نهران ظاهران) کی بابت کہتے ہیں جہاں تک ظاہران کا تعلق ہے تو ان کے مبادئ یہاں سے متسلسل ہو کر وہاں تک پہنچتے ہیں پھر سطحِ زمین پر آ ظاہر ہوتے ہیں، جہاں تک باطنان کا تعلق ہے وہ عالمِ غیب ہی میں باقی ہیں عالمِ شہادت میں ان کا ظہور نہیں ہوا، پہلے کہہ چکا ہوں کہ یہ اطلاق اسم الشئ علی مبادیہ کے باب سے ہے طب اور منطق میں اس کی کثیر مثالیں ہیں اب نیل مصر میں اور فرات عراق میں ہے مگر عالمِ غیب میں ان کے مبدأ پر بھی یہی نام استعمال کئے، اگر کسی کے پاس غیب میں دیکھنے والی آنکھیں ہوں تو انہیں دیکھ سکتا ہے، (والشجرة الملعونة) کی بابت لکھتے ہیں کہ اسکا ذکر معراج کے ساتھ اسلئے مقرون کیا کیونکہ معراج کی مانند اس پر بھی کفار طعن زن ہوتے تھے، کہتے تھے اگر یہ جہنم میں ہے تو آگ اسے کھاتی کیوں نہیں۔

43 باب وُفُودُ الأَنْصَارِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِمَكَّةَ وَبَيْعَةُ الْعَقَبَةِ (مکہ میں انصار کی آمد اور بیعتِ عقبہ)

ابن اسحاق لکھتے ہیں نبی اکرم نے حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد طائف کا سفر کیا تاکہ انہیں دعوتِ اسلام دیں، ان کے انکار پر مکہ آگئے اور مواسمِ حج میں قبائلِ عرب کے آنے والے وفودِ حج کو ملنا اور ان پر اسلام پیش کرنا شروع کیا، مختلف اسانید سے بیان کرتے ہیں کہ اس ضمن میں کندہ، بنی کعب، بنی حذیفہ اور بنی عامر بن صعصعۃ وغیرہ سے ملاقات کی مگر بات نہ بنی، موسی بن عقبہ زہری سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ان سالوں میں ہر شریفِ قوم سے ملتے ان سے فرماتے کہ آپ اسلام اور اہلِ اسلام کی پناہ گاہ بن جائیں، فرمایا میں تو فقط یہ چاہتا ہوں (اگر قبولِ اسلام نہیں کرتے) کہ میرے لئے پناہ گاہ بنو اور میری ایذاء کے درپے لوگوں کے سامنے رکاوٹ

بنوتا کہ اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا سکوں، تو کسی نے آپکی بات نہ مانی (بلکہ سب یہی کہتے رہے کہ اپنا قبیلہ ہی مخالفت کر رہا ہے تو ہم کیوں حمایت کریں)۔ بیہقی نے ایک روایت نقل کی ہے جس کی اصل مسند احمد میں ہے اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے، ربیعہ بن عباد کہتے ہیں میں نے نبی پاک کو ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا، لوگوں کے پیچھے ان کی قیام گاہوں میں جا کر اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ احمد اور اصحابِ سنن کی حضرت جابر سے روایت جسے حاکم نے صحیح قرار دیا، میں ہے کہ نبی پاک حج کے موقع پر اپنے آپکو لوگوں پر پیش کرتے اور فرماتے کہ کیا ہے کوئی جو مجھے اپنے قبیلہ کے پاس لے چلے کہ قریش مجھے اللہ کے پیغام کی تبلیغ سے روکتے ہیں؟ کہتے ہیں ہمدان کے ایک شخص نے حامی بھری پھر اسے ڈر ہوا کہ پتہ نہیں قوم مانتی ہے یا نہیں تو کہنے لگا پہلے اپنے اہلِ قبیلہ سے بات کرلوں اگلے برس آپ کو جواب دونگا، آپ نے فرمایا ٹھیک ہے مگر اگلا سال (یعنی اگلا موسم حج) آنے سے پیشتر ہی رجب میں انصار کا وفد آ گیا۔

حاکم، ابونعیم اور بیہقی کی الدلائل میں بسند حسن ابن عباس سے روایت میں ہے کہتے ہیں مجھے حضرت علی نے بتلایا کہ اللہ نے جب نبی پاک کو حکم دیا کہ قبائلِ عرب کو دعوتِ اسلام دیں تو ایک مرتبہ آنجناب، حضرت ابوبکر اور میں نکلے، عربوں کی ایک مجلس جمی ہوئی تھی، ابوبکر جو شجرہ ہائے نسب کے بڑے ماہر تھے آگے بڑھے پوچھا کون لوگ ہو؟ وہ بولے ربیعہ سے کہا کون سے ربیعہ؟ کہا ذھل، آگے ایک طویل مکالمہ ذکر کیا۔ (بڑی دلچسپ گفتگو تھی حضرت ابوبکر نے ان کے کچھ خاندانی عیوب کا ذکر کیا جس پر اس نوجوان نے ترت جواب دیتے ہوئے ان کے خاندان کے چند نقائص کا ذکر کر کے بدلہ لے لیا، جس پر ابوبکر یہ کہتے ہوئے کہ زبان بھی کئی دفعہ کئی بلاؤں کا سبب بنتی ہے، پیچھے ہٹ آئے! محمد بن عبدالوہاب نے اپنی کتاب مختصر سیرت میں یہ ساری گفتگو نقل کی ہے)، خلاصۂ کلام یہ کہ ان کی طرف سے بھی حوصلہ افزا جواب نہ ملا، کہتے ہیں پھر اوس وخزرج کی ایک مجلس میں جا پہنچے تو انہیں اللہ نے انصار بننے کی توفیق دی، وہاں سے تبھی اٹھے جب سب آنجناب کی بیعت کر چکے تھے۔

ابن اسحاق ذکر کرتے ہیں عقبۂ اولیٰ میں یہ چھ افراد تھے: ابوامامہ اسعد بن زرارہ نجاری، رافع بن مالک بن عجلان عجلانی، قطبہ بن عامر بن حدیدہ، جابر بن عبداللہ بن رئاب، عقبہ بن عامر، یہ آخری تینوں حضرات بنی سلمہ سے تھے، عوف بن حارث بن رفاعہ، یہ بنی مالک بن نجار میں سے تھے۔ موسیٰ بن عقبہ زھری سے اور ابواسود عروہ سے یہ اسماء نقل کرتے ہیں: اسعد بن زراہ، رافع بن مالک، معاذ بن عفراء، یزید بن ثعلبہ، ابوالہیثم بن تیہان اور عویم بن ساعدہ، کہا جاتا ہے کہ عبادہ بن صامت اور ذکوان بھی ان میں شامل تھے، ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے اپنی قوم کے اشیاخ سے بیان کیا کہ جب آنجناب ان کی مجلس میں پہنچے تو پوچھا آپ لوگ کون ہو؟ یہ بولے ہم خزرج سے ہیں، فرمایا اگر تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ تو میں کچھ بات کرلوں؟ انہوں نے کہا جی ہاں پھر آپ نے اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دی، ان پر اسلام پیش کیا اور کچھ آیاتِ قرآنی تلاوت فرمائیں، معاملہ یہ تھا کہ یثرب میں انکے ساتھ یہود کے بعض قبائل بھی آباد تھے، اوس وخزرج کی تعداد ان سے زیادہ تھی جب کوئی اَن بن ہوتی تو ہمیشہ ان سے سنتے کہ ایک نبی کے ظہور کا وقت قریب ہے، انہیں آ جانے دو ہم ان کے ساتھ مل کر بدلے چکائیں گے (پہلے پارہ میں بھی اسطرف اشارہ موجود ہے: وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا) آنجناب جب ان کے ساتھ یہ باتیں کر رہے تھے انہوں نے محسوس کیا کہ یہودی آنے والے نبی کی جو صفتیں ذکر کیا کرتے تھے وہ آپ میں موجود ہیں تو آپس میں کہتے لگے یہ نہ ہو کہ یہود ان پر ایمان لانے میں تم سے سبقت لے جائیں تو اس مجلس میں موجود سبھی اہل یثرب نے ایمان کا اقرار کرلیا اور واپس جا کر تبلیغِ اسلام کا فریضہ سنبھال لیا، اس سے آنجناب کا ذکر

گھر گھر پھیل گیا آمدہ سال کے موسمِ حج میں مدینہ کے بارہ افراد آنجناب سے بغرضِ ملاقات آئے۔

3889 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِى عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ كَعْبٍ وَكَانَ قَائِدَ كَعْبٍ حِينَ عَمِىَ قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ يُحَدِّثُ حِينَ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ فِى غَزْوَةِ تَبُوكَ بِطُولِهِ قَالَ ابْنُ بُكَيْرٍ فِى حَدِيثِهِ وَلَقَدْ شَهِدْتُ مَعَ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ حِينَ تَوَاثَقْنَا عَلَى الإِسْلاَمِ وَمَا أُحِبُّ أَنَّ لِى بِهَا مَشْهَدَ بَدْرٍ وَإِنْ كَانَتْ بَدْرٌ أَذْكَرَ فِى النَّاسِ مِنْهَا .أطرافه 2757، 2947، 2948، 2949، 2950، 3088، 3556، 3951، 4418، 4673، 4676، 4677، 4678، 6255، 6690، 7225

کعب بن مالک غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ میں شبِ عقبہ حاضر تھا جب ہم نے اسلام پہ پختہ رہنے کا میثاق کیا تھا اور مجھے پسند نہیں کہ اس کے بدلے میں بدر میں حاضر ہوا ہوتا، بس یہ ہے کہ لوگوں میں بدر کا چرچہ اس کی نسبت زیادہ ہے۔

حضرت کعب بن مالک کے قصۂ توبہ پر مشتمل حدیث کا ایک حصہ ہے مطولا اپنی جگہ آئیگی غرضِ ترجمہ اس کا جملہ: (ولقد شهدتُ مع النبی ﷺ ليلة العقبة) ہے۔ (قال ابن بكير فی حديثه) یعنی سیاق عقیل کا ہے نہ کہ یونس کا۔ (وما أحب أن لی بها مشهد بدر) یعنی اگرچہ بدر میں حاضری عقبہ میں شرکت سے افضل ہے کہ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں اللہ کی نصرت اہلِ اسلام کو حاصل ہوئی مگر بیعتِ عقبہ فُشوِّ اسلام کا سبب بنی اسی کے نتیجہ میں بدر کا مرحلہ آیا۔

(أذ کَرُ منها) اسم تفضیل کا صیغہ ہے، ابن حجر کہتے ہیں حضرت کعب عقبہ کی دوسری بیعت میں حاضر ہوئے تھے، کل تین مرتبہ اس مقام پہ اہلِ مدینہ کے وفود کی نبی اکرم سے ملاقات و بیعت ہوئی تھی۔ ابن اسحاق معبد بن کعب بن مالک سے نقل کرتے ہیں کہ مجھے میرے بھائی عبد اللہ جو اعلمِ انصار میں سے تھے، نے بتلایا کہ ان کے والد کعب نے انہیں بیان کیا کہ وہ عقبہ میں حاضر ہو کر بیعت کرنے والوں میں شامل تھے، کہتے ہیں ہم بغرضِ حج نکلے ہمارے ساتھ اپنی قوم کے مشرکین بھی تھے ہم اس وقت تک نماز شروع کر چکے تھے اور دین کی کافی سمجھ آ چکی تھی، براء بن معرور ہمارے امیرِ قافلہ تھے ہم مکہ پہنچے، آنجناب کو اس سے قبل دیکھا ہوا نہ تھا، لوگوں سے پوچھا کہ آپ کہاں ہوں گے؟ کہا گیا عباس کے ہمراہ خانۂ خدا میں ہیں چنانچہ وہاں پہنچے اور آپ کے ساتھ نشست کی براء نے آپ سے قبلہ کی بابت استفسار کیا پھر آپ سے عقبہ میں ملاقات کا وعدہ لیکر مناسکِ حج کی ادائیگی میں مشغول ہو گئے، قافلہ میں حضرت جابر کے والد عبد اللہ بن عمرو بھی تھے جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے ہماری تبلیغ سے اس موقع پر انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور نقباء میں سے ہوئے، کہتے ہیں ہم تہتر افراد عقبہ میں جمع ہوئے، دو خواتین بھی ہمارے ہمراہ تھیں، ام عمارہ بنت کعب جو بنی مازن سے تھیں اور اسماء بنت عمرو بن عدی، یہ بنی سلمہ سے تھیں۔

آنجناب حضرت عباس کے ہمراہ تشریف لائے انہوں نے گفتگو کا آغاز کیا، کہنے لگے محمد کا ہمارے ہاں جو مقام ہے وہ آپ

لوگ جانتے ہو، ہم نے اب تک ان کی حفاظت کی ہوئی اور دشمنوں سے دفاع کر رکھا ہے اگر آپ حضرات ان کا دفاع کر سکتے ہو اور وفا کا مظاہرہ کرو گے تو پھر ٹھیک ہے وگرنہ ابھی سے کہہ دو، کہتے ہیں ہم نے رسول اللہ سے عرض کی آپ بات کریں جو عہد و پیمان ہم سے لینا چاہتے ہیں، لے لیں تو آپ نے گفتگو فرمائی، اللہ کی طرف دعوت دی، تلاوتِ قرآن کی اور فرمایا میں اس شرط پر تم سے بیعت لیتا ہوں کہ جس طرح اپنے بال بچوں کا دفاع کرتے ہو اسی طرح میرا بھی کرو گے، کہتے ہیں سب سے پہلے براء بن معرور نے آپ کا دستِ مبارک تھام کر اس امر کا اقرار کیا پھر آپ نے فرمایا جس سے تمہاری لڑائی اس سے میری بھی لڑائی اور جس سے تمہاری صلح اس سے میری بھی صلح، پھر فرمایا اپنے میں سے بارہ نقیب مجھے چن دو، بقول ابن اسحاق وہ یہ حضرات تھے: اسعد بن زرارہ، رافع بن مالک، براء بن معرور، عبادہ بن صامت، عبداللہ بن عمرو بن حرام، سعد بن ربیع، عبداللہ بن رواحہ، سعد بن عبادہ، منذر بن عمرو بن حبیش، اسید بن حضیر، سعد بن خیثمہ اور ابوالھثیم بن تیہان۔ بعض نے ان کی بجائے رفاعہ بن عبدالمنذر رلکھا ہے، المستدرک میں ابن عباس سے منقول ہے کہ شبِ عقبہ سب سے پہلے حضرت براء بن معرور نے بیعت کی، ابن اسحٰق لکھتے ہیں مجھے عبداللہ بن ابوبکر بن حزم نے بیان کیا کہ نبی پاک نے ان نقباء سے فرمایا تم اپنی قوم پر ویسے ہی کفیل ہو جیسے حضرت عیسیٰ کے حواری تھے، انہوں نے عرض کی جی ہاں! یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ قریش کو اس بیعت کی سن گن ملی تو اہلِ یثرب کے پاس آ کر اس کا سخت برا منایا مگر ان میں جو ابھی تک مشرکین تھے اور وہ تعداد میں اسلام قبول کرنے والوں سے زیادہ تھے، کہا جاتا ہے کہ پانچ سو تھے، انہوں نے حلف اٹھا کر انہیں مطمئن کر دیا کہ ایسا کوئی معاملہ نہیں ہوا۔

3890 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ كَانَ عَمْرٌو يَقُولُ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ شَهِدَ بِي خَالاَىَ الْعَقَبَةَ .قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ أَحَدُهُمَا الْبَرَاءُ بْنُ مَعْرُورٍ .طرفه 3891

جابر بن عبداللہ کہتے ہیں میرے ساتھ میرے دو ماموں بھی بیعتِ عقبہ میں حاضر ہوئے، بقول ابن عیینہ ایک کا نام براء بن معرور ہے۔

عمرو سے مراد ابن دینار ہیں۔ (شھدبی خالای الخ) اس روایت میں ان کے نام مذکور نہیں، عبداللہ بن محمد جعفی سے منقول ہے کہ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ ان میں سے ایک براء بن معرور تھے، ابوذر کے نسخہ میں بھی یہ مذکور ہے دوسروں کے ہاں: (قال أبو عبد الله الخ) یعنی امام بخاری کے حوالے سے یہ ذکر کیا گیا ہے مگر اسماعیلی کے ہاں ایک اور طریق سے یہ تفسیرِ مبھم ابن عیینہ کے حوالے سے ہی منقول ہے لہٰذا ابوذر کا نسخۂ بخاری راجح ہے، اسماعیلی کے ہاں یہ عبارت ہے: (قال سفیان خالاہ البراء بن معرور و أخوہ) اخوہ کا نام ذکر نہیں کیا، براء کی بابت کہا جاتا ہے کہ مدینہ کے اولین اسلام قبول کرنے والے ہیں، آنجناب کی مدینہ آمد سے ایک ماہ قبل فوت ہو گئے تھے، دمیاطی تعاقب کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ حضرت جابر کی والدہ انیسہ بنت غنمہ بن عدی ہیں جنکے دو بھائی ثعلبہ اور عمرو تھے تو یہی ان کے ماموں ہیں جو عقبہ اخیرہ میں حاضر ہوئے، براء بن معرور تو ان کے ماموں ہی نہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں ماموں نہ سہی مگر ان کی والدہ کے اقارب سے ہیں اور والدہ کے اقرباء کو مجازاً اخوال ہی کہا جاتا ہے، ابن عساکر نے بسند حسن حضرت جابر سے نقل کیا ہے کہ مجھے میرے ماموں حر بن قیس نے ان ستر سواروں کے ہمراہ اپنے ساتھ کیا جو آنجناب کے پاس اہل یثرب کا وفد بنکر گئے تھے، آپ حضرت عباس کے ہمراہ ہمارے پاس آئے، آپ نے حضرت عباس سے فرمایا (یا عَمِّ خُذلِی علیٰ أخوالك) تو ان

انصار کیلئے اخوال کے لفظ کا استعمال فرمایا کیونکہ آپ کی دادی ان میں سے تھیں اور خود انہوں نے حر کو خال کہا کیونکہ وہ ان کی والدہ کے رشتہ دار تھے اور وہ براء بن معرور کے عمزاد تھے تو ممکن ہے سفیان کا (و أخوہ) سے اشارہ انہی کی طرف ہو، یہ تاویل ابن عیینہ جیسے محدث کی توھیم (یعنی ان کی بات کو وہم قرار دینا) سے اولیٰ ہے لیکن کسی اہلِ سیرت نے حر بن قیس کو اصحابِ عقبہ میں نہیں لکھا، گویا وہ مسلمان نہ ہوئے تھے لہٰذا دوسرے خال سے مراد ثعلبہ یا عمرو ہوں گے۔

3891حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ أَنَا وَأَبِي وَخَالِي مِنْ أَصْحَابِ الْعَقَبَةِ .طرفه 3890۔ (سابقہ ہے)

ھشام سے ابن یوسف صنعانی اور عطاء سے ابن ابی رباح مراد ہیں۔ (و خالای) اس بارے مزید بحث کرتے ہوئے ابن حجر لکھتے ہیں کہ مغلطائی کہتے ہیں ان کی مراد عیسیٰ بن عامر بن عدی بن سنان اور خالد بن عمرو بن عدی بن سنان ہیں کیونکہ یہ ان کی والدہ کے عمزاد تھے، ان کے بھائیوں کے برابر، تو مجازاً ان کے لئے اخوال کا لفظ استعمال کیا، ابن حجر کے بقول یہ متجہ نہیں، کہتے ہیں ابن تین کے ہاں: (خالی) احتمالا واحد کا لفظ ہے یعنی کسرِ لام اور تخفیفِ یاء کے ساتھ۔

3892حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ عَائِذُ اللَّهِ أَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ مِنَ الَّذِينَ شَهِدُوا بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَمِنْ أَصْحَابِهِ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ تَعَالَوْا بَايِعُونِي عَلَى أَنْ لاَ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا، وَلاَ تَسْرِقُوا، وَلاَ تَزْنُوا، وَلاَ تَقْتُلُوا أَوْلاَدَكُمْ، وَلاَ تَأْتُونَ بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلاَ تَعْصُونِي فِي مَعْرُوفٍ، فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ بِهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ لَهُ كَفَّارَةٌ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللَّهُ فَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ، إِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ، وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ قَالَ فَبَايَعْتُهُ عَلَى ذَلِكَ .أطرافه 18، 3893، 3999، 4894، 6784، 6801، 6873، 7055، 7199، 7213، 7468

راوی کا بیان ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت ان صحابہ میں سے ہیں جو جنگِ بدر میں بھی موجود تھے اور بیعتِ عقبہ میں بھی، انہوں نے خبر دی کہ نبی پاک نے اپنے گرد بیٹھے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا آؤ اس امر پر میری بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد قتل نہ کرو گے اور نہ اپنی طرف سے گھڑ کر کسی پہ تہمت دھرو گے اور نہ اچھی باتوں میں میری نافرمانی کرو گے، جس شخص نے اس عہد کی پاسداری کی اس کا اجر اللہ پر ہے اور جس سے کوئی کوتاہی سرزد ہوئی تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے چاہے تو اسے عذاب دے چاہے تو معاف فرما دے، کہتے ہیں تو ہم نے اس پر آنجناب سے بیعت کی۔

کتاب الإیمان میں اس کی مفصل شرح گزر چکی ہے، حدیث کے جملہ (فعوقب بہ فھو کفارۃ) کے متعلق نفیس مباحث بھی ذکر کئے گئے تھے وہاں یہ ایضاح کیا تھا کہ بیعتِ عقبہ ایواء و نصرت پر تھی، یہ جو کفارہ کا ذکر ہے اس کا تعلق ایک دوسری بیعت سے ہے جو فتح مکہ کے بعد ہوئی، کہتے ہیں پھر ابن اسحاق کے ہاں دیکھا جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ بیعتِ عقبہ انہیں الفاظ کے ساتھ منعقد ہوئی

تھی جو بابِ ھذا کی دوسری روایت میں مذکور ہیں، وہ یزید بن ابی حبیب کے حوالے سے اسی سند کے ساتھ عبادہ بن صامت سے روایت کرتے ہیں کہ میں عقبۂ اولی کے حاضرین میں سے ہوں، ہم بارہ افراد تھے، ہم نے رسول اللہ سے بیعتِ نساء پر بیعت کی، یعنی اس بیعتِ نساء کے موافق جو فتح مکہ کے وقت ہوئی تھی (جسکے الفاظ سورہ الممتحنۃ میں بیان ہوئے)، یہ محتمل ہے لیکن یہ زیادت صحیحین میں لیث بن سعد عن یزید کے طریق میں موجود نہیں، بفرضِ ثبوت یہ میری اس تقریرِ مذکور کہ (فھو کفارۃ) کا ورود بعدازاں ہوا، کے منافی نہیں کیونکہ یہ حدیثِ ابی ہریرہ: (ماأدری الحدود کفارۃ لأھلھا أم لا) کہ میں نہیں جانتا کہ حدود ان لوگوں کیلئے جن پر لاگو کی جائیں، کفارہ ہیں یا نہیں؟، کی معارض ہے جبکہ وہ متأخر الإسلام ہیں (یعنی اگر بیعت عقبہ مین انہیں کفارہ قرار دیا گیا ہوتا تو ابو ہریرہ یہ بات جانتے ہوتے)۔

بہرحال یہ بحث کتاب الإیمان میں گزر چکی ہے، حضرت کعب سے بھی۔ جیسا کہ ابھی ان کی روایت گزری۔ اس بیعتِ عقبہ کی صورت مروی ہے اسی طرح بیہقی نے عبداللہ بن عثمان بن خثیم عن اسماعیل بن عبداللہ بن رفاعہ عن أبیہ سے نقل کیا ہے کہ عبادہ بن صامت نے کہا ہم نے نبی اکرم سے تازہ دم ہوں یا بوجھل ہر حال میں سمع و طاعت کا دم بھرنے پر بیعت کی، یہ بھی کہ جب آپ ہمارے ہاں یثرب آئیں گے ہم آپکی نصرت کرینگے اور اسی طرح آپکی حمایت اور دفاع کرینگے جیسے ہم اپنے آپ کا اور اپنے بال بچوں کا کرتے ہیں، تو یہ ہماری آنجناب سے بیعت تھی۔ مسند احمد میں بسند حسن اور حاکم و ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا، حضرت جابر سے بھی اسی کی مانند مروی ہے، اس میں ہے کہ ہمارے ستر افراد آپ سے ملے، پوچھا: (علام نُبایِعُك؟) ہم کن معاملات پر آپ سے بیعت کریں؟ فرمایا: (علی السمع و الطاعۃ فی النشاط والکسل ......وعلی أن تَنصُرونی إذاقَدِمتُ علیکم یثرب الخ)۔ (وہی اوپر والا مفہوم)، بزار کی ایک اور طریق کے ساتھ حدیثِ جابر میں ہے کہ نبی اکرم نے نقبائے انصار سے پوچھا کیا مجھے پناہ گاہ مہیا کرد گے اور نصرت کرو گے؟ انہوں نے کہا جی ہاں، اور ہمیں اس کے بدلے کیا ملے گا؟ فرمایا جنت، بیہقی کی قوی سند کے ساتھ شعبی سے روایت جسے طبرانی نے ابوموسی سے موصول کیا، میں ہے کہ ابوامامہ اسعد بن زرارہ نے کہا اے محمد اپنے رب کیلئے اور اپنے لئے آپ ہم سے جو چاہیں تقاضہ کرلیں اور ہمیں یہ بھی بتا دیں کہ ہم پھر کس ثواب کے حقدار بنیں گے؟ فرمایا میں اللہ کی نسبت تم سے اس امر کا متقاضی ہوں کہ خالص اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور اپنے اور اپنے ساتھی مسلمانوں کیلئے آپ حضرات سے اِیواء و نصرت کا تقاضہ کرتا ہوں، وہ بولے ہمیں اس کے عوض کیا ملے گا؟ فرمایا جنت! کہنے لگے تو پھر ٹھیک ہے، اسے احمد نے دو طرق سے اکھٹے تخریج کیا ہے۔

3893حَدَّثَنَا قُتَيبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيثُ عَنْ يَزِيدَ بنِ أَبِى حَبِيبٍ عَنْ أَبِى الْخَيرِ عَنِ الصُّنَابِحِيِّ عَنْ عُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ أَنَّهُ قَالَ إِنِّى مِنَ النُّقَبَاءِ الَّذِينَ بَايَعُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ .وَقَالَ بَايَعْنَاهُ عَلَى أَنْ لاَ نُشْرِكَ بِاللَّهِ شَيئًا، وَلاَ نَسْرِقَ، وَلاَ نَزْنِىَ، وَلاَ نَقْتُلَ النَّفْسَ الَّتِى حَرَّمَ اللَّهُ، وَلاَ نَنْتَهِبَ، وَلاَ نَعْصِىَ بِالْجَنَّةِ إِنْ فَعَلْنَا ذَلِكَ، فَإِنْ غَشِينَا مِنْ ذَلِكَ شَيئًا كَانَ قَضَاءُ ذَلِكَ إِلَى اللَّهِ .أطرافه 18، 3892، 3999، 4894، 6784، 6801، 6873، 7055، 7199، 7213، 7468۔

(سابقہ ہے)

(ولا نقضی) شیوخِ ابی ذر سے بعض نسخوں میں یہ (لا نعصی) ہے، ابن اسحاق ذکر کرتے ہیں کہ نبی پاک نے ان بارہ حضرات کے ہمراہ حضرت مصعب بن عمیر عبدری کو روانہ کیا، بعض کہتے ہیں بعد میں بھیجا تھا تا کہ اہلِ مدینہ کو کتاب وسنت کی تعلیم دیں، وہ اسعد بن زرارہ کے مہمان بنے تھے، ابوداؤد عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ والدِ محترم جب بھی اذانِ جمعہ سنتے اسعد بن زرارہ کیلئے استغفار کرتے، میں نے ایک مرتبہ اس کا سبب پوچھا کہنے لگے انہی نے سب پہلے مدینہ میں ہمیں جمعہ کیلئے اکٹھا کیا تھا، دارقطنی کی ابن عباس سے روایت میں ہے کہ نبی پاک نے مصعب بن عمیر کو خط لکھا تھا کہ جمعہ کا اہتمام کریں حضرت مصعب کی اسعد کی معاونت کے ساتھ تبلیغ کے نتیجہ میں مدینہ کے کثیر مرد وزن نے اسلام قبول کرلیا حتی کہ مدینہ میں اسلام اچھی طرح پھیل گیا۔

44 باب تَزْوِيجُ النَّبِيِّ ﷺ عَائِشَةَ وَقُدُومُهَا الْمَدِينَةَ وَبِنَاؤُهُ بِهَا

(آنجناب کی حضرت عائشہ سے شادی، مدینہ آمد اور ان کی رخصتی کا حال)

(وبناؤه بها) ضمیر مدینہ کی طرف راجع ہے، حضرت عائشہ کی آمد ھجری سالِ اول کے ماہِ شوال میں ہوئی تھی بعض نے سن دو بھی لکھا ہے، بعض نے بخاری کے الفاظ: (وبناؤه بها) پر صاحب الصحاح کے قول کہ عامہ (بنیٰ بأهله) کہتے ہیں جبکہ یہ خطا ہے، (بنی علیٰ أهله) کہنا چاہئے، پر اعتماد کرتے ہوئے اعتراض کیا ہے، اس میں اصل یہ ہے کہ شبِ زفاف (سہاگ رات) منانے کیلئے قبہ سا بنادیا جاتا تھا پھر ہر اپنے اہل کے پاس (پہلی دفعہ) جانے والے پر بان کا لفظ استعمال ہونے لگا (شائد بان کا لفظ کتابت کی غلطی ہے، بنیٰ ہونا چاہیے مفہوم یہ کہ بنیٰ کا معنی ہے بنانا تو اصلاتو یہ قبہ وغیرہ بنانے کیلئے مستعمل تھا جو سہاگ رات منانے کیلئے بناتے تھے پھر مجازاً نفسِ دخول یعنی جماع پر بطور کنایہ استعمال ہونے لگا) لہٰذا فصحاء کے کثرتِ استعمال کی بناء پر اس محاورہ کی تغلیط جائز نہیں خود حضرت عائشہ (بنیٰ بی) کہہ رہی ہیں، عروہ بھی حدیث کے آخر میں (بنی بها) ذکر کرتے ہیں۔

3894 حَدَّثَنِي فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ تَزَوَّجَنِي النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا بِنْتُ سِتِّ سِنِينَ، فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَنَزَلْنَا فِي بَنِي الْحَارِثِ بْنِ خَزْرَجٍ، فَوُعِكْتُ فَتَمَرَّقَ شَعَرِي فَوَفَى جُمَيْمَةً، فَأَتَتْنِي أُمِّي أُمُّ رُومَانَ وَإِنِّي لَفِي أُرْجُوحَةٍ وَمَعِي صَوَاحِبُ لِي، فَصَرَخَتْ بِي فَأَتَيْتُهَا لاَ أَدْرِي مَا تُرِيدُ بِي فَأَخَذَتْ بِيَدِي حَتَّى أَوْقَفَتْنِي عَلَى بَابِ الدَّارِ، وَإِنِّي لأُنْهِجُ، حَتَّى سَكَنَ بَعْضُ نَفَسِي، ثُمَّ أَخَذَتْ شَيْئًا مِنْ مَاءٍ فَمَسَحَتْ بِهِ وَجْهِي وَرَأْسِي ثُمَّ أَدْخَلَتْنِي الدَّارَ فَإِذَا نِسْوَةٌ مِنَ الأَنْصَارِ فِي الْبَيْتِ فَقُلْنَ عَلَى الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ، وَعَلَى خَيْرِ طَائِرٍ .فَأَسْلَمَتْنِي إِلَيْهِنَّ فَأَصْلَحْنَ مِنْ شَأْنِي، فَلَمْ يَرُعْنِي إِلاَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ضُحًى، فَأَسْلَمَتْنِي إِلَيْهِ، وَأَنَا يَوْمَئِذٍ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ

.أطرافه 3896، 5133، 5134، 5156، 5158، 5160

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم سے جب میرا نکاح ہوا میں چھ برس کی تھی، تو ہم مدینہ آئے اور بنی حارث بن خزرج

کے ہاں اترے، یہاں مجھے بخار چڑھا حتی کہ میرے بال گرنے لگے (آخر صحت بحال ہوئی) اور کندھوں تک بال ہو گئے ایک دن میں اپنی سہیلیوں کے ہمراہ جھولا جھول رہی تھی کہ میری والدہ ام رومان آ کر مجھے اپنے ساتھ لے گئیں، میں نہیں جانتی تھی ان کا کیا ارادہ ہے میرا ہاتھ پکڑ کر دروازے پہ مجھے لا کھڑا کیا، میرا سانس خوب پھولا ہوا تھا، کچھ دیر بعد جب میرا سانس بحال ہوا تو والدہ نے کچھ پانی لے کر میرا منہ اور سر دھلوایا پھر گھر میں لے آئیں، کیا دیکھتی ہوں کہ وہاں انصار کی کئی خواتین موجود ہیں مجھے دیکھ کر خیر و برکت کی دعائیں دینے لگیں اور کہا اللہ کرے اچھے نصیب والی ہو، والدہ نے مجھے ان کے حوالے کیا انہوں نے میری آرائش کی اس کے بعد اچانک دیکھتی ہوں کہ رسول اللہ چاشت کے وقت ہمارے ہاں آ گئے تو مجھے آپ کے ساتھ رخصت کر دیا اس وقت میری عمر نو سال تھی۔

(تزوجني و أنا بنت ست سنين) یہاں تزوج سے مراد عقد (یعنی نکاح بغیر رخصتی کے) ہے۔

(فنز لنافي بني حارث الخ) یعنی جب وہ اپنی والدہ اور بہن حضرت اسماء کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئیں، آگے وضاحت ہوگی۔ (فتمزق شعري) نسخہِ کشمیہنی میں (فتمرق) ہے ای (انتتف) یعنی اکھڑ گئے۔ (فوفى) یعنی كَثُرَ، عبارت میں کچھ کلام محذوف ہے یعنی پھر بخار اترا اور بال پہلے کی طرح کثیر ہو گئے۔ (جميمة) مصغر أ، پیشانی کے بالوں کے مجتمع ہونے کو کہتے ہیں، ان بالوں کو جو کندھوں سے ڈھلکتے ہوں جمہ اور کانوں کی لو تک کے بالوں کو وفرہ کہا جاتا ہے۔

(على خير طائر) یعنی اچھے حظ و نصیب والی بنو۔ (فلم يرعني) چونکہ کم عمری کے سبب کچھ زیادہ علم نہ تھا کہ شادی بیاہ کے کیا معاملات ہوتے ہیں اور پھر بغیر کسی خاص سابق اطلاع اور تیاری کے على طريق المفاجأة یہ مرحلہ آیا تو اس وجہ سے گھبراہٹ سی ہوئی۔ احمد نے ایک اور طریق کے ساتھ یہ قصہ مطولاً نقل کیا ہے اس میں ہے کہ نبی اکرم ہمارے گھر تشریف لائے آپکے ہمراہ انصار کے کئی مرد و زن بھی تھے (یعنی برات لیکر تشریف لائے) میں سہیلیوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف تھی، والدہ نے بال سنوارے اور پانی کے ساتھ چہرہ صاف کیا، پھر اسی کمرہ میں جہاں برات بیٹھی ہوئی تھی، لے آئیں، دروازے پر کھڑی ہو کر آنجناب سے کہا یا رسول اللہ (هؤلاء أهلك) یہ آپکے گھر والے ہیں! کہتی ہیں جو ابتدائی گھبراہٹ طاری ہوئی تھی اب ختم ہو کر جی پر سکون ہو گیا، باراتیوں نے اٹھ کر مبارک سلامت کا شور مچایا اور نبی پاک نے ہمارے گھر ہی میں سہاگ رات گزاری، میری عمر تب نو برس تھی۔

علامہ انور روایت میں مذکور متعدد الفاظ کی تشریح اردو میں کرتے ہیں چنانچہ (سرق شعری) بال نکل گئے تھے (فوفى جميمة) ’’تھوڑے بال ہو گئے تھے (أرجوحة) ’’جھولا سا سمجھو‘‘ (لأنهج) سانس پھولا ہوا تھا‘‘ (تقف لقن) زیرک اور سمجھ دار (رضيف) وہ کچا دودھ جسمیں پتھر گرم کر کے ڈال دیا جائے تاکہ اس کی رطوبت جاتی رہے (أمناه) اس پر اعتماد کیا کہ دغا نہ دے گا۔

اسے ابن ماجہ نے بھی (النکاح) میں روایت کیا ہے۔

3895حَدَّثَنَا مُعَلًّى حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا أُرِيتُكِ فِي الْمَنَامِ مَرَّتَيْنِ، أَرَى أَنَّكِ فِي سَرَقَةٍ مِنْ حَرِيرٍ وَيَقُولُ هَذِهِ امْرَأَتُكَ فَاكْشِفُ عَنْهَا فَإِذَا هِيَ أَنْتِ فَأَقُولُ إِنْ يَكُ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ يُمْضِهِ .أطرافه 5078، 5125، 7012،7011

حضرت عائشہ کہتی ہیں نبی پاک نے مجھے بتلایا کہ دو مرتبہ خواب میں تجھے دیکھا، دیکھا کہ ایک ریشمی کپڑے میں لپٹی ہوئی ہو، کہا گیا، کپڑا اٹھایئے یہ آپ کی بیوی ہے، میں نے سوچا اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا فرمائیگا۔

اس پر کتاب النکاح میں مفصل بحث ہوگی۔

3896حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ تُوُفِّيَتْ خَدِيجَةُ قَبْلَ مَخْرَجِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى الْمَدِينَةِ بِثَلاَثِ سِنِينَ، فَلَبِثَ سَنَتَيْنِ أَوْ قَرِيبًا مِنْ ذَلِكَ، وَنَكَحَ عَائِشَةَ وَهِيَ بِنْتُ سِتِّ سِنِينَ، ثُمَّ بَنَى بِهَا وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ .أطرافه 3894، 5133، 5134، 5156، 5158، 5160

ہشام اپنے والد (عروہ) سے راوی ہیں کہ حضرت خدیجہ کا انتقال ہجرت سے تین برس قبل ہوا، تقریباً دو سال بعد آپ نے حضرت عائشہ سے نکاح کیا وہ اس وقت چھ برس کی تھیں پھر جب نو سال کی ہوئیں تو ان کی رخصتی عمل میں آئی۔

(عن أبيه) یہ صورۃً مرسل روایت ہے مگر علم ہے کہ عروہ اپنی خالہ حضرت عائشہ کے احوال سے بہت باخبر تھے، لہٰذا انہی سے اس کا اخذ کیا ہوگا۔ (ثم بنى بها وهي بنت الخ) اس میں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ بظاہر اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی رخصتی مدینہ آمد کے تقریباً دو برس بعد ہوئی، روایت کا جملہ: (فلبث سنتين أو نحوه) یعنی حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد، پھر (ونكح عائشة) یعنی رسمِ نکاح منعقد ہوئی، رخصتی کی طرف اگلا جملہ (وبنىٰ بها الخ) اشارہ کناں ہے تو مفہوم یہ نکلتا ہے کہ رخصتی مدینہ آمد کے دو برس بعد ہوئی حالانکہ ایسا نہیں، النکاح میں ثوری عن ہشام بن عروہ کی روایت میں ہے: (ومكثت عنده تسعا) حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے آنجناب کی رفاقت میں نو برس گزارے، یہ بات فی الجملہ صحیح ہے کیونکہ مسلم کی زہری عن عروۃ عن عائشہ سے روایت میں ہے کہ رخصتی نو برس کی عمر میں عمل میں آئی، وہ اپنے کھلونے بھی ساتھ لئے آئیں، آنجناب کی وفات ہوئی تو ان کی عمر اٹھارہ برس تھی، انہی کی اسود عن عائشۃ کے حوالے سے بھی یہی مذکور ہے، عبداللہ بن عروہ عن أبیہ عن عائشہ کے حوالے سے ہے کہ نبی اکرم سے میرا نکاح شوال میں ہوا، رخصتی بھی شوال میں ہوئی، اس پر (فلبث سنتين أو قريبا) کا مطلب ہے کہ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد اتنا عرصہ کسی سے شادی نہیں کی پھر ہجرت سے قبل حضرت سودہ بنت زمعہ سے شادی ہوئی پھر ہجرت کے بعد حضرت عائشہ جن سے نکاح ہو چکا تھا، کی رخصتی عمل میں آئی، تو گویا اس جملۂ مذکورہ کا تعلق حضرت سودہ سے بنتا ہے، اور بعض رواۃ سے ان کا تذکرہ ساقط ہوگیا۔

احمد اور طبرانی نے بسند حسن حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد حضرت عثمان بن مظعون کی زوجہ خولہ بنت حکیم نے نبی اکرم کو نکاح کی تجویز دی، آپ نے فرمایا کیا کوئی لڑکی نظر میں ہے؟ کہنے لگیں ایک بیوہ اور ایک کنواری ہے، کنواری تو اس شخص کی بیٹی ہے جو اللہ کی مخلوق میں آپکو سب سے عزیز ہیں یعنی عائشہ بنت ابوبکر، اور بیوہ جو ہیں وہ سودہ بنت زمعہ ہیں، فرمایا ٹھیک ہے دونوں کے ہاں میری بات چلاؤ، وہ ابوبکر کے پاس گئیں، وہ کہنے لگے آنجناب تو میرے بھائی ہیں! نبی اکرم نے انہیں کہلوایا کہ یہ اخوتِ دینی ہے آپ کی بیٹی سے شادی میں شرعاً کوئی عذر نہیں اس پر وہ آئے اور نکاح پڑھا دیا، بعد ازاں وہ حضرت سودہ کے پاس گئیں، انہوں نے کہا میرے والد سے بات کریں چنانچہ انہوں نے بھی منظور کیا اور نکاح کر دیا۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں حضرت سودہ کی رخصتی مکہ میں ہو چکی تھی، طبرانی کی ایک روایتِ عائشہ میں ہے کہ نبی اکرم اور حضرت ابوبکر ہجرت کر گئے ہم ابھی مکہ میں تھے، بعد

ازاں زید بن حارثہ اور ابو رافع کو ہمیں لانے کیلئے بھیجا، ابو بکر نے عبد اللہ بن اریقط کو بھی ہمراہ کیا انہیں اپنے بیٹے عبد اللہ کے نام خط دیا کہ ام رومان زوجہ ابی بکر، حضرت ابو بکر کی والدہ اور حضرت عائشہ وحضرت اسماء کو ان کے ہمراہ مدینہ روانہ کر دو، کہتی ہیں حضرت زید اور ابو رافع نے حضرت فاطمہ، ام کلثوم اور سودہ بنت زمعہ کو لیا، اسی طرح اپنی زوجہ ام ایمن اور دونوں بچوں ایمن و اسامہ کو بھی، ہم اکھٹے سفر کر کے مدینہ پہنچے، آپ ان دنوں مسجد نبوی اور اپنے گھروں کی تعمیر میں مصروف تھے پھر حضرت ابو بکر کی تجویز پر میری رخصتی عمل میں آئی۔

ماوردی لکھتے ہیں فقہاء کی رائے ہے کہ حضرت عائشہ سے نکاح حضرت سودہ سے قبل ہوا تھا جبکہ محدثین کہتے ہیں حضرت سودہ سے پہلے ہوا تھا، کہتے ہیں دونوں اقوال کی تطبیق یہ ہوگی کہ حضرت عائشہ سے نکاح حضرت سودہ کی نسبت پہلے ہوا مگر ان کی رخصتی ان کے بعد ہوئی، ابن حجر کہتے ہیں طبرانی کی مشار الیہ روایت سے یہ اشکال حل ہو جاتا ہے، وہ اسی تطبیق کی طرف اشارہ کرتی ہے، جب یہ ثابت ہے کہ حضرت عائشہ کی رخصتی سن ایک ھ کے ماہِ شوال میں ہوئی تو اس قائل کے قول کو تقویت ملتی ہے کہ حضرت عائشہ کی رخصتی ہجرت کے سات ماہ بعد ہوئی تھی، نووی نے تہذیب میں اسے واہِ قرار دیا ہے حالانکہ ایسا نہیں، اگر ربیع الأول سے شمار کریں، ان کی رائے ہے کہ رخصتی سن دو ھ میں ہوئی تھی مگر یہ سابق الذکر اس بات کے مخالف و معارض ہے کہ حضرت خدیجہ کی وفات کے تین برس بعد ان کی رخصتی ہوئی اور دمیاطی نے سیرت میں لکھا ہے کہ ان کی وفات رمضان میں ہوئی تھی اس لحاظ سے ان کی وفات کے تقریبا ڈھائی سال بعد ماہِ ربیع الأول میں ہجرت ہوئی اور اسی سال کے ماہِ شوال میں حضرت عائشہ کی رخصتی ہوئی تو یہ کل تین سال بنے۔

45 باب هِجْرَةُ النَّبِيِّ ﷺ وَأَصْحَابِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ (ہجرتِ مدینہ)

وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ وَأَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَوْلاَ الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِنَ الأَنْصَارِ. وَقَالَ أَبُو مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ إِلَى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ فَذَهَبَ وَهَلِي إِلَى أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوْ هَجَرُ فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ ابو ہریرہ نبی اکرم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا، ابو موسی راوی ہیں کہ نبی پاک نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ مکہ سے ایک ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کرتا ہوں جہاں کھجوروں کے باغات ہیں، میرا ذہن یمامہ یا ہجر کی طرف گیا مگر وہ تو مدینہ یثرب نکلا۔

ابن عباس سے منقول ہے کہ نبی اکرم کو اذنِ ہجرت اس آیت میں ملا: (وَقُلْ رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ ……نَصِيرا) [بنی اسرائیل: ۸۰] اسے ترمذی نے تخریج کیا اور خود انہوں نے اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے، حاکم لکھتے ہیں آپ مکہ سے بیعت عقبہ کے کم وبیش تین ماہ کے بعد نکلے، ابن اسحاق نے جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ یکم ربیع الأول کو نکلے اور بارہ ربیع الأول کو مدینہ پہنچ گئے تھے، بقول ابن حجر اس پر نکلنے کا دن جمعرات بنتا ہے، جہاں تک آپکے صحابہ کرام کی ہجرت کا تعلق ہے تو حضرات ابو بکر اور عامر بن فہیرہ تو آپکے ہمراہ تھے قبل ازیں عقبتین کے درمیان مکہ کے مسلمانوں کی ایک جماعت جن میں ابن ام مکتوم بھی تھے، ہجرت کر کے جا چکی تھی (حضرت مصعب بن عمیر کو خود نبی پاک نے بسلسلہ تعلیم وتبلیغ روانہ کر دیا تھا) کہا جاتا ہے کہ اولین مہاجرِ مدینہ ابو سلمہ بن عبد الأشہل مخزومی زوجِ ام سلمہ تھے، دراصل وہ جب حبشہ سے واپس لوٹے تو کفار مکہ نے انہیں نشانۂ ستم وایذاء بنا لیا، جس پر واپس حبشہ

جانے کا پروگرام بنالیا اسی اثناء مدینہ کے بارہ افراد کی آمد اور قبولِ اسلام کا واقعہ ہوا جس پر وہ حبشہ کی بجائے مدینہ چلے آئے، یہ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے، ام سلمہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ بھی ان کے ہمراہ نکلی تھیں مگر ان کے رشتہ داروں نے انہیں راستہ سے واپس کرالیا اور سال بھر روکے رکھا، اسی روایت میں ہے کہ ابوسلمہ علی الصبح مدینہ پہنچے اسی شام عامر بن ربیعہ حلیفِ بنی عدی پہنچ گئے، مصعب بن عمیر ان کے بعد آئے تھے، آمدہ باب کی حدیثِ براء میں ہے کہ سب سے پہلے اہلِ مکہ کے مسلمانوں میں سے مصعب بن عمیر ہمارے ہاں آئے، آنجناب کی مدینہ آمد واستقرار کے بعد باقی ماندہ مسلمان بھی آتے گئے، مشرکین انہیں روکنے کی سعی وسبیل کرتے تھے لہٰذا اکثر اہلِ اسلام خفیۃً مکہ سے نکلتے (صرف حضرت عمر علی الاعلان اور یہ چیلنج کر کے کہ کسی میں ہمت ہے تو مجھے روک لے، روانہ ہوئے) اب مکہ میں وہی مسلمان رہ گئے تھے جو مستضعفین اور مغلوب علیٰ امرھم تھے (یعنی بظاہر خفیہ طور پہ بھی نکلنے کی استطاعت نہ تھی)۔

(وقال عبد الله الخ) عبداللہ کی روایت غزوہ حنین میں موصولا آئے گی جبکہ حدیثِ ابوہریرہ مناقبِ انصار میں گزر چکی ہے، یعنی چونکہ مہاجر ہوں لہٰذا مکہ میں اقامت نہیں کرسکتا وگرنہ (فتح مکہ کے بعد) یہاں رہنے میں کوئی مانع نہ ہوتا تو اس لحاظ سے آنجناب نے انصارِ مدینہ کو اطمینان دلا رکھا تھا کہ کبھی انہیں چھوڑ کر نہ جائیں گے، یہ بات دراصل حنین کے موقع پر ان کے اس خدشہ کے اظہار کے بعد کہی تھی کہ اب آپ شائد اپنے اصل وطن قیام کرنا چاہیں؟ اس کی مزید تفصیل غزوہ حنین کے باب میں آئیگی۔

(وقال أبو موسىٰ الخ) اس کی شرح غزوۂ احد کے باب میں آئیگی۔ (فذهب وهلى) وھَل یَھِل سے، (أو هجر) بحرین کا ایک معروف شہر ہے، اھلِ ہجر نے آس پاس کے باقی علاقوں کی نسبت قبولِ اسلام میں سبقت کی، کتاب الایمان میں یہ تذکرہ گزرا ہے۔ بعض شراح نے خیال ظاہر کیا کہ ھجر سے مراد مدینہ کی ایک نواحی بستی تھی، مگر یہ درست نہیں کیونکہ دار الہجرت کوئی بڑا شہر ہی ہوسکتا تھا یہ بستی تو نہایت غیر معروف تھی دراصل اسطرف ان کا طائرِ خیال ایک روایت میں مذکور (قلال هجر) کی وجہ سے گیا، بعض حضرات نے یہاں لکھا کہ اس سے مراد مدینہ کی قریبی بستی ھجر ہے جہاں یہ قلال بنائے جاتے تھے جبکہ بعض اہل علم لکھتے ہیں کہ قلال ھجر والی روایت میں بھی ھجر سے مراد بحرین کا یہی معروف شہر ہے، اگرچہ مدینہ میں بھی ان جیسے بنائے جانے لگے تھے، یاقوت (حموی مصنف معجم البلدان) کے بیان کے مطابق یمن میں بھی ھجر نام کا ایک شہر ہے۔

(فإذاهي المدينة يثرب) آنجناب نے بعد میں اس کا نام طیبہ رکھا، بیہقی کی حدیثِ صہیب میں ہے نبی اکرم نے فرمایا تھا مجھے تمہارا دار الہجرت (سبخة بين ظهرانىٰ حرّتين) دکھلایا گیا ہے تو یا تو یہ ھجر ہے یا یثرب، وہاں یمامہ کا ذکر نہیں کیا۔ ترمذی کی حدیثِ جریر میں ہے کہ نبی اکرم نے فرمایا: (إن الله تعالى أوحىٰ إلَيَّ أيُّ هؤلاء الثلاثة نَزَلْتَ فهِي دارُ هجر تك: المدينة أو البحرين أو قنسرين) کہ اللہ تعالی نے وحی کی ہے کہ ان تین شہروں میں سے جس میں بھی آپ چلے جائیں وہ آپکا دارِ ہجرت ہوگا: مدینہ، بحرین اور قنسرین، ترمذی نے اسے غریب قرار دیا ہے، اس کا ثبوت محلِ نظر ہے کیونکہ یہ صحیح کی روایت جس میں یمامہ کا ذکر ہے، کے مخالف ہے، قنسرین تو حلب کی جہت ارضِ شام میں ہے بخلاف یمامہ کے، وہ جہتِ یمن میں ہے لیکن اگر اسے اختلافِ مأخذ پر محمول کیا جائے تب ممکن ہے کیونکہ روایتِ صحیح میں جو مذکور ہے، اس کا مأخذ خواب ہے جو آنجناب کو دکھلایا گیا (اس خواب میں آپ کو جگہ کا نام تو نہیں بتلایا گیا، صرف اس سرزمین کی ہیئت وصفت دکھلائی گئی، تو مذکورہ علاقے خود آپکے ذہن میں آئے) جبکہ مذکورہ بالا بات وحی کا معاملہ ہے تو محتمل ہے کہ اولاً خواب میں دارِ ہجرت دکھلایا گیا ہو بعد ازاں (بذریعہ وحی ان مذکورہ مقامات میں سے) اپنی

مرضی کا علاقہ برائے ہجرت پسند کرنے کا اختیار دیا گیا ہو۔

3897حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ يَقُولُ عُدْنَا خَبَّابًا فَقَالَ هَاجَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ نُرِيدُ وَجْهَ اللَّهِ، فَوَقَعَ أَجْرُنَا عَلَى اللَّهِ فَمِنَّا مَنْ مَضَى لَمْ يَأْخُذْ مِنْ أَجْرِهِ شَيْئًا مِنْهُمْ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ، وَتَرَكَ نَمِرَةً، فَكُنَّا إِذَا غَطَّيْنَا بِهَا رَأْسَهُ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَإِذَا غَطَّيْنَا رِجْلَيْهِ بَدَا رَأْسُهُ فَأَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ نُغَطِّيَ رَأْسَهُ وَنَجْعَلَ عَلَى رِجْلَيْهِ شَيْئًا مِنْ إِذْخِرٍ وَمِنَّا مَنْ أَيْنَعَتْ لَهُ ثَمَرَتُهُ فَهُوَ يَهْدِبُهَا .أطرافه 1276، 3913، 3914، 4047، 4082، 6432، 6448۔ (جلد دوم ص: ۴۷۷ میں ترجمہ موجود ہے)

(مع النبی) یعنی آپ کے اذن سے، مرافقت مراد نہیں کیونکہ جیسا کہ ذکر ہوا۔ اثنائے ہجرت آپکے ساتھ سوائے ابوبکر و عامر بن فہیرہ کے اور کوئی نہ تھا، اس کے بعض مباحث کتاب الجنائز جبکہ مفصل شرح کتاب الرقاق میں آرہی ہے۔

3898حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ هُوَ ابْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ ؓ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ﷺ .أطرافه 1، 54، 2529، 5070، 6689، 6953

راوی کہتے ہیں میں نے حضرت عمر سے سنا کہتے تھے نبی پاک نے فرمایا اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے پس ہجرت سے جسکا مقصد دنیا حاصل کرنا یا کسی عورت کی وجہ سے کہ اس سے شادی کرے تو اس کی ہجرت اسی تک محدود ہوگی اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی وجہ سے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ و رسول کیلئے ہی قرار پائیگی۔

یہاں بالاختصار ہے، تفصیلی شرح بخاری کے آغاز میں بیان کی جا چکی ہے، یہ حدیث صرف یحییٰ بن سعید انصاری کے طریق سے ہی ثابت ہے۔

3899حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ يَزِيدَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو عَمْرٍو الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ عَبْدَةَ بْنِ أَبِي لُبَابَةَ عَنْ مُجَاهِدِ بْنِ جَبْرٍ الْمَكِّيِّ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ ؓ كَانَ يَقُولُ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ .أطرافه 4309، 4310، 4311۔ 3900

راوی کہتے ہیں عبداللہ بن عمر کہا کرتے تھے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت باقی نہیں رہی۔

3900وَحَدَّثَنِي الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ زُرْتُ عَائِشَةَ مَعَ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ اللَّيْثِيِّ فَسَأَلْنَاهَا عَنِ الْهِجْرَةِ فَقَالَتْ لَا هِجْرَةَ الْيَوْمَ، كَانَ الْمُؤْمِنُونَ يَفِرُّ أَحَدُهُمْ بِدِينِهِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى وَإِلَى رَسُولِهِ ﷺ مَخَافَةَ أَنْ يُفْتَنَ عَلَيْهِ، فَأَمَّا الْيَوْمَ فَقَدْ أَظْهَرَ اللَّهُ الْإِسْلَامَ وَالْيَوْمَ

يَعْبُدُ رَبَّهُ حَيْثُ شَاءَ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ۔ طرفاہ 3080، 4312۔ (جلد چہارم کتاب الجہاد میں ترجمہ موجود ہے)

یزید شیخِ بخاری کے دادا کا نام تھا والد کا نام ابراہیم ہے، کلاباذی اور آخرون نے جزم کے ساتھ انہیں اسحاق فرادیسی المکنی بأبی النضر قرار دیا ہے صرف باجی نے تفرد کرتے ہوئے خراسانی لکھا مگر جماعت کا قول اولی ہے، عبدہ بن ابولبابہ اسدی کوفی نزیل دمشق، کے والد کا نام معلوم نہ ہوسکا، اوزاعی کا قول ہے کہ عراق سے ان سے افضل شخص ہمارے ہاں نہیں آیا۔

(کان یقول الخ) گویا موقوف ہے، آگے اس کی شرح آتی ہے۔ (وحدثنی الأوزاعی) یہ سابقہ سند پر معطوف ہے، اواخر غزوہ الفتح میں دونوں طریق انہی شیخ کے حوالے سے الگ الگ ذکر کئے ہیں، ابن حبان نے دوسرا طریق ولید بن مسلم عن الأوزاعی کے حوالے سے نقل کیا ہے، اس میں ہے کہ میں نے ان سے ہجرت الی اللہ ورسولہ کی فضیلت کے انقطاع کی بابت پوچھا تو یہ جواب دیا۔ (زرت عائشۃ الخ) کتاب الحج کی روایت میں یہ بھی تھا کہ وہ اس وقت کوہِ ثبیر میں قیام پذیر تھیں۔ (فسألها عن الھجرۃ) یعنی اس ہجرت کے بارہ میں جو فتح مکہ سے قبل مدینہ کی طرف کرنا واجب تھی پھر آنجناب کے فرمان: (لا ہجرۃ بعد الفتح) سے وجوب منسوخ ہوا، مغازی اموی میں ایک اور طریق کے ساتھ عطاء سے یہ عبارت منقول ہے: (فقالت إنما كانت الھجرۃ قبل فتح مكة والنبي ﷺ بالمدينة)۔

(کان المؤمن یفر الخ) حضرت عائشہ مشروعیتِ ہجرت کی طرف اشارہ کر رہی ہیں اور یہ کہ اس کا سبب خوفِ فتنہ تھا، حکم دائر مع علتہ ہوتا ہے اب علت ختم ہو چکی ہے تو حکم بھی ختم ہوا، اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر کسی جگہ اللہ کی عبادت کرنے سے کوئی منع نہیں کرتا تو وہاں سے بالاتفاق ہجرت کرنا (یعنی شرعی ہجرت) واجب نہیں بصورت دیگر واجب ہوگی اسی لئے ماوردی کہتے ہیں اگر کسی بلادِ کفر میں بھی اظہارِ دین پر قادر ہے تو وہ بلاد دارِ اسلام ہی شمار ہوگا اور وہاں اقامت بنسبت وہاں سے کوچ کر جانے کے، افضل ہے کیونکہ اس کی کاوشوں سے امید کی جاسکتی ہے کہ اور لوگ بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوں، اس بارے کتاب الجہاد میں باب (وجوب النفیر) کے تحت حدیثِ ابن عباس (لا ہجرۃ بعد الفتح) اور حدیثِ عبداللہ بن السعدی (لا تنقطع الھجرۃ) کے مابین تطبیق کے اثناء بحث ہو چکی ہے، خطابی لکھتے ہیں آنجناب کی طرف (یعنی مدینہ کو) آغازِ اسلام میں ہجرت مطلوب تھی پھر یہ فرض بن گئی تا کہ آپکی معیت میں جہاد کیا جائے اور احکام و مسائل سیکھے جائیں، اس امر کی تاکید متعدد آیات میں موجود ہے حتی کہ ہجرت نہ کرنے والوں کے ساتھ قطعِ مُوالات کا حکم دیا گیا جیسا کہ ارشاد ہوا (وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا) [التوبة :۷۲]۔ جب مکہ فتح ہوا اور تمام قبائل سے لوگ بکثرت اسلام قبول کرنے لگے تو وجوبِ ہجرت ساقط ہو گیا البتہ استحباب باقی رہا، بغدادی شرح السنۃ میں رقمطراز ہیں کہ اب فتح کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جانا واجب نہیں مگر کسی دار الکفر سے مسلمانوں کا ہجرت کرنا غیر منقطع ہے (اگر وہاں رہ کر ادائیگیِ عبادات ممکن نہیں لیکن اگر ممکن ہے مگر اس کے باوجود کسی دار اسلام جاتا ہے تو یہ شرعی ہجرت نہ کہلائے گی)۔

بقول ابن حجر خود ابن عمر کی اسماعیلی کے ہاں مخرّج ایک روایت میں ان کی زبانی وضاحت مذکور ہے، کہتے ہیں فتحِ مکہ کے بعد نبی اکرم کی طرف ہجرت (واجبہ) کا انقطاع ہوا مگر جب تک کفار سے جنگ جاری ہے ہجرت منقطع نہیں یعنی جب تک دنیا میں کوئی دارِ کفر موجود ہے (بسا اوقات دارِ اسلام سے بھی ہجرت کرنا پڑسکتی ہے جیسے غزنوی خاندان کے بزرگ سید عبداللہ غزنوی کو رفع یدین کرنے اور آمین بالجہر کی پاداش میں افغانستان سے ہجرت کر کے ہندوستان آنا پڑا)۔ ابن تین مطلقاً لکھتے ہیں کہ مکہ سے مدینہ کی طرف

ہجرت واجب تھی اور جو آنجناب کی ہجرتِ مدینہ کے بعد بغیر عذر کے مکہ ہی میں مقیم رہا وہ کافر ہوا، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ ان کا یہ اطلاق (یعنی فتح مکہ کے بعد کا عدم استثناء) مردود ہے۔

3901 حَدَّثَنِي زَكَرِيَّاءُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ هِشَامٌ فَأَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ ؓ أَنَّ سَعْدًا قَالَ اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أُجَاهِدَهُمْ فِيكَ مِنْ قَوْمٍ كَذَّبُوا رَسُولَكَ ﷺ وَأَخْرَجُوهُ، اللَّهُمَّ فَإِنِّي أَظُنُّ أَنَّكَ قَدْ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ وَقَالَ أَبَانُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ مِنْ قَوْمٍ كَذَّبُوا نَبِيَّكَ وَأَخْرَجُوهُ مِنْ قُرَيْشٍ .أطرافه 463، 2813، 4117، 4122۔ (جلد چہارم کتاب الجهاد میں مترجم ہے)

ہشام سے مراد ابن عروہ ہیں۔ (إن سعدا) یعنی ابن معاذ، اس کی شرح غزوۂ بنی قریظہ میں آئیگی یہاں بالاختصار لانے کی وجہِ مناسبت قریش کا آنجناب کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کرنے کا تذکرہ ہے۔ (وقال أبان الخ) یعنی ابان نے ابن نمیر کی ہشام سے اس حدیث کی روایت میں موافقت کی ہے اور یہاں مذکور مبہم قوم کا افصاح کیا یعنی قریش کا لفظ ذکر کیا، داؤدی کہتے ہیں قوم سے مراد بنی قریظہ ہیں، پھر معلق روایت میں کہتے ہیں یہ محفوظ نہیں، بقول ابن حجر یہ تبصرہ کر کے انہوں نے محض ظنِ خائب کی بنا پر صحیح روایات کو رد کرنے کا اقدام اٹھایا ہے کیونکہ ابن نمیر کی روایت میں بھی اس امر کی دلالت موجود ہے کہ قوم سے یہاں مراد قریش ہیں، ابان صرف موضعِ اول کے ذکرِ قریش میں متفرد ہیں وگرنہ آگے المغازی میں آمدہ اسی روایت میں حضرت سعد کی یہ دعائیہ عبارت مذکور ہے: (اللهم فإنْ كانَ بَقِيَ مِن حربِ قريش شيءٌ فأبْقِنِي له) اسی طرح وہ موضع جس کے مدنظر داؤدی نے یہ بات کہی، میں بھی قریش مراد ہونے کی دلالت موجود ہے کیونکہ اس میں ہے: (مِن قوم كذبوا رسولك و أخرجوه) تو اخراج کا یہ کام تو قریش نے کیا تھا۔

3902 حَدَّثَنَا مَطَرُ بْنُ الْفَضْلِ حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ بُعِثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِأَرْبَعِينَ سَنَةً، فَمَكُثَ بِمَكَّةَ ثَلاَثَ عَشْرَةَ سَنَةً يُوحَى إِلَيْهِ، ثُمَّ أُمِرَ بِالْهِجْرَةِ فَهَاجَرَ عَشْرَ سِنِينَ، وَمَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلاَثٍ وَسِتِّينَ .أطرافه 3851، 3903، 4465، 4979۔ (ترجمہ کیلئے دیکھئے اسی کا سابقہ نمبر)

ہشام سے مراد ابن حسان ہیں۔ (ثلاث عشرة سنة) یہ احمد کی یحییٰ بن سعد عن ھشام سے اسی سند کے ساتھ مخرّج روایت سے اصح ہے جس میں ہے کہ آنجناب پر تینتالیس سال کی عمر میں وحی کا نزدل ہوا اور اس کے بعد دس برس مکہ رہے، اسی طرح مسلم کی ایک اور سند کے ساتھ ابن عباس کی روایت سے بھی جس میں بعثت کے بعد مکہ میں نبی پاک کی پندرہ برس اقامت کا ذکر ہے، کتاب المبعث میں اس بابت بحث ہو چکی ہے، بقیہ کلام باب الوفاۃ میں آئیگی۔ (فھاجر عشر سنين) یعنی مہاجرت میں گزارے سالوں کی تعداد دس ہے، یہ اس آیت کی نظیر ہے: (فأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عامٍ) [البقرہ: ۲۵۹]۔

3903 حَدَّثَنِي مَطَرُ بْنُ الْفَضْلِ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَكَثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِمَكَّةَ ثَلاَثَ عَشْرَةَ، وَتُوُفِّيَ وَهُوَ

ابْنُ ثَلاَثٍ وَسِتِّينَ .أطرافه 3851، 3902، 4465، 4979۔ (سابقہ حوالہ)

3904حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِى مَالِكٌ عَنْ أَبِى النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ عُبَيْدٍ يَعْنِى ابْنَ حُنَيْنٍ عَنْ أَبِى سَعِيدٍ الْخُدْرِىِّ رضى الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ إِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللَّهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ، وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ، فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ .فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا .فَعَجِبْنَا لَهُ، وَقَالَ النَّاسُ انْظُرُوا إِلَى هَذَا الشَّيْخِ، يُخْبِرُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ عَبْدٍ خَيَّرَهُ اللَّهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ وَهُوَ يَقُولُ فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا .فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هُوَ الْمُخَيَّرَ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ هُوَ أَعْلَمَنَا بِهِ .وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ مِنْ أَمَنِّ النَّاسِ عَلَىَّ فِى صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبَا بَكْرٍ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلاً مِنْ أُمَّتِى لاَتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ، إِلاَّ خُلَّةَ الإِسْلاَمِ لاَ يَبْقَيَنَّ فِى الْمَسْجِدِ خَوْخَةٌ إِلاَّ خَوْخَةُ أَبِى بَكْرٍ طرفاه 466، 3654۔ (دیکھئے اسی جلد کا سابقہ نمبر)

مناقبِ ابوبکر میں مشروحاً گزر چکی ہے، بلاذری کی ابن عباس سے اسی روایت میں ہے کہ ابوسعید نے حضرت ابوبکر سے مخاطب ہوکر کہا تھا: (يا أبا بكر ما يبكيك؟)۔

3905حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِى عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها زَوْجَ النَّبِىِّ ﷺ قَالَتْ لَمْ أَعْقِلْ أَبَوَىَّ قَطُّ إِلاَّ وَهُمَا يَدِينَانِ الدِّينَ، وَلَمْ يَمُرَّ عَلَيْنَا يَوْمٌ إِلاَّ يَأْتِينَا فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ طَرَفَىِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَعَشِيَّةً، فَلَمَّا ابْتُلِىَ الْمُسْلِمُونَ خَرَجَ أَبُو بَكْرٍ مُهَاجِرًا نَحْوَ أَرْضِ الْحَبَشَةِ، حَتَّى بَلَغَ بَرْكَ الْغِمَادِ لَقِيَهُ ابْنُ الدَّغِنَةِ وَهُوَ سَيِّدُ الْقَارَةِ .فَقَالَ أَيْنَ تُرِيدُ يَا أَبَا بَكْرٍ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَخْرَجَنِى قَوْمِى، فَأُرِيدُ أَنْ أَسِيحَ فِى الأَرْضِ وَأَعْبُدَ رَبِّى .قَالَ ابْنُ الدَّغِنَةِ فَإِنَّ مِثْلَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ لاَ يَخْرُجُ وَلاَ يُخْرَجُ، إِنَّكَ تَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَقْرِى الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ، فَأَنَا لَكَ جَارٌ، ارْجِعْ وَاعْبُدْ رَبَّكَ بِبَلَدِكَ .فَرَجَعَ وَارْتَحَلَ مَعَهُ ابْنُ الدَّغِنَةِ، فَطَافَ ابْنُ الدَّغِنَةِ عَشِيَّةً فِى أَشْرَافِ قُرَيْشٍ، فَقَالَ لَهُمْ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ لاَ يَخْرُجُ مِثْلُهُ وَلاَ يُخْرَجُ، أَتُخْرِجُونَ رَجُلاً يَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَيَصِلُ الرَّحِمَ، وَيَحْمِلُ الْكَلَّ، وَيَقْرِى الضَّيْفَ، وَيُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ فَلَمْ تُكَذِّبْ قُرَيْشٌ بِجِوَارِ ابْنِ الدَّغِنَةِ، وَقَالُوا لاِبْنِ الدَّغِنَةِ مُرْ أَبَا بَكْرٍ فَلْيَعْبُدْ رَبَّهُ فِى دَارِهِ، فَلْيُصَلِّ فِيهَا وَلْيَقْرَأْ مَا شَاءَ، وَلاَ يُؤْذِينَا بِذَلِكَ، وَلاَ يَسْتَعْلِنْ

بِهِ، فَإِنَّا نَخْشَى أَنْ يَفْتِنَ نِسَاءَنَا وَأَبْنَاءَنَا. فَقَالَ ذَلِكَ ابْنُ الدَّغِنَةِ لأَبِى بَكْرٍ، فَلَبِثَ أَبُو بَكْرٍ بِذَلِكَ يَعْبُدُ رَبَّهُ فِى دَارِهِ، وَلاَ يَسْتَعْلِنُ بِصَلاَتِهِ، وَلاَ يَقْرَأُ فِى غَيْرِ دَارِهِ، ثُمَّ بَدَا لأَبِى بَكْرٍ فَابْتَنَى مَسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِهِ وَكَانَ يُصَلِّى فِيهِ وَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ، فَيَنْقَذِفُ عَلَيْهِ نِسَاءُ الْمُشْرِكِينَ وَأَبْنَاؤُهُمْ، وَهُمْ يَعْجَبُونَ مِنْهُ، وَيَنْظُرُونَ إِلَيْهِ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ رَجُلاً بَكَّاءً، لاَ يَمْلِكُ عَيْنَيْهِ إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ، وَأَفْزَعَ ذَلِكَ أَشْرَافَ قُرَيْشٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، فَأَرْسَلُوا إِلَى ابْنِ الدَّغِنَةِ، فَقَدِمَ عَلَيْهِمْ. فَقَالُوا إِنَّا كُنَّا أَجَرْنَا أَبَا بَكْرٍ بِجِوَارِكَ، عَلَى أَنْ يَعْبُدَ رَبَّهُ فِى دَارِهِ، فَقَدْ جَاوَزَ ذَلِكَ، فَابْتَنَى مَسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِهِ، فَأَعْلَنَ بِالصَّلاَةِ وَالْقِرَاءَةِ فِيهِ، وَإِنَّا قَدْ خَشِينَا أَنْ يَفْتِنَ نِسَاءَنَا وَأَبْنَاءَنَا فَانْهَهُ، فَإِنْ أَحَبَّ أَنْ يَقْتَصِرَ عَلَى أَنْ يَعْبُدَ رَبَّهُ فِى دَارِهِ فَعَلَ، وَإِنْ أَبَى إِلاَّ أَنْ يُعْلِنَ بِذَلِكَ فَسَلْهُ أَنْ يَرُدَّ إِلَيْكَ ذِمَّتَكَ، فَإِنَّا قَدْ كَرِهْنَا أَنْ نُخْفِرَكَ، وَلَسْنَا مُقِرِّينَ لأَبِى بَكْرٍ الاِسْتِعْلاَنَ

قَالَتْ عَائِشَةُ فَأَتَى ابْنُ الدَّغِنَةِ إِلَى أَبِى بَكْرٍ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتَ الَّذِى عَاقَدْتُ لَكَ عَلَيْهِ، فَإِمَّا أَنْ تَقْتَصِرَ عَلَى ذَلِكَ، وَإِمَّا أَنْ تَرْجِعَ إِلَىَّ ذِمَّتِى، فَإِنِّى لاَ أُحِبُّ أَنْ تَسْمَعَ الْعَرَبُ أَنِّى أُخْفِرْتُ فِى رَجُلٍ عَقَدْتُ لَهُ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ فَإِنِّى أَرُدُّ إِلَيْكَ جِوَارَكَ وَأَرْضَى بِجِوَارِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ. وَالنَّبِىُّ ﷺ يَوْمَئِذٍ بِمَكَّةَ، فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ لِلْمُسْلِمِينَ إِنِّى أُرِيتُ دَارَ هِجْرَتِكُمْ ذَاتَ نَخْلٍ بَيْنَ لاَبَتَيْنِ. وَهُمَا الْحَرَّتَانِ، فَهَاجَرَ مَنْ هَاجَرَ قِبَلَ الْمَدِينَةِ، وَرَجَعَ عَامَّةُ مَنْ كَانَ هَاجَرَ بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ إِلَى الْمَدِينَةِ، وَتَجَهَّزَ أَبُو بَكْرٍ قِبَلَ الْمَدِينَةِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى رِسْلِكَ، فَإِنِّى أَرْجُو أَنْ يُؤْذَنَ لِى. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ وَهَلْ تَرْجُو ذَلِكَ بِأَبِى أَنْتَ قَالَ نَعَمْ. فَحَبَسَ أَبُو بَكْرٍ نَفْسَهُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لِيَصْحَبَهُ، وَعَلَفَ رَاحِلَتَيْنِ كَانَتَا عِنْدَهُ وَرَقَ السَّمُرِ وَهْوَ الْخَبَطُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَبَيْنَمَا نَحْنُ يَوْمًا جُلُوسٌ فِى بَيْتِ أَبِى بَكْرٍ فِى نَحْرِ الظَّهِيرَةِ قَالَ قَائِلٌ لأَبِى بَكْرٍ هَذَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مُتَقَنِّعًا فِى سَاعَةٍ لَمْ يَكُنْ يَأْتِينَا فِيهَا فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ فِدَاءٌ لَهُ أَبِى وَأُمِّى، وَاللَّهِ مَا جَاءَ بِهِ فِى هَذِهِ السَّاعَةِ إِلاَّ أَمْرٌ. قَالَتْ فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَاسْتَأْذَنَ، فَأُذِنَ لَهُ فَدَخَلَ، فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ لأَبِى بَكْرٍ أَخْرِجْ مَنْ عِنْدَكَ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّمَا هُمْ أَهْلُكَ بِأَبِى أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ فَإِنِّى قَدْ أُذِنَ لِى فِى الْخُرُوجِ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الصَّحَابَةُ بِأَبِى أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَعَمْ. قَالَ أَبُو بَكْرٍ فَخُذْ بِأَبِى أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِحْدَى رَاحِلَتَىَّ هَاتَيْنِ. قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

بالثَّمَنِ .قَالَتْ عَائِشَةُ فَجَهَّزْنَاهُمَا أَحَثَّ الْجِهَازِ، وَصَنَعْنَا لَهُمَا سُفْرَةً فِى جِرَابٍ، فَقَطَعَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ أَبِى بَكْرٍ قِطْعَةً مِنْ نِطَاقِهَا فَرَبَطَتْ بِهِ عَلَى فَمِ الْجِرَابِ، فَبِذَلِكَ سُمِّيَتْ ذَاتَ النِّطَاقِ قَالَتْ ثُمَّ لَحِقَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ بِغَارٍ فِى جَبَلِ ثَوْرٍ فَكَمَنَا فِيهِ ثَلاَثَ لَيَالٍ، يَبِيتُ عِنْدَهُمَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِى بَكْرٍ وَهُوَ غُلاَمٌ شَابٌّ ثَقِفٌ لَقِنٌ، فَيُدْلِجُ مِنْ عِنْدِهِمَا بِسَحَرٍ، فَيُصْبِحُ مَعَ قُرَيْشٍ بِمَكَّةَ كَبَائِتٍ، فَلاَ يَسْمَعُ أَمْرًا يُكْتَادَانِ بِهِ إِلاَّ وَعَاهُ، حَتَّى يَأْتِيَهُمَا بِخَبَرِ ذَلِكَ حِينَ يَخْتَلِطُ الظَّلاَمُ، وَيَرْعَى عَلَيْهِمَا عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ مَوْلَى أَبِى بَكْرٍ مِنْحَةً مِنْ غَنَمٍ، فَيُرِيحُهَا عَلَيْهِمَا حِينَ يَذْهَبُ سَاعَةٌ مِنَ الْعِشَاءِ، فَيَبِيتَانِ فِى رِسْلٍ وَهُوَ لَبَنُ مِنْحَتِهِمَا وَرَضِيفِهِمَا، حَتَّى يَنْعِقَ بِهَا عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ بِغَلَسٍ، يَفْعَلُ ذَلِكَ فِى كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ تِلْكَ اللَّيَالِى الثَّلاَثِ، وَاسْتَأْجَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ رَجُلاً مِنْ بَنِى الدِّيلِ، وَهُوَ مِنْ بَنِى عَبْدِ بْنِ عَدِىٍّ هَادِيًا خِرِّيتًا وَالْخِرِّيتُ الْمَاهِرُ بِالْهِدَايَةِ قَدْ غَمَسَ حِلْفًا فِى آلِ الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ السَّهْمِىِّ، وَهُوَ عَلَى دِينِ كُفَّارِ قُرَيْشٍ فَأَمِنَاهُ، فَدَفَعَا إِلَيْهِ رَاحِلَتَيْهِمَا، وَوَاعَدَاهُ غَارَ ثَوْرٍ بَعْدَ ثَلاَثِ لَيَالٍ بِرَاحِلَتَيْهِمَا صُبْحَ ثَلاَثٍ، وَانْطَلَقَ مَعَهُمَا عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ وَالدَّلِيلُ فَأَخَذَ بِهِمْ طَرِيقَ السَّوَاحِلِ .أطرافه 476، 2138، 2263، 2264، 2297، 4093، 5807، 6079

3906قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَأَخْبَرَنِى عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَالِكٍ الْمُدْلِجِىُّ وَهُوَ ابْنُ أَخِى سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ سُرَاقَةَ بْنَ جُعْشُمٍ يَقُولُ جَاءَنَا رُسُلُ كُفَّارِ قُرَيْشٍ يَجْعَلُونَ فِى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَبِى بَكْرٍ دِيَةَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا، مَنْ قَتَلَهُ أَوْ أَسَرَهُ، فَبَيْنَمَا أَنَا جَالِسٌ فِى مَجْلِسٍ مِنْ مَجَالِسِ قَوْمِى بَنِى مُدْلِجٍ أَقْبَلَ رَجُلٌ مِنْهُمْ حَتَّى قَامَ عَلَيْنَا وَنَحْنُ جُلُوسٌ، فَقَالَ يَا سُرَاقَةُ، إِنِّى قَدْ رَأَيْتُ آنِفًا أَسْوِدَةً بِالسَّاحِلِ أُرَاهَا مُحَمَّدًا وَأَصْحَابَهُ .قَالَ سُرَاقَةُ فَعَرَفْتُ أَنَّهُمْ هُمْ، فَقُلْتُ لَهُ إِنَّهُمْ لَيْسُوا بِهِمْ، وَلَكِنَّكَ رَأَيْتَ فُلاَنًا وَفُلاَنًا انْطَلَقُوا بِأَعْيُنِنَا .ثُمَّ لَبِثْتُ فِى الْمَجْلِسِ سَاعَةً، ثُمَّ قُمْتُ فَدَخَلْتُ فَأَمَرْتُ جَارِيَتِى أَنْ تَخْرُجَ بِفَرَسِى وَهْىَ مِنْ وَرَاءِ أَكَمَةٍ فَتَحْبِسَهَا عَلَىَّ، وَأَخَذْتُ رُمْحِى، فَخَرَجْتُ بِهِ مِنْ ظَهْرِ الْبَيْتِ، فَحَطَطْتُ بِزُجِّهِ الأَرْضَ، وَخَفَضْتُ عَالِيَهُ حَتَّى أَتَيْتُ فَرَسِى فَرَكِبْتُهَا، فَرَفَعْتُهَا تُقَرَّبُ بِى حَتَّى دَنَوْتُ مِنْهُمْ، فَعَثَرَتْ بِى فَرَسِى، فَخَرَرْتُ عَنْهَا فَقُمْتُ، فَأَهْوَيْتُ يَدِى إِلَى كِنَانَتِى فَاسْتَخْرَجْتُ مِنْهَا الأَزْلاَمَ، فَاسْتَقْسَمْتُ بِهَا أَضُرُّهُمْ أَمْ لاَ فَخَرَجَ

الَّذِى أَكْرَهُ، فَرَكِبْتُ فَرَسِى، وَعَصَيْتُ الأَزْلَامَ، تُقَرِّبُ بِى حَتَّى إِذَا سَمِعْتُ قِرَاءَةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ لَا يَلْتَفِتُ، وَأَبُو بَكْرٍ يُكْثِرُ الالْتِفَاتَ سَاخَتْ يَدَا فَرَسِى فِى الأَرْضِ حَتَّى بَلَغَتَا الرُّكْبَتَيْنِ، فَخَرَرْتُ عَنْهَا ثُمَّ زَجَرْتُهَا فَنَهَضَتْ، فَلَمْ تَكَدْ تُخْرِجُ يَدَيْهَا، فَلَمَّا اسْتَوَتْ قَائِمَةً، إِذَا لأَثَرِ يَدَيْهَا عُثَانٌ سَاطِعٌ فِى السَّمَاءِ مِثْلُ الدُّخَانِ، فَاسْتَقْسَمْتُ بِالأَزْلَامِ، فَخَرَجَ الَّذِى أَكْرَهُ، فَنَادَيْتُهُمْ بِالأَمَانِ فَوَقَفُوا، فَرَكِبْتُ فَرَسِى حَتَّى جِئْتُهُمْ، وَوَقَعَ فِى نَفْسِى حِينَ لَقِيتُ مَا لَقِيتُ مِنَ الْحَبْسِ عَنْهُمْ أَنْ سَيَظْهَرُ أَمْرُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقُلْتُ لَهُ إِنَّ قَوْمَكَ قَدْ جَعَلُوا فِيكَ الدِّيَةَ. وَأَخْبَرْتُهُمْ أَخْبَارَ مَا يُرِيدُ النَّاسُ بِهِمْ، وَعَرَضْتُ عَلَيْهِمُ الزَّادَ وَالْمَتَاعَ، فَلَمْ يَرْزَآنِى وَلَمْ يَسْأَلَانِى إِلَّا أَنْ قَالَ أَخْفِ عَنَّا. فَسَأَلْتُهُ أَنْ يَكْتُبَ لِى كِتَابَ أَمْنٍ، فَأَمَرَ عَامِرَ بْنَ فُهَيْرَةَ، فَكَتَبَ فِى رُقْعَةٍ مِنْ أَدِيمٍ، ثُمَّ مَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ.

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِى عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَقِىَ الزُّبَيْرَ فِى رَكْبٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا تِجَارًا قَافِلِينَ مِنَ الشَّأْمِ، فَكَسَا الزُّبَيْرُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَأَبَا بَكْرٍ ثِيَابَ بَيَاضٍ، وَسَمِعَ الْمُسْلِمُونَ بِالْمَدِينَةِ مَخْرَجَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ مَكَّةَ، فَكَانُوا يَغْدُونَ كُلَّ غَدَاةٍ إِلَى الْحَرَّةِ فَيَنْتَظِرُونَهُ، حَتَّى يَرُدَّهُمْ حَرُّ الظَّهِيرَةِ، فَانْقَلَبُوا يَوْمًا بَعْدَ مَا أَطَالُوا انْتِظَارَهُمْ، فَلَمَّا أَوَوْا إِلَى بُيُوتِهِمْ، أَوْفَى رَجُلٌ مِنْ يَهُودَ عَلَى أُطُمٍ مِنْ آطَامِهِمْ لأَمْرٍ يَنْظُرُ إِلَيْهِ، فَبَصُرَ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَصْحَابِهِ مُبَيَّضِينَ يَزُولُ بِهِمُ السَّرَابُ، فَلَمْ يَمْلِكِ الْيَهُودِىُّ أَنْ قَالَ بِأَعْلَى صَوْتِهِ يَا مَعَاشِرَ الْعَرَبِ هَذَا جَدُّكُمُ الَّذِى تَنْتَظِرُونَ. فَثَارَ الْمُسْلِمُونَ إِلَى السِّلَاحِ، فَتَلَقَّوْا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بِظَهْرِ الْحَرَّةِ، فَعَدَلَ بِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ حَتَّى نَزَلَ بِهِمْ فِى بَنِى عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ، وَذَلِكَ يَوْمَ الاثْنَيْنِ مِنْ شَهْرِ رَبِيعٍ الأَوَّلِ، فَقَامَ أَبُو بَكْرٍ لِلنَّاسِ، وَجَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَامِتًا، فَطَفِقَ مَنْ جَاءَ مِنَ الأَنْصَارِ مِمَّنْ لَمْ يَرَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يُحَيِّى أَبَا بَكْرٍ، حَتَّى أَصَابَتِ الشَّمْسُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَأَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى ظَلَّلَ عَلَيْهِ بِرِدَائِهِ، فَعَرَفَ النَّاسُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عِنْدَ ذَلِكَ، فَلَبِثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِى بَنِى عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ بِضْعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً وَأُسِّسَ الْمَسْجِدُ الَّذِى أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَى، وَصَلَّى فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، ثُمَّ رَكِبَ رَاحِلَتَهُ فَسَارَ يَمْشِى مَعَهُ النَّاسُ حَتَّى بَرَكَتْ عِنْدَ مَسْجِدِ الرَّسُولِ ﷺ بِالْمَدِينَةِ، وَهُوَ يُصَلِّى فِيهِ يَوْمَئِذٍ رِجَالٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَكَانَ مِرْبَدًا لِلتَّمْرِ لِسُهَيْلٍ وَسَهْلٍ غُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِى حَجْرِ أَسْعَدَ بْنِ زُرَارَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حِينَ بَرَكَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ هَذَا إِنْ شَاءَ

اللَّهُ الْمَنْزِلُ .ثُمَّ دَعَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْغُلاَمَيْنِ، فَسَاوَمَهُمَا بِالْمِرْبَدِ لِيَتَّخِذَهُ مَسْجِدًا، فَقَالاَ لاَ بَلْ نَهَبُهُ لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، ثُمَّ بَنَاهُ مَسْجِدًا، وَطَفِقَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَنْقُلُ مَعَهُمُ اللَّبِنَ فِي بُنْيَانِهِ، وَيَقُولُ وَهُوَ يَنْقُلُ اللَّبِنَ هَذَا الْحِمَالُ لاَ حِمَالَ خَيْبَرْ هَذَا أَبَرُّ رَبَّنَا وَأَطْهَرْ .وَيَقُولُ اللَّهُمَّ إِنَّ الأَجْرَ أَجْرُ الآخِرَهْ فَارْحَمِ الأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَهْ .فَتَمَثَّلَ بِشِعْرِ رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ لَمْ يُسَمَّ لِي .قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَلَمْ يَبْلُغْنَا فِي الأَحَادِيثِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ تَمَثَّلَ بِبَيْتِ شِعْرٍ تَامٍّ غَيْرِ هَذَا الْبَيْتِ

حضرت عائشہ کہتی ہیں جب سے میں نے ہوش سنبھالی ہے اپنے والدین کو دینِ اسلام پہ کار بند ہی دیکھا اور کوئی دن نہ گزرتا تھا مگر نبی کریم صبح اور شام ہمارے گھر تشریف لاتے تھے، جب مسلمانوں پہ ابتلاء بڑھی تو ابو بکر بھی تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلے، برکِ غماد پہنچے تو ابن دغنہ ملا یہ قارہ قبیلہ کا سردار تھا۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ کہا میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے اب میں اللہ کی زمین میں سیاحت کرونگا اور اس کی ہی عبادت کرونگا، کہنے لگا اے ابو بکر تمہارے جیسے آدمی کو نکالا نہیں جانا چاہئے نہ اسے خود نکلنا چاہئے، کہ تم محتاج کی مدد کرتے ہو، صلہ رحمی اور مہمانوں کی میزبانی کرتے ہو اور حقیقی مصیبت زدگان کی امداد کرتے ہو، میں تمہیں پناہ دیتا ہوں اپنے شہر میں رہ کر ہی اللہ کی عبادت کرو، تو وہ واپس ہوئے، ابن دغنہ بھی آیا اور شام کو سب قریش سرداروں سے ملا اور ان سے کہا ابو بکر جیسے افراد کو نکالا نہیں جانا چاہئے، کیا تم ایسے آدمی کو نکالتے ہو جو بے کسوں کی خدمت کرتا ہے، صلہ رحمی، مہمان کی میزبانی اور رفاہی کاموں میں حصہ لیتا ہے؟ تو قریش نے ابن دغنہ کی دی ہوئی امان کا انکار نہیں کیا بس یہ شرط لگا لی کہ ابو بکر سے کہو اپنے گھر کے اندر اپنے رب کی عبادت کرے اس میں نماز پڑھے تلاوت کرے جو چاہے کرے، اعلانیہ عبادت کر کے ہمیں ایذاء نہ دے اور نہ ہماری عورتوں اور بچوں کو خراب کرے، ابن دغنہ نے یہ بات ابو بکر سے کہہ دی کچھ مدت تک ابو بکر گھر کے اندر ہی عبادت کرتے رہے، نہ برسرِ عام نماز ادا کرتے اور نہ تلاوت، لیکن پھر ان کا خیال بدلا تو اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنا لی اب اس میں نماز ادا کرتے اور قرآن پڑھتے، نتیجہ یہ نکلا کہ مشرکین کی عورتوں اور بچوں کا وہاں ہجوم ہو جاتا وہ حیرت و پسندیدگی سے انہیں دیکھتے رہتے اور ابو بکر بہت رونے والے انسان تھے قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکتے اس سے مشرکوں کے سرداروں کو بڑی گھبراہٹ ہوئی (کہ کہیں ان کی عورتیں اور بچے متاثر نہ ہو جائیں)۔

تو ابن دغنہ کو آپکا پیغام بھیجا وہ آیا تو اس سے کہنے لگے ہم نے اس شرط پہ ابو بکر کو دی ہوئی آپکی امان قبول کی تھی کہ وہ اپنے گھر کے اندر اللہ کی عبادت کریگا مگر اس نے اس سے تجاوز کیا ہے ادر گھر کے صحن میں ایک مسجد بنا لی ہے اب علانیہ نماز ادا کرتا اور تلاوتِ قرآن کرتا ہے ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری عورتوں اور بچوں کو فتنہ میں نہ ڈالدے تو اسے منع کر دا گر تو وہ گھر کے اندر عبادت کرنے پر راضی ہے تو ٹھیک وگرنہ ان سے کہو کہ آپکی امان واپس کر دیں ہم اس امر کو برا سمجھتے ہیں کہ آپکی دی امان کی مخالفت کریں، حضرت عائشہ کہتی ہیں ابن دغنہ ابو بکر کے پاس آیا اور کہنے لگا آپکو علم ہے کہ کس شرط پہ ہمارا معاہدہ ہوا تھا اب یا تو اس شرط کا پاس کرو یا میری امان واپس کر دو، میں نہیں چاہتا کہ عرب سنیں میری دی ہوئی امان کی خلاف ورزی کیگئی ہے، حضرت ابو بکر نے کہا میں آپکی امان واپس کرتا ہوں اور اللہ کی امان پر راضی ہوں، نبی پاک ان دنوں مکہ میں ہی تھے آپ نے مسلمانوں

سے فرمایا مجھے تمہارا دارِ ہجرت دو پتھریلے میدانوں کے مابین کھجوروں والی سرزمین دکھلائی گئی ہے چنانچہ عام وہ لوگ جو حبشہ ہجرت کر چکے تھے اب واپس ہوئے اور مدینہ کا رخ کیا حضرت ابوبکر نے بھی مدینہ ہجرت کی تیاری کی نبی اکرم ان سے فرمانے لگے کچھ دن ٹھہرو، مجھے امید ہے کہ مجھے بھی جانے کا اذن ملنے والا ہے، ابوبکر نے کہا میرا باپ آپ پہ قربان! کیا آپ کو امید ہے؟ فرمایا ہاں، تو حضرت ابوبکر آنجناب کی رفاقت کے خیال سے رک گئے اور دو اونٹنیوں کو جو ان کے پاس تھیں، کیکر کے پتے کھلا کر تیار کرنے لگے۔

چار ماہ گزر گئے، کہتی ہیں ایک دن ہم گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے ابوبکر سے کہا یہ رسول اللہ سر کو ڈھانپے چلے آتے ہیں، وہ بولے میرے والدین ان پہ فدا ہوں اس وقت کسی اہم معاملہ کے پیشِ نظر تشریف آوری ہوئی ہے، کہتی ہیں نبی پاک آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی جب اندر آئے تو فرمایا اس وقت جو لوگ ہیں انہیں ذرا باہر نکال دو، ابوبکر نے عرض کی میرے والد قربان یہ آپکا اہل ہے، پھر فرمایا اللہ نے ہجرت کا اذن دیا ہے، ابوبکر کہنے لگے میرے والدین قربان مجھے بھی ساتھ جانے کی اجازت ملی ہے؟ فرمایا ہاں، عرض کی ان اونٹنیوں میں سے ایک آپ پسند فرمالیں، فرمایا قیمت کے ساتھ، عائشہ کہتی ہیں پھر ہم نے دونوں کا سامان تیار کرنا شروع کیا اور زادِ راہ ایک تھیلے میں رکھا، اسماء نے اپنے پٹکے کے ٹکڑے کر کے ایک سے اس تھیلے کو باندھ دیا اسی وجہ سے انکا لقب ذات النطاق پڑ گیا پھر نبی پاک اور ابوبکر غارِ ثور میں چلے گئے، تین راتیں وہاں گزاریں اس دوران عبد اللہ بن ابوبکر جو ایک زیرک اور ذہین نوجوان تھے، ان کے پاس رات گزارتے اور سحر ہونے سے قبل ہی مکہ پہنچ جاتے گویا رات مکہ ہی میں گزاری ہو پھر اہلِ مکہ کی سرگرمیوں کے بارہ میں جو کچھ سنتے رات کو انہیں جا بتلاتے، جب اندھیرا چھا جاتا تو عامر بن فہیرہ جو ابوبکر کے آزاد کردہ غلام تھے اور دن بھر قریب ہی بکریاں چراتے رہتے وہ عشاء کے بعد بکریاں غار کے قریب لے آتے، ہر رات یہی کرتے رہے، حضرت ابوبکر نے بنی دیل کے ایک شخص کو راستہ بتلانے کیلئے اجرت پہ مقرر کیا ہوا تھا وہ ایک ماہر دلیلِ راہ تھا، اور آلِ عاص بن وائل سہمی کا حلیف تھا اور ابھی تک دینِ قریش پر تھا مگر انہیں اس پہ اعتماد تھا اس کے حوالے اونٹنیاں کی ہوئی تھیں اور تین دن بعد غارِ ثور آنے کا کہا ہوا تھا، چنانچہ تیسرے دن کی صبح یہ وہاں آ گیا اور مع عامر بن فہیرہ کے ساحل کے راستے روانہ ہوئے۔

ابن شہاب کہتے ہیں عبدالرحمٰن بن مالک مدلجی جو سراقہ بن مالک بن جعشم کے بھتیجے ہیں، نے مجھے خبر دی کہ اس نے سراقہ سے سنا کہتے ہیں میں اپنی قوم بنی مدلج کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا اے سراقہ ابھی میں نے ساحل کے راستے میں کچھ سائے دیکھے ہیں میرا خیال ہے یہ محمد اور ان کے ساتھی ہیں، سراقہ کہتے ہیں مجھے پتہ چل گیا کہ یہ نبی پاک ہی ہیں مگر میں نے اس سے کہا یہ وہ نہیں، یہ تو فلاں اور فلاں ہیں جو ہمارے سامنے روانہ ہوئے ہیں، پھر میں مجلس میں ایک ساعت ٹھہرا پھر گھر گیا اور اپنی لونڈی سے کہا کہ چپکے سے میرا گھوڑا لے کر ٹیلے کے پیچھے چلی جائے اور وہاں میرا انتظار کرے پھر میں گھر کے پچھواڑے سے نیزہ کی نوک زمین پہ لگائے خاموشی سے نکلا گھوڑے پہ سوار ہو کر اسے بگٹٹ دوڑا دیا جلد ہی ان کے قریب ہوا اچانک گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں اس پر سے گر پڑا، اپنا ہاتھ ترکش میں ڈالا اور فال نکالی کہ آیا انہیں نقصان پہنچا سکوں گا یا نہیں؟ تو نتیجہ میری مرضی کے خلاف نکلا میں پھر گھوڑے پہ سوار ہوا قریب آیا حتی کہ نبی پاک کی قراءت کی آواز سننے لگا تو پھر اسے ٹھوکر لگی اور میں دوبارہ گر پڑا، آپ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے البتہ ابوبکر کثرت سے مڑ مڑ کر دیکھتے جاتے اچانک گھوڑا زمین میں گھٹنوں گھٹنوں دھنس گیا میں گر پڑا اسے ڈانٹا تو بڑی مشکل سے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور زور سے اپنے گھٹنے کھینچے،

ایک غبار سا آسمان کی طرف اٹھا میں نے پھر فال نکالی دوبارہ نتیجہ میری مرضی کے خلاف نکلا، اب میں نے امان کی دہائی دی تو وہ ٹھہر گئے میں گھوڑے پہ سوار ان سے قریب ہوا میرے ذہن میں آیا جس طرح مجھے نقصان پہنچانے سے روکا گیا ہے لگتا ہے نبی پاک کا امر ایک دن غالب آ کر رہیگا، میں نے کہا آپکی قوم نے آپ کی نسبت سو اونٹوں کے انعام کا اعلان کر رکھا ہے پھر آپ کو لوگوں کے ارادوں کی خبر دی اور پیشکش کی کہ میرے پاس جو سامان ہے، لے لیں مگر آپ نے (ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے) قبول نہ کیا، میرے مطالبہ پہ میرے لئے چمڑے کے ایک ٹکڑے میں امان نامہ لکھ دیا، پھر آپ سوئے مدینہ روانہ ہوگئے۔ ابن شہاب کہتے ہیں عروہ نے بیان کیا کہ راستے میں حضرت زبیر مسلمانوں کے ایک گروہ کے ہمراہ ملے جو شام سے تجارت کرتے ہوئے واپس آ رہے تھے، انہوں نے آنجناب اور ابوبکر کو سفید کپڑے پہنائے، ادھر مدینہ کے مسلمانوں نے سن لیا تھا کہ آپ مکہ سے نکل چکے ہیں، وہ ہر روز صبح کے وقت حرہ آ کر آپکی راہ تکتے رہتے دوپہر ہوتی تو واپس لوٹ جاتے، ایک دن ایسے ہی طویل انتظار کے بعد واپس ہولئے تھے کہ ایک یہودی کسی کام سے اپنے مکان کی چھت پر چڑھا اسے دور سے سفید سفید نبی پاک اور آپ کے ساتھی دکھائی دئے، وہ بے اختیار بآوازِ بلند پکار اٹھا اے عرب کے لوگو! یہ تمہارے بزرگ سردار آ پہنچے، یہ سننا تھا کہ مسلمان ہتھیاروں کی طرف لپکے اور حرہ میں رسول اللہ سے جا ملے، آپ دائیں طرف کے راستہ میں مڑ گئے اور بنی عمرو بن عوف کے محلّہ میں جا اترے، یہ ربیع الاول کا مہینہ اور سوموار کا دن تھا، ابوبکر آنے والے لوگوں کا سواگت کرنے کیلئے کھڑے ہوئے جبکہ نبی اکرم خاموشی سے ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے، جن انصار نے قبل ازیں نبی پاک کو نہ دیکھا تھا وہ حضرت ابوبکر کو رسول سمجھ کر سلام کرتے، حتی کہ دھوپ پڑنے لگی اور حضرت ابوبکر نے اپنی چادر سے آنجناب پر سایہ کر دیا، اس سے سب نے آنجناب کو پہچان لیا، نبی اکرم نے بنی عمرو بن عوف کے ہاں دس سے کچھ زائد دن قیام کیا، اس دوران وہ مسجد تعمیر فرمائی جس کی بابت قرآن میں ذکر ہوا ہے کہ تقوی پر اس کی اساس رکھی گئی، اور اس میں نمازیں ادا فرمائیں، پھر ایک دن سوار ہوئے لوگ بھی آپکے ساتھ ساتھ چلتے جاتے تھے، حتی کہ آپکی سواری مدینہ میں اس جگہ آ کر بیٹھ گئی جہاں آج مسجد ہے، یہ جگہ مسلمانوں نے نماز ہی کیلئے خاص کر رکھی تھی، اصل میں یہ سہیل اور سہل جو دو یتیم بھائی اور اسعد بن زرارہ کے زیرِ کفالت تھے، کی ملکیت کھجوروں کا کھلیان تھا، جب یہاں آپ کی اونٹنی آ کر بیٹھ گئی تو آپ نے فرمایا ان شاء اللہ یہی ٹھکانہ ہوگا، پھر ان لڑکوں کو بلوایا اور اس جگہ کو خریدنے کا معاملہ کرنا چاہا تاکہ وہاں مسجد کی تعمیر فرمائیں، وہ بولے یا رسول اللہ ہم آپ کو یہ جگہ ہبہ کرتے ہیں مگر آپ نے انکار کیا اور قیمۃً لینے پر اصرار کیا (پھر مسجد کی تعمیر شروع ہوئی) اور صحابہ کے ساتھ نبی پاک بھی اینٹیں ڈھوتے اور فرماتے جاتے: یہ بوجھ خیبر کے بوجھ سے ابرّ واطہر ہے اور یہ بھی: کہ اے اللہ اجر تو آخرت ہی کا اجر ہے پس تو مہاجرین وانصار پر رحم فرما، یہ ایک مسلمان شاعر کا کلام تھا جسکا نام نہیں ذکر کیا، ابن شہاب کہتے ہیں احادیث میں ہمیں نبی پاک کی نوکِ زباں پہ آئے بس اسی شعر کا پتہ چلا ہے۔

(يدينان الدين) الدین منصوب علی نزع الخافض یا علی التجوز مفعول بہ ہے۔ (برك الغماد) باء پر زبر ہے، زیر بھی محکی ہے، اسی طرح غماد کی غین کو مفتوح اور مضموم دونوں طرح پڑھا گیا، مکہ سے یمن کی جہت پانچ دن کی مسافت پر ایک جگہ تھی بکری لکھتے ہیں ہجر کے آس پاس واقع تھی، ہمدانی کے نزدیک یمن میں واقع تھی مگر اول قول ارجح ہے، ابن خالو یہ لکھتے ہیں میں محاملی کی مجلسِ حدیث جس میں شرکاء کی تعداد ہزار کے قریب تھی، میں حاضر ہوا تو منجملہ احادیث کے یہ بھی املاء کرائی جسمیں یہ جملہ تھا: (فقالت الأنصار لو دعوتَنا إلى برك الغماد) انہوں نے غینِ مکسور کے ساتھ روایت کیا، کہتے ہیں میں نے مستملی سے کہا یہ تو غینِ مضموم کے ساتھ

ہے، انہوں نے شیخ سے اس کا ذکر کیا انہوں نے مجھ سے پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا ابن درید سے اس کے بارہ میں سوال کیا تھا تو ان کا جواب تھا یہ جہنم کا ایک بقعہ ہے، اس پر محاملی کہنے لگے میری کتاب میں بھی غین پر پیش کے ساتھ ہے۔

بقول ابن خالویہ ابن درید نے یہ شعر سنائے: (و إذاتَنَكَّرَ تِ البلادُ فأوُلِها كنف البعاد واجعَلْ مقامَك أو مقر كَ جانِبَيْ بَركِ الغماد)۔ ابن خالویہ کہتے ہیں میں نے ابوعمرو یعنی غلامِ ثعلب سے بھی اس بارے سوال کیا تو انہوں نے بتلایا غین پر زیر اور پیش دونوں ٹھیک ہیں، یمن کے ایک موضع کا نام ہے اس کے نزدیک بئرِ برہوت واقع ہے جس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ کفار کی روحیں اس میں ہونگی، بعض متاخرین نے ابن درید کی بات کو مستبعد قرار دیا اور لکھا ہے کہ یمن کی ایک جگہ کا نام کہنا مناسب ہے کیونکہ نبی اکرم انہیں جہنم جانے کی دعوت تو نہیں دے سکتے تھے؟ بقول ابن حجر یہ بطورِ مبالغہ تھا حقیقت مراد نہیں، کہتے ہیں پھر میرے لئے ظاہر ہوا ہے کہ دونوں اقوال کے مابین کوئی تنافی نہیں تو ان کا جہنم کی ایک جگہ قرار دینا علی مجاز المحاورۃ تھا جو اس قول پر مبنی ہے کہ برھوت ارواحِ کفار کا ماٴویٰ ہے جو اہلِ نار ہیں۔

(ابن الدغنة) اہلِ لغت کے نزدیک دال اور غین مضموم اور نون پر شد ہے مگر رواۃ نے دالِ مفتوح غینِ مکسور اور نونِ مخفف کے ساتھ نقل کیا ہے، اصیلی کہتے ہیں مروزی نے ہمیں غین کی زبر کے ساتھ پڑھایا، کہا جاتا ہے یہ ان کی زبان میں موجود استرخاء (یعنی پولے سے لہجہ میں بولنا، اسکا لغوی معنی ہے: نرمی) کا نتیجہ تھا، درست زیر ہے، ایک طریقِ روایت میں تشدیدِ نون اور تخفیف دونوں کے ساتھ ثابت ہے۔ دغنہ اس کی والدہ بعض کے نزدیک دادی اور بعض کے نزدیک اس کی سواری کا نام تھا، دغنہ بمعنی مسترخیہ ہے، اصل میں بہت بارش والے بادل کو کہتے ہیں، اس کے نام میں تعددِ آراء ہے، بلاذری نے واقدی عن معمر عن الزھری سے حارث بن یزید ذکر کیا ہے، سہیلی مالک نقل کرتے ہیں شرحِ کرمانی میں ہے کہ ابن اسحاق نے ربیعہ بن رفیع لکھا ہے مگر یہ کرمانی کا وہم ہے، ربیعہ ایک اور شخص ہیں جو سلمی تھے اسے بھی ابن دغنہ کہا جاتا تھا جبکہ یہاں ذکر ہے کہ وہ قارہ قبیلہ سے تھا، ابن اسحاق نے دوسرے شخص کا معرکۂ حنین کے ضمن میں ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں کہ درید بن صمہ ان کے ہاتھوں قتل ہوا تھا، اس قصہ میں اُس کا ذکر نہیں کیا، ایک اور صحابی بھی ابن دغنہ سے معروف تھے ان کا نام حابس اور وہ کلبی تھے ان کے قبول اسلام کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک جن نے بصورتِ اشعار انہیں مخاطب کر کے اسلام قبول کر لینے کو کہا، ایک مصرعہ ہے: (يا حابسَ بنَ دغنة يا حابس) اس سے یہ تائید بھی ملتی ہے کہ دغنہ روایت میں نونِ مخفف کے ساتھ ہے (کیونکہ مصرعہ میں اگر نون پر شد پڑھیں تو وزن ٹوٹ جاتا ہے)۔

(سيد القارة) بنی هُون کا ایک مشہور قبیلہ تھا، ابن خزیمہ بن مدرکہ بن اِلیاس بن مضر، قریش کی شاخ بنی زہرہ کے حلیف تھے، تیراندازی میں ان کی مہارت ضرب المثل تھی۔ (أخرجني قومي) یعنی نکلنے کا سبب بنے (یعنی براہ راست نکل جانے کو نہیں کہا تھا)۔ (أن أسيح) شائد حضرت ابوبکر نے عمداً حبشہ کا نام پوشیدہ رکھا کیونکہ وہ کافر تھا وگرنہ پہلے مذکور ہے کہ حبشہ جانے کے ارادہ سے نکلے تھے، سیاحت سے کسی ایک جگہ مستقل اقامت نہ کرنا مراد لیا جاتا ہے۔ (و تكسب المعدوم) کشمیہنی کے نسخہ میں (المعدم) ہے، صحیح بخاری کے آغاز بدء الوحی میں ان الفاظ کی شرح بیان ہو چکی ہے، ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر کی توصیف میں بعینہٖ وہی الفاظ کہے جو حضرت خدیجہؓ نے نبی اکرم کی توصیف میں کہے تھے (جب پہلی وحی کے نزول کے بعد سراسیمہ سے گھر تشریف لائے اور فرمایا مجھے اپنی جان کا خدشہ ہے) اس سے حضرت ابوبکر کی فضیلت اور ان بالغہ فی انواع الکمال صفات سے ان کا متصف ہونا عیاں ہے (اور یہ بھی کہ

ان کی ذات آنجناب کی ذات کا مکمل عکس تھی)۔

(و لا یخرج) اس سے بعض مالکیہ نے استنباط کیا ہے کہ خلقِ خدا کو نفع پہنچانے والے کسی شخص کا بغیر ضرورتِ راجحہ کسی دوسرے علاقہ میں منتقل ہونا درست نہیں۔

(فلم تکذب قریش) یعنی اس کی یہ دیگئی امان رد نہیں کی، مکذب دراصل ردِ قول کرنے والا ہوتا ہے، تکذیب بول کر لازم مراد لیا ہے، الکفالہ کی روایت میں تھا: (فأنفذتْ قریش جوارَ ابن الدغنة و آمنَتْ أبابكر)۔ ابن دغنہ کی دیگئی اس امان میں ایک اشکال یہ ہے وہ یہ کہ آنجناب کے سفرِ طائف سے واپسی کے واقع میں ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے اخنس بن شریق سے درخواست کی کہ وہ آپ کو اپنی پناہ میں مکہ لے آئے مگر اس نے اعتذار کیا تھا کہ میں حلیف ہوں (لہٰذا اجارت ممکن نہیں) وہ بھی بنی زہرہ کا حلیف تھا (مگر یہاں ابن دغنہ باوجود حلیف ہونے کے حضرت ابوبکر کو پناہ دیتا ہے اور قریش اس کی اس پناہ کی پاسداری بھی کرتے ہیں)، جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ ابن دغنہ یہاں خود بغیر کہے، پناہ دینے پر راغب تھا جبکہ اخنس کی ذاتی رغبت نہ تھی بہر حال نبی اکرم نے اس کا برا نہ منایا تھا۔

(بجوار) جیم پر زیر اور پیش دونوں درست ہیں، الکفالہ میں اس کی مراد ذکر ہو چکی ہے۔ (فلبث أبوبكر) کتنی مدت اس کی امان میں رہے؟ اس کا علم نہ ہو سکا۔ (فینقذف) الکفالہ میں (فیتقصف) تھا یعنی بہت ہجوم ہو جاتا حتی کہ بعض کے بعض پر گرنے اور کچھ منکسر ہونے کا خدشہ پیدا ہو جاتا، بقول خطابی (یتقصف) محفوظ ہے، یتقذف کا یہاں کوئی معنی نہیں بنتا الا یہ کہ وہ قذف سے ماخوذ سمجھا جائے یعنی اتنا ازدحام ہوتا کہ (یقذف بعضهم بعضا) یعنی ایک دوسرے سے دھکم پیل کرتے اور ان پر گر پڑتے تھے، اس لحاظ سے یہ پہلے معنی کی طرف ہی راجع ہے۔

(فأفزع ذلك) انہیں یہ گھبراہٹ ہوئی کہ عورتوں، بچوں اور نوجوانوں کے دل بڑے رقیق و نازک ہوتے ہیں مبادا کہیں متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام نہ بن جائیں۔ (أن یفتن) ابوذر کے نسخہ میں معلوم اور باقیوں کے ہاں مجہول کا صیغہ ہے مابعد نائب فاعل ہوگا۔ (نخفرك) نونِ مضموم یعنی رباعی ہے بمعنی غدر، ثلاثی (خفرَ) بمعنی (حفظ) ہوتا ہے۔ (وأرضی بجوار الله) اس سے ظاہر ہوا کہ دین میں اشد معاملہ وطرز اختیار کرنا جائز ہے، اس سے حضرت صدیق کی قوتِ یقین ثابت ہوئی۔

(وهما الحرتان) یہ اس حدیث میں زہری کا ادراج ہے، ماقبل کی تفسیر کر رہے ہیں، حرہ ایسی سطح زمین کو کہتے ہیں جس میں سیاہ پتھر اور کنکریاں ہوں، یہ خواب سابقہ روایتِ ابی موسی میں مذکور خواب سے الگ ہے اس میں آنجناب کو تردد لاحق تھا، ابن تین لکھتے ہیں گویا نبی اکرم کو دارِ ہجرت موعود کی ایسی صفات خواب میں دکھلائی گئیں جو کئی اور علاقوں میں بھی پائی جاتی تھیں، پھر (اس خواب میں) خاص وہ صفت دکھلائی گئی جو مدینہ منورہ کے ساتھ مختص تھی، لہٰذا وہی بطور دار الہجر ت متعین ہو گیا۔

(ورجع عامة الخ) جب ان تک خبر پہنچی کہ اھل اسلام مدینہ ہجرت کر کے آباد ہو رہے ہیں (اور اہل مدینہ ان کے انصار بن گئے ہیں) تو مکہ لوٹنا شروع کیا تا کہ وہاں سے مدینہ روانہ ہوں، اکثریت نے یہ کیا، کئی حضرات جیسے حضرت جعفر اور ان کے متعدد ساتھی وہیں رہے (جو کئی سال بعد واپس ہوئے)۔

(وتجهز أبوبكر الخ) ابن حبان کے ہاں هشام بن عروة عن ابیه سے روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے نبی پاک سے

کہ چھوڑنے کی اجازت مانگی۔ (علی رسلك) رسل سیرِ رفیق (یعنی آہستہ آہستہ چلنا) کو کہتے ہیں، ابن حبان کی روایت میں یہ الفاظ یں: (فقال اصبر)۔ (بأبی أنت) لفظ انت مبتدا اور (بأبی) اس کی خبرِ مقدم ہے ای (مفدیٌّ بأبی)، یہ بھی محتمل ہے کہ نت) فاعلِ ترجو کی تاکید اور (بأبی) قسم ہو۔ (فحبس نفسه) ابن حبان میں یہ الفاظ ہیں: (فانتظره أبو بكر الخ)۔ (وهو خبط) یہ بھی مدرَج ہے زھری کی کلام ہے، کہا جاتا ہے کہ سمر ام غیلان نام کا درخت ہے، بعض کہتے ہیں ہر وہ درخت جسکا سایہ گھنا ہو، بعض نے لکھا ہے کہ سمر بیری (طَلح) کے پتوں کو کہتے ہیں اور خبط سے مراد لاٹھی (اندھا دھند طریقے سے) شاخوں پہ مارنا جس کے نتیجہ یں پتے گرتے ہیں، یہ ابن فارس نے لکھا ہے۔ (أربعة أشهر) یہ مدت عقبۂ اولی کے بعد صحابہ کرام کی ابتدائے ہجرت سے لیکر ہے، عقبۂ ثانیہ کے دو ماہ اور چند دن بعد آنجناب نے ہجرت فرمائی تھی، جیسا کہ باب کے شروع میں ذکر ہوا۔

(قال ابن شهاب الخ) اسی اسناد کے ساتھ متصل ہے، ابن عائذ نے اپنی المغازی میں ولید بن محمد عن الزهری کے طریق سے اسے مفرداً تخریج کیا ہے، ابن حبان کی هشام بن عروة کی روایت میں بھی ماقبل کے ساتھ متصل ہے۔

(فی نحر الظهيرة) یعنی آغازِ دوپہر میں، چونکہ اس وقت (بالخصوص موسم گرما میں) یہ قیلولہ کا وقت ہوتا ہے (اور شاذ و نادر ہی لوگ باہر نکلتے ہیں، آنجناب کا اس وقت آنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آپکی نقل و حرکت کفار سے مخفی رہے) اسماء بنت ابی بکر کی طبرانی کے ہاں روایت میں ہے اس دن آپ جب دوپہر کے وقت تشریف لائے تو میں نے والد محترم کو آپکی آمد کی خبر دی۔ (متقنعا) سر ھانپے ہوئے، موسی بن عقبہ کی ابن شہاب سے روایت میں ہے حضرت عائشہ کہتی ہیں اس وقت میں اور اسماء ابوبکر کے ساتھ تھے، اس سے بعض نے طیلسان (چغہ) پہننے کے جواز پر استنباط کیا ہے مگر ابن قیم جزم کے ساتھ لکھتے ہیں کہ نہ تو نبی اکرم اور نہ کسی صحابی نے کبھی طیلسان پہنا، حدیثِ باب کا یہ جواب دیتے ہیں کہ تقنُّع تطلُّس کے مخالف ہے پھر اس موقع پر یہ تقنع ضرورۃً تھا، آپکی عادت نہ تھی لیکن ان کی اس بات کا تعاقب ایک حدیثِ انس سے کیا گیا ہے جس میں ہے کہ نبی پاک (كان يُكثر التقنع) کثیر اوقات تقنُّع کیا کرتے تھے، طبقات ابن سعد میں مرسلاً مروی ہے کہ آنجناب کے پاس طیلسان کا ذکر ہوا تو فرمایا: (هذا ثوبٌ لا يؤدی شكره)۔ یعنی یہ ایسا لباس ہے جو مؤدی شکر نہیں۔ (إنما هم أهلك) اس وقت (جیسا کہ ذکر ہوا) فقط عائشہ و اسماء تھیں، موسی بن عقبہ کی روایت میں صراحۃً ہے: (إنما هماابنتای)۔

(الصحابة) نصب کے ساتھ یعنی (أريد المصاحبة) مبتدا محذوف کی خبر کے بطور رفع بھی جائز ہے۔ (نعم) ابن اسحاق کی روایت میں حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ اس پر خوشی سے رونے لگے، کہتی ہیں قبل ازیں مجھے نہیں علم تھا کہ کوئی مارے خوشی کے بھی رو پڑتا ہے۔ (قال بالثمن) ابن اسحاق کے ہاں مزید ہے کہ آپ نے فرمایا میں ایسے اونٹ پر سوار نہیں ہوتا جو میری مِلک نہ ہو، ابوبکر کہنے لگے وہ آپکا ہوا (یعنی هدية) مگر آپ نے فرمایا اس قیمت کے بدلے جس میں تم نے خریدا ہے (اس سے ظاہر ہوا کہ برادرانہ معاملاتِ تجارت میں کم از کم قیمتِ خرید ہی لے لینی چاہئے)۔ طبرانی کی حضرت اسماء سے روایت میں ہے کہ جب آپ نے فرمایا قیمۃً لونگا، ابوبکر کہنے لگے چلیں قیمۃً ہی سہی جیسے آپکی مرضی، سہیلی الروض میں بلادِ مغرب (یعنی مراکش و الجزائر وغیرہ) کے بعض شیوخ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ان سے سوال کیا گیا کہ نبی اکرم نے بلا قیمت لینے سے انکار کیوں فرمایا؟ حالانکہ ابوبکر آپ پہ اپنا مال خرچ کرتے رہے ہیں! کہا آپ نے چاہا کہ اللہ کی راہ میں یہ ہجرت ذاتی مال سے کریں۔ واقدی کہتے ہیں آٹھ سو درہم قیمت تھی اور یہی

آنجناب کی قصواء نامی مشہور اونٹنی تھی، بنی قشیر کے جانوروں میں سے تھی سارا عہدِ نبوی آنجناب کے زیرِ سواری رہی آپکی وفات کے قلیل عرصہ بعد (غمِ مصطفیٰ میں) فوت ہوگئی، کھلی چھوڑی جاتی اور بقیع میں چرتی رہتی تھی، بقول ابن اسحاق جذعاء (نوجوان) اور بنی حریش کے اونٹوں میں سے تھی، ابن حبان کی حضرت عائشہ سے روایت میں بھی اس کے جذعاء ہونے کا ذکر ہے۔ (أحث الجهاز) اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے بمعنی اسراع، نسخۂ ابی ذر میں: (أحب) ہے، اول اصح ہے۔ جہاز کی جیم پر زبر ہے زیر بھی کبھی پڑھی جاتی ہے، بعض نے اس کا انکار کیا ہے، زادِراہ کو کہتے ہیں۔

(سفرة في جراب) سفرہ دراصل مسافر کیلئے تیار کیے گئے زادِراہ کو کہتے ہیں پھر زادِراہ رکھنے کے برتن یا تھیلی کو کہا جانے لگا پانی رکھنے کے برتن کو مزادہ کہا جاتا ہے اسی طرح راویہ بھی کہا جاتا ہے اس حدیث میں سفرۃ کا لفظ اپنے اصل معنی میں استعمال ہوا ہے، واقدی نے لکھا ہے کہ اس سفرہ میں ایک بھنی ہوئی بکری تھی۔ (ذات النطاق) کشمیہنی کے نسخہ میں تثنیہ ہے، اس سے مراد کپڑے کی وہ پٹی جو جسم کے درمیان میں باندھی جاتی ہے بعض نے اِزار فیہ تکۃ (یعنی ازار بند) کہا ہے ایک قول یہ ہے کہ عورتوں کے پہننے کا ایسا لباس کہ درمیان سے ایک پٹی کے ساتھ باندھ لیا جائے پھر اوپر والا حصہ اسفل پر ڈال دے، یہ ابوعبیدہ ہروی کا قول ہے کہتے ہیں انہیں ذات النطاقین اسلئے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نطاق کے اوپر نطاق ڈالتی تھیں، بعض نے لکھا ہے کہ حضرت اسماء کے پاس دو نطاق تھے ایک پہننے کیلئے اور دوسرا زادِسفر باندھنے کیلئے مگر اس کی وجہ۔ جیسا کہ اگلی حدیث میں مذکور ہے، یہ ہے کہ انہوں نے اپنا نطاق دو حصوں میں پھاڑ کر ایک کے ساتھ آنجناب اور حضرت ابوبکر کے زادِسفر کو باندھا اور خود باقی کے ایک حصہ پر اقتصار کیا، اسی لئے کسی نے ذات النطاق اور کسی نے دوسرے کو بھی شامل کر کے ذات النطاقتین ذکر کر دیا، ابن سعد کی اسی روایتِ باب میں ہے کہ اپنا نطاق پھاڑ کر ایک قطعہ کے ساتھ جراب اور دوسرے کے ساتھ فمِ قربہ کو باندھ دیا تو ذات النطاقین نام پڑ گیا۔

(ثم لحق رسول الله الخ) واقدی نے ذکر کیا کہ حضرت ابوبکر کے مکان کی چھت کی طرف سے ایک کھڑکی کے ذریعہ نکلے تھے، حاکم لکھتے ہیں اس بارہ میں اخبار متواتر ہیں کہ نبی اکرم ہجرت کیلئے سوموار کے دن نکلے اور مدینہ میں آپ کا داخلہ بھی بروز سوموار ہی تھا البتہ محمد بن موسی خوارزمی رقمطراز ہیں کہ مکہ سے آپ جمعرات کے دن چلے، ابن حجر کہتے ہیں اس کی تطبیق ممکن ہے، کہ مکہ سے جمعرات کے دن نکلے اور غارِ ثور میں تین دن قیام کر کے سوموار کی رات وہاں سے آگے جانے کیلئے نکلے، موسی بن عقبہ ابن شہاب سے ناقل ہیں کہ حضرت علی اس رات آنجناب کے بستر پر سو گئے تا کہ یہ ظاہر کرائیں کہ آنجناب ہی سو رہے ہیں، قریش اس شش و پنج میں رہے کہ ان میں سے کون صاحب الفراش پر حملہ کرے اور باندھ دے حتی کہ صبح ہوگئی، تو انہیں پتہ چلا کہ بستر پر تو حضرت علی تھے ان سے آپکے بارہ میں پوچھا، انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا اس پر جان گئے کہ آپ ان سے بچ کر نکل گئے ہیں۔

ابن اسحاق مزید یہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے آپ سے کہا تھا کہ آج رات اپنے بستر پر نہ سوئیں، آپ نے حضرت علی کو بلا کر اپنے بستر پر سلایا اور اپنی سبز چادر اوڑھا دی پھر نبی اکرم باہر نکلے اور سورۂ یٰس کی ابتدائی آیات: (فهم لا يُبْصِرُون) تک، تلاوت کرتے ہوئے گھر کو محاصرہ میں لئے کفار کے سروں میں ہاتھ مبارک میں لی ہوئی مٹی بکھیرتے ہوئے نکل گئے۔ احمد کی حدیثِ ابن عباس میں بسند حسن اللہ تعالیٰ کے فرمان: (و إذ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا الخ) [الأنفال : ٣٠] کی تفسیر میں ہے کہ ایک رات مکہ میں قریش نے باہم مشورہ کیا، بعض نے رائے دی صبح ہونے پر محمد کو زنجیروں میں جکڑ دیا جائے بعض نے قتل کی رائے دی جبکہ

بعض نے کہا جلاوطن کردیا جائے، اللہ تعالی نے اپنے نبی کو مطلع کر دیا، آپ نے اس رات اپنے بستر پر حضرت علی کو سلایا اور خود نکل کر غارثور پہنچ گئے، ادھر مشرکین ساری رات گھر کا محاصرہ کئے رکھے (کہ صبح دم جب باہر نکلیں گے تو چھاپ لینگے) صبح حضرت علی باہر نکلے تو پوچھا: (أین صاحبك هذا؟) انہوں نے کہاں میں نہیں جانتا، تو آپ کے نشانات ڈھونڈ کر پیچھا کرتے کرتے اسی غار تک پہنچ گئے، یہاں پہنچ کر معاملہ ان پر گڑبڑ ہوگیا، پہاڑ پر چڑھے اور غار کے دروازے پر آئے تو وہاں مکڑی کے جالے تھے، ایک نے دوسرے سے کہا اگر اندر داخل ہوئے ہوتے تو یہ جالے ٹوٹ گئے ہوتے، تو آپ یہاں تین راتیں رہے۔ موسی بن عقبہ کی زہری سے روایت میں بھی یہی ہے مزید یہ کہ ہر جانب آپ کی تلاش میں سوار دوڑائے، شیخِ نسائی ابوبکر بن علی مروزی کی مسندِ ابی بکر صدیق میں مکڑی کے جالوں کا یہ ذکر موجود ہے، واقدی لکھتے ہیں قریش نے دو کھوجی آپ کی تلاش میں ہمراہ لئے، ان میں سے ایک کرز بن علقمہ ہے، یہ یہاں غار کے دروازے پر پہنچا تو ہمرائیوں سے کہنے لگا یہاں قدموں کے نشانات آکر رک گئے ہیں (گویا اندر جانے کا یقین اسلئے نہ آیا کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو جالے کیسے سلامت رہتے تو سوچا یہاں سے کسی اور جانب چلے گئے ہیں)۔ انہوں نے دوسرے کھوجی کا نام ذکر نہیں کیا، اس کا نام ابونعیم نے الدلائل میں زید بن ارقم کی حدیث کے ضمن میں سراقہ بن جعشم ذکر کیا ہے، سراقہ کا قصہ بابِ ہذا میں مذکور ہے، مناقب ابی بکر میں بھی حضرت انس عن ابی بکر کے حوالے سے گزرا ہے۔

(ثلاث لیال) عروہ بن زبیر کی روایت میں (لیلتین) دو راتوں کا ذکر ہے، شائد انہوں نے پہلی رات کو شامل نہیں کیا، احمد اور حاکم کی طلحہ نضری سے روایت میں ہے کہ نبی اکرم نے فرمایا میں اپنے صحابی۔ یعنی ابوبکر۔ کے ہمراہ غار میں (بضعه عشر یوما)۔ (یعنی دس سے کئی دن اوپر) چھپا، کھانے کیلئے ہمارے پاس صرف ثمرالبریر (یعنی پیلو کے درخت کا پھل) ہی تھا، حاکم کہتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ غار میں اور بعد ازاں مدینہ کے راستہ میں چھپ چھپا کر سفر میں یہ مذکورہ ایام گزارے، ابن حجر لکھتے ہیں احمد کی روایت میں غار کا لفظ مذکور نہیں، یہ بعض رواۃ کی جانب سے زیادت فی الخبر ہے، اسے حالتِ ہجرت پر محمول کرنا صحیح نہیں کیونکہ صحیح بخاری کی روایتِ ہذا میں ہے کہ غار ثور میں عامر بن فہیرہ آنجناب اور حضرت ابوبکر کیلئے دودھ لایا کرتے تھے اور اس لئے کہ آگے کے راستے میں بھی ایک مرتبہ ایک راعی ملا تھا جیسا کہ اس باب کی حدیثِ براء میں ہے پھر ایک جگہ ام معبد کے خیمہ پر اترے تھے تو بظاہر یہ کسی اور وقت کے سفر کا تذکرہ ہوگا (پھر ممکن ہے روایت میں۔ یعنی ابا بکر۔ کے الفاظ بھی کسی راوی کا اضافہ ہوں آپکی۔ صاحبی۔ سے مراد ابوبکر نہ ہوں، کیونکہ واقعاتِ سیرت میں کوئی ایسا سفر مذکور نہیں جس میں آپ نے دس سے کئی دن زیادہ کسی زادِ سفر کے بغیر گزارے ہوں، ممکن ہے طائف کی طرف آنے جانے کا ذکر ہو، یا دوسری صورت یہ ہے کہ سفرِ ہجرت ہی مراد ہو تو ابن حجر نے جو ایک راعی سے دودھ خریدنے یا ام معبد کی میزبانی بصورت دودھ کا حوالہ ذکر کیا ہے، وہ تو ایک ایک دفعہ کا ذکر ہونے کے سبب کالمعدوم ہے، بہرحال ابن حجر کو پہلی مرتبہ پایا کہ کسی مرادِ روایت کا کھوج لگانے میں ناکام رہے)۔

بیہقی کی دلائلِ نبوت میں محمد بن سیرین کی مرسل روایت میں ہے کہ جس رات نبی پاک حضرت ابوبکر کے ہمراہ غار کی جانب نکلے، ابوبکر کبھی آپ کے آگے اور کبھی پیچھے پیچھے چلتے، آپ کے پوچھنے پر وجہ یہ بتلائی کہ کبھی اس خیال سے کہ پیچھے سے ڈھونڈنے والے نہ آجائیں پیچھے ہولیتا ہوں پھر خیال آتا ہے کہ آگے کوئی گھات لگائے نہ بیٹھا ہو، تو آگے ہولیتا ہوں، آپ نے پوچھا اگر کوئی خطرہ درپیش ہو تو کیا تم چاہو گے کہ میرے بدلے تم قتل کردئے جاؤ؟ کہا جی ہاں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، پھر

جب غار تک پہنچے تو حضرت ابوبکر نے کہا ابھی آپ باہر ہی ٹھہریں پھر اندر جا کر اس کا جائزہ لیا اور ہر لحاظ سے محفوظ و مامون پا کر پھر آنجناب کو اندر لیکر گئے۔

(عامر بن فهيرة) کتاب البیوع کے باب (الشراء من المشركين) میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے، موسی بن عقبہ نے زہری کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے انہیں طفیل بن سخبرہ (جو صدیق اکبر کی زوجہ ام رومان کے بیٹے تھے، آگے المغازی میں اس کا ذکر آئیگا)۔ سے خریدا تھا، انکے مسلمان ہونے پر آزاد کر دیا۔ (منحة) ہر قسم کی بکری پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے، موسی کی زہری سے مذکور روایت میں ہے کہ یہ ریوڑ حضرت ابوبکر کا تھا، وہ دن پھر دوسرے چرواہوں کے ہمراہ جنگل میں بکریاں چراتے اور غیر محسوس طریقے سے صبح سویرے اور رات کو یہاں آ جاتے۔

(حتى ينعق الخ) نعیق چرواہے کی اس آواز کو کہتے ہیں جو بکریوں کو چراتے ہوئے انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنے میں نکالتا ہے۔ (من بني عبد بن عدي) یعنی ابن دیل بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ، بنی عدی بن عمرو بن خزاعہ بھی کہا گیا ہے، سیرت ابن ہشام میں ہے کہ اس کا اصل نام عبداللہ بن ارقد تھا، اموی کی ابن اسحاق بن اریقد سے روایت میں بھی یہی ہے، اموی نے المغازی میں کسی اور قصہ کے ضمن میں بھی لکھا ہے کہ یہ سفرِ ہجرت میں آنجناب کے دلیلِ راہ تھے، موسی بن عقبہ کے ہاں اریقط مصغراً مذکور ہے، ابن سعد نے بھی یہی لکھا ہے، مالک سے منقول ہے کہ اس کا نام رقیط تھا اسے ابن تین نے العتبیہ میں نقل کیا ہے۔

(و الخريت الماهر الخ) یہ زہری کا ادراج ہے، ابن سعد نے اس کی تبیین کی ہے، اموی کی ابن اسحاق سے روایت میں یہ جملہ مذکور نہیں، اصمعی کہتے ہیں خریت اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ خرتِ ابرہ (یعنی سوئی کے ناکہ) کی بمثل راستوں سے بھی واقف ہوتا ہے بعض نے اسے أخرات المفازة سے ماخوذ قرار دیا ہے، (یعنی غار کے خفیہ راستے، بھول بھلیاں)۔ (قد غمس حِلفا) عربوں کی عادت تھی کہ جب باہم حلیف بنتے اپنے دائیں ہاتھ خون، خوشبو کا کوئی مادہ یا کسی بھی ایسی چیز میں جو ان کے ہاتھ تر بتر کر دے، میں ڈبوتے، اسطرح وہ اپنے معاہدۂ حلف کو پکا کرتے۔

(صبح ثلاث) مسلم بن عقبہ (شائد یہ موسی بن عقبہ ہو) نے زہری سے مزید یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب اہل مکہ کی تلاش کرنے کی سرگرمیاں کچھ ٹھنڈی پڑیں تو وہ ان کی اونٹنیاں لے آیا۔ (طريق الساحل) موسی بن عقبہ کی روایت میں ہے کہ اسفلِ مکہ (اسے آجکل مسفلہ کہا جاتا ہے، دراصل مکہ کا محلِ وقوع اسطرح سے ہے کہ ہمارے پاکستان کی جہت سے اس کا جو رخ ہے وہ اونچائی پہ واقع ہے جو بالتدریج اسی جہت سے آگے جاتا ہوا نشیبی ہو جاتا ہے، مسفلہ کی ایک اہم شارع، شارع ابراہیم خلیل ہے جو باب فہد سے نکلتے ہوئے شروع ہوتی ہے) سے گزارتا ہوا عسفان سے نیچے ساحل کی طرف لے گیا، پھر عام راستہ کے معارِض چلاتا گیا (حکومتِ سعودی عرب نے طریق الہجرۃ کے نام سے اسی راہِ ہجرت کے نقوش پر مدینہ تک ایک شاہراہ بنوادی ہے جو میدانِ بدر سے ہو کر گزرتی ہے، سڑک کے بائیں جانب دور ساحل کے آثار ساتھ ساتھ دکھائی دیتے ہیں)۔ زبیر بن بکار نے اخبار المدينة میں قباء تک ہر ہر منزل کا ذکر کر کے تفصیل کے ساتھ منظر کشی ہے، اسی طرح ابن عائذ نے بھی ابن عباس کے حوالے سے۔

(قال ابن شهاب الخ) یہ سابقہ روایتِ عائشہ کی سند کے ساتھ ہی موصول ہے بیہقی نے الدلائل میں اسے علیحدہ تخریج کیا ہے اسی طرح حاکم نے بھی الإکلیل میں (ابن اسحاق حدثني الزهري به) کے حوالے سے، اسماعیلی نے بھی معمر اور معافی نے

البجلیس میں صالح بن کیسان کلاھما عن الزھری کے طریق سے الگ نقل کیا ہے۔

(المدلجی) بنی مدلج بن مرۃ بن عبد مناۃ بن کنانہ مراد ہیں، مالک بن جعشم عبدالرحمٰن مذکور کے دادا ہیں، انکے والد اس روایت میں دادا کی طرف منسوب ذکر کئے گئے ہیں، آگے اس کی تبیین آتی ہے، مالک بن جعشم نے عہدِ نبوی پایا مگر کسی نے صحابہ میں ان کا شمار نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس ابن حبان نے انہیں تابعین میں لکھا ہے، ان کے بھائی سراقہ اور انکے بیٹے عبدالرحمٰن کی بخاری میں صرف یہی ایک روایت ہے۔ (ابن أخی سراقه الخ) ابوذر کے نسخہ میں ہے: (ابن أخی سراقةبن مالك بن جعشم) پھر یہ عبارت نقل کی: (إنه سمع سراقة بن جعشم) مگر اول ہی معتمد ہے، جن روایات میں: (سراقة بن جعشم) مذکور ہوا وہاں وہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں، آگے حدیثِ براء میں سراقہ بن مالک بن جعشم مذکور ہے، جعشم کا نسب نامہ یہ ہے: جعشم بن مالک بن عمرو، سراقہ کی کنیت ابوسفیان تھی خلافتِ عثمان تک زندہ رہے۔

(دیة کل واحد) یعنی سو اونٹ، موسیٰ بن عقبہ اور صالح بن کیسان نے زہری سے اپنی روایت میں اس کی تشریح کی ہے، طبرانی کی حدیثِ اسماء میں (مائة ناقة) یعنی سو اونٹنیوں کا ذکر ہے، اس میں ہے کہ تلاش کرنے والے چہار سو پھیل گئے، مکہ کے پہاڑوں کو کھنگال ڈالا حتی کہ کچھ افراد عین اس غار کے دہانے تک پہنچ گئے، ایک آدمی تو عین دروازے پر ایستادہ ہوا حتی کہ ابوبکر کہہ اٹھے یارسول اللہ یہ ضرور ہمیں دیکھ لے گا، آپ نے فرمایا ہرگز نہیں فرشتے اپنے پروں سے ستر کئے ہوئے ہیں، اسی اثناء وہ اسی جگہ بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا، آپ نے فرمایا اگر یہ ہمیں دیکھ رہا ہوتا تو یوں نہ کرتا۔

(أسودة) موسیٰ اور ابن اسحاق کی روایتوں میں ہے، کہنے لگا تین سوار نظر آئے ہیں میرا خیال ہے وہ محمد اور ان کے اصحاب ہوں گے، صالح کی روایت میں بھی یہی ہے۔ (فأمرت جاریتی) موسیٰ اور صالح کی روایتوں میں ہے بطنِ وادی کی طرف گھوڑا لے جانے کو کہا اور اپنے قِداح یعنی ازلام ساتھ لئے، چلنے سے پہلے استقسام کیا تو نتیجہ نہ جانے کے حق میں آیا مگر سو اونٹنیوں کا انعام پانے کے لالچ میں اَزلام کی بھی خلاف ورزی کی اور چل پڑا۔ (بزجه) اس لوہے کو کہتے ہیں جو نیزے کے نچلے حصہ میں لگا ہوتا ہے، موسیٰ، ابن اسحاق اور صالح کی روایت میں مزید یہ بھی ہے کہ اپنا جنگی لباس پہنا اور اپنے ہتھیاروں کو بھی کمرے کی پچھلی جانب سے باہر ارسال کیا اور خود نیزہ جھکائے ہوئے چلے تاکہ اس کی چمک گھروں میں نہ پڑے، ان کی خواہش تھی کہ اس مہم جوئی میں کوئی اور انکے ہمراہ نہ نکل آئے تاکہ پورے انعام کے اکیلے حقدار بنیں۔

(فرفعتها) کا ترجمہ ابن حجر نے اس عبارت کے ساتھ کیا ہے: (أی أسرَعْتُ بها السیر) یعنی نیزہ گھسیٹتا ہوا تیز تیز چلا، (فاستخرجت منها الأزلام الخ) یہ فال نکالنے کے ایسے تیر ہوتے تھے جن کی نہ نوک ہوتی تھی اور نہ پر، تفسیر سورۃ المائدہ میں ان کی بابت مفصل تشریح ہوگی۔ (حتی إذا سمعت الخ) آگے حدیثِ براء میں الفاظ بھی مذکور ہیں۔

(اللهم اکفنا بما شئت) ابن عباس اور حسن عن سراقہ کی روایت میں بھی یہ ہے، آگے حدیثِ انس میں ہے کہ نبی پاک نے فرمایا: (اللهم اصرعه)۔ (فنهضت الخ) حدیثِ انس میں ہے کہ ہنہنانے لگا (گویا آگے جانے سے انکار کرتا ہو)۔ (عثان) معمر کہتے ہیں میں نے ابوعمرو بن علاء سے پوچھا عثان کیا ہوتا ہے؟ کہا ایسا دھواں سا جو آگ کا نتیجہ نہ ہو۔ کشمیہنی کے نسخہ میں (غبار) ہے مگر اول اشہر ہے، ابوعبید اپنی غریب میں لکھتے ہیں مراد غبار ہی ہے، بس دخان کے ساتھ تشبیہہ دیتے ہوئے یہ لفظ استعمال

کیا، موسی اور اسماعیلی کے ہاں یہ الفاظ ہیں: (واتبعها دخانٌ مثل الغبار) مزید یہ بھی کہ میں نے جان لیا کہ وہ میرے بس میں نہیں۔ (فناديتهم بالأمان الخ) ابوخلیفہ کی اسماعیلی کے ہاں حدیثِ براء میں ہے کہ آنجناب سے کہنے لگا میں جانتا ہوں یہ آپ ہی کا عمل ہے، اللہ سے دعا کریں کہ اس مشکل سے نجات دے واللہ میں پیچھے والوں کو غلط راہ پہ لگاؤ نگا، ابن اسحاق کی روایت میں ہے پکار کر کہا میں سراقہ بن مالک بن جعشم ہوں مجھے مہلت دیں کہ آپ حضرات سے بات کروں اللہ کی قسم نہ خود درپے آزار ہونگا اور نہ کوئی اور نقصان دہ حرکت کرونگا، ابن عباس کی روایت میں اس کے ساتھ ساتھ مزید یہ بھی ہے کہ میں آپکے لئے نافع ثابت ہونگا اور ممکن ہے میری قوم نے مجھے سوار ہو کر ادھر آتے دیکھ لیا ہو اور وہ میرے پیچھے آرہے ہوں میں لوٹ کر انہیں واپس کرتا ہوں، ابن عباس کی روایت میں ہے معاہدہ کیا کہ نہ خود مقاتلت کریگا اور نہ آپکی بابت کسی کو کچھ خبر دیگا اور کم از کم تین دن اس واقعہ کو چھپائے رکھے گا۔

(و عرضت عليهم الزاد الخ) ابن ابی شیبہ کے ہاں مرسلِ عمیر بن اسحاق میں ہے کہ سراقہ نے زاد اور سواری پیش کی مگر آپ نے فرمایا ہمیں ان کی ضرورت نہیں، حدیثِ ابن عباس میں ہے سراقہ نے یہ بھی کہا آگے اسی راستہ میں میرے اونٹ چرواہے کے ہمراہ موجود ہیں، میں اپنے ترکش کا ایک تیر بطورِ نشانی دیتا ہوں وہ دکھا کر جتنا چاہیں دودھ دوہ لیں، ابوخلیفہ کی روایت میں ہے کہ اونٹوں کے ساتھ بکریوں کا بھی ذکر کیا اور عرض کی کہ اگر ضرورت محسوس کریں تو ساتھ بھی لے لیں مگر آپ نے فرمایا ہمیں ضرورت نہیں اور سراقہ کو دعا دی۔

(أخف عنا) حدیثِ براء میں ہے کہ واپس ہوا، اب آنجناب کا متلاشی جو بھی ملتا یہ اس سے کہتے ادھر سارا راستہ چھان مارا ہے آپ اس طرف سے نہیں جا رہے، حدیثِ انس میں ہے کہ سراقہ آپ سے کہنے لگا اے نبی اللہ مجھے حکم دیں میں آپ کیلئے کیا کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ادھر کہیں ٹھہر جاؤ جو بھی ہماری تلاش میں آئے اسے واپس موڑ دینا، انس کہتے ہیں اللہ کی شان سراقہ دن کے آغاز میں نبی پاک کے خلاف لڑنے بھڑنے نکلے تھے اسی دن کے اختتام پہ آپکے لئے مسلحۃ (یعنی ہتھیار بند ہو کر لڑنا) بن گئے، ابن سعد ذکر کرتے ہیں واپس جاتے ہوئے مکہ کے کئی افراد اسی راستے کھوج لگانے کیلئے آرہے تھے مگر سراقہ ان سے کہنے لگے میری نظر اور کھوج لگانے کی مہارت کا تمہیں علم ہی ہے، میں آگے تک دیکھ آیا ہوں، ادھر کوئی نہیں اسپر سب پلٹ لئے۔

(كتاب أمن) اسماعیلی کی روایت میں (كتاب موادعة) ہے، ابن اسحاق کی روایت میں یہ عبارت ہے: (كتابا يكون آيةً بيني و بينك)۔ (فكتب في رقعة الخ) ابن اسحاق کی روایت میں شک کے ساتھ تین الفاظ ذکر کئے ہیں: (في عظم أو ورقة أو خرقة) ابن عقبہ کی روایت میں بھی یہی ہے مزید یہ بھی کہ پھر سال گزرتے گئے حتی کہ جب آنجناب معرکہِ حنین سے فارغ ہوئے تو میں اس تحریر کو لئے آپ سے ملاقات کی غرض سے نکلا آپ اس وقت جعرانہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، میں قریب ہوا اور ہاتھ میں پکڑی اس تحریر کو لہرایا اور بولا یا رسول اللہ یہ آپ کی لکھی امان! آپ نے فرمایا یہ وفاء وبرّ کا دن ہے قریب آجاؤ، کہتے ہیں اسی موقع پر اسلام قبول کیا، حسن عن سراقۃ کی روایت میں ہے کہ مجھے پتہ چلا آپ خالد بن ولید کو میری قوم سے لڑنے کیلئے بھیجنا چاہتے ہیں تو میں آپکی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری خواہش ہے آپ میری قوم سے کوئی معاہدہِ صلح کر لیں، اس شرط پہ کہ اگر آپکی قوم اسلام قبول کر لے گی تو وہ بھی کر لینگے، آپ نے اسے قبول کیا، کہتے ہیں انہی کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی تھی: (إلا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلىٰ قَوۡمِۭ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِيثَاقٌ) [النساء: ٩٠]۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں بعد ازاں ابوجہل کو جب سراقہ کے اس

فعل کا علم ہوا تو انہیں ملامت کی، انہوں نے درج ذیل دو شعر جواب میں پڑھے: (أبا حَکم واللاتِ لَو کُنتَ شاھِداً لأمرِجَوادی إذْ تَسِیخ قوائمُه عَجِبتَ ولَمْ تُشککَ بأنَّ محمدا نبیٌّ وبرھانٌ فَمَنْ ذا یُکاتِمه) یعنی اے ابوحکم (آنجناب نے اس کی اس کنیت کو ابوجہل سے بدل دیا تھا) اگر تم اس موقع پہ ہوتے جب میرے گھوڑے کی ٹانگیں زمین میں بار بار دھنستی تھیں تو تمہیں بھی آنجناب کی نبوت میں کوئی شک نہ رہتا۔ ابن سعد ذکر کرتے ہیں کہ سراقہ سے یہ مڈھ بھیڑ بروز منگل بمقام قدید ہوئی۔

(قال ابن شھاب فأخبرنی عروۃ الخ) ابن شہاب تک اسی سابقہ سند کے ساتھ ہی متصل ہے، حاکم نے ایک اور طریق کے ساتھ یحیی بن بکیر سے باقی اسی اسناد سے الگ تخریج کیا ہے، اسماعیلی نے اصلاً اسے مخرّج ہی نہیں کیا، شکلاً یہ مرسل روایت بنتی ہے مگر حاکم نے معمر عن الزھری کے طریق سے موصولا بھی نقل کیا ہے، اس میں ہے: (أخبرنی عروۃ أنه سمع الزبیر) اس میں یہ بھی ذکر کیا: (و سمع المسلمون الخ) یہ عبارت حدیثِ مذکور ہی کا بقیہ ہے، موسی بن عقبہ نے ابن شہاب سے زیادہ اتم سیاق کے ساتھ روایت کیا ہے، اس میں ہے کہ جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو حضرت طلحہ سے ملاقات ہوئی جو شام سے آکر مکہ جا رہے تھے، ان کے پاس شام سے خریدے ہوئے کپڑے تھے جن میں سے کچھ نبی اکرم اور حضرت ابوبکر کو پیش کیے، یہ اگر محفوظ ہے تو محتمل ہے کہ طلحہ و زبیر، دونوں کی ملاقات ہوئی ہو اور دونوں نے کپڑے بطورِ تحفہ پیش کیے ہوں البتہ سیر میں فقط حضرت زبیر کا ذکر ہے، دمیاطی حسبِ عادت کہ سِیَر میں مذکور کو صحیح میں مذکور پر ترجیح دیتے ہیں، اسکی ترجیح کی طرف مائل ہیں، اولیٰ یہ ہے کہ تطبیق کی کوشش کی جائے اگر یہ متعذر رہو تو صحیح میں مذکور کو ترجیح حاصل ہوگی کیونکہ جس روایت میں حضرت طلحہ کا ذکر ہے اس کی سند میں (ابن لھیعه عن أبی الأسود عن عروۃ) ہیں جبکہ صحیح کی روایت عقیل عن الزھری عن عروہ کے طریق سے ہے، ابن حجر کہتے ہیں پھر مجھے ابن ابی شیبہ کے ہاں ھشام بن عروہ عن ابیہ کے حوالے سے ابو اسود کی روایت کے مثل روایت ملی اسی طرح ابن عائذ کی المغازی میں ابن عباس کے حوالے سے منقول ہے کہ حضرات عمر، زبیر، طلحہ، عثمان اور عیاش بن ربیعہ سوئے مدینہ نکلے، عثمان اور طلحہ شام کی طرف نکل گئے (یعنی بغرضِ تجارت) تو اس سے تعین ہوا کہ دونوں قول صحیح ہیں۔

(یغدون) حاکم کی ایک دیگر طریق کے ساتھ عروۃ عن عبد الرحمٰن بن عویم بن ساعدہ عن رجال من قومه، کے حوالے سے روایت میں ہے کہ ہم آپکے انتظار میں صبح سویرے نکل کر حرہ جا کر بیٹھے رہتے، جوں جوں دھوپ کی تمازت بڑھتی سایہ کی تلاش کرتے، عین صحر دوپہر جب سارے سائے ختم ہو جاتے تو گھروں کو پلٹ آتے (کیونکہ عموماً اس وقت سے لے کر قبیلِ مغرب تک سفر نہ کیا جاتا تھا لہٰذا یہ امکان نہ تھا کہ آنجناب دوپہر کے فوری بعد پہنچ سکتے ہیں، وگرنہ ابھی بھی واپس نہ ہوتے)، ابن سعد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: (فإذا أحرقتھم رجعوا) جب دھوپ بالکل جلانے لگتی تب پلٹ آتے البتہ بعض لوگ شام گئے تک وہیں رہتے جیسا کہ ابو خلیفہ کی حدیثِ براء میں یہ الفاظ ہیں: (حتی أتینا المدینة لیلا)۔

(رجل من یھود) اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ (أطم) قلعه کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ پتھروں سے بنی اس کی ایک عمارت تھی۔ (مبیضین) یعنی حضرت زبیر یا حضرت طلحہ کے پہنائے ہوئے سفید کپڑے زیبِ تن تھے، ابن تین لکھتے ہیں یہ بھی محتمل ہے کہ یہ بمعنی (مستعجلین) ہو، ابن فارس سے منقول ہے کہ (بایض) بمعنی مستعجل موجود ہے۔ (ویزول بھم السراب) یعنی آنجناب اور رفقائے ہجرت کے عروض (یعنی سامنے ہو جانا) کی وجہ سے اب سراب (جو صحرا میں دور دکھائی دیتا ہوتا ہے) کا منظر زائل

تھا، بعض نے یہ معنی کیا ہے کہ آنکھ کیلئے ان کی حرکت ظاہر تھی۔ علامہ انور اس کے تحت لکھتے ہیں سراب کبھی چمکتا نظر آتا ہے اور کبھی نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے تو یہ بُعد کا کنایہ ہے (یعنی صحرا میں دور نظر آ رہے تھے جہاں سراب دکھائی دیتا ہے)۔ (يا معاشر العرب) ابن عویم کی روایت میں ہے: (يا بني قيلة) یہ اوس وخزرج کی والدہ تھیں، انصار کی جدۂ کبریٰ، بنتِ کاھل بن عذرہ۔ (هذا جدكم) بمعنی حظ ونصیب، معمر کی روایت میں: (صاحبكم) ہے۔ (في بني عمرو بن عوف) ای ابن مالک بن اوس بن حارثہ، ان کی منازل قباء میں تھیں جو مسجد نبوی سے ایک فرسخ (یعنی تین میل، پانچ کلومیٹر) کے فاصلہ پر ہے یہاں آپ کے میزبان کا نام کلثوم بن ہرم تھا، کہا جاتا ہے کہ ابھی اسلام قبول نہ کیا تھا، محمد بن حسن بن زبالہ نے اخبار المدینۃ میں یہ جزم کے ساتھ لکھا ہے۔

(و ذلك يوم الاثنين الخ) یہی معتمد ہے بعض کا جمعہ کا دن ذکر کرنا شاذ ہے، موسی بن عقبہ کی زہری سے روایت میں ہے کہ یکم ربیع الاول کو پہنچے تھے جبکہ جریر بن حازم کی ابن اسحٰق سے روایت میں ہے کہ ماہِ ربیع الاول کی دو راتیں گزر چکی تھیں، ابومعشر کے ہاں بھی یہی ہے مگر انہوں نے لیلۃ الاثنین کہا ہے، ابن برقی اور اواخرِ صحیح مسلم میں بھی یہی مذکور ہے، ابراہیم بن سعد نے ابن اسحاق سے بارہ ربیع الاول نقل کیا ہے، شرف المصطفیٰ میں ابوبکر بن حزم کے طریق سے تیرہ ربیع الاول منقول ہے، زبیر کی خبر المدینۃ میں زہری سے (نصف ربيع الأول) مذکور ہے، ابن حزم نے جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ صفر المظفر کی تین راتیں باقی تھیں کہ مکہ سے نکلے، یہ قولِ ہشام بن کلبی کہ غار ثور سے سوموار کی رات (چاند کی مہینوں کی تقویم میں رات اپنے دن سے سابق ہوتی ہے گویا سوموار کی رات وہ بنی جو اتوار اور سوموار کی درمیانی ہوئی) یکم ربیع الاول کو چلے تھے، اگر یہ محفوظ ہے تو آپکی قباء میں آمد سوموار آٹھ ربیع الاول کو ہوئی، اب اگر اسے حضرت انس کے قول کہ قباء میں آپ کا قیام چودہ راتیں ہوا، کے ساتھ ملایا جائے تو ماحصل یہ نکلا کہ مدینہ میں بائیس ربیع الاول کو داخل ہوئے، لیکن کلبی نے جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ بارہ کو داخل ہوئے تھے، اس پر قباء میں مدتِ اقامت چار دن بنتی ہے، ابن حبان بھی اسی پہ جزم کرتے ہیں، کہتے ہیں آپ منگل، بدھ اور جمعرات وھاں مقیم رہے گویا بروز جمعہ آگے مدینہ جانے کیلئے نکلے، اسے شمار نہیں کیا، موسی بن عقبہ نے بھی یہی لکھا ہے، انہوں نے آمد کا دن بھی شمار نہیں کیا اور مدتِ اقامت تین دن قرار دی ہے بقول زبیر بن بکار بعض بنی عمرو بن عوف سے نقل کیا جاتا ہے کہ آپ ان کے ہاں بائیس دن تک رہے تھے، مرسلِ عروہ بن زبیر میں بھی یہی ہے۔

(يُحيي أبا بكر الخ) یعنی انہیں سلام کرتے، ابن تین لکھتے ہیں چونکہ ابوبکر بسلسلۂ تجارت اکثر مدینہ سے گزرتے رہتے تھے اسلئے اکثر انصار انہیں پہچانتے تھے جبکہ نبی اکرم کو دیکھا ہوا نہ تھا، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں سیاقِ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت ابوبکر کو نبی سمجھ کر سلام کہتے تھے، آگے روایت کا جملہ کہ جب سایہ کیلئے آپ پر چادر تانی (فعرف الناس رسول الله) سے یہی مترشح ہے، موسی کی زہری سے روایت میں صراحت ہے، اسکے الفاظ ہیں: (فطفق مَن جاءَ مِن الأنصار مِمَّن لم يكُن رآه يحسبه أبابكر) کہ جنہوں نے نبی پاک کو دیکھا ہوا نہیں تھا وہ ابوبکر کو نبی سمجھتے رہے (اسکی دو وجوہات تھیں، ایک تو یہ کہ وہ کھڑے آنے والوں کو بڑھ بڑھ کر مل رہے تھے، نبی اکرم ایک طرف خاموشی سے تشریف فرما تھے آنے والوں کی تو وہلۂ اولی میں آپ پہ نظر ہی نہ پڑتی تھی، دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوبکر کی داڑھی اور سر کے اکثر بال اس وقت تک سفید ہو چکے تھے جبکہ آنجناب باوجود سوا دو برس ان سے بڑے ہونے کے مکمل سیاہ ریش تھے تو اس وجہ سے بھی ناواقف لوگ سمجھتے کہ ابوبکر ہی مبعوث ہیں)۔ عبدالرحمٰن بن عویم کی ابن اسحاق سے روایت میں ہے آنجناب اور ابوبکر سایہ میں اونٹنیوں سے اترے، واللہ اس وقت تک میں نہیں جانتا تھا کہ دونوں میں سے نبی کون ہے حتی

کہ ہم نے دیکھا کہ ابوبکر اپنی سایہ کی جگہ آپ کیلئے خالی کر رہے ہیں تب پتہ چلا کہ وہ آپ ہیں)۔

(بضع عشرة لیلة) آمدہ باب کی حدیثِ انس میں ہے کہ چودہ راتیں قیام کیا، پہلے اس بارے بحث گزری ہے، بنی عمرو کے افراد دعویٰ کرتے تھے کہ آنجناب کا انکے ہاں قیام بیس دن سے زائد تھا، ابن حجر لکھتے ہیں حضرت انس بنی عمرو بن عوف میں سے نہ تھے، انس خزرجی اور وہ اوسی تھے انہوں نے جزم کے ساتھ چودہ دن کہا ہے تو یہی راجح ہے۔ (الذی أسس علی التقویٰ) یعنی مسجد قباء، عبد الرزاق عن معمر عن ابن شہاب عن عروۃ کے حوالے سے منقول ہے کہ اس سے مراد بنی عوف کے ہاں بنائی گئی مسجد ہے جو آنجناب کے اثنائے قیام وہاں بنائی گئی دراصل یہ آنجناب کی نمازگاہ تھی بعد ازاں بنی عمرو نے عین اس جگہ مسجد تعمیر کی، یونس بن بکیر زیادات المغازی میں مسعودی عن الحکم بن عتیبۃ سے ناقل ہیں کہ آنجناب جب قباء میں فروکش ہوئے تو حضرت عمار نے تجویز پیش کی کہ آپ کیلئے کوئی سایہ دار جگہ ہونی چاہئے جہاں آپ نشست جمائیں اور نماز ادا فرمائیں تو پتھر جمع کئے گئے اور مسجد قباء تعمیر ہوئی تو یہ مدینہ کی پہلی مسجد ہے، بقول ابن حجر تحقیق یہ ہے کہ یہ پہلی مسجد ہے جہاں آنجناب نے ظاہراً بصورت جماعت نمازیں ادا فرمائیں، یہ عام جماعتِ مسلمین کیلئے بنائی گئی اولین مسجد ہے اگرچہ انفرادی طور سے کئی مساجد قبل ازیں بنائی جا چکی تھیں مثلاً مکہ میں حضرت ابوبکر کی اپنے محلّہ میں بنائی ہوئی مسجد، ابن ابی شیبہ حضرت جابر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم کے مدینہ تشریف لانے سے سالوں قبل ہم مسجدیں تعمیر کرتے اور اقامتِ صلوات کرتے رہے (بظاہر اس سے مراد انفرادی طور پر تیار کی گئیں نماز کی جگہیں ہیں)۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: (لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ) سے مراد میں تعددِ آراء ہے، جمہور کے نزدیک مسجدِ قباء مراد ہے یہی ظاہرِ آیت ہے، مسلم نے عبد الرحمٰن بن ابوسعید عن ابیہ کے حوالے سے روایت کیا، کہتے ہیں میں نے نبی اکرم سے (المسجد الذی أسس علی التقویٰ) کی بابت پوچھا، آپ نے جواب دیا: (ھو مسجد کم ھذا) کہ وہ یہ آپ لوگوں کی مسجد ہے، احمد اور ترمذی نے ایک اور طریق کے ساتھ ابوسعید سے نقل کیا ہے کہ دو اشخاص نے اس بارے باہم اختلاف کیا، ایک کا خیال تھا کہ یہ مسجد نبوی ہے جبکہ دوسرے کی رائے میں یہ مسجد قباء تھی چنانچہ دونوں آنجناب کے پاس آئے اور آپ سے پوچھا، آپکا جواب تھا: (ھو ھذا وفی ذلك۔ یعنی مسجد قباء۔ خیرٌ کثیر) کہ مسجد نبوی مراد ہے اور وہ یعنی مسجد قباء بھی خیرِ کثیر والی ہے، احمد کی سہل بن سعد سے روایت میں بھی یہی ہے۔ ایک دیگر طریق کے ساتھ سہل بن سعد عن ابی بن کعب کے حوالے سے بھی یہی مرفوعا روایت کیا ہے۔ قرطبی کہتے ہیں یہ سوال ہر اس شخص کے ذھن میں تھا جس کی نظر میں دونوں مساجد بظاہر مساوی درجہ کی حامل تھیں اس طور کہ دونوں کی تعمیر میں نبی پاک کی شرکت رہی تھی چنانچہ رسول اکرم سے اس بابت استفسار کئے، آپکا جواب تھا کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے کیونکہ اسے مسجدِ قباء پر اس پہلو سے فوقیت حاصل تھی کہ اس کی تعمیر اللہ کے اپنے نبی کو امرِ حزم سے ہوئی تھی، اس وجہ سے بھی کہ آپ اور آپ کے صحابہ کرام کیلئے اس میں ایسے احوالِ قلبیہ حاصل ہوئے جو کسی اور مسجد میں نہ ہوئے۔

ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کہ مسجد نبوی کی امتیازی حیثیت آنجناب کے اس میں طولِ اقامت کے سبب بھی محتمل ہے (محتمل کیوں بلکہ یقینی طور پر یہی وجہِ امتیاز ہے) مسجدِ قباء میں تو آپکا قیام چند دن ہی رہا، کہتے ہیں یہی مزیہ کافی ہے قرطبی نے خواہ مخواہ تکلف سے کام لیا، حق یہ ہے کہ دونوں کی تأسیس تقوی پر ہے مگر آیت کا اگلا جملہ: (فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا) اس امر کا مؤید ہے کہ اس سے مراد مسجدِ قباء ہے ابوداؤد نے بسند صحیح بحوالہ ابی ھریرہ آنجناب سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اہل قباء کے بارہ میں نازل ہوئی، اس

پر آنجناب کے سابق الذکر جواب کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے کا سِرّ یہ تھا کہ آپ اس توھُم کا ازالہ کرنا چاہتے تھے کہ کوئی اسے مسجد قباء کی خصوصیت سمجھ لے (یعنی آیت میں اشارہ مسجد قباء کی طرف ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تأسس علی التقویٰ مسجد قباء کا خاصہ ھے بلکہ یہ وصف تو تمام مساجد میں موجود ہے، دراصل اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبۃ کی ان آیات میں مسجدِ ضرار کی تعمیر کا پس منظر بیان کیا جو سازش کے تحت گویا علی غیر التقویٰ بنائی گئی اور نبی اکرم سے اس کے افتتاح کی درخواست کیگئی، اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا اور موازنہ کے طور پر مسجد قباء کا تذکرہ کیا، گویا باور کرایا کہ اگر مسجد بنانی تھی تو تقوی اور حسنِ نیت سے بنانی چاہیے تھی نہ کہ بر بنائے سازش، آنجناب نے اس حقیقت سے سوال کرنے والوں کو روشناس کرایا کہ میری مسجد اور تمام مساجد ہی مؤسَّس علی تقویٰ ہیں تا کہ کوئی یہ ذھن میں نہ بٹھالے کہ اس وجہ سے مسجدِ قباء مسجد نبوی سے افضل ہوگئی)۔ داؤدی اور سہیلی لکھتے ہیں یہ کوئی اختلاف نہ تھا کیونکہ ہر مسجد ہی تقوی پر تعمیر کی جاتی ہے سہیلی اضافہ کرتے ہیں کہ (مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ) سے اشارہ ملتا ہے کہ مراد مسجد قباء ہے کیونکہ اس کی تعمیر آنجناب کے دارِ ہجرت پہنچنے کے پہلے دن ہی ہوگئی تھی۔

(ثم ركب راحلته) ابن اسحاق اور ابن عائذ نے لکھا ہے کہ قباء سے جمعہ کے دن روانہ ہوئے، بنی سالم کے محلّہ میں پہنچے تھے کہ جمعہ کا وقت ہوگیا انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ (هَلُمَّ إِلَى العِدد والعُدد والقوة انزِلْ بين أظْهُرِنا) کہ تعداد، سامان اور قوت وحشمت حاضر ہے، اتر آیئے، ابو اسود کی عروہ سے روایت میں بھی یہی ہے مزید یہ بھی کہ آپ کی اونٹنی کی لگام بڑھ بڑھ کر تھام رہے تھے ان کی روایت میں آپ سے یہ گزارش کرنے والوں کے درج ذیل اسماء مذکور ہیں: عتبان بن مالک بنی سالم میں سے، فروۃ بن عمرو بنی بیاضہ میں سے، سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو وغیرھما بنی ساعدہ میں سے اور بنی عدی میں سے ابو سلیط وغیرہ، آپ ہر ایک سے فرماتے (دعُو ها فإنها مأمُورة) اسے چھوڑ دو یہ (منجانب اللہ) مامور ہے، حاکم کی اسحاق بن ابو طلحہ عن انس سے روایت میں ہے کہ انصار بڑھ بڑھ کر کہتے: (إلينا يارسو ل الله) ہماری طرف اے اللہ کے رسول، آپ فرماتے (دَعُو الناقة الخ) اونٹنی چھوڑ دو، اسے حکم مل چکا ہے تو ابو ایوب کے دروازے پہ وہ بیٹھ گئی۔

(حتى بركت الخ) حدیثِ براء عن ابی بکر میں ہے کہ ہر ایک کی خواہش تھی کہ آپ اسے شرفِ میزبانی بخشیں، آپ نے فرمایا میں اکراماً اخوالِ عبد المطلب کا مہمان بنوں گا، ابن عائذ کی ولید بن مسلم اور سعید بن منصور کے ہاں عطاف بن خالد سے روایت میں ہے کہ جس جگہ آج منبر ہے وہاں آ کر اونٹنی بیٹھ گئی تھی آپ اتر آئے تو ابو ایوب آگے بڑھے اور عرض کی یہاں سے میرا گھر سب سے قریب ہے پس مجھے اجازت دیں کہ رحل گھر منتقل کروں، فرمایا ٹھیک ہے تو وہ اونٹنی اپنے گھر لے گئے، ابن سعد ذکر کرتے ہیں ابو ایوب نے جب رحل اپنے گھر منتقل کیا تو آپ نے فرمایا: (المرء مع رحله) سعد بن زرارہ آ کر اونٹنی اپنے ہاں لے گئے، کہتے ہیں حضرت ابو ایوب کے ہاں آپکی مدتِ اقامت سات ماہ تھی۔ (وكان مربدا) یعنی موضعِ مسجد، مربد اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کھجوریں پھیلا کر خشک کی جائیں، اصمعی کہتے ہیں ہر وہ جگہ مربد ہے جہاں اونٹ یا غنم باندھے جائیں، اسی سے مربد البصرۃ ہے کیونکہ وہ اونٹوں کا بازار تھا۔

(لسهيل وسهل) جامع ابن عیینہ میں ابو موسیٰ عن الحسن کے حوالے سے مزید یہ ہے کہ دونوں انصاری تھے، ابن اسحاق لکھتے ہیں آنجناب نے دریافت کیا (لِمَن هذا؟) تو معاذ بن عفراء کہنے لگے یہ عمرو کے یتیم بیٹوں سہیل اور سہل کی ہے وہ میرے ہی زیر کفالت ہیں، میں انہیں راضی کر لونگا۔ (في حجر سعد بن زرارة) یہ صرف ابوذر کے نسخہ میں ہے باقیوں کے ہاں (أسعد) ہے یہی

اوجَہ ہے، اسعد انصار کے سابقین الی الاسلام میں سے تھے، ابوامامہ ان کی کنیت تھی ان کے بھائی سعد بن زرارۃ متأخرالاسلام ہیں۔

ابوعبید کی الغریب میں مرسلِ ابن سیرین کے حوالے سے ہے کہ دونوں معاذ بن عفراء کے زیرِ کفالت تھے زبیر نے ابوایوب کو انکا کفیل قرار دیا ہے مگر اول اثبت ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ تینوں حضرات ان کی کفالت میں مشترک ہوں یا اسعد کے بعد ان کی طرف کفالت منتقل ہوگئی ہو۔ ابن سعد کے بقول اسعد بن زرارہ نے آنجناب کی آمد سے قبل ہی اسے اپنی انفرادی نماز گاہ بنایا ہوا تھا۔ (فساومھما) ابن عیینہ کی روایت میں ہے کہ آنجناب نے ان کے چچا یعنی جنکی زیرِ کفالت تھے، سے فرمایا کہ میرا حوالہ دئے بغیر ان سے خرید لی جائے، انہوں نے جب اپنی طرف سے بات کی تو وہ بولے آپ اس کا کیا کرینگے؟ مجبوراً انہیں اصل بات بتلانی پڑی۔ (حتی ابتاعہ منھما) ابن سعد نے بحوالہ واقدی عن معمر عن الزھری ذکر کیا ہے کہ دس دینار قیمت طے کی، ابواب المساجد میں حضرت انس کے حوالے سے گزرا کہ آپ نے بنی نجار سے فرمایا اپنے اس احاطہ کی مجھ سے قیمت لے لو مگر وہ کہنے لگے: (لا نطلب ثمنه إلا إلى الله) کہ ہم تو اللہ ہی سے اسکی قیمت وصول کریں گے، اگلے باب میں بھی یہ مذکور ہوگا تو دونوں میں کوئی منافات نہیں، تطبیق یہ ہے کہ اس عمومی انکار کے بعد آپ نے اصل مالکوں جو دو یتیم لڑکے تھے، سے بات کی اور انہیں قیمت وصول کرنے پر راضی کیا، زبیر لکھتے ہیں ابو ایوب نے قیمت لینے پر راضی کیا۔

(اللبن) مٹی سے بنائی گئی اینٹیں جو آگ میں پکائی نہ گئی ہوں، ابن عائذ کے ہاں عطاف بن خالد سے روایت میں ہے کہ آپ نے یہاں عریش (یعنی چھتے کی سی شکل کی عمارت، جو عارضی طور پر بنائی گئی ہو) میں بارہ دن نماز ادا فرمائی پھر مسجد کی تعمیر کی اور چھت ڈلوائی، زبیر کی خبر المدینہ میں حضرت انس سے مروی ہے کہ اولا درختوں کے تنوں سے بنائی پھر چار برس بعد مکمل طور پر اینٹوں سے تعمیرِ جدید کی۔ (من حمال خیبر) یعنی جو وہاں سے دنیاوی ساز وسامان از قسم تمر و زبیب لاد کر لایا جاتا ہے، اس سے یہ حمال بہتر ہے کہ ایک نیک مقصد اور اخروی ذخر و ثواب کیلئے ہے۔ (فتمثل بشعر رجل الخ) کرمانی لکھتے ہیں محتمل ہے کہ رجزِ مذکور ہی مراد ہو یا کوئی اور شعر، ابن حجر کہتے ہیں اول معتمد ہے، شعرِ مذکور کی حالِ مذکور کے ساتھ مناسبت واضح ہے۔

(قال ابن شھاب ولم یبلغنا الخ) ابن عائذ کی روایت میں مزید یہ بھی ہے: (التی کان یرتجز بھن وھو ینقل اللبن لبناء المساجد) ابن تین اس بارے رقمطراز ہیں کہ زہری کی اس بات کا دو وجہ سے رد کیا گیا ہے، ایک تو یہ کہ یہ رجز ہے شعر نہیں اسی لئے اس کے قائل (یعنی ناظم) کو راجز کہا جاتا ہے شاعر نہیں، عرب اس کے پڑھنے پر (أنشد رجزا) کہا کرتے تھے، (أنشد شعرا) نہیں، دوسرا یہ کہ علماء کا اس بابت باہم اختلاف ہے کہ کیا نبی اکرم نے انشادِ شعر کیا ہے یا نہیں! اگر کیا ہے تو کیا عام طور پر ایک ہی شعر پڑھا کرتے تھے یا زائد یعنی پوری نظم بھی کبھی پڑھی؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک بیت شعر نہیں ہوتا لیکن یہ محلِ نظر ہے، انتھی۔ ابن حجر لکھتے ہیں پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ جمہور نے رجز کو شعری اقسام سے ہی قرار دیا ہے اگر وہ موزون ہو، غزوہ خندق کے باب میں سہل بن سعد کے حوالے سے آئیگا کہ آپ نے یہ الفاظ پڑھے: (فاغفر للمھا جرین والأنصار) یہ موزون نہیں ہیں، دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ آیت: (وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَه) [یٰس: ٦٩] کا مقتضا یہ ہے کہ آپ پر انشائے شعر (شعر موزون کرنا) ممتنع تھا نہ کہ اس کا انشاد، پھر زہری (لم یبلغنا) کہہ رہے ہیں (یعنی اپنی معلومات کے حوالے سے بات کر رہے ہیں لہٰذا یہ اعتراض قابلِ توجیہ نہیں، ابن سعد نے عفان عن معتمر بن سلیمان عن معمر عن الزھری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ یہ عبد اللہ بن رواحہ کا

شعر تھا بہرحال حدیثِ ھذا سے شعرخوانی کے جواز کا ثبوت ملا خصوصا اثنائے جنگ ازاجیز پڑھنے کا اور پرمشقت اجتماعی کاموں کے دوران، کیونکہ یہ تحریکِ ھِمَم اور تشویق کا باعث بنتے ہیں۔ ابن حجر آخرِ بحث تنبیہ کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے یہی حدیث التاریخ الصغیر میں اسی سند کے ساتھ، بطولہ نقل کی ہے آخر میں ابن شہاب کے حوالے سے مزید یہ بھی ذکر کیا کہ عقبہِ اخیرہ اور ہجرت کے درمیان تقریبا تین ماہ کا عرصہ تھا بقول ابن حجر یہ ذوالحجہ، محرم، اور صفر ہیں، البتہ عقبہ کی ملاقات ذوالحجہ کے دس بارہ دن گزرنے کے بعد ہوئی تھی اور مدینہ میں آپکا دخول ماہ ربیع الاول میں ہوا تھا۔

علامہ انور مربد کا معنی کھجور کا کھلیان کرتے ہیں (حتی ابتاعه منهما) کے تحت لکھتے ہیں اگر تم کہو ولی کی اجازت کے بغیر یہ ابتیاع کیونکر ہوا؟ تو اس کیلئے فقہ کی مراجعت کرو (هذا الحمال) کے تحت کہتے ہیں مسجدِ نبوی عہدِ نبوی میں دو مرتبہ بنائی گئی، دوسری تعمیر فتح خیبر کے بعد ہوئی اولین تعمیر میں چھت جریدِ نخل سے بنی تھی بعدازاں اس کی اصلاح کی ضرورت پیش آئی۔

3907 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ وَفَاطِمَةَ عَنْ أَسْمَاءَ ؓ صَنَعْتُ سُفْرَةً لِلنَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ حِينَ أَرَادَا الْمَدِينَةَ، فَقُلْتُ لأَبِي مَا أَجِدُ شَيْئًا أَرْبُطُهُ إِلاَّ نِطَاقِي .قَالَ فَشُقِّيهِ .فَفَعَلْتُ فَسُمِّيتُ ذَاتَ النِّطَاقَيْنِ .طرفاه 2979، 5388۔ (سابقہ میں یہ عبارت موجود ہے)

(عن أبيه) یعنی عروہ، فاطمہ هشام کی بیوی تھیں، بنت منذر بن زبیر۔ (أربطه) ہ ضمیر کا مرجع متاع ہے جو سفرہ میں تھا یا رأسِ سفرہ مراد ہے یا خود سفرہ ہی، مذکر ضمیر باعتبارِ ظرف استعمال کی۔

3908 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ ؓ قَالَ لَمَّا أَقْبَلَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى الْمَدِينَةِ تَبِعَهُ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ، فَدَعَا عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ فَسَاخَتْ بِهِ فَرَسُهُ قَالَ ادْعُ اللَّهَ لِي وَلاَ أَضُرُّكَ .فَدَعَا لَهُ .قَالَ فَعَطِشَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَمَرَّ بِرَاعٍ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ فَأَخَذْتُ قَدَحًا فَحَلَبْتُ فِيهِ كُثْبَةً مِنْ لَبَنٍ فَأَتَيْتُهُ فَشَرِبَ حَتَّى رَضِيتُ .أطرافه 2439، 3615، 3652، 3917، 5607۔ (ایضاً)

(وقا ل ابن عباس الخ) اسے تفسیر براءۃ میں ایک حدیث کے اثناء نقل کیا ہے علامات النبوۃ اور مناقب ابی بکر میں مطولا مع شرح گزر چکی ہے۔

3909 حَدَّثَنِي زَكَرِيَّاءُ بْنُ يَحْيَى عَنْ أَبِي أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَسْمَاءَ ؓ أَنَّهَا حَمَلَتْ بِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، قَالَتْ فَخَرَجْتُ وَأَنَا مُتِمٌّ، فَأَتَيْتُ الْمَدِينَةَ، فَنَزَلْتُ بِقُبَاءٍ، فَوَلَدْتُهُ بِقُبَاءٍ، ثُمَّ أَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ فَوَضَعْتُهُ فِي حَجْرِهِ، ثُمَّ دَعَا بِتَمْرَةٍ، فَمَضَغَهَا، ثُمَّ تَفَلَ فِي فِيهِ، فَكَانَ أَوَّلَ شَىْءٍ دَخَلَ جَوْفَهُ رِيقُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، ثُمَّ حَنَّكَهُ بِتَمْرَةٍ ثُمَّ دَعَا لَهُ وَبَرَّكَ عَلَيْهِ، وَكَانَ أَوَّلَ مَوْلُودٍ وُلِدَ فِي الإِسْلاَمِ .تَابَعَهُ خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ

مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَسْمَاءَ ؓ أَنَّهَا هَاجَرَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهِيَ حُبْلَى .طرفه 5469

حضرت اسماء کہتی ہیں کہ جب میں سوئے مدینہ روانہ ہوئی عبداللہ بن زبیر میرے پیٹ میں تھے اور مدت بھی مکمل ہوا چاہتی تھی، کہتی ہیں قباء میں پہنچے تو وضعِ حمل ہوا پیدائش کے فورا بعد میں اسے نبی پاک کی خدمت میں لائی اور اسے آپ کی گود میں رکھ دیا آپ نے ایک کھجور منگوائی اسے چبا کر اس کے منہ میں ڈالا تو پہلی چیز جو عبداللہ کے پیٹ میں گئی وہ آنجناب کا لعابِ دہن تھا تو اسطرح سے یہ ان کی گھٹی تھی پھر آپ نے اس کے لئے دعائے خیر و برکت فرمائی، یہ مدینہ میں مسلمانوں کے پہلے مولود تھے۔ ابن عمر کہتے ہیں حضرت عمر نے تمام مہاجرینِ اولین کا وظیفہ چار ہزار مقرر کیا، چار اقساط میں، ابن عمر کا وظیفہ ساڑھے تین ہزار رکھا، کہا گیا وہ بھی تو اولین مہاجرین میں شامل ہیں! آپ نے ان کا وظیفہ کم کیوں کیا؟ جواب دیا اسے اس کے والدین ہجرت کروا کے لائے، لہٰذا وہ ان مہاجرین کی طرح نہیں جنہوں نے خود ہجرت کی۔

(أنها حملت الخ) مکہ میں حاملہ ہوئی تھیں۔ (وأنا متم) یعنی مدتِ حمل جو اغلبا نو ماہ ہوتی ہے، مکمل کر چکی تھیں اس نومولود پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے جو حمل کی پوری مدت کے بعد پیدا ہوا۔ (فولدته بقباء) یہ بظاہر اس امر کا مُشعِر ہے کہ حضرت اسماء جب قباء آئیں نبی اکرم ابھی وہیں تھے لیکن ایسا نہیں۔ (وكان أول مولود الخ) یعنی مدینہ میں مہاجرین کے ہاں، انصارِ مدینہ کے بعد از ہجرت پہلے مولود مسلمہ بن مخلد تھے جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا، بعض نے نعمان بن بشیر کہا ہے، حدیثِ ھذا سے ظاہر ہوا کہ ابن زبیر کی پیدائش پہلے سال ہجری ہی میں ہوئی، یہی معتمد ہے بخلاف واقدی کے جنہوں نے جزم کے ساتھ لکھا کہ ان کی پیدائش ہجرت کے بیس ماہ بعد سن دو میں ہوئی تھی، اسماعیلی کی عبداللہ بن رومی عن ابی اسامہ کے طریق سے اسی روایت میں (فی الاِسلام) کے بعد یہ عبارت بھی ہے: (ففرح المسلمون فرحا شديدا لأن اليهود كانوا يقولون سحرناهم حتى لا يولَد لهم) کہ اس سے مسلمانوں کو ازحد خوشی حاصل ہوئی کیونکہ یہودیوں نے پراپیگنڈہ کر رکھا تھا کہ انہوں نے مہاجرین پر جادو کر دیا ہے اب ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہ ہوگا، یہ واقدی نے بھی سہل بن ابوحثمہ تک اپنی سند سے نقل کیا ہے اسی طرح ابواسود عن عروہ سے بھی یہی منقول ہے مگر اس کی تردید اس امر سے ہوتی ہے کہ اسماء اور عائشہ وغیرہ آل ابوبکر آنجناب کے مدینہ مستقر ہونے کے فوری بعد مکہ سے ہجرت کر آئے تھے (جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہوا) تو یہ مدت نہایت قریب ہے بیس بلکہ دس ماہ تاخیر کی محتمل بھی نہیں (گویا ابن حجر ان مذکورہ روایات کو قابلِ اعتناء نہیں سمجھتے)۔

(تابعه خالد بن مخلد) اسے اسماعیلی نے عثمان بن ابوشیبہ کے حوالے سے اسی سند کے ساتھ موصول کیا ہے، اس میں ہے کہ قباء میں وضعِ حمل کے فوری بعد اپنا دودھ بھی نہیں پلایا، آنجناب کے پاس مدینہ لے آئیں، مزید یہ بھی ہے کہ نبی اکرم نے ہی نومولود کا نام عبداللہ رکھا۔

اسے مسلم نے (الاستئذان) میں تخریج کیا ہے۔

3910 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ أَوَّلُ مَوْلُودٍ وُلِدَ فِي الإِسْلاَمِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَتَوْا بِهِ النَّبِيَّ ﷺ فَأَخَذَ النَّبِيُّ ﷺ تَمْرَةً فَلاَكَهَا ثُمَّ أَدْخَلَهَا فِي فِيهِ، فَأَوَّلُ مَا دَخَلَ بَطْنَهُ رِيقُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

سابقہ کے ہم معنی، یہ اس امر پر محمول ہے کہ عروہ نے اپنی والدہ اسماء اور خالہ ام المؤمنین عائشہ دونوں سے روایت کیا ہے، بخاری نے ابواسامہ کے حوالے سے بواسطہ ھشام دونوں واسطے ذکر کئے ہیں، اسماء سے روایت میں اضافی عبارت ہے جو اسی کے ساتھ مختص ہے۔ حدیثِ اسماء کی متابعت بھی مذکور کردی ابونعیم نے حدیثِ عائشہ کی بھی متابعت نقل کی ہے جو عبداللہ بن محمد بن یحیٰ عن ھشام کے حوالے سے ہے، مسلم نے بھی ابوخالد عن ھشام کے طریق سے مختصرا نحوہ نقل کیا، مسلم کی شعیب بن اسحاق عن ھشام کے طریق سے مُخَرَّج روایت کا سیاق متقاضی ہے کہ عروہ کے پاس یہ حدیث حضرات اسماء و عائشہ دونوں سے تھی، اس میں ہے، ھشام کہتے ہیں مجھے عروہ اور فاطمہ بنت منذر (گویا ھشام کے پاس بھی یہ روایت اپنے باپ اور بیوی، دونوں سے تھی) نے بیان کیا کہ جب اسماء بغرضِ ہجرت چلیں تو حاملہ تھیں، اسماء کا بیان ہے قباء پہنچ کر وضعِ حمل ہوا پھر میں نکلی اور آنجناب نے بچہ کو لیا تا کہ گھٹی دیں آپ نے کھجور طلب فرمائی حضرت عائشہ کہتی ہیں ہم ایک ساعت تک کھجور کی تلاش میں رہے، آخر لائے تو آپ نے اسے چبا کر نرم کیا، تو اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عروہ کے پاس یہ روایت عائشہ و اسماء دونوں سے ہے، اس طریق میں مزید یہ بھی ہے کہ آپ ہی نے عبداللہ نام رکھا پھر سات یا آٹھ برس کے ہوئے تو حضرت زبیر عبداللہ کو نبی اکرم سے بیعت کرنے کیلئے لیکر آئے، آپ مسکرائے اور بیعت قبول کی، پہلے ابن اسحاق کے حوالے سے روایت ذکر ہو چکی ہے کہ نبی اکرم نے زید بن حارثہ کو مکہ بھیجا تھا تا کہ ام المؤمنین سودۃ اور دونوں بیٹیوں فاطمہ و ام کلثوم نیز ام ایمن جو زید کی بیوی تھیں اور اپنے بیٹے اسامہ کو لائیں، انہی کے ہمراہ حضرت ابوبکر کے اہل خانہ جن میں ان کے بیٹے عبداللہ، بیوی ام رومان اور دو بیٹیاں اسماء و عائشہ تھیں، آئے یہ سب جب مدینہ پہنچے تو آپ مسجد نبوی کی تعمیر میں مشغول تھے، اس سے دلالت ملتی ہے کہ ابن زبیر کی پیدائش سن ایک ہجری میں ہوئی۔

(فلا كها ثم أدخلها الخ) ابن تین لکھتے ہیں بظاہر لوک (یعنی کھجور کو چبا کر نرم کرنا) ان کے منہ میں ڈالنے سے قبل تھا حالانکہ اہل لغت کے ہاں لوک کا معنی منہ میں ڈال کر چبانا ہے، ابن حجر کہتے ہیں یہ عجیب فہم ہے (فی فیہ) کی ضمیر ابن زبیر کی طرف راجع ہے یعنی نبی اکرم نے اپنے منہ مبارک میں ڈال کر اسے نرم کیا پھر ابن زبیر کے منہ میں ڈالی (گویا ابن تین فی فیہ کی ضمیر کو نبی پاک کی طرف راجع سمجھے)۔

3911 حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ أَقْبَلَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ إِلَى الْمَدِينَةِ وَهُوَ مُرْدِفٌ أَبَا بَكْرٍ وَأَبُو بَكْرٍ شَيْخٌ يُعْرَفُ وَنَبِيُّ اللَّهِ ﷺ شَابٌّ لاَ يُعْرَفُ، قَالَ فَيَلْقَى الرَّجُلُ أَبَا بَكْرٍ فَيَقُولُ يَا أَبَا بَكْرٍ مَنْ هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْكَ فَيَقُولُ هَذَا الرَّجُلُ يَهْدِينِي السَّبِيلَ .قَالَ فَيَحْسِبُ الْحَاسِبُ أَنَّهُ إِنَّمَا يَعْنِي الطَّرِيقَ وَإِنَّمَا يَعْنِي سَبِيلَ الْخَيْرِ فَالْتَفَتَ أَبُو بَكْرٍ، فَإِذَا هُوَ بِفَارِسٍ قَدْ لَحِقَهُمْ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا فَارِسٌ قَدْ لَحِقَ بِنَا فَالْتَفَتَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ اللَّهُمَّ اصْرَعْهُ فَصَرَعَهُ الْفَرَسُ ثُمَّ قَامَتْ تُحَمْحِمُ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ مُرْنِي بِمَا شِئْتَ قَالَ فَقِفْ مَكَانَكَ لاَ تَتْرُكَنَّ أَحَدًا يَلْحَقُ بِنَا قَالَ فَكَانَ أَوَّلَ النَّهَارِ جَاهِدًا عَلَى نَبِيِّ اللَّهِ ﷺ وَكَانَ آخِرَ النَّهَارِ

مَسْلَحَةً لَهُ فَنَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ جَانِبَ الْحَرَّةِ ثُمَّ بَعَثَ إِلَى الأَنْصَارِ فَجَاءُوا إِلَى نَبِيِّ اللَّهِ ﷺ فَسَلَّمُوا عَلَيْهِمَا وَقَالُوا ارْكَبَا آمِنَيْنِ مُطَاعَيْنِ فَرَكِبَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ، وَحَفُّوا دُونَهُمَا بِالسِّلاَحِ فَقِيلَ فِي الْمَدِينَةِ جَاءَ نَبِيُّ اللَّهِ جَاءَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ. فَأَشْرَفُوا يَنْظُرُونَ وَيَقُولُونَ جَاءَ نَبِيُّ اللَّهِ جَاءَ نَبِيُّ اللَّهِ فَأَقْبَلَ يَسِيرُ حَتَّى نَزَلَ جَانِبَ دَارِ أَبِي أَيُّوبَ فَإِنَّهُ لَيُحَدِّثُ أَهْلَهُ إِذْ سَمِعَ بِهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلاَمٍ وَهْوَ فِي نَخْلٍ لأَهْلِهِ يَخْتَرِفُ لَهُمْ فَعَجِلَ أَنْ يَضَعَ الَّذِي يَخْتَرِفُ لَهُمْ فِيهَا فَجَاءَ وَهْيَ مَعَهُ فَسَمِعَ مِنْ نَبِيِّ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ، فَقَالَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ أَيُّ بُيُوتِ أَهْلِنَا أَقْرَبُ فَقَالَ أَبُو أَيُّوبَ أَنَا يَا نَبِيَّ اللَّهِ، هَذِهِ دَارِي وَهَذَا بَابِي. قَالَ فَانْطَلِقْ فَهَيِّئْ لَنَا مَقِيلاً قَالَ قُومَا عَلَى بَرَكَةِ اللَّهِ فَلَمَّا جَاءَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ جَاءَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلاَمٍ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ وَأَنَّكَ جِئْتَ بِحَقٍّ وَقَدْ عَلِمَتْ يَهُودُ أَنِّي سَيِّدُهُمْ وَابْنُ سَيِّدِهِمْ وَأَعْلَمُهُمْ وَابْنُ أَعْلَمِهِمْ فَادْعُهُمْ فَاسْأَلْهُمْ عَنِّي قَبْلَ أَنْ يَعْلَمُوا أَنِّي قَدْ أَسْلَمْتُ فَإِنَّهُمْ إِنْ يَعْلَمُوا أَنِّي قَدْ أَسْلَمْتُ قَالُوا فِيَّ مَا لَيْسَ فِيَّ فَأَرْسَلَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ فَأَقْبَلُوا فَدَخَلُوا عَلَيْهِ. فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ وَيْلَكُمُ اتَّقُوا اللَّهَ، فَوَاللَّهِ الَّذِي لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ إِنَّكُمْ لَتَعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ حَقًّا، وَأَنِّي جِئْتُكُمْ بِحَقٍّ فَأَسْلِمُوا قَالُوا مَا نَعْلَمُهُ قَالُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ قَالَهَا ثَلاَثَ مِرَارٍ قَالَ فَأَيُّ رَجُلٍ فِيكُمْ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلاَمٍ قَالُوا ذَاكَ سَيِّدُنَا وَابْنُ سَيِّدِنَا وَأَعْلَمُنَا وَابْنُ أَعْلَمِنَا. قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ قَالُوا حَاشَا لِلَّهِ مَا كَانَ لِيُسْلِمَ. قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ قَالُوا حَاشَا لِلَّهِ مَا كَانَ لِيُسْلِمَ قَالَ يَا ابْنَ سَلاَمٍ اخْرُجْ عَلَيْهِمْ فَخَرَجَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ اتَّقُوا اللَّهَ فَوَاللَّهِ الَّذِي لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ إِنَّكُمْ لَتَعْلَمُونَ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ وَأَنَّهُ جَاءَ بِحَقٍّ فَقَالُوا كَذَبْتَ فَأَخْرَجَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ. أطرافه 3329، 3938، 4480۔ (حضرت عبداللہ بن سلام سے متعلقہ حصہ اسی جلد کی حدیث نمبر:3329 میں مترجم ہے، باقی حدیثِ ہجرت کا حصہ ہے)

شیخِ بخاری ابن سلام ہیں، ابونعیم المستخرج میں لکھتے ہیں میرا خیال ہے یہ ابوموسی محمد بن مثنیٰ ہیں۔ (مردف أبابكر) داؤدی کہتے ہیں دونوں احتمال ہیں یا تو آنجناب ہی کی اونٹنی پر آپکے ردیف ہوں یا الگ اونٹنی پر سوار ہوں اور ردیف اس معنی میں کہ ان کی اونٹنی آپکی اونٹنی سے پیچھے پیچھے چل رہی ہو، ردیف کا یہ معنی بھی لغت میں موجود ہے، قرآن میں ہے: (بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلاَئِكَةِ مُرْدِفِينَ) [الأنفال: ۹] یعنی ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہوئے ہزار فرشتے (جنگ بدر کے ضمن میں فرمایا)، ابن تین نے اول معنی کو ترجیح دی ہے کہتے ہیں ثانی صحیح نہیں کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ابوبکر نبی اکرم سے آگے چلتے ہوں! ابن حجر اس کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ تب لازم آتا اگر روایت میں یوں ہوتا کہ نبی اکرم ردیف تھے، جبکہ خبر میں ہے: (والنبی مردف أبابكر) یعنی ابوبکر کو ردیف بنائے ہوئے

تھے، اگلے باب میں صراحت ہے، انس کہتے ہیں گویا میں رسول اللہ کو دیکھ رہا ہوں اور ابوبکر آپکے ردیف تھے۔

(وأبوبكر شيخ يعرف) ابوبکر کو معروف اسلئے کہا کہ وہ تجارتی اسفار میں اہلِ مدینہ کے ہاں آتے جاتے رہتے تھے بخلاف نبی اکرم کے، آپ بسلسلہ تبلیغِ دین مکہ ہی میں مقیم رہتے تھے۔ (ونبي الله شابٌ لا يعرف) بظاہر اس عبارت سے یوں معلوم پڑتا ہے کہ نبی اکرم ان سے چھوٹے ہوں گے، مگر ایسا نہیں، ابوعمر نے حبیب بن شہید عن میمون بن مہران عن یزید بن اُصم روایت کیا ہے کہ نبی پاک نے حضرت ابوبکر سے پوچھا: (أيُّنا أسَنُّ أنا أو أنت؟) کون عمر میں بڑا ہے میں یا تم؟ وہ کہنے لگے: (أنت أكرم مني يا رسول الله و أكبر و أنا أسن منك) آپ یا رسول اللہ مجھ سے بڑے اور اکرم ہیں البتہ عمر رسیدہ میں ہوں، ابوعمر کہتے ہیں یہ مرسل ہے اور میرا خیال ہے کہ راوی کو وہم لگا، ابن حجر بھی اس کی تائید کرتے ہیں، اس مقولہ کی نسبت حضرت عباس کی طرف معروف ہے، ابوبکر کے بارہ میں تو صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ تریسٹھ برس کی عمر میں فوت ہوئے اور نبی اکرم کے بعد دو سال اور چند ماہ زندہ رہے تھے۔

(و يهديني السبيل) اس کا سبب ابن سعد نے اپنی روایت میں ذکر کیا ہے کہ نبی پاک نے ان سے فرمایا تھا: (ألْهِ النَاسَ عَنِّي) لوگوں کو مجھ سے غافل رکھنا، چنانچہ راستہ میں ملنے والے اکا دکا افراد نے پوچھا، اپنے بارے میں تو یہ بتلاتے: (باغِي حاجة) ایک ضرورت سے جا رہا ہوں، جب پوچھا جاتا: (مَنْ هذا معك؟) تو کہتے: (هادٍ يَهْدِيني) یہ میرے رہنمائے سبیل ہیں۔ طبرانی کی اسماء سے روایت میں بھی یہی ہے، ابوبکر کی مراد ہدایتِ دین سے ہوتی جبکہ پوچھنے والا دلیلِ راہ سمجھتا۔ (هذا! فارس) یہ سراقہ تھے جنکا قصہ بیان ہو چکا ہے، اس سفر میں کئی دیگر امور بھی پیش آئے، ایک مرتبہ ام معبد کے دو خیموں سے گزر ہوا وہاں اترے، ان کا قصہ ابن ابوخزیمہ اور حاکم نے مطولاً نقل کیا ہے، بیہقی نے بھی الدلائل میں حضرت ابوبکر کے حوالے سے ایک لاغر بکری کو دوہنے کا حال بیان کیا ہے مگر اس میں ام معبد کی زبانی آنجناب کا وصف، نہ خود انکا تذکرہ، مذکور ہے تو احتمال ہے کہ وہ کوئی دوسرا واقعہ ہوگا، ایک غلام چرواہے سے بھی گزر ہوا تھا، اسکا قصہ حدیثِ براء عن ابی بکر کے حوالے سے گزر چکا ہے، ابوسعید نے شرف المصطفی میں ایاس بن مالک بن اوس اسلمی سے نقل کیا ہے کہ سفرِ ہجرت میں نبی اکرم اور حضرت ابوبکر کا بمقامِ جحفہ ہمارے اونٹوں سے بھی گزر ہوا، دریافت فرمایا یہ کس کے اونٹ ہیں؟ کہا قبیلہ اسلم کے ایک شخص کے، اس پر ابوبکر کی طرف دیکھ کر فرمایا: (سلمت) پھر دریافت فرمایا نام کیا ہے؟ کہا مسعود، پھر ابوبکر کی طرف دیکھ کر فرمایا: (سعدت)، اسے ابن سکن اور طبرانی نے زیادہ تفصیل کے ساتھ ایاس عن ابیہ عن جدہ اوس بن عبداللہ بن حجر، کے طریق سے موصول کیا ہے، اس میں ہے کہ اوس نے ایک فحل اونٹ خدمت میں پیش کیا ساتھ میں اپنے غلام مسعود کو بھی اور حکم دیا کہ مدینہ پہنچنے تک آپکے ساتھ رہے۔ حضرت انس کا قصہِ سراقہ بیان کرنا ان کا ارسال ہے شائد ابوبکر سے اخذ کیا ہوگا، ان کے مناقب میں حضرت انس کے حوالے سے حدیثِ غار کا ایک حصہ منقول ہوا ہے۔

(فصرعه عن فرسه ثم قامت الخ) ابن تین لکھتے ہیں یہ جملہ محلِ نظر ہے کیونکہ اگر فرس کا لفظ مؤنث ہے تو (فصرعته) ہونا چاہئے تھا اور اگر مذکر ہے تو (ثم قامت) نہ ہونا چاہئے تھا! ابن حجر کہتے ہیں ان کی یہ بات ایک عجوبہ ہے، مذکر کا صیغہ باعتبار لفظِ فرس، استعمال کیا جبکہ مؤنث کا صیغہ باعتبار حقیقت کے، کہ وہ گھوڑی پر سوار تھے۔ (ثم بعث إلى الأنصار الخ) یہاں نبی اکرم کی قباء میں اقامت کا ذکر موجود نہیں اس کا ذکر باب کی تیرھویں روایت میں ہو چکا ہے، تقدیرِ کلام یہ ہے کہ جانبِ حرہ سے قباء

اترے وہاں چند دن مقیم رہے، ایک مسجد بھی تعمیر کی پھر جب آگے روانگی اور دخولِ مدینہ کا ارادہ فرمایا تو انصار کی طرف پیغام بھیجا۔ (حتی نزل جانب دار أبي أيوب) بخاری التاریخ الصغیر میں موسی بن اسماعیل حدثنا سلیمان بن المغیرۃ عن ثابت عن اُنس کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ جب مدینہ میں غلغلہ مچا کہ محمد آ گئے تو میں ہم عمر لڑکوں کے ہمراہ ادھر کو بھاگا ہمیں کچھ نظر نہ آیا آخر آپ اور ابوبکر نظر آئے تقریبا پانچ سو انصار آپ کے استقبال کو حاضر تھے۔

(إذ سمع به عبدالله بن سلام) بن حویرث، ابویوسف کنیت تھی، کہا جاتا ہے کہ سابقہ نام حصین تھا، خزرج کی شاخ بنی عوف کے حلفاء میں سے تھے۔ (فسمع من نبي الله الخ) احمد اور ترمذی کی زرارہ بن اوفی عن عبداللہ بن سلام سے روایت میں ہے کہ جب نبی اکرم مدینہ آئے لوگ آپ کی طرف ٹوٹ پڑے، میں بھی حاضر ہوا تا کہ آپ کو دیکھوں، جب آپکے چہرے پہ نظر پڑی تو بے اختیار کہہ اٹھا یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا، عماد بن کثیر کہتے ہیں اس سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قباء میں آنجناب سے ملے جبکہ بابِ ہذا کی یہ روایت ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت ملاقات ہوئی جب آنجناب مدینہ آ کر ابوایوب کے گھر فروکش ہوئے، کہتے ہیں محتمل ہے کہ قباء میں بھی جا کر ملے ہوں، ابن حجر کہتے ہیں احمد وترمذی کی اس روایت میں قباء کا ذکر موجود نہیں تو یہ توجیہ ممکن ہے کہ یہ ملاقات تب تھی جب آپ استقبالی ہجوم کے جلو میں مدینہ داخل ہو رہے تھے (پھر ایک اور فرق بھی ہے، روایتِ انس میں باقاعدہ مجلس میں بیٹھنا اور آخر اسلام قبول کر لینے کا ذکر ہے جبکہ احمد وترمذی کی روایت میں فقط دیکھنا مذکور ہے)۔

(أي بيوت أهلنا الخ) اس کی تفصیل تیرھویں حدیث کے ضمن میں گزر چکی ہے، آنجناب نے أهلنا کا لفظ اپنی نھیالی قرابت کی وجہ سے استعمال فرمایا کیونکہ حضرت عبدالمطلب کی والدہ سلمی بنت عوف کا تعلق بنی مالک بن نجار سے تھا۔

(قال قوما) یعنی ابوایوب نے کہا، اختصار ہے، حاکم اور ابوسعید کے ہاں صراحت ہے کہ جا کر بندوبست کیا پھر آ کر کہا تشریف لائیے، حاکم وغیرہ کی حدیثِ ابی ایوب میں ہے کہ نبی اکرم کو مکان کے نچلے حصہ میں لا اتارا اور خود اپنے اہل خانہ کے ساتھ چوبارے پر منتقل ہو گئے (خود آنجناب نے ایسا کرنے کو کہا تھا تا کہ آمدوفت اور میل جول میں آسانی ہو) پھر وہ مسلسل اصرار کرتے رہے کہ آنجناب بالا خانہ پر تشریف فرما ہوں اور خود وہ نچلی منزل میں آ گئے۔ ابوایوب کا نام ونسب یہ ہے: خالد بن زید بن کلیب، بنی نجار سے تھے جو خزرج بن حارثہ کی نسل سے تھے، کہا جاتا ہے تبع بادشاہِ یمن نے جب حجاز پر حملہ کیا تو یثرب سے بھی اس کا گزر ہوا، تو یہاں مقیم چار سو احبار (یعنی علمائے یہود) اسے ملے اور کہا مکہ میں ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں یثرب جنکا مسکن بنے گا، لہذا بیت اللہ کی تعظیم واجب ہے چنانچہ اسنے تعظیمِ بیت کی، اسے غلاف پہنایا سب سے پہلے اسی نے غلافِ کعبہ کی ریت ڈالی اور ایک خط لکھ کر ایک حبر کے حوالے کیا اور وصیت کی کہ اگر اس کے زمانہ میں وہ نبی آ جائیں تو ان کے حوالے کر دیا جائے، تو کہا جاتا ہے ابوایوب اس حبر کی اولاد میں سے ہیں، اسے ابن ہشام نے التیجان اور ابن عساکر نے تبع کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے۔

(فقال أشهد أنك الخ) آگے المغازی کی حمید عن انس کی روایت میں ہے کہ انہوں نے قبولِ اسلام سے قبل آپ سے کچھ سوالات پوچھے جواب ملنے پر اسلام قبول کر لیا، بیہقی کے ہاں عبداللہ بن ابی بکر بن حزم عن یحی بن عبداللہ عن رجل من آل عبداللہ بن سلام عن عبداللہ بن سلام سے روایت میں ہے، کہتے ہیں میں نبی پاک کے نام وصفت کی بابت سن چکا تھا اور بہت مسرور تھا حتی کہ آپ مدینہ تشریف لے آئے جب آپکی آمد کا سنا ایک کھجور کے درخت کی چوٹی پر چڑھا کھجوریں اتار رہا تھا، میں نے اللہ اکبر کہا، میری چچی

خالدہ بنت حارث کہنے لگیں اگر تم سنتے کہ موسی آ گئے ہیں تو کیا حال ہوتا؟ میں نے کہا وہ موسی کے بھائی ہیں وہی کچھ لائے ہیں جنکے ساتھ انہیں مبعوث کیا گیا تھا، کہنے لگی اے بھتیجے یہ وہی ہیں جنکی بابت بتلایا جاتا تھا کہ مبعوث ہونے والے ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں، کہتے ہیں پھر میں آ کر مسلمان ہوا پھر اپنے گھر والوں کے پاس گیا انہیں بھی حکم دیا کہ اسلام قبول کریں وہ بھی مسلمان ہوئے پھر نبی پاک سے آ کر کہا: (إن اليهود قوم بهت الخ) ، آگے اس کی شرح آ رہی ہے۔

(فدخلوا عليه) یعنی اس کے بعد کہ عبداللہ کہیں چھپ گئے، یحی بن عبداللہ کی مذکورہ روایت میں صراحت ہے: (فأدخلني في بعض بيوتك ثم سَلْهُم عني قال فأدخلني بعض بيوته) کہ مجھے کہیں چھپا لیں اس پر آپ نے ایک قریبی گھر میں مجھے چھپا دیا۔ (سيدنا الخ) آمدہ روایت میں (خيرنا وابن خيرنا و أفضلناوابن أفضلنا) کے الفاظ ہیں، ترجمِہ آدم میں (أخيرنا) تھا، یحی کی مشارالیہ روایت میں: (سيدنا وأخيرناوعالمنا) ہے، ممکن ہے سبھی الفاظ کہے ہوں یا رواۃ نے کچھ کی بالمعنی روایت کی ہو۔

علامہ انور حدیث کے الفاظ (حتى نزل جانب دار أبي أيوب) کے تحت لکھتے ہیں یہاں راوی نے اختصار سے کام لیا، اس سے وہم ہوتا ہے کہ نبی اکرم سب سے قبل انہی کے گھر میں اترے حالانکہ آپ ابتداء میں کئی دن قباء میں رہے ہیں جیسا کہ تفصیل گزری، کہتے ہیں آپکا وہاں قیام چودہ دن تھا جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے، ابن اسحاق نے سہواً چار دن لکھا ہے دراصل انہیں غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ آنجناب بروز سوموار قباء پہنچے تھے اور مدینہ کیلئے جمعہ کے روز نکلے جو آئندہ سے آمدہ تھا، وہ اسی آئندہ کو سمجھ بیٹھے جو چار دن بنتے ہیں! اگر تم کہو کہ سوموار سے اگلے جمعہ تک چودہ دن نہیں بنتے بلکہ گیارہ بنتے ہیں تو میں اس کا جواب یہ دونگا کہ جمعہ کے دن آنجناب نیتِ اقامت سے نہ نکلے تھے بلکہ ارادہ فرمایا کہ شہر جائیں اور لوگوں کو جمعہ پڑھائیں پھر واپس قباء پلٹ آئے تھے پھر اقامت کی نیت سے منگل کے دن نکلے تو یہ چودہ یا پندرہ دن بنے۔ (أربعة آلاف في أربعة) کا ترجمہ اردو میں یہ لکھا ہے: یعنی چار ہزار مہاجرین کیلئے چار قسطوں میں، (أخذ علينا بالرصد) کا معنی اردو میں یوں لکھا ہے: پہرا لگا رکھا تھا قریش نے، (فغلفها بالحناء والكتم) کے تحت رقمطراز ہیں کہ صاحب مجمع البحار کو سہو لگا جب کتم کا ترجمہ نیل کیا، نیل اگر حناء کے ساتھ خلط ملط کریں تو اسودِ حالک (یعنی نہایت سیاہ) بن جاتا ہے، یہ دراصل ایک بوٹی ہے یا بیج تھے جو یمن سے درآمد کئے جاتے تھے جسے بطور خضاب لگانے سے سرخ رنگ نکلتا، ہاں کلف اور وسمہ نیل کو کہتے ہیں۔

3912 حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ يَعْنِي عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضى الله عنه قَالَ كَانَ فَرَضَ لِلْمُهَاجِرِينَ الأَوَّلِينَ أَرْبَعَةَ آلاَفٍ فِي أَرْبَعَةٍ، وَفَرَضَ لاِبْنِ عُمَرَ ثَلاَثَةَ آلاَفٍ وَخَمْسَمِائَةٍ فَقِيلَ لَهُ هُوَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ، فَلِمَ نَقَصْتَهُ مِنْ أَرْبَعَةِ آلاَفٍ فَقَالَ إِنَّمَا هَاجَرَ بِهِ أَبَوَاهُ. يَقُولُ لَيْسَ هُوَ كَمَنْ هَاجَرَ بِنَفْسِهِ

ہشام سے مراد ابن یوسف صنعانی ہیں۔ (عن عمر كان الخ) یہ صورۃً منقطع ہے کیونکہ نافع نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا

مگر سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عمر سے اس کا اخذ کیا، غیر ابی ذر کے نسخوں میں یہاں: (عن نافع یعنی عن ابن عمر) ہے شائد یہ بعض رواۃ کی اصلاح ہو، ابن حجر کہتے ہیں اس سے ہمارے شیخ ابن ملقن کو دھوکہ ہوا لہذا ابن تین کے اس دعوی کا رد کیا کہ حدیث مرسل ہے، داؤدی نے عبید اللہ بن عمر کے حوالے سے (عن نافع عن ابن عمر) کے ذکر کے ساتھ حضرت اسامہ کے حوالے سے اسی کے مشابہ روایت نقل کی ہے، اسے ابونعیم نے المستخرج میں تخریج کیا ہے۔ (المهاجرين الأولين) یہ وہ صحابہ کرام ہیں جنہوں نے قبلتین کی طرف نمازیں ادا کیں یا جو بدر میں حاضر ہوئے۔ (في أربعة) نسفی کے نسخہ میں (في) ساقط ہے، یہی مناسب ہے یعنی ہر ایک کیلئے چار ہزار، بفرضِ ثبوت شائد یہ بمعنی اللام ہو اور مراد مہاجرین مذکورین کی تعداد کا اثبات ہو۔ (إنما هاجر به الخ) یعنی وقتِ ھجرت وہ اپنے والدین کی کنف میں تھے (یعنی خود مختار نہ تھے) کیونکہ اس وقت ان کی عمر گیارہ برس تھی، یہی صحیح ہے کیونکہ صحیحین میں ثابت ہے کہ جنگ احد کے دن انہیں پیش کیا گیا تب چودہ برس کے تھے اور جنگ احد شوال ۳ھ میں ہوئی تھی۔

3913 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ خَبَّابٍ قَالَ هَاجَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ .أطرافه 1276، 3897، 3914، 4047، 4082، 6432، 6448

سفیان سے مراد ابن عیینہ ہیں۔

3914 وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ سَمِعْتُ شَقِيقَ بْنَ سَلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا خَبَّابٌ قَالَ هَاجَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ نَبْتَغِي وَجْهَ اللَّهِ، وَوَجَبَ أَجْرُنَا عَلَى اللَّهِ، فَمِنَّا مَنْ مَضَى لَمْ يَأْكُلْ مِنْ أَجْرِهِ شَيْئًا، مِنْهُمْ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ، قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ فَلَمْ نَجِدْ شَيْئًا نُكَفِّنُهُ فِيهِ، إِلَّا نَمِرَةً كُنَّا إِذَا غَطَّيْنَا بِهَا رَأْسَهُ خَرَجَتْ رِجْلَاهُ، فَإِذَا غَطَّيْنَا رِجْلَيْهِ خَرَجَ رَأْسُهُ، فَأَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ نُغَطِّيَ رَأْسَهُ بِهَا، وَنَجْعَلَ عَلَى رِجْلَيْهِ مِنْ إِذْخِرٍ وَمِنَّا مَنْ أَيْنَعَتْ لَهُ ثَمَرَتُهُ فَهُوَ يَهْدِبُهَا .أطرافه 1276، 3897، 3913، 4047، 4082، 6432، 6448۔ (جلد دوم ص:۱۷۴ میں ترجمہ موجود ہے)

یحیی سے مراد قطان ہیں، یہ باب کے شروع میں بھی ذکر کی جا چکی ہے تو دو طرق سے منقول ہے، اس کی مفصل بحث غزوۂ احد میں آئیگی۔

3915 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ بْنُ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ قَالَ قَالَ لِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ هَلْ تَدْرِي مَا قَالَ أَبِي لِأَبِيكَ قَالَ قُلْتُ لَا .قَالَ فَإِنَّ أَبِي قَالَ لِأَبِيكَ يَا أَبَا مُوسَى، هَلْ يَسُرُّكَ إِسْلَامُنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهِجْرَتُنَا مَعَهُ، وَجِهَادُنَا مَعَهُ، وَعَمَلُنَا كُلُّهُ مَعَهُ، بَرَدَ لَنَا، وَأَنَّ كُلَّ عَمَلٍ عَمِلْنَاهُ بَعْدَهُ نَجَوْنَا مِنْهُ كَفَافًا رَأْسًا بِرَأْسٍ فَقَالَ أَبِي لَا وَاللَّهِ، قَدْ جَاهَدْنَا بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَصَلَّيْنَا، وَصُمْنَا، وَعَمِلْنَا خَيْرًا كَثِيرًا، وَأَسْلَمَ عَلَى أَيْدِينَا بَشَرٌ كَثِيرٌ، وَإِنَّا لَنَرْجُو ذَلِكَ .فَقَالَ أَبِي لَكِنِّي أَنَا

وَالَّذِى نَفْسُ عُمَرَ بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنَّ ذَلِكَ بَرَدَ لَنَا، وَأَنَّ كُلَّ شَىْءٍ عَمِلْنَاهُ بَعْدُ نَجَوْنَا مِنْهُ كَفَافًا رَأْسًا بِرَأْسٍ .فَقُلْتُ إِنَّ أَبَاكَ وَاللَّهِ خَيْرٌ مِنْ أَبِى

ابو بردہ کہتے ہیں مجھے عبد اللہ بن عمر نے بیان کیا کیا تمہیں معلوم ہے میرے والد نے تمہارے والد سے کیا کہا تھا؟ وہ بولے نہیں، کہا انہوں نے کہا تھا اے ابوموسی کیا تم اس بات پہ راضی ہو کہ نبی پاک پہ ہمارا اسلام لانا، آپکے ساتھ ہماری ہجرت، ہمارا جہاد اور ہمارے تمام عمل جو آپکی زندگی میں کئے ہیں ان کے بدلہ میں ہم اپنے ان تمام اعمال سے نجات پا جائیں جو ہم نے آپ کے بعد کئے بے شک وہ نیک ہی کیوں نہ ہوں اور معاملہ برابری پر ختم ہو جائے؟ تو آپ کے والد کہنے لگے واللہ میں اس پر راضی نہیں کیونکہ ہم نے رسولِ پاک کے بعد جہاد بھی کیا، نمازیں ادا کیں، روزے رکھے اور تمام اعمالِ خیر کئے اور ہمارے ہاتھوں ایک خلقِ کثیر نے اسلام قبول کیا، ہم تو اس کے ثواب کی امید رکھتے ہیں، اس پر میرے والد کہنے لگے لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری خواہش ہے کہ نبی پاک کی حیات میں کئے ہمارے اعمال محفوظ کر دئے جائیں اور بعد والے تمام اعمال سے ہم برابری کے طور پہ نجات پا جائیں، ابو بردہ کہتے ہیں میں نے کہا واللہ آپکے والد میرے والد سے بہتر تھے۔

(قال لی عبداللہ الخ) سعید بن ابی بردۃ عن ابیہ کی اسی روایت میں یہ زیادت بھی ہے، کہتے ہیں میں نے ابن عمر کے پہلو میں نماز پڑھی تو سنا کہ سجدہ میں پڑے کہہ رہے ہیں، تو آگے کچھ کلماتِ ذکر کا تذکرہ کیا، اس میں یہ بھی مذکور ہے: (ما صلیتُ صلاۃ منذأسلمت إلا و أنا أرجو أن تکون کفارۃ) پھر ابو بردہ سے مخاطب ہو کر یہ بات کہی، سعید کی یہ روایت فوائدِ ابی محمد بن صاعد میں مخرج ہے۔ (برد لنا) یعنی (ثبتَ لنا و دامَ) کہا جاتا ہے: (بردٌ لِی علَی الغریم) یعنی اس کے ذمے میرا حق ثابت ہے، سعید کی روایت میں اس کی بجائے (خلص) ہے۔ (کفافا) یعنی سواء بسواء (برو برابر) نہ موجبِ ثواب نہ عقاب، سعید کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: (لا لَک ولا علیک)۔ (قال أبی لا واللہ) اس میں یہی عبارت ہے، درست: (قال أبوک۔۔۔) ہے کیونکہ ابن عمر ابو بردہ کو اپنے والد حضرت عمر اور ان کے والد حضرت ابوموسی کے مابین ہونے والا ایک مکالمہ سنا رہے ہیں اور یہ ابوموسی کی کلام ہے، نسفی کے نسخہ میں: (فقال أبوک الخ) ہے، قابسی اور مستملی کے ہاں (فقال إی واللہ۔۔۔ الخ) ہے، عبدوس کے ہاں (إنی واللہ) ہے، سوائے روایتِ نسفی کے سب تصحیف ہے، تاریخِ حاکم کی اسی روایت میں داؤد بن أبی ہند عن أبی بردۃ سے منقول ہے کہ ابوموسی نے کہا: (لا قال لِم؟) کہنے لگے اسلئے کہ میں نے لوگوں کو قرآن وسنت کی تعلیم دی ہے اور مجھے اس کے ثواب کی امید ہے۔

(فقلت) قائل ابو بردہ ہیں، اس حیثیتِ مذکورہ سے بھی حضرت عمر کی خیریت کا اقرار مقصود ہے وگرنہ یہ بات عام اہلِ علم کے ہاں تو طے شدہ ہے کہ حضرت عمر ابوموسیٰ سے افضل ہیں لیکن یہ اس امر کو مانع نہیں کہ مفضولین کسی ایک یا دو خصلتوں میں فاضل سے فوقیت رکھتے ہوں تو اس خصلت میں بھی عمر ابوموسی سے افضل ہیں کیونکہ مقامِ خوف مقامِ رجاء سے افضل ہے، حضرت عمر نے یہ بات ہضمِ نفس کیلئے کہی تھی وگرنہ فضائل وکمالات میں ان کا مقام وصف و بیان سے بالاتر ہے۔ (خیر من أبی) سعید کی روایت میں: (أفقهُ مِن أبی) ہے۔

3916حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ صَبَّاحٍ أَوْ بَلَغَنِی عَنْهُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِی عُثْمَانَ

قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رضي الله عنه إِذَا قِيلَ لَهُ هَاجَرَ قَبْلَ أَبِيهِ يَغْضَبُ، قَالَ وَقَدِمْتُ أَنَا وَعُمَرُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَوَجَدْنَاهُ قَائِلاً فَرَجَعْنَا إِلَى الْمَنْزِلِ، فَأَرْسَلَنِي عُمَرُ وَقَالَ اذْهَبْ فَانْظُرْ هَلِ اسْتَيْقَظَ فَأَتَيْتُهُ، فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ فَبَايَعْتُهُ، ثُمَّ انْطَلَقْتُ إِلَى عُمَرَ، فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّهُ قَدِ اسْتَيْقَظَ، فَانْطَلَقْنَا إِلَيْهِ نُهَرْوِلُ هَرْوَلَةً حَتَّى دَخَلَ عَلَيْهِ فَبَايَعَهُ ثُمَّ بَايَعْتُهُ .طرفاه 4186، 4187

راوی کا بیان ہے میں نے ابن عمر سے سنا جب ان کے سامنے یہ کہا جاتا کہ انہوں نے اپنے والد سے قبل ہجرت کی ہے تو ناراض ہوتے، کہتے ہیں میں اور حضرت عمر (ہجرت کر کے مدینہ پہنچنے کے بعد) نبی پاک سے ملنے آئے دیکھا کہ آپ قیلولہ فرما رہے ہیں اسپر واپس ہولئے، پھر حضرت عمر نے مجھے بھیجا کہ جاؤ نبی پاک کو دیکھو کیا جاگ گئے ہیں؟ میں آیا تو آپ جاگ گئے تھے میں نے داخل ہوکر بیعت کی پھر واپس جا کر ابا جان کو خبر دی چنانچہ ہم تیزی سے چلتے ہوئے آئے آپ کے پاس آ کر پہلے انہوں نے بیعت کی پھر میں نے (یعنی دوبارہ)۔

شیخِ بخاری محمد بن صباح دولابی بزاز نزیلِ بغداد ہیں بالاتفاق ثقہ ہیں بخاری نے ان سے کتاب الصلاۃ اور کتاب البیوع میں جازماً بغیر واسطہ کے نقل کیا ہے، یہاں جو (أوبلغنی عنه) کہا تو یہ مُبلغ احتمالی طور پر عباد بن ولید ہو سکتے ہیں، ابونعیم نے المستخرج میں ان کے طریق کے ساتھ انہی محمد بن صباح سے روایت تخریج کی ہے، عباد مذکور کی کنیت ابو بدر تھی، ابن ماجہ اور ابو حاتم نے بھی ان سے روایت لی ہے ابوحاتم انہیں صدوق قرار دیتے ہیں، محمد کے یہاں شیخ، اسماعیل بن ابراھیم المعروف بابن علیہ ہیں جبکہ عاصم سے ابن سلیمان احول اور ابوعثمان سے مراد نہدی ہیں، تمام راوی بصری ہیں۔ (یغضب) طبرانی نے ایک دیگر طریق کے ساتھ ابن عمر سے نقل کیا، کہتے تھے اللہ اس پہ لعنت کرے جو کہتا ہے میں نے حضرت عمر سے قبل ہجرت کی، میں تو ان پر بار بنکر آیا، یہ ضعیف الإسناد ہے اسی روایت میں مذکور جواب اصح ہے، والدین کا ذکر اشکال کا باعث ہے کیونکہ ان کی والدہ زینب بنت مظعون مکہ ہی میں تھیں جیسا کہ ابن سعد نے ذکر کیا۔

(قدمت أناو عمر الخ) یعنی بیعت کیلئے، شائد یہ بیعتِ رضوان ہو، داؤدی کا خیال ہے کہ یہ بیعت اس وقت ہوئی جب نبی اکرم ہجرت کر کے مدینہ پہنچے مگر (بقول ابن حجر) میری نظر میں اس میں بُعد ہے کیونکہ تب تو ابن عمر کی اتنی عمر نہ تھی کہ بیعت کرتے۔ ابن حجر کہتے ہیں بعض لوگوں کے وہم کی وجہ یہی بیعت تھی جو اپنے والد سے قبل کر لی انہوں نے جب آنجناب کو بیدار پایا تو مبادرت الی الخیر کے داعیہ سے بیعت کر لی پھر اپنے والد کو اطلاع دی (اور ان کی بیعت کے بعد پھر ایک دفعہ بیعت کی) ابن حجر لکھتے ہیں شائد یہ بیعت بیعتِ عامہ نہ تھی بخلاف ہجرت کے، ابن عمر ڈرے کہ کہیں ان سے فوت نہ ہو جائے تو تحصیل کی مبادرت کی۔ (نہرول) عام چلنے اور بھاگنے کے درمیان کی چال۔

3917حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ يُحَدِّثُ قَالَ ابْتَاعَ أَبُو بَكْرٍ مِنْ عَازِبٍ رَحْلاً فَحَمَلْتُهُ مَعَهُ قَالَ فَسَأَلَهُ عَازِبٌ عَنْ مَسِيرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ أُخِذَ عَلَيْنَا بِالرَّصَدِ، فَخَرَجْنَا لَيْلاً، فَأَحْثَثْنَا لَيْلَتَنَا وَيَوْمَنَا حَتَّى قَامَ قَائِمُ الظَّهِيرَةِ، ثُمَّ رُفِعَتْ لَنَا صَخْرَةٌ، فَأَتَيْنَاهَا وَلَهَا شَيْءٌ

مِنْ ظِلٍّ قَالَ فَفَرَشْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَرْوَةً مَعِي، ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ فَانْطَلَقْتُ
أَنْفُضُ مَا حَوْلَهُ، فَإِذَا أَنَا بِرَاعٍ قَدْ أَقْبَلَ فِي غُنَيْمَةٍ يُرِيدُ مِنَ الصَّخْرَةِ مِثْلَ الَّذِي أَرَدْنَا
فَسَأَلْتُهُ لِمَنْ أَنْتَ يَا غُلَامُ فَقَالَ أَنَا لِفُلَانٍ. فَقُلْتُ لَهُ هَلْ فِي غَنَمِكَ مِنْ لَبَنٍ قَالَ نَعَمْ
. قُلْتُ لَهُ هَلْ أَنْتَ حَالِبٌ قَالَ نَعَمْ. فَأَخَذَ شَاةً مِنْ غَنَمِهِ فَقُلْتُ لَهُ انْفُضِ الضَّرْعَ. قَالَ
فَحَلَبَ كُثْبَةً مِنْ لَبَنٍ، وَمَعِي إِدَاوَةٌ مِنْ مَاءٍ عَلَيْهَا خِرْقَةٌ قَدْ رَوَّأْتُهَا لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ
فَصَبَبْتُ عَلَى اللَّبَنِ حَتَّى بَرَدَ أَسْفَلُهُ، ثُمَّ أَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ اشْرَبْ يَا رَسُولَ اللَّهِ
. فَشَرِبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى رَضِيتُ، ثُمَّ ارْتَحَلْنَا وَالطَّلَبُ فِي إِثْرِنَا. أطرافه 2439، 3615،
3652، 3908، 5607۔ (مفصل ترجمہ اسی جلد کے سابقہ نمبر میں موجود ہے)

3918 قَالَ الْبَرَاءُ فَدَخَلْتُ مَعَ أَبِي بَكْرٍ عَلَى أَهْلِهِ، فَإِذَا عَائِشَةُ ابْنَتُهُ مُضْطَجِعَةٌ، قَدْ
أَصَابَتْهَا حُمَّى، فَرَأَيْتُ أَبَاهَا فَقَبَّلَ خَدَّهَا، وَقَالَ كَيْفَ أَنْتِ يَا بُنَيَّةُ

اسکی شرح علامات النبوۃ میں گزر چکی ہے۔ (اسی جلد میں)۔ (قال البراء فدخلت مع أبی بکر علی أهله فإذابنته عائشة الخ) حدیث کا یہ حصہ صرف اسی جگہ ہی ذکر کیا ہے اگلے باب میں اسکا اشارہ ہوگا، حضرت براء کا گھر کے اندر یہ دخول قطعی طور پر نزولِ حجاب کے حکم سے قبل تھا مزید یہ کہ وہ ابھی نابالغ تھے، حضرت عائشہ بھی ابھی حدِ بلوغت کو نہ پہنچی تھیں۔

3919 حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حِمْيَرَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي عَبْلَةَ
أَنَّ عُقْبَةَ بْنَ وَسَّاجٍ حَدَّثَهُ عَنْ أَنَسٍ خَادِمِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ وَلَيْسَ فِي أَصْحَابِهِ
أَشْمَطُ غَيْرَ أَبِي بَكْرٍ، فَغَلَفَهَا بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ. طرفه 3920۔ 3920 وَقَالَ دُحَيْمٌ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ
حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِي أَبُو عُبَيْدٍ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ وَسَّاجٍ حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ ؓ قَالَ قَدِمَ
النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ، فَكَانَ أَسَنَّ أَصْحَابِهِ أَبُو بَكْرٍ، فَغَلَفَهَا بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ حَتَّى قَنَأَ لَوْنُهَا
. طرفه 3919

حضرت انس کا بیان ہے جب نبی پاک مدینہ تشریف لائے تو آپکے اصحاب میں ابوبکر کے سوا کوئی ایسا نہ تھا جس کے بال سفید ہو گئے ہوں آپ نے ان کے لئے مہندی اور وسمہ کا خضاب استعمال کیا۔ (اگلی روایت میں مزید ہے حتی کہ بال سرخی مائل سیاہ ہوگئے)

ابراھیم بن ابو علیہ کا حضرت انس سے سماع ثابت ہے مگر یہ روایت ان سے بالواسطہ اخذ کی ہے، ابو علیہ کا نام یقظان تھا، دوسری سند میں ابوعبید کا نام حُیی ہے، حی جومیت کا عکس ہے، بھی کہا گیا ہے، (اموی خلیفہ) سلیمان بن عبدالملک کے حاجب تھے (یعنی سیکرٹری، اس زمانہ میں بڑا اہم عہدہ ہوتا تھا تقریبا وزیراعظم کے برابر)۔

(فغلفها) ہا ضمیر کا تعلق لحیہ (یعنی داڑھی) سے ہے اگرچہ کلام میں مذکور نہیں۔ (والکتم) ایک پودا تھا جو اصغر الصخور میں

اگتا ہے: (فيتدلىٰ خيطانا لطافا) (یعنی انگور وغیرہ کی بیل کی طرح) ان کا توڑنا بہت صعب تھا: (مُجتناہ صعبٌ) اسی لئے بہت قلیل ہوتی تھی۔ بعض کہتے ہیں وشمہ کے ساتھ مخلوط کر کے استعمال کیا جاتا، بعض نے وشمہ ہی قرار دیا جبکہ بعض نے نیل کہا ہے، ایک قول ہے کہ یہ حناءِ قریش تھی جسکا رنگ زرد ہوتا تھا۔ (وقال دحيم الخ) یہ عبدالرحمٰن بن ابراھیم دمشقی ہیں، اسے اسماعیلی نے حسن بن سفیان عنہ سے موصول کیا ہے۔ (فكان أسن أصحابه الخ) یعنی جو مہاجرین آپکے ہمراہ آئے یا اس وقت تک پہنچ چکے تھے۔ (حتى قنأ) یعنی اشتدَّتْ حُمرتُها، نہایت سرخ رنگ چڑھ گیا، خضاب کے بارہ میں باقی بحث کتاب اللباس میں ہوگی۔

3921 حَدَّثَنَا أَصْبَغُ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً مِنْ كَلْبٍ يُقَالُ لَهَا أُمُّ بَكْرٍ، فَلَمَّا هَاجَرَ أَبُو بَكْرٍ طَلَّقَهَا، فَتَزَوَّجَهَا ابْنُ عَمِّهَا، هَذَا الشَّاعِرُ الَّذِي قَالَ هَذِهِ الْقَصِيدَةَ، رَثَى كُفَّارَ قُرَيْشٍ وَمَاذَا بِالْقَلِيبِ قَلِيبِ بَدْرٍ مِنَ الشِّيزَى تُزَيَّنُ بِالسَّنَامِ وَمَاذَا بِالْقَلِيبِ، قَلِيبِ بَدْرٍ مِنَ الْقَيْنَاتِ وَالشَّرْبِ الْكِرَامِ تُحَيِّي بِالسَّلاَمَةِ أُمُّ بَكْرٍ وَهَلْ لِي بَعْدَ قَوْمِي مِنْ سَلاَمِ يُحَدِّثُنَا الرَّسُولُ بِأَنْ سَنَحْيَا وَكَيْفَ حَيَاةُ أَصْدَاءٍ وَهَامِ

حضرت عائشہ کہتی ہیں ابوبکر نے قبیلہ کلب کی ایک خاتون سے شادی کی جسے ام بکر کہا جاتا تھا ہجرت کے وقت اسے طلاق دیدی اور اس سے اس شاعر نے شادی کر لی جس نے کفارِ قریش کے مرثیہ میں ایک قصیدہ کہا جس کے چند اشعار یہ ہیں: (انکا ترجمہ آگے علامہ انور کے حوالے سے موجود ہے)۔

(من كلب) یعنی بنی کلب، کلب بن عوف بن عامر بن لیث بن بکر بن عبدمناۃ بن کنانہ۔ حکیم ترمذی کی زبیدی عن الزھری سے اسی روایت میں (ثم من بني عوف) بھی ہے، مشہور وقائع نگار کلبی، بنی کلب بن دبرۃ بن تغلب بن قضاعۃ میں سے تھا۔ (أم بكر) ان کا نام معلوم نہ ہوسکا، بظاہر یہ ان کی کنیت تھی۔ (هذا الشاعر) یعنی ابوبکر شداد بن اسود بن عبدشمس بن مالک بن جعونۃ، ابن شَعُوب بھی کہا جاتا تھا بقول ابن حبیب یہ اس کی والدہ تھی جو قبیلہ خزاعہ سے تھی لیکن انہوں نے ان کا نام عمرو بن شمر ذکر کیا اور حالتِ کفر میں کہے ہوئے کثیر اشعار بھی نقل کئے ہیں، بعد ازاں اسلام قبول کر لیا تھا، ابوعبیدہ کا دعوی ہے کہ اسلام لا کر پھر مرتد ہو گئے تھے، یہ ابن ھشام نے ان کے حوالے سے زوائدِ سیرت میں ذکر کیا ہے مگر اول اولیٰ ہے، ابن اعرابی نے اپنی (کتاب مَن نُسِبَ إلى أمہ) میں ان کا تذکرہ کیا ہے، فاکہی نے اسی بخاری والی سند کے ساتھ اس روایت میں مزید یہ بھی نقل کیا حضرت عائشہ کہتی ہیں واللہ ابوبکر نے نہ جاہلیت میں کوئی شعر کہا ہے، نہ اسلام میں انہوں نے اور حضرت عثمان نے جاہلیت ہی میں شراب پینا چھوڑ دی تھی، اس سے فاکہی کی نقل کردہ عوف عن ابی القموص کے حوالے سے روایت ضعیف ثابت ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے حرمتِ شراب سے قبل ایک مرتبہ شراب پی اور یہ اشعار کہے، آنجناب کو علم ہوا تو ناراضی کا اظہار کیا حضرت عمر کو علم ہوا تو آئے اور کہا (نعوذ بالله من غضب رسول الله) واللہ آج کے بعد شراب ہمارے سروں میں داخل نہ ہوگی، قول عائشہ کے معارض ہونے کے ساتھ ساتھ منقطع بھی ہے کیونکہ ابوقموص نے حضرت ابوبکر کو نہیں پایا، ممکن ہے یہ روافض میں سے ہو۔

(من الشِيزى) یہ وہ درخت ہے جس سے جفان اور القصاع الخشبیۃ (یعنی لکڑی کے بڑے بڑے پیالے) حاصل کئے

جاتے ہیں جن میں ثرید بنایا جاتا ہے، (آبنوس کا درخت)۔ اصمعی کہتے ہیں یہ شجرِ جوز سے بنتے تھے جسے چربی کے ساتھ سیاہ کیا جاتا، شیزی شیز کی جمع ہے شیزی سے مراد جو اس سے متخذ کیا جائے اور جفنہ سے مراد صاحبھا ہے، مفہوم یہ ہوا کہ قلیبِ بدر میں کیسے اونٹوں کی کوہانوں کے گوشت سے بھرے برتنوں والے ڈال دئے گئے، بہت کھلانے والے شخص (مطعام) کو جفنہ کہہ دیا جاتا تھا، لوگوں کو کثرت سے اس میں کھانے کھلانے کی وجہ سے، داؤدی نے غرابت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیزی کا معنی جمال کیا، کہتے ہیں اونٹ اگر موٹے تازے ہوں تو یہ ان کے جمال میں اضافہ کا باعث بنتا ہے، ابن تین نے ان کی تغلیط کرتے ہوئے قرار دیا کہ مفہوم یہ ہے کہ ثرید سے بھرا جفنہ جسے کوہان کے گوشت کے ٹکڑوں سے مزین کیا گیا ہو۔ (القینات) قینۃٌ کی جمع یعنی مغنیہ، مطلقاً باندی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے (خواہ مغنیہ نہ ہو)، شرب شارب کی جمع ہے بعض نے اسمِ جمع قرار دیا ہے، ابن تین اول پر جزم کرتے ہیں، وہ تجر/تاجر کی مانند ہے مراد ندامیٰ ہیں (یعنی ندیم کی جمع، ایک مجلس میں مل کر شراب کے جام لنڈھانے والے)۔

(أصداء) صدی کی جمع، نر اُلو کو کہتے ہیں، ھام ھامۃ کی جمع ہے یہ صدی کا مترادف ہے، عطفِ تفسیری ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ ھامہ جُمجمہِ رأس ہے، ان کے عقیدہ کے مطابق (مردے کے) سر سے یہ الو نکلتا تھا، شاعر اس کلام سے بعث بعد الموت کا انکار کر رہا ہے گویا کہہ رہا ہے کہ جب انسان پہلے کی طرح بن جائے گا، اھلِ لغت کے بیان کے مطابق اہلِ جاہلیت کا عقیدہ تھا کہ اس مقتول کی روح جسکا بدلہ نہ لیا گیا ہو، الو بن جاتی ہے اور صدائیں لگاتی رہتی ہے: (اسقونی) مجھے پلاؤ، مجھے پلاؤ۔ اگر انتقام لے لیا جائے تو چلی جاتی ہے، ایک شاعر کہتا ہے: (إنك إلا تذَرْ شَتمِي و مَنقصي أضرِبْك حتىٰ تقولَ الهامةُ اسقُونِي) یعنی اگر تم نے مجھے برا بھلا کہنا ترک نہ کیا تو قتل کر ڈالونگا حتی کہ تمہاری ہامہ کہے گی مجھے پلاؤ۔ (یعنی کوئی مجھ سے تمہارا بدلہ بھی لینے والا نہ ہوگا)، ابن ھشام نے سیرت میں یہ اشعار مزید پانچ کے ہمراہ نقل کئے ہیں، اسماعیلی کے ہاں ایک دیگر طریق کے ساتھ ابن وھب سے اور عنبسہ بن خالد سے، دونوں یونس سے اسی اسنادِ مذکور کے ساتھ حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ایسے شخص کے خلاف بددعا کرتی تھیں جو ان اشعار کو حضرت ابوبکر کی طرف منسوب کرتا، کہتی ہیں بعض لوگوں نے ام بکر سابقہ بیوی جسے طلاق دیدی، کی وجہ سے انہیں صدیقِ اکبر کی طرف غلط طور پر منسوب کر دیا حالانکہ ان کا قائل ابوبکر بن شعوب ہے، ابن حجر کہتے ہیں اسی ابن شعوب کی بابت ابوسفیان نے کہا تھا (یہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہیں جو بعد ازاں مسلمان ہو گئے تھے بدر سے راہ فرار اختیار کرنے پر حضرت حسان نے بڑے لطیف پیرائے میں ان کی ھجو کی جس کے جواب میں معذرت خواھانہ انداز میں اشعار کہے، دونوں کے اشعار حماسہ میں منقول ہیں):

(ولو شِئتُ نَجَّتنی کُمیتٌ طِمِرَّةٌ ولم أحمل النعماء لابن شعوب) حنظہ بن ابی عامر نے احد کے دن ابوسفیان پر حملہ کیا تھا قریب تھا کہ اسے قتل کر ڈالتے کہ پیچھے سے ابن شعوب نے وار کر کے انہیں شہید کر دیا اور یوں ابوسفیان کی جان بچی تو اس بارے ایک قصیدہ کہا جسکا ایک شعر یہ مذکور تھا۔

علامہ انور ان اشعار کا حسب ذیل اردو ترجمہ کرتے ہیں (پہلا شعر) مقامِ بدر کے کنویں کو میں کیا کہوں کہ اس نے درخت شیزی کی سینیوں سے محروم کر دیا جو کبھی کوہانِ شتر کے گوشت سے مزین ہوا کرتی تھیں (یعنی لبالب بھری ہوتی تھیں)۔ (دوسرا شعر) اور اسی طرح گانے والی باندیوں سے اور معزز بادہ نوشوں سے (تیسرا) ام بکر تو مجھے سلامتی کی دعائیں دیتی ہے مگر میری قوم کی بربادی کے بعد بھلا میری سلامتی کہاں (چوتھا) یہ رسول ہمیں دوبارہ زندگی کا یقین دلاتا ہے حالانکہ الو بن جانے کے بعد پھر زندہ

انسان ہونا کیسے ممکن ہے۔

3922حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ عَنْ أَبِى بَكْرٍؓ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِى الْغَارِ فَرَفَعْتُ رَأْسِى، فَإِذَا أَنَا بِأَقْدَامِ الْقَوْمِ، فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ، لَوْ أَنَّ بَعْضَهُمْ طَأْطَأَ بَصَرَهُ رَآنَا .قَالَ اسْكُتْ يَا أَبَا بَكْرٍ، اثْنَانِ اللَّهُ ثَالِثُهُمَا .طرفاه 3653، 4663۔
(اسی کا سابقہ نمبر)

مناقبِ ابی بکر میں مشروحاً گزر چکی ہے۔

3923حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الأَوْزَاعِيُّ .وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا الأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍؓ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسَأَلَهُ عَنِ الْهِجْرَةِ فَقَالَ وَيْحَكَ إِنَّ الْهِجْرَةَ شَأْنُهَا شَدِيدٌ، فَهَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ .قَالَ نَعَمْ .قَالَ فَتُعْطِي صَدَقَتَهَا .قَالَ نَعَمْ .قَالَ فَهَلْ تَمْنَحُ مِنْهَا .قَالَ نَعَمْ .قَالَ فَتَحْلُبُهَا يَوْمَ وُرُودِهَا .قَالَ نَعَمْ .قَالَ فَاعْمَلْ مِنْ وَرَاءِ الْبِحَارِ، فَإِنَّ اللَّهَ لَنْ يَتِرَكَ مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا .أطرافه 1452، 2633، 6165

ابو سعید خدری راوی ہیں کہ نبی پاک کے پاس ایک اعرابی آیا اور ہجرت کی بابت سوال کیا آپ نے جواب میں فرمایا ہجرت تو بہت مشکل کام ہے کیا تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں، فرمایا کیا ان کا دودھ مساکین کو دیتا ہے؟ کہا جی ہاں، فرمایا کیا انہیں گھاٹ پر دوہتا ہے؟ وہ بولا جی ہاں فرمایا تم جہاں کہیں بھی رہ کر عمل کرو اللہ تمہارے عمل میں ثواب کی کوئی کمی نہ چھوڑے گا۔

دو طرق، ایک موصول اور ایک معلق، کے ساتھ نقل کیا ہے، موصول کو کتاب الزکاۃ میں جبکہ معلق کو کتاب الھبۃ میں انہی دونوں اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے، شرح الزکاۃ میں گزر چکی ہے، اعرابی کا نام معلوم نہیں ہو سکا، یہ ہجرت جس کی بابت استفسار کیا مفارقتِ دار الکفر تھی اور آنجناب کے ساتھ آ کر رہنے سے احکامِ مہاجرین کا التزام، گویا یہ مکالمہ فتح مکہ کے بعد (فتح الباری میں۔ بعد۔ کا لفظ ہے شائد۔ قبل۔ درست ہے) ہوا کیونکہ اس وقت تک ہجرت فرضِ عین تھی بعد ازاں حدیثِ نبوی: (لا ہجرۃ بعد الفتح) سے منسوخ ہوئی۔ (اعمل من وراء البحار) مبالغہ کے طور سے فرمایا یعنی جہاں کہیں رہ کر بھی عملِ صالح کیا جائے، رائیگاں نہیں جاتا۔

46 باب مَقْدَمِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَصْحَابِهِ الْمَدِينَةَ (آنجناب اور صحابہ کرام کی مدینہ آمد)

اس بارے اختلاف کا بیان حضرت عائشہ کی واقعہِ ہجرت کی بابت حدیث کی شرح کے دوران ہو چکا ہے پھر معتمر بن سلیمان عن ابیہ کے طریق سے نقل کیا کہ آنجناب اور حضرت ابو بکر آئے اس وقت سفید شامی کپڑے پہنے ہوئے تھے، عبد اللہ بن ابی سے گزر ہوا تو اس خیال سے ٹھہر گئے کہ اپنے ہاں اترنے کی دعوت دے، اس نے ایک نظر ڈالی اور کہا اپنے ان اصحاب کو دیکھیں جنہوں نے یہاں

آنے کی دعوت دی ہے، انہیں کے مہمان بنے تو آپ سعد بن خیثمہ کے ہاں اترے، حاکم کہتے ہیں اول ارجح ہے اور اس امر میں زہری دوسروں سے زیادہ واقف ہیں، ابن حجر تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زہری کے قول کی تائید ابوسعید کی شرف المصطفی میں حاکم کے طریق سے جو ابن مجمع کے حوالے سے ناقل ہیں، روایت سے ہوتی ہے، اس میں ہے کہ نبی اکرم ابوبکر اور عامر بن فہیرہ کلثوم بن ہدم کے مہمان تھے، انہوں نے یا نجیح کہہ کر اپنے غلام کو آواز دی تو آپ نے (نام کی مناسبت سے) فرمایا: (أنجحت)۔ محمد بن حسن بن زبالہ اخبار المدینۃ میں لکھتے ہیں کہ آپ کلثوم کے مہمان بنے تھے جو ابھی تک مسلمان نہ تھے جبکہ سلیمان تیمی کے قول کی تائید ابوسعید ہی کی ایک روایت اور ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کے طریق سے ملتی ہے جس میں ہے کہ آپ بروز سوموار قباء پہنچے اور سعد بن خیثمہ کے مہمان بنے، تطبیق یہ ہوگی کہ مہمان تو کلثوم کے تھے مگر اپنے اصحاب کے ساتھ سعد کے ہاں مجلس جمتی تھی کیونکہ وہ ابھی کنوارے تھے، اگر ابن زبالہ کا قول ثابت ہے تو گویا کلثوم کا گھر رات گزارنے کیلئے خاص تھا باقی سب نشستیں سعد کے ہاں ہوتی تھیں، وہ اسلام لا چکے تھے۔

3924حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَنْبَأَنَا أَبُو إِسْحَاقَ سَمِعَ الْبَرَاءَ قَالَ أَوَّلُ مَنْ قَدِمَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ، ثُمَّ قَدِمَ عَلَيْنَا عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ وَبِلَالٌ۔ (ترجمہ اگلی روایت کے ساتھ ہے)

(مصعب بن عمير) ابن ابوشیبہ کی روایت میں (المدينة) کا لفظ بھی ہے، اسماعیلی کی عبداللہ بن رجاء عن اسرائیل عن ابی اسحاق سے روایت میں مزید یہ بھی ہے: (أخو بني عبدالله بن قصي والد عمير) یعنی عمیر بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار، ابن رجاء کی روایت میں ہے ہم نے ان سے رسول اللہ کی بابت پوچھا تو کہنے لگے وہ ابھی اپنی جگہ ہی ہیں مگر ان کے اصحاب میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں، موسی بن عقبہ لکھتے ہیں مدینہ میں حبیب بن عدی کے مہمان بنے تھے ابن اسحاق کے بقول انہیں نبی اکرم نے اہل عقبہ کے ساتھ روانہ کیا تھا تا کہ مدینہ کے نومسلموں کو دینی مسائل واحکام کی تعلیم دیں۔

(و ابن أم مكتوم) ان کا نام عمرو تھا، عبداللہ بھی کہا جاتا ہے، بنی عامر بن لوی سے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ مصعب کے بعد ہمارے پاس عمرو ابن ام مکتوم اخو بنی فہر آئے، ہم نے پوچھا رسول اللہ اور باقی صحابہ کیا کر رہے ہیں؟ کہنے لگے وہ میرے پیچھے ہیں، غندر عن شعبہ کی روایت میں ان کی بیوی لیلی بنت ابی حثمہ کے ساتھ آنیکا بھی ذکر ہے، یہ (مدینہ کی طرف) پہلی مہاجرہ تھیں بعض نے پہلی مہاجرہ ام سلمہ کو قرار دیا ہے کیونکہ ان کی اس ضمن کی روایت میں ہے: (أول بيت هاجر)، تطبیق یہ ہوگی کہ ام سلمہ کی اقدمیت بقیدِ بیت ہے۔

(ثم قدم علينا عمار الخ) اس بارے اختلاف کا حال گزر چکا ہے کہ حضرت عمار نے حبشہ بھی ہجرت کی تھی یا نہیں، اگر کی تھی تو ان بعض مہاجرینِ حبشہ کے ہمراہ مکہ واپس آگئے تھے جو یہ سنکر کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کرلیا، حبشہ سے چلے آئے تھے، حضرت بلال جو نبی اکرم اور حضرت ابوبکر کے ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے آپکی اجازت سے ان سے قبل مدینہ چلے آئے، عامر بن فہیرہ آپ کا ساتھ دینے کیلئے پیچھے رہے۔

3925حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ قَالَ أَوَّلُ مَنْ قَدِمَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ وَكَانَا يُقْرِئَانِ

النَّاسَ، فَقَدِمَ بِلَالٌ وَسَعْدٌ وَعَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ، ثُمَّ قَدِمَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي عِشْرِينَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ، فَمَا رَأَيْتُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ فَرِحُوا بِشَيْءٍ فَرَحَهُمْ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ، حَتَّى جَعَلَ الإِمَاءُ يَقُلْنَ قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَمَا قَدِمَ حَتَّى قَرَأْتُ (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأَعْلَى) فِي سُوَرٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ

حضرت براء کہتے ہیں سب سے پہلے ہمارے ہاں حضرت مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم آئے، یہ دونوں لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے پھر حضرات بلال، سعد، عمار بن یاسر پہنچے پھر حضرت عمر اپنے بیس ساتھیوں کے ہمراہ آئے پھر نبی اکرم کی تشریف آوری ہوئی میں نے اہلِ مدینہ کو اتنا خوش کبھی نہ دیکھا تھا حتی کہ لونڈیوں تک کی زبانوں پہ تھا کہ رسول اللہ آئے ہیں، کہتے ہیں آپکی آمد سے پیشتر ہی میں نے سورت (سبح اسم ربك الأعلیٰ) اور کئی دیگر سورِ مفصل یاد کر لی تھیں۔

(وکانوا یقرأون) اصیلی اور کریمہ کے نسخوں میں تثنیہ کا صیغہ ہے جو اوجہ ہے، صیغۂ جمع کی توجیہ یہ ہوگی کہ اقلِ جمع دو کا عدد ہے یا اس طور کہ ان دو سے پڑھنے والے بھی اس قراءت میں شامل کر کے جمع کا صیغہ ذکر کیا۔ (وسعد) حاکم کی روایت میں (ابن مالك) بھی ہے، یعنی ابن ابی وقاص۔ حاکم موسی بن عقبہ عن ابن شہاب کے طریق سے نقل کرتے ہیں لوگوں کا خیال ہے کہ آخرُ مَنْ قَدِمَ، سعد بن ابی وقاص ہیں جو دس صحابہ کے ہمراہ آئے اور سعد بن خیثمہ کے ہاں اترے، اول الھجرۃ میں گزرا کہ اولین مہاجر عامر بن ربیعہ اور ان کی زوجہ ام عبد اللہ بنت ابی حثمہ، ابوسلمہ بن عبد الأسد اور ان کی زوجہ ام سلمہ، ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، شماس بن عثمان بن شرید اور عبد اللہ بن جحش ہیں، تو اس روایت اور حدیثِ براء کے درمیان یہ تطبیق دی جائیگی کہ ایک میں مذکور اولیت کو صفتِ خاص پر محمول کیا جائے گا، ابن عقبہ نے جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ مطلقا اولین مہاجر حضرت ابوسلمہ ہیں جو حبشہ سے واپس مکہ آئے تو نئے سرے سے اہل مکہ کا نشانۂ ستم بنے، انہیں جب عقبۂ اولی کے حال کی خبر ملی تو اسی برس مدینہ کا رخ کر لیا، تطبیق کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ابو سلمہ کا یہ مدینہ آنا برائے قصدِ اقامت نہ تھا بلکہ مشرکین سے فرار تھا بخلاف مصعب بن عمیر کے کہ وہ اقامت کی نیت سے آئے تھے (اور تا کہ نبی اکرم کے حکم سے اہل مدینہ کو دین کی تعلیم دیں) تو ہر دو کو حاصل اولیت کی مختلف جہتیں ہیں۔

(ثم قدم عمر الخ) ابن رجاء کی روایت میں (راكباً) کا لفظ بھی ہے، ابن اسحاق نے ان میں زید بن خطاب، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، عمرو بن سراقہ اور ان کے بھائی عبد اللہ، واقد بن عبد اللہ، خالد، ایاس، عامر اور عاقل جو چاروں بکیر کے بیٹے تھے، خُنیس بن حذافہ، عیاش بن ربیعہ، خولی بن ابوخولی اور ان کے بھائی کے اسماء ذکر کئے ہیں، کہتے ہیں یہ سب حضرت عمر کے اقارب اور حلفاء تھے، یہ سب رفاعہ بن عبد المنذر کے ہاں اترے یعنی قباء میں، ابن عائذ نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ حضرات عمر، زبیر، طلحہ، عثمان اور عیاش بن ابی ربیعہ ایک گروہ کے ساتھ نکلے، عثمان اور طلحہ تو شام کی طرف نکل گئے اور بقیہ مدینہ چلے آئے، موسی بن عقبہ لکھتے ہیں اکثر مہاجرین قباء میں بنی عمرو بن عوف کے مہمان بنے مگر عبد الرحمٰن بن عوف سعد بن ربیع جو خزرجی تھے، کے ہاں اترے، کتاب الأحکام میں ذکر ہوگا کہ سالم مولی حذیفہ بن عتبہ مسجدِ قباء میں مہاجرینِ اولین کی امامت کراتے رہے۔

(حتی جعل الإماء الخ) ابن رجاء کی روایت میں ہے کہ جب آپ مدینہ آئے تو لوگ راستوں اور گھروں کی چھتوں پر چڑھ آئے اور غلمان وخدم بھی، ہر طرف سے یہی غلغلہ تھا کہ محمد رسول اللہ آگئے، نعرہِ ہائے تکبیر بلند کیا جا رہا تھا، حاکم اسحاق بن ابوطلحہ عن

انس کے طریق سے روایت کرتے ہیں کہ بنی نجار کی لڑکیاں دَف بجاتی ہوئی یہ کہتی ہوئی نکلیں: (نحن جَوارِ مِن بنی النجار یا حَبَّذا محمدِ مِن جَار)، ابوسعید شرف المصطفیٰ میں، اسی طرح فوائد الخلعی میں عبیداللہ بن عائشہ کے طریق سے منقطعا منقول ہے کہ لڑکیاں بالیاں یہ کہتی پھرتی تھیں: (طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنا مِنْ ثَنِیَّۃِ الوداع وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنا مادَعَا لِلّٰہِ دَاع) یہ معضل سند ہے، شائد یہ تبوک سے واپسی کے موقع پہ ہو۔ (فی سور من المفصل) ای مع سور، حسن بن سفیان عن بندار شیخِ بخاری سے روایت میں: (وسورا من المفصل) ہے اس کا مقتضایہ ہوا کہ سورۃ سبح اسم ربک الأعلیٰ مکی ہے مگر یہ محلِ نظر ہے کیونکہ ابن ابی حاتم نے حیدہ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ قولہ تعالیٰ: (قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَکّیٰ وَ ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی) [الأعلیٰ: ۱۴-۱۵] نمازِ عید اور فطرانہ کے بارہ میں نازل ہوئیں، اسکی سند حسن ہے اور یہ دونوں سن دو میں مشروع ہوئے تو ممکن ہے اس سورت کی یہ دو آیات مدنی جبکہ باقی مکی ہوں، اس سے بھی قوی توجیہہ یہ ہے کہ پوری سورت مکی ہے تو رسول اللہ نے یہ وضاحت کہ ان دو مذکورہ آیتوں سے مراد نمازِ عید اور فطرانہ ہے، مدینہ میں فرمائی کیونکہ وقتِ خطاب سے تاخیرِ بیان جائز ہے۔

3926حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ أَنَّهَا قَالَتْ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمَدِينَةَ وُعِكَ أَبُو بَكْرٍ وَبِلاَلٌ قَالَتْ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِمَا فَقُلْتُ يَا أَبَتِ كَيْفَ تَجِدُكَ وَيَا بِلاَلُ، كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَتْ فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ إِذَا أَخَذَتْهُ الْحُمَّى يَقُولُ كُلُّ امْرِءٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ وَكَانَ بِلاَلٌ إِذَا أَقْلَعَ عَنْهُ الْحُمَّى يَرْفَعُ عَقِيرَتَهُ وَيَقُولُ أَلاَ لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً بِوَادٍ وَحَوْلِي إِذْخِرٌ وَجَلِيلُ وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِي شَامَةٌ وَطَفِيلُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَجِئْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ اللَّهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِهَا وَمُدِّهَا، وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ .أطرافه 1889، 5654، 5677، 6372۔ (ترجمہ کیلئے دیکھئے جلد سوم ص: ۴۵)

(قدمنا المدينة) ابو اسامہ عن ھشام سے روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: (وھی أوبأ أرض الله) کہ سخت وباؤں والا علاقہ تھا، محمد بن اسحاق عن ھشام کی روایت میں ہے کہ عہدِ جاھلی سے اس کی وباء بڑی معروف تھی، اگر کوئی آنے والا وبائے مدینہ سے محفوظ رہنا چاہتا تو اسے کہا جاتا گدھے کی طرح رینکو تب محفوظ رہو گے، اسی بابت شاعر کہتا ہے: (لَعَمرُك لَئِن غنيتُ مِن خِيفة الرَّدیٰ نَهِيق حمارٍ إننی لَمروع)۔

(مصبح) یعنی صبح کے وقت موت کا شکار بن جانا، بعض نے یہ معنی کیا ہے کہ اسے (صَبَّحَك اللهُ بالخير) کہا جائے (یعنی صبح بخیر) جبکہ دن کے کسی حصہ میں موت کے پنجوں کا شکار ہو سکتا ہے۔ (أقلع) معلوم و مجہول، دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔

(يرفع عقيرته) یعنی صوتہ، اصمعی کہتے ہیں اس کی اصل یہ ہے کہ آدمی کا پاؤں (انعقرت رِجله) یعنی موچ آ جائے تو اسے دوسرے پاؤں کے سہارے اٹھائے اور اس تکلیف کی وجہ سے جو چیخ و پکار کرے، یہ عقیر کہلاتی ہے پھر ہر آواز پر اس لفظ کا اطلاق ہونے لگا، ثعلب

کہتے ہیں یہ ان اسماء میں سے ہے جو علیٰ غیرِ اصلہا مستعمل ہوئے ہیں۔

(بواد) وادی مکہ مراد ہے۔ (میاہ مجنة) مکہ سے کئی امیال کی دوری پر ایک جگہ جہاں بازار بھی لگا کرتا تھا، اوائل کتاب الحج میں اس کا تذکرہ گزر چکا ہے، شامہ اور طَفیل مکہ کے دو پہاڑ تھے، خطابی لکھتے ہیں پہلے میں انہیں دو پہاڑ سمجھتا تھا بعد ازاں پتہ چلا کہ چشمے ہیں، کتاب الحج کی ابو اسامہ عن ھشام کے حوالے سے اسی روایت میں مزید یہ بھی تھا کہ پھر بلال کہتے اے اللہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت کر کہ ان کی وجہ سے اس وباء والی سرزمین کی طرف نکلنا پڑا، ابن اسحاق نے ہشام اور عمرو بن عبداللہ بن عروہ سے روایت میں، دونوں عن عروۃ عن عائشۃ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، کہتی ہیں پھر میں عامر سے پوچھتی اور یہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے: (کیف تَجِدُكَ یاعامر؟) وہ جواب میں یہ اشعار پڑھتے: (لقدوجدتُ الموتَ قبل ذوقهِ إنَّ الجبانَ حَتفُه مِنْ فوقهِ كلُّ امْرِئٍ مجاهد بِطَوقِهِ كالثَّور يَحْمِي جسمَه بِرَوقهِ) کہتی ہیں میں نے رسول اللہ کو ان کی حالت بتلائی اور کہا شدتِ بخار کے سبب ہذیان طاری ہے، عامر بن فہیرہ کی بابت یہ زیادت مالک نے بھی مؤطا میں یحیٰی بن سعید عن عائشۃ کے حوالے سے نقل کی ہے مگر وہاں سند منقطع ہے، اس حدیث کے بقیہ مباحث کتاب الدعوات میں بیان ہوں گے، سابقہ باب کی حدیثِ براء میں گزرا کہ خود حضرت عائشہ بھی بیمار پڑ گئی تھیں۔

3927حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ عَدِيٍّ أَخْبَرَهُ دَخَلْتُ عَلَى عُثْمَانَ .وَقَالَ بِشْرُ بْنُ شُعَيْبٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ عَدِيِّ بْنِ خِيَارٍ أَخْبَرَهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عُثْمَانَ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ اللَّهَ بَعَثَ مُحَمَّدًاﷺ بِالْحَقِّ، وَكُنْتُ مِمَّنِ اسْتَجَابَ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ، وَآمَنَ بِمَا بُعِثَ بِهِ مُحَمَّدٌﷺ، ثُمَّ هَاجَرْتُ هِجْرَتَيْنِ، وَنِلْتُ صِهْرَ رَسُولِ اللَّهِﷺ، وَبَايَعْتُهُ، فَوَاللَّهِ مَا عَصَيْتُهُ وَلاَ غَشَشْتُهُ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ .تَابَعَهُ إِسْحَاقُ الْكَلْبِيُّ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ مِثْلَهُ .طرفاه 3696، 3872۔ (اسی کا سابقہ نمبر)

ھشام سے مراد ابن یوسف صنعانی ہیں، مناقبِ عثمان میں مشروحا گزر چکی ہے، غرضِ ترجمہ (وھاجرت الھجرتین) کی عبارت ہے۔ (تابعہ اسحاق الکلبی) اسے ابوبکر بن شاذان نے موصول کیا ہے۔

3928حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا مَالِكٌ .وَأَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ وَهُوَ بِمِنًى، فِي آخِرِ حَجَّةٍ حَجَّهَا عُمَرُ، فَوَجَدَنِي، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَقُلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ الْمَوْسِمَ يَجْمَعُ رَعَاعَ النَّاسِ، وَإِنِّي أَرَى أَنْ تُمْهِلَ حَتَّى تَقْدَمَ الْمَدِينَةَ، فَإِنَّهَا دَارُ الْهِجْرَةِ وَالسُّنَّةِ، وَتَخْلُصَ لأَهْلِ الْفِقْهِ وَأَشْرَافِ النَّاسِ وَذَوِي رَأْيِهِمْ .قَالَ عُمَرُ لأَقُومَنَّ فِي أَوَّلِ مَقَامٍ أَقُومُهُ بِالْمَدِينَةِ .أطرافه 2462، 3445، 4021، 6829، 6830،

7323۔ (شہادتِ عمر والی روایت کا حصہ ہے، دیکھئے اسی کا سابقہ نمبر)

غرضِ ترجمہ یہ جملہ ہے: (حتی تقدم المدینه فإنها دار الهجرة والسنة)، کشمیہنی کے نسخہ میں (السنة) کی جگہ (السلامة) ہے۔

3929 حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ أُمَّ الْعَلاَءِ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِمْ بَايَعَتِ النَّبِيَّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُونٍ طَارَ لَهُمْ فِي السُّكْنَى حِينَ اقْتَرَعَتِ الأَنْصَارُ عَلَى سُكْنَى الْمُهَاجِرِينَ، قَالَتْ أُمُّ الْعَلاَءِ فَاشْتَكَى عُثْمَانُ عِنْدَنَا، فَمَرَّضْتُهُ حَتَّى تُوُفِّيَ، وَجَعَلْنَاهُ فِي أَثْوَابِهِ، فَدَخَلَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ فَقُلْتُ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْكَ أَبَا السَّائِبِ، شَهَادَتِي عَلَيْكَ لَقَدْ أَكْرَمَكَ اللَّهُ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَمَا يُدْرِيكِ أَنَّ اللَّهَ أَكْرَمَهُ. قَالَتْ قُلْتُ لاَ أَدْرِي بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللَّهِ فَمَنْ قَالَ أَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ وَاللَّهِ الْيَقِينُ، وَاللَّهِ إِنِّي لأَرْجُو لَهُ الْخَيْرَ، وَمَا أَدْرِي وَاللَّهِ وَأَنَا رَسُولُ اللَّهِ مَا يُفْعَلُ بِي. قَالَتْ فَوَاللَّهِ لاَ أُزَكِّي أَحَدًا بَعْدَهُ قَالَتْ فَأَحْزَنَنِي ذَلِكَ فَنِمْتُ فَأُرِيتُ لِعُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ عَيْنًا تَجْرِي، فَجِئْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ. فَقَالَ ذَلِكَ عَمَلُهُ. أطرافه 1243، 2687، 7003، 7004، 7018۔ (جلد دوم ص: ۱۴۸ میں ترجمہ موجود ہے)

(إن أم العلاء الخ) ابو النظر نے بھی اسے خارجہ بن زید سے روایت کرتے ہوئے (عن أمه) ذکر کیا، نام نہیں لیا گویا یہی ان کا نام تھا، بنت حارث بن ثابت بن خارجہ خزرجیہ ہیں۔ (حین قرعت) یہاں ثلاثی ہے، معروف رباعی (أقرعت) ہے، جبکہ الجنائز کی روایت میں: (اقترعت) تھا،

3930 حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ كَانَ يَوْمُ بُعَاثٍ يَوْمًا قَدَّمَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لِرَسُولِهِ ﷺ، فَقَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمَدِينَةَ وَقَدِ افْتَرَقَ مَلَؤُهُمْ، وَقُتِلَتْ سَرَاتُهُمْ فِي دُخُولِهِمْ فِي الإِسْلاَمِ. طرفاه 3777، 3846۔ (اسی جلد میں سابقہ نمبر)

(کان یوم بعاث) مناقبِ انصار میں اس معرکہ کا ذکر ہو چکا ہے، ابن سعد کے عقبہ اولی کے واقعہ کے بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ معرکہ بعاث بعثت کے دس برس بعد ہوا تھا، اسی کی مانند باب (وفود الأنصار) میں ذکر ہوا۔ (فی دخولهم) یہ (قدمه الله) سے متعلق ہے۔

3931 حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا وَالنَّبِيُّ ﷺ عِنْدَهَا يَوْمَ فِطْرٍ أَوْ أَضْحًى، وَعِنْدَهَا قَيْنَتَانِ (تُغَنِّيَانِ) بِمَا

تَقَاذَفَتِ الأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ .فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ مِزْمَارُ الشَّيْطَانِ مَرَّتَيْنِ .فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ، إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا، وَإِنَّ عِيدَنَا هَذَا الْيَوْمُ .أطرافه 949، 952، 987، 2907، 3530

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں عیدِ فطر یا عیدِ اضحیٰ کے دن حضرت ابوبکر ان کے ہاں آئے گھر میں اس وقت دو لڑکیاں جنگ بعاث کے گیت گا رہی تھیں، ابوبکر کہنے لگے نبی پاک کی موجودی میں شیطانی آلات؟ دو دفعہ کہا، نبی پاک نے فرمایا اے ابوبکر رہنے دو ہر قوم کیلئے ایامِ عید ہیں یہ ہماری عید کا دن ہے۔

(بماتعازفت) *یعنی ایک دوسرے کی ہجو میں جو اشعار کہے اور انہیں گانے والیوں کو سونپا جو گاتی بجاتی رہتی تھیں، معازف جو معزفۃ کی جمع ہے آلاتِ ملاہی کو کہتے ہیں، خطابی لکھتے ہیں یہ بھی محتمل ہے کہ عزف اللھو سے ماخوذ ہو یعنی ایسے اشعار جو رزمیہ قسم کے ہوتے ہیں، کو آلات موسیقی پر گانا، یہ بھی محتمل ہے کہ عزف سے مراد جنگ کے اثناء پیدا ہونے والی آوازیں ہوں، عزیف الریاح کے ساتھ تشبیہ دیگئی ہے یعنی ہواؤں کی گونج، ایک روایت میں* (تقاذفت) *ہے یعنی ان کے ساتھ ایک دوسرے کو نشانہ بنانا۔ اس حدیث کی مطابقت کے بارہ میں قسطلانی علامہ عینی سے ناقل ہیں کہ چونکہ اس میں بھی سابقہ کی طرح جنگِ بعاث کا تذکرہ ہے جس کی ترجمۃ الباب سے مطابقت ہے لہٰذا* (المطابق للمُطابق مطابق) *کہتے ہیں کسی اور کو نہیں دیکھا کہ یہ مطابقت ذکر کی ہو۔*

3932 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ .وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ حَدَّثَنَا أَبُو التَّيَّاحِ يَزِيدُ بْنُ حُمَيْدٍ الضُّبَعِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ ؓ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمَدِينَةَ، نَزَلَ فِي عُلْوِ الْمَدِينَةِ فِي حَيٍّ يُقَالُ لَهُمْ بَنُو عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ فَأَقَامَ فِيهِمْ أَرْبَعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً، ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى مَلإِ بَنِي النَّجَّارِ قَالَ فَجَاءُوا مُتَقَلِّدِي سُيُوفِهِمْ، قَالَ وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلَى رَاحِلَتِهِ، وَأَبُو بَكْرٍ رِدْفَهُ، وَمَلأُ بَنِي النَّجَّارِ حَوْلَهُ حَتَّى أَلْقَى بِفِنَاءِ أَبِي أَيُّوبَ، قَالَ فَكَانَ يُصَلِّي حَيْثُ أَدْرَكَتْهُ الصَّلاَةُ، وَيُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ، قَالَ ثُمَّ إِنَّهُ أَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ، فَأَرْسَلَ إِلَى مَلإِ بَنِي النَّجَّارِ، فَجَاءُوا فَقَالَ يَا بَنِي النَّجَّارِ، ثَامِنُونِي حَائِطَكُمْ هَذَا .فَقَالُوا لاَ، وَاللَّهِ لاَ نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلاَّ إِلَى اللَّهِ .قَالَ فَكَانَ فِيهِ مَا أَقُولُ لَكُمْ كَانَتْ فِيهِ قُبُورُ الْمُشْرِكِينَ، وَكَانَتْ فِيهِ خِرَبٌ، وَكَانَ فِيهِ نَخْلٌ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِقُبُورِ الْمُشْرِكِينَ فَنُبِشَتْ، وَبِالْخِرَبِ فَسُوِّيَتْ، وَبِالنَّخْلِ فَقُطِعَ، قَالَ فَصَفُّوا النَّخْلَ قِبْلَةَ الْمَسْجِدِ قَالَ وَجَعَلُوا عِضَادَتَيْهِ حِجَارَةً .قَالَ قَالَ جَعَلُوا يَنْقُلُونَ ذَاكَ الصَّخْرَ وَهُمْ يَرْتَجِزُونَ، وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَعَهُمْ يَقُولُونَ اللَّهُمَّ إِنَّهُ لاَ خَيْرَ إِلاَّ خَيْرُ الآخِرَهْ فَانْصُرِ الأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَهْ .أطرافه 234، 428، 429، 1868، 2106، 2771، 2774، 2779۔ (حدیثِ ہجرت کا حصہ ہے)

عبد الصمد سے مراد ابن عبد الوارث ہیں۔ (فی علو المدینہ) *مدینہ کا جو حصہ نجد کی جہت ہے، عالیہ اور جو تہامہ کی جہت*

ہے، سافلہ کہلاتا ہے قباء بالائی حصہ میں سے ہے آنجناب کے شروع میں یہاں اترنے سے تفاؤلاً کہا گیا کہ آپکے دین کو عروج وعلو حاصل ہوگا۔ (حتی ألقی) یعنی اتر پڑے یا (ألقی رحله) مراد ہے، پالان اتار ڈالا۔ (بحائطکم) یعنی باغ، پچھلے باب میں گزرا کہ مربد تھا، تو شائد اولا باغ ہو پھر مرورِ ایام سے اجڑ کر مربد بن گیا، اسکی تائید اس جملہ سے بھی ہوتی ہے: (إنه کان فیه نخل و خرب) یہ بھی کہا گیا ہے کہ کچھ حصہ باغ اور کچھ مربد تھا۔

(خرب) خاء کی زیر اور رائے مفتوح کے ساتھ، اوائل کتاب الصلاۃ میں ایک دیگر توجیہہ ذکر کی تھی کہ خاء پر زبر اور راء پر زیر ہو، خطابی کے بقول اکثر رواۃ نے خائے مفتوح اور رائے مکسور کے ساتھ ذکر کیا ہے، کئی دیگر احتمالات بھی ذکر کئے ہیں مثلا خائے مضموم اور رائے مجزوم، کہتے ہیں یہ زمین میں موجود مستدیر خروق (یعنی نشیبی جگہوں) کو کہتے ہیں، حِرَف بھی محتمل ہے جو زمین سیلابوں وغیرہ یا مرورِ ایام سے بیٹھ جائے۔ حدب بھی محتمل ہے ای المرتفع من الأرض (یعنی ٹیلے)، کہتے ہیں یہ آخری حدیث کے لفظ: (فسویت) کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے کیونکہ مکانِ محدوب ھی برابر کیا جاتا ہے اسی طرح گڑھے بھی اس لفظ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، خراب جو ہوتا ہے وہ (یبنی و یعمر) اس کی تجدیدِ بناء اور تعمیرِ جدید ہوتی ہے نہ کہ تسویہ و اصلاح، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں تسویۃ الخراب بایں طور کہ جو بچے کھچے کھنڈرات ہیں انہیں گرا کر باقی زمین کے برابر کر دیا جائے، میں کیا مانع ہے؟ روایتِ صحیحہ کے قابلِ توجیہہ ہونے کے باوصف یہ احتمالات قابلِ التفات نہیں۔

(فنبشت) ابن بطال لکھتے ہیں مسجد کی تعمیر کیلئے مشرکین کی قبور کو اکھاڑ پھینکنے کے بارہ میں کسی بھی عالم سے کوئی نص منقول نہیں دیکھی، البتہ یہ موضوع ان کے زیر بحث آیا ہے کہ کیا طلبِ مال کے ساتھ نبش کیا جائے؟ جمہور نے جائز قرار دیا ہے، اوزاعی نے منع کیا ہے یہ حدیث جواز کی حجت ہے کیونکہ مشرک، زندہ ہو یا مردہ اس کی کوئی حرمت نہیں، بہر حال ابواب المساجد میں متعلقہ بحث گزری ہے۔ (وبالنخل فقطع) یہ اس امر پر محمول ہے کہ کھجوروں کے یہ درخت ثمر آور نہ تھے، یہ بھی محتمل ہے کہ ثمر آور ہی ہوں مگر ضرورت کے تحت یہ کیا۔ (فصفوا النخل) یعنی موضعِ نخل، اس قصہِ بیع سے ان فقہاء نے احتجاج کیا ہے جو غیر مالک کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ مساومت اصل مالکوں جو دو لڑکے تھے، کے ساتھ نہ ہوئی، مگر اس کا جواب دیا گیا ہے کہ وہ بھی بنی نجار میں سے تھے تو احتمالا انہیں بھی اس مساومت میں شریک کیا گیا (ایک روایت میں اس کی صراحت بھی ہے) اور ان کے اس چچا جو ان کا کفیل تھا، کو بھی اس میں شریک کیا گیا۔

47 باب إِقَامَةِ الْمُهَاجِرِ بِمَكَّةَ بَعْدَ قَضَاءِ نُسُكِهِ (حج کی ادائیگی کے بعد مہاجر کا مکہ میں قیام)

3933 حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حُمَيْدٍ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ يَسْأَلُ السَّائِبَ ابْنَ أُخْتِ النَّمِرِ مَا سَمِعْتَ فِي سُكْنَى مَكَّةَ قَالَ سَمِعْتُ الْعَلَاءَ بْنَ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثَلَاثٌ لِلْمُهَاجِرِ بَعْدَ الصَّدَرِ

زہری کہتے ہیں میں نے عمر بن عبدالعزیز کو سنا سائب سے سوال کیا کہ مکہ میں مہاجر کے رہنے کی بابت کیا سنا ہے؟ وہ بولے میں نے علاء بن حضرمی سے سنا کہتے تھے نبی پاک نے فرمایا طوافِ صدر کے بعد مہاجر کو تین دن رہنے کی اجازت ہے۔

حاتم سے مراد ابن اسماعیل مدنی ہیں۔ (السائب) یعنی ابن یزید۔ (ابن أخت النمر) ان کا تذکرہ المناقب النبویہ میں گزرا ہے۔ (العلاء بن الحضرمی) ان کا نام عبداللہ بن عماد تھا، بنی امیہ کے حلیف تھے، علاء جلیل القدر صحابی ہیں آنجناب نے بحرین کا عامل بنایا تھا مستجاب الدعوات تھے خلافتِ عمر میں انتقال کیا بخاری میں ان کی صرف یہی ایک حدیث ہے۔

(ثلاث للمهاجر بعد الصدر) یعنی منیٰ سے واپسی کے بعد، اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ فتح مکہ سے قبل یہاں سے ہجرت کر جانے والے پر یہاں اقامت حرام تھی البتہ حج وعمرہ کے مناسک کی ادائیگی کے بعد تین دن رہنا مباح تھا اسی لئے آنجناب نے حضرت سعد بن خولہ کی نسبت اظہارِ ہمدردی کیا جو اسی دوران یہاں فوت ہو گئے تھے، اس سے یہ بھی مستنبط کیا جائے گا کہ تین دن کی اقامت سے احکامِ مسافرت لاگو ہوں گے (نماز کا قصر کرنا وغیرہ)۔ داؤدی کی کلام سے اشارہ ملتا ہے کہ وہ اسے مہاجرینِ اولین کے ساتھ خاص کرتے ہیں مگر اس تقیید کا کوئی مفہوم نہیں بنتا، نووی لکھتے ہیں اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ یہاں سے ہجرت کر گئے تھے اب وہ دوبارہ یہاں استیطان نہ کریں (یعنی پھر سے یہاں آباد نہ ہوں)، بقول عیاض یہی جمہور کا قول ہے، کہتے ہیں فتح مکہ کے بعد ایک جماعت نے استیطان کو جائز قرار دیا، اس قولِ مذکور کو اس زمانہ پر محمول کیا ہے جب ہجرت کرنا واجب تھا، کہتے ہیں سبھی کا اس امر پر اتفاق ہے کہ فتح سے قبل اہلِ اسلام پر مدینہ کی طرف ہجرت واجب تھی تا کہ نبی پاک کی نصرت اور آپ کی مواسات بالنفس ہو، غیر مہاجرین کیلئے مکہ وغیرِ مکہ سب جگہوں میں اقامت اختیار کرنا جائز تھا، انتھی۔

ابن حجر اضافہ کرتے ہیں کہ اس سے ان حضرات کو مستثنیٰ کیا جائے گا جو نبی اکرم کی اجازت (یا آپ کے حکم) سے مدینہ کے علاوہ کسی جگہ مقیم رہے، اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ طوافِ وداع مناسکِ حج میں سے نہیں بلکہ وہ ایک مستقل عبادت ہے کیونکہ حدیث میں ہے: (بعد قضاء نسكه) کیونکہ طوافِ وداع تو سب سے آخری عمل ہوتا ہے اس کے بعد اقامت نہیں کی جاتی اگر اس کے بعد اقامت کی تو وہ طوافِ وداع نہ بنا، قرطبی لکھتے ہیں اس حدیث سے مراد وہ ہے جس نے مکہ سے آنحضرت کی نصرت کیلئے مدینہ ہجرت کی، کسی اور جگہ سے ہجرت کرنے والا مرادِ حدیث نہیں کیونکہ صحابہ کرام نے مکہ کی اقامت میں تحرُّج محسوس کیا تھا جس پر یہ سوال کیا اور آنحضرت نے مذکورہ جواب مرحمت فرمایا اور انہیں باور کرایا کہ تین دن تک کی اقامت، اقامت نہیں، کہتے ہیں جس اختلاف کی طرف عیاض نے اشارہ کیا ہے وہ ان حضرات کی نسبت تھا جو قبل ازیں ہجرت کر گئے: (فیمن مضیٰ)، کہتے ہیں کیا اس پر ایسے شخص کی بابت اختلاف بھی مُنبنی ہو سکتا ہے جو کسی جگہ سے فتنہ کے ڈر سے دین بچانے کی خاطر ہجرت کر گیا، آیا فتنہ ختم ہو جانے کے بعد وہ وہاں واپسی اختیار کر سکتا ہے؟ تو یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ چونکہ اللہ کیلئے ہجرت کی تھی ان مہاجرین اولین کی طرح، لہٰذا واپسی اختیار نہ کرے لیکن اگر فقط دین کی حفاظت کیلئے فرار ہوا تھا (یعنی مہاجرت کی نیت نہ تھی) اپنا وطنِ مالوف ترک کرنے کا قصد نہ کیا تھا تو رجوع کر سکتا ہے، بقول ابن حجر یہ اچھی توجیہہ ہے البتہ انہوں نے یہ اس شخص کے ساتھ خاص کیا ہے جس نے رباع و دُور چھوڑے، (یعنی اپنے گھر و جائیداد) تو اس تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسے مسلم نے (الحج) میں نقل کیا ہے۔

48 باب التَّارِيخِ مِنْ أَيْنَ أَرَّخُوا التَّارِيخَ (اسلامی تاریخ کا آغاز)

جوہری کہتے ہیں تاریخ سے مراد تعریفِ وقت ہے، تو ریخ بھی اسی کی مثل ہے، کہا جاتا ہے: (أرخت) اور (ورخت

بعض نے اسے أرخ سے مشتق قرار دیا ہے جو جنگلی گائے کو کہتے ہیں (كأنه شيء حدث كما يحدث الولد) یعنی ایک شیءِ حادث ہے جیسے بچہ ہوتا ہے، ایک قول ہے کہ یہ معرب ہے، کہا جاتا ہے سب سے پہلے طوفانِ نوحؑ سے تاریخ دانی کی ابتدا ہوئی۔ (مِنْ أين أرخوا) گویا اس بارے موجود اختلاف کی طرف اشارہ کرتے ہیں، حاکم نے الإکلیل میں ابن جریج عن اَبی سلمة عن الزھری کے طریق سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے مدینہ آمد کے بعد تاریخ نگاری کا حکم دیا تو ربیع الأول میں لکھا گیا، یہ معضل ہے، مشہور اس کے خلاف ہے، آگے تفصیل آتی ہے یہ خلافتِ عمر میں ہوا تھا۔

سہیلی لکھتے ہیں صحابہ کرام نے ہجرت سے تاریخ کی ابتدا کرنا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے اخذ کیا: (لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ) [التوبة : ١٠٨] کیونکہ یہ تو معلوم تھا کہ وہ مطلقاً اول یوم نہیں تو متعین ہوا کہ یہ مضمَر شَیء کے ساتھ مقید ہے وہ یہ کہ اس دن سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ وعزت دینا شروع کر دی اور اس دن سے نبی اکرم اور صحابہ نے پہلی مرتبہ امن اور بے خوفی کی حالت میں اللہ کی عبادت کرنا شروع کی اور مسجد کی تعمیر ہوئی تو اس بنا پر صحابہ کہ رائے بنی کہ ہجرت سے اسلامی تاریخ کی ابتدا کی جائے، گویا آیت میں اول یوم سے مراد تاریخ اسلامی کا اول دن۔ بقول ابن حجر متبادِر الی الذھن یہ ہے کہ اس میں نبی پاک کے مدینہ میں دخول کے دن کی طرف اشارہ ہے۔

3934 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَا عَدُّوا مِنْ مَبْعَثِ النَّبِيِّ ﷺ وَلَا مِنْ وَفَاتِهِ، مَا عَدُّوا إِلَّا مِنْ مَقْدَمِهِ الْمَدِينَةَ

سہل بن سعد کہتے ہیں تاریخ کا شمار نبی پاک کی بعثت یا یومِ وفات سے نہیں بلکہ آپ کی مدینہ آمد سے کیا۔

عبدالعزیز سے مراد ابن ابو حازم سلمة بن دینار ہیں۔ (ماعدوا من مبعث الخ) حاکم کے ہاں معصب زبیری عن عبدالعزیز سے روایت میں ہے کہ لوگوں نے عدد (یعنی تاریخ نگاری) میں غلطی کی کہ بعثتِ نبوی اور آپکی آمدِ مدینہ سے ابتدا نہ کی، وفاتِ نبوی سے کی، حاکم کہتے ہیں یہ وہم ہے انہوں اس طرح سے تصویب کی ہے: (ولا مِن وفاته إنماعدوا مِن مَقدمه المدينة)۔ (أخطأ الناس العدد) سے مراد یہ کہ انہوں نے اولا غفلت کی اور ترک کیا مگر پھر استدراک کر لیا، یہ نہیں مراد کہ درست ان کے خلافِ عمل ہے، یہ بھی محتمل ہے کہ یہی کہنا چاہتے ہوں، گویا ان کی رائے میں اولیٰ یہ تہا کہ بعثت یا وفات سے ابتدا کی جاتی، یہ قابلِ توجیہ ہوسکتا تھا مگر راجح اس کا خلاف ہے۔ (مقدمه) یعنی (زمن قدومه) عین ایام یا ماہِ قدوم مراد نہیں کیونکہ تاریخ پہلے ماہ سے شروع کیگئی (یعنی محرم سے جبکہ آنجناب کی آمد، جیسا کہ گزرا۔ ربیع الاول میں تھی)۔ بعض علماء لکھتے ہیں چار واقعات ایسے تھے جن سے تاریخ نگاری کی ابتدا ہوسکتی تھی، آنجناب کی ولادت، بعثت، ہجرت اور وفات، صحابہ کرام نے ھجرت کو ترجیح دی کیونکہ ولادت و بعثت کی تعیینِ سال کا معاملہ محتملِ اختلاف تھا، وفات سے عمداً اعراض کیا کہ ایک باعثِ غم وحزن امر تھا، پس ہجرت میں یہ معاملہ منحصر ہو گیا۔ ربیع الاول سے محرم اسلئے لے گئے کہ ہجرت کا ابتدائے عزم محرم میں تھا کیونکہ بیعتِ عقبہ ذوالحجہ میں ہوئی، یہی ہجرت کی تمہید اور اس کا محرک بنا تو اس کے بعد پہلا ھلال، ھلالِ محرم ہی تھا تو اس سے ابتدائے تاریخ مناسب تھا، بقول ابن حجر ذکر کی گئیں مناسبات میں یہ سب سے قوی مناسبت ہے۔

حضرت عمر کے تاریخ نگاری کا حکم دینے کے کئی اسباب مذکور ہیں ان میں سے مثلا ایک ابونعیم فضل بن دکین نے اپنی تاریخ

میں اور انہیں کے طریق سے حاکم نے شعبی سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو موسی نے حضرت عمر کو لکھا ہمیں آپکی طرف سے خطوط موصول ہوتے ہیں جن میں کوئی تاریخِ ارسال درج نہیں ہوتی، اس پر حضرت عمر نے صحابہ کو جمع کیا (اور اس بارے مشورہ طلب کیا) بعض نے کہا بعثت سے آغاز کر دیں جبکہ بعض کی رائے تھی کہ ہجرت سے ابتداء کی جائے حضرت عمر نے کہا ہجرت نے حق و باطل کے مابین تفریق کر ڈالی تھی لہذا اسی سے آغاز مناسب ہے تو اس پہ عمل شروع ہوا، یہ ۱۷ھ کی بات ہے، اس پر جب اتفاق ہوا تو بعض کہنے لگے رمضان کو پہلا مہینہ قرار دیا جائے مگر حضرت عمر نے کہا محرم سے آغاز اولیٰ ہے کیونکہ یہ لوگوں کے حج سے فراغت کے بعد گھروں کو لوٹنے کا مہینہ ہے اسی پر اتفاق ہوا، کہا جاتا ہے اولین تاریخ نگار یعلی بن امیہ ہیں جب یمن میں تھے، اسے امام احمد نے بسند صحیح نقل کیا ہے، لیکن اس میں عمرو بن دینار اور یعلی کے درمیان انقطاع ہے، احمد اور ابو عروبہ نے الأوائل، بخاری نے الأدب اور حاکم نے میمون بن مہران کے طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر کو ایک صک (مراد اقرار نامہ یا خط) دیا گیا جس پر شعبان لکھا تھا، کہنے لگے کون سا شعبان؟ وہ جو گزر چکا یا جو ابھی ہے یا آمدہ؟ اس پر وضعِ تقویم میں سوچ بچار شروع ہوئی، حاکم سعید بن مسیّب کے حوالے سے ناقل ہیں کہ حضرت عمر نے لوگوں کو مشورہ کیلئے جمع کیا کہ کب سے آغاز کریں، حضرت علی نے کہا ہجرتِ رسول سے شروع کیا جائے جب آپ نے ارضِ شرک کو خیر باد کہا، تو حضرت عمر نے اسی پر صاد کیا، ابن ابی خیثمہ نے ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ یمن سے ایک شخص آیا، کہنے لگا ہمارے ہاں لوگوں نے سال اور ماہ کے ذکر سے تاریخ نگاری شروع کی ہے، حضرت عمر نے کہا چہ خوب! تو حکم دیا کہ اس پر عمل کیا جائے۔

ہجرت کو نقطۂ آغاز مان لینے پر اتفاق ہو جانے کے بعد کس مہینہ کو پہلا مانا جائے؟ اس بارے متعدد آراء سامنے آئیں کسی نے کہا رجب، کسی نے کہا رمضان، حضرت عثمان نے کہا محرم سے ابتدا کریں کیونکہ ایک تو یہ ماہِ حرمت ہے دوسرا عربوں کے ہاں یہی پہلا ماہ گردانا جاتا ہے، پھر لوگوں کی حج سے واپسی کا مہینہ ہے چنانچہ اسی پر عمل شروع ہوا۔

3935 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ فُرِضَتِ الصَّلاَةُ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ هَاجَرَ النَّبِيُّ ﷺ فَفُرِضَتْ أَرْبَعًا، وَتُرِكَتْ صَلاَةُ السَّفَرِ عَلَى الأُولَى. تَابَعَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ. طرفاه 350، 1090

حضرت عائشہ کہتی ہیں ابتداء نماز دو دو رکعتیں فرض کی گئیں پھر حضر میں دو رکعت کا اضافہ کر دیا گیا اور سفر میں وہی رہی۔

(فرضت الصلاۃ رکعتین) یعنی مکہ میں۔ (ترکت) یعنی سفر کی نماز اسی عددِ رکعات پر باقی چھوڑی گئی بخلاف نمازِ حضر کے کہ اس کیلئے تین نمازوں میں دو رکعت بڑھا دی گئیں تو مفہوم یہ ہوا کہ نمازِ سفر باقی رکھی گئی اسی مکہ کی ھیئت پر، مگر جوازِ اتمام بھی ہے (یعنی کوئی چاہے تو پوری بھی پڑھ سکتا ہے) اگرچہ قصر احَبّ ہے، اس بارے موجود اشکال اور اسکا حل کتاب الصلاۃ کے شروع میں ذکر ہوا۔ (تابعہ عبد الرزاق الخ) اسے اسماعیلی نے فیاض بن زہیر عن عبد الرزاق سے موصول کیا ہے، ابن جریر واقدی سے نقل کرتے ہیں کہ نماز حضر میں دو رکعت کا یہ اضافہ آنجناب کی مدینہ آمد کے ایک ماہ بعد کیا گیا، کہتے ہیں انکا دعوی ہے کہ اہل حجاز کے مابین اس بارے کوئی اختلاف نہیں۔

49 باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ اللَّهُمَّ أَمْضِ لأَصْحَابِى هِجْرَتَهُمْ وَمَرْثِيَتِهِ لِمَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ

(نبی پاک کی دعا کہ اے اللہ میرے صحابہ کی ہجرت قائم رکھ اور مکہ میں فوت ہو جانے والے مہاجرین کیلئے آنجناب کا اظہارِ رنج)

(ومرثيته لمن مات بمكة) قول النبی پر معطوف ہے، مرثیہ کا مفہوم ہے: (تعديد محاسن الميت) فوت شدہ کے محاسن کا ذکر و شمار، یہاں مراد اظہارِ ہمدردی ہے کیونکہ وہ مہاجر تھے مگر تقدیر سے اسی شہر میں آ کر انتقال کیا جو اللہ کی راہ میں چھوڑ چکے تھے۔

3936حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ عَادَنِى النَّبِىُّ ﷺ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ مِنْ مَرَضٍ أَشْفَيْتُ مِنْهُ عَلَى الْمَوْتِ، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، بَلَغَ بِى مِنَ الْوَجَعِ مَا تَرَى، وَأَنَا ذُو مَالٍ وَلاَ يَرِثُنِى إِلَّا ابْنَةٌ لِى وَاحِدَةٌ، أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَىْ مَالِى قَالَ لاَ .قَالَ فَأَتَصَدَّقُ بِشَطْرِهِ قَالَ الثُّلُثُ يَا سَعْدُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ ذُرِّيَّتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ .قَالَ أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنْ تَذَرَ ذُرِّيَّتَكَ، وَلَسْتَ بِنَافِقٍ نَفَقَةً تَبْتَغِى بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا آجَرَكَ اللَّهُ بِهَا، حَتَّى اللُّقْمَةَ تَجْعَلُهَا فِى فِى امْرَأَتِكَ .قُلْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، أُخَلَّفُ بَعْدَ أَصْحَابِى قَالَ إِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ فَتَعْمَلَ عَمَلاً تَبْتَغِى بِهِ وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا ازْدَدْتَ بِهِ دَرَجَةً وَرِفْعَةً، وَلَعَلَّكَ تُخَلَّفُ حَتَّى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ، وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ، اللَّهُمَّ أَمْضِ لأَصْحَابِى هِجْرَتَهُمْ، وَلاَ تَرُدَّهُمْ عَلَى أَعْقَابِهِمْ، لَكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ ابْنُ خَوْلَةَ يَرْثِى لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ تُوُفِّىَ بِمَكَّةَ .وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ وَمُوسَى عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ .أطرافه 56، 1295، 2742، 2744، 4409، 5354، 5659، 5668، 6373، 6733۔ (جلد دوم ص: ۱۹۳ میں مترجم ہے)

(ورثتك) نسخۂ کشمیہنی میں (ذريتك) ہے مگر جماعت کی روایت اولیٰ ہے کیونکہ بخاری نے تبیین کی ہے کہ یہ لفظ یحییٰ بن قزعہ کے غیر سے منقول ہے۔ (ولست بنافق) کشمیہنی کے ہاں (بمنفق) ہے اور یہی درست ہے۔ (أن مات) ہمزہ مفتوح برائے تعلیل ہے، داؤدی غرابت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہاں متردد ہیں، لکھتے ہیں اگر ہمزہ مفتوح ہے تو اس میں دلالت ہے کہ حج سے صدر (یعنی منی سے واپسی) کے بعد وہ مکہ میں کچھ عرصہ مقیم رہے پھر فوت ہوئے اور اگر مکسور ہے تو اس یہ امر کی دلیل ہے جو کہا جاتا ہے کہ صدر کے بعد ان کا تخلف کا ارادہ تھا تو ڈرے کہ کہیں مکہ ہی میں فوت نہ ہو جائیں، ابن حجر کہتے ہیں محفوظ و مضبوط زبر کے ساتھ ہی ہے لیکن اس میں یہ دلالت نہیں کہ وہ حج کے بعد مکہ میں مقیم رہے بلکہ سیاق متقاضی ہے کہ حج سے قبل ہی فوت ہو گئے تھے۔

(وقال أحمدو موسى عن ابراهيم) یعنی ابن سعد سے، احمد بن یونس کی روایت کتاب المغازی کے آخر میں باب (حجة الوداع) میں تخریج کی ہے، جبکہ موسی جو کہ ابن اسماعیل ہیں، کی روایت کتاب الدعوات میں مخرج ہے۔

50 باب كَيْفَ آخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ أَصْحَابِهِ

(نبی اکرم کا صحابہ کے مابین مواخات قائم کرنا)

وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ آخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنِي وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ. وَقَالَ أَبُو جُحَيْفَةَ آخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ سَلْمَانَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ. ابن عوف کہتے ہیں نبی اکرم نے میرے اور سعد بن ربیع کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا ابوجحیفہ کہتے ہیں آنحضرت نے سلمان اور ابودرداء کے درمیان مواخات قائم کی۔

مناقبِ انصار میں (آخى النبى ﷺ بين المهاجرين والأنصار) کے عنوان سے ایک باب گزرا ہے، ابن عبدالبر لکھتے ہیں دومرتبہ مواخات کا انعقاد ہوا، ایک مرتبہ صرف مہاجرین کے مابین اور یہ مکہ میں ہوا پھر مہاجرین وانصار کے مابین، یہاں یہی مقصود ہے، ابن سعد واقدی کی اسانید کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جو تابعین تک پہنچتی ہیں، کہ ہجرت کے بعد نبی اکرم نے مہاجرین کے مابین مواخات قائم فرمائی جبکہ مہاجرین وانصار کے مابین مواسات (ایک دوسرے کی غمخواری) پر مبنی مواخات قائم کی، ایک دوسرے کی وراثت میں بھی حصہ ملتا تھا، یہ کل نوے افراد تھے، کچھ مہاجر اور کچھ انصاری، بعض نے سو بھی کہا ہے، جب (وأولوا الأرحام الخ) [الأنفال : ۷۵] نازل ہوئی تو اس مواخات کے سبب وراثت میں حصہ داری ختم کردیگئی، بقول ابن حجر کتاب الفرائض میں ابن عباس کے حوالے سے روایت آئیگی کہ جب مدینہ آئے (شروع میں) یہ دینی بھائی ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے، نہ کہ وہ جو حقیقی بھائی تھے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

احمد کی عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت بھی اسی طرح ہے، سہیلی لکھتے ہیں یہ مواخات قائم کرنے کا مقصد احساسِ اجنبیت و وحشت ختم کرنا اور باہمی تعلقات کو مضبوط کرنا تھا، جب مرورِ ایام سے مطلوبہ مقاصد حاصل ہوگئے تو وراثت میں حصہ دار بننے کا معاملہ منسوخ کر دیا گیا پھر تمام مومن ہی ایک دوسرے کے بھائی بھائی قرار دیئے گئے بمصداق قولہ تعالیٰ: (إِنَّما الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَة) [الحجرات: ۱۵] یعنی باہمی تواُدُد (محبت) اور شمولِ دعوت میں۔ مواخات قائم ہونے کی کب ابتدا ہوئی؟ اس بارے تعدُّدِ آراء ہے، ایک قول ہے کہ ہجرت کے پانچ ماہ بعد، بعض نے نو اور بعض کے مطابق جب مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی، بعض نے ایک سال اور تین ماہ بعد قرار دیا ہے، ابوسعید شرف المصطفیٰ میں لکھتے ہیں مسجد میں بیٹھ کر یہ مواخات کرائی، ابن اسحاق لکھتے ہیں ہجرت کے بعد نبی پاک نے مہاجرین وانصار سے مخاطب ہو کر فرمایا: (تآخوا أخوَيْنِ أخوين) دو دو بھائی بن جاؤ، خود حضرت علی کو اپنا بھائی قرار دیا، حمزہ اور زید بن حارثہ، جبکہ جعفر بن ابو طالب اور معاذ بن جبل کو باہم بھائی بنایا، ابن ھشام تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت جعفر تو اس وقت حبشہ میں تھے، عماد بن کثیر ابن اسحاق کی بات کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ وہیں سے انہیں حضرت معاذ کا بھائی قرار دیا، تفسیرِ سنید میں ہے کہ معاذ اور ابن مسعود کو باہم بھائی بنایا اسی طرح حضرت ابوبکر اور خارجہ بن زید کو، حضرت عمر اور عتبان بن مالک کو، کتاب الصلاۃ میں حضرت عمر کا قول گزرا ہے کہ (كان لي أخٌ من الأنصار) تو اس سے مراد عتبان قرار دیے گئے ہیں، ابودرداء اور سلمان فارسی کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا، مصعب بن عمیر اور ابو ایوب کو، ابو حذیفہ بن عتبہ اور عباد بن بشر کو، عمار اور ثابت بن قیس اور ابوذر اور منذر بن عمرو بھائی بھائی بنے، اس پر بھی تعاقب کیا گیا کہ ابوذر تو متأخر الہجرت ہیں؟ اس کا بھی وہی جواب دیا گیا جو حضرت جعفر کے ضمن میں دیا، حاطب بن ابی بلتعہ اور عویم بن ساعدہ بھائی بھائی بنے۔ یہ کام آنجناب کی مدینہ آمد کے فوری بعد شروع ہوا پھر

جوں جوں مہاجر آتے یا نئے لوگ اسلام قبول کرتے مواخات کا مرحلہ بھی طے کیا جاتا۔

ابن عبد البر نے کئی اور صحابہ کے اسماء بھی ذکر کیے ہیں، ابن تیمیہ نے ابن مظہر رافضی کے رد میں لکھی اپنی کتاب میں مہاجرین کی باہمی مواخات اور نبی اکرم کی حضرت علی کو اپنا بھائی قرار دینے کا انکار کیا ہے، کہتے ہیں مواخات کا سلسلہ تو اسلئے شروع کیا گیا تھا کہ بعض کو بعض کا رفیق بنایا جائے اور دلوں کو باہم جوڑا جائے، تو نبی پاک کی کسی کے ساتھ مواخات یا مہاجر کی مہاجر کے ساتھ مواخات سے مقصد حاصل نہیں ہوتا! تو ان کی یہ بات نص کو قیاس کے ساتھ رد کرنا اور مواخات کی حکمت سے غفلت ہے کیونکہ بعض مہاجرین مال و عشرت کے لحاظ سے دوسرے مہاجرین سے فائق تھے تو آپ نے اعلی وادنیٰ کے مابین مواخات قائم کی تا کہ ادنی اعلی سے مرتفق اور باہم ایک دوسرے سے متعاون ہوں، اسی سے آنجناب کی حضرت علی سے مواخات کی مناسبت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ آپ ہی نے ان کے بچپن سے ان کی نگہداشت کی اور اپنے گھر میں پالا پوسا تو یہی باہمی تعلق اس مواخات کی شکل میں جاری رہا، اسی طرح حضرت حمزہ اور زید بن حارثہ کے مابین مواخات قائم کی (جو دونوں مہاجر تھے)، زید آپکے آزاد کردہ غلام تھے اسی لئے عمرۃ القضاء میں حضرت زید کا بنتِ حمزہ کے بارہ میں یہ قول مذکور ہے کہ یہ میرے بھائی حمزہ کی بیٹی ہے۔

حاکم اور ابن عبد البر نے بسندِ حسن ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ نبی پاک نے حضرت زبیر اور ابن مسعود کے درمیان مواخات قائم کی، دونوں مہاجر تھے حاکم کی ابن عمر سے روایت میں ہے کہ ابو بکر و عمر اور طلحہ و زبیر کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا اسی طرح عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان کو، کئی اور کا بھی ذکر کیا ہے اس میں ہے کہ حضرت علی کہنے لگے یا رسول اللہ آپ نے اپنے صحابہ کے درمیان مواخات قائم کی ہے تو میرا بھائی کون ہے۔؟ فرمایا میں تمہارا بھائی ہوں۔ (وقال عبد الرحمن الخ) یہ ایک حدیث کا طرف ہے جو اوائل البیوع میں موصولا گزر چکی ہے، شیخ عماد الدین بن کثیر کا خیال ہوا کہ بخاری اس تعلیق سے حدیثِ انس کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو لکھا کہ قصہِ عبد الرحمٰن تو ان سے مسند نہیں البتہ ان کا یہ قصہ بخاری وغیرہ نے حضرت انس سے مسند کیا ہے تو شائد امام بخاری کا رجحان یہ ہے کہ حضرت انس نے اسے حضرت عبد الرحمٰن سے اخذ کیا ہوگا، تو انکا یہ دعوی و خیال مردود ہے۔ (وقال أبو جحيفة الخ) یہ حدیث بھی بتمامہ کتاب الصیام میں گزری ہے، مسلم کی حضرت انس سے ایک روایت میں حضرت ابو عبیدہ اور حضرت ابو طلحہ کی باہمی اخوت کا ذکر ہے۔

3937 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ قَدِمَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ، فَآخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ الأَنْصَارِيِّ، فَعَرَضَ عَلَيْهِ أَنْ يُنَاصِفَهُ أَهْلَهُ وَمَالَهُ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ، دُلَّنِي عَلَى السُّوقِ. فَرَبِحَ شَيْئًا مِنْ أَقِطٍ وَسَمْنٍ، فَرَآهُ النَّبِيُّ ﷺ بَعْدَ أَيَّامٍ وَعَلَيْهِ وَضَرٌ مِنْ صُفْرَةٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَهْيَمْ يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ. قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الأَنْصَارِ. قَالَ فَمَا سُقْتَ فِيهَا. فَقَالَ وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ. أطرافه 2049، 2293، 3781، 5072، 5148، 5153، 5155، 5167، 6082، 6386۔ (جلد سوم ص: ۲۵۹ میں مترجم ہے)

شیخ بخاری جو بیکندی ہیں، سفیان بن عیینہ سے راوی ہیں، اسکی شرح کتاب النکاح میں آئیگی۔

51باب (بلاعنوان)

تمام نسخوں میں اسی طرح بغیر ترجمہ کے ہے اگلے باب کی فصل کے بمنزلہ ہے، اصلاً شائد اس کے بعد ہی ہو۔

3938حَدَّثَنِي حَامِدُ بْنُ عُمَرَ عَنْ بِشْرِ بْنِ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ حَدَّثَنَا أَنَسٌ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَلَامٍ بَلَغَهُ مَقْدَمُ النَّبِيِّ ﷺ الْمَدِينَةَ، فَأَتَاهُ يَسْأَلُهُ عَنْ أَشْيَاءَ، فَقَالَ إِنِّي سَائِلُكَ عَنْ ثَلَاثٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا نَبِيٌّ مَا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَمَا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ وَمَا بَالُ الْوَلَدِ يَنْزِعُ إِلَى أَبِيهِ أَوْ إِلَى أُمِّهِ قَالَ أَخْبَرَنِي بِهِ جِبْرِيلُ آنِفًا .قَالَ ابْنُ سَلَامٍ ذَاكَ عَدُوُّ الْيَهُودِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ .قَالَ أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُهُمْ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ، وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ، فَزِيَادَةُ كَبِدِ الْحُوتِ، وَأَمَّا الْوَلَدُ، فَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ، وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ مَاءَ الرَّجُلِ نَزَعَتِ الْوَلَدَ .قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ .قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ الْيَهُودَ قَوْمٌ بُهُتٌ، فَاسْأَلْهُمْ عَنِّي قَبْلَ أَنْ يَعْلَمُوا بِإِسْلَامِي، فَجَاءَتِ الْيَهُودُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَيُّ رَجُلٍ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ فِيكُمْ .قَالُوا خَيْرُنَا وَابْنُ خَيْرِنَا وَأَفْضَلُنَا وَابْنُ أَفْضَلِنَا .فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ .قَالُوا أَعَاذَهُ اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ .فَأَعَادَ عَلَيْهِمْ، فَقَالُوا مِثْلَ ذَلِكَ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ عَبْدُ اللَّهِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ .قَالُوا شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا .وَتَنَقَّصُوهُ .قَالَ هَذَا كُنْتُ أَخَافُ يَا رَسُولَ اللَّهِ .أطرافه 3329، 3911، 4480۔

(دیکھئے اسی جلد کا سابقہ نمبر)

باب (مقدم النبی ﷺ المدینه) کے تحت ایک اور طریق سے منقول ہو چکی ہے۔ (ذاك عدو من الخ) تفسیر سورۃ البقرہ میں اس کی شرح ہوگی۔ (فنارتحشرهم الخ) اواخر کتاب الرقاق میں اس کی مفصل شرح آئیگی۔

(فزیادۃ کبد الحوت) اس زیادت سے مراد ایک ٹکڑا جو منفردا کبد میں لٹکا ہوتا ہے، ذائقہ کے لحاظ سے بہترین ہے، کہا جاتا ہے کہ (أهنأ طعام وأمرأه)۔ (یعنی لذیذ ترین اور زود ہضم)، حدیثِ ثوبان میں ہے کہ اہلِ جنت کو اولین تحفہ (زیادۃ کبدالنون) ہے، نون یعنی حوت بعض نے اس سے مراد وہ مچھلی لی ہے جس پر (ذکر کیا جاتا ہے کہ) یہ زمین قائم ہے اس سے دنیا کے ختم ہو جانیکا اشارہ پنہاں ہوگا۔ (نزع الولد) مفعولیت کی بنا پہ منصوب ہے، مسلم کی حدیثِ عائشہ میں ہے اگر شوہر کا پانی بیوی کے پانی پر عالی ہو تو بچہ اپنے اعمام سے اور اگر اس کے برعکس ہو تو اپنے اخوال سے مشابہ ہوتا ہے، بزار کی ابن مسعود سے روایت میں بھی یہی ہے مزید یہ بھی کہ آدمی کا پانی سفید اور غلیظ (موٹا) ہوتا ہے جبکہ عورت کا زرد اور رقیق (پتلا) تو ان میں جو اعلیٰ ہو جائے اسی سے مشابہت

ہوتی ہے، علو سے مراد سبقت لے جانا ہے (یعنی جو پہلے رحم میں پہنچ جائے) تو اس اعتبار سے یہ معنوی علو ہے۔

مسلم کی جو حدیثِ ثوبان میں ہے کہ اگر شوہر کی منی بیوی کی منی سے عالی ہو جائے تو بچہ وگرنہ بچی پیدا ہوتی ہے! تو یہ اس جہت سے باعثِ اشکال ہے کہ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ بچہ ہمیشہ چچاؤں اور بچی ہمیشہ ماموؤں سے مشابہ ہوگی حالانکہ مشاہدہ ہمیشہ اس کی تصدیق نہیں کرتا کیونکہ کبھی مذکر ہونے کے باوجود ماموؤں سے اور کبھی مؤنث ہونے کے باوجود چچاؤں سے مشابہت ہوتی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں حدیثِ ثوبان کی تاویل متعین ہے کہ علو سے مراد سبقت ہے، ابن حجر کہتے ہیں بظاہر وہ جو میں نے ذکر کیا، وہی حدیثِ عائشہ میں مذکور علو کی تاویل ہے، جہاں تک حدیثِ ثوبان کا تعلق ہے تو اس میں مذکور علو اپنے ظاہری معنی پر باقی رہیگا تو اس میں سبقت علامتِ تذکیر وتانیث ہے جبکہ علو، علامتِ مشابہت، اس سے اشکال ختم ہو جاتا ہے گویا وہ علو جو مشابہت کا سبب بنتا ہے اس طور کہ دوسرے فریق کا مادہ اس میں مغمور ہو جائے، چھ اقسام پر منقسم ہے، ایک یہ کہ آدمی کا پانی سابق اور اکثر ہو تو اس سے نومولود کو ذکورت مع مشابہت حاصل ہوگی، دوم اس کا عکس، سوم یہ کہ سابق تو آدمی کا پانی ہو مگر کثرت عورت کے پانی کی ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نومولود مذکر تو ہوگا مگر اسکی مشابہت عورت (یا اس کے رشتہ داروں) سے ہوگی، چہارم اس کا عکس، پنجم یہ کہ آدمی کا پانی سبقت لئے ہوئے ہو، کمیت میں دونوں کا پانی برابر ہو تو نومولود مذکر ہوگا مگر مشابہت اس سے مختص نہ ہوگی، ششم اس کا عکس۔

(قوم بهت) باء اور ھاء کی پیش کے ساتھ، ہائے ساکن بھی جائز ہے، بَہیت کی جمع جیسے قضیب وقُضب اور قلیب وقُلب یعنی ایسا جھوٹ باندھے کہ سامعتوں کو مبہوت کرے، بقول کرمانی اس کا واحد بَھُوت ہے۔ (فجاء ت اليهود) فزاری کی روایت میں ہے عبداللہ گھر کے اندر داخل ہوئے، عبداللہ بن بکر عن حمید کی روایت میں ہے کہ آنجناب نے یہودیوں کو آنے کا پیغام بجھوایا، حدیث میں اگرچہ تعمیم ہے مگر بظاہر وہی یہودی جنکا ابن سلام سے کوئی تعلق یا ان کے قبیلہ بنی قینقاع کے ہوں گے، ابن اسحاق نے اپنی کتابِ سیرت کے باب الھجر ۃ میں بنی قینقاع کے متعدد سرکردہ اشخاص کے نام ذکر کئے ہیں۔

3939 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو سَمِعَ أَبَا الْمِنْهَالِ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ مُطْعِمٍ قَالَ بَاعَ شَرِيكٌ لِي دَرَاهِمَ فِي السُّوقِ نَسِيئَةً فَقُلْتُ سُبْحَانَ اللَّهِ أَيَصْلُحُ هَذَا فَقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ، وَاللَّهِ لَقَدْ بِعْتُهَا فِي السُّوقِ فَمَا عَابَهُ أَحَدٌ، فَسَأَلْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ فَقَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ وَنَحْنُ نَتَبَايَعُ هَذَا الْبَيْعَ، فَقَالَ مَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَلَيْسَ بِهِ بَأْسٌ، وَمَا كَانَ نَسِيئَةً فَلاَ يَصْلُحُ. أطرافه 2060، 2180، 2497۔ (ترجمہ کیلئے دیکھئے جلد سوم ص:۲۷۲)

3940 وَالْقَ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ فَاسْأَلْهُ فَإِنَّهُ كَانَ أَعْظَمَنَا تِجَارَةً، فَسَأَلْتُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ فَقَالَ مِثْلَهُ. وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً فَقَالَ قَدِمَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَنَحْنُ نَتَبَايَعُ، وَقَالَ نَسِيئَةً إِلَى الْمَوْسِمِ أَوِ الْحَجِّ. أطرافه 2061، 2181، 2498۔ (ایضاً)

عمرو سے مراد ابن دینار ہیں۔ (باع شريك الخ) کتاب الشرکۃ میں مشروحا گزر چکی ہے، غرضِ ترجمہ (قدم علينا المدينة و نحن نتبايع) ہے، اس سے مستفاد یہ ہے کہ آنجناب نے ان کے تجارتی معاملات واسالیب کو برقرار رکھا ماسوا ان کے جنکا

استثناء فرمادیا۔

52 باب إِتْيَانِ الْيَهُودِ النَّبِيَّ ﷺ حِينَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ

(مدینہ کے یہودیوں کی آنجناب کے پاس آمد)

(هَادُوا) صَارُوا يَهُودَ وَأَمَّا قَوْلُهُ (هُدْنَا) تُبْنَا .هَائِدٌ تَائِبٌ

ابن عائذ نے عروہ کے طریق سے ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے آنجناب کی خدمت میں حاضر ہونے والا یہودی ابو یاسر بن اخطب تھا جو حُیَی بن اخطب کا بھائی تھا (حیی ام المؤمنین حضرت صفیہ کا والد تھا) آپ کی باتیں سنکر اپنی قوم سے کہنے لگا میری بات مان لو، یہ وہی نبی ہیں ہم جنکے منتظر ہیں مگر ان کا بھائی نہ مانا، وہ سردار آدمی تھا قوم نے اس کی مانی۔ ابوسعید شرف المصطفی میں سعید بن جبیر کے طریق سے لکھتے ہیں یہودیوں کا ایک سردار میمون بن یامین خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ انہیں بلایئے اور مجھے حکم بنادیں، وہ میری بات مانتے ہیں، آپ نے بلوایا، فرمایا میرے اور اپنے مابین کسی کو حَکَم بنالو، کہنے لگے میمون بن یامین کو بنالیتے ہیں اس پر آپ نے میمون کو صدا دی کہ باہر نکل آؤ، وہ نکلے اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، مگر باقی موجود یہودیوں نے انکار کردیا، ابن اسحاق لکھتے ہیں نبی پاک نے مدینہ آمد کے بعد جب دیکھا کہ یہودی مسلمان ہونے سے انکار کرتے ہیں تو ان کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ کیا، ان کے تین قبائل تھے: قینقاع، نضیر اور قریظہ تو ان تینوں نے یکے بعد دیگرے اس معاہدے سے انحراف کیا، بنی قینقاع پر احسان کیا، بنی نضیر کو جلا وطن کردیا اور (جب جنگ خندق کے موقع پر بنی قریظہ نے عظیم غداری کی تو) قریظہ کا قلع قمع کیا، المغازی میں مفصل حال بیان ہوگا۔ ابن اسحاق زہری سے ناقل ہیں کہ آنجناب کی مدینہ آمد کے بعد علمائے یہود کا بیت المدراس میں اجلاس ہوا باہم فیصلہ کیا کہ کل آپ کے پاس چلکر (دعوائے نبوت کی سچائی پرکھنے کیلئے) زانی کی حد کی بابت استفسار کریں۔

(ھادوا صاروا الخ) یہ بات ابوعبیدہ نے آیت: (وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ) [المائدہ: ۴۱] کی تفسیر میں لکھی ہے، دوسری آیت: (إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ) میں ھدنا بمعنی (تبنا) لکھتے ہیں۔

3941 حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا قُرَّةُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَوْ آمَنَ بِي عَشَرَةٌ مِنَ الْيَهُودِ لآمَنَ بِي الْيَهُودُ

ابو ہریرہ کہتے ہیں نبی پاک نے فرمایا تھا اگر دس یہودی مجھ پہ ایمان لے آئیں تو سبھی یہودی مسلمان ہوجائیں۔

قرہ سے ابن خالد اور محمد سے ابن سیرین مراد ہیں جملہ رواۃ بصری ہیں۔

(لو آمن بی عشرة الخ) اسماعیلی کی روایت میں ہے تو کوئی یہودی باقی نہ رہے مگر مسلمان ہوجائے، ابوسعید نے شرف المصطفیٰ میں اس روایت کے آخر میں مزید یہ بھی نقل کیا، کعب کہتے ہیں یہ وہی جنکے نام اللہ تعالی نے سورۃ المائدۃ میں ذکر کئے ہیں، اس پر ان دس سے مراد کوئی خاص دس ہیں وگرنہ تو اس سے زیادہ یہودیوں نے اسلام قبول کیا تھا، بظاہر ان سے مراد اس وقت کے رؤسائے یہود ہیں، ان رؤساء میں سے صرف عبداللہ بن سلام ہی نے اسلام قبول کیا تھا، بنی نضیر کے رؤساء میں ابو یاسر بن اخطب، ان کے بھائی حیی

بن اخطب، کعب بن اشرف، رافع بن ابو الحقیق۔ بنی قینقاع میں عبداللہ بن حنیف، فنخاص اور رفاعہ بن زید۔ بنی قریظہ میں زبیر باطیا، کعب بن اسد اور شمویل بن زید تھے تو یہ مذکورین اسلام نہ لائے تھے، ان میں ہر کوئی رئیس تھا اگر اسلام لے آتا تو یقیناً ان کی پیروی میں کافی یہودی مسلمان ہو جاتے، تو محتمل ہے کہ یہی مراد ہوں۔

ابو نعیم نے الدلائل میں ایک دیگر طریق سے اسی حدیث میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں: (لو آمنَ بی الزبیر بن باطیا وذَوُوہ مِن رؤساء یہود أسلَمُوا کُلُّہم) کہ اگر زبیر بن باطیا جیسے رؤسائے یہود اسلام قبول کر لیں تو سبھی مسلمان ہو جائیں، سہیلی نے غرابت کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھا کہ احبارِ یہود میں سے صرف ابن سلام اور عبداللہ بن صوریا مسلمان ہوئے تھے، ابن حجر کے بقول عبداللہ بن صوریا کا قبولِ اسلام کسی صحیح طریق میں منقول نہیں، ایک جگہ سہیلی نے اسے تفسیرِ نقاش کی طرف منسوب کیا ہے، کتاب المحاربین کے باب (احکام اہل الذمۃ) میں اس بابت کچھ معلومات ذکر کی جائیں گی۔ ابن حبان نے احبار کی ایک جماعت کے قبولِ اسلام کا قصہ ذکر کیا ہے جن میں زید بن سعد بھی شامل تھے، بیہقی نے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی نے آنجناب کو سورۃ یوسف پڑھتے سنا تو وہ اور کئی دیگر یہودی آئے اور اسلام قبول کر لیا، لیکن محتمل ہے کہ یہ احبار نہ ہوں، میمون بن یامین کے قبول اسلام کا حال بیان ہو چکا ہے، یحیی بن سلام اپنی تفسیر میں ابن سیرین عن ابی ہریرہ کے حوالے سے یہی حدیث نقل کرتے ہیں، اس میں ہے کہ کعب نے کہا (یعنی کعب احبار): (إنما الحدیث اثنا عشر)۔ (یعنی نبی اکرم نے دس نہیں بلکہ بارہ افراد کہے ہوں گے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان تھے: (وَ بَعَثْنا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبا) [المائدہ: ۱۲] اس پر ابو ہریرہ خاموش رہے، ابن سیرین کہتے ہیں ہمارے نزدیک ابو ہریرہ کعب سے اولیٰ ہیں، یحیی بن سلام لکھتے ہیں کعب کی بات بھی غلو نہیں کیونکہ مفہوم یہ تھا کہ ان دو یعنی عبداللہ بن سلام اور مخیّریق کے بعد اگر مزید دس افراد اسلام لے آتے تو سبھی مسلمان ہو جاتے۔

3942حَدَّثَنِي أَحْمَدُ أَوْ مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ الْغُدَانِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ أُسَامَةَ أَخْبَرَنَا أَبُو عُمَيْسٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي مُوسَى ؓ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَإِذَا أُنَاسٌ مِنَ الْيَهُودِ يُعَظِّمُونَ عَاشُورَاءَ وَيَصُومُونَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ نَحْنُ أَحَقُّ بِصَوْمِهِ فَأَمَرَ بِصَوْمِهِ

طرفه 2005۔ (دیکھئے جلد سوم ص: ۲۱۸)

سرخسی اور مستملی کے نسخوں میں بجائے عبید اللہ کے عبداللہ ہے، مگر مصغر أصح واشہر ہے، یہاں بخاری نے نام میں تذبذب کا اظہار کیا ہے مگر التاریخ میں بغیر شک کے احمد لکھا ہے۔ (عن أبی موسی) بعض نسخوں میں (عن أبی مسعود) ہے، یہ غلط ہے۔

3943حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَجَدَ الْيَهُودَ يَصُومُونَ عَاشُورَاءَ فَسُئِلُوا عَنْ ذَلِكَ، فَقَالُوا هَذَا الْيَوْمُ الَّذِي أَظْفَرَ اللَّهُ فِيهِ مُوسَى وَبَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى فِرْعَوْنَ وَنَحْنُ نَصُومُهُ تَعْظِيمًا لَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَحْنُ أَوْلَى بِمُوسَى مِنْكُمْ ثُمَّ أَمَرَ بِصَوْمِهِ .أطرافه 2004،

3397، 4680، 4737

سابقہ کے ہم معنی ہے۔ (وجد الیہود یصومون عاشوراء) اس میں اشکال یہ ہے کہ آنجناب کی آمد ربیع الاول میں ہوئی تھی، (یعنی محرم تو گزر چکا تھا) احتمالی جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگلے برس عاشوراء کے موقع پر یہ معلومات ملی ہونگی، بعض متاخرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ محتمل ہے وہ شمسی مہینوں کے حساب سے عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوں اور اس حساب سے ماہِ ربیع الاول میں آرہا ہو، اس سے اشکال کلیۃً ختم ہو جاتا ہے، ابن قیم نے بھی الھدی میں اسے مدِنظر رکھا اور لکھا ہے کہ وہ بحساب سیرِ شمس روزہ رکھتے تھے، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں ان کا اسطرح سے اشکال ختم ہونے کا دعوی عجیب ہے کیونکہ اس سے ایک اور اشکال جنم لیتا ہے وہ یہ کہ نبی اکرم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ عاشوراء کا روزہ رکھیں اور یہ ہر دور میں معروف رہا ہے کہ مسلمان ہمیشہ قمری تقویم کے مطابق ہی عمل پیرا ہوتے ہیں اور اس تقویم میں عاشوراء ہمیشہ محرم میں آتا ہے! کہتے ہیں البتہ طبرانی میں ایک جید سند کے ساتھ زید بن ثابت سے روایت میں ہے کہ عاشوراء وہ دن نہیں جو لوگ کہتے ہیں، یہ وہ دن تھا جس میں کعبہ کو غلاف پہنایا جاتا اور حبشی اس دن میلے ٹھیلے منعقد کرتے تھے اور یہ سال میں دائر ہوتا تھا (یعنی کبھی اس ماہ کبھی اس ماہ)، ہر سال لوگ فلاں یہودی کے پاس آکر اس سے پوچھتے کہ اس سال کا عاشوراء کس دن ہے؟ جب وہ مر گیا تو زید بن ثابت سے رجوع کرنے لگے، اس پر تطبیق کی صورت یہ ممکن ہے کہ اصلا حسابِ شمس ہی پر منحصر تھا، جب نبی اکرم نے عاشوراء کے روزے کا حکم دیا تو ساتھ ہی اسے أھِلّہ کے ساتھ بطور حکمِ شرعی مقید کر دیا۔ لیکن یہ دعوائے مطلق کہ اہلِ کتاب شمسی تقویم کے مطابق اپنا روزہ رکھتے تھے، محلِ نظر ہے کیونکہ یہودی بھی اھلہ کا ہی اعتبار کرتے تھے، یہی ہمارا ان سے مشاہدہ ہے البتہ محتمل ہے کہ اس زمانہ میں ان کے بعض لوگ شمسی حساب پہ چلتے ہوں مگر اب ایسے لوگ موجود نہیں، جیسے وہ لوگ بھی ختم ہوئے جن کی بابت اللہ نے خبر دی ہے کہ وہ حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے تھے۔

3944 حَدَّثَنَا عَبْدَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَسْدِلُ شَعَرَهُ وَكَانَ الْمُشْرِكُونَ يَفْرُقُونَ رُءُوسَهُمْ وَكَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدِلُونَ رُءُوسَهُمْ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيهِ بِشَيْءٍ، ثُمَّ فَرَقَ النَّبِيُّ ﷺ رَأْسَهُ. طرفاه 3558، 5917۔ (دیکھئے اسی جلد کا سابقہ نمبر)

(عن عبيد الله بن عبد الله) یہی زہری سے محفوظ ہے، مالک نے مؤطا میں زہری سے مرسلا روایت کیا، ان سے آگے کے واسطے ذکر نہیں کئے، حماد بن خالد نے غرابت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مالک کے حوالے سے (زهری عن أنس) ذکر کر دیا، بقول امام احمد یہ حماد کی غلطی ہے، زہری سے محفوظ (عن عبيد الله عن ابن عباس) ہے۔

(ثم فرق النبي الخ) فائے مفتوح اور رائے خفیفہ کے ساتھ، صفة النبي میں اس کی شرح گزر چکی ہے، آنجناب کا یہ طرزِ تعامل اخذاً بأخذ الأمرین کے طور تھا فتح مکہ کے بعد جب عُبادِ اوثان دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے اور کفار وہی باقی رہے جو اہلِ کتاب تھے تو اب ان کی مخالفت کی طرف پلٹ آئے۔

3945 حَدَّثَنِي زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ

عَبَّاسٍؓ قَالَ هُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ، جَزَّءُوهُ أَجْزَاءً، فَآمَنُوا بِبَعْضِهِ وَكَفَرُوا بِبَعْضِهِ (يَعْنِي قَوْلَ اللَّهِ تَعَالَى (الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ) .طرفاه 4705، 4706

ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں اس سے مراد اہلِ کتاب ہیں، جنہوں نے کتاب کو اجزاء میں بدل دیا کچھ پر ایمان رکھتے اور کچھ کا کفر کرتے۔

(وكفروا ببعضه) کشمیہنی کی روایت میں یہ آیت بھی مذکور ہے: (وَالَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِيْن) [الحجر: ۹۱] کہ جنہوں نے قرآن کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔

53 باب إِسْلاَمُ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ (حضرت سلمان فارسی کا قبولِ اسلام)

حضرت سلیمان کے نام ونسب اور بعض اموال کا تذکرہ کتاب البیوع میں گزر چکا ہے۔

3946 حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ عُمَرَ بْنِ شَقِيقٍ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ أَبِي وَحَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ أَنَّهُ تَدَاوَلَهُ بِضْعَةَ عَشَرَ مِنْ رَبٍّ إِلَى رَبٍّ

ابوعثمان کہتے ہیں میں نے حضرت سلمان فارسی سے سنا کہتے تھے کہ وہ کچھ اوپر دس افراد کے ہاں بطورِ غلام رہے۔

(قال أبي) یہ سلیمان بن طرخان تیمی ہیں، ابوعثمان سے مراد نہدی ہیں۔ (تداوله بضعة عشر الخ) یعنی جب تلاشِ حق کے سفر پہ نکلے تو یکے بعد دیگرے دس سے زائد آقاؤں کی ماتحتی میں رہنا پڑا، بظاہر انہیں حدیثِ ابی ہریرہ میں مذکور یہ نہی کہ سید (آقا) کو رب نہ کہا جائے، نہیں پہنچی، یہ کتاب البیوع میں گزری ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے ابن عباس عن سلمان سے نقل کیا ہے کہ وہ ایک شہزادہ تھے، ایک دن حق کی طلب میں محل سے بھاگ گئے ایک عابد سے دوسرے عابد کی طرف منتقل ہوتے رہے حتی کہ آخرِ تطواف یثرب پہنچ گئے، کتاب البیوع کے باب (الشراء من المشركين) میں ان کے اسلام کا حال بیان ہو چکا ہے کہ جس یہودی آقا کے پاس تھے ان سے معاہدۂ مکاتبت کیا، واوؔدی مدعی ہیں کہ ان کا حقِ ولاء اہل بیت کیلئے تھا کیونکہ وہ آنجناب کے ہاتھوں مسلمان ہوئے تھے لہٰذا آپ ہی کو ان کی ولاء حاصل ہوئی۔ ابن تین تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مالک کا مذہب یہ نہیں، کہتے ہیں ان کا آقا جسنے مکاتبت کی اگر مسلمان تھا تو حقِ ولاء اسی کیلئے تھا اور اگر کافر تھا تو حقِ ولاء عامۃ المسلمین کو منتقل ہوا، ابن حجر تبصرہ کرتے ہیں کہ وہ اس امر سے غافل رہے کہ نبی اکرم کی میراث کا کوئی وارث نہ تھا لہٰذا حضرت سلیمان کا جو حقِ ولاء آنجناب کے نام تھا وہ بھی وفات نبوی کے بعد کسی کے حصہ میں نہ آیا۔

3947 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَوْفٍ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ سَلْمَانَؓ يَقُولُ أَنَا مِنْ رَامَ هُرْمُزَ۔

حضرت سلمان کا قول ہے کہ میں رام ہرمز سے ہوں۔

(أنا من رام هرمز) ابن مفضل عن عوف کی روایت میں: (أنا من أهل رام هرمز) ہے، ایران کا ایک معروف شہر

ہے، احمد وغیرہ کی ابن عباس سے روایت میں ہے کہ اصفہان سے تعلق تھا، تطبیق ممکن ہے (یعنی صوبہ کا نام اصفہان تھا یا اس کے عکس)۔

3948 حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُدْرِكٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ فَتْرَةٌ بَيْنَ عِيسَى وَمُحَمَّدٍ ﷺ سِتُّمِائَةِ سَنَةٍ

سلمان کہتے تھے کہ حضرت عیسی اور نبی پاک کا درمیانی وقفہ چھ سو سال ہے۔

فترہ سے مراد وہ مدت جس میں اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول مبعوث نہیں کیا، یہ ممتنع نہیں کہ کوئی ایسا شخص نبی نہ آیا تھا (ابن حجر نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں: ولا يَمْتَنِع أنْ يَنبأَ فِيها مَن يَدْعُو إلى شريعة الرسول الأخيرة) جو رسول کی آخری شریعت (یعنی حضرت عیسی کی شریعت، اگر۔ الأخیرۃ۔ میں ۃ کاتب کی غلطی ہے تو معنی یہ ہوگا: آخری رسول کی شریعت) کی طرف دعوت دیتا ہو، ابن جوزی نے دعوی کیا ہے کہ اس حدیثِ سلمان میں مذکور یہ مدت متفق علیہ ہے مگر تعاقب میں کہا گیا ہے کہ اس میں اختلاف موجود ہے، قتادہ سے پانچ سو ساٹھ برس منقول ہے، اسے عبد الرزاق نے بحوالہ معمر نقل کیا، کلبی سے پانچ سو چالیس برس کا ذکر منقول ہے، بعض نے چار سو بھی کہا (اب طے ہو چکا ہے کہ نبی اکرم کی ولادت مبارک سیدنا عیسی کی ولادت کے ۵۷۱ برس بعد ہوئی، ٦٣١ء میں پہلی وحی آئی)۔

ان روایات کو اس ترجمہ کے تحت نقل کر کے یہ اشارہ دیا ہے کہ حضرت سلمان کے قصہ اسلام سے تعلق رکھنے والی باقی روایات ان کی شرط پر نہیں اگرچہ کئی ایک سند کے اعتبار سے صالح ہیں، احادیثِ باب کا محصّل یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسی کا قبولِ اسلام دس سے زائد آقاؤں کی غلامی کی مشقت جھیلنے کے بعد متحقق ہوا تھا۔

خاتمہ

مبعث و ہجرت کے یہ ابواب (120) مرفوع احادیث پر مشتمل ہیں ان میں (103) موصول اور باقی معلقات و متابعات ہیں، مکررات۔ اب تک۔ (77) ہیں، بائیس کے سوا باقی تمام متفق علیہ ہیں، ان ابواب میں چار یا پانچ آثارِ صحابہ و تابعین بھی شامل ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے توفیق الباری کی پانچویں جلد مکمل ہوئی، اس کے ساتھ ہی بخاری جلد اول مطبوعہ پاکستان کی شرح تمام پذیر ہوئی۔

وللہ الحمد

المكتبة الرحمانية
۹۹ – جے ماڈل ٹاؤن - لاہور
نمبر .....13677.....